دارالاشاعت کراچی

تصحیح واصلاح اور مکمل نظر ثانی شدہ ایڈیشن

تاریخ ابن کثیر

اردو ترجمہ

البدایۃ والنہایۃ

جلد اوّل

حصہ اوّل و دوم

اس حصہ میں تخلیق ارض وسماء، تخلیق ملائکہ وابلیس اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی تخلیق اور انکے بعد حضرت الیاس علیہ السلام تک آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام اور انکی قوموں کے حالات اور زمانوں کا تفصیلی تذکرہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کے مشہور وغیر مشہور انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جو حضرت حزقیل علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاتا ہے۔ پھر عرب جاہلیت کے بادشاہوں کی تاریخ ہے اور آخر میں سیدنا خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے احوال ہیں۔

حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ

ترجمہ وتحقیق

مولانا ابو طلحہ محمد اصغر مغل فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : نومبر ۲۰۰۸ء علی گرافکس
ضخامت : 804 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿..........ملنے کے پتے..........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL-3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

البدایہ والنہایہ معروف بہ

تاریخ ابن کثیر

حصہ اول ودوم

ختم شد حصہ اول و دوم تاریخ ابن کثیر

البدایہ والنہایہ

(معروف بہ)

تاریخ ابن کثیر

(حصہ اول)

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۷۷۴ھ

سیرت انبیاء کرام علیہم السلام

حمد وثنائے الٰہی

تمام تعریفات اللہ عزوجل کے لئے ہیں وہی اول وآخر ہے، اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور اس لئے کہ وہ قدیم ہونے کے علاوہ کائنات کی تمام اشیاء کے مقابلے میں واجب الوجود اور لم یزل ہے۔ ہمیشہ رہنے والی ذات ہے، باریک بین ہے کہ زمین پر چیونٹی کی سرسراہٹ کو بھی جانتا ہے۔ اسی نے تمام چیزوں حیوانوں، انسانوں، جنوں اور فرشتوں کو پیدا کر کے ان کی مقدار وتقدیر متعین کر دی۔ اسی نے آسمانوں کو بلاستون بلند کر کے کھڑا کیا اور انہیں ستاروں اور دوسرے روشن اجرام فلکی سے مزین کیا، اسی نے آسمان میں چمکتے ہوئے چاند اور سورج بنائے، اسی نے آسمانوں سے بالا عرش عظیم پر اپنا مسکن قائم کیا۔ جسے مکرم ومعزز فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کو ہر طرف سے مقرب فرشتے گھیرے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار فرشتے ادھر اُدھر حاضر رہتے ہیں نیز ستر ہزار فرشتے اور ہیں جو بیت معمور تک پہنچ کر لوٹتے نہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری مخلوقات عالم کے لئے پانی پر زمین کو ٹھہرایا اور اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کیا اور زمین میں پانی کے ذریعے رزق پیدا کیا۔ یہ سب تخلیق سماوات سے چار روز پہلے پیدا کیا اور زمین پر ہر چیز کو دو، دو جوڑوں کی صورت میں پیدا کیا اور یہ سب کچھ بنی نوع انسان کے لئے پیدا کیا جن میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو انسانوں کی خوراک کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسے مادہ منویہ سے مرحلہ بمرحلہ گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل کر کے انسانی شکل بخشی۔ پھر اسے سماعت وبصارت عطا فرما کر ہر طرح سے مکمل فرمایا اور اس کی زندگی کے لئے کوئی چیز مبہم باقی نہ چھوڑی۔ اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے اسے علم کا شرف بخشا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا آغاز تخلیق آدم سے کیا یعنی پہلے اس کا جسم بنایا۔ پھر اس میں روح پھونکی اس کے بعد فرشتوں نے آدم کو اللہ کے حکم سے سجدہ کیا۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ٹھہرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا جو ام البشر ٹھہریں اور ان کے ساتھ ان کی تنہائی کو دور کر کے دونوں کو جنت میں ٹھہرایا اس کے بعد انہیں زمین پر اتار کر ان کی اولاد میں کثرت سے مرد وعورت پیدا کیے اور انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کیا۔ کسی کو بادشاہ بنایا اور کسی کو رعایا، کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر، کسی کو آزاد پیدا کیا اور کسی کو اس کا غلام بنایا اور یہ سب کچھ اس نے اپنی خاص حکمت کے ساتھ کیا۔ اسی نے نوع انسانی کو زمین میں چاروں طرف پھیلایا، اور ان کو ضروریات میں ایک دوسرے سے مختلف بنایا اور یہ سب اس کی حکمت کے تحت ہے۔

اسی نے بنی نوع انسانی کے لئے سمندر، دریا اور چشمے پیدا کیے اور انہیں ان کی ضروریات زندگی کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اس نے انسان کے لئے زمین وآسمان اور ان کے اندر جو کچھ ہے مسخر کر دیا۔ اسی نے انسان کے لئے بادل پیدا کر کے ان سے بارش برسائی اور اس سے ان کے لئے کھیتیاں

اور باغات پیدا کیے، اس نے انسان کے حال وقال کے مطابق ہر چیز عطا فرمائی یہ انسان پر احسان عظیم ہے لیکن افسوس کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ پھر وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء ومرسلین کے ذریعہ بنی نوع انسان پر اپنے احکام وہدایات پر مشتمل آسمانی صحائف وکتابیں اُتاریں اوران میں تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک کی تمام تفصیلات شامل فرمادیں۔

چنانچہ وہ شخص بڑا سعادت منداور خوش نصیب ہے، جس نے ان کتب وصحائف کے ذریعہ فراہم شدہ خبروں کی تصدیق کی اورانہیں صدق دل سے تسلیم کیااور قرآن کریم میں جواوامر ونواہی موجود ہیں انہیں بخوشی قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہوا جس کی وجہ سے اس نے جہنم کے دردناک عذاب سے نجات پائی۔

میں اس ذات پاک کا بے حد شکر گزار ہوں کہ جس نے ہم انسانوں کوزمین وآسمان کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔اس کا کوئی شریک وحصہ دار ہے نہ عدیل، وہم مثال، اس کی بادشاہت قدیم اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اس کا کوئی مثالی نہیں ہے اور نہ ہی قسیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ واحداور لاشریک ہے۔اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی ساتھی ومشیر ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندےاور رسول اور اس کے حبیب وخلیل ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عرب میں شریف ترین شخص ہیں، حوض کوثر کے مالک اور محشر میں شفاعت کے حامل ہیں، خاتم الانبیاء ہیں جن کا پرچم روز قیامت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مقام محمود پر لہرائے گا، جس کے سائے میں پناہ لینے کے لئے مخلوق خداوندی جمع ہوگی، حتیٰ کہ جملہ انبیاء ومرسلین حضرت ابراہیم خلیل اللہ سمیت آپ ﷺ کے اس پرچم تلے آنے کے خواہش مند ہوں گے۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر درود وسلام، جنہوں نے آپ ﷺ کی مکمل اطاعت کر کے ظلمت کے اندھیرے کو نور کی روشنی میں تبدیل کیا۔وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات میں افضل ترین ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حمد وثنا کے بعد یہ بندہ (عماد الدین ابن کثیر) خدائے بزرگ وبرتر کے حسن توفیق، اس کی امداد واعانت اوراس کی بخشی ہوئی طاقت کے سہارے اس کتاب میں تخلیق ملائکہ وجنات اور شیاطین، کیفیتِ تخلیق آدم علیہ السلام، بنی اسرائیل اور دیگر اقوام کے انبیاء اوران کے قصص، نیز ان کے جملہ حالات وکوائف اور نبی کریم ﷺ کی نبوت تک تاریخی حالات بیان کرے گا جس سے قوی امید ہے کہ بنی نوع انسان کی فلاح کے علاوہ ان کے باطنی وروحانی امراض کی تلافی اور صحیح علاج کا ذریعہ میسر ہوگا۔

اس کے بعد ہم اس کتاب میں ان حالات کا ذکر کریں گے جو ہمارے زمانے تک گزرے ہیں اوراس کے ساتھ حشر ونشر اور روز قیامت کے حالات، دوزخ اوراس کی کیفیت، جنت اوراس کے حسین وجمیل مناظر نیز ان سے متعلقہ وہ تمام باتیں جواحادیث نبوی ﷺ اور علمائے کرام کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں بیان کریں گے۔

اسرائیلیات میں سے ہم صرف وہی باتیں بیان کریں گے جنہیں بیان کرنے کی نبی علیہ السلام نے ہمیں اجازت دی ہے اور وہ اسرائیلیات بھی کہ ان میں اور قرآن پاک کے بیان کردہ قصص میں کوئی تضاد نہیں ہے، تاہم ان کی تصدیق یا تکذیب کی ذمہ داری بحیثیت مؤرخ ہم پر لازم نہیں ہوتی ہم صرف اللہ جل شانہ سے یہاں انہیں مختصر بیان کرنے کے لئے اس کی ہدایت کے طالب ہیں **و هو المستعان.**

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

كذالك نقص عليك من أنباء ما قدسبق وقد اٰتيناك من لدنا ذكرا

یعنی اسی طرح ہم آپ پر گزشتہ خبروں سے قصے بیان کریں گے اور ہم نے آپ کو اپنی جناب سے ذکر عطا فرمایا۔

اللہ نے قرآن پاک میں اپنے نبی علیہ السلام کے لئے اپنے دوستوں اور دشمنوں کے قصوں کا ذکر فرمایا لیکن اسی حد تک جو آپ کی اُمت کے لئے کافی وشافی ہو۔

بہر حال آپ سے ہم تک جو کچھ پہنچا اسے بیان کرنے پر ہم نے اکتفا کیا اور وہی بیان کیا ہے جو اُمت مسلمہ اور بنی نوع انسان کے لئے سودمند ہو البتہ ہم ان بیانات کو اس کتاب میں شامل کرنے سے قاصر ہیں جن میں علماء ومؤرخین سے سہواً غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ یا جن میں اکثر وبیشتر

اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرامینِ نبوی ﷺ ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے (بلغوا عنی ولو آیۃ) ترجمہ: میری بیان کردہ ایک بات ہی کیوں نہ ہو دوسروں تک پہنچادو۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"اگر اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو بنی اسرائیل کا ذکر کرو، میری احادیث کے بارے میں جھوٹ نہ لو لو (کیونکہ) جس نے میری احادیث کے بارے میں جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا"۔

یہ بات آپ نے اسرائیلیات کے اذکار کے بارے میں ارشاد فرمائی جن کے بارے میں ہمارا خاموش رہنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ہمیں ان کی تصدیق یا تکذیب کی ضرورت ہے۔

ہم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے مآخذ کے بارے میں اعتماد پر مبنی ہے۔ البتہ شریعت کی رُو سے ہمارے نزدیک جو باتیں مصدقہ ہیں ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رسول بخشا وہ سب رسولوں سے برتر و افضل ہے اور اس پر جو کتاب نازل فرمائی وہ سب کتب آسمانی پر برتر و افضل ہے کیونکہ دوسری تمام آسمانی کتابوں میں تحریف و تغیر اور حذف و اضافے ہو چکے ہیں۔

ہماری ضرورت وہ کلام ربانی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت باسعادت کے ذریعے سے ہم تک پہنچا اب کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: قرآن میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کی تمام خبریں موجود ہیں، اس میں جو احکام ہیں ان کے صدور کا محل بھی ضروری تھا اور وہ بے محل نہیں ہیں، سو جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کیا وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور کی ہدایت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا وہ گمراہ ہے"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "حضور ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے تک ہمیں ہر بات کی خبر کر دی تھی حتیٰ کہ جو پرندہ اپنے پروں کے ذریعے اڑتا ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرما دیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب بدء الخلق کے آغاز میں فرمایا ہے:

(از عیسیٰ بن موسیٰ غنجار بحوالہ رقبہ قیس بن مسلم اور طارق بن شہاب) ایک روز جب رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے تخلیق کائنات سے لے کر اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک تمام حالات ہم سے بیان فرمائے۔ بہر حال جس نے انہیں یاد رکھا یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا سو بھلا دیا۔ یہ روایت ابو مسعود دمشقی اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی ہے جسے عیسیٰ غنجار نے ابی حمزہ اور رقبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

نبی علیہ السلام کا خطبہ، تخلیق کائنات ۔۔۔۔۔ یہی روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بیان فرمائی:

(از ابو عاصم عزرہ بن ثابت، علبا بن احمر یشکری اور حضرت ابوزید انصاری) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ظہر تک ہم سے خطاب فرماتے رہے پھر ظہر کی نماز کے بعد عصر تک خطاب فرمایا، پھر عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مغرب تک اسی طرح خطاب فرمایا اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے ان سب خطبوں میں تخلیق کائنات سے لے کر تا قیامت تمام کوائف کا ذکر فرمایا اور ہم نے انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا۔

اس روایت کو قریباً اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طریق سے اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں بعنوان "کتاب الفتن" کے ذیل میں یعقوب بن ابراہیم الدورقی، حجاج بن شاعر کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا، کہ ان تمام حضرات کی بیان کردہ یہ حدیث نبوی ﷺ اصلاً یکے بعد دیگرے ابی عاصم، ضحاک بن مخلد، نبیل بن عزرہ، علبا، ابی زید بن عمرو بن اخطب بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

فصل

خالق کون مخلوق کون؟......اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ارشاد فرمایا ہے:

"الله خالق كل وهو على كل شي وكيل"

اس لئے حقیقت میں وہی ہر چیز کا خالق ہے اور باقی تمام اشیاء اس کی مخلوق ہیں اور وہی ان تمام اشیاء کا منتظم حقیقی ہے اور اس کا عرش وہ چھت ہے جو زمین کی سطح سے تحت الثریٰ تک اس مخلوقات جامد اور ناطق کے اوپر قائم اور دائم ہے اور اس کی ہمیشہ رہنے والی ذات ان سب مخلوقات کی معبود ہے اور یہ مخلوقات اسی کے جبر وقدرت کے تحت مختلف کاموں پر مامور ہیں اور اسی کے تصرف اور مشیت کے تحت اپنے اپنے کام کررہی ہیں اور وہی ذات پاک ہروقت ہرلحہ ان کے ساتھ ہے اور اسے ان کے ہر کام کی خبر اور بصیرت حاصل ہے:

"وهو معكم أينما كنتم والله بما تعملون بصير"

چھ روز میں تخلیق ارض وسماں......تمام بڑے بڑے علماء اس بات پر متفق ہیں اور اس میں بالکل شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے۔

البتہ اگر اس ضمن میں ان علماء کرام کے درمیان بظاہر کوئی اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ آیا ان چھ دنوں سے وہی دن مراد ہیں جن کا ہم اس دنیا میں شمار کرتے ہیں یا جو بتایا گیا کہ وہ دن مراد ہیں جن میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے، نیز یہ کہ آیا زمینوں اور آسمانوں کے درمیان ان چھ دنوں سے پہلے بھی کوئی چیز تخلیق ہوئی تھی یا نہیں؟ اس موضوع پر ہم آگے چل کر مفصل گفتگو کریں گے جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ پر بحث کر چکے ہیں۔

بعض صلحاء فرماتے ہیں کہ زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے ان کے درمیان کوئی چیز موجود نہیں تھی اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تخلیق سے پہلے ان کے درمیان کوئی چیز موجود تھی۔ جس کے ثبوت میں وہ لوگ قرآن کریم سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وهو الذى خلق السمٰوٰت فى ستة أيام الأرض وكان عرشه على الماء"

یعنی اس نے زمین اور آسمانوں کو چھ روز میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

جیسا کہ حدیث عمران میں موجود ہے۔ (جس کا آگے چل کر ہم انشاء اللہ مفصل بیان کریں گے۔)

تخلیقِ کائنات سے پہلے خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی بلکہ کائنات ایک دم سے عدم سے وجود میں آئی۔

"كان الله ولم يكن قبله شى وكان عرشه على الماء......الخ".

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بہز، حماد بن سلمہ، ابویعلیٰ ابن عطاء، وکیع بن جدس اور رزین بلقیط بن عامر عقیلی کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ سے کسی نے روز دریافت کیا: "یارسول اللہ ﷺ زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ہمارا رب کہاں تھا؟" اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ لامکاں میں تھا جس کے اوپر اور نیچے ہوائی خلا تھا، پھر اس نے اپنا عرش پانی پر تخلیق فرمایا"۔

سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی؟......امام احمد نے یہی حدیث مبارکہ یزید بن ھارون اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں سوالاً جواباً وہی الفاظ بیان کیے ہیں جن کا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے استخراج کرتے ہوئے اسے "روایت حسن" کہا ہے، تاہم ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث احمد بن منیع، ابن ماجہ، ابی بکر بن ابی شیب اور محمد بن صباح کے الفاظ میں یزید بن ہارون کے حوالے سے بیان ہے لیکن اس بارے میں علمائے دین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز تخلیق فرمائی۔ کچھ علماء کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس کے بعد باقی تمام اشیاء تخلیق فرمائیں۔

ابن جریر اور ابن جوزی نے بھی یہی بات اختیار کی ہے، جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ قلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے باریک بادل پیدا فرمایا، تاہم ان جملہ اصحاب نے اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کیا ہے جو امام احمد، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرمایا اور قلم نے (اس کے حکم سے) وہ تمام موجودات کون ومکان جو روز اول سے تا قیامت وجود میں آنے والی تھیں لکھ دیں)۔

اس حدیث مبارکہ کی روایت کے الفاظ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں تاہم اس حدیث کو حسن اور صحیح کے ساتھ غریب بھی لکھا ہے، لیکن حدیث نبوی کے ان الفاظ پر جمہور علمائے دین کا اتفاق ہے۔

عرش کی تخلیق پہلے ہوئی...... حافظ ابوالعلاء ہمدانی وغیرہ نے نقل کیا ہے:

"انّ العرش مخلوق قبل ذالک"

"سب سے پہلے یعنی قلم سے بھی پہلے عرش کی تخلیق ہوئی"۔

بہرحال یہ ابن جریر کی روایت ہے جو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسی کی سند پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ان الفاظوں کا بھی اضافہ کیا ہے کہ ہم سے ابوطاہر نے یکے بعد دیگرے احمد بن عمر بن سرح، ابن وہب، ابوہانی خولانی، ابی عبدالرحمن الحبلی اور عبداللہ بن عمر ابن العاص کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا: "اللہ تعالیٰ نے ارض وسماوات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام موجودات کی تصاویر بنادی تھیں اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ان مخلوقات سے پہلے قلم کی تخلیق ہوئی"۔

اس حدیث کی تائید کرتے ہوئے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اہل یمن نے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا کہ موجودات عالم میں سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے پہلے کوئی شے نہیں تھی۔

تاہم بعض روایات میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

"وکان عرشه علی الماء وکتب فی الذکر کل شئی وخلق السموات والارض"

لیکن تخلیق عالم کے سلسلے میں اہل یمن نے حدیث کے وہ الفاظ بیان نہیں کیے جو ابن رزین کی روایت کردہ حدیث میں موجود ہیں جنہیں ہم نے اوپر سطور میں من عن نقل کیا ہے۔

ایک اور روایت...... البتہ ابن جریر اور متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے قبل پانی پیدا فرمایا تھا۔ سدی نے ابن مالک، ابی صالح، ابن عباس اور مرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے نیز متعدد دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان کیا ہے کہ:

"ان اللّٰہ کان عرشه علی الماء ولم یخلق الماء"

یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے قبل کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمائی تھی۔

بہرحال ابن جریر ہی نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عزوجل نے نور وظلمت تخلیق فرمائے پھر انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے ظلمت کو رات کی تاریکی اور نور کو روشن دن کی شکل عطا فرمادی"۔

ابن جریر کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی کہا ہے کہ:

"ہمارے رب نے قلم کے بعد کرسی، کرسی کے بعد عرش کی تخلیق فرمائی جس کے بعد ہوا اور ظلمت پیدا کیے اور اس کے بعد پانی پیدا کیا اور اس پر اپنا عرش مقرر فرمایا"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

عرش کی صفات......عرش و کرسی کی صفات جو قرآن شریف میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں:

۱...... الرحمن علی العرش استویٰ۔

۲...... رفیع الدرجات ذوالعرش۔

۳...... فتعالی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھورب العرش الکریم۔

۴...... لا الہ الا ھورب العرش العظیم۔

۵......وھوالغفور الودود ذولعرش المجید۔

۶...... ثم استوی علی العرش۔

۷...... الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون بہ و یستغفرون للذین آمنو ربنا وسعت کل شئی رحمۃ وعلماً۔

۸...... ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ۔

۹...... وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم

دعائے کرب اور عرش کا ذکر......اس کے علاوہ صحیح البخاری میں جو دعائے کرب آئی ہے اس میں عرش کا ذکر یوں آیا ہے:

"لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم، لا الہ الا اللہ رب العرش الکریم، لا الہ الا اللہ رب السمٰوات ورب الارض ورب العرش الکریم"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور یحییٰ بن عُلا نے اپنے چچا شعیب بن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ سماک بن حرب نے عبداللہ بن عمیرہ، احنف ابن قیس اور عباس بن عبدالمطلب کے حوالے سے روایت کی کہ ایک روز وہ آنحضرت رضی اللہ عنہ کے پاس مکے میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھ کر بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا یہ جو تم دیکھ رہے ہو کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ یہ بادل ہیں" اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا "کیا ان میں مزن (بارش) نہیں ہے" ہم نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ مزن بھی ہے" اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا "اور عنان؟ یہ سُن کر ہم چپ رہے کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "سحاب وعنان میں پانچ سو سال کی دوری ہے" اس کے بعد مذکورہ بالا اصحاب کے بقول آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک راستہ کھلا ہوا (صاف) ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر اور نیچے خلائی بحر ہے جیسا زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہے، ساتویں کے اوپر آٹھ چڑھائیاں ہیں جیسی کہ زمین اور پہلے آسمان کے درمیان میں ہیں۔ جن کے بعد نشیب وفراز ہیں عرش کی پہنائی ہے جو عرش الٰہی کہلاتی ہے اور اتنی بلندیوں سے اللہ تعالیٰ کو بنی آدم کے ہر عمل کا علم ہوتا رہتا ہے"

یہ حدیث مبارک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں مروی ہے جسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے ہاں سماک کی بیان کردہ حدیث بتا کر نقل کیا ہے۔ اس حدیث مبارک کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث حسن بتایا ہے ویسے اس حدیث کی روایت میں کئی دیگر حضرات بھی شریک ہیں جو اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اصلاً سماک کی روایت کردہ ہے اور اس میں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کچھ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کے متعلق جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بحث چلی تو آپ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے تم پر کیا تم عرش وفرش اور ارض وسما اور ان کے درمیان جو خلائی فضا وغیرہ ہے اس کے بارے میں اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ان سب پر محیط اور اس کی ذات پاک عظیم ترین ہے"

ابن بشار کی روایت اس حدیث کی لفظی توسیع کے بارے میں ہیں "انّ اللّٰہ فوق عرشہ فوق سمواتہ ہے"جس کے بعد حدیث نبوی ختم ہوتی ہے۔اس حدیث کو عبدالاعلیٰ، ابن مثنیٰ اور ابن بشار نے بھی یعقوب بن عتبہ، جبیر بن محمد بن جبیر اور ان کے والد اور دادا کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن سعید کے حوالہ سے روایت کرتے ہوئے صحیح بتایا ہے۔

اس حدیث کی صحت پر جس جماعت کو اتفاق ہے ان میں یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی بھی شامل ہیں۔اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اس حدیث سکو ایک اور جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔ بہر حال احادیث کا جو نسخہ ہمیں دستیاب ہوا ہے اس میں اس حدیث کو عبدالاعلیٰ، ابن مثنیٰ اور ابن بشار کی ساعت سے منسوب کیا گیا ہے اور اس سے استخراج ابوداؤد نے کیا ہے۔

بہر حال حافظ ابوالقاسم بن عساکر دمشقی نے اس حدیث کے خلاف اور اس کی رد میں جزوی طور پر باقاعدہ ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس کا نام ''بیان الوھم والتخلیط الواقع فی حدیث الاطیط" رکھا ہے اور اس کے راویوں میں سے صرف محمد بن اسحٰق پر طعنہ زنی کی ہے اور اس میں لوگوں کے کلام کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس لفظ کا ذکر ابن اسحٰق کے علاوہ متاخرین کے ہاں اس حدیث کے سلسلے میں اکثر ملتا ہے مثلاً عبد بن حمید اور ابن جریر نے اس کی شرح کرتے ہوئے اور ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اپنی کتابوں، کتاب السنۃ'' میں اسی عنوان سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے نیز بزار نے اپنی مسند اور حافظ ضیا مقدسی نے اپنی کتاب ''مختار میں ابی اسحٰق سبیعی کے ذریعہ عبداللہ بن خلیفہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ''ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا'' یارسول اللہ (ﷺ) میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمایئے کہ وہ مجھے (مرنے کے بعد جنت میں داخل فرمائے'' تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا ذکر فرماتے ہوئے اس عورت سے فرمایا'' کیا تم جنت اور خدائے بزرگ و برتر کے عرش و کرسی کو اپنی دنیاوی فضا کی طرح کوئی محدود چیز سمجھ بیٹھی ہو'' اور مذکور بالا راویوں کے بقول جنت اور عرش و کرسی کی پہنائی اور اس کی وسعت کا ذکر فرماتے ہوئے اسی لفظ "اطیط'' کا اضافہ فرمایا۔عبداللہ بن خلیفہ کے نزدیک بہر حال یہ حدیث غیر مشہور اور اس میں حضرت کا حوالہ محل نظر ہے اور جن دوسرے راویوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اسے حدیث مرسل ٹھہرایا ہے اور ہمارے خیال میں بھی اس میں غریب اضافے ہیں۔واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا''جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرو تو اس سے فردوس کا سوال کیا کرو جو جنت کے اعلیٰ و اوسط درجات ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے'' اس حدیث نبوی ﷺ کو ہمارے شیخ حافظ مزی نے'' حدیث حسن'' میں بتاتے ہوئے لفظ "فوقہ" کی جگہ "اعلاھا" اور اس کے بعد عرش الرحمٰن'' لکھا ہے لیکن بعض کتب احادیث میں راویوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اہل فردوس عرش کی طرف سے آتی ہوئی ''اطیط (آواز بھی سنیں گے جو (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعظیم ہوگی'' جس کا مطلب فردوس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کی قربت ہے۔

مجموعہ احادیث صحیح میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' سعد بن معاذ کی موت سے عرش خوش ہوا۔

حافظ بن حافظ محمد ابن عثمان بن ابی شیبہ اپنی کتاب صفت العرش میں بعض اسلاف کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرش کی تخلیق یاقوت احمر (سرخ) سے ہوئی اور اس کا قطر ایک طرف سے دوسری طرف تک پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے اور جیسا کہ ہم نے ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہ کے ارشاد "تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ" کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ارشاد ربانی کے مطابق ملائکہ اور روح کے روزانہ چڑھنے کی مسافت پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے۔اور یہ کہ عرش سے زمین کی طرف فرشتوں اور روح کی یہ آمد و رفت ہر بار پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہوئی۔ متکلمین میں سے بعض کے نزدیک ہے کہ عرش فلک مستدیر ہے اپنی ہر جانب سے عالم پر محیط ہے اور اس لئے عرش کو فلک نہم اور فلک اطلس واثیر کا نام دیا ہے لیکن یہ بات شریعت کے خلاف ہے اس سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ عرش کو ملائکہ اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے پائے میں انہیں کوئی اٹھائے ہوئے ہیں جب کہ کسی آسمان کے پائے نہیں ہیں اور وہ بے ستون قائم ہیں یعنی انہیں کوئی اٹھائے ہوئے نہیں۔ پھر یہ کہ عرش جنت کے اوپر ہے اور جنت آسمانوں کے اُوپر ہے اور جنت کے سو درجات ہیں اور ان کے ہر درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی درجے کے فاصلے کے برابر ہے چنانچہ عرش و کرسی کے مابین جو فاصلہ ہے اسے آسمانوں کے درمیانی فاصلے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

عرش کی لفظی تحقیق......اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عربی لغت کے لحاظ سے عرش سریر یعنی تخت کا ہم معنی لفظ ہے یعنی ویسا ہی تخت جیسا بادشاہوں کا ہوتا ہے۔

عرش ایک تخت ہے......وہ عرش عظیم' ہے جو قطعی طور پر فلک نہیں ہوسکتا نہ اہل عرب اسے فلک سمجھ سکتے ہیں چونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اہل عرب عرش کو فلک کس طرح کہہ سکتے یا سمجھ سکتے ہیں؟ اس لئے کہ عرش واقعۃً ایک تخت ہے، اس میں پائے ہیں اور اسے فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ جیسا کہ کہا گیا ہے ایک گول گنبد کی شکل ہے جو مخلوقات کی چھت ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا

یعنی وہ فرشتے ہیں جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے چار طرف اپنے رب کی حمد میں مصروف رہتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں۔

یہ فرشتے جیسا کہ ہم حدیث اوعال میں پہلے بیان کر چکے ہیں تعداد میں آٹھ ہیں، اور عرش کو اپنی پشتوں پر لیے ہوئے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذثمانیة"

"اور تیرے رب کا عرش ہر روز آٹھ فرشتے اُٹھائے رہتے ہیں"۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ عرش کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں یا عرش اُٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جن میں سے چار فرشتے کہتے رہتے ہیں:

"سبحانک اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک"

اور چار فرشتے یہ کہتے رہتے ہیں:

"سبحانک اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علیٰ عفوک بعد قدرتک"

جو حدیث اس بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں' ہم سے عبداللہ بن محمد یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدۃ بن سلیمان نے محمد بن اسحاق، یعقوب بن عقبہ، عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمیہ یعنی بن ابی الصلت کے جن اشعار کو سن کر ارشاد فرمایا......"سچ کہا"۔

فرمایا......وہ اشعار یہ ہیں:

"وجل وثور تحت رجل یمینہ
والنسر للأخری ولیث مرصد"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" سچ کہا"۔ پھر اس نے کہا:

"والشمس تطلع کل آخر لیلة
حمراء مطلع لونھا متورد
تأبی فلا تبدو لنا فی رسلھا
الا معذبة والا تجلد

ترجمہ......سورج طلوع ہونے پس و پیش کرتا ہے، پھر وہ حسب دستور زیر عذاب اور زیر عتاب ہو کر طلوع ہوتا ہے۔

ان اشعار کے بارے میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے"سچ کہا" ارشاد فرمایا جو صحیح الاسناد راویوں اور ثقہ اصحاب سے مروی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ عرش الٰہی کے حامل چار چار فرشتے ہیں جو ہر روز یکے بعد دیگرے اسے اٹھائے رہتے ہیں۔(۱)

(۱)......اس شعر کے بعد امیہ بن صلت کے اشعار ہیں جو حصہ دوم کے صفحہ ۸۶۵ پر بمعہ ترجمہ موجود ہیں۔

ایک عرض...... لیکن ان چار فرشتوں کے بارے میں ان کی تعداد وصفات کا اثبات جو ہم نے ان اسناد کی بناء پر کیا ہے وہ اگر چہ حدیث اوعال سے متعارض ہے لیکن اس کی ہم تردید نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

کرسی کیا ہے؟...... ابن جریر نے جویبر کے واسطہ سے حسن بصری کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے اسے ضعیف بتایا گیا ہے کہتے ہیں کہ در حقیقت کرسی ہی عرش ہے۔

لیکن اس حدیث کی روایت حسن بصری سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ کرسی کے بارے میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین رضی اللہ عنہ بلکہ خود حضرت حسن بصری نے کہا ہے وہ یہ کہ کرسی عرش کے علاوہ دوسری کوئی چیز ہے اور انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک آیت کریمہ (وسع کرسیہ السموات والارض) پیش کی ہے اور کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے کرسی کے بارے میں صحیح حدیث کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کیا ہے تاہم انہوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری، عمار دھنی، مسلم بطین، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش نہیں کیا بلکہ اس کا استناد شیخین (رضی اللہ عنہما) سے کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کرسی کو "موضع قدمین" کہہ سکتے ہیں لیکن عرش کی مقدار و وسعت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔

اس روایت کو شجاع بن مخلد الفلاس نے اپنی تفسیر میں درج کرتے ہوئے اسے "حدیث مرفوع" بتایا ہے اور اس کی صحت کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان پر موقوف ظاہر کیا ہے۔ ویسے کرسی کا بیان جو ابن جریر سے ابو موسیٰ اشعری، ضحاک بن مزاحم، اسماعیل بن السدی الکبیر اور مسلم البطین کے حوالے سے مروی ہے اس میں السدی کے بقول کرسی کو عرش کے نیچے بتایا گیا ہے۔ السدی نے یہ بھی کہا ہے کہ زمین اور تمام آسمان کرسی کے درمیان ہیں اور خود کرسی عرش کے درمیان ہے۔

ابن جریر نے ابن ابی حاتم اور ضحاک کی طرح بیان کیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی پہلے سات طبقات میں منقسم تھیں لیکن بعد میں ایک ساتھ جڑ کر کرسی کی وسعت میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جگہ سمٹ گئیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے یونس اور ابن وہب نے ابن زید کی زبانی بتایا کہ ان کے والد نے از ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

"کرسی عرش سے ایک لوہے کے حلقے کی طرح ملحق ہے جیسے میری کمر کے گرد خا کی دائرہ ہو اور کمر اس دائرے سے ملحق ہو"۔

لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے اور ان سے بطریق موصول روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں سلیمان بن احمد طبرانی، عبداللہ بن وہیب مغربی، محمد بن ابی سری عسقلانی اور محمد بن عبداللہ تمیمی نے قاسم بن محمد ثقفی، ابی ادریس خولانی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے کرسی کے بارے میں جب سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عرش کی کرسی پر فضیلت...... "جس ذات پاک کے قبضے میں میری جان ہے اس کی قسم سات آسمان اور سات زمینیں (زمین کے سات طبقات) اس کے ماسوا کہ وہ کرسی کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں (اور کرسی بھی اس حلقے میں) شامل ہے اور کچھ نہیں اس لئے جس طرح کسی اصل شے کو حلقے پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح عرش کو کرسی پر فضیلت حاصل ہے"۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن وکیع نے کہا کہ ان کے والد یعنی ابن وکیع کے والد نے ابن وکیع سے سفیان، اعمش، منہال بن عمرو اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان اصحاب نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عرش تخلیق عالم سے قبل پانی پر تھا تو پھر پانی کس چیز پر تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پانی میں ہوا پر تھا اور تمام آسمان

زمینیں اور جو کچھ اُن میں ہے وہ سب کا سب اس چیز کے گرد حلقہ میں تھا جسے کرسی کہا جاتا ہے منبہ ابن ہیکل سے بھی اسی طرح کی ایک حکایت مروی ہے۔

ویسے وہب نے ہیکل کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جس کے گرد آسمانوں اور زمینوں نے فضا کے الحاق سے حلقہ بنا رکھا ہے جسے فسطاط کی طنابوں سے اسے روک رکھا ہوا اور یہی ہیکل کرسی ہے بعض ہیئت دان کہتے ہیں کہ کرسی سے درحقیقت آٹھواں آسمان مراد ہے جس میں ستارے ثبت ہیں اور اسی لئے اسے ثوابت یعنی ٹھہرے ہوئے ستاروں کا آسمان کہا جاتا ہے۔

یہ قول محل نظر ہے ......اس خیال کو جو ہیئت دانوں نے پیش کیا ہے کچھ دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر محل نظر قرار دیا ہے کہ اگر یہ نظریہ تسلیم کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس آٹھویں آسمان کو باقی دوسرے سات آسمانوں سے بڑا تسلیم کیا جائے جو حدیث نبوی ﷺ سے اس بارے میں بالکل متضاد ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس نظریہ کو تسلیم کیے بغیر بھی وہ کرسی کو تمام آسمانوں اور زمین کے طبقات پر محیط سمجھتے ہیں لیکن یہ کوئی آسمان نہیں ہے۔

کرسی اور فلک مترادف نہیں ہیں ......اس کے علاوہ عربی لفظ کرسی کو کسی عربی لغت میں فلک کا مترادف نہیں بتایا گیا۔ ویسے بھی اسلاف نے کرسی کو عرش کا درمیانی حصہ بتایا ہے اور اس سے بھی اس کا فلک ہونا ثابت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ ہیئت دانوں نے آٹھویں آسمان کا خیال جو ظاہر کیا ہے اس میں ستاروں کے جڑنے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا یہ تمام نظریات اور ان کے بارے میں اختلافی نظریات بھی ان لوگوں کی متعلقہ کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

لوح محفوظ کیا ہے؟ ......حافظ ابوالقاسم طبرانی فرماتے ہیں کہ (از محمد بن عثمان بن ابی شیبہ منجاب بن حارث، ابراہیم بن یوسف اور زیاد بن عبداللہ نے لیث، عبدالملک بن سعید بن جبیر، ان کے والد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا ہے، اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں، اس کا قلم نوری ہے، جس نے اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے نور سے لکھا ہے۔ لوح محفوظ میں ہر دن کے تین سو ساٹھ لحظے ہیں جن میں تخلیق، رزق، رسانی موت وحیات اور عروج وزوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام درج کیے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہ بھی لکھا جاتا ہے۔"

اسحٰق بن بشیر کہتے ہیں کہ انہیں مقاتل اور ابن جریج نے مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ لوح کے درمیان میں لا الہ الا اللہ، وحدہ دینہ الاسلام ومحمد عبدہ ورسولہ لکھا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد و یکتا ہے، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا (قابل قبول) دین اسلام ہے۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "بس جو شخص خدا پر ایمان لایا، اس کے جملہ احکام قبول اور تسلیم کیے اور ان کا اتباع کیا اور اس کے رسولوں کے احکام بھی مانے وہ جنت میں جائے گا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا اس کے علاوہ مذکورہ بالا حضرات کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا کہ لوح محفوظ ایک لوح ہے جو سفید موتی سے بنی ہے، اس کا طول زمین و آسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اس کی جلد موتیوں اور یاقوت سے بنی ہے، اس کے اوراق بھی موتیوں اور یاقوت سرخ کے ہیں، اس کا قلم نوری ہے اور اس میں جو کلام درج ہے وہ عرش سے مقصود ہے۔ اس کی اصل یعنی جڑ دودھیا پتھر کی ہے۔ آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوح محفوظ کے بارے میں یہ سب کچھ انہوں نے ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے سن کر بتایا ہے۔

لوح محفوظ ہے کہاں ......انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ اسرافیل کے سامنے ہے۔ ان کے علاوہ کچھ پہلے لوگوں کے بقول بھی یہ لوح اسی سمت میں ہے لیکن مقاتل کے بیان کے مطابق یہ لوح عرش کے دائیں جانب ہے۔

''ارض وسماوات اوران کے مابین اشیاء کی تخلیق کاذکر قرآن، احادیث، تفاسیر اور تاریخ، کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

الحمدلله الذی خلق السموات والارض، وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربهم یعدلون

نیز ارشاد فرمایا:

خلق السموات والارض وما بینهما فی ستة ایام

آیات کی تفسیر......ان آیات قرآنی کی تفسیر میں مفسرین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے یعنی ان چھ دنوں کی مقدار کیا ہے؟ لیکن جمہور نے ان آیات قرآنی کو اسی طرح مانا ہے جس طرح وہ نازل ہوئی ہیں اوران چھ دنوں کو بھی وہی دن سمجھا جو ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد وضحاک اور کعب الاحبار کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر دن کی طوالت ہمارے ایک ہزار سال کی طوالت کے برابر ہے۔ یہی روایت ابن حاتم اور ابن جریر کی ہے اوراسی قول کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے جس میں انہوں نے فرقہ جہمیہ کے دعاوی کی تردید کی ہے اور دوسرے بہت سے متاخرین نے بھی وہی تسلیم کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بتایا ہے، واللہ اعلم۔ ہم اس موضوع پر آگے چل کر انشاء اللہ مدلل گفتگو کریں گے۔ ویسے ابن جریر نے ضحاک بن مزاحم وغیرہ کے حوالے سے ان چھ دنوں کے نام ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص اور قرشت بتائے ہیں۔

ابن جریر نے ان چھ ایام کے ابتدائی تین دنوں کے بارے میں تین اقوال پیش کیے ہیں اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اہل توریت (یہودی) کے بقول سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ابتدا یوم الاحد یعنی اتوار سے کی لیکن اہل انجیل (نصرانی) کے بقول ابتدائے تخلیق اللہ تعالیٰ نے پیر کے روز سے کی اور ہم مسلمان جیسا کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا تخلیق کائنات کی ابتدا سنیچر کے دن سے بتاتے ہیں، یہی قول ابن اسحاق نے متعدد مسلم فقہاء علمائے کرام کے حوالے سے پیش کیا ہے جن میں شافعی لوگ بھی شامل ہیں۔

بہرحال ہم اس بارے میں حدیث نبوی پرمبنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (**خلق الله تربة یوم السبت**) اوراس کے علاوہ عنقریب وہ اقوال بھی پیش کریں گے جن میں ابتدائے تخلیق کائنات اتوار کے دن سے بتائی گئی ہے۔ ان کے اقوال کے راویوں میں ابن جریر ہیں جنھوں نے یہ اقوال السدی اور ابو مالک کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔

ان دو حضرات کے علاوہ ابن جریر نے ابی صالح، ابن عباس رضی اللہ عنہ مرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت کے حوالے دیے ہیں نیز انہوں نے ان میں عبداللہ ابن سلام کی روایت کو بھی شامل کیا ہے۔ چونکہ یہی دن توریت میں آیا ہے اس لیے اکثر علمائے اسلام نے بھی اس سلسلے میں یوم الاحد یعنی اتوار کے روز کو ترجیح دی ہے۔ اور تخلیق کا آخری دن روز جمعہ کو قرار دیا ہے جسے مسلمان عید کے دن کی طرح سمجھتے ہیں۔ اوراس دن کی فضیلت سے دیگر اہل کتاب کو محروم رکھا۔

یہ تمام باتیں ہم آگے چل کر انشاء اللہ عنقریب پیش کریں گے۔ البتہ یہاں وہ آیات قرآنی پیش کررہے جن میں تخلیق کائنات کا اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے درجہ بدرجہ ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء فسوٰهن سبع سموات وهو بکل شیء علیم

اوراس نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

قل أ ئنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا ذٰلک رب العالمین ......الخ

ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور تخلیق کائنات کی بنیاد ٹھہری، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الله الذی جعل لکم الارض قراراًو السماء بناء وصور کم فا حسن صور کم ......الخ

نیز ارشاد فرمایا:

الم نجعل الارض مهاداً والجبال اوتاداً......الخ

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

أولم یر الذین کفروا أن السموت الأرض کانتارتقا ففتقناهما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا تعقلون......لخ

یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے زمین وآسمان کے درمیان فصل پیدا کیا اور وہاں ہوا پیدا کی اور پھر آسمان سے بارش برسائی اور زمین پر چشمے جاری کر دے اور حیوانات کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

وجعلنا السماء سقفا محفوظا وهم عن آیاتها معرضون

آسمان میں اللہ تعالیٰ نے ٹھہرے ہوئے ستارے، سیارے اور دوسرے روشن اجرام فلکی پیدا کئے جو خالق ارض وسماں کی حکمت کی واضح دلیل ہیں۔

جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

"وکاین من آیة فی السموٰ ت والأرض یمرّون علیها وهم عنها معرضون وما یؤمن اکثرهم باللهٔالا وهم مشرکون"

اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی ارشاد ہے:

أأنتم أشد خلقا أم السماء بناها رفع سمکها ......الخ

چنانچہ بعض لوگوں نے اس آیتِ ربانی کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ آسمانوں کی تخلیق زمین کی تخلیق سے پہلے ہوئی۔

گویا متقدمین نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ مندرجہ بالا دونوں آیات کی صریحی تردید کے علاوہ اس بات کا بھی صاف اظہار ہے کہ انہوں نے پہلی آیت کریمہ کے علاوہ اس آیتِ کریمہ کا مفہوم بھی نہیں سمجھا۔ اسی وجہ سے یہ آیت صریحاً اس بات کی مقتضی ہے کہ ابتداء میں دحی ارضی اور اس سے پانی کے نکالنے کو جو آج بھی ہمیں صاف نظر آتا ہے سمجھا جائے اور یہ سب پہلے تخلیق ارضی اور اس کے بعد تخلیق سماوات کا کھلا ثبوت ہے اور زمین کی یہ اقتدار پہلے ہی سے بالقوہ ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وبارک فیها وقدر فیها أقواتها"

یعنی پہلے زراعت، چشموں اور دریاؤں کی جگہ کی تشکیل ہوئی اور پھر اس کے بعد عالم کی سفلی وعلوی اشکال کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی جبکہ خود دحی الأرض اور اس سے خارج ہونے والی چیزوں یعنی غذائی اشیاء واثمار وغیرہ اور اجرائے عیون وابحار کو ہیئت مل چکی تھی جو نبت الزرع والاثمار اور زمین سے اخراج آب مرعیٰ اور راسائے جبال اور زمین کے بارے میں جتنی دوسری چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے مثلاً:

والارض بعد ذلک دحا ها أخرج منها ماء ها ومرعا ها

اس سے صاف ظاہر ہے۔ اب اس آیتِ کریمہ میں ایک بار ذرا غور کیجئے:

والسماء بنيناها بأيد وإنا لموسعون O والأرض فرشناها فنعم الماهدون O ومن كل شيء خلقنا زوجين لعلكم تذكرون

"بأيد" یعنی "بقوة" "وانا لموسعون" سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانوں کا بلند ہونا وہیں سے ہوا جہاں دوسری چیزیں اس کے نیچے تھیں اور

انہی سے انہیں وسعت ملی۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کرسی کا مقام آسمانوں سے بلند تر ہے اور وہ باقی تمام چیزوں سے وسیع تر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عرش کرسی سمیت تمام دوسری چیزوں سے عظیم تر ہے۔اس کے بعد اس قول باری تعالیٰ پر غور کیجئے (والأرض فرشناها) جس سے مراد "بسطناها" ہے اور (جعلناها مدا) یعنی ایک ساکن چیز غیر مضطرب جو تمہارے "دسترخوان" کی طرح نہیں ہے اور قول رب العلمین (فنعم الماهدون) ہے۔یہاں ہر جگہ واؤ سے ترتیب وقوع نہیں ہے بلکہ اس سے لغت عربی کے مطابق خبریں مراد ہیں۔واللہ اعلم۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مجھ سے عمرو بن جعفر بن غیاث، میرے والد (یعنی راوی کے والد اعمش اور جامع بن شداد نے صفوان بن محرز کے حوالے سے یہ بتا کر کہ صفوان بن محرز نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخر الذکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کا خیر مقدم فرماتے ہوئے فرمایا: "آؤ بنو تمیم اس کے بعد کچھ اہل یمن بھی آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا بھی اسی طرح خیر مقدم فرمایا جس کے بعد وہ دونوں گروہ اجتماعی طور پر یوں گویا ہوئے: یارسول اللہ ﷺ ہم آپ سے ایک بات پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

"كان الله ولم يكن شئى غيره وكان عرشه على الماء وكتب فى الذكر كل شئى وخلق السموات والارض"

کی وضاحت فرما دیجئے" ابھی آپ ان لوگوں کو ان کے سوال کا جواب دینے ہی والے تھے کہ کسی شخص نے باہر سے چلا کر کہا: "اے ابن حصین! تمہارا اونٹ بھاگ گیا ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسے ٹھیک سے باندھتا"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی اور کتاب التوحید دونوں جگہ اس روایت کے بیان میں دونوں جگہ "ثم خلق السموات والارض" لکھے ہیں اور امام نسائی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور ابن جریج نے بیان کیا کہ انہیں اسماعیل بن اُمیہ نے ایوب بن خالد، اُم سلمہ کے غلام عبداللہ بن رافع نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین ہفتہ کے روز پیدا کی پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے اور درخت پیر کے روز پیدا کیے، مکروہات منگل کے دن پیدا کیے، روشنی بدھ کے روز پیدا کی، چوپائے جمعرات کو پیدا کیے اور اللہ تعالیٰ کی (اس سلسلے میں) آخر تخلیق (حضرت آدم علیہ السلام تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز آخر ساعتوں میں یعنی عصر سے لے کر رات کے درمیان جو وقت ہوتا ہے اس وقت پیدا کیا۔

یہ حدیث اس ترتیب سے مسلم نے جریج بن یونس اور ہارون بن عبداللہ کے حوالے سے نسائی نے ہارون اور یوسف بن سعید کے حوالے سے اور محولہ بالا تینوں حضرات نے حجاج بن محمد مصیصی الاعور اور ابن جریج کے حوالے سے کم وبیش انہی الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔

نسائی نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن یعقوب جوزجانی محمد ابن صباح، ابی عبیدة الحداد، اخضر بن عجلان، ابن جریج، عطاء بن ابی رباح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سات روز میں پیدا کیے جس کے بعد وہ عرش پر ساتویں روز متمکن ہوا اور اس نے مٹی ہفتہ کے روز پیدا کی' اور اس کے بعد وہی ترتیب ذکر کی جو کہ پہلے مذکور ہوئی اس حدیث کو نسائی نے اپنی تفسیر میں اسی ترتیب سے بیان کیا ہے جیسے پہلے مسلم کی روایت کردہ حدیث میں بیان ہو چکی ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں ابن جریج کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بہر حال اس حدیث کو علی بن مدینی، بخاری، بیہقی اور حفاظ میں کچھ دوسرے حضرات کے علاوہ بخاری نے کتاب تاریخ میں درج کیا ہے اور ان میں سے بعض نے کعب کا حوالہ بھی دیا ہے جو صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں عموماً ایک ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

چنانچہ جو حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی وہ یقیناً کعب احبار نے بھی سنی ہوگی اس لئے کعب احبار کا حوالہ اس کی یقینی صحت پر

دلالت کرتا ہے اور اگر کعب نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہوگی تو انہوں نے یقیناً اس کی تصدیق آنحضرت سے ضرور کی ہوگی لیکن اگر کعب نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحریروں سے نقل کیا ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہ آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: عجیب بات ہے اس لئے اس حدیث کو ''احادیث مرفوع'' میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے پورے متن میں شدید غرابت پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں تخلیق کائنات کے ساتھ ساتھ سات دن کا ذکر بھی ہے جو صریحاً اس آیت قرآنی سے متضاد ہے جس میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ زمین چار دن میں پیدا کی گئی، پھر آسمان دو دن میں پیدا کیے اور وہ آسمان دھوئیں سے پیدا کیے گئے جو پانی کے بخارات ہی ہو سکتے ہیں جو پانی کے اضطراب سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی کا یہ اضطراب یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت بالغہ کے ذریعہ زمین کی حدت سے پیدا ہوا ہوگا جیسا کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر نے ابی مالک، ابی صالح، ابن عباس مرہ ہمدانی، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ضمناً آیات قرآنی ''هو الذی خلق لكم مافی الارض جميعا ثم استوىٰ الى السماء فسوٰهن سبع سموات'' کا حوالہ دیتے ہوئے تشریحاً بتایا ہے کہ حوت (مچھلی) پانی میں ہوتی ہے اور پانی صفات پر اور صفات ملک کی پشت پر اور ملک چٹانوں پر اور چٹانیں (منجمد) ہوا پر تھے اور صخرہ (چٹان) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آسمانوں کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی نہ کہ زمین کے ساتھ پس جب حوت مچھلی حرکت میں آئی اور زمین متحرک ہوئی تو اسے پہاڑوں سے روکا گیا، جس کے بعد وہ ٹھہر گئی۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان میں جو منافع بخش اشیاء ہیں ان سب کو منگل کے روز پیدا کیا، پھر اس نے بدھ کے دن پانی، مدائن، آبادیاں، خرابے وغیرہ پیدا کیے، پھر اس نے آسمانوں کو جو ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے جو جمعرات اور جمعہ کو بنائے گئے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ...... روز جمعہ کا نام جمعہ رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس روز زمین و آسمان کی تمام مخلوقات ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہیں ان کے جملہ امور سپرد کیے گئے۔

اس کے راوی نے مذکورہ بالا حوالوں سے بیان کیا کہ آسمانوں کے ساتھ ہی ملائکہ سمندر پہاڑ جو ج تھے پیدا کیے۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تخلیقات عالم کا اسے علم نہیں اور انہیں خدا ہی زیادہ جانتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کواکب سے مزین کرنے کے علاوہ ان کے ذریعہ شیاطین کی راہ مسدود کی اور جب اللہ تعالیٰ اس حد تک تخلیق عالم سے فارغ ہوئے تو عرش پر متمکن ہوئے۔

یہ تمام باتیں جنہیں السدی نے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں بہت عجیب و غریب باتیں شامل ہیں جو اسرائیلی روایات سے لی گئی ہیں۔

جب کعب احبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اکثر و بیشتر وہ باتیں سنائیں جو اس وقت تک اہل کتاب میں مشہور تھیں اور انہوں نے ان باتوں کو ان سے اخلاقاً سن لیا لیکن چند باتوں کے سوا جو شرع مطہر و مبین سے، مطابق رکھتی تھیں اہل اسلام سے بیان نہ فرمائیں بلکہ انہیں رد فرما دیا تاہم کعب ہی کے ذریعہ وہ اہل اسلام میں بھی مشہور ہوئیں تھی کہ ان کا ذکر آج تک چلا آتا ہے حالانکہ اسرائیلیات میں اکثر و بیشتر غلط باتیں راہ پا گئی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امارت میں کعب احبار کی سنائی ہوئی باتوں کو جو پچھلے اہل کتاب میں غلط طور پر مشہور ہوئیں، قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے ہم نے جو باتیں یہاں بیان کی ہیں ان میں اور سلام میں قبول کردہ باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہیں چونکہ اسلام میں ان اذکار کا دارومدار قرآن و احادیث نبوی ﷺ پر ہے۔

اب ہم ان باتوں کا ذکر کریں گے جو ائمہ کرام نے متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں تاہم ہم نے اس جملہ ماورد کی تحقیق، حادیث صحیح سے کر لی ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن قرشی نے ابی زناد، اعرج کے حوالے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان یہ حدیث نبوی بیان کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب تخلیق عالم تمام ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کتاب (لوح محفوظ) میں جو اس کے عرش کے قریب تھی لکھوایا: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے'' یہ روایت (حدیث) مسلم اور نسائی نے قتیبہ کے حوالے سے پیش کی جسے بعد میں بخاری نے اپنے ہاں درج کیا ہے۔

زمین کے سات طبقات کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللّٰہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن لتعلموا ان اللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر، وان اللّٰہ قد احاط بکل شیء علما.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ کی وضاحت میں ہم سے علی بن عبداللہ نے ابن علیہ، علی بن مبارک کے حوالے سے بیان کیا اور ان سے یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن ابراہیم بن حارث، ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر اور دوسرے لوگوں کے درمیان زمین کی خصوصیات کے بارے میں جھگڑا رہتا تھا جو دشمنی کی حد تک جا پہنچا تھا انہوں نے اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

''اے ابی سلمہ! زمین کے بارے میں جھگڑے سے پرہیز کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی زمین کے سات طبقات کے بارے میں یعنی ان کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے متعلق جھگڑے کا فریق بنے گا قیامت کے روز بطور سزا ساتوں زمینوں کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو کتاب المظالم کے ذیل میں اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن ابراہیم ابی سلمہ نیز یونس، ابان یحییٰ بن ابی کثیر، ابی سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اپنی مسند میں تحریر فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ آخرالذکر سے عبداللہ بن موسیٰ بن عقبہ، سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو شخص زمین کے اس حصے پر جو کسی دوسرے کا حق ہو غاصبانہ قبضہ کرے گا زمین کا وہی حصہ قیامت کے روز زمین کے ساتوں طبقات بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المظالم میں مسلم بن ابراہیم، عبداللہ یعنی ابن مبارک کے حوالے سے بھی یہ حدیث پیش کر کے اسے مذکورہ بالا طور سے درج کیا ہے۔

زمین کی فطری ہیئت تخلیق ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن سیرین کی زبانی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے حوالے سے یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا رحمۃ اللہ علیہ زمین اپنی فطری ہیئت میں تخلیق سماوات کے دن زبانی اعتبار سے بارہ مہینے کے عرصے میں تخلیق کی گئی۔

آنحضرت کی مراد یہاں واللہ اعلم (شاید) ارشاد باری تعالیٰ (اللّٰہ الذی خلق السموات ومن الارض مثلهن) سے ہوگی یعنی عددی لحاظ سے زمین وآسمان دونوں بارہ بارہ مہینوں میں پیدا کیے گئے جیسا کہ ہم آجکل ایک سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس سے کلام الٰہی میں تخلیق زمین وآسمان کے بارے میں زمانی ومکانی مطابقت پائی جاتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے عبید بن اسماعیل اور ابواسامہ نے ہشام اور ان کے والد، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اروی یعنی بنت ابی اوس کی کچھ زمین کسی کو زبردستی دے دی اور اُس میں بنت ابی اوس کا اشارہ مروان کی طرف تھا تو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا میں اس کی زمین کا حق ماروں گا۔ جبکہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص کسی کا ذرا سا بھی حق زمین سے مارے گا تو وہ سات زمینیں بنا کر قیامت کے روز اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن نے اور ابو سعید یعنی بنی ہاشم کے غلام عبداللہ بن لہیعہ اور عبداللہ بن ابی جعفر نے ابی عبدالرحمن اور ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ سب سے بڑا ظلم کونسا؟" "تو آپ نے ارشاد فرمایا رحمۃ اللہ علیہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی یعنی کسی دوسرے مسلمان کی ایک گز زمین پر بھی غاصبانہ قبضہ کرنا اور (اُس کی سزا میں) زمین کا وہی حصہ کرہ ارضی تک قیامت کے دن اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا" اور آپ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ "قعر ارضی کو وہی جانتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے"۔

یعنی خود اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں جو اسناد پیش کی گئی ہے ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ان سے عفان اور سہیل نے اپنے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی یہی حدیث انہی الفاظ میں بیان کی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس حدیث کے بیان کی ذمہ داری مسلم کی طرف سے منسوب کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مسلم کی ذمہ داری پر یحییٰ ابن عجلان کی زبانی جنہوں نے بیان کیا کہ ان سے ان کے والد نے اور ان سے ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی نیز مسلم ہی کی ذمہ داری پر عفان اور ابو عوانہ کی زبانی عمیر بن ابی سلمہ اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث اپنے ہاں پیش کی ہے۔

ان کے علاوہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاں وہ جملہ احادیث بھی متعدد ثقہ راویوں اور متعدد ومستند حوالوں سے بیان کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان راویوں سے مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں زمین وآسمان کے ہر طبقے کے درمیان خالق کائنات نے جو فصل رکھا ہے اسے جانتے ہیں اور ان کے اس جواب پر کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں" آپ نے فرمایا کہ زمین وآسمان کے ہر طبقے کا درمیانی فصل اللہ تعالیٰ نے سات سو سال کی مسافت کے بقدر رکھا ہے"۔ بعض روایات میں پانچ صد سال کا ذکر بھی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس فصل کا جو سات سو سال کی مسافت کے بقدر رکھا گیا ہے وہ ہمارے دنیاوی برسوں کی مسافت کے بقدر ہے یا وہ فصل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے یا وہ فصل ہے جو کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ عز اسمہ کے علاوہ اس کا رسول برحق ﷺ جانتا ہے۔

اس سے قبل عرش کی صفات کے سلسلے میں احادیث اوعال کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور کیا ہے اور اس میں ارشاد باری تعالیٰ کے علاوہ حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ "طوقہ من سبع ارضین" کا حوالہ دیا ہے زمین کے بھی سات طبقات ہیں اور اس کے ساتھ طبقات سے مراد سات اقالیم ہیں لیکن یہ بیان ظاہری طور پر آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے جو دیگر مستند حوالوں کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی صحیح طور پر بیان کی گئی ہے خلاف ہے اور اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم۔

ویسے جو احادیث پہلے بیان کی گئی ہیں اور ان میں زمین کے سات طبقات کے بارے میں آنحضرت کا ارشاد کہ اس کے سات طبقات ہیں وہ مستند راویوں کے حوالوں سے پیش کی گئی ہیں نیز ان میں آسمانوں کے درمیانی فصل کے علاوہ زمین کے مختلف طبقات کے درمیان فصل کا بھی ذکر آچکا ہے۔

اس کے علاوہ علماء اہل کتاب اور ہمارے دینی علماء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زمین کا اوپری طبقہ یعنی اس کی سطح مٹی کی ہے، اس کے نیچے دوسرا طبقہ لوہے پر مشتمل ہے اور تیسرا طبقہ حجریات پر وغیرہ وغیرہ تو اس کے کوئی شواہد موجود ہیں نہ ان کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا حوالہ دیا گیا ہے اس لئے ان کے بیانات کی ذمہ داری خود ان کے بیان کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ویسے ان بیانات کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے راوی بیہقی ہیں جنہوں نے انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کیا ہے اور خود ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں یقیناً اسرائیلات" سے اخذ کر کے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید اور عوام بن حوشب نے سلیمان بن ابی سلیمان اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ

آخر الذکر سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس کے استقرار کے لئے پہاڑ تخلیق فرمائے تو فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار کیا تو نے پہاڑوں سے بھی سخت کوئی چیز پیدا کی ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا'' ہاں لوہا۔ اس کے بعد فرشتوں نے پوچھا: یارب! کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے؟ تو جواب ملا ''ہاں آگ۔ پھر فرشتوں نے پوچھا: اور آگ سے زیادہ شدید کوئی چیز؟ تو جواب ملا: ہوا۔ اس کے بعد جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: اور ہوا سے زیادہ بھی کوئی اور شدید چیز؟'' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہوا سے زیادہ شدید وہ انسان ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے، لیکن بائیں جانب کو خبر نہیں ہوتی۔'' اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔

ہیئت دانوں نے زمین پر پہاڑوں کی تعداد شرقاً و غرباً ان میں سے ہر ایک کی وسعت و طوالت اور بلندی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا یہاں بیان طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ وقد قال اللّٰہ تعالٰی ذھن الجبال ...... ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے رنگ سفید، سرخ اور سیاہ وغیرہ فرمائے ہیں اور یہ بات روئے زمین پر پہاڑوں کو دیکھنے سے بغیر دلیل ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خاص طور پر جودی پہاڑ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی جگہ کا تعین بھی فرمایا ہے۔ یہ عظیم پہاڑ جزیرہ ابن عمر کے مشرق میں دریائے دجلہ کی سمت میں واقع ہے، موصل کی طرف اس کے حدود شمال سے جنوب کی جانب تین دن کی مسافت پر ہیں اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تقریباً نصف دن درکار ہوتا ہے یہ ایک سرسبز و شاداب پہاڑ ہے کیونکہ اس پر بلوط کے درخت کثرت سے ہیں جو اس بستی تک پھیلے ہوئے ہیں جسے آجکل'' قریۃ الشمانین'' کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں نجات پانے والے لوگوں کی نسل کے لوگ آباد ہیں اور اس کا ذکر متعدد مفسرین نے بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

سمندر اور دریا...... اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے کلام پاک کی آیات شریفہ میں سمندروں اور دریاؤں کا ذکر فرمایا: کہ تم ان سے کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ ایسی چیزیں بھی حاصل کرتے ہو جن سے تم اپنے لباس بناتے ہو جو سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو اور آسمان کے ستاروں سے راستے کی صحیح سمت معلوم کرتے ہو وغیرہ وغیرہ جن کا تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں سے جو نعمتیں انسانوں و عطا فرمائی ہیں ان کا بھی ان آیات شریفہ میں ذکر فرمایا مثلاً:

۱ ......''وھو الذی سخر لکم البحر لتأ کلوا منه......الخ'' (نحل:۱۴_۱۸)

۲ ......''وما یستوی البحران ھذا عذب فرات سائغ ......الخ'' (فاطر:۱۲)

۳...... وھو الذی مرج البحرین......الخ'' (الفرقان:۵۳)

بحرین سے کیا مراد ہے؟...... بحرین سے مراد سمندر اور دریا ہیں کہ سمندر کا پانی کھارا اور بعض جگہ کڑوا ہوتا ہے لیکن ان سے بھی خوراک (مچھلیاں وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں نیز وہاں سے ایسی اشیاء اور جانور وغیرہ بھی حاصل ہوتے ہیں جن سے انسان لباس بناتا ہے لیکن دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور دریا سے جو شہروں کے قریب یا ان کے درمیان بہتے ہیں خوراک کے علاوہ بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً! ان سے زراعت وغیرہ ہوتی ہے۔ ان تخلیقات کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے عطا فرمائی ہیں تا کہ تم اس کا ذکر کرتے اور اس کا شکر بجالاتے رہو۔ یہ تشریحات ابن جریج کے علاوہ متعدد ائمہ اسلام نے کی ہیں ان آیات کے علاوہ درج ذیل دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جو اس کے لئے فوائد کا ذریعہ ہیں مثلاً:

۱ ......'' ومن آیاته الجوار فی البحر کا لأعلام ان یشاء یسکن الریح......الخ'' (شوریٰ ۳۲-۳۴)

۲ ...... الم تران الفلک تجری فی البحر بنعمة اللہ......الخ'' (لقمان ۳۱_۳۲)

۳.....ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر..... الخ
(البقرہ:۱۶۴)

آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر کہ " ھو الطھو ماؤہ والحل میتتہ " ان آیات شریفہ کی جامعیت بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جیسا کہ ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے دریاؤں کے پانی کو صاف وشفاف اور میٹھا بنایا اور ان کے منافع زمین میں رکھے اور ان کے پانی کو ان کی آخری حد تک پھیلا اور انسان کو ان کے حسب منشاء پینے اور استعمال کرنے کا اختیار دیا اور اسے انسان کے رزق کا ذریعہ بنایا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان پر اس کے رحم وکرم کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے اس کی حکمت کے علاوہ اس کا کامل اختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

بحر مسجور.....اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والبحر المسجور" کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ بحر ہے جو عرش کے نیچے ہے اور جس کا ذکر حدیث اوعال میں آیا ہے یعنی وہ سات آسمانوں کے اوپر نیچے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان بھی ہے۔ اور اس بحر سے قبل البعث ایسی بارش ہوگی کہ مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اس میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ وہاں سے زمین پر بارش ہوتی ہے بادلوں کے ذریعہ۔ اور اس بارش سے زمین مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ یعنی زراعت ونباتات کے لئے دوبارہ قابل نشوونما بنادی جاتی ہے۔ یہ قول ربیع بن انس کا مختار ہے جب کہ اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تمام سمندر زمین پر ہیں مراد ہے اور بحر اسم جنس ہے۔

''بحر مسجور'' اس بارے میں جو مفسرین نے مختلف تفاسیر بیان کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ بحر مسجور سے مراد بحر ''مملو'' ہے۔ یعنی بھرا ہوا۔ دوسری یہ کہ اس سے مراد وہ دریا ہے جو روز قیامت آگ بن جائے گا اور جہنمیوں کا احاطہ کرے گا۔ اس کے علاوہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ بحر ممنوع، مکفوف اور محروس ہے کہ جب اس میں طغیانی آتی ہے تو زمین میں زلزلہ آجاتا ہے اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے وہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ یہ روایت والبی کی ہے۔ جسے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ السدی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ان سے یزید، عوام اور ان کے شیخ نے بیان کیا کہ عمر بن الخطاب کے غلام ابوصالح، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات سمندر جوش وطغیانی میں آکر نافرمان اور سرکشوں کو غرق کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے روک دیتے ہیں۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ عوام بن حوشب کے شیخ روایت کرتے ہیں کہ ان کی ساحلی علاقوں کی نگرانی کی ذمہ داری تھی کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ سمندر شدید جوش اور طغیانی میں تھا۔ اس کی لہریں بلند وبالا پہاڑوں کو چھو رہی تھیں۔ میں نے اس کا ذکر ابوصالح سے کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کا مندرجہ بالا فرمان نقل کیا کہ سمندر جوش اور طغیانی میں آکر اللہ تعالیٰ سے نافرمانوں کو غرق کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ الخ۔

سمندر کی طغیانی اور اس کے مدوجزر کو مسخر کر کے انسانوں کے لئے مال تجارت کے نقل وحمل کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس میں اس کی خوراک کے لئے مچھلیوں کے علاوہ ایسے قیمتی اور بیش بہا جواہرات اور موتی پیدا کئے ہیں جو اسے کہیں اور سے دستیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ روایت امام احمد اور ابن ماجہ کی بھی ہے۔ لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔

حافظ ابوبکر نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ ان کی نظر سے ایک کتاب گزری جس میں معاویہ بغداوی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر، سہیل بن ابی صالح ان کے والد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی دو جہت پیدا فرمائی ہیں۔

(۱).....جہت غربی۔
(۲).....جہت شرقی۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جہت غربی سے کہا کہ میں تیرے پاس اپنے کچھ بندوں کو بھیجوں گا تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

کہنے لگا کہ میں غرق کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری یہ طاقت اور نخوت تجھے ہی کافی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو معدنیات، جواہرات اور بحری شکاری مخلوق کی نعمت سے خالی کردیا۔

پھر جہت شرقی سے مخاطب ہوا اور فرمایا کہ میں تیرے اندر اپنے کچھ بندوں کو بھیجوں گا تو ان سے کیا سلوک کرے گا؟

کہنے لگا، اسے عزت دوں گا۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی بے شمار نعمتوں کو پیدا فرمادیا۔ لوگ اس سمندر کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

جہت غربی کے سمندر کو بحر مردار قرار دے دیا گیا۔ جس میں کوئی چیز پیدا ہی نہیں ہوتی۔

سہیل نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے جو حدیث بیان کی ہے اسے منکر بتایا گیا ہے اور سہیل نے عبدالرحمٰن بن ابی عیاش عن عبداللہ بن عمرو جو بیان کیا ہے اسے موقوف قرار دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن عمرو کے بیان پر موقوف ہونا زیادہ اشبہ ہے کہ ان کو یرموک کے موقعہ پر اہل کتاب کے علوم کی کتابوں کو دو تھیلے ملے تھے جن میں معروف و مشہور اور کچھ منکر و مردود اسرائیلی روایات تھیں۔ ان میں جو معروف روایات تھیں انہیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب ابوالقاسم مدنی قاضی نے روایت کے لئے چن لیا ہے۔ لیکن اس کے بارے امام احمد نے کہا ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بات بھی ایسی نہیں جو انہوں نے قاضی مذکور کی زبانی نہ سنی ہو بلکہ اور بے شمار باتیں بھی سنیں لیکن چونکہ قاضی مذکورہ روایت احادیث کے بارے میں ثقہ نہیں سمجھے جاتے اس لئے باقی تمام باتوں کو جو انہوں نے بتائیں رد کردیا گیا اس طرح ان تمام باتوں کو جو اسرائیلیات میں موجود ہیں ابن معین، ابوزرعہ، ابو حاتم، جوز جانی، بخاری ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف اور خلاف واقعہ بتا کر رد کردیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ اسرائیلیات میں مذکور قریباً تمام باتیں احادیث مناکیر ہیں جن میں حدیث بحر بھی شامل ہے جسے ابن عدی نے ضعیف ترین بتایا ہے۔

علمائے تفسیر اور متکلمین نے زمین کے طول و عرض، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں جنگلوں، صحراؤں، ویرانوں، شہروں، ان کی عمارت اقالیم سبعہ یعنی سات اقالیم جو درحقیقت ان کی اپنی اصطلاح ہے متعدد مشہور ممالک، شہروں اور دیگر مقامات کے بلحاظ آب و ہوا خواص، وہاں کی نباتات اور جمادات جن میں جواہرات وغیرہ کی کانیں بھی شامل ہیں نیز جو تجارتی اشیاء جو وہاں دستیاب ہیں سب کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ زمین کے تین حصے پانی سے ڈھکے ہوئے ہیں جو کہ ۹۰ فیصد ہے اور اللہ تعالیٰ نے باقی کو اپنے بندوں کی زندگی اور ان کی گزر اوقات کے لئے باقی رکھا ہے جہاں حیوانات پرورش پاتے ہیں، ذراعت ہوتی ہے اور وہاں کے باغوں میں تازہ پھل پھول پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والارض وضعها للانام فيها فاكهة والنخل ذات الاكمام والحب ذو العصف والريحان فبأى آلاء ربكما تكذبان"۔

کہا جاتا ہے کہ ابتدا سے زمین کم و بیش تین حصوں میں منقسم تھی اور اس کے ۹۵ درجات تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے آسائش اور ان کی گزر بسر کے لئے سمندروں کو وہاں سے الگ رکھا۔ اس نے سمندروں کو بھی تقسیم فرمایا، ان میں سے بحر غربی کو اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ جہاں مغربی ممالک ادھر اُدھر آباد ہیں اور ان کے درمیان کافی فصل ہیں۔

اس سمندر میں جزائر بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس سمندر میں کشتی رانی یا جہاز رانی قریباً ابھی تک ناممکن سمجھی جاتی ہے اور اسی لیے اسے اموال تجارت کے حمل و نقل کا ذریعہ بھی نہ بنایا جاسکا کیونکہ یہ سمندر اکثر طوفانی رہتا ہے اور اس میں سر بفلک موجیں اُٹھتی رہتی ہیں اور بہت تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں چنانچہ وہاں شکار بھی ناممکن ہے۔ البتہ اس کے جنوب میں جبال القمر'' ہیں جو دریائے نیل کا منبع کہلاتے ہیں اور اس کے قریب خط استواء ہے۔ یہ سمندر شرقی جانب زمین کے جنوبی حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہاں آج کل ''جزائر الزابج'' کے نام سے کچھ جزائر مشہور ہیں۔ لیکن اس کے ساحلی علاقے ویران ہیں۔ یہ سمندر شرقاً و شمالاً پھیلتا ہوا بحر چین اور بحر ہند سے جاملتا ہے تاہم مشرقی جانب زمین کی حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے۔

سمندر جو آج کل بلاد چین تک پھیلتا چلا گیا ہے وہی چین کی مشرقی جانب بڑھ کر شمال کی طرف مڑ گیا ہے جہاں وہ دیوار آجاتی ہے جسے "یاجوج ماجوج کی دیوار" (دیوار چین) کہتے ہیں۔ پھر یہی سمندر نامعلوم مقامات تک چلا گیا ہے لیکن اس کے مغربی اور شمالی جانب روسی شہر ہیں، پھر مغربی اور جنوبی اطراف میں بڑھ کر جب مغربی سمت میں پھیلا ہے تو اس زمین کے حصے تک چلا گیا ہے جو ارض زقاق" کہلاتی ہے جس کے مغرب میں شام کے علاقے آجاتے ہیں اور پھر یہی سمندر ارض روم کی طرف بڑھ کر رومی شہروں قسطنطنیہ وغیرہ سے جاملا ہے۔ مشرقی سمندروں میں جزائر کثرت سے پائے جاتے ہیں اور بحر ہند تک اس میں تقریباً سات سو جزیرے آباد ہیں اور بقیہ جزائر ویران پڑے ہیں۔ اس سمندر کو "بحر اخضر" کہا جاتا ہے جس کے مشرق میں "بحر چین" مغرب میں بحرین اور شمالی میں بحر ہند ہے مگر اس کے جنوب کے علاقے اب تک نامعلوم ونامعروف ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ بحر ہند اور بحر چین کے درمیانی فاصلے میں پہاڑ بھی واقع ہیں۔ ان میں آبی گذرگاہیں ہیں۔ ان کے کنارے سے گزرتے ہوئے ہند و چین کے درمیان تجارتی اموال کی حمل ونقل ہوتی ہے جس طرح زمینی راستوں پر نقل وحمل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وجعلنا في الارض رواسي أن تميد بكم وجعلنا فيها فجا جا سبلا لعلكم تهتدون"

"اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے بنائے ہیں کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے۔ اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے ہیں تاکہ لوگ منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔"

بطلیموس نے ہندوستان کے ایک بادشاہ کا ذکر اپنی کتاب "مجسطی" میں کیا ہے۔ اس کا عربی ترجمہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں ہوا تھا۔ بطلیموس نے ہندوستان کے جس بادشاہ کا ذکر اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کیا ہے اسی سے تمام دنیا کے سمندروں کی جغرافیائی معلومات اور ان کی تعداد کو منسوب کیا ہے بطلیموس نے اسی ہندی بادشاہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ در حقیقت سمندر تو ایک ہی ہے لیکن وہ گھوم گھما کر جہاں تک انقلاب ارضی کی بناء پر پھیلا ہے لوگوں نے ان علاقوں کے لحاظ سے اس کے نام رکھ لئے ہیں جیسے بحر ہند، بحر قلزم، بحر روم، بحر فارس، بحر اوقیانوس۔ بحر جاپان، بحر طبرستان وغیرہ وغیرہ اور انہیں سمندروں نے اپنی اکثر ساحلی بستیوں کے نام ونشان مٹا کر رکھ دیے ہیں۔

ہیئت دان کہتے ہیں کہ اس واحد سمندر کو، بحر مستدیر کہا جاتا ہے جس کی شکل اپنے طول کو ظاہر کرتی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثلث تھا جو مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا لیکن وہ اپنی جگہ ابھی تک منفرد ہی ہے۔ اس کا طول آٹھ سو میل اور عرض چھ سو میل بتایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں اور بھی بہت سے باتیں کہی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہی وہ سمندر ہے جس میں زیادہ تر بصرہ کے قریب مدوجزر زیادہ ہوتا ہے جس کی مثالیں بلاد مغرب میں بھی ملتی ہیں۔ یہاں مہینہ کے شروع سے چودھویں رات تک سمندر چڑھتا ہے جسے "مد" کہتے ہیں۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہوتا ہے اور مہینے کی آخری تاریخ تک گھٹتا رہتا ہے جس کو "جزر" کہا جاتا ہے۔

مؤرخین نے سمندر کی حدود اور اس کی ابتداء وانتہا بتا کر زمین پر بحروں اور جملہ دریاؤں کی تعداد اور ان کے کوائف بتائے ہیں، انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کے منابع ومخارج کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ہم صرف ان کا ذکر کریں گے جن کا ماخذ حدیث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

"الله الذي خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات......الخ"

(ابراہیم ۳۲۔۳۴)

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں قتادہ کی روایت انس بن مالک اور مالک بن صعصعہ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ آخر الذکر نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اس کی جڑ سے دو دریا پوشیدہ طور پر اور دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں، جو دو دریا پوشیدہ طور پر سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتے ہیں وہ جنت میں بہتے ہیں اور جو دوسرے دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں وہ دریائے نیل و دریائے فرات کی شکل میں زمین پر بہتے ہیں"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے جنت میں بہنے والے دریاؤں کی شکل وصورت اور کیفیات

ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابن نمیر اور یزید نے بیان کیا اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت سے جاری ہونے والے چار دریا نیل، فرات، سیحون و جیحون ہیں۔ یہ اسناد صحیح ہیں جنہیں مسلم نے بھی اپنے طور پر صحیح تسلیم کیا ہے۔ غالباً مذکورہ بالا چار دریاؤں کو آنحضرت ﷺ کا جنت کے دریا فرمانا ان کے صاف و شفاف اور میٹھے پانی کی اور ان کی روانی کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دریاؤں کا پانی زہر سے شفا کا باعث ہے"۔

اس حدیث نبوی (ﷺ) کو سعید بن عامر نے محمد بن عمرو ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے روایت کیا ہے جس کی صحت کی سند مسلم نے بھی دی ہے تاہم اس حدیث سے درحقیقت یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ پھلوں کو جنت کے پھلوں سے تشبیہ دی اس طرح مذکورہ بالا چاروں دریاؤں کو بھی جنت کے دریاؤں سے تشبیہ دی حالانکہ یہ چاروں دریا زمین پر بہتے ہیں اور ان کے منابع بھی زمین ہی کے حصے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے گرمی کی شدت کو جہنم کی گرمی سے تشبیہ دی [1] اور ارشاد فرمایا کہ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو" جب کہ زمین پر پڑنے والی وہ شدت کی گرمی بھی درحقیقت جہنم کی گرمی یا اس کی آگ نہیں ہیں۔

جہاں تک دریائے نیل کا تعلق ہے وہ جبال القمر (سفید پہاڑوں) سے نکل کر ازاوّل تا آخر اپنے پانی کے شیریں ہونے اور صفائی میں دنیا کے دوسرے دریاؤں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یہ دریا زمین کے مغربی حصے میں خط استوا سے ذرا ادھر جنوب کی طرف ہو کر بہتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص اس کے مذکورہ بالا اوصاف میں آج تک رطب اللسان ہے۔ اسے دریاؤں کا ستارہ بھی کہا جاتا ہے۔ جبال القمر سے نکلنے کے بعد اس میں پانچ دوسرے چھوٹے دریا شامل ہو کر بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں اور وہاں سے یہ چھ دریا ہو کر پھیلتا ہوا سوڈان سے گزرتا ہے اور وہیں اسے دریائے نیل کا نام دیا جاتا ہے۔ جو اصلاً دریائے احمر تھا۔ یہ دریا حبشہ سے گزر کر جب آگے بڑھتا ہے تو اس کے راستے میں سب سے بڑا شہر دمقلہ آتا ہے جس کے بعد یہ اسوان سے ہو کر مصری علاقے میں داخل ہوتا ہے اور حبشہ میں بھی ان تمام مقامات کو سیراب کرتا ہوا آتا ہے جہاں بارشیں کم ہوتی ہیں اور لوگ پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔ یہ اپنی زرخیز مٹی سے بھی جو اس کے پانی کے بہاؤ کے ساتھ بالائی علاقوں سے آتی ہے راستے کے بہت سے علاقوں کو سرسبز و شاداب بناتی چلی آتی ہے۔ اس کا بھی یہی کرشمہ ہے جس کی مثال رب العزت نے یوں دی ہے:

اولم یروانا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج به زرعاً تاکل منه انعامهم وانفسهم افلا یبصرون

(السجدہ:۲۷)

دریائے نیل مصر سے کسی قدر آگے بڑھ کر ایک بستی کے قریب جسے شطنوف کہتے ہیں دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، پھر اس کا مغربی حصہ دوبارہ دو حصوں میں بٹ کر اور رشید مقام سے گزر کر سمندر میں جا گرتا ہے اس کا مشرقی حصہ "جوجر" کے قریب پھر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، پھر اس کا بھی غربی حصہ مغرب میں دمیاط سے گزر کر سمندر میں جا ملتا ہے اور اس کا دوسرا شرقی حصہ بھی اشمون کی طرف سے گزرتا ہوا بحیرہ مشرقی دمیاط میں جا ملتا ہے۔ اس بحیرے کو بحیرہ دمیاط کے علاوہ بحیرہ تنیس بھی کہا جاتا ہے۔

دریائے نیل کی اتنی طویل گزرگاہوں کی وجہ سے اس کی عظمت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے اور اس کی لطافت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ ابن سینا نے دریائے نیل کی اس خصوصیت کے علاوہ دوسرے دریاؤں کے مقابلے میں اس کے کچھ اور اوصاف بھی بیان کیے ہیں۔ یہ دریا ان دنوں میں بھی جب دوسرے دریا کم و بیش خشک ہو جاتے ہیں اپنی اسی چال سے بہتا رہتا ہے تاہم جن مؤرخین اور دوسرے مصنفین نے دریائے نیل کے مخرج کو "جبال قمر" سے بھی کسی بلند تر جگہ بتایا ہے اور اس کی تخیل و تصوراتی نشان وہی کی ہے وہ ان کے دماغوں کی اختراعات سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

عبداللہ بن لھیعہ قیس بن حجاج کے حوالے سے نیز جس شخص نے قیس بن حجاج کو یہ بات بتائی اس کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا تو وہاں کی نواحی بستیوں خصوصاً سب سے بڑی آبادی بستی قبطیہ کے لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا امیر! دریائے نیل سال کے دوران میں کچھ عرصے کے لئے خشک ہو جاتا ہے تو ہم لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر مارے

(۱)...... قال علیه السلام: العجوة من الجنة وفيها شفاء من السم الحديث

مارے پھرتے ہیں اور اس وقت تک دوبارہ پانی نہیں آتا جب تک ہم اس میں اعلیٰ کی قسم کی خوشبویات اور نفیس ترین پارچہ جات نہیں ڈالتے'' ان لوگوں کی یہ بات سن کر عمرو بن عاص نے ان کی تو ہم پرستی کے بارے میں خلیفہ وقت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری اطلاع دی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا اس کے ساتھ کاغذ کا ایک اور ٹکڑا بھی رکھ دیا جس میں انھوں نے دریائے نیل کو یوں مخاطب کیا'' اے دریائے نیل اگر تو اپنی مرضی سے بہتا اور خشک ہو جاتا ہے تو ہوتا رہ لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بہتا ہے تو اس کی مرضی اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے یقیناً یہ ہے کہ تو ہمیشہ بہتا رہے اور کبھی خشک نہ ہو اور میں بھی اس سے تیرے ہمیشہ جاری رہنے کی دعا کرتا ہوں''، راوی کا بیان یہ ہے کہ جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو حکم دیا تھا انھوں نے کاغذ کا مذکورہ بالا پرچہ دریائے نیل میں جو اس زمانے میں خشک تھا ڈال دیا تو نیل میں فوراً ہی پانی آ گیا اور اس کے بعد سے آج تک پھر دریائے نیل سال کے کسی عرصے میں بھی خشک نہیں ہوا۔ راوی نے آخر میں بیان کیا کہ عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا ہوا وہ پرچہ جمعہ کا دن گزرنے کے بعد رات کے وقت دریائے نیل میں ڈالا تھا جو اس وقت خشک تھا لیکن ہفتہ کی صبح اٹھ کر کیا دیکھتے ہیں کہ دریا میں ۱۶ گز تک اونچا پانی بہہ رہا ہے۔[1]

جہاں تک دریائے فرات کا تعلق ہے تو اس کا مخرج روم کے شمالی سطح مرتفع میں ہے جہاں سے نکل کر وہ پہلے ملطیہ سے گزرتا ہے اور پھر شمیشاط کی طرف رخ کرتا ہے، پھر وہ ''بیرۃ'' سے گزرتا ہوا مشرق کی طرف ''بالس'' قلعہ جعبر اور رقہ سے گزرتا ہوا ''رحبہ'' کے شمال میں عانہ تک چلا جاتا ہے پھر ہیت کی طرف مڑ کر کوفہ کا رخ کرتا ہے جہاں سے عراق کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہے جہاں مختلف جگہ نہروں کی شکل میں بٹ جاتا ہے جن میں بہت سے چھوٹے بڑے دریا اور ندیاں شامل ہیں۔

رہا سیحان جسے سیحون بھی کہا جاتا ہے تو اس کا مخرج بھی روم میں ہے وہاں وہ شمال اور مغرب سے جنوب اور مشرق کی طرف جا نکلتا ہے جہاں اس سے تھوڑے فاصلے پر جیحان یا جیحون بھی بہتا ہے۔ یہ علاقہ جو ''بلادسیس'' کے نام سے مشہور ہے کبھی اسلامی قلمرو میں شامل تھا لیکن مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہونے کے بعد جب تقفور ارمنی نے انہیں شکست دی تو یہ علاقہ تین سو میل کی حدود تک کچھ شامی علاقوں سمیت اس کے قبضہ میں چلا گیا اور اب تک اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ دریائے جیحون جس کا قدیم نام جاہان ہے روم سے نکلا ہے۔ یہ مقام ''سیس'' میں بہتا ہے۔ شمال سے جنوب کی طرف اور مقدار میں دریائے فرات کے قریب ہے۔

بہر حال سیحون اور جیحون اذنہ کے قریب ایک دوسرے میں مل کر اور کچھ دور ایک ساتھ بہہ کر ایاس وطرطوس کے درمیان بحر روم میں جا گرتے ہیں۔

فصل

مظاہر قدرت...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا ثم استویٰ علی العرش وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمیٰ یدبر الأمر یفصل الایات لعلکم بلقاء ربکم توقنون...... الخ'' (الرعد: ۲-۳)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ ماکان لکم...... الخ'' (النمل: ۶۰-۶۱)

پھر ارشاد فرمایا:

''ھو الذی انزل من السماء ماء لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ...... الخ'' (النحل: ۱۰-۱۲)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین میں مظاہر قدرت کا (مختصراً) تذکرہ فرماتے ہوئے ہر آیت شریفہ کے آخر میں نوع انسانی سے

(۱)...... یہ واقعہ جلد نمبر ۴ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں تفصیل سے ہے۔

دریافت فرمایا کہ آیا ان مظاہر قدرت کو دیکھ کر، جن کا وہ صبح و شام مشاہدہ کرتے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شریک ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی فرمایا کہ ان مظاہر قدرت میں صرف ان اقوام کے لئے نشانیاں ہیں جو بطور انصاف ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور اس کی عطا کردہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بنی نوع انسان کے علاوہ جملہ حیوانات کے لئے رزق بھی صرف اسی نے اتارا ہے جس کا تفصیلی ذکر اس کی روشن کتاب (قرآن پاک) میں موجود ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

وما من دابة فی الارض الاعلی الله رزقهاو یعلم مستقرها ومستودعها کل فی کتاب مبین. (ھود:٦)

حافظ یعلیٰ محمد بن مثنیٰ، عبید بن واقد، محمد بن عیسیٰ بن کیسان، محمد بن منکدر، جابر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جن میں سے چھ ہزار سمندر میں پائی جاتی ہیں اور چار ہزار زمین میں پر موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے بعد دیگرے پیدا ہوتی اور ہلاک ہوتی رہتی ہیں حتیٰ کہ ایک روز یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا"۔

اس حدیث کو اگرچہ ابو عباد بصری، حاتم، عدی الفلاس، بخاری، ابو زرعہ، دار قطنی خصوصاً ابن عدی مرسل کہہ کر ضعیف بتایا ہے اور اس کے متعلق دیگر دلائل بھی پیش کیے ہیں لیکن مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

"وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الاامم امثالکم مافرطنافی الکتاب من شیئ ثم الیٰ ربهم یحشرون." (انعام:۳۸)

تخلیق سمٰوات اور ان میں موجودات سے متعلق مزید آیات قرآنی کا ذکر

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین آسمانوں سے قبل تخلیق فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء فسوهن سبع سموات وهو بکل شیءٍ علیم" (البقرہ:۲۹)

زمین کی تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنے کا قابل ہے:

"قل أئنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا ذلک رب العالمین...... الخ" (فصلت:۹-۱۲)

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیے۔

"وجعل فیها رواسی من فوقها وبارک فیها وقدر فیها اقواتها......الخ" (فصلت:۹-۱۲)

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

"أأنتم اشد خلقا أم السماء بنا هارفع سمکها فسواها واغطش لیلها واخرج ضحاها والارض بعد ذلک دحاها".

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کا پھیلاؤ آسمان کی تخلیق سے بعد کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تبارک الذی بیده الملک وهو علیٰ کل شئی قدیر الذی خلق الموت والحیاة لیبلوکم أیکم أحسن عملاوهو العزیز الغفور......الخ" (الملک:۱-۵)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوات طباقا". (نوح:۱۵۔۱۶)

ان آیات کے علاوہ تخلیق سمٰوات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جن آیات شریفہ میں ذکر فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔۔۔۔"تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیها سراجا وقمرا منیرا، وهو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن اراد أن یذکر أو اراد شکورا" (الفرقان:۶۱۔۶۲)

۲۔۔۔۔"انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وحفظا من کل شیطن مارد۔۔۔۔الخ" (الصافات:۶۔۱۰)

۳۔۔۔۔"و جعلنا فی السماء بروجا وزینا ها للنا ظرین وحفظنا ها من کل شیطان رجیم الامن استرق السمع فاتبعه شهاب مبین۔۔۔۔الخ" (الحجر:۱۶۔۱۸)

۴۔۔۔۔"والسماء بنینها بأید وانا لموسعون"

۵۔۔۔۔"وجعلنا السماء سقفا محفوظا وهم عن آیاتها معرضون وهو الذی خلق اللیل والنهار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون" (الأنبیاء:۳۲)

۶۔۔۔۔"وآیة لهم اللیل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرنا ہ منا زل حتیٰ عاد کا لعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لها أن تدرک القمر ولا اللیل سا بق النهار وکل فی فلک یسبحون" (یٰس:۳۷۔۴۰)

۷۔۔۔۔"فالق الاصباح وجعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا ذلک تقدیر العزیز العلیم وهو الذی جعل لکم النجوم لتهتد وابها فی ظلمات البر و البحر قد فصلنا الأیات لقوم یعلمون"

۸۔۔۔۔"انّ ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش یغشی اللیل النهار یطلبه حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ألا له الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین" (الاعراف:۵۴)

پہلی آیات اوران آیات کے علاوہ اس موضوع پر کثرت سے قرآن شریف میں آیات آئی ہیں جن سب کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہے۔

ان آیات کے شان نزول میں آسمانوں کی تخلیق ان کی رفعت اوران میں جوقدرت خداوندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔اہل بصارت وبصیرت کوان سے آگاہ کرنا تھا۔اس حسن تخلیق اوراس کی بے مثال قدرت کے بارے میں خودرب العزت نے ارشادفرمایا"والسماء ذات الحبک" یعنی یہ حسن تخلیق کے لحاظ سے بہترین اورعدیم النظیر تخلیق ہے اوراس میں یہ بھی اضافہ فرمایا کہ اگرکوئی اس میں کسی قسم کا نقص معلوم کرنے کے لئے مدت العمر تک دیکھتا رہے تو اس کی بصارت چلی جائے گی لیکن وہ اس میں کسی قسم کا نقص دریافت نہیں کر سکے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بھی ارشادفرمایا کہ آسمان دنیا کوستاروں سے زینت بخشی گئی ہے تا کہ دنیا والے انہیں دیکھ کرخوشی محسوس کر سکیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشادفرمایا کہ اس میں شہابوں کی تخلیق اس لئے کی گئی کہ اگرشیاطین آسمانوں کی طرف آنا چاہیں تو ان کی شعاعیں ان کے لئے مانع ہوں اور یہ بات بھی اپنی خوبی کے لحاظ سے زینت سماوات کے علاوہ اپنی جگہ بینظیر ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احادیث میں تخلیق کائنات کی ابتداء پرتفصیل سے گفتگو کی ہے اورقتادہ نے آسمانوں کوستاروں سے مزین کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جوتین کو اکب تخلیق فرمائے ہیں وہ آسمان دنیا کی تزئین کے علاوہ شیاطین کی عالم بالا کی طرف مزاحمت کے لئے ،اگرکوئی شخص ان کے بارے میں کچھ اور کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حوادث ان ستاروں کے زیراثر ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وہ سراسر غلط کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں سے ایک آیت شریفہ میں آسمان اول کو زمین کی مستحکم چھت فرمانے کے علاوہ ستاروں سے اس کی تزئین کو جہاں اہل نظر کے حیرت واستعجاب اور مسرت کا باعث فرمایا ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی تخلیق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ اہل عالم بری وبحری سفر میں اپنی صحیح سمت کا پتہ لگا سکیں۔ ان باتوں کے علاوہ مفسرین نے بھی اس کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں کہا اور جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ جو لوگ زمین پر رونما ہونے والے حادثات کو ان ستاروں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے سات آسمانوں کی تخلیق میں طبقات رکھے ہیں یعنی انہیں ایک کے اوپر بنایا ہے...... (خلق سبع سموات طباقا) لیکن ہیئت دان کہتے ہیں کہ ان آسمانوں کے درمیان خلاء نہیں ہے جب کہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل متعدد مستند حوالوں سے حدیث ادعال پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب متعدد صحابہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سات آسمانوں میں کیا ہے اور انھوں نے جواباً عرض کیا کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان اول سے پانچویں آسمان تک ہر آسمان کے درمیانی کا فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ اسی قدر ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ آسمانوں کے درمیانی فاصلوں میں کثافت ہے یعنی وہاں آب وہوا جیسی کوئی لطیف شے نہیں ہے۔

اس حدیث کو بہ تمام وکمال احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث حسن بتایا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں انس کی روایت کردہ حدیث اسرا میں راوی نے بتایا کہ جب آپ معراج والی رات پہلے آسمان سے گزرے تو وہاں آپ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام ملے اور آپ کے دریافت فرمانے پر حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابوالبشر ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا اور اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ ﷺ کو معراج پر مبارکباد دی۔ پھر اسی طرح آپ دوسرے تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان سے گزرتے ہیں عالم بالا تک تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ حدیث ادعال اور حدیث اسرا آپ ﷺ کے مشاہدات ہی پر مبنی ہیں اور مذکورہ بالا راویوں نے آسمانوں کے بارے میں آپ ﷺ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی مستند احادیث کے حوالے سے کہا ہے، واللہ اعلم۔

ابن حزم، ابن منیر اور ابوالفرج ابن جوزی نیز اور بہت سے دوسرے علمائے دین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ آسمان ایک کرہ مستدیر ہیں جن کے ثبوت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کل فی فلک یسبحون" بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس میں حسن نے "یسبحون" کا مطلب "یلدرون" یعنی گھومنے والے بتایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں تکلے سے تشبیہ دی ہے۔ جو ایک ہی دائرے میں گھوم کر ہمیشہ پہلی جگہ آتا رہتا ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے ثبوت میں گردش آفتاب کو پیش کیا ہے جو شام کو مغرب میں غروب ہو کر صبح کو پھر مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں امیہ ابن ابی صلت کے دو مشہور شعر بھی یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ وہ دو شعر یہ ہیں:

"والشمس تطلع کل آخر لیلة
حمراء مطلع لونها متورد
تابى فلا تبدو لنا فى رسلها
الا معذبة والا تجلد"

"ہر شب کے دامن سے سرخ سورج طلوع ہوتا ہے اور مطلع گلابی ہوتا ہے۔ وہ پس وپیش ہونا چاہتا ہے۔ پھر وہ حسب دستور زیر عذاب اور زیر عتاب طلوع ہوتا ہے"۔

یعنی ہم سورج کو مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن بعد از غروب اس کی گردش کو نہیں دیکھ سکتے، بس اسے اگلی صبح اسی آب وتاب سے دوبارہ طلوع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔

طلوع و غروب آفتاب کے بارے میں جو حدیث نبوی ﷺ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، محمد ابن یوسف، سفیان، اعمش، ابراہیم تیمی اور ان کے والد اور ابوذر کے حوالے سے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن آپ رضی اللہ عنہ آخر الذکر یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا۔

''اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔'' ان سے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

وہ (سورج) مغرب میں غروب ہو کر عرش کے نیچے چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے سجدہ کرتا ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید اس کا سجدہ قبول ہوا یا نہیں بار بار اس سجدے کی تکرار کرتا رہتا ہے اور یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا ہے:

''والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم''. (یٰسٓ: ۳۸)

اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں بھی فرمایا ہے جس کی تفسیر مختلف تفاسیر میں موجود ہے نیز اس کا ذکر حدیث توحید میں بھی آیا ہے جس کو اعمش نے روایت کیا اور اسے مسلم نے عنوان ''ایمان'' کے تحت اعمش اور یونس بن عبید کے حوالے سے اور ابوداؤد نے حکم بن عتبہ کے حوالے روایت کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایات کا ماخذ ابراہیم بن یزید بن شریک اور ان کے والد اور ابوذر کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ترمذی نے ''حدیث حسن'' بتایا ہے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس ''حدیث حسن'' اور اس سلسلے کی دوسری احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے ہم نے گردش افلاک کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ بھی بعید از قیاس یا صرف قیاسی نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے گردش افلاک کے بارے میں کچھ اور کہا ہے وہ قطعی مدلل ہے۔

سورج کا مشرق سے اذن باری تعالیٰ کے بعد مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا جسے ہم دیکھتے ہیں اور اس کا تحت العرش سجدہ کرنا جسے ہم نہیں دیکھتے وہ بھی بعید از قیاس نہیں ہوسکتا کیونکہ سورج کا نصف النہار تک پہنچ کر مغرب کی طرف جھکتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہونا اور اپنی گردش کی یومیہ تکمیل کے لئے اذن باری تعالیٰ کا منتظر رہنا اور پھر اس کا جاری رکھنا جسے ہم شام تک دیکھتے ہیں اور رات کے اوقات میں اس کا اپنی گردش جاری رکھنا جسے ہم نہیں دیکھ سکتے وہ سب قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔

جب نظام کائنات کے بارے میں، جو ہمارے نگاہوں کے سامنے ہے متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کی رو سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ یہ سب کچھ دستِ قدرت باری تعالیٰ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت چل رہا ہے تو اس امر سے عقلاً بھی کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے کہ جب قرب قیامت سورج اپنی حسب معمول یومیہ گردش کو رات تک مکمل کر کے دوبارہ مشرق سے طلوع کرے گا تو اسے تادیر یہ اجازت نہ ملے گی اور جب اجازت ملے گی تو اس حکم کے ساتھ کہ وہ اب مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے اپنے مغربی مستقر سے طلوع ہوگا اور جب سورج خلاف معمول مغرب سے طلوع ہوگا تو اہل دنیا جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ کے منکر ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں گے لیکن اس وقت ان کا یہ دعویٰ اور ان کے گذشتہ اعمال کی توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔ سورج کی گردش اور اس کا مشرق و مغرب میں بالترتیب طلوع و غروب ہمارے سامنے ہے اور امیہ بن صامت نے اپنے مندرجہ بالا اشعار میں اسی حد تک بات کی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ''هو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن أراد أن یذکر أو أراد شکورا'' میں ارشاد فرمائی یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے اس حکم کے تحت آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ایک حد تک پہنچ کر اس کے حکم کے تحت یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا یعنی دنیا اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ یہی بات آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اذا اقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم''

یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور دن کو جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو روزہ دار روزہ افطار کرتے ہیں اس لیے محققین کے لیے لازم ہے کہ سورج کی گردش کے بارے میں ان بدیہی حقائق سے تجاویز نہ کریں۔

یہ جو راتیں اور دن نظام قدرت کے تحت بالترتیب اول ربیع سے آخر ربیع تک اور خریف سے آخر خریف تک گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور پھر معتدل ہو جاتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بندوں کی ضروریات اور ان کی سہولیات کے لیے ہوتا رہتا ہے۔

صحیحین میں سفیان بن عیینہ کی زبانی زہری، سعید بن مسیتب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم اپنی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانوں کا ردو بدل یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرنا میرے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ میرے حکم سے ہوتا ہے۔" بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "انا الدھر اقلب لیلہ و نھارہ" میں خود زمانہ (دہر) ہوں اور میں خود ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا ہوں۔

امام شافعی، ابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کہتے ہیں کہ اس قول خداوندی میں "انا الدھر" سے مراد "فاعل دھر" ہے جس کے حکم سے زمانے بدلتے رہتے ہیں لہٰذا جو انسان دہر یا زمانے کو برا کہتا ہے وہ گویا اس کے کرنے والے کو برا کہتا ہے ورنہ دھر یا زمانہ تو مخلوق ہے جو کسی خالق کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔

راتوں اور دنوں کے تغیر و تبدیل اور مہینوں اور سالوں کا جو حساب ہم ان کے لحاظ سے لگاتے ہیں اس کے سلسلے میں ذرا ان آیات پر غور کیجئے جن میں اس کی وضاحت موجود ہے:

"قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئ قدیر۔ تولج اللیل فی النھار و تولج النھار فی اللیل و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی و تر زق من تشاء بغیر حساب" (عمران:۲۶_۲۷)

"ھو الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا و قدرہ منا زل لتعلموا عدد السنین و الحساب_ماخلق اللہ ذلک الا بالحق یفصل الایات لقوم یعلمون ان فی اختلاف اللیل و النھار وما خلق اللہ فی السموات و الارض لآیات لقوم یتقون" (یونس:۵_۶)

ان آیات میں پہلی آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، جسے جو چاہے بخش دے اور جس سے چاہے لے لے، وہی عزت دینے والا ہے اور وہی جسے چاہے ذلت سے ہمکنار کر دے، روز و شب کا تغیر و تبدیل اس کے دست قدرت میں ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کر دینا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرما دے جب کہ دوسری آیت شریفہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور بخشا ہے اور ان کے منازل مقرر فرما دیئے ہیں تا کہ اس کے بندے یعنی ہم انسان ان کے ذریعے اپنی سنین (برسوں) کا حساب رکھ سکیں نیز یہ اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی ہر چیز کی تخلیق میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی حکمت کاملہ شامل ہے۔ اس نے اپنی یہ نشانیاں انسانوں کے سمجھنے کے لیے بنائی ہیں اور دن رات کا اختلاف بھی ان کے سامنے اس لئے رکھا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ سورج اور چاند کے لیے اس نے جو بالترتیب الفاظ ضیا اور نور استعمال فرمائے ہیں ان کا راز یہ ہے کہ اس نے سورج کو شعاعیں بخشی ہیں جن سے چاند، نور کسب کرتا ہے اور ہر مہینے کے آغاز میں ہلال کی شکل میں نمودار ہو کر پندرھویں شب تک بڑھتا رہتا ہے، جس کے بعد مہینے کے آخر تک گھٹتے گھٹتے آخری روز غائب ہو جاتا ہے اور اگلے مہینے کی پہلی تاریخ سے قبل کی رات میں دوبارہ ہلالی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

چاند کا یہ گھٹنا بڑھنا اس کے سورج سے قرب و بعد کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اب ہم سب جان گئے ہیں کہ سورج کے طلوع و غروب سے رات اور دن کے علاوہ مہینوں اور برسوں کا حساب رکھنا آسان ہے اور خصوصاً چاند کے طلوع ہونے اور اس کے آسمان سے غائب ہو جانے سے بالترتیب ہر مہینے کی ابتداء اور انتہاء معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں خود ارشاد فرمایا:

"وجعلنا اللیل و النھار آیتین فمحونا آیۃ اللیل و جعلنا آیۃ النھار مبصرۃ لتبتغوا فضلا من ربکم و لتعلموا عدد السنین و الحساب و کل شیءٍ فصلناہ تفصیلا"

ہم نے یہ سب باتیں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔

آسمانی کواکب میں سے مفسرین نے سات کو سیارے بتایا ہے جنھیں مفسرین کی اصلاح میں متحیرہ کہا گیا ہے۔

ان مفسرین کے دعوے جو علم الاحکام کے خلاف نہیں، میں درست ہیں لیکن جو اس کے برعکس ہیں وہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ اپنے ان دعوؤں کے لیے دلائل پیش کرنے سے وہ اب تک قاصر رہے ہیں۔ بہرحال ان کے بتائے ہوئے سات سیاروں کے نام یہ ہیں:

(۱)......قمر (چاند) جو آسمان دنیا میں ہے۔ (۲)......عطارد جو دوسرے آسمان میں ہے۔ (۳)......زہرہ جو تیسرے آسمان میں ہے۔ (۴)......شمس، (سورج) جو چوتھے آسمان میں ہے۔ (۵)......مریخ، جو پانچویں آسمان میں ہے۔ (۶)......مشتری، جو چھٹے آسمان میں ہے۔ (۷)......زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

باقی کواکب جنہیں وہ ثوابت کہتے ہیں ان کے نزدیک آٹھویں آسمان میں ہے لیکن اکثر متاخرین نے اسے "کرسی" بتایا ہے، تاہم زمانہ قریب کے محققین کے نزدیک یہ جملہ ستارے اور سیارے آسمان دنیا ہی میں ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ آخری محققین اپنے دعوے کے ثبوت میں بطور دلیل مندرجہ ذیل دو آیات قرآن پیش کرتے ہیں۔

(۱)......ولقد زينا السماء الدنيا بمصا بيح وجعلنا هارجو ماللشياطين. (الملک:۵)

(۲)......فقضا هن سبع سمٰوات في يو مين واوحي في كل سماء امر ها وزينا السماء الدنيا بمصا بيح و حفظا ذلک تقدير العزيز العليم" (فصلت:۱۲)

وہ ان آیات قرآن سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سے زینت آرائش کے لیے آسمان دنیا کو مخصوص کیا ہے۔ لیکن ان ستاروں کے باہم زیر بالا ہونے سے ان کی پیش کردہ دلیل میں کوئی کوتاہی واقع نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

ان محققین کے نزدیک ساتوں بلکہ آٹھوں آسمان اپنے ستاروں اور سیاروں سمیت مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے ہیں۔ ان کا یہ قول بھی ہے کہ چاند جو پہلا سیارہ ہے اپنی گردش ایک ماہ میں سورج جو چوتھا سیارہ ہے ماہ بماہ بارہ مرتبہ کرکے اپنی گردش پوری کرتا ہے۔

جب کہ زحل جو ساتواں سیارہ ہے آسمان دنیا کی پیمائش کے لحاظ سے اپنی پوری گردش تیس سال میں مکمل کرتا ہے اور اس لحاظ سے سورج کی گردش آسمان کے دائرے میں بارہ مہینوں میں ۳۶۰ مرتبہ ہوتی ہے اور ایک سال کے یہی یعنی ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔

علم کلام کے (نام نہاد) ماہرین نے ستاروں کے مقامات، ان کی حرکات وگردش اور ان کی وسعت پر گفتگو کرنے کے بعد علم الاحکام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ حوادث ارضی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لیکن ان کی اکثریت اس سلسلے میں لاعلم ہی معلوم ہوتی ہے۔ رہے یونان والے تو وہ قبل مسیح علیہ السلام شام میں سکونت پزیر تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں بہت سا علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ یہ لوگ عموماً شہر دمشق میں رہے جہاں انہوں نے اس شہر کے سات دروازے بنوائے تھے اور ہر دروازے کے ساتھ ایک ہیکل (عبادت گاہ) تعمیر کرائی تھی جو سات ستاروں کی جداگانہ صفات سے موسوم کی تھی۔ ان ساتوں ہیکلوں میں وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے الگ الگ ستاروں سے اپنی اپنی بھلائی کے لئے دعا مانگتے تھے۔ یہ باتیں جملہ مؤرخین نے لکھی ہیں خصوصاً "سر المکتوم" کے مصنف نے چاند سورج اور دوسرے سیارے کے حوالے سے علمائے حرنانیین عہد قدیم کے حران کے فلسفیوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ وہ سب مشرک تھے اور سات ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا گروہ صائبین کا گروہ کہلاتا تھا۔ انہی کواکب پرستوں کے مشرکانہ اعمال کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ومن آياته الليل والنهار والشمس والقمر لاتسجد وا للشمس ولا للقمر واسجدوا الله الذى خلقهن ان كنتم اياه تعبدو ن"

یعنی رات اور دن کی طرح شمس وقمر بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (مظاہر قدرت) میں سے ہیں (اس لیے) شمس وقمر کو سجدہ کرنے کے بجائے اسے سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔

اسی طرح کلام اللہ شریف میں ایک جگہ ہدہد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ پرندہ یمن کی ملکہ سبا اور اس کے لشکر کی خبر لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اس کے حسن وجمال اور کثرت جاہ ومال کی خبر دی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہدہد کی زبانی یوں فرمایا:

"انی وجدت امرأة تملکهم واوتیت من کل شیءٍ ولها عرش عظیم وجدتها وقومها یسجدون للشمس من دون الله وزین لهم الشیطان اعمالهم فصدهم عن السبیل فهم لا یهتدون ......الخ" (النمل: ۲۲۔۲۶)

اللہ تعالیٰ نے عبادت کے حوالے سے آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"الم تر أن الله یسجد له من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر ......الخ" (الحج: ۱۸)

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا:

"اولم یروا الی ما خلق الله من شیء یتفیؤا ظلاله عن الیمین والشمائل سجدا لله وهم داخرون......الخ" (النحل: ۴۸)

مزید ایک جگہ فرمایا:

"ولله یسجد من فی السموات والارض طوعا وکرها وظلالهم بالغدو والآصال" (الرعد: ۱۵)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

"تسبح له السموات السبع والارض ومن فیهن وان من شیءٍ الایسبح بحمده ولکن لاتفقهون تسبیحهم انه کان حلیما غفورا" (الاسراء: ۴۴)

اس موضوع پر قرآن میں کثرت سے بڑی اہم آیات ملتی ہیں۔

ایسی اکثر چیزیں زمین اور آسمان پر ہمارے مشاہدے میں شب وروز آتی ہیں جن میں اجرام فلکی خصوصاً چاند اور سورج بھی شامل ہیں جو اس لحاظ سے بڑے معتبر ہیں کہ ان کی چمک دمک میں کسی حیثیت سے تردید نہیں کی جاسکتی اور جنہیں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی الوہیت اور ان کے معبود ہونے کی تردید کی اور ان کی عبادت کو باطل ٹھہرایا جس کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"فلما جن علیه اللیل رأی کوکبا قال هذا ربی فلما أفل قال لااحب الأفلین فلما رای القمر بازغا قال هذا اربی فلما أفل قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین ...الخ" (الانعام: ۷۶۔۷۷)

اس آیت شریفہ سے بطور برہان قطعی معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی میں جن کواکب اور چاند سورج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ الوہیت کے لحاظ سے کسی حیثیت کے حامل نہیں کیونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی گردش کے لحاظ سے بھی مسخر ہیں یعنی جن کاموں پر وہ مامور ہیں انہی کو بجالانے کے پابند ہیں اور وہ اپنی طرف سے کچھ کر سکتے ہیں نہ اپنی حدود سے وہ ذرہ بھر تجاوز کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ دیگر اشیائے کائنات کی طرح کواکب اور شمس وقمر بھی مخلوقات خداوندی میں شامل اور مسخر ہیں اور احکام خداوندی کے پابند ہیں جیسا کہ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ومن آیاته اللیل والنهار والشمس والقمر"

اور پھر سورج اور چاند کی پرستش سے منع کر کے صرف اپنی پرستش کا حکم دیا:

"واسجدو الله الذی خلقهن ان کنتم ایاه تعبدون"

صحیحین میں جو حدیث نبوی ﷺ صلوٰۃ کسوف کے تحت درج ہے جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس، عائشہ رضی اللہ عنہا اور چند دیگر صحابہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا:

"ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله عزوجل وانهمالا یکسفان لموت احد ولا لحیاته" یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں اور وہ کسی کی موت یا پیدائش پر گرہن نہیں ہوتے۔

امام بخاریؒ نے مسدد، عبدالعزیز بن مختار، عبداللہ داناج اور ابوسلمہ کی زبانی ابوہریرہؓ کے حوالے سے تخلیق کائنات کے بارے میں جو حدیث نبوی پیش کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند قیامت کے دن اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔

اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر تخلیق کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

حافظ ابوبکر البزار نے اس حدیث کی روایت میں تمہیداً تفصیل میں جاتے ہوئے ابراہیم بن زیاد بغدادی یونس بن محمد، عبدالعزیز بن مختار کی زبانی عبداللہ الداناج کے حوالے سے بیان کیا کہ عبداللہ الداناج نے کہا کہ انہوں نے خالد بن عبداللہ قسری کے زمانے میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو کہتے سنا کہ ایک روز وہ یعنی ابوسلمہ ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ وہاں جناب حسن تشریف لے آئے تو باتوں باتوں میں ابوسلمہ نے انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی یوں سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"ان الشمس والقمر ثوران فی النار یوم القیامۃ"

ابوسلمہ سے یہ حدیث سن کر جناب حسن نے ان سے پوچھا ان کا دین کیا ہے؟ یہ سن کر ابوسلمہ بولے! میں آپ سے روز قیامت سورج اور چاند کی انتہا کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کررہا ہوں کہ وہ قیامت کے روز (نار جہنم) میں شامل کردیے جائیں گے اور آپ مجھ سے ان کے دین کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ اس کے بعد البزار نے کہا کہ انہوں نے یہ حدیث ابوہریرہ کے حوالے سے صرف اس واقعے کی وجہ سے روایت کی ہے۔ عبداللہ الداناج نے بھی ابوسلمہ کے حوالے سے اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت نہیں کی۔

حافظ ابویعلیٰ موصلی نے جو حدیث نبوی ﷺ "الشمس والقمر ثوران ......فی النار" یزید رقاشی کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں انس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور اس کو بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآنی الفاظ (اذا الشمس کورت) کی وضاحت کے سلسلے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوسعید شیخ عمر بن عبداللہ ازدی اور ابواسامہ نے مجالہ اور مجیلہ کے شیخ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان الفاظ قرآن کی وضاحت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یوں کی کہ اللہ تعالیٰ چاند سورج اور ستاروں کو قیامت کے روز سمندر میں ڈبو کر ان کی روشنی زائل فرمادیں گے، پھر اس کے بعد ایک گرم ہوا بھیج کر انہیں حرارت بخشیں گے اور پھر انہیں آتش دوزخ میں شامل فرمادیں گے۔

خلاصہ کلام......اس سے ثابت ہوتا کہ سورج، چاند اور ستارے سب کے سب دوسری اشیائے کائنات کی طرح مخلوق خداوندی ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کامل ارادے کے تحت تخلیق کیا۔ اسی طرح جو سلوک ان کے ساتھ جب چاہیں گے فرمائیں گے جو سب اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوگا۔ اس لیے کسی کو اس کے علم اور حکمت کے بارے میں سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امام محمد بن اسحٰق بن یسار نے اپنی کتاب "کتاب السیرۃ من الشعر" کے آغاز میں آسمان زمین، سورج، چاند، ستاروں اور کائنات کی دیگر اشیاء کی تخلیق کے بارے میں یزید بن عمر بن نفیل کے بڑے خوبصورت اشعار درج کیے ہیں جن کے بارے میں ہشام کی رائے یہ ہے کہ وہ اشعار امیہ ابن ابی صامت کے ہیں۔

الی اللّٰہ اھدی مدحتی وثنائیا	وقولا رضیا لاینی الدھر ساقیا
الی الملک الاعلی الذی لیس فوقہ	الٰہ ولارب یکون مدانیا
الا ایھا الانسان ایاک والردی	فانک لاتخفی من اللّٰہ خافیا
وایاک لاتجعل مع اللّٰہ غیرہ	فان سبیل الرشد اصبح بادیا
حنانیک ان الجن کانت رجاء ھم	وانت الھی ربنا ورجائیا
رضیت بک اللھم ربافلن اری	ادین الھا غیرک اللّٰہ ثانیا
وانت الذی من فضل من ورحمۃ	بعثت الی موسی رسولا منادیا
فقلت لہ اذھب وھارون فادعوا	الی اللّٰہ فرعون الذی کان طاغیا
وقولا لہ أأنت سویت ھذہ	بلا وتد حتی اطمانت کماھیا
وقولا لہ أأنت رفعت ھذہ	بلا عمد ارفق اذابک بانیا
وقولا لہ أأنت سویت وسطھا	منیراً اذا ماجنہ اللیل ھادیا
وقولا لہ من یرسل الشمس غدوۃ	فیصبح مامست من الارض صاحیا
وقولا لہ من ینبت الحب فی الثری	فیصبح منہ البقل یھتز رابیا

ویخرج منہ حبہ فی رءوسہ وفی ذاک آیات لمن کان واعیا
وانت بفضل منک نجیت یونسا وقد بات فی اضعاف حوت لیالیا
وانی لو سبحت باسمک ربنا لاکثر الاماغفرت خطائیا
فرب العباد الق سیا ورحمۃ علی وبارک فی بنی ومالیا

بہر حال مندرجہ بالاآیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ اور دیگر مستند روایات کے مطالعہ کے بعد اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آسمانوں، زمینوں کواکب اور ثوابت وغیرہ کواللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہیں اپنے حکم سے ان کے متعلقہ کاموں پر جس طرح چاہا، مامور فرمایا اور ان کے ساتھ آخر کار جو چاہے گا کرے گا۔

اکثر مفسرین نے ستاروں اور سیاروں کے تذکرے اور قصہ ہاروت و ماروت اور ستارہ زہرہ پہلے ایک عورت تھی جسے دوفرشتوں ہاروت اور ماروت نے زمین پر آکر بہکایا اور اس کے حسن بے مثال سے متاثر ہوکر اسے اسم اعظم سکھادیا تھا جسے پڑھ کر وہ ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی لیکن یہ صرف خیالی باتیں ہیں جسے اسرائیلیات سے لیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ متقدمین نے یہ بات کعب احبار سے سن کر محض ایک کہانی کے طور پر بیان کر دی ہو اور اس کا ماخذ اسرائیلیات کو بتایا ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حبان نے اس حکایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لیکن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ ابن بکیر کی زبانی زہیر بن محمد، موسیٰ بن جبیر، نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حکایت کو آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے تفصیلاً سنا تھا جو یہ تھا کہ ہاروت و ماروت زہرہ کے عجیب حسن سے متاثر ہوئے اور اس سے جسمانی اتصال کے خواہش مند ہوئے تو زہرہ نے یہ بات اس شرط پر رکھی کہ اسے اسم اعظم سکھادیا جائے جو ہاروت و ماروت نے اسے سکھادیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زہرہ اسے پڑھ کر ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی اور ہاروت و ماروت اللہ کے نزدیک سزا کے مستحق ٹھہرے لیکن جہاں تک اس حکایت میں آنحضرت ﷺ کے حوالے کا تعلق ہے تو وہ روایت ہی ایک تو انتہائی ضعیف ہے اور بفرض محال درست بھی ہو تو یقیناً آپ ﷺ نے اسے بیان فرما کر اس کے بارے میں ساتھ ہی اسے اسرائیلیات کے من گھڑت افسانوں میں شامل فرمایا ہوگا تو جیسا ہم نے عرض کیا یہ قصہ بھی کسی نہ کسی طرح متقدمین کی روایات میں شامل ہوگیا ہے لیکن اسے صرف ایک کہانی ہی سمجھنا چاہیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ہماری اس گزارش کا سب سے بڑا بین ثبوت یہ ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر مین یہ قصہ بیان کرتے ہوئے ثوری رحمۃ اللہ علیہ، موسیٰ بن عقبہؒ اور اور سالمؒ کے حوالوں کے آخر میں کعب احبار کا حوالہ دیا ہے اور کعب احبار انجیل کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اسرائیلیات میں شامل کچھ ایسے قصے بھی بیان کیا کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کے دوسرے من گھڑت افسانوں کی طرح درحقیقت خلاف واقعہ ہوتے تھے۔

ہماری ان گزارشات کا ایک اور واضح اور مدلل ثبوت یہ ہے کہ جن راویوں نے اس قصے کی روایت کو دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے احادیث نبوی ﷺ تک پہنچایا ہے ان جملہ احادیث کو اکثر ثقہ محدثین نے کمزور اور غیر مستند بتا کر (جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں)۔ کعب احبار کے بیان کردہ دوسرے اسرائیلی افسانوں میں شامل کیا ہے حتیٰ کہ بخاری اور نسائی جیسے ثقہ و مستند محدثین نے اس سلسلے میں احادیث کی حد تک ان کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس قصے کو اسرائیلیات میں سے شمار کیا ہے۔

مجرہ اور قوسِ قزح کا ذکر

ابوالقاسم طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبدالعزیز، عارم ابونعمان اور ابوعوانہ نے ابی بشر، سعید ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رومی حکمران ہرقل نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھ کر ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان چند چیزوں کے بارے میں اسے لکھیں جن کے متعلق اکثر لوگ اس سے سوالات کرتے ہیں بشرطیکہ انہیں (معاویہ کو) عہد نبوت میں کسی نے ان کے بارے میں بتایا ہو۔

ابوالقاسم طبرانی مزید کہتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے مذکورہ بالا خط میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر مجرہ اور قوس قزح کے بارے میں پوچھا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہرقل کا وہ خط ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تھا تاکہ وہ اس کی طرف سے اس خط کا جواب دے دیں۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہرقل کے ان سوالات کے جواب میں لکھا تھا کہ قوس قزح حفاظت کا وہ ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اہل زمین مکمل طور پر غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور مجرہ آسمان کا وہ دروازہ ہے جو آسمان اور زمین کی حد فاصل ہے۔

چونکہ ہرقل نے اس بقعہ نور کے بارے میں بھی سوال کیا تھا جہاں سورج کی براہ راست شعاعیں دن میں صرف ایک لمحے کے لیے پہنچتی ہیں اس لیے ابن عباس نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس روشنی وتمازت میں مل کر سورج کی شعاعیں بوقت نصف النہار زمین پر منعکس ہوتی ہیں وہ خط استواء ہے جس کے نیچے ذرا فاصلے سے بحر بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ جملہ اسناد ابن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح تسلیم کی گئی ہیں لیکن اس سلسلے کی ایک دوسری روایت میں جو طبرانی ہی سے بحوالہ ابوزنباع روح بن الفرح ابراہیم بن مخلد، فضل بن مختار، محمد بن مسلم طائفی، ابی یحییٰ، مجاہد اور جابر بن عبداللہ مروی ہے بتایا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے جب معاذ کو اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے پاس بھیجا تھا تو ان سے فرمایا تھا کہ ''میں تمہیں اہل کتاب کے پاس بھیج رہا ہوں لیکن اگر وہ تم سے یہ بات دریافت کریں کہ آسمانی مجرہ کیا چیز ہے تو انہیں بتانا کہ وہ عرش کے نیچے ایک اژدھے کا لعاب ہے''۔

اس روایت میں جس حدیث نبوی ﷺ کا حوالہ دیا گیا اس سے جملہ ثقہ راویوں نے جن میں حافظ ابوالفتح ازدی شامل ہیں انکار کرتے ہوئے اس کو ''حدیث منکر'' میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کا اصل راوی فضل بن مختار یعنی ابوسہل بصری ہے جو بصرے سے مصر چلا گیا اور ابو حاتم رازی کے بقول وہ ایک مجہول سا آدمی تھا جس نے بہت سی احادیث گھڑلی تھیں جو سراسر نا قابل اعتبار ہیں کیونکہ ان میں کوئی بھی مستند حوالہ نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہی بات ابن عدی نے بھی کہی ہے اور اس کی روایت اور جملہ احادیث کو من گھڑت اور نا قابل اعتبار بتایا ہے۔

نیز دیگر تخلیقات ارضی وسماوی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی بالکل واضح ہیں۔

(۱)...''هو الذی یریکم البرق خوفا وطمعا وینشئ السحاب الثقال ویسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته ويرسل الصواعق فيصيب بها من يشاء وهم يجادلون في الله وهو شديد المحال''. (الرعد: ۱۲-۱۳)

(۲)...ان في خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار والفلك التي تجرى في البحر بما ينفع الناس وما انزل من السماء من ماء فاحيابه الارض بعد موتها وبث فيها من كل دابة وتصرف الرياح والسحاب المسخر بين السماء والارض لآيات لقوم يعقلون''.

اس کے علاوہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن ھارون، ابراہیم بن سعد، ان کے والد اور بنی غفار کے ایک بزرگ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخرالذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

''ان الله ينشئ السحاب فينطق احسن النطق ويضحك احسن الضحك''.

اللہ رب العزت بادل کو پیدا فرما کر اس سے بات کرتے ہیں اور ہنستے ہیں۔''

اس حدیث کو موسیٰ بن عبیدہ بن سعد بن ابراہیم کو روایت کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اس بادل کا نطق رعد کی آواز اور اس کی تضحیک برق ہے''۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور ہشام سے عبیداللہ رازی اور محمد بن مسلم کے حوالے سے سنا کہ انھیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں۔ اس کا ایک منہ انسان کے منہ کی طرح دوسرا بیل کے منہ کی طرح، تیسرا گدھ کی طرح کے ایک پرندے کے منہ کی طرح اور چوتھا شیر کے منہ کی طرح ہے۔ جب وہ فرشتہ اپنے جسم کے پچھلے حصے کو جنبش دیتا ہے تو اس سے جو چمک پیدا ہوتی ہے وہی برق ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، نسائی اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الادب'' کے تحت بیان کیا ہے نیز حاکم نے اپنی کتاب ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ کے بقول انہیں ابن مطر نے سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ، رعد کی گرج اور برق کی کڑک سنتے تو فرماتے:

"اللّٰھم لاتقتلنا بغضبک و لا تھلکنا بعذابک و عافنا قبل ذلک".

ابن جریر لیث اور ایک اور شخص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رعد کی آواز سن کر فرمایا کرتے تھے۔ "سبحان من یسبح الرعد بحمدہ" جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول آپ رعد کی آواز سن کر "سبحان من سبحت لہ" فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ، اسود بن یزید اور طاؤس وغیرہ سے مروی ہے کہ مالک نے عبداللہ بن عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ (بارش میں) رعد گرج سنتے تو باتیں کرنا موقوف فرما کر فرماتے:

"سبحان من یسبح الرعد بحمدہ و الملائکۃ من خیفتہ"

پھر اس کے بعد ارشاد فرماتے:

"ان ھذا وعید شدید لاھل الارض"

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین والوں کے لیے شدید تنبیہ ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ (برق و رعد کے بارے) میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے فرمان ہے کہ:

"اگر تم میرے بندے ہو تو میری اطاعت کرو کہ میں راتوں کو بھی انہیں بارش سے سیراب کرتا ہوں اور تمھارے لیے دن کو سورج طلوع کرتا ہوں۔ تو جب تم رعد کی آواز سنا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو (کیونکہ) اللہ اپنے ذکر کرنے والوں کو کبھی کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا"۔

یہ سب کچھ تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

تخلیق ملائکہ علیہم السلام اور ان کے اوصاف

اس باب کے آغاز میں ہم وہ آیاتِ قرآنی درج کر رہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں کے باطل عقیدے کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ اور فرشتوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے نیز یہاں وہ احادیث بھی پیش کی جارہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے شب معراج آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا۔

(۱)......"وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدًا سبحانہ بل عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم ولایشفعون الالمن ارتضٰی وھم من خشیتہ مشفقون ومن یقل منھم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم کذلک نجزی الظالمین". (الانبیاء ۲۶۔۲۹)

(۲)......"تکادالسمٰوات یتفطرن من فوقھن والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم". (الشوریٰ ۵)

(۳)......"الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین اٰمنوا ربنا وسعت کل شیٴ رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم ربنا وادخلھم جنات عدن التی وعدتھم ومن صلح من آبائھم وازواجھم وذریاتھم انک انت العزیز الحکیم". (الغافر: ۷۔۸)

(۴)...... "فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنھار وھم لایسأمون. (فصلت ۳۸) ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولایستحسرون، یسبحون اللیل والنھار لا یفترون". (الانبیاء: ۱۹۔۲۰)

(۵)......"وما منا الالہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون". (الصافات ۱۶۴۔۱۶۶)

(۶)......"وما نتنزل الا بامر ربک له مابین ایدینا وما خلفنا وما بین ذلک وما کان ربک نسیا".
(مریم:۶۴)

(۷)...... "وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ماتفعلون". (الانفطار:۱۰۔۱۲)

(۸)......"وما یعلم جنود ربک الاھو". (المدثر:۳۱)

(۹)......"والملائکة یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار".
(الرعد:۲۳۔۲۴)

(۱۰)......"الحمدللّٰه فاطر السمٰوات والارض جاعل الملائکة رسلا أولی اجنحة مثنی وثلاث ورباع یزید فی الخلق مایشاء ان الله علی کل شیءٍ قدیر". (فاطر:۱)

(۱۱)......یوم تشقق......الخ (الفرقان:۲۶)

(۱۲)......"وقال الذین لایرجون لقاء نالولا انزل علینا الملائکة اونری ربنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتوعتواً کبیرا یوم یرون الملائکة لابشری یومئذ للمجرمین ویقولون حجرا محجورا". (الفرقان:۲۱۔۲۲)

(۱۳)......"من کان عدوالله وملائکته ورسله وجبریل ومیکال فان الله عدو للکافرین". (البقرہ:۹۸)

(۱۴)......یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارة علیھا ملائکة غلاظ شداد لایعصون الله ماامرھم ویفعلون مایومرون" (التحریم:۶)

ان آیات میں جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا کہ تخلیق ملائکہ کے ساتھ ان کے فرائض اور اوصاف کے علاوہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور قیامت کے روز ان کے جزاوسزا کے بارے میں کسی قدر وضاحت کی گئی ہے اور ایسی آیات قرآنی شریف میں جگہ جگہ حسب موقع کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

ان آیات کی مکمل تفاسیر ہم نے اپنی کتاب "تفسیر" میں کی ہیں اور بتایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تخلیق، ان کے عوامل، ان کی عظیم اور مختلف اشکال کا ذکر وضاحت سے فرمایا ہے ہمارے علاوہ دیگر علماء نے بھی ان آیات کی تفاسیر میں وضاحت کی ہے کہ یہ فرشتے مختلف شکلوں میں زمین پر آتے رہتے ہیں خصوصاً جبریل علیہ السلام کے متعلق خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں متعدد بار، کبھی دحیہ کلبی کی شکل میں، کبھی کسی اعرابی اور کبھی اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوتے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے پر اور بازو چھ سو ہیں جو مشرق سے مغرب تک پھیل جاتے ہیں اور آپ نے انہیں دو بار ملاحظہ فرمایا۔

ایک بار تو اس وقت جب وہ آسمان سے زمین پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شب معراج میں آپ نے ان کے یہ پر "سدرۃ المنتہیٰ" کے قریب دیکھے جو "جنت الماویٰ" کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ:

"علمه شدید القویٰ، ذومرة فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلی" (النجم:۱۳۔۱۷)

اس حدیث مبارکہ کو مندرجہ بالا آیت شریفہ کے حوالے سے ہمارے علاوہ کئی دوسرے علماء وصحابہ نے بھی بیان کیا ہے جن میں ابن مسعود، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ اس حدیث میں اس قول باری تعالیٰ "فکان قاب قوسین اوادنی O فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحی" کی طرف صاف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ شب معراج ملاء اعلیٰ میں نازل فرمائی لیکن اسے "اوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ" فرمایا تاہم اس ارشاد ربانی میں "الیٰ عبدہ" سے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک ہی مراد ہے جو ایک واضح سی بات ہے۔

ہم نے احادیث اسراء کی تفسیر میں "سدرۃ المنتھی" کے بارے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور وہیں اس کی شاخیں پھوٹی ہیں مگر اس کی بلندی ساتویں آسمان تک گئی ہے نیز یہ کہ اس کی شاخیں اور پتے نوری ہیں اور چونکہ بدیہی طور پر یہ نور نور خداوندی ہے اس لیے اس کے تفصیلی ذکر اور صفات کے بیان سے انسان قاصر ہیں ۔ ویسے یہاں اس کا تفصیلی ذکر بھی بے محل ہوگا۔

اس سے قبل ہم سمندروں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایک حدیث کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ "سدرۃ المنتہیٰ" کی جڑ سے چار دریا نکلتے ہیں جن میں سے دو تو جنت ہی میں ہیں اور دو زمین میں نیل وفرات کی شکل میں بہتے ہیں۔

شب معراج میں آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرماتے ہوئے "سدرۃ المنتھی" کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ثم رفعت الی سدرۃ المنتھی فاذا نبقھا کالقلال"

بعض روایات میں "**کقلال الھجر**" بھی آیا ہے یعنی عمدہ عمدہ موٹے اور بلند ستون ۔ (مترجم)

وا ذا ورقھا کآذان الفیلۃ"

یعنی اس کی شاخیں (بلندی میں) ستونوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں ۔ (مترجم)

سدرۃ المنتھی کی جڑ سے نکلنے والے دریاؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"واذا یخرج من اصلھا نھران باطنان ونھران ظاھران. فاما الباطنان فی الجنۃ واما الظاھران فالنیل والفرات"

"سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے چار دریا نکلتے ہیں دو باطنی دو ظاہری، باطنی دریا جنت میں ہیں اور ظاہری دریا (زمین پر) دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔"

ان دریاؤں کا ذکر ہم بحروں اور دریاؤں کے ضمن میں پہلے ہی کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں آنحضرت ﷺ نے "بیت المعمور" کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ (ترجمہ): اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فرشتے اس میں دوبارہ نہیں جاتے۔

"بیت المعمور" کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا (ترجمہ) "وہاں میں نے (حضرت) ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھا جن کی پشت "**بیت المعمور**" کی طرف تھی۔

"**بیت المعمور**" کا ذکر کرتے ہوئے ہم پہلے (تفسیر میں) بتا چکے ہیں کہ وہ ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جیسے خانہ کعبہ زمین پر ہے۔

سفیان ثوری، شعبہ اور ابوالاحوص کی زبانی سماک بن حرب اور خالد بن عرعرہ کے حوالے سے مروی ہے کہ ابن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "بیت المعمور" کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ:

"وہ آسمان پر ایک مسجد ہے جسے "ضراح" کہا جاتا ہے اور وہ مسجد کعبہ کی شکل کی ہے اور آسمان میں خانہ کعبہ کے عین اوپر ہے، اگر اوپر سے کوئی چیز گرے تو عین خانہ کعبہ پر گرے۔ آسمان پر اس کی عزت وحرمت ایسی ہی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھنے جاتے ہیں لیکن وہ وہاں دوبارہ نہیں جاتے۔"

یہی روایت علی بن ربیعہ اور ابوطفیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے حسن بن علویہ القطان، اسماعیل بن عیسیٰ العطار، اسحاق بن بشر ابو حذیفہ اور ابن جریج نے صفوان بن سلیم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"بیت المعمور" آسمان پر ہے جسے ضراح کہا جاتا ہے، وہ آسمان پر بیت اللہ کی بالکل سیدھ میں ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں وہاں دوبارہ داخل ہوتے کسی نے نہیں دیکھا اس کی حرمت آسمان پر (بالکل) ایسی ہی ہے

جیسی زمین پر خانہ کعبہ کی ہے۔

اسی طرح عوفی نے ابن عباس، انس، مجاہد، عکرمہ، ربیع بن انس، السدی اور کئی دوسرے راویوں کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیت المعمور کا ذکر فرمایا اور پھر دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے (اور کہاں ہے؟) اس کے بعد قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی (اس کے بارے میں) جانتے ہیں پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ آسمان پر خانہ کعبہ کے شکل کی ایک مسجد ہے جسے کوئی صرف ایک بار ہی دیکھ سکتا ہے، اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز ادا کرنے جاتے ہیں لیکن ایک بار کے سوا وہ یعنی وہ جو ایک بار وہاں جاچکے ہوتے ہیں دوبارہ نہیں جاتے۔

ضحاک کے خیال میں اسے یعنی بیت المعمور کو ابلیس اور ملائکہ نے جو اس کے ساتھی اور جن کہلاتے تھے تعمیر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

متاخرین بیان کرتے ہیں کہ ہر آسمان پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے ایک گھر بنا رکھا ہے اور وہ اس میں باری باری یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ویسے ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں جس طرح اہل ارض حج کے لیے ہر سال اور عمرہ کے لیے جب چاہیں خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر اسکا طواف کرتے ہیں اور وہاں عبادت کرتے ہیں یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی اپنی کتاب "المغازی" میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوعبید نے مجاہد کی زبانی بیان کیا کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے ساتوں طبقات پر جو حرم پاک تعمیر کیے گئے ان کی تعداد چودہ (۱۴) ہے اور "بیت المعمور" جو آسمان پر تعمیر کیا گیا ان میں سے ایک ہے اور چوتھا ہے جو زمین کی پیمائش سے سات گنا بڑا ہے۔ ویسے ہر آسمان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک حرم تعمیر کیا گیا ہے، بیت المعمور کی عزت وحرمت آسمان پر ویسی ہی ہے۔ جیسی زمین پر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی ہے۔

كما قال الشاعر:

(ترجمہ)...... "بے شک جس ذات نے آسمانوں کو بلند کیا ہے اس نے وہاں ایک معزز گھر بنایا ہے جس کے لمبے اور مضبوط ستون ہیں۔"

یہی روایت ایک اور جگہ مجاہد ہی سے ابو معاویہ، اعمش اور ابی سلیمان موذن الحجاج کے حوالے سے مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر یعنی ابی سلیمان نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے سنا کہ حرم محرم جو آسمان پر ہے اس کا طول وعرض زمین سے سات گنا ہے نیز یہ آسمان کے اس حرم پاک کا نام "بیت العزۃ" بھی لیا جاتا ہے، اس میں پہلے داخل ہونے کا شرف جس فرشتے کو ملا اس کا نام اسماعیل ہے مگر اس کے بعد ہر روز ستر ہزار فرشتے اس "بیت المعمور" میں داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں اس میں ایک دفعہ کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا اور نہ ہی کبھی انہیں یہ موقع ملے گا کیونکہ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وما يعلم جنود ربك الا هو"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں اسود بن عامر اور اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر، مجاہد، مورق اور ابوذر کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے آسمان پر جو کچھ دیکھا وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور میں نے جو کچھ سنا وہ تم نہیں سن سکتے کیونکہ اس ساعت کا حق آسمان تک محدود ہے، وہاں ہر جگہ چار چار فرشتے چاروں انگلیوں کی طرح ہیں برابر مسجد میں مشغول رہتے ہیں اور اس طرح وہاں بالشت بھر جگہ باقی نہیں رہتی، میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تمہیں بھی اس کا علم ہو جائے تو تم ہنسنے سے زیادہ رونے لگو اور تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ جسمانی اختلاط سے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ کبھی نہ ہو اور خوف عذاب سے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے (رحم کی) امید کرتے رہو"

یہ حدیث سننے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: "کاش میں ایک تخت ہوتا جس پر عذاب نہ ہوتا" یعنی غیر مکلف ہوتا۔

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو "حسن" اور "غریب" بتا کر کہا ہے کہ اس کی سند حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن عرفہ مصری، عروہ بن عمران الرقی اور عبیداللہ بن عمرو سے عبدالکریم ابن مالک،

عطاء بن ابی رباح اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے وہ حدیث نبوی سنی جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ساتوں آسمانوں میں کسی پر ایک قدم، ایک بالشت اور ایک بالشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے، قیام، رکوع، یا سجدے میں نہ ہو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو (اس روز بھی) وہ سب کے سب کہیں گے کہ ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا بجز اس کے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔

ان دونوں احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بحالت قیام و رکوع یا سجود میں مصروف نہ ہوں یعنی کچھ تو ان میں سے بحالت قیام، کچھ بحالت رکوع اور کچھ بحالت سجدہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تا قیام قیامت اسی حالت میں رہیں گے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے ہر وقت دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے اور اسی طرح قیامت تک یہی کرتے رہیں گے اور ان کے یہ اعمال وہ ہیں جن کا انہیں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم دے رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

وما منا الا له مقام معلوم و انا لنحن الصافون و انا لنحن المسبحون (الصافات:۱۶۴۔۱۶۶)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں جس طرح فرشتے اس کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ سے سن کر صحابہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ فرشتے کس طرح صف بستہ ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بھی صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں''۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مسلمانوں) کو اس کے بقول دوسرے انسانوں پر جو فضیلت دی ہے وہ تین باتوں کی وجہ سے دی ہے ایک یہ کہ ہم نے (یعنی ان انسانوں نے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر زمین پر اسی شکل کا بنایا جیسا آسمان پر ہے، دوسرے یہ کہ ہم نے اسے پاک مٹی سے بنایا، تیسرے یہ کہ ہم اس کی عبادت کے لیے فرشتوں کی طرح مساجد میں) بھی اسی طرح یعنی صف بستہ خدا کے حضور حاضر ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

وجاء ربک والملک صفاً صفاً

قیامت میں اس کے روبرو ہماری حاضری کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یوم یقوم الروح والملائکة صفالایتکلمون الامن اذن له الرحمٰن وقال صواباً

ابن عباس، حسن اور قتادہ نے کہا کہ مندرجہ آیت شریفہ میں روح سے مراد بنی آدم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی شکل میں زمین پر نمودار ہوتے رہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جنھیں ''روح القدس'' بھی کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں روح سے مراد وہ روح ہے جسے جملہ مخلوقات کی روح سمجھا جاتا ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے انہی کا قول نقل کر کے بتایا ہے کہ اس آیت یعنی ''یوم یقوم الروح.... الخ'' میں روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اپنی خلقت کے لحاظ سے عظیم ترین ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن خلف عسقلانی اور داؤد ابن جراح نے ابی حمزہ، شعبی، علقمہ اور ابن مسعود کے حوالے سے آخر الذکر کے بقول بیان کیا کہ ''یہاں روح سے مراد چوتھے آسمان پر وہ فرشتہ ہے جو جملہ آسمانوں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ عظیم الجثہ ہے اور ہر روز وہ تسبیح بارہ ہزار مرتبہ پڑھتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے اور وہی قیامت کے روز صفوف ملائکہ میں سب سے آگے کھڑا ہوگا۔ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

طبرانی بیان کرتے ہیں ان سے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم مصری، ابن وہب، بن رزق ابوہبیرہ بشر بن بکر، اوزاعی اور عطاء نے عبداللہ بن عباس کے حوالے سے انہی کی زبانی بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے لیے ساتوں آسمان اور زمین کے ساتوں طبقات ایک نوالے کی طرح ہیں یعنی وہ انہیں (اللہ کے حکم سے) اگر اسے حکم دیا جائے ایک نوالے کی طرح نگل لے۔ اور اس فرشتے کی تسبیح ''سبحانک حیث کنت'' ہے۔

یہ روایت بھی جسے عبداللہ ابن عباس نے طبرانی وغیرہ کے بقول بطور حدیث نبوی ﷺ بیان کیا ہے بڑی عجیب وغریب ہے اور یقیناً یہ صرف ایک ہی ہے۔

ویسے ہم بھی ان فرشتوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش کہلاتے ہیں جابر بن عبداللہ کے حوالے سے ان میں سے ایک فرشتے کا ذکر کر چکے ہیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس فرشتے کا قد کاٹھ یہ ہے کہ اس کے کان کی لو سے اس کے کاندھے تک سات سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے''۔

سات سو سال کی اس مسافت کو ابوداؤد اور ابن حاتم کی روایت حدیث کے مطابق آنحضرت نے کسی پرندے کی سات سو سال تک آہستہ مگر مسلسل پرواز کے برابر فرمایا۔ جبریل علیہ السلام کے بارے میں جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے ''علمه شديد القوىٰ'' فرمایا ہے۔ ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ان کی قوت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے سارے شہروں کو جن کی تعداد سات تھی اور ان میں بسنے والی قوم لوط کو ان کی عمارات اور ان کے تمام پالتو جانوروں اور ان کے جنگلات کے تمام دوسرے درندوں اور حیوانات وغیرہ کو اپنے ایک پَر پر اٹھالیا تھا لیکن جب انہیں لے آسمان کی طرف اتنے بلند ہوئے کہ فرشتوں کے کانوں میں وہاں کے کتوں وغیرہ کی آوازیں آنے لگیں تو انہوں نے ان تمام شہروں کو مذکورہ بالا تمام چیزوں سمیت الٹ دیا تھا۔ لہٰذا بقول باری تعالیٰ عزاسمہ ''شدید القویٰ'' ہی ہوئے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلقت میں حسین ہونے کے علاوہ بہت سی دوسری صفات کا حامل فرمایا ہے اور بقول آنحضرت ﷺ بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہونے کے علاوہ خوش منظر ہیں، بڑی قوت والے ہیں، ان کا مقام صاحب عرش کے قریب ہے، ان تمام باتوں سے جبریل علیہ السلام کے اعلیٰ اوصاف کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے صاحب علوئے مرتبت ہیں نیز یہ کہ وہ عرش مجید کے اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام بجالاتے ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ترسیل وحی بھی شامل ہے۔ شریعت کی رو سے بھی یہ روایت صادقہ میں شامل ہے اور جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں متعدد بار مختلف شکلوں میں نمودار ہوئے جب کہ دو بار اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے تھے اس شکل میں جس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طلق بن غنام اور زائدہ شیبانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آخر الذکر نے قول باری تعالیٰ ''**فكان قاب قوسين اوادنى فاوحى الى عبده ما اوحى**'' کی آنحضرت ﷺ کے حوالے سے وضاحت چاہی تو انہوں نے بتایا کہ ان سے عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا کہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انھوں نے اس جگہ جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پَر دیکھے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ ابن آدم اور شریک نے جامع بن راشد، ابی وائل اور عبداللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان کے اس صورت میں چھ سو پَر ملاحظہ فرمائے اور ہر پَر پورے افق سماوی کے برابر تھا اور ہر پَر میں موتی اور دیگر جواہرات جیسی اشیاء جڑی ہوئی تھیں جن کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان سے حسن بن موسیٰ اور حماد بن سلمہ نے عاصم بن بھدلہ، زر بن جیش اور ابن مسعود کے حوالے سے آیت شریفہ ''**ولقد راٰه نزلة اخرىٰ عند سدرة المنتهىٰ**'' کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی اصل شکل وصورت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ان کے چھ سو پَر ہیں اور ہر پَر موتیوں اور دیگر جواہرات سے مرصع ہے''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب، حسین (یہاں راوی کی مراد حسین ابن واقد سے ہے (محمود الامام) عاصم ابن بہدلہ نے بیان کیا کہ انہوں نے یعنی ان راویوں نے شقیق بن سلمہ سے سنا اور شقیق نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر دیکھا تھا تو ان کے چھ سو پَر بھی دیکھے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عاصم سے جبریل علیہ السلام کے پروں بازوؤں کے پروں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے خود تو کچھ نہ بتایا لیکن اتنا کہا کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام سے سنا کہ ان کا ہر پَر مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہے۔ تاہم یہ اسناد بہت قوی ہیں جن کے حوالے سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بطور خاص بیان کی ہے۔

حضرت جبرئیل کے پَروں کے بارے میں متفقہ روایت ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب نے بیان کیا اور انہوں نے یکے بعد دیگرے حسین، حصین، شقیق اور ابن مسعود کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام جب بھی آئے تو آپ نے ان کے پَر ہمیشہ مختلف الالوان اور یوں چمکتے ہوئے دیکھے جیسے سچے موتی چمکتے ہیں۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان سے ابن بزیع بغدادی نے بیان کیا کہ انہیں اسحٰق بن منصور اور اسرائیل نے ابی اسحٰق، عبدالرحمٰن ابن یزید اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب (شب معراج) میں جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو رفرف پر سوار کر کے آسمان کی طرف مائل پرواز تھے تو ان کا جسم (طوالت میں) زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔

صحیحین میں مسروق کی بیان کردہ ایک روایت عامر شعبی کے حوالے سے اس طرح درج ہے کہ اول الذکر یعنی مسروق نے بیان کیا کہ ایک بار وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے خود اللہ تعالیٰ کا قرآن میں یہ ارشاد نہیں پڑھا کہ:

"ولقد راٰه بالافق المبين ولقد راٰه نزلة اخرىٰ"

اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے پہلی بار اس کے بارے میں دریافت کیا تھا" اور آپ ﷺ نے (جواباً) ارشاد فرمایا تھا کہ: "میں نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ہر اس چیز سے بڑے تھے جو (اپنے جثے میں) زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہو"۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں صحیح سند کے ساتھ تحریر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں اس قرآنی "وما نتنزل الا بامر ربك له مابينا ايدينا وما خلفنا" کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا: "ہم نے انہیں ان کی اصلی شکل وصورت میں اکثر نہیں دیکھا"۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ عروہ نے ایک دن عمر بن عبدالعزیز سے جو نماز عصر کے بعد مکمل سکوت اختیار کرتے تھے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تو وہ آپ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ عروہ سے یہ سن کر عمر ابن عبدالعزیز بولے: "اے عروہ جو تم کہہ رہے ہو میں اسے خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں نے بشر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے والد کے حوالے سے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جبرئیل کی آمد پر جب وہ مجھے وحی پہنچا چکے اور مجھے تسلی دے چکے تو میں نے ان کے ساتھ پانچ مرتبہ نماز پڑھی ہے" اور مسعود نے یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ نے پانچ مرتبہ کی بات اپنی انگلیوں پر گن کر فرمائی۔ جہاں تک اسرافیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین بار صور پھونکیں گے۔ پہلی بار صور پھونکے جانے پر بنی نوع انسان میں چیخ پکار پڑ جائے گی جب کہ صور کی دوسری آواز پر جو بادل کی گرج سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہوگی خوف زدہ ہو کر ان کے دل دہل جائیں گے اور اس کی تیسری آواز پر مردے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کی تفصیلات ہم انشاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

بہرحال یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا: "میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں (اور کس طرح کس چیز سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں) جب کہ اسرافیل صور کا منہ اوپر اٹھائے اس کے پھونکنے کے لیے حکم الٰہی کے منتظر ہیں اور جبریل و میکائیل بالترتیب ان کے دائیں بائیں کھڑے ہیں"۔

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر صحابہ نے آپ سے دریافت کیا: "یارسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں اور کیا کہیں؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حسبنا الله ونعم الوكيل" اور "على الله توكلنا" پڑھتے رہا کرو۔

یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری نے عطیہ عوفی کی زبانی ابی سعید خدری کے حوالے سے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک اور جگہ ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی اور سعد طائی نیز عطیہ عوفی اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ حضرمی اور محمد بن عمر نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن ابی لیلیٰ کی زبانی ابی لیلیٰ، حکم، مقسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے ایک روز ان سے یعنی ابن عباس وغیرہ سے فرمایا کہ "جب آسمان افق تا افق شق ہونے لگے گا اس وقت جبریل علیہ السلام مجھ سے کسی قدر فاصلے پر کھڑے ہوں گے اور اسرافیل علیہ السلام زمین کی طرف آتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میں دیکھوں گا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے ہے، وہ مجھ سے پوچھے گا: اے محمد ﷺ! آپ بہ حیثیت نبی (اللہ کے بندوں میں) انسان ہونا پسند فرماتے ہیں یا فرشتہ! اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی وقت جبریل علیہ السلام مجھے اشارے سے کچھ بتائیں گے جس کا مطلب میں سمجھ جاؤں گا اور اس فرشتے کو جواب دوں گا "انسان" یہ سن کر وہ فرشتہ آسمان کی جانب پرواز کر جائے گا تو میں جبریل علیہ السلام سے دریافت کروں گا: "جبریل علیہ السلام! یہ کونسا فرشتہ تھا؟ جبریل علیہ السلام مجھے بتائیں گے کہ وہ اسرافیل علیہ السلام تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اصلی خلقت پر جب پیدا کیا تھا تو ان کے دونوں ہاتھوں کے مابین خلا تھا، اور ان کے اور ان رب کے درمیان سات نوری پردے حائل ہیں جن کی طرف وہ قدم بھی نہیں اٹھا سکتے تھے کیونکہ اگر ایسا کریں تو فروغ تجلی سے جل کر رہ جائیں، وہ تقاطر باراں اور زمین سے (انسانوں اور حیوانوں کے لیے) غلہ اور دیگر نباتات (اگانے) پر مقرر تھے۔ عزرائیل کا کام قبض ارواح ہے۔ لوح محفوظ ان کے سامنے رہتی تھی جس میں وہ رب العزت کا حکم یا مشیت ایزدی دیکھ کر عمل کرتے رہے ہیں"۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان کے اپنے فرائض جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دے رکھا ہے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: "ہوا پر تسلط اور فرشتوں کی سرکردگی۔" اس کے بعد جبریل علیہ السلام بولے: "میرا خیال ہے کہ میکائیل قیام قیامت کی وجہ سے زمین سے اتنے قریب آئے ہیں"۔ پھر بولے: "اور میں بھی قیام قیامت کے خوف کی وجہ ہی سے (اسی وقت) یہاں ہوں۔" حدیث مبنی اس روایت میں جو باتیں بیان کی گئیں انہیں کی وجہ سے اس حدیث کو "غریب" سمجھا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

"اللھم رب جبریل میکائل و اسرافیل فاطر السموات و الارض عالم الغیب و الشھادة انت تحکم بین عبادک فیما کا نوا فیه یختلفون اهدنی لما اختلف فیه من الحق باذنک انک تهدی من تشاء الیٰ صراط مستقیم"۔

حدیث صور میں آیا ہے کہ اسرائیل علیہ السلام وہ پہلی ہستی ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ کائنات کے فنا ہونے کے بعد صور پھونکنے کے لیے دوبارہ عدم سے وجود میں لائے گا۔

محمد بن حسن النقاش نے بیان کیا کہ اسرافیل فرشتوں میں سب سے پہلے تھے جس نے سجدہ کیا اس لیے ان کے حق میں لوح محفوظ کی ولایت منا سب ہوئی۔ یہ روایت ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب **"التعریف و الاعلام بما ابھم فی القرآن من الاعلام"** میں بیان کی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد **"من کان عدوا للہ وملائکته ورسله وجبریل ومیکائیل"** میں جبریل اور میکائیل کے درمیان داؤ عاطفہ ان دونوں کے درمیان مراتب کے جدا ہونے کی دلیل کے علاوہ دوسرے فرشتوں سے پہلے ان کا نام لیا جانا دوسرے فرشتوں پر ان کے شرف کا ثبوت ہے۔ بہر حال اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تمام ملائکہ میں اعظم و افضل ہیں کیونکہ اس آیت شریفہ میں بھی ان کا نام پہلے آیا ہے۔ ویسے آسمان اور زمین پر میکائیل علیہ السلام کے دو مناصب یعنی بالترتیب بارش و نباتات کے سلسلے میں ان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقرر جبریل علیہ السلام کے بعد ملائکہ مقربین میں ان کے اعزاز کی برتری کا ثبوت ہے جو اس آیت شریفہ سے ظاہر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابو یمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عمارہ بن غزنہ انصاری وحمید بن عبید، مولیٰ بنی معلّی، ثابت البنانی کے حوالے سے بتایا کہ انس بن مالک سے یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے (ایک دفعہ) جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میں نے کبھی میکائیل علیہ السلام کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کے اس سوال کے جواب میں جبریل بولے: جب سے آگ (جہنم) کو پیدا کیا ہے اس وقت سے وہ نہیں ہنسے۔

صحاح ستہ میں بھی تفصیل سے ان تینوں فرشتوں کا نام اکثر آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے مثلاً: "اللھم رب جبریل و میکائیل واسرافیل"۔ جبرائیل انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے جانے پر مامور تھے۔ میکائیل بارش اور زمین پر نباتات کے موکل ہیں جس سے بندگان خدا کو اس دنیا میں رزق ملتا ہے۔ اس کام میں بے شمار فرشتے میکائیل کے مددگار ہیں جو حکم الٰہی کے تحت ان کے احکام بجا لاتے ہیں: یعنی ہوا، ابر اور بارش کے سلسلے میں میکائیل کے احکام پر عمل کرتے ہیں جب کہ خود میکائیل احکام خداوندی کے پابند ہیں۔ واضح رہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ میکائیل کے مددگار کے طور پر ان کے حکم کے تحت بحکم رب العزت اس بوند کی نگرانی کے لیے ایک فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آتا ہے، اسرافیل علیہ السلام تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت صور پھونکنے پر مامور ہیں جب بنی نوع انسان صور کی آواز پر اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ تو حشر میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے گی۔ چنانچہ اس روز میکائیل اور اسرافیل علیہما السلام دونوں کے کام ختم ہو جائیں گے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کا نام قرآن شریف یا احادیث صحاح یعنی صحاح ستہ میں کہیں وضاحت کے ساتھ نہیں پایا جاتا۔ البتہ بعض کتابوں میں حضرت عزرائیل کے نام سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون"۔

"کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) ملک الموت تم سب کو موت سے ہمکنار کرے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ گے)۔"

جب کسی انسان کی موت آتی ہے تو ملک الموت کے بے شمار معاون فرشتوں میں سے کوئی نہ کوئی فرشتہ اس انسان کی روح جسم سے کھینچ کر اس کے حلقوم میں پہنچا دیتا ہے۔ روح کے حلقوں میں پہنچ جانے کے بعد اس کی روح کو مکمل طور پر جسم سے خارج کرنے کا کام ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن وہ بھی اس کی روح کو مکمل طور پر سلب نہیں کرتا جب تک اس کی تکفین کے بعد اس کی تدفین نہیں ہو جاتی پھر وہاں اس کی قبر میں منکر نکیر یعنی دو فرشتے جو اسی کام پر مامور ہیں اس سے اس کے مذہب ومسلک کے بارے میں سوالات کر کے ان کے جوابات حاصل نہیں کر لیتے جیسا کہ خود رب العزت کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

"یثبت اللہ الذین آمنو بالقول الثا بت فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ"

منکر منکیر کے ان سوالات اور بظاہر اس مردہ شخص کے جوابات کے بعد اگر وہ مرد یا عورت اعمال صالح کا پابند ہے تو اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ادھر پرواز کر جاتی ہے۔ اس کے برعکس جن اشخاص نے زمین پہ زندہ رہتے ہوئے اعمال صالح کی پابندی نہیں کی ہوتی ان کی ارواح زمین وآسمان کے درمیان معلق کر دی جاتی ہیں جیسا کہ اس قرآنی آیت شریفہ سے صاف ظاہر ہے۔

"وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ حتی اذا جآء احدکم الموت توفتہ رسلنا وھم لایفرطون ثم ردوا الی اللہ مولاھم الحق الالہ الحکم وھو أسرع الحاسبین۔" (الانعام: ۶۱۔۶۲)

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد اور متعدد دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جس طرح کسی کے سامنے کھانے کا طشت رکھا ہو اور وہ یعنی ملک الموت اس طشت میں سے حسب منشا کھاتا رہتا ہے۔

ہم کہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ جب کوئی انسان مرتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے دو طرح کے فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ شخص اپنی زندگی میں نیک وصالح رہا ہے تو اس وقت اس کے سامنے جو فرشتے آتے ہیں ان کے چہرے سفید اور روشن ہوتے ہیں لیکن بداعمال لوگوں کے سامنے اس وقت اس کے برعکس یعنی کریہہ المنظر اور ہیبت ناک فرشتے آتے ہیں۔ خدا ہم مسلمانوں کو اس دوسری صورت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد، یحییٰ بن ابی یحییٰ مقری اور عمرو بن شمر نے جعفر بن محمد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ان کے والد نے بتایا کہ انہوں نے ایک روز کسی انصاری کے آخری وقت رسول اللہ ﷺ کو اس کے سرہانے کھڑے دیکھا۔ اس وقت آپ جیسا کہ آپ نے بعد میں ارشاد فرمایا ملک الموت سے مخاطب تھے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: "اے عزرائیل! یہ میرا صحابی ہے اس کی روح نرمی کیساتھ نکالنا" اس کے

جواب میں ملک الموت نے آپ سے عرض کیا: "یا محمد ﷺ آپ مطمئن رہیے، میں ہر مومن کا رفیق ہوں" یعنی ہر مومن کی روح نرمی سے قبض کرتا ہوں۔ اس کے بعد ملک الموت نے آپ ﷺ سے مزید عرض کیا: "میں زمین کے تمام علاقوں سے پوری طرح واقف ہوں اوران میں رہنے والوں کے بارے میں ہر روز پانچ مرتبہ تحقیق کرتا رہتا ہوں یعنی ان میں سے کس کس کی موت کا وقت آ پہنچا ہے اور کس کس کی روح قبض کرنے کا حکم مجھے میرے رب کی طرف سے ملنے والا ہے لیکن میں چاہوں بھی تو ان میں سے کسی ادنیٰ کی روح کو حکم ربی کے بغیر (ہرگز) قبض نہیں کرسکتا"

جعفر بن محمد (باقر) جو صادق کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے والد نے بتایا کہ "اگر اوقات نماز کے دوران میں کوئی مسلمان عالم نزع میں ہوتا ہے تو ملک الموت جب اس کے سرہانے آتا ہے تو بشرطیکہ وہ مسلمان اپنی زندگی میں نماز کا پابند رہا ہو شیطان کو اس قریب سے ہٹا کر اس مسلمان کو کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھنے کی تلقین کرتا ہے تا کہ اس کے عالم نزع کی تکلیف کم ہو جائے"۔

یہ حدیث مرسل ہے اس لیے محل نظر ہے۔

ہم حدیث صور کو اسماعیل بن رافع المدنی القاص کی زبانی محمد بن زیاد، محمد بن کعب قرظی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تفصیلاً پیش کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے اور اس کے بعد جب تمام ارض وسماوی مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دیں گے کہ اسرافیل سے صور لے لیا جائے اور ملک الموت کو اسرافیل کی موت کا حکم دیا جائے اور پھر ملک الموت کو طلب فرما کر اس سے دریافت فرمائیں گے کہ "اب کون باقی ہے؟ وہ رب العزت کی خدمت عرض کرے گا کہ تمام ارضی وسماوی مخلوق فنا ہو چکی سوائے ان کے جنہیں تو نے ابھی موت سے دوچار کرنا چاہا۔" ارشاد ہوگا: "ہم بہتر جانتے ہیں تاہم تو بھی بتا!" ملک الموت عرض کرے گا: "اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو قائم ودائم رہنے والی ہے حاملان عرش اور جبرائیل ومیکائیل باقی ہیں۔" حکم ہوگا: "جبریل اور میکائیل کی ارواح بھی قبض کرلو اس وقت عرش الٰہی بولے گا: "یا رب العالمین کیا جبریل اور میکائیل بھی مرنے والے ہیں؟" عرش سے یہ سن کر اللہ تعالیٰ عرش سے فرمائیں گے: "خاموش میں لکھ چکا ہوں جو بھی میرے عرش کے نیچے ہیں ان سب کو موت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا وہ دونوں بھی مریں گے"۔

اس کے بعد ملک الموت (عزرائیل) اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: "میں نے جبریل اور میکائیل کی روحیں بھی قبض کرلیں ہیں۔" ارشاد ہوگا: "پھر اب کون کون باقی ہے؟" ملک الموت جواب دے گا۔ "اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو دائم وقائم رہنے والی ہے صرف عرش کے اٹھانے والے فرشتے باقی ہیں۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ "حملۃ عرش کو بھی مرنا ہوگا۔" پھر وہ بھی مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت کہے گا "یا اللہ حملۃ عرش بھی مرگئے۔" پھر اللہ فرمائیں گے "اب کون باقی ہے؟ ...... ہم بہتر جانتے ہیں، تاہم تو بھی بتا؟" ...... ملک الموت عرض کرے گا: "اب تیری ذات پاک جو قائم ودائم رہنے والی ہے اور رہے گی کے علاوہ صرف تیرا یہ بندہ ناچیز ابھی زندہ ہے۔" ارشاد ہوگا: "ہم نے جب تجھے پیدا کرنا چاہا تھا تو پیدا کر دیا تھا لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ تو بھی مرجا، لہٰذا مرجا!" چنانچہ ملک الموت بھی اس مشیت رب کے تحت مرجائے گا۔ پھر کوئی باقی نہیں رہے گا سوائے واحد، قہار، احد، صمد، الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد جو اول واخر ہے۔

اس حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ طبرانی، ابن جریر اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے نیز حافظ ابو موسیٰ المدینی نے اپنی کتاب الطوالات (کشف الظنون میں بتایا گیا ہے کہ "کتاب الطوالات" حافظ الکبیر ابی موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر المدینۃ المتوفی ۵۸۱ ہجری کی تصنیف ہے جس میں حدیث صور کی مبالغہ آمیز اور بے سروپا باتوں کے علاوہ اور بہت سی من گھڑت اور ناقابل یقین باتیں درج ہیں میں پیش کرتے ہوئے اس میں کچھ مزید اور عجیب وغریب اضافے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو تمام ارضی سکانی مخلوقات کی موت کا حکم دے کر آخر میں خود اس سے فرمایا؟ "تو بھی میری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے، میں نے تجھے جب ارادہ کیا تو پیدا کر دیا لیکن اب میرا حکم ہے کہ میری تمام مخلوقات کی طرح تو بھی مرجا اس طرح پھر کبھی زندہ نہ ہو۔

چنانچہ رب العزت کا یہ حکم سن کر ملک الموت کو بھی موت آجائے گی وغیرہ وغیرہ۔ جن دو فرشتوں کے اسماء قرآن شریف میں ہاروت وماروت بتائے گئے ہیں ان کا ذکر متقدمین کی ایک جماعت کے اکثر لوگوں نے بھی کیا ہے لیکن ان دونوں فرشتوں کے مامور من اللہ ہو کر انسانی شکلوں میں زمین پر آنے، ان کے متعلق دیگر واقعات اور ان کے مبینہ اعمال کی سزا کے بارے میں تمام تفصیلات جو متعدد کتابوں میں ملتی ہیں وہ سب کی سب

اسرائیلی روایات میں سے ہیں۔ اس سلسلے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث مرفوع بیان کیا اس کی بھی جگہ جگہ ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک بھی محلِ نظر ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن عمر کا جو حوالہ دیا گیا تو مذکورہ راوی نے بھی اس حکایت کی تفصیل یقیناً کعب احبار سے سنی ہوں گی جو پہلے نصرانی تھے اور اکثر اسرائیلیات پر مبنی واقعات سنایا کرتے تھے۔ ہم انشاء اللہ آگے چل کر عنقریب اس موضوع پر مزید تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

ویسے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زہرہ زمین پر انسانی مخلوق میں ایک بہت حسین عورت تھی جس کی خوبصورتی کا ذکر اس قصے کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ تذکرہ میں پایا جاتا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جب ہاروت و ماروت اس کی قربت کے طالب ہوئے تو زہرہ نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ اسے اسم اعظم لکھا دیں جسے سیکھنے کے بعد وہ زمین سے اڑ کر آسمان پر ستارہ بن گئی۔

اس سلسلے میں حاکم اپنی کتاب مستدرک میں ابن عباس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں زمین پر رہنے والی عورت اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے ستارے زہرہ کی مثال تھی۔ ہمارے خیال میں حاکم کی یہ روایت قرین قیاس ہے اور اس لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کے زمانے کا ہے تاہم ہم نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی حکایات کے ضمن میں لکھا ہے۔

بہر کیف اس قصے کا مرجع کعب احبار ہیں اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اسے ثوری موسیٰ بن عقبہ، سالم ابن عمر اور کعب احبار ہی کے حوالے سے بطور حکایت کے پیش کیا ہے۔ ویسے کعب احبار کے علاوہ یہ روایات ان بڑے ثقہ راویوں کے حوالے اور اسناد کے ذریعہ جس حد تک بیان کی گئی ہیں انہیں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جو لوگ قرآن کی آیت شریفہ "**وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وما روت میں "ھاروت و ماروت**" سے جنات کے دو قبیلے مراد لیتے ہیں وہ بھی بڑی عجیب اور بعید از قیاس بات ہے اور ہر چند کہ ایسے لوگوں کے اس بیان کو ابن حزم نے روایت کی ہے کہ چونکہ قرآن میں "ملکین" کے تلفظ سے یہ بات غلط ٹھہرتی ہے اس لیے وہ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ جو لوگ مندرجہ بالا آیت قرآن میں "ملکین" کے حرف کاف کو مکسور یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہاروت و ماروت فارس (ایران) کے دو حکمران (بادشاہ) تھے۔ یہ بات ضحاک نے نقل کی ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت در حقیقت دو فرشتے ہی تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا دی گئی تھی جیسے ابلیس کو جو فرشتہ ہی تھا اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی سزا دی تھی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اپنی جگہ درست ہے لیکن ان کا بطور مثال یہ کہنا کہ ابلیس بھی فرشتہ ہی تھا غلط ہے کیونکہ وہ در حقیقت جن تھا۔ ہم اس موضوع پر انشاء اللہ عنقریب آگے چل کر تفصیل گفتگو کریں گے۔

حدیث میں دو اور ملکین کا منکر و نکیر کے نام سے ذکر آیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کے بموجب قبر میں ہر میت سے اس کے رب، اس کے دین، اس کے نبی اور اس کے نیک و بد اعمال کے بارے میں سوالات کریں گے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان فرشتوں کے رنگ عام رنگوں سے مختلف ان کے چہرے عجیب و غریب بلکہ بھیانک اور ان کے دانت بہت لمبے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے سوالات کے جواب دینے میں مدد فرمائے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے، آمین۔

ملک الجبال...... بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف، ابن وہب اور یونس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ابن شہاب کو عروہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حوالے سے بتایا کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ انہوں نے احد کے روز یعنی جس روز میدان اُحد میں کفار مکہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی اس روز سے زیادہ سخت دن کبھی دیکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا: میں نے وہ دن دیکھا ہے، اس روز ابن عبد یالیل بن عبد کلال نے مجھو میری جان ہی لے لی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا اسی سے طالب امداد تھا۔ بہر حال اس نامراد اور دوسرے کفار مکہ نے مجھ پر اتنا ظلم کیا تھا کہ میں بتا نہیں سکتا۔

جب کفارِ مکہ یعنی خود میری قوم کی طرف سے مجھ پر یہ ظلم ہو رہا تھا تو میری نگاہ آسمان کی طرف گئی اور میں نے دیکھا ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس ابر پارے سے ایک فرشتہ زمین کی طرف آ رہا ہے، جب وہ فرشتہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے سلام کر کے کہا: "اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قوم کا سلوک دیکھ لیا ہے اور آپ کے بارے میں اس کے نازیبا کلمات بھی سن لیے ہیں۔ اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ اگر آپ کا حکم مبارک ہو تو میں روئے زمین پر جتنے جنگلات ہیں انھیں اٹھا کر آپ ﷺ کی اس قوم پر الٹ دوں"۔

جبریل علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اس کرم بے پایاں کے بارے میں سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جبریل علیہ السلام سے کہا: "نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے اصلاب سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کریں جو صرف اسی کو معبود مانیں اسی کی عبادت کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں"۔

یہ حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن وہب کے حوالے سے بیان کی ہے۔

فصل

تقسیم ملائکہ...... فرشتے اپنی اپنی ذمہ داریوں کی نسبت سے تقسیم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو حاملین عرش ہیں اور کچھ عرش کے چاروں طرف رہتے ہیں۔ انہیں کروبیاں کہتے ہیں۔ فرشتوں کی یہ دونوں قسمیں اشرف الملائکۃ ہیں اور مقربین کہلاتی ہیں جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتے ہیں:

"لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون"۔

جبریل اور میکائیل علیہما السلام بھی انہی ملائکہ مقربین میں شامل ہیں۔ یہ فرشتے یعنی ملائکہ مقربین اگرچہ عام مسلمانوں کے سامنے نہیں آتے تاہم ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"ویستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شیءٍ رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابو اوا تبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم...... الخ"

جب یہ فرشتے اہل ایمان کو ان صفات سے متصف پاتے ہیں جن کے لیے وہ ان کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"جب کوئی بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے اس کے پیٹھ پیچھے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے لیے بھی ایسی ہی یعنی ہماری یہی دعا ہے۔"

ان کے علاوہ دوسرے فرشتے جو ساتوں آسمانوں میں قیام پذیر ہیں شب و روز ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی وقت رب العزت کی عبادت سے غافل نہیں رہتے، کوئی ہمیشہ سجدے میں رہتا ہے اور کوئی قیام میں۔ انہی فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہیں جو آگے پیچھے گروہ در گروہ ستر ستر ہزار کی تعداد میں بیت المعمور کی طرف جاتے ہیں لیکن ان فرشتوں کی تعداد اتنی ہے کہ ستر ہزار کے ایک گروہ کو دوبارہ بیت المعمور میں دوبارہ جانا نصیب نہیں ہوتا جب کہ کچھ دوسرے جنات پر متعین ہیں نیز ان بزرگ ارواح پر جو آسمان پر قیام پذیر ہیں، یہ فرشتے ان کے اور ان کے متعلقین کے رہنے سہنے، کھانے پینے اور ملبوسات کا انتظام کرتے رہتے ہیں جن کے بارے میں انسان کا خیال بھی نہیں جا سکتا۔

حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنت کا داروغہ بھی ایک فرشتہ ہے جو رضوان کہلاتا ہے، اس کا حدیث شریف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو دوزخ پر متعین ہیں، ان کی تعداد ۱۹ (انیس) ہے، ان فرشتوں کا سردار جو فرشتہ ہے اس کا نام مالک ہے اور دوزخ کی ساری آگ کا وہی

نگران ہے۔ دوزخ کے ان فرشتوں کا اور مالک کا قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔ (سورۃ غافر: ۴۹، الزخرف: ۷۷۔۷۸، التحریم ۶، المدثر: ۳۰۔۳۱)

کچھ فرشتے بنی نوع انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ والبی سے روایت ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک ایک فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ (الرعد: ۱۰۔۱۱)

لیکن اللہ ہی کے حکم سے اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔ عکرمہ نے بھی ابن عباس کے حوالے سے یہی روایت کی ہے

مجاہد کی روایت یہ ہے کہ ہر مومن پر ایک فرشتہ متعین ہے جو اس کی جنات اور دوسرے انسانوں اور شیاطین سے اس کی حفاظت کرتا اور ان وسوسوں سے بھی اسے تحفظ دیتا ہے جو یہ سب اس کے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس فرشتے کا یہ معاملہ اس مومن کے سلسلے میں اس کے سوتے جاگتے دن رات ہر وقت جاری رہتا ہے۔

ابو اسامہ (ایک نسخے میں ابوامامہ لکھا ہے (مرتب) کہتے ہیں کہ کوئی آدم زاد نہیں جس کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

ابومجلز روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو کوئی شخص کسی کو قتل بھی کرنا چاہے تو قتل نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے مامور ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے رہتے ہین یہ فرشتے یا تو اللہ کے حکم کے تحت دو حالتوں میں اس آدمی کے پاس سے ہٹتے میں ایک تو یہ کہ جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے پیش آئے یا دوسری صورت میں اس کی موت کے وقت

دو فرشتے جو ''کراماً کاتبین'' کہلاتے ہیں ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں ان کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ویسے ''کراماً کاتبین'' یا نکیر ین کے بارے میں حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد، علی بن محمد طنافسی، وکیع، سفیان اور مسعر کی زبانی علقمہ بن یزید اور مجاہد کے حوالے سے حدیث نبوی ﷺ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کراماً کاتبین آدمی کے پاس سے صرف دو حالتوں میں ہٹتے ہیں ایک تو اس وقت جب وہ حالت جنابت مین ہو یا غسل کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنا ستر غیر ضروری اوقات میں ڈھکے رہنا چاہیے تا کہ ان فرشتوں کو اس کے پاس سے ان اوقات میں ہٹنا نہ پڑے۔ یہ حدیث مرسل ہے تاہم اسے بزار نے جعفر بن سلیمان کے حوالے سے اپنی مسند میں شامل کیا ہے لیکن علقمہ اور مجاہد نے اسے محل نظر ٹھہرا کر ابن عباس کے حوالے سے اس سلسلے میں جو حدیث نبوی پیش کی ہے، وہ زیادہ واضح ہے۔ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ اکثر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں بے شرمی سے روکا ہے۔ لہٰذا تم اپنے اللہ تعالیٰ کے علاوہ نکیرین سے بھی شرم کیا کرو جو تم سے تین حالتوں کے سوا کبھی جدا نہیں ہوتے۔ ایک بوقت صحبت یعنی بیویوں سے ہم بستری دوسری حالت جنابت، تیسری حالت غسل کی ہے کہ جب تم برہنہ ہوتے ہو پھر فرمایا کہ غسل کے بعد جو کپڑا وغیرہ میسر ہو وہ پہن لیا کرو یا اس سے اپنے جسم کا وہ حصہ چھپا لیا کرو جو ''ستر'' کہلاتا ہے اور جس کے ڈھانپے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق کریمانہ عطا فرمائے ہیں جو ان کے ناموں سے ظاہر ہیں۔ یہ فرشتے اعمال قبیحہ کے وقت آدمی سے دور ہٹ جاتے ہیں۔

یہ حدیث جملہ صحاح، سنن اور مسانید میں ملتی ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فرشتے کسی ایسے مکان میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی کتا، مجسمہ یا تصویر ہو۔ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لفظ ''بول'' کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی جس گھر میں جگہ جگہ پیشاب پڑا ہو یا کیا جاتا ہے۔

رافع کی روایت مرفوع میں، بحوالہ سعید ہے کہ فرشتے تصویروں، اور مجسموں والے گھر میں داخل نہیں ہوتے جب کہ مجاہد نے جو مشہور حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس مین تصویر یا مجسمے کے ساتھ کتے کا بھی ذکر ہے۔ ذکوان ابی صالح ساک نے جو حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتے جو اپنے ساتھ کتے یا ناقوس (سنکھ) لے کر چلتے ہیں۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے یہ حدیث اسحاق بن سلیمان بغدادی المعروف بالقلوس، بیان بن حمران اور سلام منصور بن زاذان نے محمد

بن سیرین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے بنی آدم کے اقوال واعمال کی مناسبت سے اسے پہچانتے ہیں اوران کا ذرہ ذرہ حساب رکھتے ہیں، پس جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ دونوں فرشتے آپس میں اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی رات خیر وفلاح کے ساتھ گزرے لیکن جب کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص رات کو ہلاک ہو جائے سلام مدائنی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے یکے بعد دیگرے شب وروز آسمان سے زمین پر اترتے ہیں، وہ دونوں گروہ فجر اور عصر کی نماز میں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ لوٹ کر آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ: ''تم نے میرے بندے کو کس حال میں چھوڑا؟'' اس پر وہ دونوں گروہ باری باری ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ ''ہم نے انہیں آتے جاتے دونوں وقت نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا''۔

یہ روایت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیاق وسباق کے ساتھ ''تخلیق کی ابتدا'' کے عنوان کے تحت بیان کی ہے اور اسی کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی بطور خاص اس موضوع کے تحت پیش کیا ہے اور اسی وجہ سے پیش کیا ہے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ زیاد بن أبي ایوب مبشر بن اسماعیل اور تمام بن نجیع کی زبانی حسن یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کاتب اعمال فرشتے جب کسی شخص کا دن بھر کا صحیفہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کے لیے رب العزت سے طلب مغفرت کرتے ہیں تو وہ فرماتا ہے کہ صحیفے کے دونوں کناروں کے درمیان جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کا حساب کتاب میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ یہ حدیث جو تمام نجیع نے خاص طور پر انتخاب کر کے پیش کی ہے وہ ''حدیث صالح'' ہے تاہم اسے ابن معین نے ''ثقہ'' اور بخاری وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہر شخص کا نامہ اعمال لکھنے کے لیے اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر کیئے ہیں جن میں سے ایک اس کے آگے اور ایک پیچھے اور اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اس کے تمام اقوال اعمال ریکارڈ کرتے رہتے ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول کے مطابق ہر شخص کے دائیں اور بائیں دو فرشتے اس کام کے لیے امور ہیں جیسا کہ خود کلام الٰہی سے ثابت ہے کہ:

''عن اليمين وعن الشمال قعيد ما يلفظ من قول الالديه رقيب عتيد''. (ق: ۱۸۔۱۷)

اس ضمن میں اس حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد ثقہ حوالوں سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر فرد واحد کے ساتھ (اور بنا بریں ہر انسان کے ساتھ) کچھ قرینے (خصائل شر) جنوں کے اور کچھ قرینے (خصائل خیر) فرشتوں کے جمع ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات پر پیدا کیا ہے یعنی مجھ میں تمام خصائل خیر جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اس حدیث نبوی (ﷺ) کا استخراج مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے منصور کی روایت سے کیا ہے جس سے آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ہر انسان میں خیر وشر دونوں کی استعداد موجود ہے پھر یہ بھی کہ اسے شیاطین خیر کی راہ سے بھٹکا بھی سکتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ کلی طور پر بحکم الٰہی معصوم ہیں اس لیے نہ آپ ﷺ کو شیطان کسی وسوسے میں مبتلا کر سکتا ہے اور نہ آپ کے نامہ اعمال میں سوائے خیر کے کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ قرین سے مراد فرشتہ ہے اور یہ فرشتہ حفاظت والے فرشتوں کے علاوہ ہے۔ یہ انسان کو خیر وفلاح والے کاموں کی طرف راغب کرتا ہے۔ جیسا کہ قرین من الجن گمراہی اور فسق وفجور کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ وباللہ المستعان۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احمد بن یونس، ابراہیم بن سعد اور ابن شہاب کی زبانی اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن، اغر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز فرشتے مسجد کے دروازہ پر آ کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والے ہر ہر نمازی کا نام یکے بعد دیگرے لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنا صحیفہ سمیٹ کر قرآن کریم کی تلاوت سننے لگتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی انہی الفاظ میں درج ہے اور منفرد کر کے پیش کی گئی ہے۔ درج ذیل آیت شریفہ فرشتوں کے شب وروز کلمہ شہادت ورد زبان رکھنے کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی کہ وہ وقت فجر مساجد میں آکر قرآن پاک سنتے ہیں۔

"وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهودا"

یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسباط کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے مگر ہمارے نزدیک بلحاظ تسلسل یہ روایت منقطع ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد ثقہ راویوں بشمول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نماز جمعہ کی فضیلت ہر دوسری نماز کی فضیلت سے پچیس گنا ہے نیز یہ کہ رات اور دن کے فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہو کر قرآن کریم سنتے ہیں"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی تم جب چاہو تلاوت کرو لیکن خود قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ فجر کے وقت اس کی تلاوت فرشتے بھی سنتے ہیں اور تمہیں تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں:

وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهوداً

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور ابو عوانہ نے اعمش، ابی حازم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد (رات کو) اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ بوجۂ ناراضگی انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس (عورت) پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث، شعبہ، ابو حمزہ، ابو داؤد اور ابو معاویہ نے اعمش کے حوالے سے رایت کی ہے۔

ایک دوسری حدیث نبوی جو صحیحین میں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ امام کے پیچھے (کھڑا ہوا) جو شخص (مقتدی) آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے۔ فرشتے اس شخص کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ امام کے پیچھے جو (مقتدی) اس کے آمین کہنے کے بعد آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے تو ملائکہ آسمان پر آمین کہنے کے بعد (مقتدی) کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث نبوی (ﷺ) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب امام (نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم "اللهم ربنا ولک الحمد کہو (کیونکہ) جو (مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) امام کی اتباع میں یہ الفاظ کہتا ہے اور اس میں (دوسرے مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں"

یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابن ماجہ کے علاوہ رواۃ کی پوری جماعت نے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابی سعید ہیں (ھوشک یعنی الاعمش) کے حوالوں کے ساتھ یہ حدیث نبوی (ﷺ) سے سنی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے روئے زمین پر سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جب وہ (زمین سے) پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیرے ذکر میں مشغول تھے، پھر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے پوچھتے ہیں کہ کیا میرے ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں لیکن تیرے ذکر میں ان کی حد درجہ مشغولیت سے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہیں کہ میرے وہ بندے مجھ سے کس چیز کے طالب تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: "جنت کے" اس پر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیا میرے ان بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں لیکن ان کی طلب میں جو شدت تھی اس سے محسوس ہوا جیسے وہ جنت کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ میرے بندے میری پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جہنم کی آگ سے۔

اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جہنم کی آگ کو دیکھا ہے۔ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (یقیناً) دیکھا تو نہیں لیکن اس کے خوف اور دہشت کی شدت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آتش جہنم ان کے سامنے ہے۔

ان فرشتوں سے اپنے سوالات کے یہ جوابات سن کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں

کہ میں گواہ بناتا ہوں تم کو میں نے سب کی مغفرت کردی۔ فرشتے کہتے ہیں کہ یارب ان میں ایک شخص اپنی کسی حاجت کی غرض سے بیٹھا تھا۔ وہ ان کے اعمال میں مشغول نہ تھا۔ کیا اس کی بھی مغفرت کردی گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے صاحب نصیب ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔

یہی حدیث بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح قتیبہ، جریر بن عبدالحمید اور اعمش کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کے اصل راوی شعبہ ہیں جنھوں نے اسے اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے تاہم امام نے اس پر زور نہیں دیا لیکن یہ حدیث سہیل نے اپنے والد کے حوالے سے زور دے کر روایت کی ہے جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو عفان۔ وہیب، سہیل، سہیل کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے اس کی روایت میں بخاری ہی جیسا انداز اختیار کیا ہے۔

یہی حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حاتم، بہتر بن اسد اور وہب، کے حوالے سے روایت کی ہے اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غندر، شعبہ اور سلیمان (یعنی اعمش، ابی صالح اور ابو ہریرہ) کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معاویہ، اعمش اور ابن نمیر نے بیان کیا اور اعمش نے ابی صالح اور ابو ہریرہ کے حوالے سے بھی انہیں اطلاع دی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی مومن کو کسی دنیاوی کرب سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت کرب سے نجات دہندہ کو نجات بخشے گا۔ نیز یہ کہ جو شخص کسی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس شخص کی پردہ پوشی فرمائے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی (ضرور) مدد فرماتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے آپ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں وہ راستہ اپنایا جس سے مقصد حصول علم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان بنادے گا اور جو لوگ مساجد میں سے کسی مسجد میں جمع ہوں کہ وہاں قرآن شریف کی تلاوت کی جائے اور باہم مل کر اللہ کے رسول (ﷺ) کی ثنا کی جائے تو وہاں جمع ہونے والے جملہ حضرات پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، ان چہار جانب فرشتے جمع ہوتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ آسمان پر رہنے والے ان فرشتوں سے بھی فرماتا ہے جو اس وقت اس کے نزدیک ہوتے ہیں جو نیک اعمال میں پیچھے رہ گیا تو اس کا حسب و نسب اسے کامیابی نہیں دلاسکتا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو معاویہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر بیان کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے اغر (ابی مسلم) ابی ہریرۃ اور ابی سعید کے طریق سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے جمع ہوتی ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ فرشتے اس کے چاروں جانب جمع نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں نہ لے اور اس پر امن (سکون نازل نہ فرمائے اور جو فرشتے اس کے نزدیک ہوں ان سے اس قوم کا ذکر نہ کرے'' یہی حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انہی الفاظ میں اسرائیل، سفیان ثوری اور شعبہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کی ہے۔ نیز اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ، ترمذی اور سفیان ثوری کی روایت کردہ حدیث کے طور پیش کرتے ہوئے اسے، حسن اور صحیح'' لکھا ہے جب کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابی بکر بن ابی شیبہ یحییٰ بن آدم، عمار بن زریق اور ابی اسحٰق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ان موضوعات پر مبنی احادیث کتب احادیث میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سنن ابو داؤد میں بطور مرفوع بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے طالب علم کی راہ میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طالب علم کے سامنے متواضع رہتے ہیں اور اس طرح حصول علم کے لیے جو وہ کوشش کرتا ہے اس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**واخفض لهما جناح الذل من الرحمة**" اور ایک جگہ قرآن میں یہ بھی فرماتے ہیں "**واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین**" اس آیت میں بھی ''اخفض جناحک'' سے وہی مراد ہے یعنی اظہار تواضع خوشنودی شادانی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وکیع سفیان، عبداللہ بن سائب، زاذان اور عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کے لیے جو فرشتے روئے زمین کی سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں'' یہ حدیث نسائی نے بھی سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش دونوں کی روایت کردہ حدیث کے طور پر عبداللہ بن سائب کے حوالے سے پیش کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدلرزاق اور معمر نے زہری، عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ملائکہ نور سے جنات آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) اسی طرح پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے"۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی اسی طرح محمد بن رافع، عبد بن حمید اور عبدالرزاق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔
ملائکہ کے ذکر پرمبنی احادیث اور بہت ہیں۔ ہم نے ان میں سے حتی الامکان جتنی ہوسکیں یہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کر دی ہیں ولہ الحمد۔

فصل

فرشتے افضل ہیں یا انسان؟......انسان پر فرشتوں کی فضیلت کے بارے میں جو اقوال مذکور ہیں۔ اس سلسلے میں لوگوں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم یہ اختلاف اکثر و بیشتر متکلمین اور معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کے درمیان ہے جو ان کی کتابوں میں ملتا ہے۔
حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تاریخ میں اس مسئلے کی وضاحت کے سلسلے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز اُمیہ بن عمرو بن سعید بن عاص عمر ابن عبدالعزیز کی مجلس میں حاضر تھے جس میں ایک جماعت پر مشتمل کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔
ابن عساکر کے بقول اسی مسئلے پر گفتگو کا آغاز خود عمر ابن عبدالعزیز نے کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بنی آدم پر کسی دوسری مخلوق کو فضیلت نہیں بخشی اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ قرآنی آیہ کریمہ بطور دلیل پیش کی:

"انّ الذین آمنو او عملو الصالحات أولئک هم خیر البریة".

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ اُمیہ بن عمرو بن سعید نے بھی مندرجہ بالا آیت کریمہ کے پیش نظر عمر ابن عبدالعزیز کے دعوے کی تائید کی لیکن عراک ابن مالک نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس اس کا فرشتہ وحی لاتا رہا ہے۔ لہٰذا جبرائیل امین علیہ السلام کو بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے یہ آیت پیش کی:

"مانها کما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین".

عراک ابن مالک کی زبان سے فرشتوں کی مندرجہ بالا صفات اور اس کے مذکورہ بالا دعوے کی دلیل میں قرآن شریف کی یہ دوسری آیت سُن کر عمر ابن عبدالعزیز نے محمد بن کعب قرظی سے کہا کہ ان کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ محمد بن کعب قرظی بولے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو فرشتوں پر فضیلت بخشی کیونکہ انہیں خود اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، ان میں اپنی رُوح پھونکی، آدم کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی اولاد میں انبیاء اور رسول پیدا کیے جن کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوتے رہے۔
ابن عساکر کے بقول محمد بن کعب قرظی کی ان باتوں کی عمر بن عبدالعزیز نے تائید تو کی لیکن انہیں قرآن کی رُو سے بلادلیل کہا کیونکہ محمد بن کعب نے اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت پیش نہیں کی تھی بلکہ یہ بھی کہا کہ فرشتوں پر بنی آدم کی فضیلت کے دعوے کی دلیل میں خود انہوں نے جو آیت پیش کی تھی اس میں بھی "ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات" کی حد تک انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اس لئے ان کی یہ دلیل واقعی کمزور ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی صفت میں "ویؤمنون به" فرما کر فرشتوں کو شریک کیا ہے بلکہ بقول رب العزت "وانّا لمّا سمعنا الهدی آمنا به" اور "وانامنا المسلمون" کہہ کر جنات بھی ایمان کی صفت میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اولاد آدم سے زیادہ صالح کوئی مخلوق نہیں......میرے خیال میں اسی مسئلے میں جو استدلال عثمان بن سعید دارمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مرفوعاً کیا ہے وہ صحیح ترین ہے (از مترجم)
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ ہے کہ:

لما خلق اللّٰه الجنة قالت الملائکة یا ربنا اجعل لنا هذا ناکل منها ونشرب فانک خلقت الدنیا لبنی آدم

"یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب اسے (جنت کو) ہمارے لئے مخصوص فرما دے، تاکہ ہم اس میں سے کھائیں پئیں، تو نے بنی آدم کے لئے تو دنیا کی تخلیق فرمادی"۔
لیکن فرشتوں کی یہ گذارش سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے زیادہ صالح کوئی دوسری مخلوق ہرگز پیدا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں نے آدم ﷺ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا یعنی میں نے اس سے کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔

باب
ذکر تخلیق جنات وقصہ شیطان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"خلق الانسان من صلصال کا لفخار و خلق الجان من مارج من نارفبای آلا ء ربکماتکذبان"
(الرحمٰن:۱۴۔۱۶)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"وقد خلقنا الانسان من صلصال من حمأء مسنون، والجان خلقنا ہ من قبل من نارا السموم"
(الحجر:۲۶۔۲۷)

"من مارج" سے کیا مراد ہے؟...... مندرجہ بالا پہلی آیت میں الفاظ "من مارج" کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، مجاہد حسن وبصری اور متعدد دیگر علمائے دین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بھڑکتی ہوئی آگ ہے لیکن ایک دوسری روایت میں اسے خالص آگ بتایا گیا ہے۔
ہم نے تخلیق ملائکہ اور ان کے اوصاف کے ضمن میں اس سے قبل زہری کے توسط اور عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حدیث نبوی ﷺ نقل کی ہے جس میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے جنات آگ سے اور حضرت آدم اس طرح پیدا کیے گئے جیسا کہ تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے" یہ حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

جنات کی پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟...... اکثر علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ جنات آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے تھے جب کہ ان سے یعنی جنات سے قبل زمین پر جن اور بن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جنات کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو ختم کر دیا اور ان کی جگہ زمین پر خود اپنی بستیاں بسالیں۔
السدی نے اپنی تفسیر میں ابی مالک، ابی صالح، مرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حسب منشاء تخلیق کائنات سے فارغ ہوئے اور عرش پر میزان قائم فرما چکے تو ابلیس کو آسمانی دنیا کے فرشتوں کا سربراہ بنادیا۔ وہ ملائکہ کے اس قبیلے سے تھا جسے جن کہا جاتا تھا۔

جنات کی وجہ تسمیہ...... ان کا نام جن اس لئے رکھا گیا تھا وہ جنت کے خازن تھے اور ابلیس بھی دوسرے فرشتوں کے ساتھ ان میں شامل تھا لیکن اس کے دل میں اس (باطل) خیال نے جڑ پکڑ لی کہ وہ جنت میں تمام فرشتوں کا سردار بنادیا گیا ہے
ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنات زمین پر فساد پھیلانے اور باہم قتل وغارت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کچھ دوسرے فرشتوں کی معیت میں ابلیس کو وہاں بھیجا اور ان سب نے ان مفسد اور زمین پر ہلاکت خیزیوں میں ملوث جنات کو سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔

محمد بن اسحٰق خلاد، عطا، طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور معصیت میں مبتلا ہونے سے پہلے ابلیس کا نام عزازیل تھا۔ وہ اس وقت زمین پر رہنے والے فرشتوں میں جنہیں جن کہا جاتا تھا بلحاظ اجتہاد، قوت اور علم ممتاز تھا۔

ابلیس ''سلطان الأرض کہلاتا تھا''......ابن ابی حاتم سعید بن جبیر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کا نام پہلے عزازیل تھا اور وہ چار پیروں والا باز ور کھنے والے فرشتوں میں افضل سمجھا جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اپنی اس روایت کا مزید استناد حجاج، ابن جریج اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے زبانی بتایا ہے کہ ابلیس اشرف الملائکہ اور اپنے قبیلے کی عظیم ترین شخصیت تھا۔ اسی لئے وہ فرشتوں کا خازن تھا اور پہلے آسمان کی سلطنت اس کے حوالے کی گئی تھی بلکہ زمین کی سلطنت بھی اس کے سپرد تھی اور وہ سلطان الارض رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا۔

تو اُمہ کے غلام، صالح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس ہی ارض وسما کے مابین وسوسوں کی بنیاد بنا۔ یہ اصلاً ابن جریر کی روایت ہے جب کہ قتادہ سعید بن میتب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس پہلے آسمان دنیا میں رئیس الملائکہ تھا۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے علاوہ فرشتوں میں کوئی ''طرفة العین'' نہیں کیونکہ وہ ''اصل الجن'' ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اصل البشر ہیں۔

شہر ابن حوشب کہتے ہیں کہ فرشتے ابلیس سے دور دور رہتے تھے اور اسے بھی اپنے آپ سے دور دور رکھتے تھے لیکن بعض فرشتوں ہی نے اسے کچھ ایسے اسرار بتا دیے کہ وہ ان کی وجہ سے زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ یہ بھی ان جریر کی روایت ہے۔

ایسی بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل ابلیس سلطان الارض تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ ان کی اولاد زمین پر آباد ہو تو ابلیس نے جس کا نام پہلے ''عزازیل'' تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ آدم کے نائب السلطنت ہو جانے کے بعد وہ اور ان کی اولاد اسے اور اس کی ذریت کو ہلاک کر کے اس کی زمین پر تمام ملکیت چھین لے گی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ اور اسے فرشتوں پر بھی برتری حاصل ہے تاہم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو عزازیل بے حد حسد میں مبتلا ہو گیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اس لئے سرکش ہو گیا۔ لہٰذا اس وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کی تھی وہ اس کی حکم عدولی کی وجہ سے بے کار گئی اور وہ طوق لعنت میں گرفتار ہو گیا جب اس نے یہ کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں کیونکہ اس کی تخلیق مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی ہے اور اس سے قبل اسے فرشتوں سے مشابہت تھی بلکہ ان پر جو مرتبت حاصل تھی وہ آناً فاناً سلب کر لی گئی ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا تکبر اور اپنے رب کی نافرمانی تھی نیز اس کی پیدائش چونکہ آگ سے ہوئی تھی اس لئے اس کی فطرت میں سرکشی شامل تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں:

''فسجد الملائکة کلهم اجمعون الا ابلیس استکبر و کان من الکافرین'' (ص ٧٣۔٧٤)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

''و اذقلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربه افتتخذونه وذریته اولیاء من دونی وهم لکم عدو بئس للظالمین بدلا'' (الکہف: ٥٠)

ان آیات مقدسہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عزازیل (شیطان) کو دوسرے تمام فرشتوں سمیت حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ شیطان کے علاوہ جملہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا لیکن اس نے تکبر کیا اور آدم کو سجدے سے انکار کیا اور اسی طرح ارتکاب کفر کیا نیز یہ کہ اس کے اس انکار کی وجہ اس کی آگ سے تخلیق اور قوم جنات سے ہونا تھا۔ دوسری آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیا وہ شیطان اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے؟ جب کہ وہ بنی آدم کی دشمنی میں سب سے آگے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ظالموں کا انجام بُرا ہوتا ہے یعنی اگر بنی آدم شیطان کی پیروی کریں گے تو ان کا انجام بھی برا ہوگا۔ (الکہف: ٥٠)

انہی وجوہات کی بناء پر ابلیس یا شیطان کو جو پہلے عزازیل کہلاتا تھا اور اسے ملائکہ میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی ملأ اعلیٰ سے پستی میں گرا دیا گیا، وہاں کی سکونت دائمی طور پر اس کے لئے حرام قرار دیدی گئی، زمین کو ہمیشہ کے لئے اس کا مستقر بنایا گیا۔ اسے اور اس کی ذریت کے علاوہ خود اس کی قوم اور بنی آدم میں سے ان افراد کو جو اس کی اور اس کی اولاد کی اطاعت کریں گے بطور سزا آتش دوزخ کا مستحق ٹھہرایا گیا جس سے انہیں خبردار بھی کر دیا گیا البتہ جن یا انسان ان میں سے جو بھی صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے انہیں جزائے خیر کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ سے واضح ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ارایتک هذا الذی کرمت علی لئن أخرتن الی یو م القیامة لأحتنکن ذریته الا قلیلا".

اور فرمایا:

"قال اذهب فمن تبعک منهم فان جهنم جزاء کم جزاء موفورا و استفزز من استطعت منهم بصوتک واجلب علیهم بخیلک ورجلک وشارکهم فی الأموال والأولاد وعدهم وما یعدهم الشیطٰن الا غرورا O ان عبادی لیس لک علیهم سلطان وکفی بربک وکیلا". (الاسراء:۶۲۔۶۵)

اس قصے کا مزید تفصیلی ذکر ہم تخلیق آدم علیہ السلام کے موقع پر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور وہ بھی بنی آدم کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کا سلسلہ توالد و تناسل بھی انہی کی طرح چلتا ہے نیز یہ کہ ان میں بھی کافر و مؤمن دونوں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورہ جن کی درج ذیل آیت قرآنی سے ثابت ہے:

۱ ......"واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن فلمّا حضروه قالوا أنصتوا فلما قضی ولوا الی قومهم منذرین O قالوا یا قومنا انا سمعنا کتابا أنزل من بعد موسیٰ مصدقا لما بین یدیه یهدی الی الحق والی طریق مستقیم O یا قومنا أجیبوا داعی الله وآمنوا به یغفرلکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم O ومن لا یجب داعی الله فلیس بمعجز فی الأرض ولیس له من دونه أولیاء اولٰئک فی ضلال مبین." (الاحقاف:۲۹۔۳۲)

۲ ......"قل أوحی الیّ أنه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فاٰمنّا به ولن نشرک بربنا أحدا O وأنه تعالیٰ جدّ ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولدا O وأنه کان یقول سفیهنا علی الله شططا O وأنّا ظننا ألن تقول الانس والجن علی الله کذبا O وأنه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا وأنهم ظنوا کما ظننتم أن لن یبعث الله أحدا O وأنّا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شدیدا وشهباO وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا O وأنّا لاندری أشرّ أرید بمن فی الأرض أم أراد بهم ربهم رشدا O وأنا منا الصالحون ومنا دون ذٰلک کنا طرائق قددا O وأنا ظننا أن لن نعجز الله فی الأرض ولن نعجزه هربا O وأنا لما سمعنا الهدی آمنا به فمن یؤمن بربه فلا یخاف بخسا ولا رهقا O وأنا منا المسلمون ومنا القاسطون O فمن أسلم فأولٰئک تحروا رشدا O وأما القاسطون فکانوا لجهنم حطبا O وأن لو استقامو ا علی الطریقة لاسقیناهم ماء غدقا لنفتنهم فیه O ومن یعرض عن ذکر ربه یسلکه عذابا صعدا". (الجن:۱۔۱۷)

ہم نے اس سورت کی تفسیر اور جنات کا یہ تمام قصہ سورہ احقاف کی تفسیر کے آخر میں پیش کیا ہے اور اس سلسلہ کی تمام متعلقہ احادیث بھی وہیں پیش کی ہیں ویسے مصنفین اور بصرے کے بعض جنات کا ذکر کچھ کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کچھ دور چلے، پھر

جہاں آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ وہاں ٹھہر کر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم کی تلاوت سنتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ کتابوں میں یہ ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ایک بار خود آنحضرت ﷺ کی ان کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی اور ایک مکمل رات وہ آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے ان کو رب کے اوامر و نواہی کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ جس میں انہوں نے آپ علیہ السلام سے کئی سوالات پوچھے اور آپ ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ آپ سے انہوں نے خوراک کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہڈیاں جن پر گوشت ہو وہ تمہاری خوراک ہے۔ اور جانوروں کی لید تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔ نیز یہ کہ آپ نے ہڈیوں اور جانوروں کے چارے میں جو لید پائی جاتی ہے اس سے استنجا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ہڈیوں پر خدا کا نام لکھا ہوتا ہے جن پر کچھ نہ کچھ گوشت بھی ہوتا ہے اور چارہ جانور کھاتے ہیں۔ وہ ان کے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔

آپ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس میں (اکثر) ان کے جن بھائیوں کی رہائش ہوتی ہے۔ آپ نے انہیں سورہ رحمٰن بھی سنائی جس میں بار بار "فبای آلاء ربکما تکذبان" آتا ہے۔ اسے سن کر انہوں نے کہا "الحمدللہ خدا کی نشانیوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں لیکن یہی سورت جب آپ ﷺ انسانوں کی ایک جماعت کو سنائی اور اس میں بار بار وہی آیت کریمہ یعنی "فبای آلاء ربکما تکذبان" آیا تو اسے سن کر وہ لوگ خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے جن ہی بہتر ہیں جنہوں نے اس کلام خداوندی کی نہ صرف یہ کہ تردید نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ کہا "الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں" اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چونکہ جنات کے ایمان لانے کا کوئی حتمی تاریخی ثبوت نہیں ہے اس لئے اس بارے میں علماء دین میں آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ جنت میں جائیں گے یا محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے دوزخ کی آگ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔

بہر حال اس بارے میں دو صحیح اقوال یہ ہیں بر بنائے فیض قرآنی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس عمومی ارشاد کے مطابق کہ "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" یعنی اپنے رب کے مقام حاکمیت کو سمجھنے اور اس سے ڈرنے والے سب کے سب جنت میں جائیں گے، اس لئے جنات کا بھی جنت میں جانا یقینی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (عتبہ مالک، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابی صعصعہ اور ان کے والد) رسول اللہ ﷺ نے سعید الخذری سے فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم جنگل میں بکریوں کی گلہ بانی سے محبت کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر انہوں (ابی سعید) نے وہاں جن وانس میں سے کسی مؤذن کی آواز اذان سنے بغیر وہیں باآواز بلند اذان دے کر بروقت نماز ادا کر لی ہو تو روز قیامت ان کی وہی اذان و نماز ان کے اعمال کی گواہ بن جائیں گی مسلم کے علاوہ اس حدیث نبوی (ﷺ) کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منفرد کر کے روایت کیا ہے۔

اگر چہ کافر اور وہ جنات (شیاطین) جن کا جد اعلیٰ ابلیس ہے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ازلی دشمن ہیں اور بنی آدم کو راہ حق سے بھٹکانے اور ورغلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے نہ قیامت تک چھوڑیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان جنات کا جو اس پر ایمان لائے اور عمر بھر اس کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر کمر بستہ رہے صرف یہی عمل ان کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ ہم نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشادات کی روشنی میں کہی ہے۔

"ان عبادی لیس لک علیھم سلطان و کفی بربک وکیلا" (الاسراء: ٦٥)

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جو اس (شیطان) کے دائرہ اختیار سے باہر رہ کر صرف اپنے رب کی حمایت و وکالت کو کافی سمجھتے ہیں)۔

ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المومنین و ما کان لہ علیھم من سلطان الا لنعلم من یومن بالآخرۃ ممن ھو منھا فی شک وربک علیٰ کل شیء حفیظ"

(اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی تسلی و تشفی کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ کی اُمت میں کچھ ہی لوگ شیطان کے فریب میں

آسکتے ہیں لیکن حقیقتاً اہل ایمان پر اسے تسلط حاصل نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نیک لوگوں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اچھی طرح جانتا ہے اور وہی ہر شے کا حفیظ مطلق ہے)

ہم ان آیات قرآنی میں سے کچھ آیات پیش کر چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل لیکن شیطان کی طرف سے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار، اس کی اس سرکشی و نافرمانی جنات کی آگ سے تخلیق، ان کی زمین پر آبادیاں لیکن ان کی مفسدہ پردازی کی وجہ سے فرشتوں کے ذریعہ ان کی سطح ارضی سے بے دخلی اور سمندری جزائر میں ان کی آبادی وغیرہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ آگے چل کر ہم آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں شیطان اور اس کی فتنہ پردازی کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے اور آیات قرآنی اور احادیث سے ان کے حوالے بھی پیش کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ وھو المستعان وللہ الحمد۔

شیطان کی کنیت...... ویسے نص قرآنی کے مطابق ابلیس کی شیطانی کارگزاریاں ابھی تک جاری وساری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ''ان کید الشیطان کان ضعیفا''

و کان اسمه قبل معصية العظيمة عزازيل

اور نقاش نے اس کی کنیت ابو کردوس بتائی ہے اور اس کے علاوہ ایک روایت یہ کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد سے دریافت کیا کہ آیا انہوں نے کبھی شیطان کو دیکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ''جی ہاں، اس کا عرش سمندر ہے صیاد سے یہ سُن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تمہارا اندازہ حد سے زیادہ ہے حالانکہ اس کی قدر قیمت زیادہ دنی، خسیس اور حقیر ہے''

اس روایت کے بارے میں کہ ابلیس کا عرش (اس کی مستقل سکونت) سمندر پر ہے'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

عرش ابليس في البحر يبعث سراياه كل يوم يفتنون الناس فاعظمهم عنده منزلة اعظمهم فتنة للناس

(یعنی ابلیس کی مستقل سکونت سمندر میں ہے لیکن وہ انسانوں کو فریب دینے اور ان میں فتنے پھیلانے کے لئے وہاں سے تمام رُوئے زمین پر گھومتا رہتا ہے اس لئے خود اس کے نزدیک اس کی مستقل اور عظیم ترین منزل انسانوں میں فتنہ پردازی ہے اور فتنہ پرداز کا اس کے ہاں بڑا مقام ہے۔

ابلیس کی قیام گاہ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان سے روح اور ابن جریج نے بیان کیا اور ابوالزبیر نے بھی انہیں بتایا کہ جابر بن عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سُنا کہ ''ابلیس کی مستقل قیامگاہ سمندر میں ہے لیکن وہ رات دن انسانی برادری میں چکر لگا تا رہتا ہے اور ان میں فتنے پھیلانے کو اپنی واحد اور عظیم ترین منزل سمجھتا ہے'' یہی وجہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اس حدیث کی روایت کو منفرد حیثیت دی ہے اس حدیث کو جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی مُسند میں بیان کیا ہے۔ (از مترجم)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی روایت ہے کہ ان سے مؤمل، حماد اور علی بن زید اور ابی نضرہ نے جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت نے ابن صائد سے فرمایا کہ انہیں ابلیس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کا عرش یعنی اس کی قیام گاہ سمندر میں سانپوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔

امام احمد جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان، اللہ کے عبادت گذار بندوں سے مایوس ہوگیا ہے۔ لیکن ان کو آپس میں لڑانے کے عمل سے مایوس نہیں ہوا۔

امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان اپنا عرش پانی پر سجا کر فتنہ وفساد اور گمراہی پھیلانے کے لئے شیطانوں کی تشکیل کرتا ہے اور پھر ہر ایک کی کارگذاری سنتا ہے۔ فتنہ پرداز اور آپس میں تفریق ڈالنے والے شیطان کی تعریف کرتا ہے اور اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے، شاباشی دیتا ہے۔ یہ بات، ہم نے آیت **قوله تعالىٰ : مايفرقون به بين المرء وزوجه** کے ذیل میں ذکر کی ہے۔ اس کے شیطانی کارندے مسلمانوں کی آپس میں مودت، محبت والفت میں تفریق ڈالنے کے درپے رہتے ہیں۔ شیطان کی فتنہ پردازی سے بچنے کے لئے

معوذتین نازل فرمائی گئی۔آپ ﷺ نے اس کے وسوسہ اور شر کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم

خون کی روانی کی طرح ابن آدم میں دوڑتا ہے۔

حافظ ابو یعلی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''شیطان ابن آدم کے دل پر اپنی ناک رکھ کر سونگھتا ہے۔اگر وہ ذکر کر رہا ہوتا ہے تو دور ہٹ جاتا ہے۔اگر وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔''

اللہ کے فرمان واذکر ربک اذا نسیت میں یہ ہدایت ہے کہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔شیطان کا سب سے پہلا وار انسان کے دل پر ہوتا ہے۔اگر اس کا دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے، تو شیطانی وساوس اس کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔نسیان کے عارضہ سے شیطان حملہ کرتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں نسیان کا عارضہ ڈالا۔اس وجہ سے ان کو دو سال قید خانہ میں گذارنے پڑے۔ہم نے سورۃ یوسف کی تفسیر میں یہ بات تفصیل سے ذکر کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاصم نے ابوتمیمہ کو رسول اللہ ﷺ کے ردیف (رفیق سفر) کے حوالہ سے کہتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں آپ ﷺ کے ردیف تھے۔تو آپ ﷺ کے خچر کی سواری بدکنے لگی تو آپ ﷺ کے ردیف نے کہا "تعس الشیطان" یعنی شیطان کے بھڑکانے کی وجہ سے سواری بدکنے لگی ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یوں مت کہو، اس سے اس کی سرکشی اور بڑھے گی۔تم اس کی لگام قوت سے کھینچ کر پہلے اسے روکو، پھر بسم اللہ کہہ کر اسے آگے بڑھاؤ۔ابوتمیمہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ردیف کو اس کے بعد یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی تو میرا گھوڑا اپنی تیز رفتاری بھول کر حسب معمول بڑی دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔

امام احمد بحوالہ ابوبکر الحنفی، ضحاک بن عثمان، سعید المقبری عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو شیطان کی موجودگی کا مسجد میں احساس ہو تو وہ اسے اللہ کا نام لے کر اس طرح روکے جیسے کسی سرکش گھوڑے کو اس کی لگام کھینچ کر روکا جاتا ہے۔اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ تم اسے (شیطان کو) مسجد میں اکثر دیکھو گے، لیکن تم میں سے ہر شخص کی زبان پر لا الہ الا اللہ نہیں ہوگا۔جیسے ملجم کی زبان پر مسجد میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر تھا۔امام احمد نے اس روایت کو الجور روایت منفرد پیش کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ابن نمیر اور ثور یعنی ابن یزید کی زبانی اور مکحول اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کردہ ایک اور روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "العین حق" فرما کر مزید فرمایا کہ شیطان کو یہ بات مستحضر تھی لیکن اس کے باجود اس نے آدم (علیہ السلام) سے حسد کیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی شیطان کے بارے میں ایک اور روایت وکیع کی زبانی اور سفیان، منصور ذر بن عبداللہ ہمدانی، عبداللہ بن شداد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ میں نے ایک (عجیب) شے کو آسمان کی طرف اُترتے اور اپنی طرف مائل ہوتے دیکھا تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس سے گفتگو کروں لیکن میں نے فوراً ہی اپنے نفس کو اس خواہش پر تنبیہ کی" ظاہر ہے کہ اس شخص کا مقصد آنحضرت ﷺ سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرنا تھا لیکن آپ ﷺ نے سے صرف یہ جواب دیا کہ "اللہ اکبر" خدا کا شکر ہے کہ اس نے (تمہارے ایمان کی پختگی کے ذریعہ) اس وسوسے کے مکر کو دور فرما دیا" اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے حدیث منصور کے طور پر پیش کیا ہے جب کہ نسائی اور اعمش دونوں نے اس میں ابی ذر کے حوالے کا اضافہ کیا ہے۔

شیطانی دھوکہ اور اس سے نجات......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن بکیر اور لیث نے عقیل اور ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہیں بتایا کہ ابن شہاب سے عروہ نے اور عروہ سے ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے تو پہلے یہ کہتا ہے کہ یہ چیز کس نے پیدا کی؟ وہ چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں پوچھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب وہ یہ سوال کرے تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اسے بھگا دیا کرو"۔

ایسی ہی ایک روایت مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث لیث اور حدیث زہری نیز حدیث ہشام اور حدیث بن عروہ کے طور پر پیش کی ہے جب کہ آخرالذکر دونوں نے اسے عروہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں " کہ جب تمہارے پاس شیاطین آئیں تو ان کے قرب سے اپنے رب کی پناہ مانگا کرو۔ [۱] اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرمایا کہ جب شیطان کی طرف سے کوئی متنازعہ بات تمہیں الجھن میں ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو کیونکہ وہ سمیع وعلیم ہے۔ [۲] نیز ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب قرآن پڑھے تو اس سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا کرے کیونکہ اہل ایمان پر شیطان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں بلکہ شیطان کو (صرف) ان لوگوں پر اختیار ہے جو اس کی پیروی کرتے اور اللہ کے ساتھ شرک میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ [۳]

شیطان کے مکر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نیز دیگر اہل سنت نے المتوکل کی زبانی اور ابی سعید کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " میں شیطان مردود کے سوسے، اس کے تکبر اور اس کی شیخیوں یا جادوگر سے اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم کی پناہ کا طالب ہوں۔

ایسی ہی ایک حدیث جبیر بن مطعم، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی اسامہ باہلی نے بھی روایت کی ہے۔

صحیح مسلم وصحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بھی بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو اس سے قبل "اعوذ باللہ من الحبث والخبائث" (ضرور) فرمایا کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ اکثر علماء شیاطین کے ذکور واناث سب کے مکر وفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شریح عیسیٰ بن یونس، ثور، حسین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحابی ابن سعد الخیر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بیت الخلا جائے تو کسی چیز کی آڑ لے لے۔ اگر کوئی سترہ نہ ملے تو مٹی کا کوئی ڈھیر بنا کر اس کی طرف پیٹھ کر لے۔ جو یہ کام کرے گا اس کے لئے یہ عمل بہتر ہوگا۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ شیطان بنی آدم کے مقعد سے کھیلتا ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ثور بن یزید کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے اعمش اور عدی بن ثابت کے حوالے سے بیان کا کہ آخرالذکر دونوں کو سلیمان بن صرد نے بتایا کہ " (ایک روز) جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں دو آدمی اس حالت میں آئے کہ وہ ایک دوسرے کو نہ صرف برا بھلا کہہ رہے تھے، بلکہ غصے میں گالیاں بھی دے رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک کلمہ جانتا ہوں جو انہیں اس غیض وغضب سے نجات دلا سکتا ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر حاضرین نے ان دونوں میں سے ایک شخص سے پوچھا: جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو نے وہ سنا؟ اس سوال کے جواب میں وہ بولا: کیا میں دیوانہ ہوں؟ (یعنی آپ ﷺ کا ارشاد اس نے سن لیا اور اسے بخوبی سمجھ گیا ہے)۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مُسند میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عُبید اور عبیداللہ بن عمر نے نافع اور ابن عمر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ وہ اپنی شمالی جانب سے کچھ کھائے یا پیئے اور اسی طرف سے شیطان اس کے اس کھانے پینے میں شریک نہ ہوتا ہو۔

یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں موجود ہے لیکن صحیح بخاری میں اس حدیث کے ضمن میں مندرجہ بالا اسناد کے علاوہ کئی دیگر مستند حوالے بھی دیے گئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ حدیث صحیح ترین ٹھہرتی ہے۔

---

(۱)......الاعراف: ۲۰۱۔ (۲) المومنون: ۹۷۔۹۸۔ (۳) النحل: ۹۸۔۱۰۰

اسی قبیل کی ایک اور حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن ابی حکیم، عروہ اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شمالی جانب سے کچھ پیتا ہے تو شیطان بھی (اس کے ساتھ) اس جانب سے پیتا ہے۔

کھڑے ہو کر پینے پر ممانعت...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے بیان کیا اور انہیں شعبہ نے بھی ابی زیاد الطحان کے حوالے سے بتایا کہ ابی زیاد نے ابو ہریرہ کی زبانی سُنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (ایک روز) آپ ﷺ نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر کچھ پیتے ہوئے دیکھا یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ آیا وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے اس (طرح) پینے میں بلی بھی شامل ہو جائے؟ وہ بولا: ہر گز نہیں' اس کا یہ جواب سُن کر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اس طرح پینے سے تمہاری اس پینے والی چیز میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ چیز شامل ہو جاتی ہے اور وہ شیطان کا شر ہے۔ اس حدیث میں جو کچھ آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کی وجہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور خاص اور منفرد کر کے بیان کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی سے بحوالہ عبدالرزاق، معمر، ایک دوسرے راوی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص کھڑے ہو کر کچھ پی رہا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے تو وہ فوراً اُلٹی کر دے۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے چند دوسرے حوالوں سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ اور ابن لہیعہ نے زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ زبیر نے جابر سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مکان میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اس کے مکان سے یہ کہہ کر نکل جاتا ہے کہ اس گھر میں میرا دن میں یا رات میں قیام ناممکن ہے لیکن جب وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان کہتا ہے کہ میں ان اہل خانہ کو سمجھ گیا ہوں اس لئے میرا یہاں دن اور رات دونوں وقت قیام آسان ہے۔ زبیر نے یہ حدیث سن کر سوال کیا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بالکل صحیح ہے آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا۔

اوقات شیاطین...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک، عبداللہ بن دینار اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ اوقات شیطان یا اوقات شیاطین ہوتے ہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہی حوالوں سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب کبھی آنحضرت مشرق کی طرف رُخ فرما کر کھڑے ہوتے تو فرماتے: افسوس! فتنہ اس طرف سے اُٹھے گا اور وہ صدی بھی شیطانی صدی ہوگی"

"سنن" میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ کو دھوپ اور سائے کی درمیانی جگہ میں بیٹھنے سے یہ فرما کر منع فرمایا ہے کہ ایسی جگہوں پر شیطان کی مجلس ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح بیٹھنے سے انسان کے چہرہ کی رونق بگڑ سکتی ہے اور بگڑی ہوئی اور مکروہ شکل شیطان کی ہے اور وہ اس طرح کی شکلوں کو پسند کرتا ہے۔

طلوع آفتاب اور شیاطین کا اظہار مسرت...... چونکہ عام لوگ شیطانی برائیوں اور ملائکہ کے حُسنِ اخلاق میں امتیاز نہیں کر سکتے اس لئے وہ طلوع آفتاب پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے طلوع آفتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

"طلعها کانہ رؤس الشیاطین"

چونکہ طلوع آفتاب کے بعد جس طرح روئے زمین پر طرف آثار حیات نظر آنے لگتے ہیں اور تمام انسانی برادری عموماً معروف کار ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح شیطان اور اس کی ذریت کی ابلہ فریبی میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ ایک زمانے میں تو طلوع آفتاب کی چمک دمک دیکھ کر انسانوں کی اکثر

تعداداً آفتاب پرستی میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس کو اپنا بھگوان یا معبود سمجھنے لگے تھے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں شیطان کے پیدا کردہ وسوسے تھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے خوبصورت اور سورج کی طرح روشن چہرے سے نقاب اُٹھتے ہی زلیخا کے پاس بیٹھی ہوئی عورتیں پکار اُٹھی تھیں کہ:

"حاش للّٰه ماھذا بشراً إن ھذا إلا ملک کریم" (سورہ یوسف:۳۱)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حُسنِ یوسف کو سورج کی چمک سے مماثل قرار دیتے ہوئے زلیخا کی ساتھی عورتوں کے مذکور بالا فریب میں مبتلا ہونے کو وسوسہ شیطانی فرمایا بلکہ خود طلوع آفتاب کے بارے میں انسان کے دھوکا کھا جانے کی وجہ سے "طلعھا کا نہ رؤس الشیاطین" فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متعدد ثقہ و مستند راویوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شام ہونے لگے یا آفتاب غروب ہو جائے تو اپنے بچوں کو گھر میں بلا لیا کرو کیونکہ اس وقت شیاطین اور ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں اور جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو اپنے مکان کا دروازہ والبتہ اگر اس وقت کچھ گھریلو کام مثلاً برتنوں میں پانی بھرنا یا آٹے میں خمیر ملانا وغیرہ رہ جائے تو اسے بلا ناغہ اللہ کا نام لے کر شروع کیا کرو کیونکہ اللہ کا نام لینے سے شیاطین تمہارے کسی کام سے تعارض کر سکتے ہیں نہ اس میں خلل ڈال سکتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ اور ابن جریج کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ "شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے آدم اور شعبہ نے منصور، سالم بن ابی الجعد، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے کہ یا اللہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو نے بطور رزق ہمیں عطا فرمایا ہے شیطان سے بچا، تو اگر ان میاں بیوی کا کوئی بچہ ہوگا تو اسے شیطان کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس بچے پر مسلط نہ ہو سکے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اعمش نے بھی سالم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کی۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے اس حدیث کو اسماعیل، ہمام، منصور، سالم کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان الفاظ میں بھی روائت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور بسم اللہ کہہ کر یہ کہے کہ یا اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو رزق تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اسے بھی شیطان سے بچا تو اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی بیٹا دیا ہوگا تو شیطان اسے بھی کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

شیطانی گرہیں اور ذکر اللہ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور ان کے اپنے بھائی نے سلیمان، یحییٰ بن سعید، سعید بن مسیب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شیطان تم میں سے کسی کے سر پر آتا ہے تو اس پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر اپنا ٹھکانہ بنا لیتا ہے اور اس کی وہ تینوں گرہیں تمام رات اپنی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں۔ لیکن اگر وہ شخص رات ہی کو بیدار ہو کر کسی وقت اللہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے تو پھر اس کے سر یا جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ جب وہ شخص وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ اور جب نماز پڑھنے لگے تو شیطان کی لگائی ہوئی تیسری گرہ بھی کھل جائے گی اور وہ صبح کو تر و تازہ ہو کر اُٹھے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ تینوں باتیں نہ کرے تو شیطان کی لگائی ہوئی وہ تینوں گرہیں اپنی اپنی جگہ بدستور قائم رہیں گی اور وہ شخص صبح کو جب اُٹھے گا تو اپنے سارے جسم میں اضمحلال اور کسلمندی محسوس کرے گا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص بیدار ہو تو وضو کرے اور تین مرتبہ اچھی طرح ناک صاف کرے، کیونکہ شیطان رات کے وقت ناک میں بسیرا کرتا ہے۔"

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بشر بن حکم اور دردادی کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن زنبور اور عبدالعزیز بن ابی حازم کے حوالے سے روایت کیا ہے تاہم آخر الذکر ان دونوں نے اس میں یزید بن ہادی کا حوالہ دیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث عثمان بن ابی شیبہ کی زبانی اور جریر، منصور، ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے روایت کی

ہے جس میں ایک ایسے شخص کا ذکر آیا ہے جس نے رات گذاری، پھر اس کا ذکر جناب نبی کریم ﷺ سے کیا گیا۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے دونوں کانوں یا ایک کان میں شیطان نے رات کو پیشاب کیا، جسے اس نے محسوس کیا۔

اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ جب اذان کی آواز سنتا ہے شیطان تو ہوا چھوڑتا ہوا بھاگ جاتا ہے اور جب نماز شروع ہوتی ہے تو نماز میں خلل ڈالتا ہے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار۔ اگر ایسی صورت ہو تو سجدہ سہو کرے۔

نماز میں باہم مل کر کھڑا ہونا چاہیے...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ متعدد دیگر راویوں کے علاوہ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ نماز با جماعت میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ دو نمازیوں کے درمیان اگر ذرا بھی خالی جگہ رہ جاتی ہے تو شیطان اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری حدیث قتادہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''نماز (با جماعت) میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور باہم مل کر کھڑے ہوا کرو اور اپنی اپنی گردنوں کی طرف سے بھی ہوشیار رہا کرو، جس کے قبضہ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے صفوں کے خلاء میں شیطان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے جیسے بکری کا بچہ گھستا ہے۔''

اگر نہ مانے تو قتل کردو...... بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معمر، عبدالوارث اور یونس نے حمید بن ہلال، ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب تم دو آدمی برابر چل رہے ہو اور کوئی تیسرا شخص تم دونوں کے درمیان گھس کر چلنے کی کوشش کرے تو اسے منع کرو لیکن اگر وہ نہ مانے تو دوبارہ منع کرو اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو اس سے جھگڑو۔ کیونکہ وہ (حقیقت میں) شیطان ہے''۔

اس حدیث کو مسلم اور ابوداؤد نے بھی سلیمان بن مغیرہ کی بیان کردہ حدیث کی صورت میں حمید بن ہلال کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ:

''رب اغفر لی وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعد ی انک انت الوھاب''

روح غندر، شعبہ محمد بن زیاد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی ﷺ بھی ضمناً بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جن میرے قریب سے گزرا تو میں نے گرم ہوا کا جھونکا اپنے اُوپر آتے محسوس کیا ہے یہی حال میں نے اس وقت محسوس کیا جب میں مسجد کی طرف نماز کے لئے جا رہا تھا، وہ یقیناً کوئی جن یا شیطان تھا میری نماز سے مجھے روکنا چاہتا تھا، میں نے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا کہ تم لوگ بھی۔

صبح کی نماز کے لئے مسجد کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھ لو لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے اسے میرے پاس وفع کر کے مجھے اس کے خطرے سے بچالیا۔ اس وقت میں نے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دُعا پڑھی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی:

''رب اغفرلی وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعد ی انک انت الوھاب.''

جناب روح اس حدیث کے بیان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت نے شیطان کو ذلیل کر کے بھگا دیا تھا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ ابی ادریس کی زبانی ابی درداء کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابی ادریس کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو نماز کے دوران میں ''اعوذ باللہ منک'' فرماتے ہوئے سُنا، پھر آپ علیہ السلام نے اسی نماز کے دوران میں تین بار ''العنک بلعنۃ اللہ'' فرمایا اور اپنا ہاتھ اس طرح اُٹھایا جیسے آپ ﷺ کچھ پکڑ رہے ہوں۔

کم بخت بھاگ نکلا...... ابی ادریس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آج میں نے نماز میں آپ کی زبان مبارک سے وہ کلمات سُنے جو پہلے کبھی نہیں سُنے تھے، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بھی اُٹھایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ''وہ شیطان تھا اور میرے منہ پر آگ کا ایک شعلہ پھینکنا چاہتا تھا تو میں نے پہلے اسے مخاطب کر کے کہا کہ ''اعوذ باللہ منک اور

پھر کہا کہ "العنک بلعنۃ اللہ" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے پکڑنے کو اپنا ہاتھ اٹھایا تھا لیکن وہ کم بخت بھاگ نکلا ورنہ صبح کو اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے جو بندھا ہوا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لاتغرنکم الحیاۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور"

یہاں غرور سے مراد شیطان ہے۔(از مترجم) اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوًا انما یدعو حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر"

شیطان کسی انسان کے پاس یونہی نہیں آتا بلکہ اپنے تمام مکروفریب کے حربوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے جس کا ذکر حافظ ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب موسوم "مصائد الشیطان" میں تفصیل سے کیا ہے۔

"سنن ابی داؤد" میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگا کرتے تھے۔

"واعوذبک ان تتخبطنی الشیطان عند الموت"

بعض روایات میں دُعا یہ بھی ہے۔وہ کہتا ہے کہ:

"یارب وعزک وجلالک لا أزال اغویھم مادامت ارواحم فی اجسادھم"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وعزتی وجلالی ولا ازال أغفر لھم ما استغفرونی"

شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلاً واللہ واسع علیم"

یقیناً اللہ تعالیٰ کا وہ حق وسچا اور شیطان کا وعدہ باطل ہے

ترمذی ونسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عطا بن سائب، مرہ ہمدانی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اور شیطان میں انسان کے لئے بالترتیب خیروشر کی حرص پائی جاتی ہے لہٰذا جب کوئی عقلمند انسان اپنے حق میں بھلائی دیکھتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی شکر ادا کرتا ہے لیکن جب وہ اپنے حق میں کوئی بُرائی دیکھتا ہے تو اسے شیطان سے منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

"الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلاً واللہ واسع علیم"

(البقرۃ:۲۶۸)

سورۃ البقرۃ کے فضائل......ہم سورۃ البقرہ کے فضائل میں بیان کر چکے ہیں کہ جس گھر میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے نیز آیت الکرسی کے فضائل بیان کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ جس گھر میں رات کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے شیطان صبح تک اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا نیز انہیں مالک نے ابی صالح اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے "لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر" سو مرتبہ کہا اس کے لئے دس گنا اجر ہوتا ہے، اس کے حق میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی جو سو برائیاں لکھی ہوتی ہیں وہ مٹا دی جاتی ہیں اور یہ کلمات اس شخص کے لئے اس روز شام تک شیطان کے خلاف حفاظتی تعویذ بنے رہتے ہیں لہٰذا کسی شخص کے لئے اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ ان کلمات کا اکثر ورد کرتا رہے۔

اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن اور صحیح بتایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابوالیمان اور شعیب نے ابی الزناد، اعرج اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہر انسان اپنی ہر برائی پر اعلان کر کے ہر طرح سے شیطان کو طعنہ زنی کرتا ہے اور جب کوئی بچہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرح (یعنی باپ کے نام ونشان بغیر) پیدا ہوتا ہے تب بھی وہ مخفی طور پر ہی سہی شیطان ہی کو مطعون کرتا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بناء پر اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عاصم بن علی اور ابن ابی ذئب کی زبانی اور سعید المقبری، ان کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جمائی شیطان کی کارفرمائی سے ہوتی ہے۔ حتی الامکان جمائی سے بچے۔ انسان جمائی لیتے وقت منہ کھول کر "ہا" کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے اسے ابن ابی ذئب کے حوالے سے بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ جمائی سے بچے، کیونکہ جمائی کے وقت منہ کھولنے سے شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور سفیان نے محمد بن عجلان، سعید المقبری ان کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ جب انسان جمائی کے وقت منہ کھول کر ہاہا کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی نے اس حدیث کو محمد بن عجلان کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن بن ربیع اور ابوالاحوص نے اشعث، اشعث کے والد اور مسروق کے حوالے سے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے دوران کسی نمازی کے نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ شیطانی وسوسہ ہے جو شیطان تم میں سے کسی نمازی کے دل میں اس کے نماز پڑھتے وقت ڈالتا ہے" یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے بھی مسروق کے حوالے سے اشعث بن ابی شعثاء، سلیم بن اسود المحاربی اور محاربی کے والد کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے۔

سچے خواب اللہ کی طرف سے ہیں...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بطور روایت اوزاعی یحییٰ بن ابی کثیر، عبداللہ بن ابی قتادہ اور ابی قتادہ کے حوالے سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ دوسرے خوابوں کا باعث شیطان ہوتا ہے لیکن وہ برے خوابوں کا باعث بننے سے قبل خواب دیکھنے والے کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بائیں طرف (کروٹ بدل کر) تھوک دے اور اعوذ باللہ کہے تو وہ شیطان کا پیدا کردہ خوف دور ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شیطان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

"شر" کا مشورہ شیطان کا ہوتا ہے...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ہمام اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص تمہیں یہ مشورہ نہیں دیتا کہ تم اپنے کسی بھائی کے خلاف ہتھیار اٹھاؤ بلکہ وہ مشورہ شیطان کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص شیطان کے اس مشورے پر عمل کرتا ہے تو اس کی سزا آگ کا گڑھا ہے، امام احمد اس حدیث کا مخرج عبدالرزاق کی روایت سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیطان کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

۱...... "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح و جعلنا ها رجو ما للشیاطین و اعتدنا لھم عذاب السعیر"

(الملک: ۵)

۲......"انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لایسمعون الی الملاء الاعلیٰ ویقذفون من کل جانب دحورا ولهم عذاب واصب الا من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب"
(الصافات:۶_۱۰)

۳......"ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناها للناظرین وحفظناها من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین" (الحجر:۱۶_۱۸)

۴......"وما تنزلت به الشیاطین وما ینبغی لهم وما یستطیعون انهم عن السمع لمعزولون"
(الشعراء:۲۱۰_۲۱۲)

جنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے یہ فرمایا:

"وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شدیدا وشهبا وانا کنا نقعد منها مقاعد لسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصداً" (الجن:۸_۹)

شیطانوں کی چوری......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اورلیث کہتے ہیں کہ ان دونوں سے الگ الگ خالد بن یزید نے سعید بن اَبی ہلال کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر کوابولاسود نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے جب بادلوں کے درمیان سے گزرتے ہیں تو آپس میں کسی کلمہ کا تبادلہ کرتے ہیں جسے شیاطین سُن کر کاہن کے کان میں اس طرح ٹپکاتے ہیں جیسے قارورے کا قطرہ ٹپکتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے سوجھوٹے کلمات بھی اس طرح ٹپکا دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ومسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا حدیث کی روایت کے آخر میں زہری کی بیان کردہ روایت کے طور پر یحییٰ بن عروہ بن زبیر کے حوالے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے کاہن کی پیشگوئیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب فضول ہوتی ہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بھی سوال کیا اور عرض کیا کہ کاہنوں کی کچھ باتیں درست بھی تو ثابت ہوتی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (کاہن) جو کچھ سچ کہتا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ شیاطین آسمان سے زمین کی طرف مائل پرواز فرشتوں کی کچھ مبنی برحقیقت باتیں اچک کر کاہنوں کے کانوں میں اُڑتے ہوئے پرندوں کی بیٹ کی طرح ٹپکا دیتے ہیں جن میں کاہن اپنی سے سینکڑوں جھوٹی سچی باتوں کا اضافہ کردیتے ہیں۔

اسی قبیل کی ایک اور حدیث روایت کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حمیدی سفیان اور عمرو نے بیان کیا جب کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے عکرمہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سُنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب روئے زمین کے باشندوں یاخود زمین کے بارے میں بارگاہ خداوندی سے کچھ احکام آسمان دنیا کے فرشتوں تک یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہیں تو وہ انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتے ہیں لیکن جب ان کی ترسیل فرشتے باہم کرتے ہیں جیسے ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے کچھ پیغامات باہم گروہ درگروہ منتقل کرتے رہتے ہیں تو انہیں آسمان وزمین کے درمیان کچھ چورشیاطین اچک کر کاہنوں اور ساحروں کے کانوں میں قطرات کی طرح منتقل کردیتے ہیں اکثر ان کو شہابی کوڑوں سے مارا جاتا ہے۔ اور یوں وہ کاہن یا ساحر زمین کے باسیوں یازمین پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات وحادثات کے بارے میں تھوڑی بہت ٹھیک پیشگوئیاں کرنے پر قدرت حاصل کرلیتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے اندازے سے ان میں سینکڑوں جھوٹی باتوں کی ملاوٹ بھی کردیتے ہیں۔ پھر سچ ثابت ہونے والی باتوں پر اپنا علمی دبدبہ جھاڑتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں۔

حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بطور حدیث منفرد پیش کیا ہے جب کہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے زہری کی روایت کردہ حدیث کے طور پر علی بن حسین زین العابدین، ابن عباس اور انصار کے کچھ راویان حدیث کے حوالے سے تقریباً اسی طرح پیش کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں۔

۱ ......"ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین وانهم لیصدونهم عن السبیل ویحسبون أنهم مهتدون حتی اذا جاء نا قال یالیت بینی وبینک بعد المشرقین فبئس القرین"
(الزخرف:۳۶۔۳۸)

۲ ......"وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم مابین ایدیهم وماخلفهم." (فصلت:۲۵)

۳......"قال قرینه ربنا مااطغیته ولکن کان فی ضلال بعید قال لا تختصموا لدی وقد قدمت الیکم بالوعید ما یبدل القول لدی وما أنا بظلام للعبید." (ق:۲۷۔۲۹)

۴......"وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک مافعلوه فذرهم ومایفترون ولتصغی الیه افئدة الذین لایؤمنون بالآخرة ولیرضوه ولیقترفوا ماهم مقترفون" (انعام:۱۱۲۔۱۱۳)

ہم ملائکہ کے اوصاف پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ملائکہ اور جنات کے بارے میں چند احادیث پیش کی جارہی ہے۔

(۱)......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود کے طریق سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہے جو بالترتیب شر اور خیر کا حکم دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں میرے ساتھ بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے (جس کی وجہ سے اس کا زور مجھ پر نہیں چلتا) وہ مجھے بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔

(۲)......امام احمد رحمۃ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ شیطان کا واسطہ ضرور پڑتا ہے۔ یہ بات سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور یارسول اللہ ﷺ آپ کا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں میرا بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ میرا فرماں بردار ہو گیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث دیگر راویوں کے علاوہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ "ایک رات کے وقت رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس سے اُٹھے تو مجھے بڑی غیرت آئی۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ مجھے دیکھ کر، میری غیرت والی کیفیت کو دیکھ کر سمجھ گئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کو غیرت کیوں آئی؟ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ "کیا بات ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "شیطان آ گیا تھا میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "شیطان؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" میں نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ کیا شیطان آپ ﷺ کے پاس بھی آ سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں" میں نے عرض کیا "اور میرے پاس؟" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ ہر انسان کے پاس آ سکتا ہے، وہ ابھی میرے نزدیک بھی آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے اس کے فریب سے بچا لیا اور اسے میرا مطیع کر دیا"۔

یہی حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہارون یعنی ابن سعید کے حوالے اور رت چند دیگر اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ بن سعید اور ابن لہیعہ نے موسیٰ بن وردان اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "شیطان ہر مومن کو اپنی شرارتوں سے اسی طرح پریشان کرتا ہے جیسے تم میں سے کسی کو شریر اونٹ دوران سفر پریشان کرتا ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کی اس خصوصی حرکت کی وجہ سے جو اس حدیث سے ظاہر ہے اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یوں تو ہر انسان کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے لیکن جب وہ یہ حرکت کسی مومن کے ساتھ کرتا ہے تا کہ اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اس پر غلبہ پا لے اور اسے ذلیل کرے مگر وہ مومن اس کے ساتھ اپنے ایمان کی بنیاد پر وہی سلوک کرتا ہے جو کسی کو شر اونٹ کا ماہر سوار اپنے اونٹ کے ساتھ کرتا ہے اور آخر کار اس پر قابو پا لیتا ہے۔ شیطان کی انہیں حرکات کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اخبار اُفرمایا:

"قال فبما اغویتنی لأ تعدن لهم صراطک المستقیم ثم لأ تینهم من بین اید یهم ومن خلفهم وعن

ایما نهم وعن شما ئلهم ولا تجد اکثر هم شاکرین"

یعنی مومن جس طرح شیطان کے غلبے سے بچتے ہیں وہ سب طریقے اور قوت ایمانی سب کی سب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتے ہیں لیکن اس خبر کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اس کے باوجود اکثر اہل ایمان کو بھی شکر گزار نہیں پائیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم، ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقفی، موسیٰ اور ابن میتب نے سالم بن ابی الجعد اور سبرہ بن ابی فاکہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان ابن آدم کو فریب دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اسے طرح طرح سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہر مسلمان سے اس کے اسلام قبول کرنے اور دیگر اعمال حسنہ پر اعتراض کرتے ہوئے بالترتیب کہتا ہے" کیا تو نے اسلام قبول کرلیا اور اپنا اور اپنے آباء کا مذہب چھوڑ دیا؟ جب وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کے بعد کہتا ہے" یہ تو بہت غلط کیا" پھر اس سے پوچھتا ہے" کیا تو نے اسلام کے نام پر ہجرت کر کے اپنا نام اور اپنی آبائی زمین بھی چھوڑ دی؟ اگر تو نے ایسا کیا ہے تو تیری مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو بے سوچے سمجھے دور دراز راستے پر جدھر منہ اٹھتا ہے ہو لیتا ہے" پھر اس سے پوچھتا ہے کیا تو نے جہاد کے نام سے جنگ کی ہے، پھر تو قتل ہو جائے گا اور تیری بیوی کسی اور سے نکاح کرلے گی اور تیرا مال تقسیم ہو جائے گا۔ لیکن وہ اللہ کا بندہ جہاد کرتا رہتا ہے اور شیطان کے وسوسوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

شیطان کی یہ باتیں بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی کی ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے یعنی اگر اس نے اللہ کے لئے ہجرت کی ہے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرماتے، اگر اس نے اللہ کے نام پر جہاد میں شرکت کی اور کسی (دشمن اسلام) کو قتل کیا یا اس کے ہاتھوں خود قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے حتیٰ کہ اگر اس کی سواری کا گھوڑا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مارا گیا تب بھی اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔

آپ ﷺ کی دعا...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع، عبادہ بن مسلم الفزاری، جبیر بن ابی سلیمان ابن جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صبح وشام بلا ناغہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ" یا اللہ میں دین و دنیا میں تجھ سے عافیت کا طالب ہوں، یا اللہ میں اپنے اور اہل وعیال کے دینی و دنیوی معاملات اور اپنے اور ان کے مال ومتاع کے بارے میں تجھ سے معافی اور عافیت کا طالب ہوں، یا اللہ میرے ستر کو مستور اور میرے قلب کو مطمئن رکھ، یا اللہ میرے دائیں بائیں، پیچھے اور اوپر سے میری حفاظت فرما، میں اپنے (قدموں کے) کے نیچے سے کسی غلطی (کے امکان سے تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں"۔

تحت کا مطلب...... وکیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں" تحت" کا مطلب تحت الارض یا پستی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عبادہ بن مسلم کی بیان کردہ حدیث کے طور پر روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد بتایا ہے۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن میں نازل ہوا[1]

قرآن میں ہے اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں، انھوں نے کہا کیا آپ اس (زمین) میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتے ہیں، جو خرابیاں کرے، اور خون ریزی کرتا پھرے، اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور (پھر خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور (پھر) اللہ نے آدم کو سب (چیزوں) کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے لائے اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ؟ تو انھوں نے کہا! تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے تب خدا نے (آدم) کو حکم فرمایا کہ اے آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ، جب انھوں نے ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں؟ میں نے تم سے نہ کہا تھا، کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو، اور جو تم چھپاتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے، اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو، تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے انکار کر دیا، اور غرور میں آ کر کافر بن گیا، اور (پھر) ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو)، لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے، پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے بہکا دیا، اور جس (عیش و نشاط) میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا، تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے، پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا، بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے، ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا، کیونکہ) جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی، ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔

اور جنھوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں جانے والے ہیں، (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[2]

اور قرآن میں فرمان باری ہے:

---

(۱)..... حضرت آدم کے بارے میں قرآن میں پچیس مرتبہ ذکر آیا ہے، جو پچیس آیتوں میں ہے۔ دیکھئے:

سورۃ	آیات	تعداد
سورۂ بقرہ ۲	آیت نمبر ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷	۵
آل عمران ۳	آیت نمبر ۳۳، ۵۹	۲
المائدہ ۵	آیت ۲۷	۱
الاعراف ۷	آیت نمبر ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲	۷
الاسراء ۱۷	آیت ۶۱، ۷۰	۲
الکہف ۱۸	آیت ۵۰	۱
مریم ۱۹	آیت ۵۸	۱
طٰہٰ ۲۰	آیت ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱	۵
یٰسٓ ۳۶	آیت ۶۰	۱
	ٹوٹل آیت	۲۵

(۲)..... مذکورہ تمام ترجمہ سورۃ بقرہ کی آیت ۳۰ سے ۳۹ تک کا تھا۔

"عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے، کہ اس نے (پہلے آدم کا) مٹی سے قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا، تو وہ (انسان) ہو گیا۔"(۱)

اور قرآن میں ہے

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (پھر) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے، اور خدا سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت روائی کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور (قطع محبت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔"(۲)

یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔"(۳)

اور قرآن میں ہے:

"وہ خدا ہی تو ہے، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تا کہ اس سے راحت حاصل کرے۔"(۴)

اور قرآن میں ہے:

اور ہم نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو! تو (سب نے) سجدہ کیا، لیکن ابلیس، کہ وہ سجدہ کرنے میں (شامل) نہ ہوا، خدا نے فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھ کو سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے، اللہ نے فرمایا تو (بہشت سے) اتر جا، تجھے لائق نہیں کہ تو یہاں غرور کرے، پس نکل جا تو ذلیل ہے، اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت عطا فرما، جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

فرمایا:

(اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے، (پھر) شیطان نے کہا! مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے، میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھوں گا، پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ خراب کروں گا) اور آپ ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے، (خدا نے) فرمایا، نکل جا یہاں سے حقارت زدہ مردود، جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے، میں ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اور (پھر ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور جہاں چاہو (اور جو چاہو) تناول کرو، مگر اس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا، تا کہ ان کے پردہ کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں، کھول دے اور کہنے لگا! تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا ہمیشہ جیتے نہ رہو، اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں، غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (گناہ کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کے پردے کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے، (اور ستر چھپانے لگے) تب ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی، کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہ کیا تھا اور جتلا نہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟ دونوں عرض کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے، (خدا نے)

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۵۹۔ (۲) سورۂ نساء آیت ۱۔ (۳) سورۂ حجرات آیت ۱۳۔ (۴) سورۂ اعراف آیت ۱۸۹۔

فرمایا (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان ہے، (اور) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں تمہارا مرنا اور اسی سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔ (۱)

اور قرآن میں ہے:

''اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے، اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔'' (۲)

اور قرآن میں ہے:

''اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے، اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے، بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا، اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا، کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں، جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا، تو فرشتے سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان (نہ مانا اور) اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا (خدا نے فرمایا) اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے اس کو سجدہ کروں، (خدا نے) فرمایا، یہاں سے نکل جا تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی)، (اس نے) کہا پروردگار مجھے اس دن تک مہلت دے، جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ وقت مقرر کے دن تک (اس نے) کہا پروردگار! جیسا تو نے مجھے راستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) مزین کر کے دکھاؤں گا، اور ان کو بہکاؤں گا، مگر ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر میرا زور نہیں)۔''

(خدا نے) فرمایا! کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہ سیدھا راستہ ہے، جو میرے (مخلص) بندے ہیں، ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ تو ان کو گناہ میں ڈال سکے) یا گمراہوں میں سے کر سکے جو تیرے پیچھے چل پڑیں، اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے، اس کے سات دروازے ہیں، ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئیں ہیں۔ (۳)

اور قرآن میں ہے:

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ بولا، بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، (اور پھر از راہ طنز) کہنے لگا، کہ دیکھ تو، یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس (آدم کی تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا، خدا نے فرمایا! (یہاں سے) چلا جا! جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا، تو تم سب کی سزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا ہے، اور ان میں سے جن کو تو بہکا سکے، اپنی آواز سے بہکا تا رہ! اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ، اور ان کے مال میں اور اولاد میں شریک ہوتا رہ، اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ، اور جو وعدے بھی شیطان ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے، (اے شیطان) جو میرے مخلص بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز، اور کافی ہے۔ (۴)

اور دوسری جگہ قرآن مقدس میں ہے۔

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا، تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا، دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے۔ (۵)

---

(۱) سورۂ اعراف آیت ۱۱ تا ۲۵۔ (۲) سورۂ طٰہٰ آیت ۵۵۔ (۳) سورۂ حجر آیات ۲۶ تا ۴۴۔ (۴) سورۂ بنی اسرائیل ۶۱ تا ۶۵۔ (۵) سورۂ کہف آیت ۵۰۔

دوسری جگہ قرآن عزیز میں ہے:

''اور ہم نے پہلے آدم سے عہد کیا تھا، مگر وہ (اس کو) بھول گئے، اور ہم نے ان میں صبر وثبات نہ دیکھا اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے، مگر ابلیس نے انکار کر دیا، ہم نے فرمایا، اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، تو کہیں یہ تم دونوں کو بہشت سے نہ نکلوادے، پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ''

یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو، نہ ننگے، اور یہ کہ نہ پیاسے رہو، نہ دھوپ لگے، تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، اور کہا آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت نہ بتلاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی ختم نہ ہو، تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا، تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں، اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے پروردگار کے (حکم کے) خلاف کیا، تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے، پھر اس کے پروردگار نے ان کو نوازا، تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی، اور سیدھی راہ بتائی، فرمایا کہ تم یہاں سے نیچے اتر جاؤ! تم میں بعض، بعض کے دشمن ہوں گے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے، تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ تکلیف میں پڑے گا، اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا، اس کی زندگی، تنگ ہو جائے گی، اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا، خدا فرمائے گا! ایسا ہی (ہونا چاہئے) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں، تو تو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح ہم آج تجھ کو بھلا دیں گے۔ (۱)

اور قرآن مقدس میں ہے:

کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے، جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے، مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا، جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا، میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا، میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں، جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا، تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر شیطان اکڑ بیٹھا، اور کافروں میں ہو گیا، (خدا نے) فرمایا! اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا؟ یا تو اونچے درجے والوں میں ہے؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اسے مٹی سے پیدا کیا، (خدا نے) فرمایا، یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی، کہنے لگا میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے، جس کا وقت مقرر ہے کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا، سوا ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں، فرمایا سچ ہے، اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں سب سے جہنم کو بھر دوں گا، (اے پیغمبر) کہہ دو، میں تم سے اسکا صلہ نہیں مانگتا، اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں، یہ (قرآن) تو اہل عالم کیلئے نصیحت ہے، اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ (۲)

اب تک قرآن کی متفرق جگہوں سے حضرت آدم کے متعلق ترجمہ آیات پیش کیا گیا۔ اور اس کی تفسیر کے متعلق تفصیل سے ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں، کلام کر چکے ہیں۔ یہاں بھی ان آیات کے مضمون کے متعلق کچھ احادیث کو پیش کرتے ہیں جو اس قصہ پر دلالت کریں گی۔ اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔

(۲) سورۂ طٰہٰ آیات ۱۱۵، ۱۲۶۔ (۲) سورۂ ص آیات ۶۷ تا ۸۸

خلافت ارضی کے بارے میں گفتگو:...... اللہ عزوجل نے فرشتوں کو فرمایا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو اس خلافت ونیابت سے مراد یہ ہے کہ تم انسان ایک دوسرے کے آپس میں خلیفہ بنو گے، جیسے دوسری آیت میں ہے: اور وہ وہ ذات ہے جس نے تم کو زمین (میں ایک دوسرے) کا خلیفہ بنایا اور دوسری جگہ قرآن میں فرمایا، اور تم کو زمین (میں ایک دوسرے) کا خلیفہ بنایا۔ (۱)

تخلیق آدم کی فرشتوں سے گفتگو:...... پھر اللہ عزوجل نے تعظیم کے طور پر، حضرت آدم اور ان کی اولاد کی پیدائش کی خبر دی۔ جس طرح اہم اور عظیم الشان کاموں کی پہلے سے خبر دی جاتی ہے۔ اس پر فرشتوں نے بات کی وضاحت اور اس کی حکمت اور وجہ معلوم کرنے کے لئے سوال کیا، اور کوئی اعتراض یا عیب لگانے کی غرض سے یہ سوال نہ تھا جیسا کہ بعض نابلد مفسرین کا خیال ہے (جو کہ غلط ہے) تو فرشتوں نے یوں سوال کیا۔ (اے اللہ) کیا آپ زمین میں اس کو بنانا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد مچائے اور خون بہائے۔

مفسر قرآن حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو اس بات کا علم (کہ حضرت انسان دنیا میں فساد و خونریزی کرے گا) اس طرح ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں جنوں نے فساد اور خون خرابہ مچا رکھا تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے آباد تھے پھر انہوں نے خونریزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کا لشکر بھیج دیا ان فرشتوں نے جنات کو مار مار کر سمندری جزیروں (اور ویران علاقوں) میں بھگا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی بات منقول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے لوح محفوظ سے اطلاع پائی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات فرشتوں کو ان کے دو ساتھی فرشتوں (ھاروت ماروت) نے بتا دی تھی۔ اور ان دونوں کو یہ بات اوپر والے فرشتے "سجل" نے بتائی تھی۔ (۲)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو انسان کی اس فطرت کا علم اس طرح ہوا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ اس مخلوق کو مٹی سے پیدا کیا جا رہا ہے تو ضرور مٹی کے اوصاف اس میں آئیں گے۔

تو فرشتوں نے کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

یعنی ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے رہیں گے ہم میں سے کوئی آپ کی نافرمانی نہیں کرے گا تو اگر اس مخلوق انسانی کی پیدائش سے مقصود آپ کی عبادت ہے تو ہم کبھی بھی دن رات میں آپ کی عبادت سے نہیں تھکتے۔ (ہم سے یہ کام لیجئے)۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ (سب) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی اس مخلوق انسانی کی پیدائش سے کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں مقصود ہیں مثلاً عنقریب اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کو پیدا کیا جائے گا۔ اسی طرح صدیقین کو شہداء کو صالحین کو بھی پیدا کیا جائے گا۔

علم کی بناء پر آدم کو فضیلت:...... پھر اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی اور شرف کو علم کی وجہ سے بلند فرمایا اور بیان فرمایا کہ اور ہم نے آدم کو تمام نام سکھلا دیئے۔ (۳)

---

(۱) نمل ۶۲۔ احقر اصغر کے ناقص خیال میں ہے کہ اللہ نے پہلے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنایا، پھر آگے انکی اولاد بعد والی، پہلے والوں کی خلیفہ بنتی چلی گئی اور یہ جو آیات ذکر کی گئیں ان میں یہ ممانعت کہیں نہیں ہے کہ اللہ نے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، اور تبھی تو حضرت آدم کو مسجود ملائکہ قرار دیا، اس میں بھی اشارہ ہے کہ یہ میرا خلیفہ ہے۔

پھر حضرت آدم کا خلیفہ ان کے بعد کے نبی کو بنایا، پھر یہ سلسلہ چلتا چلتا نبی اکرم محمد ﷺ تک پہنچا کیونکہ خلافت سے مراد تھا کہ زمین پر یہ میری طرف سے ہدایت الٰہی کا کام سر انجام دیں گے اور یہ چیز انبیاء کے حق میں ہے۔ پھر حضور کے بعد خلفاء کا سلسلہ چلا اور درحقیقت حضور کی خلافت تا قیامت ہے، اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی ہی خلافت چلے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت ان کے انبیاء کرتے تھے۔ ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آ جاتا۔ اور خبردار، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں میرے خلیفہ ہوں گے۔ اور بہت ہوں گے۔ احقر مترجم۔ (۲) اس کو ابن ابی حاتم نے حضرت ابوجعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ (۳) اور کہیں بھی یہ تصریح نہیں ملتی کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تنہائی میں یہ اسماء سکھائے تھے جس کی وجہ سے فرشتوں کو نہ پتہ چلا۔ اگر ایسی بات ہو تو فرشتوں سے پوچھنے کا کیا جواز؟ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے ہی یہ تعلیم دی تھی لیکن فرشتوں میں اسکو حاصل کرنے اور اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ جیسے بھوک کا انکو کیا پتہ۔ جس سے انکو ذائقہ کا بھی علم ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمائے ہیں کہ یہ وہ نام تھے جنکو لوگ آپس میں جانتے ہیں جیسے انسان ' جانور، آسمان، سمندر، پہاڑ، اونٹ، گدھا، وغیرہ وغیرہ۔

اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے نام سکھائے تھے جیسے پیالہ، تقدیر یہاں تک جو ریح آواز کے ساتھ پیچھے سے نکل جاتی ہے اس کا نام اور جو بغیر آواز کے نکلتی ہے اسکا نام بھی بتادیا۔

اور فرماتے ہیں کہ ہر جانور، ہر پرندے اور ہر چیز کے نام سکھائے تھے۔ اور حضرت سعید، حضرت ابن جبیر، اور قتادہ وغیرھم ایک [1] کے علاوہ سب کا یہ کہنا ہے۔

اور حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ کے نام سکھائے تھے اور عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ ان کو ان کی اولاد کے نام بھی سکھادیئے تھے [۲] اور صحیح یہ ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے انواع وغیرہ کے نام اور ان کے کاموں کے نام سکھائے تھے جیسے انسان، چوپایہ، زمین، اور ان کے کام وغیرہ، خواہ وہ چھوٹی چیزیں ہوں یا بڑی۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سعید اور ھشام کے طریق سے قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن مومنین جمع ہونگے اور کہیں گے کاش اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری کوئی سفارش کرے پھر وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں اللہ عزوجل نے آپکو اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور ہر چیز کے آپ کو نام بتائے۔ [۳]

آگے فرمان خداوندی ہے کہ:

> پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ [۴] حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا کہ پروردگار ایسی کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائیں جو ہم سے زیادہ جانتی ہو تو پھر ان کی اس مذکورہ طریقہ سے آزمائش کی گئی ان کنتم صادقین "اگر تم سچے ہو" کا یہی مطلب ہے کہ اگر تم مذکورہ خیال میں سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔
>
> (اس کے بارے میں بزرگوں کے اور بھی اقوال ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر میں ذکر کردیئے ہیں۔)

تو پھر فرشتوں نے عرض کیا کہ (اے) پروردگار تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے جو آپ نے ہم کو سکھایا۔ بے شک آپ علم (و) حکمت والے ہیں [۵] یعنی آپ کے علم کو آپ کے سکھائے بغیر کوئی حاصل نہیں کرسکتا۔ جیسے دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یعنی وہ اللہ کے علم سے ذرہ برابر بھی احاطہ نہیں کرسکتے مگر جتنا اللہ چاھے۔ [۶]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> "اے آدم ان کو ان کے اسماء کی خبر دے جب آدم نے ان کو ان کے ناموں کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا! کہ کیا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی غائب باتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ (سب) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپا کر کرتے ہو۔ یعنی اللہ پاک پوشیدہ باتوں کو بھی اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ظاہر کو۔ اور کہا گیا ہے کہ ظاہر کو جاننے سے مراد فرشتوں کی اس بات کو جاننا ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ" کیا آپ زمین میں اس کو بناتے ہیں جو اس میں فساد مچائے گا" اور پوشیدہ کو جاننے سے مراد ' ابلیس کا اپنے دل میں کبر و بڑائی کو چھپانا ہے۔ یہ قول حضرت سعید ابن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک، ثوری، ابن جریر رحمھم اللہ کا ہے۔"

---

(۱) وہ مجاہد بن مکی ابوالحجاج متوفی ۱۰۳ھ ہیں۔ طبقات ج ۳۳۳۰۔ (۲) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۷۰۔ (۳) بخاری، کتاب التفسیر سورۃ بقرہ

(۴) سورہ بقرہ آیت ۳۰۔ (۵) سورہ بقرہ آیت ۳۲۔ (۶) سورہ بقرہ آیت ۲۵۵۔

اورابو العالیہ، ربیع، حسن، قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے فرمان" جو تم پوشیدہ رکھتے ہو" اس سے مراد فرشتوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے زیادہ جاننے والے اور اکرم (باعزت) والے کو پیدا نہ فرمائے گا۔

فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرانا:......اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کردیا اور بڑائی کی۔(۱)

تو اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرانا یہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بڑے عظیم اکرام اور اعزاز کی بات ہے۔

جب ان کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اس میں روح پھونکی جیسا کے فرمان ہے کہ پس جب ہم نے اس کو درست کردیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی تو (حکم دیا کہ) اس کے لئے سجدہ ریز ہو جاؤ(۲) تو یہاں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار طرح سے ان کو شرف و مرتبت سے نوازا۔ اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا، اشیاء کے ناموں کے علم سے نوازا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام جب ملاء اعلیٰ میں اکٹھے ہوئے اور انکا آپس میں مناظرہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ آپ آدم ہیں، ابوالبشر ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپ کو فرشتوں کا مسجود بنایا، آپ کو ہر چیز کا علم عطا فرمایا۔

اسی طرح اہل محشر بھی قیامت کے روز حضرت آدم علیہ اسلام کو عرض کریں گے۔

اور دوسری آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> "اور ہم نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل وصورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا (خدا) نے فرمایا کہ جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی بنایا ہے۔"(۳)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابلیس نے قیاس آرائی اور اجتہاد کیا اور اس طرح سب سے پہلا شخص قیاس کرنے والا ابلیس ہوا۔(۴)

اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شخص جس نے قیاس آرائی کی وہ ابلیس ہے اور سورج وچاند کی پرستش بھی صرف قیاس کی بناء پر جاری ہوئی یہ دونوں قول ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کئے ہیں۔(۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے اور آدم کے درمیان (عقل کے زور سے) قیاس آرائی کی۔ لہٰذا اپنے وجود کو آدم کے وجود سے اشرف واعلیٰ سمجھا اور سجدہ کرنے سے رک گیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کو اور سارے فرشتوں کو جاری ہو چکا تھا۔ (تو یہاں شرعی حکم کے ہوتے ہوئے) اس ابلیس نے قیاس آرائی کی اور جب صریح حکم خداوندی آجائے تو قیاس لڑانا فاسد اور لغو ہوتا ہے۔ اور پھر یہ قیاس بذات خود بھی غلط اور خام خیالی پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ مٹی آگ سے زیادہ نفع مند اور بہتر ہوتی ہے کیونکہ مٹی میں عاجزی ومسکنت، بردباری، خشیت ہوتی ہے اور یہ چیزوں کی نشونما بھی

---

(۱) اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو اور سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سجدے عبادت کیلئے نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک وکفر ہے اور کفر وشرک کسی بھی شریعت میں جائز نہیں تھا۔ لہٰذا صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدیم انبیاء کے زمانہ میں اس سجدہ کا وہی حکم ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، دست بوسی اور برائے تعظیم کھڑے ہونے کا حکم ہے پھر وہ سجدہ شریعت محمدی میں منسوخ ہوگیا۔ اور سجدہ، رکوع، اور ہاتھ باندھ کر کسی کے سامنے کھڑا ہونا ممنوع ہوگیا۔

(۲) سورۂ حجر آیت ۲۹۔ (۳) سورۂ اعراف آیت ۱۱۔۱۲

(۴) احقر اصغر عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں نے قیاس کیا تھا لہٰذا صحیح قیاس کرنے والوں پر یہ ہے کوئی عیب نہیں لگتا۔ (۵) تفسیر طبری ج ۸ص ۹۸

کرتی ہے (کیونکہ تقریباً ہر چیز مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ کو پسند بھی ایسی ہی صفات ہیں جو مٹی میں ذکر ہوئیں) بخلاف آگ کے اس میں طیش، بھڑک، تیزی جلانا وغیرہ صفات ہیں (جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جس کی وجہ سے اس کو جہنم کا ذخیرہ بنایا)۔

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مزید شرف و اعزاز بھی دیا (جو ملعون ابلیس کو حاصل نہ تھا) کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اپنی روح مبارک پھونکی۔ اسی وجہ سے فرشتوں کو یوں حکم دیا:

''اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر کو پیدا فرمانے والا ہوں تو جب میں اس کو درست کردوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ اس نے انکار کردیا کہ وہ سجدہ کرنیوالوں میں شامل ہو۔ پروردگار نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا چیز مانع ہوئی کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا تو ابلیس نے کہا کہ میں اس بشر کو سجدہ نہیں کرسکتا جسکو آپ نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا فرمایا تو پروردگار نے فرمایا کہ نکل جا تو بے شک تو مردود ہے اور قیامت تک تجھ پر لعنت (برستی) رہے گی۔''(۱)

تو شیطان ملعون اس لعنت وحقارت کا مستحق ہوا کیونکہ اس نے آدم پر عیب لگایا اور ان کو حقیر جانا۔ اور امر الٰہی کی مخالفت کی اور صریح حکم خداوندی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑائی کی وجہ سے قیاس آرائی کی اور حق کو چھوڑ کر راندہ درگاہ ہوا۔

اور سجدہ تو نہیں کیا لیکن اس کے بعد بھی جو اپنی بڑائی اور اکڑ اعث بیان کی اور انسانوں کو بہکانے کا کہا وہ اس کے پہلے گناہ سے بڑھ کر ہوا (گویا گناہوں کی ظلمتوں میں دھنستا چلا گیا)۔

جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

''اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے کہا: کہ کیا میں اسکو سجدہ کروں؟ جسکو آپ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور (از راہ طنز) کہنے لگا دیکھو یہی (آدم) وہ ہے جسکو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر آپ مجھ کو قیامت کے روز تک مہلت عطا فرمائیں تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا تو خدا نے فرمایا جا یہاں سے چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کریگا تو تم سب کی جگہ جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جسکو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ۔ اور اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال واولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدہ کرتا رہ۔ اور شیطان جو ان سے وعدہ کرتا ہے سب دھوکا ہے جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز ہے۔(۲)

اور سورۂ کہف (آیت ۵۰) میں یوں فرمایا:

''اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان (سب نے) سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جنوں میں سے تھا اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی تو کیا (اے لوگو) تم اس کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو مجھے چھوڑ کر۔''

یعنی وہ شیطان مردود اللہ کی فرماں برداری سے جان بوجھ کر عناد وتکبر کی بناء پر دور ہو چلا، اور اس وجہ سے ہوا کہ اس کی طبیعت و مادہ خبیثہ نے اس سے خیانت کی کیونکہ آگ کا مادہ اور اس کی طبیعت ہی ایسی ہے جس کی طرف شیطان محتاج ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جن بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آدم ان چیزوں میں سے تھا جو تمہارے اوصاف ہیں (یعنی ہر آدم ایسی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس کی صفات اس میں ہیں)۔(۳)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کبھی بھی پلک جھپکنے کے برابر بھی فرشتوں میں سے نہ تھا۔ اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس جنوں میں سے تھا جب جنوں نے زمین میں خون خرابہ مچایا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر کو بھیج دیا فرشتوں نے جنوں کو زمین کی آبادی سے ویرانی میں اور سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا اور یہ ابلیس ان جنوں میں سے تھا جنکو قید کیا گیا تھا تو اس کو پکڑ کر آسمان پر لے گئے اور یہ

(۱) سورۂ حجر ص ۲۸ تا ص ۳۵۔ (۲) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۱ تا ۶۵۔ (۳) صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب فی احادیث متفرقہ۔

وہیں رہنے لگا پھر جب ایک عرصہ کے بعد آدم کو پیدائش کے بعد مسجود بنایا گیا تو یہ ساجد بننے سے رک گیا اور ملعون قرار پایا۔

اور حضرت عبداللہ (۱) بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ابلیس آسمان دنیا میں فرشتوں کا سردار تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکا نام عزازیل تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ عنہ ہی سے ایک روایت میں اسکا نام حارث (بھی) تھا۔ اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کنیت ابو کردوس تھی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ فرشتوں کی ایک جماعت میں سے تھا جسکو جن کہا جاتا تھا۔ اور یہ جماعت جنت کے داروغوں (منتظموں) کی تھی اور یہ شیطان انکا بڑا سردار تھا اور ان سب میں علم وعبادت میں سب سے آگے تھا اور یہ چار پروں والا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان مردود بنا دیا۔ (۲)

اور اللہ عزوجل اپنے کلام مقدس سورۃ ص میں فرماتے ہیں:

"جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں. جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے تکبر کیا اور کافروں میں ہوگیا. (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے روکا؟ کیا تو غرور میں آگیا ہے؟ یا تو اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے روز تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی. کہنے لگا اے پروردگار مجھے اس روز تک (جب لوگ اٹھائے جائیں) مجھے مہلت دے۔ کہا: تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے (وہ) کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان کو بہکاتا رہوں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں. کہا سچ ہے اور میں (بھی) سچ کہتا ہوں. کہ میں تجھ سے اور ان سے جو تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔" (۳)

اور سورۂ اعراف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا:

"شیطان نے کہا مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھوں گا • پھر آگے سے، پیچھے سے، اور دائیں سے، اور بائیں سے، (غرض ہر چہار طرف سے) آؤں گا (۴) (اور ان کو بہکاؤں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ (۵)

یعنی کہ آپ نے مجھے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا تو میں اسکا بدلہ ان انسانوں سے نکالوں گا (کیونکہ یہ سبب بنے ہیں) اور ہر طرح سے اور ہر طرف سے ان کو گمراہ کرنے کے لئے گھات لگا کر بیٹھوں گا۔ لہٰذا نیک بخت وسعادت مند وہ ہے جو شیطان کی مخالفت کرے اور بد بخت وہ ہے جو اس کی پیروی کرے گا۔

امام احمد (۶) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ھاشم بن قاسم نے بیان کیا ان کو ابو عقیل عبداللہ بن عقیل نے ان کو موسیٰ بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا کہ سالم بن ابی جعد سے مروی ہے وہ سبرہ بن اَبی فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ سبرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک شیطان ابن آدم کے لئے راستوں میں بیٹھا ہے۔ (۷)

---

(۱) یہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں کنیت ابوعبدالرحمٰن الہذلی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی اسد الغابۃ ج ۳ ص ۳۸۴ اور الاصابہ ج ۲ ص ۳۶۰

(۲) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۷۸ (۳) سورۃ ص آیت ۷۱ تا ۸۵۔

(۴) اس جہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کو نظر نیچی رکھنی چاہئے کیونکہ نیچے اور اوپر کی طرف سے شیطان نہیں بہکا سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں طرف شیطان نہ کہہ سکا۔ (مترجم)

(۵) اعراف آیت ۱۶۔۱۷۔ (۶) یہ امام احمد بن حنبل شیبانی مروزیؒ ابوعبداللہ ہیں جو ۲۴۱ھ میں وفات فرما گئے شذرات الذھب ج ۲ ص ۱۹۶۔

(۷) احمد نے اپنی مسند میں ج ۳ ص ۴۸۳ پر اور نسائی نے کتاب الجہاد میں بیان کیا ہے۔

مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کے لئے کن کن فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ آیا وہ تمام فرشتے ہیں جیسے کہ عام آیات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہی جمہور کا بھی قول ہے۔ یا صرف زمینی فرشتے مراد ہیں؟ جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک کے طریق سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں انقطاع ہے اور سیاق میں اجنبیت ہے، اگرچہ بعض متاخرین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ لیکن زیادہ ظاہر وہی پہلی والی بات ہے اور حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ تو یہاں عام ہے کہ فرشتوں کے کسی خاص گروہ کو حکم نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم

اور اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو فرمان کہ "اهبط منها"[1] جنت سے نیچے اتر جا اور "اخرج منها"[2] یعنی جنت سے نکل جا۔ یہ آیتیں دلیل ہیں اس بات پر کہ ابلیس آسمان پر تھا پھر اس کو نیچے اترنے کا حکم جاری ہوا اور اس عظیم مرتبے درجے اور مقام سے نکلنے کا حکم فرمایا جو عبادت وطاعت کی وجہ فرشتوں کے ساتھ اس کو حاصل تھا اس طرح اس صورت و مرتبت کو اس کی نافرمانیوں کی وجہ سے چھین لیا گیا۔

آدم وحوا کی جنت میں رہائش: ...... پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ اور ان کی بیوی جنت میں سکونت فرمائیں اور فرمایا:

"اور ہم نے آدم کو کہا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے۔"[3]

اور سورۃ اعراف میں فرمایا:

"فرمایا پروردگار نے (شیطان کو!) نکل جا اس جنت سے حقارت زدہ دھتکارہ ہوا پس جو بھی ان (انسانوں) میں سے تیری پیروی کرے گا تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا اور اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"[4]

اور فرمایا:

"اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں (سب) نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ تو ہم نے کہا اے آدم یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) کہیں یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے پھر تو تم محروم ہو جاؤ گے اور بے شک جنت میں نہ تجھے بھوک لگے گی اور نہ تو ننگا ہو گا، اور نہ تجھے اس میں پیاس لگے اور نہ دھوپ۔"[5]

ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حواء کی پیدائش جنت میں حضرت آدم کے داخل ہونے سے پہلے ہوئی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"اور اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔"[6]

اور اسحاق[7] بن یسار نے اس بات کو صراحتہً بیان فرمایا ہے اور یہ ان آیات سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے۔

لیکن سدی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ وابی مالک رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور مرہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور دیگر لوگوں نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا پھر (تنہا) آدم کو داخل جنت کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں پریشان رہتے تھے اور اجنبیت محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے لئے کوئی ساتھی (بیوی) نہیں تھی جس سے وہ راحت وسکون حاصل کریں تو ایک مرتبہ تھوڑی سی دیر سوئے جب بیدار ہوئے تو اپنے سر کے پاس ایک عورت کو بیٹھے پایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے سوال کیا من انت؟ تو کون ہے؟ کہا کہ میں ایک عورت ہوں پوچھا کہ تو کیوں پیدا کی گئی ہے؟ کہا تاکہ آپ مجھ سے سکون وراحت حاصل کریں تو فرشتے جو کھڑے دیکھ رہے تھے

---

(۱) سورۃ اعراف آیت ۱۳ (۲) سورۃ اعراف آیت ۱۸ (۳) سورۃ بقرۃ آیت ۳۵

(۴) سورۃ اعراف آیت ۱۸۔ ۱۹ (۵) سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹ (۶) سورۃ اعراف آیت ۱۹

(۷) اسحاق بن یسار ابوبکر المطلبی (تہذیب التہذیب ج ۱۳ ص ۲۳)

انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی وسعت علمی کا اندازہ لگانے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا اسکا نام کیا ہے؟ کہا حواء۔ فرشتوں نے پوچھا کہ حواء کیوں؟ کہا کہ اسلئے کہ یہ حی (جاندار) چیز سے پیدا کی گئی ہے۔

اور محمد بن اسحاق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حواء حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں جبکہ یہ سور ہے تھے پھر اس شگاف کو جہاں سے حضرت حواء پیدا کی گئی بالکل گوشت سے برابر کردیا گیا۔

اس بات کی تائید خود اللہ جل شانہ کے فرمان سے ہوتی ہے فرمایا! پروردگار نے:

"اے لوگو ڈرو اس اپنے پروردگار سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔"(۱)

اور دوسری جگہ فرمایا:

"وہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرمایا تا کہ وہ اس (بیوی) سے راحت وسکون حاصل کرے پس جب (کوئی) مرد کسی عورت پر چھا جاتا ہے تو عورت کو ہلکا سا حمل ٹھہر جاتا ہے جسکو اٹھائے چلتی پھرتی ہے۔"(۲)

صحیحین میں زائدہ حدیث سے ہے میسرہ اشجعی، ابو حاتم سے اور ابو حاتم حضرت ابو ہریرہ(۳) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ (نرمی اور) خیر خواہی کا برتاؤ رکھو بے شک عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں زیادہ ٹیڑھا حصہ بالائی حصہ ہوتا ہے (جہاں سے اس کی پیدائش ہے) تو پس اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو تم اس کو توڑ دو گے۔ (یعنی طلاق ہو جائے گی) اور اگر چھوڑ دو گے تو برابر ٹیڑھی (ہی) رہے گی لہٰذا (بس) عورتوں کی ساتھ خیر خواہی کا معاملہ رکھو (یہ بخاری کے الفاظ ہیں)(۴)

شجرہ ممنوعہ

شجرہ ممنوعہ کی تفصیل:......اور مفسرین کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا کہ **ولا تقربا هذه الشجرة**(۵) کہ اس درخت کے قریب نہ جانا تو وہ کونسا درخت تھا۔

اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ انگور کا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ شعبی، جعدہ بن ہبیرہ، محمد بن قیس، اور سدی سے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ بنیا سرائیل کا خیال ہے کہ وہ درخت گندم کا تھا۔ اور ابن عباس، حسن بصری وھب بن منبہ، عطیہ عوفی، ابی مالک، محارب بن دثار اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ گندم ہی تھی۔ اور وھب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس درخت کا ایک ایک پھل اور دانہ مکھن سے نرم اور شہد سے میٹھا تھا اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ ابی حصین سے وہ ابی مالک سے نقل کرتے ہیں کہ اس آیت میں کھجور کے درخت سے ممانعت کی گئی تھی۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ زیتون کا درخت تھا۔ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور جریج کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت تھا جس کے کھانے سے انسان ناپاک ہو جائے اور ناپاک آدمی جنت میں کہاں برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اور یہ اختلاف قریبی ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اس کے ذکر اور اس کے متعین کرنے کو مبہم رکھا کہ وہ کونسا درخت تھا اگر اس کے ذکر کرنے میں

---

(۱) سورۃ نساء آیت ۱ (۲) سورۃ اعراف آیت ۱۸۹

(۳) ان کا اصل نام عبدالرحمٰن بن صخر دوسی ہے ۵۸ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۷۸) الاصابہ ج ۴ ص ۵۴۳۔

(۴) صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب حضرت آدم علیہ السلام اور انکی ذریت کی پیدائش۔ صحیح مسلم کتاب الرضاع باب عورتوں کے بارے میں وصیت (الوصیۃ بالنساء)

(۵) سورۃ بقرۃ آیت ۳۵

مصلحت اور فائدہ ہوتا تو ہم کو ضرور بتا دیا جاتا جس طرح دوسری بعض چیزوں کو بھی قرآن میں مبہم رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس بارے میں بھی علماء کا اختلاف رہا ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام داخل کئے گئے تھے وہ جنت آیا آسمان میں تھی؟ یا زمین میں (تھی) تو یہ اختلاف بھی ایسا ہے جس سے نکلنا اور اسکا حل کرنا مناسب ہے۔ تو لیجئے سنئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت آسمان میں تھی یا زمین میں:...... اس میں جمہور علماء کا یہ فرمان ہیکہ وہ آسمان میں تھی اور جنت الماوٰی (دائمی) تھی (جسکا نام قرآن میں بھی لیا گیا ہے) اس لئے کہ ظاہری آیات اور احادیث نبویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (ترجمہ) اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ (1)

اس آیت میں "الجنۃ" پر الف لام داخل کیا گیا ہے یہ عمومیت کے لئے بھی نہیں اور نہ معھود لفظی کے لئے ہوسکتا ہے تو ہر حال میں یہ معھود ذھنی کے لئے ہوگا اور وہ شرعاً جنت الماوٰی کی جگہ ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے حضرت آدم علیہ السلام کو کہ آپ نے اپنے آپ کو اور ہم کو جنت سے کیوں نکلوایا؟

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں اشجعی رحمۃ اللہ علیہ سے جن کا نام سعد بن طارق ہے وہ ابی حازم مسلم بن دینار سے اور حضرت ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح ابو مالک ربعی سے، ربعی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ دونوں صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ (قیامت کے روز) انسانوں کو جمع فرمائیں گے۔ پھر جب مومنین کے لئے جنت آراستہ کی جائے گی تو تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔ اے ہمارے (سب کے) والد (محترم) ہمارے لئے جنت کھلوا دیجئے تو حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ تم کو جنت سے میری لغزشوں ہی نے تو نکلوایا ہے۔

اور حدیث بڑی قوی دلیل ہے اس بات پر کہ یہ جنت، جنت الماوٰی تھی (اور یہ نظر سے خالی نہیں ہے)

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہیں تھی:...... اور دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سکونت ملی وہ دائمی جنت نہیں تھی۔ اس لئے کہ اس میں ایک درخت کے پھل کو کھانے سے منع کیا گیا (جبکہ اصل جنت میں کسی چیز کی روک ٹوک نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سوئے تھے جبکہ جنت میں نیند نہیں، اس لئے بھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پھر اس جنت سے نکالا گیا (جبکہ اصل جنت میں جب کوئی داخل ہوگیا تو اس کے لئے وہاں سے نکلنا نہیں)۔

اور اس لئے بھی کہ ابلیس لعین اس جگہ میں داخل ہوگیا تھا (جبکہ جنت میں شیطان ابلیس کا داخلہ ممنوع ہے) تو یہ سب باتیں اس بات کو منع کرتی ہیں کہ وہ جنت، جنت الماوٰی تھی۔ اور یہی قول حضرت ابی ابن کعب، عبداللہ بن عباس، وھب ابن منبہ، سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا ہے۔

اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی المعارف میں اس کو اختیار کیا ہے، اور قاضی منذر بن سعید بلوطی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی ذکر کیا ہے اور اس مسئلہ میں جداگانہ ایک تصنیف بھی فرمائی اور اس کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب سے بھی نقل کیا ہے۔

اور ابو عبداللہ محمد بن عمر الرازی بن خطیب نے اپنی تفسیر میں ابوالقاسم بلخی اور ابو مسلم اصفہانی سے نقل کیا ہے اور قرطبی نے بھی معتزلہ اور قدریہ سے اس کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

اور یہ بات موجودہ توارۃ میں صراحۃً مذکور ہے۔ اور اس مسئلہ میں جن اسلاف علماء کا اختلاف ہے وہ ابو محمد بن حزم نے کتاب (الملل والنحل) میں اور ابو محمد بن عطیہ نے اپنی تفسیر اور ابو عیسیٰ رمانی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اور جمہور سے پہلا قول یہ منقول ہے کہ وہ جنت اصل ہے اور آسمان میں تھی۔

اور ابوالقاسم الراغب اور قاضی ماوردی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ وہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو ٹھہرایا تھا، اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ دائمی جنت تھی یا اللہ تعالیٰ نے اس کو عارضی بنوایا تھا اور اس کو آزمائش و امتحان کی جگہ بنایا تھا اور وہ دائمی جنت نہیں جو ہمیشگی بدلے کا گھر ہے۔

---

(1) سورۃ البقرہ، آیت ۳۵

اور پھر یہ اختلاف کہ وہ جنت آسمان میں تھی اس لئے کہ اس سے نیچے اتارا گیا تھا۔ اور یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی اس لئے کہ اس میں دونوں سے امتحان لیا گیا کہ درخت مخصوص سے روکا گیا (اور آزمائش کا گھر زمین ہے) اور یہ ابن یحیٰ کا قول ہے۔ اور یہ ابلیس کو سجدہ کرنے کے حکم سے بعد کی بات ہے۔ (واللہ اعلم)

تو یہ کلام تین اقوال پر مشتمل ہے اور قاضی ماوردی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں توقف کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ابو عبداللہ رازی نے اپنی تفسیر میں چار اقوال نقل کئے ہیں۔ تین تو وہ جو ماوردی نے ذکر کئے ہیں اور چوتھا توقف کا ہے۔

اور یہ قول بھی ہے کہ وہ جنت ہے تو آسمان میں لیکن وہ دائمی نہیں تھی بلکہ عارضی تھی اس کو ابوعلی جبائی سے روایت کیا گیا ہے۔ (۱)

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت زمین پر ہی تھی۔ ان کی طرف سے ایک سوال ہوتا ہے جو لائق جواب ہے وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابلیس نے جس وقت سے سجدہ کرنے سے منہ موڑا تو اللہ عزوجل نے اس کو اپنی بارگاہ الٰہیہ سے دھتکار دیا اور اس کو وہاں سے اترنے اور نکل جانے کا حکم فرمایا۔

اور جاننا چاہئے کہ یہ حکم شرعی نہ تھا جس کی مخالفت ممکن ہو بلکہ یہ حکم تکوینی تھا جو ہر صورت میں ہو کر رہتا ہے۔ (۲)

تو اللہ تعالیٰ کا شیطان کو نکلنے واترنے کا حکم فرمانا حکم تکوینی تھا فرمایا: نکل اس (جنت) سے حقارت زدہ ہو کر۔

اور فرمایا: اتر جا اس (جنت) سے پس تیرے لائق نہیں کہ اس میں بڑائی کرے۔ (۳)

اور فرمایا: نکل اس سے بے شک تو مردود ہے۔ (۴)

اور مذکورہ آیتوں میں فیھا یا منھا کی ضمیر جنت کی طرف یا آسمان کی طرف یا اس کے مرتبہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ہر سہ صورت میں حکم تکوینی تقاضا کرتا ہے کہ جہاں سے اس کو دھتکار دیا گیا وہاں یہ نہیں ٹھہر سکتا، نہ بطور ٹھہرنے کے اور نہ بطور گذرنے کے۔

(تو اب غور کریں) ان قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا یعنی (شیطان اور ادای حواء و آدم علیہ السلام کا اجتماع ہوا ہے۔ کیونکہ آیات میں ہے کہ اس نے آدم کو وسوسے میں ڈالا اور یوں خطاب کیا:

"کیا میں تم کو دائمی (زندگی دینے والا) درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہی والا جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔" (۵)

اور شیطان نے کہا (ترجمہ) تمہارے پروردگار نے نہیں منع کیا تم کو اس درخت سے مگر صرف اسی واسطے کہیں تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اور دونوں کو قسم اٹھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پھر دونوں کو دھوکے کی راہ پر ڈال دیا۔ (۶)

تو ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ابلیس ان کے ساتھ پھر بھی ان کی جنت میں اکٹھا ہوا۔

تو اس اشکال کا جواب یوں بھی دیا گیا ہے وہ وہاں سے گذر سکتا تھا ٹھہر نہیں سکتا تھا لہٰذا گذرنے میں اس نے بہکایا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دونوں کو وسوسے میں مبتلا کیا یا آسمان کے نیچے سے ان کو ورغلایا۔ لیکن ان تینوں جوابات میں کچھ نظر (لچک) ہے واللہ اعلم۔

اور وہ لوگ جو زمین پر جنت ہونے کے قائل تھے جن کی طرف سے مذکورہ سوال و اعتراض بھی ہوا، وہ زمین پر جنت ہونے کی یہ دلیل بھی

---

(۱) تفسیر فخر رازی ج ۳ ص ۴۔

(۲) اس کی مثال آیا یوں سمجھ سکتے ہیں کہ نماز، روزہ کا حکم حکم شرعی ہے تو کوئی اسکو مانتا ہے کوئی نہیں مانتا اور نہیں پڑھتا، اور حکم تکوینی وہ ہے جو ہمارے اختیار میں نہ ہو جیسے ہمارا مرنا، جینا یا مصیبت وغیرہ کا پیش آ جانا اور سورج و چاند وغیرہ کا اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کی بدولت ہو رہا ہے، جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوتا اور نافرمانی نہیں ہو سکتی یہ حکم کافر، مسلمان، جاندار، غیر جاندار سب پر ایک طرح کا چلتا ہے۔ (مترجم)

(۳) سورۃ اعراف آیت ۱۸ (۴) سورۃ اعراف آیت ۱۳

(۵) سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۰ (۶) سورۃ اعراف آیت ۲۰ تا ۲۲

دیتے ہیں جس کو عبداللہ بن الامام احمد نے زیادات میں ھدبہ بن خالد سے اور ھدبہ نے حماد بن سلمۃ سے انہوں نے حمید سے، حمید نے حسن بصری سے، حسن نے عتی بن ضمرۃ سعدی سے اور انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ اسلام کا وقت وفات قریب آن پہنچا تو ان کو جنت کے انگور کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو آپ کے بیٹے اس کی تلاش میں نکلے راستہ میں ان کو فرشتے ملے تو فرشتوں نے پوچھا اے اولاد آدم کہاں کا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا کہ ہمارے والد معظم کو جنتی انگور کی خواہش پیدا ہوئی ہے رحمۃ اللہ علیہ تو فرشتوں نے کہا کہ واپس چلو بس تم آدم کو کافی ہو گئے۔ تو سب واپس لوٹے تو فرشتوں نے روح قبض کر لی پھر فرشتوں ہی نے غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی پیچھے فرشتوں نے صفیں مرتب کیں، پھر انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کر دیا پھر اولاد کو کہا کہ یہ تمہاری سنت (طریقہ) ہے تمہارے مردوں کے لئے۔

اور اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر زمین پر جنت نہ ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے جنتی انگور کی تلاش میں زمین پر کیوں پھرتے؟ واللہ اعلم۔

اور جن علماء کا یہ فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت زمین پر تھی ان کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

''اے آدم آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہو[1] تو یہاں اس آیت میں الجنۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس پر الف لام داخل کیا گیا ہے جبکہ اسکا کوئی معہود پہلے نہیں گذرا جس سے کوئی متعین جنت مراد لی جائے۔ لہذا یہ الف لام متعین طور پر عہد ذھنی کے لئے ہوگا (جسکا حاصل یہ ہوا کہ یہاں صراحۃ کسی خاص جنت کا ذکر نہیں ہے) لیکن اس بارے میں سیاق وسباق کے کلام سے کچھ روشنی پڑتی ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین سے پیدا کئے گئے اور پھر کہیں یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ پھر ان کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت زمین ہی پر تھی۔ اور الجنۃ میں الف لام سے مراد بھی زمینی جنت ہے۔ اور ہاں یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا بھی تو زمین پر رہنے کے لئے کیا گیا تھا جیسے کہ قرآن کریم نے بیان کیا:

''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔[2]

اور اس خیال کے علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ پر آیا ہے

''بے شک ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔''[3]

اور یہاں بالکل ظاہر ہے کہ جنت سے مراد زمین کا باغ ہے۔ تو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی جنت ھے۔ کیونکہ اس آیت میں بھی الجنۃ پر الف لام ہے اسکا کوئی معہود لفظی نہیں گذرا بلکہ سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معہود ذہنی کے لئے ہے اور اس سے مراد باغ ہے۔

تو ان دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو یوں کیوں حکم دیا گیا کہ اھبطوا منھا کہ جنت سے اتر جاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''آیت'' اور ''حکم'' آسمان سے اترنے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اس طرح تو قرآن میں کئی جگہ ھبوط کا لفظ آیا ہے لیکن وہاں یہ مراد نہیں ہے۔ جیسے کہ ''قیل ینوح اھبط''[4] حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کو اترو اور یہ حکم تب ہوا جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں تھے اور وہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی تھی اور پانی زمین کی سطح سے خشک ہو چکا تھا۔ تو پھر حکم خداوندی نازل ہوا کہ زمین پر اترو اور اپنے ساتھیوں کو بھی اتارو اور تم اور ان پر خداوندی قدوس کی برکتیں ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو حکم ہو رہا ہے اھبطوا مصرا[5] کہ شہر میں اترو۔ اور قرآن میں ایک اور جگہ یہی لفظ آیا ہے وان منھا لما یھبط من الخ[6] یعنی بعضے پتھر ایسے ہوتے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے علاوہ

(۱) سورۃ بقرہ، آیت ۳۵ (۲) سورۃ بقرہ، آیت ۳۰ (۳) سورۃ القلم، آیت ۱۷
(۴) سورۃ ہود، آیت ۴۸ (۵) سورۃ بقرہ، آیت ۳۶ (۶) سورۃ بقرہ آیت ۷۴

احادیث اور لغت میں بھی یہ لفظ بہت جگہ آیا ہے لیکن یہ معنی مراد نہیں لیا گیا ہے کہ آسمان سے اترو۔

اور اسی خیال کے حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ ھــــو ط کے معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں۔ پھر بھی یہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت کے زمین پر ہونے سے مانع نہیں ہے۔ بلکہ دونوں باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ اسطرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کی سکونت کی جگہ یعنی جنت زمین کے باقی حصوں میں سے بلندی پر واقع تھی اور وہاں جنت کی تمام آرائش و سہولیات موجود تھیں اور وہ جگہ درختوں، پھلوں، سایوں، نعمتوں، اور خوشبوں سے بھی مزین تھی جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہاں تم پر یہ (آسائش) ہیکہ نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے۔[1]

یعنی آپ کے باطن کو بھوک لاحق نہ ہوگی اور آپ کا ظاہر کپڑوں کا محتاج نہ ہوگا۔ اور آگے فرمایا اور یہ کہ نہ پیاسے رہو، اور نہ دھوپ کھاؤ۔ یعنی آپکے باطن کو پیاس کی گرمی نہ چھوئے گی اور آپکے ظاہر کو سورج کی گرمی نہ چھوئے گی۔ اور یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے پہلے بھوک اور ننگ کو ساتھ بیان کیا پھر پیاس اور دھوپ کو ساتھ بیان کیا۔ اس لئے کہ دونوں کی آپس میں مناسبت و ربط ہے۔

لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش صادر ہوگئی تو ان جنتی آرائش سے آپ کو ایسی زمین میں اتار دیا گیا، جہاں محنت و مشقت، بدقسمتی و تنگی، امتحاں و آزمائش تھی اور وہاں لوگوں کے اندر دین میں، اخلاق میں، اعمال میں، معیشت میں، اقوال میں، افعال میں غرض ہر چیز میں ایک دوسرے سے اختلاف و پھوٹ تھا جو عذاب کی ایک قسم ہے۔

تو خیر اس مذکورہ بات سے یہ مدعا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمینی جنت میں تھے پھر لغزش کی وجہ سے ان کو زمینی مشقت میں ڈال دیا گیا۔

اور اسی طرح اللہ کا قرآن میں یہ فرمان ہے کہ تمہارے لئے زمین میں ایک مقرر وقت تک ٹھکانہ ہے[2] تو اس فرمان سے بھی حضرت آدم علیہ السلام کو لازم نہیں آتا کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام آسمان میں تھے پھر زمین میں بھیجا گیا کیونکہ اس طرح تو بنی اسرائیل کو بھی یوں حکم ہوا۔

اور ہم نے اس (فرعون کے مرنے) کے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ تم اس زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم کو لپیٹ کر لے آئیں گے۔ تو دیکھئے کہ یہاں بھی زمین میں رہنے کا فرمایا تو اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ یہ آسمان سے اتارے گئے تو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بھی زمین پر رہنے کا جو حکم ہے، اس سے یہ نہیں مراد ہو سکتا کہ آسمان سے زمین میں آنے کا حکم ہے۔

تنبیہ:...... یاد رکھنا چاہئے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس مذکورہ رائے و خیال سے منکرین جنت و جہنم کی تائید کسی طرح نہیں ہوتی کیونکہ اس رائے سے یہ کہاں لازم آتا ہے؟ اور کہاں سمجھ آتا ہے؟ کہ یہ آج کے اندر جنت و جہنم کے وجود کے منکر ہیں، بلکہ اس خیال کے بزرگوں اور علماء سے آج میں بھی جنت و جہنم کا وجود منقول و ثابت ہے۔

جیسا کہ بہت ساری آیات و احادیث صحیحہ اس عقیدے پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور جب حضرت آدم جنت میں رہائش پذیر ہوگئے، ساتھ میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت حواء بھی تھیں۔ تو پھر ابلیس لعین نے دونوں کو پھسلانا چاہا، قرآن میں ہے۔ پھر شیطان نے دونوں کو اس (جنت) سے پھسلایا (اور) پھر وہ دونوں جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے شیطان نے ان کو نکلوا دیا۔[3] یعنی نعمت و رحمت، تر و تازگی و خوشی و سرور سے نکلوا کر محنت و مشقت، تکالیف و آلائش میں ڈلوا دیا۔ اس طرح کہ شیطان ملعون نے دونوں کے دلوں میں وسوسے مزین کرنا شروع کر دیئے جیسے قرآن نے فرمایا: پھر ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈالا تا کہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے، اور کہنے لگا تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہو۔[4] یعنی تمہارے رب نے تم کو اس درخت کے کھانے سے صرف اسلئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ، کیونکہ اگر تم اس درخت سے کھاؤ گے تو اسی طرح ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو خوب یقین دلانے کے لئے قسم اٹھالی قرآن میں ہے۔ اور شیطان نے دونوں کے سامنے قسم اٹھالی کہ بے شک میں تم دونوں کیلئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔[5]

(۱) طٰہٰ آیت ۱۱۹، ۱۱۸ (۲) سورۂ بقرہ، آیت ۳۶ (۳) سورہ بقرہ، آیت ۳۶ (۴) اعراف، آیت ۲۰۔ (۵) اعراف، آیت ۲۱

اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا۔ تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اور کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں؟ (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (پھل دے) اور (ایسی) بادشاہت، کہ کبھی زائل نہ ہو۔[1] یعنی میں تم کو ایسا درخت بتاتا ہوں کہ اگر اس سے کھالیا جائے تو یہ تمہاری نعمتیں فرحتیں آسائشیں ہمیشہ کے لئے ہو سکتی ہیں اور آپکو ایسی بادشاہت مل سکتی ہے جو کبھی فنا نہ ہوگی اور نہ اس میں کبھی کمی آئے گی۔ اور یہ بات محض دھوکہ اور فریب اور جھوٹ کا پلندہ تھا حقیقت کے ساتھ اسکا کوئی واسطہ نہ تھا۔

اور اسکا مطلب تھا کہ جب اس سے آپ کچھ کھالیں گے تو آپ کو دائمی زندگی مل جائے گی۔

اور شاید ایسا ہو بھی سکتا ہو جیسے کہ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ بے شک جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے پھر بھی اس سائے کو طے نہ کر سکے۔ (وہ) دائمی (زندگی کا) درخت ہے۔ اسی طرح یہ بات غندر اور حجاج سے بھی مروی ہے اور انہوں نے شعبہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد طیالسی نے بھی اپنی مسند میں شعبہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ غندر نے حضرت شعبہ سے پوچھا کہ وہ واقعی ہمیشگی (زندگی) کا درخت ہے؟ تو شعبہ نے فرمایا دونوں جگہ حدیث میں یہ (ہمیشگی کے درخت کی) بات نہیں ہے، امام احمد کا اس میں منفرد قول ہے۔

اور جب شیطان لعین نے قسم کھائی تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کے نام کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ اللہ کی قسم اٹھا رہا ہے اور مسلمان عام طور پر اس موقع پر جہاں اللہ کا نام ہو وہاں یقین کر لیتے ہیں۔ تو حضرت آدم علیہ السلام بھی شیطانی دھوکے میں آگئے قرآن میں ہے۔ پھر (مردود نے) دھوکا دیکر ان کو (گناہ کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں۔ اور بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے[2] اور اسی طرح دوسری جگہ فرمایا تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر جنت کے پتے چپکانے لگے۔[3]

اور حضرت حواء علیہا السلام نے اس پھل کے کھانے میں پہل کی تھی۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھانے پر اکسایا۔ واللہ اعلم

اور اسی پر محمول ہے اور اسی بات کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جو بخاری میں حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر بنی سرائیل نہ ہوتے تو کبھی گوشت نہ سڑتا اور حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی خیانت نہ کرتی معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس ممنوع پھل کھانے پر حضرت حواء نے اکسایا تھا۔

اور یہ حدیث مختلف طریق سے کئی حدیثوں میں منقول ہے۔

اور آسمانی کتاب تورات جو آج کل اسرائیلیوں کے ہاتھ میں ہے اس میں ذکر ہے کہ حضرت حواء کو اس پھل کے کھانے پر سانپ نے اکسایا تھا، اور وہ سانپ اچھی اور عمدہ نسل والا تھا[4] تو حواء نے اس کی بات مانتے ہوئے وہ پھل کھالیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا اور تورات میں ابلیس کا (اس موقعے پر) ذکر نہیں ہے۔ تو پھر دونوں کی آنکھیں کھلیں اور پتہ چلا کہ دونوں ننگے ہیں، پھر زیتون کے پتے اپنے بدنوں پر چپکانے لگے اور معتوب ہو گئے۔ تورات میں دونوں کے ننگے ہونے کا ذکر ہے۔ ' در وھب بن منبہ کا قول بھی اس طرح ہے کہ دونوں کا لباس محض شروع سے ایک روشنی سی تھی جو دونوں کی شرم گاہوں کو چھپائے ہوئی تھی۔

لیکن خیال رکھنا چاہئے کہ یہ موجودہ تورات جو اہل کتاب کے پاس ہے یہ تحریف شدہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ سمجھنا کہ تورات میں ہے کہ شروع سے حضرت آدم علیہ السلام ننگے تھے صحیح نہیں یہ تقریباً تحریف شدہ بات ہے کیونکہ قرآن مقدس میں ہے، شیطان نے دونوں سے ان کے لباس اتروا دیئے، تاکہ ان پر ان کی شرم گاہوں کو کھول دے، اور آسمانی کتابوں کی خبروں میں تضاد نہیں ہو سکتا۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو لمبے قد والا اور گھنے بالوں والا

---

(۱) سورہ طٰہٰ، آیت ۱۲۰ (۲) اعراف، آیت ۲۲ (۳) سورہ طٰہٰ، آیت ۱۲۱

(۴) امام قرطبی حضرت وھب کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابلیس جنت میں یوں داخل ہوا کہ وہ سانپ کے منہ میں گھس گیا، اور اسوقت سانپ چوپایہ ہوتا تھا اونٹ کی طرح اور بہت عمدہ شکل ہوتی تھی۔ اور منقول ہے کہ یہ سانپ جنت میں حضرت آدم کا خادم تھا، لیکن اس نے شیطان کو حضرت آدم پر قدرت دلوا کر حضرت آدم سے خیانت کی ج اص ۲۶۷

پیدا فرمایا تھا گویا کہ وہ کھجور کا گھنا درخت ہے، پھر جب آدم علیہ السلام نے اس درخت سے چکھ لیا تو انکا لباس اتر گیا پھر سب سے پہلے ان کی شرم گاہ ظاہر ہوئی، جب ان کی نظر اپنی شرم گاہ پر پڑی تو جنت میں بھاگنے لگے راستے میں ایک درخت میں بال پھنس گئے پھر آدم علیہ السلام نے اپنے کو چھڑانا چاہا تو تب رحمٰن عزوجل نے ندا دی اے آدم علیہ السلام: مجھ سے بھاگتے ہو؟ تو آدم علیہ السلام نے جب رحمٰن کا کلام سنا تو عرض کیا: اے پروردگار: نہیں بلکہ شرم کی وجہ سے (بھاگ رہا ہوں) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو فرمایا کہ وہ جنت کے پتے اپنے پر چپکانے لگے، اس سے مراد زیتون کے درخت کے پتے ہیں۔

اور اس قول کی اسناد بھی صحیح ہے اور یہ بات اہل کتاب سے بھی منقول ہے جیسے کہ گذرا اگرچہ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ وہ درخت عام ہے، لیکن مذکورہ بات کو قبول کرنے سے کوئی منع ورکاوٹ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک تمہارے باپ آدم علیہ السلام کھجور کے درخت کی طرح قد آور تھے، ساٹھ ہاتھ انکا قد تھا، بہت زیادہ اور لمبے لمبے بال تھے، (لباس سے) ستر چھپا ہوا تھا، پھر جب جنت میں ان سے لغزش صادر ہوگئی تو، ان کی شرم گاہ ان پر کھل گئی پھر جنت سے نکلے تو (راستے میں) ایک درخت نے بالوں سے ان کو الجھالیا، پھر ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی اے آدم علیہ السلام: مجھے سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں بلکہ آپ سے شرم وحیا کی وجہ سے اس چیز پر، جس کا مجھ سے ارتکاب ہوا، آپ کی قسم اے پروردگار (یہی بات ہے)۔

مذکورہ روایت ابن عساکر نے محمد بن اسحاق کے طریق سے نقل کی ہے۔ اور اس میں آگے جا کر حسن بصری ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی ملاقات نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے ابن عساکر نے یہ حدیث سعید ابن ابی عروبہ کے طریق سے نقل کی جس میں عتی بن ضمرۃ ابی بن کعب سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لھذا یہ سند وروایت زیادہ صحیح ہے۔

اور ان کے علاوہ خیثمہ بن سلیمان کے طریق سے بھی اس کو نقل کیا جس میں راوی صحابی حضرت انس مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

پھر پروردگار قرآن میں فرماتے ہیں۔ اور ان کو ان کے پروردگار نے آواز دی، کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے منع نہ کیا تھا؟ اور میں نے کہہ نہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ تو پھر دونوں نے عرض کیا اے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہم کو معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحمت نہ کریں گے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۱)

یہ اپنی غلطی کا اعتراف اور اس سے ندامت ورجوع اور بارگاہ خداوندی میں عاجزی، وانکساری اور اپنی فقیری واحتیاجی کا بیان ہے۔ اور آپکی اولاد میں سے بھی جو اس راز ونیاز کے ساتھ خدا کی بارگاہ، میں گڑگڑائے گا وہ بھی دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوگا۔

پھر پروردگار آدم علیہ السلام وحواء کو فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ اتر جاؤ تمہارے بعض، بعض کے دشمن ہونگے، اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک مقرر وقت تک ٹھہرنا ہے۔ (۲)

تو یہ آدم علیہ السلام وحواء کو حکم تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ساتھ میں سانپ بھی اس حکم میں داخل تھا اور ان کو حکم ہوا کہ وہ جنت سے نکلیں اسطرح کہ ان کے آپس میں فساد ودشمنی جاری رہے گی۔

اور سانپ کے بارے میں مذکورہ بات پر اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے سانپ کے مارنے کا حکم فرمایا۔ تو یہ اسی وجہ سے ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

جب سے ہم نے ان (سانپوں) کے ساتھ جنگ مول لی ہے تب سے ہم ان سے صلح نہیں کرتے۔ (۳)

اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ تثنیہ کے صیغے اھبطا سے مراد جمع ہی ہے جیسے قرآن میں دوسری جگہ آیا،

وداؤد وسلیمن اذیحکمن فی الحرث اذنفشت فیہ غنم القوم و کنا لحکمھم شاھدین (۴)

تو یہاں **لحکمھم** میں جمع کی ضمیر مذکور ہوئی جبکہ مراد دو ہیں۔

اور سورۂ بقرہ کی آیت ۳۶ میں تو فرمایا! تم اتر جاؤ تمہارے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے پھر آیت ۳۶ تا ۳۹ میں فرمایا! اور ہم نے کہا، اس جنت

(۱) اعراف، آیت ۲۲-۲۳ (۲) اعراف ۲۴ (۳) امام احمد نے اپنی مسند میں اسکو تخریج فرمایا ج اص ۲۳۰ (۴) الانبیاء آیت ۷۸

سے تم سب اتر جاؤ، پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو، جس نے میری ہدایت کی اتباع کی، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تو بعض مفسرین نے فرمایا! پہلے، اترنے کے حکم سے مراد ہے! جنت سے آسمان دنیا پر اترنے کا حکم اور دوسرے اترنے کے حکم سے مراد ہے! آسمان دنیا سے زمین پر لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ پہلے ہی حکم میں یہ فرمان ہے، اور تم اترو، تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے ہی حکم میں زمین کی طرف کا حکم ہے، واللہ اعلم۔

لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ صرف لفظوں میں اس کو مکرر ذکر کیا گیا ہے ورنہ معنا ایک ہی مرتبہ کا حکم مراد ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ہر دفعہ میں حکم سے نیا فائدہ مقصود ہو، کیونکہ پہلے حکم میں باہمی دشمنی کا ذکر فرمایا، اور دوسرے حکم میں فرمایا کہ جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ صاحب جنت ہوگا اور نیک بخت ہوگا، ورنہ وہ صاحب جہنم ہوگا اور بد بخت ہوگا۔

اور اس طریقے کو قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور حافظ ابن عساکر، مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے دو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم اور حوا کو میرے پڑوس سے نکالو! تو جبرئیل نے سر سے تاج اتارا اور میکائیل نے پیشانی سے (عزت کا) ٹیکا اتارا، پھر یہ کسی درخت کی ٹہنی میں پھنس گئے، تو انھوں نے خیال کیا بس اب تو جلدی سے عذاب میں پکڑے گئے ہیں، اور پھر اپنا سر جھکا لیا، اور پکارنا شروع ہو گئے معافی، معافی، تو اللہ عزوجل نے فرمایا (اے آدم) کیا مجھ سے بھاگ کر جانا چاہتے ہو؟ عرض کیا بلکہ اے میرے آقا آپ سے حیا کی وجہ سے۔

اور امام اوزاعی [1] حسان یعنی ابن عطیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم جنت میں سو سال ٹھہرے، اور ایک روایت میں ہے، ساٹھ سال ٹھہرے، اور جنت سے نکلنے پر ستر سال روتے رہے، اور اپنے گناہ پر بھی پھر ستر سال تک روتے رہے پھر اپنے بیٹے ہابیل کے قتل پر بھی چالیس سال تک آہ وزاری کرتے رہے، ابن عساکر نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

[2] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا! حضرت آدم کو دحنا زمین پر اتارا گیا جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔

اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا! حضرت آدم ھند میں اترے، اور حضرت حوا جدہ میں اور ابلیس، بصرہ سے چند میلوں کے فاصلے پر دستیمان مقام میں اترا، اور سانپ اصبہان میں، ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے

اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! کہ حضرت آدم جنت سے ہند اترے تو ان کے پاس حجر اسود بھی تھا، اور جنت کے درختوں کے پتوں کی ایک مٹھی بھی تھی، پھر حضرت آدم نے ان پتوں کو ہند میں پھیلا دیا اور یہ خوشبودار درخت انہی کی پیداوار ہیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم صفاء پہاڑی پر اترے، اور حضرت حوا مروہ پہاڑی پر اتریں، ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے۔

[3] اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم کو جنت سے زمین پر اتارا گیا، تو ان کو ہر چیز کی صنعت وکاریگری سکھادی گئی، اور جنت کے پھلوں کو بطور توشے کے ساتھ کر دیا، تو یہ تمہارے موجود پھل درحقیقت ان کی اصل جنت کے پھلوں سے ہے، ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ یہ سڑتے ہیں اور وہ ہمیشہ صحیح رہیں گے۔

[4] اور امام حاکم اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا! حضرت آدم جنت میں صرف عصر اور مغرب کے درمیانی وقت تک رہے ہیں اور حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے لیکن انھوں نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

---

(۱) اوزاعی وہ عبدالرحمٰن بن عمرو ابو عمرو الاوزاعی ہیں، ۱۵۷ھ میں وفات پائی (طبقات الحفاظ ص ۷۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۸، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸)

(۲) وقال ابن ابی حاتم! حدثنا ابو زرعہ، حدثنا عثمان بن ابی شیبہ، حدثنا جریر، عن سعید، عن ابن عباس۔

(۳) قال عبدالرزاق، قال معمر، اخبرنی عوف، عن قسامه بن زهیر، عن ابی موسیٰ اشعری.

(۴) قال الحاکم فی مستدرکه: انبانا ابوبکر بن بالویه، عن محمدبن احمد بن النضر، عن معاویه بن عمرو، عن زائده، عن عمار بن ابی معاویه البجلی عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس.

اور صحیح مسلم میں زہری کی حدیث، اعرج سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ! حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے بہترین دن، جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی، اور اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اور اسی دن جنت سے ان کو نکالا گیا۔[1]

اور صحیح (بخاری) میں ایک دوسری وجہ کے ساتھ یہ الفاظ بھی، نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں اور اسی (جمعے کے) دن میں قیامت قائم ہوگی۔

[2] اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی، اور اسی میں ان کا جنت میں دخول ہوا، اور اسی میں ان کو جنت سے نکالا گیا، اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔

[3] اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! کہ حضرت آدم وحواء کو ننگا اتارا گیا تھا، ان پر جنت (کے درختوں) کے پتے تھے، پھر حضرت آدم کو تپش لاحق ہوئی، تو بیٹھ کر رونا شروع ہو گئے اور فرمایا! اے حواء مجھے گرمی نے تکلیف میں ڈال دیا ہے تو پھر حضرت جبرئیل روئی لے کر نازل ہوئے اور پھر حضرت جبرئیل نے حواء کو فرمایا کہ اس کو کات کر سوت بنالو، پھر ان کو سکھایا اور پھر حضرت آدم کو (کاتے ہوئے سوت سے دھاگا بنانا اور پھر) کپڑا بنانے کا حکم فرمایا، اور یہ صنعت سکھائی، اور فرمایا کہ حضرت آدم جنت میں اپنی بیوی (حضرت حواء) سے ہم بستری نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ جب اپنی لغزش کی بنا پر جنت سے اتارے گئے اور زمین پر پھر دونوں جدا جدا سوتے تھے ایک وادی بطحاء میں تھا، دوسرا کسی اور کونے میں حتیٰ کہ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے اور حکم فرمایا کہ اپنی بیوی کے پاس آئیں، اور فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے پھر ان کو مباشرت سکھلائی، پھر بعد میں حضرت جبرئیل حضرت آدم کے پاس آئے، اور ان سے پوچھا کہ حواء کو کیسا پایا؟ تو حضرت آدم نے فرمایا، بہت اچھا۔

لیکن یہ مذکورہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا (نبی علیہ السلام تک واسطوں کا پہنچنا) بھی بہت ہی منکر ہے، اور بعض سلف کے کلام میں ہے کہ (اس حدیث کے راویوں میں سے) سعید بن میسرہ وہ ابوعمران بکری، بصری ہے، جس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ من گھڑت حدیثیں روایت کرنے والا ہے، اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معاملہ تاریک ہے۔[4]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے، پھر اللہ آدم علیہ السلام پر متوجہ ہوا (یعنی آدم کی توبہ قبول فرمائی) بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔[5] اور حضرت آدم نے جو کلمات سیکھے، وہ کون سے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ وہ یہ کلمات ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [6]

اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہمیں معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ہم ضرور خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔

یہ مروی ہے مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابوالعالیہ اور ربیع بن انس اور حسن اور قتادہ اور محمد بن کعب اور خالد بن معدان اور عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ان تمام حضرات سے۔[7]

---

(۱) کتاب الجمعة باب فضل یوم الجمعة

(۲) وقال احمد! حدثنا محمد بن مصعب، حدثنا الاوزاعی، عن ابی عمار، عن عبدالله بن فروخ، عن ابی هريرة

(۳) فاما الحديث الذی رواه ابن عساكر من طريق ابی القاسم البغوی حدثنا محمد بن جعفر الوركانی، حدثنا سعيد بن ميسرة عن انس، قال......

(۴) اور علامہ سیوطی نے الدر میں ج ا ص ۱۳۸ پر اس کو تخریج فرمایا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

(۵) سورۂ بقرہ آیت ۳۷۔ (۶) اعراف ۲۳۔ (۷) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۹۳

(۱) اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا، اے میرے پروردگار! اگر میں توبہ کرلوں اور رجوع کرلوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا میں جنت میں واپس لوٹا دیا جاؤں گا؟ تو رب نے فرمایا جی ہاں۔

تو یہ ہے وہ بات کہ حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے۔

لیکن یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے

اور ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں

اللھم لاالہ الااللہ انت سبحانک وبحمدک، رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انک خیر الراحمین، اللھم لاالہ الا انت سبحانک وبحمدک، رب انی ظلمت نفسی فتب علی انک انت التواب الرحیم (۲)

"اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں اے پروردگار بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس میری مغفرت فرمادے، بے شک آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری توبہ قبول فرما بے شک آپ بہت توبہ قبول کرنے والے رحیم ہیں۔"

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ وہ کلمات جو آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سیکھے، وہ یہ ہیں! حضرت آدم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا! اے میرے پروردگار! کیا آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا نہیں فرمایا؟ کہا گیا! کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا! اور کیا آپ نے مجھ میں اپنی روح مبارک نہیں پھونکی؟ جواب دیا گیا، کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا: اور میں چھینکا تو آپ نے کہا کہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، اور بے شک آپ کی رحمت کیا آپ کے غضب پر سبقت نہیں لے جاتی؟ جواب ملا کیوں نہیں؟ بالکل، پھر عرض کیا! اور کیا آپ نے میری تقدیر میں لکھ نہیں دیا تھا کہ میں ایسا ایسا کروں گا؟ جواب ملا، کیوں نہیں؟ بالکل، تو پھر عرض کیا تو بس اگر میں توبہ تائب ہو جاؤں، تو کیا آپ مجھے جنت میں واپس لوٹا دیں گے؟ جواب ملا: جی ہاں۔

پھر امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو تخریج نہیں فرمایا۔ (۳)

(۴) اور حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت آدم سے لغزش صادر ہو گئی، تو انھوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار میں آپ سے محمد کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت فرمادیں، اللہ رب العزت نے فرمایا تو نے محمد کو کیسے جان لیا؟ جبکہ اس کو اب تک میں نے پیدا نہیں فرمایا۔

حضرت آدم نے عرض کیا! اے پروردگار...... میں نے اس طرح جان لیا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، اور آپ نے مجھ میں جان ڈالی، تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش پر لکھا دیکھا تھا۔ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ، تو میں نے جان لیا تھا کہ جس ذات کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہوا ہے، اس سے بڑھ کر آپ کے نزدیک اور کوئی محبوب نہیں ہو سکتا۔

تو اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا وہ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلے سے مجھ سے مانگ لیا تو پس میں نے تیری بخشش کردی، اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (۵)

اور یہ واقعہ اس آیت کے مضمون پر دلالت کرتا ہے اور آدم سے اپنے رب کی لغزش صادر ہو گئی، اور وہ بہک گئے، پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر اپنی مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوا اور ان کو سیدھی راہ بتلائی۔ (طٰہٰ ۱۲۱-۱۲۲)

---

(۱) وقال ابن ابی حاتم ا حدثنا علی بن الحسین بن اشکاب، حدثنا علی بن عاصم، عن سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن الحسن عن ابی بن کعبؓ

(۲) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۹۳ (۳) المستدرک ج ۲ ص ۵۴۵ (۴) وروی الحاکم ایضا والبیھقی و ابن عساکر من طریق عبدالرحمن بن زید بن اسلم، عن ابیہ عن جدہ عن عمر بن الخطاب قال (ابن کثیر) (۵) مستدرک حاکم میں اس پر ترجیح نہیں دی گئی ہے اور اس حدیث کو طبرانی نے معجم صغیر میں ج ۲ ص ۸۲-۳ پر نقل فرمایا اور فرمایا: حضرت عمر سے اس اسناد کے ساتھ روایت کی جاتی ہے اور احمد بن سعید نے اس کے ساتھ تفرد اختیار کیا ہے) اور اس کی سند میں جو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وہ ثامنہ سے ضعیف ہیں۔

حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ

(۱)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ، حضرت آدم سے ہمکلام ہوئے: اور فرمایا آپ ہی ہیں وہ؟ جن کی لغزش کی بناء پر انسانوں کو جنت سے نکالا گیا، اور آپ نے ان کو اس نصیب سے محروم کردیا۔

پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو فرمایا آپ وہ (عظیم شخصیت ہیں) جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا (اتنی مرتبت کے باوجود) آپ مجھے ملامت کرتے ہیں، اس بات پر جس کو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری قسمت میں لکھ دیا تھا؟

حضور ﷺ نے فرمایا تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔ (۲)

(۳) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! حضرت آدم وموسیٰ کی باہمی، مناظرانہ گفتگو ہوئی، تو حضرت آدم کو حضرت موسیٰ نے فرمایا، آپ آدم ہیں اور آپ کو آپ کی لغزش نے جنت سے نکالا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا: اور آپ موسیٰ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنی رسالت، اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا پھر آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں؟ جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟

حضور ﷺ نے فرمایا، پس حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے، آپ نے دو مرتبہ یوں فرمایا۔ (۴) اور دوسرے طریق سے یوں بھی روایت مروی ہے۔

(۵) کہ حضرت ابو ہریرہ، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

حضرت آدم وموسیٰ کا مناظرہ ہوا، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا، اے آدم آپ ہی ہیں وہ جن کو اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، اور اس میں اپنی روح مبارک پھونکی، اور آپ نے لوگوں کے ساتھ فریب دہی کی، اور ان کو جنت سے نکلوادیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا، پھر آپ مجھے ملامت کرتے ہیں اس بات پر جس کو میں نے کیا اور اللہ نے وہ میرے لئے زمین آسمان کی پیدائش سے پہلے لکھ دی تھی؟ تو آدم، موسیٰ پر غالب آگئے۔ (۶)

اور امام احمد فرماتے ہیں! کہ حضرت ابو ہریرہ سے سنا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

حضرت آدم وموسیٰ کا مناظرہ ہوا، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہمیں نقصان میں ڈال دیا؟ اور آپ نے ہمیں جنت سے نکلوادیا؟ تو حضرت آدم نے جواب مرحمت فرمایا: اے موسیٰ آپ وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی ہمکلامی کے لئے چنا اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے چنا، اور آپ کے لئے اپنے ہاتھ سے (کتاب تورات) لکھی تو کیا آپ (اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد) مجھے اس بات پر

---

(۱) قال البخاری: حدثنا قتیبه، حدثنا ایوب بن النجار، عن یحییٰ بن ابی کثیر، عن ابی سلمه عن ابی هریرة رحمة الله علیه...... متن.

(۲) وقد رواه مسلم عن عمرو الناقد، والنسائی عن محمد بن عبدالله بن یزید، عن ایوب بن النجار به قال ابو مسعود الدمشقی! ولم یخرجا عنه (ایوب بن النجار) فی الصحیحین سواه.

(۳) وقال الامام احمد! حدثنا ابو کامل، حدثنا ابراهیم، حدثنا ابن شهاب، عن حمید بن عبدالرحمن، عن ابی هریرة......

(۴) قلت وقد روی هذا الحدیث البخاری و مسلم من حدیث الزهری عن حمید بن عبدالرحمن، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ بنحوه.

(۵) وقال الامام احمد، حدثنا معاویة بن عمرو، حدثنا زائده، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال......

(۶) قال وقد رواه الترمذی والنسائی جمیعا عن یحییٰ بن حبیب بن عدی، عن معمر بن سلیمان، عن ابیه عن الاعمش به، قال الترمذی و هو غریب من حدیث، سلیمان التیمی عن الاعمش قال، وقد رواه بعضهم عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی سعید، قلت، هکذا رواه الحافظ ابوبکر البزار فی "مسنده" عن محمد بن مثنی، عن معاذ بن اسد، عن الفضل بن موسیٰ، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی سعید، ورواه البزار ایضاً: حدثنا عمرو بن علی الفلاس، حدثنا ابو معاویه، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی هریره، او ابی سعید عن النبی ﷺ ذکر نحوه.

ملامت کرتے ہیں؟ جو اللہ نے میرے لئے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ ڈالی تھی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ (۱)

(۲) اور بخاری میں ہے کہ حضرت طاووس فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مناظرہ ہوا، تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا، اے آدم آپ ہمارے (جد امجد) والد ہیں، آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا، اور ہمیں جنت سے نکلوا دیا، تو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، اور آپ کو تورات مرحمت فرمائی، تو کیا آپ؟ مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں، جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میری قسمت میں لکھ دی تھی؟ تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے، حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے، حضرت آدم، حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (اس طرح تین بار فرمایا) (۳)

(۴) اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا آدم کی موسیٰ سے ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے فرمایا آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ عز وجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا، اور آپ کو جنت میں ٹھکانا دیا۔ پھر آپ نے وہ کچھ کیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا آپ موسیٰ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنا ہمکلام بنایا، اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا، اور آپ پر تورات نازل فرمائی، تو کیا میں پہلے ہوں؟ یا تقدیر؟ فرمایا نہیں بلکہ تقدیر پہلے ہے، تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔

(۵) اور گذشتہ روایت تو ابو ہریرہ سے عمار کی تھی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ (۶) محمد بن سیرین حضرت ابو ہریرہ سے یوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت آدم سے حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا، آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور اپنی جنت میں آپ کو ٹھکانہ بخشا، اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، پھر آپ نے کیا جو کیا؟ تو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو جواب عنایت فرمایا! آپ وہ ہیں؟ جس سے اللہ نے کلام کیا اور اس پر اپنی کتاب تورات نازل فرمائی؟ فرمایا: جی ہاں۔ تو پھر حضرت آدم نے فرمایا! تو کیا آپ اس میں یہ لغزش، میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھی نہیں پاتے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر حضور نے فرمایا: آدم، موسیٰ پر غالب آ گئے، آدم، موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۷)

(۸) اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: یزید بن ہرمز نے فرمایا کہ میں نے (بھی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کی آپس میں بحث ہوئی، حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا، آپ ہیں وہ جن کو اللہ عز وجل نے اپنے دست (قدرت) سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ اپنی جنت میں آپ کو سکونت عطا فرمائی، پھر آپ نے اپنی

---

(۱) وقال احمد حدثنا سفيان عن عمرو سمع طاووسا، سمع اباهريرة. (۲) وهكذا رواه البخارى عن على بن المدينى، عن سفيان قال، حفظناه من عمرو، عن طاوو س قال. (۳) قال سفيان، حدثنا ابو الزناد، عن الاعرج، عن ابى هريرة، عن النبى ﷺ...... وقد رواه الجماعة الا ابن ماجة من عشر طرق، عن سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار، عن عبدالله بن طاوس، عن ابيه، عن ابى هريره، عن النبى ﷺ نحوه.

(۴) وقال احمد، حدثنا عبدالرحمن، حدثنا حماد، عن عمار، عن ابى هريرة، عن النبى ﷺ قال

(۵) قال احمد، وحدثنا عفان، حدثنا حماد، عن عمار بن ابى عمار، عن ابى هريره، عن النبى ﷺ...... وحميد، عن الحسن، عن رجل قال حماد اظنه جندب بن عبدالله البجلى عن النبى ﷺ قال لقى آدم موسى فذكر معناه. تفرد به أحمد من هذا الوجه

(۶) وقال احمد، حدثنا الحسين، حدثنا جرير، هو ابن حازم، عن محمد، هو ابن سيرين، عن ابى هريرةؓ.

(۷) وكذا رواه حماد بن زيد عن ايوب، وهشام بن سيرين، عن ابى هريرة رفعه، وكذا رواه على بن عاصم، عن خالد، وهشام، عن محمد بن سيرين و هذا على شرطهما من هذه الوجوه.

(۸) وقال ابن ابى حاتم! حدثنا يونس بن عبدالاعلى، انبانا ابن وهب، اخبرنى، انس بن عياض، عن الحارث بن ابى ذباب، عن يزيد بن هرمز سمعت اباهريرةؓ يقول قال رسول الله ﷺ

لغزش کی بناء پر، انسانوں کو زمین پر اتار دیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا، آپ موسیٰ ہیں، آپ کو اللہ عزوجل نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کے لئے منتخب فرمایا، اور آپ کو الواح (تختیاں) عطا فرمائیں، جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے، اور آپ کو سرگوشی اور راز و نیاز کے لئے اپنے قریب کیا، تو کیا آپ کو علم ہے؟ کہ اللہ نے وہ تورات (میری پیدائش سے) کتنا عرصہ پہلے لکھی تھی؟ فرمایا، جی ہاں، چالیس سال تو حضرت آدم نے فرمایا، تو کیا آپ نے اس میں یہ لکھا (نہیں) پایا؟ اور آدم نے اپنے پروردگار کا حکم پورا نہ کیا، اور وہ بہک گیا، حضرت موسیٰ نے جواب دیا، جی ہاں پایا ہے تو حضرت آدم نے فرمایا، تو کیا اب آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے سے میرے ذمے لکھ دی تھی؟ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، آدم، موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۱)

(۲) اور امام احمد فرماتے ہیں، کہ حضرت ابی سلمہ کی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، حضرت آدم و موسیٰ کی بحث ہوئی، تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا، اے آدم آپ ہیں وہ جس نے اپنی ذریت و اولاد کو جہنم میں داخل کرا دیا؟ تو حضرت آدم نے فرمایا، اے موسیٰ آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور ہمکلامی کے لئے چنا، اور تورات آپ پر نازل فرمائی، تو کیا آپ نے (اس میں) پایا کہ میں اتارا جاؤں گا؟ فرمایا جی ہاں۔ تو حضور نے فرمایا پس آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۳)

اور حضرت موسیٰ کی یہ بات کہ آپ نے اپنی اولاد کو جہنم میں داخل کروا دیا، اس میں اجنبیت ہے (بظاہر یہ منقول نہیں)

(۴) یہ مذکورہ تمام روایات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تھیں، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی کچھ یوں مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی، اے میرے پروردگار ہمیں آدم دکھلائیے، جنہوں نے ہم کو اور اپنے آپ کو بھی جنت سے نکالا۔ تو اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام ان کو دکھلا دیئے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: آپ آدم ہیں؟ فرمایا: جی ہاں۔ پھر حضرت موسیٰ نے پوچھا: آپ ہی ہیں وہ جن میں اللہ نے اپنی روح پھونکی، اور آپکو فرشتوں سے سجدہ کروایا، اور آپکو تمام نام سکھائے؟ فرمایا: جی ہاں۔ تو پھر حضرت موسیٰ نے ملامت کی کہ پھر آپکو کس چیز نے اس بات پر اکسایا کہ آپ نے ہم کو بھی، خود کو بھی جنت سے نکلوا دیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: آپ کون ہیں؟ کہا:۔ میں موسیٰ ہوں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر، موسیٰ ہیں؟ آپ ہی سے اللہ نے پردے کے پیچھے سے راز و نیاز کی؟ اور آپ کے اور اپنے درمیان کوئی قاصد نہیں مقرر کیا؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا: جی ہاں (ایسا ہی ہے) تو پھر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو کیا آپ مجھے اس بات پر مورد الزام ٹھراتے ہیں، جو اللہ عزوجل کی طرف سے، مجھ پر پہلے سے لکھی جا چکی تھی؟

پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام موسیٰ پر غالب آ گئے، آدم، موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۵)

(۶) اور ایک دوسرے طریقے سے یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

(۱) قال الحارث، وحدثني عبدالرحمن، بن هرمز بذلك، عن ابي هريرة، عن النبي ﷺ و قدرواه مسلم عن اسحاق بن موسىٰ الانصاري، عن انس بن عياض، عن الحارث بن عبدالرحمٰن بن ابي ذباب عن يزيد بن هرمز و الأعرج عن أبي هريرة عن النبي ﷺ بنحوه.

(۲) وقال احمد: حدثنا عبدالرزاق، انبانا معمر، عن الزهري، عن ابي سلمة، عن ابي هريرة قال.....

(۳) وهذا على شرطهما ولم يخرجاه من هذا الوجه وفي قوله ادخلت ذريتك النارنكارة، فهذه طرق هذالحديث عن ابي هريرة، رواه عنه حميد بن عبدالرحمن، وذكوان ابو صالح السمان، وطاووس بن كيسان، و عبدالرحمٰن بن هرمز الاعرج وعمار بن ابي عمار، و محمد بن سيرين، وهمام بن منبه، ويزيد بن هرمز، وابو سلمة بن عبدالرحمن

(۴) وقدرواه الحافظ ابويعلى الموصلي في "مسنده" من حديث امير المومنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال حدثنا الحارث بن مسكين المصري، حدثنا عبدالله بن وهب، اخبرني هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن ابيه، عن عمر بن الخطاب، عن النبي ﷺ

(۵) ورواه ابو داود، عن احمد بن صالح المصري، عن ابن وهب به،

(۶) قال ابو يعلى: وحدثنا محمد بن المثنى حدثنا عبدالملك بن الصباح المسمعي حدثنا عمران، عن الرديني عن ابي مجلز عن يحيىٰ بن يعمر عن ابن عمر عن عمر قال ابو محمد، اكبر ظني انه رفعه. قال الثقفي ...

نے فرمایا (غالب گمان یہی ہے، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سن کر فرمایا ہوگا کہ) حضرت آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا:

آپ انسانیت کے باپ ہیں، آپ کو اللہ نے جنت میں رہائش دی، اور اپنے فرشتوں کو آپ کے لئے سجدہ ریز کیا۔

تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

کیا آپ میرے بارے میں (وہ لغزش) لکھی نہیں پاتے؟

تو بس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

اور اس اسناد میں کوئی حرج (اور کمی) نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[1](الغرض یہ حدیث کئی سندوں سے، کتب حدیث میں مذکور ہے۔ جس کی بناء پر اس کے مضمون کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ لیکن توجہ کیجئے کہ قدیم زمانے میں دو گمراہ فرقے قدریہ، اور جبریہ مشہور تھے، قدریہ کا تو کہنا تھا، کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اللہ کے فعل کا اس میں کوئی دخل نہیں، یعنی انسان جو چاہے کرسکتا ہے اللہ چاہے یا نہ چاہے، جبکہ دوسرا فرقہ جبریہ اس کے برعکس یہ کہتا تھا کہ انسان مجبور محض ہے، خود کچھ نہیں کرسکتا۔ بلکہ یہ پتھر کی طرح ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں، کیونکہ صحیح اسلامی عقیدہ جو قرآن واحادیث سے ماخوذ ہے وہ یہ ہے، کہ اللہ سب چیزوں کا خالق ہے۔ خواہ انسان کے اعمال، افعال کیوں نہ ہوں، جیسے کھانا کمانا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن پھر اللہ نے بندے کو ایک گونہ اختیار مرحمت فرمایا ہے کہ چاہے تو کرے، چاہے نہ کرے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انسان کو کس قدر اختیار ہے؟

آپ نے فرمایا: اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ!

سائل نے اٹھالیا۔

پھر آپ نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھاؤ۔

سائل نے عرض کیا: ایسے تو نہیں ہوسکتا۔

تو پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس یہ اس طرح ہے (یعنی نہ پورا مجبور ہے، نہ پورا اختیار ہے)۔

تو خیر، اب عرض یہ کرنا ہے کہ یہ احادیث جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و آدم علیہ السلام کے درمیان مناظرہ ہوا، تو اس حدیث کے ظاہر سے ان فرقوں کے عقائد پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ (مترجم اصغر)

تو اس وجہ سے فرقہ قدریہ نے اس حدیث کی صحت سے ہی انکار کردیا ہے کیونکہ یہ ان کے فاسد عقائد کی تائید نہیں کرتی۔

اور فرقہ جبریہ نے اس سے اپنے غلط عقیدے پر بڑے شدومد کیساتھ دلیل پکڑی ہے۔

اگرچہ ظاہری طور پر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کو تقدیر پر منحصر کیا: اگرچہ ایسا نہیں ہے، اس کا جواب ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں تقدیر پر سہارا اس وجہ سے لیا، کہ وہ توبہ کر چکے تھے اور توبہ کرتے والا ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہوا ہی نہیں۔ (الحدیث)

(لہٰذا گناہ کرتے وقت کسی کو یہ کہنا کہ تقدیر میں لکھا ہے، سراسر غلط ہے اور گناہ ہے، مترجم) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

---

(۱) وقد تقدم رواية الفضل بن موسى لهذا الحديث عن الاعمش، عن ابى صالح عن ابى سعيد، ورواية الامام احمد له عن عفان، عن حماد بن سلمه، عن حميد، عن الحسن عن رجل، . قال حماد: اظنه جندب بن عبدالله البجلى، عن النبى ﷺ لقى آدم موسى،، فذكر معناه

نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا، کیونکہ وہ ان سے بڑے تھے اور پہلے تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ ان کے باپ تھے اس لئے کہہ دیا۔ اور کہا گیا ہے یہ دونوں پیغمبر مختلف شریعتوں کے حامل تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ دونوں عالم برزخ میں تھے اور لوگوں کے وہم وگمان کے خلاف ان سے تمام تکلیف (شرعی) ہٹا دی گئی تھی۔

اور تحقیقی بات یہ ہے، کہ یہ حدیث بہت سے لفظوں کے ساتھ منقول ہے اور کچھ ایسی احادیث معناً بھی ہیں لہٰذا اس حدیث کی صحت کا انکار کرنا سراسر ہٹ دھرمی ہے اور یہ احادیث خواہ صحیحین میں ہوں، یا کسی اور حدیث کی کتاب میں ہوں ان سب کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مورد الزام ٹھہرایا اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے کو اور اولاد کو جنت سے نکلوا دیا۔ جس پر آدم علیہ السلام نے فرمایا، میں نے تم کو جنت سے نہیں نکالا، کیونکہ وہ اخراج میرے پھل کھانے پر صادر نہیں ہوا تھا، بلکہ میرا، اور تمہارا وہاں سے نکلنا، میری پیدائش سے بھی پہلے اللہ عزوجل نے لکھ دیا تھا، مقرر کر دیا تھا، لہٰذا آپ کا مجھے ملامت کرنا، زیادہ سے زیادہ اس پر ہوسکتا ہے کہ مجھے اس پھل کے کھانے سے روکا گیا تھا۔ لیکن میں نے وہ پھل کھا لیا، اور اس پر جنت سے نکالنا یہ میرے فعل کی وجہ سے نہیں ہوا لہٰذا میں نے نہ ہی تم کو، نہ خود کو جنت سے نکلوایا۔ یہ تو محض اللہ کی قدرت وصنعت میں تھا اور اللہ کی اس میں حکمت وراز پوشیدہ ہیں۔ لہٰذا آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ہی جھٹلا دیا ہے، یہ سراسر ہٹ دھرمی اور عناد ہے۔ کیونکہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متواتر منقول ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی روایت، حفظ، وضبط مسلم واعلیٰ ہے۔

اور ان کے علاوہ دوسرے اصحاب رسول سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ جیسے کہ ذکر ہوئی۔

اور ابھی کچھ پہلے جو کچھ چند جواب ذکر کئے گئے، وہ حقیقت میں لفظوں ومعنوں کے اعتبار سے بعید ہیں۔ نیز ان بعض جواب میں فرقہ جبریہ کی تائید ہوتی ہے۔

اور ان جوابات میں چند باتیں قابل غور بھی ہیں۔

ایک تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کسی ایسے معاملے پر ملامت نہیں کر سکتے جس سے ان کے کرنے والے نے توبہ کرلی ہو۔

دوسرا یہ کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک جان کا قتل صادر ہو گیا تھا، جس کا ان کو حکم بھی نہ تھا، لہٰذا انہوں نے اس سے توبہ کی (اے میرے پروردگار: میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے لہٰذا مجھے بخش دیجئے۔ لہٰذا پروردگار نے اس کو بخش دیا۔ [1]

تیسرا یہ کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت پر جواب میں تقدیر کی بات کہی جائے تو ہم یہ دروازہ ہر گناہ کے مرتکب کے لئے نہیں کھول سکتے، کہ وہ کہتا پھرے، کہ تقدیر میں تھا، اور پھر ہم اس سے حدود وقصاص کو اٹھا دیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تقدیر کا نوشتہ گناہ پر دلیل بن سکتا تو، چھوٹے بڑے گناہ پر ہر کوئی دلیل پکڑتا جس سے بہت سے مفاسد کے دروازے کھل جاتے۔

اس وجہ علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں تقدیر کے ساتھ معصیت پر دلیل نہیں پکڑی بلکہ اپنی مصیبت پر دلیل پکڑی ہے (کہ تقدیر میں یہ مصیبت مجھ پر لکھی تھی، جو آن پڑی۔ ورنہ گناہ کے بعد تو خود انہوں نے بارگاہ رب العزت میں ستر سال تک رو رو کر گناہ کی معافی مانگی اور عرض کیا۔

اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے تو یہاں عرض کیا، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا! مترجم)

---

(۱) القصص آیت ۱۶

ان احادیث کا تذکرہ، جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئیں

(۱) امام احمد فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹی سے پیدا فرمایا، جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی، لہذا انکی آدم علیہ السلام بھی زمین کے مطابق ہوئے، گورے، کالے، سرخ، اوران کے درمیان، اور برے اچھے، نرم طبیعت والے، سخت طبیعت والے اوران کے درمیان۔

(۲) یہ روایت تو تھی محمد بن جعفر کے طریق سے، اور ہوذۃ کے طریق سے بھی منقول ہے، ہوذہ عوف سے وہ قسامہ بن زہیر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اشعری کو کہتے ہوئے سنا، کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا فرمایا جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی لہذا آدم کی اولاد بھی، زمین کی طرح ہوئی، گورے، سرخ، کالے، درمیانی، نرم طبیعت والے، سخت طبیعت والے اور درمیانی، اور برے اچھے، درمیانی۔ (۳)

اور ابن مسعود اور دوسرے کچھ اصحاب رسول ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں! اللہ عزوجل نے جبرائیل کو زمین کی طرف بھیجا، تا کہ اس سے کچھ مٹی اٹھالائے، زمین حضرت جبرائیل کو عرض کرنے لگی، میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، اس بات سے کہ آپ مجھ سے کچھ (مٹی اٹھا کر) کم کریں، یا مجھے عیب دار کریں، تو حضرت جبرائیل خالی واپس لوٹ گئے۔ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار: اس نے آپ کے نام سے پناہ مانگ لی تھی۔ لہذا میں نے اس کو پناہ دیدی۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، اور انہوں نے بھی پناہ دیدی، اور بارگاہ خداوندی میں اسطرح عرض کردیا، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ پھر اللہ رب العزت نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا، تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، حضرت عزرائیل نے فرمایا: میں بھی تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، کہ میں خالی ہاتھ لوٹ جاؤں، اور اللہ کے حکم کو پورا نہ کروں، لہذا عزرائیل نے روئے زمین (کی مختلف جگہوں) سے مٹی اٹھالی، اور اس کو ملالیا، اور یہ مٹی سفید، سیاہ، سرخ، رنگ کی تھی۔ لہذا اسوجہ سے بنی آدم بھی مختلف رنگوں کے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر حضرت عزرائیل اسی مٹی کو لیکر چڑھے، اور پھر پانی کے ساتھ اس کو گوندھا، حتی کہ وہ لیس دار چپکتی مٹی بن گئی پھر پروردگار اللہ رب العزت نے فرمایا:

میں مٹی سے، ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، تو جب میں اس کو درست کرلوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا: (۴)

پھر اللہ عزوجل نے اس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، تا کہ ابلیس اس پر اپنی بڑائی نہ کرسکے، پہلے تو ایک جسم انسانی پیدا فرمادیا، اور محض اسی صورت میں بغیر روح کے وہ چالیس سال پڑا رہا۔

اور وہ وقت درحقیقت جمعے کے دن کے بقدر تھا، فرشتے اس کے پاس سے گذرتے جاتے تھے، اور دیکھ کر گھبراتے تھے، اور سب سے زیادہ گھبرانے والا ابلیس تھا، یہ اس کے پاس سے گذرتا تو اس کو مارتا، جس کی وجہ سے اس جسم سے ایسی آواز نکلتی جیسے کھنکھناتی مٹی کی ٹھیکری سے آواز نکلتی

---

(۱) قال الامام احمد: حدثنا یحیی ومحمد بن جعفر، حدثنا عوف، حدثنی قسامة بن زهیر، عن ابی موسی، عن النبی ﷺ

(۲) ورواه ایضا عن هوذه، عن عوف، عن قسامة بن زهیر، سمعت الاشعری

(۳) وکذا رواه ابو داود والترمذی وابن حبان فی "صحیحه" من حدیث عوف بن ابی جمیلة الاعرابی، عن قسامة بن زهیری المازنی البصری، عن ابی موسی عبدالله بن قیس الاشعری عن النبی ﷺ بنحوه وقال الترمذی حسن صحیح وقد ذکر السدی عن ابی مالک وابی صالح، عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود، وعن ناس من اصحاب رسول الله ﷺ قالو.

(۴) سورۂ ص آیت ۷۱ تا ۷۲

ہے۔ جیسے قرآن میں ہے اور اللہ نے انسان کو کھنکھناتی، مٹی جو ٹھیکری کی طرح تھی اس سے پیدا فرمایا۔[1]

پھر ابلیس اس جسم کے منہ سے اندر داخل ہوا اور پیچھے کے مقام سے نکل آیا اور فرشتوں کو کہا تم اس سے نہ ڈرو، بے شک تمہارا رب بے نیاز ہے، اور یہ تو اندر سے خالی ہے، اگر میں اس پر مسلط ہو گیا تو میں ہی اس کو ہلاک کر ڈالوں گا۔

پھر جب وہ وقت آ گیا جس میں اللہ نے اس کے اندر روح پھونکی تھی، تو اللہ رب العزت نے فرشتوں سے فرمایا! جب میں اس میں روح پھونک لوں، تو تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہو جانا۔

پھر اللہ عزوجل نے اس میں روح پھونکی، تو پہلے روح سر میں داخل ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو فرشتوں نے عرض کیا، الحمد للہ کہئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے، الحمد للہ کہا،

پھر اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو کہا، رحمک ربک، تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے۔

پھر جب روح آنکھوں میں پہنچی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا، پھر جب روح پیٹ میں پہنچی، تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً بھوک محسوس ہوئی، اور پھر یہ جنت کے پھلوں کی طرف لپکے، جبکہ ابھی روح پاؤں تک نہ پہنچی تھی، تو اس وقت اللہ نے فرمایا

خلق الانسان من عجل[2] انسان جلدی (کے مارے) سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اللہ کا فرمان ہے پھر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو، [3] اور اس طرح قصہ پورا کیا۔ (تو یہ پورا قصہ مذکورہ سند سے اور اس کے علاوہ بھی دوسری سندوں سے کئی صحابہ سے منقول ہے)۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اس قصے کے کئی اجزاء تو اگرچہ احادیث سے ماخوذ ہیں لیکن اکثر باتیں اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

[4] امام احمد فرماتے ہیں! حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو جب تک اللہ نے چاہا، اس کو یونہی (بلا روح کے) چھوڑے رکھا، تو ابلیس خیالاً اس میں چکر لگا کر آیا، تو جب اس کو اندر سے کھوکھلا پایا، تو سمجھ لیا کہ یہ اپنے پر قابو نہ رکھ سکے گا۔

[5] اور ابن حبان رضی اللہ عنہ بھی اپنی صحیح میں ایک دوسری سند سے حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی، تو روح پہلے سر میں پہنچی (بذریعہ ناک) تو ان کو چھینک آئی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے (فوراً) کہا ''الحمدللّٰہ رب العلمین''

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی جواب میں فرمایا ''یرحمک اللّٰہ''

[6] اور حافظ ابوبکر بزار فرماتے ہیں کہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے! فرمایا! جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو چھینک آئی، جس پر انہوں نے ''الحمدللّٰہ'' کہا، تو جواب میں ان کے پروردگار نے ان کو فرمایا یرحمک ربک یاآدم علیہ السلام ''تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے اے آدم علیہ السلام:۔

اور اس حدیث کی سند میں کوئی کمی (حرج) نہیں ہے۔[7]

[8] اور حافظ ابویعلی فرماتے ہیں! حضرت ابوہریرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

---

(۱) سورۂ رحمٰن آیت ۱۴ (۲) سورۂ الانبیاء آیت ۳۷ (۳) سورۂ حجر آیت ۳۰ تا ۳۱ (۴) فقال الامام احمد: حدثنا عبدالصمد، حدثنا حماد عن ثابت، عن انس، ان النبی ﷺ قال (۵) وقال ابن حبان فی صحیحہ: حدثنا الحسن بن سفیان، حدثنا هدبة بن خالد، حدثنا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن انس بن مالک ان لنبی...... (۶) وقال الحافظ ابو بکر البزار! حدثنا یحی بن محمد بن السکن، حدثنا حبان بن هلال، حدثنا مبارک بن فضالہ، عن عبیداللہ، عن حبیب، عن حفص. ھو ابن عاصم بن عبیداللہ بن عمر بن الخطاب. عن ابی ہریرہ رفعه قال..... (۷) وھذا الاسناد لاباس بہ: ولم یخرجوہ:. (۸) وقال الحافظ ابو یعلی: حدثنا عقبة بن کرم، حدثنا عمرو بن محمد، عن اسماعیل بن رافع، عن المقبری، عن ابی ہریرہ، ان رسول اللہ ﷺ قال.....

اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس کو گارا بنا کر چھوڑے رکھا حتیٰ کہ جب وہ سڑا ہوا گارا بن گیا، تو اللہ نے اس میں شکل وصورت بنائی، پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے والا ہو گیا، پھر ابلیس اس کے پاس سے گذرتا تو کہتا تو بڑے عظیم کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پھر اللہ عزوجل نے اس میں اپنی روح مبارک پھونکی، تو پہلے پہلے اعضاء جن میں روح (جان) پڑی وہ آنکھیں، اور ناک تھی، جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی، پھر اللہ نے ان کو رحمت کے کلمات (الحمد للہ وغیرہ) کہنا سکھلائے، پھر اللہ نے خود فرمایا "یرحمک ربک" تجھ پر تیرا پروردگار رحمت کرے (اے آدم علیہ السلام) پھر فرمایا اے آدم علیہ السلام اس (فرشتوں کی) جماعت کے پاس جا اور ان سے بات چیت کر اور دیکھ، وہ کیا کہتے ہیں۔

تو حضرت آدم علیہ السلام چل کر ان کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمة الله وبرکاته، کہ آپ پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔

یہاں اللہ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام یہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہو گا۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے پروردگار میری اولاد: یہ کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا: اے آدم میرے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو اختیار کر لو: تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں، اور میرے رب کے دونوں ہاتھ، بابرکت ہی ہیں۔

پھر اللہ نے اپنی ہتھیلی پھیلا دی، دیکھا تو انسان (ہی انسان) ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے مونہوں سے روشنی نکل رہی تھی، اور ایک آدمی کے نور نے تو حضرت آدم علیہ السلام کو تعجب میں ڈال دیا تو حضرت آدم نے پوچھا اے پروردگار یہ کون ہے فرمایا تیرا بیٹا داؤد ہے عرض کیا: اے پروردگار: آپ نے اس کی عمر کتنی رکھی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال، تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار میری عمر سے ان کی عمر کو بڑھا دیجئے، یہاں تک کہ وہ سو سال ہو جائے۔ تو اللہ نے ایسا فرما دیا، اور گواہ بھی بنا دیئے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کا آخرت کی طرف کوچ کرنے کا وقت آیا، تو اللہ عزوجل نے ملک الموت کو ان کے پاس بھیجا، تو آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں رہ گئے؟

تو ملک الموت نے عرض کیا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیدیئے تھے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرما دیا، اور ان کی اولاد بھی انکار کرتی رہتی ہے، اور وہ بھول گئے تھے، تو ان کی اولاد بھی بھولتی رہتی ہے۔ [1]

اس مذکورہ حدیث کو ابو بکر بزار، امام ترمذی، اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ساتھ میں امام ترمذی اور نسائی نے کچھ کلام کیا ہے۔ اور ایک دوسرے صحابی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث منقول ہے۔

[2] اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمالیا، تو ان کی کمر پر اپنا دست (قدرت) پھیرا، تو ان کی پشت سے ہر وہ جان نکل پڑی، جسکو بھی اللہ نے قیامت تک ان کی اولاد میں سے پیدا فرمانا تھا، اور ہر انسان کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا تھا، پھر اللہ نے ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے پھر حضرت آدم نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی روشنی ان کو تعجب میں ڈال رہی تھی تو آدم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے پوچھا فرمایا یہ تیری اولاد کی آخری امتوں میں سے ہوگا، اور اس کو داؤد علیہ السلام کہا جائے گا، حضرت آدم علیہ السلام نے پھر پوچھا اے پروردگار: آپ نے اسکی، کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کیا: اے پروردگار اس کو میری عمر سے چالیس سال زیادہ کر دیجئے۔

---

(۱) وقد رواه الحافظ ابو بکر البزار والترمذی والنسائی فی ,, الیوم واللیلة ،، من حدیث صفوان بن عیسی، عن الحارث بن عبدالرحمن بن ابی ذباب، عن سعید المقبری، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ وقال الترمذی حدیث حسن غریب من هذا الوجه. وقال النسائی: حدیث منکر. وقد رواه محمد بن عجلان، عن ابیه عن ابی سعید المقبری، عن عبدالله بن سلام.

(۲) وقال الترمذی: حدثنا عبد بن حمید حدثنا ابو نعیم، حدثنا هشام بن سعد، عن زید بن اسلم، عن ابی صالح، عن ابی هریرة قال، رسول الله ﷺ ... الخ

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا، تو ملک الموت ان کے پاس پہنچ گئے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا میری عمر سے چالیس باقی نہیں رہ گئے؟ عرض کیا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو نہیں دیدیئے تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرمادیا، تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے، اور آدم علیہ السلام بھول گئے تھے، تو ان کی اولاد بھی بھولتی ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تھی، تو ان کی اولاد سے بھی خطائیں ہوتی رہتی ہیں۔ (۱)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اولاد آدم علیہ السلام میں مریضوں اور جنتیوں اور جہنمیوں کا ذکر:..... (۲) ابن ابی حاتم حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں، اور وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ پھر اللہ نے تمام اولاد کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا، اور فرمایا اے آدم علیہ السلام یہ تیری اولاد ہے، اور ان میں (مختلف بیماریوں کے لوگ بھی تھے مثلاً) جذامی، ابرص، اندھے، اور بھی مختلف اقسام کی بیماریوں والے تھے، تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار یہ، میری اولاد کے ساتھ آپ نے کیوں کیا ہے؟ فرمایا تاکہ میری نعمتوں کا شکر کریں۔ پھر آگے داؤد علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔

اور یہ حدیث ابن عباس کی روایت سے بھی آئی ہے۔

(۳) اور امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو جب پیدا فرمالیا، پھر ان کے دائیں شانے پر ہاتھ مارا، جس سے ان کی سفید اولاد جیسے موتی ہوں، وہ نکل آئی اور بائیں شانے پر ہاتھ مارا اس سے ان کی سیاہ اولاد جیسے کوئلے ہوں وہ نکل آئی، پھر پروردگار نے دائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا یہ جنت میں جائیں گے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، پھر بائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا یہ جہنم کی طرف جائیں گے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

(۴) ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت حسن سے منقول ہے فرمایا: اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا جب پیدا فرمالیا، تو ان کی دائیں جانب سے جنتی لوگوں کو نکالا اور بائیں جانب سے جہنمی لوگوں کو نکالا، اور سب کو زمین پر ڈال دیا، جن میں سے اندھے، بہرے، اور مختلف بیماریوں والے تھے۔

تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار آپ نے میری اولاد کو برابر برابر کیوں نہ فرمایا؟ فرمایا: اے آدم علیہ السلام میں نے ارادہ کیا ہے کہ میرا شکر کیا جائے۔ (۵)

(۶) اور اس کو ابو حاتم اور ابن حبان بھی اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور ان میں روح بھی پھونک دی تو ان کو چھینک آئی، انہوں نے الحمد للہ کہا، تو یوں اللہ کی اجازت و تعلیم کے ساتھ سب سے پہلے ان کی زبان سے اللہ کی حمد نکلی، پھر ان کو ان کے پروردگار نے فرمایا: "یرحمک ربک یا آدم" اے آدم علیہ السلام تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے، اب تو ان فرشتوں کے پاس جا اور ان کی مجلس میں شریک ہو، اور سلام کر، تو حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر "السلام علیکم" کہا۔ فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمة الله، پھر آدم علیہ السلام اپنے پروردگار کے

---

(۱) ثم قال الترمذی، حسن صحیح وقدروی من غیر وجه عن ابی هریرہ عن النبی ﷺ . ورواہ الحاکم فی ,, مستدرکه،، من حدیث ابی نعیم الفضل بن دکین، وقال : صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ.

(۲) وروی ابن ابی حاتم من حدیث عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه عن عطاء بن یسار، عن ابی هریرة مرفوعاً فذکرہ وفیه .....

(۳) وقال الامام احمد فی "مسندہ" حدثنا الهیثم بن خارجة، حدثنا ابوربیع عن یونس بن میسرة، عن ابی ادریس، عن ابی الدرداء، عن النبی ﷺ قال.......

(۴) وقال ابن ابی الدنیا: حدثنا خلف بن هشام، حدثنا الحکم بن سنان، عن حوشب، عن الحسن قال

(۵) هکذاروی عبدالرزاق عن معمر، عن قتادہ، عن الحسن بنحوہ.

(۶) وقدرواہ ابوحاتم ابن حبان فی " صحیحه "فقال: حدثنا محمد بن اسحاق بن خزیمه، حدثنا محمد بن بشار، حدثنا صفوان بن عیسی، حدثنا الحارث بن عبدالرحمن بن ابی ذباب، عن سعید المقبری، عن ابی هریرہ قال، قال رسول الله ﷺ

پاس لوٹ گئے، تو اللہ نے فرمایا یہ تیرا اور تیری اولاد کے درمیان سلام ہوگا اور اللہ نے اپنے دست مبارک سمیٹ کر فرمایا۔ دونوں میں سے ایک کو اختیار کرلو! تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں اپنے پروردگار کے دائیں ہاتھ کو اختیار کرتا ہوں، جبکہ میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ بابرکت ہیں۔ پھر اللہ نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے، تو ان میں آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد نظر آئی۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے پروردگار یہ کیا ہے؟ فرمایا: تیری اولاد ہے، اور اس وقت ہر انسان کی عمر اس کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی تھی۔ اور ان میں ایک بہت روشن چمکدار آدمی تھا۔ اور اس کی عمر صرف چالیس سال لکھی ہوئی تھی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیرا فرزند داود ہے۔ تو حضرت آدم نے عرض کیا اے پروردگار اس کی عمر کو بڑھایئے فرمایا یہ لکھا جاچکا ہے تو عرض کیا: پھر میں نے اپنی عمر سے ساٹھ سال ان کو دیئے: فرمایا صحیح ہے۔ تو جنت میں رہ، تو جب تک اللہ نے چاہا حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہے۔ پھر وہاں سے اتار دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام اپنے آپ کو بہت ملامت فرمایا کرتے تھے۔ پھر آخر عمر میں ان کے پاس ملک الموت آئے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تو نے تو بہت جلدی کرلی؟ میری عمر تو ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔ عرض کیا: جی ہاں، لیکن ان میں سے آپ نے ساٹھ سال اپنے بیٹے داود کو دیدیئے تھے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرمایا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی رہتی ہے۔ اور وہ بھول گئے تھے، تو ان کی اولاد بھی بھولتی رہتی ہے۔ تو اس دن سے گواہوں، اور لکھنے کا حکم فرمادیا گیا۔

(۱) امام بخاری نقل کرتے ہیں، کہ حضرت ابو ہریرہ، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر اللہ نے ان کو فرمایا: جا اور اس (فرشتوں کے) گروہ پر سلام کر، پھر وہ جو جواب دیں، اس کو سن، وہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر ان کو **السلام علیکم** فرمایا، انہوں نے بھی جواب دیا "**وعلیکم السلام ورحمة اللّٰه**" تو فرشتوں نے سلام کے جوب میں **ورحمة اللّٰه** کے الفاظ بڑھائے۔ (جو حضرت آدم علیہ السلام سے کم ہوگئے تھے تو) جو بھی حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر جنت میں داخل ہوتا ہے پس وہ اب تک (اس سلام کو) کم کرتا رہتا ہے۔ (جو صحیح نہیں ہے)

اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری کتاب الاستیذان میں روایت کیا ہے۔ (۲)

(۳) اور امام احمد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا، اور چوڑائی سات ہاتھ تھی۔ اس حدیث کو روایت کرنے میں امام احمد منفرد ہیں، مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے، کہ جب قرض کی آیت نازل ہوئی، تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک پہلا شخص، جس نے انکار کیا، وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔

اللہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا، جس سے ان کی تمام اولاد جو قیامت تک آنے والی تھی، سب نکل آئی۔ اور ہر ایک حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے آتا رہا، حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں ایک چمکتا شخص دیکھا، پوچھا: اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا تیرا بیٹا داود ہے۔ پھر پوچھا اے پروردگار اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال: عرض کیا: اے پروردگار اس کی عمر بڑھا دیجئے، فرمایا نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تیری عمر سے اس کو کچھ زیادتی کردی جائے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی، (حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس سال داؤد کو دے دیئے تو) اللہ نے اس پر فرشتوں کو گواہ بنالیا، اور لکھ کر محفوظ فرمادیا، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا، تو فرشتے ان کی روح قبض کرنے ان کے پاس پہنچے، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ چالیس سال تو آپ نے اپنے بیٹے داود کو دیدیئے تھے؟ فرمایا: نہیں میں نے تو نہیں دیئے۔ پھر اللہ نے ان پر اس لکھی ہوئی تحریر کو ظاہر کیا، اور فرشتوں کی گواہی کو پیش کیا......

(۱) وقد قال، البخاری: حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ ...

(۲) عن يحى بن جعفر، ومسلم، عن محمد بن رافع، كلا هما عن عبدالرزاق به

(۳) وقال الامام احمد، حدثنا روح، حدثنا حماد بن سلمة، عن علی بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال..... وقال الامام احمد! حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمه، عن علی بن زيد، عن يوسف بن مهران، عن ابن عباس .....

[1] اور ایک دوسرے طریق سے بھی مسند احمد میں حضرت ابن عباس کی حضور ﷺ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اول شخص جنہوں نے انکار فرمایا وہ آدم علیہ السلام ہیں۔'' آپ نے اس کو تین بار فرمایا'' اور اللہ پاک نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو ان کی کمر کو چھوا، جس سے ان کی تمام اولاد نکل آئی، تو اللہ نے ان کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا۔ ان میں، حضرت آدم علیہ السلام نے ایک روشن چمکتا شخص دیکھا: تو عرض کیا: اے پروردگار اس کی عمر کو بڑھا دیجئے: فرمایا: نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے تو اپنی عمر میں سے کچھ اس کو دیدے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس ان کو دیدیئے، تو اللہ نے اس کو لکھ کر فرشتوں کو گواہ بنالیا۔ پھر اللہ نے جب ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں کہا گیا: وہ تو آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو دیدیئے تھے۔ حضور نے فرمایا: پھر حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کردیا، جس پر اللہ نے لکھی ہوئی تحریر ظاہر کی، اور گواہ قائم کئے، پھر داود کیلئے بھی اللہ نے سو سال پورے کردیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بھی ہزار سال پورے کردیئے۔ احمد رضی اللہ عنہ اور علی بن زید اس حدیث میں منفرد ہیں۔ اور علی بن زید جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں ان کی حدیث میں نکارت ہے۔

اور طبرانی میں حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ جب دین کی آیت نازل ہوئی، تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک پہلا شخص جس نے انکار کیا، وہ آدم علیہ السلام تھے۔ تین مرتبہ فرمایا۔ اور آگے قصہ ذکر کیا۔

عہد بنی آدم:......موطا امام مالک [2] میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

واذا اخذ ربک من بنی آدم علیہ السلام من ظهور هم ذريتهم
واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى

(ترجمہ)......اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے، یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی، تو ان کو [3] ان کی جانوں پر گواہ بنالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا، ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا، تو ان کی کمر کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوا، جس سے ان کی اولاد نکل آئی۔ پروردگار نے فرمایا: یہ جنت کے لئے ہیں، اور یہ اہل جنت کے کام کریں گے۔ پھر دوبارہ ان کی کمر کو چھوا، تو اس سے (دوسری) اولاد نکلی، پھر فرمایا: یہ جہنم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اہل جہنم کا عمل کریں گے۔ (یہاں آکر) ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ، بندے کو جنت کے لئے پیدا فرماتے ہیں، تو اس کو اہل جنت کے کاموں میں لگادیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے اور جب اللہ کسی بندے کو اہل جہنم کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اس کو اہل جہنم کے کاموں میں لگادیتے ہیں حتیٰ کہ وہ اہل جہنم کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے، اور پھر جہنم میں داخل ہوجاتا ہے۔ [4]

---

(۱) وقال احمد: حدثنا اسود بن عامر، حدثنا حماد بن سلمه، عن علی بن زید، عن یوسف بن مهران، عن ابن عباس، قال، قال رسول الله ﷺ......

(۲) وقال الامام مالک بن انس فی "موطنه" عن زید بن ابی انیسه ان عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن الخطاب، اخبره عن مسلم بن یسار الجهنی ان عمر بن الخطاب سئل عن هذه الآیته (۳) سورۃ اعراف آیت ۱۷۲ (۴) وهكذا رواه الامام احمد وابو داود والترمذی والنسائی وابن جریر وابن ابی حاتم، وابو حاتم ابن حبان فی ,, صحیحه، من طرق، عن الامام مالک به. وقال الترمذی هذا حدیث حسن ومسلم بن یسار لم یسمع عمر. وكذاقال ابو حاتم وابوزرعه، زادا بوحاتم: وبینهما نعیم بن ربیعه. وقدرواه ابو داود، عن محمد بن مصفی، عن بقیه......(بقیه بن الولید یدلس فی الحدیث. قالو: اذاروی عن الشامیین فحدیثه صحیح("الضعفاء" لا بن الجوزی حرف الباء) خط)، عن عمر بن جثعم، عن زید بن ابی انیسة، عن عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن الخطاب، عن مسلم بن یسار، عن نعیم بن ربیعه، قال كنت عندعمر بن الخطاب وقدسئل عن هذه الآیة فذكر الحدیث. قال الحافظ الدار قطنی: وقد تابع عمر بن جثعم ابوفروة بن یزید بن سنان الرهاوی، عن زید بن ابی انیسه قال، وقولهما اولی بالصواب من قول مالک رحمه الله .

یہ تمام احادیث اس بات پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو آدم کی پیٹھ سے چھوٹی، چھوٹی چیونٹیوں کی طرح نکالا، اور ان کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا۔ اہل دائیں، اہل بائیں۔

اور فرمایا یہ جنت کے لئے، ہیں، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور یہ جہنم کے لئے ہیں، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

اور سورۂ اعراف کی آیت ''الست بربکم'' کو اس واقعے پر محمول کرنا، اس میں بھی نظر ہے

اور اگر چہ اس بارے میں مسند احمد میں بھی حدیث مروی ہے (۲) کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت آدم کی پشت والی اولاد سے نعمان نامی میدان میں عرفہ کے روز عہد لیا پھر ان کو پشت سے نکالا، اور وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھے۔ پھر اللہ نے ان تمام کو حضرت آدم کے سامنے پھیلا دیا۔ پھر ان کی طرف توجہ فرما کر گفتگو فرمائی: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں کہ (تو ہمارا پروردگار ہے۔ اور یہ اقرار اس لئے کرایا تھا تا کہ یہ نہ) کہو کہ ہم کو تو اس کی کوئی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا، اور ہم تو ان کی اولاد تھے، ان کے بعد (پیدا ہوئے)۔

تو کیا جو کام، اہل باطل کرتے رہے، آپ اس کے بدلے ہمیں ہلاک فرماتے ہیں؟ (۲)

(۳) اور جمہور حضرات کا خیال ہے کہ اللہ عزوجل نے آدم سے توحید پر عہد لیا تھا۔ اور دلیل میں مسند احمد کی روایت پیش کرتے ہیں (۴) کہ انس بن مالک، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی جہنمی سے کہا جائے گا، کہ اگر زمین کی ساری ملکیت کا تو مالک ہو تو کیا تو وہ سب کچھ دے کر اپنے آپ کو جہنم سے چھڑانا چاہے گا؟ (وہ کہے گا ضرور) تو پھر اللہ عزوجل فرمائیں گے: میں نے تو تجھ سے اس سے بھی بہت آسان چیز طلب کی تھی، میں نے تجھ سے آدم علیہ السلام کی پشت میں عہد لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے گا۔ لیکن تو نہ مانا اور میرے ساتھ شرک کر بیٹھا۔ شیخین نے اس کو شعبہ کی حدیث سے تخریج فرمایا ہے۔

(۵) حضرت ابی بن کعب سے، اس آیت (اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم سے، ان کی پشتوں میں ہی سے ان کی اولاد سے، عہد لیا) اور اس کے بعد کے بارے میں مروی ہے، کہ اللہ نے ازل میں، تمام آدم کی اولاد کو جمع فرمایا، جو بھی قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔

پھر ان کو (کس مرحلے میں) پیدا فرمایا، اور ان کی صورت بنائی۔ پھر ان سے بولنا چاہا پس وہ بول پڑے اور ان سے عہد و پیمان لئے، اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنالیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں (۶) پھر پروردگار نے فرمایا، میں تمہارے (اس قول) پر ساتوں آسمانوں کو، ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں، اور تمہارے باپ آدم کو بھی گواہ بناتا ہوں، تا کہ کہیں تم قیامت کے روز نہ کہہ دو کہ ہمیں تو علم ہی نہ تھا۔ تو ابھی سے) جان، لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھہرانا اور میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا، وہ تم کو ڈرائیں گے میرے عہد و پیمان سے۔

اور تم پر میں اپنی کتاب (بھی) نازل کروں گا۔ تو سب نے (یک آواز ہو کر) کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ) ہی ہمارے پروردگار، اور

---

(۱) حدثنا حسین بن محمد، حدثنا جریر بن حازم عن کلثوم بن جبر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس

(۲) سورۃ اعراف آیت ۱۷۲ تا ۱۷۳

(۳) فھو باسناد جید قوی علی شرط مسلم، رواہ النسائی، وابن جریر والحاکم فی "مستدرکہ" من حدیث حسین بن محمد المروزی بہ۔ وقال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ الا انہ اختلف فیہ علی کلثوم بن جبر، فروی عنہ مرفوعاً و موقوفاً وکذاروی عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس موقوفاً۔ وھکذارواہ العوفی والو البی والضحاک وابوحمزہ، عن ابن عباس قولہ وھذا اکثر واثبت واللہ اعلم۔ وھکذا روی عن عبداللہ بن عمر موقوفاً ومرفوعاً والموقوف اصح۔

(۴) قال الامام احمد: حدثنا حجاج، حدثنی شعبہ، عن ابی عمران الجونی، عن انس بن مالک، عن النبی ﷺ، قال ..... الخ

(۵) وقال ابوجعفر الرازی، عن الربیع بن انس، عن ابی العالیہ، عن ابی بن کعب، فی قولہ تعالیٰ "واذ اخذ ربک من آدم من ظھورھم ذریتھم" (الاعراف ۱۷۲ م) (۶) الاعراف ۱۷۲

ہمارے معبود ہیں آپ کے سوا، ہمارا کوئی پروردگار نہیں، اور نہ آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود ہے۔ تو اس طرح انہوں نے اسی دن اطاعت کا اقرار کرلیا۔
پھر اللہ نے سب کے والد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو اوپر اٹھایا، اور آدم نے اپنی تمام اولاد کی طرف دیکھا۔ جس میں غنی بھی تھے، فقیر بھی تھے۔ اچھی صورت والے بھی تھے، اور دوسرے بھی تھے۔ یہ کچھ دیکھ کر حضرت آدم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی: اے پروردگار اگر آپ اپنے بندوں کے درمیان برابری فرمادیتے تو؟ اللہ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کو بھی دیکھا جو (اندھیرے میں) چراغوں کی طرح تھے، ان کو نور نے ڈھانپ رکھا تھا۔ پھر خاص، طور پر انبیاء سے دوبارہ عہد لیا گیا، جو نبوت ورسالت کے متعلق تھا۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت قرآنی کا (ترجمہ) اور جب ہم نے نبیوں سے عہد وپیاں لیا اور آپ سے (بھی اے محمد) اور نوح سے، اور ابراہیم سے، اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے۔ اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ (۱)
(اور پہلا جو عہد لیا گیا تھا کہ میں ہی تنہا تمہارا رب ہوں، اور میں ہی تنہا معبود ہوں۔
تو ہر انسان کی فطرت وخمیر اسی پر رکھی گئی ہے کہ پیدائشی طور پر وہ توحید کا قائل ہو۔) اسی بارے میں اللہ کا قرآن کریم میں فرمان ہے۔ تو تم سب، یکسو ہوکر دین پر سیدھے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اختیار کئے رکھو، خدائی فطرت میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ (۲)
اور فرمایا: یہ اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔ (۳)
اور فرمایا: اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں عہد (کا نباہ) نہیں دیکھا۔ اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا۔ (۴)(۵)

ذلت ابلیس:...... پہلے گذر چکا کہ جب حضرت آدم کے لئے فرشتوں کو سجدے کا حکم کیا گیا، تو تمام نے حکم کی اطاعت کی۔ لیکن ابلیس نے نافرمانی کی۔ کیونکہ اس کو آدم علیہ السلام پر حسد تھا، اور ان سے دشمنی تھی۔ جس کی وجہ سے اللہ نے اس کو دھتکار دیا، اور اپنی رحمت سے ہمیشہ کے لئے دور کردیا۔ اور اپنی بارگاہ الٰہیہ سے اس کو نکال دیا اور ذلیل وخوار شیطان مردود کہا ہوز مین پر پٹخ دیا۔
(۶) اور مسند احمد میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے۔ اور پھر سجدہ کرلیتا ہے، تو شیطان الگ ہوکر رونے پیٹنے لگتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس، ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کرلیا، جس سے وہ جنت کا مستحق ہوگیا۔ اور مجھے سجدے کا حکم ملا، پر میں نے نافرمانی کی پس میرے لیئے جہنم ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا۔ (۷)

آدم علیہ السلام کے جنت میں ٹھہرنے کا وقت:...... جب حضرت آدم جنت میں رہائش پذیر ہوگئے، خواہ وہ جنت زمین میں ہو، یا آسمان میں یا جہاں کہیں ہو اختلاف کے مطابق، تو وہاں جنت میں، یہ دونوں حضرات آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام بڑی عیش وعشرت کے ساتھ، جہاں چاہتے کھاتے پھرتے۔ لیکن جب اس درخت کے پھل کو کھالیا، جس سے ان کو روکا گیا تھا، تو انکا عزت وعظمت والا لباس اتار لیا گیا، اور ان کو زمین پر اتار دیا گیا۔ اور اترنے کا اختلاف، پہلے ذکر ہو چکا ہے۔
اور جنت میں کتنا وقت ٹھہرے، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ دنیاوی دنوں میں سے ایک دن کا بھی کچھ حصہ ٹھہرے۔
اور پہلے مسلم کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ کی مرفوعا روایت گذر چکی ہے کہ (اور آدم جمعے کے دن کی گھڑیوں میں سے ایک گھڑی میں پیدا ہوئے۔ اور ابوہریرہ ہی سے مروی شدہ پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔

(۱) سورہ احزاب آیت ۷ (۲) سورہ روم آیت ۳۰ (۳) نجم آیت ۵۶ (۴) اعراف آیت ۱۰۲
(۵) رواہ الائمۃ، عبداللہ بن احمد، وابن ابی حاتم، وابن جریر وابن مردویہ، فی تفاسیرھم من طریق ابی جعفر . وروی عن مجاھد، وعکرمہ، وسعید بن جبیر، والحسن البصری، وقتادہ، والسدی، وغیر واحد من علماء السلف بسیاقات توافق ھذہ الاحادیث
(۶) وقد قال الامام احمد حدثنا وکیع ویعلی ومحمد ابنا عبید، قالوا: حدثنا الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی ھریرہ قال......
(۷) ورواہ مسلم من حدیث وکیع وابی معاویہ عن الاعمش

تو وہ دن جس میں پیدا ہوئے، اگر اسی میں نکالے گئے اور وہ ایام بھی انہی دنیا کے ایام کے بقدر طویل ہوں۔ تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ وہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ لیکن اس میں نظر (غلطی کا امکان) ہے۔ اور اگر ان کا جنت سے نکلنا اس دن کے علاوہ ہو، جس میں وہ پیدا کئے گئے اور وہ چھ ایام دنیا کے چھ ہزار سال کے بقدر ہوں، جیسے کہ ابن عباس، مجاہد، ضحاک، ابن جریر سے مروی ہے تو پھر حضرت آدم کا جنت میں ٹھہرنا بہت طویل مدت تک ثابت ہوگا، اور علامہ جریر فرماتے ہیں! کہ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعے کے دن کے آخری وقت میں پیدا ہوئے، یعنی جمعے کے دن کی ایک آخری گھڑی میں پیدا ہوئے، اور ایک گھڑی اس دن کی تراسی سال چار مہینے کی ہوتی تھی اور پیدائش سے پہلے محض گارے کی بنی ہوئی شکل پر چالیس سال کا عرصہ گذرا، اور (پیدائش کے بعد) زمین پر اترنے سے پہلے جنت میں تراليس سال اور چار مہینے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب اس اعتبار سے ان کا جنت میں ٹھہرنا بہت طویل عرصہ ہوگا۔

(۱) اور حضرت عطاء بن رباح کا قول ہے: کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کے پاؤں زمین میں تھے اور سر آسمان میں تھا، پھر اللہ نے ان کو کم کیا، حتیٰ کہ صرف ساٹھ ہاتھ رہ گئے۔ اور حضرت ابن عباس سے بھی اس کے مثل مروی ہے۔

لیکن اس بات میں (غلطی کا ہی زیادہ امکان ہے اور) نظر ہے کیونکہ پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ عز وجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انکا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ اور مخلوق مسلسل (قد میں اب تک) کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اس حدیث کی صحت پر بالکل اتفاق بھی ہے۔

تو یہ حدیث وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ شروع میں انکا قد ساٹھ ہاتھ تھا اس سے زیادہ نہ تھا۔ اور مخلوق جب سے مسلسل قد کاٹھ میں گھٹتی جارہی ہے اب تک۔ اور ابن جریر، حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ عز وجل نے فرمایا! اے آدم علیہ السلام ٹھیک میرے عرش کے مقابل (زمین میں) میرا عزت کا گھر ہے، لہذا وہاں جا اور میرے لئے اس میں ایک گھر بنا، اور اسکا طواف کر جیسے میرے فرشتے اس عرش پر اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور پھر اللہ نے ایک فرشتہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا، جس نے آدم علیہ السلام کو وہ جگہ بتلائی، اور (حج کے) طریقے سکھائے، اور یہ بتایا کہ یہاں پر (طواف وغیرہ میں) جو قدم بھی آپ اٹھائیں گے وہ قدم آپ کو اللہ کے قریب کردے گا۔

دنیا میں آدم علیہ السلام کا پہلا کھانا اور لباس: ...... اور حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد جو سب سے پہلا کھانا کھایا وہ یہ تھا، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، اور گندم کے سات دانے ساتھ لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یہ اس درخت (کے پھل) سے ہے جس سے آپ کو روکا گیا تھا۔ لیکن آپ نے تناول کرلیا تھا۔ فرمایا تو اب میں اس کا کیا کروں؟ عرض کیا ان کو زمین میں بو دیجئے حضرت آدم علیہ السلام نے بو دیئے، اور وہ دانے (ان دنیا کے دانوں سے) لاکھ درجہ وزن زیادہ رکھتے تھے، تو وہ دانے اگ آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فصل کی کٹائی کی، پھر دانوں کو (بھوسی) سے جدا جدا کیا، پھر صفائی کی، پھر پیسا، پھر آٹا گوندھا پھر کہیں جا کر روٹی پکائی، اور اسطرح عظیم محنت و مشقت اور تھکن کے بعد کہیں جا کر اس کو کھایا، اور اللہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے، فرمان ہے: پس کہیں وہ (شیطان) تم کو جنت سے نہ نکلوادے، پھر تو محروم ہوجاؤ گے۔ (۲)

اور پہلا لباس بھیڑ کی اون کا تھا، پہلے تو دونوں میاں بیوی نے اس اون کو کاتا پھر اس کو چرنے پر کاتا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے اپنے لئے ایک جبہ بنایا۔ اور حواء کے لئے ایک لمبی قمیص اور اوڑھنی۔ اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا جنت میں ان کے کوئی اولاد ہوئی تھی یا نہیں ایک قول یہ ہے جنت میں ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ زمین پر آکر ہوئی ہے اور ایک قول (ضعیف) یہ ہے کہ قابیل اور اس کی جڑواں بہن جنت میں پیدا ہوئے۔ واللہ اعلم۔

اور علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حوا کو ہر پیٹ یعنی ہر دفعہ کی امید سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اور حکم تھا کہ ہر جوڑے کی دوسرے جوڑے کے ساتھ ایک دوسرے سے شادی کرائی جائے یعنی اس دفعہ جو لڑکا لڑکی پیدا ہوئے بعد میں جو اکھٹے پیدا ہوں گے پہلا لڑکا اس لڑکی کے ساتھ اور یہ لڑکی پہلے لڑکے کے ساتھ شادی کریں گے۔ اور ساتھ پیدا ہونے والی (وہ در حقیقت بہن ہوتی تھی اور اس) سے نکاح حرام تھا۔

---

(۱) وقد روی عبدالرزاق، عن هشام عن حسان، عن سوار خبر عطاء بن ابی رباح (۲) طٰہٰ آیت ۱۱۷

آدم علیہ السلام کے فرزندان، قابیل وہابیل کا قصہ

قرآن کریم میں خداوند ذوالجلال کا فرمان ہے:......اور (اے محمد) ان کو آدم کے دو بیٹوں (قابیل، ہابیل) کے سچے حالات پڑھکر سنا، کہ جب ان دونوں نے (خدا کی بارگاہ میں) کچھ (نیاز) قربانی کی تو ایک کی قربانی تو قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو قابیل ہابیل سے کہنے لگا میں تجھے قتل کردوں گا اس نے کہا اللہ متقیوں ہی سے (قربانی) قبول فرمایا کرتا ہے اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں قتل کرنے کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا میں تو اللہ سے خوف کرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ بھی اٹھائے اور اپنے گناہ بھی، اور تو دوزخیوں میں سے ہو جائے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اس نے اس (ہابیل) کو قتل کرڈالا اور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگیا۔ پھر خدا نے ایک کوا بھیجا، تا کہ اسے دکھائے کہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے (تو قابیل) کہنے لگا ہائے افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا، کہ اس کی طرح ہو جاتا، تا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر وہ پشیمان ہوا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اس قصے کے بارے میں ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورۃ المائدہ کے اندر (مذکورہ آیت کے تحت) کافی کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اور اس پر اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس بارے میں جو کچھ پہلے علماء نے بیان کردیا ہے، اسکا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔ (انشاء اللہ)

[1] ابن عباس اور ابن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر پیٹ کے لڑکے کی دوسرے پیٹ کی لڑکی سے شادی فرمادیا کرتے تھے۔ تو ہابیل نے اس وجہ سے ارادہ کیا کہ وہ قابیل کی بہن سے شادی کرے۔ لیکن قابیل ہابیل سے بڑا تھا اور قابیل کی بہن بھی خوبصورت تھی، تو قابیل نے ارادہ کیا کہ اس کو ہی اپنی بہن سے شادی کرنے پر فوقیت ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے (شریعت کے موافق) قابیل کو حکم دیا کہ اپنی بہن کی شادی ہابیل سے ہونے دو، لیکن اس نے انکار کردیا۔ تو آدم علیہ السلام نے دونوں کو حکم فرمایا دونوں قربانی کریں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام خود مکہ، حج کے لئے جانے لگے اور آسمانوں سے اپنی اولاد کی حفاظت کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ پھر زمین اور پہاڑوں سے حفاظت طلب کی لیکن انھوں نے بھی انکار کردیا تو بڑے بھائی قابیل نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام چلے گئے تو دونوں بھائیوں نے راہ خدا میں قربانی کی۔ ہابیل نے تو ایک عمدہ، فربہ جانور، راہ خدا میں قربان کیا، جو بکری تھی، کیونکہ یہ بکریوں والے تھے۔ اور قابیل زراعت والے تھے لہذا اس نے ردی فصل کا ایک گٹھا قربانی میں دیا۔ تو آگ نازل ہوئی۔

اور اس نے قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا "یعنی قبول نہ ہوئی" اور ہابیل کی قربانی کو جلا گئی تو قابیل غضب ناک ہوگیا۔ اور کہا میں تجھے قتل کردوں گا مگر یہ کہ تو میری بہن سے نکاح کرنے سے باز آجائے۔ تو ہابیل نے کہا: بے شک اللہ پرہیزگاروں (کی قربانی ہی) سے قبول فرمایا کرتے ہیں۔

[2] عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں! خدا کی قسم مقتول (ہابیل) قابیل سے زیادہ طاقت ور تھا لیکن اس کو حیاو شرم مانع رہی کہ اپنے بھائی کی طرف قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

اور ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام دونوں کی قربانی کے (قبول ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں فکر مند تھے۔ اس وجہ سے قابیل نے حضرت آدم علیہ السلام کو کہا! آپ نے ہابیل کے لئے دعا کی تھی تبھی اس کی قربانی قبول ہوئی ہے، اور میرے لئے آپ نے دعا نہیں فرمائی۔ اور پھر قابیل نے ہابیل کو دھمکی وغیرہ دی۔

پھر جب کسی رات ہابیل کو کھیت میں دیر ہوگئی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا کہ کیوں دیر ہوگئی ہے؟ تو قابیل چلا گیا، اور ہابیل کو پالیا، تو قابیل نے ہابیل کو کہا: تیری قربانی قبول ہوگئی میری (کیوں) نہ ہوئی؟ تو ہابیل نے کہا: اللہ عزوجل پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرمایا کرتے ہیں۔ تو یہ سن کر قابیل غصے میں بھڑک اٹھا، اور اس کے پاس لوہا تھا اس سے ہابیل کو مارا، اور قتل کردیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قابیل نے پتھر کی ایک

(۱) ذکر السدی، عن ابی مالک، وابی صالح عن ابن عباس، وعن مرة، عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابة

(۲) وروی عن ابن عباس من وجوه اخر، وعن عبدالله بن عمر. وقال عبدالله بن عمرو

چٹان، ہابیل کے سر پر مار کر اس کو ہلاک کیا۔ جبکہ ہابیل سویا پڑا تھا۔ اور اس طرح قابیل نے بھائی کا سر کچل ڈالا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قابیل نے ہابیل کا گلا گھونٹا تھا اور اسطرح اس کو کاٹا جیسے درندے کرتے ہیں، جس سے وہ مر گیا۔ واللہ اعلم۔

قابیل نے بھائی کو دھمکی دی تو ہابیل نے کہا: (فرمان خداوندی ہے) اگر تو میری طرف قتل کے ارادے سے ہاتھ بڑھائے گا تو میں اپنا ہاتھ تیرے قتل کے لئے نہ بڑھاؤں گا۔ بے شک میں اللہ سے خوف کرتا ہوں۔ [1] تو ہابیل کا یہ قول بہت ہی حسن اخلاق، وسعت ظرفی اور خوف وخشیت خداوندی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی اپنے بھائی سے برائی کا ارادہ نہ کرے، خواہ بھائی کرے۔

اسی وجہ سے بخاری ومسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ثابت ہے۔ فرمایا: جب دو مسلمان اپنی تلوار سونتے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ یہ قاتل تو صحیح ہے لیکن مقتول کیوں؟ فرمایا: یہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر خواہشمند تھا۔

اور آگے بھی اللہ عزوجل ہابیل بھائی کے قول کو ذکر کرتے ہیں: بے شک میں ارادہ کرتا ہوں، کہ تو میرے اور اپنے گناہ اٹھائے (اور اسطرح) تو جہنمی ہو جائے۔ اور یہ ظالمین کا بدلہ ہے [2] یعنی مراد ہے کہ میں تجھے قتل کرنے کا خیال ترک کرتا ہوں، اگرچہ میں تجھ سے قوی اور بہادر ہوں، اس لئے کہ میں نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ (اور اس طرح) تو میرا گناہ بھی اور اپنا گناہ بھی اٹھائے گا۔ میرا گناہ یعنی میرے قتل کا گناہ اور تیرا گناہ یعنی وہ گناہ جو تو پہلے کر چکا ہے سب اٹھائے گا۔ یہ تفسیر مجاہد، سدی، ابن جریر وغیرہ کی ہے۔

اور یہاں یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ مقتول کے گناہ قاتل پر محض اس کے قتل کی وجہ سے لاد دیئے جائیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں کا وہم ہے۔ اس لئے کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے اور وہ حدیث جسکو بعض ناواقف لوگ پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قاتل مقتول پر کوئی گناہ نہیں چھوڑتا۔ تو اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر ہے نہ صحیح سند کے ساتھ نہ حسن کے ساتھ اور نہ ہی ضعیف کے ساتھ۔

ہاں: لیکن قیامت میں بعض لوگوں کے ساتھ ایسا اتفاق پیش آسکتا ہے کہ مقتول، قاتل سے اس ظلم کا بدلہ طلب کرے، لیکن قاتل کی تمام نیکیاں بھی اس ظلم کو پورا نہ کر سکیں تو پھر مقتول کے گناہ اس قاتل کے سر پر لاد دیئے جائیں۔ جیسے کہ صحیح حدیث سے تمام مظالم میں ایسی نوعیت کی تائید ہوتی ہے۔ اور قتل ان میں سب سے بڑا ظلم ہے اور اس کو تفصیل کے ساتھ ہم اپنی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔

مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی ان سب حدیث کی کتابوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا، حضرت عثمان بن عفان کے خلاف دشمنوں کے فتنے میں یہ قول منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

عنقریب ایک فتنہ اٹھے گا، اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑے ہونے والا، چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

تو (حضرت سعد نے) پوچھا اگر میرے گھر میں کوئی داخل ہو کر میری طرف قتل کے لئے دست درازی کرے تو پھر کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا تو ابن آدم (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔ [3]

اور ایک دوسری روایت میں حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر کی طرح ہو جا: اچھا یہ تو مقتول ہابیل کے بارے میں کچھ تعریفی بات تھی، لیکن قابیل، تو اس کے بارے میں [4] مسند احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل نہیں کی جاتی مگر آدم علیہ السلام کے پہلے لڑکے پر بھی اس کے خون کا بوجھ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہ

(۱) مائدہ ۲۸۔ (۲) مائدہ آیت ۲۹

(۳) ورواہ ابن مردویہ عن حذیفۃ بن الیمان مرفوعاً کن کخیر ابنی آدم، وروی مسلم و اھل السنن الاالنسائی، عن ابی ذرنحو ھذا

(۴) فقد قال الامام احمد: حدثنا ابومعاویہ، ووکیع، قالا حدثنا الاعمش، عن عبداللہ بن مرۃ، عن مسروق، عن ابن مسعود قال ورواہ الجماعۃ سوی ابی داود من حدیث الاعمش بہ وھکذاروی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وابراھیم النخعی انھما قالا مثل ھذا سو

شخص تھا جس نے قتل کی سنت جاری کی۔
اور دمشق کے شمال میں ایک جبل قاسیون (پہاڑ) ہے اس میں ایک غار ہے جسکا نام مغاۃ الدم کہا جاتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ یہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔ اور یہ بات اہل کتاب سے ملی ہوئی ہے۔ اس کی صحت کو اللہ ہی جانتا ہے۔
اور حافظ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ وہ یعنی احمد بن کثیر صالح انسان تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہابیل کو خواب میں دیکھا۔ تو انہوں (احمد بن کثیر) نے ہابیل سے قسم لی کہ کیا یہی وہ جگہ ہے؟ جہاں اس کا خون بہا ہے تو ہابیل نے قسم اٹھالی۔ اور کہا کہ انہوں (یعنی ہابیل) نے اللہ سے دعا کی ہے کہ اس جگہ کو دعا کی قبولیت کی جگہ بنادے تو اللہ نے اس کو قبول کرلیا، اور حضور ﷺ نے ہابیل کی تصدیق فرمائی اور (احمد) کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو اس جگہ کی زیارت فرمایا کرتے ہیں۔
لیکن یہ خواب ہے اگر احمد بن کثیر سے صحیح ثابت ہو بھی جائے تب بھی خواب ہی ہے۔ اس پر حکم شرعی ہرگز مرتب نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم۔
آگے اللہ کا فرمان ہے کہ پھر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا اور وہ زمین کو کریدنے لگا تاکہ اس (قابیل) کو دکھائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے تو (قابیل نے) کہا ہائے افسوس میں تو اس کوے کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہوگیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپالوں پھر وہ پشیمان ہوا۔ (1)
بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب قابیل اپنے بھائی کو قتل کرچکا تو ایک سال تک پشت پر اس کو لادے پھرتا رہا، اور دوسرے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سو سال تک اٹھائے پھرتا رہا، اور برابر اسی طرح رہا، یہاں تک کہ اللہ نے دو کوؤں کو بھیج دیا۔ سدی رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کوے دونوں بھائی تھے، پھر دونوں لڑنے لگے حتی کہ ایک نے دوسرے کو ہلاک کردیا، پھر وہ قتل کے بعد زمین کی طرف جھکا اور اس کو کھودنے لگا، پھر گڑھے میں کوے کو ڈالا اور اس کو دفن کردیا اور چھپادیا، تو جب قابیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پکار اٹھا، ہائے افسوس کہ میں اس کوے کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہوگیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپالوں۔
پھر قابیل نے کوے کی پیروی کرتے ہوئے بھائی کو دفن کرکے چھپایا۔
اہل تاریخ وسیرت نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم کو اپنے فرزند ہابیل پر سخت رنج وغم ہوا، اور اس کے بارے میں شعر کہا، جو ابن جریر ابن حمید سے نقل کرتے ہیں۔

تغیرت البلاد ومن علیها　　　فوجه الارض مغبر قبیح

علاقے اور ان کے اہل بدل گئے پس زمین کا چہرہ بھی غبار آلود اور برا ہوگیا

تغیر کل ذی لون وطعم　　　وقل بشاشة الوجه الملیح

اور ہر رنگ وذائقے والی چیز بھی بدل گئی اور خوبصورت چہرے کی بشاشت بھی کم پڑگئی اس پر آدم علیہ السلام کو جواب دیا گیا۔

اباهابیل قد قتلا جمیعا　　　وصار الحی کالمیت اللبیح

اے ہابیل کے باپ، بے شک دونوں ہی قتل ہوگئے ہیں اور زندہ، ذبح کیے ہوئے مردار کی طرح ہے۔

وجاء بشرة قد کان منها　　　علی خوف فجاء بها یصیح

اور اس بر .. ہ نے خوف کے ساتھ ایسی برائی کی ہے جس کی وجہ سے وہ خود بھی چیخ و پکار میں مبتلا ہوگیا ہے۔
لیکن ان اشعار کی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے میں بھی خطا کا امکان ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے حزن وملال کو اپنی بان میں ہی ظاہر کیا ہوگا، پھر کسی نے ان الفاظ وکلام کو ان اشعار کی صورت میں کہدیا ہے، اور بھی اس میں کئی اقوال ہیں، واللہ اعلم۔
اور مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قابیل کو اس کے کیئے کی سزا جلد ہی مل گئی تھی اس طرح سے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران کے ساتھ چمٹ گئی، اور ورج جہاں پھرتا اس کا چہرہ بھی از خود ادھر ہی گھوم جاتا، یہ اپنے بھائی کے ساتھ حسد، سرکشی، اور گناہ کی وجہ سے اس کو رسوائی وعذاب ملا اور حدیث میں

(۱) مائدہ ۳۱

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کی سزا دنیا میں جلد دیدیں اور آخرت میں بھی صاحب گناہ کے لئے عذاب کا ذخیرہ تیار کر رکھیں مگر سرکشی (اور ظلم) اور قطع رحمی (یعنی رشتے داری توڑنا)۔

اولادِ آدم کا بڑھنا

جو تورات کتاب اس وقت (یعنی مصنف کے زمانے میں جو تقریباً آٹھویں صدی ہجری تھی، اور اب تو اور زیادہ ان کتابوں میں تحریف کا خدشہ ہے) اہل کتاب کے ہاتھوں میں ہے اس میں، میں نے دیکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے قابیل کو ڈھیل دی، اور مہلت عطا فرمائی، اور سرزمین "نوذ" نامی جگہ پر اس کو سکونت دی، جو عدن[1] شہر کے مشرق میں واقع ہے اور وہاں کے لوگ "نوذ" کو "قنین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو خیر وہاں قابیل کے ہاں ایک لڑکا خنوخ پیدا ہوا، خنوخ سے عندر پیدا ہوا، اور عندر سے محوائیل پیدا ہوا اور محوائیل سے متوشیل پیدا ہوا۔

پھر اس متوشیل نے دو عورتوں سے شادی کی عدا اور صلا، عدا کے ہاں ایک لڑکا ابل نامی پیدا ہوا، اور یہ پہلا شخص ہے دنیا میں جس نے خیمے لگا کر کھلے آسمان تلے مصنوعی چھت کا سایہ حاصل کیا اور مال کی ذخیرہ اندوزی کی، اور اس عدا سے ایک لڑکا نوبل بھی پیدا ہوا، اور وہ بھی پہلا شخص ہے جس نے دنیا میں سارنگی بربط اور طبلہ بنایا۔

اور متوشیل کی دوسری بیوی صلا سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام توبلقین تھا اور یہ بھی پہلا شخص ہے جس نے لوہے اور تانبے کی صنعت ایجاد کی، اور صلا سے ایک لڑکی نعمی نامی بھی پیدا ہوئی۔

اور تورات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی بیوی کے پاس (مباشرت کی غرض سے) گئے، جس سے بیوی کے ہاں ایک صاحبزادہ نے جنم لیا، اور ماں نے اس کا نام شیث پکارا، اور کہا کہ یہ نام اس وجہ سے ہے کیونکہ یہ میرے پہلے بیٹے ہابیل کے بدلے اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور پھر شیث کے ہاں انوش پیدا ہوا۔

علماء نے کہا ہے کہ جب حضرت آدم کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت آدم کی عمر مبارک ایک سو تیس سال تھی، اور اس کے بعد آٹھ سو برس حیات رہے اور جب حضرت شیث کے ہاں انوش کی پیدائش ہوئی، تو حضرت شیث کی عمر ایک سو پینسٹھ سال تھی، اور حضرت شیث اس کے بعد آٹھ سو سات سال زندہ رہے اور اس دوران انوش کے علاوہ اور کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئے۔

پھر انوش کے ہاں قینان پیدا ہوئے، اس وقت انوش کی عمر نوے سال کی تھی، اور اس کے بعد وہ آٹھ سو پندرہ برس زندہ رہے، اور کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئے۔

اور جب قینان کی عمر ستر سال ہوئی تو اس کے ہاں مہلائیل لڑکا پیدا ہوا اور قینان اس کے بعد آٹھ سو چالیس سال زندہ رہے اور اس دوران بہت سی اولاد ہوئی اور پھر جب مہلائیل کی عمر ۶۵ سال ہوئی تو اس کے ہاں ایک لڑکا "یرد" پیدا ہوا اور مہلائیل اس کے بعد آٹھ سو تیس سال زندہ رہے جس میں بہت سی اولاد ہوئیں، پھر جب "یرد" کی عمر ایک سو باسٹھ سال ہوئی تو یرد کے گھر خنوخ پیدا ہوا اس کے بعد یرد آٹھ سو سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد پیدا ہوئی، پھر جب خنوخ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو اس کے ہاں ایک لڑکا متوشلخ پیدا ہوا اور اس کے بعد خنوخ بھی آٹھ سو سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد نے جنم لیا، اور جب متوشلخ کی عمر ایک سو ستاسی سال ہوئی تو اس کے ہاں لامک لڑکا پیدا ہوا اور متوشلخ اس کے بعد سات سو بیاسی سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد ہوئیں، پھر جب لامک کی عمر ایک سو بیاسی سال ہوئی تو اس کے ہاں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد بھی لامک باپ پانچ سو پچانوے سال زندہ رہے، اور بہت سی اولاد ان سے بڑھی، پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی تو ان کے گھر سام، حام، یافث پیدا ہوئے۔

یہ اہل کتاب کی کتاب سے کچھ لیا گیا ہے اور اس کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد محفوظ ہونے میں خطا کا امکان ہے جیسے کہ بہت سے علماء

(۱) یمن اور حضرموت کے حدود پر اسی نام کے ساتھ یہ شہر اب بھی مشہور ہے۔

نے اس کو ذکر کیا ہے اور اہل کتاب پر طعن بھی فرمایا ہے۔

اور امام ابو جعفر بن جریر نے اپنی تاریخ میں بعض مذکورہ لوگوں سے ذکر کیا ہے، کہ حواء نے حضرت آدم کی چالیس اولاد کو بیس امیدوں سے جنم دیا ہے، اس کو ابن اسحاق نے ذکر کیا، اور ان کے نام بھی ذکر کیے، واللہ اعلم۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک سو بیس دفعہ حضرت حواء باامید یعنی حاملہ ہوئیں اور ہر دفعہ میں ایک لڑکا ایک لڑکی کو جنم دیا سب سے پہلے قابیل اور اس کی بہن قلیما اور سب سے آخر میں عبدالمغیث اور اس کی بہن ام المغیث تھی، پھر اس سے انسانیت کثیر ہوگئی، اور پھیلتی گئی، اور زمین میں ادھر اُدھر جا بسے اور آگے بھی افزائش نسل انسانی ہوتی رہی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے۔ (۱)

اور اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات نہ ہوئی جب تک کہ انھوں نے اپنی اولاد کی اولاد، پھر ان کی اولاد نہ دیکھ لی، اور تقریباً چار لاکھ جانیں دیکھ کر پھر وفات پائی، واللہ اعلم۔

اور قرآن مقدس میں فرمان الٰہی ہے وہ وہی ذات تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا فرمایا تا کہ وہ اس سے سکون (وراحت) حاصل کرے، پھر جب کوئی مرد اپنی بیوی کو ڈھانپ لیتا ہے، تو اس کو ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے، جس کو لے کر وہ چلتی پھرتی ہے، پھر جب وہ کچھ بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں (میاں بیوی) اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر آپ نے ہم کو صالح اولاد عطا فرمادی تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے، پھر جب پروردگار ان کو صالح اولاد عطا فرما دیتا ہے تو دونوں اس (پروردگار) کیلئے شریک بناتے ہیں، اس چیز میں جو (اللہ نے) ان کو عطا فرمائی، پس اللہ بالا و برتر ہے ان سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔ (۲)

اور جہاں سے میاں بیوی کے ازدواجی تعلق کا ذکر ہے وہاں سے کلام حضرت آدم کی طرف سے منتقل ہو کر عام انسانوں کی طرف لوٹ جاتا ہے، یعنی شخصیت سے جنسیت کی طرف انتقال ہے، جیسے دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے، اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک قرار والی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا ہے۔ (۳) تو یہاں بھی پہلے تو حضرت آدم کی تخلیق کا ذکر ہے پھر عام انسان کی تخلیق کا، تو یہاں بھی شخصیت سے جنسیت کی طرف انتقال ہے۔ (یا دونوں جگہ تعمیم بعد التخصیص ہے)

اسی طرح دوسری جگہ قرآن مقدس میں ہے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) کے ساتھ زینت بخشی اور ان (چراغوں) کو شیطانوں کو مارنے کیلئے آلہ بنایا (۴) تو یہاں مارنے میں بھی وہی چراغ مراد نہیں ہیں جو آسمان کی زینت ہیں بلکہ یہاں بھی عینیت، شخصیت سے جنسیت کی طرف عود و انتقال ہے۔

لیکن اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے جو تقریباً صحت سے بہت دور ہے کہ (۵) حضرت سمرۃ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا! جب بھی حواء علیہ السلام کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ابلیس، چکر لگاتا اور حواء کا کوئی بچہ نہ بچتا، تو شیطان نے ان کو کہا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھو (حارث چونکہ شیطان کا نام بھی رہا ہے) تو تمہارا بچہ زندہ رہے گا تو حواء نے عبدالحارث (یعنی حارث کا بندہ) نام رکھ دیا، جس سے بچہ زندہ رہا، اور یہ شیطان کے وسوسے اور اس کے شر سے تھا۔

اس حدیث کو اسی طرح ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ذکر کیا ہے اور اسی آیت کے تحت، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے، اور تمام جگہوں میں عبدالصمد بن عبدالوارث کی روایت سے ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حسن غریب ہے اور ہم اس کو صرف عمر بن ابراہیم کی حدیث سے جانتے ہیں، اور بعض نے اس کو عبدالصمد سے روایت تو کیا ہے لیکن حضور ﷺ تک اس کی سند نہیں پہنچائی یعنی مرفوع نہیں ہے اور یہ علت بڑی رد و قدح والی ہے کہ یہ حدیث صحابی پر

(۱) سورۂ نساء آیت ۱۔ (۲) اعراف آیت ۱۸۹۔۱۹۰ (۳) مومنون ۱۲۔۱۳ (۴) سورۂ ملک آیت ۵۔

(۵) اس حدیث کے راوی یوں ہیں امام احمد اس کو روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عبدالصمد نے بیان کیا ان کو عمر بن ابراہیم نے ان کو قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا اور حسن بصری نے سمرہ سے روایت کیا ہے۔

موقوفاً مروی ہے، اور لگتا ہے کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے ملی ہوئی ہے اور اسی طرح یہ موقوفاً ابن عباس سے بھی مروی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کعب احبار اور ان کے اصحاب سے مروی ہے واللہ اعلم۔

سب سے بڑی بات! یہ غور کریں کہ سند میں اس حدیث کے راوی حسن بصری ہیں لیکن وہ خود اس آیت کی تفسیر اس حدیث کے خلاف کرتے ہیں، لہٰذا اگر ان سے یہ مروی ہوئی تو وہ کبھی اس کے خلاف نہ کرتے۔

اور دوسری اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم وحواء علیہ السلام کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ ان سے کثرت سے افزائش نسل ہو، تو یہ بات حدیث سے کیسے ثابت ہوسکتی ہے، لہٰذا گمان، نہیں بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ تک اس کی نسبت کرنا خطا ہے اور درست یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، واللہ اعلم، اور تفسیر میں بھی اس کی نسبت کچھ گزر چکا ہے۔

پھر یہ غور بھی کریں کہ حضرت آدم وحواء اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، اس لئے کہ آدم کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے ہی پیدا فرمایا تھا، اور اس میں خود روح پھونکی تھی، اور فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرایا تھا، اور ہر چیز کے ناموں کی تعلیم دی تھی، اور اپنی جنت میں ٹھکانہ مرحمت فرمایا تھا تو ان باتوں کے باوجود یہ اللہ کیساتھ کیسے شرک کرسکتے ہیں، نیز اللہ کو سب باتوں کا علم ہے اگر یہ بات ہوتی تو اللہ عزوجل ان عظیم شرف ومرتبے کے کاموں سے ان کو کیسے نواز سکتے تھے، اور آگے آنے والی حدیث میں غور کریں، کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا، یارسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا، تین سو تیرہ کی جماعت ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان میں سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم علیہ السلام عرض کیا یارسول اللہ وہ نبی مرسل ہیں؟ فرمایا ہاں اللہ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، پھر اس میں روح پھونکی، پھر اس کو درست و برابر فرمایا۔

تو پھر ایک عظیم پیغمبر ورسول سے یہ فعل کیسے سرزد ہوسکتا ہے، جو شرک ہے۔

[1] اور طبرانی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو فرشتوں میں سے سب سے بہتر کی خبر نہ دوں؟ وہ حضرت جبرئیل ہیں اور نبیوں میں افضل آدم ہیں،۔ اور دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے، اور مہینوں میں افضل رمضان کا مہینہ ہے اور راتوں میں افضل لیلۃ القدر کی رات ہے اور عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہے لیکن اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے، [2] کئی بڑے محدثین نے [illegible] یث کے ایک راوی رافع بن ہرمز کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور کعب احبار فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسا کوئی نہ تھا، جس کی داڑھی ہو سوائے حضرت آدم کے آپ کی داڑھی مبارک سیاہ تھی، اور جنت میں ایسا کوئی نہ تھا جس کی کنیت ہو، سوائے حضرت آدم کے، ان کی کنیت دنیا میں ابوالبشر ہے اور جنت میں ابومحمد ہے۔

[3] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا، تمام اہل جنت، جنت میں اپنے ناموں سے پکارے جائیں گے سوائے حضرت آدم کے، ان کو ابومحمد کنیت سے پکارا جائے گا۔ [4]

اور صحیح بخاری ومسلم میں معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت آدم کے پاس سے گزرے، حضرت آدم پہلے آسمان پر تھے، تو رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ حضرت آدم کے دائیں طرف بھی لوگوں کی جماعتیں ہیں، اور بائیں طرف بھی، اور حضرت آدم جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ کہا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ سب ان کی اولادوں کی روحیں ہیں اور جب دائیں طرف دیکھتے ہیں جو جنتی ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف

---

(۱) وقال الطبرانی، حدثنا ابراهیم بن نائلة الاصبهانی، حدثنا شیبان بن فروخ، حدثنا نافع بن هرمز، عن عطاء بن ابی رباح، عن ابن عباس، قال قال الخ.

(۲) وهذا اسناد ضعیف، فان نافعا اباهرمز، کذبه ابن معین و ضعفه احمد، ابوزرعة و ابو حاتم ابن حبان و غیر هم والله اعلم.

(۳) وقدروی ابن عدی من طریق شیخ ابن ابی خالد، عن حماد بن سلمة، عن عمرو بن دینار عن جابر بن عبدالله مرفوعاً.

(۴) ورواه ابن عدی من علی بن ابی طالب، وهو ضعیف من کل وجه، واللهُ اعلم

دیکھتے ہیں جو جہنمی ہیں تو روتے ہیں۔ (۱)

(۲) اور حسان بن حسن فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کی عقل آپ کی تمام اولاد کے برابر تھی اور حضور ﷺ نے معراج میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرنے کی خبریوں دی، کہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا دیکھا تو ان کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا، علماء اس کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ یہ نصف حسن حضرت آدم علیہ السلام کے حسن کا نصف تھا اور یہ بات بہت مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت آدم کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور خود صورت بھی بنائی اور اپنی روح پھونکی، لہٰذا سب سے حسین پیدا ہونا انہی کے لائق ہے۔

(۳) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ عزوجل نے جنت کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا، اے پروردگار یہ ہمارے لئے کر دیجئے کیونکہ آپ نے بنی آدم کیلئے تو دنیا پیدا فرمائی ہے جس میں وہ کھائیں گے پئیں گے۔

تو اللہ رب العزت نے فرمایا: میری عزت کی قسم، میری بزرگی کی قسم نہیں، میں اس کو بناؤں گا اس کی صالح اولاد کیلئے، جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، اور جیسے میں اس کو حکم کرتا ہوں وہ بجالاتا ہے۔

اور بخاری و مسلم میں کئی سندوں سے حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

علماء نے اس حدیث کے بارے میں اور اس کے مطلب کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور کئی مسلک اس میں ذکر کئے ہیں لیکن یہ ان کی تفصیل و تشریح کی جگہ نہیں، واللہ اعلم۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور آپ علیہ السلام کا اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت

شیث کا معنی ہے اللہ کا عطیہ، اور حضرت آدم و حواء علیہما السلام دونوں ماں باپ نے اس کو یہ نام اس لئے دیا کیونکہ اللہ نے ان کو یہ ہابیل کے بدلے عطا فرمایا تھا، اور یہ بہت بڑے پیغمبر گزرے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے ایک سو صحیفے نازل فرمائے، اور چار کتابیں نازل فرمائیں، اور (صرف) حضرت شیث پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔

محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے فرزند حضرت شیث کو وصیت و نصیحت فرمائی اور دن رات کی گھڑیوں کی پہچان کروائی، اور ان اوقات کی عبادتوں کی تعلیم دی اور اس کے بعد ایک بڑے طوفان کے وقوع کی پیش گوئی فرمائی، اور کہا جاتا ہے کہ آج تمام لوگوں کے نسب حضرت شیث علیہ السلام پر انتہا کو پہنچتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اولاد آدم بالکل ختم ہوگئی تھی، واللہ اعلم اور جمعے کے دن جب حضرت آدم علیہ السلام وفات پاگئے، تو فرشتے حنوط خوشبو لے کر حضرت آدم کے پاس آئے اور اللہ عزوجل کی طرف سے جنت کا کفن لائے پھر آدم علیہ السلام کے فرزند حضرت شیث نے اس کفن میں ان کو کفنایا ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب سات دنوں راتوں تک گرہن رہے۔

(۴) ابن ضمرۃ سعدی کہتے ہیں کہ میں نے مدینے میں ایک بزرگ کو دیکھا، جو وعظ فرما رہے تھے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا یہ ابی بن

---

(۱) وهذا الحديث معنى (۲) وقال ابوبكر البزار، حدثنا محمد بن المثنى، حدثني يزيد بن هرون، انبانا هشام بن حسان، عن الحسن قال...... (۳) وقد روينا عن عبدالله بن عمر، وابن عمرو ايضا موقوفاً و مرفوعاً ... الخ

(۴) وقد قال عبدالله ابن الامام احمد: حدثنا هدبة بن خالد، حدثنا حماد بن سلمة عن حميد، عن الحسن، عن يحيى، هو ابن ضمرة السعدي، قال ......

کعب ہیں تو انھوں ... نے (ابی بن کعب) نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو کہا۔

اے بیٹو: جنت کے پھلوں کو کھانے کا دل چاہ رہا ہے تو بیٹے چلے گئے، تا کہ جنت کے پھل تلاش کر کر لائیں، سامنے سے ان کو فرشتے مل گئے جن کے ساتھ کفن اور خوشبو تھی، اور (قبر کھودنے کے آلات) بیلچے، پھاوڑے، ٹوکری وغیرہ اشیاء تھیں تو فرشتوں نے آدم کے بیٹوں سے پوچھا: اے بنی آدم کہاں اور کس چیز کی تلاش میں جا رہے ہو؟ کہا ہمارے والد مریض ہیں اور جنت کے پھل کھانے کو ان کا جی کر رہا ہے، تو فرشتوں نے کہا، واپس چلو تمہارے والد کا وقت پورا ہو گیا ہے، تو سب واپس آ گئے حضرت حواء نے فرشتوں کو دیکھا تو پہچان لیا (کہ یہ فرشتے ہیں اور کس مقصد کے لئے آئے ہیں) تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے پناہ مانگنے لگیں (تا کہ فرشتے چھوڑ دیں) تو حضرت آدم نے حضرت حواء کو فرمایا مجھے چھوڑ و اپنے پاس سے، میں تجھ سے پہلے کا پیدا ہوا ہوں، لہذا میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان راستہ خالی کر دو۔ پھر فرشتوں نے ان کی روح قبض کر لی، اور پھر غسل دیا، کفن دیا خوشبو لگائی۔

پھر گڑھا کھودا قبر بنائی اور پھر حضرت آدم پر نماز جنازہ پڑھی پھر ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر میں رکھا، اوپر سے مٹی ڈالی، پھر کہا اے آدم کی اولاد یہ تمہاری سنت اور طریقہ ہے اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

[1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدم پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیریں کہیں۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھاتے میں چار تکبیریں کہیں اور حضرت صہیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ [2]

اور اہل علم کا ان کی قبر کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ وہ اس پہاڑ کے پاس مدفون ہیں جہاں وہ ہند میں اس کے پاس اترے تھے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ میں جبل ابی قبیس کے پاس ہے اور کہا جاتا ہے، کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان کا وقت قریب آیا تو حضرت نوح نے اماں حواء اور ابا آدم علیہما السلام کی نعش مبارکوں کو اٹھا کر بیت المقدس میں دفن کرا دیا تھا اس کو ابن جریر نے نقل فرمایا ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ بعض اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام کا سر مسجد ابراہیم کے پاس ہے اور پاؤں بیت المقدس کی چٹان کے پاس، اور حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے صرف ایک سال بعد ہی وفات پا گئیں تھیں۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مقدار کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، لیکن پہلے ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ وابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ لوح محفوظ میں ان کی عمر ایک ہزار سال لکھی ہوئی تھی، اور اس بات کے وہ معارض و مقابل نہیں ہو سکتی جو تورات میں ہے کہ حضرت آدم نو سو تیس سال زندہ رہے اس لئے کہ وہ کتاب تورات میں تحریف کر چکے ہیں، اور ان کا یہ قول طعن شدہ اور مردود ہے کیونکہ وہ مخالف ہے اس حق کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور محفوظ ہے، جبکہ وہ کتاب تورات میں طرح طرح کی تبدیلی کر چکے ہیں۔

اور ہاں دونوں کے درمیان موافقت و جمعیت بھی ہو سکتی ہے، اس لئے کہ اگر وہ، جو تورات میں ہے اگر محفوظ مان لیا جائے اور اس طرح وہ من جانب اللہ ہوگا تو ہم یہ کہیں گے کہ اس مدت سے مراد وہ مدت ہے جو جنت سے زمین پر اتارے جانے کے بعد انھوں نے بسر کی، اور وہ نو سو تیس سال شمسی ہوں گے، اور یہ قمری اعتبار سے نو سو ستاون سال بنیں گے، اور ان میں وہ تینتالیس سال جمع کر لئے جائیں گے جو جنت میں بسر کئے، اس طرح ہزار سال والی ہماری حدیث اور نو سو تیس سال تورات میں مذکور، دونوں صحیح ہو جائیں گے۔

عطاء خراسانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام وفات فرما گئے تو مخلوق خدا سات دنوں تک گریہ وزاری میں مصروف رہی ابن عساکر نے اس کو روایت فرمایا۔

پھر جب حضرت آدم وفات پا چکے تو ان کے معاملات کے نگہبان حضرت شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام بنے، وہ بھی نبی تھے، اور پہلے حدیث گزر چکی کہ حضرت ابی ذر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل فرمائے تھے۔

---

(۱) وروی ابن عساکر من طریق شیبان بن فروخ، عن محمد بن زیاد، عن میمون بن مهران، عن ابن عباس، ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال، الخ.

(۲) قال ابن عساکر و رواه غیره عن میمون فقال عن ابن عمر

جب حضرت شیث علیہ السلام کی وفات کا وقت بھی قریب آن پہنچا تو انھوں نے بھی اپنے فرزند انوش کو معاملات سپرد کر دیئے، انوش کے بعد اس کا ولی عہد قینان بنا، اس کے بعد قینان کا فرزند مہلائیل بنا، اور ایرانی عجمی لوگ انہی کے بارے میں خیال رکھتے تھے کہ یہ سات ولایتوں کے بادشاہ بنے اور یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے جنگلات کا قلع قمع کر کے شہروں اور قلعوں کی بنیاد ڈالی، اور انہی نے شہر بابل اور شہر سوس کو آباد کیا۔

اور ابلیس اور اس کے لشکریوں جنوں وغیرہ کو بھی مار مار کر زمین کی آبادی سے بھگا کر ویرانیوں اور گھاٹیوں میں دھکیل دیا، اور جنوں کی شریر مخلوق میں سے بہت سوں کو قتل کیا، اور ان کا ایک بڑا عظیم تاج بھی تھا، اور یہ لوگوں کو وعظ بھی فرماتے تھے، ان کی بادشاہی چالیس سال رہی۔

جب ان کی بھی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے اپنے فرزند خنوخ کو اپنے بعد کے کاموں کی وصیت کی، اور مشہور اقوال کے مطابق یہی خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ

قرآن مجید میں فرمان خداوندی ہے، اور (اے نبی) کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے نبی تھے، اور ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھایا۔ (۱)

اللہ عزوجل نے حضرت ادریس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور ان کو وصف نبوت اور صدیقیت سے موصوف فرمایا، اور یہ مذکورہ خنوخ ہی ہیں اور کئی علماء کے بیان کردہ حضور ﷺ کے نسب میں یہی آگے جا کر مل جاتے ہیں اور حضرت آدم وشیث علیہما السلام کے بعد سب سے پہلے نبوت انہی کو عطا ہوئی اور علامہ ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ دنیا کا پہلا شخص جس نے قلم کے ساتھ لکھا حضرت ادریس علیہ السلام ہی ہیں، انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کے تین سو آٹھ سال دیکھے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث میں جو نبی مذکور ہیں وہ یہی ہیں، حدیث یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم نے حضور ﷺ سے خط رمل کے لکھنے کے بارے میں سوال کیا؟ (جس میں ریت پر کچھ خاص لکیریں کھینچ کر کچھ معلوم کیا جاتا ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک ایک پیغمبر تھے جنھوں نے یہ لکھا، لہذا جس شخص کا خط ان کے موافق ہو جائے تو اچھا ہے، اور علماء تفسیر والا حکام میں سے اکثر کا کہنا ہے کہ پہلے شخص جنھوں نے دین کے بارے میں وعظ وخطاب کا سلسلہ ڈالا وہ یہی ہیں، اور ان کو ہرمس الہرامسہ کے نام سے پکارتے تھے، اسی وجہ سے ان کی طرف بہت سے جھوٹے من گھڑت قصوں کی نسبت کردی گئی جس طرح دوسرے انبیاء اولیاء حکماء کی طرف بھی کی گئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے ان کو اونچے رتبہ پر بلند کیا، اس سے کیا مراد ہے، صحیح بخاری ومسلم میں معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا معراج کی رات آسمانوں میں ان کے پاس سے گزر ہوا اور یہ چوتھے آسمان میں تھے۔

(۲) ہلال بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس (مذکورہ) آیت کا کیا مطلب ہے؟ تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، کہ میں تمہیں ہر روز تمام بنی آدم کے اعمال کے برابر درجات دیتا ہوں، شاید مراد اس وقت اپنے زمانے کے تمام بنی آدم ہیں، تو حضرت ادریس علیہ السلام نے چاہا کہ پھر تو اعمال میں اور اضافہ ہونا چاہئے پھر جب ان کے پاس ان کے دوست فرشتے آئے تو انھوں نے ان سے کہا کہ اللہ نے میرے پاس ایسے ایسے وحی بھیجی ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ ملک الموت سے بات کروں (اور پوچھوں کہ کب تک میری زندگی اور باقی ہے؟) تاکہ مزید میرے اعمال نامے میں ہر روز کے اتنے اتنے درجے بڑھ جائیں تو فرشتے نے ان کو پروں پر اٹھایا اور لے کر آسمان کی طرف بلند ہو گیا تو جب یہ چوتھے آسمان میں پہنچے تو ان کی ملک الموت سے ملاقات ہوگئی جو اتر رہے تھے حضرت ادریس علیہ السلام کے دوست فرشتے نے ملک الموت سے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کی گفتگو کی، تو ملک الموت نے پوچھا ادریس کہاں ہیں؟ تو فرشتے نے کہا میری پشت پر، ملک الموت نے کہا واہ تعجب ہے، مجھے پروردگار کی طرف سے کہہ کر بھیجا گیا کہ ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان میں قبض کرلو، تو میں نے کہا، وہ تو زمین میں ہیں، ان کی روح چوتھے آسمان میں کیسے قبض کروں؟ تو پھر ملک الموت نے وہیں ان کی روح قبض کرلی، تو یہ ہے مطلب اللہ عزوجل کے اس فرمان کا۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھایا۔

ابن ابی حاتم نے بھی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے

---

(۱) مریم ۵۶۔ ۵۷

(۲) وقد روی ابن جریر عن یونس، عن عبدالاعلیٰ، عن ابن وھب، عن جریر بن حازم، عن الاعمش، عن شمر بن عطیہ، عن ھلال بن یساف قال

دوست فرشتے سے کہا کہ ملک الموت سے میرے بارے میں سوال کر کہ میری عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ تو فرشتے نے ملک الموت سے سوال کیا، جبکہ حضرت ادریس بھی ساتھ تھے، تو ملک الموت نے کہا کہ میں جب تک اس کو دیکھ نہ لوں تو نہیں جان سکتا (اور بتا سکتا) پھر ملک الموت نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھ لیا تو فرشتے سے کہا آپ مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کرر ہے ہیں جس کی زندگی سوائے پلک جھپکنے کے وقت کے برابر اور زیادہ نہیں رہی، پھر فرشتے نے پر کے نیچے حضرت ادریس کو دیکھا تو ان کی وفات ہو چکی تھی اور فرشتے کو کچھ علم نہ ہوا۔

اور یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے، اور اس کے بعض راویوں میں نکارۃ ہے اور اسی آیت کے بارے میں مجاہد رضی اللہ عنہ، ابن ابی نجیح کے قول کو نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام آسمانوں پر اٹھالئے گئے ہیں لیکن ان کی وفات نہیں ہوئی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام لیکن اگر یہ مراد ہے کہ اب تک وفات نہیں ہوئی تو اس کلام میں، کچھ ٹھیک ہے کیونکہ پہلی روایت کے یہ بات معارض ہوگی، اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ دنیا سے آسمان پر زندہ اٹھائے گئے لیکن وہاں روح قبض کر لی گئی ہے تو پھر پہلی روایت جو حضرت کعب احبار سے منقول ہے، اس میں اور اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

اور اس آیت کے بارے میں عوفی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حضرت ادریس علیہ السلام چھٹے آسمان پر اٹھالئے گئے تھے پھر وہاں وفات ہوئی اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

لیکن متفق علیہ حدیث یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے اور مجاہد رضی اللہ عنہ اور بہت سے حضرات کا یہی قول ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اس آیت سے مراد ہے کہ ان کو جنت میں اٹھالیا گیا ہے اور کہنے والے کہتے ہیں کہ ان کو اپنے والد یرد بن مہلائیل کی زندگی میں ہی اٹھالیا گیا تھا۔

اور بعض حضرات نے یہ خیال بھی کیا ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت الیاس [1] علیہ السلام ہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور اس بارے میں وہ دلیل لیتے ہیں، اس حدیث سے جو زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے معراج کی حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو حضرت ادریس نے حضور ﷺ کو فرمایا مرحبا ہو صالح بھائی کو اور صالح نبی کو۔

تو یہاں انھوں نے حضور کو یوں نہیں کہا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام و آدم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مرحبا ہو صالح نبی کو اور صالح بیٹے کو، تو اگر یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوتے تو ان سے حضور ﷺ کا نسب ملتا اور یہ بیٹے کے لفظ سے پکارتے۔

لیکن یہ بات اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی کیونکہ کبھی راوی کا حافظہ جید (عمدہ) نہیں ہوتا، یا اگر روایت صحیح بھی ہو تو تب بھی حضرت ادریس کے قول سے یہ مراد ہو سکتا ہے کہ انھوں نے تواضع اور عاجزی کی بناء پر بھائی سے پکارا ہو اور حضور ﷺ کے سامنے اپنے کو ولدیت کے مقام میں کھڑا کہنا مناسب نہ جانا ہو، اور دوسرے دو پیغمبر آدم علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کی اور بات ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تو ہیں ہی تمام انسانوں کے والد "ابو البشر" اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ رحمٰن کے دوست ہیں خلیل الرحمٰن اور آپ علیہ السلام کے بعد سب سے اولوالعزم بڑے پیغمبر، لہٰذا ان پر ان کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

(۱) اس نبی کا نام بھی قرآن میں سورہ ص میں مذکور ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ:...... حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے، نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ، (خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں)، بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام۔

ان کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد میں ہوئی ابن جریر وغیرہ کا یہی قول ہے، اور اہل کتاب کے ہاں ایک سو چھیالیس سال کا وقفہ ہے لیکن حضرت آدم و نوح کے درمیان دس زمانے گزرے ہیں ابن حبان کا یہی قول ہے اور اس کی نسبت سے ایک روایت بھی وہ نقل کرتے ہیں کہ [1] ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سوال عرض کیا، یارسول اللہ کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا جی ہاں ان کو خدا سے کلام کا بھی شرف حاصل ہے پھر عرض کیا تو اچھا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا دس قرون (زمانے) [2] اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان دس زمانے تھے اور سب (زمانے والے) اسلام پر تھے، تو اگر قرن میں (زمانے) سے مراد سو سال ہوں جیسے کہ (لغت) اور اکثر لوگوں کے نزدیک یہی مقدم ہے تو پھر ضروری طور پر دونوں نبیوں کے درمیان ہزار سال کا عرصہ ہوگا لیکن حضرت ابن عباس کے فرمان کے مطابق کہ وہ اسلام پر تھے، یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف یہ دس زمانے والے (مسلمان) ہی ہوں۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کچھ اور اہل زمانہ بھی ہوں جو اسلام پر نہ ہوں (کیونکہ قرآنی آیت کے مطابق حضرت نوح کی بعثت کے وقت بہت سے مشرکین بھی تھے)۔

لیکن ابی امامہ کی حدیث صرف دس زمانوں کے انحصار پر دلالت کرتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام کی زیادتی ذکر فرمائی ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ان اہل تاریخ اور اہل کتاب کے اقوال کو رد کرتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ قابیل اور اس کی اولاد آگ کے پرستار ہو گئے تھے، واللہ اعلم۔

اور اگر حدیث کے زمانوں سے مراد ہم لوگوں کے گروہ لیں، یعنی ایک زمانہ ایک پشت تک کے لوگوں کے لئے ہو، جیسے قرآن میں ہے، اور ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد کتنے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے [3] اور دوسری جگہ ارشاد ہے، پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو پیدا کر دیا۔ [4] اور جگہ ارشاد ہے اور ان سے پہلے ہم نے کتنے گروہ ہلاک کر دیئے، [5] اور حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے زمانوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، الحدیث۔

تو پھر دس زمانوں سے مراد کئی ہزار سال ہوں گے اور دونوں نبیوں کے درمیان کئی ہزار سال کا وقفہ ہوگا، کیونکہ اس وقت لوگوں کی عمریں طویل ترین ہوتی تھیں (جیسے حضرت آدم کے قصے میں کئی پشتوں کا ذکر ہوا کہ تقریباً ہر آدمی ہزار ہزار سال کی عمر کے قریب گزرا) واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے اس وقت بھیجا، جب بتوں اور شیطانوں کی عبادت کی جانے لگی، اور لوگ گمراہی اور ضلالت کے گڑھوں میں دھنس گئے، تب اللہ نے بندوں پر رحم کرتے ہوئے ان کو رسول بنا کر بھیجا، تو اس طرح یہ پہلے رسول ہوئے جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے، جیسے کہ قیامت کے روز اہل محشر بھی کہیں گے۔

(اور ان سے پہلے کے نبیوں حضرات آدم و شیث و ادریس پیغمبر و نبی تھے)

اور ابن جبیر وغیرہ کے قول کے مطابق ان کی قوم کو بنوراسب کہا جاتا تھا۔

---

(۱) قال ابو حاتم بن حبان في صحيحه حدثنا محمد بن عمر بن يوسف، حدثنا محمد بن عبدالملك بن زنجويه، حدثنا ابو توبة، حدثنا معاوية بن سلام، عن اخيه زيد بن سلام سمعت ابا سلام سمعت ابا امامة، (۲) وهذا على شرط مسلم ولم يخرجه

(۳) سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۷۔ (۴) سورۂ مومنوں آیت ۳۱۔ (۵) مریم ۷۴۔۹۸

اوران کی بعثت کے وقت کی عمر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول ہے پچاس سال عمر تھی دوسرا قول ہے تین سو پچاس سال عمر تھی، تیسرا قول ہے جس کو ابن جریر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ چار سو اسی سال عمر تھی، اور تیسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔

نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآنی آیات

اللہ نے ان کے اور ان کی قوم کے قصے کو قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے اور ان کی قوم کے کافروں پر عذاب، طوفان نوح، کشتی والوں کی نجات وغیرہ بہت سے امور کو مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے اعراف، یونس، ھود، انبیاء، مومنون، شعراء، عنکبوت، صافات، قمر، پوری سورۂ نوح ان تمام سورتوں میں ان کے قصے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ......ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے (ان سے) کہا اے میری برادری کے لوگو خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے تو جو ان کی قوم میں سردار تھے، وہ کہنے لگے ہم تمہیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں، انھوں نے کہا اے قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو خدا کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو، کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی، تا کہ وہ تم کو ڈرائے اور تا کہ تم پرہیزگار بنو اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہم نے نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں فرمایا (ترجمہ) (اے محمد ﷺ) اور ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنا دو، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! اگر تم کو میرا تمہارے اندر رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا، ناگوار ہو تو میں تو خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تم کو معلوم ہو جائے اور کسی سے) پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو مجھے مہلت نہ دو، اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو خدا کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں، لیکن ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا، تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیا انجام ہوا۔ (۲)

اور اللہ عزّ وجل نے سورۂ ھود میں فرمایا:

ترجمہ......اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انھوں نے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور (پیغام پہنچانے کے لئے) آیا ہوں، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت دردناک عذاب کا خوف ہے تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے ہم تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور وتعمق سے) اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہے جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو، اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں میرا صلہ تو خدا کے ذمہ ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو، اور برادران ملت اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب) خدا سے (بچانے کے لئے) کون میری مدد کر سکتا ہے، بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں

(۱) سورۂ اعراف آیت ۵۹ تا ۶۴ (۲) سورۂ یونس آیت ۷۱ - ۷۳

کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ خدا ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا، جو ان کے دلوں میں ہے اسے خدا خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں، انھوں نے کہا کہ نوح تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر نازل کرو نوح نے کہا اس کو تو خدا چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے، اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنالیا ہے کہہ دو کہ اگر میں نے دل سے بنالیا ہے تو میرے گناہوں کا وبال مجھ پر ہے اور جو تم گناہ کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں، اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو یہ کام کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ، اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ، اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کردیئے جائیں گے تو نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کردی اور جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے، وہ کہتے کہ جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے اور تم کو جلد معلوم ہوجائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا ہر قسم کے جانداروں میں سے جوڑا جوڑا (یعنی دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہوچکا ہے (کہ ہلاک ہوجائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کرلو، اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے، (نوح نے) کہا کہ خدا کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہوجاؤ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھیں) اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو (کشتی سے) الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہوجا، اور کافروں میں شامل نہ ہو، اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جالگوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا، انھوں نے کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر خدا رحم کرے اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا، اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا، تو پانی خشک ہوگیا اور کام تمام کردیا گیا اور کشتی کوہ جودی جاٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت، اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے (تو اس کو بھی نجات دے) آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ سب سے بہتر حاکم ہیں، خدا نے فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے، وہ تو ناشائستہ افعال (والا) ہے تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان مت بنو، نوح نے کہا پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اگر آپ مجھے نہیں بخشیں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میں تباہ ہوجاؤں گا، حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہاری جماعت پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ، اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محفوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا، یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ سورۃ انبیاء میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور (نوح کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) پیشتر انھوں نے ہمیں پکارا ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی، اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان پر نصرت بخشی، وہ بے شک برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔ (۲)

اور اللہ تعالیٰ سورۃ مومنون میں فرماتے ہیں:

ترجمہ.......اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی تمہارا معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور خدا چاہتا تو فرشتے

(۱) سورۃ ھود آیت ۲۵ تا ۴۹۔ (۲) سورۃ ھود، آیت ۷۶۔ ۷۷

اتار دیتا، ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی، اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو (نوح نے کہا) کہ پروردگار ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے آپ میری مدد فرمائیں پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ، پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور (پانی سے) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) دو دو کشتی میں بٹھالو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی نسبت ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور ڈبو دیئے جائیں گے اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (خدا کا شکر کرنا اور) کہنا کہ یہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی، اور (یہ بھی) دعا کرنا اے پروردگار ہم کو مبارک جگہ پر اتاریو اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں، بے شک اس قصے میں نشانیاں ہیں اور ہم تو آزمائش کرنے والے ہیں۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ سورۃ شعراء میں فرماتے ہیں:

ترجمہ.....قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس کام کا صلہ تم سے نہیں مانگتا میرا صلہ تو خدائے رب العالمین ہی پر ہے اور خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو، وہ بولے کیا ہم تم کو مان لیں اور تمہارے پیرو تو رذیل لوگ ہوئے ہیں۔ (نوح نے) کہا کہ مجھے کیا معلوم کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے کاش تم سمجھو، اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں، انھوں نے کہا کہ نوح اگر تم باز نہیں آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے، (نوح نے) کہا کہ پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا، سو تو میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ (عذاب نازل کرنے کا) فرما دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچالے، پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے ان کو بھی بچالیا، پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا، بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔ (۲)

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

ترجمہ.....اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس (۹۵۰ سو سال) رہے، پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے پکڑا، اور وہ ظالم تھے پھر ہم نے نوح اور کشتی والوں کو نجات دی، اور کشتی کو اہل عالم کے لئے نشانی بنا دیا۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ.....اور ہم کو نوح نے پکارا سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں، اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی، اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہ باقی رہ گئے اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا، (یعنی) تمام جہاں میں (کہ) نوح پر سلام ہو، نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔ (۴)

اور اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ.....ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انھوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی، تو انھوں نے پروردگار سے دعا کی کہ (یا الٰہی) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے، پس ہم نے زور کے مینہ سے اپنے آسمان کے دہانے کھول دیئے، اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا، اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے، اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا کر چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے، سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ (۵)

---

(۱) سورۃ المومنون آیت ۲۳ تا ۳۰ (۲) سورۃ شعراء آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲۔ (۳) سورۃ العنکبوت آیت ۱۴۔ ۱۵۔

(۴) سورۃ صافات آیت ۷۵۔ ۸۲ (۵) سورۃ القمر آیت ۹ تا ۱۷

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق ایک مکمل سورت، سورۃ نوح کے نام سے نازل فرمائی جو کہ دو رکوع پر مشتمل ہے۔

ترجمہ......شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر دردد ینے والا عذاب واقع ہو اپنی قوم کو ہدایت کردو انھوں نے کہا کہ بھائیو میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں، کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا، (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا، جب خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی، کاش تم جانتے ہوتے، جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) خدا سے عرض کی کہ پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا، لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے جب جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے، پھر میں ان کو کھلے طور پر بلاتا رہا، اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا، اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے مینہ برسائے گا، اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تم کو باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بہادے گا، تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) میں پیدا کیا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا اور سورج کو چراغ ٹھہرایا، اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا، پھر اسی میں تمہیں لوٹادے گا اور اسی سے تم کو نکال کھڑا کرے گا، اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا، تا کہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو پھرو، (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا، اور انھوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں، اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود، اور سواع، اور یغوث، اور یعوق اور نسر[1] کو کبھی ترک نہ کرنا، (پروردگار) انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کردیا ہے تو تو ان کو اور گمراہ کردے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب (پہلے) غرقاب کردیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، تو انھوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور (پھر) نوح نے یہ دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے، اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی، اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لاکر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور تباہی بڑھا۔[2]

اور ہم نے اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں تمام آیات کے متعلق گفتگو کی ہے، اور ان تمام آیات مذکورہ کا خلاصہ اور تشریح و مطلب آگے بیان کریں گے (انشاء اللہ) اور اسی طرح ان کے متعلق احادیث اور بزرگوں کے اقوال کو بھی ذکر کریں گے۔

اور قرآن پاک میں مختلف مقامات پر حضرت نوح علیہ السلام کی مدح اور ان کے مخالفین کی مذمت بھی ذکر کی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ......(اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح (علیہ السلام) اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان (علیہم الصلوۃ والتسلیمات) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد (علیہ السلام) کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کرچکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔ (سب) پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرقان حمید میں فرمایا:

ترجمہ......اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند

(۱) ود اور سواع، یغوث، یعوق اور نسر بتوں کے نام ہیں (مترجم) (۲) مکمل سورۃ نوح (۳) سورۃ النساء آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵۔

کر دیتے ہیں، بے شک تمہارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے، اور ہم نے ان کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام بخشے (اور) سب کو ہدایت دی، اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام وسلیمان اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کو بھی، اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو بھی یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل علیہ السلام اور الیسع (علیہ السلام) اور یونس علیہ السلام اور لوط (علیہ السلام) کو بھی، اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی، اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی، اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا.....الخ (۱) اور ان کا قصہ سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سورۃ براۃ میں فرماتے ہیں:

ترجمہ.....کیا ان کو ان لوگوں کے (حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح (علیہ السلام) اور عاد علیہ السلام اور ثمود (علیہ السلام) کی قوم اور ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے اور خدا تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (۲) اور ان کا قصہ سورۃ یونس اور ھود میں گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں فرمایا:

ترجمہ.....بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح (علیہ السلام) اور عاد علیہ السلام اور ثمود علیہ السلام کی قوم اور جو ان کے بعد تھے، جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، (جب) ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو) اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس کے بارے میں قوی شک میں ہیں۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ اسراء میں فرمایا:

ترجمہ.....اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے (۴)

اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا۔

ترجمہ.....اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا، اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے والا کافی ہے۔ (۵) اور ان کا قصہ سورۃ انبیاء اور سورۃ المومنون اور شعراء اور عنکبوت میں گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا (ترجمہ) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم (علیہم السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) سے اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔ (۶)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص میں فرمایا (ترجمہ) ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں، اور ثمود اور لوط کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی، یہی وہ گروہ ہیں ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔ (۷)

اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں: (ترجمہ) ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد اور امتوں نے بھی (پیغمبروں کی) تکذیب کی اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بے ہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہیں تا کہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا، اور اسی طرح کافروں کے بارے میں بھی تمہارے پروردگار کی بات پوری ہو چکی ہے کہ وہ اہل دوزخ (میں سے) ہیں۔ (۸)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

---

(۱) سورۃ الانعام آیت ۸۳ تا ۸۷۔ (۲) سورۃ توبہ آیت ۷۰۔ (۳) سورۃ ابراہیم آیت ۹۔
(۴) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۔ (۵) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۷ (۶) سورۃ احزاب آیت ۷۔
(۷) سورۃ ص آیت ۱۲۔۱۳۔ (۸) سورۃ المومن آیت ۵ تا ۶۔

ترجمہ......اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا حکم) نوح کو دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

ترجمہ......ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنویں والے اور ثمود کی قوم جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی (بھی) اور بن کی قوم اور تبع کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید بھی پوری ہو کر رہی۔ (۲)

اور سورۃ الذاریات میں فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ......اور اس سے پہلے ہم قوم نوح کو (ہلاک کر چکے تھے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔ (۳)

اور سورۃ نجم میں فرمایا:

ترجمہ......اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی ہلاک کر ڈالا کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔ (۴) اور سورۃ القمر میں ان کا واقعہ گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ترجمہ......اور ہم نے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلہ) کو وقتاً فوقتاً جاری رکھا تو بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں اور اکثر ان میں سے خارج از اطاعت ہیں۔ (۵)

اور سورۃ تحریم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ...... خدا نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کی ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ (۶)

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ، ان کے حال احوال قرآن واحادیث سے ماخوذ ہیں، اور یہ تو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس زمانوں کا فاصلہ تھا، یعنی دس پشتیں تھیں اور سب اسلام پر تھے، بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے اور قرن (زمانے) سے مراد گروہ ہے یا مدت سوسالہ پھر ان دس اسلامی زمانوں کے بعد ایسے اور لوگ پیدا ہو گئے کہ یہ آخری لوگ بت پرستی میں مشغول ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ (قوم نوح والے) کہنے لگے اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، اور ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر (ان تمام معبودوں میں سے) کسی کو نہ چھوڑنا اور در حقیقت یہ نام ان سے پہلے نیک لوگوں کے نام تھے، جب یہ دنیا سے چلے گئے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کی مجلسوں میں جاؤ اور ان کے جیسے دوسرے ہمشکل بنا کر انہی کے نام سے رکھ لو، تو انھوں نے ایسا کر دیا لیکن عبادت نہ کی، پھر جب یہ لوگ بھی چلے گئے تو ان کے بعد والے آئے اور علم بھی اٹھ چکا تھا تو پھر یہ اپنے آباء واجداد کی یادگاروں کو پوجنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بت بعد میں عرب قوم میں بھی رائج ہو گئے تھے، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، محمد بن اسحاق کا یہی قول ہے۔

(۷) ابن جریر اپنی تفسیر میں محمد بن قیس سے روایت ذکر کرتے ہیں، حضرت آدم ونوح علیہما السلام کے درمیان سب اقوام صالح اور مسلمان

(۱) سورۃ شوریٰ آیت ۱۳۔ (۲) سورۃ ق آیت ۱۲ تا ۱۴۔ (۳) سورۃ الذاریات آیت ۴۶۔
(۴) سورۃ النجم آیت ۵۲۔ (۵) سورۃ الحدید آیت ۲۶۔ (۶) سورۃ التحریم آیت ۱۰۔

(۷) وقال ابن جرير في تفسيره حدثنا ابن حميد، حدثنا مهران، عن سفيان، عن موسى، عن محمد بن قيس، قال

گزریں اوران کے پیروکار بھی ان کی اتباع کرنے والے تھے، پھر جب یہ سب چلے گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا اگر ہم ان کی صورتیں بنالیں تو ان کی یاد میں ہم (اپنے پروردگار حق کی) صحیح عبادت کرسکیں گے، تو انھوں نے ان کی شکلیں بنالیں تو جب یہ بھی وفات پا گئے اور دوسرے لوگ آگئے، تو ابلیس نے ان کو وسوسے میں ڈالا اور کہا کہ ہمارے پہلے آباء جنھوں نے ان کو بنایا وہ بھی انہی کی عبادت کرتے تھے اور انہی سے بارش (اور دوسری چیزیں) طلب کرتے تھے، لہٰذا سب ان کی عبادت میں لگ گئے۔

ابن ابی حاتم، حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ (اللہ کے فرمان میں ان کے معبودوں کے جو نام ہیں) ود، یغوث، یعوق، سواع، نسر یہ سب حضرت آدم کی اولاد ہیں، اور ان سب میں سے بڑا اور نیک صالح ود تھا۔

(۱) حضرت ابوجعفر باقر نماز پڑھ رہے تھے آپ کے گرد کچھ لوگ جمع تھے انھوں نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑا، تو جب حضرت ابوجعفر باقر نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا تم نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑا، بہر حال وہ ایسی زمین میں قتل ہوا ہے، جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کی گئی، وہ غیر اللہ ود، تھا (جس کا سورۃ نوح میں ذکر آیا) جو بہت نیک صالح مرد تھا، اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا، جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کی قوم کے لوگ اس کی قبر کے اردگرد جھک پڑے اور قبر کی زمین وہ بابل کے شہر میں تھی، تو انھوں نے اس کی قبر پر گریہ وزاری میں ماتم برپا کردیا، ابلیس لعین نے جب ان کے اس قدر غم وفکر کو دیکھا تو ایک انسانی صورت میں ان کے پاس آیا، اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اس مرد پر بہت آہ وزاری میں مصروف ہو، تو کیا میں تمہارے لئے اس مرد صالح کی صورت نہ بنادوں؟ جس کو تم اپنی مجلس گاہ میں سجا کر رکھ دو، اور دیکھ دیکھ کر اس کی یاد میں اپنے کو تسکین دو، سب نے کہا کیوں نہیں؟ تو شیطان لعین نے اس کی صورت بنادی تو لوگوں نے اس کو اپنی مجلس گاہ میں رکھ دیا، اور برابر اس کا ذکر چھیڑے رکھتے، تو شیطان نے (ترقی کرتے ہوئے) جب دیکھا کہ یہ ان کی یاد وذکر میں بہت ہی منہمک ہیں تو ان سب کو کہا کیا میں تم سب کے لئے ایک ایک اس کی شکل نہ بنادوں تم سب اپنے اپنے گھر رکھ لینا، تو سب نے کہا صحیح ہے تو شیطان نے سب کو ایک ایک شکل بنادی، تو گھروں میں ان کا ذکر اور یاد رہتی جب ان کی اولاد ہوئی اور انھوں نے اپنے آباء کو دیکھا، اور آباء نے بھی ان کو وصیت کی کہ ہمارے بعد اس کا ذکر یاد رکھنا، تو جب آباء چلے گئے تو ان کی اولاد نے اس کو اپنا معبود بنالیا، تو اس طرح سب سے پہلے یہ غیر اللہ دنیا میں معبود غیر حق بنایا گیا جس کا نام ود تھا، جس نے خود اپنے کو اللہ کا ادنی بندہ غلام بنا کر رکھا تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام بتوں کی ابتداء جن کو بھی لوگوں نے پوجا ان سب کی ابتداء اس بت سے پڑی، اور مذکور ہے کہ جب اس شکل کو کافی عرصہ گزر گیا تو اس کے پجاریوں نے اس کو ایک مجسمے کی شکل میں بنالیا پہلے تو صرف صورت تھی، اس طرح ان کا معبود پہلے سے مضبوط وثابت ہوگیا، اور اس کے علاوہ دوسرے بت جن کا قرآن میں اسی کے نام کے ساتھ ذکر ہے (تو ان دوسرے تمام بتوں کی ابتدا) اسی سے پڑی، پھر جب کچھ عرصہ بیت گیا تو ان کے پجاریوں نے ان بتوں، اپنے معبودوں کو مزید ترقی دی، اس طرح سے کہ پہلے تو یہ محض صورتیں تھے اب ان کے باقاعدے مجسمے بناڈالے تاکہ یہ مضبوط وثابت ہوجائیں اور اب تک تو ان کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت ہورہی تھی، پھر نعوذ باللہ، اللہ کی عبادت کو بالکل ترک کرکے ان پر مر مٹے اور بتوں کی عبادت میں ان کے پجاریوں۔ کے بہت سے مسلک ہیں، جن کو ہم۔ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور اللہ ہی کے لئے اس پر تمام تعریفیں اور احسان ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جو انھوں نے حبشہ کی زمین میں دیکھا تھا، جس کو ماریہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، اور دونوں ام المومنین نے اس کے حسن اور اس کے اندر لگی ہوئی تصویروں کا ذکر کیا، تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، وہ لوگ ایسے تھے جب ان میں سے کوئی نیک صالح شخص وفات کرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر ایک مسجد (سجدہ گاہ) بنالیتے، پھر اس شخص کی صورت بنا کر اس میں رکھ لیتے یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق تھے۔

تو پہلے رسول جو ارض دنیا کی طرف بھیجے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے۔(۲)

---

(۱) قال ابن ابی حاتم، حدثنا احمد بن منصور، حدثنا الحسن بن موسیٰ، حدثنا یعقوب عن ابی المطهر، قال ذکروا عند ابی جعفر، هو الباقر، وهو قائم یصلی یزید بن المهلب قال فلما انفتل من صلاته ......الخ

(۲) من حدیث ابی حیان، عن ابی زرعة بن عمرو بن جریر، عن ابی هریرة

کہ شفاعت کے بارے میں ہے کہ حضرت ابی ہریرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، قیامت کے دن لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ ابوالبشر (انسانیت کے باپ) ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں کو حکم کیا، تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا، تو کیا آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے ہاں سفارش نہ کریں گے؟ کیا آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ ہم کس مصیبت سے دوچار ہیں اور کیا تکلیف ہم کو پہنچ رہی ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے میرا پروردگار آج کے دن سخت غضب میں ہے، اتنے غضب میں نہ پہلے کبھی ہوئے اور نہ کبھی بعد میں ہوں گے، اور میرے پروردگار نے مجھے اس درخت سے منع فرمایا تھا، لیکن مجھ سے نافرمانی ہوگئی، (ہائے) میری جان (ہائے) میری جان، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم جاؤ نوح کے پاس۔

پھر یوں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول تھے، اللہ نے آپ کو عبداً شکوراً شکر" گزار" بندے کا لقب عطا فرمایا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس قدر ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہے؟ کیا آپ اپنے پروردگار کے پاس ہماری سفارش نہ کریں گے؟ تو حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے؟ آج کے دن میرا پروردگار سخت غضب میں ہے، اتنے غضب میں نہ پہلے کبھی آئے اور نہ بعد میں کبھی ہوں گے، میرا نفس، میرا نفس، آگے پوری حدیث طویل مذکور ہے جیسے کہ امام بخاری نے حضرت نوح کے قصے میں اس کو روایت کیا ہے۔

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ یہ پہلے رسول تھے اور ان سے پہلے تینوں حضرات حضرت حضرت آدم وشیث، ادریس علیہم السلام سب نبی و پیغمبر تھے۔

بہرحال جب اللہ عزوجل نے حضرت نوح کو بھیجا یعنی رسالت عطا فرمائی، تو آپ نے اپنی قوم کو خالص اللہ کی عبادت کے لئے بلایا، اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی صنم (بت)، کسی شکل، کسی شیطان کو نہ پوجو، اور اس ایک ذات کی وحدانیت کا اعتراف کرلو اور اس بات کو تسلیم کرلو کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اسی طرح دوسرے پیغمبروں نے بھی توحید وغیرہ کی دعوت دی اور بقیہ تمام پیغمبر ورسل انہی کے آل اولاد ہیں، جیسے قرآن میں ہے اور ہم نے اس (نوح) کی ذریت کو باقی رہنے والوں میں کردیا۔ اور دوسری جگہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے اور ہم نے ان دونوں (نوح وابراہیم) کی اولاد میں نبوت کو باقی چھوڑا، یعنی حضرت نوح کے بعد کے تمام انبیاء ورسل سب انہی کی اولاد سے ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یعنی وہ خود بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور ان کے بعد کے تمام انبیاء ورسل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے اور ان کے واسطے سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

تمام انبیاء کو توحید کی دعوت کے لئے کہا گیا

قرآن کریم میں ہے:......اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی (خالص) عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔ اور قرآن میں ہے، اور (اے محمد) جو اپنے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں ان کے احوال دریافت کرلو، کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے تھے؟ کہ ان کی عبادت کی جائے، اور فرمایا، اور (اے پیغمبر) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو۔ اور اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو کہا، اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف اور ڈر ہے، اور ایک جگہ ہے نوح نے کہا نہ عبادت کرو مگر اللہ ہی کی میں تم کو تکلیف دہ دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اور نوح نے کہا، اے قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا پس تم نہیں ڈرتے، اور جگہ ہے حضرت نوح نے فرمایا اے قوم بے شک میں تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں، یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (1)

تو ان آخری چار جگہوں میں اللہ نے حضرت نوح کی اپنی قوم کو دعوت کو ذکر فرمایا جو توحید اور خالص عبادت الٰہی پر مبنی تھی، خصوصاً سورۃ نوح میں

(1) نوح ۲۔۳۔۱۴ ؎ اعراف ۶۰۔ ۶۲

ذکر ہے کہ کس طرح انھوں نے اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے سمجھایا اور دن رات ایک کر کے سمجھایا، خفیہ سمجھایا اعلانیہ سمجھایا، کبھی رغبت کے ساتھ سمجھایا، کبھی وعید کے ساتھ سمجھایا، لیکن افسوس قوم کی بدبختی کہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئی اور یہ عظیم دعوت انہیں کارگر نہ ہوئی بلکہ اکثر لوگ حضرت نوح سے دشمنی پر اتر آئے، اور اپنی دشمنی ہر وقت و ہر آن جاری رکھی، اور اپنی سرکشی، عداوت گمراہی میں دھنستے چلے گئے، اور بتوں کی عبادت میں اور زیادہ سے زیادہ لگ گئے، اور ان کے مقابلے میں حضرت نوح علیہ السلام کی ذات پر کیچڑ اچھالا ان پر عیب لگائے اور ان پر ایمان لانے والوں کو طعنہ بازی کی، اور ان سب مومنین کو زمین میں گاڑنے اور وطن سے جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیں اور پھر صرف دھمکیوں پر بس نہیں بلکہ عملی قدم اٹھائے، اور طرح طرح سے ستایا، قرآن میں ہے، آپ کی قوم کے (سربرآوردہ لوگوں کی) جماعت نے کہا ہم تو بے شک تجھ (نوح) کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (نوح علیہ السلام نے) کہا: اے قوم میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے اور لیکن میں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول (قاصد) ہوں (یعنی جیسا تمہارا برا خیال ہے کہ میں گمراہ ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ میں تو سیدھے راستے پر ہوں اور اللہ رب العلمین کا قاصد ہوں) میں تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغامات، اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ [1]

اور یہ رسول کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے علوم کا حامل ہوتا ہے اور نہایت عمدہ صاف، فصیح بلیغ، خیر خواہانہ گفتگو کرتا ہے۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کے بارے میں وہ کفر کے نمائندے کہتے ہیں قرآن میں ہے، اور ہم نہیں دیکھتے تجھ کو، کہ تیری اتباع (و پیروی) کی ہو (کسی نے) سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں گھٹیا، اور کمزور رائے والے ہیں اور ہم تمہارے لئے اپنے پر کوئی فضل نہیں دیکھتے بلکہ ہم تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ [2]

ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ایک انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ [3] اور پھر انھوں نے اس کے پیروکاروں پر طرح طرح کے عیب لگائے اور انہیں اپنے سے گھٹیا پست درجے کی مخلوق سمجھا، اور کہا گیا ہے کہ وہ پیروکار، عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آنے والے تھے۔

اور کمزور لوگوں کے ایمان لانے کے اعتبار سے ہرقل کے دربار میں بھی جب کسی نے اسلام کے عناد میں کہا کہ حضور کے پیروکار تو ضعیف و کمزور لوگ ہیں تو ہرقل بادشاہ نے کہا، ہاں واقعی ایسا ہی ہوگا کیونکہ ان کو کوئی مانع نہیں ہوتا، کہ وہ اسلام لے آئیں، (بخلاف امراء اور شرفاء کے ان کو اپنی عزتوں اور اموال کے ضائع ہونے کا خوف ہو جاتا ہے)

اور کفار نے جو کہا کہ حضرت نوح کے متبعین کمزور رائے والے ہیں اس سے ان کی مراد تھی کہ انھوں نے محض دعوت سن کر لبیک کہہ دیا، اور کوئی غور فکر نہ کیا، جبکہ یہ چیز جو انھوں نے عیب کی کہی وہ بالکل تعریف کے لائق صفت ہے، کیونکہ حق تو ظاہر ہوتا ہے کسی نظر و فکر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ جیسے ہی وہ ظاہر ہوتا ہے اس کی اتباع اور پیروی واجب ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرماتے ہیں، فرمایا میں نے جس کو بھی اسلام کی طرف بلایا (کم از کم اس نے) ایک مرتبہ تو ہچکچاہٹ کی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ انھوں نے (ذرہ بھر بھی) تاخیر نہ کی اسی وجہ سے جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کا ذکر چھڑا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس کے لئے نام آیا تو لوگوں نے فوراً تیزی سے بیعت کے لئے لبیک کی اور کوئی سوچ و بچار غور فکر نہ کی۔

اس لئے کہ ان کی افضلیت و شرافت باقی تمام لوگوں پر روز روشن کی طرح کھلی تھی، اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے جب ارادہ فرمایا کہ صراحت کے ساتھ، خلافت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز فرما دیں تو یہ کہہ کر رہنے دیا کہ اللہ اور مومنین سبھی ہر کسی کا انکار) کریں گے سوائے حضرت ابوبکر کے (لہذا لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟) اور حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم کا حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کو کہنا کہ ہم تم کو اپنے پر کوئی فضیلت والا نہیں پاتے، اس سے ان کی مراد تھی، کہ جب تم ایمان کے ساتھ موصوف ہو چکے ہو تو پھر بھی ہم اپنے پر تمہاری کوئی فضیلت و بڑائی نہیں دیکھتے، اور کوئی بڑی چیز ظاہر نہیں ہوتی، قرآن میں ہے:

پس حضرت نوح کی قوم کے کافروں کی جماعت نے کہا ہم تجھ کو صرف اپنے جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں اور ہم آپ کو نہیں دیکھتے کہ آپ کی اتباع کی ہو، سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں گھٹیا لوگ ہیں اور ہلکی رائے والے ہیں، اور ہم تمہارے لئے اپنے پر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تو تم کو

---

(۱) اعراف ۶۰۔ (۲) ھود ۲۷۔ (۳) آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسول کے انسان ہونے پر تعجب و انکار کرتے ہیں۔

جھوٹا خیال کرتے ہیں، (حضرت نوح نے) کہا، تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، جس سے تم کو اندھا کر دیا گیا ہو، تو کیا پس ہم تم کو چمٹا دیں (ہدایت) پر اور جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟ (ایسا نہیں ہوسکتا)۔[1]

تو اس طرح ان سے نرمی و لطف کے ساتھ خطاب کیا، اور دعوت حق میں ملنساری سے کام لیا جیسے اللہ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے لئے حکم دیا قرآن میں ہے (اے موسیٰ و ہارون) اس کو نرم بات کہو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا، (اللہ سے) ڈر جائے۔[2]

اور قرآن میں حضور کو بھی اسی طرح حکم ہوا، (اے نبی) اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھے (طریقے سے) نصیحت کرو، اوران سے گفتگو اس طریقے سے کرو جو اچھا ہے۔[3]

(تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کو کس طرح نرمی و محبت سے وعظ و نصیحت کا حکم ملا)۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو یہ فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور رب نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی، ہو (تو کیا پھر بھی تم انکار کرو گے؟) تو اس سے مراد ہے یعنی رب نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے، آگے قرآن میں جس سے تم اندھے کردیے گئے ہو، یعنی تم اس نبوت کو سمجھ نہیں سکے اور تم نے اس کی طرف ہدایت نہیں حاصل کی۔ آگے فرمان ہے:

تو پھر کیا ہم یہ ہدایت تمہیں چمٹا دیں اور تم اس کو ناپسند کرتے ہو، یعنی ہم جبراً تم کو ہدایت دیدیں جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، آگے فرمان ہے (حضرت نوح علیہ السلام نے کہا) اے قوم میں تم سے اس پر کسی بدلے کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے۔[4]

یعنی میں اس وعظ و نصیحت پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، اور یہ وعظ و نصیحت جبکہ تمہارے لئے بہت مفید ہے۔

آگے حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں ان کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں ہوں۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ کافروں مالداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ تم ان گھٹیا لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو پھر ہم آپ کی بات شاید سنیں، تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا یہ جواب عنایت فرمایا، اسی طرح قریش کے متکبر کفار نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اپنے پاس سے گرے پڑے ان لوگوں کو دور کر دو جیسے حضرت عمار، صہیب، بلال، خباب رضی اللہ عنہم و رضواعنہ وغیرہ وغیرہ تو انھوں نے یہ فرمائش کی، اس پر اللہ عزوجل کی غیرت جوش میں آئی اور فوراً اس سے منع فرمایا، اور یہاں تک منع فرمایا کہ آپ مومنین سے اپنی آنکھوں کو بھی نہ جھپکائیں یعنی بالکل مومنین کی طرف متوجہ رہیں۔ جیسے سورۃ انعام اور سورۃ کہف میں بیان کیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور (نہ یہ کہتا کہ) میں غیب کا علم جانتا ہوں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

یعنی بلکہ میں اللہ کا بندہ انسان اور رسول ہوں اور مجھے اسی قدر علم ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا، اور میں صرف اتنی قدرت رکھتا ہوں جتنی اللہ نے مجھے قدرت دی ہے، اور نہ میں اپنی جان ہی کا مالک ہوں اس کو نفع دینے میں یا نقصان سے بچانے میں، مگر جو اللہ چاہے، آگے فرمایا: اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں عیب لگاتیں ہیں (یعنی مومنین) ان کو میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اللہ تمہیں بھلائی نہ دے گا، اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے، (لہذا اگر میں ان کو ان کی دل شکنی کی کوئی بات کہوں جیسے تم کہہ رہے ہو تو) پھر میں ظالمین میں سے ہو جاؤں گا، [5] یعنی میں ان کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ قیامت کے روز اللہ کے ہاں ان کے لئے کوئی بھلائی نہ ہوگی اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے اور ان کے دلوں کو بھی، اور ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اللہ ان کو اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا، اگر اچھائی ہوگی تو اچھا بدلہ دے گا، اور اگر برائی ہوگی تو برا بدلہ ہوگا۔

اسی طرح دوسری جگہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی آپس میں ہم کلامی ہوتی قرآن میں ہے:

(کافروں نے) کہا کیا ہم آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ کی اتباع گھٹیا لوگوں نے کی ہے (حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا، مجھے اس کا کوئی علم نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (جس پر تم ان کو گھٹیا کہہ رہے ہو) اگر تمہیں شعور ہو تو (جان رکھو) ان کا حساب میرے پروردگار کے ذمے ہے، اور میں تو

(۱) ھود ۲۷ تا ۲۸ (۲) طٰہٰ ۴۴۔ (۳) نحل ۱۲۵۔ (۴) ھود ۲۹ (۵) ھود ۳۱۔

(ان) مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں، میں تو صرف کھلا ڈرانے والا ہوں[1] تو الغرض ان کے اور ان کی قوم کے درمیان اسی طرح مناظرہ جھگڑا چلتا رہا جیسے قرآن نے کہا پس حضرت نوح ان میں ساڑھے نوسو سال ٹھہرے پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا اور وہ ظالم لوگ تھے۔[2]

اور اس طویل ترین مدت میں جو کئی صدیوں پر مشتمل ہے گنے چنے افراد کے سوا کوئی اسلام نہ لایا۔ کافر قوم اس قدر ہٹ دھرمی پر مصر تھے کہ جب وہ انتقال کرتے تو اپنی آل اولاد کو وصیت کر جاتے کہ اس (نوح علیہ السلام) پر ایمان ہرگز نہ لانا، بلکہ اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ لڑائی جاری رکھنا، اور ہر کافر والد کی اولاد جب عقل وشعور کی منزل کو پہنچ جاتی تو والد اس کو نصیحت وتعلیم کرتا کہ نوح علیہ السلام پر ایمان ہرگز نہ لانا، اور جب تک زندہ رہو اس نصیحت پر عمل پیرا رہنا۔

اور ان کی طبیعتیں ایمان کو انکار کرتی رہیں، اور قبول حق سے روگردانی کرتی رہیں اور اسی وجہ سے فرمایا قرآن میں اور وہ نہ جنم دیتے مگر فاجروں کافروں کو۔[3]

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ تک کہا قرآن میں ہے (اور انھوں نے) کہا اے نوح آپ نے ہم سے جھگڑا مول لے لیا ہے اور ہم سے جھگڑا بہت زیادہ کھڑا کر دیا ہے، پس جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو (یعنی عذاب، وہ لے آیئے اگر آپ سچے ہیں، فرمایا (نوح نے)۔ اور کچھ نہیں اس کو اللہ چاہے تو (ضرور) لائے گا اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔[4]

یعنی اللہ عزوجل اس عذاب بھیجنے پر قادر ہے وہ خوب قادر مطلق ہے، اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اور نہ اس کو کسی کی پرواہ ہے، بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کو فرمادے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور تم کو میرا نصیحت کرنا نفع نہیں دے گا، اگر میں تمہارے لئے خیر خواہی کا ارادہ بھی کروں اور اللہ تمہارے ساتھ یہ ارادہ نہ فرمائیں (تو پھر میرا نصیحت کرنا کچھ سودمند نہیں) یہی تمہارا پروردگار ہے اور اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے[5] یعنی اگر اللہ کسی کے ساتھ ہدایت کا ارادہ نہ فرمائیں تو کوئی اس کو ہدایت نہیں دے سکتا وہی ہے جو چاہے تو ہدایت دے، چاہے تو گمراہ کرے، اور وہ جو چاہے کرنے والا ہے اور زبردست حکمت والا ہے، خوب جاننے والا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے، اور کون گمراہی کا مستحق ہے اور اللہ کی حکمت بہت عمدہ اور کارگر ہے اور اس کی حجت بہت وزنی ہے۔

فرمایا: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر بس وہی لوگ جو ایمان لا چکے ہیں، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دی جا رہی ہے، ان کافروں کی تکالیف سے کہ اب ان کی پرواہ نہ کرو کہ وہ ایمان لے آئیں۔ جو ایمان لا چکے ہیں انہی پر اکتفا کرو، اور فرمایا: لہذا جو وہ فعل کرتے ہیں آپ اس سے غم میں نہ پڑیں۔[6]

یہ حضرت نوح علیہ السلام کو تعزیت وتسلی ہے، کہ آپ زیادہ فکر نہ کریں جو ایمان لا چکے لا چکے، اب ان کی تکالیف کی پرواہ نہ کریں، کیونکہ مدد خداوندی قریب ہے، اور اس مدد کی خبر عجیب ہے، وہ یہ ہے فرمایا: اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہماری نگہبانی میں بناؤ، اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔[7]

اور یہ کشتی کا حکم اور ان پر عذاب کی تیاری جب ہوئی، جب حضرت نوح علیہ السلام ان کی اصلاح، کامیابی، سے مایوس ہو گئے اور دیکھ لیا کہ ان میں کوئی بھلائی کا ذرہ تک نہیں، اور وہ ان کی مخالفت، اذیت، تکذیب (جھٹلانے) یعنی ہر طرح سے ان کو تنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں، تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے عالم مایوسی میں بارگاہ خداوندی میں ان کے خلاف فریادرسی چاہی، اور اللہ کے غضب کو ان پر دعوت دی، تو اللہ نے بھی اپنے مظلوم معصوم بندے کی دعوت پر لبیک کہا، اور ان کی طلب کو قبول کیا، اللہ نے فرمایا اور ہم کو (بڑی بے چارگی اور مصیبت کے عالم میں) نوح نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں، اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور فرمایا: (نوح علیہ السلام نے) کہا پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا اس لئے تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ فرمادے اور مجھے اور جو مومن میرے

(۱) شعراء ۱۱۱ سے ۱۱۵۔ (۲) عنکبوت ۱۴ (۳) اے نوح آیت ۲۷۔ (۴) ھود ۳۲۔۳۳۔
(۵) ھود ۳۴۔ (۶) ھود ۳۶ (۷) ھود ۳۷۔

ساتھ ہیں ان کو نجات عطا فرمادے۔ اور فرمایا: پس (نوح علیہ السلام نے) اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب (ہو چکا) ہوں لہذا میری مدد فرمائیے۔ اور فرمایا (نوح نے) عرض کیا اے پروردگار میری مدد کیجئے اس سے جو وہ مجھے جھٹلاتے ہیں۔

تو ان تمام جگہوں میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کس بے بسی کے عالم میں بارگاہ خداوندی میں فریاد کی، جو قبول ہوئی اللہ نے فرمایا ان کی خطاؤں کی بناء پر وہ کفار غرق کردیئے گئے، پھر جہنم میں داخل کردیئے گئے، پس انھوں نے اللہ کے سوا اپنے لئے (اپنے معبودوں کو) مددگار نہ پایا، اور نوح نے کہا: پروردگار زمین پر کافروں کو بستا نہ رہنے دیجئے، اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنم دیں گے مگر فاسق کافروں کو۔

اس طرح ان کے کفر و فسق کی مصیبتیں ان کے نبی کی بددعا سے ان پر ٹوٹ پڑیں، اور اس وقت اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمادیا کہ ایک کشتی بنالو، اور وہ کشتی ایسی عظیم اور بڑی ہو، کہ نہ اس سے پہلے کبھی بنی نہ بعد میں بنے گی۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے فرمادیا کہ جب اللہ کا عذاب آجائے اور وہ کافروں نافرمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے، تو پھر وہ ان مجرمین سے ہٹایا نہ جائے گا لہذا آپ پھر کہیں نرمی میں آکر عذاب سے ان کے لئے پناہ مانگیں اور واپس اپنی بات سے رجوع کریں تو ایسا نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ شاید ہوسکتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم پر عذاب کے وقت نرمی و رحم آجائے، اس لئے کہ خبر اور اطلاع، خود مشاہدے جیسی تو نہیں ہوتی، تو پروردگار نے یہ فرمایا۔

اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کیجئے گا بے شک وہ غرق کئے جائیں گے تو حضرت نوح علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق کشتی بنانے میں مصروف ہوگئے اور جب بھی کافر لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے، کیونکہ وہ عذاب کے اترنے کو ناممکن اور بعید سمجھتے تھے، (اور کہتے تھے کہ یہاں تو پانی ہے نہیں، یہ نوح کشتی چلائے گا کہاں) تو پروردگار نے بھی فرمایا، اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو، تو ہم بھی تم سے مذاق کریں گے، جیسے تم کرتے ہو (یعنی اس کا برا بدلہ چکھائیں گے)[1] اور اس وقت بھی ہم تم سے مذاق کرتے ہیں اور تم پر تعجب کرتے ہیں کہ کیسے تم اپنے کفر و فسق پر ہٹ دھرمی کے ساتھ قائم ہو، جس کا بدلہ تم کو ابھی ابھی اچھی طرح ملنے والا ہے، اللہ نے فرمایا: پس بہت ہی جلد تم جان لوگے، کہ جس شخص کے پاس بھی عذاب آئے گا وہ اس کو ذلیل کرکے رکھ دے گا اور اس پر دائمی عذاب اتر جائے گا۔[2]

اور ان کی کافرانہ، فاسقانہ، سخت طبیعتیں جو دنیا میں عناد کی انتہا کو پہنچ گئی تھیں، وہ اسی طرح بروز قیامت بھی سرے سے یہی انکار کر بیٹھیں گی کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا تھا جیسے بخاری شریف میں ہے۔[3] حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کو حاضر کیا جائے گا، پھر اللہ عزوجل حضرت نوح سے پوچھیں گے کیا آپ نے اپنی رسالت کو پہنچادیا تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے جی ہاں اے پروردگار: پھر اللہ پاک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پوچھیں گے کہ کیا اس نے تم تک بات پہنچادی تھی؟ وہ کہیں گے، نہیں، ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، پھر اللہ عزوجل حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے، کون آپ کی گواہی دے گا، وہ عرض کریں گے، محمد اور اس کی امت (حضور ﷺ نے فرمایا پھر ہم گواہی دیں گے کہ بے شک انھوں نے اپنی امت کو دعوت پہنچادی تھی، اور اس قرآنی آیت کا یہی مطلب ہے فرمایا، اور اس طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا، تاکہ تم (قیامت کے دن) لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ بن جائیں گے۔[4]

اور آیت میں "وسط" لفظ سے مراد ہے عادل، تو یہ امت (اپنی سرفرازی کی بناء پر) اس اولوالعزم پیغمبر و رسول کے حق میں قیامت کے روز گواہی دے گی، جو بالکل صادق مصدوق ہیں، اور امت محمد یہ یہ گواہی دے گی کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اور اس پر اپنا حق جاری کیا، اور اس کی دعوت کا حکم فرمایا، اور انھوں نے بھی ہر ممکن طریقے سے یعنی پوری طرح سے اس دعوت کے فریضے کو کما حقہ ادا کردیا ہے اور کوئی ذرہ بھر کسر نہیں چھوڑی، جو بات بھی ان کے دین کے اعتبار سے نفع مند ہوسکتی تھی پہنچادی، پھر اس کا ان کو حکم دیا، سمجھایا اور جو بات

(۱) ھود ۳۸۔ (۲) ھود ۳۹۔ ۳۔ کما قال البخاری حدثنا موسی بن اسماعیل، حدثنا عبدالواحد بن زیاد، حدثنا الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی سعید ...... الخ (۴) سورۂ بقرہ ۱۴۳

بھی ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی تھی، اس سے ان کو روکا، منع کیا، ڈرایا اور اسی طرح تمام رسولوں کا معاملہ ہے، یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دجال تک کے فتنے کے نکلنے اور اس سے بچنے کی خبر و تاکید کی، اگر چہ ان کے زمانے میں اس کا نکلنا بھی متوقع نہیں تھا، پھر بھی ان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان پر رحم کھاتے ہوئے اطلاعا بتادیا جیسے بخاری شریف میں۔ [1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف کی جیسے کہ وہ اس کا مستحق ہے، پھر دجال کا ذکر فرمایا، فرمایا میں تم (سب) کو اس سے ڈراتا ہوں، اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس نے اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرایا ہے، نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرایا، لیکن میں اس کے بارے میں ایک ایسی بات خاص تم کو بتاتا ہوں، جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی، وہ یہ ہے کہ وہ دجال کانا ہوگا (اور خدائی کا دعویٰ کرے گا) اور جبکہ بے شک اللہ کانا نہیں ہے۔ اور ایک اور روایت [2] بخاری و مسلم میں اسی طرح کی یوں ہے، حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خبر رکھو میں تم کو دجال کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں۔ جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائی، وہ یہ ہے کہ وہ کانا ہوگا، اور اپنے ساتھ وہ جنت اور جہنم جیسی چیز لائے گا، اور وہ جس کو جنت کہہ رہا ہوگا وہ در حقیقت ایک جہنم ہوگی، اور میں تم کو ڈراتا ہوں جس طرح نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا۔ [3]

یہ کچھ تفصیل دجال کی اس بات پر ذکر کی گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب کچھ بتادیا تھا لیکن آخرت میں پھر بھی وہ دنیا کی طرح ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے گی اور انکار کرے گی)۔

تو بہر حال جب حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا قبول ہوگئی اور حکم خداوندی آیا کہ کشتی بناؤ، تو بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے ان کو یہ بھی حکم فرمایا کہ فلاں درخت اگاؤ۔ جس سے کشتی بنائی جائے گی، تو حضرت نوح علیہ السلام نے وہ درخت اگایا اور سو سال تک اس کا انتظار کیا پھر اس کو کاٹ کر چھیلا، ہموار کیا اس میں بھی ایک قول کے مطابق سو سال اور دوسرے قول کے مطابق چالیس سال کا عرصہ لگ گیا، واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ لکڑی ساگوان کی لکڑی تھی، اور دوسرے قول کے مطابق وہ لکڑی صنوبر درخت کی تھی، اور دوسرا قول تورات کے موافق ہے۔ حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت نوح کو حکم ملا تھا کہ اس کی لمبائی اسی گز ہو، اور کشتی کے اندرونی اور بیرونی حصوں پر تارکول (ڈامر) اچھی طرح ملا جائے، اور اس کے سامنے کا حصہ بلندی کو اٹھا ہوا ہو، تا کہ وہ پانی کو چیر سکے۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کشتی کی لمبائی تین سو گز تھی اور چوڑائی پچاس گز تھی اور یہ تورات میں ہے میرے دیکھنے کے مطابق۔

اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ کشتی کی لمبائی چھ سو گز تھی اور چوڑائی تین سو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کی لمبائی بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو گز تھی اور ایک قول ہے کہ لمبائی دو ہزار گز تھی، اور چوڑائی سو گز تھی۔

(اور یہ اختلاف لمبائی اور چوڑائی میں تو ہے) لیکن اونچائی میں سب فرماتے ہیں کہ وہ تیس گز اونچائی کی تھی، اور اس میں تین منزلیں تھیں ہر منزل دس گز کی، سب سے نچلی منزل جانوروں اور وحشی جانوروں کے لئے تھی، درمیانی انسانوں کے لئے تھی، اور سب سے اونچی چرند پرند کے لئے اور دروازہ چوڑائی میں تھا، اور اس کے اوپر پورا ایک ڈھکن تھا جس سے وہ بند کردی جاتی تھی۔ [4]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (حضرت نوح نے) کہا پروردگار میری مدد کیجئے اس سے جو وہ مجھے جھٹلاتے ہیں۔ اور فرمایا، مومنین بے شک کامیاب ہوگئے۔

مراد ہے کہ نوح علیہ السلام نے ہم سے مدد مانگی تھی ہم نے ان کی مدد کی جس سے وہ کامیاب ہوگئے اس طرح سے کہ ہم نے ان کو نجات پانے کے رستے کا حکم دیا کہ کشتی بناؤ اور ہم اس کی نگہبانی کریں گے، اور ہمارے روبرو یہ کام سرانجام دو، تا کہ ہم آپ کی صحیح طریقے سے رہنمائی کریں (اور

(۱) قال البخاری، حدثنا عبدان، حدثنا عبداللہ، عن یونس، عن الزهری، قال سالم، قال ابن عمر.

(۲) وهذا الحدیث فی الصحیحین ایضا من حدیث شیبان بن عبدالرحمن عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمة بن عبدالرحمن، عن ابی هریرہ الخ. (۳) بلفظ البخاری.

(۴) گویا آج کل کے زمانے کے مطابق وہ عظیم آبدوز تھی، جبھی اللہ نے حضرت نوح کو حکم فرمایا تھا کہ اوپر نیچے ہر جگہ تارکول مل دینا تا کہ پانی اندر نہ آئے۔

اس کے ذریعے تم اس طوفان سے بچ جاؤ)۔

فرمایا: پس جب ہمارا عذاب آجائے اور تنور ابل پڑے تو کشتی میں سوار ہوجا (اور ساتھ لے لے) ہر چیز سے دودو (یعنی نر و مادہ) جوڑا بٹھالو، اور ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی، مگر جس کے بارے میں (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے گزر چکا ہے، ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عذاب کے نازل ہونے سے پہلے ہی حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا دیا کہ جب عذاب آجائے تو تم اپنے ساتھ کشتی میں ہر چیز کا ایک ایک جوڑا یعنی ہر حیوان سے ایک جوڑا ساتھ کرلینا، اور تمام قسم کے کھانے پینے بھی ساتھ کرلینا تاکہ ان کی قسم و نسل باقی رہے، اور اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ رکھنا، ہاں مگر جن کے متعلق پہلے فیصلہ نازل ہوچکا ہے یعنی کافر اگرچہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ہو، اس کے بارے میں آپ کی دعا نہ سنی جائے گی اور ہر کافر پر عذاب اترنا ضروری ہے، اور اس سے وہ بچ نہیں سکتا، اور پھر تاکید کے ساتھ حکم بھی فرمایا کہ مجھ سے کافروں ظالموں کے متعلق گفتگو بھی نہ کرنا، ان پر اس ذات کا عذاب اتر کر رہے گا جو جو چاہے کرے۔

تنور سے کیا مراد ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک تو اس سے روئے زمین ہی مراد ہے، تو مطلب ہوگا کہ زمین کی تمام اطراف سے پانی چشمے کی طرح ابلنے گا حتیٰ کہ تنور جو کہ آگ کا چشمہ ہے وہ بھی پانی پھینکے گا، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تنور ہند میں ایک چشمہ ہے وہ مراد ہے، شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کوفہ میں ایک چشمہ ہے، اور قتادہ سے مروی ہے جزیرہ میں ایک چشمہ ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تنور سے مراد ہے صبح کی پو پھٹنا اور صبح کا روشن ہونا، تو مطلب ہوجائے گا کہ اے نوح جب صبح روشن ہوجائے تو تم کشتی میں سواری کی تیاری شروع کردینا، لیکن یہ قول غریب ہے۔

اور جو اللہ کا فرمان ہے:

یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب آگیا اور تنور ابل پڑا، تو ہم نے (نوح کو) کہا: اس میں سوار کرا لے ہر قسم (کے جانوروں کے) جوڑے، اور اپنے گھر والوں کو مگر جن کے بارے میں (عذاب کی) بات پہلے گزر چکی ہے (ان کو سوار نہ کرایئے) اور مومنوں کو بھی، اور ان کیساتھ ایمان لانیوالے بہت ہی کم تھے، پہلا حکم عذاب کے نزول سے پہلے تھا، اور یہ حکم عذاب اترنے کے وقت ابتدا میں تھا کہ کشتی میں ہر چیز کے جوڑے سوار کرالو۔

اور اہل کتاب کی کتاب میں یوں ذکر ہے کہ جو جانور کھائے جاتے ہوں یعنی حلال ان کے سات سات جوڑے سوار کرلو اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا ایک ایک جوڑا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے منافی ہوگی، جو اللہ نے فرمایا "اثنین" اور یہ منافی تب ہوگی جب ہم اثنین یعنی دو کو مفعول بنائیں لیکن اگر اثنین کو زوجین کی تاکید بنائیں اور مفعول بہ محذوف قرار دیں تو کوئی اختلاف نہیں واللہ اعلم۔ بعض نے ذکر کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ کشتی میں سب سے پہلے پرندے سوار کئے گئے اور حیوانات میں سے سب سے آخر میں گدھا داخل ہوا، اور ابلیس بھی گدھے کی دم کے ساتھ لٹک کر اندر داخل ہوا۔

اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جب نوح علیہ السلام نے کشتی میں ہر قسم کے جانور کا جوڑا سوار کرلیا، تو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہمارے ساتھ تو شیر بھی ہے، لہٰذا دوسرے جانور کیسے امن سے رہیں گے؟ تو اللہ عزوجل نے شیر کو بخار میں مبتلا کردیا (جس سے اس کی اکڑفوں کم ہوگئی) اور یہ زمین پر پہلی مرتبہ بخار اترا تھا، پھر نوح علیہ السلام کے ساتھیوں نے چوہے کی شکایت کی اور کہا کہ چوہے ہمارے ساز و سامان اور دوسرے کھانے پینے کی اشیاء خراب کررہے ہیں تو اللہ عزوجل نے شیر کے دل میں خیال ڈال دیا تو اس نے چھینک ماری، جس سے ایک بلی نکل آئی، اور چوہے اس کی وجہ سے سیدھے ہوگئے، اور یہ حدیث مرسل ہے (لیکن یہ خبر ظاہر میں بھی اجنبی معلوم ہوتی ہے اور یہ نبوت کا کلام نہیں ہوسکتا اور پتہ نہیں کہ حضرت ابن ابی حاتم جو صاحب علل حدیث بھی ہیں انھوں نے اس کو کیسے ثابت کردیا، اور حضرت مصنف نے بھی اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی)۔

---

(۱) وقال ابن ابی حاتم، حدثنا أبی حدثنا عبداللہ بن صالح، حدثنی اللیث، حدثنی ھشام بن سعد عن زید بن اسلم، عن ابیہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ..... الخ

اور اللہ نے جو فرمایا: مگر جس کی نسبت میرا فیصلہ عذاب کا گزر چکا (اس کے متعلق کوئی دعا نہ کرنا)؛ یعنی کافر لوگوں کے بارے میں دعا قبول نہ ہوگی، اور انہی میں حضرت نوح علیہ السلام کا خود کا بیٹا "یام" بھی تھا جو غرق ہو گیا۔

اور اللہ نے فرمایا (سوار کر لو) ان کو جو ایمان لے آئے، یعنی آپ کی امت کے جو افراد بھی ایمان سے سرفراز ہو گئے اور وہ بہت ہی تھوڑے تھے۔ فرمایا، اور اس کیساتھ ایمان نہیں لائے مگر تھوڑے سے افراد۔ (۱) اور یہ تھوڑے سے افراد بھی جب ایمان لائے جب بہت طویل مدت تک ان میں ایمان کی محنت کی، اور ان کو دن رات دعوت دی، مختلف مختلف طریقوں سے گفتگو فرما کر، کبھی عذاب و وعید سے ڈرا کر، کبھی ترغیب اور بشارت سنا کر (الغرض ہر طرح سے ان کو ساڑھے نو سو سال تک دعوت دیتے رہے پھر بھی صرف چند افراد ایمان لائے، اور وہ کتنے تھے؟ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کتنے سوار ہوئے؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ۸۰ تھے اور ان کے ساتھ ان کی عورتیں (بچے) بھی تھے، اور کعب احبار سے مروی ہے وہ ۷۲ تھے، اور ایک قول ہے وہ صرف دس تھے، اور ایک قول ہے کہ حضرت نوح اور ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں اور چوتھی یام کی بیوی بھی ساتھ تھی، اور یام خود کافروں کے ساتھ کشتی سے باہر تھا، تو صرف یہ حضرت نوح کا گھرانہ کشتی میں تھا، لیکن یہ بات قرآنی آیت کے بالکل مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل وعیال کے ساتھ مومنین کو بھی سوار کرنا، تو آیت سے معلوم ہوا کہ اہل وعیال کے علاوہ مومنین تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ کل سوار سات تھے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد یہ تھی حام، سام، یافث، یام اور اس یام کا نام اہل کتاب نے کنعان رکھا ہے جو کافروں کے ساتھ غرق ہو گیا تھا۔

اور ان سب کی ماں، حضرت نوح علیہ السلام کی اہلیہ، اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ طوفان سے پہلے وفات کر گئی تھی، اور ایک قول ہے وہ غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو گئی تھی، اور ان افراد میں تھی جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: مگر جن کی نسبت میرا فیصلہ عذاب دینے کا ہو چکا ان کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا، اور اہل کتاب کے نزدیک وہ کشتی میں سوار تھی تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں کافرہ ہو گئی ہو، یا اس کو قیامت کے دن تک مہلت دیدی گئی ہو کہ وہاں اس کا فیصلہ ہوگا، اب چاہے زندہ رہے، لیکن پہلا قول پھر بھی زیادہ صحیح ہے کہ وہ غرق ہو گئی ہو، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ کافروں (میں سے کسی کو) زمین پر بستا نہ چھوڑ۔ (۲)

پھر کشتی میں سواری کے بارے میں اللہ نے دعا پڑھنے کا حکم فرمایا کہ پس جب تو اور تیرے ساتھ ایمان لانے والے کشتی پر برابر (سوار) ہو جاؤ تو کہہ (دو) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی، اور (یہ دعا بھی) پڑھنا پروردگار مجھے بابرکت جگہ میں اتار اور تو اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ (۳)

تو اللہ نے یہاں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اللہ کی تعریف کرو اس بات پر کہ اس نے تمہارے لئے اس کشتی کو مسخر و تابع کر دیا، اور اس کے ذریعے نجات عطا فرمائی اور ان کے اور ان کی ظالم قوم کے درمیان صحیح فیصلہ فرما دیا، اور ان مخالفین مکذبین سے حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی فرما دیں، اسی طرح ایک جگہ اور فرمایا: اور وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا فرمایا، اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو، تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو، اور جب اس پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو، تو یہ کہو:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

"پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس کو تابع کر دیا (ورنہ) ہم اس کو بس میں کرنے والے نہیں تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

اسی طرح کاموں کی ابتداء میں دعا و بسم اللہ وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ کام خیر و برکت سے صحیح انجام کو پہنچے اور اس کی انتہا اچھائی کیساتھ ہو، جیسے جب حضور ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے آپ کو فرمایا: اور (یہ دعا) کہیے:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا (۴)

(۱) ھود۔۴۰ (۲) نوح ۲۶۔ (۳) مومنون ۲۸۔۲۹۔ (۴) بنی اسرائیل۔آیت ۸۰

''اے پروردگار مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجیو، اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو، اور اپنے پاس سے قوت وزور کو میرا مددگار بنائیو۔''

تو حضرت نوح علیہ السلام کو بھی اسی طرح دعا کی وصیت کی گئی، اور فرمایا: سوار ہو جاؤ اس کشتی میں (اس دعا کے ساتھ) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [1] یعنی اللہ کے نام ہی کے ساتھ اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا پروردگار بہت مغفرت کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے، (تو یہاں بھی دعا کی تاکید کی گئی جس کا مطلب ہے) اللہ کے نام ہی پر اس کا چلنا ہے اور اسی کے نام پر اس کا اپنے انجام اور سفر کی انتہا کو پہنچنا ہے، اور میرا پروردگار (ہم مومنین پر) بہت ہی مغفرت ورحم کا معاملہ فرمانے والا ہے بخلاف مجرم قوم کے ان سے عذاب ہٹانے والا نہیں، بلکہ ان کے حق میں انتقام لینے والا ہے اور عذاب کو کافروں سے واپس نہیں کرتا، جنھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کے بجائے غیر کی پرستش کی۔

اور کشتی کے چلنے کے بارے میں اللہ نے فرمایا: اور وہ کشتی ان کو لے کر (پانی کی طوفانی) موجوں میں پہاڑوں کی طرح چلتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی بارش برسائی کہ زمین نے کبھی پہلے آسمان کو اس طرح برستا نہ دیکھا ہوگا، اور نہ کبھی پھر برستا دیکھے گی آسمان سے پانی ایسے برس رہا تھا جیسے مشکیزوں کے منہ کھل گئے ہوں (اور اسی پر بس نہیں) بلکہ زمین کے بھی تمام سوتے سوراخ اور اطراف سے پانی کے چشمے دھڑا دھڑ کھول دیئے فرمان خداوندی ہے، پس (نوح نے) اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب (ہو چکا) ہوں لہٰذا میری مدد فرمایئے، تو بس ہم نے تیز بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو چشموں (کی صورت) میں کھول دیا، پس پانی (تباہی کے ساتھ) ایک کام (کافروں کو ڈبونا) جو مقدر ہو چکا تھا اس پر جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو (بمع اس کے اہل اور مومنین وغیرہم کے) ایک کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں اور کیلوں سے تیار کی گئی تھی، جو ہماری ہی نگہبانی میں چل رہی تھی، یہ بدلہ اس کا جس سے کفر کیا گیا، [2] یعنی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی (اس وجہ سے وہ بخیر وعافیت سلامت رہی)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ قبطی (مصر کے نصرانیوں کی جماعت کے) حساب سے مہینے کی تیرہویں تاریخ کو یہ طوفان آیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جب پانی طغیانی کی حد کو پہنچ گیا تو بے شک ہم نے تم کو کشتی میں سوار کرا دیا تاکہ اس کو تمہارے لئے نصیحت (کی چیز) بنائیں اور اس کو محفوظ کر لیں۔ [3]

مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی پہاڑ کی چوٹی اور زمین کی پندرہ گز بلندی تک پہنچ گیا تھا اور یہی اہل کتاب کے نزدیک قول ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی اسی گز تک زمین پر بلند ہو گیا تھا، اور پوری زمین طولاً عرضاً سخت نرم، پہاڑ گھاٹیاں ریتیلے میدان، سب پانی میں غرق ہو گئے تھے، اور روئے زمین پر کوئی زندہ آنکھ اس منظر کو دیکھنے والی نہ رہی تھی، نہ کوئی چھوٹا نہ بڑا، بلکہ تمام نیست و نابود ہو گئے تھے، اور امام مالک، زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (طوفان سے بچنے کے لئے) اس وقت کے تمام لوگ محفوظ جگہوں اور پہاڑوں پر پہنچ گئے اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ (رہائش کی تمام محفوظ جگہیں طوفان سے بچنے کے لئے) لوگوں سے پر ہو گئیں تھیں، کوئی ٹکڑا خالی نہ بچا تھا، یہ دونوں قول ابن ابی حاتم نے روایت کئے ہیں۔

اور انہی غرق ہونے والوں کے اندر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا یام کنعان بھی تھا قرآن فرماتا ہے اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ (ان سے) علیحدہ تھا (اور کہا۔ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ نہ ہو، (بیٹے نے) کہا میں پہاڑ کی طرف پناہ پکڑ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا، تو (حضرت نوح نے) فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے مگر جس پر اللہ رحم کرے (اور اتنی بات ہوئی تھی کہ) دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔ [4]

اور یہ بیٹا یام تھا جو سام، حام، یافث کا بھائی تھا، اور اس کا نام کنعان بھی کہا جاتا ہے اور یہ کافر تھا اور غیر صالح اعمال کا مرتکب تھا، لہٰذا اپنے والد کی اس کے دین و مذہب میں مخالفت و نافرمانی کی، جس سے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا، جبکہ اس کے باپ کے مخالف نسب والے کا

(۱) ہود۔۴۱۔ (۲) قمر ۱۰تا۱۴ (۳) الحاقۃ ۱۱تا۱۲۔ (۴) ہود ۴۲۔۴۳۔۴۴

میاب ہو گئے، کیونکہ وہ دین و مذہب میں موافق تھے۔

آگے فرمان خداوندی ہے اور کہا گیا، اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک ہو گیا، اور (عذاب کا) فیصلہ پورا ہو چکا، اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور کہا گیا پھٹکار ہو ظالم قوم پر۔[1]

یعنی جب زمین اللہ کے دشمنوں سے فارغ ہو گئی اور اس پر کوئی غیر اللہ کا پجاری نہ رہا، تو پھر اللہ نے حکم دیا کہ زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان تھم جا برسنے سے، پانی خشک ہو گیا اور عذاب مکمل ہو گیا جو اللہ کی قدرت میں ان پر اترنا تھا وہ اتر گیا اور پھر قدرت کی زبان سے ان کو لعنت و پھٹکار کی گئی، کہ تم کو رحمت و مغفرت خداوندی سے دوری ہو۔

دوسری جگہ قرآن میں ہے، پس کافروں نے حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے اس کو نجات دی اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے ان کو بھی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا، بے شک وہ اندھی قوم تھی۔[2] ایک اور جگہ فرمایا، پس کافروں نے اس (نوح علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے اس کو اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان سب کو نجات دیدی، اور ان کو پیچھے (باقی) رہنے والا بنادیا اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا، پس دیکھا کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا،[3] اور فرمایا اور ہم نے اس (نوح علیہ السلام) کی مدد کی اس قوم سے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بے شک وہ بری قوم تھی ہم نے ان سب کو غرق کر دیا،[4] اور فرمایا: ہم نے اس (نوح علیہ السلام) کو اور جو بھری ہوئی کشتی میں اس کے ساتھ سوار تھے ان کو نجات دی اور پھر اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس میں (عقل مند لوگوں کیلئے) نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور بے شک تیرا پروردگار تو بہت زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے،[5] اور فرمایا: ساڑھے نو سو سال تک ان میں دعوت حق دیتے رہے، پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا۔ وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور ان کو جہان والوں کیلئے نشانی بنادیا[6] فرمایا: پھر ہم نے دوسرے (کافر) لوگوں کو غرق کر دیا۔[7] اور یہ فرمایا: اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑ دیا، پس ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا، پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور بے شک ہم نے قرآن کو ذکر کیلئے آسان کر دیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت لینے والا۔[8] اور پروردگار نے فرمایا: وہ اپنے خطاؤں (کی پاداش) میں غرق کر دیئے گئے پھر جہنم میں داخل کر دیئے گئے، پس انھوں نے اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی مددگار نہیں پایا اور نوح علیہ السلام نے کہا پروردگار زمین پر کافروں کو بستا نہ چھوڑ، بے شک اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنم دیں گے مگر فاسق کافروں کو ہی۔ اللہ جو دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے اس نے حضرت نوح کی فریاد کو قبول کیا اور اسی کیلئے[9] تمام تعریفیں اور احسانات ہیں اور کافروں میں سے کوئی ایک باقی نہ رہا۔

[10] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر اللہ پاک نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کسی پر رحم فرماتا تو (اس) بچے کی ماں پر رحم فرماتا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ہزار سال ٹھہرے (یعنی پچاس سال کم) اور پھر سو سال شجر کاری فرمائی، اور وہ درخت بڑے ہوئے پھر ان کو کاٹا پھر ان سے کشتی بنائی، اس دوران کافر لوگ ان کے پاس سے گزرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے آپ کشتی خشکی میں بنا رہے ہیں۔

(یعنی خشکی کے لئے بنا رہے ہیں؟) تو یہ کیسے چلے گی، حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا عنقریب تم جان لوگے، جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے فارغ ہو گئے اور پانی نکلنا شروع ہو گیا، اور طغیانی کو پہنچنے لگا تو ایک بچے کی ماں کو اپنے بچے پر بہت خوف ہوا اور یہ اس سے بہت ٹوٹ کر محبت کرتی تھی، تو یہ ماں اپنے بچے کو لے کر پہاڑ کی طرف چلی، جب پہاڑ کی تہائی بلندی پر پہنچ گئی تو پانی بھی اس حد تک پہنچ گیا، ماں پھر بچے کو لے کر اوپر چڑھی، حتیٰ کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی، لیکن پانی بھی اوپر چڑھتا رہا حتیٰ کہ پانی ماں کی گردن تک پہنچ گیا، لیکن ماں نے (اپنی مامتا سے بے

---

(۱) اعراف ۶۴۔ (۲) یونس ۷۳۔ (۳) الانبیاء ۷۷۔ (۴) شعراء ۱۱۹ تا ۱۲۲۔
(۵) عنکبوت ۱۵۔ (۶) شعراء ۱۲۰۔ (۷) قمر ۱۵ تا ۱۷ (۸) نوح ۲۵ تا ۲۷

(۹) نوح ۲۵ ۲۷ (۱۰) وقد روی الامامان ابو جعفر بن جریر و ابو محمد بن ابی حاتم فی تفسیر یہما من طریق یعقوب بن محمد الزهری، عن فائد مولی عبدالله بن ابی رافع ان ابراهیم بن عبدالرحمن بن ابی ربیعه اخبره ان عائشة

تاب ہوکر) بچے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اوپر اٹھالیا (یعنی سر سے بلند کرلیا) لیکن دونوں غرق ہو گئے تو اگر اللہ ان کافروں میں سے کسی پر رحم فرماتا تو اس بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔

یہ حدیث غریب ہے اور حضرت کعب احبار اور مجاہد اور کئی ایک سے اس قصے جیسی روایت منقول ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور کعب احبار جیسے حضرات رحمہ اللہ علیہم سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے کافرین میں سے کسی ایک کو بھی زمین کے تختے پر زندہ بستا، نہ چھوڑا۔

لہذا بعض مفسرین کا یہ خیال کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ عوج بن عنق یا ابن عناق یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا، اور وہ کافر، متکبر، سرکش بھی تھا اور وہ بڑا آدمی تھا حتی کہ کہتے ہیں اس کی ماں آدم علیہ السلام کی بیٹی تھی اس نے اس کو زنا سے جنم دیا تھا اور وہ اپنے انتہائی لمبے قد کے ساتھ سمندروں کی گہرائی سے بھی مچھلی پکڑ لیتا اور اس کو سورج کی تپش میں بھونتا، اور نوح علیہ السلام جب کشتی میں تھے تو یہ ان سے کہتا یہ (کشتی) تیرا کیسا پیالہ ہے؟ اور اس طرح آپ علیہ السلام سے مذاق کرتا، اور بعض مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ اس کا قد تین ہزار تین سو پینتیس گز لمبا تھا، یہ سب ہزیانی لغو اور بے سروپا، بے اصل باتیں تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں کسی نے ذکر کردیں ہیں، ان حکایتوں سے، ہم کچھ ذکر نہیں کرتے، اس لئے کہ یہ اعتماد سے گری ہوئی ہیں اور رکیک باتیں ہیں جو عقل و نقل کے بالکل خلاف ہیں، عقل کے تو اس طرح خلاف ہے کہ دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تو اپنے کفر کی پاداش میں نیست و نابود ہوگیا جبکہ ان کے والد مکرم امت کے نبی اور اہل ایمان کے قائد ہوں اور عوج بن عنق یا عناق اپنے سب سے زیادہ ظلم و سرکشی کے باوجود زندہ سلامت رہے، اور اللہ تے ان میں سے کسی بچے اور اس بچے کی ماں کو تو چھوڑا نہیں اور اس متکبر، سرکش، فاجر، فاسق شیطان کو چھوڑ دیا، اور نقل کے خلاف اس طرح ہے کہ اللہ نے فرمایا: پھر ہم نے دوسروں (تمام) کو غرق کردیا[1] اور فرمایا (نوح نے بددعا کی اور) کہا پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔[2] پھر یہ قد اور لمبائی اس حدیث کے مخالف ہے جو صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے آدم کو ساٹھ ہاتھ پیدا فرمایا، پھر جب سے مخلوق مسلسل گھٹتی چلی آرہی ہے اب تک۔

تو یہ اس صادق مصدوق معصوم کی بات ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے، فرمایا کہ مخلوق جب سے اب تک مسلسل گھٹتی چلی آرہی ہے یعنی آپکے فرمانے تک بھی اور بلکہ قیامت تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کی اولاد میں آپ سے قد آور کوئی اور نہیں ہوسکتا، تو اس سچی خبر سے کیسے غافل رہا جا سکتا ہے اور اس کو کیسے ترک کیا جا سکتا ہے، اور کیسے اہل کتاب کے کافروں جھوٹوں کی بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا تحریف و تاویل کر ڈالی، مضامین کو ایک دوسرے کی جگہ رکھ دیا، تو جب خدائی کتاب کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو جو خبر ویسی ہی ہے اس پر یہ کتنے امانت دار ہوسکتے ہیں؟ جبکہ وہ خائن اور کذاب لوگ ہیں جن پر قیامت تک اللہ کی لعنت و پھٹکار برستی رہے گی، میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ عوج بن عناق کی خبر ان بعض زندیق، وفاجر وفاسق لوگوں کی افواہیں ہیں جو شروع سے انبیاء کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو اللہ سے عرض والتجا کی اس کا ذکر ہے اور وہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے اپنے بیٹے کے متعلق مغفرت و نجات کی عرض کی، اور سوال کا یہ طریقہ اور صورت تھی، کہ انھوں نے حالاً عرض کیا اے پروردگار آپ نے مجھ سے میرے اہل کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے، تو یہ بیٹا بھی اہل سے ہے اور وہ غرق ہورہا ہے تو یہ علم و وضاحت چاہتے تھے کہ آیا وہ میرے اہل سے ہے یا نہیں؟

تو جواب دیا گیا کہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے، یعنی جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا تھا وہ ان میں سے نہیں ہے، کیونکہ ہم نے کہا تھا، اپنے اہل کو (سوار کر) مگر وہ جن کی نسبت میرے عذاب کا فیصلہ ہو چکا (یعنی کافر) ہے تو لہذا تیرا بیٹا کنعان یام اہل میں سے نہیں ہے،[3] تو اس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ غرق ہوکر رہے گا اور اپنے کفر کا مزہ چکھے گا، اس وجہ سے قسمت اس کو اہل ایمان کے قافلے سے نکال لائی اور اپنے کفر کے گروہ کے ساتھ تباہ و غرق ہوگیا، پھر اللہ نے فرمایا: کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور اپنے اوپر برکتوں کے ساتھ، اور ان گروہوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں (برکتوں اور سلامتی کے ساتھ) اتریئے اور (دوسرے) گروہ، ان کو ہم دنیا کا نفع دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب چھولے گا۔[4]

---

(۱) شعراء ۶۶۔ (۲) نوح ۲۶۔ (۳) ھود ۴۰۔ (۴) ھود ۴۸۔

جب پانی روئے زمین سے خشک ہوگیا اور اس میں چلنا پھرنا ٹھہرنا ممکن ہوگیا تو پھر اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ:
کشتی سے اتر جاؤ جو بہت دور دور مسافت طے کر کے جودی پہاڑ پر ٹھہر چکی تھی، اور یہ پہاڑ جزیرہ کی زمین میں مشہور ہے اور یوں فرمایا کہ ہماری جانب سے سلامتی کے ساتھ، یعنی آپ پر اور جو امتیں بعد میں پیدا ہوں گی آپ کی اولاد سے سب پر سلامتی ہو، اس لئے کہ جو بھی آپ کے ساتھ دوسرے مومنین تھے کسی کی نسل آگے نہیں چلی یہ تمام روئے زمین کی آل اولاد حضرت نوح کی نسل ہے اور اللہ نے بھی یوں ہی فرمایا کہ ہم نے اس (نوح) کی ذریت کو بنادیا کہ وہ ہی باقی رہنے والے ہیں۔ [1] تو جو بھی آج روئے زمین پر انسان آباد ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہے وہ یہ ہیں سام، حام، یافث اور حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، سام عرب کے باپ ہیں، حام حبشہ کے باپ ہیں اور یافث روم کے باپ ہیں، یعنی ان علاقوں کی نسلوں کے باپ ہیں۔ [2]

(۳) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کے مثل فرمایا، اور عمران فرماتے ہیں کہ روم سے مراد یہاں روم اولیٰ ہے، جو یونانی ہیں اور رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔

(۴) سعید رحمۃ اللہ علیہ بن المسیب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے تین فرزند تھے سام، یافث، حام اور بقیہ تمام (دنیا کی) اولاد ان تین سے ہے، پس سام کی اولاد عرب، فارس (ایران) روم والے ہیں، اور یافث کی اولاد ترکی، صقالبہ، یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبطی، سوڈانی، اور بربری (تاتاری) ہیں۔

(۵) سعید بن المسیب کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نوح علیہ السلام کی اولاد سام اور حام اور یافث تھیں، پس سام کے ہاں سے عرب اور فارس اور روم والے پیدا ہوئے اور ان میں بھلائی ہے اور یافث کے ہاں سے یاجوج ماجوج اور ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے اور ان میں کوئی خیر نہیں ہے، اور حام کے ہاں سے قبطی بربری (تاتاری) اور سوڈان والے پیدا ہوئے۔ [6]

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تین فرزند نوح کے ہاں طوفان کے بعد ہی پیدا ہوئے اور طوفان سے پہلے کنعان تھا جو غرق ہوگیا اور ایک اور لڑکا تھا عابر نام کا وہ اپنی موت مر گیا تھا۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ تینوں لڑکے مع اپنی عورتوں اور اپنی والدہ کے کشتی میں موجود تھے اور تورات میں بھی اسی کی وضاحت ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ حام نے کشتی میں اپنی بیوی سے مباشرت کی تھی، تو حضرت نوح نے ان کے لئے بددعا کی کہ ان کی اولاد بری صورت پیدا ہو، تو پھر اس مباشرت سے ایک کالا لڑکا پیدا ہوا اور وہ سوڈانیوں کا باپ بنا اس کا نام بھی کنعان تھا یعنی کنعان بن حام بن نوح اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حام نے اپنے والد کو سوتے ہوئے دیکھا اور ان کے ستر سے کچھ کپڑا اٹھا ہوا تھا تو حام نے اس کو ڈھکا نہیں لیکن بھائیوں نے ڈھک دیا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی کہ اس کی اولاد اس سے تبدیل ہو جائے اور اس کی اولاد اس کے بھائیوں کی غلام بنے تو پھر اس کے ہاں سوڈانی نسل کی افزائش ہوئی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین نے ان سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ہمارے لئے ایک ایسے آدمی کو زندہ فرمائیں جو ہمیں کشتی نوح کے متعلق تفصیل بتلائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے ایک تودے (ڈھیر) پر تشریف لائے اور اس مٹی میں سے ایک مشت بھر کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کس کی مٹی ہے؟ انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول

---

(۱) صافات ۷۷۔

(۲) قال الامام احمد حدثنا عبدالوهاب، عن سعيد، عن قتادہ، عن الحسن، عن سمره ان النبی صلی الله عليه وسلم قال، الخ .

(۳) ورواه الترمذی عن بشر بن معاذ العقدی عن يزيد بن زريع، عن سعيد بن ابی عروبه، عن قتادہ، عن الحسن، عن سمره مرفوعاً نحوه .

(۴) وقال الشيخ ابو عمر بن عبدالبر، وقد روی عن عمران بن حصين، عن النبی صلی الله عليه وسلم مثله قال الخ

(۵) ثم روی من حديث اسماعيل بن عياش، عن يحيیٰ بن سعيد، عن سعيد بن المسيب انه قال الخ

(۶) قلت و قال الحافظ ابوبكر البزار فی مسنده حدثنا ابراهيم بن هانی، واحمد بن حسين بن عباد ابوالعباس قالا، حدثنا، محمد بن بريد بن سنان، الرهاوی، حدثنی ابی عن يحيیٰ بن سعيد، عن سعيد بن المسيب عن ابی هريرة

علیہ السلام زیادہ جانتے ہیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کعب حام بن نوح کی مٹی ہے، راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مٹی کے تودے پر اپنی لاٹھی ماری اور کہا کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا پس وہ اپنے سفید بالوں سے مٹی جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ کیا تو ایسی حالت میں مرا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں میں تو جوانی کی حالت میں مرا تھا لیکن ابھی ابھی میں یہ سمجھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے جس کے خوف سے میں بوڑھا ہو گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ ہمیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کرو، اس نے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لمبائی میں بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو ۶۰۰ گز تھی، اور اس میں تین منزلیں تھیں پہلی منزل میں عام جانور اور جنگلی جانور تھے دوسری منزل میں انسان تھے تیسری منزل میں پرندے تھے، جب کشتی میں جانوروں کی لید وغیرہ کثرت سے جمع ہو گئی تو اللہ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہاتھی کی دم کو پکڑ کر جھنجھوڑو، حضرت نوح علیہ السلام نے جب اس کی دم کو جھنجھوڑا تو اس سے خنزیر (مذکر و مونث) پیدا ہو گئے اور فوراً لید اور غلاظت کی طرف لپکے، پھر جب چوہے نے کشتی کے ٹ ان کوں (سلائی) کو کاٹنا شروع کیا تو اللہ عز وجل نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم شیر کے نتھنوں پر مارو، انھوں نے مارا تو شیر کے نتھنوں سے بلی اور بلا نکلے اور چوہے کی طرف جھپٹے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ تمام شہر غرق ہو چکے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا کہ وہ زمین والوں کے حالات معلوم کر کے لائے تو کوے نے جیسے ہی باہر مردار لاشوں کو دیکھا تو ان پر ٹوٹ پڑا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لئے بددعا کی کہ تو ہمیشہ خوف میں مبتلا رہے (یہی وجہ ہے کہ وہ انسانوں سے گھبراتا ہے جس کی وجہ سے آج تک کسی گھر میں اپنا ٹھکانہ نہیں بنا سکا)۔

اس شخص نے آگے کہا کہ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو خبر لینے کے لئے بھیجا تو وہ اپنی چونچ میں زیتون کا ایک پتہ اور اپنے پاؤں میں کیچڑ لایا اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ تمام شہر غرق ہو چکے ہیں، تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کبوتر کی گردن میں ایک ہری شاخ کا ہار ڈالا اور اس کے لئے دعا کی کہ تو خوشی اور امن میں رہے (یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے گھروں میں مانوس ہو کر اپنا مسکن اختیار کرتا ہے) راوی فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم اس کو (۱) اپنے گھر نہ لے چلیں تاکہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کریں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیسے تمہارے ساتھ رہ سکتا ہے حالانکہ اس کا رزق دنیا میں ختم ہو چکا ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ، اس کے بعد وہ شخص مٹی ہو گیا۔

علباء بن احمر عکرمہ سے اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسی (۸۰) اشخاص تھے اور ہر ایک کے ساتھ اس کا کنبہ بھی تھا اور یہ لوگ کشتی میں تقریباً ایک سو پچاس دن رہے، اور اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا تھا اور کشتی چالیس دن بیت اللہ کے گرد چکر لگاتی رہی اس کے بعد اس کا رخ جبل جودی کی طرف پھیر دیا گیا وہیں جا کر کشتی ٹھہر گئی، پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اہل زمین کی خبر لینے ایک کوے کو بھیجا تو کوے نے مردار دیکھے تو ان پر جھپٹ پڑا اور تاخیر کی جس کی وجہ سے کبوتر کو بھیجا تو کبوتر ایک زیتون کے پتے کو لے کر آیا اور اس کے پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے جس کو دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ زمین خشک ہو چکی ہے پھر حضرت نوح علیہ السلام جودی پہاڑ سے زمین پر اتر آئے اور پھر ایک بستی کو تعمیر کیا جس کا نام "ثمانین" رکھا (یعنی ۸۰ آدمیوں کی بستی) اسی دوران ایک مرتبہ صبح کو اٹھے تو ہر آدمی کی زبان بدل چکی تھی، (یعنی ۸۰ زبانیں ہو چکی تھیں) اور ان میں سے ایک زبان عربی کی تھی بقیہ زبانیں کوئی بھی ایک دوسرے کی نہیں سمجھ رہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام ہر ایک کی ترجمانی فرماتے تھے۔

اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قوم نوح کے یہ افراد رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے اور ایک سو پچاس دن چلتے رہے جن میں سے ایک مہینہ جبل جودی پر ٹھہرے رہے، پھر محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کشتی سے باہر آئے، اور ابن جریر ایک خبر مرفوع میں ذکر کرتے ہیں

(۱) یعنی حضرت نوح کے اس بیٹے حام کو اپنے گھر لے چلیں۔

کہ اس دن یہ لوگ (شکریہ کے طور پر کہ اس دن ان کو سیلاب کے عذاب سے نجات حاصل ہوئی) روزہ رکھتے تھے۔

(۱) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ یہودیوں کے پاس سے گزرے کہ وہ لوگ یوم عاشورہ کو روزہ رکھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کس چیز کا روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے نجات دی جبکہ فرعون کو غرق کردیا اور اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جبل جودی پر ٹھہر گئی تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں زیادہ حقدار ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی محبت میں روزہ رکھوں (جبکہ یہودی بھی رکھتے ہیں) اور نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص صبح کرے اس حالت میں کہ (اس نے صبح صادق کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو) اس کو چاہئے کہ وہ روزہ کی نیت کرلے اور جس شخص نے کچھ کھا پی لیا ہے اس کو چاہئے کہ احتراماً سارا دن کچھ نہ کھائے۔ (۲)

اس واقعہ میں بعض جاہلین نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ زائد توشہ بچ گیا تھا یعنی گندم کے دانے وغیرہ ان کو پیس لیا اور کھالیا تھا، اور انھوں نے اثمد کا سرمہ لگایا تا کہ کشتی میں کئی دن اندھیرے میں رہنے کے بعد باہر فضاء کی روشنی سے مستفید ہوسکیں، (اس قسم کی تمام باتیں صحیح نہیں ہیں) اور اس کے متعلق بعض بزرگوں سے اقوال منقول ہیں جو کہ بنی اسرائیل سے منقول ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور ان کی اقتداء بھی نہیں کی جاسکتی...... واللہ اعلم۔

اور محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح علیہ السلام کو روکنے کا ارادہ فرمایا تو زمین پر زبردست ہوائیں چلائیں جس سے پانی رک گیا اور چشمے ابلنا بند ہوگئے اور پانی کم ہونا شروع ہوگیا حتیٰ کہ خشک ہوگیا۔

اہل توراۃ کے گمان کے مطابق کشتی جبل جودی پر جب کی دسویں تاریخ کو ٹھہری اور دسویں مہینے (شوال) کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نمودار ہونا شروع ہوگئیں، اس کے چالیس روز گزر جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کی کھڑکی کھولی اور ایک کوے کو یہ جانچنے کے لئے بھیجا کہ دیکھو طوفان نے زمین پر کیسی تباہی مچائی ہے لیکن کوا واپس نہ آیا (اس وجہ سے کہ وہ مرداروں کے کھانے میں مصروف ہوگیا) پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا تو کبوتر کچھ دیر کے بعد واپس آیا اور اس کے پاؤں وغیرہ پر کوئی ایسی علامت نظر نہیں آئی (جس سے معلوم ہوتا کہ یہ کہیں بیٹھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ زمین پر پانی موجود تھا) نوح علیہ السلام نے کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر کبوتر کو پکڑا اور اندر داخل کردیا، پھر سات دن گزر جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو دوبارہ بھیجا یہ معلوم کرنے کے لئے اب زمین کی کیا حالت ہے کبوتر فوراً تو واپس نہیں آیا لیکن شام کو واپس آیا اور اس کے منہ میں زیتون کا پتہ تھا اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ اب پانی سطح زمین سے کم ہوگیا ہے، پھر سات دن گزرنے کے بعد کبوتر کو بھیجا لیکن کبوتر واپس نہیں آیا اس سے نوح علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ سطح زمین ظاہر ہوچکی (اس وجہ سے کبوتر نے کہیں ٹھکانہ پکڑ لیا ہوگا) اور جب طوفان کی ابتداء اور اس کبوتر کے بھیجنے کے درمیان ایک سال مکمل ہوگیا حتیٰ کہ دوسرے سال کا پہلا دن پھر گزر گیا تو سطح زمین کا ظہور شروع ہوگیا، جنگل بھی ظاہر ہوگیا، تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کا ڈھکن کھول دیا۔ (۳)

اور ابن اسحاق نے یہ بھی فرمایا کہ دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی چھبیس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (ترجمہ) حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعت پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) نفع دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔ (۴)

اس کے متعلق اہل کتاب نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا اور حکم دیا کہ اب تم اور تمہاری بیوی تمہارے بیٹے اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں اور جمیع چوپائے باہر نکل آؤ تا کہ افزائش نسل ہو اور زمین میں انسانوں کی آبادی بڑھے، تو حضرت نوح علیہ السلام نے تمام

(۱) قال الامام احمد: حدثنا ابو جعفر، حدثنا عبدالصمد بن حبیب الازدی عن ابیه حبیب بن عبدالله عن شبل، عن ابی هریرةؓ...... الخ.

(۲) وهذا الحدیث له شاهد فی الصحیح من وجه آخر، والمستغرب ذکر نوح ایضا، والله اعلم

(۳) وهذا الذی ذکره ابن اسحاق هو بعینه مضمون سیاق التوراة التی بایدی اهل الکتاب (۴) هود. ۴۸

لوگوں کو باہر نکالا اور پھر ایک مذبوحہ خانہ بنایا[1] اور حلال چوپائے اور حلال پرندوں کی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آئندہ کبھی بھی اہل زمین پر ایسا زبردست طوفان نہیں آئے گا اور اس وعدہ کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک علامت مقرر فرمادی جس کو قوس قزح[2] کہا جاتا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ قوس قزح اللہ تعالیٰ کی طرف سے طوفان سے امن کا پیغام ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ قوس قزح اس بات کی علامت ہے کہ اب طوفان نوح جیسا طوفان نہیں آئے گا، (البتہ اگر اکا دکا کہیں طوفانی واقعات واقع ہو جائیں تو یہ اس روایت کے منافی نہیں ہیں)

بعض احمق اور جاہل لوگوں کی جماعت اور اہل ہند نے طوفان نوح کا انکار کیا ہے، جبکہ انہیں میں سے بعض لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طوفان نوح واقع ہوا تھا لیکن یہ طوفان بابل کی ایک بستی پر نازل ہوا ہم تک اس طوفان کا کوئی اثر نہیں پہنچا تھا، کیونکہ ہمیں یہ بادشاہت وغیرہ اپنے آباؤ اجداد یعنی کیومرث (آدم علیہ السلام) سے ابھی تک متواتر ملتی چلی آئی ہے، یہ ان لوگوں کے قول ہیں جو زندیق، آتش پرست مجوسی، اور شیطان کے متبعین ہیں، اور یہ محض اوہام پرستی اور صریح جہالت اور کفر جلی ہے اور محسوس ومشاہد چیزوں پر ہٹ دھرمی اختیار کرنا ہے، اور آسمان وزمین کے پروردگار کی تکذیب کرنا ہے جو کہ واضح کفر ہے اور جبکہ تمام آسمانی مذاہب والے طوفان نوح کے وقوع پر متفق ہیں اور لوگوں سے تواتراً یہ بات ثابت ہے کہ طوفان نوح واقع ہوا تھا اور اس طوفان نے پوری روئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جس کے نتیجہ میں کوئی بھی کافر زندہ نہیں بچا تھا سب غرق ہو چکے تھے۔

اور یہ نبی معصوم حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا اثر تھا جو کہ ان کی یقینی تقدیر میں نافذ ہو چکا تھا، جس پر بے شمار قرآنی آیات ذکر کی گئی ہیں اس کے باوجود کوئی بغض وعناد کی وجہ سے طوفان نوح کا انکار کرے تو وہ صریح کفر وضلالت وگمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟......

حضرت نوح علیہ السلام کی ذات مبارکہ کے متعلق کچھ ذکر خیر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ...... بے شک نوح ہمارے شکر گزار بندے تھے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید بیان کرتے رہتے تھے کھانے، پینے اور لباس غرض کہ ہر نعمت وغیر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔

[3] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ عطا فرمادیتے ہیں جو کہ ہر کھانے اور ہر پینے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہے۔[4]

اور یہ تو ظاہری بات ہے کہ شاکر اس شخص کو کہتے ہیں جو کہ دل سے اور اپنے اعمال وجوارح سے ہمہ تن اور ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں معروف ومنہمک رہے جیسا کہ شاعر کا قول:۔

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ يدی ولسانی والضمير المحجبا

ترجمہ...... فائدہ پہنچایا تجھ کو تیری نعمتوں نے میری طرف سے تین چیزوں کا میرے ہاتھوں کا اور میری زبان کا اور پوشیدہ قلب کا یعنی تیری نعمتوں کی وجہ سے میری زبان میرے ہاتھ میرا دل تیرے شکر وعظمت میں محو ہیں۔

شاعر نے بھی شکر کیلئے تین ہی چیزوں کو ذکر کیا ہاتھ، زبان اور دل، کہ شکر ان تین چیزوں ہی سے ادا ہوتا ہے۔

---

(۱) جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ (۲) یہ بارش کے دنوں میں آسمان پر کمان کی شکل میں کئی رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۳) وقال الامام احمد، حدثنا ابو اسامہ، حدثنا زكريا بن ابی زائدۃ عن سعيد ابن ابی بردۃ، عن انس بن مالک الخ

(۴) وكذا رواہ مسلم والترمذی والنسائی من حديث ابی اسامۃ.

حضرت نوح علیہ السلام کے روزہ کا تذکرہ

[۱] ابن ماجہ نے (باب صیام نوح علیہ السلام) کے تحت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "حضرت نوح علیہ السلام ایام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ساری زندگی روزہ رکھتے تھے۔

اور طبرانی نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "حضرت نوح علیہ السلام یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کے علاوہ ساری زندگی روزہ رکھتے تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے آدھی زندگی روزے رکھے، (یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن چھوڑ دیتے تھے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے اور کبھی رکھتے تھے اور کبھی افطار کرتے تھے۔[۲]

حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا تذکرہ

[۳] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ حج کے دوران وادی عسفان سے گزرے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ کون سی وادی ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ وادی عسفان [۴] ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اپنے سرخ اونٹوں پر گزرے جن کی مہاریں کھجور کی رسی کی تھیں اور ان کے جسموں پر طویل جبے تھے اور ان کی چادریں اون کی بنی ہوئی تھیں، اس حالت میں وہ بیت عتیق (قدیم گھر) کا حج کرنے چلے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ جو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ ایک اعرابی شخص آیا، اس پر عابدوں کا جبہ تھا (لیکن) وہ دیباج (ریشمی کپڑے) سے (کڑھائی کرکے) سجا ہوا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا، خبر رکھو کہ تمہارے اس ساتھی نے ہر شہسوار ابن شہسوار کو نیچا کردیا، یا حضور ﷺ نے یہ فرمایا (راوی کو شک ہے) کہ یہ شخص ہر شہسوار ابن شہسوار کو پست کرنا چاہتا ہے اور چرواہے ابن چرواہے کو بلند کرنا چاہتا ہے راوی کہتے ہیں پھر حضور اکرم ﷺ نے اس کے دامن کو پکڑا (اور کھینچتے ہوئے) فرمایا اے شخص میں تجھ پر جاہلوں کا لباس دیکھ رہا ہوں، پھر فرمایا بے شک اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آ گیا، تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی فرمایا میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں، دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تجھے لا الہ الا اللہ کا حکم کرتا ہوں بے شک اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک طرف پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں یہ کلمہ رکھ دیا جائے تو بے شک لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا، اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک حلقہ بن جائیں پھر بھی لا الہ الا اللہ ان پر بھاری ہو جائے گا۔ (اور دوسری بات جس کا حکم دیتا ہوں) وہ ہے سبحان اللہ وبحمدہ، بے شک یہ ہر چیز کو کفایت کرنے

---

(۱) حدثنا سهل بن ابی سهل، حدثنا سعید بن ابی مریم، عن ابن لهیعة، عن جعفر بن ربیعة، عن ابی فراس، انه سمع عبدالله بن عمرو ...... الخ.

(۲) قال الطبرانی حدثنا ابو الزنباع روح بن فرج، حدثنا عمرو بن خالد الحرانی، حدثنا ابن لهیعة عن ابی قتادة عن یزید بن رباح ابی فراس انه سمع عبدالله بن عمرو ...... الخ

(۳) وقال الحافظ ابو یعلی، حدثنا سفیان بن وکیع، حدثنا ابی، عن زمعة (وهو ابن ابی صالح) عن سلمة بن وهرام عن عکرمة عن ابن عباس ......الخ

(۴) یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

والی ہے اور مخلوق کو رزق اسی کے وسیلے سے ملتا ہے۔

اور میں تجھے روکتا ہوں دو چیزوں سے وہ ہیں شرک اور بڑائی، راوی کہتے ہیں کہ میں نے یا کسی اور نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ شرک کو تو ہم نے جان لیا، لیکن یہ کبر (بڑائی) کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس دو عمدہ جوتے ہوں اور ان کے تسمے بھی اچھے ہوں؟ فرمایا! نہیں، پھر پوچھا تو کیا یہ ہے بڑائی کہ ہم میں کسی کے پاس عمدہ جوڑا ہو جس کو وہ پہنتا ہو؟ فرمایا نہیں پھر پوچھا تو کیا یہ ہے بڑائی کہ اس کے اصحاب ہوں اور وہ ان کے ساتھ بیٹھتا ہو؟ (یعنی وہ بڑا سردار یا لیڈر ہو یا کوئی اور صورت ہو جس سے لوگ اس کے گرد وپیش جمع ہوں تو کیا یہ بڑائی ہے)؟ فرمایا نہیں، پھر پوچھا گیا پھر یا رسول اللہ ﷺ بڑائی کیا چیز ہے؟

تو پھر فرمایا: حق سے انکار (اور ہٹ دھرمی کرنا) اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔[1]

یہ تھی حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت ونصیحت۔

آپ کی عمر مبارک:...... اہل کتاب اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو ان کی عمر مبارک چھ سو سال تھی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اور اس میں یہ زیادتی بھی ہے کہ پھر کشتی سے اترنے کے بعد آپ نے زندگی کے ساڑھے تین سو سال بسر کئے، لیکن اس خیال وقول میں کچھ (غلطی کا امکان) ہے۔ کیونکہ اگر اس قول اور قرآنی مراد ومطلب کے درمیان ہم آہنگی و موافقت نہ ہو تو یہ قول سراسر غلط ہوگا، اس لئے کہ قرآنی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نبوت ملنے کے بعد اور طوفان کی تباہی سے پہلے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے ہیں (کیونکہ قرآن میں فرمان باری ہے اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا پھر وہ ان میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے رہے[2] تو اس سے یہ مصنف کا دعویٰ بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے) پھر اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ان میں کتنے عرصہ ٹھہرے؟ واللہ اعلم۔ اور اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نوح کو پیغمبری چار سو اسی (۴۸۰) سال کی عمر میں ملی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال جئے، تو اس حساب سے ان کی زندگی سترہ سو اسی (۱۷۸۰) سال بنتی ہے۔

مرقد مبارک:...... ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ازرقی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمٰن بن سابط یا دوسرے تابعین سے روایت کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے، اور یہ بات اکثر ان متاخرین کے اقوال کے مقابلے میں زیادہ قوی اور ثابت ہے جو کہتے ہیں کہ بقاع شہر جو آج کل[3] "کرک نوح" سے مشہور ہے، وہاں ہے اور اسی وجہ سے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔

---

(۱) وهذا اسناد صحيح ولم يخرجوه ورواه ابو القاسم الطبراني من حديث عبدالرحيم بن سليمان، عن محمد بن اسحاق، عن عمرو بن دينار، عن عبدالله بن عمرو، أن النبي ﷺ قال ...... والظاهر انه عن عبدالله بن عمرو بن العاص، كمارواه الطبراني و احمد، والله اعلم۔

(۲) عنکبوت ۱۴۔ (۳) یعنی مصنف کے زمانے میں مصنف م ۷۷۴

حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ دو طرح سے بیان ہوا ہے۔

پہلا نسب نامہ: ...... یہ ہے ہود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام اور یہی نسب نامہ یوں بھی بیان ہوا، عابر یعنی ہود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ہیں۔

دوسرا نسب نامہ یہ ہے:- ہود بن عبداللہ، بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اوران کا تعلق عاد قبیلے سے تھا جس کا نسب یوں ہے عاد بن عوص بن سام بن نوح اور یہ اعرابی (یعنی دیہاتی) لوگ تھے، اور پہاڑیوں اور ٹیلوں کی گھاٹیوں میں رہا کرتے تھے اور یہ علاقہ یمن میں تھا، جو عمان اور حضرموت کے درمیان ہے اوراس کو شحر کا نام دیا جاتا تھا، اوراس قبیلے کی وادی، مغیث نام سے تھی، اوراکثر یہ لوگ ایسے خیموں میں رہتے تھے، جو مضبوط اور بھاری ستونوں پر قائم ہوتے تھے جیسے قرآن مقدس بھی اس کی تائید کرتا ہے فرمایا! اے (مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا (برتاؤ) کیا، (قوم عاد سے مراد یعنی) ارم ہے، جو ستونوں والے تھے۔ [1] اور یہاں یہ بھی وضاحت فرمادی گئی کہ عاد سے کون سے عاد مراد ہیں؟ فرمادیا پہلے عاد مراد ہیں، جن کا ارم نام بھی تھا، اور دوسرے عاد وہ بعد میں آئے، جس کا بیان عنقریب اپنے مقام پر ہونے والا ہے۔

تو فرمایا کہ یہ پہلے عاد ستونوں والے تھے اور آگے فرمایا ان کے جیسے (دنیا کے) شہروں میں (کوئی بھی) پیدا نہیں کئے گئے۔ اوراس سے کیا مراد ہے؟ کہ ان جیسے پیدا نہیں کئے گئے؟ (۲) ایک قول تو یہ ہے کہ اس قبیلے جیسے اور لوگ پیدا نہیں کئے گئے (یعنی وہ انسان انتہائی قدآور اور زورآور تھے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے مسکن اور رہائش کی جگہیں بہت لمبے ستونوں والی تھیں، (جن کی مثل دنیا میں کوئی جگہیں نہیں بنائی گئیں)۔

اوراس ارم شہر کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ زمین میں گھومتا رہتا ہے کبھی ملک شام میں کبھی یمن میں، کبھی حجاز مقدس میں، کبھی اور کہیں لیکن ان کا یہ خیال حقیقت سے دور ہے، اور ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، اوراس کی کوئی برہان نہیں جس کی طرف رجوع کیا جاسکے، اور نہ کوئی سند ہے جس پر بھروسہ کیا جاسکے۔

اور حضرت ہود کس زبان کے تھے؟ تو حدیث کی کتاب صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہے جس میں انبیاء ورسولوں کا ذکر ہے، تو اس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

انبیاء میں سے چار انبیاء عربی ہیں، ہود، صالح، شعیب، اور تیرا نبی اے ابوذر (یعنی محمد ﷺ)۔

اور کہا جاتا ہے حضرت ہود علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنھوں نے عربی زبان میں گفتگو فرمائی، لیکن وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ان کے والد نے پہلے عربی میں گفتگو فرمائی، اور دوسرے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ پہلے شخص جنھوں نے عربی زبان میں گفتگو کی وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، اور ایک قول ہے وہ حضرت آدم ہیں اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اور بھی دوسرے اقوال ہیں، واللہ اعلم۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے جو عرب لوگ تھے ان کو "العرب العاربة" یعنی خالص عرب کہا جاتا تھا اور یہ بہت سے قبائل تھے، عاد ثمود، جرہم، طسم، جدیس، امیم، مدین، عملاق، عبیل، جاسم، قحطان، بنو یقطن وغیرہ (تو یہ قبائل خالص عرب تھے اور عربی ان کی اپنی زبان تھی) اوران کے علاوہ وہ عرب جو عربوں میں داخل ہوکر عرب بنے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے عرب لوگ تھے، اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام یا اور جو فصیح عربی والا تھا، انھوں نے اس عربی زبان کو قوم جرہم سے حاصل کیا تھا، اور یہ قوم جرہم، حضرت اسماعیل علیہ السلام اوران کی والدہ جب

(۱)۔(۲) فجر آیت ۶۔۷۔۸

مکے کے بیابان علاقے میں چھوڑ دیئے گئے تھے تب وہاں آکر بسی تھی جس کا بیان اپنے مقام پر انشاءاللہ ضرور آئے گا، تاہم اگر چہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عربی کو قوم جرہم سے حاصل کیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عربی میں بہت ہی فصاحت و بلاغت اور عمدہ بیان سے نوازا تھا، اور اسی طرح حضور اکرم ﷺ بھی عربی زبان بہت شیریں اور فصیح بلیغ بولتے تھے۔

(تو خیر یہ حضرت ہود عربی تھے) اور ان کی قوم عاد، طوفان، نوح کے بعد سب سے پہلے بتوں کے پجاری بنے، اور ان کے معبودان باطلہ تین تھے، صمدا، صمودا، ہرا،

پھر اللہ عزوجل نے ان میں انہی کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا، آپ نے اپنی قوم کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی طرف بلایا، جیسے قرآن میں آیا ہے۔

ترجمہ......اور اسی طرح قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا بھائیو خدا ہی کی عبادت کرو، اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں انھوں نے کہا میری قوم! میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں میں تمہیں خدا کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار، خیر خواہ ہوں کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تا کہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اور تم یاد تو کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا، پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ نجات حاصل کرو وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم خدا کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ، ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے، کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے، ہیں جن کی خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو نجات بخشی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی، اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ [1]

اور سورۃ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ:......اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم (شرک کر کے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو۔ میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ اور اے قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔ وہ بولے ہود (تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر دیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں خدا کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں اس سے بیزار ہوں (یعنی جن کی) خدا کے سوا (عبادت کرتے ہو)۔ تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنا چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں خدا پر اور جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسہ رکھتا ہوں (اور زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بے شک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہاری طرف پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو بسا لائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے، میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے، اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کی ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی، یہ وہی (عاد) ہیں جنھوں نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش و متکبر کا کہا مانا، تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔ [2]

(۱) سورۃ اعراف آیت ۶۵ تا ۷۲۔ (۲) سورۃ ھود آیت ۵۰ تا ۶۰۔

اور سورۂ مومنون میں نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی اور انہیں میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے ان سے کہا کہ) خدا ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے جس قسم کا تم کھانا کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو اسی طرح کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے، کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے، زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر ہم نہیں اٹھائے جائیں گے، یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔

(پیغمبر) نے کہا اے پروردگار انھوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر فرمایا کہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے تو ان کو (وعدۂ) برحق (کے مطابق) زور کی آواز نے آ پکڑا تو ہم نے ان کو عذاب میں ڈالا پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ سورۂ شعراء میں قصے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... (قوم) عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کام سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے بھلا تم ہر اونچی جگہ پر عبث نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو اس نے تمہیں چار پایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔

مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے، وہ کہنے لگے ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لئے یکساں ہے، یہ تو پہلے (انبیاء) لوگوں کے طریقے ہیں، (کہ وہ بھی تمہاری طرح قوموں کو ڈراتے تھے) اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا، تو انھوں نے ہود کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا بے شک اس میں نشانی ہے، اور ان میں (سے) اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔[2]

اور قرآن میں ایک اور مقام پر ہے (ترجمہ) جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور (وہ لوگ) کہنے لگے ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے قوت میں بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھادیں، اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔[3]

اور قرآن میں دوسرے مقام پر ہے:

ترجمہ:...... اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو، اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے ہم پر لے آؤ، انھوں نے کہا (اس کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو، پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے، جو ہم پر برس کر رہے گا، (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کیا کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے جو ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا گناہ گار لوگوں کو

(۱) سورۃ المومنون آیت ۳۱۔۴۱ (۲) سورۃ شعراء آیت ۱۲۳ تا ۱۴۰۔ (۳) سورۃ حم سجدہ آیت ۱۵۔۱۶۔

ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ترجمہ:۔۔۔۔۔اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی، وہ جس چیز پر بھی چلتی اس کو ریزہ ریزہ کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ (۲) اور سورۂ نجم میں فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔۔۔اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) نے عاد اول کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کو بھی، غرض کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی (اس میں) کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو پٹخ دیا، پھر ان پر جو (عذاب) چھایا۔۔۔۔۔ چھایا، تو (اے انسان) تو اپنے پروردگار کی کون سی کونسی نعمت پر جھگڑے گا۔ (۳)

اسی طرح سورۂ قمر میں فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔۔۔(قوم) عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا، ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی، وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑ ڈالتی تھی گویا کہ کھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں، سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا، اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی (ایسا) ہے کہ سوچے (اور) سمجھے؟ (۴)

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔۔۔اور بہر حال رہ گئے عاد (کہ اللہ تعالیٰ) نے ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا خدا نے (آندھی کو) سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) پچھاڑے، (اور مرے) پڑے دیکھے گا (کہ) جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے (پڑے ہوئے ہیں) بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟ (۵)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد (تھے) کہ (ان کے جیسے) دنیا کے تمام شہروں میں کوئی اور پیدا نہیں کئے گئے تھے، اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا؟) جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے، اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا؟) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے اور ان میں بہت سی خرابیاں (اور فساد) برپا کرتے تھے تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کو برسایا، بے شک تمہارا پروردگار گھات لگائے ہوئے ہے۔ (۶)

اور اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر مبارک سورۂ برأت ۷۰۔ ابراہیم ۹۔ فرقان ۳۸۔ عنکبوت ۳۸، ص ۱۲۔ ق ۱۳۔ میں آیا ہے۔

اگر چہ ان تمام جگہوں پر ہم نے اپنی تفسیر میں اللہ کی حمد اور احسان کیساتھ تفسیر کی ہے پھر بھی یہاں ان کا خلاصہ اور اس قصے کے متعلق دوسرے مزید اقوال بھی ذکر کریں گے۔

اور قوم ہود حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد پہلی قوم ہے، جو بت پرستی میں مبتلا ہوئی قرآن میں بھی ہے، (حضرت ہود اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں) اور یاد تو کرو، جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا، اور تم کو بہت پھیلاؤ اور کشادگی مرحمت فرمائی پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ نجات پالو۔ (۷) اور اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ نے تم کو اپنے تمام اہل زمانے میں قد آور، زور آور اور مضبوط بنایا ہے، اسی طرح سورۂ مومنون میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد فرمایا، پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی، (۸) اور صحیح اقوال کے مطابق یہ جماعت حضرت ہود علیہ السلام کی ہی تھی، جبکہ بعض دوسرے مفسرین حضرات کے خیال کے مطابق یہ قوم قوم ثمود تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس مذکورہ سورۂ مومنون کی آیت کے کچھ بعد فرمان ہے اپھر ان کو ایک چیخ نے آ پکڑا پھر (اس چیخ نے) ان کو کوڑا بنا ڈالا۔ اور چیخ سے قوم ثمود ہلاک ہوئی ہے، جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تو تند تیز ہواؤں سے ہلاک ہوئی ہے جیسے قرآن میں ہے۔ بہر حال عاد تو

(۱) سورۃ الاحقاف آیت ۲۱۔۲۵۔ (۲) سورۃ الذریت آیت ۴۱۔۴۲۔ (۳) سورۃ النجم آیت ۵۰ تا ۵۵۔
(۴) سورۃ القمر آیت ۱۸ تا ۲۲ (۵) سورۃ الحاقہ۔ آیت ۶ تا ۸۔ (۶) سورۃ الفجر آیت ۶ تا ۱۴۔
(۷) اعراف ۶۹۔ (۸) مومنون ۳۱

ان کو تیز آندھی سے ہلاک کردیا گیا۔تو یہ تھی ان حضرات کی دلیل جو فرماتے ہیں کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد قوم ثمود صفحۂ ہستی پر آباد ہوئی۔
اس کا جواب ہے کہ یاد رکھنا چاہئے کہ قوم عاد پر ہواؤں کے عذاب کے ساتھ چیخ کا عذاب بھی مسلط اور جمع ہوا ہو تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسے کہ اہل مدین اصحاب الایکہ پر عذابوں کی کئی انواع جمع ہو گئیں تھیں۔لہٰذا عاد کے ثمود سے پہلے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔
تو یہ قوم عاد سرکش متکبر کافروں کی قوم تھی، جو بتوں کی پرستش میں ہٹ دھرم اور حد سے گذرے ہوئے تھے۔پھر اللہ نے ان کی طرف انہی میں سے ایک آدمی کو بھیجا، جس نے ان کو اللہ کی طرف بلایا اور ان کو توحید و اخلاص الٰہی کی دعوت دی۔لیکن قوم عاد نے ان کی مخالفت کی، جھٹلایا اور عیب لگائے، تو پھر اللہ نے بھی جو زبردست ہے، قدرت والا ہے، زبردست پکڑ کی۔
جب حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ کی عبادت، اور اس کی اطاعت اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے بلایا اور اس پر ان کو دین و دنیا کی بھلائی کے وعدے فرمائے، اور نافرمانی پر دنیا و آخرت کے عذابات سے ڈرایا۔تو ان کی قوم نے کہا (قرآن میں ہے) تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے کافر لوگوں کی جماعت نے کہا بے شک ہم تو تجھ کو بیوقوفی میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں۔یعنی ہم جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی سے رزق اور مدد کی امید کی جاتی ہے آپ ان کو چھوڑنے کی بات کر رہے ہیں تو یہ آپ کی سراسر بیوقوفی ہے۔اور ہمارا خیال ہے کہ آپ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔تو حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا: فرمایا: اے قوم میرے ساتھ کوئی بیوقوفی نہیں ہے اور لیکن میں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں (القرآن) یعنی بات ایسے نہیں ہے جیسے تم خیال کر رہے ہو اور یقین کئے بیٹھے ہو بلکہ: میں تو تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارے لئے خیر خواہ امانت دار ہوں۔
اور پہنچانا بھی صرف ایسا نہیں تھا کہ بس ذمہ داری پوری کردی جائے، بلکہ فصیح بلیغ اور مختصر، عمدہ، جامع کلام کے ساتھ ان کو سمجھایا اور ایسی باتوں کی طرف بلایا جن میں کوئی اختلاف اور التباس، اضطراب نہیں تھا اور ان کو سیدھی راہ چلنے پر اکسایا، اور خوب اپنی قوم پر شفقت و نرمی نچھاور کی۔اور سب باتوں کے باوجود کسی اجر و انعام کے طلب گار نہ ہوئے۔بلکہ محض خالص رضائے الٰہی اور اپنی قوم کی بھلائی، کو پیش نظر رکھا اور اجرت و معاوضہ کی امید صرف اللہ سے رکھی۔اسلئے کہ دین و دنیا کی تمام بھلائی اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے اور سب میں اس کی مرضی چلتی ہے اسی وجہ سے حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو یوں خطاب کیا: اے قوم میں تم سے اسپر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اسی پر ہے، جس نے مجھے پیدا کیا گیا، تم سمجھ نہیں رکھتے۔القرآن یعنی کیا تمہیں کوئی عقل نہیں ہے کہ تم صحیح غلط کو تمیز کرسکو، اور سمجھ سکو کہ میں تم کو اس واضح حق کی طرف بلا رہا ہوں، جس کی گواہی تمہاری فطرت و طبیعت بھی دے رہی ہے جس پر تم کو پیدا کیا گیا ہے۔اور وہ فطرت و طبیعت وہی دین ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا گیا، اور پھر اس کی مخالفت کرنے والی ساری مخلوق تباہ و برباد ہو گئیں۔لہذا خبردار! میں بھی تم کو اسی کی طرف بلا رہا ہوں، اور اسپر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا۔
بلکہ اس کی امید میں صرف اللہ سے رکھتا ہوں، جو نفع و نقصان کا مالک ہے۔ایک دوسرے نبی کی اس بات کی تائید ایک مومن نے کی اور کہا:
(اے قوم) جو شخص تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اس کی اتباع کرلو، اور (اتباع کرنے والے) لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں اور مجھے کیا ہے؟ کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا۔اور اسی کی طرف تم (سب بھی) لوٹائے جاؤ گے۔(القرآن)[1]
تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے ان کا جواب دیا، کہنے لگے: اے ہود علیہ السلام تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لایا، اور ہم تیری بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تیرے ساتھ برائی کا ارادہ کرلیا ہے۔(القرآن)
یعنی تو ہمارے لئے کوئی خلاف عادت، عجیب اور انہونی چیز نہیں لایا، جو آپ کی سچائی کی گواہی بن سکے لہذا ہم ایسے آدمی نہیں ہیں کہ محض تیری بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں۔اور جبکہ تو نے اپنی بات پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں کی۔اور کسی برہان سے بھی اسکو مضبوط نہیں کیا۔بس ہم تو تجھ کو تیرے خیال میں مجنون سمجھتے ہیں۔اور اس کی وجہ بھی ہمیں یہ لگتی ہے کہ ہمارے بعض معبود تجھ پر غصہ ہو گئے ہیں، جس سے تیری عقل اڑ گئی اور جنون تجھ کو

(۱) یٰسٓ ۲۱۔۲۲

لاحق ہوگیا ہے۔ تو پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو جواب دیا: کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم کو بھی گواہ ہو جاؤ کہ میں تمہارے (ان معبودوں) سے بری ہوں، جن کو تم نے اللہ کے سوا شریک بنا رکھا ہے، پھر تم سب میرے (خلاف ہر طرح کے) مکر کرلو۔ پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔

یہ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے کے لئے حد بندی فرمائی اور ان کے معبودان باطلہ سے برآت ظاہر کی، اور ان کی قباحت و شناعت بیان کی، اور واضح کر دیا کہ وہ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ وہ صرف پتھر ہیں جو پتھر کا حکم وہ انکا حکم۔ جو پتھروں سے کام ہوتا ہے، وہ ان سے ہوسکتا ہے۔

تو بس اگر تمہارے خیال کے مطابق وہ مدد کر سکتے ہیں، نفع پہنچا سکتے ہیں، نقصان سے بچا سکتے ہیں، تو میں ان سے بری ہوں، ان پر لعنت کرتا ہوں، لہذا تم سب (اپنے معبودوں کے ساتھ بھی مل کر) میرے خلاف جو مکر و فریب کر سکتے ہو کرلو، اور مجھے سنبھلنے کا موقع بھی مت فراہم کرو۔ تم جسکو بھی اپنے ساتھ، میرے خلاف شامل کر سکتے ہو، اور اس کی مدد حاصل کر سکتے ہو کرلو۔ اور مجھے ایک گھڑی مہلت نہ دو بلکہ پلک جھپکنے کا موقع نہ دو۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور تمہاری (طاقت کے بارے میں) بھی کوئی فکر نہیں ہے اور نہ میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں بلکہ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کرلیا ہے، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اور نہیں ہے کوئی جاندار چیز، مگر اس کی پیشانی کو وہ پکڑے ہوئے ہے۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے یعنی میں اللہ ہی پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں اور اس کی حمایت و تائید مجھے حاصل ہے پھر اس کی ذات پر اعتماد ہے، جس کی طرف جو بھی آس لگائے اور متوجہ ہو وہ ضائع نہیں ہوتا۔ لہذا مجھے اس خالق کے سوا کسی مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اور میں اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا، اور اس کے سوا کسی کے آگے جبین نیاز نہیں جھکاتا، بلکہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

اور حضرت ہود علیہ السلام کا یہ چیلنج دینا اور دوسروں کو عاجز کر دینا ہی انکی دلیل و معجزہ تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور وہ خود جہالت اور گمراہی کی وجہ سے غیر اللہ کی پرستش و پوجا پاٹ میں منہمک تھے۔ اور پھر وہ قوم حضرت ہود علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی بلکہ بال تک بیکا نہ کر سکی۔ تو یہی حضرت ہود علیہ السلام کے سچا ہونے کی دلیل و برہان تھی۔ اور قوم کے خیال و مذہب کے بطلان پر دلیل تھی۔

اور بعینہ یہی دلیل حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ان سے پہلے اپنی قوم کے روبرو پیش کی تھی۔ فرمایا: اے قوم: اگر تم کو میرا تم میں رہنا، اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا، ناگوار ہو، تو میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ ملکر ایک کام (جو میرے خلاف کرنا چاہو) مقرر کرلو اور وہ تمہاری ساری جماعت سے پوشیدہ نہ رہے (یعنی سب میرے خلاف متحد ہو جاؤ اور) پھر وہ کام میرے بارے میں کر گذرو، اور مجھے (کچھ) مہلت نہ دو۔ (یونس۔۷۱)

اسی طرح اللہ کے دوست، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے بھی اپنی قوم کے سامنے بیانگ دہل فرمادیا:۔

اور مجھے ان سے کوئی خوف نہیں، جنکو تم (اللہ کے ساتھ) شریک کرتے ہو، مگر (وہی ہوگا) جو کچھ بھی میرا رب چاہے گا۔ میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو محیط کرتا ہے۔ تو کیا پس تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ اور میں کیسے خوف کر سکتا ہوں؟ ان سے جن کو تم نے شریک ٹھہرایا ہے۔ اور تم بھی نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں فرمائی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کونسا امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے؟ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے ملایا نہیں، کیا ان کے لئے امن (جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل ہے، جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم پر عطا کی۔ ہم جسکے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حکمت والا، ہے (اور) علم والا ہے۔ (الانعام: ۸۰۔۸۳)

تو خیر پھر حضرت ہود علیہ السلام کی قوم سرکش نے جواب دیا: تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے، اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے، اور دنیاوی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو، اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو، اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے کا کہنا مان لیا تو گھاٹے والے ہو جاؤ گے۔ کیا یہ تم سے کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ (المومنون: ۳۳۔۳۵)

تو انہوں نے اس بات کو بعید از خیال و حقیقت سمجھا کہ ایک انسان رسول کیسے بن سکتا ہے؟ اور یہ شبہ و اعتراض اکثر نئے اور پرانے جاہل لوگ کرتے آئے ہیں۔ جیسے قرآن فرماتا ہے، کیا لوگوں کو اس بات میں تعجب ہے؟ کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی، کہ اے

پیغمبر تو لوگوں کو ڈرا۔ (یونس: ۲)

اور فرمایا: اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف اسی بات نے روکا، کہ کہنے لگے: کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دیجئے، کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور اطمینان کرتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (بنی اسرائیل: ۹۴۔ ۹۵)

تو اسی طرح ہود علیہ السلام نے بھی ان کو فرمایا: ...... کیا تم کو تعجب ہوا اس بات پر کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف ایک آدمی پر ذکر (وحی) آگئی جو تم میں سے ہے؟ تا کہ وہ تم کو ڈرائے۔ (الاعراف۔ ۹۳)) یعنی یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کس کو اپنی رسالت سونپے۔ (الاعراف: ۶۳)

تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کہنے لگی: ...... کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم زمین سے نکالے جاؤ گے؟ (یہ) بات جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بعید ہے اور (بہت) بعید ہے زندگی تو یہی ہماری بہت زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو بس ایک انسان ہے، جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (تو حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا: پروردگار (میری قوم والے) مجھے جھٹلاتے ہیں، (اس پر) میری مدد فرما۔ (مؤمنون: ۳۵۔ ۳۹)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ وہ قیامت کو جھوٹا سمجھتے تھے، اور بعید از حقیقت جانتے تھے۔ اور جسموں کے مٹی ہڈی ہو جانے کے بعد ان کے اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یہ تو بہت بعید بات ہے، بہت بعید بات ہے۔ یعنی اس وعدے کا پورا ہونا مشکل ہے، دور ہے۔ بلکہ زندگی تو صرف یہی دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے ہیں جیتے ہیں پھر اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی ایک قوم ختم ہوتی ہے دوسری آجاتی ہے اور بس۔ اور یہی خیال و اعتقاد کیمونسٹ اور دہریہ لوگوں کا ہے۔ اور زندیقوں میں سے بعض جہلا بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ ماؤں کے رحم انسانوں کو اگل دیتے ہیں اور زمین کے رحم اس کو نگل لیتے ہیں۔ اور بس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور فرقہ دوریہ (اور آجکل کے ہندو لوگوں) کا یہ اعتقاد ہے کہ روحیں جب چلی جاتی ہیں تو پھر اسی جہان دنیا میں، چھتیس ہزار سال بعد واپس آجاتی ہیں۔

یہ تمام باتیں، جھوٹ، کفر، جہالت، گمراہی، اور باطل اقوال، اور فاسد خیال ہیں جن کی کوئی دلیل و برہان نہیں بے سروپا چیزیں ہیں۔ یہ کافر طبقے اپنی ان بے ہودہ باتوں کیساتھ صرف انہی لوگوں کو بہکا سکتے ہیں جو فاجر، فاسق، عقل و ہدایت سے نا آشنا ہیں جیسے قرآن مقدس بھی فرماتا ہے۔

اور (وہ لوگ ایسے کام اور باتیں کرتے ہیں) تا کہ ان کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور اس سے، وہ راضی ہو جائیں۔ اور جو کام وہ کرتے تھے، یہ بھی کرنے لگے۔ (الانعام: ۱۱۳)

(تو الغرض قوم ہود بالکل حضرت ہود علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور اپنی عمارتوں اور دوسری آبادکاری میں لگے رہے)، تو پھر حضرت ہود علیہ السلام ان کو اپنے وعظ میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کیا تم ہر بلند جگہ میں بلند و بالا عمارتیں۔ محلوں کی طرح کی بناتے ہو؟ یہ سب تم بے کار، عبث کام کر رہے ہو اس لئے کہ تم کو ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (محض اپنی شان و شوکت اور اپنی بڑائی کے لئے بنا رہے ہو اور یہ عظیم خیموں میں رہا کرتے تھے جن کو حد سے بڑھانے اور شان و شوکت اور اپنی بڑائی کے لئے بلند کرنے پر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو تنبیہ فرمائی) اور ان خیموں کے ستون بھی انتہائی عظیم الشان ہوا کرتے تھے جیسے قرآن نے فرمایا: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے کیا (حشر) کیا عاد کے ساتھ جو ارم ہیں (اور وہ بلند) ستونوں والے تھے۔ ان کے مثل علاقوں میں کوئی نہیں پیدا کئے گئے۔ (الفجر: ۶ تا ۸) اور یہ عاد پہلے عاد ہیں جنکو ارم بھی کہا جاتا تھا، اور یہ بلند ستونوں والے خیموں میں رہا کرتے تھے۔

اور بعض حضرات نے جو یہ خیال کیا ہے، کہ ارم شہر سونے چاندی کا ہے اور وہ شہروں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ تو یہ انہوں نے غلطی کی ہے اور خطا کی ہے۔ اور ایسی بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں (یعنی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے) اور قرآن میں ان کے متعلق فرمان ہے: اور تم مصانع (یعنی کارخانے) بناتے ہو۔ شاید کہ تم ہمیشہ رہو۔ (شعراء: ۱۲۹)

تو یہ جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا: اس سے مراد یا تو محلات ہیں۔ یا پانی اکٹھا کرنے کی جگہیں ہیں۔ یا موت سے حفاظت کیے

بڑے مضبوط محفوظ قلعے ہیں۔اور یہ تم لوگ اس لئے بناتے ہو تا کہ ان گھروں میں طویل طویل زمانہ آباد رہو گے۔قرآن آگے فرماتا ہے،اور (اے قوم ہود:) تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔تو خدا سے ڈرو۔اور میری اطاعت کرو اور جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اس اللہ سے ڈرو اس نے تمہیں مویشیوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے،میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔(شعراء ۱۳۰ تا ۱۳۵)

اور قوم عاد نے اپنی کفریہ باتوں میں سے یہ بھی حضرت ہود علیہ السلام کو کہا کیا تو ہمارے پاس آیا ہے۔تا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔اور ان کو چھوڑ دیں جنکی عبادت ہمارے آباء کرتے آئے ہیں؟ پس تو لے آ ہمارے پاس وہ (عذاب) جس سے تو ہم کو ڈراتا ہے،اگر تو سچوں میں سے ہے؟ (اعراف:۷۰)

یعنی کیا آپ ہمارے پاس اسلئے یہ دعوت و تبلیغ لیکر آئے ہیں، کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں؟ اور اپنے آباء واجداد اور ان کے طریقے کی مخالفت کریں؟ (ایسا ہم سے نہیں ہوسکتا)، پس اگر آپ اپنے قول و فعل میں سچے ہیں، تو اپنے کئے ہوئے وعدے کے مطابق ہم پر عذاب، ورسوائی لے آ: ہم آپکی اتباع نہیں کریں گے، اور نہ آپ پر ایمان لائیں گے، اور نہ آپکی تصدیق وحمایت کریں گے۔اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا۔'' کہنے لگے آپ نصیحت کریں یا نہ کریں، ہم پر برابر ہے۔یہ صرف پہلے لوگوں (انبیاء) کے طریقے ہیں۔اور ہم پر کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا''۔(شعراء ۱۳۶ تا ۱۳۸)

ان کا یہ جو قول ہے کہ یہ پہلے لوگوں کا طریقہ ہے یہ ترجمہ ہے اس قرآنی آیت کا ''ان ھذا الا خلق الاولین'' تو لفظ ''خلق'' کو خاء اور لام کے زبر کے ساتھ پڑھیں تو آیت کا مطلب ہوگا یہ باتیں صرف آپکی پیدا کردہ اور پہلے لوگوں کی کتابوں سے حاصل کردہ ہیں یہ تفسیر کئی صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین نے فرمائی ہے، اور اگر لفظ ''خلق'' کو خاء اور لام کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو آیت کا مطلب ہوگا، یہ دین جس پر ہم قائم ہیں، یہ ہمارے آباء واجداد سے چلا آرہا ہے، اور ہم ہرگز اس سے انحراف نہیں کرسکتے، اور بدل نہیں سکتے۔بلکہ ہمیشہ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے۔اور اس سے اگلی آیت کہ ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔یہ پچھلی آیت کے دونوں صورتوں میں مناسب اور ربط کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔

پھر ان کو حضرت ہود علیہ السلام نے جواب مرحمت فرمایا:

بے شک تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے (شرک کی) گندگی، اور غضب واقع ہو چکا ہے۔

کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ جنکو تم نے اور تمہارے آباء نے گھڑ لیا ہے۔جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔پس (عذاب کا) انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔(اعراف:۷۱)

یعنی تم اپنی مذکورہ کفریہ بات کی وجہ سے، اللہ کی ناراضگی اور غصے اور برائی کے مستحق ہو چکے ہو، جس پر تم اور تمہارے آباء مصر ہو چکے ہیں۔حالانکہ اللہ نے اس کی کوئی دلیل بھی نازل نہیں فرمائی۔

تو پس کیا تم لوگ، اللہ وحدہ لاشریک لہ سے مقابلہ کرتے ہو اپنے بتوں کو اس کے ساتھ شریک کرکے جنکو تم نے خود تراشا ہے، اور پھر انپر خود ہی معبودوں کا نام دھر دیا ہے۔اور توحید کی حق بات کا تم انکار کرتے ہو۔اور باطل بات (شرک) پر ہٹ دھرم ہو چکے ہو؟ بس اب برابر ہے، تمہارے کرتوتوں سے میں تم کو ڈراؤں یا نہ ڈراؤں اب تو اللہ کے عذاب ہی کا انتظار کرو جو تم کو پکڑنے والا ہے وہ عذاب جو تم سے ہٹایا نہیں جائیگا، اور وہ رسوائی جو دور نہ ہوگی۔

اللہ نے فرمایا:

(ہود علیہ السلام نے) عرض کیا: پروردگار میری مدد کیجئے اس بات کے ساتھ کے انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

(اللہ نے) فرمایا:

عنقریب وہ پشیمان ہو جائیں گے۔

پھر ان کو چیخ نے آپکڑا (بطور عذاب) حق کے ساتھ، پھر ہم نے ان کو کوڑا بنا ڈالا۔پس (اللہ کی رحمت سے) ظالم قوم کے لئے دوری ہے۔(مومنون:۳۹ تا ۴۱) اور فرمایا: اور (قوم ہود کے لوگ) کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے تا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دے؟ پس جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ لے آ۔اگر تو سچوں میں سے ہے۔تو (ہود علیہ السلام نے) کہا (عذاب کے آنے کے وقت کا) علم تو اللہ ہی کے

پاس ہے۔ مجھے تو جو دیا گیا ہے، وہ میں تمہیں پہنچاتا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل (کی صورت میں) دیکھا، جو ان کی بستیوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی (یعنی) آندھی جس میں دردناک عذاب ہے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔ پس وہ (ایسے) ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔ (الاحقاف: ۲۲ تا ۲۵)

اس کے علاوہ اللہ عزوجل نے ان کے ہلاک کرنے کی خبر دی اور کئی جگہ بیان فرمایا ہے جو مجملاً مفصلاً گذر چکیں۔ جیسے کچھ ملاحظہ فرمائیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی طرف سے رحمت سے نجات دیدی۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ اور وہ (واقعی) ایمان لانیوالے نہیں تھے (اعراف: ۷۲)

اور فرمایا:

اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ،ان کو اپنی جانب سے نجات دیدی۔

اور (یہ کوئی ہلکی بات نہیں بلکہ) ہم نے ان کو سخت عذاب سے نجات دی ہے۔ اور یہ (تھے) عاد جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو (جھٹلا دیا اور) انکار کر دیا۔ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اور ان کے برعکس ہر سرکش، ضدی کے حکم کی اتباع کر لی۔ اور اس دنیا میں بھی ان پر پھٹکار کی گئی۔ اور قیامت کے دن (بھی خوب پھٹکار برسے گی) خبردار: بے شک عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا پس عاد کے لئے جو ہود علیہ السلام کی قوم ہے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔ (ہود: ۵۸ تا ۶۰)

اور فرمایا:

پھر ان کو حق کے (عذاب کے) ساتھ چیخ نے آ پکڑا، پھر ہم نے ان کو کوڑا بنا ڈالا، پس ظالم قوم کے لئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔ (المومنون: ۴۱)

اور فرمایا:

پھر انہوں نے اس (ہود علیہ السلام) کو جھٹلایا، پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور ان کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بے شک تیرا پروردگار زبردست ہے (اور) رحم کرنے والا ہے۔ (الشعراء: ۱۳۹۔۱۴۰)

بہر حال ان کی ہلاکت کی تفصیل کچھ یوں ہے جیسے اللہ نے فرمایا: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل (کی صورت میں) دیکھا جو ان کی بستیوں کی طرف آرہا ہے، تو کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسات کرنے والا ہے۔ (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی۔

یعنی آندھی، جس میں دردناک عذاب ہے۔ (الاحقاف: ۲۴)

تو یہ ان کے عذاب کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ اور یہ لوگ خشک وقحط سالی میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے انہوں نے پانی طلب کیا، پھر انہوں نے بادل کو دیکھا تو سمجھے کہ یہ رحمت کی بارش ہے جبکہ وہ عذاب کی بارش تھی۔ اس وجہ سے اللہ نے بھی یوں فرمایا: (نہیں) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جس کو تم جلدی مانگ رہے تھے۔ اور ان کا عذاب کو مانگنا انکا یہ قول ہے پس (اے ہود علیہ السلام) جس سے تو ہمکو ڈراتا ہے وہ لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔ (ہود: ۳۲) اسی طرح سورہ اعراف میں بھی آیت نمبر ے پر ذکر ہوا۔

اور اس مقام پر مفسرین وغیرہ نے وہ بات بھی ذکر کی ہے جو محمد بن اسحاق بن یسار نے نقل فرمائی ہے، جب قوم ہود نے ہر بات کا انکار کر دیا، سوائے کفر باللہ کے، تو باران رحمت کو ان پر تین سال تک روک دیا گیا۔ اور وہ بڑی مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس زمانے میں ان کافر لوگوں کو بھی اگر کوئی مصیبت آن پڑتی تھی تو وہ بھی اللہ ہی سے اس مصیبت سے رہائی کی دعا کرتے تھے۔ اور اس کے حرمت والے گھر یعنی بیت اللہ میں جا کر آہ وزاری کرتے۔ اور یہ رسم ورواج ان کے ہاں مشہور تھا۔ اور اس وقت حرم کعبہ کی جگہوں میں قوم عمالیق مقیم تھی اور یہ قوم عمالیق، عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھی۔ اور اس وقت انکا سردار معاویہ بن بکر تھا۔ اور معاویہ کی والدہ قوم عاد سے تھی جسکا نام جلہذہ بنت خیبری تھا۔

تو خیر قوم عاد نے بھی اس معروف طریقے کے مطابق، تقریباً ستر آدمیوں کا وفد بیت اللہ کی طرف بھیجا تا کہ یہ وفد وہاں پہنچ کر اپنی قوم کے لئے

بارش کی طلب کرے تو یہ وفد، معاویہ بن بکر کے پاس مکہ کی عام آبادی میں پہنچا۔ اور اس کے ہاں ٹھہر گیا۔ اور ایک مہینہ تک قیام پذیر رہا۔ وہاں شراب نوشی (اور ہر طرح کی عیش وعیاشی چلتی) یہاں تک کہ معاویہ بن بکر کی ''جرادتان'' نامی دو رقاصہ لونڈیاں تھیں وہ ان کو برہنہ ہو کر رقص دکھلاتیں۔ اور اس طرح عیش وعشرت میں ایک مہینہ پورا کر دیا۔ اور جب انکا قیام معاویہ کے پاس طویل ہو گیا، تو معاویہ کو ان کی واپسی کی فکر لاحق ہوئی لیکن ان کی قوم پر رحم آ گیا، اور ان کو لوٹنے کا کہنے سے شرم وحیا کی۔ آخر اس نے کچھ ان کے متعلق شعر بنائے جس میں اشارۃً ان کو لوٹنے کا کہا گیا تھا، وہ شعر اس نے باندیوں کو دیئے کہ ان کو اپنے گانے میں سنائیں۔ اشعار:

خبردار! اے قیل تجھ پر افسوس ہو، کھڑا ہو کچھ نرمی اختیار کر
شاید کہ اللہ ہمیں بادلوں کی سخاوت دے
اور وہ بادل عاد کی زمین کو سیراب کر دیں بے شک قوم عاد!
ایسے ہو گئے ہیں کہ وہ بات بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے
پیاس کی شدت کی وجہ سے، پس ہم امید نہیں رکھتے
نہ ان کے کسی بوڑھے کی نہ ان کے کسی بچے کی زندگی کی
اور کبھی ان کی عورتیں بھی بہت اچھی (صحت والی) تھیں
اب ان کی عورتیں بھی خوب ایام (ماہواری) والی ہو گئیں ہیں
اور ان کے مویشی جانور بھی سوکھے گھر آتے ہیں
اور عاد کے لئے (خیر کے) کسی حصے کی خوف و پرواہ نہیں کی جاتی
اور تم یہاں اپنی خواہشات اور چاہتوں کے ساتھ (عیش وعشرت میں) ہو
تمہارے دن، تمہاری راتیں، تمام (اسی میں گزرتے) ہیں
پس قوموں کے وفود میں سے ایک تمہاری قوم کا وفد ہے
جو نہ مبارک بادی کا مستحق ہے نہ کسی سلامتی کا

پھر قوم والے یہ اشعار سن کر متنبہ ہوئے کہ ہم یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہیں۔ اور پھر حرم کی طرف کھڑے ہوئے۔ اور اپنی قوم کے لئے دعا کی۔ اور انکا بڑا، دعا کرانے والا وہ قیل بن عنبر تھا۔ تو اللہ نے انپر تین رنگوں کے بادل بھیج دیئے، سفید، سرخ، سیاہ پھر آسمان سے کسی غیبی منادی نے نداء دی کہ اپنے لئے یا اپنی قوم کے لئے ان بادلوں میں سے کوئی ایک منتخب کر لو، تو قیل نے کہا، میں سیاہ بادل پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ خوب بارش والا بادل ہے پھر کسی منادی نے نداء دی: تو نے ہلاکت وتباہی کو پسند کر لیا ہے اور تو نے قوم عاد میں سے کسی فرد کو باقی نہیں چھوڑا۔ نہ کوئی والد چھوڑا نہ والدہ۔ مگر تو نے اس کو تباہ وضائع کر دیا ہے۔

سوائے بنی لوذیہ ھمدا کے (یعنی صرف عاد قوم میں سے اس مذکورہ قبیلے کے لوگ بچ گئے ہیں)۔ کیونکہ یہ مکہ میں مقیم تھے۔ تو جو عذاب ان کی قوم کو پہنچا یہ اس عذاب سے بچ گئے اور راوی فرماتے ہیں کہ جو اس بچی ہوئی قوم کے افراد تھے ان کی ہی نسل سے ,, عاد اخری،، یعنی دوسرے عاد ہیں۔ تو اللہ نے سیاہ بادلوں کو قوم عاد کی طرف ہانک دیا، جو سیاہ بادل ان کے نمائندے قیل بن عنبر نے منتخب کئے تھے۔ جبکہ ان میں ہولناک عذاب تھا۔ یہاں تک کہ بادل قوم عاد کی مغیث نامی بستی میں پہنچ گئے، وہاں لوگوں نے بادلوں کو دیکھ کر خوشیاں منانا شروع کر دیں۔ اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسات برسیں گے۔ تو اللہ نے فرمایا:

(نہیں) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی لگا رکھی تھی۔ اس میں ایسی آندھی ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔ (۱)

---

(۱) الاحقاف ۲۴-۲۵

لیکن ان افواہوں کے اندر ایک عورت نے صحیح بات کو سب سے پہلے سمجھ لیا۔ اور پہچان گئی کہ یہ تو عذاب اٹھائے ہوئے بادل ہیں۔ اس عورت کا نام ,,مہد،، تھا۔ تو جب اس نے یہ دیکھ لیا تو چیخ و پکار کی پھر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب افاقہ ہوا، تو لوگوں نے اس سے پوچھا اے مہد تو نے کیا دیکھ لیا؟ کہا میں نے (اس بادل میں) آندھی دیکھی ہے جو آگ کی طرح ہے اور اس کے آگے آگے کچھ لوگ ہیں جو اس کو ہنکار رہے ہیں۔

پھر اللہ نے ان پر یہ آندھی سات راتیں اور آٹھ دنوں تک جاری رکھی۔ اور وہ بھی مسلسل رہی اور اس نے قوم عاد کے (یہاں) کسی فرد کو جیتا نہ چھوڑا۔

لیکن حضرت ہود علیہ السلام اپنے مومنین ساتھیوں کو لے کر ایک حظیرہ نامی بستی میں داخل ہو گئے۔ اور ان کو کچھ ذرہ بھر عذاب نہ پہنچا۔ مگر (وہ خود اللہ کے عذاب کے خوف سے سہمے ہوئے تھے) ان کی کھالیں نرم پڑ گئیں تھیں اور دلوں میں (خشیت خداوندی کی) لذت پا رہے تھے۔

اور قوم عاد پر آندھی آسمان و زمین کے درمیان تباہی مچا رہی تھی۔ پتھروں سے ان کے دماغ نکال رہی تھی۔ الخ۔ (۱)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مسند میں اس قصے کی مثل قصہ ذکر فرمایا ہے کہ حارث ابن حسان سے مروی ہے کہ میں علاء بن حضرمی کی (کسی بارے میں) شکایت کرنے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں نکلا۔ تو مقام ربذہ میں جب پہنچا، تو وہاں بنی تمیم کی ایک بڑھیا (راستہ گم کیئے) بیٹھی تھی، مجھے دیکھ کر کہنے لگی اے اللہ کے بندے مجھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حاجت ہے کیا آپ مجھے ان تک پہنچا سکتے ہیں؟ تو میں نے ان کو سوار کر دیا۔ جب حضور ﷺ مسجد میں پہنچے۔ تو مسجد لوگوں سے بھری ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔

اور وہاں ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور بلال رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے، حضور ﷺ کے سامنے مودب کھڑے تھے۔ تو میں نے پوچھا لوگوں کا کیا مسئلہ ہے کیوں اکٹھے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور ﷺ حضرت عمرو بن عاص کے لشکر کو کسی محاذ پر بھیج رہے ہیں۔

تو میں بیٹھ گیا، پھر حضور ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے بھی آپ ﷺ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی میں نے داخل ہو کر سلام کیا۔ تو حضور نے پھر پوچھا کہ تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی مسئلہ درپیش ہے کیا؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں ہماری ان کے خلاف جنگ تھی۔ اور اب میں آ رہا تھا کہ ان کی ایک بڑھیا پر میرا گزر ہوا، جو وہاں جدا ہوئے بیٹھی تھی۔ تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں اس کو سوار کر کے آپ تک پہنچا دوں؟ تو اب وہ دروازے پر موجود ہے۔ تو حضور ﷺ نے اس کے آنے کا حکم فرمایا۔ وہ داخل ہوئی۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان جنگ سے کوئی رکاوٹ بنا دیں تو؟ (اچھا ہو) اور اس کے لئے دھنا صحیح رہے گی کیونکہ وہ ہماری طرف ہے۔ تو حضور نے فرمایا: تو جس بڑھیا کو اٹھا کر لایا ہے بس اسی کے ساتھ فیصلے کی کامیابی سمجھ (یعنی اسی کو میں فیصل بنا دیتا ہوں)۔ تو بڑھیا بولی پھر آپ کا یہ پریشان آدمی پریشان نہ رہے گا (طنز کیا)۔ تو میں نے کہا: میری پہلی ہی بات ہے میں نے اس (بڑھیا) کو عزت دی ہے اور اس کو (ویران جگہ سے) اٹھا کر لایا ہوں۔ اور اس کو موت کے منہ سے بچایا ہے۔ تو جب میں اس باندی کو اٹھا رہا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ میرے ہی خلاف خصم (مدعی) بن جائے گی۔ پس میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ عاد کے وفد والے کی طرح ہو جاؤں: حضور ﷺ نے فرمایا: اے! یہ عاد کا وفد کیا تھا؟ حالانکہ رسول اکرم ﷺ مجھ سے زیادہ جانتے تھے۔ لیکن پھر بھی لطف اندوز ہونے کے لئے مجھ سے پوچھا۔ تو میں نے عرض کیا۔

قوم عاد قحط میں مبتلا ہو گئی تو انہوں نے اپنا نمائندہ قیل (اور اس کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا) تو یہ معاویہ بن بکر کے پاس سے گذرا۔ اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا وہاں ان کو معاویہ کی دو باندیاں گانا سناتیں تھیں۔ جن کو جرادتان کہا جاتا تھا۔ پھر جب مہینہ گزر گیا تو یہ جبل تہامہ کے پاس گیا۔ اور وہاں دعا کی۔

''اے اللہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میں کسی مریض کے پاس نہیں آیا کہ اس کی دوا و علاج کروں، اور نہ کسی قیدی کے پاس آیا کہ اس کو فدیہ دیکر چھڑاؤں اے اللہ عاد کو سیراب کر جیسے پہلے آپ کرتے تھے۔''

تو اس نے یہ دعا مانگی اور ادھر بادل چھا گئے پھر ندا آئی کہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے، تو اس نے سیاہ بادلوں کی طرف اشارہ کیا۔ تو پھر

---

(۱) حدثنا زید بن الحباب ، حدثنی ابو المنذر سلام بن سلیمان النحوی حدثنا عاصم بن ابی النجود، عن ابی وائل ، عن الحارث . وھو ابن حسان ، ویقال ابن یزید البکری، قال خرجت اشکو العلاء بن الحضرمی الی رسول ﷺ ...الخ

آواز دی گئی۔ان کو ہلاکت وتباہی کے ساتھ لے لے۔اور اب تو نے عاد کے کسی فرد کو تباہی سے باقی نہ چھوڑا۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ان پر آندھی صرف اتنی سی بھیجی گئی تھی جتنی میری اس انگوٹھی میں سے گذر جائے۔لیکن پھر بھی وہ تہس نہس ہو گئے۔

ابووائل فرماتے ہیں یہ حدیث سچ ہے۔اور اس وقت (یعنی حضور ﷺ کے زمانے میں) جب کوئی مرد یا عورت اپنے کسی مقاصد اور نمائندے کو بھیجتے تو یہ کہتے تھے کہ عاد کے نمائندے کی طرح نہ بننا۔[1]

لیکن اس حدیث سے عاد آخر یعنی بعد والے عاد (کی اصل) کے خاتمے کا بھی پتہ چلتا ہے (کیونکہ اس میں کہیں، مکہ اور اس میں عاد کے ہونے پھر ان کے نجات پانے کا ذکر نہیں ہے،) اور اسلئے بھی کہ پہلے جو ابن اسحاق کی روایت گزری اس میں تو مکہ کا ذکر ہے۔لیکن مکہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد وجود میں ظاہر ہوا۔جب وہاں حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رہائش پکڑی۔اور قوم جرہم ان کے پاس اتری۔جیسے کہ آگے آئے گا۔اور عاد اولی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کے ہیں اور نیز یہ کہ اس پہلی روایت میں معاویہ بن بکر اور اس کے شعر کا تذکرہ ہے جبکہ یہ شعر عاد اولی کے زمانے سے بعد کا ہے۔اور یہ اتنے پہلے لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں ہے اور یہ کہ وہاں بادلوں میں آگ کے شعلوں کا ذکر ہے جبکہ عاد اولی تو سخت ٹھنڈی ہواؤں سے ہلاک ہوئے تھے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم کا قول بھی ہے کہ وہ ہوا (سخت) ٹھنڈی تھی اور ہلاکت خیز تھی، سخت طوفانی ہوا تھی۔

اور فرمان الٰہی ہے۔ان پر (ہواؤں کو) سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلسل چلایا۔یعنی پے در پے بغیر رکے اتنے دنوں تک آندھیاں تباہی پھیلاتی رہیں اور ان دنوں میں پہلا دن ایک قول کے مطابق جمعے کا دن تھا جبکہ دوسرے قول کے مطابق بدھ کا دن تھا۔

آگے فرمان الٰہی ہے:

پس ان (بستیوں) میں تو، قوم کو پچھاڑا ہوا ایسے دیکھے گا گویا کھجور (کے درختوں) کے کھوکھلے تنے ہیں۔تو یہاں ان کی لاشوں کو کھجور کے کھوکھلے تنوں کے ساتھ مشابہت دی ایسے تنے جن کے سر نہیں ہوتے،اس لئے کہ قوم عاد میں کسی پر بھی آندھی آتی تو اس کو اٹھا کر پہلے فضاء میں بلند کرتی، پھر اوندھے منہ پٹخ دیتی، جس سے لاشیں بغیر سر کے رہ جاتیں۔اور (بار بار ایسا ہوتا) جیسے فرمان ہے بے شک ہم نے (ان کے لئے) منحوس دن میں سخت آندھی (مسلسل) جاری رہنے والی بھیجی۔یعنی برابر مسلسل ان پر عذاب خداوندی کا کوڑا برستا رہا (یہاں تک کہ وہ بلا سر کے لاشیں رہ گئے کیونکہ) آگے فرمان ہے: (وہ آندھی) لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔

اور قرآن میں جو فرمایا منحوس دن میں (ان پر یہ عذاب برسنا شروع ہوا) وہ دن بدھ کا ہے، تو اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس دن کو منحوس سمجھنا شروع کر دیا اور اس سے بدشگونی مراد لینے لگے تو یہ ان کی فحش خطا ہے۔اور قرآن کی مخالفت ہے۔اسلئے کہ پھر تو دوسری آیت میں انہی کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ "ان پر منحوس دنوں میں سخت آندھی بھیجی۔کیونکہ ایام نحسات۔" جمع کا صیغہ فرمایا۔اور آگے پیچھے صاف تشریح ہے کہ وہ دن آٹھ تھے اور پے در پے مسلسل تھے۔تو پھر سب دن منحوس ہو گئے اور اس لغویات کا کوئی قائل نہیں اور آیت میں جو ان دنوں کے متعلق نحوست کے لفظ فرمائے وہ خاص اس قوم پر تھے۔یعنی اس قوم عاد کے لئے یہ دن بڑے منحوس ثابت ہوئے۔

اور فرمان باری ہے:

اور عاد میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے ان پر بانجھ (نامبارک) ہوا چلائی۔یعنی ایسی ہوا جو کسی خیر و بھلائی کا سرچشمہ نہیں، اس لئے کہ وہ محض ہوا ہی تھی۔نہ بارش کے بادلوں کو ہانکتی تھی اور نہ کسی شجر کو زرخیز کرتی تھی۔بلکہ بانجھ تھی، کوئی خیر کا نتیجہ نہ تھی اسی وجہ سے آگے فرمایا: وہ ہوا جس پر آئی تھی اس کو نہیں چھوڑتی تھی مگر اس کو ریت کی طرح کر ڈالتی تھی۔یعنی پرانی تباہ شدہ چیز جس سے کوئی نفع نہ اٹھایا جا سکے ایسا کر ڈالتی تھی۔

---

(۱) وهكذا رواه الترمذى عن عبدابن حميد، عن زيد بن الحباب به، ورواه النسائى من حديث سلام ابى المنذر عن عاصم بن بهدله، ومن طريقه رواه ابن ماجه وهكذا اورد هذا الحديث وهذا القصة عند تفسير هذه القصه غير واحد من المفسرين كابن جرير وغيره

اور صحیح بخاری و مسلم [۱] میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری بادصبا کے ساتھ مدد کی گئی اور قوم عاد پیچھے والی (ہلاکت خیز) ہواؤں سے ہلاک کئے گئے۔

اور اللہ کا یہ جو فرمان سورۃ حقاف میں ہے۔

اور عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو یاد کرو، جب اس نے اپنی قوم کو (مقام) احقاف میں ڈرایا اور اس سے پہلے اور پیچھے بھی ڈرانے والے گذر چکے تھے۔ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔ (احقاف:۲۱) تو یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عاد اولی ہو۔ اسلئے کہ آگے پیچھے کا کلام قوم ثمود کے کلام جیسا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس قصے میں تذکرہ عاد ثانیہ یعنی بعد والے عاد کا ہو۔ جیسے آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے کچھ اشارۃ معلوم ہوگا۔

اور بہر حال یہ فرمان خداوندی ہے:

پس جب انہوں نے اس (عذاب) کو (بصورت) بادل دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ (الاحقاف:۲۴)

تو جب قوم عاد نے بادل کو دیکھا، جو فضاء میں چھا رہا تھا جیسے پانی کا بادل ہو۔ تو یہ بھی اس کو پانی کا بادل سمجھے، جبکہ وہ عذاب کا بادل تھا۔ انہوں نے اس کو رحمت سمجھا، جبکہ وہ عذاب اور زحمت تھا۔ انہوں نے اس سے خیر و بھلائی کی آس لگائی، جبکہ اس سے انتہائی شر و برائی کو پایا۔ جیسے اللہ نے بھی فرمایا: (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی لگا رکھی تھی۔ پھر خود تشریح فرمادی کہ وہ آندھی ہے اس میں ایسا عذاب ہے جو بڑا دردناک ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہاں عذاب سے وہ آندھی مراد ہو جو مسلسل تند و تیز ٹھنڈی، ھلاکت خیز سخت آندھی تھی اور سات دن آٹھ رات تک چلتی رہی۔ اور انہیں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑا، بلکہ ہر ایک کے پاس پہنچ گئی۔ حتی کہ ان کے پاس غاروں، پہاڑوں کی گھاٹیوں، تک میں پہنچ گئی اور وہاں ان کو اچک لیا، اور پھر نکال کر ان کو بری طرح تباہ کیا۔ اور وہ گھر محلات جو قلعوں کی طرح مضبوط بنائے تھے۔ ان کو انہی پر دے دے کر مارا۔ تو جس طرح انہوں نے اپنی طاقت و زور و قوت کے بل بوتے پر ڈینگیں ماریں اور کہا کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اللہ نے بھی ان پر ایسی ہوا و عذاب مسلط کیا جو ان سے کہیں زیادہ قوت و زور والا تھا۔ اور وہ سخت نقصان دہ آندھی و طوفان تھا۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ ان سخت آندھیوں اور جھکڑوں کے بعد، ان آندھیوں نے بادلوں کو ہنکا لایا ہو۔ جس کو باقی ماندہ لوگ سمجھے ہوں کہ یہ بادل ہم پر رحمت کی برسات کرے گا اور ہم اس طرح کچھ بچنے والے ہوں گے۔ تو پھر اللہ نے ان پر شعلے اور آگ برسائی ہو اور کئی ایک حضرات کا یہی خیال ہے۔ اور اسی طرح اصحاب مدین (شعیب علیہ السلام کی قوم) کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ کہ ان کو بھی عذاب، سخت یخ ٹھنڈی ہواؤں والا، پھر آگ والا برسایا گیا تھا۔

اور یہ بہت سخت عذاب ہوتا ہے کہ ضد والی چیزوں کے ساتھ عذاب دیا جائے اور چہ جائیکہ ساتھ میں چیخ و چنگھاڑ کا عذاب بھی نازل کر دیا جائے۔ جس کا ذکر سورہ مومنوں میں ہوا (کہ پھر ان کو چنگھاڑ نے آپکڑا اور پھر ہم نے (اس طرح) ان کو کوڑا کرڈالا)۔

[۲] ابن عمر رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

وہ آندھی جس کے ذریعے قوم عاد ہلاک کی گئی۔ اللہ نے ان پر انگوٹھی جتنی جگہ کے مثل ہوا کھولی تھی۔ پس وہ ہوا پہلے دیہاتوں میں گئی اور وہاں کے لوگوں اور مویشیوں اور مالوں کو اٹھایا اور آسمان و زمین کے درمیان لے گئی۔

تو عاد کے شہریوں نے یہ منظر دیکھا تو! کہنے لگے: یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ پھر آندھی نے ان دیہات والوں کو شہر والوں پر پٹخ دیا۔

[۳] اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے عاد پر آندھی صرف انگوٹھی جتنی جگہ جیسی کھولی تھی۔

---

(۱) وفي الصحيحين من حديث شعبة عن الحكم عن مجاهد، عن ابن عباس عن رسول الله ﷺ

(۲) وقال ابن ابي حاتم حدثنا ابي، حدثنا محمد بن يحيى بن الضريس حدثنا ابن فضيل عن مسلم، عن مجاهد، عن ابن عمر قال ... الخ

(۳) قد رواه الطبراني عن عبدان بن احمد، عن اسماعيل بن زكريا الكوفي، عن ابي مالك، عن مسلم الملائي عن مجاهد، وسعيد بن جبير، عن ابن عباس قال.....

جس آندھی نے ان کے دیہاتیوں کو شہریوں کی طرف پہنچا دیا۔ پھر شہر والوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل جو ہماری بستیوں کی طرف آرہے ہیں ہم پر برسات کرنے والے ہیں۔ جبکہ ان میں دیہات والے تھے پس دیہات والوں کو شہر والوں پر مارا گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ آندھی ان کی الماریوں کے اندر تک پہنچی اور دروازوں کے جھروکوں سے اندر جا کر تباہی کی اور دوسرے بعض کہتے ہیں کہ بغیر حساب کے آندھی آئی۔

لیکن اس حدیث کے حضور تک مسند ہونے میں یعنی مرفوع ہونے میں شک کا امکان ہے، اور پھر اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی مسلم ملائی پر بھی اختلاف کیا گیا ہے، اور اس میں اضطراب کی ایک قسم ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ہوا تیز چلتی تو رسول اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے۔

اے اللہ میں تجھ سے اس کی خیر کا طلبگار ہوں اور جو اس میں ہے اس کی خیر کا، اور جو تو نے اس میں شر رکھا ہے اس سے اور اس کے شر سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بادلوں سے آسمان غائب ہو جاتا تو حضور اکرم ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور کبھی نکلتے کبھی داخل ہوتے، کبھی آگے کبھی پیچھے (الغرض بہت پریشانی کا عالم چھا جاتا) پھر جب بارش برستی تو پھر خوشی طاری ہو جاتی تھی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت جان کر خدمت اقدس میں سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے [2] عائشہ رضی اللہ عنہا کہیں ایسا نہ ہو جائے جو قوم عاد نے کہا تھا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: جب (قوم عاد نے) اس (عذاب) کو (بصورت بادل) اپنی بستیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے ہم پر بارش کرنے والا۔

[3] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد میں مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپکے دہان مبارک کا آخری حصہ نظر آنے لگ جائے آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔ اور جب کبھی بادل دیکھ لیتے یا آندھی دیکھ لیتے تو اسکا اثر آپ کے چہرے میں بخوبی ظاہر ہو جاتا تھا۔ میں نے خدمت میں عرض کیا:۔ یا رسول اللہ لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اس آس پر کہ بارش ہو گی۔ جبکہ میں آپکو دیکھتی ہوں کہ جب آپ ابر دیکھ لیتے ہیں تو اس کے (خوف و غم کی) کیفیت آپ کے چہرہ اقدس میں ظاہر ہو جاتی ہے؟ تو فرمایا اے عائشہ مجھے اطمینان نہیں ہے کہ اس میں کہیں عذاب ہو اس لئے کہ قوم نوح بھی آندھی سے ہلاک ہوئی۔ اور اس قوم نے جب عذاب کو دیکھا تھا تو وہ بھی یہ کہنے لگے تھے کہ یہ بادل ہم پر بارش کریں گے۔

تو یہ حدیث وضاحت کے ساتھ قصوں کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے جیسے پہلے "واذکر اخا عاد" سے عاد ثانیہ کا قصہ مراد ہو سکتا ہے، اور آگے پیچھے کے کلام سے عاد اولی کا تذکرہ ہی مراد ہوگا (واللہ اعلم بالصواب)۔ [4]

اور حضرت ہود علیہ السلام کے حج کا تذکرہ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں کر آئے ہیں اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے حضرت ہود رضی اللہ عنہ کی قبر اطہر کی صفات مروی ہے (انہیں میں سے یہ بھی ہے) کہ وہ یمن کے علاقے میں ہے دوسرے بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ دمشق میں ہے اور دمشق کی جامع (مسجد) میں قبلے کی طرف دیوار کے احاطہ میں ایک جگہ ہے، بعض لوگوں کے خیال کے مطابق وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر اطہر ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم دائما ابداً ابداً

---

(۱) حدثی ابو الطاهر، حدثنا ابن وهب، قال سمعت ابن جريج يحدثنا عن عطاء بن ابی رباح عن عائشة رضی الله عنه

(۲) ورواه الترمذی و النسائی و ابن ماجه، من حديث ابن جريج

(۳) طريق اخرى قال الامام احمد حدثنا هارون بن معروف و معاوية بن عمرو انبانا عبدالله بن وهب، انبا ماعمرو وهو بن الحارث ابا النضر حدثه عن سليمان بن يسار، عن عائشة ..... الخ

(۴) وهكذا رواه مسلم عن هارون بن معروف، واخرجه البخاری وابو داؤد من حديث ابن وهب

قوم ثمود کے پیغمبر
حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ

ثمود مشہور قبیلہ تھا، ان کو ثمود، ان کے جدامجد ثمود کے نام کی وجہ سے کہا جاتا تھا جو جدلیس کا بھائی تھا۔ اور ثمود و جدلیس دونوں فرزند تھے عابر بن ارم بن سام بن نوح کے۔

اور قوم ثمود خالص عرب (عرب عاربہ) تھے۔ حجر میں سکونت پذیر تھے، یہ حجاز مقدس اور تبوک کے درمیان ہے اور حضور ﷺ غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے اس کے پاس سے گذرے تھے۔ ساتھ میں مسلمانوں کا لشکر جرار بھی تھا۔

اور یہ قوم ثمود قوم عاد کے بعد تھی۔ اور انہی کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

پھر اللہ نے انہی میں سے ایک اپنے بندے اور رسول کو بھیجا جو صالح بن عبید بن ماسح بن عبید بن حاجر بن ثمود بن عابر بن ارم بن سلام بن نوح تھے۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے انکو اللہ کی طرف بلایا جو اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں، اور دعوت دی کہ بتوں کو خدا کیلئے شریک بنانا چھوڑ دیں۔ اور کسی کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ کریں تو پس ایک جماعت نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور ایمان لے آئے۔

لیکن اکثر جمہور نے کفر کیا۔ اور اپنے قول وفعل کے ساتھ بری طرح پیش آئے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر بیٹھے۔ اور اس اونٹنی کو تو قتل کر ہی دیا جو اللہ نے ان کے لئے حجت و دلیل اور اپنی نشانی بنا کر بھیجی تھی، تو پس اللہ نے بھی ان کو سخت غالب قدرت والے کی طرح پکڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ...... اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی خدا کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے تو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ دردناک عذاب تمہیں پکڑے گا اور یاد کرو (اللہ کو) کہ اس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا اور تم نرم زمین سے (مٹی لے کر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو، پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تو ان کی قوم میں سردار لوگ جو غرور کرتے تھے، غریب لوگوں سے، جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں جو چیز دے کر وہ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں تو سرداران (مغرور) کہنے لگے جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کو نہیں مانتے آخر انہوں نے (اس) اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم خدا کے پیغمبر ہو تو اسے ہم پر لے آؤ تو ان کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے پھر صالح ان سے (ناامید ہو کر) پلٹے اور کہا کہ میری قوم! میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔ [1]

اللہ تعالیٰ سورۃ ھود میں فرماتے ہیں:

ترجمہ...... اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اس میں آباد کیا! تو اس سے مغفرت طلب کرو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار نزدیک (بھی) ہے اور دعا

(۱) سورۃ اعراف آیت ۷۳ تا ۷۹۔

کا) قبول کرنے والا (بھی) ہے انہوں نے کہا کہ صالح اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہوگئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔

(صالح نے) کہا قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون مدد کریگا؟ تم تو (کفر کی (باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو اور (یہ بھی کہا کہ) اے قوم! یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے (یعنی معجزہ ہے) تو اس کو چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا مگر انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدہ اٹھالو یہ (ایسا) وعدہ ہے (جو) جھوٹا نہ ہوگا جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بیشک تمہارا پروردگار طاقت ور (اور) زبردست ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ اور سن رکھو (تو) ثمود پر پھٹکار ہے[1] اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجر میں فرمایا:

ترجمہ: ...... اور (وادئ) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی ہم نے ان کو نشانیاں دیں اور وہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے (کہ) امن (واطمینان) سے رہیں گے۔ تو صبح ہوتے ہوتے چیخ نے ان کو آ پکڑا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔[2]

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے:

ترجمہ: ...... اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کردیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (صالح کی نبوت کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا، اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں (وہ) ڈرانے کو (ہوتی ہیں)۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ...... (اور قوم) ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ (یعنی) باغ اور چشمے، اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف ونازک ہوتے ہیں، اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو، تو خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو، اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

وہ کہنے لگے کہ تم جادو زدہ ہو، تم اور کچھ نہیں ہماری ہی طرح کے آدمی ہو، اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو (صالح نے) کہا (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا نہیں تو تم کو سخت عذاب آ پکڑے گا لیکن انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر نادم ہوئے پھر ان کو عذاب نے آ پکڑا بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔[4]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ...... اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں (لڑنے) جھگڑنے لگے۔ (صالح نے) کہا کہ اے قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ اور خدا کی بخشش کیوں نہیں مانگتے؟ تاکہ تم پر رحم کیا جائے وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگون ہیں (صالح نے) کہا کہ تمہاری بدشگونی خدا کی طرف سے ہے، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اور شہر میں (ایسے) نو شخص تھے جو ملک میں فساد برپا رکھتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے، کہنے لگے کہ خدا کی قسم اٹھاؤ کہ

(۱) سورۂ ھود آیت ۶۱ تا ۶۸ (۲) سورۂ حجر آیت ۸۰ تا ۸۴ (۳) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۹ (۴) سورۂ شعراء، آیت ۱۴۱ تا ۱۵۹

ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شبخون (رات کا حملہ) ماریں گے پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں اور (اس طرح) وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی تو دیکھو ان کی چال کا انجام کیسا ہوا، ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا اب یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں جو لوگ دانش (عقلمندی) رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانی ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔ [1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:......اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو سیدھا راستہ دکھایا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا تو ان کے اعمال کی سزا میں (بجلی کی) کڑک نے ان کو پکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کو ہم نے بچالیا۔ [2]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:......اور ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں؟ یوں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (اے صالح) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم ان کو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہئے تو ان لوگوں نے اپنے رفیق (ساتھی) کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کو) پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر (عذاب کے لئے) ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ [3]

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ترجمہ: قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا، جب ان میں سے ایک نہایت بد بخت اٹھا، تو خدا کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کے متعلق اللہ سے ڈرو) مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور (سب کو) ہلاک کر کے برابر کر دیا۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) کو ان کے بدلہ لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں۔ [4]

اکثر مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ اکٹھا فرمایا ہے۔ جیسے سورۃ برأت یعنی سورۃ توبہ آیت ۷۰، سورۃ ابراہیم آیت ۹، سورۃ فرقان آیت ۳۸ سورۃ ص آیت ۱۲۔۱۳، سورۃ ق آیت ۱۲ سورۃ النجم آیت ۵۱ سورۃ الفجر آیت ۸،۹ میں۔

اور کہا جاتا ہے کہ اہل کتاب (بنی اسرائیل) ان دونوں قوموں کی خبر سے واقف نہ تھے اور ان کی کتاب تورات میں انکا ذکر نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان دونوں قوموں کے بارے میں خبر دی ہے۔ جیسے سورۃ ابراہیم میں فرمان خداوندی ہے: اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے: اگر تم اور جو بھی زمین میں ہیں، تمام (اللہ کے ساتھ) کفر کرو تو اللہ بے شک بے پرواہ (اور) لائق حمد ہے۔ تو کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی، جو تم سے پہلے تھے، قوم نوح اور عاد اور ثمود (والے)، اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، جنکو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل (معجزے) لے کر آئے۔ (سورۃ ابراہیم ۸۔۹)

ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا ہے اپنی قوم کو۔ لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں عاد و ثمود، عرب سے تھیں، تو انہوں نے ان کی خبروں اور باتوں کو اچھی طرح محفوظ نہیں کیا۔

اور ان کو یاد رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کی خبر مشہور تھی۔ اور اس تمام کے بارے میں ہم اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں کافی قدر کلام کر چکے ہیں، اس پر اللہ کی حمد و احسان ہے۔

اور اب یہاں ان کے قصے کو ذکر کرنا اور ان کے حالات کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بھی کہ انکا انجام کار کیسا ہوا؟ کیسے اللہ نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو اور اس پر ایمان لانے والوں کو نجات دی اور جنہوں نے اپنے کفر کے ساتھ ظلم کیا اور مسلمانوں پر سرکشی کی، اور اپنے رسول کی

---

(۱) سورۃ النمل آیت ۴۵ تا ۵۳ (۲) سورۃ حم سجدہ آیت ۱۷، ۱۸ (۳) سورۃ القمر آیت ۲۳ تا ۳۲ (۴) سورۃ الشمس آیت ۱۱ تا ۱۵

مخالفت کی ان کی جڑ کاٹی۔

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ وہ لوگ خالص عرب تھے۔ اور یہ قوم دنیا میں عاد کے بعد آئی لیکن ان کے ہولناک انجام سے کچھ بھی عبرت نہ پکڑی۔ اسی وجہ سے ان کے نبی نے ان کو فرمایا: اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل (معجزہ) آچکا ہے (وہ معجزہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تم اس کو چھوڑ دو (تاکہ) اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آن پکڑے گا، اور یاد کرو کہ (پروردگار نے) تم کو عاد کے بعد خلیفہ (پیچھے آنے والا) بنایا اور تم کو زمین پر ٹھکانا دیا۔ تم اس کی نرم (زمین) میں محلات بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ (لہذا اپنے پر) اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

(الاعراف: ۷۳۔۷۴)

یعنی تم کو اللہ نے عاد کے بعد بنایا تاکہ تم ان کے دہشت ناک انجام سے خوب عبرت حاصل کرو۔ اور ان کے کرتوتوں کیخلاف نیک عمل کرو، اور تمہارے لئے یہ زمین مہیا کردی تم اس سے نرم حصے میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر بڑی مہارت سے اپنے گھروں کو بناتے ہو یعنی ان کی صنعت وکاریگری میں اور ان کے پختہ ومضبوط بنانے میں تم ماہر ہو، تو بس اس اللہ کی نعمت کا مقابلہ اس کے شکر اور عمل صالح کیساتھ کرو۔ اور اس کی تنہا عبادت کرو جسکا کوئی شریک نہیں اور اس کی مخالفت اور ان کے حکم کی عدولی سے بچو ورنہ اسکا انجام تباہ کن ثابت ہوگا۔

اس وجہ سے پیغمبر نے ان کو یوں نصیحت فرمائی۔ کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ باغات اور چشموں میں۔ کھیتوں اور کھجوروں میں جنکے خوشے لطیف ونرم ہوتے ہیں (یعنی یہ چیزیں، بہت حسن والی خوش منظر اور پکی ہوئی ہیں؟ کیا یہ سب تمہیں بلا مقصد کے دے دیا گیا؟ اور مزید کہ) اور پہاڑوں کو تراش کر ماہرانہ انداز سے گھر بناتے ہو؟ تو خدا سے ڈرو اور میرے کہے پر چلو۔ اور حد سے تجاوز کرنیوالوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد مچاتے ہیں، اور اصلاح نہیں کرتے۔ (الشعراء: ۱۴۶تا۱۵۲)

اور یوں بھی ان کو فرمایا: اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی نے تم کو زمین سے (نئے سرے سے) پیدا فرمایا: اور تمہیں اس میں آباد کیا۔ یعنی تم کو پیدا فرمایا اور زمین سے پیدا فرمایا: پھر تمہیں کو اس کے لئے آباد کار بنایا۔ اور وہ زمین اپنی مال ودولت سمیت یعنی کھیتی، پھل وغیرہ کیساتھ تمہیں عطا فرمائی۔ لہذا جس نے تمکو یہ سب کچھ عطا فرمایا وہی خالق رزاق ہے، وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔

قرآن میں ہے: پس اس سے مغفرت طلب کرو پھر اسی کی طرف توبہ کرو بے شک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔ یعنی جن بتوں کی پرستش میں تم منہمک ہو اس سے اپنے وجود کو صاف کرو۔ اور تنہا اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاؤ، وہ تم سے اس کو قبول کرے گا۔ اور تمہاری لغزشوں سے درگذر فرمائے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو یہ عمدہ نصیحت فرمائی تو قوم نے جواب دیا۔

کہنے لگے اے صالح: تو ہم میں اس سے پہلے امیدوں کا محور تھا۔ تو کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ہم ان (بتوں) کی عبادت نہ کریں جنکی عبادت ہمارے آباءاجداد کرتے آئے ہیں۔ اور جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ہم تو اس میں شک وفریب میں ہیں۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے قوم تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں؟ اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو تو پس اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو کون مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچائے گا (اور) تم تو سوائے خسارہ کے مجھے اور کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔

اور حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ بہترین نرم ولطف اندوز خطاب تھا۔ اور ان کو خیر کی طرف بلانے کا حسین وعمدہ طرز تھا۔ یعنی فرمایا: اگر بات اسی طرح حقیقت ہو جس طرح میں تمہیں سمجھا رہا ہوں تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ اور پھر تمہارا اللہ کے ہاں کیا عذر ہوگا، سوچو تو سہی اور اللہ عزوجل کے سامنے تمہیں کیا چیز چھٹکارا دلائے گی، جبکہ تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں اس کی اطاعت کی طرف بلانے کو چھوڑ دوں؟ اور یہ دعوت کو ترک کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ میرے ذمے واجب ہے۔ اور اگر (بالفرض والمحال) میں اس دعوت کے کام کو چھوڑ بھی دوں تو نہ تم میں سے کوئی اور تمہارے علاوہ اس کے نقصان سے مجھے بچا سکتا اور نہ اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری مدد کر سکتا۔ تو لہذا میں ہمیشہ مسلسل تم کو اس اللہ کی

طرف بلاتا رہوں گا جو وحدہ لاشریک لہ ہے۔جس کا کوئی شریک نہیں، حتیٰ کہ اللہ عزوجل میرے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ نازل فرمادیں۔

اور کفار کی حضرت صالح علیہ السلام کو ناپسندیدہ باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ کو کہا۔

اور کچھ نہیں، آپ تو صرف سحرزدہ لوگوں میں سے ہیں۔

یعنی آپ پر جادو کردیا گیا ہے۔یعنی آپ جو ہمیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں تو کوئی عجیب سی بات ہے لہذا شاید آپ کو سحر ہوگیا ہے۔

اور جمہور کے نزدیک ''من المسحرین'' کا یہی معنی ہے کہ آپ مسحورین (جن پر سحر ہوگیا ہو) ان میں سے ہیں لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کے پاس سحر ہے، اور کوئی جن وغیرہ تابع کررکھا ہے (جو یہ باتیں آپکو بتاتا ہے) یعنی آپ جادوگر ہیں۔

(تو پہلے قول کا خلاصہ تھا کہ آپ پر جادو ہوگیا ہے دوسرے قول کا خلاصہ ہے کہ آپ خود جادوگر ہیں)

لیکن پہلا قول زیادہ صحیح لگتا ہے، کیونکہ اس آیت کے بعد کافروں کا یہ قول مذکور ہے تو صرف ہماری طرح کا انسان ہے۔لہذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی نشانی لے آ۔تو انہوں نے اس طرح ان سے ایسی کوئی خلاف عادت نشانی طلب کی جو ان کی صداقت کو ظاہر کرسکے۔(تو اگر وہ حضرت صالح کو جادوگر سمجھتے ہوتے تو یہ سوال نہ کرتے کیونکہ جادوگر کے لئے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے)

تو خیر (جب قوم نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے ایسی کوئی نشانی طلب کی تو اللہ نے ان کو عجیب طریقے سے عجیب اونٹنی عطا فرمائی جس کے بارے میں قصہ تو، ابھی قریب ہی آتا ہے۔لیکن اس کے بارے میں حضرت صالح نے اپنی قوم کو جو نصیحت فرمائی وہ) فرمایا یہ اونٹنی ہے، اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے، اور تمہارے لئے بھی ایک مقرردن کی باری ہے۔اور اس کو برائی کے ساتھ نہ چھونا، ورنہ تم کو بڑے دن کا عذاب پکڑے گا۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل (معجزہ) آچکی ہے (اور وہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔تمہارے لئے نشانی ہے (میرے سچا ہونے کی) پس اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑے گا۔

اور فرمایا: اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی (بطور) نشانی کے دی تو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔

اونٹنی کے پتھر سے نکلنے کا قصہ:......مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن قوم ثمود اپنی کسی محفل میں اکٹھی ہوئی۔تو ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام آگئے، اور ان کو اللہ کی طرف بلایا اور نصیحت کی اور ڈرایا اور صحیح بات کا حکم فرمایا۔تو قوم ثمود کہنے لگی۔

اگر تو ہمارے لئے اس چٹان سے اونٹنی نکال دے (اور ساتھ میں قریب ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا) اور اس کی صفات ایسی ایسی ہوں، پھر اس کے عجیب عجیب اوصاف ذکر کئے۔اور حد درجہ مبالغہ اور غلو کیا، اور یہ بھی کہا کہ وہ نکلتے ہی دس ماہ کی گابھن (بیا ہنے کے قریب) ہو اور اتنی لمبی ہو اور اس کی صفت و کیفیت ایسی ایسی ہو (الغرض بڑی شرطیں لگائیں) تو پھر حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اگر میں تمہارے سوال کو پورا کردوں انہی صفات کے ساتھ جو تم نے کہیں، تو کیا پھر تم اس پر ایمان لے آؤ گے جو میں لیکر آیا ہوں؟ اور جسکے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس کی تصدیق کرلو گے؟ تو قوم ثمود نے کہا: ہاں۔پھر حضرت صالح علیہ السلام نے اس بات پر ان سے عہد و پیمان لے لئے۔

پھر جائے نماز پر کھڑے ہوئے اور جتنی مقدر میں تھی اتنی نماز پڑھی۔

پھر اپنے پروردگار سے دعا کی کہ انکا مطلوبہ سوال پورا ہو۔

تو اللہ مجیب الدعوات نے چٹان کو فرمایا کہ وہ پھٹ جائے اور اس سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی، طویل القامت، انہی صفات کے ساتھ نکلی جو انہوں نے مانگی تھیں یا اسی صفت پر نکلی جو انہوں نے بیان کیں۔

(اور اللہ کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کن (ہوجا) کہہ دے تو فرمانے سے پہلے وہ وجود میں آجاتی ہے تو اسی طرح اونٹنی فوراً نکل آئی) پھر جب انہوں نے اس کو اسی طرح انہی صفات کے ساتھ موجود دیکھا، تو ایک عظیم الشان معاملہ پایا، ہیبت ناک منظر پایا، قدرت عالیہ کا نمونہ پایا، دلیل

قاطعہ، اور برہان معجزہ کو پایا۔

(تو الحمدللہ یہ نظارہ قدرت دیکھ کر) اکثر لوگ ایمان سے مشرف ہو گئے اور لیکن افسوس اکثر لوگ اپنے کفر وضلالت پر بھی ہٹ دھرم رہے۔

اور ایمان لانے والوں کا رئیس سردار حضرت جندع بن عمرو بن محلات بن لبید بن جواس تھا اور یہ قوم ثمود کے بڑے سرداروں میں سے ایک تھا۔ اور باقی مومنین بھی اسلام کے شرف کے ساتھ سردار ہو گئے تھے۔ پھر ان کو بتوں کے پجاری ورؤساذ واب بن عمرو بن لبید، الحباب، اور رباب بن صمعر بن جلمس نے اسلام سے روکا۔

اور ادھر جندع نے اپنے بھتیجے شہاب بن خلیفہ کو اسلام کی طرف بلایا یہ بھی سرداروں میں سے تھا اور اس نے اسلام کا ارادہ بھی کر لیا لیکن کافروں نے روک لیا اور یہ ان کی طرف مائل ہو گیا اور کفر پر ہی قائم رہا اس پر مسلمانوں کے ایک مرد، مہرش بن غنمہ بن ذمیل نے اشعار کہے۔

ال عمرو کی جماعت نے
شہاب کو پیغمبر کے دین کی طرف بلایا

وہ شہاب سارے ثمود کا عزیز تھا
پھر اس نے ارادہ بھی کر لیا کہ دعوت قبول کرے اور اگر وہ قبول کر لیتا

تو ہم میں وہ صالح اور عزیز محبوب ہو جاتا
لیکن ذواب والوں نے اپنے ساتھی کے ساتھ عدل نہیں کیا

اور لیکن آل حجر کے سرکش لوگ
اپنی ہدایت سے پیٹھ دے کر بھاگ گئے مکھی کی طرح

تو پھر جب اونٹنی عظیم الشان جسم وہیئت وخلقت والی ظاہر ہوئی تو پیغمبر خداوندی حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو کہا ھذہ ناقۃ اللّٰہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔

تو اونٹنی کو اللہ کی طرف منسوب کرنا، اس کی شرافت وعظمت اور اس کی نشانی کو جتلانے وبتلانے کیلئے تھا۔ جیسے بیت اللہ بھی ہے اور اسی طرح اللہ اپنے محبوب پیغمبر کو "عبدہ" اپنا بندہ فرماتے ہیں۔ جبکہ تمام اللہ کے بندے ہیں تو یہ عظمت شان کو ظاہر کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔

تو خیر صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے اور تمہارے لئے نشانی ہے اس بات کی کہ میں جن چیزوں کو لے کر آیا ہوں (توحید وعبادت الٰہی وغیرہ) وہ سب بالکل سچ ہے۔ اور یہ چونکہ اللہ کی اونٹنی ہے تو فرمایا اسکو چھوڑ دو، اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ اور اس کو برائی (تکلیف پہنچانے کی غرض) سے نہ چھونا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پکڑے گا۔ (ہود ۶۴)

تو فی الحال تو اتفاق ہو گیا کہ یہ اونٹنی ان سب کے درمیان کھلی آزاد پھرے جہاں چاہے جس کی زمین میں چاہے چرے۔ اور پانی پر ایک دن کے بعد ایک دن آئے۔ اور جس دن یہ پانی پر آتی تھی، اس دن سارے کنویں کا پانی پی جاتی تھی۔ تو لوگ اپنی حاجت اگلے دن پوری کرتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ اونٹنی اتنا دودھ دیتی تھی کہ پوری قوم ثمود کو کافی ہو جاتا تھا۔ اور وہ پیتے بھی تھے۔ اور اس کے پانی کی باری تو خدا نے ہی بار مقرر فرما دی تھی۔ فرمایا: اس کے لے پینے کی باری ہے اور تمہارے لئے (بھی) ایک مقرر دن۔ (الشعراء: ۱۵۵)

تو یہ بھی حقیقت میں ان کی سرکشی اور منہ مانگے معجزے کی بناء پر ان کے لئے آزمائش تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: بے شک ہم نے اونٹنی کو بھیجا ان کے لئے آزمائش بنا کر) پس (اے پیغمبر صالح) ان کا انتظار کر، اور صبر کر، اور ان کو خبر دے دے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہے کہ ہر

ایک (ایک دن) باری پر حاضر ہو۔ (القمر:۲۷۔۲۸)

یعنی یہ اونٹنی ان کے لئے امتحان ہے کہ کیا اب بھی ایمان لے آتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بات کا آپ پیغمبر انتظار کریں کہ انکا کیا ردعمل ہوتا ہے اور وہ جو آپ کو تکلیفیں پہنچائیں آپ ان پر صبر کریں۔ عنقریب نتیجہ واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

جب یہ حالت اتنی طویل ہو گئی، تو ان کی رائے اور معاملہ اس بات پر متفق ہو گیا کہ اس اونٹنی کو ذبح کر دیں، تاکہ (اس سے جان چھوٹے اور) آرام وسکون حاصل ہو۔ اور ان کو پانی وافر مقدار میں ملے۔ تو شیطان نے اس طرح ان کے دل میں یہ باطل خیالات پیدا کر دیئے اور وہ یہ ظلم کر بیٹھے قرآن میں ہے پھر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کر لی اور کہنے لگے: اے صالح اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) سے تو ہم کو ڈراتا ہے وہ لے آ۔ (الاعراف:۷۷)

اور اس اونٹنی کے قتل کا ذمہ اٹھانے والا انکا رئیس قدار بن سالف بن جندع تھا۔ سرخ رنگت والا تھا اور اس کے جسم پر نیلے گہرے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے یہ ولدالزنا یعنی حرامی بچہ تھا۔ چونکہ سالف بن جندع کے گھر پیدا ہوا اس لئے مشہور تو اسی کے اولاد سے تھا لیکن درحقیقت یہ دوسرے شخص سے پیدا شدہ تھا جسکا نام صیبان تھا۔ اور اس نے اونٹنی کو قتل، تمام کی متفقہ رائے سے کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ ظلم تمام کی طرف منسوب ہوا کہ قوم ثمود نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔

اور علماء مفسرین میں سے ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قوم ثمود کی دو عورتیں تھیں ایک کا نام صدوق بنت المحیا بن زہیر المختار تھا۔ اور یہ اونچے خاندان کی مالدار عورت تھی لیکن اس کا شوہر اسلام لا چکا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اس سے جدا ہو گئی تھی۔

تو اس نے اپنے چچازاد بھائی مصرع بن مہرج بن المحیا سے کہا کہ اگر تو اس اونٹنی کو ختم کر ڈالے تو میں تیرے لئے ہوں (اور یہ حسین خوبصورت تھی)۔

اور دوسری عورت کا نام عنیزہ بنت غنیم بن مجلز تھا اور کنیت ام غنمۃ تھی۔ اور یہ بھی کافرہ بڑھیا تھی، اس کے شوہر ذواب بن عمرو سردار سے اس کے ہاں خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ تو اس نے بھی ایک دوسرے شخص قدار بن سالف پر اپنی لڑکیاں پیش کیں کہ اگر وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو ان لڑکیوں میں جس کو چاہے اپنے لئے پسند کرے۔

تو یہ دونوں جوان اس کو قتل کرنے پر اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنی قوم میں حمایت وتائید کے لئے کوشش کرنے لئے۔ تو قوم ثمود میں سے دوسرے سات آدمیوں نے بھی انکا ساتھ دینے کی ٹھان لی۔ اور یہ اس طرح نو افراد ہو گئے۔ قرآن میں بھی ذکر آیا: شہر میں نو آدمیوں کی جماعت تھی جو زمین میں فساد مچاتے پھرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے (النمل:۴۸) اور پھر باقی قبیلے والوں سے بات کی۔ تو انہوں نے بھی ان کی سرکشی یعنی اونٹنی کو قتل کرنے کو خوب سراہا اور ان کی بات کو قبول کیا اور حمایت وتائید کی۔

تو یہ (نو آدمیوں کی جماعت) اونٹنی کے لئے گھات لگا کر تاک میں بیٹھ گے۔ جب اونٹنی گھاٹ سے پانی پی کر واپس آئی (اور ان کے قریب سے گذرنے لگی) تو مصرع نامی شخص نے کمان سیدھی کی اور اونٹنی پر تیر چلا دیا۔ اور تیر جا کر اونٹنی کی پنڈلی کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔

پھر قبیلے کی عورتیں اونٹنی کو قتل کرنے پر قبیلے کو ملامت کے ساتھ برانگیختہ کرنے لگیں (کہ جلدی قتل کرو) اور اپنے چہروں کو پیٹنے لگیں۔ تو ان سب مردوں میں سے قدار بن سالف آگے بڑھا اور تلوار سونت کر بڑی شدت سے وار کیا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں (یعنی پچھلے پاوں سے اوپر کا حصہ) تو بیچاری اونٹنی لاچار ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اور ایک بہت زوردار چیخ ماری، تاکہ اس کا بچہ (جہاں کہیں ہو خبردار ہو کر ظالموں کے چنگل سے بھاگ جائے اور) محتاط ہو جائے۔ پھر ظالم قدار نے اپنے ظلم وسرکشی کو تیز کرتے ہوئے) اونٹنی کے سینے پر نیزہ مارا اور ذبح کر ڈالا۔

ادھر اسکا بچہ بھاگتا ہوا اونچے پہاڑ پر چڑھا اور چیخیں ماریں۔ (اور غائب ہو گیا) [1] حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے نے یہ کہا تھا اے پروردگار: میری ماں کہاں گئی۔ پھر وہ بچہ چٹان میں داخل ہوا اور اس میں غائب ہو گیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ظالموں نے اس کا بھی پیچھا کیا تھا اور اس کو بھی کاٹ ڈالا تھا۔

(۱) وروی عبدالرزاق عن معمر، عمن سمع الحسن انہ قال ۱ ۳

اللہ عزوجل فرماتے ہیں! پھر انہوں (ثمودیوں) نے اپنے ساتھی (یعنی قتل کرنے والا قدار) کو بلایا اور پھر اس نے اونٹنی کو پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں[1] اور رب تعالیٰ نے فرمایا: جب انہیں سے سب سے بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا، اور اللہ کے رسول نے ان کو کہا (یہ) اللہ کی اونٹنی ہے اور اس کے پانی کی باری ہے (تو اسکا خیال رکھو اور اس کو تکلیف دینے سے بچو لیکن) پھر انہوں نے اس (پیغمبر) کو جھٹلایا پھر اس (اونٹنی) کو کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھران کے پروردگار نے (بھی) ان کے گناہ کی بدولت ان پر عذاب (کا کوڑا) برسایا (اور) پھران کو برابر کردیا۔ اور وہ ان کے انجام سے نہیں ڈرتا۔[2] مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خطبہ دیا پھر (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی کا تذکرہ چھیڑا اور جس نے اس کو قتل کیا تھا اس کا ذکر کیا فرمایا: جب ان میں سے سب سے بڑا بد بخت کھڑا ہوا۔ یعنی اونٹنی (کو ذبح کرنے) کے لئے ایک شخص کھڑا ہوا جو موذی تھا اپنی قوم میں سر برآوردہ اور زورآور تھا جیسے ابوزمعہ اپنی قوم میں۔[3]

[4] عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہوئے۔ کیا میں تجھے لوگوں میں سب سے بد بخت کا نہ بتلاؤں؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا دو شخص ہیں۔ ایک تو ثمود کا سرخ رنگت والا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تھیں۔ اور دوسرا وہ شخص اے علی: جو تجھے یہاں (تلوار) مارے گا (یعنی سر پر) حتیٰ کہ یہ جدا ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کر لی۔ اور کہا: اے صالح جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔ اگر تو رسولوں میں سے ہے تو اس کو لے آ۔ اور ان سرکشوں نے یہ کلام کر کے کفر کی انتہائی حدود کو کئی اعتبار سے چھو لیا۔

ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو اونٹنی کو برائی کے ساتھ چھونے سے منع فرمایا تھا۔ اور وہ اونٹنی ان کو اپنی طرف سے بطور نشانی کے عطا فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہوئے اونٹنی پر ظلم کیا اور اس کو مار ڈالا۔

اور اس پر مزید اضافہ یہ کیا کہ خود ہی جلدی اور فوراً عذاب کو مانگنے لگے۔

تو یہ دو وجہوں سے عذاب کے مستحق ہو گئے ایک تو یہ کہ اللہ نے ان کو فرمادیا تھا کہ: اس کو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں قریبی عذاب پکڑ لے گا، ایک جگہ فرمایا عظیم عذاب پکڑے گا اور ایک جگہ فرمایا دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور تمام صورتیں واقع ہو کر رہیں۔

اور دوسری وجہ یہ کہ پھر خود ہی عذاب الٰہی کو جلد اور فوراً دعوت دینے لگے۔

اور یہ سب سے بڑی بات تھی کہ رسول علیہ السلام نے جب اپنی نبوت وسچائی پر یقینی دلیل اور معجزہ پیش بھی کر دیا اس کے باوجود بھی انہوں نے رسول کی تکذیب کی اس کو جھٹلایا۔ اور ان کے دل میں علم یقین بھی پیدا ہو چکا تھا کہ یہ سچا رسول ہے لیکن کفر و ضلالت اور عناد و سرکشی نے ان کو کفر پر اکسایا، اور حق اور اپنے پر عذاب کے واقع ہونے کو یقینی خیال نہ کرنے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو (حضرت صالح نے) فرمایا تم اپنے گھروں میں تین دن نفع اٹھا لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مذکور ہے کہ جب انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تو سب سے پہلے ملعون قدار بن سالف نے اس کی کونچیں کاٹیں تھیں پھر وہ زمین پر گر پڑی تو تمام لوگ اپنی تلواریں لیکر اس مظلوم جانور پر ٹوٹ پڑے۔ پھر جب اونٹنی کے بچے نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی ان ظالموں سے خوفزدہ ہو کر بھاگا اور جا کر او نچے پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ زوردار چیخ ماری۔

تو اس وجہ سے کہ بچے نے تین مرتبہ چیخیں ماریں تھیں حضرت صالح نے بھی اپنی نافرمان قوم کو عذاب سے تین دن کی مہلت بتائی یعنی اونٹنی پر ظلم والے دن کے سوا تین دن اپنی زندگیوں سے نفع اٹھا لو۔ اور بس۔ لیکن (کفر وہ جو سر چڑھ کر بولے) اور ان کافروں نے اس وعدے کی بھی تصدیق نہ کی بلکہ شام ہوئی تو اپنے کفر پر مزید اضافہ کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کرنے کی ٹھان لی۔ کہ اس کو بھی اونٹنی کے ساتھ ملا دیں قرآن میں ہے: کہنے لگے اللہ کی آپس میں قسمیں اٹھاتے ہوئے کہ ہم ضرور رات کو اس کو اور اس کے گھر والوں کو جالیں گے۔ یعنی رات کو اس کے گھر میں گھس

---

(۱) القمر ۲۹۔ ۳۰ (۲) الشمس ۱۲۔ ۱۵

(۳) قال الامام احمد حدثنا عبدالله بن نمير ، حدثنا هشام .او عروه . عن ابيه عن عبدالله بن زمعه قال: ...... اخرجاه من حديث هشام به

(۴) وقال محمد بن اسحاق: حدثني يزيد بن محمد بن خثيم ، عن محمد بن كعب ، عن محمد بن خثيم بن يزيد عن عمار بن ياسر قال ......

کر اس کو قتل کر دیں گے۔ پھر اس کے قتل کا انکار کر دیں گے، اور سرے سے ہی انکار کر دیں گے اگر اس کے ورثاء اور اولیاء اسکا خون بہا یا قصاص طلب کرنے لگے۔ اسی وجہ سے قرآن میں ان کا ذکر ہے کہ پھر ہم اس کے ولی کو کہہ دیں گے کہ اس کے ہلاکت کی جگہ بھی ہم حاضر نہیں تھے۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ (سورہ النمل ۴۹)

آگے اللہ نے فرمایا: انہوں نے مکر کیا تو ہم نے (بھی) مکر کیا اور ان کو احساس بھی نہ ہوا پس دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان پر اور ان کی ساری (کافر) قوم پر (عذاب کی) تباہی ڈال دی پس یہ ان کے گھر ان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں بے شک اس میں جاننے والی قوم کیلئے (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ (النمل ۵۰ تا ۵۳)

تو خیر قوم ثمود اونٹنی کے قتل سے فراغت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے جوڑنے لگی اور وہ بھی اسی رات کو۔ لیکن جیسا اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے مکر کیا تو ہم نے بھی مکر کیا اور ان کو پتہ نہ چلا۔ اس کی تفصیل یوں ہوئی۔ کہ اللہ عزوجل نے ان کی قوم سے بھی پہلے ان پر پتھر برسائے اور ان کے سر کچل ڈالے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صالح علیہ السلام اور اس کے اہل کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس طرح ان کو ان کی قوم سے تین دن پہلے ہی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

(اور یہ دن بدھ کا تھا جس میں اونٹنی شہید ہوئی اور پھر رات کو وہ خاص کفریہ جماعت تباہ ہوئی اس کے بعد صبح: ولی یعنی جمعرات کا دن آیا تو یہ مہلت کے دنوں میں سے پہلا دن تھا، اس دن میں قوم ثمود کے چہرے زرد ہو گئے جس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا تھا، پھر جب شام ہوئی تو قوم ثمود کہنے لگی واہ مہلت کا ایک دن گزر گیا اور کافروں نے بجائے چہرے بدلنے کی نشانی سے ایمان لانے کے مذاق کرنا شروع کر دیا پھر جب اس سے اگلے دن یعنی جمعے کے دن صبح کی اور یہ مہلت کا دوسرا دن تھا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ جب شام کی تو پھر کافر کہنے لگے واہ مہلت کے دو دن گذر گئے پھر زندگی کی مہلت میں سے تیسرے دن صبح کی تو ان کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے پھر جب شام ہوئی تو کافر کہنے لگے واہ مہلت مکمل ہو گئی۔ گذر گئی۔ اور یہ ہفتے کا دن تھا۔ پھر جب اتوار کا دن شروع ہوا۔

تو محتاط و چوکنے ہو گئے اور خوفزدہ ہو گئے، اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگے کہ دیکھو اب ہم پر کونسا عذاب رسوائی اور برائی اترتی ہے؟ کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اور کون سی جانب سے عذاب آئے گا؟

جب آفتاب طلوع ہوا تو آسمان سے ایک چنگھاڑ یعنی بہت سخت تیز چیخ کی آواز آئی جس سے یہ نیچے تک دہل گئے، اور روحیں خوف سے نکلنے لگیں، جانیں سسک سسک کر ختم ہونے لگیں حرکات سکنات ٹھنڈی پڑ گئیں، آوازیں بند ہو گئیں، حقائق واضح ہو گئے۔

پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے ملے۔ محض جسموں کے ڈھیر تھے جن میں کسی میں روح کا ذرہ نہ رہا تھا۔ اور نہ کوئی حرکت باقی رہی تھی۔

اور مذکور ہے کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا سوائے ایک لڑکی کے، اور وہ بھی لنگڑی تھی پاؤں سے معذور تھی اس کا نام کلبہ بنت سلق تھا اور ذریعہ بھی اس کو کہا جاتا ہے۔ اور حضرت صالح علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھتی تھی اور کفر پر بھی سخت تھی۔ جب اس نے عذاب کو دیکھا تو اس کی ٹانگیں صحیح ہو گئیں، اور وہ کھڑی ہو کر بھاگ پڑی۔ اور اس وقت اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور پھر وہ عرب کے ایک قبیلے کے پاس پہنچ گئی۔ وہاں اس نے قبیلے کو جو کچھ کہ دیکھا تھا اور جو عذاب اس کی قوم پر اترا تھا سب سنایا۔ پھر ان سے پانی طلب کیا انہوں نے پانی دیا۔ پھر جب پانی پی لیا تو یہ بھی مر گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گویا کہ وہ اس (علاقے) میں صحیح طرح آباد ہی نہیں ہوئے۔

خبردار بے شک ثمود نے اپنے پروردگار کے حکم سے کفر کیا خبردار پھٹکار ہے ثمود کے لئے یعنی قدرت کی زبان نے ان پر یہ آواز لگائی۔

[1]حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مقام حجر کے پاس سے گذرے تو فرمایا نشانیوں (معجزوں) کو مت طلب کرو بے شک قوم صالح نے ان کو طلب کیا پس وہ (نشانی اونٹنی ان کو مل گئی اور وہ) اس راستے سے پانی کے لئے آتی تھی اور اس راستے سے واپس جاتی تھی۔ پھر (قوم ثمود نے) اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ انکا ایک دن پانی پیتی تھی اور (اس) دن وہ (سب) اسکا

---

(۱) قال الامام احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، حدثنا عبداللہ بن عثمان بن خثیم، عن ابی الزبیر، عن جابر قال ۔۔۔ الخ

دودھ پیتے تھے پھر جب انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کو ایک چیخ نے آ پکڑا پس انمیں سے جو بھی آسمان کے نیچے تھا چیخ سے وہ ہلاک ہو گیا، سوائے ایک شخص کے جو حرم اللہ (یعنی کے) میں تھا صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون تھا؟ فرمایا وہ ابو رغال تھا پھر جب وہ حرم سے نکلا تو اس کو بھی وہی عذاب پہنچا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا۔

یہ حدیث امام مسلم کی شروط کے مطابق ہے۔لیکن صحاح ستہ میں نہیں ہے واللہ اعلم۔

اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ معمر نے کہا مجھے اسماعیل بن امیہ نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ ابو رغال کی قبر کے پاس سے گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا: جانتے ہو یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔فرمایا یہ قبر ابو رغال کی ہے۔جو ثمود کا آدمی تھا۔ یہ اللہ کے حرم میں تھا تو حرم اللہ نے اس پر عذاب نہ اترنے دیا پھر جب یہ نکلا تو اس کو بھی وہی کچھ پیش آیا جو اس کی قوم کو پیش آیا۔پھر یہ یہاں دفن کر دیا گیا۔اور اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کی گئی تھی۔پھر اس کے پاس ایک قوم نے پڑاؤ ڈالا اور اس کو اپنی تلواروں سے کھودا اور ٹہنی نکال لی۔

(۱) زھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو رغال ہی قبیلہ ثقیف کا باپ تھا۔ (۲)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کے ساتھ طائف کی طرف نکلے تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا جبکہ ہمارا ایک قبر پر سے گذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ابو رغال کی قبر ہے اور وہ ابو ثقیف ہے،اور ثمود سے تھا،اور اس حرم کی وجہ سے عذاب سے بچا رہا پھر جب وہاں سے نکلا تو اس کو بھی وہی عذاب پہنچا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا۔پھر یہیں وہ دفن کر دیا گیا،اور اس کی نشانی یہ (تھی کہ) اس جگہ اس کے ساتھ ایک سونے کی ٹہنی دفن کی گئی تھی اگر تم اس کو کھودتے تو وہ اس کے ساتھ پالیتے (لیکن) پھر لوگوں نے اس میں جلدی کی اور اس سے ٹہنی نکال لی۔ (۴)

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں تردد ہے صحیح یہ لگتا ہے کہ یہ خود عبداللہ بن عمر کا قول ہو اور ویسے بھی اس کے راوی بجیر بن ابی بجیر اس میں متفرد ہیں۔

لیکن پہلی مرسل حدیث اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کے لئے شاہد ملتا ہے واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر (پیغمبر نے) ان سے پیٹھ پھیر لی اور فرمایا: اے قوم بے شک میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا چکا۔اور تم کو (خیر خواہی کے ساتھ) نصیحت کر چکا،اور لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ (۵)

یہ حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے: کہ انہوں نے قوم کی ہلاکت کے بعد یہ کلمات فرمائے،اور اس وقت یہ ان کے محلے سے کوچ فرما کر دوسرے کسی محلے کی طرف جا رہے تھے اور زبان اقدس سے فرماتے جا رہے تھے اے قوم بے شک میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا چکا اور تمہارے لئے خیر خواہی کر چکا۔

یعنی تمہاری ہدایت میں مجھ سے جتنا کچھ ہو سکا میں نے خوب کوشش کر لی۔اور میں تمہاری ہدایت پر اپنے قول اپنے فعل اپنی نیت کے ساتھ بہت ہی حریص تھا۔(لیکن تمہاری سرکشی آڑے آئی) اور لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔یعنی تمہاری طبیعت حق کو قبول کرنے والی نہیں ہے بلکہ اسکا ارادہ کرنے والی بھی نہیں ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے تمہیں اس دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا، جو ہمیشہ اب تمہارے ساتھ رہے گا۔اور مجھے تمہارے چھٹکارے کی اب کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی۔اور میں اپنے دونوں ہاتھوں سے بھی اس کو تم سے دفع نہیں کر سکتا۔اور میرے ذمے جو تمہارے لئے واجب تھا یعنی رسالت کا پہنچانا اور نصیحت کرنا وہ میں ادا کر چکا،اور تمہارے لئے خرچ کر چکا۔لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے پیغمبر سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ نے بھی بدر کے کافر مقتولوں کو تین راتوں بعد فرمایا تھا،اور آپ ان پر ٹھہر گئے تھے اور اپنی

---

(۱) قال عبدالرزاق قال معمر قال الزهری ... الخ (۲) وهذا مرسل من هذا الوجه (۳) وقد جاء من وجه آخر متصلا كما ذكره محمد بن اسحق فی السيرة عن اسماعيل بن امية عن بجير بن ابی بجير قال سمعت عبدالله بن عمر يقول

(۴) وهكذا رواه ابو داود من طريق محمد بن اسحاق به قال شيخنا الحافظ ابو الحجاج المزی رحمه الله: هذا حديث حسن عزيز قلت تفرد به بجير بن ابی بجير هذا، ولا يعرف الا بهذا الحديث، ولم يرو عنه سوى اسماعيل بن اميه قال شيخنا: فيحتمل انه وهم فی رفعه وانما يكون من كلام عبدالله بن عمرو من زاملته والله اعلم (۵) الاعراف ۷۹

سواری پر سوار تھے اور رات کا آخری پہر تھا اور آپ نے کوچ کا حکم فرما دیا تھا پھر کوچ کرتے وقت آپ ان مقتولوں سے مخاطب ہوئے۔

اے کنویں والو: (چونکہ ان کو قتل کر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا) کیا جو تم سے تمہارے پروردگار نے (سرکشی کی صورت میں عذاب کا) جو وعدہ فرمایا تھا، اس کو تم نے حق وثابت پالیا؟ پس میں نے تو اپنے پروردگار کے وعدے کو حق (سچ) پالیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے خطاب میں اس وقت ان کو یہ بھی فرمایا تھا۔

برا تھا نبی کا خاندان، (یعنی) تم اپنے نبی کے لئے۔ تم نے مجھے جھٹلایا لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اپنے دیس سے نکالا، اور لوگوں نے مجھے ٹھکانا دیا، تم نے مجھ سے قتل وخونریزی کی اور لوگوں نے میری مدد کی پس نبی کا خاندان برا ہے، (یعنی) تم اپنے نبی کے لئے (برے نکلے)

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ آپ ایسی قوم سے خطاب کر رہے ہیں جو ہلاک ہو چکی ہے؟ فرمایا جو میں کہہ رہا ہوں وہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے

اور کہا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام وہاں سے اجڑ کر اللہ کے حرم میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر وہیں اقامت پذیر رہے یہاں تک کہ اللہ کا بلاوا آ گیا۔

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ حج کے وقت وادی عسفان سے گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر یہ کون سی وادی ہے؟ عرض کیا وادی عسفان فرمایا یہاں سے ہود اور صالح علیہ السلام بھی گذرے تھے (اور وہ) اونٹنیوں پر سوار تھے جنکی مہاریں کھجور کی رسی کی تھیں۔ اور ان کے جسم پر عبائیں تھیں اور سیاہ وسفید دھبوں والی تھیں۔ تلبیہ (الھم لبیک الخ) پڑھتے ہوئے قدیم گھر (بیت اللہ) کا حج کرنے کے لئے جا رہے تھے۔

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور طبرانی کی روایت سے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہو چکی ہے اور اس میں نوح اور ہود اور ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

تبوک کے سال ارض ثمود کی وادی حجر سے نبی اکرم ﷺ کا گذر

[2] مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ تبوک میں اترے تو قوم ثمود کے گھروں کے پاس مقام حجر میں اترے۔ تو جن کنوؤں سے قوم ثمود پانی بھرتی تھی۔ آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی وہاں سے پانی بھرا، اس پانی سے آٹا گوندھا، اور اس پانی سے دیگچیاں چڑھائیں۔ لیکن پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم فرمایا: تو صحابہ نے دیگچیاں الٹ دیں، اور اس پانی سے گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو لے کر آگے کوچ فرمایا: حتیٰ کہ اس کنویں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا جس کنویں سے ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) پانی پیتی تھی۔

اور پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو منع فرمایا کہ قوم ثمود جو عذاب سے ہلاک ہوئے ان کے گھروں بستیوں میں نہ جائیں اور یہ فرمایا: میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں تم کو بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو ان کو پہنچا تھا لہٰذا ان کے پاس نہ جاؤ۔

[3] اور مسند احمد میں ایک دوسرے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے: کہ حضور اکرم ﷺ مقام حجر میں تھے اور آپ نے یہ فرمایا: ان عذاب یافتہ لوگوں کے پاس نہ جاؤ مگر ہاں اسطرح (جا سکتے ہو کہ) روتے ہوئے جاؤ۔ لہٰذا (اس کے بغیر) ان کے پاس نہ جاؤ (اس خوف سے کہ کہیں) تم کو بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو ان کو پہنچا۔

(۱) قال الامام احمد: حدثنا وکیع، حدثنا زمعہ بن صالح، عن سلمۃ بن وھرام، عن عکرمہ، عن ابن عباس قال

(۲) قال الامام احمد: حدثنا عبدالصمد، حدثنا صخر بن جویریہ، عن نافع، عن ابن عمر قال: .... الخ

(۳) وقال احمد ایضا: حدثنا عفان، حدثنا عبدالعزیز بن مسلم، حدثنا عبداللہ بن دینار، عن عبداللہ بن عمر قال الخ

اس حدیث کو صحیح بخاری و مسلم نے کئی وجہ سے تخریج فرمایا ہے۔
اور بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب قوم ثمود کے گھروں کے پاس سے گذرے تو اپنے سر کو ڈھانپ لیا، اور سواری انتہائی تیز فرمادی۔ اور صحابہ کرام کو ان کے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ سوائے رونے کی صورت میں لہٰذا اگر رونا نہ ہو تو ان کے علاقوں میں داخل نہ ہو کہیں تم کو بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو ان کو پہنچا۔
اس کو بھی بخاری و مسلم نے کئی طرح سے تخریج فرمایا ہے۔
اور اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
اگر تم رو نہ سکو تو رونے کی صورت بنالو اس خوف سے کہ کہیں تم پر بھی وہی عذاب پہنچ جائے جو ان پر اترا تھا۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔
[1] اور مسند احمد میں عمرو بن سعد یا عامر بن سعد سے مروی ہے کہ جب غزوہ تبوک کا موقع پیش آیا تو لوگ اہل حجر کے مقام کی طرف تیزی سے جارہے تھے تو یہ بات رسول اکرم ﷺ کو پہنچی تو لوگوں میں منادی کرائی الصلوۃ جامعۃ یعنی جمع کرنے والی نماز (اور یہ اعلان تب کروایا جاتا تھا جب لوگوں کو اکٹھا کرنا مقصود ہوتا تھا)۔
تو راوی کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا آپ اپنے اونٹ کو روکے کھڑے تھے اور فرمارہے تھے تمہیں کیا ہے کہ تم ایسی قوم پر داخل ہوتے ہو، جس پر اللہ کا غضب اتر چکا ہے؟ تو مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سے تعجب (وعبرت) پکڑتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: تو کیا میں تمہیں اس سے زیادہ تعجب انگیز شخص نہ بتاؤں؟ (وہ شخص وہ) مرد ہے جو تم میں سے ہے اور تم سے پہلے کی خبریں دیتا ہے اور بعد کی خبریں بھی دیتا ہے (یعنی خود آپ کی ذات مبارکہ) پس مستقیم رہو اور سیدھے رہو۔ اس لئے کہ اللہ تمہیں (بھی) عذاب دینے میں کوئی پروا نہ فرمائے گا۔ اور عنقریب ایسی قوم آئے گی جو اپنے نفسوں کا کچھ بھی (عذاب الٰہی) سے دفاع نہ کرے گی۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کو اور ائمہ نے تخریج نہیں فرمایا۔
مذکور ہے کہ قوم صالح کی عمریں طویل ترین ہوا کرتی تھیں۔ تو پہلے یہ گارے مٹی کے گھر بناتے تھے تو وہ ایک شخص کی موت تک ہی ویران و تباہ ہو جاتا تھا پھر انہوں نے پہاڑوں میں اپنے لئے تراش تراش کر گھر بنانا شروع کئے۔
مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ قوم ثمود نے جب حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی بطور نشانی طلب کی اور اللہ نے وہ ان کو عطا فرمادی تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو حکم فرمایا کہ اس کا اور جو بچہ (ابھی سے) اس کے پیٹ میں ہے دونوں کا خیال رکھا جائے اور اگر اس کو برائی سے چھوئیں گے تو اللہ کا عذاب ان کو گھیر لے گا۔
اور حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو یہ خبر بھی پہلے ہی سے دیدی تھی کہ وہ عنقریب اس کو کرہی ڈالیں گے اور یہی ان کے ہلاک ہونے کا سبب بنے گا حتیٰ کہ اس کی کونچیں کاٹنے والے شخص کی نشانی اور اوصاف بھی پہلے بتا دیئے تھے کہ وہ سرخ رنگت اور نیلے گہرے دھبوں والا ہوگا تو (شاید پھر مومنین) لوگوں نے دائیوں کو شہروں میں بھی پھیلا دیا کہ جو بچہ اس طرح کا پیدا ہو اس کو قتل کردیں۔ تو اسی طرح ایک زمانہ بیت گیا (یعنی کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا لہٰذا کوئی قتل بھی نہ ہوا) پھر ایک پشت ختم ہوگئی دوسری آگئی۔
پھر کسی ایک شہر کے رئیس نے دوسرے رئیس کی بیٹی کو پیغام نکاح دیا اور وہ راضی ہوگیا تو دونوں کے درمیان شادی ہوگئی پھر ان کے ہاں اونٹنی کا قاتل پیدا ہوا جو قدار بن سالف تھا لیکن اس کے ماں باپ رئیس و سردار تھے تو اس وجہ سے دائیاں اس کے قتل پر قادر نہ ہوسکیں تو وہ ظالم بڑی سرعت سے پرورش پاتا گیا حتیٰ کہ یہ ایک ہفتے میں اتنی پرورش و نشوونما پالیتا تھا، جتنی دوسرے ایک مہینے میں پائیں۔
یہاں تک کہ یہ بہت جلد قوم میں رئیس و سردار بن کر ابھرا۔ پھر اس کے دل میں اونٹنی کے قتل کا خیال فاسد پیدا ہوا۔ اور دوسرے آٹھ آدمیوں نے بھی اس (سرکشی سے ہم خیالی ظاہر کرتے ہوئے اس) کی اتباع کی اور وہ بھی سرکش اور سردار لوگوں میں سے تھے، اور انہی ظالموں نے حضرت صالح

---

[1] وقال الامام احمد: حدثنا یزید بن هارون، حدثنا المسعودی، عن اسماعیل بن اوسط، عن محمد بن ابی کبشه الانماری عن ابیه واسمه عمرو بن سعد ویقال عامر بن سعد. رضی الله عنه قال. الخ

علیہ السلام کے قتل کا بھی ارادہ کیا تھا۔

پھر جب اونٹنی کے قتل کا سانحہ پیش آچکا تو یہ بات حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی، تو حضرت صالح علیہ السلام اونٹنی کے غم میں روتے ہوئے ان کے پاس آئے تو یہ سرکش لوگ آپ سے جھوٹے بہانے اور معذرت کرنے لگے کہ یہ ہماری جماعت کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ یہ ہم میں سے چند لڑکوں نے کیا ہے تو آخر حضرت صالح علیہ السلام نے (درگذر کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کے بچے کو لے آؤ اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کروتا کہ اسکا بدلہ ہو جائے۔ تو لوگ اس بچے کے پیچھے گئے تو وہ ادھر موجود ایک پہاڑ پر چڑھ گیا پھر جب لوگ اس کے پیچھے چڑھنے لگے تو وہ اور بلندی کی طرف چڑھا اور حتی کہ چوٹی پر پہنچ گیا اور پرندے اس کو چھونے لگے۔ تو بچہ بے چارہ رو پڑا اور اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے پھر حضرت صالح علیہ السلام کی طرف رخ کر کے تین مرتبہ چیخ ماری۔ تو اس وقت حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا (قرآن میں ہے! اپنی زندگیوں سے اب صرف) تین دن تک اپنے گھروں میں نفع اٹھالو یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔ (ہود ۶۵)

اور حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو خبر بھی دی کہ وہ آئندہ صبح کو زرد چہرے لئے اٹھیں گے پھر دوسرے دن سرخ چہرے، اور تیسرے دن سیاہ چہرے لئے اٹھیں گے پھر جب چوتھا دن آئے گا تو ان کے پاس ایک زوردار چنگھاڑ آئے گی جس میں ہر (طرح کی) بجلی کی کڑک دار آواز ہوگی جو ان کو پکڑے گی پھر یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے ملیں گے۔

لیکن اس روایت کے بعض حصوں میں شبہ کا امکان ہے اور قرآن کے ظاہر کی مخالفت ہے جیسے کہ ہم بیان کر چکے واللہ اعلم بالصواب.

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

نسب نامہ:......ابراہیم بن تارخ، عمر ۲۵۰، بن ناحور، ع ۱۴۸، بن ساروغ، ع ۲۳۰، بن راغو، ع ۲۳۹، بن فالغ، ع ۴۳۹، بن عابر، ع ۴۶۴، بن شالح، ع ۴۳۳، بن ارفخشذ، ع ۴۳۸، بن سام، ع ۶۰۰، بن نوح علیہ السلام۔

یہ اہل کتاب کی کتاب میں تصریح کے ساتھ مع ان کی عمروں کے نسب نامہ موجود ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کو یہاں بیان نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے بارے میں مفصل ومدلل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

[1] اور حافظ ابن عساکر نے اللہ کے دوست حضرت ابراہیم کی سوانح میں روایت کیا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ کا نام امیلہ تھا اور اس کے بعد ان کی ولادت کی خبر طویل ہے۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کی والدہ کا نام "بونا" بنت کربتا" "بن کرثی" تھا اور یہ قبیلہ بنی ارفخشذ بن سام بن نوح سے تھیں۔

اور ابن عساکر نے کئی وجہ سے حضرت عکرمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت "ابوالضیفان" تھی (یعنی مہمانوں کے باپ چونکہ کثرت میزبانی میں یہ بہت ہی آگے تھے۔ اس لئے یہ کنیت پڑ گئی۔م)

علماء مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ جب تارخ کی عمر ۷۵ سال کو پہنچ گئی تو ان کے ہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے علاوہ دولڑکے ناحور اور ہاران بھی ان کے ہاں پیدا ہوئے اور ھاران کے ہاں حضرت لوط علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، تو اس طرح حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہوئے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام منجھلے یعنی درمیانی بھائی تھے۔ اور ھاران اپنے والد کے زمانے ہی میں اسی سرزمین میں وفات کر گئے تھے جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی، اور وہ کلدانیین کی زمین ہے اور اس سے ان کی مراد بابل شہر ہے۔

اور اہل سیرت وتواریخ واخبار کے ہاں یہی زیادہ صحیح قول ہے۔

اور [2] حافظ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غوطہ دمشق میں قاسیون کے پہاڑی علاقے میں برزہ نامی بستی کے اندر پیدا ہوئے لیکن بعد میں ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل شہر میں پیدا ہوئے اور اس بابل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اسلئے بھی منسوب کیا گیا ہے کہ جب آپ اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کے لئے یہاں تشریف لائے، تو یہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

(تو خیر بڑے بھائی ناحور بھی بابل میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آخری قول کے مطابق بابل میں پیدا ہوئے م)۔

اہل تواریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے شادی کی اور ناحور نے ہاران کی بیٹی ملکا یعنی اپنے بھائی کی بیٹی سے شادی کی۔ اور اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ بانجھ تھیں اور کوئی اولاد ان کے ہاں نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی یعنی اپنی بہو سارہ، اور اپنے پوتے لوط بن ہاران کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین بابل سے چلے گئے اور کنعانیوں کی سرزمین میں آباد ہوئے اور وہاں مقام حران میں اترے اور وہیں تارخ نے وفات پائی جبکہ ان کی عمر دوسو پچاس سال تھی۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کی جائے پیدائش کلدانیوں کی سرزمین بابل اور اس

(۱) وحكى الحافظ ابن عساكر في ترجمة ابراهيم الخليل من ,, تاريخه،، عن اسحاق بن بشر الكاهلي صاحب كتاب ,, المبتداء الخ

(۲) وصحح ذلك الحافظ ابن عساكر ، بعد ماروى من طريق هشام بن عمار ، عن الوليد ، عن سعيد بن عبدالعزيز ، عن مكحول ، عن ابن عباس الخ

کے آس پاس کی جگہ ہے پھر یہ کنعانیوں کی سرزمین کا ارادہ لے کر چلے، اور وہ بیت المقدس کے شہر ہیں۔ تو وہاں یہ حضرات حران نامی جگہ میں آباد ہو گئے۔ اور اس وقت یہ جگہ بھی اور جزیرہ اور شام کی سرزمین بھی کلدانیوں کے زیر سایہ تھیں اور یہ سات سیاروں کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے شہر دمشق کو شروع میں بنایا آباد کیا وہ بھی اسی دین پر تھے۔ یہ قطب شمالی کی طرف رخ کرتے تھے (جس طرح ہم کعبۃ اللہ کی طرف کرتے ہیں) اور اقوال وافعال میں کئی طرح سے سات سیاروں کی عبادت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے دمشق کے پرانے سات دروازوں میں سے ہر ایک پر ایک سیارے کی ہیکل بنا کر نصب کر رکھی تھی۔ اور ان کے پاس عید اور تہوار کی رسوم مناتے تھے۔

اسی طرح حران شہر کے لوگ بھی انہی بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس وقت روئے زمین پر جو بھی تھے سب کافر تھے۔ سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے اور ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جنکے ذریعے اللہ نے ان فتنوں اور شر کو زائل کیا اور ضلالت و گمراہی کو مٹایا۔ بے شک اللہ نے ان کو بچپن ہی سے سیدھی راہ دکھلا دی تھی۔ اور اپنا رسول منتخب کر لیا تھا۔ پھر سن رسیدگی میں ان کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ (الانبیاء: ۵۱)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمان خداوندی ہے: اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ کا طوفان باندھتے ہو۔ تو جن لوگوں کو خدا کے سوا تم پوجتے ہو، وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس خدا کے ہاں سے رزق طلب کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ اور اسی کا شکر کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کو لوٹائے گا اور یہ خدا کو آسان ہے۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر خدا ہی پچھلی پیدائش کو پیدا کرے گا بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے۔ اور جس پر چاہے رحم کرے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور تم اس کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار اور جن لوگوں نے خدا کی آیتوں سے اور خدا کی ملاقات سے انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں صرف یہی بولے کہ اسے قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو مگر خدا نے اس کو آگ سے نجات دی۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اور (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو دنیا کی زندگی میں باہمی دوستی کے لئے لے بیٹھے ہو پھر قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعن طعن کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا پس ان پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔

اور ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب دیئے۔ اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی انکا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے باپ اور قوم کے ساتھ مناظرے کو ذکر فرمایا جس کو عنقریب ذکر کریں گے انشاء اللہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعوت اپنے والد کو تھی اور ان کے والد بتوں کی پوجا کرتے تھے اس وجہ سے لوگوں میں وہ سب سے زیادہ نصیحت کے محتاج تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے

ہیں جو نہ سنیں اور دیکھیں اور نہ آپکے کچھ کام آسکیں۔ ابا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپکو نہیں ملا تو میرے ساتھ ہو جایئے میں آپکو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ اے ابا شیطان کی پوجا نہ کیجئے بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے۔

اے ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپکو رحمٰن کا عذاب آپکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

اس نے کہا اے ابراہیم کیا تو مجھے اپنے معبودوں سے برگشتہ کرتا ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جا۔

ابراہیم نے السلام علیکم کہا (اور کہا) میں آپکے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ (سب سے) کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں۔ اور میں اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ اور مجھے امید (قوی) ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔

تو یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیٹے اور باپ کی گفتگو اور مناظرے کو ذکر فرمایا۔ اور کیسے بیٹے نے باپ کو حق کی طرف لطیف باتوں کے ساتھ اور حسین اشاروں کے ساتھ بلایا۔ اور ان بتوں کی برائی اور خرابی کو بیان فرمایا جو اپنے عابد کی نہ سن سکیں اور نہ اس کی جگہ کو دیکھ سکیں تو وہ اس عابد کو کیسے نفع پہنچا سکتے ہیں؟ یا اس کے ساتھ بھلائی اور مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو ہوشیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ نے مجھے جو ہدایت وعلم عطا فرمایا ہے آپ اس کی اتباع کرلیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھوٹے ہیں قرآنی الفاظ یوں ہیں۔ اے میرے ابا بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپکے پاس نہیں آیا لہذا آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں گا (مریم ۴۳) یعنی واضح اور نرم وآسان، تہمارا راستے کی طرف آپ کی رہنمائی کروں گا جو آپکو دنیا و دین میں خیر تک پہنچادے گا۔

پس جب یہ رشد وہدایت ان کے باپ پر پیش کی گئی اور یہ نصیحت وخیر خواہی ہدیہ کی گئی تو باپ نے بیٹے سے اس کو قبول نہ کیا اور نہ کچھ بھی فائدہ اس سے حاصل کیا بلکہ الٹا بیٹے کو ڈرایا دھمکایا اور کہا اے ابراہیم کیا تو مجھ کو اپنے معبودوں سے پھیرتا ہے؟ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور تو مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جا۔ (مریم ۴۶) یعنی اب تو مجھ سے الگ ہو جا اور مجھ سے جدائی کو بڑھا دے۔

تو پھر بیٹے نے باپ کو کہا سلام علیک آپ پر سلامتی ہو۔ یعنی میری طرف سے آپکو کوئی ناپسند بات نہ پہنچے اور نہ میری طرف سے آپکو کوئی تکلیف پہنچے۔ بلکہ آپ میری جانب سے صحیح وسلامت رہیں۔ پھر بیٹے نے اس محبت واخلاص پر اور اضافہ کیا فرمایا: عنقریب میں آپکے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے (مریم ۴۷)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ وہ مجھ پر لطف کرنے والا ہے یعنی اس نے مجھ کو اپنی بندگی کی توفیق مرحمت فرمائی اور اپنے لئے اخلاص عطا فرمایا۔ اسوجہ سے آگے فرمایا:۔ اور میں تم سے اور جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو، جدا ہوتا ہوں۔ اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے پروردگار سے مانگنے میں محروم نہ رہوں گا (مریم ۴۸) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے وعدے کے مطابق دعائیں مانگیں۔ لیکن جب یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے (اور دشمن ہی رہے گا) تو پھر بیٹے نے بھی باپ سے علیحدگی ظاہر کردی جیسے فرمان باری بھی ہے: اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا، جو وہ اس سے کر چکے تھے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے علیحدگی کرلی۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔ (۱)

(۲) صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر

---

(۱) توبہ ۱۱۴ (۲) وهكذا رواه ، في قصة ابراهيم منفردا. وقال في التفسير وقال ابراهيم بن طهمان عن ابن ابي ذئب عن سعيد المقبري، عن ابيه عن ابي هريره هكذا رواه النسائي عن احمد بن حفص بن عبدالله، عن ابيه ، عن ابراهيم بن طهمان به وقد رواه البزار من حديث حماد بن سلمه عن ايوب، عن محمد بن سيرين ، عن ابي هريره عن النبي ﷺ بنحوه وفي سياقه غرابة ورواه ايضاً من حديث قتادة عن عقبه بن عبدالغافر . عن ابي سعيد عن النبي ﷺ بنحوه

سے ملیں گے اور آذر کا چہرہ گرد وغبار اور گندگی سے اٹا ہوگا۔ تو ابراہیم علیہ السلام ان سے کہیں گے کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں؟ آذر بیٹے کو کہیں گے آج میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام (بارگاہ رب العزت میں) عرض کریں گے: اے پروردگار آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، اس دن آپ مجھے رسوا نہ فرمائیں گے۔ تو میرے والد کی رسوائی کے بعد میرے لئے کون سی بڑی رسوائی ہوگی؟ تو اللہ جل شانہ فرمائیں گے: بے شک میں نے کافروں پر جنت کو حرام کردیا ہے۔ پھر کہا جائے گا: اے ابراہیم اپنے قدموں تلے دیکھ کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے کہ ایک مردار غلاظت میں لتھڑا پڑا ہے۔ بس پھر اس کو پیروں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور جب ابراہیم نے اپنے والد آذر کو کہا: کیا آپ بتوں کو معبود بناتے ہیں؟ بے شک میں تو آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ (الانعام۷۴)

تو اس آیت سے صاف معلو ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر تھا جبکہ نسب بیان کرنے والوں میں سے جمہور حضرات جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں، وہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔ اور اہل کتاب کے نزدیک بھی تارخ تھا تو پھر آذر کیا ہے؟ تو ایک قول یہ ہے کہ آذر ان کے بت کا نام تھا جسکی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے یہ انکا لقب پڑ گیا۔ اور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آذر انکا نام تھا۔ اور شاید ان کے دو نام تھے یا پھر ایک ان کا لقب تھا دوسرا نام تھا، واللہ اعلم۔

اور ابن جریر کا قول بھی احتمال کے درجے میں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم اسطرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں جب رات نے ان کو ڈھانپ لیا تو ایک ستارہ نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غائب ہوگیا تو کہا میں غائب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو پکار اٹھے، اگر میرا رب مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر جب سورج کو بھڑکتے دیکھا تو کہنے لگے، میرا پروردگار یہ ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے: لوگو جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو، میں تو ان سے بیزار ہوں۔ میں نے تو سب سے یکسو ہو کر اپنی ذات کو اس کی طرف متوجہ کرلیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اور ان کی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی تو انہوں نے کہا، کیا تم مجھ سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے سیدھا راستہ دکھلایا۔ اور جن چیزوں کو تم انکا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا سوائے اس کے جو میرا رب چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیوں ڈروں؟ جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی خدا نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق امن کا مستحق ہے، اگر علم رکھتے ہو؟ (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مشتبہ نہیں کیا انہی کے لئے امن اور وہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ جس کے چاہتے ہیں، ہم درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حکمت (اور) علم والا ہے۔ (انعام۷۵تا۸۳)

اور یہ کلام ومقام اپنی قوم سے بطور مناظرہ کے تھا۔ اور ان کو سمجھانا مقصود تھا کہ یہ چمکدار ستارے سیارے وغیرہ معبود بننے کی صلاحیت واستعداد نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی اللہ کیشریک بننے کی صلاحیت واستعداد رکھتے۔ اسلئے کہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں اور ڈھیرے ڈھیرے پروان کو چڑھے ہیں، اور یہ مصنوعات میں سے ہیں جو اللہ کی تدبیر کے ساتھ انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں کبھی طلوع ہوتے ہیں، کبھی غائب ہوتے ہیں۔ اور اس عالم سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ پروردگار تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اور نہ کوئی پوشیدہ چیز بھی اس سے مخفی رہتی بلکہ وہ دائمی باقی اور لازوال ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور نہ اس کے سوا کوئی جہاں کا پالنے ولا ہے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو قوم کے سامنے ستاروں سیاروں وغیرہ کی عدم صلاحیت بیان فرمائی ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ

والسلام نے پہلے جو چمکدار کسی چیز کو دیکھا وہ زہرہ ستارہ تھا پھر اس سے زیادہ روشن چیز یعنی مہتاب کی طرف ترقی کی پھر اس سے بھی زیادہ روشن چیز یعنی آفتاب کی طرف ترقی کی جو نظر آنے والے تمام اجسام فلکی میں روشنی اور چمک دمک کے اندر سب سے زیادہ ہے۔لیکن پھر ان کے سامنے بالکل ظاہر ہوگیا کہ یہ سب کسی ذات کی طرف سے کام میں لگے ہوئے ہیں اسی کے حکم سے چلائے جاتے ہیں،اور اس کے حکم سے ان کے اوقات مقرر ہیں اور وہی انکا کرنے والا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن اور آفتاب اور مہتاب،(لہذا) آفتاب اور مہتاب کی پرستش نہ کرو،اور (بلکہ) اس اللہ کو سجدہ کرو،جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے،اگر تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔(حم سجدہ ۳۷)

اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا،کہ جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہہ اٹھے یہ میرا پروردگار ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔پھر جب وہ (بھی) غائب ہوگیا تو کہا: اے قوم جن کو تم (خدا کا) شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری ہوں (اور) بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنی ذات کو اس ذات کی طرف متوجہ کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔اور اس سے اس کی قوم نے جھگڑا کیا تو کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو؟ جبکہ اس نے مجھے ہدایت بخشی ہے۔اور میں ان (تمہارے معبودوں) سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو۔مگر میرا پروردگار جو بھی چاہے۔[1] یعنی میں تمہارے ان معبودوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔اسلئے کہ وہ کسی چیز کا نفع نہیں دے سکتے،اور نہ سن سکتے،اور نہ (کچھ تل بھر) عقل رکھتے ہیں بلکہ وہ خود ستاروں سیاروں کی طرح مخلوق اور ہمارے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔یا پھر وہ معبود تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر ہیں،اور بس۔

اور ظاہری طور سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا ستاروں کے ساتھ نصیحت فرمانا یہ اہل ''حران'' کے لئے ہوگا کیونکہ وہی لوگ ان ستاروں سیاروں کی پرستش کرتے تھے۔لہذا اس وضاحت وتفصیل سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوگی جو کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بچپن میں ''سرب'' مقام سے نکلے تب یہ الفاظ کہے تھے۔جیسے کہ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔اور یہ اسرائیلی خبروں سے نکلی ہوئی بات ہے جنکا کوئی اعتماد واعتبار نہیں۔خصوصاً جب وہ حق بات کی مخالف بھی ہوں۔اور بہرحال بابل کے لوگ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔اور اہل بابل وہ لوگ ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کے بارے میں مناظرہ کیا،اور ان کو توڑا اور ان کی تذلیل توہین کی اور ان کے باطل ہونے کی شناعت کو بیان کیا جیسے قرآن مقدس میں ہے۔

اور (ابراہیم نے) کہا اور کچھ نہیں،تم لوگ اللہ کے سوا اپنی دنیوی زندگی میں باہمی محبت کے واسطے بتوں کو پکڑتے ہو۔پھر قیامت کے دن تمہارے بعض بعض کا انکار وکفر کریں گے اور تمہارے بعض بعض پر لعنت کریں گے،اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا،اور تمہارے لئے (ان) مددگاروں میں سے کوئی نہ ہوگا۔[2]

اور دوسری جگہ قرآن میں ہے: اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم (ان کے) حال سے واقف تھے۔جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا شکلیں ہیں جن (کی پرستش) کے لئے تم جھکے پڑے ہو۔وہ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے۔انہوں نے کہا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں یا آپ ہنسی کھیل کرنے والوں میں سے ہیں؟ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔اور میں اس کا گواہ ہوں۔

اور خدا کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے چال چلوں گا۔پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا سوائے ایک بڑے کو۔تا کہ وہ اس کی طرف (پوچھ گچھ میں) رجوع کریں۔

کافر کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو انکا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے،وہ ابراہیم ہے۔کہنے لگے اسے لوگوں کے روبرو لاؤ تا کہ لوگ اس پر گواہ ہوں (جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو بت پرستوں نے) کہا اے ابراہیم یہ کام ہمارے خداؤں کے ساتھ کیا تو نے کیا ہے؟ کہا بلکہ یہ ان کے بڑے نے کیا (ہوگا)۔اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔جب انہوں

(۱) الانعام ۷۸ تا ۸۰ (۲) العنکبوت ۲۵

نے اپنے آپ میں سوچ بچار کی تو (اپنے ہی کو) کہنے لگے: تم ہی ظالم لوگ ہو۔ پھر ان کے سر نیچے ہو گئے۔ (اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں ہیں۔ کہا پھر تم خدا کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ کچھ بھی تمہیں فائدہ دے سکیں۔ اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تم پر اور خدا کے سوا جنکی تم پرستش کرتے ہو، تف ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ (تو وہ آپس میں) کہنے لگے اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا ڈالو اور (اسطرح) اپنے خداؤں کی مدد کرلو۔ ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا چاہا تھا (مگر) ہم نے ان کو ہی خسارے میں ڈال دیا۔ [1]

اور دوسری جگہ قرآن مقدس میں فرمایا گیا: اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور اسی پر قائم ہیں۔ تو کہا: کیا جب تم ان کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو (اور) تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں مگر خدائے رب العالمین (وہ میرا دوست ہے)۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو مجھے شفاء (بھی) دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور اسی ذات سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ روز قیامت کو میرے گناہ بخشے گا۔ (الشعراء ۶۹ تا ۸۳)

اور سورۃ الصافات میں فرمایا: اور انہی کے گروہ میں سے ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس سلیم (الطبع) دل لیکر آئے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ (گھڑ کر) اللہ کے سوا (دوسرے معبودوں کی عبادت) کا ارادہ کرتے ہو؟ اس رب العالمین کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ (کیا وہ تمہیں شرک پر معاف کردے گا؟)

پھر (ابراہیم علیہ السلام نے) ستاروں کی طرف ایک نظر کی۔ اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ پھر (کافر لوگ) ان سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے اور ابراہیم ان کے خداؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کردیا۔ تو لوگ دوڑے ان کے پاس آئے۔ تو (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو؟ جنکو خود ہی تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو اور جن کو تم بناتے ہو، پیدا فرمایا ہے۔

تو وہ (آپس میں) کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ (اور اس میں آگ بھڑکا کر) پھر اس کو آگ میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی (مگر) ہم نے ان کو زیر کردیا۔ (الصافات ۸۳ تا ۹۸)

اللہ عزوجل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا اور ان کی ذلالت وحقارت کو بیان فرمایا اور یوں فرمایا یہ کیا شکلیں ہیں؟ جن کو (تم پوجنے پر) قائم ہو؟

یعنی کیوں ان پر جھکے پڑے ہو اور ان کے سامنے ذلت اختیار کی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے پھر جواب دیا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ تو ان کی یہ کھوکلی دلیل صرف اپنے آباء واجداد کے کرتوت تھے اس کے علاوہ ان بتوں کی پرستش کی کوئی دلیل وحجت ان کے پاس نہیں تھی۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تم اور تمہارے آباء کھلی گمراہی میں تھے۔ [2] اسی طرح دوسری جگہ آیا: جب (ابراہیم علیہ السلام نے) اپنے والد اور اپنی قوم کو کہا کن کی تم عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ (گھڑ کر) سوائے اللہ کے اور معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟ تو تمہارا رب العالمین کے متعلق کیا خیال ہے؟ [3]

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ تم نے غیر اللہ کی پرستش کی ہے تو جب اللہ سے ملاقات کرو گے تو تمہیں پتہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ کہا کیا جب تم (ان معبودوں کو) پکارتے ہو تو وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے آباء کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔ [4]

---

(۱) انبیاء: ۵۱-۷۰ (۲) الانبیاء: ۵۴ (۳) الصافات: ۸۵ تا ۸۷ (۴) الشعراء: ۷۲ تا ۷۴

تو اسطرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ وہ نہ کسی پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں، اور نہ کسی چیز کا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ان کو ان بتوں کی عبادت پر اکسانے اور ابھارنے والی چیز صرف اور صرف اپنے آباء اجداد کی پیروی کرنا ہے۔

اور پھر ان کے آباء واجداد سے بھی زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یوں بھی فرمایا: کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم پرستش کرتے رہے ہو، تم اور تمہارے پہلے آباء بھی وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العلمین (میرا دوست ہے)۔ [(۱)]

قوم جن بتوں کی پرستش کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ان کے لئے باطل وفاسد کن ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے برأت ظاہر کی۔ اور ان کے عیوب ونقائص فاش کئے۔ لہٰذا اگر وہ کچھ نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتے تو حضرت ابراہیم کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اسی طرح اگر کچھ اثر انداز ہوسکتے تو اثر کر دکھاتے (لیکن سب بے سود)

تو جواب میں قوم نے کہا:۔ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس حق لے کر آیا ہے یا تو ہنسی کھیل کرنے والوں میں سے ہے؟ [(۲)] یعنی یہ جو گفتگو آپ ہمارے خداؤں کے بارے میں کر رہے ہیں اور ان کی برائیاں بیان کر رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے پھر ہمارے اگلے آباء واجداد کو لعن طعن کر رہے ہیں، تو کیا یہ سب کچھ حق ہے یا آپ محض مذاق کر رہے ہیں؟

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:۔ کہا: بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا وہ پروردگار ہے، جس نے ان (تمام) کو پیدا فرمایا۔ اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔ [(۳)]

یعنی میں جو تم کو یہ کچھ کہہ رہا ہوں۔ یہی حق ہے۔ بے شک تمہارا معبود برحق وہ اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تمہارا بھی پرورش فرمانے والا اور ہر چیز کا پرورش فرمانے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی پہلے نمونے کے پیدا فرمانے والا ہے۔ بس وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، اسکا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اسپر گواہ ہوں۔

اور ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بتوں پر دھمکی بھی دی فرمایا:۔ اور اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔ [(۴)] یعنی جب تم اپنے تہوار، عید کے موقع پر سب چلے جاؤ گے تو ضرور تمہارے بتوں کو بتاؤں گا، جن کی تم عبادت کرتے ہو؟

ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اپنے آپ میں کہی تھی اور ان کو نہ سنائی تھی۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے بعض لوگوں نے سن لی تھی۔

اور ان کی ایک عید گاہ تھی، اور یہ اپنے تہوار کے موقع پر ہر سال وہاں جاتے تھے اور وہ بھی شہر سے باہر۔ تو جب وہ دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے ان کو کہا کہ چلو عید گاہ چلیں تو انہوں نے بہانہ کیا کہ میں تو بیمار ہوں۔ جیسے اللہ نے فرمایا۔ پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ [(۵)]

تو اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بات کر کے ان کو ٹال دیا تا کہ پیچھے سے ان کے خداؤں کو سمجھائیں اور سبق دلائیں۔ اور اللہ کے دین حق کی مدد کریں اور بتوں کو پاش پاش کریں جو اسی کے لائق ہیں اور ان کو توہین وذلت کا مزہ دلائیں۔

لہٰذا جب لوگ عید کے دن عید گاہ کی طرف نکلے تو یہ ان کے شہر میں ٹھہر گئے، اللہ نے فرمایا۔ پھر وہ ان کے خداؤں کی طرف متوجہ ہو گئے [(۶)] یعنی خفیہ طور پر تیزی سے بتوں کے پاس گئے۔ دیکھا بت بڑی عظیم شان وشوکت میں ہیں، سامنے عجیب عجیب عمدہ عمدہ قسم کے کھانے بطور نذرانے کے رکھے ہیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لطف لیتے ہوئے براہ مذاق استہزاء ان کو کہا) قرآن میں ہے: کیوں نہیں تم کھاتے؟ تمہیں کیا ہوا بات نہیں کرتے؟ پھر ان کی طرف داہنے ہاتھ کے ساتھ مارنے (اور توڑنے) میں مشغول ہو گئے۔ [(۷)]

---

(۱) الشعراء ۷۵ تا ۷۷ (۲) الانبیاء ۵۵ (۳) الانبیاء ۵۶ (۴) الانبیاء ۵۷

(۵) الصافات ۸۸، ۸۹ (۶) الصافات ۹۱ (۷) سابق ۹۱ تا ۹۳

کیونکہ داہنا ہاتھ، قوی اور پکڑ میں مضبوط تیز، اور زیادہ کارگر ہوتا ہے، تو بس اپنے ہاتھ میں جو ہتھوڑا تھا اس سے خوب ان کے خداوں کی خدمت کی اللہ نے فرمایا: پھر (ابراہیم علیہ السلام نے) ان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ (۱) یعنی پوری طرح سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا آگے فرمایا: سوائے ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اس کی طرف (پوچھ گچھ میں) رجوع کریں۔

ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہتھوڑا اس باقی ماندہ بڑے بت کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا یعنی اشارہ دلاتے ہوئے کہ اس بڑے بت کو اس بات سے غیرت آئی کہ اس کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جائے۔

پھر لوگ اپنی عیدگاہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے خداوں پر کیا کچھ عذاب اتر چکا ہے، تو پوچھا قرآن میں ہے: کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (سلوک) کس نے کیا ہے؟ بے شک وہ تو ظالموں میں سے ہے (۲) تو اس موقعہ پر اگر ان کو کچھ بھی عقل و سمجھ ہوتی تو ان کے لئے بڑی ہدایت کی دلیل تھی۔ کہ جن خداوں کے آگے یہ جبین نیاز ٹیکتے ہیں، ان پر تو عذاب نازل ہو چکا ہے۔ اگر وہ حقیقی خدا ہوتے تو کم از کم اپنے بدخواہ سے تو اپنا بچاؤ کر لیتے۔ مگر یہ سبق بھی بے سود رہا اور اپنی جہالت اور کم عقلی کی بناء پر کہنے لگے ہمارے خداوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ وہ تو کوئی بڑا ظالم ہے۔ پھر ایک نے کہا: ہم نے ایک جوان کو انکا (برائی کے ساتھ) ذکر کرتے سنا تھا، اس کو ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ (۳) یعنی وہ ان کی برائی اور عیوب بیان کرتا ہے، لہٰذا وہی ان کو توڑنے اور خراب کرنے والا ہو سکتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا تھا: کہ اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔ (۴)

تو لوگوں نے کہا۔ پھر تو اس کو لوگوں کے سامنے روبرو لاؤ تاکہ لوگ اس پر گواہی دے سکیں۔ (۵)

یعنی ایک بڑے اجتماع میں لوگوں کے سامنے لایا جائے تاکہ لوگ اس کی پہلی باتوں پر گواہی دیں، اور اس کی بات کو سنیں، پھر اپنے خداوں پر نازل شدہ عذاب کا بدلہ لے کر ان کی مدد کریں۔

اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی خواہش اور عظیم مقصد تھا کہ تمام لوگوں کا اجتماع ہو اور ان کی طرف توجہ ہو اور پھر یہ تمام بتوں کے پجاریوں کے سامنے ان کے بتوں کی برائی وقباحت اور خرابی کو بیان کریں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کے لئے ملاقات اور مناظرے ومباحثے کا دن مقرر فرمایا تھا قرآن میں ہے: تمہارے وعدے کی جگہ زینت کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔ (۶)

تو خیر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جمع ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی لے آیا گیا تو انہوں نے کہا: کہنے لگے اے ابراہیم علیہ السلام کیا یہ (سلوک) ہمارے خداوں کے ساتھ آپ نے کیا کیا ہے؟ تو (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا) (۷) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب تھا کہ ان کے بڑے نے مجھے چھوٹے بتوں کے توڑنے پر اکسایا ہے۔ لہٰذا گویا بڑے نے ہی کیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یوں بھی لاجواب کیا فرمایا: تم ان ہی سے سوال کر لو اگر یہ بولتے ہوں؟ (۸)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد تھا کہ اسطرح ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ یہ تو بول بھی نہیں سکتے۔ اور پھر خود اعتراف کر لیں گے کہ یہ صرف اور صرف پتھر ہیں دوسرے عام پتھروں کی طرح۔

تو واقعی ان کے دل میں یہ خیال تو آیا اور قرآن میں بھی ہے:۔ پھر وہ اپنے آپ میں (سوچ وبچار کے ساتھ) لوٹے پھر (ایک دوسرے کو) کہا بے شک تم ہی ظالم لوگ ہو۔ (۹)

یعنی خود ہی اپنے کو ملامت وندامت کرنے لگے اور کہا تم ہی ظالم ہو کہ تم نے اپنے خداوں کے پاس کوئی محافظ، کوئی چوکیدار نہیں چھوڑا۔

آگے فرمایا: پھر وہ اپنے چہروں پر جھک گئے تھے، (۱۰) حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی پھر وہ اپنی سرکشی اور کفر ہی کی طرف دوبارہ

---

(۱) الانبیاء ۵۸ (۲) الانبیاء ۵۹ (۳) الانبیاء ۶۰ (۴) الانبیاء ۵۷ (۵) الانبیاء ۶۱

(۶) طٰہٰ ۵۹ (۷) الانبیاء ۶۲_۶۳ (۸) الانبیاء ۶۲ تا ۶۳ (۹) الانبیاء ۶۴ (۱۰) [illegible]

واپس ہو گئے، تو اس صورت میں پہلی آیت میں جو انھوں نے اپنے آپ کو کہا کہ تم ہی ظالم لوگ ہو، تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان کی عبادت کرنے میں تم ظالم لوگ ہو، لیکن پھر وہ اپنی بات پر جمے نہیں بلکہ دوبارہ سرکشی اور فتنے کی طرف لوٹ گئے اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے سوال سے ان کو حیرت ہوئی اور برائی کا خیال پیدا ہوا پھر انھوں نے سر جھکا لئے اور کہا قرآن میں ہے: بے شک (اے ابراہیم) تو جانتا ہے کہ یہ (خدا) بولا نہیں کرتے۔[۱] یعنی جب تجھ کو پتہ ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے تو تم اس قسم کا سوال کیوں کرتے ہو؟

تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اچھا جواب دیا:- کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہو جو تم کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ نقصان دے سکتے ہیں، تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟[۲] اس طرح فرمایا: لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے حضرت مجاہد فرماتے ہیں یعنی تیزی سے پیش آئے (تو حضرت ابراہیم نے) کہا: کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو؟ جن کو تم خود تراشتے ہو؟ یعنی تم ان خداؤں کو لکڑی اور پتھر وغیرہ سے تراش کر پھر اپنی چاہت و تمنا کے مطابق اپنے خداؤں کی شکل و صورت بنا کر خود ہی ان کے سامنے اپنی پیشانی لگا دیتے ہو تمہاری عقل کہاں اڑ گئی ہے؟ حالانکہ: اللہ ہی نے تم کو اور جن (بتوں) کو تم بناتے ہو پیدا فرمایا ہے:[۳]

اور اس آخری آیت "واللہ خلقکم وما تعملون" میں ما خواہ مصدر یہ ہو یا الذی کے معنی میں ہو، بہرصورت مطلب یہی ہوگا کہ تمہارے ساتھ یہ بھی مخلوق ہیں، تو پھر کیسے مخلوق اپنی سی دوسری مخلوق کی عبادت کیسے کر سکتی ہے؟ اور تم ان کی عبادت کرو یا یہ تمہاری عبادت کریں دونوں بات برابر ہیں۔ تو لہذا یہ ایک دوسرے کی عبادت کرنا سرے سے باطل و بیکار ہے اور عبادت تو صرف خالق وحدہ لاشریک لہٗ کی ہی صحیح ہے اور وہی اس کا تنہا مستحق ہے۔

تو پھر وہ حضرت ابراہیم کے اس جواب پر لاجواب ہو کر او چھے ہتھکنڈوں پر آتے ہوئے: کہنے لگے اس کے لئے کوئی عمارت بناؤ (اور اس میں بہت تیز آگ بھڑکا کر) پھر اس کو اس میں ڈال دو، تو انھوں نے اس کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا تو ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔[۴]

تو جب وہ دلائل و اقوال کی جنگ سے عاجز ہو گئے اور گفتگو مباحثے میں مغلوب و عاجز ہو گئے اور ان کے پاس کوئی حجت و دلیل نہ رہی اور کوئی شبہ تک نہ رہا، جس کو وہ اپنی دلیل و قوت میں پیش کر کے اپنی بے وقوفی اور سرکشی پر مدد لے سکیں۔

تو اس طرح اور اس سے بھی آگے کے واقعے سے اللہ نے اپنے کلمے کو بلند کر دیا اور اپنی دلیل و برہان کو غالب کر دیا وہ آگے والا واقعہ اس طرح ہوا قرآن میں ہے۔

(وہ لوگ) کہنے لگے اس کو جلا ڈالو اور (یوں) اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم نے کچھ کرنا ہے؟ تو ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا اور انھوں نے اس کے ساتھ مکر کیا، پھر ہم نے انہی کو خسارے والا بنا دیا۔[۵]

اور اس کام کی تحریک یوں شروع ہوئی کہ سب کافر، جہاں سے ہو سکے لکڑیوں کے انبار اکٹھے کرنے لگے، حتی کہ لکڑیاں جمع کرتے کرتے ایک مدت بیت گئی اور یہاں تک کہ اگر کوئی عورت بیمار پڑ جاتی تو وہ نذر و منت مانتی کہ اگر اس کو شفا ہو گئی تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کیلئے لکڑیوں کا گٹھا دے گی، پھر انھوں نے ایک عظیم لمبی چوڑی گہری خندق اور گڑھا کھودا اور سب لکڑیاں اس میں ڈال دیں، پھر اس میں آگ لگا دی آگ جلنا شروع ہوئی اور بھڑکنے لگی اور پھر شعلہ زن ہوئی اور اس کے شرارے اتنے بلند ہو گئے کہ اس جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی گئی۔

پھر جب اچھی طرح آگ اپنے غیض و غضب میں بھڑکنے لگی تو کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ایک پلڑے میں رکھا اور منجنیق بنانے والا ایک ہیزن نامی شخص تھا اور یہ دنیا کا پہلا انسان تھا جس نے منجنیق تیار کی، جس کی پاداش میں اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی رہے گا۔

تو پھر کافر لوگ حضرت ابراہیم کو پکڑ کر اس میں بٹھانے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دعا کو ورد زبان بنائے ہوئے تھے۔

لاالٰہ الا انت سبحانک رب العلمین لک الحمد و لک الملک لاشریک لک

---

(۱) الانبیاء ۶۵۔ (۲) الانبیاء ۶۶ تا ۶۷۔ (۳) الصافات ۹۴ تا ۹۶

(۴) الصافات ۹۷۔۹۸۔ (۵) الانبیاء ۶۸ تا ۷۰

تو حضرت ابراہیم کو قید کر کے اور رسیوں سے باندھ کر کے منجنیق کے پلڑے میں رکھ دیا گیا، اور پھر اس کے ذریعے (تیزی اور طاقت کے ساتھ) آگ میں پھینک دیا گیا، تو پھر حضرت ابراہیم نے کہا:

حسبنا الله و نعم الوكيل

ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

اسی طرح حضرت امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں پھینکا جانے لگا تو انھوں نے یہی کہا تھا **حسبنا الله و نعم الوكيل**

اس طرح جب آقائے نامدار افضل الرسل محمد ﷺ کو کفار قریش کی طرف سے ڈرایا گیا تو حضور ﷺ نے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے تھے، قرآن میں ہے، (کفار نے کہا) بے شک (کافر) لوگ آپ کے لئے (لڑائی کے ارادے سے) اکٹھے ہو گئے ہیں، لہذا ان سے خوف کرو، پھر اللہ نے ان (مومنین) کو ایمان میں اور بڑھا دیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے پھر وہ (مسلمان) اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے اور ان کو کچھ تکلیف بھی نہ پہنچی۔ (۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے (بارگاہ خداوندی میں) کہا۔

اے اللہ آپ آسمان میں تنہا ہیں اور میں زمین میں تیری عبادت کرنے والا تنہا ہوں۔

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہواء میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان سے ملے اور عرض کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ فرمایا آپ کی طرف کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت بارش والا فرشتہ (اضطراب و پریشانی کے عالم میں) کہہ رہا تھا کہ کب مجھے حکم ملے؟ اور پھر میں بارش برساؤں؟ لیکن اللہ کا حکم (بلا واسطے کے) زیادہ تیز تھا (یعنی اللہ نے خود ہی آگ کو حکم فرما دیا) قرآن میں ہے: ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اے آگ ایسی ہو جا کہ ان کو نقصان نہ پہنچائے اور (اسی وجہ سے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ فرماتے ہیں اگر اللہ تبارک وتعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا، تو ابراہیم علیہ السلام کو اس کی ٹھنڈک سے تکلیف پہنچتی۔

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا اس روز کوئی شخص آگ سے نفع نہ اٹھا سکا (یعنی آگ سے تپش و گرمائش ختم کر دی گئی جس کی بنا پر لوگ چولہے بھی گرم نہ کر سکے) اور فرمایا کہ اس روز آگ نے حضرت ابراہیم سے بندھی ہوئی رسی کے علاوہ اور کچھ نہ جلایا اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ساتھ تھے اور آپ کی جبین اطہر (پیشانی) سے پسینہ پونچھ رہے تھے اور اس پسینے کے علاوہ ان کو اور کچھ نہ لاحق ہوا اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سایہ کرنے والا فرشتہ بھی تھا، اور ایک میل تک سایہ اور ٹھنڈک اور سلامتی تھی اور سر سبز باغ گل گلزار بن گیا تھا، جبکہ آس پاس آگ اپنے شعلوں اور شراروں کے ساتھ بھڑک رہی تھی، اور لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن کسی کو اندر آنے کی سکت نہیں تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کی طرف نکل کر نہیں آ رہے تھے۔

سبحان اللہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کے کہے ہوئے کلمات میں سے سب سے اچھے کلمات وہ ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کو آگ کے اندر اس حالت میں دیکھنے کے وقت کہا۔

---

(۱) آل عمران ۱۷۳تا۱۷۴۔ (۲) قال ابو یعلی حدثنا ابو هشام الرفاعی، حدثنا اسحاق بن سلیمان عن ابی جعفر الرازی، عن عاصم بن ابی النجود، عن ابی صالح، عن ابی هریرة. الخ (۳) الانبیاء ۶۹

نعم الرب ربک یا ابراهیم اے ابراہیم تیرا پروردگار بہترین پروردگار ہے

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے جب اپنے لخت جگر کو (یوں مہکتے گلزار میں) دیکھا تو اس نے پکارا۔

اے میرے بیٹے میں بھی تیرے پاس آنا چاہتی ہوں اللہ سے دعا کر کہ تیرے اردگرد کی آگ کی حرارت سے مجھے نجات دے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا جی اماں، پھر آپ کی والدہ حضرت ابراہیم کی طرف چلیں اور آگ نے ان کو کچھ نہ کہا، پھر بیٹے کے پاس پہنچ کر بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا پھر واپس لوٹ آئیں۔

حضرت منہال بن عمرو سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں (گل گلزار) میں چالیس دن یا پچاس دن ٹھہرے اور انہوں نے فرمایا کہ دنوں اور راتوں میں میں نے ان سے اچھی زندگی نہیں گزاری اور میری تمنا رہی کہ میری تمام زندگی و حیات اسی کی طرح ہو جائے۔ صلوات اللّٰہ و سلام علیه

تو الغرض کفار و مشرکین نے انتقام لینا چاہا مگر رسوا و ذلیل ہوئے اور بلند ہونا چاہا لیکن پست و خوار ہوئے غالب ہونا چاہا مگر مغلوب ہو گئے، اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے

اور انہوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا پھر ہم نے ان کو خسارے والا کر دیا[۱] اور دوسری جگہ ہے ہم نے ان کو زیر کر دیا۔[۲]

تو اس طرح دنیا میں وہ خسارے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ کامیاب ہو گئے، اور آخرت میں ان کی آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی نہ ہوگی، اور نہ وہ مبارک بادی اور سلامتی کے مستحق ہوں گے بلکہ ان کا مقام وہ ہوگا جو اللہ نے فرمایا: (ان کا ٹھکانہ جہنم) بے شک وہ برا ٹھکانا اور مقام ہے۔

[۳] بخاری میں ہے حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے چھپکلی کے مارنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام پر (جلنے والی آگ کو) پھونک مار رہی تھی۔

اور اس روایت کو مسلم نسائی ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔[۴]

[۵] اور مسند احمد میں بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

چھپکلی کو قتل کرو کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو پھونکیں مار رہی تھی راوی کہتے ہیں کہ پھر عائشہ بھی ان کو مارتی تھی۔

[۶] اور مسند احمد ہی میں ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں تو وہاں ایک نیزہ گڑا ہوا دیکھا تو عورت نے پوچھا یہ کیسا نیزہ ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارتے ہیں پھر حضرت عائشہ نے حضور ﷺ کی حدیث بیان کی کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈال دیے گئے تو تمام جاندار اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے چھپکلی کے یہ اس پر پھونکیں مار رہی تھی۔[۷]

اور مسند احمد ہی میں ہے کہ ہمیں عفان نے اسے جریر سے جریر کو نافع نے بیان کیا کہ فاکہ بن مغیرہ کی باندی سا کہ کہتی ہیں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو ان کے گھر ایک نیزہ رکھا دیکھا، تو میں نے عرض کیا اے ام المومنین اس نیزے کے ساتھ آپ کیا کرتی ہیں؟ فرمایا یہ ان چھپکلیوں کے لئے ہے اس کے ذریعے ہم ان کو مارا کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین میں کوئی جانور نہ تھا مگر وہ آگ کو بجھا رہا تھا، سوائے چھپکلی کے وہ اس پر پھونک رہی تھی، پھر رسول اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا۔[۸]

---

(۱) الانبیاء ۷۰۔ (۲) الصافات ۹۸۔

(۳) قال البخاری حدثنا عبید اللّٰہ بن موسی او ابن سلام عنه، انبانا ابن جریج عن عبد الحمید بن جبیر، عن سعید بن المسیب عن ام شریک ...... الخ

(۴) ورواه مسلم من حدیث ابن جریج واخرجه النسائی و ابن ماجه من حدیث سفیان بن عیینه کلاهما عن عبدالحمید بن جبیر بن شیبه به

(۵) وقال احمد حدثنا محمد بن بکر، حدثنا ابن جریج، اخبرنی عبدالله بن عبدالرحمن بن ابی امیه، ان نافعا مولی ابن عمر اخبره ان عائشه، الخ.

(۶) وقال احمد حدثنا اسماعیل، حدثنا ایوب بن نافع، ان امراة دخلت علی عائشه. ..... الخ . .

(۷) تفرد به احمد من هذ. ین الوجهین (۸) ورواه ابن ماجه عن ابی بکر بن ابی شیبه عن یونس بن محمد عن جریر بن حازم به

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کا ذکر اس شخص کے ساتھ جو مصنوعی عظمت و بڑائی کی چادر میں عظیم و جلیل ذات سے جھگڑتے ہوئے خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا جبکہ وہ عاجز و کمزور بندوں میں سے محض ایک بندہ تھا

فرمان خداوندی ہے: (اے مخاطب) کیا تو نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا اس بات پر (گھمنڈ و اکڑ کرتے ہوئے) کہ اللہ نے اس کو ملک عطا فرمایا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو اس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ، تو وہ کافر مبہوت رہ گیا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے دوست کے مناظرے کا ذکر فرماتے ہیں، اس جبار سرکش بادشاہ کے ساتھ جس نے اپنی ذات کے لئے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا، تو اللہ کے دوست نے اس کے دعویٰ اور دلیل کو باطل وزیر کر دکھایا، اور اس کی کثرت جہالت اور قلت عقل کو واضح کر دیا، اور چپ کی لگام لگا دی اور دلیل و حجت کے ساتھ حق راستہ دکھلا دیا۔

مفسرین اور علماء فرماتے ہیں یہ بادشاہ ملک بابل کا بادشاہ تھا، اور اس کا نام نمرود تھا اور اس کا نسب یوں تھا نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح اور مجاہد وغیرہ نے اسکا نسب یوں بیان کیا ہے: عمرو بن فالح بن عابر بن صالح بن ارفخشاں بن سام بن نوح۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں یہ (ساری) دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک گزرا ہے۔

اور (مورخین وعلماء کے اقوال کے مطابق) ایسے چار بادشاہ گزرے ہیں، دو مومن دو کافر، مومن تو ایک حضرت ذوالقرنین تھے، دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، اور کافر، ایک نمرود تھا، دوسرا بخت نصر تھا۔

اور یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نمرود بادشاہ نے اپنی سلطنت چار سو سال چلائی اور یہ بہت ہی سرکش وظالم شخص تھا، اور دنیاوی زندگی میں خوب منہمک رہنے والا اور اس کو ترجیح دینے والا تھا۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا، تو جہالت وگمراہی اور بادشاہی کی خام خیالیوں نے اس کو صانع یعنی خداوند تعالیٰ ہی کے انکار پر کھڑا کر دیا اور پھر اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بارے میں جھگڑنا شروع ہو گیا، اور سرکشی میں یہاں تک پہنچا کہ خدائی کا دعویٰ کر دیا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (خدا کی صفت بیان کرتے ہوئے) فرمایا میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ تو (اس نے) کہا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔[2]

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سدی رحمۃ اللہ علیہ، اور محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمرود نے جواب عملی طور پر یوں دیا تھا کہ دو ایسے شخص جن کے قتل کا حتمی فیصلہ کر دیا گیا تھا ان کو منگوایا اور ایک کے قتل کا حکم دیدیا اور دوسرے کو معاف کر دیا، اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے بھی ایک کو زندہ کر دیا اور ایک کو مار دیا۔

جبکہ یہ فعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کے مقابل اور معارض نہیں تھا اور صحیح جواب نہ تھا بلکہ مناظرے کے مقام سے ہی خارج تھا، کیونکہ اس بات کے مانع اور معارض بن ہی نہیں سکتا تھا۔

بلکہ یہ صرف بے وقوفی کا جواب تھا، اور مقصود سے منقطع تھا، اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے روزمرہ کے مشاہدات میں کسی کے مرنے کسی کے پیدا ہونے کے ساتھ دلیل دی تھی اور ان کے کرنے والے صانع پر اور یہ چیزیں بغیر کسی پیدا کرنے والے کے ہو نہیں سکتیں بلکہ ان تمام امور کا کوئی کرنے والا ضرور ہے جو ان کو پیدا بھی کرتا ہے پھر ان کو طرح طرح کے کاموں میں بھی لگاتا ہے جیسے ستاروں، سیاروں، ہواؤں، بادلوں اور بارشوں کو کام میں لگا رکھا ہے اور طرح طرح کے حیوانات کو پیدا فرما رکھا ہے، پھر ان کو مارتا بھی ہے بغیر ظاہری اسباب کے بخلاف انسان کے اگر وہ مارتا

(۱) بقرہ ۲۵۸ (۲) بقرہ ۲۵۸

ہے تو کسی سبب کے ذریعے جیسے تلوار وغیرہ اور خداوند قدوس صرف اپنے ارادے سے سب کچھ کرتا ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے فرمایا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت طاری کرتا ہے جس کے جواب میں اس بے وقوف بادشاہ نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں اور اس طرح اس نے خیال کیا کہ ان مشاہدات عالم کا کرنے والا میں ہی ہوں اور پھر دشمنی ومخالفت اور سرکشی پر اتر آیا۔

لیکن اگر اس آیت "انا احی و امیت" کہ میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، کی تفسیر وہ لی جائے جو حضرت قتادہ، سدی، اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ اس نے یہ بات اپنے منہ سے نہ کہی تھی بلکہ دو واجب القتل شخصوں کو بلا کر ایک کو بری کر دیا تھا اور دوسرے کو پھانسی لگوا دی تھی تو اگر یہ تفسیر مراد ہو تو پھر ظاہر ہے اس نے کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کا جواب بن سکے، اس لئے کہ اس نے پھر نہ حضرت ابراہیم کے مقدمے (یعنی پہلی بات) کو رد کیا، اور نہ دلیل کا کوئی معارضہ اور توڑ کیا، بلکہ عملاً بے وقوفانہ جواب دیا، جس کی وجہ سے اس بادشاہ نے ظاہراً اپنے خیال میں حضرت ابراہیم کی دلیل کا توڑ پیش کر دیا لیکن پھر بھی حاضرین پر بات واضح نہ ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجود باری تعالیٰ پر دوسری دلیل پیش فرمائی، اور نمرود کے دعویٰ کو باطل کیا اور اس کے جواب کو مسترد کیا، اور فرمایا۔

بے شک اللہ ہی مشرق سے سورج نکالتا ہے، پس (اگر تو خدا ہے تو) تو اس کو مغرب سے لے آ، یعنی یہ آفتاب باری تعالیٰ کی طرف سے ہر روز مشرق سے نکلنے پر مامور و پابند ہے اور وہ بھی بالکل اسی طرح جیسے اس کے خالق اور اس کے چلانے والے اور اس پر قدرت رکھنے والے نے اس کو متعین کر رکھا ہے اور وہ وہی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

لہذا اگر تو اپنے باطل خیال کے مطابق زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس کو بھی مغرب سے نکال کر دکھا؟ کیونکہ جو زندگی اور موت جیسی عظیم قدرت اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ تو جو چاہے کر سکتا ہے اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، اور نہ اس پر کوئی غلبے والا بلکہ ہر چیز پر جبر وقہر کر کے اپنے زیر حکم کر سکتا ہے، پس اگر تو اپنی خام خیالی میں سچا ہے تو یہ کچھ کر دکھا؟ اور اگر تو نہ کر سکا تو تیرا وہم وخیال جھوٹا ہے، اور پھر تجھ سمیت ہر ایک جان لے گا کہ تو کسی بھی چیز پر قادر نہیں ہے بلکہ تو تو اس سے بھی عاجز اور کمتر ہے کہ ایک مچھر کو پیدا کر سکے (یہ تو دور کی بات ہے) بلکہ تو تو ایک مچھر سے اپنا انتقام بھی نہیں لے سکتا۔

تو اللہ کے دوست نے یہ دندان شکن سوال فرما کر اس بے وقوف کی جہالت وضلالت اور جھوٹ کو اس کے دعویٰ میں روشن فرما دیا، اور جو اس نے اپنی جاہل قوم کے ہاں خدائی کی پوزیشن سنبھالی تھی اس کو باطل وزیر کر دیا، اور اس کے پاس کوئی ایسی دلیل وگفتگو نہ چھوڑی جس سے وہ اللہ کے دوست کو کچھ جواب دے سکے، بلکہ مبہوت وخاموش رہ گیا خود فرمان باری تعالیٰ ہے۔

فبهت الذی کفر واللہ لا یهدی القوم الظلمین

پھر کافر حیران (اور ہکا بکا) رہ گیا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتے۔

مناظرہ کب ہوا؟

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان اسی روز ہوا تھا جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سلامت نکل کر تشریف لائے تھے اور حضرت ابراہیم کا اس کے ساتھ دوسرا کوئی دن متعین نہ تھا، اور ان دو کے درمیان یہ مناظرہ ہوا تھا۔

اور عبدالرزاق، معمر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس دن نمرود کے پاس غلہ تھا، اور لوگ وفد در وفد غلہ لینے کے لئے آرہے تھے، تو حضرت ابراہیم بھی غلے کے بہانے سے اس کے پاس گئے اور حضرت ابراہیم اور نمرود کی ملاقات صرف اسی روز ہوئی تھی۔

اور پھر ان دونوں کے درمیان مناظرہ شروع ہو گیا اور نمرود نے اور لوگوں کو تو غلہ دیا لیکن حضرت ابراہیم کو کچھ بھی نہ دیا بلکہ حضرت ابراہیم اس کے

پاس سے (از خود) بالکل خالی واپس نکلے اور غلے کی کچھ مقدار بھی ساتھ نہ تھی، تو جب یہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو مٹی کے ایک ٹیلے پر گئے اور دو تھیلے مٹی کے بھر لئے اور کہا جب گھر والوں کے پاس جاؤں گا تو اس سے اہل خانہ کو شغل لگاؤں گا، پھر جب حضرت ابراہیم گھر پہنچے اور اپنی سواری کو اتار دیا اور چونکہ انتہائی تھکے ماندے تھے اس لئے ٹیک لگا کر سو گئے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام تھیلوں کے پاس گئیں تو دیکھا وہ دونوں تھیلے عمدہ عمدہ طعام سے بھرے ہوئے ہیں، تو حضرت سارہ نے ان سے کھانا بنایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کھانا تیار ہے تو (بے اختیار) بولے یہ تمہارے ہاں کہاں سے آ گیا؟ تو حضرت سارہ نے عرض کیا، جو آپ لائے ہیں اس سے نکالا ہے پھر حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ رزق ان کو اللہ عزوجل نے عطا فرمایا ہے۔

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس متکبر سرکش بادشاہ کی طرف فرشتے کو بھی بھیجا جس نے اس کو ایمان باللہ کی دعوت دی لیکن نمرود نے انکار کر دیا، دوسری مرتبہ پھر دعوت دی، پھر انکار کر دیا پھر تیسری مرتبہ بھی دعوت دی لیکن اس نے تیسری مرتبہ پھر ہٹ دھرمی کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا تم اپنے لشکر اکٹھے کر لو تو میں بھی اپنے لشکر اکٹھے کرتا ہوں پھر نمرود نے طلوع آفتاب کے وقت اپنے بے پناہ لشکر کو اکٹھا کیا، تو اللہ نے (اپنے لشکروں میں سے انتہائی کمزور جاندار لشکر یعنی) مچھروں کا ایک لشکر بھیج دیا اور وہ لشکر خدائی آفتاب کی روشنی اور چمک میں دکھتا بھی نہ تھا، اور پھر اللہ نے ان مچھروں کو اس (طمطراق ٹھاٹھیں مارتے) لشکر پر مسلط فرما دیا جس نے ان کے گوشت اور خون کو چاٹ کر رکھ دیا، اور بالکل کھا لیا حتیٰ کہ ان کو صاف چکنی ہڈی بنا کر رکھ دیا، اور ان مچھروں میں سے ایک متکبر سرکش بادشاہ نمرود کے ناک کے بانسے میں گھس گیا، اور (اللہ نے اس کے ذریعے سے اس کو وہ عذاب چکھایا کہ) وہ مچھر چار سو سال تک اندر ہی رہا، اور نمرود اس ساری مدت میں اپنے (خدائی) سر کو مچھر سے پٹواتا رہا حتیٰ کہ اللہ عزوجل و بزرگ و برتر نے اس کے ذریعے سے اس کو نیست و نابود فرما دیا۔

اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام کا شام کے شہروں کی طرف ہجرت فرمانا اور مصری علاقوں میں داخل ہونا اور اراضی مقدسہ میں سکونت اختیار فرمانا

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:- پھر اس (ابراہیم) پر لوط ایمان لایا اور (ابراہیم نے) کہا میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اور ہم نے اس کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمایا، اور ہم نے اس کی ذریت میں نبوت و کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے دنیا میں بھی اس کو اس کا اجر دیا اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوگا۔ (۱)

اور دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:- اور ہم نے اس کو اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہاں والوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں، اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا بطور) انعام عطا فرمایا، اور ہم نے تمام کو صالحین بنایا، اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں اور ہم نے آپ کی طرف بھلے کاموں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کی وحی کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ (۲)

تو حضرت ابراہیم نے اپنی قوم (و وطن) کو خدا کی خوشنودی کے لئے خیر باد کہا، اور ان سے ہجرت کی، اور آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بانجھ تھیں کوئی اولاد ان کے ہاں نہ ہوتی تھی، بلکہ حضرت ابراہیم کے ساتھ جولڑکے تھے وہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے یعنی "لوط بن ہاران بن آزر" لیکن پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صالح اولاد عطا فرما دی، اور اسی پر بس نہیں بلکہ آپ کی اولاد کے لئے کتاب و نبوت مقرر فرما دی، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی پیغمبر آیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا، اور جو بھی آسمانی کتاب آپ کے

(۱) العنکبوت ۲۶-۲۷۔ (۲) الانبیاء ۷۱ تا ۷۳

بعد کسی پیغمبر پر نازل ہوئی وہ پیغمبر ضرور آپ کی نسل وذریت میں سے تھا، یہ آپ پر اللہ کا انعام اور اکرام تھا کیونکہ آپ نے اپنے دوست (رب کریم) کی خاطر اپنے شہروں کو چھوڑا، اپنے اہل کو چھوڑا، اپنے عزیز واقربا کو چھوڑا، اور پھر ایسے شہر کا رخ فرمایا جس میں اپنے پروردگار وحدہ ولاشریک کی عبادت پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو، اور دعوت الٰہی کا میدان بھی کھلا ہو۔

اور ایسی زمین جو آپ کے عزم وخیال میں تھی، وہ شام کی زمین ہے اور اسی کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

الی الارض التی بار کنا فیھاللعالمین

(ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو) ایسی زمین کی طرف نجات دی (یعنی راستہ دیا) جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

اور حضرت عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قرآنی آیت **الی الارض** ، میں ارض سے مراد ارض مکہ ہے، اور حضرت ابن عباس اس کی تائید میں آگے فرماتے ہیں: - کیا آپ نے اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا، بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے (یعنی کعبۃ اللہ)۔

جو جہان والوں کے لئے موجب برکت وہدایت ہے۔[1]

اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے اس سے حران جگہ مراد ہے۔

اور ہم اہل کتاب سے نقل کرتے ہوئے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور آپ کے بھتیجے لوط اور آپ کے بھائی ناحور اور آپ کی بیوی حضرت سارہ اور آپ کی بھابھی یعنی ناحور کی بیوی ملکا یہ تمام بابل کے علاقے کو خیر باد کہہ کر حران نامی مقام میں اترے تھے، اور آپ کے والد تارخ یہیں وفات کر گئے تھے اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں شام کی طرف رخ کر کے چلے تھے، پھر راستے میں حران کے بادشاہ کی بیٹی سارہ علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، اور حضرت سارہ اپنی قوم کے دین پر اعتراض کرتی تھیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے شادی فرمالی، لیکن حضرت سارہ علیہ السلام کی اس شرط پر کہ وہ کسی اور بیوی کے ساتھ ان کو غیرت میں نہ ڈالیں گے۔

ابن جریر نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ غریب ہے یعنی اس روایت میں کچھ شبہ کا امکان (اور لچک) ہے، کیونکہ زیادہ مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی چچازاد تھیں۔

یعنی ہاران کی بیٹی تھیں اور حران علاقہ ہاران ہی کی طرف منسوب ہے۔

اور بعض لوگوں کا وہم وخیال ہے کہ سارہ آپ کے بھائی ہاران کی بیٹی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن تھی گویا آپ نے اپنی بھتیجی سے نکاح فرمایا اگر چہ اس بات کو سہیلی نے قتیبی اور نقاش سے روایت کیا ہے، لیکن یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے اور بغیر علم کے یہ بات کہی ہے اور پھر اس پر جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس وقت بھائی کی بیٹی سے نکاح مشروع وجائز تھا ان کی اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ کسی زمانے میں مشروع تھا جیسے علماء یہود سے منقول ہے تو پھر بھی حضرات انبیاء علیہم السلام اس کے مرتکب نہیں ہو سکتے، واللہ اعلم۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم جب شام تشریف لائے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی (اور بشارت دی کہ) میں آپ کے بعد زمین آپ کے پیچھے (آنے والی اولادوں) کو خلافت کے لئے مقرر کر دوں گا۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور شکرانے کے ایک مذبح خانہ بنایا، اور اس کے قبے کو بیت المقدس کے مشرقی حصے میں بنایا، پھر آپ نے کوچ فرمایا اور آپ بھوکے تھے۔ اور علاقہ قحط زدہ اور افلاس زدہ تھا تو اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کی طرف چلے گئے۔

اور بادشاہ کے ساتھ حضرت سارہ کے قصے کو علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ بادشاہ کو کہہ دینا میں اس (ابراہیم) کی بہن ہوں (کیونکہ بادشاہ شوہر کو تو مروا دیتا تھا) بادشاہ کے خادموں نے ذکر کیا ہے کہ پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو چھوڑ دیا تھا،

---

(۱) آل عمران ۹۶

اور پھر ان سب کو اپنے علاقے سے نکال دیا تو یہ دوبارہ ارض مقدسہ ومبارکہ یعنی بیت المقدس اور اس کے آس پاس کی زمین کی طرف چل پڑے، اور حضرت ابراہیم کے ساتھ اس واپسی میں مویشی جانور غلام اور دیگر اموال تھے۔

بخاری میں [1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین مواقع کے دو تو اللہ کے بارے میں (یعنی اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے) ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب قوم نے ان کو اپنے ساتھ عیدگاہ پر چلنے کیلئے کہا تو انھوں نے کہا میں بیمار ہوں اور مقصود تھا تا کہ یہ چلے جائیں تو خود ان کے خداؤں کو سبق سکھائیں، اور دوسرا جب کافروں نے پوچھا کہ ہمارے خداؤں کا یہ حشر نشر کس نے کیا تو آپ نے فرمایا ان کے بڑے نے، اور تیسرا جھوٹ جو سرزد ہوا ان کی ذات کے بارے میں، وہ یوں ہوا کہ ان کا اور سارہ علیہ السلام کا گزر ایک ظالم جابر بادشاہ پر ہوا تو اس کو کسی نے مخبری کی کہ یہاں ایک آدمی آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ ایسی عورت ہے جو لوگوں میں سب سے حسین ہے، تو بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا اور اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری بہن ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے سارہ۔ روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں ہے، اور یہ بادشاہ مجھ سے سوال کرتا تھا تو میں نے اس کو تیرے بارے میں کہہ دیا ہے کہ تو میری بہن ہے لہذا اب تو مجھے نہ جھٹلا دینا۔

تو بادشاہ نے حضرت سارہ علیہ السلام کو بلاوا بھیجا، اور یہ اس کے پاس تشریف لے گئیں تو بادشاہ نے برے ارادے سے آپ علیہ السلام کو پکڑنا چاہا تو وہ اپنی جگہ جکڑا گیا پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو کہا آپ میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے پھر میں آپ کو کوئی تکلیف ونقصان نہ دوں گا، تو حضرت سارہ نے دعا کر دی اور وہ اس قید وجکڑ سے رہا ہو گیا لیکن (وعدہ خلافی کرتا ہوا) پھر دوسری مرتبہ بری نیت سے آگے بڑھا اور قدرت خدا کی کہ پھر جکڑا گیا اور پہلے سے بھی سخت، اور پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے میں آپ کو نقصان نہ پہنچاؤں گا، تو حضرت سارہ نے دعا کر دی اور وہ چھوٹ گیا اور اپنے کسی خادم کو بلایا اور کہا تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے بلکہ کوئی شیطان لے کر آئے ہو، پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو بمع ایک خادمہ کے واپس کر دیا اور وہ (خادمہ ہم سب امت محمد یہ کی ماں بنی) جو حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھیں۔

تو حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس تشریف لائیں ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز میں مشغول تھے تو صرف ہاتھ سے اشارتاً پوچھا کیا ہوا؟ تو حضرت سارہ نے جواب دیا، اللہ نے کافر کے مکر کو رد کر دیا اور فاجر کی برائی کو اس کے سینے میں دبا دیا۔

تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو: یہی (ہاجرہ) تمہاری ماں ہیں۔ [2]

(کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور حضور ہم سب کے روحانی مقدس باپ ہیں۔م)

اور یہ مذکورہ روایت تو موقوف تھی یعنی صحابی کا فرمان تھا، حضور تک اس کی نسبت نہ تھی اور بخاری میں مذکور تھی لیکن بزار کی ایک روایت ہے جو مرفوع ہے یعنی حضور اکرم ﷺ تک اس کی نسبت ہے، کہ حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین جھوٹوں کے اور وہ سب اللہ کی ذات میں تھے (یعنی رضائے اللہ کی خاطر تھے) ایک تو ان کا یہ کہنا میں بیمار ہوں اور (دوسرا) یہ کہنا کہ ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے (اور تیسرا) یہ کہ وہ کسی جابر ظالم بادشاہ کی زمین میں چل رہے تھے تو ایک جگہ قیام فرمایا، تو سرکش (بادشاہ) کو خبر پہنچی اور کہا گیا کہ یہاں ایک مرد اور اس کے ساتھ لوگوں کی سب سے حسین عورت آئی ہوئی ہے، تو بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا اور عورت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ میری بہن ہے، تو ابراہیم علیہ السلام یہ جواب دے کر واپس حضرت سارہ کے پاس پہنچے تو ان کو فرمایا اس نے مجھ سے تیرے بارے میں سوال کیا تھا، تو میں نے کہہ دیا کہ تو میری بہن ہے۔

اور آج میرے اور تیرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے اور تو میری (دینی) بہن ہے لہذا اس کے پاس تو مجھے جھٹلانا مت۔

---

(۱) قال البخاري، حدثنا محمد بن يعقوب، حدثنا حماد بن زيد، عن ايوب عن محمد، عن ابي هريرة قال ... الخ

(۲) تفرد به من هذا الوجه موقوفاً، وقد رواه الحافظ ابوبكر البزار، عن عمرو بن علي الفلاس، عن عبدالوهاب الثقفي، عن هشام بن حسام، عن محمد بن سيرين، عن ابي هريرة ... الخ

تو پھر سارہ بادشاہ کے پاس پہنچی تو بادشاہ (بدنیتی سے) آپ کے قریب ہوا تو وہیں جکڑا گیا پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کر میں تجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا، تو حضرت سارہ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو وہ چھوٹ گیا لیکن وہ پھر آگے بڑھا تو پھر دوبارہ اسی طرح بلکہ اس سے بھی سخت پکڑا گیا، اور پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے، میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا؟ تو حضرت سارہ نے پھر دعا فرمادی اور وہ پھر چھوٹ گیا، اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہوا، پھر بادشاہ نے اپنے خادم کو بلایا اور کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ ایک شیطان کو لائے ہو اس کو نکالو اور ہاجرہ بھی اس کو دیدو۔

اور مسند احمد[1] میں یوں ہے حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ بولا سوائے تین جھوٹوں کے ایک تو اس وقت جب ان کو کافروں کے بتوں کی طرف (عیدگاہ میں) بلایا گیا تو انھوں نے فرمایا میں تو بیمار ہوں، اور (دوسرا) ان کا یہ فرمانا'' بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے'' اور (تیسرا) ان کا حضرت سارہ علیہ السلام کے متعلق یہ فرمانا وہ میری بہن ہے۔

(اور) فرمایا، حضرت ابراہیم ایسی بستی میں داخل ہوئے جس میں کوئی بادشاہ تھا یا (فرمایا) کوئی (ظالم) سرکش تھا تو اس کو کہا گیا کہ ابراہیم لوگوں میں سب سے حسین عورت کے ساتھ رات کو (یہاں ہمارے علاقے میں) داخل ہوا ہے، تو بادشاہ نے آپ کی طرف بلاوا بھیجا (اور پوچھا) کہ یہ تیرے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا میری بہن ہے تو بادشاہ نے کہا اس کو بھیج، تو حضرت ابراہیم نے آکر اس کو بھیجا اور ساتھ میں فرمایا میری بات کو جھٹلانا مت، میں اس کو بتا کر آیا ہوں کہ تو میری بہن ہے اور روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے۔

تو حضرت سارہ علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچی، تو بادشاہ ان کی طرف کھڑا ہوا، لیکن حضرت سارہ علیہ السلام وضو میں مشغول ہوگئیں اور نماز پڑھی اور بارگاہ رب العزت میں فریاد کی۔

اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے شوہر کے علاوہ (ہر شخص سے) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو پھر آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ ہونے دیجئے گا۔

تو کافر وہیں دھنسنے لگا اور پاؤں تو دھنس ہی گئے ابوالزناد کہتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت ابی ہریرہ سے یہ بات بھی روایت کی ہے کہ حضرت سارہ علیہ السلام نے اس وقت یہ دعا کی۔

اے اللہ اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اسی نے اس کو قتل کیا ہے تو پھر وہ آزاد ہو گیا۔

لیکن پھر دوبارہ بدنیتی سے آگے بڑھا تو حضرت سارہ علیہ السلام پھر وضو نماز میں مشغول ہوئیں اور دعا کی۔

اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں آپ اور آپ کے رسول پر ایمان لا چکی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے سوا (ہر شخص سے) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو آپ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دیجئے، تو وہ کافر دھنسنا شروع ہو گیا اور پاؤں تک دھنس گیا، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اس وقت انھوں نے عرض کیا اے اللہ اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے۔

تو پھر وہ آزاد ہو گیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ تیسری یا چوتھی مرتبہ میں پکار اٹھا کہ تم میرے پاس کسی شیطان کو لائے ہو، اس کو ابراہیم کے پاس واپس لے جاؤ، اور ہاجرہ بھی اس کو دیدو۔

تو حضرت سارہ علیہ السلام واپس ہوئیں اور آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کیا آپ کو پتہ ہے کہ اللہ نے کافروں کے مکر کو پسپا کر دیا اور اس نے ایک لڑکی (ہاجرہ) بھی دیدی۔

امام احمد اس کے طریق میں منفرد ہیں اور یہ صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہے امام بخاری نے اسی کو کچھ مختصر طور پر ایک دوسری سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[2]

---

(۱) وقال الامام احمد، حدثنا علی بن حفص، عن ورقاء، هوا بوعمر و الیشکری، عن ابی الزناد عن الاعرج، عن ابی هریرةؓ الخ

(۲) و قد رواه البخاری عن ابی الیمان، عن شعیب بن ابی حمزة، عن ابی الزناد، عن ابی هریرة، عن النبی صلی الله علیه وسلم به مختصراً

اور ابن ابی حاتم نے یوں روایت فرمائی ہے کہ حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم کی تینوں باتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جس میں وہ دین سے ہٹے ہوں ایک تو ان کا قول میں بیمار ہوں، دوسرا بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا (ہوگا) تیسرا بادشاہ نے جب آپ کی بیوی کا خیال کیا تو آپ کا اس سے کہنا، وہ میری بہن ہے۔ (۱)

تو ان احادیث میں بار بار جو آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میری بہن ہیں اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد تھی کہ وہ دین الٰہی میں بہن ہے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زوجہ حضرت سارہ کو یہ فرمانا کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تیرے علاوہ اور کوئی مومن نہیں ہے، تو اس سے ان کی مراد تھی کہ دمیاں بیوی میرے اور تیرے علاوہ نہیں کوئی ہیں، کیونکہ ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور وہ نبی بھی تھے لہٰذا اس کا یہی مذکورہ مطلب ہوگا۔

اور جب سے حضرت سارہ علیہا السلام ظالم بادشاہ کے پاس گئی تھیں تب سے مسلسل حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے، اور التجاء کر رہے تھے کہ اے اللہ میرے گھر والوں سے اس کو دفع کر، اور اس عذاب کو ٹال دے جس کا اس نے برائی کے ساتھ خیال کر رکھا ہے۔

اور اسی طرح حضرت سارہ علیہا السلام بھی وہاں برابر نماز میں مشغول تھیں۔

اس طرح کہ جب دشمن خدا ان کی طرف برائی کے ساتھ متوجہ ہونا چاہتا تو یہ وضو نماز میں مصروف ہو جاتیں اور مذکورہ دعا کرتیں، کیونکہ فرمان خداوندی ہے اور صبر و صلوٰۃ کے ساتھ (خدا سے) مدد طلب کرو، (۲) تو اللہ نے اس طرح حضرت سارہ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور یوں اپنے بندے، اپنے رسول اپنے محبوب اور اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام کی عزت و آبرو کو بچایا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ تین عورتیں نبوت والی گزری ہیں سارہ علیہ السلام، ام موسیٰ، مریم علیہن السلام لیکن جمہور علماء کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ صدیقات تھیں نہ کہ نبیہ۔

مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض بزرگوں کے اقوال میں دیکھا ہے کہ حضرت سارہ علیہ السلام جب سے حضرت ابراہیم کے پاس سے نکلی تھیں تب سے واپس آنے تک اللہ عزوجل نے دونوں کے درمیان رکاوٹیں ہٹا دیں تھیں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلسل حضرت سارہ علیہ السلام کو دیکھ رہے تھے اور حضرت سارہ کے بادشاہ کے پاس ہونے کو مشاہدہ فرما رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ کیسے اللہ عزوجل نے ان کے اہل کی حفاظت فرمائی اور اللہ پاک نے ان کیلئے یہ انتظام اس وجہ سے فرما دیا تھا تاکہ حضرت ابراہیم کا دل اطمینان و سکون اور پاکیزگی کے ساتھ برقرار رہے، اس لئے کہ حضرت ابراہیم حضرت سارہ علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے، کیونکہ وہ ان کے دین پر تھیں، ان کی رشتے دار تھیں اور قدرت نے ان کو خوب حسن سے نوازا تھا، اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کے بعد حضرت سارہ علیہ السلام تک کبھی کوئی عورت حضرت سارہ علیہ السلام سے حسین نہیں گزری، اللہ ان سے راضی ہو، بے شک تمام تعریفیں اور احسانات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

اہل تواریخ نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت مصر کا فرعون یعنی بادشاہ، ضحاک کا بھائی تھا اور اپنے ظلم و ستم میں انتہائی مشہور تھا، اور اس کا نام بتایا جاتا ہے سنان بن علوان بن عبید بن عویج بن عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔

اور ابن ہشام "تیجان" نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام کا جس نے برائی کے ساتھ ارادہ کیا تھا وہ عمرو بن امرئ القیس بن مایلون بن سبا تھا، اور وہ مصر کا حاکم تھا، علامہ سہیلی نے اس کو نقل فرمایا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقع کے بعد مصر کو چھوڑ کر تیمن کی سرزمین میں آ گئے تھے اور اسی سرزمین مقدس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہے، جب حضرت ابراہیم مصر سے واپس آئے، تو ان کے ساتھ غلام، کثیر اموال، مویشی جانور، اور باندی حضرت ہاجرہ علیہ السلام بھی تھیں۔

پھر حضرت ابراہیم کے حکم سے حضرت لوط اپنے مال وغیرہ کے ساتھ یہاں سے سرزمین غور کی طرف چلے گئے۔ غور، غور زغر کے ساتھ مشہور تھی،

---

(۱) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا سفیان، عن علی بن زید بن جدعان، عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال الخ

(۲) البقرہ: ۴۵

وہاں یہ سدوم شہر میں آباد ہوئے اور اس زمانے میں یہ شہر ام البلاد کہلاتا تھا یعنی شہروں کی ماں، لیکن اس کے اہل شریر فاجر فاسق اور کافر لوگ تھے۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم کو حکم فرمایا کہ طویل نظر پھیلائیں اور شمال، جنوب، مشرق، مغرب کی طرف دیکھیں اور پھر خوشخبری دی کہ یہ ساری زمین میں نے آپ اور آپ کی آنے والی اولاد کے لئے مقرر کردی ہے، اور فرمایا میں آپ کی اولاد کو اتنا بڑھادوں گا کہ وہ ریت کے ذرات جتنی ہوجائے گی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملنے والی اس بشارت عظمیٰ میں یہ امت محمدیہ بھی داخل ہے بلکہ حضرت ابراہیم کی تمام اولاد میں یہ زیادہ ہیں اور حضرت ابراہیم کی بشارت اس امت کے بغیر کامل نہیں ہوسکتی۔

اور اس بات کی تائید حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا:

بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، پھر میں نے اس کے مشارق و مغارب [۱] کو دیکھا، اور عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک اس کو میرے لئے سمیٹا گیا۔ [۲]

اہل تاریخ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سرکش اور ظالم لوگوں کا ایک گروہ، حضرت لوط علیہ السلام پر مسلط ہوگیا اور انھوں نے آپ کو قید کرلیا اور آپ کے اموال ضبط کرلئے اور آپ کے مویشی جانوروں کو ہانک کرلے گئے پھر جب یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تین سو اٹھارہ آدمیوں کا بھرپور لشکر لے کر ان کی طرف گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے پنجے سے چھڑایا، اور ان کے اموال واپس لئے، اور اللہ و رسول کے بہت سے دشمنوں کو تہ تیغ کیا اور شکست دیدی، اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کا پیچھا کیا حتی کہ شمال دمشق تک پہنچادیا اور وہاں مقام "برزہ" میں آپ کے لشکر نے پڑاؤ کیا، مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہاں ایک مقام کا نام مقام ابراہیم ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لشکر نے وہاں قیام کیا تھا، (اور عرض "م" ہے) کہ اہل کتاب کے ہاں تورات میں ہے، حضرت ابراہیم نے جس لشکر کو شکست دی وہ عیلام بادشاہ کا لشکر تھا، اور یہ سلطنت سدوم کا بادشاہ تھا تو حضرت ابراہیم نے اس کو پسپا کرتے کرتے پہاڑوں تک پہنچادیا تو اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو ایک پیش کش کی کہ آپ مجھ سے مویشی جانور لے لیں (اور اتنا مال لے لیں) اور ہمیں چھوڑ دیں؟ تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا، میں نے بلند و بالا پروردگار رب العلمین کی طرف ہاتھ اٹھالیا، اور میں تجھ سے ایک دھاگہ اور جوتے کا ایک تسمہ تک نہیں لیتا، کہ کہیں تو کہے میں نے ابراہیم کو مالدار کردیا تو خیر پھر حضرت ابراہیم نصرت و فتح مندی کے ساتھ اپنے علاقے کو لوٹے، اور بیت المقدس کے علاقوں کے بادشاہوں نے آپ کی تعظیم و تکریم کے ساتھ اور اپنی عاجزی وانکساری کے ساتھ آپ کا خوب استقبال کیا، اور پھر آپ اپنے علاقوں میں ٹھہر گئے، صلوۃ اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش

اہل کتاب کہتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں نیک اولاد کا سوال کیا، اور اللہ نے بھی اس کی آپ کو خوشخبری عطا فرمائی، اور ہوا یوں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے علاقوں میں بیس سال بیت گئے، تو حضرت سارہ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم سے عرض کیا۔

پروردگار نے مجھے تو اولاد سے محروم فرمادیا ہے لہذا آپ میری اس (ہاجرہ) باندی کو رکھ لیں، شاید اللہ اس سے مجھے اولاد مرحمت فرمادیں۔

تو جب حضرت سارہ علیہ السلام نے ہاجرہ آپ علیہ السلام کو تحفہ میں دیدیں تو آپ علیہ السلام نے ان سے مباشرت فرمائی اور اسی وقت حضرت ہاجرہ علیہ السلام امید سے ہوگئیں، تو اس پر لوگوں میں باتیں شروع ہوئیں کہ یہ باندی تو اپنی آقا (سارہ علیہ السلام) سے بھی بلند و عظیم مرتبت والی ہوگئی ہیں اس سے حضرت سارہ علیہ السلام کو فطری طور پر سخت غیرت اٹھی، اور ابراہیم علیہ السلام کو اس کا شکوہ کیا تو حضرت ابراہیم نے سارہ علیہ السلام کو فرمایا

---

(۱) مشرق و مغرب کی جمع ہے۔ (۲) صحیح مسلم: فی الفتن

آپ اس کے ساتھ جو چاہیں کریں، جب یہ بات حضرت ہاجرہ کو پہنچی تو وہ ڈر گئیں، اور بھاگ پڑیں اور وہاں ایک چشمے پر ٹھہر گئیں تو تب ایک فرشتے نے آ کر ان سے عرض کیا، آپ خوف نہ کیجئے اور آپ جس بچے کے ساتھ باامید ہوئیں ہیں اللہ عزوجل اس سے آپ کو بہت بھلائی عطا فرمائے گا، اور پھر فرشتے نے حضرت ہاجرہ کو واپسی کا کہا، اور خوشخبری دی کہ وہ ایک لڑکے کو جنم دیں گی، اور اس کا نام اسماعیل رکھنا، اور وہ لوگوں میں تنہا ہوگا، اس کا ہاتھ تمام پر ہوگا، اور تمام کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اپنے (سوتیلے) تمام بھائیوں کے ملکوں کا مالک ہوگا، تو اس پر حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے اللہ عزوجل کا (بہت بہت) شکر ادا کیا۔

اور یہ خوشخبری صادق آتی ہے حضور اکرم ﷺ پر اس لئے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے عرب، لوگوں کے سردار بنے، اور شرقاً غرباً تمام ملکوں کے مالک ہوئے، اور اللہ عزوجل نے ان کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا، جو ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دیا گیا تھا، اور عرب کو یہ شرف حضور ﷺ کے تمام رسولوں پر اشرف ہونے کی وجہ سے ملا، اور آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کے متعلق بشارت کی برکت اور آپ کی کامل رسالت، اور تمام اہل ارض کے لئے آپ کی بعثت کی وجہ سے یہ شرف امت محمدیہ اور عرب کو حاصل ہوا۔

اور کہا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کو جب جنم دیا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اڑسٹھ سال تھی، اور ان کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ علیہ السلام کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام بھی پیدا ہوئے اور جب حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تبھی ساتھ میں اللہ نے حضرت سارہ علیہ السلام سے بھی ایک لڑکے اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری مرحمت فرما دی تھی۔

تو مزید یہ خوشخبری سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سجدے میں گر پڑے تھے، تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر مزید احسان کرتے ہوئے فرمایا: (اے ابراہیم دوست) اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری دعا وفریاد قبول کی، اور اس پر مزید میں نے برکتیں نازل کیں اور اس کی اولاد کو کثیر کیا اور بہت ہی بابرکت بنایا، اور آگے اس سے بارہ عظیم افراد پیدا ہوں گے اور اس کو میں ایک عظیم جماعت کا رئیس وسردار بناؤں گا۔

اور یہ خوشخبری بھی اس امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ پوری ہوتی ہے اور یہ بارہ عظیم افراد بارہ خلفاء راشدین حضرات ہیں، جن کی بشارت عبدالملک بن عمیر راوی کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بارہ امیر ہوں گے راوی کہتے ہیں کہ آگے بھی کچھ فرمایا تھا لیکن میں اس کو سمجھ نہ سکا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا تو والد نے فرمایا کہ آگے فرمایا تھا وہ تمام قریش سے ہوں گے، صحیح بخاری وصحیح مسلم نے اس کو تخریج فرمایا ہے۔

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے، یہ امر (خلافت) برابر قائم رہے گا اور ایک روایت میں ہے یہ امر (خلافت) برابر غالب رہے گا، حتیٰ کہ بارہ خلفاء ہوں گے اور تمام قریش سے ہوں گے۔

تو ان بارہ میں سے چار تو حضرات خلفاء راشدین ہیں یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم (اور احقر ''م'' کہتا ہے ان کے بعد حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن بن علی ہیں م) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں اور باقی کچھ خلفاء بنی عباس سے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی بشارت اور حضور ﷺ کی حدیث میں بالترتیب بارہ مراد نہیں ہیں بلکہ صرف ان کا ہونا مراد ہے۔

اور رافضی اثناعشری شیعہ جو اس سے بارہ امام مراد لیتے ہیں، وہ مراد نہیں ہو سکتے ان میں سے پہلے حضرت علی اور آخری غیر موجود ہیں بلکہ اس کے متعلق انتظار میں بیٹھے ہیں جو محض سراب ہے، دھوکا ہے اور وہ ان کے وہم وخیال کے مطابق محمد بن حسن عسکری ہے، تو یہ ان کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ ان بارہ میں سوائے حضرت علی اور آپ کے فرزند حسن بن علی کے علاوہ اور کوئی خلافت کے منصب پر فائز نہ ہوا۔

(تو ان دونوں کے بارے میں ان کا دعویٰ صحیح ہے اور آخری جس کی انتظار میں شیعہ حضرات سیکڑوں سالوں سے بیٹھے ہیں، وہ تو محض ایک وہم اور دھوکا ہے اور ان کے علاوہ باقی حضرات ہمارے سب مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا گزرے ہیں لیکن شیعہ حضرات کی ان کے متعلق الٹی سیدھی باتیں سراسر غلط ہیں)۔

تو خیر مصنف فرماتے ہیں کہ حضرت علی شامل ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلافت کے مسئلے پر اختلاف ختم فرما کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی اور فتنے کی آگ کو بجھا دیا تھا، اور مسلمانوں کے

درمیان جنگ کی چکی کو ٹھنڈا کر دیا تھا، اور ان کے علاوہ باقی (نو) حضرات عام رعایا میں شامل ہیں ان میں کوئی امت میں منصب خلافت پر فائز نہ ہوا تھا، اور کسی معاملے میں حاکمیت پر قائم نہ ہوا تھا۔

اور آخری امام جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ محض سراب ہے دھوکا ہے اور ذہنوں میں وہم ہے اور نفسوں میں ہذیان ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ اس کا وجود اور نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

(اب ہم دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کی طرف لوٹتے ہیں تو مصنف فرماتے ہیں) پھر حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے ہاں جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور اس سے حضرت سارہ علیہ السلام کو سخت غیرت آئی، تو پھر حضرت سارہ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا اس کو مجھ سے کہیں اور لے جاؤ، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہ السلام اور ان کے لعل حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے گئے اور چلے..... چلے حتیٰ کہ ان کو اس جگہ اتار دیا جہاں آج مکہ شہر آباد ہے اور حضرت اسماعیل جب دودھ پیتے بچے تھے، تو جب حضرت ابراہیم ان کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر کر واپس ہونے لگے تو حضرت ہاجرہ علیہ السلام حضرت ابراہیم کی طرف کھڑی ہوئیں اور آپ کے کپڑوں سے چمٹ گئیں، اور عرض کیا۔

اے ابراہیم علیہ السلام آپ ہمیں یہاں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ جبکہ ہمارے پاس کوئی (کھانے پینے اور رہنے سہنے کا) سامان بھی نہیں ہے جس سے ہم گزر بسر کر سکیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا، ہاجرہ اصرار و اضطراب کے ساتھ پیچھے پڑ گئیں لیکن حضرت ابراہیم ہیں کہ جواب نہیں دے رہے، تو پھر حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم سے پوچھا۔

کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟

تو حضرت ابراہیم نے پھر جواب دیا: جی۔

تو پھر حضرت ہاجرہ نے بھی کہا: پھر (کوئی پرواہ نہیں اور) وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''النوادر'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ پر غیرت اور غصے میں آئیں تو قسم اٹھائی کہ وہ ان کے تین عضو ضرور کاٹیں گی، تو حضرت ابراہیم نے ان کو قسم سے سبکدوشی کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا کہ ہاجرہ کے دونوں کانوں میں سوراخ کر دو، اور ختنہ کر دو تو تم اس طرح قسم سے بری ہو جاؤ گی، حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو یہ ہاجرہ علیہ السلام (دنیا کی) پہلی خاتون ہیں جن کی ختنہ ہوئی ہے، [1] اور اسی طرح وہ پہلی خاتون ہیں جن کے کانوں میں سوراخ کئے گئے اور یہ عورتوں کے لئے حسن و زینت بن گئی اور اسی طرح یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اپنا دامن سب سے زیادہ لمبا کیا تا کہ چلنے میں نشانات قدم مٹتے جائیں۔

حضرت ابراہیم کا اپنے فرزند اسماعیل اور ان کی ماں ہاجرہ کے ساتھ فاران کی چوٹیوں کی طرف ہجرت فرمانا اور وہاں بیت عتیق یعنی کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمانا

[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ام اسماعیل (ہاجرہ علیہ السلام) وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے کمر بند باندھا، (اور اس کو دراز کیا) تا کہ ان کے نشانات قدم مٹتے چلے جائیں اور حضرت سارہ علیہ السلام کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان کے شیر خوار فرزند اسماعیل کو لے کر چلے حتیٰ کہ بیت اللہ (کی جگہ) کے پاس لے گئے اور وہاں آج مسجد کی بالائی طرف جہاں زمزم کا کنواں ہے وہاں اس وقت ایک درخت تھا، ادھر اتار دیا، اور اس وقت اس مکہ کے علاقے میں ان کے سوا کوئی

(۱) یہ طریقہ عرب میں رائج تھا اور عجم کے لئے ایک تعجب خیز چیز ہے (م)

(۲) قال البخاری قال عبداللہ بن محمد، هو ابوبكر بن ابی شیبه، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن ایوب السختیانی و کثیر بن کثیر بن المطلب بن ابی وداعه، یزید احدهما علی الآخر عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس، قال..... الخ

انسان نہ تھا (نہ بیت اللہ کی عمارت تھی نہ کوئی اور آبادی کی چیز بلکہ بیابان صحرا تھا حتی کہ) پانی تک نہ تھا تو حضرت ابراہیم نے ان کو وہاں بٹھا دیا، اور پاس ایک کھجور کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ رکھ دیا، اور اس کے بعد حضرت ابراہیم (بغیر کچھ گفتگو فرمائے) واپس ہونے لگے تو ام اسماعیل ان کے پیچھے ہوگئیں اور پوچھنے لگیں۔

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کہاں جارہے ہیں، اور ہمیں ایسی (بیابان) جگہ میں چھوڑے جارہے ہیں، جہاں نہ کوئی انسان [1] ہے اور نہ کوئی (اور زندگی کو باقی رکھنے والی) چیز ہے۔

تو حضرت ہاجرہ نے یہ فریاد بار بار کی، لیکن حضرت ابراہیم (ہیں کہ حکم خداوندی کی وجہ سے) توجہ نہیں فرمارہے ہیں، تو پھر آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا۔

کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟

پھر جا کر فرمایا: جی ہاں، تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا، پھر ہمیں وہ ضائع نہ فرمائے گا، اور یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ واپس اپنی جگہ آگئیں پھر حضرت ابراہیم بھی واپس مڑ کر چل پڑے حتی کہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچ گئے جہاں سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل ان کو نہ دیکھ سکتے تھے، تو وہاں حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کی طرف رخ کیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا و التجا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کیا:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰة فاجعل افئدة من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (سورۂ ابراہیم ۳۷)

اور حضرت ام اسماعیل اس پانی سے خود بھی پیتیں، اور اپنے بچے کو بھی پلاتیں، حتی کہ مشکیزہ خالی ہوگیا، اور ماں کو بھی پیاس لگی، بیٹے کو تو لگنی ہی تھی، شیر خوار بچہ تھا، اور ماں، مامتا کی وجہ سے اپنی پیاس بھول کر بار بار پریشانی کے عالم میں بچے کو دیکھتیں پھر جب بچے کی حالت ایسی ہوگئی کہ ماں سے دیکھا نہ گیا تو ماں بے قراری کے عالم میں اٹھیں اور قریب ہی ایک (صفا) پہاڑی تھی، اس پر جا کر چڑھیں اور آس پاس وادی میں کسی کو تلاش کرنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آجائے یا پانی وغیرہ نظر آجائے لیکن سب بے سود، پھر اسی طرح تڑپتے دل کے ساتھ واپس اتریں، اور جب وادی کے بیچ میں پہنچ گئیں تو اپنی قمیص مبارک کا کنارہ پکڑا جیسے انسان بھاگتے وقت اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے اور پھر انتہائی پریشانی کے ساتھ دوڑ پڑیں، اور وادی پار کرگئیں اور پھر مروہ پہاڑی پر چڑھیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں شاید کوئی نظر آجائے یا پانی وغیرہ مل جائے، لیکن بے فائدہ تو اس طرح ماں اپنی مامتا اور دل کی تڑپ اور بے چینی کے ساتھ سات مرتبہ ان پہاڑیوں پر دوڑیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے لوگ دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہیں۔

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام جب (آخری مرتبہ) مروہ پر چڑھیں (تو کوئی آواز محسوس فرما کر) اپنے آپ کو کہا رک جا، پھر غور سے آواز کی طرف کان لگائے اور کہا شاید کوئی تیرے پاس فریاد رس پہنچ گیا ہے، پھر زمزم کی جگہ دیکھا تو وہاں ایک فرشتے کو موجود پایا، پھر اس نے اپنی ایڑی کے ساتھ زمین کو کریدا، یا اس نے اپنے پر زمین پر مارے تو پانی ظاہر ہوگیا، تو حضرت ہاجرہ علیہ السلام اس کو گھیرنے لگیں اور حوض کی صورت میں اس کو جمع کیا، اور کہنے لگیں زم زم یعنی رک جا رک جا، اور پھر چلو بھر بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں، اور پانی چشمے سے پھر بھی ابل رہا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے کاش وہ زم زم (کہنا) چھوڑ دیتیں یا حضور نے یہ فرمایا، کاش وہ چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ بن جاتا، تو پھر حضرت ہاجرہ نے خود بھی پیا اور اپنے لخت جگر اسماعیل کو بھی پلایا، اور فرشتے نے حضرت ہاجرہ سے عرض کیا، آپ اس زمین میں خوف نہ کیجئے، بے شک یہاں اللہ کا گھر ہے، یہ بچہ اور اس کے والد (دونوں مل کر) اس کی تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے گھر والوں کو ضائع نہ فرمائیں گے۔

اور اس وقت بیت اللہ کی زمین تمام سطح زمین سے ابھری ہوئی تھی، اور پہلے بھی سیلاب آئے تھے جو اس کے دائیں بائیں تک پہنچے تھے۔

(۱) اصل لفظ روایت میں انیس ہے نہ کہ انسان لیکن مراد انسان ہے

الغرض حضرت ہاجرہ علیہ السلام اپنے فرزند کے ساتھ اسی طرح زندگی بسر فرماتی رہیں، ایک مرتبہ ان کے پاس سے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ گزرا اوران کی طرف سے (کچھ ہٹ کر) ہوتا ہوا مکہ کی نشیبی زمین میں قیام پذیر ہوگیا، وہاں سے انھوں نے پانی پر اڈنے والے پرندوں کو دیکھا تو کہہ اٹھے، یہ پرندے تو پانی پر آتے ہیں، اور جبکہ ہم اس وادی سے واقف ہیں یہاں کوئی پانی نہیں ہے، تو یہ دیکھ کر انھوں نے اپنے ایک یا دو ساتھیوں کو دوڑایا وہ اس جگہ پہنچے اور واپس آکر پانی کی خبر دی تو سب وہاں متوجہ ہوگئے اور چل پڑے، اور وہاں حضرت ہاجرہ پانی کے پاس موجود تھیں تو انھوں نے پوچھا کیا آپ اپنے پاس ہمیں اترنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گی؟

تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا: جی ہاں: لیکن پانی پر تمہارا ملکیت میں ہمارے ہاں کوئی حق نہ ہوگا، تو انھوں نے عرض کیا، صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ام اسماعیل نے اس (آبادی اور آثار زندگی یعنی دونوں چیزوں) کو پالیا، اور یہ (یہاں بھی) انس ومحبت کی فضاء محسوس کرنے لگیں پھر قوم جرہم یہاں اترے اور اپنے گھر والوں کی طرف پیغام بھیج دیا تو وہ بھی وہاں سے ان کے پاس آکر مل گئے اور یہ سب حضرات گھل مل کر رہنے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے اور قوم جرہم سے عربی زبان سیکھی، اور یہ ابھی جوانی میں سب کے نزدیک خوب خوبصورت اور وجاہت والے تھے، تو جب یہ عین بلوغت کو پہنچ گئے تو قوم جرہم نے اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کردی۔

اور اس عرصے میں حضرت ہاجرہ ام اسماعیل بھی عظیم قربانیاں دے کر اپنے پروردگار کے پاس چلی گئیں، پھر ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد ملنے کے لئے آئے، تو گھر میں حضرت اسماعیل کو موجود نہ پایا، تو ان کی بیوی سے دریافت کیا تو اس نے کہا ہمارے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی زندگی اور رہن سہن کے بارے میں پوچھا، تو شکوہ شکایت کرنے لگی کہ ہم لوگ بڑی تنگی اور سختی میں مبتلا ہیں، حضرت ابراہیم نے فرمایا جب آپ کے شوہر آجائیں تو انہیں میرا اسلام کہنا، اور میری طرف سے یہ بھی کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کرلیں۔

جب حضرت اسماعیل واپس لوٹے تو انھوں نے کچھ محسوس کیا، اور پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا جی ہاں ایک بوڑھے سے شخص آئے تھے، انھوں نے ہم سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتادیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہہ دیا ہم سختی ومشقت میں مبتلا ہیں، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا، تو پھر انھوں نے کچھ نصیحت کی، کہا جی ہاں انھوں نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں ان کی طرف سے آپ کو سلام کہہ دوں اور وہ آپ کو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کرلو تو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: -وہ میرے والد مکرم تھے اور وہ مجھے حکم کرگئے ہیں کہ میں تجھے جدا کردوں لہذا تو اپنے گھر والوں میں چلی جا، اور پھر اس کو طلاق دیدی، اور اس قبیلے میں سے ایک دوسری سے شادی فرمالی، پھر کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے، اور اس دفعہ بھی حضرت اسماعیل کو گھر میں موجود نہ پایا، تو ان کی بیوی کے پاس گئے اور اس سے سوال کیا اس نے بھی کہا وہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا تم کیسے (زندگی گزار رہے) ہو اور ان سے ان کی راحت وآرام اور ان کے رہن سہن کے بارے میں پوچھا تو بہو نے عرض کیا ہم خیر وعافیت کے ساتھ، فراخی وکشادگی میں ہیں، اور پھر اللہ کی تعریف وثنا کی، حضرت ابراہیم نے دریافت فرمایا تمہارا کھانا کیا ہوتا ہے؟ کہا گوشت پوچھا تمہارا پینا کیا ہوتا ہے عرض کیا پانی، پھر حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ ان کے لئے گوشت وپانی میں برکت عطا فرمایئے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اس دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاں کوئی برتن بھی نہ تھا اگر ہوتا تو حضرت ابراہیم ان کے لئے اس میں (برکت کی) دعا فرماتے پھر حضور نے فرمایا: جب سے مکہ میں گوشت اور پانی دونوں (وافر مقدار میں) رہتے ہیں۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی اس نیک سیرت بہو کو) فرمایا، جب تیرا شوہر آجائے تو اس سے میرا اسلام کہنا اور میری طرف سے انہیں حکم دینا کہ اپنے دروازے کی (اس) چوکھٹ کو برقرار رکھے تو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے عرض کیا: جی ہاں: ایک اچھی صورت (وسیرت) والے بزرگ آئے تھے..... اور پھر ان کی تعریف کی، تو انھوں نے مجھ سے آپ کے

متعلق دریافت فرمایا تو میں نے بتادیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا کہ کیسے ہم زندگی گزار رہے ہیں؟ تو میں نے کہا خیر کے ساتھ، پھر حضرت اسماعیل نے پوچھا کچھ وصیت ونصیحت کر گئے ہیں؟ عرض کیا جی ہاں آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دے گئے ہیں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو برقرار رکھنا۔ حضرت اسماعیل نے فرمایا!

وہ میرے والد مکرم تھے اور تم چوکھٹ ہو اور وہ مجھ حکم کر گئے ہیں کہ تجھے عقد میں رکھوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصے بعد پھر ملاقات کے لئے تشریف لائے (اور اس دفعہ میں حضرت اسماعیل کو موجود پایا) وہ زمزم کے قریب ایک ٹیلے پر تیر کو چھیل رہے تھے اور اسے درست کر رہے تھے، حضرت اسماعیل نے اپنے والد مکرم کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے (بڑی گرمجوشی سے مصافحہ ومعانقہ اور دوسرے آداب) جو باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں وہ تمام آداب بجالائے، بیٹے نے باپ کے ساتھ عزت واکرام کا معاملہ کیا اور باپ نے بیٹے کے ساتھ شفقت ورحمت کا معاملہ کیا۔

پھر حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند ارجمند کو فرمایا:

اے اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم فرمایا ہے تو حضرت اسماعیل نے عرض کیا رب کی طرف سے آپ کو جو حکم ملا ہے اس کو پورا کیجئے، والد مکرم نے فرمایا اس میں تیری مدد کی ضرورت ہے، عرض کیا بالکل میں حاضر ہوں، تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اردگرد کی ایک ابھری ہوئی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم فرمایا ہے۔

تو پھر باپ اور بیٹے نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا، بیٹا پتھر لاتا رہا، باپ بناء (تعمیر) کرتا رہا حتیٰ کہ جب دیواریں (قد سے) اونچی ہو گیں تو یہ خاص پتھر لائے، اس پر حضرات ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر پکڑاتے رہے، اور زبان پر دونوں کے یہ الفاظ جاری رہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

(اے) ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرمالیجئے بے شک آپ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں۔ (سورۂ بقرہ ۱۲۷)

اور پھر (ایک طرف پوری ہونے کے بعد) دیگر اطراف میں بناء کرتے رہے اور گھومتے بناتے یہ الفاظ دونوں نے اپنی زبان پر جاری رکھے۔

ربنا تقبل ...... الخ

یہ پوری روایت مذکورہ ایک طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور آپ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسرے طریق [(۱)] سے بھی یہ روایت منقول ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

جب ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل کے درمیان جو (گھریلو مسائل پیدا ہوئے) تو حضرت ابراہیم اسماعیل اور ام اسماعیل کو لے کر چلے اور ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا...... پھر اسی مذکورہ طرح سے اس روایت میں پورے قصے کو بیان فرمایا۔

تو یہ مذکورہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اور اس کے بعض حصے حضور ﷺ کی طرف بھی منسوب ہیں اور بعض حصوں میں غرابت ہے، (اور اس روایت کی بعض باتوں کی بناپر) لگتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ روایت اسرائیلیات سے ملی ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔

اور اہل تورات سے یہ بات منقول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنے بچے اور جو بھی غلام ان کے پاس ہیں، تمام کی ختنہ کریں، اور یہ واقعہ آپ کی عمر کے ننانوے سال گزرنے کے بعد پیش آیا، تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال بنتی ہے، اور حضرت ابراہیم نے حکم خداوندی کو فوراً کرتے ہوئے عمل کیا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھوں نے (فرض) وواجب سمجھ کر کیا، اسی وجہ سے علماء کے اقوال ہیں کہ یہ چیز مردوں پر واجب ہے۔

---

(۱) حدثنا عبداللہ بن محمد، حدثنا ابو عامر عبدالملک بن عمرو، حدثنا ابراھیم بن نافع، عن کثیر بن کثیر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال...... الخ

صحیح بخاری میں ہے۔ [1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے [2] قدوم (آلے کے ساتھ اپنی) ختنہ فرمائی اور وہ (اس وقت) اسی سال کے تھے۔ [3]
اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی) ختنہ فرمائی۔ اور وہ بھی اپنی عمر کے اسی سال گزرنے کے بعد اور قدوم آلے کے ساتھ ختنہ فرمائی۔
اور ایک قول کے مطابق قدوم آلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک جگہ کا نام ہے۔
لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ یہاں مذکورہ روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے اسی سال گزرنے کے بعد ختنہ فرمائی، تو اس سے زائد مدت کی نفی نہیں ہوتی۔ اور یہ اس لئے کہ آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے تذکرہ میں ایک حدیث ذکر ہوگی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ فرمائی، جبکہ وہ ایک سو بیس سال کے تھے، اور اس کے بعد بھی اسی سال زندہ رہے، ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت فرمایا ہے۔
لیکن مذکورہ روایتوں میں کئی باتیں محل اشکال وتنقید ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ان میں اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا ذکر نہیں آیا، اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (لیکن بنی اسرائیل کے ہاں وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اس وجہ سے انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اس بارے میں ذکر نہ کیا) اور دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور اپنے لخت جگر کو وادی بیابان میں چھوڑنے کے بعد صرف تین مرتبہ چکر لگایا، اور ان میں پہلی مرتبہ جب تشریف لائے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پہلی شادی ہو چکی تھی، تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو بچپن سے شادی تک کیسے چھوڑ دیا؟ کہ ان کے حالات کی بھی خبر نہ لی، جبکہ آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا تھا (یعنی وہ طویل ترین سفر کو لمحوں میں طے کر لیتے تھے) اور یہ بھی کتابوں میں آیا ہے کہ جب وہ ان کی طرف جاتے تو براق پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے تھے، تو ان سب باتوں کی بنا پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے حالات سے کیسے پیچھے رہتے تھے، جبکہ وہ بچہ اور ان کی ماں انتہائی ضرورت اور شدت حاجت میں مبتلا تھے۔
تو ان تمام باتوں کی بنیاد پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایتیں اسرائیلیات میں سے لی گئی ہیں، اور کچھ کچھ باتیں احادیث صحیح مرفوعہ میں سے ملائی گئیں ہیں اور ان اسرائیلی روایتوں میں قصہ ذبیح بھی مذکور نہیں ہے، جبکہ سورۂ صافات میں جہاں قصہ ذبیح مذکور ہے ہم وہاں مفصل کلام کر آئے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا قصہ
''علیہ الصلوٰۃ والسلام''

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مبین میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور (ابراہیم علیہ السلام) بولے میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا، اے پروردگار مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو)۔ تو ہم نے ان کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی، جب وہ

---

(۱) قال البخاری، حدثنا قتیبة بن سعید، حدثنا مغیرة بن عبدالرحمن القرشی، عن ابی الزنا دعن الاعرج عن ابی هریرة...... الخ،
(۲) قدوم ویسے تو کلہاڑے کو کہتے ہیں لیکن یہاں تیز دھار کوئی بھی آلہ مراد ہے۔
(۳) وتابعه عبدالرحمن بن اسحاق عن ابی الزناد، وتابعه عجلان عن ابی هریرة، ورواه محمد بن عمرو عن، ابی سلمة، عن ابی هریرة، وهکذا رواه مسلم عن قتیبة به

ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ (گویا) تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابرین میں پائیں گے، جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ان کا فدیہ دیا ایک بڑی قربانی سے اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا، کہ ابراہیم پر سلام ہو (اور) نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، اور ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی اور نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور آپ پر صریح ظلم کرنے والے یعنی (گناہ گار) بھی ہیں۔[1]

اللہ عزوجل اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اپنے علاقے کو خیر باد کہا تو اپنے پروردگار کے حضور التجاء کی کہ اسے کوئی صالح اولاد عطا فرما دیجئے تو پروردگار نے خوشخبری سنائی کہ ان کے ہاں ایک بردبار (عقل مند) بچہ جنم لے گا، اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد یہی ہیں، اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک چھیاسی سال بیت چکی تھی، اور اس بات میں کسی مذہب والے کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد ہیں۔

تو حضرت اسماعیل کے بارے میں اللہ نے فرمایا **فلما بلغ معه السعی** کہ جب وہ (اسماعیل علیہ السلام) ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا، یعنی جوان ہو گیا اور اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگا اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تفسیر یوں ہی فرمائی ہے کہ یعنی جب وہ جوان ہو گئے اور اتنی طاقت وقوت کے حامل ہو گئے کہ اپنے والد کے ساتھ کام کریں۔

تو خیر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی عمر کی اس بہار کو پہنچ گئے تو آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ ان کو اپنے لخت جگر کے ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث یوں مروی ہے کہ

انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

یہ عبید بن عمیر کا بھی فرمان ہے۔

اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے دوست کا امتحان تھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو جوان کو بڑھاپے میں (بڑی دعاؤں کے بعد ملا ہے) اس کو ذبح کریں اور اس سے پہلے یہ عظیم امتحان بھی گزر چکا تھا کہ وہ اپنی محبوبہ بیوی حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند کو جنگل بیابان میں تن تنہا (بغیر کسی دنیوی آسرے کے) چھوڑ آئے، اور وہ جنگل بھی نہ تھا بلکہ صحراء خشک تھا، جہاں گھاس کا ذرہ نہ تھا، اور نہ کوئی دل بہلانے کی چیز، اور نہ کوئی کھیتی، اور نہ کوئی دودھ دینے والا جانور، پھر بھی حضرت ابراہیم اپنے دوست (اللہ عزوجل) کے امتحان پر پورا اترے اور دونوں کو اس جگہ محض توکل علی اللہ پر چھوڑ دیا، اور اللہ نے (بھی دوست سے قربانی مانگی تو سہی لیکن لی نہیں) بلکہ ان کے لئے کشادگی وفراخی کا راستہ کھول دیا، اور ایسی جگہ سے ان کو رزق دیا کہ جہاں ان کا گمان بھی نہ جا سکتا تھا، تو الغرض جب پہلی قربانی پوری ہو گئی اور دوست اس میں کامیاب اترا تو پھر اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام کو دوسری قربانی یعنی اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کا حکم ملا، اور یہ حکم ایسا تھا جو اللہ نے اپنے اس خاص دوست کو دیا تھا، اور حضرت اسماعیل بھی اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھے، اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی پر لبیک کہا اور حکم کی فرماں برداری میں دوڑ پڑے۔

پھر حضرت ابراہیم نے یہ قربانی اپنے بیٹے پر پیش کی تا کہ حضرت اسماعیل اپنے دل کی خوشی اور آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کر دیں، ورنہ جبراً اور قہراً ذبح تو کرنا ہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ (صافات:۱۰۲)

---

(۱) سورۃ الصافات آیت ۹۹ تا ۱۱۳۔

اے میرے پیارے بیٹے: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس تیرا کیا خیال ہے؟

تو عقل مند متحمل مزاج بیٹا اپنے والد کی فرماں برداری کے لئے فوراً بڑھا اور عرض کیا

یاأبتِ افعَلْ مَاتُؤ مَرُ سَتجِدُنِی اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِینَ

اے میرے (پیارے) ابا جس کا آپ کو حکم کیا گیا ہے آپ کر ڈالئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے۔

اور اپنے والد اور درحقیقت بندوں کے پروردگار کے حکم کی یہ بہترین فرماں برداری ہے۔

آگے فرمان خداوندی ہے:

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّہ لِلجَبِین

''اسلما'' کی دو تفسیریں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ وہ دونوں تابعدار ہو گئے اور اس قربانی کا عزم کر لیا، اور ایک تفسیر یہ ہے کہ دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

اور تلہ للجبین کا مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منہ کے بل لٹا دیا (اور ایسا کیوں فرمایا؟) شاید اس لئے کہ تاکہ گدی کی طرف سے ذبح فرمائیں اور اس طرح ذبح کرتے وقت ان کے چہرے کو نہ دیکھ سکیں (کہ کہیں محبت پدری جوش میں آجائے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی مروی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اسی طرح لٹایا تھا جس طرح کہ عام قربانی کے جانوروں کو لٹایا جاتا ہے پیشانی زمین سے ملی رہ گئی تھی۔

ایک اور اسلما کی تفسیر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا نام لیا اور تکبیر کہی (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہا) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جام موت پینے کے لئے حاضر و تیار ہو گئے تو اس طرح دونوں تابعدار ہو گئے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری حضرت اسماعیل کے حلق پر چلائی، لیکن چھری نے کچھ خراش تک نہ لگائی، کہا جاتا ہے کہ چھری اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن کے درمیان کانسی کی سطح حائل ہو گئی تھی، واللہ اعلم

تو ایسے وقت میں اللہ عزوجل کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی گئی۔

اَن یَآ اِبرَاھِیمَ قَد صَدَّقتَ الرُّؤیَا ج اِنَّا کَذٰلِکَ نَجزِی المُحسِنِینَ

(اور ہم نے آواز دی) کہ اے ابراہیم بے شک تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک اسی طرح ہم (بھی) محسنین کو اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

یعنی تیری فرماں برداری کا جو امتحان مقصود تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ اس میں بحسن و خوبی کامیاب ہوئے اور آپ نے اس کی اطاعت میں بہت جلدی کی، اسی طرح آپ کے لخت جگر نے بھی بہت ہی عمدہ قربانی پیش کی کہ اپنے جسم و جان کو میری راہ میں ذبح ہونے کیلئے بے دریغ پیش کر دیا، جس طرح کہ آپ نے اے ابراہیم! اپنی جان کو جلانے کے لئے آگ کے سپرد کر دیا تھا اور جس طرح کہ اے ابراہیم آپ اپنا مال مہمانوں کے لئے بے دریغ استعمال کرتے ہیں، اسی وجہ سے پروردگار نے بھی فرمایا۔

بے شک یہ کھلی اور عظیم آزمائش تھی۔ یعنی ایسی آزمائش تھی جس کی سختی اور مشکل صاف ظاہر تھی۔

(خیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو، اپنی طرف سے بیٹے کی بازی لگا دی لیکن آگے کیا ہوا؟ فرمان باری ہے) اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو (بدلے میں) عظیم قربانی عطا کی۔

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی کے بجائے ایک دوسرا جانور عطا فرما دیا (اور وہ جانور کون سا تھا؟) تو جمہور سے یہ مشہور ہے کہ وہ مینڈھا تھا اور سفید رنگ اور عمدہ آنکھوں اور سینگوں والا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مقام ثبیر میں ببول کے درخت کے ساتھ بندھا دیکھا۔

[1] اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس مینڈھے نے جنت میں چالیس سال چرا تھا۔

اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ وہ جنت میں چرتا تھا، حتیٰ کہ وہاں سے ثبیر میں آیا اور اس پر (مائل بہ) سرخی رنگ اون تھا،

---

(۱) قال الثوری عن عبداللہ بن عثمان بن خیثم، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مینڈھا ثبیر (ٹیلے) سے اتر کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آیا اور وہ عمدہ آنکھوں اور سینگوں والا تھا، اور ممیاتا ہوا نیچے اترا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح فرمادیا، اور یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت ہابیل نے دی تھی اور اللہ نے اس کو قبول فرمایا تھا، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مقام منیٰ میں ذبح فرمایا تھا، اور عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مقام ابراہیم پر ذبح کیا تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگلی بکرا تھا اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑی بکرا تھا، اور اس کا نام جریر تھا۔

صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان سے یہ صحیح مروی نہیں ہے۔

پھر جو یہاں اقوال مذکور ہیں وہ اکثر اسرائیلی روایتوں سے ماخوذ ہیں اور قرآنی رو سے جو معلوم ہوتا ہے وہی کافی ہے کہ یہ عظیم الشان کام تھا اور کٹھن امتحان تھا، پھر ابراہیم نے اللہ کے فضل سے مینڈھے کی قربانی دی اور حدیث کی رو سے وہ جانور مینڈھا تھا۔

(۱) مسند احمد میں صفیہ بنت شیبہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں مجھے قبیلہ بنی سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور عورت نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کیوں یاد فرمایا ہے؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو وہاں میں نے دو سینگ دیکھے تھے پھر میں تجھے حکم کرنا بھول گیا کہ ان کو ڈھک دو، لہٰذا اب جاؤ اور ان کو ڈھک دو کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو دوسری طرف مشغول کردے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ سینگ بیت اللہ میں لٹکے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ کو آگ لگی تھی تب وہ بھی جل گئے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ مینڈھے کا سر ہمیشہ سے کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکا رہتا تھا، اور وہ خشک ہو چکا تھا۔

اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والا کون تھا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں یعنی اسماعیل و اسحاق میں سے کونسا فرزند ذبیح اللہ تھا؟ یہ مذکورہ بات دلیل ہے اس پر کہ راہ خدا میں ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس لئے کہ یہی مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ کبھی اپنے بچپن میں مکہ میں تشریف لائے ہوں اور قرآن کریم کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ لگتا ہے کہ قرآن کریم نے اس پر تصریح فرمادی ہے "واللہ اعلم" کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں، کیونکہ اللہ نے پہلے ذبیح کا قصہ ذکر فرمایا پھر اس کے بعد فرمایا اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو پیغمبر اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے تھا۔ (سورہ صافات آیت ۱۱۲)

(اس جگہ اللہ نے پہلے ذبیح کا قصہ بیان فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بھی خوشی سنائی۔ تو معلوم ہوا کہ پہلے جسکا قصہ مذکور ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے) لیکن بعض لوگوں نے اس جگہ کافی تکلف کے ساتھ تاویل کرتے ہوئے مطلب کو بدلا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ میں "نبیا اسحاق" سے حال ہے نہ کہ ولادت سے، تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ ہم نے پہلے بچے کی نبوت کی بھی خوشخبری سنائی۔ تو آیت پہلے قصے کے ساتھ منسلک ہو جائے گی۔

جبکہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ محض تکلف ہے اور اسکا دارومدار اسرائیلی روایات ہیں جبکہ ان کی کتاب میں بھی تحریف ہو چکی ہے۔ خصوصاً ایسی جگہوں میں تحریف ضرور ہے۔

ان کے قول کے مطابق اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم فرمایا، اور ان کے ایک تورات کے تحریف شدہ نسخے

(۱) قال الامام احمد، حدثنا سفیان، حدثنا منصور، عن خاله نافع، عن صفیه بنت شیبه قالت

کے مطابق اپنے پہلے بیٹے اسحاق کے ذبح کا حکم فرمایا تو وہاں لفظ اسحاق ان کی طرف سے اضافہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام نہ اکلوتے تھے نہ پہلے تھے۔ وہ صرف اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ یہی پہلے بیٹے تھے اور اکلوتے تھے۔

بعد میں پھر حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

اور اہل کتاب کو اس بات پر عرب سے حسد نے ابھارا ہے۔ اسلئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب کے باپ ہیں، وہ عرب جو حجاز مقدس میں رہتے تھے اور انہی میں سے ہمارے نبی اکرم محمد ﷺ ہیں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد ماجد ہیں اور حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا جس کی طرف بنی اسرائیل منسوب ہیں۔ تو اس وجہ سے بنی اسرائیل نے چاہا کہ یہ شرف و مرتبہ اپنی طرف کھینچ لیں، پھر اس مذموم مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے اللہ کی کتاب کو بھی بدل ڈالا۔ اور اس میں اپنی طرف سے زیادتی کی۔ تو یہ قوم بنی اسرائیل بہتان باندھنے والی جھوٹی قوم ہے اور اپنے حسد کی بناء پر یہ اقرار نہیں کرتی کہ فضل و شرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

اور یہ بات کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے دوسرے لوگوں نے بھی کہی ہے اور اس بات کو انہوں نے یا تو حضرت کعب احبار سے نقل کیا ہے یا پھر اہل کتاب کے صحیفوں سے لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بات کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے حضور ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں بھی مروی نہیں ہے کہ اس کی بناء پر ہم قرآن کے ظاہر کو چھوڑ دیں۔ اور نہ ہی قرآن کی کسی بھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، بلکہ قرآن سے مفہوم بلکہ گفتگو کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر غور وفکر کے وقت صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

بہترین استدلال: ...... ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ اس بات پر حضرت کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بہترین استدلال فرمایا ہے فرمایا کہ قرآن میں ہے

پھر ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور اسحق کے بعد یعقوب کی۔ (سورہ ھود آیت ۷۱)

تو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اسحاق علیہ السلام کی پیدائش اور اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی یعنی بیٹے کی پیدائش سے پہلے ہی پوتے کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی اور پھر بالفرض اسحق کو بچپن میں ہی ذبح کرنے کا حکم ملا تو یعقوب کی خوشخبری کیسے مکمل ہو سکتی ہے کیونکہ باپ کے لئے پہلے ہی بچپن میں ذبح کا حکم مل گیا۔

(یا یوں کہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام کی آزمائش ہی کچھ نہ رہی کیونکہ ان کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابھی اسحاق سے یعقوب جنم لیں گے لہذا آخر کار یہ ذبح نہیں ہو نگے، از مترجم) تو اس بات سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ورنہ پہلی پیدائش یعقوب علیہ السلام کی بشارت کی مخالفت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

لیکن علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس استدلال پر اعتراض فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ فرمان باری تعالیٰ: **فبشرنھا باسحق** یہ پورا جملہ ہے، تام ہے۔ اور آگے فرمان باری تعالیٰ **ومن وراء اسحق یعقوب** یہ دوسرا مستقل جملہ ہے۔ اور یہ بشارت کے لئے بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ عربی کی گرامر کے اعتبار سے کسی کلمے کو مجرور پڑھنا دوسرے پر عطف کرتے ہوئے یہ اس وقت صحیح ہے جب ثانی پر حرف جار کا اعادہ کیا جائے لہذا یوں کہنا صحیح نہیں ہے مررت بزید ومن بعدہ عمرو تو یہاں دیکھئے کہ عمرو کو زید پر عطف کیا جارہا ہے، اور بغیر جار کے، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں یوں صحیح ہے۔ **ومن بعدہ بعمرو** تو اس قاعدہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے کہ آیت کا دوسرا حصہ **ومن وراء اسحق یعقوب** بھی پہلی مثال کی طرح ہے کیوں کہ آیت کے پہلے حصے میں باسحق باء کے ساتھ ہے اور یہاں یعقوب پر باء نہیں ہے لہذا یعقوب کا اسحق پر عطف کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ پھر کیا ہے؟ تو صحیح یہ ہے کہ یہ فعل مقدر کے ساتھ منسوب ہے یعنی **ووھبنا لاسحاق یعقوب**.

اگرچہ اعتراض کی بناء پر ابن کعب قرظی کا استدلال ظاہراً کچھ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود علامہ سہیلی کے اس اعتراض میں شک کا امکان ہے۔

اور پھر علامہ سہیلی اپنی بات میں ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق ہیں اور اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے۔

فلما بلغ معه السعی جب وہ (ذبیح اللہ) اس کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچے علامہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

دوڑتے (کام کرتے تھے) جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے ہی نہیں، بلکہ یہ اپنی والدہ کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں سکونت پذیر تھے۔ تو پھر کیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑنا، کام کاج کرنا ہوگا۔

لیکن علامہ کی اس بات واستدلال میں بھی بہت ہی غور وفکر کی ضرورت ہے اس لئے کہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر اکثر بیشتر اپنے اہل کی خبر لینے مکہ تشریف لیجاتے تھے پھر واپس لوٹ آتے تھے۔ واللہ اعلم۔

خیر جن لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ذبیح اللہ، حضرت اسحاق کو مانتے ہیں یا ایسی روایت ان سے ظاہراً مروی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا تو فرمان ہے۔ اور ان حضرات سے مروی ہے حضرت عمر، رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عطا، رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، مقاتل رحمۃ اللہ علیہ، عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ، ابی میسرہ رحمۃ اللہ علیہ، زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ ابن شقیق رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ، قاسم رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی بردہ، مکحول رحمۃ اللہ علیہ، عثمان بن حاضر رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن رضی اللہ عنہ، ابی ہذیل رحمۃ اللہ علیہ، ابن سابط رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن جریر نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے لیکن یہاں سے تعجب کی بات ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی دو روایتوں میں سے ایک انہی کے ساتھ ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر جو مروی ہے اور اسی طرح ان مذکور لوگوں میں سے صحیح طرح اکثر لوگوں سے جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، سعید رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ، عطاء اور حضرت ابن عباس سے کئی روایتیں اسی طرح مروی ہیں۔

[1] اور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قربان ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہود کا گمان ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور یہود اس میں جھوٹے ہیں اور عبداللہ بن امام احمد اپنے والد یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے ابن ابی حاتم فرماتے ہیں میں نے (اپنے والد یعنی) ابی حاتم سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

اور حضرت علی، ابن عمر، ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابی الطفیل، سعید ابن المسیب سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ابو جعفر محمد بن علی، ابو صالح ان تمام حضرات کا فرمان ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

اور مفسر علامہ بغوی نے بھی ربیع بن انس اور کلبی اور ابی عمرو بن علاء رحمہم اللہ سے یہی روایت فرمایا ہے۔

(اور مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور ان سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کو یوں مخاطب کیا۔

یا ابن الذبیحین اے دو ذبح ہونے والوں کے بیٹے تو رسول اکرم ﷺ اس پر ہنس دیئے۔

اور عمر بن عبدالعزیز، محمد بن اسحاق بن یسار رحمہم اللہ کا بھی یہی خیال وقول تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے (کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں)

[2] محمد ابن کعب سے مروی ہے کہ وہ شام میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے پاس تھے تو انہوں نے اسماعیل علیہ السلام کے قصے کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا مذکورہ استدلال سنایا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا میرا بھی خیال ہے جو آپ کہہ رہے ہیں اور اس استدلال میں کوئی شک نہیں۔ پھر حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد ابن کعب کو شام میں ایک یہودی عالم کے پاس بھیجا (اس سے یہ بات ہوئی تو) وہ اسلام لے آیا اور پکا مسلمان ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے کس کے لئے ذبح کا حکم نازل ہوا؟ تو اس نے کہا واللہ اے امیر المومنین وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہود اس کو جانتے بھی ہیں لیکن تم عرب پر حسد کرتے ہیں کہ تم کو تمہارے باپ کی وجہ سے یہ شرف حاصل ہو۔ الخ

---

(۱) قال ابن جریر حدثنی یونس، انبانا ابن وهب، اخبرنی عمرو بن قیس، عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس انه قال ..... الخ

(۲) وقال محمد بن اسحاق عن بریده عن سفیان بن فروه الاسلمی عن محمد ابن کعب ..... الخ

حضرت اسحاق علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ:۔۔۔۔۔اور ہم نے ان کو (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد سے نیکوکار بھی ہیں اور آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گنہگار) بھی ہیں۔[1]

اور ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی جس وقت وہ ملائکہ قوم لوط کو ان کے کفر اور فسق وفجور کی وجہ سے تہس نہس کرنے ان کے علاقے مدائن کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس پر تفصیلی گفتگو عنقریب اپنے مقام پر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین میں فرمایا (ترجمہ) اور ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لیکر آئے تو سلام کہا اور انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم علیہ السلام) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جب دیکھا کہ ان (فرشتوں) کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جا رہے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم قوم لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (جو پاس) کھڑی ہوئی تھی ہنس پڑی۔ تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں (فرشتوں) نے کہا کہ کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ ہی تعریف کے لائق اور بزرگوار ہے۔[1]

اور اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔۔۔ (اے محمد ﷺ) اور ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا احوال سنا دو جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو سلام کہا (انہوں نے) کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں ہم آپکو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں، وہ بولے جب مجھے بڑھاپے نے آپکڑا ہے تو تم خوشخبری دینے لگے؟ اب کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہ لوگوں کا کام ہے۔[2]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔۔۔ بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے (یعنی فرشتے) تو سلام کہا، انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا تو ایسے لوگوں کو نہ جان نہ پہچان۔ پھر بھی اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے (اور کھانے کے لئے) ان کے آگے رکھ دیا، کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف معلوم کیا، انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری بھی سنائی۔ تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی چلاتی آئیں۔[3]

انہوں نے کہا کہ (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے، وہ بے شک صاحب حکمت (اور) خبردار ہے۔

یہ فرشتے تین تھے، جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام، جب یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو حضرت ابراہیم نے دیکھتے ہی ان کو مہمان سمجھا، لہذا پھر ان کے ساتھ مہمانوں والا برتاؤ خاطر تواضع کرنا شروع کر دی، اور اپنی گایوں میں سے ایک بہترین عمدہ موٹا بچھڑا ان کے لئے ذبح کیا اور اس کو بھونا، پھر ان کو پیش کیا، لیکن حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ ان کا تو کھانے کے متعلق کوئی ارادہ یا حرکت ہی نہیں ہے، کیونکہ فرشتے تو انسانی حاجتوں سے فارغ ہیں، تو حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا (کہ کہیں یہ دشمن تو نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے میں دشمن ایک

(۱) سورۃ الصافات آیت ۱۱۲۔ ۱۱۳ (۲) سورۃ ہود آیت ۶۹ تا ۷۳ (۳) سورۃ الحجر آیت ۵۱ تا ۵۶

دوسرے کا کھانا نہ کھاتے تھے) فرشتوں نے حضرت ابراہیم کی اس کیفیت کو بھانپتے ہوئے کہا، قرآن میں ہے، فرشتوں نے کہا (اے ابراہیم) خوف نہ کیجئے ہم تو (فرشتے ہیں اور) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تا کہ ان پر عذاب برسائیں۔

اور اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام بھی مہمانوں کے سر کی طرف کھڑی تھیں، جیسا کہ عرب کے ہاں مہمانوں کے ساتھ اس وقت کا یہ رواج تھا، تو حضرت سارہ علیہا السلام نے عذاب کی خبر سنی تو ان پر خوف کی کیفیت طاری ہوگئی اور ایسی آواز نکلی جس پر فرشتوں نے ان کو دوسری خوشخبری سنائی (تا کہ غم ختم ہو جائے) فرمان خداوندی ہے پھر ہم نے اس (سارہ علیہ السلام) کو اسحاق کی خوشخبری سنائی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی اور اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فرشتوں کے ذریعے سے یہ خوشخبری سنوائی، حضرت سارہ علیہ السلام نے سن کر تعجب کی وجہ سے آواز نکالی فرمان باری ہے، پھر اس کی بیوی آواز کی طرف متوجہ ہوئی پھر اپنے چہرے پر ہاتھ مارا، یعنی جیسے عورتیں تعجب کے وقت آواز نکالتی اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتی ہیں، اس طرح حضرت سارہ علیہ السلام نے بھی کیا اور کہا فرمان باری ہے: ہائے افسوس کیا میں (اولاد کو اب) جنم دوں گی جبکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں؟ یعنی میں ایک تو بڑھیا ہوں پھر اس پر اضافہ یہ بھی ہے کہ میں بانجھ ہوں تو مجھے اولاد کیسے ہوگی یہ تو تعجب کی بات ہے اور جبکہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں پھر اس تعجب کو الفاظ میں بھی ظاہر فرمایا، فرمان باری ہے (اور سارہ نے کہا) یہ تو تعجب خیز معاملہ ہے، فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ جبکہ (اے نبی کے) گھر والو تم پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں (برستی رہتی) ہیں بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بزرگ ہے (اس کے لئے کوئی مشکل نہیں)۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی تعجب تو ہونا تھا لہذا جس اولاد کی تمنا اور دعائیں تھیں اس کی خوشخبری سنی اور پھر اس پر بے انتہا خوشی ہوئی اور ایسی عمدہ خبر سننے کو دوبارہ دل چاہا تو انھوں نے ازراہ تعجب فرشتوں سے کہا، فرمان باری (ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے (اس کی) خوشخبری دیتے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے پھر کس چیز کی خوشخبری دے رہے ہو؟ (فرشتوں نے) کہا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دی ہے، لہذا آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔

اس طرح فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بھی دوبارہ خوشخبری دیتے ہوئے اس کو مزید تاکید اور مضبوط کر دیا اور دونوں کو بچے کے ساتھ خوشی میں سرشار کر دیا، اور یہ بچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، اور اس کے بارے میں اللہ عزوجل نے علیم کا لفظ فرمایا کہ ہم نے علم والے بچے کی خوشخبری دی، اور یہ حضرت اسحاق کے بلند مقام اور صبر کے موافق ہے اور اسی طرح ان کی صفت وعدے کے پکے اور صابر ہونا بھی یہاں بتائی گئی، اور دوسری جگہ قرآن میں اس خوشخبری کو دوگنا بیان کیا گیا فرمان باری ہے۔

پھر ہم نے اس (سارہ علیہ السلام) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی اور یہ وہی آیت ہے جس سے محمد ابن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب استدلال فرمایا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام؟ کیونکہ اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم جائز نہیں کیونکہ ان سے بعد میں اولاد ہونے کی خوشخبری پہلے ہی سنا دی گئی ہے، اس کی تفصیل کچھ پہلے گزر چکی ہے۔

اور فرشتوں کی تو خاطر تواضع کے بارے میں اہل کتاب کی غلط سلط باتیں ہیں من جملہ ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھنے ہوئے بچھڑے کے ساتھ مکہ سے منگوائی ہوئی روٹیاں گھی اور دودھ بھی پیش کیا اور فرشتوں نے اس کو کھایا بھی۔

جبکہ قرآن صاف کہتا ہے کہ انھوں نے کچھ نہیں کھایا لہذا یہ ان کی غلط بات ہے اور ان کی طرف سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل کو معلوم یوں ہوا تھا کہ فرشتے کھانا کھا رہے ہیں کھانا ہوا میں اڑ رہا تھا (اور ختم ہو رہا تھا)۔

اور اہل کتاب کے ہاں ہے اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا تیری بیوی سارا کو سارا نہ پکارا جانا چاہئے بلکہ اس کا نام سارہ ہے اور میں تجھے اس میں برکت دوں گا اس طرح کہ اس کے ذریعے تجھے بیٹا دوں گا اور اس بیٹے میں بڑی برکتیں رکھوں گا اور بہت سے قبیلے اور ان قبیلوں کے بادشاہ بھی اس سے ہوں گے۔

حضرت ابراہیم اس خبر کو سن کر سجدہ ریز ہو گئے اور اپنے دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

کیا سو سال کے بعد میرے ہاں بچہ ہوگا؟ اور اب سارہ علیہ السلام جنم دے گی جبکہ اس پر بھی نوے سال بیت چکے ہیں؟ اور حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا، کاش اسماعیل علیہ السلام بھی اس طرح جئیں (تو کیا اچھا ہو یعنی جس طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی آگے نسل بڑھنے کی خوشخبری دی گئی تو یہ اسماعیل کے لئے بھی ہو تو بہت اچھا ہو) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ علیہ السلام تیرا ایک بچہ جنم دے گی۔

تو آپ اس کا نام اسحاق رکھنا اور وہ آنے والے سال میں ان دنوں تک جنم لے لے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کیلئے میرا عہد و پیمان چھوڑ جانا (کہ سب صرف میری ہی عبادت کریں گے)

اور اسماعیل علیہ السلام کے لئے بھی میں آپ کی دعا قبول کرتا ہوں اور اس پر برکتوں کی بارش کرتا ہوں اور اس کو اور اس کی اولاد کو بہت بڑھادوں گا اور اس کی اولاد میں آگے چل کر بارہ عظیم انسان پیدا ہوں گے اور ایک عظیم جماعت (امت محمدیہ) ﷺ اس کے لئے کردوں گا، اور ان بارہ کے بارے میں ہم پہلے تذکرہ کرآئے ہیں (کہ وہ حضور ﷺ کے چاروں خلفاء راشدین اور آگے کے بڑے منصف خلفاء مراد ہیں) واللہ اعلم۔

اور حضرت اسحاق کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے کہ ہم نے اسحاق کی خوشخبری دی اور اس کے بعد یعقوب کی۔ اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم و سارہ اپنے بیٹے اسحاق سے نفع اٹھائیں گے پھر اسحاق کے ہاں یعقوب پیدا ہوں گے یعنی ابراہیم علیہ السلام و سارہ علیہ السلام کی زندگی میں تاکہ دونوں اس سے بھی اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں جیسے کہ اپنے بیٹے کے ساتھ آنکھیں ٹھنڈی کریں گے، اور اگر ایسا نہ ہو کہ یعقوب اپنے دادا، دادی کی زندگی میں پیدا نہ ہوں تو پھر تو ان کے علاوہ بھی تمام آگے کی اولاد کے ساتھ بشارت ہوسکتی تھی حضرت یعقوب کی تخصیص کیا رہی، لہٰذا جب ان کو صراحتاً ذکر فرمایا تو معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب بھی اپنے جد امجد کی زندگیوں میں پیدا ہوں گے۔

ایک اور جگہ فرمان باری ہے۔

اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ [1]

اور دوسری جگہ فرمایا۔

پھر جب ابراہیم ان کافروں اور جس کی وہ خدا کے سوا عبادت کرتے تھے، سب سے جدا ہوگئے تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ [2]

اور یہ بات کہ حضرت یعقوب پوتے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام اور دادی سارہ علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے انشاء اللہ۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیحین میں ہے کہ [3] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سوال عرض کیا یارسول اللہ پہلی مسجد کون سی بنائی گئی آپ نے فرمایا مسجد حرام میں نے پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کیا دونوں کے درمیان کتنی مدت تھی فرمایا چالیس سال پھر پوچھا کہ پھر کون سی (مسجد نبی)؟ فرمایا جہاں تمہیں نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لو تمام مسجدیں (ان کے علاوہ) برابر ہیں (اور مسجد نبوی بھی تیسرے نمبر پر ہے اس کا بھی دوسری کئی حدیثوں میں آیا ہے م)

اور اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اور یہ وایلیا کی بیت المقدس ہے جس کو اللہ نے شرف و مرتبہ عطا فرمایا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے کعبۃ اللہ بنانے کے چالیس سال بعد پوتے نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تو ظاہر بھی ہے کہ یعقوب علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تھے)۔

تو ان دونوں باتوں کی آپس میں مطابقت ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب اسرائیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کے کعبے کو بنانے کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی اور یہ دونوں تعمیرات حضرت اسحاق علیہ السلام کے وجود کے بعد ہوئی ہیں اور یہ بات قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ جس میں حضرت ابراہیم دعا کرتے ہیں فرمان باری ہے۔

اور جب ابراہیم نے عرض کیا اے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنادیجئے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا، اے پروردگار انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک آپ غفور رحیم ہیں،

(۱) الانعام ۸۴۔ (۲) مریم ۴۹۔ (۳) من حدیث سلیمان بن مهران الاعمش عن ابراهیم بن یزید التیمی عن ابیه عن ابی زر

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو بغیر کھیتی (پانی) کی جگہ میں تیرے محترم گھر کے پاس چھوڑا ہے، پروردگار تا کہ وہ نماز قائم کریں، لہٰذا لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دیں کہ وہ ان کی طرف کھنچے آئیں اوران کو پھلوں سے رزق عطا فرما تا کہ وہ شکر ادا کریں۔ اے پروردگار جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں آپ بخوبی جانتے ہیں، اور اللہ سے آسمان اور زمین کی کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا کئے بے شک میرا پروردگار پکار کا سننے والا ہے۔

پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادیجئے ہمارے پروردگار (ہماری اس) دعا کو قبول فرمایئے، ہمارے پروردگار، میری اور میری اولاد کی اور تمام مومنین کی حساب قائم ہونے کے روز بخشش فرمادیجئے۔ [1]

(تو یہاں حضرت ابراہیم دعا فرمارہے ہیں اور شکر کر رہے ہیں کہ پروردگار نے مجھ بڑھاپے کے باوجود اسماعیل واسحاق عطا فرمائے)

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے جب بیت المقدس بنایا تو اللہ عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا جن کا تذکرہ ہم قرآن کی آیت کے تحت کر چکے ہیں۔

رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحدمن بعدی. (سورۂ ص ۳۵)

اوراس کا بیان عنقریب انشاء اللہ حضرت سلیمان کے قصے میں بھی آجائے گا۔

تو خیر حدیث میں بناء کا جو ذکر آیا اس کے برعکس (جہاں کہیں حضرت سلیمان کے بیت المقدس تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے بیت المقدس کی نئی تعمیر فرمائی اور پہلے بھی تعمیر تھی، اور پہلے جیسے حدیث میں آیا کہ دونوں مسجدوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے جبکہ اس بات کا بھی کوئی قائل نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا جبکہ سوائے حضرت ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے اپنی تقسیمات وانواع کو بیان کرنے کے موقع پر، جو بالکل غیر موافق ونامناسب ہے جس کا کوئی قائل نہیں ہے، تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کی تعمیر نئی تعمیر تھی۔

قدیم گھر یعنی بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر خیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:......اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو (پاک) صاف رکھا کرو اور لوگوں کو حج کے لئے اعلان کردو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے، اونٹوں پر دور (دراز) راستوں سے چلے آئیں۔ [2]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) (دنیا میں) پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے، (وہ) بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا، اور لوگوں پر خدا کا حق (عینی فرض) ہے کہ جو شخص اس گھر تک جانے کی طاقت رکھے وہ اس کا حج کرے، اور جو اس حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔ [3]

ایک اور مقام پر اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

ترجمہ:......اور جب پروردگار عالم نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے، خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، انھوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) خدا نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا، اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ

(۱) ابراہیم ۳۵ تا ۴۱ (۲) سورۂ حج، آیت ۲۶۔۲۷۔ (۳) سورۂ آل عمران آیت ۹۶۔۹۷

بنالو، اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو، اور جب ابراہیم نے دعا کی اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں، ان کے کھانے کے لئے میوے عطا فرما، تو خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا، (مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لئے مجبور کردوں گا اور وہ بری جگہ ہے، اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کررہے تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار ہماری یہ خدمت قبول فرما، بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے، اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھنا، اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتایئے اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما، بے شک آپ توجہ فرمانے والے مہربان ہیں، اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کرنا جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے، اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے، اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بے شک آپ غالب (اور) صاحب حکمت ہیں۔ (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے دوست، موحدین کے امام، انبیاء کے والد ماجد یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں نے اس قدیم گھر کی تعمیر فرمائی جس کو تمام لوگوں کے فائدے کے واسطے سب سے پہلی مسجد وگھر ہونے کا شرف حاصل ہے تاکہ لوگ آئیں اور اس میں اپنے معبود برحق کی پرستش کریں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس گھر کی تعمیر کا حکم اور رہنمائی اور اس کے بنانے میں مدد سب اللہ عزوجل کی طرف سے حاصل ہوئی۔

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بیان کے موقع پر ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو وحی فرمائی تھی۔

کہ کعبۃ اللہ بیت معمور کے عین مقابل اور سامنے ہے (بیت معمور آسمانوں میں فرشتوں کے لئے بیت اللہ وکعبۃ اللہ ہے جس کے اردگرد ہر آن میں ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور پھر کسی فرشتے کی دوبارہ قیامت تک طواف کی باری نہیں آتی تو اس بیت معمور کے مقابل زمین پر کعبۃ اللہ ہے اس طرح سے کہ م) اگر بیت معمور گرے تو بالکل ٹھیک بیت اللہ پر گرے گا۔

اور اسی طرح ساتوں آسمانوں میں (اسی لائن کے اندر) عبادت خانے یعنی مساجد ہیں جیسا کہ بعض بزرگوں نے بیان فرمایا کہ ہر آسمان میں ایک گھر ہے جس میں آسمان والے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بیت معمور آسمانوں میں ایسے ہے جیسے زمین پر کعبۃ اللہ۔

پھر اللہ نے (پہلی بات کے بعد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ (آسمانوں میں) فرشتوں کے عبادت گھروں جیسا ایک گھر زمین والوں کے لئے زمین میں بناؤ، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی پہلے سے متعین جگہ سمجھادی جو آسمانوں اور زمین کے پیدائش کے وقت سے متعین تھی جیسے صحیحین میں آیا کہ

بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے دن سے اس گھر کو محترم بنادیا ہے پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے محترم رہے گا۔

اور حضور ﷺ سے کہیں بھی یہ مروی نہیں ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کے بنانے سے پہلے تعمیر شدہ تھا (یا کبھی تعمیر ہوا تھا) اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بنا ہوا تھا انھوں نے آیت سے یوں استدلال کیا ہے مکان البیت (حج ۲۶) یعنی اس کا مطلب ہے پہلے سے وہاں بیت یعنی عمارت تھی، (اس جگہ حضرت ابراہیم نے دوسری عمارت اٹھائی لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے وہاں بیت یعنی عمارت کی جگہ پہلے سے مقرر تھی اور جگہ بنی ہوئی نہ تھی بلکہ باقی جگہ سے کچھ ابھری ہوئی اور ظاہر تھی) اور آیت میں جو ہے مکان البیت اس سے مراد ہے کہ اللہ کے علم اور ارادے میں وہ جگہ بیت اللہ کے لئے مقرر تھی، اور حضرت آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام تک تمام کے نزدیک وہ جگہ مبارک اور عظمت والی مسلم تھی۔ (بعد میں عمارت بننے کے بعد اور مرتبہ وشرف بڑھ گیا)۔

(۱) سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴ تا ۱۲۹

اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس جگہ پر ایک قبہ سا بنایا تھا اور فرشتوں نے ان کو کہا تھا ہم آپ سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں اور کشتی نوح نے بھی تقریباً چالیس دن اس کے گرد طواف کیا تھا، لیکن یہ سب خبریں بنی اسرائیل سے مروی ہیں اور ان کے متعلق کہا جا چکا ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جائے، نہ تکذیب لہٰذا ان سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں ہے، ہاں اگر حق بات یعنی قرآن وحدیث ان کی تردید کریں تو وہ ضرور مردود اور جھوٹی بات ہوں گی۔

تعمیر کعبۃ اللہ کا کچھ تذکرہ:......فرمان باری ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے (اور وہ جہاں والوں کے لئے بابرکت اور ہدایت ہے۔ (سورۂ آل عمران ۹۶)

یعنی عام لوگوں کی ہدایت و برکت کے واسطے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ مکہ میں ہے اور ایک قول ہے کہ بکۃ سے مراد محل کعبہ ہے۔

آگے فرمایا اس میں کھلی نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے یعنی اس بات پر کہ وہ حضرت ابراہیم کا تعمیر شدہ گھر ہے، اس پر کھلی نشانیاں ہیں ان میں سے مقام ابراہیم بھی ہے، مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی دیواروں کو بلند کیا تھا اور پہلے نیچے کھڑے ہو کر تعمیر فرما رہے تھے جب دیواریں بلند ہونا شروع ہوئیں تو اس کا سہارا لیا تھا اور یہ پتھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے لا کر رکھا تھا تا کہ اس پر چڑھ کر عمارت کو مزید اٹھائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں اسی طرح مذکور ہے پھر یہ پتھر اس زمانے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک کعبے کی دیوار کے ساتھ چپکا رہا پھر حضرت عمر نے اس کو تھوڑا وہاں سے دور کر دیا تا کہ طواف کے وقت رکاوٹ نہ ہو۔

اور ایسے کئی کاموں میں اللہ عزوجل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی موافقت اور تائید فرمائی ہے ایک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر ہم مقام ابراہیم پر نماز کی جگہ بنالیں (تو اچھا ہو جائے) لیکن حضور ﷺ خاموش رہے پھر اللہ عزوجل نے قرآن میں نازل فرمادیا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔ (سورۂ بقرہ ۱۲۵)

الغرض اس مقام ابراہیم میں پتھر پر اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانات قدم اول اسلام سے اب تک موجود ہیں جناب ابی طالب اپنے قصیدہ لامیہ میں اس کے متعلق کچھ اشعار فرماتے ہیں ایک شعر یہ ہے۔

وثور ومن ارسى ثبيراً مكانه
وراق لبر في حراء ونازل
وبالبيت حق البيت من بطن مكة
وبالله ان الله ليس بغافل
وبالحجر المسود إذ يمسحونه
اذا اكتفوه بالضحى والاصائل
وموطى ابراهيم في الصخر رطبة
على قدميه حافيا غير ناعل

اور حضرت ابراہیم کے نشانات قدم پتھر میں تر و تازہ اور ظاہر ہیں اور بغیر جوتے کے ننگے ہیں۔

یعنی خلیل اللہ کے قدم مبارک پتھر میں کچھ گڑ گئے تھے اور وہ بغیر جوتے کے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے، اور ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے لگے (تو زبان سے ان کے یہ کلمات جاری تھے) ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرمالے بے شک آپ سننے (اور) جاننے والے ہیں۔[1]

(۱) سورۂ بقرہ ۱۲۷۔

اس سے دونوں بزرگوں کا انتہائی اخلاص اور اللہ عزوجل کی اطاعت وخوشنودی کو طلب کرنا بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جانفشانی کے ساتھ کام میں لگے ہوئے سوال کرر ہے ہیں کہ ہماری اس محنت وسعی کو مشکور ومقبول فرمالے، پھر آگے بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں۔

ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے اپنی فرماں بردار جماعت (بنالے) اور ہم کو ہمارے عبادت کرنے کے طریقے بتادے اور ہم پر توجہ فرما، بے شک آپ توجہ فرمانے والے (اور) مہربان ہیں۔

الحاصل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے عظیم واشرف مسجد بنائی اور زمین کے سب سے اشرف ٹکڑے پر بنائی اور وہ بھی بے آب وگیاہ ویران صحرا میں پھر اپنے اہل کے لئے وہاں برکت کی دعا کی اور دنیاوی رزق حلال کی بھی کہ اللہ ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما، (کیونکہ یہ) زمین پانی درختوں پھلوں اور کھیتوں سے بالکل خالی تھی (تو پھلوں سے رزق عطا فرمانا اے اللہ یہ آپ کی کمال قدرت اور شان خدائی کا مظہر ہوگا جس کی بناء پر وہ تیرا شکر بجالائیں م) اور یہ بھی درخواست کی کہ اس علاقے کو محترم حرم (آنگن) بنادے اور امن وامان کا گہوارہ بنادے۔

پھر اللہ نے اپنے دوست کی درخواست والتجا کو قبول فرمایا، بے شک اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں پکارنے والوں کا فریادرس ہے، جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو قبول فرمایا اور ان کی طلب کو پورا فرمایا اور قرآن میں بھی اعلان کردیا۔

کیا لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنادیا جبکہ لوگ اپنے آس پاس سے اُٹھتے چلے جاتے ہیں۔ (سورۂ عنکبوت۔۶۷)

اور فرمایا کیا ہم نے ان کو حرم امن کی جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر چیز سے پھلوں (کی وافر مقدار) آتی ہے جو ہماری طرف سے (ان کا) رزق ہے، سورۂ قصص ۵۷ان دعاؤں کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت بڑی اور پیاری دعا بھی فرمائی کہ اللہ عزوجل ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج دے جو انہی کی زبان کا ہو یعنی فصیح بلیغ عرب سے ہو، تاکہ اس طرح ان پر دین ودنیا دونوں عالم کی نعمتیں پوری ہوجائیں۔

اور اللہ بزرگ وبرتر نے اپنے دوست کی یہ خواہش اور مراد بھی پوری فرمادی اور ایک رسول ان میں یعنی مکہ والوں میں بھیج دیا اور وہ کون سا رسول ہے؟

وہ جس کے ساتھ اللہ نے انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ ختم فرمادیا، اور اس کو وہ دین، مکمل طور پر عطا فرمادیا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں عطا کیا گیا، اور اس عظیم رسول کی دعوت پوری روئے زمین والوں کے لئے عام کردی خواہ وہ کسی زبان کے ہوں کسی علاقے کے ہوں کسی بھی صفات کے حامل ہوں قیامت تک تمام شہروں علاقوں اور تمام اطراف میں ان کی نبوت رکھ دی گئی، اور یہ اس عظیم پیغمبر کی تمام پیغمبر ورسل کے درمیان خاصیت تھی، کیونکہ اس میں بہت سے شرف واعزاز اکٹھے ہوگئے تھے ان کی ذات کا شرف ومرتبہ ان کے ساتھ بھیجی گئی چیز کی بلندی وکمال یعنی قرآن مقدس، اس کی زبان تمام روئے زمین کی سرداران کی فصیح وبلیغ زبان (تمام زبانوں کی ماں) اور اس عظیم پیغمبر کی اپنی گناہ گار امت پر انتہائی نرمی وشفقت لطف ورحمت اور ان کے ماں باپ بھی عظیم ان کی جائے پیدائش بھی عظیم۔

اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی تو اللہ نے بھی ان کی اولاد میں اس عظیم رسول یعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمادیا اور اس طرح حضرت ابراہیم کا آسمان والے کعبے بیت المعمور کے گرد طواف کرنے والوں میں بھی بڑا اونچا اور عظیم الشان مرتبہ ہے اور بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کے لئے کعبۃ اللہ ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اس میں عبادت کرتے ہیں اور پھر قیامت تک ان میں سے کسی کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کی صفات ہم اپنی تفسیر میں سورۂ بقرہ کے تحت کرچکے ہیں اور اس کے متعلق احادیث و اقوال سلف بھی ذکر کیے ہیں، انہیں دیکھنے کا جس کا ارادہ ہو وہاں رجوع فرمالیں اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور انہی میں حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کو اپنے گھر کو بنانے کا حکم فرمایا تو ان کو پتہ نہ چلا کہ اس کی جگہ کون سی ہے؟ حتیٰ کہ اللہ نے ہوا بھیجی جس کو خجوج کہا جاتا ہے اس کے دو پر تھے اور سر تھا اور وہ سانپ کی شکل میں تھی اس نے کعبے کی اردگرد جگہ کو صاف کردیا اور پہلی بنیادیں ظاہر کردیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام نے وہاں کھدائی کی حتیٰ کہ بنیادیں رکھدیں اور اس وقت اللہ نے فرمایا تھا۔

واذبوأنا لابراهيم مكان البيت

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا ٹھکانہ دیا (یعنی وہ جگہ بتائی، حج ۲۶) پھر جب بنیادیں اٹھ چکیں اور رکن بنانے لگے تو حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا اے میرے بیٹے کوئی عمدہ حسین پتھر لاؤ جس کو میں یہاں رکھوں حضرت اسماعیل علیہ السلام (کام کر کے بہت تھک چکے تھے عرض کیا) میں مشقت کی وجہ سے ست ہو چکا ہوں تو باپ نے فرمایا چلو میں اس کا بندوبست کرتا ہوں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام ہند سے حجر اسود لے کر آئے جو اس وقت اسود نہیں تھا بلکہ سفید یاقوت تھا اور انتہائی سخت سفید تھا ثغامہ کی گھاس کی طرح اور حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر اس کو اترے تھے اور اب یہ لوگوں کی خطاؤں کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہے اتنے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام دوسرا پتھر لائے تو باپ کے پاس یہ پتھر رکھا پایا پوچھا اے ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟ فرمایا اس کو تجھ سے زیادہ چست شخص لایا ہے تو اس کو تعمیر کرتے ہوئے دونوں حضرات یہ دعا مانگ رہے تھے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (بقرہ ۱۲۷)

ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت) کو قبول فرمالیجئے بے شک آپ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ کعبۃ اللہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔

(اور وہ یہ ہیں حرا طور، زیتا، جبل، لبنان، طور سینا۔م)

آگے فرمایا کہ اس وقت ذوالقرنین زمین کے بادشاہ تھے وہ ان کے پاس سے گزرے اور یہ تعمیر میں معروف تھے پوچھا کس نے تم کو اس کا حکم کیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے ہم کو اس کا حکم فرمایا ہے پوچھا تمہاری بات کی مجھے تصدیق کون کرے گا؟ تو پانچ مینڈھوں نے گواہی دی کہ اللہ نے ہی ان کو اس کا حکم فرمایا ہے تو ذوالقرنین ایمان لے آئے اور تصدیق کر دی۔

اورازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف بھی کیا اور پھر عرصہ دراز تک بیت اللہ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر پر برقرار رہا پھر قریش نے اس کی نئی تعمیر کی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے جانب شمال جو شام کی طرف ہے، کم کر دیا۔

صحیحین میں [۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہ کو) فرمایا کیا تو نہیں دیکھتی کہ تیری قوم نے جب کعبہ کو بنایا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے اسے گھٹا دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ، ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کو کیوں نہیں لوٹا دیتے؟ فرمایا اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو کر دیتا، اور ایک روایت میں اگر تیری قوم زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی، یا فرمایا کفر کے قریب نہ ہوتی تو میں کعبۃ اللہ کے خزانے کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالتا اور اس کا دروازہ زمین کے برابر کر دیتا اور حجر اس میں داخل کر دیتا۔

بعد میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسی طریقے پر کعبہ کو بنایا تھا جیسا حضور ﷺ کی خواہش تھی جس کی خبر ان کو ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دی تھی، پھر جب حجاج نے تہتر ہجری میں ان کو شہید کر ڈالا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کو یہ لکھا یعنی بناء کعبہ کے متعلق لکھا تو انھوں نے خیال کیا کہ یہ تعمیر اس طرح سے ابن الزبیر نے اپنی طرف سے کی ہے لہذا اس کو واپس اپنی پہلی حالت پر لوٹانے کا حکم کر دیا تو پھر دوبارہ شامی دیوار کو توڑ دیا اور پتھر اس سے نکال دیا گیا اور دیوار بند کر دی اور کعبہ کے اندر پتھر بھر دیئے اور باب شرقی بلند کر دیا اور غربی بالکل بند کر دیا جیسے کہ آج تک اسی طرح نظر آتا ہے۔

پھر جب حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے بارے میں عبدالملک بن مروان والوں کو اطلاع ملی کہ ان کو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا اور حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق یہ کام تھا تو یہ لوگ بھی اپنے کیئے پر سخت نادم ہوئے اور افسوس کیا کہ کاش اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیتے تو بہتر ہوتا۔

پھر جب مہدی بن منصور کا زمانہ خلافت آیا تو انھوں نے حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ کعبۃ اللہ کو حضرت عبداللہ ابن الزبیر کی تعمیر کردہ صورت پر لوٹا دیا جائے تو کیسا ہے؟ حضرت امام مالک بن انس نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ ملوک (خلفاء) اس کو کھیل بنالیں گے یعنی جب کوئی بادشاہ آئے گا تو اپنے خیال کے مطابق اس کو بنائے گا، لہذا امام نے اس کو اسی حالت پر برقرار رہنے دیا جس پر آج تک ہے (اور اب پندرہویں صدی ہجری تک بھی اسی صفت پر ہے)۔

---

(۱) من حدیث مالک عن ابن شہاب، عن سالم، ان عبداللہ بن محمد بن ابی بکر اخبر عن ابن عمر عن عائشۃ ...... الخ

اللہ عزوجل کا اپنے بندے اور رسول اور دوست کی تعریف فرمانا

فرمان باری تعالیٰ ہے: اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے پروردگار نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو ابراہیم نے ان کو پورا کر دیا (پروردگار نے) فرمایا: میں تجھ کو لوگوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام نے) عرض کیا: اور میری اولاد سے؟ فرمایا میرا وعدہ ظالمین کو نہیں شامل ہوسکتا۔ [1]

جب حضرت ابراہیم نے اپنے پروردگار کے امتحانوں اور احکام کو احسن طریقہ سے پورا فرمادیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایسا مقتدا و پیشوا بنادیا جس کی اقتداء کی جائے اور اس کی ہدایت کی فرماں برداری کی جائے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ یہ منصب امامت واقتداء اس کی اولاد میں باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمالی اور منصب امامت پر ان کو اور ان کی آنے والی ہستیوں کو فائز فرمادیا مگر اس نعمت عظمیٰ سے ظالم لوگوں کو علیحدہ کر دیا اور صرف ان کی عالم باعمل قسم کی اولاد کو اس شرف و مرتبت کے لئے چن لیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کر دیے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو باقی رکھا اور اس کو اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا، اور بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہوگا [2] دوسری جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد سے داؤد وسلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، اور ہارون کو (ہدایت دی) اور اسی طرح ہم محسنین کو بدلہ دیتے ہیں اور ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس ہر ایک صالحین میں سے تھے، اور اسماعیل یسع، یونس اور لوط اور ہم نے ہر ایک کو جہاں والوں پر فضیلت دی، اور ان کے باپوں اور اولاد اور بھائیوں سے اور ان کو ہم نے قبول کیا اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دی۔ [3]

اور نوح کے بعد جو پیغمبر آیا سب اس کی اولاد سے آئے ...... اور آگے اکثر انبیاء کو ذکر فرمایا ہے تو اس کی اولاد میں اس سے کون مراد ہے؟

اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور قول مشہور یہی ہے اور لوط اگر چہ آپ کی اولاد میں سے نہیں لیکن بھتیجے تو ہیں اس لئے ان کے ساتھ (تغلیبا) ان کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار کر دیا گیا اور جو اس ضمیر کو حضرت نوح کی طرف لوٹاتے ہیں ان کی دلیل یہی ہے کہ حضرت لوط کا بھی اولاد میں ذکر ہے، جس کا جواب ہم نے دیدیا، واللہ اعلم۔

اور ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں فرمایا:

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (رسول بنا کر) بھیجا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ [4]

لہٰذا جو بھی آسمانی کتاب نازل کی گئی کسی بھی پیغمبر پر، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور آپ کی اولاد میں سے ہی کسی پیغمبر پر نازل ہوئی، اور یہ ایسی نعمت عظمیٰ کا خلعت ہے اللہ نے ان کو دیا ہے جس کے آگے تمام نعمتیں ہیچ ہیں اور ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے جس کا مقابلہ ممکن نہیں، اور یہ یوں ہوا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت سے دو عظیم صالح لڑکے عطا فرمائے، اسماعیل علیہ السلام ہاجرہ سے پھر اسحاق سارہ سے اور آگے اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور انہی کا لقب اسرائیل ہے اور انہی میں سے انبیاء کے اکثر تمام گروہ ہیں۔

ان میں نبوت بھی چلی اور بہت چلی، حتیٰ کہ ان کے انبیاء کی صحیح تعداد کوئی نہیں جانتا سوائے اس ذات کے جس نے ان انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کو رسالت و نبوت کے ساتھ خصوصیت مرحمت فرمائی یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہنچ کر ختم ہوگیا۔

اور دوسری طرف حضرت اسماعیل ہیں ان کی اولاد میں عرب کی مختلف جماعتیں ہی پیدا ہوئیں جن کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا اور ان میں سے کوئی نبی نہیں ہوا سوائے ایک نبی کے جنہوں نے آکر تمام انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا اور وہ آدم کی تمام اولاد کے سردار بنے اور دنیا و آخرت میں بنی آدم کے لئے سرمایہ افتخار ثابت ہوئے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ ۱۲۴۔ (۲) العنکبوت ۲۷۔ (۳) الانعام ۸۴ تا ۸۷ (۴) سورہ حدید ۲۶

یعنی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قریشی۔
حضور ﷺ پہلے مکی ہیں پھر مدنی، صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔
تو حضرت اسماعیل کی پشت میں پوری شاخ کے اندر سوائے اس عظیم خزانے اور قیمتی موتی اور بیش قیمت ہار کے اور کوئی نہیں آیا، اور یہی تمام گروہوں، جماعتوں کے سردار ہیں جن پر قیامت کے روز اولین وآخرین سب کے سب رشک کرتے ہوں گے حضور ﷺ سے صحیح مسلم میں مروی ہے آپ نے فرمایا۔
میں (قیامت کے روز) ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا جس کی طرف تمام مخلوق رشک کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔
پھر حضور ﷺ نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب تعریف فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ ﷺ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور وہ بھی دونوں جہاں میں، اس عالم فانی میں بھی اور جس دن خداوند عالم جل جلالہ ظاہر ہوگی اس دن بھی۔
[1] بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے جگر گوشوں یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو ایک تعوذ سکھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے والد (ابراہیم علیہ السلام بھی) ان کے ساتھ اسماعیل واسحاق علیہم السلام کو تعوذ بتلاتے تھے وہ یہ ہے:

اعوذ بکلمات اللّٰہ التامة، من کل شیطان وھامة، ومن کل عین لامة

میں اللہ کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، ہر شیطان اور وسوسے ڈالنے والے سے اور ہر بدنگاہ سے۔
اہل السنن نے اس کو منصور کی حدیث سے روایت فرمایا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
اور جب ابراہیم علیہ السلام نے (خدا سے) کہا اے پروردگار مجھے دکھائیں کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ فرمائیں گے؟ فرمایا! کیا تو (اس بات پر) یقین نہیں رکھتا؟ عرض کیا کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا چاہتا ہوں) تاکہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرے (خدا نے) فرمایا چار پرندے اپنے پاس لے لو (پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرو) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے، اور جان رکھو کہ خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔ (البقرہ:۲۶)
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال بارگاہ الٰہی میں کیوں پیش کیا مفسرین کی طرف سے اس کے کئی اسباب ذکر کیے گئے ہیں جن کو ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور مکمل کلام کے ساتھ ان کو ثابت واضح کر دیا ہے اور حاصل یہ ہے کہ اللہ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا اور چار پرندے لینے کا حکم فرمایا وہ پرندے کون کون سے ہیں ان کے بارے میں تعیین میں اختلاف ہے کئی اقوال ذکر کیے گئے ہیں، اور ہر صورت میں مقصود سب سے حاصل ہو جاتا ہے پھر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اور ان کے پروں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم فرمایا پھر بلانے کا فرمایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح ان کو بلایا تو ہر پرندے کا عضو اس پرندے کے ساتھ آکر مل گیا حتیٰ کہ ہر پر اپنے دوسرے پر کے ساتھ مل کر اپنے پرندے کے ساتھ جڑ گیا الغرض سب پرندوں کا جسم بالکل پہلی حالت پر آ گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دوران خدا کی قدرت کا مشاہدہ فرماتے رہے جس قدرت کا مطلب ہے کہ اللہ جس چیز کو کن یعنی ہو جا فرما دیتے ہیں وہ فوراً ہو جاتی ہے۔
اور غور کا مقام ہے کہ وہ پرندے سب کے سب دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آئے نہ کہ اڑا کرتا کہ حضرت ابراہیم ان کی حالت کو اچھی طرح ملاحظہ و مشاہدہ کر لیں، اور ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ صرف ان کے سر اپنے پاس ہاتھ میں محفوظ رکھیں جس سے ہر پرندے کا جسم بغیر سر کے حضرت ابراہیم کے پاس پہنچا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پرندے کا سر اس پر ڈالتے تو وہ سر اس کے ساتھ بالکل پہلی

---

(۱) وقال البخاری: حدثنا عثمان بن ابی شیبه، حدثنا جریر، عن منصور، عن المنهال، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم

طرح مل جاتا، بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یہ سب کچھ کرنے والا ہے اور بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی قدرت کو مردوں کے زندہ کرنے پر خوب یقین کے ساتھ جانتے تھے جس میں کوئی شک نہ تھا لیکن انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کو پسند فرمایا تا کہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کریں لہذا اللہ نے ان کو قبول فرمایا اور ان کی خواہش پوری فرمادی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:...... اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ توراۃ وانجیل ان کے بعد اتری ہیں (اور وہ پہلے گزر چکے ہیں) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے، دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، اور ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک ہی (خدا) کے پیروکار تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، ابراہیم علیہ السلام سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزمان) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور خدا مومنوں کا کارساز ہے۔ (۱)

اور اللہ جل شانہ نے یہود ونصاریٰ کے ہر ایک دعویٰ کو رد فرمایا، ان کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان سے بری کر دیا اور ان کی کثرت جہالت اور کم عقلی کو اس طرح بیان فرمایا (ترجمہ) کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ اور انجیل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمایا۔ (۲) تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے دین پر ہوں، اور تمہیں تو تمہاری شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کافی مدت کے بعد دی گئی (اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ افلا تعقلون کیا تم عقل نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرمادیا:

ترجمہ:...... اور ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے پیروکار تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ (۳) (اس کے باوجود یہود ونصاریٰ کا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے یہ تو پرلے درجے کی بے وقوفی ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمایا کہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اللہ کے دین حنیف پر تھے، دین حنیف کہتے ہیں جس سے مقصود اخلاص ہو اور جان بوجھ کر باطل سے حق کی طرف انحراف کیا جائے اور یہ (دین حنیف) یہودی، عیسائی، اور مشرکین کے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔

اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا (ترجمہ) اور ابراہیم علیہ السلام کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے جو نہایت نادان (بے وقوف) ہو، ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرہ) صلحاء میں ہوں گے، جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں، اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا خدا نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی (ہونے کی حالت میں) مرنا، بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور جو وہ عمل کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ (اے پیغمبران سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم علیہ السلام (اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک ہی خدا کے ماننے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی جانب سے ملیں

(۱) سورہ آل عمران آیت ۶۵ تا ۶۸۔ (۲) سورہ آل عمران آیت ۶۵۔ (۳) سورۃ آل عمران آیت ۶۷

ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں، تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمہیں خدا کافی ہے اور وہ سننے (والا) اور جاننے والا ہے (کہدو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں (ان سے) کہو کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ دے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور ہم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں، (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے (اے محمد ﷺ ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جو خدا کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کررہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے یہ جماعت گزر چکی، ان کو وہ (ملے گا) جو انھوں نے کیا، اور تم کو وہ جو تم نے کیا، اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔ [1]

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو یہودیت اور نصرانیت دونوں سے منزہ و مبرا اور بالکل جدا قرار دیدیا اور صراحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ وہ یکسو مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے اسی وجہ سے فرمایا۔

بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ ابراہیم کے قریب وہ ہیں جو اس کی اتباع کریں۔ [2] یعنی وہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت مستقیم کو تھامے ہوئے ہیں خواہ ان کے زمانے میں ہوں یا ان کے بعد ایسے لوگ حضرت ابراہیم کے ساتھ ہیں اور ان میں خاص طور پر قابل ذکر جس کے بارے میں خود قرآن نے گزشتہ آیت کے ساتھ فرمایا وھذا النبی یعنی محمد ﷺ کے لئے بھی اللہ نے وہی دین مشروع و مقرر فرمایا جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم کے لئے فرمایا تھا بلکہ اللہ نے حضور ﷺ کے ہاتھوں پر اس کو مزید اضافے اور زیادتی کے ساتھ مکمل فرمادیا اور حضور ﷺ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو اور کسی نبی یا رسول کو نہیں دیا گیا جیسے اللہ نے فرمایا: کہہ دیجئے (اے پیغمبر) کہ میرے پروردگار نے مجھے سیدھا رستہ دکھادیا ہے یعنی دین حق، موحد ابراہیم کا مذہب ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔ [3]

اور ایک جگہ فرمایا بے شک ابراہیم پیشوا اور خدا کے فرماں بردار تھے اور ایک طرف تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے خدا نے ان کو برگزیدہ بنایا تھا اور سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ [4]

صحیح بخاری شریف [5] میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے حتیٰ کہ تصویروں کے مٹانے کا حکم فرمایا پھر وہ مٹادی گئیں اور حضور ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین نے کعبۃ اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں تقسیم کے تیر (دے کر تصویریں بنارکھی) ہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ ان پر لعنت کرے حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے کبھی تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔ [6]

(حدیث میں استقسام بالازلام کے الفاظ ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جب کوئی جانور ذبح کرتے تو کئی حصے دار ہو جاتے پھر کئی تیر پہلے سے وہ کعبۃ اللہ میں رکھتے تھے ہر ایک کا جدا جدا نام تھا اور کسی تیر پر زیادہ حصے تھے کس پر کم حصے تھے اور کسی پر کچھ حصہ نہ ہوتا تھا، مشرکین ان تیروں کو لے کر ایک تھیلے میں ڈال لیتے تھے پھر حصہ داروں میں سے ہر ایک کے نام پر ایک ایک تیر نکالتے تھے جس کے نام کے ساتھ زیادہ حصوں والا تیر

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۳۰۔۱۴۱ (۲) آل عمران ۶۸۔ (۳) انعام ۱۶۱ تا ۱۶۳۔ (۴) نحل ۱۲۰ تا ۱۲۳

(۵) وقال البخاری حدثنا ابراهیم بن موسیٰ، حدثنا هشام، عن معمر، عن ایوب، عن عکرمه عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم ...... الخ (۶) ولم یخرجه مسلم

نکلتا وہ بہت سعادت مند سمجھا جاتا حتیٰ کہ جس کے نام پر ایسا تیر نکلتا جس کا کوئی حصہ نہ ہوتا تو وہ شخص منحوس سمجھا جاتا اور پھر اس کو دوسرے ساتھی لعن طعن کرتے تھے اور اس بدعت وشرک کی مشرکین کے ہاں بڑی وقعت تھی، اس لئے انھوں نے کعبۃ اللہ میں بھی نعوذ باللہ ابراہیم واسماعیل کی تصویروں میں یہ تیر پکڑا رکھے تھے تو اس کے بارے میں حضور ﷺ نے درج بالا کلمات فرما کر ان کی تردید کردی۔م)

اور بخاری کے بعض الفاظ یوں ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا۔

اللہ ان پر لعنت کرے، وہ اچھی طرح جانتے بھی ہیں کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم واسماعیل علیہ السلام) نے کبھی تیروں کے ساتھ یہ تقسیم نہیں کی۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق توصیفی کلمات فرمائے کہ:

ان ابراھیم کان امة قانتا للّٰہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمه اجتبه

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق امت کا لفظ فرمایا جس سے مراد ہے پیشوا وامام، ہدایت یافتہ بھلائی وخیر کا داعی، جس کے نقش قدم پر چلا جائے قانتاللہ یعنی اپنے تمام حالات حرکات وسکنات میں اللہ عزوجل کے آگے عاجزی وانکساری کرنے والا حنیفا یعنی حکمت وبصیرت پر مخلص، ولم یک من المشرکین شاکرا لا نعمه۔ یعنی اپنے تمام اعضاء وجوارح دل وزبان اور اعمال کے ساتھ اپنے پروردگار کے شکر میں مستغرق وقائم اجتبه یعنی اللہ عزوجل نے ان کو اپنی ذات اور اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔ (۱)

اور ان کو اپنا دوست بنالیا ہے اور ان کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائیاں رکھ دی ہیں۔

ایک دوسری جگہ اللہ عزوجل اپنے دوست کی تعریف دوستی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔فرمایا

ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه للّٰہ وھو محسن واتبع ملة ابراھیم حنیفا واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلاً (۲)

اور دین کے اعتبار سے اس شخص سے کون اچھا ہوگا جس نے اللہ کے لئے اپنے چہرے (یعنی پوری ذات) کو تابع کردیا اور وہ احسان کرنے والا ہے اور اس نے یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی اتباع کی، اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کی ترغیب دے رہے ہیں کیونکہ وہ دین مضبوط اور صراط مستقیم پر گامزن تھے اور اپنے پروردگار کے تمام احکام پر کاربند تھے خود اللہ نے تائید وتصدیق فرمائی، فرمایا: **وابراھیم الذی وفی**۔ (۳) اور ابراہیم نے (اپنے پروردگار کے احکام کو پورا) پورا ادا کیا۔

پچھلی آیت میں اللہ نے خود ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا ہے اور خلیل کا لفظ استعمال فرمایا جس کے معنی ہیں انتہائی گہری محبت، جیسے کسی کہنے والے نے کہا۔

قدتخللت مسلک الروح منوبذا سمی الخلیل خلیلاً

(اے محبوب) تو میری روح کے راستے (میں گہرائی کے اندر) داخل ہو چکا ہے اور اسی وجہ خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کا نام خلیل رکھا گیا۔

اسی طرح رفاقت ومحبت اور دوستی کا یہ مرتبہ کہیں بڑھ کر خاتم الانبیاء، سید الرسل محمد ﷺ نے بھی اللہ کے ہاں پایا چنانچہ صحیحین وغیرہ میں جندب البجلی اور عبداللہ بن عمرو اور ابن مسعود رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

بے شک اللہ نے مجھ کو دوست بنالیا ہے۔

اور ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں اللہ کے دوست حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو: اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

لیکن (تمہیں مبارک ہو کہ میں) تمہارا ساتھی اللہ کا دوست ہوں۔

شیخین نے ابی سعد کی حدیث سے اس کو تخریج فرمایا ہے۔

---

(۱) سورہ نحل ۱۲۰۔۱۲۱ (۲) سورۃ النساء ۱۲۵۔ (۳) سورہ نجم ۳۷۔

[1] اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں تخریج فرمایا ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو اہل یمن کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں یہ قرأت کی

واتخذاللہ ابراھیم خلیلا

تو مجمع میں سے ایک شخص نے کہا بے شک ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں ہیں۔

[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھی بیٹھے تھے اور آپ کا انتظار کر رہے تھے، تو حضور ﷺ تشریف لائے، جب قریب پہنچے تو اپنے اصحاب کو آپس میں باتیں کرتے سنا ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے اپنا دوست منتخب فرمایا اور وہ حضرت ابراہیم اللہ کے دوست ہیں، دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب انگیز کیا بات ہوگی کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (بلاواسطہ) کلام کیا، ایک اور نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کی نشانی ہیں، ایک نے کہا اللہ نے آدم علیہ السلام کو چنا ہے اور منتخب فرمایا ہے۔

یہ سن کر حضور ﷺ بھی ان کے پاس پہنچے اور فرمایا میں نے تمہاری آپس کی گفتگو سن لی ہے کہ کہیں تعجب ہے کہ ابراہیم اللہ کے دوست ہو گئے اور حقیقت یہی ہے، اور موسیٰ اللہ سے سرگوشی کرنے والے ہیں اور یہ حقیقت ہے اور عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کی نشانی ہیں اور یہ حقیقت ہے، اور آدم کو اللہ نے چنا ہے اور یہ حقیقت ہے۔

اور تم آگاہ رہو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں اور (مجھے) اس پر کوئی فخر نہیں، اور آگاہ رہو میں سب سے پہلے سفارش کروں گا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی اور (مجھے اس پر بھی) کوئی فخر نہیں، اور میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کے دروازے کے حلقے کو حرکت دے گا جس سے اللہ دروازہ کھول دے گا پھر اللہ عزوجل مجھے داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ پہلے مومن فقراء ہوں گے اور قیامت کے روز میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن دوسری حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی دوسرے شواہد ہیں، واللہ اعلم۔

(حضور ﷺ نے اپنے لئے حبیب کا درجہ فرمایا اور جنت میں سب سے بڑا درجہ بھی محبت کا ہوگا، حبیب کا رتبہ دیکھیں کس قدر بلند ہے کہ ابراہیم دوست تو خود دعا کرتے ہیں والذی اطمع ان یغفرلی (حضرت ابراہیم فرماتے ہیں اللہ) وہ ہے جس سے میں اپنی مغفرت کی طلب رکھتا ہوں، اور محبوب محمد ﷺ کے بارے میں خود اللہ نے فرمایا کہ

لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر

تا کہ اللہ آپ کے اگلے پچھلوں گناہوں کی بخشش کردے۔

(اور ویسے بھی دوست سے بڑھ کر محبوب ہوتا ہے دنیا کا عام مشاہدہ ہے۔م)

اور امام حاکم اپنی مستدرک میں قتادہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ عکرمہ سے اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔

کیا تم اللہ سے ابراہیم کی دوستی کا انکار کرتے ہو؟ کیا موسیٰ سے راز و نیاز کا انکار کرتے ہو اور کیا محمد ﷺ سے زیارت خداوندی کا انکار کرتے ہو؟ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں۔[3]

کہ اسحاق بن یسار نے کہا جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنالیا تو ان کے دل میں خوف پیدا ہوگیا، حتیٰ کہ ان کے

---

(۱) وثبت ایضا من حدیث عبداللہ بن الزبیر وابن عباس وابن مسعود و روی البخاری فی صحیحہ حدثنا سلیمان بن حرب، حدثنا شعبۃ، عن حبیب بن ابی ثابت، عن سعید بن جبیر، عن عمرو بن میمون قال ان معاذا

(۲) وقال ابن مردویہ. حدثنا عبدالرحیم بن محمد بن مسلم حدثنا اسماعیل بن احمد بن اسید حدثنا ابراھیم بن یعقوب الجوزجانی بمکۃ، حدثنا عبداللہ الحذفی، حدثنا زمعۃ بن صالح عن سلمۃ بن وھرام عن عکرمہ عن ابن عباس قال ...... الخ

(۳) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا محمود بن خالد السلمی، حدثنا الولید، عن اسحاق بن یسار

دل کی دھڑکنیں دور سے ایسے سنائی دیتی تھیں جیسے فضا میں پرندوں کے پھڑ کنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی مہمان نوازی بہت فرماتے تھے، ایک دن اسی غرض سے کسی کی تلاش میں نکلے لیکن کوئی ایسا نہ ملا جس کی مہمان نوازی کریں تو واپس گھر لوٹے وہاں ایک اجنبی آدمی کو کھڑا پایا، آپ نے پوچھا اے اللہ کے بندے میری اجازت کے بغیر کیسے میرے گھر میں داخل ہوئے؟ اس شخص نے جواب دیا میں اس گھر کے مالک (یعنی پروردگار) کی اجازت سے داخل ہوا ہوں آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں اللہ نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس کو خوشخبری دوں کہ اللہ نے اس کو اپنا دوست منتخب کرلیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (بڑی بے چینی اور محبت وشوق کے عالم میں فوراً) پوچھا وہ کون ہے؟ اللہ کی قسم اگر تو مجھے اس کا پتہ بتادے تو خواہ وہ دنیا کے آخری کنارے میں ہو، میں اس کے پاس پہنچوں گا پھر ہمیشہ کے لئے اس کا پڑوسی بن کر رہوں گا حتیٰ کہ موت آکر ہمارے درمیاں فراق وجدائی کردے۔ اس نے کہا وہ بندے آپ ہی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (انتہائی تعجب سے) پوچھا میں؟ عرض کیا جی ہاں پوچھا وہ کس وجہ سے میرے پروردگار نے مجھ کو اپنا دوست بنایا، عرض کیا اس لئے کہ آپ لوگوں کو عطائیں کرتے ہیں اور کچھ پوچھتے نہیں ہیں، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

الغرض اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کا تذکرہ قرآن میں جابجا فرمایا ہے، کہا گیا ہے کہ ایسی جگہیں ۳۵ ہیں، ان میں سے پندرہ تو صرف سورہ بقرہ میں ہیں اور اس کے علاوہ یہ پانچ اولوالعزم پیغمبران میں سے ایک ہیں جن کو تمام انبیاء میں سے بطور خاص فضیلت عطا فرمائی گئی ہے اور ان کا نام بھی علیحدہ سے واضح طور پر اللہ نے اپنے کلام مقدس میں سورۂ احزاب اور شوریٰ کے اندر ذکر فرمایا ہے سورۂ احزاب میں یوں فرمایا:

ترجمہ: ......اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔

(سورۃ احزاب، آیت ۷)

اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

ترجمہ: ......(اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین شروع کیا جس کی وصیت ہم نے نوح کو کی تھی اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا، اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی کہ دین کو (مضبوطی سے) قائم کرو اور اس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۳)

پھر بہت اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور اکرم ﷺ کے بعد تمام مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔

(انھوں نے دنیا میں اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمایا تو اللہ نے بھی اسی کی مناسبت سے ان کو بھی آسمانوں میں ایسا مقام عطا فرما رکھا ہے م) کہ جب حضور اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ساتویں آسمان پر فرشتوں کے بیت اللہ یعنی بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے استراحت فرما ہیں (سبحان اللہ) وہ بیت معمور جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (اور اس کا طواف کرتے ہیں) لیکن پھر کبھی قیامت تک کسی فرشتے کی دوبارہ طواف کرنے کی باری نہیں آتی۔

شریک بن نمیر کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔

ان کی اس بات پر بہت جرح کی گئی ہے یعنی بات کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتی اور پہلی بات بالکل صحیح ہے۔

[1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں۔

امام احمد اس روایت میں متفرد ہیں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ابراہیم کی افضلیت پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اور میں نے تیسری دعا اس دن کے لئے چھوڑ دی ہے، جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم بھی۔

(۱) وقال احمد، حدثنا محمد بن بشر، لنا محمد بن عمرو، حدثنا ابو سلمة، عن ابی هريرة قال

اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں روز قیامت کو اولاد آدم کا سردار ہوؤں گا اور کوئی فخر نہیں ہے (پھر حضور ﷺ نے لوگوں کے حضرت آدم سے سفارش کرنے کو ذکر فرمایا، پھر نوح سے پھر ابراہیم سے پھر موسیٰ سے پھر عیسیٰ سے، یہاں تک کہ تمام انکار کردیں گے اور آخر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور جیسے ہی سفارش کی درخواست کریں گے حضور فرمائیں گے ہاں میں کروں گا...... الخ اور امام بخاری فرماتے ہیں [۱] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ متقی ہے لوگوں نے عرض کیا ہم اس بارے میں سوال نہیں کررہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا پھر لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے پیغمبر یوسف ہیں جو ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں لوگوں نے پھر عرض کیا ہم اس کے متعلق بھی سوال نہیں کررہے آپ نے پوچھا تو کیا عرب کے قبیلوں کے بارے میں تم سوال کررہے ہو؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا ان میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے (یعنی آگے آگے تھے) وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں (لیکن) جب وہ سمجھدار ہو جائیں گے [۲] اور مسند احمد کتاب میں [۳] حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کچھ فرق کے ساتھ یوں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بے شک کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں، امام احمد اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

[۴] اور بخاری کی کتاب میں بھی اس طرح مگر دوسری سند کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کریم ابن کریم ابن کریم یوسف علیہ السلام بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ [۵]

[۶] بہرحال وہ حدیث جس کو امام احمد نے روایت فرمایا اس کا جواب حدیث کے بعد ذکر کرتے ہیں حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ قیامت کے دن ننگے بدن اٹھائے جائیں گے بس سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

کمابدا أنا اول خلق نعیدہ (الانبیاء: ۱۰۴)

جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدائش کی اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے۔

شیخین نے اس کو صحیحین میں تخریج فرمایا ہے۔ [۷] اس حدیث سے ظاہراً حضرت ابراہیم کے حضور ﷺ پر افضل ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن صرف ایک معین فضیلت اس بات کے لئے کافی نہیں جبکہ پہلے حضور ﷺ کے افضل ہونے کے متعلق کتنے خصائص ذکر کئے جاچکے ہیں جن میں سے ایک مقام محمود بھی ہے جس پر قیامت کے روز اولین وآخرین سب رشک کریں گے۔

اسی طرح مسند احمد میں ایک دوسری حدیث میں۔ [۸] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو کسی شخص نے

---

(۱) حدثنا علی بن عبداللہ، حدثنا یحییٰ بن سعید، حدثنا عبید اللہ، حدثنی سعید عن ابیہ عن ابی ہریرۃ...... الخ

(۲) وھکذا رواہ البخاری فی مواضع اخر و مسلم والنسائی من طرق، عن یحییٰ بن سعید القطان عن عبیداللہ، وھو ابن عمر العمری. بہ، ثم قال البخاری قال ابو اسامہ و معتمر عن عبید اللہ: عن سعید، عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ، قلت و قد اسندہ فی موضع آخر من حدیثہما وحدیث عبیدۃ بن سلیمان، والنسائی من حدیث محمد بن بشر اربعتہم عن عبید اللہ بن عمر، عن سعید، عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ ولم یذکروا اباہ

(۳) وقال احمد حدثنا محمد بن بشر، حدثنا محمد بن عمرو، حدثنا ابو سلمۃ عن ابی ہریرۃ..... الخ

(۴) قال البخاری اخبرنی عبدۃ حدثنا عبدالصمد عن عبدالرحمن بن عبداللہ عن ابیہ، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... الخ۔

(۵) تفرد بہ من طریق عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار، عن ابیہ عن ابن عمر بہ۔

(۶) فاما الحدیث الذی رواہ الامام احمد حدثنا یحییٰ عن سفیان، حدثنی مغیرۃ بن النعمان، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس..... الخ

(۷) من حدیث سفیان الثوری و شعبۃ بن الحجاج، کلاھما عن مغیرۃ بن النعمان النخعی الکوفی، عن سعید بن جبیر عن ابن عباس بہ

(۸) قال الامام احمد حدثنا وکیع و ابو نعیم، حدثنا سفیان، ھو الثوری، عن مختار بن فلفل عن انس بن مالک قال..

مخاطب کرتے ہوئے کہا یا خیر البریۃ ...... اے مخلوق میں سب سے افضل ۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم ہیں، اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔
(۱) اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے والد ماجد یعنی جد امجد کا خیال و پاس فرماتے ہوئے بطور تواضع اور انکسار کے یہ فرمایا تھا، اسی طرح حضور ﷺ نے ایک مقام پر یہ فرمایا مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو، اور ایک مرتبہ فرمایا مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن لوگوں پر (خوف سے) بے ہوشی طاری ہو جائے گی، اور میں سب سے پہلے ہوش و حواس میں آؤں گا، تو موسیٰ کو دیکھوں گا وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش و حواس میں آئے ہیں یا طور پر بے ہوشی کے بدلے ان کو اس بے ہوشی سے نجات مل گئی ہے۔

تو اس طرح کی تمام باتیں حضور صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے تمام سے افضل اور سردار ہونے کے مخالف نہیں ہیں اور آپ ﷺ بے شک قیامت کے دن تمام اولاد آدم کے سردار ہوں گے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ابی بن کعب کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ...... جس دن تمام مخلوق میری طرف (یعنی میرے مرتبہ ومقام پر) رشک کرے گی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

الغرض حاصل یہ نکلا کہ خدائے عزوجل کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضور اکرم محمد ﷺ کا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ، اسی وجہ سے نماز پڑھنے والے کو تشہد (التحیات کی حالت) میں حکم ملا جو صحیحین کی حدیث میں ثابت ہے حضرت کعب بن عجرہ وغیرہ صحابہ کہتے ہیں ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم نے جان لیا لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم
و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم
انک حمید مجید.

تو یہاں بھی حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود بھیجا گیا، یہ حضرت ابراہیم کی ارفع واعلیٰ شان کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام انبیاء کو چھوڑ کر حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی ذکر کیا گیا۔

اسی طرح اللہ نے ان کی تعریف میں فرمایا و ابراھیم الذی وفی اور ابراہیم نے (اپنے رب کے احکام کو پورا) پورا ادا کر دیا، اس کی تفسیر میں علما نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو حکم ملے، انھوں نے سب بحسن وخوبی سرانجام دیدیے، اور ایمان کے تمام شعبے اور خصلتوں پر پوری طرح کاربند رہے۔

اور عظیم الشان اور بڑے بڑے اہم کام سرانجام دینے میں وہ چھوٹے چھوٹے احکام اور ذرا ذرا سی باتوں کے آداب سے بھی غافل نہیں رہتے تھے، اور بڑی مصلحتیں ان کو چھوٹی باتیں سے نہیں بھلاتی تھیں۔

(۲) حضرت ابن عباس اللہ عزوجل کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں فرمان باری ہے۔

و اذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمت فاتمھن (سورہ بقرہ ۱۲۴)

اور جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دیا تو حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو دس چیزوں کی طہارت و پاکیزگی اور نظافت کے ساتھ آزمایا تھا پانچ سر کے متعلق ہیں اور پانچ باقی جسم کے متعلق، سر کے متعلق یہ ہیں، مونچھوں کا کاٹنا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک (کی صفائی رکھنا اور اس میں اچھی طرح) پانی ڈالنا، اور سر میں مانگ نکالنا اور جسم کے متعلق یہ ہیں، ناخنوں کا تراشنا، زیرناف کے بال لینا، ختنہ کرنا، بغل کے بال لینا، پیشاب پاخانے کے بعد پانی کے ساتھ صفائی اور پاکی حاصل کرنا، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے، اور سعید بن مسیب، مجاہد، شعبی، نخعی، ابوصالح، ابوجلد رحمہم اللہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فطری امور پانچ ہیں

(۱) رواہ مسلم من حدیث الثوری و عبداللہ بن ادریس، وعلی بن مسھر، ومحمد بن فضیل اربعتھم عن المختار بن فلفل، وقال الترمذی حسن صحیح (۲) قال عبدالرزاق انبانا معمر، عن ابن طاؤس عن ابیہ، عن ابن عباس ...... الخ

ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا بغل کے بال لینا۔

(۱) اور صحیح مسلم اور سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت (سلیمہ) سے ہیں، مونچھیں کاٹنا، ڈاڑھی کو چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں اچھی طرح پانی ڈالنا (تا کہ خوب صاف ہوجائے) اور ناخنوں کو کاٹنا، اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا بغلوں اور زیر ناف کے بالوں کو لینا، اور پانی سے استنجا کرنا۔

مصعب فرماتے ہیں کہ میں دسواں بھول گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔

وکیع فرماتے ہیں کہ دسواں استنجاء کرنا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اور ان کی ختنہ کے بارے میں ہم عنقریب گفتگو کریں گے۔

اور مذکورہ باتوں سے مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ عزوجل کے لئے اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ عبادات عظیمہ میں منہمک رہتے تھے لیکن اس کے باوجود اپنے بدن کی نظافت اور ستھرائی سے غافل نہ رہتے تھے، بلکہ بدن کے ہر عضو کو صفائی اور عمدگی کے ساتھ رکھتے تھے اور اس کی اصلاح اور تحسین فرماتے تھے، اور جو عیب دار چیزیں اس پر آجاتی ان سے بھی عضو کو چھٹکارا دلاتے، خواہ بالوں کی زیادتی ہو ناخنوں کی یا دانتوں کی یا بدن کا میل کچیل ہو۔

تو مذکورہ باتیں من جملہ عظیم اور بڑی عبادتوں کے اس خدائی فرمان کی تشریح کرتی ہیں اور ابراہیم جس نے پورا ادا کر دیا۔

جنت میں حضرت ابراہیم کے محل کا ذکر:...... (۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک محل ہے، راوی کہتے ہیں کہ شاید حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ موتی کا ہے آگے حضور ﷺ نے فرمایا، اس میں کوئی جوڑ نہیں ہے اور وہ صرف اللہ عزوجل نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے بطور مہمان نوازی کے بنایا ہے۔ (۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلیے مبارک کا ذکر

(۴) مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھ پر انبیاء علیہ السلام کو پیش کیا گیا تو موسیٰ کی مثال دی ایسے لوگوں سے جن پر رشک وحسد کیا جاتا ہو (یعنی ان کے حسن وملاحت کی وجہ سے) اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا، گویا میں نے (اپنے صحابی) عروہ بن مسعود کو دیکھا اور ابراہیم کو دیکھا وہ (میرے صحابی) دحیہ کے مشابہ تھے۔ امام احمد اس کے روایت کرنے میں اور ان الفاظ میں منفرد ہیں اور (۵) مسند احمد میں ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ ابن مریم اور موسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا، عیسیٰ علیہ

(۱) وفی صحیح مسلم و اهل السنن، من حدیث وکیع، عن زکریا ابن ابی زائده، عن مصعب بن شیبه العبدری المکی الحجبی عن طلق بن حبیب العنزی، عن عبدالله بن زبیر عن عائشه قالت ...... الخ

(۲) قال الحافظ ابوبکر البزار، حدثنا احمد بن سنان القطان الواسطی و محمد بن موسیٰ القطان قالا حدثنا یزید بن هارون، حدثنا حماد بن سلمة عن سماک عن عکرمه، عن ابی هریرة

(۳) قال البزار و حدثناه احمد بن جمیل المروزی، حدثنا النضر بن شمیل، حدثنا حماد بن سلمة عن سماک عن عکرمه عن ابی هریره عن النبی صلی الله علیه وسلم بنحوه...... ثم قال و هذا الحدیث لانعلم من رواه عن حماد بن سلمة فاسنده الا یزید بن هارون و النضر بن شمیل، وغیرهما یرویه موقوفا، قلت لولا هذه العلة لکان علی شرط الصحیح، ولم یخرجوه

(۴) قال الامام احمد حدثنا یونس وحجین قالا، حدثنا اللیث، عن ابی الزبیر، عن جابر ......

(۵) وقال احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا اسرائیل، عن عثمان، یعنی ابن المغیرة، عن مجاهد عن ابن عباس

السلام تو سرخ رنگ گھنگھریالے بال اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام کی طرح قد آور اور بڑے جسم والے تھے۔۔۔۔۔ پھر لوگوں نے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام؟ فرمایا اپنے ساتھی کو دیکھ لو (یعنی مجھے)۔

(۹) بخاری میں حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے دجال کا ذکر کیا اور پوچھا کیا اس کی پیشانی پر کافر یا اس کے حروف ک، ف، ر لکھے ہوں گے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے (حضور ﷺ سے) اس کو نہیں سنا ہاں (البتہ کچھ انبیاء کے بارے میں میں نے حضور ﷺ سے ان کا حلیہ سنا ہے کہ) آپ نے فرمایا (ابراہیم (کو دیکھنا ہے) تو اپنے ساتھی کو دیکھ لو (یعنی مجھ کو) اور حضرت موسیٰ گھنگھریالے بالوں والے اور آدم کی طرح قد آور تھے اور گویا میں دیکھ رہا ہوں وہ سرخ اونٹ جس کی مہار کھجور کی ہے اس پر سوار ہو کر وادی میں اتر رہے ہیں۔[۲]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے متعلق اقوال

ابن جریر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ نمرود بن کنعان کے زمانے میں ہوئی اور یہ نمرود ایک قول کے مطابق مشہور بادشاہ ضحاک ہی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے اس نے ہزار سال بادشاہی کی، اور یہ انتہائی جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔

اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ بنی راسب قبیلے کی اولاد میں سے تھا جن کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

ایک مرتبہ اس کی بادشاہت کے زمانے میں ایک ستارہ طلوع ہوا جس کی روشنی اور چمک دمک سورج چاند سے کچھ ہی کم تھی تو اس سے اہل زمانہ نمرود سمیت سب گھبرا اٹھے۔

نمرود نے نجومیوں اور کاہنوں کو اکٹھا کیا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا، تو انھوں نے کہا تیری رعیت میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور تیری سلطنت کا زوال اسی کے ہاتھوں سے ہوگا، نمرود نے یہ خبر سن کر عام حکم جاری کر دیا کہ کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ جائے، اور ابھی سے جو بھی لڑکے پیدا ہوں وہ تمام قتل کیے جاتے رہیں۔

تو ان تمام بندشوں اور رکاوٹوں کے باوجود اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنم لیا، پھر اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور کافروں کے پنجے سے ان کو محفوظ رکھا حتی کہ بھرپور جوانی کو پہنچ گئے، اور اللہ نے بہت عمدہ طریقے سے اور بہت جلد ان کی نشو ونما فرمائی، جیسے کہ گزر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش:۔۔۔۔۔ ان کی جائے پیدائش مقام سوس میں ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق بابل میں، اور ایک قول کے مطابق سواد میں "کوثی" کی طرف، اور پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی گزر چکا ہے کہ وہ دمشق کے شرقی جانب "برزہ" میں پیدا ہوئے پھر جب اللہ عزوجل نے نمرود کو آپ کے ہاتھوں سے ہلاک کروا دیا تو آپ حران نامی علاقے کی طرف ہجرت فرما گئے پھر وہاں سے سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی اور ایلیا (بیت المقدس کے شہر) میں سکونت اختیار فرمائی، اور (وہاں) ان کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام وحضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

پھر سرزمین کنعان میں حمرون بستی میں حضرت سارہ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے وفات پا گئیں اور اس وقت حضرت سارہ علیہ السلام کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی، اور یہ اہل کتاب کے مطابق ہے، حضرت سارہ علیہ السلام کی وفات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑا حزن و ملال ہوا، اور سوگواری کی اور بنی حیث قبیلے کے ایک شخص عفرون بن صحر سے ایک زمین چار سو دینار میں خریدی اور وہاں ان کو دفن فرمایا۔

---

(۱) وقال البخاری حدثنا بیان بن عمرو، حدثنا النضر، اخبرنا ابن عون، عن مجاهد، انه سمع ابن عباس ۔۔۔ الخ

(۲) ورواه البخاری ایضا و مسلم، عن محمد بن المثنی، عن ابن ابی عدی، عن عبدالله بن عون به، وهكذا رواه البخاری ایضا فی كتاب الحج وفی اللباس، و مسلم جمیعا عن محمد بن المثنی عن ابن ابی عدی، عن عبدالله بن عون به

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کی ایک لڑکی رفقا سے شادی کردی اور رفقاء بتوئیل بن ناحور بن تارح کی بیٹی تھی، اور حضرت ابراہیم نے اپنے غلام کولڑکی کی لینے کیلئے بھیجا تو وہ لڑکی کو اونٹ پر سوار کرکے بمع اس کی خادماؤں اور مرضعات کے لے آیا۔

پھر حضرت ابراہیم نے خود ایک خاتون قنطورا سے شادی فرمائی قنطورا کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئی لڑکے زمران، یقشان، مادان، مدین، شیاق اور شوح پیدا ہوئے۔

پھر آگے اہل کتاب نے ان تمام کی اولاد کا ذکر کیا ہے جو سب قنطورا کی اولاد میں شمار ہوئیں۔

اہل کتاب کی خبروں میں سے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بزرگوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت کے آنے کے بہت سے مختلف قصے نقل کیے۔

اور ایک قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات اچانک آئی تھی، اسی طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بھی اچانک آئی تھی، جبکہ اہل کتاب وغیرہ نے جو ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

اور اہل کتاب قصوں میں کہتے ہیں پھر حضرت ابراہیم بیمار پڑ گئے اور ایک سو پچھتر سال کی عمر میں وفات پا گئے اور اسی مذکورہ زمین میں مدفون ہوئے جو حبرون الحیثی بستی میں ہے اور عفرون الحیثی کی کھیتوں کے پاس اپنی بیوی حضرت سارہ علیہ السلام کے عین پڑوس میں دفن کیے گئے اور ان کے کفن دفن، کا اہتمام ان کے دونوں پیغمبر بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمایا، صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

اور ابن کلبی کے قول کے مطابق ایک یہ روایت آئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال حیات رہے۔

[1] ابن حبان نے اپنی سند میں فرمایا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم نے قدوم (آلے) کے ساتھ ختنہ فرمائی جبکہ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی، اور اس کے بعد بھی آپ اسی سال حیات رہے۔[2]

صاحب کتاب ''صحیح ابن حبان'' آگے کچھ جرح کے بعد فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق سے مروی ہے کہ القدوم لفظ جو حدیث میں آیا اس سے علاقے کا نام مراد ہے جہاں ختنہ ہوئی۔

(اور مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ اسی سال کی عمر میں ہوئی اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک روایت حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سال کے تھے اور دونوں یعنی پہلی اور اس حدیث میں اس بات کے اندر کوئی تعرض اور اختلاف نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ حیات رہے۔

[3] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے شخص ہیں جنھوں نے شلوار زیب تن فرمائی اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے مانگ نکالی، اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے زیر ناف بالوں کو کاٹا اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے قدوم آلے کے ساتھ ختنہ فرمائی، جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس کے بعد اسی سال زندہ رہے، اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی رسم ڈالی اور پہلے شخص ہیں جن کے بال سفید ہوئے۔

---

(۱) فقال ابو حاتم ابن حبان فی صحیحه انبا نا المفضل بن محمد الجندی بمکة، حدثنا علی بن زیاد اللخمی، حدثنا ابو قرة عن ابن جریج، عن یحیی بن سعید، عن سعید بن المسیب، عن ابی هریرة ... الخ

(۲) وقد رواه الحافظ ابن عساکر من طریق عکرمة بن ابراهیم و جعفر بن عون العمری، عن یحییٰ بن سعید عن سعید عن ابی هریرة موقوفا ثم قال ابن حبان، ذکر خبر المدحض قول من زعم ان رفع هذالخبرٌ وهم، اخبر نا محمد بن عبدالله بن الجنید، حدثنا قتیبه بن سعید، حدثنا اللیث، عن ابن عجلان، عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال ...... (ذکر الحدیث کما تقدم انفا م) وقد رواه الحافظ ابن عساکر من طریق یحییٰ بن سعید، عن ابن عجلان، عن ابیه، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ.

(۳) وقال محمد بن اسماعیل الحسانی الواسطی زادفی تفسیر وکیع عنه فیما ذکره من الزیادات حدثنا ابو معاویه، عن یحییٰ بن سعید، عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة قال ... الخ

یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے مشابہ ہے اور ابن حبان کے خلاف ہے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے مہمان نوازی کی رسم ڈالی اور لوگوں میں سب سے پہلے ختنہ کی اور لوگوں میں سب سے پہلے مونچھیں کاٹیں اور لوگوں میں سب سے پہلے بڑھاپے کو (بصورت سفیدی) دیکھا جب انھوں نے سفیدی کو دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار یہ کیا ماجرا ہے؟ فرمایا وقار (یعنی عزت وشرافت کی علامت) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار پھر تو اس کو اور زیادہ کر دیجئے۔

اور ان سے پہلے روایت میں تین چیزوں کا اضافہ ہے،

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام تینوں کی قبر اس عمارت میں ہے جس کو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے حبرون علاقے میں بنایا تھا۔

اور وہ حبرون شہر آج تک خلیل کے نام سے مشہور ہے، اور یہ بات بالکل مستند اور تواتر کے ساتھ جماعت در جماعت بنی اسرائیل کے زمانے سے ہم تک چلی آئی ہے کہ تحقیق کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر خلیل شہر میں ہے، باقی اس شہر میں کون سی جگہ وہ قبر ہے اس کے تعین میں کوئی محفوظ صحیح مستند خبر نہیں ہے، لہٰذا اس پورے علاقے کا لحاظ کرنا چاہئے اور پورا پورا احترام کرنا چاہئے اور اس کو کھودنا یا کھیتی وغیرہ کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیا پتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر یا کسی اور نبی کی قبر اس زمین کے نیچے ہو۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ تک اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہب نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر اطہر کے پاس ایک پتھر پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

الھی جھولا املہ یموت من جا اجلہ

جس کی امیدوں نے اس کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا، اور اس کا مقررہ وقت آ گیا وہ مر جائیگا

ومن دنا من حتفہ لم تغن عنہ حیلہ

اور جسکی موت خود آ گئی، اس کو اس سے چھٹکارے کیلئے کوئی حیلہ وتدبیر کام نہ دے گی

وکیف یبقی آخرا من مات عنہ اولہ

اور دوسرا بعد والا شخص کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ اس سے پہلا شخص مر گیا ہے

والمرء لا یصحبہ فی القبر الاعملہ

اور آدمی کے کوئی چیز ساتھ نہ ہوگی اس کی قبر میں سوائے اس کے عمل کے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر:...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام قبطیہ مصریہ سے ایک فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پھر آپ کی چچازاد حضرت سارہ علیہا السلام سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے ان کے بعد حضرت ابراہیم نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی اور حضرت ابراہیم سے اس کے ہاں چھے بچے ہوئے مدین، زمران، سرج، یقشان، نشق اور چھٹے کا نام مذکور نہیں ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجون بنت امین سے شادی فرمائی اور اس سے پانچ بچے ہوئے کیسان، سورج، امیم، لوطان، نافس۔

یہ تفصیل حضرت ابوالقاسم السہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التعریف والاعلام میں ذکر فرمائی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ مبارک:...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں جو عظیم واقعات رونما ہوئے ان میں سے حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بھی ہے اور ان پر نازل ہونے والا قہر الٰہی بھی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے باپ کا نام هاران بن تارح وہی مشہور آذر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں اسطرح حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے لڑکے یعنی بھتیجے ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام، هاران، ناحور یہ تینوں بھائی ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے والد هاران وہی شخص ہیں جنھوں نے حران شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کو آباد کیا۔ لیکن یہ بات ضعیف ہے اور اہل کتاب کی تواریخ کے مخالف ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاقے سے ان کے حکم اور اجازت کے ساتھ جلا وطن ہو کر ملک غور زغر کے سدوم شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ اور یہ علاقہ، آباد اور کئی بستیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اس کے باشندے لوگوں میں سب سے زیادہ فاجر فاسق اور بدترین کافر لوگ تھے اور سیرت و کردار میں تمام دنیا سے بدتر تھے۔ راہ گیروں کو لوٹتے، اپنی مجالس و محافل میں سر عام بری بری بے ہودہ حرکتیں کرتے۔ اور کوئی برائی کرنے سے باز نہ آتے تھے۔

اور انہوں نے دنیا میں ایک ایسا گناہ ایجاد و جاری کیا کہ اولاد آدم میں اس سے پہلے وہاں کسی کا خیال تک نہ گیا تھا۔ اور وہ لڑکوں سے برائی کرنا اور عورتیں جو اللہ نے اس کام کے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دینا ہے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا۔ اور ان فحاشی اور منکرات سے روکا۔ اور بے ہودہ حرکتوں سے ان کو منع کیا۔ لیکن وہ بجائے ماننے کے اپنی سرکشی اور گمراہی پر ہٹ دھرم ہو گئے۔ اور اپنے کفر و فسق پر برابر عمل پیرا رہے۔

پھر اللہ نے بھی ان پر وہ عذاب نازل کیا جو واپس نہیں ہو سکتا تھا اور ایسا عذاب پہلے کسی پر نہ آیا تھا۔ اور عذاب کا آنا ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے اس عذاب کے ساتھ ان کو جہاں والوں میں عبرت اور مثال بنا کر رکھ دیا جس سے لوگ نصیحت پکڑیں اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے ان کے قصے کو اپنی کتاب مقدس میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔

سورۂ اعراف میں فرمایا:...... اور (یاد کرو) لوط کو جب اس نے اپنی قوم کو کہا: کیا تم ایسی برائی کرتے ہو جسکی طرف جہاں والوں میں سے کسی نے سبقت نہیں کی۔ تم ایسے لوگ ہو جو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ بلکہ تم حد سے نکلنے والی قوم ہو۔ (لیکن) اور اس کی قوم کا جواب اور کچھ نہ تھا کہنے لگے ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ پاک بنتے ہیں۔ پھر ہم نے لوط کو اور ان کے اہل کو نجات دی سوائے ان کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ اور (پھر) ہم نے ان پر (پتھروں کی بارش کا عذاب) برسا دیا۔ دیکھ مجرموں کا انجام کیا ہوا؟ (آیت ۸۰ تا ۸۴)

اور سورۂ ہود میں اللہ عزوجل نے فرمایا: اور ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لیکر آئے تو سلام کے بعد انہوں نے بھی سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہ ہوا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم قوم لوط کی طرف (ان کو ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی ہنس پڑی پھر ہم نے اس کو اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی اس نے کہا ہائے: مجھے بچہ ہوگا جبکہ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو عجیب بات ہے انہوں نے کہا کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر تو خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں اور وہ تعریف کے لائق اور بزرگ ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگے۔ بے شک ابراہیم علیہ

السلام بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ (ہم نے کہا) اے ابراہیم علیہ السلام اس بات کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم آپہنچا ہے۔ اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلے گا۔

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے۔ اور پہلے ہی وہ شنیع فعل کیا کرتے تھے (لوط نے) کہا یہ جو میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں یہ تمہارے لئے پاک ہیں تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوانہ کرو۔ کیا تم میں کوئی (بھی) شائستہ مرد نہیں ہے؟ وہ بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں میں ہمیں حاجت نہیں ہے۔ اور ہماری غرض ہے ان (لڑکوں) سے تم (خوب) جانتے ہو۔ (لوط نے) کہا ہائے کاش مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی؟ یا کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔ فرشتوں نے کہا لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ آپ اپنے اہل کو لے کر رات کے کچھ حصے میں چل پڑیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، مگر تمہاری بیوی، جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہ اس پر بھی پڑے گی۔ اور وعدے کا وقت صبح ہے۔ اور کیا صبح کچھ دور ہے؟ تو جب ہمارے (عذاب کا) حکم آیا تو ہم نے اس (بستی کو الٹ کر) تہہ و بالا کر دیا اور ان پر پتھر کی (موسلا دھار) کنکریاں برسائیں۔ جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔ (ھود: ۶۹۔۸۳)

اور سورۂ حجر میں اللہ نے فرمایا: اور ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے احوال سنا دو۔ جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو سلام کیا، تو (ابراہیم اور اس کے اہل نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا ڈریئے نہیں، ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں۔ آپ مایوس نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا صرف گمراہوں کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے اے فرشتو تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ کہنے لگے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (تا کہ ان پر عذاب برسائیں) سوائے لوط کے گھر والوں کے ہم ان تمام کو نجات دیں گے۔ مگر ان کی بیوی اس کے لئے ہم نے پیچھے رہ جانا مقرر کر دیا ہے پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے، (تو لوط نے) کہا تم اجنبی لوگ ہو۔ وہ بولے بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے (یعنی عذاب خداوندی) اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لائے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ تو آپ رات کے کچھ حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکلیں۔ اور خود ان کے پیچھے چلیں۔ اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جائیے۔ اور ہم نے لوط کو وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی اور اہل شہر خوش خوش (دوڑے) آئے۔ (لوط نے) کہا یہ میرے مہمان ہیں پس مجھے رسوانہ کرنا۔ اور خدا سے ڈرو اور میری بے آبروئی نہ کرو۔ کہنے لگے کیا ہم نے تجھ کو جہاں والوں (کی طرفداری اور حمایت) سے منع نہیں کیا؟۔ (لوط نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے شادی کرلو)۔ (اے محمد ﷺ) تمہاری جان کی قسم وہ اپنے نشے میں سرگرداں تھے۔ سو ان کو سورج نکلتے چنگھاڑ نے آپکڑا۔ اور ہم نے اس (شہر) کو تہہ و بالا کر دیا، اور ان پر کنکریاں برسائیں۔ بے شک اس میں اہل فراست کے لئے نشانی ہے۔ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے نصیحت فرمانے کو بیان فرمایا:

قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا تم (خدا سے) کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تو تمہارے لئے امانت دار پیغمبر ہوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اسکا بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم جہاں والوں میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟ اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ کہنے لگے اے لوط (اس نصیحت بازی سے) اگر تم باز نہ آئے تو شہر بدر کر دیئے جاؤ گے۔ (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے انجام) سے نجات دے۔ تو ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سب کو نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی۔ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔ اور ان پر (عذاب کا) مینہ برسایا۔ سو جو مینہ ان ڈرائے گئے لوگوں پر برسا وہ (انتہائی) برا تھا۔ بے شک اس میں نشانی ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا پروردگار تو غالب

(اور) مہربان ہے۔ (آیات ۱۶۰تا۱۷۵)

اور اللہ تعالیٰ نے اسی قوم لوط کا ذکر سورۂ نمل میں بھی فرمایا۔ فرمایا:

اور لوط (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بے حیائی کے کام کیوں کرتے ہو، جبکہ تم (اس کو برا) دیکھتے ہو، کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت کے لئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہنے لگے، لوط کے گھر والوں کو شہر سے نکال دو یہ لوگ پاک بنتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے مقرر کر دیا تھا، اور ہم نے ان پر (عذاب کا) مینہ برسایا، ڈرائے گئے لوگوں پر یہ برا مینہ تھا۔ (آیات ۵۴تا۵۸)

اسی طرح اللہ عزوجل نے سورۂ عنکبوت میں ابراہیم علیہ السلام ولوط علیہ السلام کے واقعہ کو اکٹھا بیان فرمایا۔

فرمایا: اور لوط (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (عجیب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو تم سے پہلے اہل جہاں میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا، کیا تم (شہوت کو پورا کرنے کے لئے) مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو اور (مسافروں کی) راہزنی کرتے ہو، اور تم اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟ تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے، اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔

تو (لوط نے اپنے رب کی بارگاہ میں التجا کی اور) کہا اے پروردگار ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عنایت فرما

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لائے تو کہنے لگے اس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے ظالم ہیں، (ابراہیم نے) کہا اس میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں؟ کہنے لگے جو لوگ یہاں ہیں ہمیں سب کا معلوم ہے ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے، فرشتوں نے کہا کچھ خوف و رنج نہ کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے، مگر آپ کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی، ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب کا ٹکڑا نازل کرنے والے ہیں کیونکہ یہ فسق (وفجور) کرتے ہیں اور ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ (۲۸تا۳۵)

اور سورۂ صافات میں بھی تھوڑا سا ذکر فرمایا۔ فرمایا:

اور لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے، جب ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو (اپنے عذاب سے) نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی، پھر ہم نے اوروں پر عذاب برسا دیا، اور تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو، اور رات کو بھی تو کیا عقل نہیں رکھتے؟ (۱۳۳تا۱۳۸)

اسی طرح کچھ تھوڑا سا ذکر سورۂ ذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے قصے کے بعد فرمایا:

(ابراہیم نے) کہا اے فرشتو تمہارا (اور) کیا مقصد ہے؟ کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان پر (کنکری) پتھر برسائیں، جن پر حد سے گزرنے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشانیاں لگی ہوئی ہیں پھر ہم نے وہاں سے جتنے مومن تھے سب کو نکال لیا اور ہم نے اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا اور کوئی گھر نہ پایا، اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ہم نے وہاں نشانی چھوڑ دی۔ (۳۱تا۳۷)

اس عظیم واقعہ کو آخری بار اللہ نے اپنے کلام میں سورۃ القمر میں بیان فرمایا: فرمایا:۔

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا، تو ہم نے ان پر کنکریاں بھری ہوائیں چلائیں سوائے لوط کے گھر والوں کے ان کو ہم نے پچھلی رات ہی بچالیا اپنے فضل سے، (اور) شکر کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، اور (لوط نے) ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر انھوں نے ڈرانے والوں کے ساتھ شک کیا، اور ان سے ان کے مہمانوں کو لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں، پس میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے (اور یاد کرنے) کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟ (۳۳تا۴۰)

اللہ عزوجل نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کو اپنے کلام میں کئی جگہوں پر بیان فرمایا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام کیساتھ بھی ان کے قصے مذکور ہوئے ہیں۔

اور یہاں ہمارا بیان سے یہ مقصود ہے کہ ان تمام آیتوں اور دیگر احادیث اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں اس قصے کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پورے قصے کو بالتفصیل بیان کیا جائے، اس میں ہم اللہ عزوجل سے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور ان قبیح افعال اور غلیظ حرکتوں سے ان کو روکا جن کا ابھی آیتوں میں تذکرہ ہوا، تو انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات کو ٹھکرا دیا اور ایمان نہ لائے حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص بھی راہ راست پر نہ آیا، اور جن باتوں سے ان کو روکا گیا ان سے بھی باز نہ آئے، بلکہ اپنی حالت پر ڈٹے رہے اور اپنی سرکشی اور گمراہی کے گڑھے سے نکلنے کی پرواہ نہ کی، بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ اپنے خیر خواہ اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کو ہی اپنے دیس سے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور ان کو اپنے درمیان حقیر و کمزور گردانا، اور ان کا مذاق اڑایا اور جب حضرت لوط علیہ السلام ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے تو ان بے عقلوں کا ایک ہی جواب ہوتا، نکال دو لوط کے گھر والوں کو یہ پاک بنتے ہیں۔ (نمل، ۵۶)

اور پھر طرح طرح سے ان کو ستایا، بے عزتی کی تاکہ یہ نکل کر چلے جائیں اور یہ محض ان کا عناد بغض اور کفر تھا پھر اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر کی لاج رکھی اور ان کو عمدگی اور پاکیزگی اور عزت و شرافت کے ساتھ ان کے اہل سمیت وہاں سے نکال لیا سوائے ان کی بیوی کے اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی خواہش کے مطابق ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا، اور پھر اللہ عزوجل نے اس پورے علاقے کو ہمیشہ کے لئے ٹھاٹھیں مارتا بدبودار سمندر بنا دیا، جو حقیقت میں ان لوطیوں پر آگ بھڑک رہی ہے اور گرمی دھک رہی ہے اور اس کا پانی آج تک انتہائی کھارا کڑوا ہے۔

اور اس قوم لوط نے اپنے پیغمبر کو دیس سے نکال دینے کی دھمکی اس وقت دی جب کہ پیغمبر نے ان کو نئی ایجاد کردہ بے ہودہ فحش حرکت سے روکا، جس کی طرف پوری دنیا میں اس سے پہلے کبھی بھی کسی نے ارادہ نہ کیا تھا، پھر اللہ نے بھی ان کو پورے روئے زمین کے لئے ایک مثال و عبرت کا نمونہ بنا دیا۔

اور وہ صرف اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ راہ گیروں کو لوٹتے، دوستوں کے ساتھ خیانت کرتے، اور اپنی مجالس و محافل میں دوران گفتگو عجیب عجیب بری حرکتیں کرتے اور کچھ حیا و شرم نہ کرتے، حتیٰ کہ اگر کسی کو پیٹ میں کچھ ہوا محسوس ہوتی تو از خود جان کر زور سے آواز کے ساتھ ہوا نکالتے، اور اپنے ہم نشینوں کا کچھ بھی لحاظ نہ کرتے اور نہ اس کو برا سمجھتے اور اس کے علاوہ اکثر و بیشتر مجالس میں بڑی بری حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے اور پھر بھی کچھ ناپسندیدگی کا اظہار تک نہ ہوتا تھا اور کسی وعظ کی پرواہ نہ کرتے اور نہ کسی عقل والے کی نصیحت کا لحاظ کرتے اور وہ ان حرکتوں میں جانوروں کی طرح ہو چکے تھے بلکہ ان سے بھی کہیں بدتر، اور فی الحال اپنے گناہوں سے باز آنے کا کوئی خیال نہ تھا، گذشتہ برائیوں پر کوئی افسوس نہ تھا، اور نہ ہی آئندہ اپنی حرکتوں سے باز آنے کا کوئی ارادہ تھا، پھر اللہ نے بھی اسی کے مطابق بڑے زوردار عذاب سے ان کو بھونچال میں ڈال دیا بلکہ یہ عذاب بھی ان کی مانگ تھی، انھوں نے خود پیغمبر سے کہا تھا اور؟؟ "ائتنا ...... الخ" اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔ [1] تو جس دردناک عذاب سے اللہ نے ان کو اب تک بچا رکھا تھا خود ہی اس کی فرمائش کر دی۔

تو ایسے موقع پر ان کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام نے بڑی بے بسی و بے کسی کے عالم میں خدائے ذوالجلال کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے اور رب العالمین اور الٰہ المرسلین سے التجاء کی کہ میری مدد فرما اور مفسد قوم سے مجھے نجات عطا فرما۔

اللہ عزوجل کو بھی سخت غیرت آئی اور شدید غضب آیا، اور پھر اپنے قاصد و پیغمبر کی فریاد قبول کی اور ان کی مراد پوری کی اور اپنے اولوالعزم فرشتوں کو بھیجا، وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں گئے اور ان کو عقل مند لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری دی، پھر ان کو قوم لوط کے متعلق دردناک عذاب کی خبر بھی دی، فرمان باری ہے: (ابراہیم نے) کہا اے فرشتو تمہارا (اور) کیا کام ہے؟ کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر کنکر کے پتھر برسائیں، جو تیرے پروردگار کی طرف سے نشان زدہ ہیں حد سے گزرنے والوں کے لئے۔ [2]

اور دوسری جگہ پروردگار نے فرمایا اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہا ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے اہل ظالم لوگ ہیں (ابراہیم نے) کہا اس میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں، کہا ہم بخوبی جانتے ہیں اس میں کون ہیں، ہم لوط علیہ

(۱) عنکبوت ۲۹ (۲) ذاریات ۳۱ تا ۳۴۔

السلام کو اور اس کے اہل کو نجات دیں گے سوائے اس کی بیوی کے وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ (۱)
اس پر حضرت ابراہیم کا کیا رد عمل سامنے آیا کیونکہ وہ لوط علیہ السلام کے چچا تھے اس کو بھی قرآن میں ذکر کیا گیا فرمان باری ہے، پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اس کو خوشخبری بھی مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ (۲)
یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے خلاصی اور چھٹکارے کی پرزور فرمائش کی، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ فرشتے حضرت ابراہیم کی بات مان لیں گے اور لوٹ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ابراہیم بردبار نرم اور رجوع کرنے والے ہیں، اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ، بے شک تیرے پروردگار کا حکم آچکا ہے، بے شک ان پر وہ عذاب آچکا ہے جو (کسی طرح) واپس نہیں ہوگا۔ (۳)
یعنی اے ابراہیم علیہ السلام اس بات کو رہنے دیں یہ تو اب ہو کر رہنے والی ہے اس کے علاوہ کوئی اور بات کریں فرمائش کریں، کیونکہ ان پر عذاب، ہلاکت اور تباہی واجب ہو چکی ہے۔
بے شک تیرے پروردگار کا حکم یعنی عذاب آچکا ہے جو واپس نہیں ہو سکتا، اور اس میں کچھ لچک نہیں پیدا ہو سکتی، بے شک وہ عذاب ان پر آکر رہے گا۔
حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے یوں فرمار ہے تھے کیا تم اس بستی کو تباہ کرو گے، جس میں تین سو مومن ہیں، فرشتوں نے عرض کیا نہیں (یعنی اس میں تین سو مومن نہیں ہیں، حضرت ابراہیم نے فرمایا پھر کیا دو سو مومن ہیں؟ کہا نہیں فرمایا کیا چالیس مومن ہیں؟ جواب دیا نہیں، پوچھا کیا چودہ مومن ہیں؟ جواب دیا نہیں۔
ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ مکالمہ یہاں تک چلا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اور کچھ نہیں اگر اس میں ایک بھی مومن ہو تو پھر تمہارا عذاب دینے کے متعلق کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا نہیں (یعنی ہم عذاب تو دیں لیکن باقی ان کو نکال لیں گے)
اسی آخری بات کو قرآن میں یوں ذکر کیا، ابراہیم نے کہا اس میں لوط ہیں فرشتوں نے کہا ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس میں کون ہیں۔ (۴)
اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار کیا آپ ان کو ہلاک فرمادیں گے جبکہ اس بستی میں پچاس نیک صالح مومن ہوں؟ اللہ نے فرمایا نہیں، میں ان کو ہلاک نہیں کروں گا جب کہ ان میں پچاس نیک ہوں، پھر حضرت ابراہیم دس پر اترے اور عرض کیا تو اللہ نے فرمایا، میں ان کو ہلاک نہیں کروں گا جبکہ ان میں دس نیک ہوں۔
فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولما جاء ت رسلنا لوطاً سیء بھم وضاق بھم ذرعاً وقال ھذا یوم عصیب (ھود ۷۷)

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہا آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے علماء مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے، جب یہ حضرت ابراہیم کے پاس سے واپس ہوئے تو حضرت لوط علیہ السلام کے علاقے یعنی سرزمین سدوم کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت ہی خوبصورت حسین لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے، اور در حقیقت اللہ عزوجل قوم لوط پر حجت قائم کرتے ہوئے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے، تو یہ لڑکے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آئے اور وقت مغرب کا ہو چکا تھا تو حضرت لوط کو خوف ہوا کہ اگر میں ان کو مہمان نہ رکھوں گا تو یہ اس علاقے میں کسی اور کے پاس مہمان بنیں گے اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے فرشتے ہونے کا بالکل خیال نہ تھا، بلکہ آپ ان کو عام انسان سمجھ رہے تھے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وقت کی حالت بیان فرماتے ہوئے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی۔
ابن عباس، قتادہ، مجاہد، اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں حضرت لوط علیہ السلام پر یہ کٹھن اور مشکل آزمائش آچکی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کو انکار کروں تو یہ ان بدکاروں کے ہاتھ لگ جائیں گے اور اگر رکھوں تو یہ پھر بھی چڑھ دوڑیں گے تو آخر کیسے ان مہمانوں کا ان شریروں سے بچاؤ کروں؟ اور بستی والے حضرت لوط علیہ السلام کو پہلے کہہ بھی چکے تھے کہ کوئی مہمان اپنے پاس نہ ٹھہرایا کرو بلکہ مہمانوں کا ہم خود ہی بندوبست کریں گے،

(۱) عنکبوت ۳۱ تا ۳۲۔ (۲) ہود ۷۴۔ (۳) ہود ۷۵ تا ۷۶ (۴) عنکبوت ۳۲

تو الغرض حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے ایسی پیچیدہ صورت حال آ گئی کہ اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نظر نہ آ رہا تھا۔

حضرت قتادہ اس صورت حال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ فرشتے انتہائی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت لوط علیہ السلام اس وقت (بستی سے باہر) اپنے کھیتوں میں کاشتکاری میں مصروف تھے، تو لڑکے بطور مہمان ان کی خدمت میں آئے، حضرت لوط علیہ السلام کو ان سے بہت سخت حیا و شرم آئی اور وہ ان کے آگے آگے چل پڑے اور بار بار ان سے اشارۃً ایسی باتیں کہہ رہے تھے جس سے وہ سمجھ کر لوٹ جائیں اور کسی اور بستی میں چلے جائیں، تو حضرت لوط نے اپنی اور باتوں کے ساتھ یہ بھی کہا اور کئی بار کہا تا کہ وہ سمجھ جائیں کہا، اللہ کی قسم میں، روئے زمین پر اس بستی والوں سے زیادہ خبیث لوگ کوئی اور نہیں دیکھتا، حضرت لوط علیہ السلام نے کئی بار اس بات کو کہا، حتیٰ کہ چار مرتبہ فرمادیا، علماء فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ملا تھا کہ بستی والوں کو اس وقت تک عذاب نہ کرنا جب تک خود ان کا پیغمبر ان کی برائی نہ بیان کر دے اور ان کے خلاف اس بے ہودہ حرکت کی گواہی دیدے۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چل کر حضرت لوط علیہ السلام کی بستی تک پہنچے اور دوپہر کے وقت وہاں داخل ہوئے جب سدوم شہر میں پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی سے ملاقات ہوگئی، وہ اپنے اہل کے لئے پانی بھرنے یہاں پہنچی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں تھیں بڑی کا نام "ریثا" اور چھوٹی کا نام "زغرتا" تھا، تو فرشتوں نے لڑکی سے پوچھا ہم یہاں کہیں ٹھہر سکتے ہیں؟ لڑکی نے جواب دیا آپ یہیں رکیے میں واپس آ کر بتاتی ہوں، درحقیقت لڑکی کو ڈر ہوا کہ اگر یہ قوم کے ہاتھ لگ گئے تو ان بے چاروں کی بڑی بے عزتی ہوگی، تو یہ اپنے والد ماجد یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تشریف لائیں اور صورت حال کی خبر دی کہ اے اباجان شہر کے باہر چند اجنبی نوعمر لڑکے ہیں اور وہ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، اور قوم کے لوگوں میں چہرے کے اعتبار سے بڑھ کر ان سے کوئی حسین نہیں ہے، تو کہیں ان کو قوم نہ پکڑ لے اور وہ پھر ان کو رسوا اور ذلیل کریں، جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کو لوگوں نے مہمان ٹھہرانے سے منع کیا تھا، لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی عزت و حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے بڑی بے چارگی سے ہاں کر دی اور ان کو چھپ چھپا کر اپنے گھر لے آئے اور اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو پتہ نہ چلنے دیا، لیکن ان کی بیوی کافروں سے خفیہ ملی ہوئی تھی، اس نے آ کر قوم کو خبر دی اور راز فاش کر دیا اور کہنے لگی لوط علیہ السلام کے گھر میں ایسے لڑکے آئے ہیں کہ میں نے ان سے خوبصورت کبھی نہیں دیکھے، تو قوم والے مستی و مدہوشی میں تیزی سے دوڑتے آئے۔

آگے باری تعالیٰ کا فرمان ہے: اور وہ اس سے پہلے بھی برے کام کرتے تھے۔ (تو لوط نے) کہا اے قوم یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاک و جائز ہیں (ہود ۷۸)، یعنی ان کا صرف یہی گناہ نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی اور کئی قسم کے فحاشی و منکرات میں بھی یہ منہمک رہتے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ عورتوں سے اپنی خواہش کو پوری کرو اور لڑکوں کے ساتھ بدتمیزی نہ کرو اور حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں تو کیا حقیقت میں اپنی بیٹیوں کے لئے فرمایا تھا یا کچھ اور مطلب تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق نبی اپنی امت کیلئے بمنزلہ مثل والد کے ہوتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے، نبی مومنین کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ بہتر ہے اور نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں [1] اور کئی صحابہ اور سلف صالحین فرماتے ہیں کہ یہاں خود بخود مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ نبی مومنین کا باپ ہے تو حضرت لوط علیہ السلام نے جو فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اپنی قوم کی عورتوں سے شادی کر کے اپنی خواہش پوری کرو۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام کے خطاب کو نقل فرمایا: کیا تم جہاں والوں میں سے لڑکوں کے پاس (خواہش پوری کرنے آتے) ہو، اور جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری عورتوں کو پیدا کیا ہے ان کو چھوڑتے ہو، بلکہ تم حد سے گزرنے والی قوم ہو۔ [2]

تو یہاں اللہ نے خواہش و لذت کا محل ان کی عورتوں کو بتایا تو لہٰذا حضرت لوط علیہ السلام کے قول میں بھی یہی عورتیں مراد ہوں گی یعنی جو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میری بیٹیاں، یعنی قوم کی عورتیں تمہارے لئے ہیں۔

اور حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ، سدی محمد بن اسحاق ان تمام حضرات نے اس بات پر تصریح فرمائی اور اس کو اختیار فرمایا ہے اور یہی درست ہے۔

(۱) احزاب آیت (۶) (۲) الشعراء ۱۶۵ تا ۱۶۶

اور دوسرا قول کہ اپنی حقیقی بیٹیوں کو مراد لیا ہے یہ بالکل غلط ہے اور اہل کتاب سے ماخوذ ہے اور یہ بات انہوں نے اپنے صحیفوں میں اپنی طرف سے بڑھائی اور تبدیل کی ہے، اور اسی طرح انہوں نے ایک اور خطا کی ہے اور کہا ہے کہ وہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، دو تھے، اور وہ بھی عشاء کے وقت آئے تھے اور عشاء کا کھانا بھی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تناول کیا، (جبکہ قرآن سے پہلے معلوم ہوا کہ فرشتوں نے ابراہیم کے پاس کھانا نہیں کھایا (کیونکہ فرشتے ان حاجات سے دور ہیں)

اس طرح اہل کتاب نے اس قصے میں بہت بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔

تو خیر آگے حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو فرماتے ہیں، پس اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو کیا تم میں کوئی ایک درست آدمی بھی نہیں ہے؟ (ہود ۷۸)

اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام نے دو مقاصد ادا فرمادیے پہلے تو ان کو اس فعل قبیح سے روکا کہ یہ فحش کام کرنے کے لائق نہیں ہے، پھر آگے فرشتوں کو ان پر گواہ بنادیا کہ ان میں کوئی بھی مومن اور صالح نہیں ہے، کہ کسی ایک میں تو بھلائی اور خیر ہو، بلکہ تمام بے وقوف فاجر فاسق طاقتور اور احمق کفار ہیں۔

اور فرشتوں کا مقصود بھی یہ تھا کہ بغیر ان کے پوچھے خود حضرت لوط علیہ السلام ان کی برائی اور حقیقت کو ظاہر فرمادیں اور اس طرح ان پر حجت قائم ہو جائے۔

الغرض جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی عزت کا ان سے سوال کیا کہ مجھے رسوانہ کرو تو ان ملعونوں نے جواب دیا (اے لوط) تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی خواہش نہیں ہے اور ہمارا ارادہ تو تو جانتا ہے۔ (ہود ۷۹)

اللہ کی ان پر لعنت ہو کس طرح ہٹ دھرمی کے ساتھ اور وہ بھی اپنے نبی کے سامنے بے ہودہ ارادے کو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں عورتوں کی خواہش نہیں بلکہ ہماری خواہش تو تو جانتا ہے کس قدر راوباشانہ کلام ہے، اسی وجہ سے ان کے اس کلام کو سن کر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کاش مجھے تمہارے مقابلے پر طاقت ہوتی یا میں کسی محفوظ مضبوط قلعے کی طرف پناہ پکڑتا، (ہود ۸۰) تو یہ کلام حضرت لوط علیہ السلام کی بے کسی اور بے بسی کی کس قدر غمازی کرتا ہے وہ ظاہر ہے آپ علیہ السلام کف افسوس ملتے ہیں اور فرماتے ہیں کاش مجھے تم سے نمٹنے کی طاقت ہوتی یا میرا بڑا خاندان ہوتا اور مددگار ہوتے جو تمہارے مقابلے پر میری مدد کرتے تو آج میں اپنے مہمانوں کی عزت بچالیتا اور ان پر پھر وہ عذاب نازل ہو جاتا جس کے وہ مستحق ہیں۔

اور حضرت لوط علیہ السلام نے جو فرمایا کہ کاش میں کسی مضبوط قلعے کی پناہ پکڑتا اس سے کیا مراد ہے؟ ایک حدیث میں بھی اس کا مطلب واضح فرمایا گیا ہے۔

[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ حقدار ہیں کہ شک کریں اور اللہ (حضرت) لوط پر رحم فرمائے بے شک وہ مضبوط قلع (یعنی اللہ) کی طرف سہارا پکڑنے والے ہیں اور اگر میں (حضرت یوسف کی بجائے) جیل میں ہوتا جتنا کہ حضرت یوسف ٹھہرے تو میں بلانے والے کے بلاوے کو قبول کر لیتا۔[2]

(حضرت ابراہیم کے متعلق فرمان کا مطلب ہے کہ انھوں نے تسکین و اطمینان قلب کے لئے خدا کے حضور دعا کی تھی کہ آپ مجھے دکھائیں کہ کیسے آپ مردوں کو زندہ کردیں گے، اگر بالفرض حضرت ابراہیم علیہ السلام شک کرتے تو ہم کو شک کرنا زیادہ لائق ہوتا یعنی کہنا مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم کا ایمان بالکل مضبوط اور شک وشبہ سے بالاتر تھا، اور آخری حصے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جو فرمایا اس کا مطلب ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں بادشاہ کی طرف سے رہائی کا پیغام آیا تو انھوں نے منع فرمادیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں ہوتا تو ضرور قبول کر لیتا۔ م۔)

---

(۱) وقد قال الزهری عن سعید بن المسیب و ابی سلمة عن ابی هریرة مرفوعاً الخ .

(۲) وقدرواه ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة .

(۱)اور ایک دوسری حدیث میں یوں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ لوط پر رحم فرمائے بے شک انھوں نے مضبوط ٹھکانے یعنی اللہ عزوجل کی طرف سہارا پکڑا لہذا اللہ نے پھر ان کے بعد ہر نبی کو اپنی قوم میں ثروت (مالداری وعزت) کے ساتھ بھیجا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اور شہر والے خوش خوش دوڑتے آئے (لوط نے) کہا یہ میرے مہمان ہیں لہذا مجھے فضیحت نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو، تو کہنے لگے کیا ہم نے تجھ کو جہاں والوں (کی طرف داری) سے منع نہ کیا تھا؟۔ کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم (اپنی خواہش) بجھانے والے ہو (تو قوم کی بیٹیوں سے شادی کے ساتھ پوری کرلو)۔ (۲)

ان آیتوں کے اندر حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اپنی بیویوں کے قریب ہونے اور اپنی اس فحش حرکت سے باز آنے کا فرمایا، لیکن یہ لوگ اپنی مستیوں اور نشے میں بدمست نہ ہٹے اور نہ لحاظ کیا، بلکہ جب بھی آپ ان کو روکتے تو وہ ان مہمانوں کے حصول میں اور آگے بڑھتے اور لالچ کرتے اور ان کو پتہ نہیں تھا کہ تقدیر میں ان کے لئے لکھا جا چکا ہے کہ بس رات گزارنے کی دیر ہے صبح کو اپنے انجام تک پہنچ جائیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کی جان کی قسم کھا کر فرمایا (اے محمد) تیری زندگی کی قسم وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں۔ (حجر۷۲) اور اللہ نے فرمایا اور (لوط نے) ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا پھر (بھی) انھوں نے ڈرانے والوں کے ساتھ شک کیا، اور انھوں نے لوط کو اس کے مہمانوں کے متعلق بہکایا، پھر ہم نے ان کو اندھا کر دیا پس چکھو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا، اور پھر بے شک ان کو صبح صبح دائمی عذاب نے آ پکڑا۔ (۳)

مفسرین وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کے دروازے کو بند کر رکھا تھا (اور مہمان اندر بٹھا رکھے تھے) اور خود دروازے پر کھڑے ہو کر قوم کو ہٹا رہے تھے اور وہ بھیڑ اور اژدھام کے ساتھ دھکے پر دھکے مار رہے تھے، اور آپ ان کو ساتھ ساتھ نصیحت فرماتے اور ان کو منع کرتے روکتے، اور اپنی پوری بے چارگی وانکساری ان کے ساتھ اختیار کر ڈالی لیکن بدکرداروں ملعونوں بے ہودہ لوگوں کو کچھ شرم ولحاظ نہ آیا تو اس وقت حضرت لوط نے بڑی غربت وبے بسی کے ساتھ یہ کہا کاش کہ میرے لئے تمہارے مقابلے پر کوئی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے کا سہارا پکڑتا۔ (ہود۸۰) تو تم سے اچھی طرح اپنے مہمانوں کی حفاظت کر لیتا اور تم کو سمجھا دیتا۔

تو پھر فرشتوں نے حقیقت سے پردہ اٹھایا اور کہا: اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں، یہ ہرگز تجھ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ (ہود۸۱) مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ان پر نکل پڑے اور اپنے پر کے ساتھ ان کے چہروں پر ایک وار کیا تو وہ اندھے ہو گئے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ ان کے چہروں پر آنکھوں کا نام ونشان بالکل ہی مٹ گیا، اور کچھ اثر اور نشان تک باقی نہ رہا اور پھر وہ چیختے چلاتے دیواروں کو ٹٹولتے ٹٹولتے واپس دوڑے بھاگے لیکن ہٹ دھرمی کی انتہا کہ پھر بھی جاتے ہوئے اللہ کے پیغمبر حضرت لوط کو دھمکیاں دیتے جا رہے ہیں کہ کل آنے دو پھر دیکھ لیں گے۔

اسی کو اللہ نے فرمایا: اور انھوں نے لوط کو اس کے مہمانوں کے بارے میں بہکایا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا، اور صبح ہوتے ہی ان کو دائمی عذاب نے گھیر لیا۔ (القمر۳۷تا۳۸)

اور عذاب کی صورت یہ ہوئی کہ پہلے تو فرشتے حضرت لوط کی خدمت میں کہنے لگے کہ آپ راتوں رات اپنے اہل کو لے کر نکل جائیے اور تم میں سے کوئی ایک پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، یعنی جب عذاب کی آواز آئے تو کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہو اور حضرت لوط کو یہ بھی تاکید کی کہ آپ ان کے پیچھے چلیں۔ آگے فرمایا "الا امراتک" "سوائے تیری بیوی کے لفظ حالتِ نصب کے ساتھ ہے نصب کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید یہ "فاسر باھلک" سے مستثنیٰ ہو تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ نکلئے اور ہو سکتا ہے کہ یہ "ولا یلتفت منکم احد" سے مستثنیٰ ہو پھر مطلب ہوگا کہ وہ بیوی ساتھ چلتے ہوئے پیچھے دیکھے گی اور پھر اس کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو دوسروں کو پہنچا، اور اس امکان کی تقویت حالتِ رفع کی قرأت سے ہوتی ہے لیکن پہلا مطلب معنوی اعتبار سے زیادہ بہتر لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام "والھۃ" تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام (والغۃ) تھا۔

فرشتوں نے ان سرکشوں، نافرمانوں، ملعونوں، جن کو اللہ نے ہر خائن وخاسر کے لئے مثال ونظیر بنا دیا، ان کی ہلاکت کی خوشخبری دیتے ہوئے

---

(۱) وقال محمد بن عمرو بن علقمة عن ابی سلمة عن ابی هريرة۔ (۲) الحجر: ۶۷تا۷۱۔ (۳) القمر: ۳۶تا۳۸

حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا: بے شک ان (پر عذاب) کے وعدے کا وقت صبح ہے کیا صبح قریب نہیں ہے؟ (ہود ۸۱)

پھر حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل جو صرف دو بیٹیوں پر مشتمل تھا، اور کوئی مرد نہ تھا۔

ان دو بیٹیوں کو لے کر حضرت لوط علیہ السلام نکلے اور کہا جاتا ہے ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ تھیں واللہ اعلم، تو جب یہ حضرات اپنے علاقے سے جدا ہو گئے اور سورج اپنی کرنوں کے ساتھ نکلا تو بس اس طلوع کے وقت قوم لوط پر اللہ کا وہ عذاب آ گیا جو واپس ہونے والا نہیں تھا اور وہ سخت عذاب تھا جس کو روکنا برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔

اہل کتاب کے ہاں یہ ہے کہ حضرت لوط کو فرشتوں نے بجائے نکلنے کے یہ حکم دیا تھا کہ وہ وہاں ایک پہاڑ پر چڑھ جائیں تو پھر حضرت لوط نے ان سے کہا کہ وہ قریبی بستی میں جانا چاہتے ہیں تو فرشتوں نے پھر کہا تھا کہ ٹھیک ہے آپ چلے جائیں ہم آپ کے وہاں پہنچنے کا انتظار کریں گے حتیٰ کہ آپ وہاں پہنچ کر ٹھہر جائیں پھر ہم اس قوم پر عذاب برسائیں گے، تو مذکور ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام ایک صوعر نامی بستی میں گئے جس کو لوگ غور زغر کہتے تھے، پھر جب سورج طلوع ہوا تو قوم لوط کو عذاب نے پکڑ لیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے بستی کو تہ وبالا کر دیا اور ان پر کنکر کے پے در پے پتھر برسائے، جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ (بستی) ظالموں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ (ہود ۸۲-۸۳)

یہ بستی سات شہروں پر مشتمل تھی (اور اس وقت بستی بڑے شہر بلکہ بہت بڑے علاقے کو بھی کہہ دیا جاتا تھا) اور ان میں ایک قول کے مطابق چار سو انسان تھے اور ایک قول کے مطابق چار ہزار تھے اور ساتھ میں حیوانات وغیرہ بھی تھے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان تمام چیزوں سمیت زمین کو اس کے آس پاس سمیت، اپنے پر کے ایک کونے کے ساتھ اکھیڑا اور اوپر کیا حتیٰ کہ آسمان کے بالکل قریب پہنچا دیا یہاں تک کہ اہل آسمان نے ان بستی والوں کے مرغوں کی آوازیں سنیں اور ان کے کتوں کا بھونکنا سنا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وہاں تک لے جا کر اس بستی کو بالکل الٹ دیا تو اس طرح اس کے بالائی حصے کو نیچے کر دیا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں سب سے پہلے نیچے ان کے سردار اور بڑے، شرفاء گرے، اس کے بعد پھر پتھروں کی بارش ہوئی اور پتھر کنکر کے تھے یعنی سخت اور مضبوط تھے (جیسے بجری کا پتھر ہوتا ہے) اور فرمایا "منضود" یعنی وہ پتھر پے در پے برسے اور آگے فرمایا "مسومۃ" یعنی ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر وہ لگے گا اور اس کا دماغ نکال دے گا، جیسے اللہ نے فرمایا، (وہ پتھر) تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے حد سے گزرنے والوں کے لئے۔ (۱) اور فرمایا وامطرنا علیہم مطرا فساء مطر المنذرین، اور ہم نے ان پر مینہ برسایا پس ڈرائے گئے لوگوں پر برا مینہ برسا۔ (۲) اور فرمایا:

اور اس بستی کو پتھروں سے ڈھک دیا گیا، اور وہ پتھر بھی کنکر کے تھے اور پے در پے برسے اور ہر ایک پر اس کے ساتھی کا نام بھی لکھا ہوا تھا، جو حاضرین تھے ان کو بھی لگے اور جو بستی سے دور کہیں سفر میں تھے یا جہاں کہیں تھے وہیں ان کو عذاب نے گھیر لیا، اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ قوم کے ساتھ رہ گئی تھی اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکل پڑی تھی۔

لیکن جب اس نے چنگھاڑ سنی اور شہر کے گرنے کی آواز سنی تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئی اور اپنے پروردگار کی مخالفت کر لی، اور یوں پکار اٹھی ہائے میری قوم، تو اس پر بھی پتھر لگا اور اس کا دماغ نکال دیا اور اس کو ان کی قوم کے ساتھ کر دیا، اس لئے کہ وہ انہی کے دین پر تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر جو مہمان ہوتے یا کوئی اور بات ہوتی اس کی جاسوسی کے لئے اپنی قوم کی طرف سے منتخب تھی جیسے اللہ عزوجل نے دوسری جگہ اس کے متعلق فرمایا:

اللہ نے ان لوگوں کی مثال دی جنہوں نے کفر کیا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کے ساتھ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت تھیں لیکن دونوں بیویوں نے ان سے خیانت کی لہٰذا ان کو اللہ (کے عذاب) سے (اس نے) کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور ان کو کہا گیا جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (۳)

یعنی دونوں نے اپنے خاوندوں کے دین میں خیانت کی، لہٰذا دونوں جہنم میں جائیں گی، اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فاحشہ تھیں، ہرگز ہرگز نہیں

(۱) ذاریات ۳۴۔ (۲) نحل ۵۸ (۳) تحریم ۱۰

کیونکہ اللہ کے کسی پیغمبر کے تحت کوئی فاحشہ بدکار عورت نہیں آسکتی، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف وخلف بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوسکتی، اور جس نے اس کے خلاف کہا اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

جب حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر قصہ افک پیش آیا تو اللہ تعالی نے ان کی براۃ نازل فرمائی، اور جنھوں نے برائی کا بہتان باندھا تھا اللہ نے ان پر تنبیہ کی اور ان پر عتاب نازل کیا اور آئندہ کے لئے اس سے بچنے اور ڈرنے کا حکم کیا گیا کہ نبی کے گھر والوں کے متعلق کبھی ایسا سوچو بھی مت، قرآن میں ہے۔

جب تم نے اس (بات) کو اپنی زبانوں کے ساتھ پایا، اور تم نے اپنے منہ کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کا تم کو علم نہیں اور تم اس کو ہلکا سمجھتے رہے اور وہ اللہ کے نزدیک عظیم (گناہ) ہے اور جب تم نے اس بات کو سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں مناسب نہیں ہے کہ ہم اس بات کو کہیں۔ تو پاک ہے، یہ بہتان عظیم ہے۔ (۱) یعنی نبی کا گھر اس بات سے پاک ہوتا ہے کہ ان سے اس قسم کی حرکت سرزد ہو۔

اور اللہ نے جو فرمایا اور وہ ظالموں سے دور نہیں ہے۔ یعنی یہ سزا ان لوگوں سے بھی دور نہیں ہے جو اس قوم کی مشابہت اختیار کریں اور لڑکوں سے بدفعلی کریں یعنی ان کو بھی یہ سزا مل سکتی ہے، اسی وجہ سے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس فعل کا مرتکب سنگسار کیا جائے برابر ہے کہ وہ شادی شدہ ہو یا نہیں، اس پر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور اکثر آئمہ کا یہی مذہب (۲) ہے انھوں نے اس حدیث کے ساتھ بھی دلیل پکڑی ہے جس کو امام احمد نے اور اہل سنن نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرڈالو۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس مذہب کی طرف گئے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب کو اونچے پہاڑ کی چوٹی سے گرادیا جائے اور پھر اس پر پتھروں کی بارش کی جائے یعنی جیسے قوم لوط کے ساتھ کیا گیا اسی طرح اس کے ساتھ کیا جائے، اور اللہ کے فرمان میں اسی کی طرف اشارہ ہے، فرمان ہے:- اور یہ (سزا) ظالموں سے دور نہیں ہے۔

اور اللہ نے اس جگہ کو ایک انتہائی بدبودار سمندر بنادیا ہے جس کے پانی سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا اور نہ اس کے آس پاس کی زمین سے نفع حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ بہت خراب اور اونچی نیچی ہے اور بالکل بیکار زمین ہے جو اللہ کے منتقم ہونے کو خوب بتاتی ہے، اللہ نے اس کو عبرت، نشانی، مثال اور نصیحت بنادیا ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ ورسول کی مخالفت کریں اور اپنی خواہش کی پیروی کریں اور اپنے آقا کی نافرمانی کریں اور یہی جگہ مومنین کے لئے نجات پر دلیل ہے کہ اللہ ان کو ایسی جگہوں سے بچائے گا اور ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لے گا جیسے اللہ نے فرمایا بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک تیرا رب وہ غالب (اور) مہربان ہے۔ (۳)

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے، پھر ان کو صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑ نے آپکڑا، پھر ہم نے اس (بستی) کو تہہ وبالا کردیا، اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے، بے شک اس میں فراست والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور بے شک وہ (بستی) سیدھے راستے پر ہے، اس میں مومنوں کے لئے پریشانی ہے۔ (۴)

یعنی جو فراست کی نگاہ اور غور وفکر کے ساتھ ان میں دیکھے گا، کہ کیسے اللہ نے ان شہروں اور ان کے اہل کو تباہ کردیا اور کیسے اللہ نے بڑی آبادی اور بسنے کے بعد ان کو خراب، تباہ، برباد کردیا تو جو اس طرح سوچے گا اس کو اس سے بہت سبق وعبرت وایمان حاصل ہوگا۔

جیسے کہ ترمذی وغیرہ نے مرفوعا روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے پھر حضور ﷺ نے ایک آیت تلاوت فرمائی: ''**ان فی ذلک لآیات للمتوسمین**'' اور خدا کا فرمان کہ وہ بستی سیدھے راستے پر ہے، یعنی وہ اب تک شارع عام پر ہے ہر آتا جاتا اس سے عبرت پکڑ سکتا ہے اسی وجہ سے آگے فرمایا، (۵) اور تم ان پر دن کے وقت گزرتے ہو اور رات کے وقت تو پس کیوں عقل نہیں رکھتے؟

اسی طرح اللہ نے فرمایا اور ہم نے اس بستی سے ایک نشانی چھوڑ دی اس قوم کیلئے جو عقل رکھتی ہے (۶) اور اللہ تعالی نے فرمایا پھر ہم نے ان کو

---

(۱) نور: ۱۵۔۱۶ (۲) سن حدیث عمرو بن ابی عمرو عن عکرمۃ عن ابن عباس (۳) شعراء ۱۷۴۔۱۷۵

(۴) حجر ۷۳۔۷۷ (۵) صافات ۱۳۸۔۱۳۷ (۶) عنکبوت ۳۵

نکال لیا جو اس میں مومنین میں سے تھے، (اور) ہم نے اس میں ایک گھر کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی اور گھر نہ پایا، اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔[1]

یعنی جو آخرت کے عذاب سے ڈرے اور رحمٰن سے غائبانہ ڈرے اور اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کرے اور اپنی خواہش کو روکے اس کے لئے ہم نے یہ بستی عبرت ونصیحت بنادی ہے تاکہ وہ محارم اللہ سے بچے اور اس کی نافرمانیوں کو ترک کردے اور قوم لوط کے مشابہ ہونے سے ڈرے۔

بے شک جس نے جس قوم کی شکل اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا، اگر کلی طور پر نہ ہو تو جزوی طور پر ہی سہی، ہوگا ضرور جیسے کسی نے کہا

فان لم تکونوا قوم لوط بعینهم فما قوم لوط منکم ببعید

یعنی اگر تم درحقیقت قوم لوط نہیں ہو لیکن پھر بھی قوم لوط تم سے دور تو نہیں ہے یعنی ان کی مشابہت ہو سکتی ہے۔

پس عاقل سمجھدار اپنے رب سے ڈرنے والا وہ ہے جو اپنے رب کے حکم کو مانے اور رسول کی تعلیمات پر عمل کرے جن میں سے یہ بھی ہے کہ بیویوں اور باندیوں سے خواہش کو تسکین دے، اور آگے شیطان مردود کی اتباع سے بچے، کہ کہیں اس پر بھی عذاب نہ آن پڑے اور پھر وہ بھی اللہ کے اس فرمان کے تحت داخل ہو جائے۔

وما هی من الظلمین ببعید (ہود ۸۳)

اور یہ (سزا) ظالموں سے (اب بھی) دور نہیں ہے۔

---

(۱) ذاریات۔۳۵۔۳۷

حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں لوط علیہ السلام کے قصہ کے بعد بیان فرمایا:

ترجمہ:...... اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا (تو) انھوں نے کہا (اے) قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری (طرح) کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو۔ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اسے تم ڈراتے اور راہ خدا سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو خدا نے تم کو کثیر جماعت کر دیا اور دیکھو کہ (فساد) و خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کے ساتھ رہو یہاں تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو، اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے مذہب میں آجاؤ، انھوں نے کہا کہ خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں تو بھی، اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ باندھا، اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے، ہمارا خدا ہی پر بھروسہ ہے اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ جاؤ گے، تو ان کو (اچانک) بھونچال نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، (یہ لوگ) جنھوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے تھے کہ گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے، (غرض) جنھوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے، تو شعیب ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں۔ [1]

اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں بھی اسی طرح بیان فرمایا:

ترجمہ:...... اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انھوں نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر لے گا، اور (اے) میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو خدا کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

انھوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھلاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو، انھوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں (تو کیا میں اس کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس کے بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور اے قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوح علیہ السلام کی قوم یا ہود علیہ

(۱) سورۂ اعراف، آیت ۸۵ تا ۹۳

السلام کی قوم یا صالح علیہ السلام کی قوم پر واقع ہوئی تھی، ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں، اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔

بے شک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے، انہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو اور اگر تمہارے بھائی نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے، اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔ (تو) انھوں نے کہا کہ قوم! کیا میرے بھائیوں کا دباؤ تم پر خدا سے زیادہ ہے؟ اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے میرا پروردگار تو تمہارے تمام اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) کام کئے جاتا ہوں تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا، اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے، گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے، سن رکھو کہ مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی ثمود پر پھٹکار تھی۔ [1]

دوسری جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان فرمایا:

ترجمہ:.......اور بن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب علیہ السلام کے لوگ) بھی گناہ گار تھے، تو ہم نے ان سے بھی بدلہ لیا اور یہ دونوں شہر کھلے راستے پر (موجود) ہیں۔ [2]

اور سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

ترجمہ:......اور بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، جب ان سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں، میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، اور میں اس (کام) کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے۔ (دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان نہ کیا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی خلقت کو پیدا کیا، (تو) وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو، اور تم اور کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو، اگر تم سچے ہو تو آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا ہم پر لا گراؤ (شعیب نے) کہا جو کام تم کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا بے شک وہ بڑے ہی سخت دن کا عذاب تھا اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب اور (مہربان ہے)۔ [3]

اہل مدین خالص عرب قوم تھی اپنے شہر مدین میں آباد تھی اور یہ مدین شام کے اطراف میں سرزمین معان کے قریب ہے اور حجاز کی سرزمین بھی بحیرۂ لوط کے قریب سے اس کو چھوتی ہے، اور اہل مدین قوم لوط کے کچھ عرصے بعد تھے، اور مدین ایک قبیلے کے نام سے مشہور ہے اور وہ قبیلہ بنی مدین بن مدیان بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے، ان کے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام ابن میکیل بن یشجن ہیں ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ سریانی زبان بولتے تھے، لیکن اس میں کچھ شک کا امکان ہے یعنی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اور حضرت شعیب کا شجرۂ نسب یوں بھی ذکر کیا گیا ہے شعیب بن یشخر بن لاوی بن یعقوب اور دوسری طرح یوں بھی ذکر کیا گیا ہے شعیب بن نویب بن عیفا بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے شعیب بن صیفور بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام اسی طرح اور بھی ان کے نسب نامے مذکور ہیں، و اللہ اعلم بالصواب

ابن عساکر فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ ان کی دادی یا ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کی اور دمشق میں داخل ہو گئے۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے فرمایا حضرت ''شعیب علیہ السلام'' اور ''ملغم'' ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا، پھر ان دونوں مذکورہ شخصوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت فرمائی پھر

(۱) سورۂ ہود آیت ۸۴ تا ۹۵۔ (۲) سورۃ الحجر آیت ۷۸ تا ۷۹۔ (۳) شعراء ۱۷۶۔۱۹۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کی شادی لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں کے ساتھ کر دی، ابن قتیبہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے لیکن اس تمام تفصیل میں شک کا امکان ہے اور ابو عمرو بن عبدالبر نے الاستیعاب میں سلمہ بن سعد العنزی کی سوانح ذکر کرتے وقت فرمایا ہے کہ سلمہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے کو قبیلہ غزہ کی طرف منسوب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا غزہ بہترین قبیلہ ہے جن پر ظلم کیا گیا تو (اللہ کی طرف سے) ان کی مدد کی گئی اور یہ شعیب کی قوم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرالی خاندان والے ہیں۔

پس اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس بات پر واضح دلیل ہوگی کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام خالص عرب عاربہ میں سے ہیں جن کو غزہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ غزہ نہ ہوں گے جن کا نسب یوں ہے غزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان، اس لئے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بہت طویل زمانے کے بعد آئے ہیں، واللہ اعلم۔

اور صحیح ابن حبان میں انبیاء و رسل کے تذکرے کے وقت حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چار نبی عرب سے ہیں، ہود، صالح، شعیب، اور اے ابوذر تیرا نبی۔

اور بعض بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء یعنی نبیوں کے خطیب کا لقب دیتے ہیں کیونکہ یہ اپنی فصاحت بلاغت اور زور بیان میں اور اپنی قوم کو اپنی رسالت و ایمان باللہ کی طرف بلانے میں اپنی مثال آپ تھے۔

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو فرماتے وہ انبیاء میں خطیب ہیں۔

اور اہل مدین کفار تھے لوگوں کو لوٹتے تھے راہ گیروں کو ہراساں کرتے تھے اور ایکہ کی پرستش کرتے تھے اور یہ اس درخت کو کہتے ہیں جس کے آس پاس بھی ایک جھنڈ سا ہو الحاصل ایکہ درختوں کے جھنڈ کا نام ہے اس کی یہ پرستش کرتے تھے، اور ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے اپنے اوزان کے پتھروں کو کم رکھتے تھے یعنی کم تول کر دیتے تھے، لیتے وقت زائد وصول کرتے اور دیتے وقت کمی کر کے دیتے، پھر ان کی حالت زار پر اللہ نے ترس کھا کر انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے انہوں نے ان کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا، اور ان برے افعال، لوگوں کو اشیاء ناپ تول میں کم کر کے دینا، اور راہ گیروں کو لوٹنا ان کو خوفزدہ کرنا ان تمام باتوں سے منع کیا، سمجھایا، الحمدللہ بعض لوگ ایمان لے بھی آئے لیکن اکثر اپنے کفر پر ڈٹے رہے، حتیٰ کہ اللہ نے ان پر بھی عذاب شدید نازل فرمادیا، اور وہ زبردست غالب ہے۔

جیسے اللہ نے فرمایا والی مدین اخاھم شعیبا ...... الخ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آگئی ہے۔[2]

یعنی واضح حجت اور دلیل اور برہان آچکی ہے جو اس بات پر شاہد اور دلیل ہے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ سب سچ ہے اور اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ ایسے معجزات ہیں جن کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، اور یہ آیت ان پر اجمالاً دلالت کرتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے آگے فرمایا، پس تول اور ترازو کو پورا کرو اور لوگوں کو اشیا گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ زمین کے درست ہونے کے بعد[3] حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو انصاف کا حکم فرمایا اور ظلم سے منع فرمایا اور اس کی ممانعت پر ڈرایا لہٰذا آگے فرمایا: یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور ہر راستے پر نہ بیٹھ جاؤ کہ (پھر راہ گیروں کو) ڈراؤ[4] یعنی رہزنی نہ کرو اور ان کے اموال نہ چھینو اور راہ چلنے والے لوگوں کو خوفزدہ نہ کرو، اس آیت ولا تقعدو االخ کی تفسیر حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اہل مدین راہ چلتے لوگوں سے ان کے اموال کا دسواں حصہ وصول کرتے تھے۔[5]

اور اسحاق بن بشر حضرت جبیر سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ قوم ظالم اور سرکش قوم تھی راستوں پر بیٹھ جاتی، لوگوں کو نقصان پہنچاتی ان سے ان کے اموال کا دسواں حصہ بطور غنڈہ گردی کے وصول کرتی اور سب سے پہلے اس ٹیکس کی انہوں نے بنیاد ڈالی

---

(۱) وقدروی ابن اسحاق بن بشر عن جویبر مقاتل عن الضحاک عن ابن عباس ...... الخ (۲) الاعراف ۸۵

(۳) الاعراف ۸۵۔۸۶ (۴) الاعراف ۸۵۔۸۶ (۵) اعراف ۸۶۔

حضرت شعیب علیہ السلام ان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تم لوگ اللہ کے راستے سے روکتے ہو ان کو جو اس پر ایمان لائے اور تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔ [۱]

اس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو راہ خدا میں لوگوں کو روکنے سے منع فرمایا جو کہ معنوی ڈاکہ زنی ہے اور دنیوی ظاہری ڈاکے سے بھی منع فرمایا، جو کہ لوٹا ماری ہے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام ان کو اللہ کے احسان یاد دلاتے ہیں اور مفسدوں کے انجام سے ڈراتے ہیں فرمایا: - اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تم کو بڑھایا اور دیکھو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا؟ [۲]

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو خدا کی نعمتیں جتائیں کہ وہ پہلے کمزور اور قلیل تعداد میں تھے پھر اللہ نے ان کو کثیر کر دیا اور طاقتور کر دیا اور آگے ان کو ڈرایا کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کریں گے تو ان پر بھی خدائی عذاب آجائے گا جیسے دوسرے قصے میں بیان فرمایا، فرمایا: اور ناپ تول میں کمی نہ کرو میں تم میں بھلائی دیکھتا ہوں (اگر تم مان لو) اور میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ [۳] یعنی جن پر تم سوار ہو ان کو چھوڑ دو ورنہ تو اللہ تم سے نعمت، برکت کو چھین لے گا، اور تم پر فقر کو مسلط کر دے گا اور تمہاری مالداری اور ثروت کو ختم کر دے گا اور یہ عذاب آخرت تک پہنچانے والی چیز بھی ہے تو اس طرح جس نے اس دنیا اور اس آخرت دونوں کے عذابوں کو جمع کر لیا بے شک اس نے گھاٹے والا سودا کر لیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو پہلے ناپ تول کی کمی سے منع کیا پھر نعمت مال و دولت کے دنیا میں چھن جانے سے ڈرایا، پھر آخرت میں عذاب الیم کے مسلط ہو جانے سے ڈرایا الغرض بہت ہی سخت ڈرایا۔

پھر بھی مخالفت ہوتی رہی تو ایک مرتبہ یوں ڈانٹتے اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

[۴] اے قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو اشیاء گھٹا کر نہ دو اور نہ زمین میں فساد برپا کرتے پھرو، اللہ کا دیا ہوا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھو، اور میں تم پر کوئی محافظ نہیں ہوں۔

اللہ کا باقی مانده چھوڑا ہوا، اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اللہ کا دیا ہوا رزق بہتر ہے اس سے جو تم لوگوں سے چھینتے ہو۔ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ناپ تول پورا پورا کرنے کے بعد جو نفع تمہارے لئے بچے وہ اللہ کا بقیہ ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم ناپ تول کم کر کے لوگوں کا مال ظلما لو، اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور حضرت حسن نے جو فرمایا اور نقل کیا وہ اللہ کے اس قول کے مشابہ ہے فرمان الٰہی ہے (اے پیغمبر) کہہ دیجئے خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتا اور اگر چہ آپ کو خبیث کی کثرت پسند لگے۔ [۵]

اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے بے شک سود اگر چہ زیادہ ہو پھر بھی انجام تھوڑا ہے امام احمد نے اس کو روایت فرمایا یعنی اس میں برکت نہیں ہے اور وہ بہت جلد کم ہو جائے گا جیسے فرمان الٰہی بھی ہے اللہ سود کو ختم کر دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ [۶]

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دو خرید و فروخت کرنے والے اختیار میں ہیں جب تک جدا نہ ہوں پس اگر سچ بولیں اور (اصل بات) ظاہر کریں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت دی جاتی ہے اگر چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کی خرید و فروخت کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ حلال نفع بابرکت ہوتا ہے اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اور حرام باقی نہیں رہتا اس میں برکت نہیں ہوتی اگر چہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھو۔ [۷]

اور فرمایا میں تم پر نگہبان نہیں ہوں، یعنی جن چیزوں کا میں تمہیں حکم کر رہا ہوں ان کو محض رضائے الٰہی کی خاطر بجا لاؤ، اور ثواب کے حصول کیلئے کرو، میری دلجوئی یا اور کوئی مقصود نہ ہو۔

کہتے تھے اے شعیب کیا آپ کی نماز آپ کو حکم کرتی ہے (کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ) ہم اپنے آباء کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے نہ کچھ کریں؟ آپ تو عقل مند (اور) درست آدمی تھے [۸] اور یہ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور ان پر عیب

---

(۱) الاعراف ۸۶ (۲) الاعراف ۸۶ (۳) ھود ۸۴ (۴) ھود ۸۵
(۵) المائدہ: ۱۰۰ (۶) البقرہ ۲۷۶ (۷) ھود ۸۶ (۸) ھود ۸۷

لگانے کے لئے کیا تھا کہ وہ نماز روزے جو آپ پڑھتے ہیں رکھتے ہیں وہی آپ کو یہ سکھاتے ہیں کہ آپ ہم کو ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکیں جن کی پرستش ہمارے اسلاف بزرگوار حضرات کرتے آئے ہیں، اور اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی ہم آپ کی خواہش و رضامندی کے مطابق چلیں، اور وہ سودے بازی چھوڑ دیں جس سے آپ منع کرتے ہیں اور وہ ہمارے پسندیدہ کاروبار ہیں۔

اور کفار نے کہا آپ عقل مند آدمی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ میمون بن مہران ابن جریج زید بن اسلم، ابن جریر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دشمنوں نے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لئے کہی تھی۔

آگے حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں:

کہا اے قوم تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جانب سے بہترین رزق عطا فرمایا ہے اور میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں کرتا اس سے جس سے میں تم کو منع کرتا ہوں، جتنا ہو سکے میں صرف اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں، اور مجھے اس کی توفیق صرف اللہ کے ساتھ ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ [1] یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو عمدہ عبارت کے ساتھ نرمی و لطف سے سمجھانا ہے اور ان کو حق کی طرف واضح اشارے کے ساتھ دعوت دینا ہے، آپ فرماتے ہیں کیا خیال ہے تمہارا اے جھوٹے لوگو: اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں کہ واقعی اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے اپنی طرف سے عمدہ رزق (توفیق) عطا فرمائی ہے یعنی مجھ کو نبوت و رسالت سے نوازا ہے، جس سے تم بے بہرہ ہو، تو ان سب باتوں کے ساتھ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے پھر تمہارا کیا بہانہ ہوگا؟ اور آگے وہی بات فرمائی جو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو فرمائی تھی کہ میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں رکھتا اس چیز میں جس سے میں تم کو روک رہا ہوں یعنی میں تم کو تو کہوں خود اس کے مخالف عمل کروں ایسا نہیں ہوگا، پس جب میں کسی بات کا حکم کروں گا تو سب سے پہلے خود اس کو بجالاؤں گا اور جب کسی بات پر منع کروں گا تو سب سے پہلے خود اس کو ترک کروں گا اور یہ صفت بہت عمدہ تعریف کے لائق صفت ہے اور اس کی ضد مردود اور مذموم ہے جیسے آخری زمانے میں بنی اسرائیل کے علماء کا شیوہ رہا اور اب تک ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا پس عقل نہیں رکھتے؟ [2] اور اس آیت کی تشریح میں ہم اپنی تفسیر میں حضور ﷺ سے روایت کردہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے روز) ایک آدمی کو لایا جائے گا پھر اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، پھر اس کی آنتیں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے گرد چکر لگائے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد چکر لگاتا ہے تو اہل جہنم (تماشائی کے طور پر) جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلانے تجھے کیا ہوا کیا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں لیکن میں نیکی کا حکم تو کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہ کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس سے بچتا نہ تھا۔ [3]

اور یہ صفت انبیاء میں کبھی نہیں ہوتی بلکہ فاجر فاسق بد بخت میں ہوتی ہے، اور بے شک شرفاء سردار اور عقل مند علماء تو وہ ہیں جو اپنے رب سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں ان کا حال ایسا ہی ہوتا جو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: کہ میں تمہارے خلاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا کہ تمہیں منع کروں اور خود ارتکاب کروں، مجھ سے جتنا ہو سکے میں اصلاح کا ارادہ کرتا ہوں۔ یعنی میں اپنے تمام افعال، اقوال، احوال میں اپنی طاقت اور محنت کے ساتھ صرف زمین میں اصلاح دامن پھیلانا چاہتا ہوں اور آگے فرمایا" اور مجھے اس کی توفیق صرف اللہ کی طرف سے ملی ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔" یعنی اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے اس کے پاس میرا ٹھکانہ ہے، اور یہ مقام ترغیب ہے، پھر اس سے مقام ترہیب یعنی ڈرانے کی طرف رجوع کرتے ہیں، فرماتے ہیں، اے قوم تم کو میری مخالفت کہیں ایسی حالت میں نہ ڈال دے کہ تم پر اسی طرح عذاب آن پہنچے جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا، اور قوم لوط بھی تم سے کچھ دور نہیں (اس سے عبرت پکڑ سکتے ہو) [4] یعنی تم کو مجھ سے محض مخالفت برائے مخالفت کرنے اور جو میں لایا ہوں اس سے بغض رکھنا اور اپنی جہالت و ضلالت پر ڈٹے رہنا کہیں تم کو خداوند کے عذاب و رسوائی میں نہ ڈال دے، جیسے کہ پہلے بھی تم جیسوں کے ساتھ ہوا یعنی قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح کے جھوٹے اور مخالف لوگوں سے تم عبرت پکڑ سکتے ہو، اور خاص کر قوم لوط جو ابھی ابھی گزری ہے اس کا حشر دیکھ لو اور یہ جو فرمایا کہ قوم لوط تم سے دور نہیں ہے اس کے دو مطلب

---

(۱) ہود ۸۸۔ البقرہ ۴۴ (۳) صحیح البخاری: بدء الخلق (۴) ہود ۸۹

ہو سکتے ہیں ایک مطلب ہے کہ وہ تم سے زیادہ زمانے پہلے نہیں گزرے اور ان پر ان کی سرکشی اور کفر کی وجہ سے جو عذاب نازل ہوا اس کو تم بخوبی جانتے ہو، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ بستی تم سے محل و مکان کے اعتبار سے زیادہ دور نہیں ہے جا کر ان کی بستی کی تباہی و ویرانی دیکھ لو اور ان دو مطلب کے علاوہ ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ قوم لوط بھی صفات اور برے افعال جیسے ڈاکہ زنی، لوگوں کے اموال ضبط کرنا، طرح طرح کے حیلوں اور مکرو فریب کے ساتھ ضبط کرنا وغیرہ وغیرہ امور میں تم ہی جیسی تھی تو جو اس کا حشر ہوا وہ تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

اور تینوں باتیں بھی یہاں مراد ہو سکتی ہیں ان کے جمع ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ وہ زمانے میں بھی ان کے قریب ہیں اور مکان میں بھی ان کے قریب ہیں، اور صفات میں بھی ان کے ساتھی ہیں۔

پہلے حضرت شعیب نے ترغیب و ترہیب کو جدا جدا بیان کیا پھر اکٹھا بیان کیا

فرمایا: اپنے پروردگار کے حضور مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب رحیم ہے (اور) محبت کرنے والا ہے یعنی اپنی موجودہ حالت سے باز آجاؤ اور اپنی کایا پلٹ لو اور ان گناہوں کی خدا سے معافی مانگ لو۔ (۱) اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنے رحیم و کریم اور محبت کرنے والے پروردگار کی طرف توبہ کر لو اور اسی کے ہو کر رہ جاؤ بے شک جس نے اس کی طرف رجوع کر لیا تو وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور ان پر اس قدر رحم و کرم کرنے والا ہے جتنا ایک ماں بھی اپنے بچے پر نہیں کرتی، اور فرمایا وہ محبت کرنے والا ہے یعنی بندہ اپنے پروردگار کے جناب میں حاضر ہو جائے اور اپنی لغزشوں کی معافی مانگ لے تو وہ اپنے بندے کو محبوب بنالیتا ہے، اگرچہ وہ پہلے بڑے عظیم گناہ انجام دے چکا ہو جب حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کئی طرح سے دعوت دی نرم بھی گرم بھی تو پھر انھوں نے جواب میں کہا کہنے لگے "اے شعیب، جو تو کہتا ہے اس کو ہم نہیں سمجھتے، اور ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بصارت میں کمی آ گئی تھی اور حدیث مرفوع میں بھی آیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کی محبت میں اتنا روئے اتنا روئے کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی بصارت دوبارہ لوٹا دی اور اللہ نے ان سے پوچھا اے شعیب کیا تو جہنم کے خوف سے روتا ہے؟ عرض کیا بلکہ آپ کی محبت سے پس جب میں تجھ کو دیکھ لوں گا تو مجھے کوئی پرواہ نہ ہوگی کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ تو اللہ نے ان کو وحی فرمائی کہ اے شعیب تجھ کو میری ملاقات مبارک ہو، لہٰذا اسی وجہ سے میں نے موسیٰ بن عمران جو میرے ہم کلام ہیں وہ تجھ کو بطور خادم دیدیئے۔ (۳)

اس حدیث کی مثل ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے لیکن خطیب بغدادی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے تو خیر یہ باتیں اس بات کی تفسیر میں نقل کی ہیں کہ کافروں نے آپ کو ضعیف کہا تھا۔ آگے وہ ملعون کہتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر کچھ زور والا نہیں ہے۔ یہ ان کے کفر اور ان کے اندر کی خباثت کی انتہا تھی۔

پہلے تو کہا ہم تیری بات ہی نہیں سمجھتے نہ اس کو عقل والی بات قرار دیتے ہیں کیونکہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس کو چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمارا اس کو قبول کرنے یا سننے کا ارادہ ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی ادنیٰ سی توجہ بھی ہے، اسی طرح کفار مکہ نے بھی حضور ﷺ کی دل آزاری اور بکواس کی تھی۔

فرمان باری ہے اور وہ کہنے لگے جس بات کی طرف (اے محمد) تو ہمیں بلاتا ہے ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں، اور ہمارے اور تیرے درمیان پردے ہیں لہٰذا تو (اپنا) کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ (۴)

تو جب کافروں نے حضرت شعیب کو سنگساری کی دھمکی دیتے ہوئے ان کے قبیلے سے رکاوٹ محسوس کی تو آپ نے جواب دیا: کہا اے قوم کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ باعزت اور غالب ہے؟ (۵)

---

(۱) ھود ۹۰ (۲) ھود ۹۱۔ (۳) رواہ الواحدی عن ابی الفتح محمد بن علی الکوفی، عن علی بن الحسن بن بندار، عن ابی عبداللہ محمد بن اسحاق الرملی عن ھشام بن عمار، عن اسماعیل بن عیاش عن یحییٰ بن سعید عن شداد بن اوس عن النبی ﷺ بنحوہ ...... الخ وھو غریب جدا و قد ضعفہ الخطیب البغدادی (۴) فصلت ۵ (۵) ھود ۹۲۔

یعنی تم میرے خاندان میرے قبیلے سے تو ڈرتے ہو، اور ان کے سبب سے میرا لحاظ کرتے ہو، افسوس، اللہ سے نہیں ڈرتے اور یوں میرا لحاظ نہیں کرتے کہ میں اللہ کا قاصد ہوں، تو پس میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ باعزت اور طاقتور ہو گیا ہے اور فرمایا: اور تم نے اللہ کے لحاظ کو پس پشت ڈال دیا ہے بے شک جو تم عمل کرتے ہو میرا رب احاطہ کرنے والا ہے۔[1] یعنی وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تمہاری حرکتوں کو جانتا ہے اور ان پر تم کو بدلہ دے گا جب تم لوٹ کر اس کے پاس جاؤ گے، اور فرمایا اے قوم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر ڈالے گا، اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔[2] یہ سخت ڈراوہ اور وعید ہے کہ اپنے راستے اور طریقے اور مسلک پر عمل پیرا ہوں پھر عنقریب جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے اور کس پر ہمیشہ کی ہلاکت اور بربادی نازل ہوتی ہے اور اس دنیوی زندگی میں ان پر ایسا عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا و ذلیل کر دے گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آخرت میں ایک دائمی عذاب کس کو جکڑے گا اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ کون جھوٹا ہے میں جھوٹا ہوں یا تم اور میں جو تم کو خبر دیتا ہوں اور خوشخبری سناتا ہوں اور ڈراتا ہوں وہ سچ ہے یا تم سچ ہو، سب معلوم ہو جائے گا، فرمایا: اور تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے انھوں نے دوسری جگہ فرمایا: اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو اس پر ایمان لایا ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایسا ہو جو ایمان نہیں لایا تو پس صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین ہے تو شعیب علیہ السلام کی قوم جواب دیتی ہے، شعیب کی قوم میں سے متکبرین کی ایک جماعت نے کہا۔ اے شعیب، ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لاتے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا تو تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ (شعیب نے) کہا کیا اگر ہم ناپسند کرتے ہوں تب بھی؟ (تو اس صورت میں) ہم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہوں گے اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ جائیں، اس کے بعد کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی اور ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم اس میں لوٹیں مگر یہ کہ ہمارا پروردگار چاہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا، اے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔[3]

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ کافر لوگ اپنے فاسد خیال کے مطابق اندازہ لگائے بیٹھے تھے کہ ہم ان کو بھی اپنی جھوٹی ملت کی طرف پھیر لیں گے، تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم اور مومنوں کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا کیا اگر ہم تمہاری ملت کو ناپسند کرتے ہوں تب بھی تم زور سے ہم کو کھینچ لو گے گمراہ کر لو گے؟ کیونکہ یہ خوشی اور اختیار سے، تمہاری طرف نہیں آنا چاہتے اور اگر محالاً لوٹیں گے بھی تو ناپسندیدگی اور مجبوری اور نفرت سے لوٹیں گے کیونکہ ایمان جب کسی دل میں گھر کر جاتا ہے تو اس کو کوئی نہیں نکال سکتا، اور اس کو کوئی نہیں پھیر سکتا اور نہ اس کے لئے کوئی اور ٹھکانہ ہوتا، اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب اللہ نے ہم کو الحمدللہ تمہاری جھوٹی ملت سے نجات دیدی ہے اس کے باوجود بھی تمہاری طرف لوٹیں گے تو یہ ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے، لہذا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ اللہ جو چاہے وہی ہو گا، ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اور اللہ ہی پر ہم کو بھروسہ ہے پس وہ ہم کو کافی ہے اور وہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور تمام کاموں میں اس کی طرف ہمارا ٹھکانا اور جائے پناہ ہے، پھر حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان فیصلے کو طلب کرتے ہیں اور ان کے عذاب مانگنے پر ان کے لئے اس کی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جلد ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں، تو اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے ان پر بددعا کی اور اللہ اپنے رسولوں کی بات مسترد نہیں کرتا جب وہ مدد طلب کریں ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے ان کی بات سے انکار کیا اور اللہ سے کفر کیا اور ان کی مخالفت کی، یہاں پہنچ کر اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام ان کے لئے بددعا کرتے ہیں لیکن ان کی قوم اس کے باوجود اپنے کفر پر ڈٹی ہوئی اور اس کے ساتھ دوسروں کو گمراہ کرتی ہوئی یوں کہتی ہے، اور شعیب کی قوم سے کافروں کی جماعت نے کہا اگر تم شعیب کی پیروی کرو گے تو اس وقت تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔[4]

پھر جب ان کی گفتگو ختم ہوئی تو اللہ نے بھی فرمادیا اور حقیقت میں کر دیا، فرمایا پھر ان کو ایک آندھی نے پکڑ لیا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہو گئے۔[5] یہاں ذکر کیا کہ ان کو ایک زلزلے نے پکڑ لیا اس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گئے زمین زلزلے کی زد میں آ گئی اور ان کی روحیں ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں اور ان کے حیوانات بھی جمادات کی طرح ہو گئے ان کے اجسام، جیتے صرف ریت کے ڈھیر رہ گئے جن میں کوئی روح

(۱) ہود ۹۲ (۲) ہود ۹۳ (۳) اعراف ۸۸۔۸۹ (۴) الاعراف ۹۰ (۵) الاعراف ۹۱

وحرکت نہ تھی اور نہ حواس تھے اور اللہ نے ان پر کئی اقسام کے عذاب جمع فرمادیئے تھے اور کئی مصیبتوں اور ہلاکتوں کی صورتیں ان پراکٹھی کردی تھیں اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ بھی کئی قسم کے گناہوں کے ساتھ زندہ تھے تو اللہ نے ان پر آندھی بھیجی اس نے حرکتیں بند کروادیں اور چنگھاڑ بھیجی اس نے آوازیں بند کروادیں اور بادل بھیجے انھوں نے تمام اطراف سے آگ کے شعلے برسادیئے۔ لہٰذا اللہ نے جہاں بھی ان کے قصے کو بیان فرمایا وہیں کی مناسبت سے ان کے مختلف عذاب کو بیان فرمایا۔

کل تین طرح کے عذاب کا ان پر ذکر آیا ہے زمینی بھونچال، چنگھاڑ، آگ کے بادل۔

سورۂ اعراف میں ہے کہ کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ڈرایا اور دھمکایا اور بستی سے جلاوطن کرنے کا کہا مگر یہ کہ وہ ہمارے دین میں آجائیں، تو اللہ نے اس مناسبت سے وہاں فرمایا: ان کو آندھی نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہو گئے تو یہاں ارجاف کافروں نے کیا تو اللہ نے رجف کیا یعنی انھوں نے ڈرایا ہی تھا اللہ نے ان کو حقیقت میں تباہ کردیا۔

اور سورۂ ہود میں ان کے متعلق چنگھاڑ کے عذاب کا حکم آیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر گئے، اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کے پیغمبر کو استہزاء اور تمسخر اور عیب لگانے کے طور پر کہا تھا کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو حکم کرتی ہے کہ تو ہمیں حکم دے کہ ہم اپنے آباء کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں، یا اپنی مرضی کے مطابق ہم اپنے اموال میں تصرف نہ کریں آپ تو عقل مند اور درست تھے۔ [1] تو جس طرح انھوں نے نبی کا مذاق اڑایا تو اس کے لئے مناسب ہوا کہ ان کو ایسی ڈانٹ ڈپٹ کی جائے جو اس کے مطابق ہو لہٰذا انھوں نے اپنی زبانوں سے نبی کا مذاق اڑایا تو اللہ نے اپنے فرشتے کے ذریعے ایک چیخ ان پر لگوائی جس سے ان کے کلیجے تک پھٹ گئے اور اس بدکلامی کا مزہ مل گیا جو نبی علیہ السلام کے متعلق کرتے تھے لہٰذا پہلے آندھی نے ان کو سکون بخش دیا تھا پھر چیخ نے ان کو گنگ کردیا۔

اور سورۂ شعراء میں ہے کہ ان کو سائبان یعنی بادل کے عذاب نے آدبوچا اور یہ ان کی مانگ وخواہش وطلب کا نتیجہ تھا انھوں نے کہا تھا کہ آپ تو جادوگر ہیں اور آپ صرف ہماری طرح کے آدمی ہیں اور ہم تو آپ کو بس جھوٹا گمان کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہم پر آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا گرادیجئے اگر آپ سچے ہیں شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے (لہٰذا فکر نہ کرو ان کا بدلہ مل جاتا ہے)۔ [2] لہٰذا اللہ نے ان کی خواہش کو پورا فرمایا، فرمان الٰہی ہے، پھر انھوں نے شعیب کو جھٹلایا تو ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑلیا بے شک وہ بڑے دن کا عذاب ہے۔ [3]

اور بعض مفسرین جیسے قتادہ وغیرہ ان کا یہ خیال ہے کہ اصحاب الایکہ اہل مدین کے علاوہ کوئی اور امت ہے ان کا یہ قول ضعیف ہے۔

اور انھوں نے یہ خیال اس وجہ سے اپنایا ہے ایک تو یہ ہے کہ اللہ نے ایک جگہ فرمایا اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کو شعیب علیہ السلام نے کہا۔ [4] اور یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کہا، اور دوسری جگہ فرمایا اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا [5] تو ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف بھیجے گئے اصحاب الایکہ اور اہل مدین اور ان حضرات کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے لئے سائبان کے عذاب کو ذکر فرمایا اور اہل مدین کے لئے زلزلے یا چیخ کے عذاب کو ذکر فرمایا۔

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے ساتھ بھائی ہونے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ ساتھ میں قوم کی اصل قباحت یعنی اصحاب الایکہ ہونے کو بیان کیا ہے اور اصحاب الایکہ کا مطلب ہے کہ یہ درخت کے پجاری تھے، تو قرآن میں جب ان کی اس قبیح صفت کو ذکر کیا گیا تو اس جگہ ایک پیغمبر کو ان کے بھائی ہونے کے ساتھ ذکر کرنا نامناسب ہو لہٰذا وہاں از خود اس نسبت برادری کو ترک فرمایا، اور اہل مدین یعنی ان کی جب انہی اصحاب الایکہ کی طرف قبیلے کے اعتبار سے نسبت کی تو یہاں کوئی ایسی بات نہیں تھی لہٰذا اصل بات کو بیان کیا کہ یہ ان کے بھائی یعنی ان کے قبیلے کے تھے لہٰذا یہاں برادر ہونے کی نسبت کا ذکر صحیح تھا۔

اور یہ فرق نفس لطیف اور باریک وعمدہ فرق ہے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر محض عذاب کے متعدد ہونے کی وجہ سے، وہ دو امتیں ہیں تو پھر انہی کے قول کے مطابق اہل مدین کو چیخ اور

(۱) ہود ۸۷۔ (۲) الشعراء ۱۸۵ تا ۱۸۸۔ (۳) سابقہ ۱۸۹۔ (۴) الشعراء ۱۷۶ تا ۱۷۷۔ (۵) اعراف ۸۵

زلزلے کا عذاب آیا لہٰذا یہ بھی دو امتیں ہوگئیں اس طرح پھر تو تین امتیں بن جاتی ہیں، اور اس بات کا کوئی بھی قائل اور حامی نہیں ہے کہ وہ اس طرح اس کا عجیب مفہوم سمجھے۔

اور ان مذکورہ حضرات کے دلائل میں ایک حدیث بھی ہے جس کو حافظ ابن عساکر نے حضرت شعیب علیہ السلام کی سوانح میں بیان فرمایا اور وہ[1] عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً مروی ہے کہ قوم مدین اور اصحاب الایکہ دو جدا جدا امتیں تھیں اور دونوں کی طرف شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راویوں میں شک ہے اور زیادہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا خود کا فرمان ہے جو انھوں نے ان کتابوں سے حاصل کیا ہے جو ان کو جنگ یرموک میں بنی اسرائیل کی خبروں کی کتابوں کے دو لدے اونٹ ملے تھے، واللہ اعلم

اور ہماری بات کہ دونوں ایک قوم ہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے جو صفات اہل مدین کی بیان فرمائیں وہی اصحاب الایکہ کی بھی فرمائیں کہ دونوں ہی ناپ تول میں کمی کے مرتکب تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں گروہ ایک جماعت وامت تھے، لیکن ہلاک کئی قسم کے عذاب سے ہوئے ہیں اور ہر جگہ وہاں کے مناسب عذاب کو ذکر فرمایا ہے۔

اور اسی طرح دیکھئے کہ خدا کا فرمان ہے:

پھر ان کو سائبان (یعنی بادلوں) کے عذاب نے آپکڑا۔

اس کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ نے ان پر پہلے تو سخت گرمی مسلط فرمائی اور سات دن مسلسل ان پر ہوا بند رکھی، جس کی وجہ سے ان کو پانی اور سایہ بھی نفع نہ دے سکتا تھا اور ان کی گرمی نہ بجھا سکتا تھا اور اپنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہونے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا، تو یہ اس عظیم مصیبت سے گھبرا کر اپنے محلے سے بھاگ کر جنگل میں پہنچے تا کہ کچھ ہوا لگے، وہاں ان پر بادلوں نے سایہ کرلیا پھر تو یہ خوشی سے اس کے نیچا کٹھے ہوگئے، تا کہ اس کے سائے میں گرمی و دھوپ سے نجات حاصل کریں تو جب تمام افراد اس کے نیچے آگئے اور کوئی پیچھے نہ رہا تو پھر اللہ نے ان پر ان بادلوں سے آگ کے بھڑکتے شعلے برسائے، اور اس کے علاوہ اس وقت زمین اپنی تابانی میں آگئی اور ان کو جھنجھوڑا یعنی زلزلے کی کیفیت پیدا ہوگئی پھر آسمان سے ایک چیخ آئی تو اس نے ان کی روحوں کو نکال دیا (کلیجے پھٹ گئے) اور جسموں کو تباہ و ویران کر دیا اور سب اوندھے گرے پڑے رہ گئے۔

فرمان الٰہی ہے: پھر وہ اپنے گھروں (یعنی علاقے) میں اوندھے منہ ہوگئے جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، گویا کہ وہ ان میں تھے ہی نہیں، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے پہلے ہی حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا تھا جیسے اس یکی ذات نے فرمایا: اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیب کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لانے والے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات دیدی، اور ظالموں کو چیخ نے پکڑلیا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے ہوگئے، گویا کہ تھے ہی نہیں آگاہ رہو، (اہل) مدین کے لئے لعنت ہے جیسے کہ ثمود پر لعنت ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس کی قوم سے کافروں کی جماعت کے سرداروں نے کہا اگر تم شعیب علیہ السلام کی پیروی کرو گے؟ تو اس وقت تم خسارہ اٹھانے والے ہوگے، پھر ان کو بھونچال نے آپکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہوگئے، جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، گویا کہ وہ ان میں تھے ہی نہیں، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ ہی خسارہ اٹھانے والے ہوئے۔[2]

اور اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر کا دفاع فرماتے ہوئے جو یہ الفاظ فرمائے کہ وہی خسارہ اٹھانے والے ہوئے، یہ درحقیقت ان کی اس بات کا جواب تھا انھوں نے کہا تھا، اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی پیروی کرلی تو اس وقت تم خسارہ اٹھانے والے ہوگے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دے دیا اور بالکل بات نہ مانی اور ہلاک ہوگئے تو آپ ان کو ڈانٹتے اور افسوس کرتے ہوئے ان سے منہ موڑ کر چل دیئے فرمایا: پھر (شعیب) ان سے پیٹھ پھیر کر چلے اور کہا اے قوم بے شک میں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچا چکا، اور تم کو نصیحت کر چکا، پس کیسے افسوس ہے کافر قوم پر۔

---

(۱) من طریق محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، عن ابیہ، عن معاویہ بن ہشام عن ہشام بن سعد عن شقیق بن ابی ہلال، عن ربیعۃ بن سیف، عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً (۲) اعراف ۹۰ تا ۹۲

یعنی جب وہ ہلاکت میں پڑ گئے تو ان کے علاقے سے منہ موڑ کر یوں کہتے ہوئے افسوس زدہ حالت میں چل دیئے کہ اے قوم بے شک میں نے تو اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے تھے، اور میں نے تمہارے لئے بہت خیر خواہی کی، مگر تم نے میری ایک نہ سنی، اور جو مجھ پر واجب تھا میں نے پورا پورا تم تک پہنچا دیا اور تم سے کامل خیر خواہی کر کے دیکھی، اور جتنا میرے بس میں تھا اور جتنے تک میں پہنچ سکا میں نے تمہاری ہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور میں اس پر بہت حریص تھا لیکن میری تمام کوششیں بیکار گئیں اور انھوں نے تم کو کچھ نہ دیا اس لئے کہ اللہ جس کو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے، پس جو ہوا سو ہوا آج کے بعد میں تم پر افسوس نہ کروں گا، اس لئے کہ تم نے ہی نصیحت کو ٹھکرا دیا تھا، اور رسوائی وذلت کے دن سے نہ ڈرتے تھے۔

اس وجہ سے فرمایا کہ کافر قوم پر کیسا افسوس؟ یعنی جو خود قبول حق سے گریزاں ہے اور اس کی طرف پل بھر توجہ نہ دی تو ان پر اللہ کا وہ عذاب اتر گیا جو واپس نہیں ہو سکتا اس کو کوئی رکاوٹ نہیں اور اس سے کوئی چھٹکارا نہیں اس سے کوئی بچاؤ نہیں۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد تھے اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں نے مکہ میں وفات پائی اور ان کی قبریں ندوہ اور دار بنی سہم کے درمیان کعبہ کی غربی جانب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر خیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ، اور ان کا انجام کار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کارنامے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اور ان کے زمانے میں جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ پیش آیا اس کو بھی ذکر کر دیا اور اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین کا قصہ ذکر کر چکے، کیونکہ قرآن مقدس میں کئی جگہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے قصے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے قصے کو بیان کیا گیا ہے اور ہم نے بھی دونوں کو اکھٹا یکے بعد دیگرے ذکر کیا، اور اہل مدین اور اصحاب الایکہ دونوں ایک ہی جماعت کے نام ہیں جیسے کہ ہم بیان کر چکے تو ہم نے قرآن عظیم کی اتباع کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا۔

پھر اب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر تفصیلی ذکر شروع کرتے ہیں، کیونکہ اللہ نے ان کی اولاد میں نبوت و کتاب ہمیشہ کے لئے رکھ دی ہے اس لئے کہ ان کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوئے اور وہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے، جیسے مذکور ہوا لیکن سب سے مشہور دو بھائی ہوئے کیونکہ دونوں عظیم پیغمبر گزرے ہیں، اور ان دونوں میں عمر اور بزرگی کے اعتبار سے بڑے، صحیح قول کے مطابق اور راہ خدا میں ذبح ہونے والے، اور اس وقت کے اکلوتے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، جنہوں نے ہاجرہ قبطیہ مصریہ کے شکم اطہر سے جنم لیا، اور جنہوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ انھوں نے اس کو بنی اسرائیل کی خبروں سے نقل کیا ہے وہ بنی اسرائیل علیہ السلام جنہوں نے اللہ کی کتابوں یعنی تورات وانجیل کو بدلا محرف کیا، اس میں ردوبدل کیا، اور جو ہمارے ہاتھوں میں حق ہے اس سے منہ موڑا، اور اس کی مخالفت کی اور بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا جو اس وقت اکلوتے اور تنہا تھے۔

اور جو کچھ بھی ہو بہر حال تمام کتابوں میں تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، قرآن سے بھی بلکہ ان کی کتاب میں بھی صراحت کے ساتھ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں جنم لیا جبکہ ابراہیم علیہ السلام اپنی عمر کی چھیاسی بہاریں دیکھ چکے تھے، اور جب اسحاق پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم پر ایک سو سال بیت چکے تھے، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی اکلوتے اور تنہا ہوئے، صورت کے لحاظ سے بھی اور معنی کے لحاظ سے بھی۔

صورت کے اعتبار سے اس طرح اکلوتے ہوئے کہ آپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تیرہ سال تک تن تنہا فرزند تھے حضرت اسحاق علیہ السلام تیرہ سال کے بعد پیدا ہوئے، اور معنی اس طرح اکلوتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہ السلام کو لے کر جبکہ ابھی اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے تو ان دونوں کو لے کر وادی فاران کے پہاڑوں کے درمیان تپتے صحراء میں بے آب وگیاہ جگہ پر چھوڑ آئے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ پانی اور توشہ بھی نہ تھا مگر تھوڑا سا اور یہ محض توکل علی اللہ پر چھوڑ گئے تھے، تو اللہ نے بھی ان کو اپنی عنایت وکفایت ورحمت سے گھیر لیا بے شک وہ بڑا کارساز اور کافی ہے اور وکیل وکفیل ہے۔

تو الغرض حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صورت ومعنی کے لحاظ سے اکلوتے فرزند ہیں لیکن کون ہے؟ جو اس راز کو جانے؟ اور کون ہے جو اس مقام پر اترے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا کوئی ادراک اور علم کے ساتھ احاطہ نہیں کر سکتا سوائے ہر پیغمبر کے۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو از خود کئی اعلیٰ صفات اور عمدہ خصلتوں کے ساتھ موصوف فرمایا تھا بردباری، صبر، وعدے و پیمان کی سچائی و وفائی، محافظت علی الصلوٰۃ، اور نماز کا اپنے اہل وعیال کو حکم کرنے تا کہ ان کو عذاب سے بچالیں، اور اس کے علاوہ دیگر عبادتوں کی دعوت و تعلیم [1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور (اے نبی) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے وعدے والے اور رسول وپیغمبر تھے اور اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے، اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ (شخصیت) تھے۔

اور ان کی صفات میں فرمایا: پھر ہم نے ابراہیم کو بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں دیکھ لے تیری کیا رائے ہے، تو کہا اے باپ جس کا آپ کو حکم ملا ہے پورا کیجئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ [2] یہاں دیکھئے جیسے ہی باپ نے اتنی بڑی قربانی مانگی فوراً رضائے خداوندی کے لئے سر تسلیم خم کردیا، اور وعدہ بھی کیا کہ انشاء اللہ وہ صبر کریں گے پس وعدے کو پورا کردیا اور خوب صبر سے کام لیا۔ اور دوسری جگہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق، یعقوب کو یاد کرو جو قوت والے اور صاحب نظر تھے، ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد کے ساتھ ممتاز کیا تھا، اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے، اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ [3] اسی طرح دوسری جگہ فرمایا اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے، اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیک لوگ تھے اور ایک اور جگہ فرمایا: (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم، اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف (بھی بھیجی تھی) [4] اور سورۂ بقرہ میں فرمایا: (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اترے، [5] اسی کی دوسری آیت بھی ذکر فرمائی فرمایا: (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہود یا عیسائی تھے؟ (اے محمد تم ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا؟

یہ آیات ذکر کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے پیغمبروں کا ساتھ کس قدر بار بار ذکر فرمایا اور کئی جگہ تو ان کو علیحدہ خصوصیت سے کئی عمدہ صفات کا حامل قرار دیا اور ان کو اپنا نبی اور رسول قرار دیا، اور ہر نامناسب بات جو جاہلین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان سے بری قرار دیا، اور اپنے مومن بندوں کو حکم فرمایا کہ جو ان پر نازل ہوا اس پر بھی کامل ایمان رکھو۔

تاریخ اور نسب ناموں کے علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے جو گھوڑے پر سوار ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، اور اس سے پہلے گھوڑا وحشی جانور تھا انھوں نے اس کو سدھایا اور مانوس کیا اور پھر اس پر سواری کی، اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ [6]

گھوڑوں کو اپناؤ اور ان پر سواری کرو، بے شک یہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔

[7] رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا پہلا شخص جس نے واضح عربی زبان کے ساتھ زبان کھولی وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہ (اس وقت) چودہ سال کی عمر کے تھے۔

اس حدیث کو بیان کرنے والے (اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انھوں نے یہ حدیث بیان کی تو یونس نے ان کو کہا اے ابو سیار (ان کی کنیت ہے) تو نے سچ کہا اسی طرح ابو جری نے بھی مجھے حدیث بیان کی ہے۔

اور پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب وہ جوان ہوئے تو انھوں نے عمالیق کی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی، پھر ان کے والد مکرم نے ان کو اس

---

(۱) مریم ۵۴۔۵۵ (۲) الصافات ۱۰۱ تا ۱۰۲۔ (۳) ص ۴۵ تا ۴۸۔ (۴) النساء ۱۶۳۔

(۵) بقرہ ۱۳۶۔ (۶) وقد قال سعید بن یحییٰ الاموی فی مغازیہ، حدثنا شیخ من قریش، حدثنا عبدالملک بن عبدالعزیز، عن عبداللہ بن عمر ...... الخ (۷) قال الاموی، حدثنی علی بن المغیرہ، حدثنا ابوعبیدۃ، حدثنا مسمع بن مالک، عن محمد بن علی بن الحسین عن آبائہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ

سے جدائی کا حکم دیا تو حضرت اسماعیل نے اس سے جدائی اختیار کر لی تھی، اموی کہتے ہیں وہ عورت عمارہ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل العمالیقی تھی، پھر حضرت اسماعیل نے ایک اور عورت سے شادی کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کو باقی رکھو، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان کے ساتھ زندگی بسر کی اور وہ سیدہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی تھیں اور ایک قول کے مطابق یہ تیسری بیوی تھیں پھر اس عورت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ لڑکے ہوئے، اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں، وہ نابت، قیدر، ازبل، میشی، مسمع، ماش، دوصا، آرر، یطور، بنش، طیما، قیذ ما ہیں اہل کتاب نے اسی طرح یہ نام اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق جو ان کی کتابوں اور ہماری کتابوں میں بھی خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کی آل سے بارہ عظیم اشخاص پیدا ہوں گے تو اہل کتاب نے جھوٹ اور غلط تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ افراد وہی ہیں۔

اسی بستی (یعنی مکہ) اور اس کے آس پاس کی آبادیوں میں جہاں کے مکین قوم جرہم، قوم عمالیق، اور اہل یمن تھے ان کی طرف آپ نبی بنا کر بھیجے گئے، اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے باپ شریک بھائی، پیغمبر خدا حضرت اسحاق علیہ السلام کو وصیت فرمائی، اور اپنی بیٹی ''نسمہ'' کا اپنے بھتیجے عیص بن اسحاق سے نکاح فرمایا: ''نسمہ'' سے ''عیص'' کے ہاں ایک لڑکا ''روم'' پیدا ہوا اور اس سے آگے چلنے والی نسل کو بنو اصفر کہا جاتا تھا اصفر کے معنی ہیں زرد رنگ یعنی زرد رنگ والے کی اولاد کیونکہ عیص زرد رنگ کے تھے اور ایک قول کے مطابق یونان نامی لڑکا بھی انہی سے پیدا ہوا۔

اور عیص کی اولاد میں سے ایک اشبان بھی ہے اور ایک قول ہے کہ وہ بھی انہی دونوں میں کسی کا بیٹا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر توقف فرمایا ہے۔

اور اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام مقام حجر میں اپنی والدہ ہاجرہ علیہ السلام کے پاس مدفون ہوئے اور وفات کے وقت ان کی عمر مبارک ایک سو سینتیس ۱۳۷ سال تھی، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں مکہ کی گرمی کی شکایت کی تو اللہ نے ان کو وحی فرمائی جہاں آپ مدفون ہوئے وہاں میں آپ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دوں گا، جس سے قیامت تک تجھ پر ہوائیں آتی رہیں گی اور حجاز مقدس (مکہ مدینہ) کے تمام عرب لوگ حضرت اسماعیل کے دو صاحبزادوں یعنی قیدار اور نابت کی اولاد میں سے ہیں۔

ان کے متعلق تفصیلی گفتگو قبائل عرب (زمانہ اسماعیل سے جناب نبی کریم ﷺ کے زمانہ تک) پر بحث کرتے ہوئے کریں گے۔ جس میں بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کا مختصر ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک ہوگا۔ اور جو واقعات زمانہ جاہلیت میں ہوئے اس پر گفتگو ہوگی۔ انشاء اللہ۔

حضرت اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام
الکریم بن الکریم کا ذکر خیر علیہما الصلوۃ والسلام

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب سو سال کو پہنچ گئی تھی اس وقت یہ پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور جب حضرت سارہ علیہ السلام کو ان کی یعنی اسحاق علیہ السلام بچے کی پیدائش کی خوشخبری ملی تو اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال تھی۔

فرمان الٰہی ہے:

اور ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے ہوگا اور پیغمبر ہوگا، اور ہم نے اس (ابراہیم) پر اور اسحاق پر برکتیں رکھیں اور ان کی اولاد سے محسن اور اپنے نفس کے لئے کھلے ظالم لوگ ہوں گے۔ [1]

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کئی آیتوں کے اندر حضرت اسحاق علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے۔ اور ان کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے نقل کر چکے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم الصلوۃ والسلام) ہیں۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے جب اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں رفقا بنت بتوائیل سے شادی کی تو اس وقت حضرت اسحاق کی عمر چالیس سال تھی، لیکن یہ عورت رفقا بانجھ تھی جس پر حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضور الٰہی میں دعا کی تو فریاد رسی ہوئی اور اللہ نے ان کو دو جڑواں لڑکے عطا فرمائے، پہلے کا نام عیصو تھا جس کو اہل عرب عیص کے نام سے پکارتے ہیں اور یہ روم کے والد ہیں اور دوسرا لڑکا چونکہ پہلے کے بعد پیدا ہوا تھا اور پچھلے حصے کو عقب کہتے ہیں اس لئے دوسرے کا نام یعقوب رکھ دیا اور یہی اسرائیل لقب والے ہیں جن کی طرف تمام بنی اسرائیل منسوب ہیں اور یہ پیغمبر ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے پہلے لڑکے عیصو سے بنسبت یعقوب کے زیادہ محبت کرتے تھے اس لئے کہ وہ پہلی اولاد تھے، اور ان دونوں کی ماں رفقا یعقوب سے زیادہ محبت کرتی تھی اس لئے کہ وہ زیادہ چھوٹا تھا کہتے ہیں کہ جب اسحاق علیہ السلام بڑی عمر کو پہنچ گئے اور بینائی جاتی رہی تو ایک مرتبہ ان کو کھانے کی بھوک لگی تو اپنے بڑے فرزند عیصو کو کہا کہ جا کر شکار کر کے ان کے لئے پکا کر لاؤ تا کہ وہ ان کو برکت اور ترقی کی دعا کریں، اور عیص شکاری تھا تو اس تلاش میں نکل گیا، پھر پیچھے سے رفقا والدہ نے یعقوب کو فرمایا کہ عمدہ بکریوں میں سے دو بچے ذبح کرو، اور اپنے باپ کی خواہش وپسند کے مطابق اس کو پکا کر تیار کرو اور جلدی سے اپنے بھائی سے پہلے ان کے پاس لے کر پہنچ جاؤ، تا کہ تمہارے والد مکرم تیرے لئے دعا کر دیں تو پھر رفقا نے بڑے بھائی کے کپڑے چھوٹے بھائی یعنی یعقوب کو پہنائے اور اس کی گردن اور بازوؤں پر بکری کے بچوں کی کھالیں لٹکا دئیں، کیونکہ عیص تو بڑے جسم والا تھا جبکہ یعقوب ایسا نہ تھا، تو الغرض حضرت یعقوب یہ تیار کر کرا اپنے باپ کی خدمت میں لے گئے تو باپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا تیرا بچہ تو باپ نے ان کو گلے لگا لیا اور چوما اور فرمایا: بہر حال آواز تو یعقوب کی اور کپڑے اور جسم عیص کا ہے پھر حضرت اسحاق علیہ السلام نے کھانا تناول کر لیا اور فارغ ہو گئے تو پھر ان کے لئے خدا کے حضور میں دعا کی کہ اللہ ان کو اپنے سب بھائیوں میں مرتبے کے اعتبار سے بڑا کرے اور ان میں اور ان کے بعد آنے والی جماعتوں میں اس کی نبوت چلے اور اللہ اس کا رزق واولاد بڑھائے۔

---

(۱) الصافات ۱۱۲ تا ۱۱۳

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد کے پاس سے نکل کر گئے تو پیچھے سے حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیص بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور جو حضرت اسحاق علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا وہ بھی ساتھ لے آئے اور والد مکرم کے قریب کر دیا تا کہ وہ تناول فرمائیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے اے بیٹے؟ عرض کیا یہ وہ کھانا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی فرمایا: کیا تھوڑی دیر پہلے تو نہیں لایا اور میں نے اس سے کھایا بھی ہے، اور تیرے لئے دعا بھی کر دی ہے؟ عرض کیا نہیں اللہ کی قسم۔ پھر عیص کو پتہ چلا کہ ان کا بھائی پہل کر چکا ہے تو حضرت یعقوب پر بڑے بھائی کو بہت غصہ آیا، اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت یعقوب کو والد کی وفات کے بعد قتل کرنے کی دھمکی بھی دی اور والد ماجد سے دعا کے لئے عرض کیا تو والد مکرم نے ایک دوسری دعا ان کے حق میں بھی فرمادی کہ ان کی اولاد میں عمدہ زمین ہو اور ان کے پھل اور رزق خوب کشادہ ہوں۔

تو جب ان کی والدہ نے عیص کی دھمکی کو سنا تو چھوٹے بیٹے یعقوب کو حکم دیا کہ وہ میرے بھائی یعنی اپنے ماموں "لابان" نامی کے پاس سرزمین حران میں چلے جائیں اور انہی کے پاس رہیں تاوقتیکہ بڑے بھائی کا غصہ کافور ہو، اور یہ بھی کہا کہ ان کی بیٹی سے شادی بھی کر لینا اور پھر والدہ نے ان کے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھی عرض کیا کہ یعقوب کو اس بات کا حکم فرمادیں اور ان کو وصیت کر دیں اور ان کے لئے دعا فرمادیں تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے سب فرمادیا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام اسی دن کے آخری حصہ میں ان کے پاس سے نکل پڑے اور چلتے چلتے رات چھا گئی تو ایک جگہ سو گئے اور ایک پتھر کو تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا اور سو گئے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام خواب میں دیکھتے ہیں کہ آسمان سے زمین تک ایک سیڑھی لگی ہے اور فرشتے چڑھ رہے ہیں اور اتر رہے ہیں، اور خدا تبارک وتعالیٰ یعقوب علیہ السلام سے مخاطب ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں میں تجھ کو عنقریب برکت دوں گا اور تیری اولاد کو کثیر کر دوں گا، اور یہ زمین تیرے لئے کر دوں گا اور تیرے بعد تیری اولاد کے لئے بھی۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو انتہائی خوشی سے سرشار ہو گئے اور منت مانی کہ اگر وہ اپنے اہل کی طرف صحیح سالم لوٹ گئے تو اس جگہ میں (جہاں لیٹ کر خواب نظر آیا) اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے ایک گھر بناؤں گا، اور یہ منت بھی مانی کہ جو کچھ اللہ دے گا اس کا دسواں حصہ اللہ کی راہ میں لگا دوں گا۔

پھر اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس پتھر کو تیل لگا دیا جس پتھر پر وہ سر رکھ کر سوئے تھے تا کہ واپسی میں اس جگہ کی نشاندہی اس پتھر سے ہو جائے (شاید پتھر وہاں گڑا ہوا تھا) اور اس جگہ کا نام رکھا بیت ایل، ایل کے معنی ہیں اللہ یعنی بیت اللہ اور یہ وہی جگہ ہے جو آج بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا آگے کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران میں اپنے ماموں کے ہاں چلے گئے تو ان کی دو بیٹیاں تھیں بڑی کا نام لیا تھا چھوٹی کا نام راحیل تھا اور چھوٹی زیادہ خوبصورت وحسین تھی تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے چھوٹی راحیل کو مانگا، ماموں نے اس شرط کے ساتھ ہاں کر دی کہ وہ چھ سال تک ان کی بکریاں چرائیں گے تو جب مدت گزر گئی اور شرط پوری ہو گئی تو انھوں نے دعوت کی اور لوگوں کو اکٹھا کیا اور شادی کر دی لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ چلا کہ شادی چھوٹی راحیل کے بجائے بڑی سے کی ہے پھر رات کو بھی بڑی ہی کو ان کے پاس بھیج دیا صبح کو حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ چلا تو ماموں سے پوچھا آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا؟

اور میں نے تو راحیل کے لئے پیغام نکاح دیا تھا تو ماموں نے کہا ہماری سنت وطریقہ نہیں ہے کہ ہم بڑی کے ہوتے ہوئے چھوٹی کو بیاہ دیں، پس اگر تو اس کی بہن کو پسند کرتا ہے تو پھر از سر نو سات سال بکریاں چرا اور پھر میں اس کی بھی تجھ سے شادی کر دوں گا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سات سال کام کیا اور چھوٹی بہن سے بھی شادی کر لی، اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا، پھر تورات کی شریعت میں منسوخ ہو گیا، اور یہ دلیل تنہا کافی ہے اس بات پر کہ شریعت میں نسخ ہو جاتا ہے اور یہود اس بات میں ہماری شریعت پر اعتراض کرتے ہیں

اور جبکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ثابت ہے جو معصوم ہیں ہمارے اور ان کے نزدیک مسلم ہیں پھر اس کا منسوخ ہونا تورات میں ثابت ہے۔

تو خیر پھر لابان ماموں نے اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک باندی بھی دیدی (تا کہ ان کی خدمت بجالائیں) اور بڑی بیٹی "لیا" کو "زلفی" نامی باندی دی اور چھوٹی بیٹی راحیل کو "بلہی" نامی باندی دی۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے "لیا" کے ضعف کو اس کی اولاد کے ساتھ پورا کردیا، یعنی یہ حسین نہ تھیں تو اس احساس کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے ان کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے اولاد کے ساتھ نوازا تو پہلا بچہ جوان کے ہاں ہوا وہ روبیل نامی لڑکا تھا، پھر شمعون، پھر لاوی، پھر یہوذا، پھر تو چھوٹی بہن راحیل کو بھی سخت غیرت کا سامنا کرنا پڑا، اور یہ باامید نہ ہوتی تھیں تو انھوں نے اپنی خادمہ باندی یعنی بلہی حضرت یعقوب کو تحفہ دیدی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے ہم بستری کی تو وہ باندی حاملہ ہوئی اور اس نے ایک لڑکے دان کو جنم دیا اور پھر ایک اور لڑکا اسی سے ہوا جس کا نام نیفتالی تھا تو پھر لیا کو بھی یہ بات سوجھی اور انھوں نے بھی اپنی باندی حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں دیدی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے ہم بستری کی اس باندی کا نام جیسے کہ گزرا زلفی تھا، اس سے بھی دو لڑکے "جاذ" اور "اشیر" پیدا ہوئے پھر لیا سے بھی پانچواں لڑکا ہوا اس کا نام اس نے "ایساخر" رکھا، پھر لیا کو چھٹا بچہ ہوا جس کا نام زابلون رکھا پھر حمل ہوا تو اس حمل سے ایک بیٹی جنم دی جس کا نام "دینا" رکھا تو اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی لیا سے سات اولاد ہوگئیں۔

پھر یہ سب کچھ دیکھ کر "راحیل" کے دل میں ہوس اور بے چینی اور پریشانی اٹھی اور بڑی لجاجت کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ اس کو بھی کوئی فرزند عطا ہو تو اللہ نے ان کی نداء سن لی اور اس کو قبول فرمالیا اور اللہ کے نبی یعقوب سے یہ باامید ہوگئیں اور ایک عظیم شریف، خوبصورت حسین ایسا لڑکا جنم دیا جو پہلے سب سے فوقیت لے گیا جو حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

اور تمام اولاد حران میں ہوئی، اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں کی بکریاں چراتے تھے اور شرطیں پوری کرنے کے بعد بھی انھوں نے چھ سال بکریاں چرائیں اس طرح وہاں ان کی اقامت بیس سال ہوئی، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے اجازت طلب کی تا کہ وہ اپنے اہل کی طرف واپس جائیں تو ماموں نے کہا تیری وجہ سے مجھے بہت برکت دی گئی ہے لہذا میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا ہر وہ بکری جو اس سال بیا ہے گی اور وہ سفید اور سیاہ دھبوں والی رنگ کی ہو وہ دیدیں اور ہر ایسی بکری جو حاملہ ہو اور اس کی سفیدی سیاہی سے ملی ہوی ہو وہ دیدیں اور ہر وہ بکری جس کی سیاہی سفیدی سے ملی ہو وہ دیدیں اور بغیر سینگ والے بکرے بھی تو ماموں نے کہا ٹھیک ہے، پھر ان کے لڑکوں نے ریوڑوں میں ایسی ایسی بکریوں کو جدا کیا اور ایسے بکروں کو بھی ان کے ساتھ ملایا اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام آل اولاد کے ساتھ ان مال مویشیوں کو لے کر چلے اور تین دن تک چلے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اخروٹ اور بادام کے درخت کی لکڑی لی اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکریوں کی پانی کی جگہ پر گاڑ دیے تا کہ بکریاں ان کی طرف دیکھیں تو گھبرائیں اور حرکت کریں جس سے ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کے رنگ بھی اسی طرح ہوجائیں۔ اور یہ معجزات کی قسم سے ہے اور خوارق عادات میں سے ہے۔

تو الغرض پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بہت سی بکریاں اور دوسرے جانور اور غلام ہوگئے اور ان کے ماموں اور اس کی اولاد کا رویہ بھی ان کے ساتھ اور اچھا ہوگیا، پھر یعقوب علیہ السلام کو خدا کی طرف سے وحی ملی کہ اپنے گھر یعنی ماں باپ کی طرف لوٹیں، اور وعدہ فرمایا کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے ماموں کو ذکر کی جو ساتھ ساتھ تھے تو انھوں نے خوشی سے قبول کرلیا اور یہ اپنے اہل وعیال اور مال کو لے کر چل دیئے، لیکن راحیل نے اپنے والد کے بتوں کو چرالیا، پھر جب یہ قافلہ شہر سے نکل چکا تو لابان ان کو ملا، اور ساتھ میں اس کی قوم بھی تھی اور لابان (ماموں) یعقوب علیہ السلام سے ملا تو یعقوب علیہ السلام کو سرزنش کی کہ بغیر ہمارے علم کے جلدی کیوں آگئے؟ اور عین چلتے وقت کیوں نہیں بتایا تا کہ ہم خوشی اور سرور کے ساتھ طبل اور شور اور گانے بجانے کے ساتھ تم کو رخصت کرتے اور اس طرح اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو الوداع کہتے، اور یہ قافلہ اپنے ساتھ لابان کے بتوں کو لے جارہا ہے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتوں کا کوئی علم نہ تھا، تو لابان اپنی بیٹیوں اور باندیوں کے خیمے میں داخل ہوئے اور تلاش کی لیکن کچھ نہ نکلا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار کیا کہ انھوں نے کچھ نہیں لیا، اور حضرت راحیل نے ان کو اپنے اونٹ کے اوپر کے پالان اور کپڑے کے نیچے رکھ دیا تھا اور خود اوپر تشریف فرما تھیں اور اپنی جگہ سے کھڑی نہ ہوئیں اور عذر کردیا کہ وہ بیمار ہیں الغرض

لابان بتوں کو حاصل نہ کر سکا۔

پھر وہاں قریب ہی ایک جلعاد نامی ٹیلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اور لابان کے درمیان معاہدہ ہوا کہ وہ ان کی بیٹیوں کو ذلت واہانت میں نہ ڈالے گا اور ان پر کسی اور عورت سے شادی نہ کرے گا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اور لابان اسی جگہ رہے۔

پھر دونوں نے دعوت کی اور تمام قوم نے کھانا کھایا اور ہر ایک نے دوسرے کو الوداع کیا اور تمام اپنے اپنے علاقوں کی طرف چل دیئے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سرزمین "ساعیر" کے قریب پہنچے تو آپ کے پاس ملائکہ آئے اور انہوں نے آپکو مرحبا کہا یعنی آنے کی خوشخبری دی۔ پھر آپ نے "برد" کو اپنے برادر "عیص" کے پاس بھیجا تاکہ جا کر ان کو نرم کریں اور ان کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آکر ان سے معذرت کریں۔ لیکن بردواپس آیا، اور خبر دی کہ "عیص" تو چار سو سواروں کے ساتھ آپ کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ خبر سنکر خوفزدہ ہو گئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نماز ادا کی اور پھر دعا وفریاد کی۔ اور اللہ کے سامنے اپنے وعدے وعہد کو یاد کیا اور الغرض خوب گڑگڑا کر دعا کی اور سوال کیا کہ اس سے اس کے بھائی کے شر کو دور کر دیں۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی کے لئے عظیم بدلہ وتحفہ تیار کیا۔ وہ تحفہ ان چیزوں پر مشتمل تھا دو سو بکریاں، بیس بکرے، دو سو بھیڑیں، بیس مینڈھے، تیس دودھاری اونٹنیاں چالیس گائیں، دس بیل، بیس گدھی، دس گدھے۔

اور پھر اپنے غلاموں کو حکم فرمایا کہ ہر ایک نوع وصنف یعنی بکریوں کو علیحدہ بھیڑوں کو علیحدہ علیحدہ کرے اور ان کو ہانک کر چلے اور ہر دو ریوڑوں کے درمیان مسافت ہو پس جس کو عیص ملے اور پوچھے تو کون ہے؟ اور یہ کس کا مال ہے تو وہ جواب دے تیرے غلام یعقوب کا ہے۔ اور اس نے بطور تحفے کے میرے سردار عیص کی خدمت میں دیئے ہیں اسی طرح بعد والا کہے پھر اس کے بعد والا الغرض سب یہ کہیں۔ اور ہر ایک یہ بھی کہے کہ یعقوب علیہ السلام خود ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں اور دونوں باندیوں اور اپنے گیارہ فرزندوں کے ساتھ ان سب ریوڑیوں سے دو رات بعد کی مسافت پر ہو گئے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا قافلہ اس طرح رواں دواں ہو گیا رات کو چلتے دن کو پڑاو کرتے پھر جب رات کے بعد فجر کا وقت ہوا تو ایک فرشتہ انسانی شکل میں آپکے سامنے آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس کو انسان سمجھ کر اس کے پاس آئے اور اس کو پچھاڑ لیا اور غلبہ پالیا مگر فرشتے نے پھر حملہ کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک ٹانگ میں لنگ ہو گیا۔ پھر جب صبح روشن ہوئی۔ تو فرشتے نے پوچھا آپکا نام کیا ہے؟ کہا یعقوب علیہ السلام فرشتے نے کہا آج کے بعد اسرائیل کے علاوہ آپکو پکارا جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت اسرائیل نے پوچھا اور تو کون ہے؟ تو وہ چلا گیا پھر حضرت یعقوب اسرائیل کو پتہ چلا کہ وہ فرشتہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبح کی اسطرح کہ آپ لنگڑا کر چل رہے تھے۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل عرق النساء نہیں کھاتے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی نگاہ سکیڑ کر غور سے دیکھا تو دیکھا کہ عیص چار سو پیادوں کے ساتھ آرہا ہے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام بڑھ کر ان کی خدمت میں پہنچے اور اپنے بھائی عیص کو دیکھا تو سات مرتبہ ان کو سجدہ کیا۔ اور یہ اس زمانے میں انکا سلام تھا۔ اور ان کے ہاں مشروع تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ بھی اسی طرح کا تھا اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے کیا تھا پھر عیص نے اپنے چھوٹے بھائی یعقوب علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو رحم آگیا اور آگے بڑھ کر گلے لگایا بوسہ دیا اور رو پڑے۔ پھر عیص نے نظر اٹھائی تو بچوں عورتوں کو دیکھا پوچھا یہ کون ہیں کہاں سے آپ کے پاس آئے؟ کہا۔ یہ اللہ نے تیرے غلام کو ہبہ کئے ہیں۔

پھر دو باندیاں آگے بڑھیں انہوں نے عیص کو سجدہ کیا۔ پھر بڑی بیوی "لیا" آگے بڑھی اور عیص کو سجدہ کیا اور اس کے بیٹوں نے بھی سجدہ کیا پھر راحیل اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام آگے بڑھے اور سجدے میں گر پڑے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بڑے بھائی کی خدمت میں التجاء کی کہ اسکا ہدیہ قبول کریں اور خوب اصرار کیا تو بالآخر عیص نے ہدیہ قبول کر لیا۔ اور عیص اس کے بعد واپس ہو گیا۔ اور آگے چل دیا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام بھی بمع اپنے اہل وعیال کے اور جو کچھ ساتھ میں مویشی

جانور وغیرہ تھے سب کو لیکر پہنچ گئے اور انکا ارادہ ساعیر کے پہاڑوں تک پہنچنا تھا پھر جب ساحور کے پاس سے گذر ہونے لگا تو ایک گھر بنایا اور وہاں سایہ پکڑا۔ پھر یروشلم کے پاس ایک بستی پر سے گذر ہوا تو اس بستی سے پہلے ہی ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر ٹھیر گئے اور ایک شخص خحم بن جموز کی زمین سو بھیڑوں کے بدلے خریدی۔ اور وہاں خیمہ تان لیا۔ اور وہاں ایک جگہ مذبح خانہ بنایا اور اسکا نام ایل رکھا۔ یعنی اسرائیل کا الہ۔ اور اللہ نے ان کو حکم دیا کہ یہاں ایک عمارت بنائیں تا کہ وہاں سے اللہ کا نام بلند ہو۔ اور یہ وہی پتھر والی جگہ ہے جس پتھر پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جاتے وقت تیل لگایا تھا۔ جیسے کہ گذر گیا۔

اور یہاں اہل کتاب نے یعقوب علیہ السلام کی بیٹی 'دینا کا ایک قصہ ذکر کیا ہے جو لیا کی بیوی سے تھی۔

ہولیہ کہ خحم بن جمور اس لڑکی کو جبراً اپنے گھر لے گیا اور بھائیوں اور والد کو پیغام نکاح دیدیا تو دینا کے بھائیوں نے کہا ہم تیری بات مان لیں گے جبکہ تم سب ختنہ کروالو۔ پھر ہماری تمہاری آپس میں رشتے داریاں چل پڑیں گی۔ کیونکہ ہم غیر ختنہ والی قوم سے رشتے داریاں نہیں کرتے۔ تو انہوں نے ہاں کرلی اور تمام نے ختنہ کرائی پھر جب تیسرا روز ہوا تو ان کو ختنہ سے سخت تکلیف پہنچی تو آل یعقوب نے تمام کو قتل کردیا حتی کہ خحم اور اس کے باپ جمور کو بھی نمٹا دیا۔ کیونکہ ایک تو انہوں نے کفر کیا تھا اور دوسرا اس سنت ابراہیمی کی توہین کی تھی اور یہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے آل یعقوب نے ان کو قتل بھی کیا اور ان کے اموال بھی بطور غنیمت کے حاصل کر لئے۔

پھر راحیل جو یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں ان کو دوبارہ حمل ہوا تو ان سے ایک اور لڑکا بنیامین پیدا ہوا لیکن اس بچے کی پیدائش کی تکلیف میں ہی حضرت راحیل کی وفات ہوگئی اور یعقوب علیہ السلام نے ان کو افراث میں بیت لحم کے اندر دفن کردیا اور اسپر بطور نشانی کے ایک پتھر رکھدیا جو آج تک راحیل کی قبر پر ہے اور یعقوب کی اس طرح مذکر اولاد بارہ ہوگئی لیا بیوی سے روبیل، شمعون، لاوی، یہوذا، ایساخر، زابلون، اور "راحیل" سے یوسف اور بنیامین، اور راحیل کی باندی سے وان اور نفتالی اور لیا کی باندی سے جاد اور اشیر علیہم السلام۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس آئے اور حمرون بستی میں اقامت پذیر ہوگئے جو سرزمین کنعان میں ہے اور یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام بیمار ہوئے اور ایک سو اسی سال کی عمر مبارک میں وفات پاگئے اور ان کو ان کے دو فرزند عیص اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے پاس اس جگہ میں دفن کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے خریدی تھی۔

حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں جو عجائبات پیش آئے ان کا ذکر جن میں عظیم واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے قصوں کے بارے میں پوری ایک سورت قرآن عظیم کے اندر بیان فرمائی ہے۔ تاکہ اس میں موجود حکمتیں، نصیحتیں، آداب واحکام کے اندر غور وفکر کیا جائے۔

(اب یہاں سے مصنف، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سورۃ یوسف کی تقریباً ایک سوایک آیات کو ساتھ ساتھ بیان کریں گے اور چونکہ تمام قصہ انہی آیات کی روشنی میں ہے لہذا ساتھ ساتھ تفسیر اور قصے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے چلیں گے۔ بندہ آیات کے بجائے انکا ترجمہ ذکر کرتا رہے گا۔ مترجم۔ ا۔ص

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔)

الر تلک اٰیٰت الکتٰب المبین

ترجمہ:...... الر۔ اور یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو (اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے، جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تمہیں ایک اچھا (عمدہ) قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بےخبر تھے۔ [۱]

''الر'' یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور ان کے بارے میں، سورۃ بقرہ کے شروع میں انتہائی تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، جو ان کی تحقیق چاہتا ہو وہاں رجوع فرمالے۔ اور اس سورت پر بھی اپنی تفسیر میں کافی قدر ذکر کر چکے ہیں لہذا یہاں بھی قصے کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفسیر بیان کرتے چلیں گے اس مقام میں تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن کی مدح وتعریف کرنا چاہتے ہیں جس کو اللہ نے اپنے بندے اور رسول کریم ﷺ پر فصیح عربی زبان میں، اشرف الملائکہ کے ذریعے، اشرف واعلیٰ زمانے میں، اور اشرف مکان میں، اپنے بعد سب سے اشرف واعلیٰ بندے پر نازل کیا ہے۔

لہذا اسی وجہ سے ماضی کے اور مستقبل کے عمدہ اور مفید ذکر، اور لائق عبرت قصوں اور باتوں کو ذکر کیا اور جن چیزوں میں لوگوں کا اختلاف تھا ان میں حق کو ظاہر کیا اور باطل کو مٹایا اور اس کو نیست ونابود کیا۔

اور یہ کتاب انہی قصص وامثال پر بس نہیں ہے بلکہ امر ونواہی اور تشریع حکمت میں بھی سب شریعتوں میں سب سے عادل اور سب راستوں میں واضح راستے اور معتدل احکام والی کتاب ہے۔ جیسے کہ اس کتاب میں اللہ نے فرمایا۔

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا۔ [۲]

اور تیرے رب کا حکم سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔

---

(۱) سورہ یوسف آیات ۱تا۳۔ (۲) الانعام ۱۱۵

یعنی اخبار میں سچ ہے اور اوامر ونواہی میں عدل ہے۔

اسی وجہ سے سورہ یوسف کے شروع میں فرمایا: (اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تمہیں ایک بہت اچھا (اور عمدہ) قصہ سناتے ہیں۔ اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

یعنی پہلے جو آپکو وحی کیا گیا، اس میں اس کے متعلق کچھ ذکر نہ تھا۔ اور یہ ایسے ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ نے اپنے نبی کو یوں خطاب فرمایا۔ فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس (جبرائیل) کے ذریعے (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے، اور نہ ایمان کو۔ لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے۔

تاکہ ہم اس سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور (اے محمد) بے شک تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔ خدا کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام خدا کی طرف لوٹیں گے (اور وہی ان پر فیصلہ فرمائے گا)۔[1]

اسی طرح کا خطاب سورۃ طٰہٰ کے اندر بھی فرمایا۔ (فرمایا کہ) اسی طرح ہم پہلے جو گذر چکا ان کے قصے بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے آپ کو اپنی طرف سے (قرآن) عطا فرمایا ہے۔ جو اس پر اعتراض کرے گا وہ قیامت کے دن (اس گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور برا ہے وہ بوجھ جو وہ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔

یعنی جو شخص اس قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتب کو اپنائے گا وہ اس عظیم گناہ کا بوجھ بھی اٹھائے گا اور اسی مضمون کی حدیث وہ ہے جو مسند اور ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ہدایت کو اس (قرآن) کے علاوہ میں تلاش کیا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔

[2] اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب لائے جو ان کو کسی اہل کتاب سے ملی تھی اور اس کو حضور ﷺ کے سامنے پڑھا تو حضور ﷺ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اس میں حیران (اور گرویدہ) ہو رہے ہو؟ جبکہ اس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے میں جو تمہارے پاس لایا ہوں وہ بیضاء نقیۃ (یعنی سفید اور صاف ستھری چیز) ہے تم ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کا سوال نہ کرو کہ کہیں وہ حق بتلائیں تو تم تکذیب کرو اور اگر وہ جھوٹ بتائیں تو تم اس کی تصدیق کرو۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا...... اس کی اسناد صحیح ہے۔

اور امام احمد ہی نے یہ روایت ایک دوسرے طریق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ذکر کی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں موسیٰ ہوتے اور تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ تم تمام امتوں میں زیادہ حصہ پانے والے ہو اور میں تمام نبیوں میں سب سے زیادہ حصہ پانے والا ہوں۔

[3] اور ایک حدیث میں اپنے خطبے میں فرمایا: اے لوگو! مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور میرے لئے (بڑے بڑے کلام کو) مختصر کر دیا گیا ہے اور میں تمہارے پاس سفید صاف ستھری چیز لایا ہوں لہٰذا (دوسری طرف گرویدہ مت ہو اور) حیرانی میں مت پڑو اور تم کو حیرانی میں پڑنے والے دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس صحیفے کے مٹانے کا حکم فرمایا اور وہ حرفاً حرفاً مٹا دیا گیا۔

(یہ تمام احادیث اور تفصیل اس غرض سے بیان ہوئیں کہ انبیاء کے قصے اور دوسری طرح طرح کی باتیں اہل کتاب سے معتبر نہیں ہیں بلکہ قرآن میں بالکل حق و سچ بیان کر دیا گیا ہے اس کو پڑھنا چاہئے لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی اسی طرح سچ اور حق ہے جس کی طرف ہم لوٹتے ہیں م)۔

قصۂ یوسف علیہ السلام کی ابتداء:...... اللہ عزوجل فرماتے ہیں: جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا: اپنے خواب کا ذکر اپنے

---

(۱) شوریٰ ۵۲ تا ۵۳ (۲) وقال الامام احمد حدثنا سریج بن النعمان، حدثنا هشام انبانا خالد عن الشعبی عن جابر

(۳) وقد اوردت طرق هذا الحديث والفاظه في اول سورة يوسف وفي بعضهما

بھائیوں سے ذکر نا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی چال چلیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔اور اسی طرح خدا تمہیں برگزیدہ فرمائے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔اور اپنی نعمت کو تم پر اور آل یعقوب پر مکمل کرے گا جس طرح کہ تمہارے دادا پردادا ابراہیم علیہ السلام واسحاق پر پہلے پوری کی تھی بے شک تمہارا پروردگار جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۱)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے۔اور ان کے نام گذر چکے ہیں اور تمام بنی اسرائیل انہی بارہ کی طرف منسوب اور ان کی اولاد ہیں۔ان میں سب سے اشرف اور اعظم حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

اور علماء کے مطابق ان بارہ میں پیغمبر صرف حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور کسی کی طرف وحی نہیں کی گئی۔اور قصے میں ان کے اقوال افعال بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نبی تھے اور دلیل دی ہے کہ اللہ کا فرمان ہے (مسلمانو) کہو ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف بھیجا گیا اور اس پر جو ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (یعقوب کی) اولاد کی طرف بھیجا گیا ان تمام پر ایمان لائے۔ (۲)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے اولاد یعقوب اور اس کے لئے "اسباط" کا لفظ استعمال فرمایا اور اس سے کئی افراد مراد ہوتے ہیں لہذا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری اولاد کو بھی شامل ہے۔

تو جان لینا چاہئے انکا استدلال قوی نہیں ہے کیونکہ اسباط سے مراد بنی اسرائیل کی تمام جماعتوں میں جو بھی انبیاء آتے رہیں گے وہ مراد ہیں واللہ اعلم۔

اور ہماری بات کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے متعلق تصریح سے نبی ہونا ذکر نہیں ہے۔

اور حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔ (۳) مسند احمد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ (۴) (تو یہاں فقط حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے)

مفسرین وغیرہ فرماتے ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام نے بلوغت سے پہلے خواب دیکھا گویا کہ گیارہ ستارے اور سورج و چاند ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔(گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائی اور سورج چاند سے ماں باپ مراد ہیں۔) تو حضرت یوسف علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔بیدار ہوئے تو یہ قصہ اپنے والد مکرم کی خدمت میں گوش گذار کیا۔تو والد نے جان لیا کہ یہ لڑکا دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ اور عظمت و شرافت پائے گا حتی کہ بھائی اور ماں باپ بھی ان کے لئے عاجزی برتیں گے۔

تو باپ نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اس بات کو چھپا کر رکھے اور اپنے بھائیوں کو ہرگز نہ بتائے کہ کہیں وہ حسد میں مبتلا ہوں۔پھر اس کے لئے مکروفریب کا جال بچھائیں۔

تو یہ بات بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ بقیہ بھائی نبوت سے متصف نہیں ہوسکتے اور اسی وجہ سے بعض بزرگوں کے اقوال میں ایک عمدہ قول ذکر ہوا ہے کہ اپنے کاموں کی ترقی و تکمیل کے لئے ان کو چھپاو کیونکہ نعمت والے سے لوگ حسد میں مبتلا ہوئے ہیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ قصہ اپنے والد کو اور اپنے بھائیوں کو اکٹھا بیان کیا تھا یہ بالکل غلط بات ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کو فرماتے ہیں اور اس خواب کی روشنی میں پیشن گوئی دیتے ہیں کہ "تیرا رب تجھ کو برگزیدہ بنائے گا اور تجھ کو لطف ورحمت کی کئی انواع کے ساتھ خاص کرے گا۔" اور کلام کے معانی اور خوابوں کی تعبیر آپ کو سکھلائے گا جو کسی کو نہ آتی ہوگی۔" اور تجھ پر اپنی نعمت تام کرے گا" یعنی وحی کا سلسلہ رکھ کر تجھ کو پیغمبری میں لے گا۔اور ان کو دنیا و آخرت کی کامیابیاں ملتی رہیں گی۔" جیسے تیرے دادا اسحاق اور میرے پردادا

---

(۱) سورۂ یوسف ۴ تا ۶ (۲) سورۂ آل عمران: ۸۴

(۳) قال الامام احمد حدثنا عبدالصمد، حدثنا عبدالرحمٰن عن عبدالله بن دينار عن ابيه عن ابن عمر، ..... الخ

(۴) انفرد به البخاری فرواه عن عبدالله بن محمد وعبدة عن عبدالصمد بن عبدالوارث به وقد ذكرنا طريقه في قصة ابراهيم بما اغنى عن إعادته هنا

ابراہیم پر بھی اپنی نعمتیں مکمل فرمائیں۔" یعنی آپ پر انعامات کی بارش اور نبوت کے فیوض اسی طرح جاری ہوں گے جیسے آپ کے دادا اور پردادا پر ہوئے۔" بے شک تیرا رب علم وحکمت والا ہے۔"

اور اسی طرح ایک جگہ اللہ نے فرمایا۔

اللہ جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کو رکھے۔ (۱)

اسی وجہ سے جب رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے باعزت کون ہے؟

فرمایا یوسف جو نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔

(۲) تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم اور مسند ابو یعلی اور مسند بزار میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کو ستانت الیہودی کہا جاتا تھا اس نے عرض کیا اے محمد مجھے ان ستاروں کے نام بتلائیے جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا؟

تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اور پھر حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور نام بتلائے پھر حضور ﷺ نے اس یہودی کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور استفسار فرمایا کہ اگر میں نام بتلادوں تو کیا وہ ایمان لے آئے گا؟ اس نے کہا جی ہاں حضور ﷺ نے فرمایا وہ یہ ہیں جربان، طارق، ذیال، ذوالکنفان، قابس، وثاب، عمودان، فلیق، مصبح، ضروح، ذوالفرع، ضیاء، نور یہودی فوراً پکار اٹھا: ہاں اللہ کی قسم یہی نام ہیں

ابو یعلی کے نزدیک ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے قصہ بیان کیا تو والد نے فرمایا یہ متفرق امر ہے اللہ اس کو جمع فرمائے گا اور سورج اس کا باپ ہے اور چاند اس کی ماں ہے:

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہاں یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) بات کی کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی والد محترم کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور لوگوں کی) جماعت ہیں بے شک ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں۔ تو یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آو۔ پھر والد مکرم کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال (کراور کسی ملک میں) لے جائے گا۔ اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں ہی کرو)۔ (۳)

اللہ تعالیٰ اس قصے میں حکمتیں اور دوسری نشانیاں بیان فرمارہے ہیں اور مواعظ اور کھلی عبرتیں ذکر کررہے ہیں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اپنے بھائی یوسف پر حسد بیان فرماتے ہیں کہ انسے اور ان کے دوسرے بھائی بنیامین سے والد کو اتنی محبت کیوں ہے؟ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں باپ شریک بھائی یعنی دونوں طرف سے سگے بھائی صرف بنیامین تھے باقی سب دوسری ماؤں سے تھے اور زیادہ تھے بلکہ پوری جماعت تھے۔ تو ان کو خیال ہوا کہ ہم زیادہ ہیں ہم محبت کے لائق ہیں تو ہمارے والد غلطی میں ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کی اور مشورہ کیا کہ کس طرح یوسف کو قتل کیا جائے یا کسی دور دراز زمین میں پہنچا دیا جائے تاکہ واپس نہ آسکیں۔ اور اس طرح باپ کی ساری توجہ اور شفقتیں ہماری طرف ہو جائیں۔ اور پھر بعد میں توبہ کرلیں گے اور صالح ہو جائیں گے۔

پھر اس دوسری بات پر سب متفق ہو گئے اور اس کو قرآن بیان فرماتا ہے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بھائی شمعون ہے سدی کہتے ہیں یہ بھائی یہوذا ہیں اور قتادہ اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ سب سے بڑا بھائی روبیل ہے۔ تو جو بھی ہے اس نے کہا یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو اور اس کو گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ چلتا نکال لے گا۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو یہ کرو اور بس۔ کیونکہ یہ طریقہ نجات کے قریب ہے کہ قتل سے بھی بچیں گے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا کہ کوئی نکال کر دوسرے ملک یا علاقے میں لے جائے گا۔ تو سب اس پر متفق ہو گئے پھر انہوں

---

(۱) انعام ۱۲۴ (۲) وقد روی ابن جریر و ابن ابی حاتم فی تفسیر ھما و ابو یعلی و البزار فی مسند یھما من حدیث الحکم بن ظھیر . وقد ضعفه الائمة. عن السدی عن عبدالرحمن بن سابط عن جابر قال...... (۳) یوسف ۷ تا ۱۰

نے اپنے والد کو کہا۔ قرآن فرماتا ہے:

"کہنے لگے اے ابا جان کیا بات ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے جبکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں؟ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے خوب کھائے اور کھیلے گا اور ہم ان کے نگہبان ہیں۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا یہ بات مجھے غم ناک کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اس سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔[1]

اس طرح انہوں نے باپ سے خواہش کی کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے ظاہر کیا کہ وہ اس کو کھیل کود اور کھانے پینے میں شریک کرنا چاہتے ہیں اور جو اصل دل میں بھید تھا اس کو پوشیدہ رکھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پر اللہ کا رحم وفضل ہو انہوں نے جواب دیا میرے بیٹو مجھے شاق گزرتا ہے کہ میں اس سے ایک گھڑی بھی جدا ہو جاؤں، اور اس کے ساتھ دوسرا امر شاق یہ بھی ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہیں تم کھیل کود میں مشغول ہو جاؤ اور بھیڑیا آ کر اس کو کھا جائے اور یہ اپنے بچپن کی وجہ سے اپنا بچاؤ نہ کر سکے اور تم بھی اس سے غافل ہو۔

تو بھائی کہنے لگے۔ کہ ہم طاقتور جماعت ہیں اور پھر بھی اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بڑے خسارہ والے ہونگے یعنی ہمارے ہوتے ہوئے اس پر بھیڑیا پہنچ جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم تو طاقتور جماعت ہیں۔ پھر تو ہماری طاقت کا کوئی فائدہ نہیں ہم خسارہ والے ہو جائیں گے اور عاجز اور کمزور شمار ہونگے اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ نہیں بھیجا بلکہ پیچھے پیچھے روانہ کر دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام راستہ گم کر بیٹھے تو ایک راہ گیر نے بھائیوں تک پہنچا دیا۔

لیکن یہ ان کی صراحتاً غلطی ہے۔ اور سمجھنے میں خطا ہوئی ہے اس لئے کہ یعقوب علیہ السلام تو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے ہوئے بھی فکر مند اور پریشان ہوئے تھے بجائے اس کے کہ ان کو تن تنہا بھیج دیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:۔

غرض جب وہ اس کو لے گئے، اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) تم ان کے اس سلوک سے ان کو آگاہ کرو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہوگی۔ (یہ حرکت کر کے) وہ رات کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے ابا جان: ہم تو دوڑنے لگے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کو، اگرچہ ہم سچے ہیں، یقین نہ کریں گے۔ اور ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا (حقیقت یوں نہیں) بلکہ تم اپنے دل سے بات بنا لائے ہو۔ اچھا! مضبوط صبر (ہی بہتر ہے) اور جو تم کہتے ہو اس کے بارے میں خدا ہی سے مدد مطلوب ہے۔[2]

تو یہ سب بھائی اپنے والد سے اصرار کرتے رہے کہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ بھیجا جائے تو آخر کار باپ نے بھیج دیا تو جیسے ہی یہ باپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کو گالیاں دینا اور تنگ کرنا اور رسوا وذلیل کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کو کنویں میں ڈالنے پر اکٹھے ہم خیال ہو گئے کنویں میں ایک پتھر ہوتا ہے جو بیچ میں ہوتا ہے اور کوئی اتر کر اس پر کھڑا ہوسکتا ہے تاکہ جب پانی کم ہو جائے تو اتر کر اس پر کھڑے ہو کر پانی بھر لیا جائے۔

تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں اس پتھر پر ڈال دیا۔

پھر اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کی کہ آپ جس تکلیف ومصیبت سے دوچار ہیں اللہ اس سے آپ کو چھٹکارا دے گا اور راستہ نکالے گا اور ایک وقت آئے گا کہ تو اپنے بھائیوں کو ان کے کرتوتوں کی خبر دے گا اور ان کو احساس تک بھی نہ ہوگا کہ تو ابھی زندہ ہے اور وہ سب تیرے سخت محتاج ہونگے، اور تجھ سے خوفزدہ ہوں گے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب ہے کہ ان کو یہ پتہ نہ ہوگا کہ اللہ نے یہ سب کچھ آپ کو وحی کر دیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں یہ مطلب ہے کہ آپ ان کو اس ظلم کی خبر دیں گے اور وہ آپ کو پہچانتے نہ ہوں گے۔ ابن جریر نے

---

(۱) یوسف ۱۰ تا ۱۴ (۲) یوسف ۱۵ تا ۱۸۔

اس کو روایت فرمایا ہے۔

پھر جب بھائی کنویں میں رکھ کر لوٹ گئے تو اس کی قمیض لے کر کسی خون میں لت پت کی۔ اور رات کو عشاء کے وقت روتے دھوتے اپنے والد کے پاس پہنچے۔ اسی وجہ سے بزرگ کہتے ہیں کہ کسی کا رونا دھونا تجھ کو دھوکے میں مبتلا نہ کر دے کیونکہ بہت سے ظالم (ظلم کرتے ہیں اور پھر) بھی روتے ہیں جیسے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ظلم کر کے بھی روتے ہوئے آئے۔ اور یہ رات کی تاریکی میں آئے تھے تاکہ رات کی تاریکی میں انکا دھوکہ وفریب چل سکے اور آ کر کہا: اے ابا جان ہم دوڑ میں مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس بٹھلا کر گئے تھے تو ان کو ہماری بے خبری میں بھیڑیئے نے کھالیا اور اگر ہم سچے بھی ہوں تب بھی آپ ہماری باتوں پر یقین نہ کریں گے کہ واقعی بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو کھا گیا ہے۔ اگر چہ ہم آپکے نزدیک بھی اس سے پاک ہیں کہ ہم نے کوئی نقصان اس کو پہنچایا ہو۔ اور یہ بات انہوں نے اسوجہ سے کہی تھی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے اس خطرے کے پیش نظر ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ کہیں بھیڑیا اس کو نہ کھا جائے تو پھر انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ تو اب بالکل ظاہر ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے کیونکہ اس کی پہلے آپکو تصدیق ہو چکی ہے لہذا ہم آپکو معذور سمجھتے ہیں کہ آپ ہم کو متہم قرار دیں گے ہی۔

اور بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کو خون میں آلودہ کر کے ساتھ لائے تھے جو جھوٹا خون تھا انہوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا تھا پھر اس کا خون لے کر اس کے کپڑوں پر ڈال دیا تھا تا کہ والد کو وہم میں ڈال دیں کہ واقعی اس کو بھیڑیا کھا چکا ہے۔ لیکن وہ اس کو پھاڑنا بھول گئے۔ جس سے معلوم ہو کہ بھیڑیئے نے ان کو زخمی کیا ہے۔ "اور جھوٹ کی آفت بھول ہوتی ہے" تو پھر وہاں والد کے پاس جب اسی وجہ سے، اور دوسری علامات سے شکوک والی باتیں سامنے آگئیں تو انکا دھوکا نہ چل سکا۔ کیونکہ وہ ان کی اپنے بھائی یوسف علیہ السلام سے عداوت ودشمنی کو جانتے تھے کہ انہوں نے دوسروں سے زیادہ اس بیٹے سے دل لگا کر رکھا ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں علامات اور نشانوں سے پتہ چل چکا تھا کہ اللہ ان کو اپنی نبوت کے لئے اور اس سلسلے کو ان کی اولاد میں جاری رکھنے کے لئے انہی کو منتخب فرمائے گا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اصل حقیقت کا علامات سے علم ہو گیا کہ بھائیوں نے اپنے حسد وعداوت کی آگ کو ان سے بجھایا ہے لہذا کہا۔ قرآن میں ہے۔

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے چال چلی ہے پس صبر ہی بہتر ہے اور اللہ سے مدد طلب ہے اس پر جو تم کہہ رہے ہو۔

اہل کتاب کے ہاں مذکور ہے کہ روبیل جو سب سے بڑا بھائی تھا اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اشارہ کیا تھا کہ وہ بعد میں ان کو نکال لے گا اور اپنے والد کے پاس پہنچا دے گا۔ پھر جب سب واپس ہو گئے تو روبیل کی بے خبری میں دوسرے سب بھائیوں نے ان کو قافلے کے ہاتھوں فروخت کر دیا پھر شام کو روبیل آیا اور کنویں میں بھائی کو نہ پایا تو چیخ پڑا پھر بھائیوں نے کرتے کو بکری کے بچے کے خون میں آلودہ کر کے یعقوب علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کافی عرصہ تک اپنے لخت جگر پر غمناک رہے۔

لیکن اہل کتاب سے اس قصے کو بیان کرنے میں بہت خطاؤ غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور (اب خدائی شان دیکھو کہ اس کنویں کہ قریب) ایک قافلہ آ گیا اور انہوں نے پانی کے لئے اپنا سقہ بھیج دیا۔ اس نے کنویں میں اپنا ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے۔ وہ بولا، زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔ اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا۔ اور وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کو سب معلوم تھا۔ اور اس کو تھوڑی سی قیمت (یعنی) چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔ اور مصر میں جس شخص نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے (جس کا نام زلیخا تھا) کہا اس کو عزت واکرام کے ساتھ رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھائیں۔ اور خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی، اور علم بخشا اور نیکوکاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (۱)

جب ان کو کنویں کی اتھاہ گہرائیوں میں ظلم وستم سے ڈال دیا گیا، تو یہ بیٹھے کسی خدائی نصرت اور کرشمے کے منتظر تھے۔ تو اللہ کے فضل سے ایک

(۱) سورۂ یوسف ۱۹ تا ۲۲

قافلے کا وہاں سے گذر ہوا جو مسافر تھا۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ قافلہ تاجروں کا تھا جو شام سے پستہ خرما، اور بن کا پھل لے کر مصر کو جا رہے تھے۔ راستے میں پڑاؤ ڈالا اور اپنے پانی لینے والے کو جس کو سقہ کہا جاتا ہے، کنویں سے پانی لینے کے لئے بھیج دیا تو جب اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے۔

آدمی نے ڈول کھینچ کر باہر نکالا اور پانی کے بجائے ایک انتہائی حسین بچے پر جیسے ہی نظر پڑی فوراً پکار اٹھا "یابشری" واہ خوشخبری "ھذا غلام" یہ تو (انتہائی حسین) بچہ ہے اور اس کو پھر قیمتی سامان کی طرح چھپالیا اور یہ پانی لینے والے اصل میں کئی تھے تو انہوں نے پھر واپس جا کر یہ ظاہر کیا کہ یہ ہم نے خود کنویں کے آس پاس لوگوں سے خریدا ہے تاکہ وہ بھی اپنا حصہ نہ شامل کریں۔ اور اللہ، جو کچھ وہ کر رہے تھے سب جان رہا تھا۔ یعنی بھائیوں کی سرکشی اور دشمنی کو اور اس کو کنویں سے نکالنے والے کو اس کو مال سمجھ کر چھپا لینے کو تمام چیزوں کو اللہ پاک اپنی حکمت کے پردے میں ڈھانک رہے تھے اور اس میں خدائی راز پوشیدہ و مضمر تھے اور آنے والے وقتوں کے لئے ان کو منزل بہ منزل ترقی پر گامزن کرایا جا رہا تھا۔ اور یہ اہل مصر کے لئے سراپا رحمت بننے والے تھے کہ یہ بچہ جو اپنے بھائیوں کی عداوت کی بھینٹ چڑھ کر ایک کنویں میں روپوش ہوا پھر ایک قافلہ کے ہاتھوں غلام کی حیثیت سے بکاؤ مال بنا لیکن اسی کو اللہ نے اس وقت کی عظیم متمدن مملکت مصر کی بادشاہی سونپنی تھی۔ اور اللہ نے ان کے لئے اس کو دنیا و آخرت میں بھلائیوں کا وسیلہ بنانا تھا جن کو شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔

تو جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو علم ہوا کہ ایک قافلے نے ان کے بھائی کو لے لیا ہے تو یہ ان کے پاس جا پہنچے اور (یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی برادری سے دھتکارتے ہوئے اور بھائی کے لفظ کی لاج کو ٹھکراتے ہوئے) کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ آیا ہے۔ تو پھر قافلے والوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ لوگ ہم سے اس قیمتی سرمایہ کو چھین لیں لہٰذا وہ ان بھائیوں سے خریدنے پر رضامند ہو گئے اور پھر ان بھائیوں نے ایک آنے والے وقت کے بادشاہ و پیغمبر کی قدر و قیمت کو نہ جانتے ہوئے محض چند ٹکوں میں فروخت کر دیا جسکو خود قرآن نے فرمایا "وشروہ بثمن بخس" کہ انہوں اس کو چند درہموں کے بدلہ بیچ دیا۔ اور وہ بہت تھوڑے تھے اور کھوٹے تھے۔ اور قرآن فرماتا ہے کہ وہ بھائی اس سے بے پرواہ تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور نوف بکالی اور سدی اور قتادہ اور عطیہ العوفی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو بیس درہم میں بیچ ڈالا اور پھر آپس میں دو دو درہم تقسیم کر لئے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بائیس درہموں میں بیچا اور عکرمہ اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں چالیس دراہم میں بیچا، واللہ اعلم۔

اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر سے خریدا تھا اپنی زوجہ سے کہا اسکا رہن سہن اچھا رکھو (یعنی احسان و اکرام کے ساتھ اس سے پیش آؤ) شاید کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ یہ اللہ کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت بڑا احسان اور انعام واکرام تھا کہ ایک طرح سے ان کو اپنے گھر جیسا گھر عطا فرمادیا اور وہی ان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابیوں کا باعث و سبب بنتا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اہل مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خریدنے والا شخص عزیز مصر تھا۔ یعنی مصر کا وزیر مملکت، اور وہی تمام خزانہ سلطنت پر حاوی اور محافظ تھا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں اسکا نام اطفیر بن روحیب تھا اور اس وقت کے بادشاہ مصر کا نام ریان بن ولید تھا جو قوم عمالقہ میں سے تھا۔ اور عزیز مصر کی بیوی کا نام راعیل بنت رعائیل تھا اور ایک قول کے مطابق فکا بنت ینوس نام تھا۔ ثعلبی نے اس کو ہشام الرفاعی سے روایت فرمایا ہے۔ بعض نے ان کا نام "زلیخا" لکھا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کا لقب تھا۔

اور محمد بن اسحاق بن سائب سے اور وہ ابی صالح سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص جو حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لایا اور پھر وہاں فروخت کیا اسکا نام مالک بن ذعر بن توبب بن عنقا بن مدیان بن ابراہیم تھا۔ واللہ اعلم۔

اور ابن اسحاق ابوعبیدہ سے مروی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فراست و ذہانت والے اشخاص، تین موقعوں پر تین شخص گزرے ہیں ایک عزیز مصر جب اس نے بیوی کو کہا کہ اس یوسف علیہ السلام کا رہن سہن اچھا رکھو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ اور وہ لڑکی جس نے اپنے باپ پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام سے عرض کی اے اباجان اس (موسیٰ علیہ السلام) کو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں گے یہ ان میں سب سے زیادہ طاقتور اور امانت دار ہے اور تیسرے شخص وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں

جب انہوں نے اپنے بعد کے لئے خلافت کے وارث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔

اور پھر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کتنے میں خریدا؟ تو ایک قول ہے کہ بیس سونے کی اشرفیوں میں خریدا اور ایک قول ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر مشک اور ریشم اور چاندی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ وزن کرا کر خریدا واللہ اعلم۔

اور فرمایا کہ "ہم نے اسی طرح یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ٹھکانا دیا"۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے عزیز مصر اور اس کی بیوی کو متعین کر دیا اور اس کے ساتھ حسن سلوک اور عمدگی کے ساتھ پیش آئیں تو ہم نے اس طرح یوسف علیہ السلام کے لئے سرزمین مصر کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دیا۔ اور فرمایا" تا کہ ہم اس کو باتوں کی تاویل وتعبیر سکھائیں"۔ یعنی خوابوں کی تعبیر اور سمجھ سکھائی" اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے"۔ یعنی جب اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کے لئے ایسے اسباب اور سامان مہیا فرما دیتے ہیں کہ دوسرے بندے اس کی طرف سوچ بھی نہیں سکتے (تو یہاں بھی دیکھئے کہ کیا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پتہ تھا کہ یہ کہاں کہاں تک ترقی کر جائیں گے؟) اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا:" لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں"۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:" اور جب وہ (یوسف) اپنی عمر کی پختگی (یعنی بلوغت) کو پہنچ گئے تو ہم نے اس کو نبوت اور دانائی عطا فرمائی۔ وراحسان کرنے والوں کو ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں۔"

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اب تک کی ساری کاروائی حضرت یوسف علیہ السلام کی بلوغت سے پہلے زمانے میں تھی اور یہ حد یعنی جہاں پہنچ کر نبیاء کو نبوت ملتی ہے وہ چالیس سال ہے۔

اور بلوغت کی عمر کے بارے میں فرمایا کے جب یوسف علیہ السلام اس عمر کو پہنچ گئے۔ تو شدت بلوغت کس عمر تک حاصل ہو جاتی ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے مالک اور ربیعہ اور زید بن اسلم اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو جب احتلام ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتا ہے، اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں اٹھارہ سال کی عمر میں ضحاک فرماتے ہیں بیس سال کی عمر میں اور عکرمہ فرماتے ہیں پچیس سال کی عمر میں اور سدی فرماتے ہیں تیس سال کی عمر میں اور ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں تینتیس سالہ عمر میں اور حسن فرماتے ہیں چالیس سال کی عمر میں شدت بلوغت تک پہنچ جاتا ہے اور اسی قول کی تائید اس فرمان باری سے ہوتی ہے اللہ نے فرمایا حتیٰ کہ جب وہ (انسان) خوب جوان ہو جاتا اور چالیس سال کو پہنچ جاتا ہے۔ (احقاف ۱۵)

قصہ یوسف علیہ السلام وزلیخا

اور آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں اور یہاں سے زلیخا کا آپ کے ساتھ قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ فرمان باری ہے:۔

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف علیہ السلام جلدی آؤ۔ انہوں نے کہا خدا پناہ میں رکھے۔ وہ (تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں، انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا) بے شک ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے۔

اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اسکا قصد کیا۔ اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھ لیتے (تو جو ہوتا ہوتا) اس طرح اسلئے (کہا گیا تا کہ) ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور عورت نے انکا کرتا پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا۔ اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔ تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے، اس کی اس کے سوا کیا سزا ہو سکتی ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے یا تکلیف کا عذاب دیا جائے۔ (یوسف علیہ السلام نے) کہا اسی نے مجھ کو اپنی طرف بہکانا چاہا تھا۔ (پھر) اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ دیا کہ اگر اسکا کرتا آگے

سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسف علیہ السلام جھوٹا ہے اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ جب اسکا کرتا دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹا تھا (تب شوہر نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی مکر ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے مکر بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام: چھوڑ اس بات کو اور (اے زلیخا) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک خطا تیری ہی ہے۔[1]

اللہ عزوجل ان آیات میں زلیخا کے حضرت یوسف علیہ السلام کو برے ارادے کے لئے پھسلانے اور بہکانے کو بیان فرماتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حال اور شان اور مقام کے کسی طرح مناسب نہ تھا جبکہ زلیخا انتہائی حسن و جمال اور مال سے آراستہ تھی اور منصب وزارت کی اہلیہ اور عنفوان شباب کے زوروں پر تھی۔ اور اس پر بس نہیں بلکہ زلیخا نے اپنے مقصد کی تکمیل کے خاطر دروازے تک بند کر لئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بن سنور کر اور بھڑ کتے لباس سے آراستہ ہو کر تیار ہوگئی اور ان تمام باتوں کے ساتھ ایک بڑی مملکت کے وزیر اور ناظم مالیات کی بیوی ہونے کا شرف بھی ساتھ ہے الغرض بہت سی باتیں ایسی اکٹھی ہوگئیں کہ ہر انسان اس لمحے وموقعے پر بھٹک سکتا ہے اور اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ اور علامہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کے بادشاہ ریان بن ولید کی دختر بھی تھی اور ان تمام چیزوں کے ساتھ دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام بھی عنفوان شباب کی دہلیز پر تھے اور حسن و جمال تو جو خدا کی طرف سے ملا تھا اس کی صفات بیان نہیں کی جاسکتی تو ہر دو طرف سے ایسے اسباب اور اثرات تھے کہ مبتلا ہونے کا انتہائی خطرہ تھا جبکہ موقع ومحل بھی موزوں تھا کہ دروازے بند اور بالکل تنہائی تھی مگر ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ایک سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ کیا تھی؟

وہ یہی کہ حضرت یوسف علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کی لڑی کے موتی تھے۔ تو اللہ عزوجل نے بالکل پاک صاف رکھتے ہوئے ان کو بال بال بچا لیا اور عظیم فحش و برائی سے محفوظ کر لیا اور عورت کے مکر وفریب سے چھٹکارا عطا فرمادیا۔ کیونکہ یہ سیدوں کے سردار اور شرفاء کے شریف تھے اور اسطرح وہ سات بڑا اعزاز حاصل کرنے والوں میں سے ایک ہوگئے جن کے بارے میں صحیحین کی حدیث میں آرہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سات آدمی ایسے ہیں جنکو اللہ عزوجل اس دن، جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا اپنے سائے میں جگہ دے گا ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے پھر اس کی آنکھیں (خوف خدا یا شوق خدا سے) بہہ پڑیں اور وہ شخص جسکا دل مسجد میں اٹکا رہے اور نکلے تو (اسی کے طرف دل لگا رہے) حتی کہ واپس آئے اور وہ شخص جو ایسے صدقہ کرے کہ اس کو اس طرح خفیہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا، اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی کو پروان چڑھے اور وہ شخص جسکو کوئی منصب اور حسن و جمال والی عورت (بدکاری کی طرف) بلائے تو وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

تو زلیخا نے منصب اور حسن جمال کے ہوتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کام کی دعوت دی بلکہ سخت حریص ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے زبردست جواب دیا کہ اس کام سے اللہ کی پناہ ہو، میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں اور جبکہ تیرا شوہر میرا آقا ہے اس نے میرے ساتھ حسن وسلوک کا عمدہ برتاو کیا اور میرے ساتھ احسان کیا اور مجھے غربت میں ٹھکانہ دیا تو اب میں اس کے حرم میں اس کی عزت کو رسوا کروں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تو ایسے لوگوں کو فلاح وکامیاب نہیں کرتا۔

اور خدا کا یہ فرمان کہ عورت نے اسکا ارادہ کیا اور اس نے عورت کا ارادہ کیا اس کے بارے میں تفصیلی ذکر اپنی تفسیر میں کر آئے ہیں جو انتہائی کافی اور قانع ہے۔

اور اس مقام پر اکثر اقوال اہل کتاب سے نقل کے گئے ہیں جنکو ترک کرنا ہمارے لئے ذکر کرنے سے بہتر ہے۔

اور جس بات کا اعتقاد اور خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اچھی طرح بالکل محفوظ رکھا اور اس فحش کام سے پاک رکھا اور عورت کے مکر وفریب سے بچا رکھا اور نبوت ورسالت کی چادر کو داغ دھبے سے پاک صاف اور اجلا رکھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اس سے برائی اور فحش (کام) کو پھیر دیا اور بے شک وہ ہمارے نیک بندوں میں سے تھے۔

اور یہ فرمایا: کہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ اسکا مطلب ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تو دروازے سے نکل جانے کی خاطر اور اس

(۱) یوسف ۲۳ تا ۲۹

سے حفاظت کی خاطر دوڑے اور پھر پیچھے پیچھے زلیخا برے ارادے کی خاطر دوڑی۔ آگے سے دروازہ کھل گیا تو دروازے پر عزیز مصر کو کھڑا پایا تو عورت نے جلدی کی اور بڑھ کر کہنے لگی کیا ہے اس شخص کی سزا؟ جو تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔

زلیخا اپنے کو مظلوم ظاہر کرنے لگی اور پاک شخص کو تہمت زدہ کر دیا اور خود کو بری قرار دیا اور اپنی عزت کو بچانے لگی جسکے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبوت ورسالت کی چادر کو دوسرے کی نظروں میں داغدار ہونے سے بچانے کے لئے فوراً بول اٹھے۔ اسی نے مجھ سے میرے نفس کو بہکایا تھا (تو یوں حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع وحاجت کے وقت حق بات کو ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔ (اور یہ بھی محض نبوت اور رسالت کے پیش نظر اپنا دفاع فرمایا تھا ورنہ تو خود اپنے بارے میں آگے فرماتے ہیں: فرمان باری ہے! (اور یوسف علیہ السلام نے کہا) اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس تو برائی سکھانے والا ہے۔ از مترجم)

اور فرمایا کہ عورت کے اہل میں ایک گواہ نے فیصلہ دیا۔ تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جھولے میں پڑا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فرمان ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ہلال بن یساف اور حسن بصری اور سعید بن جبیر اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فرمان ہے اور ابن جریر نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی مروی ہے لیکن دوسرے حضرات نے اس کو موقوف فرمایا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ایک مکمل مرد تھا اور عزیز مصر کا قریبی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زلیخا کا قرابت دار تھا اور جو حضرات اس کے مکمل مرد ہونے کے قائل ہیں وہ یہ ہیں: عکرمہ، مجاہد حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق، اور زید بن اسلم رحمہم اللہ۔

تو جو بھی ہو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص آگے سے شق ہو تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹا ہے کیونکہ اس صورت میں یوسف نے اس کو بہکایا اور اپنی طرف مائل کیا ہوگا تو زلیخا نے دفاع کرتے ہوئے سامنے سے اسکا کرتا پھاڑا ہوگا اور کہا اگر یوسف علیہ السلام اپنا دفاع کرتے ہوئے بھاگے ہوں گے اور یہ پیچھے پہنچی ہوگی اور پیچھے سے کپڑا پکڑ کر کھینچا ہوگا تو ظاہر ہے پیچھے سے قمیص شق ہوگی۔ اور ہوا بھی اسی طرح تھا۔ تو اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

پھر جب دونوں نے اس کی قمیص دیکھی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو (عزیز مصر نے) کہا بے شک یہ (اے عورت) تمہارے مکر ہیں بے شک تمہارا مکر عظیم ہے۔

یعنی تم نے پہلے تو اس کو خراب کرنا چاہا پھر خود ہی الٹا اس پر تہمت لگائی یہ تم عورتوں کے مکر، عظیم مکر ہیں پھر شوہر نے اس سے اعراض کر لیا اور یوسف کو بھی کہا: اس کو چھوڑ دو۔ یعنی اب کسی کو بیان نہ کرنا اسلئے کہ ان جیسی باتوں کو چھپانا زیادہ مناسب اور لائق ہوتا ہے۔ اور پھر اپنی بیوی کو بھی حکم دیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ استغفار کر جو تجھ سے صادر ہوا ہے کیونکہ بندہ جب اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کو بخش دیتا ہے اور اہل مصر اگرچہ بت پرست تھے لیکن اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ گناہوں کو بخشنے والا اور ان پر پکڑ کرنے والا وہ صرف ایک اللہ ہی ہے جس کا اس صفت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے شوہر نے زلیخا کو اس بات کا حکم دیا۔ اور سوال اٹھتا ہے کہ پھر اس نے اس کو سرزنش اور کچھ سزا خود کیوں نہ دی تھی؟ جواب یہ ہے کہ عزیز مصر بھی اس بات کو جان گیا تھا کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال کی وجہ سے اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکی اور جبکہ یوسف علیہ السلام پاکدامن اور منزہ، مبرا اور درست خیال والے تھے لہذا جس کی وجہ سے فعل کا ارتکاب نہ ہو سکا۔ اسی کی وجہ سے عزیز مصر نے زلیخا کو معذور جانا اور اپنی طرف سے معاف کر دیا اور خدا سے معافی مانگنے کے لئے حکم دیا اور کہا اپنے گناہ کی بخشش طلب کر بے شک تو ہی خطا کرنے والوں میں سے ہے۔[1]

آگے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

اور شہر میں عورتیں چہ میگوئیاں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔ جب زلیخا نے ان عورتوں کی (گفتگو۔ حقیقت میں دیدار یوسف کے لئے ان کی بھی ایک) چال

(۱) یوسف: ۲۹

(تھی) سنی۔تو ان کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا اور ان کے لئے ایک محفل مرتب کی اور (پھل تراشنے کے لئے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ۔ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر (ایسا) چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حسن و جمال؟) یہ تو کوئی آدمی نہیں بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔تب (زلیخا نے) کہا یہ وہی ہے جسکے بارے میں تم مجھے طعنہ دیتی تھیں اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا مگر یہ محفوظ رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اسے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔(یوسف نے) کہا (اے) پروردگار جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔تو خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے عورتوں کا مکر رفع کر دیا بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔[1]

ان آیات کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ گزشتہ واقعے کے ردعمل میں جو عورتوں نے باتیں کیں ان کو بیان فرما رہے ہیں۔اور زلیخا کو برا بھلا کہنے والی یہ عورتیں امراء اور شرفاء یعنی بڑے لوگوں کی لڑکیاں تھیں انہوں نے زلیخا کو اس بات پر ملامت و شناعت کی تھی کہ وہ اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے اور اس کی محبت میں دیوانی ہونے کو ہے جو اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔کیونکہ یہ غلاموں میں سے صرف ایک غلام ہے اور یہ عزیز مصر کی اہلیہ وحرمت ہے۔تو اس کو عزیز مصر کی عزت کو خراب نہ کرنا چاہئے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: ہم اس کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔یعنی اس نے اپنی عزت کو محض ایک غلام کے لئے داؤ پر لگا دیا ہے جو بہت برا اور غلط ہے۔

آگے فرمایا: پھر اس (زلیخا) نے ان کے مکر (یعنی برائی اور ملامت وعیب زدہ کرنے کو) سنا۔

یعنی زلیخا نے عورتوں کے شناعت برائی اور عیب بیان کرنے کو سنا اور سنا کہ وہ اس کی مذمت و برائی کرتی ہیں کہ وہ اپنے غلام کی محبت و عشق میں فریفتہ ہوگئی ہے اور اس اس طرح انہوں نے خوب مذمت کی ہے جبکہ زلیخا خود کو معذور جان رہی تھی۔اس وجہ سے زلیخا نے اپنے عذر کو ان کے سامنے پیش کرنا چاہا اور اس کیلئے ایک چال چلی تا کہ ان کو پتہ چل جائے کہ یہ غلام ایسا ویسا نہیں ہے جو وہ سمجھ رہی ہیں اور نہ ان کے پاس ایسا کوئی غلام ہو سکتا ہے تو لہٰذا اس منصوبہ بندی کے پیش نظر اس نے عورتوں کو دعوت کا پیغام بھیجا اور تمام عورتوں کو اپنے گھر میں اکٹھا کر لیا۔اور ان کی شایان شان دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت میں اور چیزوں کے ساتھ ایسی چیزیں بھی پیش کیں جن کو چھری سے کاٹا جائے جیسے لیموں وغیرہ اور پھر ان میں ہر ایک کو چھری بھی دیدی۔

اور پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کو (ان کے حالات سے لاعلمی میں) عمدہ کپڑے اور دوسری زینت وغیرہ کے ساتھ سنوار کر تیار کروا چکی تھی جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان چیزوں کے علاوہ بھی اپنے حسن و جمال میں قدرت کا نمونہ اور مثال تھے اور نیز عنفوان شباب کی دہلیز پر تھے۔

تو پھر زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکلنے کا حکم دیا کہ عورتوں پر سے گزریں تو جب یہ نکلے تو چودھویں کے چاند سے کہیں درجہ چمک دمک رہے تھے۔قرآن آگے فرماتا ہے: پھر جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کو (حسن و جمال میں) سب سے بڑا شمار کیا۔یعنی اس کی عظمت کی قائل ہوگئیں اور ان کے جلال کے اثر میں بے خود ہوگئیں اور ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی بنی آدم ایسا بھی ہو سکتا ہے۔اور ان کے حسن میں مبہوت ہوگئیں۔حتیٰ کہ اپنے آپ سے غافل ہوگئیں،اور چھریوں والے ہاتھ جو پہلے پھل پر چل رہے تھے،وہ ہاتھوں پر چلنے لگے اور زخم ہوتے چلے گئے اسی کو قرآن نے فرمایا: اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔یعنی نگاہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کے نظاروں میں ایسی گم ہوئیں کہ اپنے ہاتھوں کے کٹنے تک کا پتہ نہ چلا۔ہر طرف سے بے پرواہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہی ہیں اور اس بے خودی کے عالم میں سب بے ساختہ پکار اٹھیں۔

سبحان اللہ: یہ تو کوئی انسان نہیں ہے بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

معراج کی حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا: میں یوسف پر سے گزرا تو دیکھا ان کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔علامہ سہیلی وغیرہ اس کے معنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو حسن ملا تھا اسکا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا تھا،کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ

(۱) یوسف ۳۰ تا ۳۴

نے اپنے مقدس ہاتھوں سے پیدا فرمایا تھا اور خود اس میں روح پھونکی تھی، جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام انسانی حسن میں سب سے اعلیٰ وارفع درجے پر فائز تھے اسی وجہ سے اہل جنت جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قد مبارک جتنا قد لے کر اور انکا سا حسن لے کر داخل ہوں گے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے نصف حسن پر تھے اور دونوں کے درمیان میں کوئی بھی دونوں سے زیادہ حسین نہیں گزرا جسطرح کہ حضرت حواء علیہا السلام سب عورتوں میں خوبصورت تھیں اور ان کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام سب سے خوبصورت تھیں اور ان کے سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا روئے اقدس بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کام سے آتی (کیونکہ یہ بادشاہ وقت تھے جیسے کہ آگے آئے گا) تو یہ اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتے تھے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اکثر اوقات اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر رکھتے تھے تاکہ لوگ نہ دیکھ سکیں۔ اسی وجہ سے جب حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی مدعو عورتوں کے پاس سے گزرے تو عورتوں نے بھی زلیخا کو ان کی محبت میں معذور سمجھ لیا تھا۔ اور وہ خود اپنے آپ سے اپنے ہاتھ کٹوا بیٹھیں تھیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی کتنی دہشت اور ہیبت سوار ہو گئی تھی۔ تو یہ وہی عورتیں ہیں جو زلیخا کو ملامت کرتی تھیں تو زلیخا نے اس موقعہ پر ان کو کہا۔ قرآن میں ارشاد باری ہے:

(زلیخا نے) کہا: یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

پھر زلیخا خود ان کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاکدامنی کے گن گاتی ہے اور کہتی ہے۔

قرآن کریم میں ہے: (اور زلیخا نے کہا) اور بے شک میں نے اس کو اس کے نفس سے پھسلایا تھا۔ پھر یہ بچا رہا اور اگر یہ نہ کرے گا وہ کام، جس کا میں ان کو حکم دیتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔

وہ عورتیں جو پہلے زلیخا کو روکتی تھیں، اب اس کی مدد میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر ابھارنے اور اکسانے لگیں۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ اس عورت کے غلام تھے لیکن حقیقی غلام تو اللہ عزوجل کے تھے لہٰذا انہی سے منع کر دیا اور دور ہٹ گئے کیونکہ یہ انبیاء کے مقدس سلسلے کی ایک نشانی تھی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام اپنی حفاظت ایمان کے واسطے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوتے ہیں کہ اے پروردگار مجھے تو (وہ) جیل (جسکی مجھے یہ دھمکی دے رہی ہے) زیادہ محبوب ہے اس بات سے جس کی طرف مائل ہو جاؤں، تو نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ یعنی اگر آپ نے مجھے اپنے نفس پر چھوڑ دیا تو میرے نفس میں تو سوائے کمزوری اور عاجزی کے اور کچھ نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع و نقصان کا مالک ہوں پس میں کمزور و ضعیف ہوں کہیں مبتلائے عصیان نہ ہو جاؤں مگر یہ کہ آپ مجھے قوی کر دیجئے اور مجھے محفوظ کر دیجئے اور میری حفاظت فرما دیجئے اور اپنی طاقت اور قدرت سے مجھے بہرہ مند فرمائیے تاکہ میں ان عورتوں کے مکر و فریب سے بچ جاؤں۔

تو جب اس اولوالعزم پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر دعائیں کی تو اللہ رب العزت نے اس کے جواب کیا کیا؟ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

[1] تو خدا نے ان کی دعا قبول کرلی۔ اور ان سے عورتوں کا مکر رفع کر دیا بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ (زلیخا کے جرم کے) نشانات دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہ ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لئے ان (یوسف علیہ السلام) کو قید ہی کر دیں۔ اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان ہوئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔ اور جانور ان میں سے کھا رہے ہیں (تو اے یوسف) ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے کیونکہ ہم تجھے نیکوکار دیکھتے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت سے انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑتا ہوں۔

اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں لائق نہیں کہ ہم کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں یہ خدا کا ہم

(1) یوسف ۳۴ تا ۴۱

پر بھی اور لوگوں پر بھی فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو: بھلا (بتاؤ تو سہی کہ) کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب۔؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن لو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

میرے جیل خانے کے رفیقو: (اب اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (پہلا) تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے جو بات تم مجھ سے پوچھتے ہو اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ یوسف علیہ السلام پاکدامن اور عفیف ہے پھر بھی ان کی رائے یہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کو جیل بھجوا دیا جائے، تا کہ ایک تو لوگوں کے اندر اس بارے میں جو باتیں پھیلی ہوئی ہیں اور شور ہو رہا ہے وہ کم ہو جائے۔ اور دوسرا اس لئے کہ اس سے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا فائدہ تھا کیونکہ اس سے لوگوں میں یہ تاثر عام ہوگا کہ یوسف علیہ السلام نے ہی زلیخا کو بہکانا چاہا تھا جس کی وجہ سے وہ جیل میں قید کر دیا گیا۔

تو ان باتوں کی وجہ سے جو ان کی خود کی پیدا کردہ تھیں حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیج دیا۔

جو سراسر ظلم و ستم تھا۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے جیل جانا مقدر فرما چکے تھے اور اس کے ذریعے سے اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی تھی اور ان کو برے ماحول و معاشرے سے نجات دیدی تھی (جیسے کہ خود انہوں نے بھی یوں ہی دعا کی تھی کہ مجھے ان کے مکر سے بچا اگر چہ مجھے جیل ہی جانا پڑے۔)

اور اسی مقام سے بعض صوفیائے کرام نے مسئلہ مستنبط فرمایا ہے جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ گناہوں کی جگہ سے دور چلے جانا یہ عصمت سے ہے۔

(حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے کئی پہلو ہیں چند پہلو تو گزر چکے اور اب ان کی زندگی کا نیا رخ ہے جو جیل میں گزرا تو اس کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور اس کے ساتھ جیل میں دو جوان داخل ہوئے۔

کہا گیا ہے کہ ان دو میں سے ایک تو ساقی سلطان تھا یعنی بادشاہ کو جام اور مشروبات پلانے والا تھا اور اسکا نام نبوا تھا۔ اور دوسرا روٹی پکانے والا تھا یعنی بادشاہ کے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتا تھا۔ جسکو ترک لوگ جاشنگیر کہتے ہیں اور اسکا نام ایک قول کے مطابق مجلث تھا۔ اور بادشاہ نے کسی معاملے میں ان پر تہمت لگائی تھی جس کی وجہ سے دونوں کو جیل میں محبوس کر دیا گیا۔ دونوں نے جیل میں جب یوسف کو دیکھا تو علامتوں اور نورانی چہرے سے پہچان لیا کہ یہ کوئی اونچی ہستی ہے پھر آپکی باتوں اور آپ کے حسن سلوک سے مزید متاثر ہوئے۔

پھر دونوں نے ایک ایک خواب دیکھا۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ دونوں نے ایک ہی رات میں خواب دیکھے تھے اور ساقی نے دیکھا کہ ایک انگور کی بیل کی تین شاخیں ہیں جن پر پتے اور انگور کے گچھے لٹک رہے ہیں اور انگور پک چکے ہیں تو اس نے انگور لئے اور ان کو بادشاہ کے گلاس میں نچوڑا اور بادشاہ کو وہ پلایا اور دوسرے شخص یعنی روٹی پکانے والے نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کے تین ٹوکرے ہیں اور لالچی پرندے کوے جیسے اوپر والے ٹوکرے میں سے روٹی کھا رہے ہیں۔

تو دونوں دوستوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بیان کیا اور اس کی تعبیر طلب کی اور کہا ہم آپکو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں ان دونوں خوابوں کی تعبیر جانتا ہوں اور تم کو تمہارا کھانا آنے سے پہلے میں خبر دے دوں گا اس بات کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں پہلا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد تھا کہ میں تم کو اس خواب کی تعبیر دیدوں گا اس کے واقع ہونے سے پہلے اور یہ ویسے ہی ہوگا جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے کھانے کے آنے سے پہلے بتا سکتا ہوں کہ وہ میٹھا ہے یا ترش ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو فرمایا تھا:

قرآن میں ہے: (اور عیسیٰ نے فرمایا:) اور تم کو خبر دیتا ہوں اس کی جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔[1]

تو حضرت یوسف علیہ السلام پھر اپنے دونوں اسیران جیل ساتھیوں کو فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ میں تعبیر دے رہا ہوں یا خبر غیب دے رہا ہوں یہ سب اللہ نے مجھ کو سکھایا ہے کیونکہ میں اس پر ایمان لانے والا ہوں اور اس کی توحید کا قائل ہوں۔ اور اپنے آباء کرام یعنی ابراہیم اسحاق، یعقوب کی ملت کی اتباع کرنے والا ہوں تو اس وجہ سے نہیں ہے ہمارے لئے مناسب کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں (اور) یہ ہم پر اللہ کے فضل سے ہے (کہ اس نے ہم کو ہدایت دی) اور دوسرے لوگوں پر بھی۔ یعنی ہمیں اس بات کا حکم ملا ہوا ہے کہ ہم لوگوں کو اس تنہا ذات کی طرف بلائیں اور اسی کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں اور لوگوں کو اسی کا پتہ بتائیں۔ اور وہ لوگوں کی فطرت میں روز اول سے مرکوز ہے اور ان کی طبیعت و جبلت میں اس کی محبت درخت کے بیج کی طرح اگی ہوئی ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

پھر حضرت یوسف ان کو توحید کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کے ماسوا کی عبادت کی مذمت کرتے ہیں اور ان بتوں کی ذلت وحقارت اور ان کی عاجزی اور کمزوری کو کھولتے ہیں اور بیان کرتے ہیں تو پس آپ نے یوں فرمایا:

اے میرے جیل کے دو ساتھیو! کیا جدا جدا مالک بہتر ہیں (ایک غلام کے لئے) یا ایک اللہ جو زبردست ہے (وہ بہتر ہے)؟ تم نہیں عبادت کرتے سوائے ان ناموں کی جن کو تمہارے آباء نے رکھ لیا ہے۔ اور اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ حکم (وحکومت) صرف اللہ کی ہے۔[2]

یعنی اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور اپنی مشیت وارادے کے مطابق سب کچھ کرنے والا، جس کو چاہے ہدایت دے جس کو چاہے گمراہ کرے وہ صرف اور صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ تو اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی اس اکیلے اللہ کی جو ہر طرح سے اکیلا ہے اسکا کوئی ساتھی نہیں ہے۔

اور یہی توحید، دین مستقیم اور سدھا راستہ ہے اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔[3]

پس وہ، سب کچھ ظاہر ہونے اور روشن ہونے کے پھر بھی اس ذات کی طرف ہدایت نہیں پکڑتے۔

اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کو اسی حالت میں انتہائی کمال کے ساتھ دعوت دیتے رہے کیونکہ وہ بھی آپ کی عظمت کے قائل ہو چکے تھے اور جو آپ فرما رہے تھے وہ قبولیت کی تہہ میں بیٹھ رہا تھا تو اس وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی چاہا کہ ان کو سب سے نفع مند بات کی دعوت دو بنسبت اس کے جو انہوں نے سوال کیا ہے اور طلب کیا ہے۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے فرض منصب کو ادا کر چکے تو ان کے سوالات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا اے زنداں کے ساتھیو تم میں ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا (جو ساقی تھا) اور دوسرا سولی چڑھے گا پھر پرندے اس کے سر کو کھائیں گے (یہ روٹی پکانے والا تھا) اور جس بارے میں تم سوال کر رہے ہو اس میں یہی فیصلہ کر دیا گیا ہے۔[4] یعنی جو تعبیر میں نے تم کو بتائی ہے اب یہ ہو کر رہے گی۔

اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ خواب آدمی پر گھومتا رہتا ہے جب تک کہ اس کی تعبیر نہ دی جائے جب تعبیر دیدی جاتی ہے تو وہ خواب اس طرح واقع ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ دونوں خواب دیکھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا تو تب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: کہ جس کے بارے میں تم نے سوال کیا تو اسکا فیصلہ ہو گیا (یعنی جو میں نے کہا ہے اب تو ہو کر رہے گا)۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

کہ (یوسف علیہ السلام نے اس کو) کہا جس کے بارے میں نجات کی امید تھی کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا پھر اس کو شیطان نے اپنے آقا کے پاس بھلا دیا تو پھر یوسف علیہ السلام جیل میں چند سال (مزید) ٹھہرے رہے۔[5]

---

(۱) آل عمران ۴۹ (۲-۳-۴) یوسف ۴۰ (۵) یوسف ۴۱

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اس شخص کو کہا جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام نے رہائی کی خبر وتعبیر دی تھی اور وہ ساقی بھی تھا کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا کہ مجھے جس بے جا میں ظلم وستم کے ساتھ کیوں رکھا ہوا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب رہائی میں اور دوسرے اسباب کے اختیار کرنے میں جواز ہے اور یہ رب الارباب پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ پھر اس کو اپنے آقا کے پاس شیطان نے بھلا دیا۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پیغام کو بادشاہ کے پاس ذکر کردے۔ مجاہد اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہی مطلب درست ہے اور اہل کتاب کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے ہاں اس طرح منصوص ہے۔

فرمایا: پھر یوسف علیہ السلام ٹھہرے رہے جیل میں کئی سال۔

اور کئی سال معنی ہے لفظ بضع کا اور اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں تین سے نو تک اور ایک قول ہے تین سے سات تک، ایک قول ہے تین سے پانچ تک اور ایک قول ہے دس سے کم کم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ثعلبی نے اس کو نقل کیا ہے اور علامہ فراء نے دس سے کم میں اسکا استعمال ممنوع قرار دیا ہے اور یہ چند کے معنی میں آتا ہے اور علامہ فراء کی بات کو مسترد کرنے والی یہ آیتیں ہیں کہ اس مقام پر تو اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام چند سال جیل میں رہے تو یہاں بھی اکثر کے نزدیک دس سے کم ہی مراد ہیں اور دوسری جگہ سورہ روم کے شروع ہی میں فرمایا فی بضع سنین وہاں بھی نو سال مراد ہیں تو یہ شواہد ودلائل ان کے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں۔

اور علامہ فراء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے بضعۃ عشر یعنی دس سے کچھ اوپر اور کہا جاتا ہے بضعۃ وعشرون یعنی بیس سے کچھ اوپر، اس طرح نوے تک۔ لیکن یوں نہیں کہا جاتا ہے ”بضع ومائۃ“ ایک سو اور چند اوپر، اور ”بضع والف“ یعنی ہزار اور چند اوپر، تو اس سے معلوم ہوا کہ بضع آتا ہے دس سے اوپر کے لئے دہائیوں کے ساتھ ساتھ اور علامہ جوہری دس سے اوپر استعمال میں مخالفت فرماتے ہیں کہ یوں کہنا صحیح نہیں ”بضعۃ عشر“ دس اور چند اوپر، اور ”بضع وعشرون“ بیس اور چند اوپر، اس طرح نوے تک۔ یہ صحیح نہیں ہے لیکن ان کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی ﷺ صحیح میں موجود ہے **الایمان بضع و ستون شعبۃ وفی روایۃ وسبعون شعبۃ**

کہ ایمان کے ساٹھ اور چند شعبے ہیں اور ایک روایت میں ستر اور چند شعبے ہیں اور انمیں اعلیٰ درجہ لا الٰہ الا اللہ کہنا اور آخر درجہ راستے سے تکلیف دہ اشیاء کا ہٹا دینا ہے۔

یہ تو بضع کی بات میں تھوڑی سی تفصیل تھی اور اس کے ساتھ پہلے جو آیا ہے ”فانساہ الشیطن“ اس میں بعض کا کہنا ہے اس ضمیر کا حضرت یوسف علیہ السلام مرجع ہیں جسکا مطلب ہو جائے گا کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کا ذکر بھلا دیا۔ یہ بات بالکل ضعیف ہے اگرچہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن پھر بھی اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے (اس کے راویوں کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے) اور وہ حدیث جو اس مقام پر ابن جریر نے روایت فرمائی ہے وہ ہر اعتبار سے ضعیف ہے اس کی سند میں ابراہیم بن یزید خوری کی ہے جس کی حدیث ترک کردی جاتی ہے۔

اور حسن اور قتادہ کی مرسل روایت مقبول نہیں ہے اور نہ ہی یہاں قبول ہے نہ پہلے طریق سے نہ آخری طریق سے بہر حال ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی ہے کہ [1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ یہ بات نہ فرماتے کہ ”اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا“ تو جیل میں اتنی مدت نہ ٹھہرتے جتنی مدت ان کو ٹھہرنا پڑا۔ اور اللہ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انکا یہ فرمانا ”کاش مجھے تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا میں مضبوط قلعے کی کوئی پناہ پکڑ لیتا“ درحقیقت وہ خدا سے مدد اور سہارا مانگ رہے تھے اسی وجہ سے اللہ نے ان کے بعد ہر نبی کو اپنی قوم میں (عزت وقار) اور مالداری کے ساتھ بھیجا تو یہ حدیث اس طریق سے منکر ہے۔ اور اس حدیث کے رواۃ میں محمد بن عمرو بن علقمہ، کئی چیزوں میں منفرد ہے اور اس میں نکارت ہے اور یہ الفاظ ان کے ہیں جو اس کو منکر کہیں اور شدت اختیار کریں اور صحیحین میں اس کی غلطی پر شہادت ہے واللہ اعلم۔

(۱) اخبرنا الفضل بن الحباب الجمحی، حدثنا مسدد بن مسرھد، حدثنا خالد بن عبداللہ حدثنا محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ھریرہ قال.....

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں: فرمایا:

اور بادشاہ نے کہا میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو اگر تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔ انہوں نے کہا یہ تو پریشان (مشکل) سے خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں رہائی پا گیا تھا اور (اب) مدت کے بعد اس کو وہ بات یاد آ گئی تو وہ بول اٹھا کہ میں آپکو اس کی تعبیر (لا) بتاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے (تو وہ یوسف کے پاس آیا اور کہا) اے سچے (انسان) ہمیں بتایئے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات خشک تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں تو وہ (تمہاری قدر) جان لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو غلہ کاٹو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے۔ اس کو خوشوں میں ہی رہنے دینا۔

پھر اس کے بعد سات سخت (سال) آئیں گے جو غلہ تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہ تھوڑا سا رہ جائے گا جسکو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔ (۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ تعبیر دینا بھی آپ کی اسباب رہائی میں سے ایک سبب ہے جس کی وجہ سے بادشاہ نے آپکو احترام واکرام کی نگاہ سے عزت بخشی۔

یہ بادشاہ جس نے خواب دیکھا ریان بن ولید بن ثروان بن اراشہ بن فاران بن عمرو بن عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ بادشاہ نے خواب یوں دیکھا تھا کہ یہ ایک نہر کے کنارے کھڑا ہے اس میں سے سات موٹی گائیں نکلیں پھر وہاں قریبی چراگاہ میں چرنے لگیں۔ پھر دوبارہ نہر سے دوسری سات دبلی گائیں نکلیں وہ بھی پہلی گایوں کے ساتھ مل کر چرنے لگیں پھر ان موٹی گایوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور ان کو کھا گئیں۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھا۔ اور پھر سو گیا، پھر دوسرا خواب دیکھا کہ ایک بالی میں سات سبز سٹے ہیں، اور دوسری بالی میں سات خشک سٹے تو یہ سات خشک ان کو جو تر و تازہ سبز تھے کھا گئے تو یہ پھر گھبرا کر بیدار ہوا۔

جب اس نے یہ قصہ اپنی قوم اور سرداروں کو بتایا تو کوئی بھی اس کی صحیح تعبیر نہ دے سکا بلکہ کہنے لگے یہ تو ملے جلے مشکل سے خواب ہیں ہم ان کی تعبیر نہیں دے سکتے اور ہو سکتا ہے کہ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہ ہو تو اس وقت وہ شخص جو دو قیدیوں میں ایک رہائی پا گیا تھا۔ جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بادشاہ کے پاس ان کا ذکر کرنے کو کہا تھا اور وہ اب تک بھولے ہوئے تھا اس کو اب یاد آیا اور یہ بھلانا بھی من جانب اللہ تھا جو قدرت و حکمت الٰہی کے مطابق تھا، تو اس نے بادشاہ کا خواب سنا اور لوگوں کے اس سے ناواقف ہونے کو دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ یاد آ گیا، اسی کو قرآن نے فرمایا: اور کہا اس شخص نے جو ان دونوں میں سے نجات پا گیا تھا اور اس کو یاد آ گیا اور ایک مدت بعد اس کو یاد آیا یہ مدت چند سالوں پر محیط تھی اور عکرمہ ابن اسحاق، ضحاک کے نزدیک لفظ اسی طرح ہے۔ جس طرح عام پڑھا جاتا ہے یعنی بعد امة لیکن انھوں نے اس کے معنی مراد لئے ہیں نسیان (بھولنا) یعنی بھولنے کے بعد اس کو یاد آیا، اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے بعد امة انھوں نے اس کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ بھولنے کے بعد اس کو یاد آیا، جیسے کہا جاتا ہے امہ الرجل آدمی بھول گیا، شاعر کہتا ہے۔

امهت و كنت لا انسى حديثا كذاك الدهر يزرى بالعقول

میں بھول گیا جبکہ میں بھولا نہیں کرتا تھا اسی طرح زمانہ عقل پر مصائب ڈالتا ہے

تو الغرض اس آدمی کو جیسے ہی یاد آیا اس نے کہا: میں تم کو (پوچھ کر) اس کی تاویل و تعبیر بتاتا ہوں لہذا مجھے یوسف کے پاس بھیجو۔ اور یہ یوسف کے پاس آیا اور کہا اے سچے یوسف ہمیں سات موٹی گائیوں کے متعلق بتا جن کو سات کمزور گائیں کھا رہی ہیں اور ان سات سبز پتوں کے بارے میں (جس کو کھانے والے) دوسرے سات خشک پتے ہیں تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور بتاؤں اور یہ آپ کے علم و قدر کو جانیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک واقعہ یوں ہے کہ بادشاہ کو جب ساقی نے کہا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ پھر یوسف علیہ السلام لائے

(۱) یوسف ۴۳ تا ۴۹

گئے تو خود بادشاہ کے سامنے خواب کی تعبیر دی، یہ بالکل غلط ہے اور درست یہی ہے جو قرآن میں ہے کہ ساقی نے پوچھ کر تفسیر بتائی تھی نہ کہ یوسف علیہ السلام نے خود آ کر بتائی وہ ان جاہلوں اور بے وقوف کے جھوٹ وافتراء میں سے ہے۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب ساقی آیا تو آپ نے بغیر کسی تاخیر وشرائط کے فوراً اپنے علم کے مطابق تعبیر بتادی نہ ہی رہائی کی شرط لگائی نہ کسی اور چیز کی۔

بلکہ صحیح تعبیر بتادی کہ پہلے سات سال فراوانی اور غلے کی وافر مقدار والے ہوں گے پھر سات خشک اور قحط زدہ سال ہوں گے پھر ان سات خشک سالوں کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی یعنی لوگوں کو تر وتازگی غلہ کی فراوانی اور ہر چیز کھلی دستیاب ہوجائے گی اور اس سال میں اتنی برکت ہوگی کہ لوگ پھلوں کا رس نچوڑیں گے یعنی گنا، انگور تل اور زیتون وغیرہ وغیرہ کا اس طرح حضرت یوسف نے تعبیر بھی بتادی اور صرف بتائی نہیں بلکہ اس سے نجات وخلاصی اور آسانی کا طریقہ بھی بتادیا، کہ تر وتازگی کے سالوں میں کیا کرو اور پھر خشکی کے سالوں میں کیا؟ اور ان پہلے جمع کئے ذخیرے سے احتیاط وقناعت کے ساتھ گزر بسر کرو۔

اور اس مقام پر حضرت یوسف کی کمال عقل اور دانائی خوب واضح ہوجاتی ہے کہ آپ نے فرمایا گندم کے دانوں کو ان کے سٹوں میں رکھ چھوڑو (تاکہ) یہ خراب نہ ہوں اور ان کو کوئی حشرات الارض نہ کھائیں۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

(یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ، جب قاصد ان کے پاس گیا تو آپ نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال (اور اصل حقیقت وماجرا) ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا رب ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔

(بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا کہ بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا؟ (سب) بول اٹھیں ماشاء اللہ (اور کچھ نہیں بلکہ) ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی عزیز کی بیوی نے کہا اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے (لہذا سنو اصل یہ ہے کہ) میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے، (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لئے (پوچھی ہے) تاکہ عزیز کو یقین ہوجائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی ہے اور خدا خیانت کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا، اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس (امارہ انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱)

جب بادشاہ کو حضرت یوسف کے کمال علم اور تمام عقل اور کامل رائے اور درست فہم کا اندازہ ہوا، تو بادشاہ نے عقیدت ونیازمندی کیساتھ یوسف کی رہائی کا حکم دیا تاکہ اس کو اپنے مقربین اور خواص میں شامل کرلیا جائے لیکن جب قاصد یہ پیغام رہائی لے کر حضرت یوسف کی خدمت میں پہنچا تو حضرت یوسف نے چاہا کہ تب تک نہ نکلیں اور رہائی قبول نہ کریں گے جب تک کہ ہر ایک پر ظاہر نہ ہوجائے کہ یہ حبس بے جا ظلم وستم پر مبنی تھا اور ان کا دامن اس گناہ سے پاک صاف ہے، جس کی طرف لوگ آپ کو منسوب کرتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا ماجرا اور اصل قصہ ہے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا آقا ان کے مکروں کو خوب جاننے والا ہے اور اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد آقا سے اپنے عزیز مصر تھے کہ وہ ان عورتوں کے مکر خوب جانتا ہے کہ میں کیسے سختی اور احتیاط سے ان عورتوں کے جال سے بچا رہا جب انھوں نے مجھے اس امر پر اکسایا تھا جو میرے لئے کسی طرح بھی مناسب اور لائق نہیں تھا، لہذا اے قاصد اپنے بادشاہ کو کہو کہ وہ پہلے ان عورتوں سے اس کی تحقیق کرے۔

تو جب عورتوں سے اس معاملے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے اعتراف کرلیا جو حقیقت تھی اس کو ظاہر کردیا اور کہا ماشاء اللہ کہ بات یہی ہے کہ ہم نے یوسف پر کوئی برائی نہیں جانی دیکھی۔

تو اس وقت زلیخا نے بھی کہہ دیا ''اب تو حق ظاہر ہو ہی گیا ہے'' لہذا (سنو) کہ ''میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کیا تھا'' اور اس نے مجھے بالکل

(۱) یوسف ۵۰ تا ۵۳

کوئی غلط ارادے سے نہیں بھانپا اور وہ محبوس، ظلم وستم کے تحت ہوا اور جھوٹ اور افتراء ہوا ہے۔

پھر آگے حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے عورتوں سے یہ جو معلوم کروایا ہے تاکہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کے اہل میں کوئی خیانت نہیں کی لیکن بعض یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ کلام زلیخا کا ہے کہ میں نے بات اس لئے بتائی ہے تاکہ عزیز مصر میرا شوہر جان لے کہ میں نے حقیقت میں اس سے کوئی خیانت نہیں کی اگرچہ میری طرف سے کوشش ہوئی تھی لیکن معاملہ بالکل پاک صاف رہا۔

اور اس دوسرے مطلب کو لینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور قرینہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے (کیونکہ آگے بھی زلیخا کی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر کو کامیاب نہیں کرتا جیسے کہ میں کامیاب نہ ہوسکی) اور یہی مطلب مفسرین کا پسندیدہ ہے جبکہ مفسر ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صرف پہلے ہی کو نقل کیا ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اس کو اپنا صاحب خاص بناؤں گا، پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا آج تم ہمارے ہاں صاحب منزلت (اور) صاحب اعتماد ہو، (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزائن پر مقرر کردو کیونکہ میں حفاظت بھی کرسکتا ہوں اور اس کام سے واقف (بھی) ہوں، اس طرح ہم نے یوسف کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے، ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے، اور جو لوگ ایمان لاتے اور ڈرتے رہے ان کے لئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔[1] جب بادشاہ کے روبرو یوسف علیہ السلام کی برات و پاکیزگی ظاہر ہوگئی تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ اس کو میں اپنے لئے خاص کرلوں اور اس کو اپنے خواص میں شامل کرلوں اور دولت وحکومت کا اس کو بڑا بنادوں۔

اور اپنے حاشیہ برداروں میں اس کو رکھ لوں پھر وہ آئے اور بادشاہ سے گفتگو ہوئی، تو اور شان وعظمت ظاہر ہوئی جس پر بادشاہ نے کہا آج سے آپ ہمارے نزدیک بڑے مرتبے اور عزت والے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا، اے (بادشاہ) مجھے مملکت کے خزائن پر مقرر کردو میں حفاظت کرنے والا ہوں۔

اور اس کو جاننے والا ہوں، آپ نے امور بیت المال کی نگرانی اور حفاظت مانگا کیونکہ آپ کو پتہ تھا کہ آنے والے سرسبز وتر وتازہ زمانے کے بعد سات سال تک قحط وفاقہ کشی کی قربت پہنچے گی، تو یہ اس زمانے میں ایسے کام سرانجام دے سکتے ہیں جن سے اللہ کو خوب راضی کرلیں اور مخلوق کو عقل اور دانائی سے ان کیلئے سہولتیں اور فاقے سے بچاؤ کا اہتمام کریں اس کے لئے کہا میں حفاظت دار ہوں یعنی خوب حفاظت کرسکتا ہوں اور امانت دار ہوں اور اس کام سے واقف کار ہوں کہ کس کس طرح یہ کٹھن زمانہ بسر کرایا جائے۔

اس بات سے ولایت وامارت وحکومت طلبی کے سوال کا جواز معلوم ہوجاتا ہے کہ کس شخص کے لئے یہ طلب کرنا جائز ہے۔

اہل کتاب کے ہاں ہے کہ پھر بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بہت ہی تعظیم کی اور ان کو تمام روئے مملکت پر مقرر کردیا اور اپنی انگوٹھی (جو بطور مہر کام کے لئے تھی) حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کردی اور عمدہ لباس پہنایا اور گلے میں ہار ڈالا اور اپنی دوسری خاص سواری پر ان کو سوار کیا اور ان کے سامنے کہا آپ ہی مالک اور حاکم ہیں، میں آپ سے صرف کرسی کے علاوہ کسی چیز میں بڑا نہیں ہوں۔

اہل کتاب کہتے ہیں اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور بادشاہ نے آپ کی ایک بہت عظمت والی عورت سے شادی کرادی تھی اور ثعلبی کہتے ہیں بادشاہ نے قطفیر عزیز مصر کو اس کے مرتبے سے ہٹا کر آپ کو اس کی جگہ رکھ لیا تھا اور ایک قول ہے کہ جب قطفیر مرگیا تو بادشاہ نے زلیخا سے آپ کی شادی کرادی اور یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو پھر بھی کنواری ہی پایا کیونکہ عزیز مصر عورتوں کے قریب نہ جاتا تھا۔

پھر زلیخا کے ہاں حضرت یوسف سے دولڑکے افرائیم اور منسا پیدا ہوئے اور حضرت یوسف نے ملک مصر کو خوب مضبوط کردیا اور عدل وانصاف کا گہوارہ بنادیا۔

اور حکایت کی گئی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ کے پاس آئے تب ان کی عمر تیس سال تھی اور بادشاہ نے ان سے ستر

(۱) یوسف ۵۴ تا ۵۷

زبانوں میں بات چیت کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر زبان میں ان کو جواب دیا تو بادشاہ کو ان کی نوعمری کے باوجود اس کمال پہ بہت حیرت ہوئی، (بلکہ یہاں غور کا مقام ہے کہ حضرت یوسف کے ستر زبانوں کے جاننے پر تعجب نہیں ہے بلکہ بادشاہ کے ان زبانوں کے جاننے پر ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام تو پیغمبر تھے، بطور معجزے کہ ان کو خدا کی طرف سے لیاقت حاصل تھی)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو مصر میں ٹھکانا دیا کہ جہاں چاہے پھرے، یعنی پہلے تو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں پھر اللہ نے ان کو عزت کے مقام کے ساتھ کھلی آزادی دیدی۔

اور فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے مومنین و محسنین کا اجر ہے اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی ان کا اچھا ٹھکانہ ہوگا، اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مصر کا بادشاہ ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوگیا تھا۔

کسی نے کہا ہے

وراء مضيق الخوف متسع الامن واول مفروح به غاية الحزن

اور خوف کی تنگی کے بعد امن کی فراخی ہے اور خوشی سے سرشار شخص پہلے انتہائی حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے۔

فلاتيأ سن فالله ملک یوسفا خزائنه بعد الخلاص من السجن

پس ہرگز مایوس و رنجیدہ نہ ہو کیونکہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کو جیل سے خلاصی کے بعد ہی ملک مصر کے خزانوں کا مالک بنایا تھا۔

اب قصے کے اہم رخ کی طرف اللہ تعالیٰ اپنا خطاب فرماتے ہیں۔

فرمان باری ہے:

اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلہ خریدنے کے لئے) آئے تو یوسف کے پاس گئے تو (یوسف نے) ان کو پہچان لیا اور (لیکن) وہ ان کو نہ پہچان سکے، جب یوسف نے ان کے لئے ان کا سامان تیار کردیا تو کہا کہ (پھر آؤ تو) جو باپ کی طرف سے تمہارا ایک اور بھائی ہے اسے بھی میرے پاس لانا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آسکو گے، انھوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کرکے رہیں گے، اور یوسف نے اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلے کی قیمت) ان کے کجاوؤں میں رکھ دو، عجب نہیں کہ جب یہ اپنے اہل وعیال میں جائیں تو اسے پہچان لیں (اور) عجب نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے مصر شہر آنے کی خبر دے رہے ہیں جو غلہ کی طلب میں یہاں آئے تھے اور یہ تب آئے تھے، جب قحط کے سال آگئے تھے اور اس قحط و فاقہ نے تمام شہروں اور انسانوں کو ڈھانپ لیا تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام اس عرصے میں مصر کے علاقوں کے دین و دنیا دونوں میں حاکم تھے، تو یہ بھائی اسی غرض سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ان کو پہچان لیا لیکن بھائی ان کو نہ پہچان سکے کیونکہ ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس مرتبے و عظمت تک رسائی کرسکتے ہیں اس وجہ سے بھائی یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ برادران جب آئے تو انھوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو جان لیا لیکن آپ نے کوشش کی کہ یہ نہ پہچان سکیں لہذا اس وجہ سے ان کے ساتھ سختی سے ہم کلام ہوئے اور فرمایا: تم لوگ جاسوس ہو تم اس لئے آئے ہو کہ تم ہمارے علاقے کی اچھائی اور مال وغیرہ حاصل کرلو، بھائیوں نے کہا اللہ کی پناہ ہم صرف اس غرض سے آئے ہیں کہ ہماری قوم بھوک اور مشقت سے دوچار ہوگئی ہے تو ان کے لئے غلہ لے آئیں، اور ہم سب کنعان میں ایک باپ کی اولاد ہیں اور ہم بارہ افراد تھے پھر ہم میں ایک چلا گیا، اور جو سب سے چھوٹا ہے وہ ہمارے والد مکرم کے پاس ہے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے میں تمہارے معاملے میں جانچ پڑتال کروں گا۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تین دن تک محبوس رکھا پھر ان کو نکالا اور جب سب کو واپس کرنے

(۱) یوسف ۵۸ تا ۶۲

لگے تو صرف شمعون کو اپنے پاس بطور ضمانت کے رکھ لیا تا کہ دوسرے بھائی چھوٹے بنیامین کو واپس ضرور لائیں (کیونکہ یہ ان کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے)۔

اور ان کے اس بات بیان کرنے میں کہیں کہیں شک ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر جب یوسف نے ان کو معروف طریقے سے غلہ دیدیا یعنی ہر ایک کو اونٹ لاد کر دیا تو کہا میرے پاس تمہارے باپ کی طرف سے دوسرے بھائی (بنیامین) کو لے آنا؟ اور پہلے حضرت یوسف علیہ السلام ان سے ان کی حالت اور گھر کے افراد وغیرہ کے بارے میں سوال کر چکے تھے جس پر انھوں نے کہا تھا کہ ہم بارہ افراد تھے پھر ہم میں سے ایک چلا گیا اور باپ کی طرف سے ایک حقیقی بھائی رہ گیا تو پھر حضرت یوسف نے ان کو فرمایا تھا جب تم آئندہ سال آؤ تو اس کو بھی لے آنا۔

اور پھر اس پر اکسایا اور فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں ناپ پورا دیتا ہوں اور میں مہمانوں کی بھی خاطر مدارت کرتا ہوں، جس طرح کہ تمہارے ساتھ میں نے حسن سلوک کیا اور مہمانی کی اس کے بعد حضرت یوسف ان کو دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تم اس کو نہ لائے تو غلہ نہ ملے گا، بلکہ میرے پاس بھی مت آنا۔

حضرت یوسف کے بھائیوں نے جواب دیا: کہنے لگے ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو آمادہ کریں گے یعنی کوشش کریں گے کہ ان کو اپنے ساتھ لے آئیں اور اس کو اس پر راضی کر لیں پھر کہا اور ہم یہ کر لیں گے یعنی ضرور لے کر آئیں گے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خادموں کو خفیہ حکم دیا کہ جو کچھ یہ لوگ بطور سرمایہ اور قیمت کے لائے ہیں اس کو واپس انہی کے غلے میں رکھ دو لیکن ان کو پتہ نہ چلے فرمایا شاید وہ اس کو جان لیں اور جب اپنے گھر لوٹیں تو واپس بھی آئیں، بعض حضرات فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس قیمت کو واپس جا کر اپنے ہی غلوں میں دیکھیں گے تو واپس دینے کے لئے مصر آئیں گے یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطلب تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا تھا کہ شاید ان کے پاس دوبارہ واپس آنے کے لئے پیسے سامان نہ ہو تو یہ سامان ان کو واپس دیدیا تا کہ دوبارہ آنے میں ان کو مدد ملے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو برا لگا کہ بھائیوں سے غلے کے پیسے لیں اور ان کا یہ سرمایہ پیسہ کیا چیز تھی؟ مفسرین کے کئی اقوال ہیں جن کا ذکر آتا ہے، اہل کتاب کے نزدیک تو وہ چاندی کے ٹکڑے تھے اور یہ زیادہ مناسب لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ قصے کو بیان فرماتے ہیں۔

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے کہنے لگے کہ ابا جب تک ہم بنیامین کو نہ لے جائیں گے ہمارے لئے غلہ روک دیا گیا ہے تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم پھر غلہ لائیں اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(یعقوب نے) کہا کہ کیا میں اس کے بارے میں تمہارا ایسے ہی اعتبار کر لوں جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟ بس خدا ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ واپس کر دیا گیا ہے کہنے لگے کہ ابا ہمیں اور کیا چاہئے یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اب ہم اپنے اہل وعیال کے لئے پھر غلہ لائیں گے یہ غلہ تھوڑا ہے (یعقوب نے) کہا جب تک تم مجھے خدا کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس لے آؤ گے، میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، مگر یہ کہ تم روک لئے جاؤ جب انھوں نے اس (والد) کو اپنا عہد دیدیا تو (یعقوب نے) کہا جو قول وقرار ہم کر رہے ہیں خدا اس کا ضامن ہے اور کہا اے بیٹو ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں خدا کی تقدیر تو تم سے نہیں روک سکتا، حکم اسی کا ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے باپ نے ان کو کہا تھا تو وہ تدبیر، خدا کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی، ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انھوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحب علم تھے؛ کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان بھائیوں کا حال بتایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے پاس سے واپس جا کر والد کے ساتھ کیا بات چیت ہوئی، جس میں سے یہ بھی تھی کہ ہم سے آئندہ کے لئے غلہ روک دیا گیا ہے اگر ہم بھائی کو نہ لے کر جائیں اور اگر آپ بھائی کو لے جانے دیں گے تو ہم کو بھی غلہ ملے گا۔

اور فرمایا: کہ جب انھوں نے اپنے سامان کو کھولا تو اپنے سامان کو واپس کیا ہوا پایا تو کہنے لگے اے باپ اور ہم کو کیا چاہئے یہ ہمارا سامان بھی واپس کر دیا گیا ہے، لہذا ہم ایسے سخی بادشاہ کے پاس دوبارہ بھی، آئندہ غلہ لینے ضرور جائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور زیادہ غلہ لائیں گے۔

یہ غلہ تو تھوڑا ہے یعنی اس بھائی کی کمی بھی پوری کریں گے۔ جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو ساتھ بھیجنے میں بہت پس و پیش سے کام لے رہے تھے کیونکہ یہ ان کے لئے یوسف کی جگہ تھے اور یوسف کی تسلی اس سے حاصل ہوتی تھی اور اس وجہ سے بیٹوں کو کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم اس بات کا عہد نہ دو کہ تم اس کو میرے پاس واپس ضرور لاؤ گے: ہاں مگر یہ کہ روک دیا جائے یعنی تم سب اس کے لانے سے عاجز ہو جاؤ تو الگ بات ہے لہذا سب بھائیوں نے باپ کو مضبوط عہد و پیمان دیا تو پھر یعقوب نے فرمایا اللہ اس پر جو ہم قول و قرار کر رہے ہیں وکیل و ضامن ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے عہد و قرار کو مضبوط کرلیا اور اپنی جانب سے اپنے بچے کی حفاظت کے لئے احتیاطی پہلو برت لیا جبکہ قدرت کو حذر و احتیاط روک نہیں سکتی اور فاقہ و قحط کی وجہ سے اگر ان کو بنیامین بھیجنے کی حاجت نہ ہوتی تو اپنے پیارے بیٹے کو کبھی نہ بھیجتے، لیکن تقدیر کا کام ہو کر رہتا ہے اور رب تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں فیصلہ فرماتے ہیں وہی حکمت و علم والا ہے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو حکم فرماتے ہیں کہ ایک ہی دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، محمد ابن کعب، ابن عباس، ضحاک، سدی، مجاہد، قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ حکم اس لئے دیا تھا تاکہ ان کو کسی کی بری نظر نہ لگ جائے کیونکہ سب بھائی حسن صورتوں والے اور عمدہ اچھے جسم والے تھے اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں اس وجہ سے حکم دیا تھا کہ تاکہ جدا جدا ہوں تو ایک طرح سے یوسف علیہ السلام کو شاید کہیں دیکھ لیں یا اس کا کوئی نشان پالیں، اور پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے جس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آگے باپ بیٹوں کو فرماتے ہیں میں تم سے اللہ کی طرف سے تقدیر کردہ چیز کو دور نہیں کر سکتا اور اللہ نے فرمایا: کہ جب وہ اپنے باپ کے حکم کے مطابق داخل ہوئے تو اللہ کی تقدیر سے ان کو کوئی چیز بچانے والی نہیں تھی مگر وہ یعقوب کے دل میں ایک بات تھی، جس کو انھوں نے پورا کرلیا اور بے شک وہ علم والے تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تو ان دونوں باتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اس بار حضرت یعقوب علیہ السلام نے درہم کے بجائے اپنے بیٹوں کے ہاتھ پستے، اخروٹ، خرما اور بن کے پھل بھیجے تھے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو یہ سلوک (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔

پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے کجاوے میں پانی پینے کا برتن رکھ دیا پھر (وہ جب آبادی سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی قافلے والو تم تو چور ہو، وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے وہ بولے کہ بادشاہ کے پانی پینے کا برتن کھو گیا ہے اور جو اس کو لے آئے اس کے لئے ایک بار اونٹ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ فساد کریں اور نہ ہم چوری کرتے ہیں تو بولے اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا ہے؟ کہنے لگے جس کے کجاوے میں نکلے وہی اس کا بدل قرار دیا جائے، ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں پھر اپنے بھائی کے کجاوے سے پہلے ان کے کجاوؤں کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے کجاوے میں سے اس کو نکال لیا، اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ خدا کی مشیت کے سوا اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے، (برادران یوسف نے) کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور دل میں) کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے، وہ کہنے لگے اے عزیز اس کے والد بہت بوڑھے ہیں اور اس سے بہت محبت رکھتے ہیں تو اس کی جگہ

ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے سمجھتے ہیں، (یوسف نے) کہا خدا کی پناہ ہو کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں ایسا کریں تو ہم بے انصاف ہیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ بھائیوں کے بنیامین کو لے کر جانے کو بیان فرماتے ہیں کہ یوسف نے ان کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور اس کو اصل راز کی خبر دیدی کہ وہ اس کا بھائی ہے اور پھر اس کو چھپانے کا کہا اور تسلی دی کہ وہ جو سلوک کرتے ہیں اس سے بددل نہ ہو، پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو پاس رکھ لینے کی ترکیب کرتے ہیں اور اس کے پیش نظر پہلے تو بنیامین کو ان کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے خدام کو خود حکم دیتے ہیں کہ کہ ہمارا پیالہ ان کے کجاوے میں رکھ دو جس کے ساتھ پانی پیتے تھے، تو انھوں نے بنیامین کے سامان میں وہ پیالہ رکھ دیا پھر جب وہ چلے گئے تو جا کر پکارا کہ تم چور ہو اور بادشاہ کا پیالہ چوری کر لیا ہے اور جو لوٹائے گا اس کو ایک اونٹ غلہ اور ملے گا اور منادی خود اس کا ضامن بنا تو تمام بھائی اس منادی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو خبر دی اور اپنی برات بیان کی کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد مچانے کے لئے نہیں آئے اور ہم چور نہیں ہیں، (یعنی تم کو پتہ ہے کہ ہم نے چوری نہیں کی پھر بھی تم تہمت لگاتے ہو اس پر انھوں نے پوچھا کہ اچھا اگر پیالہ نکل آئے تو کیا سزا ہے اس کی؟ بھائیوں نے کہا جس کے پاس سے نکلے وہی رکھ لیا جائے وہ آدمی اس کا بدلہ ہے ہم اسی طرح ظالموں کا فیصلہ کرتے ہیں اور یہ ان کے باپ یعقوب کی شریعت تھی کہ چور کو چوری شدہ کے مالک کو سونپ دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر انھوں نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے دوسروں سے ابتدا کی پھر اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان سے نکال لیا اور یہ آخر میں اس لئے دیکھا تاکہ تہمت نہ لگے اور بھائیوں کو بالکل شک شبہ نہ ہو پھر اللہ نے فرمایا ہم نے یوسف کو اس طرح تدبیر سکھائی ورنہ وہ (اپنے) قانون کے مطابق اس کو نہ لے سکتے تھے یعنی اگر بھائی خود ہی نہ کہتے کہ جو چور ہو وہی بدلا ہے تو پھر یوسف بنیامین کو نہ لے سکتے کیونکہ یہ مصر کے قانون کے خلاف تھا، اللہ فرماتے ہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں (یعنی علم میں) اور ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے۔

اور یہ فرمایا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان تمام بھائیوں سے زیادہ علم والے تھے اور رائے میں ان سے کامل تھے اور عزم و حوصلے میں پختہ تھے اور انھوں نے جو کیا سب اللہ کے حکم سے کیا تھا لہذا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نیز اس لئے بھی کیونکہ اس پر بعد میں بڑے بڑے فوائد مرتب ہونے والے تھے اور اسی طرح ماں باپ کا مصر لانا اور ان سب کا آنا یہی اس کی ابتدا تھی۔

تو جب بھائیوں نے پیالے کو بھائی بنیامین کے سامان سے نکلتے دیکھا تو کہا، اگر اس نے چوری کی ہے پس پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی، یعنی یوسف علیہ السلام نے۔ ایک قول ہے کہ ان کی مراد تھی کہ حضرت یوسف نے اپنے نانا یعنی راحیل کے والد لابان کے بت کو چوری کر لیا تھا اور توڑ دیا تھا۔ بچپن میں۔ اور ایک قول ہے کہ یہ بچپن میں اپنی پھوپھی کے پاس تھے تو اس نے ان کے کپڑوں میں حضرت اسحاق کا پٹکا چھپایا تھا تاکہ یہ ان کے پاس رہ جائیں کیونکہ ان کو یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی تو بعد میں نکال کر چوری ثابت کر کے قانون کے مطابق ان کو رکھ لیا تھا، اور یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گھر میں کچھ کھانا چھپا کر رکھ لیا کرتے تھے جسے بعد میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرتے تھے۔ پھر آگے اللہ نے فرمایا کہ یوسف نے اس بات کو چھپا لیا اور وہ یہ تھی جو انھوں نے بعد میں کہی کہ تم مرتبے کے اعتبار سے بدتر انسان ہو اور جو تم کہتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے یعنی یہ بات انھوں نے اپنے دل میں کہی نہ کہ ان کو کہی، اور اس مقام پر بھی بردباری چشم پوشی سے کام لیا جس کی وجہ سے وہ بھی نرم ہو گئے اور کہا اے عزیز اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لیں ہم آپ کو احسان کرنے والا سمجھتے ہیں، تو یوسف نے کہا اللہ کی پناہ ہو کہ جس کے سامان سے نکلا ہے اس کے بدلے کسی اور کو پکڑ لیں۔ پھر تو ہم ظالم ہوں گے، یعنی ہم اگر تم کو چھوڑ دیں اور بری و پاک کو پکڑ لیں تو ہم ظالم ہوں گے یہ ہم نہیں کر سکتے اور ہم ان کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ یوسف نے اس وقت ان کو اپنی معرفت کروادی تھی لیکن یہ غلط ہے وہ بات صحیح نہیں سمجھ سکے ہیں۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے، سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد

(۱) یوسف ۶۹ تا ۷۹

لیا تھا اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں گے میں تو اس جگہ سے ہلنے کا نہیں یا پھر خدا میرے لئے کوئی اور تدبیر کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تم سب والد کے پاس جاؤ اور کہو کہ ابا آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کے واپس لانے کا) عہد کیا تھا اور ہم غیب کو (جاننے) اور یاد رکھنے والے نہیں ہیں، اور جس بستی میں ہم تھے (مصر) اور جس قافلے میں آئے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ (انھوں نے جب یہ بات یعقوب کو کہی تو کہا) بلکہ تمہارے دلوں نے بات بنالی ہے تو صبر ہی بہتر ہے عجب نہیں کہ خدا سب کو میرے پاس لا دے بے شک وہ دانا حکمت والا ہے اور پھر یعقوب ان کے پاس سے چلے گئے اور کہا ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس) اور رنج والم میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم زدہ ہو رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے واللہ آپ اگر یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہیں گے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان دیدیں گے۔ کہا میں تو اپنے غم واندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے بیٹو (یوں کرو کہ ایک دفعہ) پھر جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے ناامید کافر لوگ ہوتے ہیں۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ جب وہ بنیامین کے حصول میں مایوس ہو گئے تو جدا ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے تو سب سے بڑے یعنی روبیل نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا۔ کہ تم میرے پاس بنیامین کو واپس ضرور لاؤ گے تم نے وعدے کی مخالفت کر لی ہے اور تم نے اس میں بھی قصور کر لیا جیسے تم نے پہلے یوسف کے متعلق کیا تھا۔ لہٰذا میرے پاس تو کوئی صورت نہیں ہے کہ میں والد کو منہ دکھاؤں۔ بس میں اس زمین سے لگا رہوں گا یعنی یہیں مقیم رہوں گا حتیٰ کہ والد مجھے آنے کی اجازت دیدیں۔ یا اللہ کوئی فیصلہ فرمادیں کہ مجھے اپنے بھائی کے والد کے پاس لوٹانے کی قدرت دیدیں۔ تو بے شک وہ بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں لہٰذا تم جاؤ اور والد کو کہہ دینا کہ تیرے بیٹے نے چوری کر لی تھی جیسا کہ تم کو پتہ ہے اور ہم نے جو عہد آپکو دیا تھا وہ ہم نے اپنے علم کے مطابق کہا تھا اور ہم غیب کے جاننے والے نہیں ہیں۔ اور مزید تسلی کے لئے آپ قافلے اور اہل مصر سے سوال کر لیں تو یہ بھی بتائیں گے کہ تیرے بیٹے سے چوری ہو گئی ہے جسکا علم اہل مصر اور قافلے کو بھی ہے۔ اور ہم سچے ہیں تو جب انہوں نے جا کر کہا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے بات بنالی ہے پس صبر ہی بہتر ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کے متعلق ان کی کوتاہی پائی گئی تو وہی کلمات اس دفعہ بنیامین کے متعلق بھی فرمادیئے جیسے کہ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ برائی کا بدلہ بعد میں بھی ایسی ہی برائی کرتا ہے پھر افسوس میں امید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ سب کو میرے پاس واپس لائے۔ یعنی یوسف بنیامین روبیل۔ اور اللہ علم وحکمت والا ہے یعنی جانتا ہے کہ جو میرے ساتھ کڑا وقت ہے اور وہ حکمت والا ہے اور قادر ہے اس کو دور کرنے پر اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور زبان زد یہ تھا ہائے افسوس یوسف علیہ السلام، ہائے افسوس یوسف نئے غم نے پرانے غم کو تازہ اور ہرا کر دیا تھا اور جو چنگاری کچھ دبی تھی وہ دوبارہ بھڑکا دی جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

نقل فوء ادک حیث شئت من الھوی   ماالحب الا للحبیب الاول

جہاں تو چاہتا ہے وہیں تیرا دل لگ جاتا ہے جبکہ محبت صرف پہلے محبوب کے لئے ہوتی ہے

اور دوسرا کہتا ہے:

لقد لامنی عند القبور علی البکا   رفیقی لتذارف اللموع السوافک

مجھے قبروں کے پاس میرے دوست نے ملامت کی کہ کیوں اتنے آنسو بہاتا ہے؟

فقال اتبکی کل قبر رایتہ   لقبر ثوی بین اللوی فالد کادک

پھر اس نے کہا کیا تو جس قبر کو دیکھے وہیں رونے بیٹھ جائے گا جبکہ تیرے محبوب کی قبر تو لوی اور دکادک کے درمیان ہے

فقلت لہ ان الاسی یبعث الاسی   فدعنی فھذا کلہ قبر مالک

تو میں نے اس کو کہا بے شک ایک غم دوسرے غم کو تازہ کرتا ہے پس مجھے چھوڑ یہ تمام مالک کی قبریں ہیں۔

---

(۱) یوسف ۸۰ تا ۸۷

اور فرمایا: حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حزن سے سفید ہوگئیں۔ یعنی آپ اتنا روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی پس آپ کے دل میں حزن وملال اور رنج وغم کا دریا موجزن تھا اپنے بیٹے یوسف پر پھر اس کو اور بڑھا دیا بنیامین کے فراق نے۔

تو جب دوسرے بیٹوں نے آپ کے رونے اور غم ومشقت اٹھانے کو دیکھا تو رحم اور ترس اور رقت طاری کرتے ہوئے کہا اللہ کی قسم آپ تو یوسف کو یاد کرکر کے یا تو بیمار ہو جائیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔ یعنی آپ کا جسم پگھل جائے گا اور آپکی طاقت چلی جائے گی تو اگر آپ اپنی جان پر کچھ رحم کھائیں تو بہت بہتر ہے آپکے لئے بھی ہمارے لئے بھی۔

جس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

میں اپنے رنج وغم کی شکایت اللہ کی بارگاہ میں ہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں کسی سے شکوہ وشکایت نہیں کررہا۔ نہ کسی دوسرے انسان کو بتارہا ہوں بلکہ میں اپنے حزن والم کو اللہ کے سامنے پیش کررہا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے علم ہے کہ اللہ ضرور میرے اس غم ورنج اور حزن وملال کا مداوا فرمائے گا اور کشادگی کا راستہ کھولے گا اور میں جانتا ہوں کہ میرے لخت جگر نے بچپن میں جو خواب مجھ سے بیان کیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور ضروری ہے کہ میں اور تم اس کو سجدہ کریں گے جیسے اس نے دیکھا تھا۔ اسوجہ سے آپ نے فرمایا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پھر کسی خیال کے تحت ان کو برانگیختہ کیا اور ابھارا کہ اب بھی یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کر کے لے آؤ اور اللہ کی ذات سے مایوسی مت کرو۔ بے شک اللہ سے مایوس ہونے والے صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی شدت وسختی کے بعد بھی کشادگی وفراخی سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کے لئے مشکلات سے چھٹکارا دلانا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۱) جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجئے اور خیرات کیجئے کیونکہ خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔ (یوسف نے) کہا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟۔ تو وہ بولے کیا تم ہی یوسف ہو؟ کہاہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو خدا احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ وہ بولے خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطا کار تھے۔ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن سے تم پر کچھ عتاب نہیں خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے چہرہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لاؤ۔

یہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ بھائیوں کے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں لوٹنے کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہاں جا کر وہ آپ سے غلہ واناج طلب کرتے ہیں اور اپنے باپ کی حالت زار پر ترس کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام سے بنیامین کو بطور صدقہ ہی کے طلب کرتے ہیں پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں اے عزیز ہم کو اور ہمارے اہل کو تکلیف اور فاقہ کشی کی مصیبت پہنچی ہے۔ کیونکہ قحط اور خشک سالی کی وجہ سے فاقے کی نوبت آگئی ہے اور اہل وعیال کی کثرت ہے اور ہم غلہ کے لئے کچھ قیمت لائے ہیں جو بہت تھوڑی ہے جس کو قبول نہیں کیا جاتا۔

کہا گیا ہے کہ وہ قیمت درہم کی شکل میں تھی اور تھوڑے درہم تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ خرما اور بن وغیرہ کے پھل تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پرانے مال تھے رسیاں وغیرہ۔

کہا: پس ہمارے بوجھ پورے کر دیجئے اور ہم پر صدقہ کیجئے بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اور اس سے کیا مراد ہے کہ "صدقہ کر دیجئے" تو ایک قول ہے کہ یہ کھوٹی چیزیں رکھ کر غلہ پورا بھر دیجئے اور ایک قول ہے کہ بنیامین کو واپسی میں ہم پر صدقہ کر دیجئے ابن جریج کا یہی قول ہے اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ پر صدقہ حرام کر دیا گیا ہے۔

(۱) یوسف ۸۸ تا ۹۳

ابن جریر نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کی پونجی دیکھی اوران سے اپنے اہل کا حال سنا کہ ہمارے پاس سوائے تھوڑے سے مال کے کچھ نہیں رہا تو ان پر رحم آ گیا اور اپنا تعارف کروادیا اور اپنے پروردگار کی اجازت سے آپ نے ان کی حالت زار پر توجہ دی اور پوچھا! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اوراس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم نادان تھے، تو انھوں نے تعجب کیا اور بھرپور تعجب کیا جبکہ پہلے یہ کئی بار آ چکے تھے اوران کو نہ پہچانا تھا کہ یہ یوسف ہے تو بڑے حیرت کے عالم میں پوچھا!

کیا آپ یوسف ہیں؟

فرمایا: ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا تھا اور جو تم نے کوتاہیاں کی وہ گذر چکیں اور کہا یہ میرا بھائی ہے اس سے مراد تاکید تھی کہ یہ میرا اوہی بنیامین بھائی ہے۔ اور تنبیہ تھی ان کے دونوں بھائیوں کے حسد پر، اوران کے ان افعال پر، جو انہوں نے دونوں کے متعلق حیلے ومکر کے کیے تھے۔ اسی وجہ سے آگے یوسف علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا:۔ اور ہم پر صدقہ کیا اور ہم کو اچھا ٹھکانہ دیا، اور ہماری عزتوں کو بلند کیا اور یہ سب ہمارے رب کی عطاء اور ہمارے صبر کی وجہ سے ہے جو تمہاری طرف سے مشقتوں اور تکلیف پر ہم کو پہنچا اور یہ والد کی ہمارے ساتھ محبت اوران کی ہم پر شفقت اور دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ بے شک جو تقوی کرے اور صبر کرے تو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ تو بھائی کہنے لگے۔ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح وبرتری دی ہے۔

یعنی آپ کو وہ فضل دیا ہے جو ہم کو نہیں دیا اور بے شک ہم خطا کار تھے یعنی جو کچھ ہم نے کیا بہت برا کیا لہذا اب ہم تیرے سامنے ہیں (تو آپ بدلہ لے سکتے ہیں؟) فرمایا نہیں آج سے تم پر کوئی عیب وافسوس نہیں۔ یعنی جو تم سے ہوا سو ہوا، میں کچھ سرزنش نہیں کرتا، اور پھر آگے کہا اللہ تم پر مغفرت فرمائے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت میں ''لاتثریب علیکم'' پر وقف کیا ہے اور الیوم سے ابتدا کی ہے یہ قول ضعیف ہے اور پہلا صحیح ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو حکم کرتے ہیں کہ میری قمیص والد ماجد کے پاس لے جاؤ جو میرے جسم سے لگی ہے۔ اوران کو والد ماجد کی آنکھوں پر ڈال دو تو والد کی بینائی لوٹ آئے گی۔ اور صرف اللہ کے حکم سے لوٹے گی (یہ تو محض ایک سبب ہے) اور یہ انبیاء کے خوارق ومعجزات میں سے ہے۔ پھر حکم کیا تمام گھر والے مصر کے شہر میں آجائیں جہاں ہر طرح کی برکتیں ہیں اور فرقت کے بعد بہترین اوراعلیٰ ملاپ بھی ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں۔

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ بہک گیا ہے تو (سنو) مجھے یوسف کی بو آرہی ہے۔ وہ بولے واللہ آپ اسی پرانی غلطی میں (مبتلا) ہیں۔ جب خوش خبری دینے والا آ پہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ بیٹوں نے کہا ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک ہم خطا کار تھے۔ کہا میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱)

(۲) عبداللہ ابن ابی ہذیل کہتے ہیں میں نے ابن عباس کو سنا! فرما رہے تھے کہ آیت ولما فصلت العیر، یعنی جب قافلہ چلا تو ہوا چلی اور یعقوب علیہ السلام کے پاس کرتے کی خوشبو پہلے سے لے آئی، جس پر انہوں نے کہا میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو اور یہ خوشبو آپ کو تین دن کی مسافت سے پہنچی تھی۔ اور ثوری اور شعبہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

ابن عباس، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے تم مجھے بے وقوف نہ کہنے لگو۔ اور حسن اور مجاہد نے کہا ہے کہ مطلب ہے تم مجھے بڑھاپے کی طرف نہ منسوب کرنے لگو۔

جس پر سننے والوں نے کہا اللہ کی قسم آپ تو پرانی غلطی میں ہیں قتادہ اور سدی فرماتے ہیں یہ ان کی بہت سخت بات تھی۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: پھر جب ان کے پاس خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے ان کے چہرے پر وہ (کرتہ) ڈال دیا پھر بینا ہو گئے۔ یعنی محض قمیص آپ کے چہرے پر ڈالنے

---

(۱) یوسف ۹۲ تا ۹۸ (۲) قال عبدالرزاق انبانا اسرائیل عن ابی سنان عن عبداللہ بن ابی هذیل

سے آپ کی بینائی فوراً لوٹ آئی جبکہ پہلے بالکل خراب تھی۔ تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کیا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یعنی مجھے علم تھا کہ اللہ مجھے یوسف علیہ السلام کو دکھلائے گا اور اس کے متعلق وہ چیزیں دکھائے گا جو مجھے خوش کریں گی۔

پھر بیٹوں نے کہا: کہنے لگے اے ابا جان ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک ہم خطا کار تھے یعنی ہمارے لئے اللہ عزوجل سے بخشش کی دعا کیجئے کہ جو انہوں نے کیا اور جو ان سے سرزد ہوا اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ بھی ہم نے کیا اللہ ہمیں بخش دے۔ اور جب ان کی نیت میں کرنے سے پہلے آئندہ توبہ پر عزم تھا تو اللہ نے ان کو توفیق بھی مرحمت فرمادی۔

اور والد مکرم نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فرمایا: میں تمہارے لئے عنقریب اپنے خدا سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ، عمرو بن قیس، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو سحری کے وقت کی امید دلائی تھی کہ اس وقت میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ ابن جریر فرماتے ہیں..... کہ محارب بن دثار سے مروی ہے[1] کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لا رہے تھے تو کسی انسان کو یہ دعا کرتے سنا اے اللہ آپ نے مجھے پکارا میں نے جواب دیا آپ نے مجھے حکم دیا میں نے اطاعت کی۔ اور یہ سحر کا وقت ہے لہٰذا میری مغفرت کر دیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ دی تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر سے آواز آ رہی ہے تو آپ نے حضرت عبداللہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے سحر کے وقت تک کی مہلت لی تھی کہ میں اس وقت دعا کروں گا اور یہ فرمایا تھا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ خود بھی نیک بندوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور وہ سحر کے اوقات میں مغفرت طلب کرتے ہیں۔[2]

اور صحیحین میں رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی توبہ کرنے والا میں اس کی مغفرت کروں۔[3]

[4] اور حدیث میں وارد ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جمعے کی رات تک کی مہلت لی تھی (کہ تب دعا کروں گا)۔

ابن جریر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرمان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا اور آیت پڑھی:

ترجمہ:...... اور میں تمہارے لئے عنقریب اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا پھر فرمایا یعقوب کی، اس وقت سے جمعے کی رات مراد تھی۔ اور یہ میرے بھائی یعقوب کا اپنے بیٹوں سے فرمان تھا۔

لیکن یہ حدیث اس سند وطریق سے غریب ہے اور اس کے مرفوع (یعنی حضور ﷺ کی طرف منسوب) ہونے میں نظر واعتراض ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جائیں۔ انشاء اللہ۔ اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اس وقت یوسف نے) کہا اے ابا جان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا اور اس نے مجھ پر احسان کئے کہ مجھے جیل خانے سے نکالا، اور اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا۔ آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے وہ

---

(۱) قال ابن جریر، حدثنی ابو السائب، حدثنا ابن ادریس، قال سمعت عبدالرحمٰن بن اسحاق یذکر عن محارب بن دثار ..... الخ

(۲) آل عمران ۱۷ (۳) صحیح البخاری: ۱۱۴۵ الی التھجد (۴) قال ابن جریر حدثنی المثنی حدثنا سلیمن بن عبدالرحمٰن ابو ایوب الدمشقی، حدثنا الولید انبأنا ابن جریج عن عطا وعکرمۃ عن ابن عباس......

دانا حکمت والا ہے۔ (پھر یوسف نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا) اے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے اپنی اطاعت میں اٹھائیو اور اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیو۔ [1]

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ طویل مدت تک بچھڑے ہوئے دو محبت کرنے والوں کے وصل وملاقات کو بیان فرمارہے ہیں۔ جس طویل مدت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مدت فرقت اسی سال تھی اور ایک قول ہے کہ تراسی سال تھی۔ اور یہ دونوں روایتیں حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں۔ اور ایک قول ہے پینتیس سال تھی۔ اور یہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف اٹھارہ سال غائب رہے اور کہا کہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ چالیس سال جدائی رہی۔

اور قصے کے مختلف زاویے اور گوشے، مدت فرقت کی تحدید اور تعیین کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طرح سے کہ زلیخا نے جب آپ سے برائی کا ارادہ کیا تو آپ کی عمر مبارک صرف سترہ سال تھی۔ جو کوئی ایک کا کہنا ہے۔ اور پھر پس زنداں نو سال گذرے۔ اور عکرمہ وغیرہ کے نزدیک جیل کی مدت سات سال ہے۔ پھر رہائی ہوئی تو سات سال سرسبزی وشادابی کے بسر ہوئے پھر جب دوسرے سات سال جو تنگی اور مشقت کے تھے ان میں آپ کے پاس بھائی آئے اور پہلے سال بنیامین کے بغیر آئے تھے پھر آئندہ سال بنیامین کو ساتھ لائے تھے اور تیسرے سال میں آپس میں تعارف ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے تمام اہل وعیال کے ساتھ آنے کا فرمایا۔ تو سب اکٹھے ہوگئے اور یہ وقت باپ بیٹے کی ملاقات کا تھا۔

فرمان الٰہی ہے جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا۔ یعنی ان دونوں کو خاص طور پر اکٹھا کیا اور وہ عزت ومقام دیا جو دوسرے بھائیوں کو نہ ملا۔

اور آگے ہے: اور (یوسف نے) کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔ آیت یہ ہے:

فلما دخلوا علی یوسف اوی الیہ ابو یہ وقال ادخلو مصر ان شاء اللّٰہ امنین.

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تقدیم وتاخیر سے ہے۔

کہ پہلے ادخلوا ہے پھر اوی الیہ ابو یہ۔ یعنی پہلے تو ان کو داخلے کا فرمایا پھر اپنے والدین کو اپنے پاس خصوصی ٹھکانہ دیا۔ لیکن اس تاویل کو ابن جریر نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ معذور ہے اور ایک قول ہے کہ پہلے ان سے ملاقات ہوئی اور ان کو خیموں میں عارضی طور پر رکھا۔ پھر مصر کے دروازے کے قریب ہوئے تو پھر کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے سدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

لیکن (مصنف اپنی رائے دیتے ہیں) کہ اگر ادخلوا کو اسکنو امصر کے معنی میں مراد لیں یا اقیمو ابھا کے معنی میں مراد لیں تو کوئی حرج نہ ہوگا اور بات بالکل لطیف وصحیح ہو جائے گی۔

اہل کتاب کے نزدیک جب یعقوب علیہ السلام سرزمین جاشر یعنی بلبیس کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے نکلے۔ اور پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یہوذا کے ذریعے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آنے کی خوشخبری پہنچا چکے تھے۔ اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ بادشاہ مصر نے ان کے لئے جاشر کا علاقہ وقف کر دیا تھا اس میں آل یعقوب رہتے تھے اور اپنی عیش وفراوانی اور مال مویشیوں کے ساتھ اقامت پذیر تھے۔ اور مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل علیہ السلام کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام مع بادشاہ اور لشکروں کے آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے اور یہ بادشاہ اور لشکر حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت وعظمت کو اجاگر و دوبالا کرنے کی غرض سے نکلے تھے اور ساتھ میں ان کے والد اللہ کے نبی حضرت اسرائیل علیہ السلام کی تعظیم وتکریم مقصود تھی (کیونکہ غالباً یہ سب مسلمان ہو گئے تھے) اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بادشاہ کے لئے دعا بھی فرمائی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت یعقوب کے آنے کی برکت کی وجہ سے اللہ نے اہل مصر سے باقی ماندہ قحط کے سال دفع و دور کر دیئے اور ان کو رزق واناج کی فراوانی سے سرشار کر دیا واللہ اعلم۔

ابو اسحاق سبیعی، ابو عبیدہ سے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان کی جو آل

(۱) یوسف ۹۹ تا ۱۰۱

اولاد آئی وہ تمام تریسٹھ افراد پر مشتمل تھے۔

اور موسیٰ بن عبیدہ نے محمد بن کعب سے روایت کیا اور محمد نے عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ وہ تمام حضرات وخواتین تراسی نفوس پر مشتمل تھے۔اور ابو اسحاق، مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حضرات مصر میں داخل ہوئے تو تمام افراد ترانوے انسانوں پر مشتمل تھے۔

اور اہل کتاب نے کہا کہ جب حضرت یعقوب کی آل اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلی تو صرف جنگجو حضرات چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھے۔

اور اہل کتاب کے ہاں نص وصراحت سے مذکور ہے کہ جب یہ حضرات مصر میں داخل ہوئے تو (حضرت یعقوب علیہ السلام سمیت) ستر افراد تھے اور پھر ان کے نام بتلائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور (یوسف نے) اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا۔" کہا گیا ہے۔ کہ ان کی والدہ (حقیقی) تو وفات کر چکی تھیں اور یہی علماء تورات کے ہاں ہے۔اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا۔اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کی خالہ "لیا" والدہ کی جگہ تھیں اور خالہ بھی ماں کے مرتبے میں ہوتی ہیں۔

اور ابن جریر اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ ان کی (حقیقی) والدہ اس دن تک زندہ ہوں۔لہٰذا قرآن کے مخالف جو اہل کتاب کی بات معلوم ہوگی اس کو رد کر دیا جائے گا۔

اور یہی صحیح قول ہے۔واللہ اعلم۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے تخت پر بٹھایا اور پھر وہ سب ان کے آگے سجدے میں گر گئے یعنی ماں باپ اور تمام بھائی جو گیارہ تھے۔اور یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ تعظیم وتکریم کا تھا اور ان کی شریعت میں جائز تھا، حتیٰ کہ تمام شریعتوں میں (تقریباً) جائز رہا پھر ہماری شریعت محمدی میں منسوخ وناجائز ہو گیا، تو جب سب سجدہ ریز ہو گئے، تو تب حضرت یوسف علیہ السلام نے والد سے عرض کیا اور کہا "اے میرے والد یہ میرے اس سے پہلے (بچپن کے) خواب کی تعبیر ہے"۔ یعنی میں نے جو بچپن میں اپنے خواب کا قصہ آپ کو بیان کیا تھا تو اس کی تعبیر یہ ہے (اور اب اس کی تکمیل ہوئی ہے) وہ خواب یہ تھا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے روبرو سجدہ کرتے دیکھا تھا، اور پھر آپ نے مجھے اس کے چھپانے کا حکم فرمایا تھا اور کچھ وعدے وپیمان کیے تھے، آگے فرمایا: "تو بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دیا ہے اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب اس نے مجھے جیل سے نکالا" یعنی تکلیف وتنگی ومشقت کے بعد مجھے آزاد فضاء سے نوازا اور اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مجھے حاکم مصر بنا دیا اور حاکم بھی ایسا کہ مصر کے شہروں میں جہاں چاہوں جو حکم چاہوں نافذ کروں۔اور پھر مزید یہ احسان کیا، فرمایا: "اور بے شک آپ کو گاؤں سے یہاں لایا گیا"۔ یعنی دیہات سے یہاں آپ کو لایا، اور حضرت یعقوب مع اہل وعیال کے سرزمین کنعان میں رہتے تھے، آگے فرمایا: (اور یہ سب کچھ ہوا) "اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا"۔ یعنی جو کنویں میں ڈالنے کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر گزر چکا ہے فرمایا: "بے شک میرا رب تدبیر کرنے والا ہے جو چاہتا ہے" یعنی جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور اس کو اس طرح آسان فرما دیتا ہے کہ بندے اس کی طرف رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ صرف وہی تنہا ذات اس کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کو اپنی قدرت وحکمت کے ساتھ بالکل آسان کر دیتی ہے۔" بے شک وہ (اپنے تمام کاموں کا) جاننے والا (اور اپنی شریعت اور تقدیر اور مخلوق میں) حکمت والا ہے۔" (یہ تو وہ تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے مختلف گوشوں کو قرآن مقدس نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا اب کچھ ان کی حکومت کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔م۔)

اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اہل مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے قحط سالی کے زمانے میں طعام وغلہ وغیرہ خریدنے کے لئے اپنی تمام املاک وغیرہ کو بیچ ڈالا تھا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو اور اس کے علاوہ دوسرے شہر والوں کو ان کے اموال کے بدلے غلہ فروخت کیا مثلاً سونے چاندی کے عوض اور زمین اور دیگر اثاثوں کے عوض، الغرض جو کچھ بھی ان کی ملکیت میں تھا سب کچھ دے کر انھوں نے اپنا پیٹ پالا اور جب سب کچھ ختم ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا وجود بھی فروخت کر ڈالا اور تمام رعایا حضرت یوسف علیہ السلام کی غلام ہو گئی۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے سخاوت کا معاملہ ومظاہرہ فرمایا کہ ان کی زمینیں واپس کردیں اور ان کو خود بھی اس شرط ومعاہدہ پر رہا وآزاد کردیا گیا کہ جو کچھ وہ کمائیں گے اس کا پانچواں حصہ مملکت مصر کا ہوگا تو پھر بعد میں بھی یہ اہل مصر میں رسم جاری ہوگئی کہ مصر کی مملکت میں اہل مصر اپنی کمائی کا پانچواں حصہ دیتے تھے اور ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ حکایت فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان سالوں میں پیٹ بھر کر کھاتے نہیں تھے تاکہ کہیں بھوکوں فاقہ زدوں کو نہ بھول جائیں بلکہ سارے دن میں صرف دوپہر کے وقت ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے اور وہ بھی سیر نہ ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس وقت سارے بادشاہ بھی آپ کی اقتداء کرتے تھے۔

مصنف فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں تنگی کے زمانے میں سیر ہوکر کھانا تناول نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ قحط سالی ختم ہوگئی اور سرسبزی وشادابی آگئی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قحط کے زمانے کے بعد ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ سے سختیاں ہٹ گئیں بے شک آپ اس میں آزاد ماں کے بیٹے (اور بہادر) ثابت ہوئے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ مجھ پر اللہ کی نعمتیں مکمل ہوگئیں ہیں اور ان کا خاندان بھی جمع ہوگیا ہے تو پھر سمجھا کہ اب اس دنیا میں میرے لئے قرار وثبات نہیں ہے اور بے شک اس میں جو چیزیں ہیں اور جوان پر بسنے والے ہیں سب فناء ہونے والے ہیں اور ہر چیز اپنی تکمیل کے بعد نقصان وانتہاء کی طرف لوٹتی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی حمد وپا کی بیان کرنے میں مشغول رہنے لگے اور اس کے احسانات انعامات پر شکر بجالاتے رہے اور اس عظیم ذات سے التجاء کی جو مسئولین میں سب سے بہتر ہے یہ دعا کی کہ مجھ کو اسلام پر وفات ملے اور اپنے نیک بندوں کا ساتھ حاصل ہو جیسے کہ دعا کی جاتی ہے۔

اللھم احینا مسلمین و توفنا مسلمین

اے اللہ ہم کو مسلمان بنا کر زندہ رکھ اور ہمیں مسلمانی میں وفات دے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دعا آپ نے موت کے وقت کی تھی۔ جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت دعا کی کہ آپ کی روح مبارک ملاء اعلیٰ میں پہنچ جائے، اور انبیاء ورسولوں کے ساتھ رفاقت مل جائے اور آپ نے یوں فرمایا اے اللہ رفیق اعلیٰ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا، پھر وفات ہوگئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صحت وسلامتی کے زمانے میں ہی دعا کی اور یہ ان کی ملت میں ہی خاص تھا جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے موت کی تمنا نہیں کی حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے:

لیکن ہماری شریعت محمدی ﷺ میں تمنائے موت ودعائے موت سے ممانعت ہے، ہاں اگر فتنوں کا وقت ہو اور وہ ہر طرف سے مجبور ولاچار ہو جائے تو بھی یہ دعا کرے، اے اللہ اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو بس اپنے پاس بلالے جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ میں ہے جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اے اللہ اگر آپ کسی قوم کو فتنے میں مبتلاء اور آزمائش سے دوچار کرنا چاہیں تو ہم کو ان فتنوں (اور عذابوں) سے محفوظ حالت میں اپنے پاس اٹھالے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ: ابن آدم تیرے لئے فتنے سے موت بہتر ہے۔ اور حضرت مریم علیہا السلام نے بھی حضرت عیسیٰ کی ولادت کے وقت لوگوں کے طعنہ زنی کے خوف اور درد کی مشقت سے یہ الفاظ فرمائے تھے: ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے مرجاتی اور نسیا منسیا ہو جاتی (یعنی بالکل ہوتی ہی نہ)[1] اور حضرت علی ابن ابی طالب نے بھی تمنائے موت فرمائی، اور یہ جب فرمائی تھی جب معاملات پیچیدہ ہو گئے، فتنے وشرور کا دور دورہ ہو گیا، اور جنگ وجدل بڑھ گیا، خونریزی حد کو پہنچ گئی، اور طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگیں۔

اور اسی طرح امام المحدثین حضرت محمد ابن اسماعیل یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی موت کی تمنا کی جب ان پر حالات سخت ہو گئے اور مخالفین سے طرح طرح کی مصیبتیں اور جلاوطنیاں پہنچیں۔

(۱) مریم ۳۳

خیر یہ تو انتہائی حالات کے وقت کی اجازت ہے نہ کہ عام حالت اور خوش عیشی میں اور عام حالات زندگی میں تمنائے موت کرنا کیسا ہے؟ تو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ (۱)

تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔ کسی مصیبت کی وجہ سے جو اس کو لاحق ہوتی ہے کیونکہ یا تو (وہ صبر و شکر سے کام لے کر) احسان کرنے والا ہوگا تو وہ (ثواب و درجات میں) ترقی کرے گا اور یا بداعمال والا ہوگا تو یہ عتاب ہے (جس سے اس کے گناہ جھڑیں گے اور اگر دعا کرنی بھی ہے تو) یوں کہے۔

اے اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھئے اور جب میرے لئے وفات بہتر ہو تو مجھے وفات دے دیجئے۔

اور مندرجہ بالا اس حدیث میں جو فرمایا گیا کہ وہ مصیبت جو اس کو پہنچے جس کی وجہ سے اجازت دی گئی، اس سے مراد وہ مصیبت اور بیماری ہے جو اس کے جسم میں لاحق ہو جس کی برداشت کرنا طاقت سے باہر ہو اور وہ فتنہ د مصیبت مراد نہیں ہے جو دین میں ہو، (بلکہ اس کو دور کرنا چاہئے اور تقویٰ و طہارت حاصل کرنا چاہئے)۔

تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسی وقت مذکورہ دعا فرمائی تھی جب ان کی وفات کا وقت قریب پہنچ گیا تھا، یا ان کی دعا کا مطلب ہے کہ اے اللہ جب وقت موت آجائے تو...... میری یہ دعا قبول فرما۔

ابن اسحاق نے اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کے ساتھ مصر کے علاقوں میں سترہ سال رہے اور وقت وفات میں آپ یوسف علیہ السلام کو وصیت فرما گئے تھے کہ ان کو ان کے والد اسحاق علیہ السلام اور دادا ابراہیم علیہ السلام کے پاس دفن کیا جائے، سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وصیت کو پورا فرمایا اور ان کے جسد اطہر کو ملک شام لے گئے اور اسی مغارہ علاقے میں دفن کیا جہاں ان کے والد و دادا مدفون تھے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر مصر میں داخلے کے وقت ایک سو تیس سال تھی۔

اور پھر مصر میں سترہ سال اقامت فرمائی اور اہل کتاب ان دونوں مدتوں کے بیان کرنے کے باوجود یہ بھی کہتے ہیں آپ کی تمام عمر مبارک ایک سو چالیس سال تھی، اور یہ ان کی کتاب میں نصاً وصراحۃً موجود ہے، لہذا یا تو انھوں نے کتاب میں تبدیلی کی ہے یا ان کی غلط بیانی ہے یا پھر انھوں نے تمام عمر بیان کرنے میں دہائی سے زیادہ کسر کو بیان کرنا قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے لیکن جبکہ ان کے ہاں زائد کسر میں بھی یہ عادت نہیں ہے تو یہاں ان کا یہ طریقہ کیسے صحیح خیال کیا جاسکتا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اس کے حکم بردار ہیں۔ (۲)

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو توحید واخلاص کی وصیت فرمائی اور پھر ان کو ان کے ساتھ جو ہوگا اس کی پیشن گوئی کی اور یہوذا بیٹے کو خوش خبری دی کہ تیری نسل سے ایک عظیم پیغمبر پیدا ہوگا، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے واللہ اعلم

اہل کتاب ذکر کرتے ہیں جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات فرمائی تو تمام مصر والے ستر دن تک ان کی وفات پر روتے رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اطباء کو حکم دیا تو انھوں نے والد ماجد کے جسد طہر پر خوشبو (ودوائی) وغیرہ لگائی جس کے اندر یہ چالیس دن تک رہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ سے اجازت لے کر اپنے والد کو دفن کرنے کے لئے شام کی طرف چلے تاکہ وہاں داداؤں کی قبر کے پاس دفن کردیں اور آپ کے ساتھ مصر کے شیوخ واکابر بھی چلے جب حبرون پہنچے تو مغارہ مقام میں آپ کو دفن کردیا جس کو ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صخر حیثی سے خریدا تھا، (اور یہیں ان حضرات کی قبریں تھیں) پھر وہاں انھوں نے سات دنوں تک تعزیت وغیرہ کی پھر اپنے علاقوں کی طرف واپس لوٹ آئے اور یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کی تعزیت کرتے تھے اور آپ کے لئے بہت رحم دل اور نرم ہو چکے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی

(۱) صحیح البخاری: فی الدعوات (۶۳۵۱) (۲) البقرہ ۱۳۳

ان کا بھرپور خیال کیا اور ان کی رہائش وغیرہ کا اچھا انتظام فرمایا اور سب مصر کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا وقت وفات بھی قریب آیا تو آپ نے بھی وصیت کی کہ مجھے بھی اپنے آباء کے ساتھ دفن کیا جائے تو لوگوں نے آپ کو خوشبو وغیرہ لگائی اور سب کچھ کر کے تابوت میں رکھ کر وہیں مصر میں (کسی وجہ سے) دفن کر دیا پھر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت موسیٰ نے ان کو نکال کر ان کے آباء کے ساتھ دفن فرمایا جس کا ذکر آئے گا اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ایک سو دس سال ہوئی۔

(مصنف فرماتے ہیں) میرے دیکھنے کے مطابق ان کے یہاں یہی مذکور ہے۔

ابن جریر نے مبارک بن فضالہ کا قول حسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سترہ سال تھی اور پھر اپنے والد سے اسی سال غائب رہے اور ملاقات کے بعد ۲۳ سال حیات رہے اس طرح جب وفات پائی تو ان کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے بعد یہوذا بھائی کو وصیت فرمائی۔

صلوات اللہ علیہ وسلامہ

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام رومی شخص تھے، اوران کا نسب نامہ یوں ہے ایوب بن موص بن رازح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔[۱]

اوران کے علاوہ کسی نے کہا ہے وہ ایوب علیہ السلام بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحاق بن یعقوب ہیں اوراسی طرح کئی اور نسب بھی مذکور ہیں۔

اور علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد مکرم ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کو آگ میں ڈالے جانے کے دن ایمان لائے۔

اور مذکورہ نسب ناموں میں مشہور اور زیادہ صحیح پہلا ہے کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں جیسے کہ اس آیت کے تحت بیان ہوا:

ترجمہ:......اور آپ (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں۔(انعام ۱۸۴)

اس آیت میں لفظ و من ذریته میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف، جو دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت ایوب حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں، اور پہلا نسب نامہ بھی یہی بیان کرتا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کے بارے میں وحی بھیجنے کی صراحت سورۂ نساء میں آگئی ہے:

ترجمہ:...... بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف، اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب کی طرف۔[۲]

لہٰذا صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت عیص بن اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی بیوی کا نام ایک قول کے مطابق لیا بنت یعقوب اور ایک قول کے مطابق رحمت بنت افراثیم ہے اور ایک اور قول یہ ہے کہ ان کی بیوی لیا بنت منسا بن یعقوب علیہ السلام ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا، ان کے قصے کے بعد ہم انشاء اللہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے قصوں کو ذکر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور ایوب (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور آپ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں، تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کردی اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور (بھی بخشے) اور عبادت کرنے والوں کے لئے (یہ) نصیحت ہے،[۳] اور سورۂ ص میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور ہمارے پیارے ایوب کو یاد کرو، جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے الٰہ) شیطان نے مجھ کو ایذاء اور تکلیف دے رکھی ہے (ہم نے کہا کہ) زمین پر لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں) اور ہم نے ان کو اہل (وعیال) اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بخشے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کیلئے نصیحت تھی اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے ان کو ثابت قدم پایا بہت خوب بندے تھے بے شک رجوع کرنے والے تھے۔[۴]

ابن عساکر نے کلبی کے طریق سے نقل کیا ہے فرمایا کہ پہلے پیغمبر جو مبعوث ہوئے ہیں وہ ادریس علیہ السلام، پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم علیہ

(۱) الانبیاء ۸۳_۸۴ (۲) النساء ۱۶۳ (۳) الانبیاء ۸۳_۸۴ (۱) صفحہ ۴۱ تا ۴۴

السلام پھر اسماعیل علیہ السلام پھر اسحاق پھر یعقوب پھر یوسف علیہ السلام پھر لوط علیہ السلام پھر ہود پھر صالح پھر شعیب پھر موسیٰ اور ہارون پھر الیاس پھر یسع پھر عرفی بن سویلخ بن فراثیم بن یوسف بن یعقوب، پھر یونس بن متی جو آل یعقوب سے تھے پھر ایوب بن رازخ بن آموص بن لیفرز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم۔

لیکن ان کی بیان کردہ ترتیب میں کچھ شک کا یا غلطی کا امکان ہے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ حضرت ہود اور صالح حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے ہیں (اور بندہ مترجم عرض کرتا ہے کہ اسی طرح میرے خیال میں حضرت لوط علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام و اسحاق سے پہلے کے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کے پاس فرشتے حضرت اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری لے کر آئے تو ساتھ میں قوم لوط پر عذاب کی خبر بھی دی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی پیغمبر تھے بلکہ غالباً یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بھی پہلے کے پیغمبر ہیں۔م۔)

علماء تفسیر و تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بہت مال والے تھے اور تمام اقسام کے مویشی غلام زمینیں تھیں اور آپ کی زمینیں سرزمین حوران میں ثنیہ مقام پر تھیں اور ابن عساکر نے نقل فرمایا ہے کہ بلکہ یہ تمام علاقہ انہی کا تھا اور ان کے اہل و عیال بہت ہی زیادہ تھے۔

پھر یہ سب کچھ ان سے چھین لیا گیا حتیٰ کہ جسم میں بھی طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو گئیں اور کوئی عضو صحیح سالم باقی نہ رہا سوائے دل و زبان کے جن دونوں کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہے اور ان تمام مصیبتوں اور مشکلات اور بیماریوں کے باوجود آپ نہایت صابر اور اللہ عزوجل سے ثواب کی آس لگائے بیٹھے رہے اور دن اور رات صبح و شام اللہ کا ذکر کرتے رہتے اور ان کا مرض اتنا طویل ہو گیا کہ کوئی ہم نشین بھی ساتھ نہ بیٹھتا تھا اور دوست احباب بھی وحشت کرتے تھے حتیٰ کہ پھر ان کو شہر سے نکال کر باہر یک کوڑے کرکٹ کی جگہ پر ڈال دیا گیا اور لوگوں کا ان سے ملنا جلنا قطعاً بند ہو گیا اور کوئی بھی ایک ان کا غم خوار نہ رہا سوائے ان کی ایک بیوی کے جو ان کے حق کا خیال کرتیں اور ان کے پرانے احسانات شفقتوں کو بھولنے کے بجائے اس کٹھن وقت میں خوب خدمت کرتی رہیں پس وہ بار بار آپ کے پاس آتیں اور آپ کی خبر گیری رکھتیں اور قضائے حاجت میں مدد کرتیں اور آپ کی مصلحت و صحت کا خیال رکھتیں (پھر اس بیوی کی بھی کثرت عمر کی وجہ سے) حالت کمزور ہو گئی اور ان کا مال بھی کم ہوتا چلا گیا پھر بھی وہ صالح بیوی لوگوں کا اجرت پر کام کر کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت کرتی رہیں اور ان کی پوری نگہبانی کرتی رہیں الغرض حضرت ایوب علیہ السلام پر جو کچھ بھی مصائب نازل ہوئے مال و اولاد کا ختم ہونا وغیرہ وغیرہ ان تمام مصائب میں یہ بیوی برابر کی شریک رہیں اور دکھ سکھ میں غم خواری کرتی رہیں بلکہ یہ مزید شوہر کی مصیبت و بیماریوں کو اپنے سر پر اٹھاتی رہیں اور تنگی کے باوجود اپنا مال ان پر خرچ کرتی رہیں اور لوگوں سے بھی اجرت لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت کی، جبکہ ان حالات سے پہلے خود سعادت نعمت و خدمت اور حرمت و عزت اٹھا چکی تھیں، انا للہ و انا الیہ راجعون

اور صحیح بخاری میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا لوگوں میں مصیبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر صالحین پھر جو ان کے مشابہ ہوں اور ان کے مشابہ ہوں اور فرمایا آدمی آزمائش میں اپنے دین کے بقدر مبتلا ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہوگا تو اس کی آزمائش میں بھی زیادتی ہوگی۔

تو جیسے کہ مذکورہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ سب سے سخت مصائب کے اعتبار سے انبیاء ہوتے ہیں تو ان میں حضرت ایوب علیہ السلام کو خصوصی مقام حاصل ہوا ان کو اتنی بیماریوں و تنگیوں کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کے ساتھ مصائب میں مثال دی جاتی ہے، اور ان کی بیماریوں مصیبتوں پر صبر کی مثال دی جاتی ہے اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء بنی اسرائیل سے حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و اولاد وغیرہ کے ختم ہونے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے اور اس کی صحت کا اللہ کو علم ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پہلے انسان ہیں جن کو چیچک (اور دیگر جلدی بیماریاں) نکلیں اور آپ کی مدت مصائب میں مختلف اقوال ہیں تو وہب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ آپ تین سال کامل نہ کم نہ زیادہ ان مصائب میں مبتلاء رہے اور حضرت انس کا فرمان ہے کہ سات سال اور کئی مہینے تک ان مصیبتوں سے دو چار رہے اور پھر بنی اسرائیل کے ایک کوڑے کے ڈھیر پر ان کو ڈال دیا گیا تھا کیڑے

وغیرہ آپ کے جسم میں چلتے تھے، حتی کہ اللہ نے آپ کو ان بیماریوں سے کلی شفاء نصیب فرمائی اور خوب اجر عظیم سے نوازا اور پھر ان کی تعریف و مدح فرمائی، اور حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آٹھ سال تک آزمائش کا زمانہ تھا، اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا گوشت تک گر کر ختم ہو گیا تھا حتی کہ صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے تھے، ان کی بیوی ریت لے کر آتیں اور ان کے نیچے بچھاتیں تا کہ نرمی ہو پھر جب بیوی کو خدمت کرتے کرتے طویل زمانہ گزر گیا تو ایک مرتبہ حضرت ایوب علیہ السلام کو کہا اگر آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں تو وہ آپ کو (ان مصائب سے) رہائی عطا فرمائے گا تو آپ نے حیرت انگیز جواب مرحمت فرمایا کہ میں ستر سال تک صحیح وسالم رہا تو اور کچھ نہیں تو کم از کم میں اللہ کے لئے ستر سال تک تو صبر کر لوں، تو بیوی آئندہ کے لئے ایسی بات سے خاموش ہو گئیں اور خدمت جاری رکھی۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ گزر بسر کے لئے لوگوں کے ہاں کام کرتیں اور جو پیسے وغیرہ ملتے ان سے حضرت ایوب علیہ السلام کو کھلاتیں پھر ایک وقت آیا کہ لوگوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی ان عظیم صابرہ اہلیہ کو کام پر رکھنا چھوڑ دیا اور ان سے کوئی کام نہ لیتے تھے (جو ان کی زندگی کا ذریعہ تھا) شاید انھوں نے خیال کیا کہ آخر یہ بھی ہیں تو ایوب علیہ السلام کی بیوی کہیں ایوب علیہ السلام کی بیماریاں ہمارے اندر بھی نہ آجائیں تو جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو کسی نے بھی اپنے کام کاج پر نہ رکھا تو انھوں نے قربانی کی عظیم مثال پیش کرتے ہوئے اپنے سر کے بالوں کی دو مینڈھوں میں سے ایک کاٹ کر کسی بڑے آدمی کی بیٹی کو فروخت کر دی اور اس کے بدلے کافی عمدہ کھانا ملا پھر وہ کھانا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور ان کو کھلایا ایوب علیہ السلام نے پوچھا یہ کہاں سے آیا کیونکہ ان کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا تو کہا کہ لوگوں کا کام کیا تھا پھر جب آئندہ روز ہوا تو پھر کسی نے کام پر نہ رکھا تو دوسری مینڈھی بھی بیچ دی اور اس کے بدلے کھانا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں، حضرت ایوب علیہ السلام کو پھر کچھ اوپرا پن سا محسوس ہوا تو اس دفعہ قسم اٹھائی کہ پہلے بتاؤ کہاں سے یہ کھانا تجھ کو ملا پھر کھاؤں گا تو اہلیہ نے اپنا سر کھول دیا حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھا کہ سر منڈا ہوا ہے تو تب انتہائی بے کسی کے عالم میں حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تھی۔

انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین [1]

اے رب مجھے تکلیف پہنچی ہے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

[2] ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے ایک دن آپ کے پاس آئے تو آپ کی بو کی وجہ سے وہ قریب نہ آسکے تو وہ دور کھڑے ہو گئے پھر ایک دوسرے کو کہا کہ اگر اللہ ایوب علیہ السلام میں کوئی بھلائی و خیر جانتا تو اس کو اس طرح مبتلاء نہ کرتا۔

اس بات سے حضرت ایوب علیہ السلام کو اس قدر غم و تکلیف ہوئی کہ کبھی کسی سے نہ ہوئی ہوگی تو آپ نے فوراً بارگاہ رب العزت میں دست التجاء کے لئے بلند کئے اے اللہ اگر آپ کو علم ہے کہ جس نے کبھی کوئی رات سیر ہو کر نہیں گزاری اور میں جانتا ہوں کہ بھوکے کا کیا مرتبہ ہے تو آپ میری تصدیق فرمائیے تو اللہ نے آسمان سے ان کی تصدیق و تاکید کی اور دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر کہا اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس کبھی دو قمیص نہیں رہیں اور میں ننگے کا مرتبہ جانتا ہوں تو آپ میری تصدیق فرمائیے پھر آسمان سے تصدیق ہوئی اور دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر کہا اے اللہ تیری عزت کا واسطہ اور یہ کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے، اور فریاد و التجاء کی۔

اے اللہ میری عزت کا واسطہ میں کبھی اپنا سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ آپ مجھ سے ان تکالیف کو نہ دور فرما دیں گے تو آپ نے سر نہ اٹھایا حتی کہ آپ ان بیماریوں سے نجات پا گئے۔

[3] ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے فرمایا، کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر ایوب کو

---

(۱) الانبیاء ۸۳۔ (۲) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا ابو سلمة، حدثنا جریر بن حازم، عن عبداللہ بن عبید بن عمیر

(۳) وقال ابن ابی حاتم، و ابن جریر جمیعا حدثنا یونس بن عبدالاعلی انبانا ابن وھب، اخبرنی نافع بن یزید عن عقیل، عن الزھری، عن انس بن مالک ...... الخ

اٹھارہ سال مصیبتیں آزمائشیں گھیرے رہیں، پھر ان کو قریب والے اور دور والے سب چھوڑ گئے، سوائے دو شخصوں کے جو آپ کے خاص بھائی تھے وہ آپکے پاس صبح شام آتے تو ایک مرتبہ ایک نے دوسرے کو کہا تو جانتا ہے کہ اللہ کی قسم شاید ایوب جیسا گناہ جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ساتھی نے پوچھا وہ کیا ہے کہا کہ دیکھو اس کو اٹھارہ سال ہو گئے ہیں اس کی بیماریاں دور نہیں ہوئی ہیں اور اب تک اس پر اللہ رب العزت نے رحم نہیں کیا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو رب اس کی بیماریوں کو دور فرما دیتا۔

پھر دونوں شام کو حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس گئے تو اس شخص سے نہ رہا گیا اور وہ حضرت ایوب کو یہ بات ذکر کر بیٹھا حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سوائے اس کے کہ اللہ عزوجل جانتے ہیں کہ میں دو شخصوں پر سے گزر رہا تھا جو جھگڑا کر رہے تھے پھر وہ اللہ کا ذکر کرنے لگے تو میں اپنے گھر لوٹ آیا اور ان سے درگزر کیا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کا ذکر ہو؟ (یعنی حضرت ایوب علیہ السلام ان دونوں سے چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ فرمانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں)

فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام قضائے حاجت کے لئے نکلتے تھے اس طرح کہ آپ کی اہلیہ آپ کو تھامے ہوتی تھیں یعنی وہ آپ کو قضائے حاجت کیلئے لے کر جاتی تھیں، اور اسی طرح ایک دن وہ دیر سے آئیں تو اللہ نے عزوجل حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم فرمایا: کہ اپنی لات مارو یہ (چشمہ) نہانے کی جگہ (اور اس کا پانی) ٹھنڈا اور میٹھا ہے تو اہلیہ جب دیر سے پہنچیں تو آس پاس دیکھا اور حضرت ایوب علیہ السلام بالکل صحت و سلامتی کے ساتھ ہو چکے تھے اور وہ بیوی کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے کی طرح حسین صورت پر ہو چکے تھے تو بیوی آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں اللہ آپ کو برکت دے کیا آپ نے یہاں ایک بیمار پڑے شخص کو دیکھا ہے؟ (کیونکہ اہلیہ بالکل نہ پہچان سکیں اور آگے بولیں) اللہ کی قسم جب وہ بیمار صحیح ہوتا تھا تو بالکل آپ کی طرح ہوتا تھا تو وہ شخص کہنے لگا وہ میں ہی ہوں۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھیت ہوں گے ایک گندم کا ایک جو کا پھر دو بادل آئیں گے تو ایک بادل گیہوں کے کھیت پر برسا اور اس کو سونے سے بھر دیا پھر دوسرا بادل آیا اور اس نے جو کے کھلیان کو چاندی سے بھر دیا، یہ ابن جریر کے الفاظ ہیں اس طرح تمام ابن حبان نے اپنی صحیح [1] میں روایت کیا ہے۔

لیکن اس روایت میں غرابت ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

[2] ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جنت کا جوڑا پہنا دیا تھا پھر یہ ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے تو ان کی بیوی تشریف لائیں اور پہچان نہ سکیں، تو آپ ہی سے پوچھا اے اللہ کے بندے، یہاں ایک آفت زدہ شخص ہوتا تھا وہ کہاں گیا؟ شاید کہ اس کو کتے لے گئے ہیں یا بھیڑیئے؟ اور ایک گھڑی یوں ہی بات کی پھر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا واہ میں ہی ایوب ہوں تو انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے بندے آپ مجھ پر مذاق کرتے ہیں؟ پھر کہا، افسوس تجھ پر! میں ہی ایوب ہوں اللہ نے مجھ کو میرا جسم لوٹا دیا ہے۔

ابن عباس نے فرمایا کہ پھر اللہ نے ان کو ان کے اموال اولاد وہی کے وہی اور انہی جیسے اور بھی لوٹا دیئے اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وحی فرمائی میں نے تجھ کو تیرا مال تیری اولاد اور اسی کے مثل اور بھی تجھ پر لوٹا دیا ہے ابھی اس پانی کے ساتھ غسل کر لیجئے، اس میں شفا ہے اور اپنے ساتھیوں کے قریب ہو جائیں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں کیونکہ انھوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کی ہے ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے ایوب کو (صحت) و عافیت بخش دی تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسائیں تو یہ اپنے ہاتھ سے (جلدی جلدی پکڑ کر اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے تو پوچھا گیا اے ایوب کیا آپ سیر نہیں

(۱) عن محمد بن الحسن بن قتيبة عن ابن حرملة عن ابن وهب به وهذا غريب رفعه جدا والا شبه ان يكون موقوفاً

(۲) وقال ابن ابی حاتم، حدثنا ابی حدثنا موسى بن اسماعيل، حدثنا حماد، انبانا علي بن زيد عن يوسف بن مهران عن ابن عباس الخ

ہو رہے؟ عرض کیا اے پروردگار آپ کی رحمت سے کون سیر ہوگا؟ [1]

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیوں کا غول بھیجا گیا تو یہ اپنے کپڑے میں ان کو سمیٹنے لگے تو اللہ کی طرف سے پوچھا گیا اے ایوب جو ہم نے تجھ کو دیا کافی نہیں ہے؟ کہا پروردگار بھلا تیری عطا و فضل سے کون بے پرواہ ہوگا۔

یہاں یہ موقوف بیان ہوئی لیکن ایک دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہ سے یہی حدیث مرفوعاً بھی منقول ہے۔ [2]

مسند احمد ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ایوب ننگی حالت میں غسل فرما رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیوں کا غول برسنا شروع ہوا تو آپ نے ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا پروردگار نے پکارا اے ایوب کیا میں نے تجھ کو ان سے جو تو دیکھ رہا ہے غنی نہیں کر دیا تھا؟ عرض کیا کیوں نہیں میرے پروردگار لیکن آپ کی برکت سے مجھے استغناء نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس کو عبدالرزاق کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ [3]

اور فرمان خداوندی ہے، کہ اپنی لات مار یعنی زمین پر ٹانگ مارو آپ نے فرماں برداری کی جس سے اللہ نے ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری کر دیا پھر حکم فرمایا کہ اس سے غسل بھی کرو اور اس کو پیو بھی سہی، تو اللہ نے ان کے بدن کی ظاہری باطنی بیماریاں تکالیف و پریشانیاں سب کچھ دور فرما دیں اور اس کے بعد اللہ نے ہر اعتبار سے صحت و قوت اور جمال و حسن اور مال کثیر عطا فرما دیا اور مال اتنا ہوا کہ سونے کی ٹڈیاں خوب خوب ان پر برسیں اور ان کے اہل و عیال کو بھی واپس فرما دیا قرآن میں ہے، اور ہم نے اس کو اس کا اہل اور ان کے مثل ان کے ساتھ عطا کر دیا اس میں کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ نے ان پہلے اہل و عیال کو زندہ فرما دیا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے پہلے اہل کا بدلہ دے دیا تھا یعنی دوسرے اہل و عیال عطا فرما دیئے تھے اور قیامت میں پھر تمام کو جمع فرمائیں گے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں (اور یہ سب کچھ ہم نے ان کو عطا کیا) اپنی طرف سے رحمت سے۔ [4]

یعنی ہم نے ان کی تکالیف و شدت اور مصائب کو اپنی جانب سے رحمت اور احسان اور مہربانی کی وجہ سے دور کر دیا اور فرمایا "یہ عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے" یعنی جو شخص جسم یا مال یا اولاد کے بارے میں مشقت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے وہ اللہ کے اس پیغمبر ایوب سے نصیحت حاصل کرے اور ان کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے کہ انھوں نے کس طرح اس عظیم آزمائش پر صبر کیا اور اللہ سے ثواب کی توقع رکھی تو پھر اللہ نے ان کی تمام پریشانیوں کو دور کر دیا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ مال و دولت اور اہل و عیال سے نواز دیا۔

اور بعض لوگوں نے انتہائی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ کا "رحمت" نام اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ آیت میں ہے رحمة من عندنا یعنی ہم نے یہ فراوانی وغیرہ سب اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ کی تو وہ جہلاء مطلب نکالتے ہیں کہ ہم نے رحمت (بیوی) عطا کی، یہ حقیقت سے کوسوں دور اور جھگڑے میں پڑنے والی بات ہے۔

اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اللہ نے ان کی اس بیوی کو ان کی جوانی واپس لوٹا دی تھی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ جوانی عطا فرمائی تھی حتیٰ کہ پھر ان سے حضرت ایوب کے چھبیس لڑکے ہوئے۔

پھر حضرت ایوب علیہ السلام مصائب کے بعد سرزمین روم میں ملت ابراہیمی پر ستر سال حیات رہے پھر آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے دین ابراہیمی کو بدل ڈالا۔

---

(۱) حدثنا ابوزرعہ حدثنا عمرو بن مرزوق حدثنا همام عن قتادة عن النضر بن انس عن بشير بن نهيک عن ابی هريره ......هكذا رواه الامام احمد عن ابی داؤد الطيالسی و عبدالصمد عن همام عن قتاده به ورواه ابن حبان فی صحيحه عن عبدالله بن محمد الازدی عن اسحاق بن راهويه عن عبدالصمد لم ويخرجه احد من اصحاب الكتب و هو علی شرط الصحيح والله اعلم

(۲) وقال الامام احمد حدثنا سفيان، عن ابی الزناد، عن الاعرج، عن ابی هريره سل

(۳) وقال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابوهريره رواه البخاری من حديث عبدالرزاق به

(۴) الانبیاء ۸۴۔

آگے فرمان الٰہی ہے (اور ہم نے ایوب کو حکم دیا) اور اپنے ہاتھ میں جھاڑ دلو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے اس کو ثابت قدم پایا وہ بہت خوب بندے تھے بہت رجوع کرنے والے تھے۔[1]

کسی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کا حلف (قسم) اٹھالیا تھا تو اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت ایوب علیہ السلام کو رخصت دی اور آسان راستہ چھٹکارے کا بتایا کہ ایک جھاڑ و سو تنکوں والی لے لو اور اس سے ایک دفعہ مار دو (لیکن شرط یہ ہے کہ سب تنکے لگیں) اور یہ کس وجہ سے آپ نے ان پر یہ قسم اٹھائی تھی؟ ایک قول ہے کہ بیوی نے اپنی سر کے بالوں کی مینڈھیاں بیچ دیں تھیں اس بناء پر قسم اٹھائی اور ایک قول ہے کہ ان کو شیطان طبیب کی صورت میں ملا تھا اس نے ان کو ایوب علیہ السلام کے لئے دوا بتا کر دی، تو بیوی نے آکر ان کو خبر دی تو آپ پہچان گئے کہ وہ شیطان تھا تو تب یہ قسم اٹھائی، پھر جب اللہ عزوجل نے ان کو عافیت وصحت دیدی اور قسم پورا کرنے کا وقت آگیا تو تب اللہ نے ان کے لئے آسانی کا راستہ کھول دیا اور قسم پورا کرنے کے لئے یہ ترکیب سمجھائی، کہ ایک کھجور کا خوشہ لے لو جس میں سو شاخیں ہوں اور تمام کو اکٹھا مارو تو یہ کوڑوں کا بدل ہو جائے گا اور قسم پوری ہو جائے گی اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے متقیوں کے لئے کشادگی اور آسان راستے کی فراہمی ہے خصوصاً اس نیک صابرہ اہلیہ پیغمبر کے لئے اور اسی وجہ سے اللہ نے اس رخصت وآسانی کے بعد وجہ وعلت بھی بیان فرمائی کہ وہ ایوب ہمارے صابر اور بہترین بندے اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور بہت سے فقہاء کرام نے قسموں اور نذروں کے باب میں آسانی اور رخصت کا حیلہ اختیار کیا ہے حتیٰ کہ بعض حضرات نے اس عنوان ومضمون پر کتابیں بھی لکھیں کہ "قسموں سے خلاصی کی تراکیب اور حیلے" اور اس کے لئے دلیل اس آیت کو بتایا ہے اور ان میں پھر عجیب غریب نکتے بیان کئے ہیں جن میں سے کچھ ہم اپنی کتاب "کتاب الاحکام" میں بیان کریں گے، انشاء اللہ۔

ابن جریر اور علماء تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی کل عمر ترانوے سال تھی اور اس سے زائد کا قول بھی ہے۔

لیث نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن سلیمان علیہ السلام کو اغنیاء کے ساتھ دلیل وحجت پیش کریں گے اور یوسف علیہ السلام کو پاک دامنی پر دلیل پیش کریں گے اور ایوب علیہ السلام کو مصیبت والوں پر بطور دلیل وحجت پیش کریں گے، ابن عساکر نے بھی اسی کے معنی میں قول نقل کیا ہے۔

اور حضرت ایوب نے اپنے لڑکے حومل کو اپنے بعد کی وصیت فرمائی اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد ان کے معاملات اور دیگر امور کے نگراں ان کے دوسرے فرزند بشر بن ایوب ہوئے اور ان کے بارے میں اکثر کا خیال ہے کہ یہی ذوالکفل علیہ السلام ہیں، واللہ اعلم اور اس بیٹے کی وفات ستر سال کی عمر میں ہوئی اور لوگوں کے خیال کے مطابق یہ پیغمبر تھے۔

اور اب ہم ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ بعض کا یہی خیال ہے کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور وہی ذوالکفل ہیں۔

---

(۱) ص ۴۴۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ
جو ایک قوم کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کے فرزند رشید ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور (یاد کرو) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو ہر ایک صابرین میں سے تھا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔[1]

اس طرح سورۂ ''ص'' میں بھی اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور یاد کیجئے ہمارے بندوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور نظر والے تھے بے شک ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔[2]

یہ نبی ہیں یا نہیں؟ تو قرآن میں ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آنا اور تعریف وتوصیف کے کلمات ان کے متعلق فرمانا یہ باتیں بتاتی ہیں کہ وہ بھی پیغمبر تھے اور یہی مشہور ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ صالح عدل وانصاف والے دانا شخص تھے اور ابن جریر نے خود ان کے بارے میں توقف فرمایا ہے، اور انھوں نے اور ابو نجیح نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ نیک صالح انسان تھے۔

اور یہ اپنی قوم کی طرف سے ان کے بڑے تھے ان کے فیصلے نمٹاتے اور خوب عدل وانصاف فرماتے اور ان کے دیگر معاملات کی کفالت فرماتے اور اس وجہ سے ان کا نام ذوالکفل (یعنی کفالت والا) پڑ گیا۔

اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے داؤد بن ابی ہند کے طریق سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرمایا ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام ضعیف (بوڑھے) ہو گئے تو فرمایا کاش میں کسی آدمی کو اپنی حیات میں اپنا خلیفہ بنا جاتا جو ان کے معاملات وغیرہ کا نگہبان ہوتا تاکہ میں مشاہدہ کر لیتا کہ وہ کیسے کام کرے گا۔

تو آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور فرمایا جو میری باتوں پر عمل پیرا ہو میں اس کو اپنا خلیفہ بنا جاتا ہوں۔

دن کو روزہ دار رہتا ہو، رات کو شب بیدار رہتا ہوں، غصہ نہ کرتا ہو۔

یہ سب چپ رہے تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ ویسے ہی عام سا آدمی اور حقیر جانتے تھے اس نے کہا میں ہوں آپ نے پوچھا تو دن کو روزہ دار رات کو شب بیدار اور غصے سے دور رہتا ہے؟ عرض کیا جی ہاں تو آپ نے مجلس برخاست فرما دی پھر اگلے دن یہی سوال دہرایا تو پھر بھی سب خاموش رہے لیکن وہی شخص دوبارہ کھڑا ہوا اور عرض کیا میں ہوں تو حضرت یسع علیہ السلام نے انہی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر شیطان نے اپنے ابلیس کارندوں کو کہا تم کو فلاں شخص (یہی مذکورہ ذوالکفل) نگاہ میں رہنا چاہیے لیکن سب اس کو بہکانے میں عاجز آ گئے تو پھر سردار شیاطین نے کہا چلو تم چھوڑو میں اس کو دیکھتا ہوں پھر یہ شیطان ایک انتہائی بوڑھے فقیر شخص کی حالت میں ان کے پاس گیا اور ایسے وقت میں گیا جب وہ دوپہر کو آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر پہنچ گئے اور آپ صرف اسی وقت تھوڑا سا آرام فرماتے تھے اور رات بھر نہ سوتے تھے تو شیطان نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے پوچھا کون ہے؟ شیطان نے کہا ایک کمزور مظلوم بوڑھا ہے تو حضرت ذوالکفل کھڑے ہوئے اور دروازہ کھول دیا تو بوڑھا (شیطان) اپنا قصہ سنانا شروع ہوا کہ میرے اور میری قوم کے درمیان لڑائی ہے اور انھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میرے ساتھ یہ کیا ہے یہ کیا ہے۔

(۱) الانبیاء ۸۵ تا ۸۶۔ (۲) ص ۴۵ تا ۴۸

الغرض اس کا جو مقصود تھا کہ آرام کا وقت چلا جائے تو ایسا ہی ہوا اور شام کا وقت ہو گیا تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جب میں شام کو (مجلس میں) بیٹھوں گا تو تجھے تیرا حق دلواؤں گا تو یہ شیطان لعین چلا گیا۔ شام کو حضرت ذوالکفل مجلس قضا میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آیا، تو آپ واپس ہو گئے پھر صبح کو بھی مجلس میں انتظار کیا مگر نہیں آیا لیکن پھر آ کر آپ دوپہر کو آرام کرنے کے لئے بستر پر محو آرام ہوئے تو دروازہ کھٹکھٹا آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں وہی ضعیف مظلوم بوڑھا ہوں تو آپ نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا اور بلایا اور پوچھا میں نے آپ کو آنے کا کہا تھا؟ بوڑھے (شیطان) نے جواب دیا وہ (میرے قبیلے والے) خبیث لوگ ہیں جب ان کو پتہ چلا کہ آپ کے پاس فیصلہ آیا ہے اور آپ اس مجلس میں فیصلے کے لئے بیٹھے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہم تیرا حق دیں گے اور جب آپ نے مجلس قضا برخاست فرمائی تو وہ پھر منکر ہو گئے تو حضرت ذوالکفل نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے شام کو آ جانا تو اس طرح دوسرے دن بھی آپ آرام نہ فرما سکے پھر شام کو مجلس میں اس بوڑھے کا انتظار فرمانے لگے لیکن وہ نظر ہی نہ آیا اور آپ پر اونگھ کا غلبہ بڑھ رہا تھا تو پھر آپ نے آرام کے وقت اپنے اہل کو فرمایا جب میں سوؤں تو کسی کو دروازہ نہ کھٹکھٹانے دینا تا کہ میں کچھ تھوڑی دیر آرام کر لوں اسلئے کہ مجھے سخت نیند ستا رہی ہے۔

تو جب وہی پہلے والا وقت آیا تو وہی لعین بوڑھا پھر پہنچ گیا تو دروازے پر نگران کھڑا تھا اس نے کہا پیچھے رہو پیچھے رہو، بوڑھے نے کہا، میں کل آیا تھا اور اپنا معاملہ ذکر کیا تھا (لہذا مجھے اب بھی اجازت دیدو) نگران نے کہا نہیں اللہ کی قسم نہیں، ہم کو حکم ملا ہے کہ کسی کو نہ چھوڑیں تو بوڑھا جب عاجز آ گیا تو اس نے ادھر ادھر سے کوئی اندر جانے کا راستہ تلاش کیا، تو کمرے کی کھڑکی نظر پڑی اسی کو پھلانگ کر اندر پہنچ گیا اور عجیب شرارت کے انداز سے اندر کھڑے ہو کر دروازہ بجانا شروع کر دیا تو ذوالکفل نے نگران کو کہا کیا میں نے تجھے پہرے پر کھڑا نہ کیا تھا؟ کہا واللہ یہ سامنے سے تو نہیں آیا تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟

تو حضرت ذوالکفل خود کھڑے ہوئے دیکھا کہ واقعی دروازہ تو ویسے ہی بند پڑا ہے اور بڈھا اندر موجود ہے تو پھر آپ نے فرمایا تو کیا اللہ کا دشمن ہے؟ کہا ہاں میں نے بہت کچھ آزما کر دیکھ لیا مگر آپ نے مجھے ہر چیز میں عاجز کر دیا میری کوشش تھی کہ آپ کو غضبناک کر دوں گا؟ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

راوی کہتے ہیں کہ تب ان کا نام ذوالکفل پڑا کیونکہ انھوں نے اس کام کی کفالت اٹھائی تھی اور اس کو پورا کر دیا کہ کبھی غصہ نہ ہوئے۔

اسی کے قریب قریب ابن ابی حاتم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور عبداللہ بن الحارث اور محمد بن قیس اور ابن حجیرہ اکبر وغیرہم اسلاف سے اسی کے مثل قصہ منقول ہے۔

(۱) اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ کنانۃ بن الاخنس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس منبر پر سنا فرما رہے تھے کہ حضرت ذوالکفل پیغمبر نہ تھے بلکہ نیک صالح انسان تھے جو ہر روز سو نمازیں پڑھتے تھے تو یہ ان کیلئے کفیل بن گئے کہ ایسی ہی عبادت کریں گے تو انھوں نے بھی ان کے بعد سو نمازیں پڑھنا شروع کر دیں تو ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ (۲)

امام احمد نے فرمایا ہے کہ ہمیں اسباط بن محمد نے بیان کیا کہ ہمیں اعمش نے عبداللہ بن عبداللہ سے روایت کیا کہ سعد جو طلحہ کے آزاد کردہ غلام ہیں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے اور اس حدیث کو میں نے صرف ایک یا دو مرتبہ نہیں سنا ہوگا (اور آپ نے اس بات کو سات دفعہ دہرایا) یعنی اگر فقط اتنی کم مرتبہ سنا ہوتا تو میں کبھی اس حدیث کو بیان نہ کرتا بلکہ میں نے اس سے زائد مرتبہ سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

ذوالکفل بنی اسرائیل کا ایسا شخص تھا جو کسی بھی گناہ سے نہ بچتا تھا ایک مرتبہ اس کے پاس ایک عورت آئی تو الکفل نے اس کو ساٹھ دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ ان کو اپنے پر قادر ہونے دے گی، تو جب یہ اس عورت کے پاس اس خیال سے بیٹھ گئے جس طرح کہ مرد عورت کے پاس بیٹھتا ہے تو عورت کانپ اٹھی اور رو دی، تو الکفل نے پوچھا کس چیز نے تجھ کو رلایا؟ کیا میں نے تجھ سے زبردستی کی ہے؟ کہا نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے یہ کام کبھی

---

(۱) وقال ابن ابی حاتم، حدثنا، ابی حدثنا، ابو الجماهر، انبانا سعید بن بشیر، حدثنا قتادہ عن کنانۃ بن الاخنس، قال سمعت الاشعری

(۲) و رواہ ابن جریر من طریق عبدالرزاق عن معمر عن قتادہ قال قال ابو موسیٰ الاشعری فذکرہ منقطعاً

نہیں کیا اور مجھے تو ایک شدید حاجت تیرے پاس لے آئی تھی۔ تو الکفل نے کہا تو نے کبھی یہ کام نہیں کیا اور اب کر رہی ہے؟ تو آپ اس خیال کو جھٹک کر اتر گئے اور کہا یہ دینار تیرے ہیں اور اللہ کی قسم آئندہ کبھی الکفل خدا کی نافرمانی نہ کرے گا۔ تو اسی رات الکفل وفات پا گیا اور اس کے دروازے پر صبح کو لکھا پایا گیا۔

اللہ نے الکفل کی مغفرت فرمادی۔

اس کو ترمذی نے اعمش کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو ابن عمر پر موقوف کیا ہے (یعنی حضور ﷺ تک نسبت نہیں کی)۔

تو یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں شک کا امکان ہے اس لئے کہ ابو حاتم فرماتے ہیں اس حدیث میں موجود سعد راوی کو میں نہیں جانتا سوائے ایک حدیث کے ساتھ اور ابن حبان نے اس کی توثیق فرمائی ہے، اور اس سے عبد بن عبداللہ رازی کے سوا کسی نے حدیث روایت نہیں کی، واللہ اعلم۔

الغرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح معلوم نہیں ہوتی، لیکن اگر صحیح اور محفوظ بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہاں حدیث میں الکفل نامی شخص کا ذکر ہے اور ہم نے پہلے جس کا تذکرہ کیا وہ ذوالکفل ہے جس کا قرآن میں بھی ذوالکفل نام سے تذکرہ آیا ہے لہذا دونوں جدا ہو جائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

ان سے پچھلی امتوں کا تذکرہ جو تمام نیست و نابود کر دی گئیں

اور جو امتیں تباہ و برباد ہوئی تھیں وہ نزول تورات سے قبل ہوئی تھیں جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اس کے بعد کہ ہم نے پہلے گروہوں کو ہلاک کر دیا۔ (۱)

اسی طرح ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور بزار نے عوف اعرابی کی حدیث سے ابی نضرہ سے روایت کیا اور ابی نضرہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے کسی قوم کو آسمان کے عذاب یا زمین کے عذاب سے تورات کے نزول کے بعد روئے زمین پر ہلاک نہیں فرمایا، سوائے اس بستی کے جن کی شکلیں مسخ کر دیں گئیں اور ان کو بندر بنا دیا گیا تھا جیسے اس کی تائید پہلی آیت کرتی ہے۔

گذشتہ حدیث تو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ پر موقوف تھی اور بزار نے انہی کی روایت کو مرفوعاً بھی ذکر کیا ہے (یعنی حضور ﷺ کی طرف نسبت کی ہے) تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ عام طور پر سب امتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اپنے اپنے وقتوں میں ہلاک ہوئی ہیں۔ تو انہی میں سے اصحاب الرس بھی ہیں۔ (۲)

اصحاب الرس

اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان میں فرماتے ہیں۔

اور (ہم نے) عاد، ثمود، اور کنوئیں والوں اور ان کے درمیان والوں اور (ان کے علاوہ) بہت سی جماعتوں کو (بھی ہلاک کر دیا) اور سب کے (سمجھانے کے) لئے ہم نے مثالیں بیان کیں اور (نہ ماننے پر) سب کو تہس نہس کر دیا۔

اور سورۂ ق میں فرمایا: ان سے پہلے قوم نوح اور کنویں والوں اور ثمود نے جھٹلایا، اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں (نے بھی جھٹلایا) اور درختوں والوں اور قوم تبع سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو پھر ہماری وعید بھی پوری ہوگئی ہے۔ (۳)

یہ آیات اور ان سے پہلے کی آیات دلالت کرتی ہیں کہ وہ ہلاک کئے گئے اور ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا جس سے وہ بالکل نیست و نابود ہو گئے۔

تو گذشتہ تقریباً سب آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے، اس میں رد ہے اس قول پر جو مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قول اختیار فرمایا ہے کہ اصحاب الرس وہ اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ بروج میں آیا تو یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جبکہ مورخ ابن اسحاق اور دوسری بڑی جماعت اس بات کی صراحت فرماتی ہیں کہ اصحاب الاخدود کا کارنامہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کا ہے اور اس میں بھی نظر ہے۔ اور مزید دیکھئے کہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ اصحاب الرس ثمود کی بستیوں میں سے ایک بستی والے تھے۔

تو جب وہ تصریح فرما رہے ہیں کہ وہ ثمود کی کوئی بستی تھی اور یہ قوم حضرت مسیح علیہ السلام سے تو کتنا قبل کی ہے تو پھر اصحاب الرس ان کے بعد کیسے ہو سکتے ہیں؟

ابن عساکر اپنی تاریخ میں دمشق شہر کی تعمیر کو ابو القاسم کی تاریخ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصحاب الرس (کنویں والے) اپنے شہر میں آباد تھے کہ اللہ عز و جل نے ان میں اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا جن کو حنظلہ بن صفوان، نام سے پکارا جاتا تھا انھوں نے اپنی دعوت کو سر عام کیا

(۱) القصص ۴۳۔ (۲) الفرقان ۳۸۔ ۳۹۔ (۳) ق ۱۲ تا ۱۴

لیکن انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور نافرمانی کی حتی کہ قتل کر دیا تو اب عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اپنے لڑکے کو لے کر (اصحاب) الرس کی اس بستی سے کوچ فرما گئے (کیونکہ یہ سمجھ گئے تھے کہ انھوں نے اپنے محسن عظیم کو قتل کیا ہے تو اب قہر الٰہی ان پر ٹوٹے گا) لہٰذا یہ وہاں سے اجڑ کر سرزمین احقاف میں آباد ہوئے اور ادھر اصحاب الرس پر عذاب الٰہی برسا اور تمام کو تباہ و برباد کر دیا پھر ان حضرات نے جنھوں نے سرزمین احقاف میں پڑاؤ کیا تھا وہاں کی زمین کو بھی خیر آباد کہہ کر یمن کی طرف سفر کیا، اور پھر ان کی آل اولاد زمین کے تمام گوشوں میں پھیل گئی، اور جبرون بن سعد بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح دمشق کی چٹیل زمین پر پہنچے اور وہاں ایک شہر بنایا اور اس کا نام جبرون رکھا اور پھر یہی بسنے والے لوگ ارم بڑے بڑے قد و قامت والے کہلائے اور یہاں پہلے کی کوئی تعمیرات باقی نہ رہی تھیں وہ تمام عذاب الٰہی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں تو ان میں اللہ نے ایک اپنا سفیر و قاصد یعنی حضرت ہود علیہ السلام بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن جلود بن عاد کو اس قوم عاد کی طرف سرزمین احقاف میں رشد و ہدایت کے لئے بھیجا، اور ان کا قوم عاد نام پڑنا اپنے جدامجد عاد کی طرف منسوب ہونے کی علامت ہے، تو یہ بھی ہود کی ہدایت پر عمل پیرا نہ ہوئے جس کی وجہ سے اللہ نے ان کی جڑ کو بھی کاٹ دیا۔[1]

تو اس قصے سے معلوم ہوا کہ پہلے اصحاب اس سے تباہ ہوئے ان کے باقی ماندہ لوگ ادھر ادھر جا بسے پھر ان کی پشت ملی اور حضرت ہود علیہ السلام آئے پھر یہ بھی ہلاک ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ اصحاب الرس قوم عاد سے کئی زمانوں قبل کی قوم ہے، واللہ اعلم۔

[2] اور ابن ابی حاتم نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اصحاب الرس والوں کی بستی) اور ان کا کنواں (الرس) آذر بائیجان میں تھا، اور حضرت ثوری ابی بکر سے اور وہ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب الرس والوں نے اس کنویں میں اپنے نبی کو پھینک دیا تھا اور کنویں کو پتھر کی چٹان سے ڈھانک دیا تھا۔

اور ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا اصحاب الرس فلج علاقے میں تھے، اور فلج والے ہی اصحاب یٰس ہیں یعنی جن کا تذکرہ سورۂ یٰس میں آیا ہے، جن کی نافرمانی و تکذیب کی وجہ سے ان کو تباہ کر دیا گیا۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلج یمامہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ (الغرض وہاں نجد میں ایک بستی بھی ہے جس کا نام الرس ہے اور وہ مدینہ منورہ اور بریدہ کے درمیانی رستہ پر ہے۔م)

اور اگر اصحاب الرس اصحاب یٰس ہیں جیسے کہ حضرت عکرمہ کا خیال ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر یہ تمام ہی ہلاک کر دیئے گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے قصے میں فرماتے ہیں، وہ صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ بجھے ہوئے ہو گئے۔ (یٰس ۲۹) ان کے بعد اصحاب یٰس کا قصہ بھی آیا ہے۔

اور اگر الگ الگ ہوں تب بھی اصحاب الرس بھی ہلاک ہوئے اور یہی ظاہر ہے کہ یہ دونوں جدا جدا ہیں لیکن بظاہر حضرت ابن جریر کے فرمان کے مخالف ہے۔

ابوبکر محمد بن الحسن النقاش نے ایک قصہ ذکر کیا ہے کہ اصحاب الرس کے علاقے میں ایک کنواں جاری تھا جو ان کو سیر کرتا اور ان کی زمینوں کو بھی سیر کر دیتا تھا اور ان کا ایک عادل حسن سلوک کرنے والا بادشاہ تھا، جب وہ مر گیا تو اصحاب الرس کو اس پر انتہائی قلق اور افسوس ہوا کچھ عرصے بعد شیطان ان کے بادشاہ کا روپ دھار کر ان کے پاس آیا اور کہا میں مرا نہیں ہوں لیکن غائب ہو گیا ہوں اور میں تمہارے افعال اور کرتوتوں کو دیکھتا رہتا ہوں تو قوم بہت ہی خوش ہوئی پھر شیطان نے اپنے اور ان کے درمیان پردہ قائم کر لیا اور کہا میں کبھی نہیں مروں گا، تو اکثر لوگوں نے اس کی بات کی تصدیق و حمایت کی اور اس کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہو گئے اور اس کو پوجنے لگے۔

پھر اللہ عزوجل نے ان میں اپنا ایک پیغمبر بھیجا آپ نے آ کر ان کو خبردار کیا کہ یہ شیطان لعین ہے جو پردے کے پیچھے سے تم سے خطاب کرتا ہے اور اس کی عبادت نہ کرو بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پیغمبر کی طرف نیند میں وحی بھیجی جاتی تھی، اور ان کا نام گرامی حضرت حنظلہ بن صفوان تھا، پھر ان کی قوم

(۱) وقد ذکرا لحافظ الکبیر ابو القاسم بن عساکر فی اول تاریخہ عند ذکر بناء دمشق عن تاریخ ابی القاسم عبداللہ بن جرداد وغیرہ

(۲) روی ابن ابی حاتم عن ابی بکر بن ابی عاصم عن ابیہ عن شبیب ابن بشر عن عکرمۃ عن ابن عباس

نے ان پر چڑھائی کی اوران کو شہید کرڈالا، اور پھر اس کنویں میں پھینک دیا جس کی وجہ سے کنویں کا پانی خشک ہوگیا، اوروہ سیرابی وتر وتازگی کے بعد پیاس کی شدت میں مبتلا ہوئے ان کے درخت سوکھی لکڑیاں ہوگئے اور پھل ختم ہوگئے شہر ویران ہوگئے اور امن وسکون کے بعد وحشت وجنون میں جکڑے گئے اوران کی جمعیت پارہ پارہ ہوکر ادھر ادھر بکھر گئی اور شروع سے آخر تک تمام نیست ونابود تباہ وہلاک ہوگئے اوران کے ٹھکانوں مکانوں شہروں میں جنون اور وحشی جانوروں نے بسیرے بنالئے پس اب ان کے علاقے میں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی سوائے جنون کی وحشت وسرسراہٹ کے اور شیروں کے دھاڑنے کے اور بھیڑیوں کے غرانے کے۔

(۱) ابن جریر کی روایت کے مطابق محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک پہلا شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ ایک سیاہ فام شخص ہوگا وہ اس وجہ کہ اللہ نے ان لوگوں میں اپنا ایک پیغمبر بھیجا تھا، تو اس بستی میں سے صرف ایک شخص کے سوا کوئی ایمان نہ لایا اور یہ شخص وہی سیاہ فام غلام ہے پھر اہل قریہ (بستی والوں) نے نبی اللہ پر ظلم وستم کیا اوران کے لئے ایک گڑھا کھودا اوراس میں ان کو پھینک دیا، اوپر سے کنویں کو پتھروں سے اَٹ دیا اور خوب بند کردیا تو یہ غلام جاتا اور جنگل سے لکڑیاں لے کر پشت پر لاد کر ان کو بیچتا اوران کے بدلے کھانا پانی خرید تا اور کھانا پانی لے کر اسی کنویں کے پاس پہنچتا پھر اللہ کی مدد سے پتھر کو سرکاتا اور یہ طعام اندر (رسی وغیرہ کے ذریعے سے) پہنچادیتا۔

اوراس کے بعد پتھروں کو پہلے کی طرح برابر کردیتا۔

توجب تک مشیت خداوندی رہی اسی طرح ہوتا رہا، پھر ایک دن یہ غلام اس مقصد سے لکڑیاں کاٹ کر گٹھا بنا کر فارغ ہوا اور ابھی اٹھانے کا ارادہ تھا کہ اس کو کچھ ہلکی سی اونگھ آنے لگی اور یہ کروٹ پر لیٹ گیا اور نیند نے اس کو دبوچ لیا اور ایسا دبوچا کہ سات سال تک اللہ کے حکم سے یہ غلام محوِخواب و نیند رہا پھر بیدار ہوا اور کچھ سستی پر کروٹ بدل کر دوبارہ لیٹ گیا اللہ نے سات سال تک اس کو اور سلادیا پھر بیدار ہوا تو اپنا گٹھا اٹھایا اوراس کو کچھ خیال بھی نہیں ہے کہ چودہ سال کا طویل عرصہ بیت گیا ہے یہ اپنے گمان میں صرف دن کا کچھ تھوڑا حصہ سویا ہے پھر یہ بستی کو آیا اور لکڑیاں بیچ کر کھانا خریدا اور اسی کنویں نما گڑھے کے پاس پہنچا لیکن اس جگہ تو کوئی گڑھا وغیرہ نہیں ہے آخر ادھر اُدھر تلاش کیا مگر ہو تو پتہ چلے پھر تھک ہار کر رہ گیا۔

اور درحقیقت جب یہ سویا تھا تو اللہ نے پیچھے سے (اس کی قوم کو مشرف باسلام کردیا تھا تو انھوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں سے نکالا اور ایمان لائے اوراس کی تصدیق وتائید کی)۔

اوراس پیغمبر نے لوگوں سے اس سیاہ فام غلام کے متعلق بہت پوچھ گچھ کی کہ وہ کہاں ہے اس کا کیا ہوا لیکن وہ کہتے ہمیں تو کچھ علم نہیں ہے حتی کہ اللہ نے پیغمبر کو وفات دیدی، اور پھر سیاہ فام غلام کو بیداری ہوئی۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سیاہ فام غلام جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگا۔

یہ حدیث مرسل ہے اوراس میں شک کا امکان ہے شاید قصہ کو طوالت محمد ابن کعب قرظی سے ملی ہے پھر علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ وہ اصحاب الرس نہیں ہوسکتے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کیونکہ ان کے متعلق تو اللہ نے ہلاکت کی خبر دی ہے جبکہ یہ ایمان لے آئے تھے۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی آل اولاد ایمان لائی اوران کے پیغمبر بھی دوسرے ہوں، واللہ اعلم۔

اور پھر علامہ ابن جریر نے فرمایا کہ وہ اصحاب الاخدود ہیں اور یہ آپ کی بات ضعیف ہے جس کی وجہ پہلے گزر چکی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اصحاب الاخدود کو آخرت کے عذاب کی وعید ملی ہے جبکہ ان کے متعلق دنیا میں بھی ہلاکت کی خبر دی گئی۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) روی ابن جریر عن محمد بن حمید عن سلمۃ عن ابن اسحاق، عن محمد بن کعب القرظی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قوم یس کا قصہ

جن لوگوں کو اللہ نے ان کی نافرمانی وسرکشی کی وجہ سے ہلاک کیا ان میں سے اصحاب یس بھی ہیں۔
سورۃ یٰسٓ (۱۳۔۲۹) میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور (اے پیغمبر) اِن سے گاؤں والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے، (یعنی) جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے (پہلے دو کو) تقویت دی تو انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں، وہ بولے کہ تم (اور کچھ) نہیں صرف ہماری طرح کے آدمی ہو اور خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی، تم صرف جھوٹ بولتے ہو، انھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس، وہ بولے کہ ہم تم کو نامبارک دیکھتے ہیں اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور جس سے تم کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا، انھوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہوں اور شہر کے آخری کنارے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے میری قوم پیغمبروں کے پیچھے چلو۔

جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں اور کیا ہے مجھے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں؟ جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟

اگر خدا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ تب تو میں صریح گمراہی میں جتلا ہو گیا، میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو۔ حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا، بولا کاش میری قوم کو خبر ہو جائے کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کر دیا، اور ہم نے اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی، سو وہ ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔

متقدین متاخرین میں اکثر بزرگوں سے یہی ثابت ہے کہ یہ بستی انطاکیہ ہے اور ابن اسحاق نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ابن عباس، کعب احبار، وہب بن منبہ رحمہم اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ بریدہ بن خطیب، عکرمہ، قتادہ، زہری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ تو محمد ابن اسحاق، حضرت ابن عباس، کعب، احبار اور وہب رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں ان بزرگوں نے فرمایا کہ اس انطاکیہ بستی میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام انطیخس تھا اور یہ بتوں کا پجاری تھا تو اللہ نے اس کی طرف تین پیغمبروں کو بھیجا جو سچے اور برحق تھے لیکن اس نے ان کو جھٹلا دیا اور ایک قول کے مطابق ان کے نام صادق مصدوق اور شلوم تھے۔

اور یہی ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قاصد تھے، اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔[1] وہ شعیب جبائی سے مروی قول ذکر کرتے ہیں کہ پہلے دو رسولوں کے نام شمعون اور یوحنا تھے اور بعد میں آنے والے تیسرے کا نام بولس تھا، اور بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

لیکن یہ قول انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے قاصد بھیجے تھے تو اس زمانے میں بھی انطاکیہ والے پہلے پہل ایمان لانے والوں میں تھے، اور یہ بستی ان چار بستیوں سے تھی جن کے اہل حضرت مسیح پر ایمان لائے تھے وہ چار بستیاں یہ ہیں انطاکیہ، القدس، اسکندریہ، رومیہ اور ان چار بستیوں کے بعد اہل قسطنطنیہ (یعنی استنبول ترکی) والے مسلمان ہوئے۔ اور یہ بستیاں ہلاک بھی نہ ہوئیں اور انطاکیہ بھی عذاب سے دوچار نہ ہوئی جبکہ سورۂ یس میں جن رسولوں کا ذکر ہے اہل انطاکیہ نے ان کی تکذیب کی تھی جسکی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کی

(۱) قال ابن جرير عن وهب عن ابن سليمان عن شعيب والجبائي

لپیٹ میں آگئے۔ فرمان ہے: وہ (عذاب) صرف ایک چنگھاڑ تھی جس سے وہ ناگہاں بجھے رہ گئے۔(یٰس ۲۹)۔ تو اب ہوسکتا ہے کہ قدیم ترین زمانے میں اہل انطاکیہ خدائی پیغمبروں کی تکذیب کی وجہ سے نیست و نابود ہو گئے ہوں اور پھر یہ بستی دوبارہ آباد ہو گئی ہو اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے پاس اپنے قاصدوں کو بھیجا تو یہ مشرف با یمان ہو گئے۔ لہٰذا اسطرح دونوں باتوں اور قصوں میں کوئی تضاد نہ رہے گا تو معلوم ہوا کہ جن حضرات نے کہا کہ سورۂ یٰس میں مذکور جن (اہل انطاکیہ) کی ہلاکت کا ذکر ہے ان میں حضرت مسیح کی طرف سے قاصدوں کا بھیجا جانا مراد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو وجہ مذکور ہوئی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن میں فرمایا اور ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے تو معلوم ہوا کہ یہ خدائی پیغمبر تھے نہ کہ قاصدین مسیح علیہ السلام۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور بیان کران کے لئے بستی والوں کی مثال جب ان کے پاس رسول آئے۔)

یعنی اے محمد ﷺ اپنی قوم کو انکا قصہ بیان کر۔ جو ہم ذکر کرتے ہیں فرمایا: (جب ہم نے ان کی طرف دو رسولوں کو بھیجا۔ پھر انہوں نے ان دو کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو تیسرے کے ساتھ تقویت دی۔) یعنی تیسرا رسول بھی ہم نے ان دو کی مدد کے لئے بھیج دیا (انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں) لیکن انہوں نے یہ کہہ کران کی بات مسترد کر دی کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو جیسے پہلے کی کافر امتیں کہتی چلی آئیں یعنی لوگ اس بات کو محال و بعید از خیال سمجھتے تھے کہ اللہ کسی انسان کو پیغمبر بنا سکتا ہے۔ جسکا انہوں نے پختگی کے ساتھ جواب دیا کہ بے شک اللہ کو پتہ ہے کہ ہم اس کے تمہاری طرف رسول و قاصد ہیں اگر ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے تو وہ ہمارا برا انجام کرے گا اور سخت انتقام لے گا۔ آگے فرمایا: (اور ہم پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہے) یعنی جو اللہ نے ہمیں دیا ہے وہ ہمیں تم تک پہنچانا لازمی ہے لہٰذا ہم وہ سب کچھ صاف صاف پہنچا چکے اب ہدایت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ وہ اللہ ہی ہے جسکو چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جسکو چاہے گمراہ کرتا ہے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ (کہنے لگے ہم تو تم کو نامبارک خیال کرتے ہیں) یعنی ہم تم سے بدفالی لیتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے کہیں ہم عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (لہٰذا تم (اس دعوت سے) باز نہ آؤ گے تو ہم تمکو سنگسار کر دیں گے) یعنی کافروں نے پیغمبروں کو کہا کہ اپنی ان باتوں سے رک جاؤ یا اپنے کاموں سے باز آجاؤ۔ ورنہ (اور تم کو ہماری طرف سے تکلیف پہنچے گی) یعنی کافروں نے اس طرح پیغمبروں کو پہلے قتل کی پھر اہانت و ذلت کی دھمکی دی۔

انبیاء نے (کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے یعنی تم ہی مردود اور نامراد ہو کہ خدا کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے جس کی وجہ سے نحوست پڑ رہی ہے (کیا تم کو نصیحت کی گئی اسی وجہ؟) یعنی ہم نے تم کو خیر و بھلائی کی طرف بلایا۔ اس وجہ سے تم ہم کو قتل وایذاء رسانی کی دھمکی دیتے ہو؟ (بلکہ تم انتہائی حد سے گذرنے والی قوم ہو) یعنی تم نہ تو حق کو قبول کرتے ہو اور نہ اسکا ارادہ و پاس رکھتے ہو۔ آگے فرمان باری ہے (اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا) یعنی نبیوں کی مدد و نصرت اور ان پر ایمان ظاہر کرنے کے لئے پہنچا اور (کہا کہ اے قوم تم رسولوں کی اتباع کرو یعنی ایسے لوگوں کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں) کہ بغیر کسی اجرت و معاوضہ کے تم کو خیر کی طرف ہدایت دے رہے ہیں پھر اس آنے والے شخص نے اپنی قوم کو خود دعوت دی اور اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف بلایا اور اس کے اغیار کی عبادت و پوجا سے منع کیا جو دنیا و آخرت میں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے۔ اور کہا کہ اگر میں بھی اوروں پر ایمان لاؤں (تو اس وقت میں صریح گمراہی میں چلا جاؤں گا) یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر اس کے ساتھ دوسروں کی بھی پرستش کروں تو میں بھٹک جاؤں گا۔ پھر یہ مومن شخص جب اپنی قوم کی ہٹ دھرمی سے واقف ہو گیا تو اپنے آپ کو رسولوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے گویا ہوا (میں تمہارے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ سن لو میری بات) یعنی میری یہ بات سن لو اور اپنے رب کے پاس اس کی گواہی دینا یا اپنی قوم کو خطاب ہے کہ اے قوم سن لو میں علی الاعلان اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔

تو جب اس مومن شخص نے اپنے ایمان لانے کو ظاہر کیا تو اس کی سرکش قوم والوں نے اس کو قتل کر دیا یا سنگسار کر دیا یا لاٹھی سے مار ڈالا یا کسی نے اس کو لڑ کر ختم کر دیا۔ الغرض کسی بھی طریقے سے اس وقت قوم نے اس کو اپنے ظلم و ستم کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اور ابن اسحاق اپنے بعض اصحاب سے حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ پوری قوم نے اس شخص کو اپنے پیروں تلے روندا اور مارا حتی کہ اوپر چڑھ گئے اور معدے کی آنتیں پچھلے راستے سے نکل گئیں۔

اور ثوری نے عاصم احول سے انہوں نے ابی مجلز سے نقل کیا ہے اس شخص شہید کا نام حبیب بن امری تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بڑھئی تھے۔ یا

جولاہا(کپڑا بننے والا) تھے یا موچی تھے یا رنگ ریز تھے اور ایک قول ہے کہ یہ وہیں ایک غار میں عبادت کرتے تھے اور عبادت میں معروف رہتے تھے۔ واللہ اعلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب بڑھئی کو جذام مرض کا عارضہ لاحق تھا اور بہت صدقہ کرنے والے شخص تھے پھر ان کو ان کی ظالم قوم نے قتل کر دیا۔ اس وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کو حکم ہوا(کہا گیا جنت میں داخل ہو جا) پھر جب اس شہید حق نے جنت کی خوشیاں تروتازگیاں دیکھیں تو تمنا کی (کہا کاش کہ میری قوم والے) جانتے کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمادی اور مجھے باعزت لوگوں میں کر دیا تا کہ وہ بھی ایمان لے آئیں اور یہ نعمتیں ان کو بھی حاصل ہو جائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے زندگی میں اپنی قوم سے خیر خواہی کرتے ہوئے یہ نصیحت کی (اے قوم رسولوں کی اتباع کرو) اور اپنی وفات کے بعد بھی خیر خواہی کے پیش نظر نصیحت کے طور پر (کہا کاش میری قوم جانتی کے میرے رب نے میری مغفرت کر دی اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا) ابن ابی حاتم اس کو روایت فرماتے ہیں۔

اسی طرح حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نے جب اللہ کی طرف سے اکرام وعزت کو دیکھا تب بھی ظلم وستم سہنے کے باوجود اپنی قوم سے خیر خواہی کی اور بدلہ نہ لیا(کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمادی اور مجھے باعزت لوگوں میں کر دیا) اس نے تمنا کی کہ کاش میری قوم بھی اس عزت واکرام کو جان لیتی تو وہ بھی ایمان سے سرفراز ہو جاتی۔

آگے فرمایا: اللہ کی قسم قوم نے جب مرد مومن کو قتل کر دیا اس کے بعد اللہ نے بھی ان سے انتقام لیا فرمایا(نہیں تھا (وہ عذاب) صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ اچانک بجھے رہ گئے۔ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔) یعنی ہم ان سے انتقام لینے میں کسی بڑے لشکر کے محتاج نہ تھے بلکہ ایک چنگھاڑ نے بڑا کام کر دکھایا یہی مطلب ابن اسحاق نے اپنے بعض اصحاب کے ذریعے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ اور حضرت مجاہد وقتادہ فرماتے ہیں کوئی اور لشکر نہیں اتارا یعنی رسولوں کے دو گروہ نہیں بھیجے لیکن علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا مطلب زیادہ بہتر ہے۔

مصنف فرماتے کہ میرا بھی یہی خیال ہے کیونکہ آگے اللہ نے فرمایا: (اور ہم نازل کرنے والے نہیں تھے) یعنی ہم انتقام لینے میں کسی بڑے لشکر کے محتاج نہ تھے تا کہ اپنے ولیوں اور نبیوں کا بدلہ لیں بلکہ (وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ بجھے رہ گئے) تو یہ اگلی بات بھی یہی اسی مطلب کا ساتھ دیتی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں اللہ نے ان کی طرف جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا تھا اس ملکوتی قوت نے آ کر ان کے شہر کے بڑے دروازے کو پکڑا اور شہر کی طرف ایک چیخ ماری جس سے ان کی روحیں جسموں سے نکل گئیں اور وہ بجھی ہوئی لکڑیوں کی طرح رہ گئے۔ یعنی شہر میں کوئی آواز نہ رہی ہر طرف سناٹا اور ہو کا عالم چھا گیا کوئی آنکھ بھی باخبر نہ رہی جو اپنے کرتوتوں کا حشر دیکھ لیتی۔ لیکن یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ یہ بستی انطاکیہ نہ تھی۔ کیونکہ ان کی طرف اللہ کے رسول بھیجے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی جس کی وجہ سے تمام تباہ وبرباد ہو گئے۔ جبکہ اہل انطاکیہ کے پاس مسیح علیہ السلام کے قاصد آئے تھے اور اہل انطاکیہ نے ان کی فوراً اطاعت کر لی تھی اور ایک قول تو یہ بھی ہے کہ مسیح پر ایمان لانے والے سب سے پہلے یہی بستی والے تھے۔

اور اس بارے میں طبرانی نے ایک روایت [1] حضرت ابن عباس کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ سے نقل فرمائی ہے آپ نے فرمایا۔

تین سب سے پہلے پہل کرنے والے ہیں موسیٰ کی طرف یوشع بن نون اور عیسیٰ کی طرف اصحاب یٰس اور محمد (ﷺ) کی طرف علی بن ابی طالب۔

لیکن یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں حسین راوی متروک ہے اور یہ غالی شیعہ ہے۔ ابن جریر کا اس کو اکیلے روایت فرمانا یہ اس کے کلیۃً ضعف پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم۔

(۱) رواہ الطبرانی من حدیث حسین الا شقر عن سفیان بن عیینہ عن ابن ابن نجیح عن مجاھد عن ابن عباس ...... الخ

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ

اللہ رب العزت اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتے ہیں:

پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اسکا ایمان اسے نفع دیتا؟ سوائے یونس کی قوم کے جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیوی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب دور کر دیا، اور ایک عرصے تک ان کو (دنیوی فوائد سے) بہرہ مند رکھا۔ (۱)

اسی طرح دوسرے مقام پر خداوند ذوالجلال نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے لقب سے یاد فرمایا:۔

اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے خفا ہو کر) غصہ کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قادر نہ ہو سکیں گے، پھر آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ (۲)

اور اسی قصے کو قدرے تفصیل سے یوں یاد فرمایا۔

اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ (اور یاد کرو وہ) جب بھاگ کر بھرے ہوئے سفینے میں پہنچے پھر قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔ پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ ملامت کرنے والے تھے۔

پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے۔ تو اس روز تک جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے ان کو، جب وہ بیمار تھے، کشادہ میدان میں لا ڈالا۔ اور ان پر کدو کا درخت اگا دیا اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا۔ تو وہ پھر ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے۔ (۳)

اور سورۃ قلم میں ناز و انداز اور کچھ عتاب کے ساتھ فرمایا:۔

(اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں رہو اور مچھلی (کا لقمہ بننے) والے (یونس) کی طرح نہ ہو کہ انھوں نے (خدا کو) پکارا اور وہ غم وغصے میں بھرے ہوئے تھے، اگر ان کے پروردگار کی ان سے یاوری نہ ہوتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے صالحین میں شامل کر لیا۔ (۴)

علماء تفسیر فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے حضرت یونس علیہ السلام کو سرزمین موصل میں اہل نینوی کی طرف بھیجا تھا۔ آپ نے جا کر ان کو اللہ کی پرستش کی طرف بلایا لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور اپنے کفر وعناد پر ہٹ دھرم رہے۔ لیکن آپ ہمہ تن دعوت الٰہی میں مصروف کار رہے۔ جب دیکھ لیا کہ یہ کسی طرح ماننے والے نہیں بن رہے تو آپ غم وغصہ سے لبریز ان سے روٹھ کر تین دن بعد قہر الٰہی کا وقت دیتے ہوئے چل دیئے۔

ابن مسعود، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر کئی سلف وخلف بزرگوں نے فرمایا: کہ جب آپ ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے اور عذاب الٰہی بھی اترنے کو ہوا تو اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ وانابت ڈال دی اور یہ اپنے نبی کے ساتھ کئے گئے کرتوتوں پر نادم وپشیمان ہوئے۔ اور عمدہ لباس اتار کر کھال وغیرہ زیب تن کر لیں اور تمام مذکر ومونث خواہ انسان ہوں، یا جانور ہوں ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا پھر شہر سے باہر ویرانے میں پہنچے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو چیخ چیخ کر پکارا عاجزی وانکساری کی، مرد وعورت، لڑکے لڑکیاں، مائیں، بچے تمام گڑگڑا کر روئے اور انہوں نے ہی خدا کے سامنے اپنے کو پیش نہیں کیا بلکہ اونٹ اپنے بچوں سمیت بلبلائے، گائیں اپنے بچوں سمیت خرخرائیں بکریاں اپنے بچوں سمیت ممیانے لگیں الغرض انتہائی ہولناک غربت وبے کسی، عاجزی وانکساری اور قیامت کا سا منظر بپا تھا۔

(۱) یونس ۹۸۔ (۲) الانبیاء ۸۷۔۸۸۔ (۳) الصافات ۱۳۹ تا ۱۴۸۔ (۴) القلم ۴۸ تا ۵۰

اور پھر انکا سامنا تو اللہ ارحم الراحمین سے تھا جسکا دریائے رحمت جوش میں آیا اور اپنی قوت وطاقت رحمت ومہربانی سے ان کو اس عذاب سے بال بال بچالیا جو عین ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا، اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ رات کے سیاہ ٹکڑے کی طرح ان پر چھا جانے والا تھا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ ایمان لاتی تو اس کو ایمان لانا نفع دیتا)۔

یعنی پہلے تمام زمانوں میں تمام بستیوں میں جو بھی ہلاک ہوئیں وہ ایمان کیوں نہ لائیں کہ ہم ان کو ایمان کی بدولت بخش دیتے اس سے معلوم ہوا کہ پہلے کوئی بستی والے اپنی ہٹ دھرمی اور کفر وعناد سے نہیں پھرے بلکہ فرمایا (اور جب بھی اسکا انکار کرتے ہیں) لیکن ان تمام بستیوں میں صرف ایک یونس علیہ السلام کی بستی تھی جو اپنے جمود اور نہ ماننے سے ماننے پر آ گئی اور ایمان سے سرفراز ہوگئی فرمایا (سوائے یونس کی قوم کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں دور کردیا اور ان کو ایک عرصے تک نفع مند کیا)۔

یعنی یہ بستی اپنے کمال وتمام کے ساتھ ایمان سے بہرہ ور ہوگئی۔

اور آخرت میں بھی یہ اہل بستی عذاب سے مامون ومحفوظ ہوں گے یا نہیں؟ اس میں بعض علماء مفسرین کا اختلاف ہے، آیات قرآنیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے ارحم الراحمین جس نے دنیا میں ابر رحمت کا سایہ فرمایا آخرت میں بھی اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دے گا کیونکہ خود اللہ نے فرمایا ھم امنو [1] کہ قوم یونس جب ایمان لے آئی۔ تو جب ان کے ایمان کے متعلق خود رب کائنات نے تصدیق کی تو آخرت میں عذاب کیونکر ہوگا؟

اور دوسری جگہ فرمایا: (اور ہم نے اس (یونس) کو ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا تو پھر وہ ایمان لے آئے پھر ہم نے ان کو ایک مدت تک نفع دیا؟

یہاں فرمایا: ایک وقت تک نفع دیا۔ اس سے عذاب اخروی دفع ہونے کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے دنیوی زندگی میں ان کو زندہ رکھ کر دنیوی منافع سے بہرہ مند کیا۔ واللہ اعلم۔

قوم یونس ایک لاکھ تو ضرور تھی۔ اس سے زائد تعداد میں اختلاف ہے۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے دس ہزار تعداد مروی ہے۔

اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ وارسلنہ الی مائتہ الف اویزیدون کہ زائد تعداد کتنی مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بیس ہزار۔

مصنف فرماتے ہیں لیکن اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص مبہم ہے اگر یہ نہ ہوتا تو یہ حدیث اس تعداد کی یقینی تحدید کر دیتی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک لاکھ تیس ہزار افراد تھے۔ اور انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ تیس ہزار سے چند ہزار اور زائد تھے۔ اور ایک اور روایت میں چالیس ہزار تھے۔

اور پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آپ یونس علیہ السلام کا ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا جانا مچھلی والے قصے سے پہلے ہوا یا بعد میں یا آپ دوامتوں کی طرف بھیجے گئے؟ تو اس میں بھی تین اقوال ہیں جو، بالتفصیل ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کردیئے۔

خیر اختلاف مذکورہ سے قطع نظر جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی آگے چل کر لڑکھڑانے لگی اور موجوں اور بھنور میں پھنس گئی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر موجود کسی خاص بوجھ سے غرق ہونے لگی لوگوں نے کہا یہ وزن کی وجہ سے خراب ہے لہٰذا قرعہ اندازی کر کے جس کا نام نکلے اس کو اندر سے نکال کر سمندر میں ڈال دو۔ تاکہ سفینے کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ جب قرعہ اندازی کی تو اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام کے نام یہ نکلی لیکن لوگ آپکی وجہ سے اس قرعہ پر راضی نہ ہوئے لہٰذا دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر بھی آپکا نام نکلا اور آپ نے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے تاکہ سمندر میں چھلانگ کر کشتی والوں کو اس مصیبت سے نجات دلوائیں۔

لیکن کشتی والے نہ مانے اور پھر تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا۔ لیکن اللہ جو چاہے وہی ہو کر رہتا ہے اور اس مرتبہ بھی حضرت یونس علیہ السلام کا نام گرامی نکلا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور بے شک یونس رسولوں میں ہیں۔ جب وہ بھری کشتی کی طرف بھاگے پھر قرعہ ہوا تو وہی (ہر دفع) زک ہوئے۔ پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا وہ ملامت کرنے والے تھے) یعنی جب تیسری دفعہ بھی انکا نام نکلا تو آپ نے اپنے کو سمندر کے حوالے کردیا اودھر اللہ نے بحر اخضر سے

---

(۱) یونس ۹۸

ایک عظیم جسم والی مچھلی بھیجی اور اللہ نے اسکو حکم فرمایا کہ (یہ ہماری امانت ہے) اسکا گوشت نہ کھائے اور نہ اس کی کسی ہڈی کو کچھ نقصان پہنچے کیونکہ یہ تیرا رزق نہیں ہے۔ تو مچھلی نے بحفاظت اللہ کی امانت کو اپنے وجود میں سمویا اور ان کو لے کر تمام سمندروں کا طواف کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس مچھلی کو ایک دوسری اس سے بہت بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب آپ مچھلی کے پیٹ میں ٹھہر گئے تو آپ نے گمان کیا شاید میں مر گیا ہوں تو آپ نے اپنے اعضاء کو جنبش دی تو ان میں حرکت نمودار ہوئی پھر آپ کو پتہ چلا کہ میں زندہ ہوں اور فوراً اللہ کے لئے سجدہ ریز ہو گئے اور بارگاہ رب العزت اور جلال عظمت میں عرض کیا۔

اے پروردگار میں تیرے لئے ایسی جگہ مسجد (سجدہ گاہ) بناتا ہوں جہاں کسی دوسرے نے تیری عبادت نہ کی ہوگی۔

آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ دراز رہے؟ مجاہد، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ صبح کے وقت نگلا تھا اور شام کے وقت آپ کو واپس باہر نکال دیا۔ قتادہ فرماتے ہیں تین دن ٹھہرے، جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سات دن ٹھہرے اور امیہ بن ابی صلت کا ایک شعر بھی اس کے متعلق اشارہ کرتا ہے۔

وانت بفضل منک نجیت یونسا وقد بات فی اضعاف الحوت لیالیا

اور (اے اللہ رب العزت) آپ نے اپنے فضل سے یونس کو نجات دی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں کئی رات رہ چکے تھے۔

اور سعید بن ابی الحسن اور ابو مالک نے فرمایا: آپ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے۔

الغرض اس میں کئی اقوال ہیں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے دن اس میں ٹھہرے واللہ اعلم۔

تو مچھلی آپکو سمندروں کی تاریکیوں میں لیکر جگہ جگہ کی سیر کراتی رہی۔ اور کڑوے نمکین پانی کی اتھاہ تاریکیوں میں آپ کو رکھا آپ نے ہر جگہ سنا مچھلیاں رحمٰن کی تسبیح کر رہی ہیں حتی کہ چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے بھی رحمٰن ورحیم کی تسبیح سنی۔ بے شک وہ آسمانوں کا بھی زمینوں کا بھی اور جو کچھ انمیں ہے اور جو سمندروں میں اور جو تحت الثری ہے سب کا پروردگار ہے ہر چیز یہاں ہو وہاں ہو جہاں کہیں بھی ہو اپنی زبان حال کے ساتھ جو کچھ کہتی ہے وہ سب کچھ سنتا ہے جیسے کہ خود اس نے اپنی عزت وعظمت اور جلال کی خبر دی ہے! وہ ظاہر کو بھی سنتا ہے پوشیدہ کو بھی سنتا ہے۔ اور تکلیف و مصیبت کو دور کرتا ہے۔ ہر آواز کو سنتا ہے خواہ کتنی ہلکی وکمزور کیوں نہ ہو، اور باریک سے باریک تر کو جانتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے قبول کرتا ہے خواہ کتنی بڑی ہو۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنی کھلی کتاب جو محمد ﷺ رسول امین پر نازل فرمائی، اس میں فرمایا: اور یاد کرو (مچھلی والے کو جب وہ غصے میں چل پڑا (اور) گمان کیا کہ ہم اسپر قادر نہ ہوسکیں گے۔ پھر اس نے تاریکیوں میں (ہم کو) پکارا کہ بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں ظالموں میں سے ہوں۔ تو ہم نے اس کی پکار قبول کر لی اور اس کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔[1]

یعنی وہاں بھی اللہ نے ان کی فریاد سنی اور ان کی یاوری کی، اور فرمایا کہ انھوں نے خیال کیا کہ ہم اس پر قادر نہ ہوں گے، اس کا مطلب ہے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے اور ایک قول ہے کہ اصل معنی یعنی قدرت مراد ہے جیسے شاعر کہتا ہے۔

فلا عائد ذاک الزمان الذی مضی تبارکت، ماتقدر یکن، فلک الأمر

جو زمانہ چلا گیا وہ واپس آنے والا نہیں ہے تجھے برکت حاصل ہو، جتنے (وقت) پر تو قدرت رکھے (استعمال میں لے لے) تیرے لئے مہیا ہے۔

فرمایا: اس نے ہم کو تاریکیوں میں پکارا اس کی تفسیر میں ابن مسعود، ابن عباس، عمرو بن میمون، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کی تاریکی، سمندری تاریکی، رات کی تاریکی یعنی ان تاریکیوں میں انہوں نے اللہ کو پکارا اور اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔

اور سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں اس مچھلی کو دوسری بڑی مچھلی نگل گئی تھی تو سمندر سمیت کل تین تاریکیاں ہوئیں تھیں۔

اور آگے فرمان ہے: (پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس کے پیٹ میں قیامت تک ٹھہرے رہتے) یعنی آپ نے لا الہ الا اللہ اور دوسری تسبیحات وغیرہ کی اور اللہ کے آگے عاجزی ومسکنت اپنائی اس کی طرف توبہ ورجوع کیا تو اگر ایسا نہ کرتے تو قیامت تک اس میں ٹھہرے رہتے۔

(۱) الانبیاء، آیت ۸۷۔۸۸

یہ مطلب حضرت سعید بن جبیر سے مروی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔
اور ایک قول یہ ہے کہ یعنی اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں آنے سے پہلے تسبیح کرنے والوں اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اور یہ مطلب اکثر علماء کا اختیار کردہ ہے جن میں ضحاک بن قیس، عطاء بن سائب، حسن بصری، ابن عباس، ابو العالیہ، وہب بن منبہ، سعید بن جبیر، ضحاک، سدی وغیرہ ہیں۔ اور ابن جریر نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے۔
اور اس مطلب کی شہادت و تائید وہ روایت کرتی ہے جو مسند احمد میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان (ابن عباس) کو فرمایا:
اے بچے میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں کہ اللہ کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ (کے احکام و فرمان برداری اور اس کی تمام باتوں) کی پرواہ کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ تو اللہ کو عیش میں پہچان وہ تجھ کو تنگی و مصیبت میں پہچانے گا۔
تو جب حضرت یونس علیہ السلام نے نرمی و عیش کے زمانے میں اللہ کو یاد رکھا تو اللہ نے شدت و تنگی میں ان کو یاد کیا۔
[1] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ تبارک وتعالی نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا: اس کو لے لے لیکن نہ ان کے گوشت میں کچھ تصرف کر، اور نہ اس کی کوئی ہڈی توڑ۔ تو مچھلی جب آپ کو لے کر سمندر کی انتہائی نچلی سطح میں پہنچی تو آپ نے کچھ آہٹیں سنی، دل میں کہا یہ کیا ہے؟ تو اللہ نے آپکو وحی فرمائی کہ یہ سمندری جانوروں کی تسبیح ہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے بھی تسبیح کی اور آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح کی فرشتوں نے آپ کی تسبیح سنی تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار، ہم ایک نحیف و کمزور سی آواز کسی اجنبی زمین سے سن رہے ہیں؟ اللہ نے فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے جن سے میرے فرمان کی لغزش ہوگئی ہے تو میں نے اس کو سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا یہ تو نیک بندہ ہے جس کی طرف سے ہر شب و روز آپ کے پاس نیک عمل پہنچتا ہے فرمایا ہاں بہت اچھی تسبیح کرتا ہے۔ پھر فرشتوں نے اس وقت پروردگار کے حضور حضرت یونس علیہ السلام کی سفارش کی۔ تو اللہ نے مچھلی کو حکم فرمادیا اور اس نے آپکو ساحل سمندر پر ڈال دیا۔ اور حالت کمزور تھی اللہ نے فرمایا۔ اور وہ (اسوقت) بیمار تھے۔ [2]
[3] ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا کی!

اللھم لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّلمین

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

یہ دعا عرش کے نیچے گھومنے لگی تو فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ جانی پہچانی کمزور نحیف سی آواز کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے؟ اللہ نے پوچھا کیا اس کو نہیں پہچانا؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ میرا بندہ یونس ہے۔ عرض کیا آپکا بندہ یونس؟ اس کا تو ہر روز مقبول عمل اور مقبول دعا آتی ہے اے پروردگار کیا آپ اسپر رحم نہ فرمائیں گے جو خوشی و عیش میں آپ کو یاد رکھتا تھا تو آپ اس کو مصیبت میں نجات عطا فرمائیں۔ فرمایا کیوں نہیں؟ پھر اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا: تو اس نے ساحل سمندر پر ایک میدان میں لا ڈالا۔ [4]
[5] اور ابن ابی حاتم نے یہ الفاظ بھی زائد ذکر کئے ہیں کہ راوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ اس میدان میں یقطینہ کی

---

(۱) روی ابن جریر فی تفسیرہ البزار فی مسندہ من حدیث محمد ابن اسحاق عمن حدثہ عن عبداللہ بن رافع مولی ام سلمۃ قال سمعت ابا ھریرہ، الخ

(۲) ھذا لفظ ابن جریر اسناداً ومتناً ثم قال البزار لا نعلمہ یروی عن النبی ﷺ الا من ھذا الوجہ بھذا الاسناد کذا قال

(۳) وقد قال ابن ابی حاتم فی تفسیرہ، حدثنا ابو عبداللہ احمد بن عبدالرحمن ابن اخی وھب حدثنا عمی، حدثنی ابو صخر، ان یزید لرقاشی قال سمعت انس بن مالک ولا اعلم الا ان انسا یرفع الحدیث الی رسول اللہ ﷺ

(۴) ورواہ ابن جریر عن یونس عن وھب بہ

(۵) وزاد ابن ابی حاتم قال ابو صخر حمید بن زیاد فاخبرنی ابن قسیط وانا احدثہ ھذا الحدیث انہ سمع ابا ھریرہ

بیل تھی ہم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا کدو کی بیل۔ اور فرمایا کہ ایک پہاڑی بکری اللہ نے ان کے لئے مہیا کردی وہ آتی اور صبح وشام آپکو دودھ پلا کر چلی جاتی حتیٰ کہ آپ کی اچھی خاصی پرورش اور نشوونما ہوگئی۔ (۱)

امیہ ابن ابی صلت کہتے ہیں۔

فانبت یقطینا علیه بر حمة   من الله لو لا الله اصبح ضاویا

پس اللہ کی رحمت سے اسپر کدو کی بیل اُگ آئی اگر اللہ ایسا نہ فرماتے تو وہ لاغر ہی رہتے۔

فرمان الٰہی ہے: (پھر ہم نے اس کو میدان میں ڈلوادیا) یعنی بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں ڈلوایا۔ اور فرمایا (اور وہ بیمار حالت میں تھا) یعنی بدن انتہائی لاغر وکمزور ہو چکا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسے ہو گئے جیسے چوزہ جس پر ابھی پر بھی نہ آئے ہوں۔ اور ابن عباسؓ سدی اور زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس وقت کے بچے کی طرح آپ کی حالت تھی اور بالکل دھنی ہوئی روئی کی طرح نرم ونازک تھے اور بدن پر کچھ نہ تھا۔

آگے فرمایا: (اور ہم نے ان پر کدو کا درخت اگادیا) ابن مسعود، ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، سعید ابن جبیر، وہب بن منبہ، ہلال بن یساف اور عبداللہ بن طاوس، سدی، قتادہ، ضحاک، عطاء الخراسانی اور دیگر حضرات اکابر فرماتے ہیں کہ یہ کدو کا درخت (یعنی بیل) تھی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کدو کی بیل آپ پر اگانے میں بہت فوائد پیش نظر تھے ایک تو اس کے پتے نرم اور شگفتہ ہوتے ہیں اور زیادہ ہوتے ہیں اور اس کا سایہ گھنا ہوتا ہے۔ اور مکھیاں اس کے پاس نہیں بھٹکتی اور اسکا پھل شروع نکلنے سے آخر تک کھایا جاتا ہے۔ کچا بھی پکا ہوا بھی۔ اس کے چھلکے اور بیج بھی کھانے اور دیگر انتفاع کے قابل ہوتے ہیں۔ الغرض اس میں بہت سے فوائد ہیں اور دماغ کی تقویت وغیرہ بھی حاصل ہوتی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان پر ایک پہاڑی بکری کو مقرر فرمادیا تھا جو جنگل میں چر کر آتی اور ان کو اپنا دودھ نوش کراتی۔ اور صبح وشام اسکا یہی معمول تھا یہ حضرت یونس علیہ السلام پر محض اللہ کا احسان اور نعمت ورحمت تھی۔ اسی وجہ سے فرمایا (پھر ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور اس کو غم سے نجات دی) کرب وتکلیف اور تنگی سے ان کو بچالیا، جس میں وہ پہلے مبتلا تھے۔ فرمایا (اس طرح ہم مومنین کو نجات دیتے ہیں) یعنی جو بھی ہمیں پکارے اور ہم سے پناہ وامن طلب کرے تو ہم اس کو ہر بڑی مشقت سے بھی نجات وپناہ دیتے ہیں۔

تفسیر ابن جریر میں سعد بن مالک فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا! (۲)

اللہ کو اس نام سے پکارا جائے تو دعا قبول ہوتی ہے اور جو مانگا جائے عطا ہوتا ہے۔ یعنی یونس علیہ السلام کی دعا کے ساتھ۔ راوی کہتے ہیں میں نے استفسار کیا یا رسول اللہ یہ یونس علیہ السلام کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے؟ فرمایا یہ یونس کے لئے خاص ہے اور مومنین کے لئے عام جب بھی وہ اس کے ساتھ دعا کریں۔ کیا تو نے اللہ کے فرمان کو نہیں سنا؟ (پھر (یونس نے اپنے رب کو) تاریکیوں میں پکارا کہ لا الـه الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین (تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں ہی ظالموں میں سے ہوں)۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ اور اس کو غم سے نجات دی اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں)

پس یہ اللہ کی طرف سے شرط ہے ہر اس کے لئے جو اس سے مانگے۔

(۳) اور سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے یونس کی دعا کے ساتھ دعا کی اس کی دعا قبول ہوگی۔ ابوسعید الاشج اس حدیث کے ایک راوی کہتے ہیں اس حدیث میں خدا کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے (اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں) یعنی جو اس

(۱) وهذا غريب ايضاً من هذا الوجه ويزيد الرقاشي ضعيف ، ولكن يتقوى بحديث ابي هريرة المتقدم، كما يتقوى ذاك بهذا والله اعلم

(۲) قال ابن جرير حدثني عمران بن بكار الكلاعي ، حدثنا يحي ابن صالح ، حدثنا ابو يحي بن عبدالرحمن ، حدثني بشر بن منصور ،عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب قال سمعت سعد بن مالك وهو ابن ابي وقاص يقول ....الخ

(۳) وقال ابن ابي حاتم: حدثنا ابو سعيد الاشج ، حدثنا ابوخالد الاحمر عن كثير بن زيد، عن المطلب بن حنطب قال ابو خالد احسبه عن مصعب يعني ابن سعد عن سعد قال قال رسول الله ﷺ

مذکورہ دعا کے ساتھ دعا کرے گا ہم اس کو اسی طرح ضرور نجات مرحمت فرمائیں گے۔ [1]

یونس علیہ السلام اللہ کے نبی مرسل میں سے ایک برحق نبی ہیں۔

قوله تعالیٰ! وان یونس لمن المرسلین

آپ کا ذکر سورۃ النساء و سورۃ الانعام میں جملہ انبیاء کے ساتھ موجود ہے۔ آپ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔''

ماینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس من متی.

اس حدیث کو بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر محدثین حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔ آپ علیہ السلام کا ایک اور ارشاد ہے:

''کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت دے۔''

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

''مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ نہ ہی یونس بن متی پر۔''

یہ احادیث تواضع و انکساری پر دال ہیں۔

(۱) وهذان طريقان عن سعد وثالث احسن منهما

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا قصہ مبارک

آپ کا نام اور نسب مبارک یوں ہے:

موسیٰ بن عمران بن قاھث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام فرمان باری ہے:

(اے نبی) کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے بے شک وہ مخلص تھے اور رسول و پیغمبر تھے۔ اور ہم نے ان کو طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے ان کو (قرب و تعلق کی بناء پر) سرگوشی کے لئے قریب کیا۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو انکا بھائی پیغمبر بنا کر دیا۔

اللہ عزوجل نے اپنے کلام مقدس میں متفرق مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت ذکر خیر فرمایا ہے۔

کہیں تفصیل سے تو کہیں اختصار سے۔ اور ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں ان تمام جگہوں پر کافی قدر تفصیل سے گفتگو کر آئے ہیں۔ اور اب انشاء اللہ العزیز اس مبارک کتاب میں ان کی زندگی کے شروع سے آخر تک کے حالات کو بیان کریں گے۔ اور اس کے لئے مرجع و ماخذ قرآن و حدیث اور وہ اسرائیلی اقوال منتخب کئے ہیں جو ہمارے اسلاف سے منقول ہیں۔ بس اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اور اسی کا تمام احسان ہے۔

اللہ عزوجل سورۃ قصص میں حضرت موسیٰ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

طٰسٓمٓ :۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (اے محمد) ہم تمہیں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کچھ حالات مومنوں (کو سنانے) کے لئے صحیح صحیح سناتے ہیں۔ کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی۔ اور وہاں کے باشندوں کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے تھے انپر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں ان کو تسلط دیں اور فرعون و ھامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ قصے کو اجمالاً بیان فرمار ہے ہیں اسکے بعد آگے تفصیل فرمائیں گے۔ (اور اب ہم مذکورہ آیتوں کا مطلب بیان کرتے ہیں۔)

پہلے تو فرمایا کہ ہم آپکو موسیٰ اور فرعون کی خبر حق کے ساتھ بتاتے ہیں۔ یعنی ایسی سچائی کے ساتھ گویا کہ آپ خود اس معاملے کا مشاہدہ اور معائنہ فرما رہے ہوں۔

وہ خبر یہ ہے کہ فرعون زمین میں سرکشی اور طغیانی پر اتر آیا تھا اور اہل زمین کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں کر دیا تھا یعنی اللہ کی دھرتی پر ظلم و ستم اور سرکشی، فساد اور فتنے برپا کر رکھے تھے۔ اور دنیوی زندگی کو اپنا مقصود و نظر بنالیا تھا اور پروردگار اعلیٰ کی فرماں برداری سے منہ موڑ لیا تھا۔ اور اس کے بندوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا، مخالف جماعت کو تو ظلم و جبر کی چکی میں پیستا، ان کو کمزور کرتا۔ اور یہ مظلوم افراد بنی اسرائیل کے تھے جو اللہ کے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی آل تھے۔ اور اس وقت روئے زمین پر اللہ کے نزدیک یہی بہتر جماعت تھی۔ لیکن بدبختی قسمت سے ان پر یہ ظالم، غاصب، فاسق، فاجر، کافر بادشاہ بنکر مسلط ہو گیا تھا۔ ان سے اپنی پوجا پاٹ کرواتا۔ اور ان کو انتہائی ذلیل پست اور گھٹیا کاموں میں لگاتا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ان کے نومولود فرزندوں کو بے دردی سے ذبح کروا دیتا اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بڑا ہی ظالم مفسد شخص تھا۔

اور اس ظلم و ستم اور قتل ناحق پر اس کو اس چیز نے برانگیختہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے آپس میں یہ خبر و بشارت عظمیٰ مشہور تھی کہ انہی میں سے ایک بچہ پیدا ہو گا جو بڑا ہو کر فرعون مصر کا تختہ الٹے گا اور پھر بنی اسرائیل کے پاس ملک مصر کے قبضے کی باگ دوڑ آئے گی تو وہ ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اللہ نے ان کو اس ظالم کے شر سے محفوظ رکھا تب سے من جانب اللہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ خوشخبری پھیلی

ہوئی تھی کہ آگے چل کر فرعونوں کا سلسلہ انہی کا ایک فرد ختم کردے گا پھر یہ خبر اس فرعون مصر کو بھی اس کے درباریوں کے ذریعے پہنچی تو اس نے اس وقت سے یہ قانون جاری کر دیا کہ صرف بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن حذر (احتیاط) قدر کو نہیں ٹال سکتی۔

[1]حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر کئی اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ گویا ایک آگ بیت المقدس کی طرف سے چلی آرہی ہے اور آکر اس نے مصر کے گھروں اور تمام قبطیوں (یعنی بنی اسرائیل کے مخالف فرعونیوں کے گروہ) کو جلا ڈالا۔ لیکن بنی اسرائیل کو آنچ نہ پہنچی۔

فرعون نے بیداری کے بعد اپنے ملک کے کاہنوں نجومیوں، جادوگروں اور دیگر ماہرین کو جمع کیا اور سب سے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا ایک بچہ بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا اہل مصر کی ہلاکت اسی کے ہاتھوں ہوگی۔

تب فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل اور لڑکیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

اسی بچے کی پیدائش کی خوشخبری کی طرف پروردگار نے اشارہ فرمایا: (اور ہم نے ارادہ کیا کہ جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں۔ اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو (ملک مصر کا) وارث بنائیں۔ اور ان کو زمین میں قدرت دیں۔ اور فرعون ھامان اور ان کے لشکروں کو ان (بنی اسرائیل) سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔) یعنی ضعیف کو قوی کر دیں اور مظلوم کو زور آور کر دیں اور ذلیل کو عزت دار کر دیں۔ اور یہ تمام کچھ بنی اسرائیل کیلئے فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ (اور ہم نے اس قوم کو (زمین کا) وارث بنایا جو زمین کے مشرق و مغرب میں کمزور کر دیئے گئے تھے وہ زمین جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور تیرے رب کی عمدہ بات بنی اسرائیل کے لئے ان کے صبر کی وجہ سے پوری ہوگئی ہے۔[2]

اور دوسری جگہ فرمایا۔ (پس ہم نے ان کے لئے باغات، چشمے، خزانے اور اچھا ٹھکانا نکالا اسی طرح ہم نے بنی اسرائیل کو اس (ملک مصر) کا وارث بنایا۔[3]

مقصود یہ ہے کہ فرعون نے پورا زور صرف کر ڈالا کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہوں حتی کہ دائیں اور دوسرے محافظ لوگ امید والی عورتوں کی تلاش میں پھرتے رہتے اور پھر ان کے جنم دینے کے وقت کا اندازہ لگاتے۔ پھر جب بھی کوئی عورت لڑکے کو جنم دیتی تو اس کو اسی وقت ذبح کر دیتے۔

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ فرعون نے لڑکوں کے قتل کا حکم اس لئے دیا تھا تا کہ ان کی طاقت و شوکت کمزور پڑ جائے اور یہ ہم سے لڑنے کے قابل نہ رہیں۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ باطل ہے۔ ہاں ایسا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بھی فرعون نے قتل اولاد جاری رکھا تھا وہ اسی لئے تھا تا کہ بنی اسرائیل کی قوت و شوکت کمزور پڑ جائے اور حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے بچوں کا قتل وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش روکنے کے لئے تھا۔

اور اس بات کی تصریح خود قرآن مقدس میں بھی آئی ہے فرمان الٰہی ہے (جب ان کے پاس ہماری طرف سے (موسیٰ) حق کے ساتھ آگئے تو انہوں نے کہا اس پر جو ایمان لاتے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور عورتوں کو زندہ رکھو۔[4] اور اسی وجہ سے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے بھی اور بعد بھی بنی اسرائیل کے بچے قتل ہوئے، بنی اسرائیل نے کہا (اے موسیٰ) ہم کو آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم مصیبت میں تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔[5] تو خلاصہ نکلا فرعون نے پہلے بچوں کے قتل کا حکم موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو ختم کرنے کے لئے دیا تھا پھر بعد میں ان کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے دیا تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی عام تدبیروں کے خلاف وجود میں آکر رہے کیونکہ تقدیر کہتی ہے۔ اے جابر ظالم بادشاہ جو اپنے لشکروں کی کثرت اور اپنی طاقت اور وسیع سلطنت کے بل بوتے غرور میں اکڑا ہوا ہے سن لے کہ بے شک عظیم ذات جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کی لکھی ہوئی بات کو کوئی بدل سکتا ہے اس نے اس بچے کے پیدا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے جس سے تو کانپتا پھر رہا ہے اور جس کے سبب تو نے بے جا اور بیدردی سے بے شمار کلیوں کو ان کے کھلنے سے پہلے ہی قتل کروا دیا۔ اور قدرت کا کرشمہ دیکھ کہ وہ عظیم ذات

(۱) وذکر السدی عن ابی صالح وابی مالک، عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود وعن انس من الصحابة :.....الخ

(۲) اعراف ۱۳۷ (۳) شعراء ۵۷۔۵۹ (۴) سورہ زمر (غافر) ۲۵ (۵) اعراف ۱۲۹

اس بچے کو تیرے ہی گھر میں پرورش کروائے گی۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ عین تیرے بستر پر پرورش کروائے گی۔ اور اس کی غذاء بھی تیرے کھانے پینے میں سے ہوگی۔

اور تیرے گھر میں ہوگی۔ اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھ کہ تو اس کو اپنا بیٹا بنائے گا اور اس کی پرورش کا انتظام کرے گا۔ اور اس کے لئے خادماؤں کو خدمت پر رکھے گا۔ لیکن اپنی بے بسی سوچ کہ تو اصل حقیقت وراز سے بالکل جاہل اور غافل ہوگا (پھر تجھے خدائی کا دعوی کیسے زیب دیتا ہے؟) اور آگے چل کر تیری ہلاکت وبربادی دنیا میں بھی آخرت میں بھی اسی کے ہاتھ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ تیرے پاس حق لے کر آئے گا لیکن تو اس کی مخالفت کرے گا اور اس پر وحی شدہ کو جھٹلائے گا۔

اور اللہ عزوجل قدرت وطاقت کا بے مثال بادشاہ یہ سب کچھ اس لئے دکھائے گا تاکہ تو بھی اور تمام مخلوق بھی دیکھ لے کہ (کیسے اس نے تیری طاقتوں تدبیروں پر پانی پھیرا) بے شک وہی آسمانوں اور زمین کا پرورش کرنے والا ہے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ زبردست طاقت والا ہے بڑے سخت عظیم عذاب والا ہے اور ایسی طاقت وقوت اور ارادے والا ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا۔

کئی مفسرین ذکر کیا ہے کہ قبطیوں (یعنی فرعون کی قوم) نے فرعون کو بنی اسرائیل کے افراد کے کم پڑ جانے کا شکایت کی کہ ان کے لڑکے پے در پے قتل ہوتے جارہے ہیں اور ان کے بڑے لوگ بھی آگے چل کر فنا ہو جائیں گے تو جو مشقت وذلت اور انتہائی گھٹیا کام ان سے لیا جارہا ہے وہ پھر قبطیوں کو کرنا پڑے گا۔

تو فرعون نے اسکا فکر کر کے دوسرا حکم جاری کیا کہ ایک سال تو مارا جائے دوسرے سال چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح سلسلہ چلتا رہے علماء مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برادر کبیر حضرت ھارون خلاصی وچھٹکارے کے سال میں پیدا ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام عین قتل والے سال پیدا ہوئے۔

تو آپکی ماں سخت تنگ دل اور پریشانی میں مبتلا ہوئیں۔ کیونکہ امید (حمل) کے زمانے میں تو آپ نے حتی الوسع اس چیز کو خوب چھپایا تھا اور اللہ کے فضل سے ویسے آپ پر حمل کی علامتیں زیادہ ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ لیکن اب تو معاملہ روز روشن کی طرح واضح تھا اب کسطرح اپنے لال کو چھپائیں؟ اس غم وفکر میں تھیں کہ اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ ایک صندوق بنا کر اپنے بچے کو اس میں رکھ دیں اور صندوق کو کسی رسی سے باندھ رکھیں اور آپ کا گھر دریا کے کنارے تھا آپ بچے کو صندوق ہی میں رکھیں اور دودھ پلاتی رہیں جب کسی کے آنے کا خوف ہو تو صندوق دریا میں بہادیں اور ڈوری کا سرا اپنے پاس کہیں باندھ کر رکھیں جب لوگ چلے جائیں تو پھر واپس کھینچ لیں۔ تو آپ ایسا ہی کرتی رہیں۔

فرمان الٰہی ہے (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پس جب اسپر (کسی کے آنے کا) خوف ہو تو اس کو سمندر میں (صندوق کے اندر رکھ کر) ڈال دے اور خوف نہ کر اور نہ رنج کر ہم اس کو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے۔ اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے۔ پھر اس (صندوق) کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور (موجب) غم ہو بے شک فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر ٹھوکر کھا گئے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کر شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے)۔ (۱)

حضرت ام موسیٰ علیہ السلام کو یہ وحی بطور الہام اور ارشاد (رہنمائی) کے تھی نہ کہ عام رسولوں کی وحی کی طرح۔ جیسے اللہ نے دوسری جگہ شہد کی مکھی کے متعلق بھی یہی الفاظ فرمائے۔ فرمایا (اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور اونچی جگہوں میں گھر بنا پھر ہر قسم کے پھل کھا۔

پھر اپنے رب کے (بتائے ہوئے) سہل راستوں پر چل۔ (اور) ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے)۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ وحی وہ نہیں جو انبیا ورسول کو بھیجی جاتی تھی۔ جبکہ ابن حزم اور کچھ متکلمین کا خیال ہے کہ ام موسیٰ کو وحی انبیا ورسول کی وحی تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ پہلا مذہب ومسلک صحیح ہے اور اہل سنت اور جماعت سے ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو نقل فرمایا ہے۔

(۱) قصص ۷ تا ۹ (۲) سورہ نحل ۶۸۔۶۹

علامہ سہیل فرماتے ہیں ام موسیٰ علیہ السلام کا نام ''ایارخا'' تھا اور ایک قول ہے ''ایاذخت'' تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اللہ عزوجل نے ان کو اس بات کی رہنمائی کی اور یہ بھی الہام کیا کہ رنج وغم اور کسی قسم کا خوف نہ کرنا اگر یہ کہیں چلا بھی گیا تو اللہ اس کو تیرے ہی پاس واپس لائے گا اور مزید خوشخبری یہ کہ اس کو نبوت ورسالت کے رتبہ پر فائز فرمائے گا۔ دنیا وآخرت میں اسکا کلمہ روشن وبلند ہوگا۔

تو حضرت ام موسیٰ اللہ کی ہدایت پر عمل پیرا ہیں۔ تو ایک مرتبہ روزمرہ کی طرح کوئی آیا اور آپ نے ان کو صندوق سمیت دریا میں بہادیا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس دن وہ صندوق کی رسی اپنے پاس باندھنا بھول گئیں اور صندوق رسی سمیت بہتا چلا گیا۔ لب دریا فرعون کا محل بھی تھا۔ صندوق وہاں سے گذرا تو فرمان الٰہی ہے (تو اس کو آل فرعون نے اٹھالیا تا کہ وہ انکا دشمن اور (موجب) رنج ہو)۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے لیکون اور اس میں لام عاقبت کا ہے اور اسکا متعلق التقطہ سے ہے یعنی ان کے اٹھانے کا انجام ان کے لئے برا ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لام مضمون کلام کے ساتھ متعلق ہو اور تعلیل کا ہو تو مطلب یہ ہوجائے گا کہ آل فرعون نے صندوق کو اٹھایا تا کہ ان کے لئے یہ مصیبت کا باعث بنے دوسری تقریر کی تقویت اس فرمان سے ہوتی ہے فرمایا کہ (فرعون اور اور ھامان اور ان کے لشکر خطا کھا گئے) یعنی ان کے لئے ان کا فعل درست نہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس حسرت وعقوبت کا مزہ چکھیں گے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ فرعون کی لونڈیوں نے اس صندوق کو بند حالت میں اٹھایا تھا۔ اور کھولنے کی ان کو ہمت نہ ہوسکی حتیٰ کہ اسی طرح فرعون کی بیوی کے سامنے رکھ دیا جسکا نام آسیہ تھا۔ اور ایک قول ہے کہ آسیہ حضرت یوسف کے زمانے کے مسلمان بادشاہ ریان کی پوتی تھی۔ اور انہوں نے نسب یوں ذکر کیا ہے آسیہ بنت مزاحم ابن عبید بن الریان بن الولید۔ اور ایک قول ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے کی بنی اسرائیل کی خاتون تھی۔ اور ایک قول ہے کہ آپکی پھوپھی تھی۔ علامہ سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

ان کی تعریف وتوصیف حضرت مریم علیہ السلام کے قصے میں ذکر کریں گے انشاء اللہ۔ اور یہ دونوں عظیم ہستیاں جنت میں حضور اکرم ﷺ کی زوجیت کا شرف پائیں گی۔ تو جب آسیہ نے صندوق کا ڈھکن کھولا اور اوپر سے کپڑا ہٹایا دیکھا کہ نبوت ورسالت اور جلالت کے انوارات کے ساتھ چمکتے دمکتے چہرے والا ایک انتہائی خوبصورت بچہ ہے تو آسیہ کی مبارک نظر جیسے ہی اس چاند چہرے پر پڑی تو بچے کی سخت محبت ان کے دل میں فوراً جاگزیں ہوگئی پھر فرعون آیا تو اس نے پوچھا کیا ہے یہ؟۔ اور اس کو ذبح کرنے کا حکم جاری کردیا۔ پھر تو حضرت آسیہ نے اس کے بچاؤ کے لئے فرعون سے التجاء کی اور اس کو ہدیہ مانگنے لگیں اور کہا یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور تیری بھی۔

(توجہ کیجئے) فرعون نے جواب دیا یہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میرے لئے نہیں ہے۔ یعنی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور درحقیقت اس کی یہی بدکلامی اس کو مار گئی۔

کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم اگر فرعون کہہ دیتا کہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو ہدایت سے بہرہ مند ہوجاتا تو بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ مترجم۔)

اس کے بخلاف حضرت آسیہ نے فرمایا قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے تو بے شک اللہ نے اس کی آس پوری کردی اور دنیا میں اس کے ذریعے آسیہ کو ہدایت بخش دی اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے اس کے ذریعے جنت عطا فرمادی اور آسیہ نے آگے کہا یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ اور یوں ہی ہوا کہ پھر یہ دونوں کا لے پالک بیٹا بن گیا کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ آگے فرمایا (اور وہ شعور نہ رکھتے تھے) یعنی ان کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اللہ پاک ان کے ساتھ کیا کررہے ہیں کیونکہ انکا موسیٰ کو اٹھانا فرعون اور اس کے لشکریوں کے لئے عظیم عذاب کا سبب بننے والا تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰ کو اٹھانے والی لڑکی فرعون کی بیٹی دربتہ تھی۔ اور لڑکا ان کے ہاں نہ تھا۔ لیکن یہ اہل کتاب کی غلطی ہے اور آگے اللہ وتبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہوگیا۔ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کردیتے تو قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کردیں غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں۔ (ماں نے) اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی اس پر (دائیوں کے) دودھ حرام کردیئے تھے۔ تو موسیٰ کی بہن نے کہا میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر

خواہی (سے پرورش) کریں۔تو ہم نے (اس طریق سے) ان کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور جان لیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۱)

ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید ابن جبیر، ابو عبیدہ، حسن قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں آیت (اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا) اسکا مطلب ہے سوائے موسیٰ سے دنیا کے تمام تفکرات بھول گئے اور آگے جو ہے (قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی) یعنی بچے کی جدائی سے بے چین ہو کر اپنا صبر کھو بیٹھی اور علی الاعلان اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتی پھرتی۔لیکن (اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے) تو تب ایسا ہوتا۔لیکن ہم نے اس کو صبر و ثبات قدمی کے ساتھ رکھا کیوں؟ (تا کہ وہ مومنین سے ہو جائے اور کہنے لگی اس کی بہن کو) یہ ان کی بڑی بیٹی تھی کہا (اس کے پیچھے پیچھے چل) اور اس کی خبر سے مجھے آگاہ کرتی رہ (تو وہ ایک طرف ہو کر دیکھتی رہی) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی دور دور سے دیکھتی رہی۔اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسطرح دیکھتی رہی کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کو دیکھ رہی اور اسی وجہ سے آگے فرمایا (اور ان کو کچھ خبر نہ تھی) اور ان کو اس کی قطعاً اس طرح خبر نہ ہوئی کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پہنچ گئے تو انہی لوگوں نے اس کی غذا و پرورش کا ارادہ کیا۔لیکن موسیٰ نے کسی عورت کے پستان کو قبول نہ کیا اور نہ ہی کوئی غذاء کھائی تو وہ اس کے متعلق پریشان ہو گئے اور ہر ممکن کوشش کرنے لگے کہ موسیٰ کسی غذاء یا کسی عورت کے دودھ کو نوش کرے فرمان خداوندی ہے (اور ہم نے اسپر پہلے سے (سب کے) دودھ حرام کر دیئے تھے) حتیٰ کو فرعون کے گھر والے موسیٰ کے متعلق اس قدر پریشان ہوئے کہ دایوں کے ساتھ ان کو شہر اور بازار وغیرہ میں عورتوں کے پاس بھیجا شاید کہ کسی عورت کا دودھ ان کو موافق آجائے اور یہ اس کو پسند کرلیں (خدا کی قدرت کو دیکھیں کہ جسکی وجہ سے فرعون نے لاکھوں کو قتل کروایا اللہ پاک اسی کے ذریعے کس طرح انتھک محنتوں سے اس کی پرورش کروا رہے ہیں یہ ہے خدا کی قدرت) الغرض لوگ اسی بچے کے دودھ کے متعلق پریشان تھے اور سب اسپر جھکے پڑے تھے کہ اچانک بہن نے بھائی کو دیکھ لیا اور بہن نے اپنے حقیقت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے لوگوں سے کہا فرمان باری ہے (کیا میں تم کو ایسے گھر والے نہ بتادوں جو تمہارے لئے اس کی کفالت کر سکتے ہیں اور وہ اس کے لئے (پرورش میں) خیر خواہ ہوں؟) لوگوں نے اس کو کہا تجھے ان کی شفقت و خیر خواہی کا کیسے پتہ چلا؟ بہن نے کہا بس یوں ہی میں نے بادشاہ کی خوشی اور اس بچے کے فائدے کے لئے کہہ دیا۔لوگوں نے اس کی بات کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ بچے کو لے گئے وہاں جا کر ماں کو بچہ دیا اور ان کو کیا پتہ تھا کہ یہی اس کی ماں ہے لہذا جب وہ دودھ پلانے لگیں تو بچہ پستانوں کو چمٹ گیا اور خوب جی بھر کر دودھ پیا۔سارے لوگ جو پریشان تھے اب خوش ہو گئے اور ایک بشارت سنانے کے لئے آسیہ کے پاس بھاگا گیا۔آسیہ نے اس عورت یعنی موسیٰ کی والدہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ آپ ہمارے ہاں ہی ٹھہریں اور اس کی پرورش کریں ہم آپکی خدمت کریں گے لیکن ام موسیٰ نے انکار کر دیا اور کہا میرے شوہر اور بچے پریشان ہونگے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس کو میرے ساتھ بھیج دیں میں اس کی پرورش تمہارے واسطے کرتی رہوں گی۔تو آسیہ نے بچے کو ماں کے ساتھ بھیج دیا اور ان کے لئے وظیفہ (بطور تنخواہ کے) مقرر کر دیا اور دیگر ساز و سامان کپڑے اور عطیات اور دیگر اشیاء وغیرہ ساتھ کر دیں۔تو ام موسیٰ موسیٰ کو لیکر اپنی آغوش میں بٹھا کر چلی آئیں اور اسطرح اللہ نے دونوں جگروں کو دوبارہ ملا دیا (بلکہ پہلے خوف تھا اب سرکاری قانون کے تحفظ کے ساتھ دوبارہ ساتھ ہو گیا۔سبحان تیری قدرت۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (پھر ہم نے اس کو اس کی والدہ کے پاس دوبارہ لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور رنج نہ کرے اور تا کہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے) یعنی جیسے ہم نے واپس لوٹانے اور رسالت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا تو اب اس کو واپس لوٹا دیا (اور پہلے کے لوٹانے سے کہیں بہتر طریقے سے لوٹایا ہے) لہذا آئندہ زمانے میں ان کے متعلق رسالت کے وعدے کی سچائی بھی بخوبی معلوم ہو جاتی ہے (اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں) اور والدہ کے پاس اس واپسی کے احسان کو اللہ عزوجل آئندہ زمانے میں جب ان سے کوہ طور پر رات کو ہمکلام ہوئے تو اس احسان کو جتلایا اور فرمایا (اور (اے موسیٰ) ہم نے تجھ پر دوسری مرتبہ احسان فرمایا ہے۔جب ہم نے تیری والدہ کو وحی کی کہ سمندر صندوق میں رکھ دو اور اس کو سمندر میں ڈال دو۔پھر میں دریا کے ساحل پر ڈال دوں گا تو اس کو میرا اور اسکا دشمن لے لے گا۔اور (اے موسیٰ) میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت (کی کشش) ڈالی (تا کہ جو بھی تجھے دیکھے اس کے دل میں تیری محبت جڑ پکڑ لے) اور تیری نگہداشت میری نگرانی میں ہوتی جائے۔) (۲)

(۱) قصص ۱۰ تا ۱۳ (۲) طٰہٰ ۳۷ تا ۳۹

قتادہ اور کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ آخری حصے کا مطلب ہے کہ ہم نے تجھے اپنے دشمن کے گھر پالا تا کہ اچھا کھانا وغذا اور اچھا عمدہ لباس تجھے حاصل ہو اور تیری تمام حفاظت اور پرورش میری تدبیر کے مطابق ہو۔ اور بے شک میں ایسا امور انجام دینے والا ہوں کہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔

آگے فرمایا (اور اے موسیٰ یاد کر) جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جو اس کی کفالت کریں تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس واپس لے آئے تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کرے (اور اے موسیٰ یاد کر کہ پھر تو نے) ایک جان کو بھی قتل کر دیا تھا تو پھر ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور کئی آزمائشوں میں تجھے آزمایا۔[1]

ان کئی آزمائشوں سے کیا مراد ہے؟ اس پر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ۔ اسی پر بھروسہ و توکل ہے۔ یہ تو تھا قرآن کی روشنی میں ان کے بچپن کا کچھ تذکرہ۔ اب ان کی جوانی کا حال سنیے۔

فرمان الٰہی ہے۔

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہوئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عنایت کیا۔ اور ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے ایک موسیٰ کی قوم سے دوسرا ان کے دشمنوں سے تو جو شخص (موسیٰ) کی قوم سے تھا اس نے دوسرے کے مقابلے میں موسیٰ سے مدد طلب کی۔ موسیٰ نے اسکو مکہ مارا اور اسکا کام تمام کر دیا پھر کہنے لگے یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا ہے بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔ بولے کہ اے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے آپ مجھے بخش دیجئے۔ تو خدا نے ان کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہنے لگے اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے اس کی وجہ سے میں آئندہ کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں گا۔[2]

جب اللہ تبارک وتعالیٰ موسیٰ کی والدہ پر موسیٰ کو لوٹانے اور اسپر احسان وانعام کرنے کو ذکر فرما چکے تو اب موسیٰ علیہ السلام کی جوانی اور عین عنفوان شباب کی طاقت کا ذکر فرما رہے ہیں اور آپ کا یہ زمانہ اخلاق اور خلق (بناوٹ جسم) کے مکمل ہونے کا تھا اور اکثر اقوال کے مطابق یہ زمانہ آپکی چالیس سال عمر کا تھا۔ اور اس وقت اللہ نے آپ کو اپنے پہلے وعدے کے مطابق نبوت ورسالت سے نوازا جیسے پہلے ان کی والدہ کو ان کے دودھ پینے کے زمانے میں جتلا چکے تھے فرمایا تھا (بے شک ہم اس کو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے)۔

پھر آپکی رسالت کے ذکر کے بعد مصر شہر سے نکلنے اور مدین شہر میں داخلے اور وہاں اقامت گزینی کا سبب بیان فرمایا۔ اور پھر مدین میں اپنی مدت کو پورا کیا اور وہاں بھی اللہ کی طرف سے انعام واکرام رہا اور سب سے بڑی بات کہ واپسی کے وقت ان کو اپنے ہمکلامی سے مشرف فرمایا۔ جسکی تفصیل عنقریب صفحات پر روشن ہونے والی ہے۔

مصر میں آپکے قتل کرنے کے متعلق فرمایا: (اور موسیٰ) شہر میں داخل ہوئے اور شہر والے غفلت میں تھے) ابن عباس سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، سدی، رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ وقت عین نصف النہار کا تھا۔ جبکہ ابن عباس سے روایت مروی ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان کے وقت میں یہ حادثہ ہوا۔

آگے فرمایا (پس شہر میں دو آدمیوں کو لڑائی میں مصروف پایا) یعنی ایک دوسرے کو مار رہے تھے اور زیر کرنے کی کوشش میں تھے (یہ موسیٰ کے گروہ سے تھے) یعنی بنی اسرائیلی تھے (اور وہ اسکا دشمن) یعنی قبطی تھا ابن عباس، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فرمان ہے۔ آگے فرمایا (تو جو یہ موسیٰ کے گروہ سے تھا اس نے دوسرے کے خلاف موسیٰ سے مدد چاہی) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مصر کے علاقوں میں فرعون کے لے پالک بیٹے کے ساتھ مشہور تھے اور اس وجہ سے انکا رعب ودبدبہ قائم تھا اور آپ فرعون کے گھر میں پلے تھے اسلئے بھی رعب قائم تھا۔ جسکی وجہ سے بنی اسرائیل مرتبے اور وجاہت والے ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے والے کی قوم سے ہونے کی وجہ سے سربلند ہو گئے تھے۔ کیونکہ رضاعی طور پر بنی اسرئیل آپکے ماموں ہوئے تو اس بناء پر بنی اسرائیلی شخص نے حضرت موسیٰ سے مدد مانگی اور آپ اس کی مدد کے لئے پہنچے اور (پھر اس (دوسرے) کو مکہ مارا) حضرت مجاہد فرماتے ہیں یعنی اپنی مٹھی بند کر کے ہاتھ مارا اور قتادہ فرماتے ہیں آپ کے ساتھ ڈنڈا تھا وہ مارا (تو وہ مر گیا)۔ اور یہ قبطی اللہ کے ساتھ کفر وشرک

(۱) طٰہٰ ۴۰۔ (۲) قصص ۱۴ تا ۱۷

کرنے والا تھا تاہم حضرت موسیٰ نے اس کے قتل کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ محض تادیب اور زجر و تنبیہ اور چھڑانا مقصود تھا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ نے فوراً کہا (یہ شیطان (کے بہکاوے) کی وجہ سے ہے بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔ کہا (اے) پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے پس مجھے معاف فرما دیجئے تو (اللہ نے) اس کو معاف فرما دیا، بے شک وہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ کہا پروردگار آپ نے مجھ پر انعام کیا اسوجہ سے آئندہ میں مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا)۔

آگے فرمان الٰہی ہے:

پھر (موسیٰ) صبح کے وقت شہر میں دوڑتے دوڑتے داخل ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے؟) تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان کو (کسی دوسرے کے خلاف لڑائی کے لئے) پکار رہا تھا، تو (موسیٰ نے) کہا تو بے شک تو صریح گمراہ شخص ہے۔ جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو دونوں کا دشمن تھا، پکڑ لیں تو وہ (یعنی موسیٰ کے قوم کا آدمی) بول پڑا کہ جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا (اسی طرح) چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم وستم کرتے پھرو۔ اور اصلاح کرنے والوں میں سے ہونا پسند نہیں کرتے۔ اور ایک شخص شہر کی دوسری طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسیٰ (شہر کے) بڑے لوگ تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمہیں مار ڈالیں۔ سو تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیرخواہ ہوں تو موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکلے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے اور) دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ موسیٰ شہر میں خوفزدہ ہو کر صبح کو باہر آئے کہ معلوم کریں کیا ہوا؟ کیوں کہ حضرت موسیٰ کو خوف تھا کہ معاملہ اوپر پہنچے گا اور ان کو پتہ چلے گا کہ موسیٰ نے قبطی شخص کو بنی اسرائیل کی مدد میں مار ڈالا ہے لہذا ان کو یقیناً معلوم ہوگا کہ موسیٰ بنی اسرائیل میں سے ہے۔

اور پھر اس پر مصائب وظلم جو آئیں گے وہ ظاہر ہے۔ تو آپ اسی غرض سے صبح کو شہر میں آئے اور خوفزدہ حالت میں منتظر تھے کہ کیا ہوتا ہے؟ آپ اسی غور و فکر میں تھے کہ وہی اسرائیلی شخص جو گذشتہ روز موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کر رہا تھا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ سے ایک جان کا قتل سرزد ہوا آج پھر وہی شخص ایک دوسرے قبطی سے بھی برسرپیکار ہے تو اس کے شر و فساد اور لڑائی پر ملامت کی اور جھڑکا اور کہا (تو صریح گمراہ شخص ہے) یہ کہہ کر حضرت موسیٰ اس قبطی کو اسرائیلی کے پنجے سے چھڑانے کے لئے متوجہ ہوئے تو اس اسرائیلی نے (کہا اے موسیٰ کیا آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے گذشتہ روز بھی آپ نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا، آپ تو یہی چاہتے ہیں کہ زمین میں ظلم وستم کرتے پھریں اور نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہوں)۔ بعض مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہ کلام اس اسرائیلی نے کیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے پر گذشتہ روز مطلع ہو چکا تھا۔ اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے سمجھا کہ اب یہ مجھے سزا دیں گے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے اس کو سرزنش کر چکے تھے کہ (تو ہی صریح گمراہ ہے) تو اس طرح اس اسرائیلی بے وقوف شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے راز کو فاش کر دیا اور جو کہنا تھا کہہ دیا جیسے کہ گذرا اور دوسرے مدمقابل قبطی شخص کو بھی پتہ چل گیا (کیونکہ گذشتہ دن سے تمام لوگوں میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی کہ آخر فرعون کے ہم جماعت شخص کو کسی نے قتل کر دیا؟ تو اس طرح یہ قبطی شخص) حضرت موسیٰ کے بارے میں مطلع ہو گیا اور یہ قبطی فرعون کے پاس موسیٰ کے خلاف دعویٰ قتل لے کر گیا۔ لیکن یہ مطلب اکثر لوگوں نے بیان نہیں کیا سوائے بعض حضرات کے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بات اور راز افشاء کرنا قبطی کی طرف سے پایا گیا ہو۔ کیونکہ جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اپنی جان کا خوف ہو گیا اور یہی سمجھا کہ اب بھی دوبارہ اسرائیلی ہی کی مدد کو آ رہے ہیں تو اس نے اپنے وہم وخیال کے مطابق کہا جو کہا یعنی اس کو قطعاً کو معلوم نہ تھا کہ گذشتہ روز مقتول قبطی کا قاتل یہی ہے بلکہ اپنے وہم وگمان کے مطابق اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے آج یہ اسرائیلی کی مدد کو آ رہے ہیں تو کل بھی انہی نے اس اسرائیلی کی مدد میں قبطی کو قتل کیا ہو۔

یا پھر اس قبطی کو اس بات سے وہم ہوا ہو کہ یہ اسرائیلی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی مدد کے لئے اس قدر زور شور سے پکار رہا ہے تو ہو سکتا ہے کل بھی اسی نے قبطی کو قتل کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) القصص ۱۸ تا ۲۱

الغرض جو بھی صورت پیش آئی اس کیوجہ سے دوسرے روز راز کھل گیا اور فرعون کو خبر پہنچ گئی کہ قبطی کا قاتل موسیٰ ہے لہٰذا اس نے اپنے کارندے موسیٰ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیئے، لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ایک آپکا خیر خواہ بھاگا ہوا آپ کے پاس پہنچا، فرمان باری ہے (اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا اور کہا اے موسیٰ) رئیس لوگ آپکے متعلق صلاح کر رہے ہیں تا کہ آپکو قتل کریں پس (جلدی نکل جاؤ (شہر سے) میں آپکا خیر خواہ ہوں۔تو آپ خوفزدہ حالت میں نکلے (کسی کے آنے کا) ڈر کرتے ہوئے (یعنی اسی وقت آپ شہر سے نکل پڑے اور ان کو کسی راستے کا بھی علم نہ تھا اور نہ کوئی لائحہ عمل تھا کہ کہا جائیں گے پس جو راستہ آگے پڑا اس پر چل پڑے اور زبان پر خدا سے فریاد جاری رکھی) پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے بچا لیجئے اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ بتائے اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہیں (اور اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے کہا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) نہ لے جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔تو موسیٰ نے ان کے لئے بکریوں کو پانی لا دیا۔ پھر سائے کی طرف چلے گئے۔اور کہا پروردگار میں اسکا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔(1)

اللہ پاک اپنے بندے اپنے رسول اور اپنے ہمکلام کے متعلق فرما رہے ہیں کہ وہ مصر سے خوفزدہ ہو کر کسی بدانجامی سے بچنے کے لئے نکلے اور خوف تھا کہ کہیں ان کو کوئی فرعون کی قوم کا شخص نہ مل جائے۔لیکن آپ نکل تو پڑے اب جائیں کہاں کس طرف کا رخ کریں؟ آپکو کچھ پتہ نہ تھا کیونکہ آپ پہلے کبھی مصر سے نکلے نہ تھے۔لیکن خدا کی طرف سے آپ کا رخ مدین شہر کو ہو گیا فرمایا (اور جب موسیٰ مدین کی طرف متوجہ ہو گئے تو کہا قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے رستے کی رہنمائی فرمائے۔) یعنی قوی امید ہے کہ یہی راستہ منزل مقصود تک پہنچائے گا اور پھر اسی طرح ہوا اور اس راستے نے آپ کو مقصود تک پہنچایا اور مقصد بھی کیسا؟ انتہائی بلند و عظیم الشان (یعنی خدا سے ہمکلامی اور نبی کی بیٹی سے شادی جس کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

فرمایا (اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے) یعنی مدین شہر میں ایک کنواں تھا اور یہ وہی اصحاب مدین کا کنواں ہے جسکا ذکر گذر چکا اور اس کے اہل تمام ہلاک کر دیئے گئے تھے اور وہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے تھے۔اور علماء کے دو قولوں میں سے ایک کے مطابق اہل مدین کی تباہی موسیٰ کے زمانے سے پہلے ہوئی تھی۔

اور انہی اصحاب کا نام اصحاب الایکہ بھی تھا۔(اور جب آپ مذکورہ کنویں پر پہنچے تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے پیچھے دو عورتوں کو اپنے جانور روکتے پایا) یعنی وہ دونوں لڑکیاں اس غرض سے اپنی بکریوں کو روک رہی تھیں کہ کہیں دوسروں کی بکریوں میں مل نہ جائیں۔ اور یہ دو لڑکیاں تھیں۔

جبکہ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ سات تھیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ کل بیٹیاں تو سات ہی ہوں لیکن یہاں پانی کی خاطر دو لڑکیاں آئیں ہوں۔تو اب اہل کتاب کی بات اگر محفوظ طریق سے صحیح ثابت ہو کہ وہ کل لڑکیاں سات تھیں تب تو دونوں میں مذکورہ طریق کے مطابق موافقت اور ہم آہنگی پیدا ہوگی ورنہ قرآن کی رو سے جو حق ہے وہ دو لڑکیاں ہی تھیں۔تو حضرت موسیٰ نے (پوچھا تمہارا کیا ارداہ ہے؟ کہنے لگیں ہم جب تک پانی نہیں پلاتیں حتیٰ کہ چرواہے چلے جائیں اور ہمارا باپ بڑی عمر والا بوڑھا ہے۔) یعنی ہم کمزور ہیں ان کے ہوتے ہوئے پانی نہیں پلا سکتیں (اور ویسے بھی غیر مردوں میں گھس کر پانی پلانا حیا کے مانع ہے) اور ہمارے والد بھی بوڑھے اور انتہائی ضعیف ہیں وہ نہیں آسکتے (تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی پلا دیا)۔

مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چرواہے جاتے وقت کنویں کے منہ پر بڑی سی چٹان رکھ کر اسکا منہ بند کر دیتے تھے اور یہ دونوں لڑکیاں آخر میں بچا کچا پانی اپنے جانوروں کو پلایا کرتی تھیں۔تو جب یہ روز آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اکیلے ہی اس عظیم الشان چٹان کو اٹھایا اور ان لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔اور پھر پتھر جیسے تھا ویسے ہی رکھ دیا۔امیر المومنین حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس چٹان کو دس آدمیوں

(1) القصص ۲۱ تا ۲۴

کے بغیر نہ اٹھایا جاسکتا تھا (اور اسی طرح ڈول بھی کئی ملکر نکالتے تھے لیکن) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے پانی کا ڈول نکالا اور لڑکیوں کی تمام بکریوں کو کفایت کر گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت کے سائے میں چلے گئے اور یہ درخت کیکر کا تھا۔ کیونکہ آپ نے اسی کو لہلہاتا سرسبز درخت دیکھا تھا۔ پھر پروردگار کے حضور التجاء کی (اے پروردگار جو آپ مجھ پر خیر بھیجیں میں اس کا محتاج ہوں) اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ مصر سے مدین پہنچے تھے لیکن اب تک آپ نے سوائے درختوں کے پتے اور کچھ سبزی کے کچھ نہ تناول کیا تھا اور دشوار گذار راستے کی وجہ سے آپکے جوتے بھی کہیں گر گئے تھے اور آپ برہنہ پا تھے تو ان حالات میں آپ بے کسی کے ساتھ درخت میں تشریف فرما ہو گئے جبکہ آپ اس وقت اللہ کی مخلوق میں اللہ کے سب سے خالص اور قریبی دوست تھے۔ لیکن آپ کا شکم مبارک پشت سے بھوک کی وجہ سے مل گیا تھا اور کھجور کے ایک ٹکڑے تک کے آپ محتاج تھے۔ عطاء بن السائب کہتے ہیں کہ آپکی دعا کہ پروردگار میں آپکی طرف بھیجی ہوئی خیر کا محتاج ہوں۔ آپ نے لڑکیوں کو سنائی تھی۔

جس پر یہ ردعمل ظاہر ہوا جس کو قرآن نے بیان فرمایا:

پھر (تھوڑی دیر میں) انمیں سے ایک عورت شرماتی چلی آئی اور کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں تا کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اس کی اجرت دیں جب وہ ان کے پاس آئے اور ان سے اپنا ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہو۔ ایک لڑکی بولی کہ ابا جان ان کو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں ان میں بہتر وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ) میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دوں اس پر کہ تم آٹھ سال میرا کام کرو گے اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے، میں تم پر تکلیف نہیں ڈالتا تم مجھے انشاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے موسیٰ نے کہا میرے اور آپ کے درمیان یہ (عہد پختہ) ہے میں جو مدت چاہوں پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے۔ (۱)

یعنی جب حضرت موسیٰ فاقے اور مشقت سے لاچار ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھے اور دعا کی تو لڑکیوں نے وہ دعا سن لی پھر یہ اپنے گھر پہنچیں تو ان کے والد ماجد کو حیرت ہوئی کہ آج اتنی جلدی یہ کیسے آگئی ہیں؟ تب انہوں نے حضرت موسیٰ کے متعلق خبر سنائی حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک لڑکی کو حکم دیا کہ وہ اس کو بلا لائے (تو وہ شرم کے ساتھ چلتی ہوئی حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا میرے والد آپکو بلاتے ہیں تا کہ آپ کے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کی اجرت دیں) اور لڑکی نے یہ صراحت پہلے ہی سے اسوجہ سے کر دی تھی تا کہ موسیٰ کو کسی قسم کا شبہ اور شک پیدا نہ ہو اور یہ بات لڑکی کی حیاء شرم کو خوب ظاہر کرتی ہے (تو آپ اس کے پاس آئے اور ان کو اپنا قصہ بیان کیا) یعنی اپنی تمام روداد بیان کی کہ کیا سر میں ہوا اور پھر آپ ظالموں کے پنجے سے چھٹکارا پا کر یہاں تک آتے ہیں تو بوڑھے نے سن کر کہا کہ (خوف نہ کرو آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں) یعنی ان کی سلطنت وحکومت سے نکل کر آچکے ہیں اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔

لڑکیوں کے والد بزرگوار کے بارے اختلاف ہے کہ آیا یہ کون ہیں؟ اکثر اہل علم کے نزدیک مشہور تو یہی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے اسپر تصریح فرمائی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہیں۔ اور ایک حدیث میں بھی ان کے انہی کا نام ذکر ہے۔ تاہم اس حدیث کی اسناد میں نظر ہے۔ اور اسی طرح ایک جماعت نے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد طویل عرصہ حیات رہے حتیٰ کہ آپ کو حضرت موسیٰ نے بھی پایا اور پھر آپ نے اپنی ایک بیٹی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی کی۔

اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر یہی تھے اور انکا اسم گرامی شعیب تھا اور کنوئیں والوں کے سردار تھے لیکن اہل مدین کے پیغمبر نہ تھے۔

اور ایک قول ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کے خسر حضرت شعیب کے بھتیجے تھے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت شعیب کے چچازاد بھائی تھے۔ اور یک

(۱) قصص ۲۵ تا ۲۸

قول ہے کہ حضرت شعیب کی قوم کے ایک شخص تھے۔اور کہا گیا ہے کہ انکا نام یثرون تھا اور اہل کتاب کی کتاب میں ہے کہ یثرون اہل مدین کا کاہن تھا۔یعنی انکا پیشوا اور بڑا عالم تھا۔

اور ابن عباس اور ابوعبیدہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انکا نام یثرون تھا اور ابوعبیدہ نے مزید کہا کہ وہ شعیب علیہ السلام کا بھتیجا تھا۔اور ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ وہ صاحب مدین تھے۔

الغرض جو بھی تھے انہوں نے حضرت موسیٰ کو بطور مہمان کے اچھا ٹھکانہ فراہم کیا اور تمام گفتگو ہوئی اور حضرت موسیٰ کو تسلی دی کہ آپ بے فکر رہیں کیونکہ آپ ظالموں کے چنگل سے نجات پا چکے ہیں۔تو پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک لڑکی نے اپنے والد کو درخواست کی کہ (اباجان آپ ان کو کام پر رکھ لیجئے) تا کہ یہ آپکی بکریاں چرائیں پھر لڑکی نے حضرت موسیٰ کی تعریف بھی ان الفاظ میں کی کہ طاقت ور اور امانت دار ہیں۔

عمر، ابن عباس، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق وغیرہ تمام حضرات فرماتے ہیں کہ جب لڑکی نے یہ بات کہی تو والد نے پوچھا کہ تجھے اس کا علم کیسے ہوا؟۔جواب دیا کہ اس نے وہ چٹان اکیلے اٹھائی تھی جسکو کم از کم دس مرد مل کر اٹھا سکتے ہیں۔اور جب میں اس کے ساتھ آنے لگی تو اس کے آگے ہوگئی لیکن اس نے کہا میرے پیچھے پیچھے چلو۔اور جب راستہ مڑے تو کنکری پھینک کر راستے کی نشاندہی کر دو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔لوگوں میں سب سے زیادہ ذہانت والے تین اشخاص گذر رہے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے آقا، جب انہوں نے اپنی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا اسکا رہن سہن اچھا رکھو۔اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جب اس نے اپنے والد کو حضرت موسیٰ کے متعلق کہا (اے اباجان ان کو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں ان میں یہ سب سے زیادہ طاقت والے اور امانت دار ہیں)۔اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ نے اپنے بعد خلافت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا:

تو شعیب علیہ السلام نے بیٹی کی بات کے جواب میں حضرت موسیٰ کو فرمایا: (کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ آپکی شادی کر دوں (مگر) اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال میری اجرت کر دیں گے (اور) اگر آپ دس سال پورے کروں تو یہ آپکی طرف سے (احسان) ہوگا۔اور میں آپ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا انشاء اللہ آپ مجھکو صابرین میں سے پائیں گے۔[۱]

احناف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ اگر کوئی شخص یوں فروخت کرے کہ ان دو غلاموں یا ان دو لڑکیوں میں سے ایک فروخت کیا۔تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے شادی کر دوں گا۔لیکن اس میں کچھ ہلکی سی نظر ہے۔کیونکہ یہ معاملہ مراوضہ کے قبیل میں سے ہے نہ کہ معاقدہ۔واللہ اعلم۔

اور حضرات حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ کھانا کھلا دینے یا لباس دیدینے کے بدلے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔جیسے کہ رواج ہے۔اور انہوں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ عتبہ بن ندر فرماتے ہیں ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر تھے۔آپ نے طٰسٓمٓ (سورہ قصص) کی تلاوت فرمائی آگے جب آپ موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال کے لئے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور اپنے شکم کی کفایت کی اجرت پر پیش کیا۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ کی ہے لیکن اس میں ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی دمشقی بلاطی ائمہ کے نزدیک ضعیف ہیں جسکی وجہ سے محض اس کی متفرد حدیث سے استدلال و حجت نہیں پکڑی جا سکتی ہاں یہی حدیث ابن ابی حاتم نے ایک دوسرے طریق [۲] سے نقل کی ہے۔جس سے اس کی صحت کا پتہ چلتا ہے۔

---

[۱] ذالک الحدیث الذی رواہ ابن ماجہ فی سننہ مترجما علیہ فی کتابہ "باب استیجار الا جیر علی طعام بطنہ"، حدثنا محمد بن المصفی الحمصی، حدثنا بقیہ بن الو لید، عن مسلمۃ بن علی، عن سعید بن ابی ایوب، عن الحارث بن یزید، عن علی بن رباح قال سمعت عتبۃ بن السندر ...... الخ

(۲) فقال ابن ابی حاتم حدثنا ابوزرعہ حدثنا صفوان حدثنا الو لید، حدثنا عبداللہ ابن لھیعۃ، عن الحارث بن یزید الحضرمی عن علی بن رباح اللخمی قال سمعت عتبۃ بن الندر السلمی صاحب رسول اللہ ﷺ یحدث ان ..... الخ

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا ذکر فرما رہے ہیں۔

موسیٰ نے (کہا یہ (عہد و پیاں) میرے اور آپ کے درمیان ہوا۔ جو مدت میں پوری کروں، مجھ پر کوئی جبر نہیں ہے اور جو ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر کو فرمایا کہ جو آپ نے فرمایا وہ طے ہوا۔ ٹھیک ہے۔ اور اب جو مدت بھی میں پوری کروں مجھے اختیار ہے اور عہد و پیان اور قول و قرار پر خدا شاہد ہے اور ہم دونوں پر وکیل ہے۔

اور اس اختیار کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے بڑی اور کامل مدت کو پورا فرمایا تھا یعنی پورے دس سال تک بکریاں چرائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں روایت فرماتے ہیں[2] کہ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مجھ سے اہل حیرہ کے کسی یہودی نے پوچھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت پوری فرمائی تھی۔ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا ہاں عرب کے بڑے عالم کے پاس جا کر پوچھ سکتا ہوں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں پھر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور عمدہ کو پورا فرمایا اور بے شک اللہ کے رسول نے جب کہا تو کر دکھایا[3] اور یہ بات مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت موسیٰ علیہ السلام نے پوری فرمائی۔ تو کہا دونوں میں سے اکمل اور تمام (یعنی دس سال والی مدت) پوری فرمائی۔[4]

[5] اور حضرت مجاہد سے مرسلاً حدیث مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آگے حضرت اسرفیل علیہ السلام سے استفسار کیا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے پروردگار عزوجل سے استفسار کیا تو پروردگار عزوجل نے فرمایا دونوں مدتوں میں سے زیادہ ابر (یعنی حسن سلوک والی) اور زیادہ وفا والی مدت کو پورا فرمایا۔

اس طرح ابن جریر نے محمد بن کعب سے اس کو روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا دونوں عرصوں میں سے کونسا عرصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورا فرمایا۔ آپ نے جواب مرحمت فرمایا: دونوں میں سے زیادہ وفا والا اور مکمل۔

[6] بزار اور ابن ابی حاتم نے (اضافے کے ساتھ یوں) روایت کیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت مکمل فرمائی؟ آپ نے جواب دیا دونوں میں سے زیادہ وفا اور حسن سلوک والی۔ اور فرمایا اگر تو یہ پوچھے کہ دونوں عورتوں میں سے کونسی سے شادی فرمائی تو چھوٹی سے شادی فرمائی۔

[7] اور انہی دو حضرات نے ایک دوسرے طریق سے اور کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں بھی روایت کی ہے کہ عتبہ بن المنذر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور اپنے شکم کی کفالت (یعنی شادی اور طعام) کے بدلے اپنے آپ کو اجرت پر پیش کیا۔ (اور مدت اجرت کو مکمل کیا) آپ ﷺ سے پوچھا گیا کونسی مدت کو پورا کیا؟ تو فرمایا زیادہ حسن سلوک والی اور زیادہ وفا والی۔

---

(۱) القصص ۲۸ (۲) قال البخاری حدثنا محمد بن عبدالرحیم حدثنا سعید بن سلیمان حدثنا مروان بن شجاع عن سالم الافطس، عن سعید بن جبیر .... الخ (۳) تفرد البخاری من هذا الوجه وقد رواه النسائی فی حدیث الفتون، کما سیاتی من طریق القاسم بن ابی ایوب عن سعید بن جبیره. (۴) وقد رواه ابن جریر عن احمد بن محمد الطوسی، وابن ابی حاتم عن ابیه کلا هما عن الحمیدی عن سفیان بن عیینه، حدثنی ابراهیم بن یحی بن ابی یعقوب، عن الحکم بن أبان عن عکرمه عن ابن عباس الخ بن عیینه عن ابراهیم بن اعین عن الحکم بن ابان عن کرم عن ابن عباس ..... الخ (۵) وقد رواه سنید عن حجاج عن ابن جریج، عن مجاهد مرسلاً

(۶) وقد رواه البزار و ابن ابی حاتم من حدیث عوید بن ابی عمران الجونی. وهو ضعف، عن ابیه عن عبدالله بن الصامت، عن ابی ذر ... الخ

(۷) وقد رواه البزار و ابن ابی حاتم من طریق عبدالله بن لهیعه، عن الحارث بن یزید الحضرمی، عن علی بن رباح، عن عن عتبة المنذر ... الخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے کوچ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے الوداع ہونے کا قصد فرمایا تو اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے والد سے کہہ کر اتنی بکریاں لے لو جس کے ساتھ ہم گذر بسر کر سکیں۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سال ہر بکری کا وہ پیدا ہونے والا بچہ جو اپنی ماں سے رنگت میں مختلف ہو وہ تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عطیہ کر دیئے۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تمام بکریاں سیاہ اور خوبصورت تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ترکیب اختیار فرمائی (جو آپکے لئے بمنزلہ معجزہ کے تھی) کہ آپ نے اپنی لاٹھی لی اور سب بکریوں کو حوض پر پانی پلانے لے گئے اور خود حوض کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ تو جب بھی کوئی بکری سیراب ہو کر واپس آتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پہلو پر مارتے اس طرح ایک ایک بکری کر کے تمام کو گذارا جس کی وجہ سے اللہ کے حکم سے ہر بکری نے دودو بچے جنے اور وہ بھی اپنے رنگت سے مختلف رنگ کے سوائے ایک یا دو بکریوں کے جنھوں نے اپنی رنگت کے بچے جنے اور وہ بچے طاقتور چھوٹے پیروں کی اچھی نسل والی بکریاں ثابت ہوئے۔ اور وہ دودھ سے تھل تھل کرنے والی بکریاں بنیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا: اگر تم شام کو فتح کر لو تو ان بکریوں کی باقی ماندہ نسل کو ضرور پاؤ گے اور وہ سانولے رنگ کی ہوں گی۔

اس حدیث کی مرفوعیت میں نظر ہے۔ اور بعض جگہ یہ موقوف بھی وارد ہوئی جیسے ابن جریر نے فرمایا.....[1] کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر کے ساتھ باہمی مدت کو مکمل کر دیا تو خسر نے ان کو کہا۔ بکری کا ہر وہ بچہ جو اپنی ماں سے رنگت میں مختلف ہو وہ آپ کا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پینے کی جگہ پر کچھ رسیاں اس طرح باندھ دیں کہ بکریوں نے جب ان کو دیکھا تو وہ گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگیں۔ پھر تمام بکریوں نے چتکبرے رنگ کے بچے دیئے سوائے ایک بکری کے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال کے تمام بچوں کو لے کر چل دیئے۔

یہ حدیث مستند سند کی ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی طرح کا واقعہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے ماموں جو ان کے خسر بھی تھے دونوں کے درمیان ہوا تھا جسکا ذکر گذر چکا ہے کہ ماموں "لایان" نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے وہ تمام بکریوں کے بچے عطیہ کر دیئے تھے جو چتکبرے رنگ کے ہوں اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ واللہ اعلم۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی، اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ تم ٹھہرو۔ مجھے آگ محسوس ہوئی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خیر خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تا کہ تم سینک سکو۔ جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی تھی کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں تو خدائے رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چل دیئے۔ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا کہ) اے موسیٰ علیہ السلام آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں سے ہو۔ (اور پھر ہم نے دوسری نشانی دی کہ کہا) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا۔ اور خوف زدہ ہونے سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو۔ یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (جاؤ) کیونکہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔[2]

جیسے گذرا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام بڑی مدت پوری فرمائی تھی تو یہ قول اللہ کے اس فرمان سے بھی اخذ ہوتا ہے کہ فرمایا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت کو پورا کر لیا۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ مروی ہے کہ آپ نے دس سال مکمل فرمائے اور اس کے بعد بھی دس

(۱) قال ابن جریر حدثنا محمد بن المثنی حدثنا معاذ بن هشام، حدثنا ابی، عن قتادہ، حدثنا انس بن مالک (۲) القصص ۲۹ تا ۳۲

سال اور مکمل فرمائے۔

اور فرمایا کہ اپنے اہل کو لے کر چلے۔ یعنی اپنے خسر اور ان کے وطن کو خیر آباد کہا کیونکہ کئی مفسرین کے مطابق آپکو مصر میں اپنے گھر والے یاد آگئے تھے اور ان کی زیارت کے مشتاق تھے تو اس قصہ سے اپنے اہل خانہ یعنی بیوی اور بکریاں اور ان کے بچے یعنی آپکی ملکیت میں جو بھی نسل بڑھی تھی سب کو لیکر چلے اور آپ خفیہ طور پر مصر میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ راستے میں دوران سفر ایک مرتبہ انتہائی تاریک اور ٹھنڈی رات نے ان کو آلیا۔ جسکی وجہ سے آپ حضرات راستہ بھٹک گئے۔ اور معروف راستے کو نہ پا سکے۔ پھر چقماق سے آگ جلانے کی بار ہا کوشش کی لیکن ظلمت وٹھنڈک انتہائی سخت تھی جس کی وجہ سے آگ نہ جلی اور راستہ کا کچھ پتہ نہ چلا۔

تو آپ اسی کشمکش وپیچ میں تھے کہ کوہ طور پر دور آگ کا شعلہ بھڑکتا دکھائی دیا۔ اور کوہ طور آپکے دائیں طرف مغربی سمت میں تھا۔ تو آپ نے آگ دیکھتے ہی (اپنے اہل کو کہا تم ٹھیرو میں نے آگ محسوس کی ہے) گویا آپ نے اس کو آگ محسوس کیا اور سمجھا جبکہ یہ حقیقت میں تو نور (الہی) تھا۔ اور ہر ایک اس کو دیکھنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔

پھر فرمایا (شاید میں وہاں سے کچھ خبر (راستے کی) لے آؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تا کہ تم سینک سکو) تو اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات انتہائی ٹھنڈی اور تاریک رات میں تھے اور راستہ بھٹک چکے تھے۔

جیسے اسی بات کو دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا: اور کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی۔ جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے اہل کو کہا تم ٹھیرو میں نے آگ محسوس کی ہے شاید اس سے کوئی چنگاری لے آؤں یا آگ (کے مقام سے رستہ معلوم کرلوں۔)[1] اس سے رات کی تاریکی اور حضرت موسیٰ کا رستہ گم کرنا معلوم ہوا اور ان تمام باتوں کو سورۂ نمل میں یوں ارشاد فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو کہا میں نے آگ محسوس کی ہے میں جلد وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی بھڑکتا شعلہ لاتا ہوں تا کہ تم سینک سکو۔[2]

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو کہا میں وہاں سے خبر لاتا ہوں۔ تو بے شک آپ عظیم خبر لائے۔ کونسی خبر؟

اور بے شک وہاں سے سیدھا رستہ معلوم کرلیا۔ کون سا سیدھا راستہ؟ اور بے شک وہاں آگ کی بجائے نور حاصل کیا اور کونسا نور؟

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو ان کو مبارک جگہ میں وادی کی دائیں طرف ایک درخت سے آواز دی گئی: اے موسیٰ میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار۔[3]

اور سورۂ نمل میں یوں فرمایا: پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو ان کو نداء دی گئی کہ آگ میں اور جو کچھ اس کے ارد گرد ہے برکت دی گئی ہے۔ اور اللہ پاک ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔[4] یعنی وہ بے شک پاک صاف اور قدرت والی ذات ہے جو چاہتی ہے کرتی ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتی ہے حکم دے دیتی ہے۔ آگے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام بے شک میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔[5]

اور پھر اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وادی مقدس میں طلب فرمایا اور اس کے آداب کے لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا فرمایا: پھر جب وہ اس کے پاس آگئے تو ان کو آواز دی گئی! اے موسیٰ۔ میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دو بے شک تم مقدس وادی طویٰ میں ہو اور میں نے تم کو چن لیا ہے پس جو تم کو وحی کیا جائے اس کو (کان لگا کر) سنو۔ کہ بے شک میں اللہ ہی ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اسکا بدلہ پائے۔ تو جو شخص اسپر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے نہ روک دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ گے۔[6]

متقدمین ومتاخرین کئی مفسرین نے فرمایا ہے: جب حضرت موسیٰ دیکھی ہوئی آگ کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کانٹے دار سبز درخت میں روشنی بھڑک رہی ہے آگ والی یعنی روشن جگہ خوب بھڑک رہی ہے اور اس کے باوجود درخت بھی اپنی سرسبزی وشادابی کی انتہاء پر ہے تو حضرت موسیٰ متعجب ہو کر دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور وہ درخت پہاڑ کے کنارے اور پہاڑ کے دائیں طرف مغرب سمت میں تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے

(۱) طٰہٰ ۹۔۱۰ (۲) النمل ۷ (۳) القصص ۳ (۴) النمل ۸ (۵) النمل ۹ (۶) طٰہٰ ۱۱تا۱۶

کلام مقدس میں فرماتے ہیں۔[1] (اے محمد) آپ (طور کی) غربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا فیصلہ کیا اور نہ آپ حاضرین میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰ طوی نامی وادی میں تھے۔ اور قبلہ رو تھے۔ اور وہ درخت آپ کے دائیں غربی جانب میں تھا۔ تب ان کے پروردگار نے ان کو مقدس وادی میں نداء دی۔ اور سب سے پہلے ان کو اس مقدس و پاکیزہ وادی کی تعظیم تکریم اور توقیر کے لئے جوتے نکالنے کا حکم فرمایا۔

اور پھر اس رات کی بھی اپنی ایک خاص عظمت تھی۔ کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائے عز وجل سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اہل کتاب کے ہاں ہے کہ آپ نے اس نور کی شدت چمک دمک کی وجہ سے اپنی پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھ لیا تھا۔ کیونکہ اپنی نگاہوں پر بھی خطرہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا ان کے ساتھ کلام فرمایا اور فرمایا: بے شک میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں۔

اور دوسری جگہ فرمایا۔ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے ہر نماز قائم کر۔[2] یعنی صرف میں ہی یکتا سب جہانوں کا پروردگار ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور عبادت اور نماز قائم کرنا بھی محض اسی کے واسطے زیبا ہے اور کسی کی عبادت وصلوٰۃ جائز نہیں۔

پھر اس کے بعد اللہ پاک نے قیامت کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ مبذول کروائی اور خبر دی کہ یہ دنیا دار القرار نہیں ہے۔ اور بے شک دار القرار جسے فنا نہیں وہ تو دار الآخرت ہے جسکا واقع ہونا اور موجود ہونا از حد ضروری ہے فرمایا: تاکہ ہر نفس کو اس کی کوششوں کا بدلہ دیا جائے۔)[3] یعنی ہر شخص جو بھی خیر یا شر کرے گا اسکا بدلہ اس کو ملے گا۔ اس طرح اللہ پاک نے اسی کیلئے عمل کرنے پر ابھارا اور اکسایا۔ اور آگے ان لوگوں کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرنے سے منع فرمایا جو خواہشات کی پیروی میں آخرت کے منکر ہو بیٹھے ہیں فرمایا: پھر اللہ آپ کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں اور آپ کو خوب واضح کر دکھاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے اور ہر چیز اس کے کُن کی محتاج ہے پھر وہ چیز فیکون کا مظاہرہ کر دکھاتی ہے۔

آگے عجیب معجزہ کا ظہور ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ (اور اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟) یعنی وہ عصا جو آپ نے عرصے سے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے جس کو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ محض ایک لکڑی ہے آپ اس کے متعلق کیا کیا کہتے ہیں؟ موسیٰ نے (کہا یہ میری لاٹھی ہے اس کے ساتھ میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ میں اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور کئی فائدے ہیں)۔ یعنی میں اس کو عرصے سے پہچانتا ہوں اور ان ان کاموں میں استعمال کرتا ہوں تو اللہ نے (فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دے۔ ڈالا۔ تو وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔)[4]

یہ عظیم عادت کے خلاف بات تھی اور قطعی برہان ودلیل تھی کہ جو ذات اے موسیٰ علیہ السلام تیرے ساتھ ہمکلام ہے بے شک اس کی شان یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو کن (ہو جا) کہے تو وہ فیکون یعنی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ذات بے شک جو چاہے کرنے والی ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے از خود معجزے۔ اور نشانی کو طلب فرمایا تھا تاکہ مصر میں جو ان کو جھٹلائیں ان کو دکھا سکیں تب اللہ نے ان سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا: لاٹھی ہے۔ فرمایا: اس کو (زمین پر) ڈال دو (پھر ڈال دیا وہ اچانک سانپ بنکر دوڑنے لگا) موسیٰ علیہ السلام اس کے آگے دوڑنے لگے اللہ عز وجل نے حکم فرمایا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور اس کو دم سے پکڑ لو تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس پر ہاتھ پڑا وہ واپس عصا کی صورت میں آ گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔ ہم نے حکم دیا (اور اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر (ڈالی تو) اس کو دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے گویا کہ سانپ ہے تو موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر دوڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔)[5]

یعنی بہت بڑا عظیم جسم والا سانپ ہے، جو انتہائی موٹا اور ہولناک ہے اسکا عظیم منہ کھلا ہوا ہے۔

جس کو اژدھا کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ انتہائی تیز دوڑ رہا ہے جیسے کہ "جان" سانپ تیزی سے دوڑتا ہے۔ اور یہ سانپوں میں ایک انتہائی چھوٹی اور سریع الحرکت قسم ہے یعنی جسم میں تو پتلا اور چھوٹا ہوتا ہے اور حرکت ودوڑ میں بہت تیز ہوتا ہے جسکو جان اور جنان کہا جاتا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے بنے ہوئے اژدھے میں یہ تمام متضاد صفات بیک مجتمع تھیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو پیٹھ

(۱) القصص ۴۴ (۲) طہٰ ۱۴ (۳) طہٰ ۱۵ (۴) طہٰ ۱۷-۲۰ (۵) القصص ۳۱

پھیر کر بھاگے، کیونکہ انسانی فطرت اسی کا تقاضا کرتی تھی۔ اور حضرت موسیٰ نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا تب ان کے پروردگار نے ان کو نداء دی (اے موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ اور خوف نہ کر۔ بے شک تو امن پانے والوں میں سے ہے)۔[1]

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی سنتے ہی واپس مڑے تو پھر حکم الٰہی ہوا (فرمایا: اس کو پکڑ اور خوف مت کر ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔)[2] کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ازحد خوفزدہ ہو چکے تھے اور جب پکڑنے لگے تو اپنے کرتے کی آستین میں ہاتھ لپیٹ کر اس کے منہ میں رکھا۔ اور اہل کتاب کے نزدیک اس کی دم سے پکڑا۔ تو جیسے ہی سانپ پر آپ کا ہاتھ ٹھیرا سانپ لکڑی کی صورت میں واپس آ گیا۔ اور اب یہ پہلے کی طرح دوسروں والی لاٹھی تھی اور بس۔ پس بے شک وہ اللہ پاک ہے، عظیم قدرت والا ہے مشرق ومغرب کا رب ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسری نشانی عطا کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور پھر نکالو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ ڈالکر دوبارہ نکالا تو وہ ایک چاند کی طرح بالکل سپید چمک رہا ہے اور بغیر کسی بیماری کے نہ ہی برص کی بیماری ہے نہ ہی کوئی اور۔ الغرض صرف معجزہ کی بناء پر انتہائی چمکتا ہوا آفتاب بن گیا ہے اسی کو اللہ نے یوں فرمایا (اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی بیماری کے (چمکتا ہوا) سفید نکلے گا اور (جب) خوف ہو تو (واپس) اندر ڈال دے (تو وہ پہلے کی طرح عام ہاتھ ہو جائے گا)۔[3]

یعنی جب ہاتھ کو اس نئی حالت میں دیکھ کر خوف ہو تو واپس اپنے دل پر ہاتھ رکھ اور پہلے جیسا عام ہاتھ ہو جائے گا۔

یہ ہاتھ کو دل پر رکھنے سے خوف کا زائل ہونا بتایا۔ اگرچہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاصیت ہے۔ مگر ایمان کی برکت سے جو شخص بھی پیروی رسول کرتے ہوئے ایسا کرے گا اس کا خوف جاتا رہے گا یعنی جب بھی کوئی خوف وڈر لاحق ہو تو وہ شخص اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لے۔ انشاء اللہ ڈر اور خوف زائل ہو جائے گا۔

اور سورۂ نمل میں فرمایا: (اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر تو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید (اور چمکتا ہوا) نکلے گا تو نشانیوں میں (سے دو نشانیاں ہوئیں ان کو لے کر جاؤ) فرعون اور اس کی قوم کے پاس بے شک وہ مجرم قوم ہے) یعنی یہ دو نشانیاں لاٹھی اور ہاتھ تمہارے پاس خدائی دلیل ہے جنکی طرف سورہ قصص میں اشارہ فرمایا کہ (پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے رب کی طرف سے (ان کو لیکر جاؤ) فرعون اور اس کی قوم کے پاس بے شک وہ فاسق قوم ہیں)۔[4]

ان آیات میں نو نشانیوں کا ذکر فرمایا جن میں سے دو کی صراحت فرمادی اور بقیہ سات ان نشانیوں سمیت سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں مذکور ہیں فرمان باری ہے اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطاء فرمائیں پس بنی اسرائیل سے سوال کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان کو کہا اے موسیٰ میں تو تجھ کو مسحور (جادو زدہ) سمجھتا ہوں۔ کہا تو خوب جانتا ہے ان (نشانیوں) کو سوائے آسمانوں وزمین کے پروردگار کے اور کسی نے نازل نہیں کیا۔ (تمہارے) سمجھانے کے لئے اور اے فرعون میں خیال کرتا ہوں تم ہلاک ہو جاؤ گے۔[5]

یہاں صرف ان کی تعداد کا ذکر فرمایا ہے اور سورۂ اعراف میں ان کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا۔ فرمایا باری تعالیٰ نے: اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ تو جب ان کو آسائشیں حاصل ہوتیں تو کہتے ہیں ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بدشگون کرتے۔ دیکھو ان کی بدشگونی خدا کے ہاں (مقدر) ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے تم ہمارے پاس (خواہ) کیسی ہی نشانی لاؤ تاکہ تم ہم پر جادو کرو مگر ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیوں اور جوئیں اور مینڈک اور خون... کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ اکڑتے ہی رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔[6] اور یہ تو آیات اللہ کی قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچا ہونے پر دلیل ہیں اور ان کے علاوہ وہ دس شرعی آیات یعنی احکامات جو اللہ نے بنی اسرائیل کو فرمائے تھے۔ مثلاً سود نہ کھانا ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو وہ دس آیات شرعیہ ہیں اور یہ نو آیات قدرتیہ ہیں۔ دونوں جدا جدا ہیں۔ یہ تفصیل اسلئے عرض کی گئی کہ بعض راویوں کو وہم ہوا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں یعنی وہ دس کلمات شرعیہ ہی ہیں جنکا ذکر آیت میں ہوا جو صحیح نہیں۔ الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت موسیٰ نے کہا پروردگار میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کیا تھا تو مجھے خوف ہے کہیں وہ مجھے قتل کر

(۱) القصص: ۳۱ (۲) طٰہٰ: ۲۱ (۳) القصص ۳۲ (۴) قصص ۳۲ (۵) بنی اسرائیل ۱۰۱-۱۰۲ (۶) الاعراف ۱۳۰-۱۳۳

ڈالیں اور میرا بھائی ھارون زبان میں مجھ سے زیادہ واضح ہے تو اسے بھی میرے ساتھ مددگار بنا کے بھیج دے تا کہ وہ میری تصدیق کرے (کیونکہ) مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا ہم جلد تیرے بھائی کے ساتھ تجھے تقویت دیں گے اور تم دونوں کے لئے دلیل بنا دیں گے پس وہ (فرعون اور اس کی آل) تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی وجہ سے تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (۱)

ان آیات میں اللہ عزوجل اپنے بندے اور رسول اور اپنے ہمکلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ہم نے ان کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ پروردگار میں مصر میں ان کی ایک جان کو قتل کر کے فرعون سے بچتا ہوا آ گیا تھا۔ اور میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بطور رسول کے بھیج دیجئے تا کہ وہ میری مدد کریں اور وہ مجھ سے زبان میں بھی زیادہ اچھے بولنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کو میرا وزیر بنا دیجئے جو میرے لئے بہتر مددگار اور اچھے متکلم ثابت ہوں۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہمکلام کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے فرمایا ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کے لئے اپنی طرف سے غالب نشانی دیں گے یعنی ایسی دلیل و برہان عطا کریں گے کہ وہ تم کو کچھ بھی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہیں گے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: کہا پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے اور میرا کام مجھ پر آسان فرما دیجئے اور میری زبان سے گرہ (لکنت) کھول دیجئے تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔ (۲)

کہا گیا ہے کہ آپکی زبان مبارک میں کچھ ہکلا پن سا تھا۔ کیونکہ بچپن میں آپ نے اپنی زبان پر انگارہ رکھ لیا تھا۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ آپ نے اپنے بچپن میں فرعون کی داڑھی پکڑی تھی تو فرعون آپکے قتل پر تل گیا تب آسیہ نے کہا یہ تو بچہ ہے (اس نے جان کر نہیں کیا اس کو تو کچھ شعور نہیں ہے) خواہ آپ اس کے سامنے کھجور اور انگارہ رکھ کر آزمائیں تو فرعون نے آپ کی عقل کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کیا۔ (آپ تھے واقع عقل مند) لہٰذا کھجور کی طرف ہاتھ بڑھانے لگے تو فرشتے نے آ کر آپکا ہاتھ انگارے کی طرف پھیر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ انگارے میں پہنچا تو آپ نے جلدی سے اس کو زبان پر رکھ لیا جس کی وجہ سے آپ کو زبان میں ہکلا پن ہو گیا۔ تو اب خدا سے ہمکلامی کے وقت آپ نے اس کے اس حد تک دور ہونے کی دعا کی کہ وہ بات سمجھ سکیں جیسے دعا میں اوپر گذر را۔

اور بالکل ختم کی دعا نہ فرمائی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول صرف اسی قدر سوال کرتے ہیں کہ ان کی حاجت براری ہو جائے اور بس۔ اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں پھر کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی۔ اور اسی وجہ سے فرعون نے اللہ اسکا برا کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ عیب بھی لگایا تھا کہا تھا (اور وہ (اپنے مافی الضمیر کو) بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا) (۳) تو یہ کیسے رسول ہوگا۔

اور زبان کی صحت کی درخواست کے بعد ایک دوسری التجاء کی کہ (اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میری قوت کو مضبوط کر دیجئے۔ اور اسے میرے کام میں شریک فرما دیجئے تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں۔ اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ تو ہم کو (ہر حال میں) دیکھ رہا ہے فرمایا اے موسیٰ: تمہاری دعا قبول کی گئی۔ (۴)

یعنی آپکی تمام درخواستوں کو ہم نے قبول کیا اور جو آپ نے طلب کیا وہ سب ہم نے آپ کو عطا کیا۔

یہ حضرت موسیٰ کی خدائے عزوجل کے ہاں وجاہت و مرتبت ہے کہ اپنے بھائی کے لئے رسالت کی سفارش کی تو فوراً قبول ہوئی اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے اور موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ہاں وجیہ یعنی صاحب مرتبہ تھے اسوجہ سے اللہ نے ان کے بھائی کو بھی رسالت کے عمدہ و رفیع مرتبے پر سرفراز فرما دیا۔ فرمایا (اور ہم نے اپنی رحمت سے اس کے لئے اس کے بھائی ھارون کو نبی (بنا کر) دیا)۔ (۵)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سفر حج کے موقع پر ایک آدمی کو یہ سوال کرتے سنا: کہ وہ کون سا بھائی ہے جس نے اپنے بھائی پر اعتماد و بھروسہ کیا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہودج (ڈولی) کے ارد گرد لوگوں سے فرمایا وہ موسیٰ بن عمران ہیں انہوں نے اپنے

(۱) القصص ۳۳۔۳۵ (۲) طٰہٰ ۲۵ تا ۲۸ (۳) زخرف ۵۲۔ (۴) طٰہٰ ۲۹ تا ۳۶ (۵) مریم ۵۳۔

بھائی ہارون کے متعلق بارگاہ خداوندی میں سفارش کی تھی (کہ ان کو نبی بنا دیجئے وہ میرے مددگار ہوں گے) اسی کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (اور ہم نے اس (موسیٰ) کو اسکا بھائی (پیغمبر بنا کر) دیا)۔

سورۂ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں

اور جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ (یعنی) فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا یہ ڈرتے نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کے یہ مجھے جھوٹا سمجھیں گے۔ اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے۔ آپ ہارون کو حکم فرمائیں (کہ وہ میرے ساتھ چلیں) اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے۔ لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

فرمایا: ہرگز نہیں۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ پس فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم جہانوں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (اور اس لئے یہاں آئے ہیں) کہ آپ بنیاسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ (فرعون نے موسیٰ سے) کہا: کیا ہم نے اپنے اندر تمہاری بچپن سے پرورش نہیں کی؟ اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر نہیں کی؟ اور تم نے ایک اور (قتل کا) کام کیا تھا جو تم سے ہوا۔ تو کیا (اب) ناشکرے ہوئے ہو؟[1]

مذکورہ فرمان خداوندی کی تفصیل یہ ہے کہ پھر دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور خدائی پیغام اس کو پہنچایا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کر اور اپنی قید سے ظلم وستم اور قبضے سے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو چھوڑ دے تا کہ وہ جہاں چاہیں اپنے پروردگار کی توحید وعبادت بجالائیں اور اللہ کی عبادت اور اس سے دعا ومناجات کے لئے فارغ ہو جائیں لیکن فرعون نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور سرکشی وفساد پر برقرار رہا اور موسیٰ علیہ السلام کو از راہ تحقیر طعن وملامت کرنے لگا۔

کیا ہم نے بچپن میں اپنے ہاں تیری پرورش نہیں کی؟ اور کیا تو عرصہ دراز ہم میں زندگی بسر نہ کرتا رہا؟

یعنی کیا تو وہی نہیں ہے جس کی ہم نے اپنے گھر میں پرورش کی؟ اور اس پر احسان کئے انعام کئے اور اس میں ایک مدت دراز گذر گئی۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس فرعون سے فرار ہوئے تھے۔ تو رسول بھی اسی کی طرف بنا کر بھیجے گئے۔

(کیونکہ فرعون اس کا نام نہیں تھا بلکہ مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا اور یہ اسکا لقب ہوتا تھا اسلئے اس امر کی صراحت پیش آئی۔ م۔) جبکہ اہل کتاب اس پر مصر ہیں کہ یہ فرعون وہ نہ تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاگ کر گئے تھے بلکہ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں اقامت کے دوران وفات کر گیا تھا۔ اور پھر آپ کو دوسرے فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا۔ (لیکن اہل کتاب کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ مذکورہ آیت قرآنی کے مخالف ہے)۔

اور آگے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو کہتا ہے (اور تو نے کیا جو کیا اور (اب) تو ناشکروں میں سے ہو رہا ہے) یعنی پہلے تو یہاں ایک قبطی جان کو قتل کر گیا تھا۔ اور اس ڈر سے ہم سے بھاگ گیا تھا اور اب ان تمام نعمتوں کا تو انکار کر رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا (کہا مجھ سے وہ اچانک سرزد ہو گیا تھا اور (اس وقت) میں بھٹکنے والوں میں سے (ہو گیا) تھا) یعنی وہ واقعہ مجھ پر نزول وحی سے قبل ہوا تھا (پس میں تم سے خوف کرتا ہوا بھاگ گیا تھا۔ پھر میرے رب نے مجھے نبوت دی اور مجھے رسولوں میں سے بنالیا) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے تربیت وپرورش کے احسان جتلانے کا جواب دے رہے ہیں (اور (کیا) یہی احسانات ہیں جو آپ نے مجھ پر کئے۔ (اور انہی کی وجہ سے) آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے) یعنی جن انعامات واحسانات کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ بنی اسرائیل کے صرف فرد واحد پر تو کئے ہیں جبکہ تم نے اس عظیم الشان قوم بنی اسرائیل کو اپنی بیگار پر لگا رکھا ہے ان سے خدمت لیتے ہو اپنے کام کاج میں لگا رکھتے ہو گویا بالکل غلام بنا رکھا ہے۔ تو وہ آپ کو نظر نہیں آتا؟ صرف بنی اسرائیل کے شخص واحد پر کئے گئے احسانات یاد ہیں؟

فرعون نے کہا سب جہانوں کا مالک کون ہے؟ کہا (جو) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے (وہی سب جہانوں کا مالک ہے) بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔ (فرعون نے) اپنے اردگرد لوگوں سے کہا کیا سنتے نہیں ہو؟ (کہ یہ کیسی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ موسیٰ

(۱) الشعراء ۱۰ تا ۱۹

نے) کہا (وہ) تمہارا اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی پروردگار ہے کہا کہ یہ پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے۔(موسیٰ نے) کہا وہ مشرق ومغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔سب کا پروردگار ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔[(۱)]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان جو بات چیت اور مناظرہ ومباحثہ ہوا اس کو اللہ پاک نے مذکورہ آیتوں میں بیان فرمایا ہے اور فرعون پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دلیل عقلی وحسی قائم کی انکا ذکر فرمایا ہے۔جس سے پروردگار عالم کے معبود حقیقی کو ثابت کیا کیونکہ پہلے فرعون اللہ تبارک وتعالیٰ کے صانع اور قادر ہونے کا انکار کر چکا تھا۔

اور اپنے جھوٹے وہم وخیال میں اپنے معبود ہونے کا زعم کر بیٹھا تھا[(۲)] جس کے بارے میں قرآن میں یوں آیا فرعون نے پھر نوکروں کو جمع کیا پھر پکارا اور کہا میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں اور دوسری جگہ یوں ذکر آیا ہے۔

(اور فرعون نے کہا اے بڑے لوگو: میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا)۔[(۳)]

اور فرعون محض عناد اور سرکشی کی بناء پر خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا اور نہ اس کو بھی خود یقین تھا کہ وہ صرف ایک بندہ الٰہی ہے اور اللہ ہی اسکا رب ہے۔اور اللہ جو خالق اور باری اور مصور ہے وہی یقیناً معبود برحق ہے۔جیسے قرآن میں ہے۔(اور انہوں نے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے انکا انکار کیا اور نہ تو ان کے دل انکا یقین کر چکے تھے۔پس دیکھو لو مفسدوں کا انجام کیسا ہوا؟)۔[(۴)]

اور فرعون کو اللہ کے معبود برحق ہونے کا یقین تھا تبھی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور پوچھا کہ اچھا وہ پروردگار جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے (وہ کون ہے؟) کیونکہ دونوں بھائی پہلے کہہ چکے تھے (بیشک ہم جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں) تو اسوجہ سے فرعون نے پوچھا تھا کہ اچھا وہ رب العلمین کون ہے؟ جس نے تمہیں بھیجا ہے اور نبی بنایا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جواب دیا (کہا (وہ جو) آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا پروردگار ہے اگر تم کو یقین ہو)۔[(۵)] یعنی یہ جو آسمان اور زمین مشاہدے میں نظر آرہے ہیں انکا جو خالق ومالک ہے اور ان کا جو ان کے درمیان بے شمار مخلوقات بادل، ہوائیں، بارش، نباتات، حیوانات ہیں جن کے متعلق ہر ایک کا خیال ہے کہ یہ خود وجود میں نہیں آسکتیں۔بلکہ ان سب کے لئے کوئی موجد اور پیدا کرنے والا خالق ضروری ہے۔تو وہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔اور اسی نے ہم کو تیری طرف بھیجا ہے۔

فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے امراء وزراء اور دیگر مصاحبین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور ازراہ حقارت وعیب کے کہا: کیا تم سنتے ہو؟

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور ان کے ہم نشینوں سب کو مخاطب ہو کر فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی پروردگار ہے۔ یعنی اس نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے آباء واجداد کو بھی پیدا کیا ہے اور گذشتہ تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔اور بے شک تمام لوگوں کو بخوبی یقین ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا اور نہ ہی ان کے ماں باپ نے بلکہ وہ تو محض ایک ذریعہ ہیں۔اور پھر کوئی چیز بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہوسکتی۔تو حاصل کلام معلوم ہوا کہ ان تمام کو اللہ رب العلمین نے پیدا فرمایا ہے۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے زمین وآسمان اور دیگر اشیاء کی تخلیق کا ذکر فرمایا پھر خود ان مخاطبین انسانوں اور ان کے آباء اجداد کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی ان دو چیزوں کو دوسری جگہ فرمایا:

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں حتیٰ کہ ان کے لئے یہ بات خوب واضح ہو جائے کہ وہ (اللہ) حق ہے۔[(۶)]

لیکن فرعون ان تمام نصائح کے باوجود غفلت سے بیدار نہ ہوا اور اپنی گمراہی سے نہ نکلا بلکہ اپنی سرکشی اور عناد اور کفر میں پکا ہو گیا۔اور (کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، بے شک مجنون ہے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی ربوبیت کو مزید بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ مشرق ومغرب اور ان کے درمیان کا پرور

(۱) الشعراء ۲۳ تا ۲۸، (۲) النازعات ۲۳-۲۴ (۳) القصص ۳۸ (۴) النمل ۱۴ (۵) الشعراء ۲۴، (۶) فصلت ۳۵

دگار ہے اگر تم کو عقل[1] ہو۔ یعنی یہ چمکدار ستارے سیارے جو آسمان میں اپنے اپنے محور کے اندر محو سفر ہیں ان کو اس کام میں لگانے والا وہ اللہ ہی ہے اور اسی نے تاریکی اور روشنی کو پیدا فرمایا ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور اولین اور آخرین کا پروردگار ہے آفتاب و ماہتاب اور چلنے اور ٹھہرے رہنے والے تمام ستاروں سیاروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ رات کو تاریکی بخشنے والا اور دن کو روشنی سے منور کرنے والا ہے۔ اور یہ تمام اس کے قہر اور اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہے اور آسمان میں تیرتے رہتے ہیں اور تمام اوقات ایک دوسرے کے پیچھے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ تو پس سب کچھ یہ کرنے والا وہ بلند ذات ہے جو خالق ہے مالک ہے اور اپنی مخلوق میں اپنی چاہت کے مطابق تصرف کرنے والی ہے۔

الغرض جب فرعون پر حجت تام ہوگئی اس کا شبہ ختم ہوگیا اور اس کے پاس سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے کچھ باقی نہ رہا تو پھر اپنی حاکمیت وجاہت و سطوت کا سہارا لیتے ہوئے (گویا ہوا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کردوں گا۔ کہا کیا اگرچہ میں تیرے پاس واضح چیز لے آؤں؟ کہا، لے آ اگر تو سچا ہے۔ تو (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنے عصا کو ڈال دیا تو وہ کھلا اژدھا ہوگیا اور اپنے ہاتھ کو (گریبان میں سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے روشن چمکدار ہوگیا۔)[2]

ان دو دلیلوں کے ساتھ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی تقویت فرمائی تھی اور یہ عصا (لاٹھی) اور ہاتھ تھا اور یہ خلاف عادت اور عظیم ترین معجزہ تھے، جن سے عقلیں اور نگاہیں دنگ رہ گئیں تھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھینکی تو لاٹھی ہے لیکن وہ ایسا اژدھا ہوگیا جو عظیم منہ والا اور انتہائی بڑی جسامت والا موٹا اژدھا تھا۔ اور ایسا خوفناک گھبراہٹ طاری کرنے والا منظر پیش کررہا تھا، کہا گیا ہے فرعون نے یہ ہیبت ناک منظر دیکھا اور مشاہدہ کیا تو اس پر انتہائی رعب اور خوف طاری ہوگیا حتی کہ ایسے دست لگ گئے کہ ایک دن میں چالیس مرتبہ سے بھی زائد دفع اس کو قضاء حاجت پیش آنے لگی۔ جبکہ پہلے چالیس دن میں ایک مرتبہ سے زائد قضاء حاجت پیش نہ آئی تھی اور اب معاملہ بالکل برعکس ہوچکا تھا۔ (یعنی ایک دن میں چالیس مرتبہ)

اور اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا دست مبارک اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو سب نے دیکھا کہ وہ چاند کی ٹکیہ کی طرح چمک دمک رہا ہے اور تیز روشنی سے آنکھوں کو خیرہ کررہا ہے پھر اس چاند کو دوبارہ گریبان میں ڈال کر نکالا تو پس پہلے کی طرح کا ایک ہاتھ تھا۔ لیکن یعنی فرعون ان تمام خدائی کرشموں کو دیکھ کر بھی ایمان سے سرفراز نہ ہوا۔ اور ان نشانیوں سے کچھ بھی نفع نہ اٹھایا بلکہ اپنی پہلی حالت پر ڈٹا رہا اور ان نشانیوں کے جواب میں کچھ نہ بن پڑا تو ان کو سحر و جادو قرار دیدیا۔ اور کہا یہ سب کچھ جادو کے سوا کچھ نہیں۔ پھر بجائے ماننے کے جادو کیساتھ ان کے مقابلے کی سوچ میں پڑ گیا۔ اور اپنے کارندوں کو اپنی سلطنت کے اطراف واکناف میں پیغام دیکر بھیج دیا کہ جو بھی بڑے بڑے جادوگر ہیں فرعون کے دربار میں جمع ہوجائیں اسکا بیان کچھ آگے چل کر تفصیل کے ساتھ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

(اے موسیٰ) پھر تم کئی سال مدین میں ٹھہرے رہے۔ پھر اے موسیٰ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آ پہنچے اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے۔ تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہوچکا ہے۔ اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ دونوں کہنے لگے ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکش ہو جائے گا۔ فرمایا ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سنتا اور دیکھتا ہوں۔[3]

ان آیات میں اللہ عزوجل اپنے ہمکلام موسیٰ علیہ السلام کو اس رات کا ذکر یاد دلا رہے ہیں جس رات میں ان پر وحی کی گئی اور نبوت کے عظیم مرتبے پر فائز کئے گئے اور اپنی خاص نشانیاں دیں۔ اور اشارہ فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب تو فرعون کے گھر میں تھا تب بھی میں تجھے دیکھ رہا تھا اور تو میری حفاظت، تربیت، اور میرے رحم وکرم پر تھا پھر میں نے تجھ کو اپنی مشیت وقدرت اور تدبیر کے ساتھ سرزمین مصر سے نکال کر سرزمین مدین میں بسایا۔ اور وہاں تو نے سالہا سال بسر کئے اور پھر میری طرف سے اس مدت کا جو وقت تھا اس کو پورا کرکے واپس آیا۔ اور یہ تمام کچھ میری تقدیر اور تدبیر کے تابع ہوا۔ اور پھر میں نے تجھے اپنے لئے بنالیا یعنی اپنی رسالت اور اپنے ساتھ کلام کے لئے تجھ کو منتخب کرلیا۔

پھر ہم نے تجھ کو دعوت کے لئے بھیجا (تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا) یعنی جب تم فرعون کے

---

(۱) الشعراء ۲۷۔۲۸ (۲) الشعراء ۲۹۔۳۳ (۳) طٰہٰ ۴۰۔۴۶

پاس آؤ تو میرے ذکر کو یاد رکھنا یہ چیز تمہارے لئے اس کے ساتھ گفتگو اور جواب دہی اور اقامت حجت اور اس کو نصیحت کرنے میں مدد بہم پہنچائے گی۔
بعض احادیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک میرا بندہ اپنے ساتھی سے ملاقات کے وقت میرا ذکر کرتا ہے۔
اور اسی کی تائید میں فرمان خداوندی ایک اور جگہ یوں آیا: اے ایمان والو جب تمہاری (دشمن کی) جماعت سے مڈبھیڑ ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۱)
پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم تھا کہ فرعون اپنے کفر وعناد اور ضد پر اڑا رہے گا۔ اور جسکی وجہ سے یہ مخلوق میں خدا کے نزدیک سب سے بدتر بھی تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کے رحم وکرم نرمی ومہربانی اور لطف وعنایت کو ملاحظہ کیجئے کہ اپنے محبوب اور ہمکلام اور اس وقت کی عظیم الشان شخصیت کو اس کافر کے متعلق فرما رہے ہیں کہ نرمی سے بات کرنا۔ یہ اللہ کا اپنی مخلوق پر عنایت درجہ لطف وکرم تھا۔
اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو بھی اسی طرح وعظ ونصیحت فرمائی: فرمایا:
(اے پیغمبر) تم لوگوں کو حکمت اور اچھے طریقے سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔ (۲)
اور دوسری جگہ فرمایا: اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو اچھا ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا۔ (۳)
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرمان الٰہی ہے:
دونوں اس کو نرم بات کہو: یعنی یہ بات معذرت وخیر خواہی کے ساتھ اسے سمجھاؤ کہ تیرا پروردگار ہے اور ہمیں دوبارہ آخرت میں لوٹایا جائے گا۔ اور تیرے سامنے جنت وجہنم ہو جائیں گے۔ (لہٰذا اپنی عاقبت کا خیال کر)۔
اور وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے اے موسیٰ وھارون اس کو نرم بات کہو اسے سمجھاؤ کہ میں غضب وعذاب کی نسبت عفو ودرگذر کے زیادہ قریب ہوں تیرے لئے بھی ہمارا در رحمت کھلا ہوا ہے۔ اور حضرت یزید رقاشی اس آیت کے موقع پر فرماتے ہیں اور وہ ذات جو اپنے دشمن سے بھی اس قدر محبت رکھتی ہے تو جو تیرا دوست ہے اور تجھ سے سرگوشیاں کرتا ہے اس کے ساتھ تیری محبت کا کیا حال ہوگا؟
تو جب اللہ پاک کا حکم ہوا کہ جاؤ اور جا کر نرمی سے نصیحت کرو تو (دونوں نے عرض کیا: ہمارے پروردگار ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکش ہو جائے گا) کیونکہ فرعون جبر وستم اور کینہ پرور مردود شیطان تھا۔ مصر کے اطراف واکناف میں دور دراز تک اس کی سلطنت تھی۔ وجاہت ومرتبہ تھا، بڑے بڑے لشکر تھے۔ تو اسوجہ سے طبعی طور پر دونوں بھائیوں نے کچھ خوف محسوس کیا کہ کہیں وہ فرعون پہلے ہی مرحلے پر ان کے ساتھ ظلم وستم کا برتاؤ شروع کر دے۔ تب بلند ذات الٰہی نے ان کو ثابت قدمی کی تلقین کی۔ اور بے شک وہ ذات بلند وبالا ہے فرمایا (۴) (خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں)۔ اسی طرح دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: (ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں)۔
پھر اللہ پاک نے ان کے فرعون کے پاس جانے کو بیان فرمایا (پس وہ دونوں اس کے پاس آئے پھر کہا ہم تیرے پروردگار کی طرف سے قاصد ہیں۔ لہذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو عذاب مت دے۔ بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بے شک ہم کو وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)۔ (۵)
تو اللہ نے ان کو حکم دیا کہ فرعون کو جا کر اللہ کی طرف بلائیں کہ اس کی عبادت کر، وہ وحدہ لاشریک ہے اور کہو کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور اپنے عذاب اور قہر سے اور قید سے ان کو رہائی دیدے۔ اور ہم بطور نشانی کے تیرے پاس وہ لاٹھی اور چمکتا ہاتھ لائے ہیں۔ اور سلامتی تو اسی پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور یہاں فرعون کو سلام کرنے میں بہت عمدہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اگر تو پیروی کرے تو تجھ پر سلام ہے اسطرح اس سلام میں بھی دعوت کا عظیم فائدہ مدنظر رکھا۔ پھر آگے نہ ماننے اور جھٹلانے پر ڈرایا دھمکایا (بے شک ہم کو وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے گا اور منہ موڑے گا اس پر عذاب ہے) یعنی اپنے دل کے ساتھ حق کو جھٹلایا اور اپنے جسم کے ساتھ عمل سے منہ موڑا تو وہ شخص عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔
حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے تشریف لائے تو اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے پاس پہنچے

---

(۱) الانفال ۴۵ (۲) النحل ۱۲۵ (۳) العنکبوت ۴۶ (۴) طٰہٰ ۴۵۔۴۶ (۵) طٰہٰ ۴۷۔۴۸

اور وہ رات کا کھانا تناول فرمار ہے تھے۔ اور کھانے میں شلغم تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کے ساتھ کھانا تناول کرنے میں شریک ہو گئے فراغت کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حارون سے کہا اللہ نے ہم دونوں کو حکم دیا ہے کہ ہم فرعون کو اللہ رب العزت کی عبادت کی طرف بلائیں۔ لہذا میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، دونوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے اور قصر فرعون کی راہ ہو لئے۔ پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربانوں کو فرمایا: فرعون کو جا کر بتلا دو کہ دروازے پر اللہ کے رسول آئے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ آپ سے استہزاء اور مذاق کرنے لگے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ دونوں حضرات کو ایک طویل عرصے بعد اندر جانے کی اجازت ملی تھی۔ اور محمد ابن اسحاق فرماتے ہیں! ان کو دو سال بعد اجازت ملی تھی۔ کیونکہ کسی نے بھی اندر جا کر ان کے متعلق اجازت نہ مانگی تھی۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی شان جلالی کے ساتھ قصر فرعون کے دروازے پر گئے اور اپنے عصا سے دروازہ کھٹکھٹایا تو فرعون گھبرا گیا اور حاضری کا حکم دیا۔ یہ دونوں مردان خدا فرعون کے عین سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور پھر جیسے اللہ نے دعوت کا حکم فرمایا تھا اسی طرح اس کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ ہارون بن لاوی یعنی جو لاوی یعقوب کی نسل سے ہے۔ وہ نکلے گا اور تجھ سے ملاقات کرے گا۔ (اس کو بھی ساتھ لے لینا) اور حکم فرمایا کہ اپنے ساتھ بنیاسرائیل کے مشائخ کو بھی فرعون کے پاس لے چلنا۔ اور فرمایا کہ جو کچھ نشانیاں ہم نے تجھے عطا کی ہیں ان کو ظاہر کرنا۔ لیکن فرعون کا دل میں سخت کردوں گا اور وہ بنی اسرائیل کو نہ چھوڑے گا۔ اور تم میری نشانیاں اور عجائبات کو سرزمین مصر میں خوب شہرہ دینا۔

پھر اللہ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی کی کہ وہ جنگل میں حویب پہاڑ کے پاس پہنچے وہاں تمہاری اپنے بھائی سے ملاقات ہوگی۔

تو حضرت حارون مصر سے نکلے وہاں پہنچے تو دونوں بھائیوں کی آپس میں ملاقات ہوئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ پروردگار نے کیا کیا حکم فرمایا ہے۔ تو دونوں حکم کے مطابق مصر میں داخل ہوئے اور بنی اسرائیل کے بزرگوں اور مشائخ کو اکٹھا کیا اور فرعون کے پاس چلے جب اس کو اللہ کا پیغام پہنچایا تو کہنے لگا اللہ کون ہے؟ (**نعوذ باللہ من قولہ**)

میں تو اس کو نہیں جانتا اور نہ ہی میں بنی اسرائیل کو چھوڑوں گا۔ فرمان الٰہی ہے:

(غرض موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے تو) اس نے کہا اے موسیٰ: تمہارا پروردگار کون ہے؟

کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی۔ پوچھا پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے ان کا علم میرے پروردگار کو ہے، تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنادیا اور اس میں تمہارے لئے راستے جاری کئے اور آسمان سے پانی برسایا۔ اور پھر اس سے انواع واقسام نباتات اگائے۔ (کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ بے شک انمیں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔ [1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق خبر دی کہ وہ صانع تعالیٰ (یعنی دنیا کو بنانے والے کا انکار کر بیٹھا تھا اس طرح کہ اس نے پوچھا تھا اے موسیٰ علیہ السلام بھلا تیرا رب وہ ہے کون؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی پھر اس کو راہ دکھائی۔

یعنی ہم سب کا رب اور مالک وہ ہے جس نے پہلے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کو شکل وصورت بخشی پھر اس کے لئے اس کے اعمال کہ وہ کیا کیا کرے گا اور رزق کہ کیا کیا کھائے گا اور مدت کہ وہ کب مرے گا وغیرہ تمام چیزیں مقرر فرمادی ہیں اور پھر سب کو اپنے پاس لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اور پھر ہر مخلوق کو اس کے کام اس کے رزق وغیرہ کی راہ بتلائی کہ وہ کیسے حاصل کیا جائے، اسطرح اللہ کا کام مخلوقات میں اپنے اندازے اور قدرت اور علم کے عین مطابق چل رہا ہے اور پہلے سے اللہ نے اپنے کمال علم کی بناء پر ہر چیز کی تقدیر لکھدی ہے اور یہ آیت اپنے مفہوم ومضمون میں سورہ اعلیٰ کی اس آیت مبارکہ کی طرح ہے فرمان باری ہے۔ اپنے اس اعلیٰ پروردگار کی تسبیح کر جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو شکل وصورت اور بناوٹ میں درست کر دیا اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کر دیا (اسکی) راہ بتلادی۔ [2]

---

(۱) طٰہٰ ۴۹ تا ۵۵ (۲) اعلیٰ ۱ تا ۳

یعنی ہر چیز کو پیدائش کے بعد ایک انداز ے میں رکھ دیا پھر ہر ایک کو اس کی طرف حصول کا رستہ بتادیا۔ تو خیر جب یہ بات ہو چکی تو فرعون نے بے تکا سوال کیا کہ پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟

یعنی جب تیرا رب تمام مخلوقات کا خالق مالک ہے ان کی روزی و سیلے کا نگہبان اور مقرر کرنے والا ہے اور وہ اس مرتبے پر ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو پھر پہلے لوگوں نے اس کے غیروں کی پرستش کیوں کی؟ اور ستاروں سیاروں سورج چاند وغیرہ کو کیوں معبود بنایا تو تیرے کہنے کے مطابق ان کو اس سے ہٹ کر سیدھے رستے کی رہبری کیوں نہیں کی گئی؟ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) جواب دیا:۔ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس کتاب میں ہے میرا رب کسی بات سے چوکتا نہیں ہے اور نہ بھولتا ہے۔

لہذا اگر پہلے لوگوں نے اس کے غیر کی پرستش کی ہے۔ تو یہ تیرے معبود بننے پر حجت و دلیل نہیں اور نہ ہی میری باتوں کے خلاف دلیل کیونکہ وہ بھی تیرے مثل جہلاء ہی تھے۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا دھرا ہے وہ سب اللہ کے ہاں صحیفوں میں لکھا ہوا محفوظ ہے۔ چھوٹا ہو بڑا ہو ہر چیز کا بدلہ ان کو میرا رب دے گا۔ اور کسی برائی کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ بندوں کے تمام افعال، اعمال اس کے پاس ایسی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں کہ اس سے کوئی چیز گم نہیں سکتی اور نہ میرا رب کسی چیز کو بھول سکتا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے اللہ عزوجل کی عظمت اور تخلیق اشیاء کی قدرت کو بیان فرماتے ہیں کہ اس ذات نے زمین تمہارے لئے بچھونے کے مثل بنادی اور آسمان کو محفوظ چھت بنادیا۔ اور انسانوں مویشیوں اور جانوروں کے رزق کے لئے بادلوں اور بارشوں کو حکم کردیا جیسے فرمایا: تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ۔ بے شک اس میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی عقل صحیح و سلیم اور درست فطرت رکھنے والوں کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں جن سے ان کو بخوبی یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے وہ اللہ ہی خالق و رازق ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں فرمان الٰہی ہے۔

اے لوگو: اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا شاید تم تقویٰ اختیار کرو اسی نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس کے ذریعے پھلوں کو اگایا جو تمہارے لئے رزق ہیں۔ پس اللہ کے لئے شرکاء نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔ (۱)

تو جیسے مذکورہ آیتوں میں زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کرنے اور اس میں پھل پھول کے اگ آنے کو بیان فرمایا اسی طرح قیامت میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہو جانے کو بیان فرمایا۔ فرمایا: اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو دوبارہ لوٹائیں گے اور اس دوسری مرتبہ نکالیں گے۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: جیسے پہلی بار تم کو پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ (۲) اور فرمایا: اور وہ وہی ذات تو ہے جس نے پہلی بار پیدا کیا پھر پیدائش کو دوبارہ لوٹائیگا اور یہ اسپر زیادہ آسان ہے۔ اور اس کے لئے آسمان و زمین میں بہترین مثال ہے۔ اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ (۳)

تو خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دعوت دے رہے تھے اس کے متعلق اللہ نے فرمایا: اور بے شک ہم نے اس کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں لیکن اس نے جھٹلایا اور انکار کردیا۔ کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور پر ہم کو ہماری زمین سے نکال دے اے موسیٰ۔ پس ہم بھی اس کی مثل جادو لائیں گے لہذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کرلو کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں گے اور نہ تم۔ (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان میں (ہوگا) کہا آپکے لئے یوم زینت کا وعدہ ہے۔ اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔ (۴)

اللہ تعالیٰ فرعون کی بدبختی اور اس کی کثرت جہالت اور قلت عقل کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلا بیٹھا اور ان کی اتباع سے تکبر کیا۔ اور عناد کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا: یہ جو کچھ تو لایا ہے محض جادو کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس کے مثل تو ہم بھی لاکر دکھا سکتے ہیں۔ لہذا کوئی جگہ اور وقت مقرر کرلو تا کہ دوبدو مقابلہ ہو جائے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ہی چاہتے تھے کہ ایسا موقع پیش آئے کہ تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو وہ اللہ کی نشانیوں اور براہین و دلائل کو سب کے سامنے روز روشن کی طرح واضح کردیں۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے (فرمایا تمہارے وعدے کا وقت زینت کا دن ہے) اور یوم زینت سب کیلئے اور اجتماعیت کا دن ہوتا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی رمایا: (اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں)۔ یعنی جب آفتاب اپنی روشنی کی انتہاء کو پہنچ جائے یعنی شروع دن میں اکٹھے ہو جائیں تا کہ حق دب واضح اور روشن ہو جائے۔ اور آپ علیہ السلام نے رات کا وقت طلب نہیں کیا تا کہ محال اور باطل سب کے سامنے واضح ہو جائے۔ کیونکہ آپ

(۱) بقرہ ۲۱۔۲۲ (۲) اعراف ۲۹ (۳) الروم ۲۷ (۴) طٰہٰ ۵۶۔۵۹

اپنے رب کی طرف سے بصیرت اور اس یقین کامل پر تھے کہ اللہ ضرور ان کے اور ان کے دین کو غلبہ دیں گے اگر چہ قبطیہ فرعونیوں کے ناک مٹی آلود کیوں نہ ہو۔ اور پھر وہ فرعون تیاریوں کے ساتھ آپہنچا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے مکر وفریب جمع کر کے آیا۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا! افسوس تمہاری کم بختی، خدا پر جھوٹ افتراء نہ باندھو، ورنہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا۔ اور جس نے افتراء کیا وہ نادار رہا۔ تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور سرگوشی کرنے لگے۔ کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں۔

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں۔ اور تمہارے شائستہ مذہب کو نیست و نابود کر دیں تم اپنا جادو کا قبیلہ اکٹھا کر و اور پھر قطار باندھ کر آؤ آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ فرعون کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ اس نے جا کر اپنے علاقوں کے جادوگروں کو جمع کیا اور اس زمانے میں مصر کے علاقوں میں بڑے بڑے جادوگر جگہ جگہ بھرے ہوئے تھے۔ اور اپنے فن میں یدطولی رکھتے تھے۔

لہٰذا فرعون کے کارندوں نے تمام شہروں اور علاقوں سے جادوگروں کو جمع کیا اور وہ انتہائی کثیر تعداد میں اکٹھے ہو گئے ایک قول ہے کہ وہ اسی ہزار تھے اور یہ محمد بن کعب کا فرمان ہے۔ اور قاسم بن ابی بردہ کا قول ہے کہ وہ ستر ہزار تھے۔ اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تیس ہزار اور چند ہزار اوپر تھے۔ اور ابو امامہ سے مروی ہے کہ انیس ہزار تھے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ستر آدمی تھے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ چالیس تو بنی اسرائیل کے غلام تھے۔ ان کو فرعون نے حکم دیا تھا کہ وہ کاہنوں جادوگروں کے پاس جا کر جادو سیکھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرتبہ کہا تھا: بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے تا کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے اور (اس کو بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا۔ (۲)

لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں نظر ہے۔

پھر فرعون ان جادوگروں کو لیکر اپنے امراء وزراء اور دیگر ارکان دولت سمیت، صبح کو حاضر ہو گیا۔ اور فرعون کی طرف سے پہلے منادی کرادی گئی تھی کہ اس عظیم موقع پر سب جمع ہو جائیں۔ لہٰذا لوگ نکلے اور فرعونی کہہ رہے تھے۔

(شاید ہم جادوگروں کے پیروکار ہو جائیں اگر وہ غالب آئے)۔ (۳)

پھر جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے پاس تشریف لائے اور ان کو نصیحت کی۔ اور باطل سحر کے ساتھ ان کو مقابلہ پر آنے سے منع کیا کیونکہ اسطرح وہ اللہ کی نشانیوں اور اس کے دلائل کا مقابلہ کرتے۔ جو خطرناک امر ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کو فرمایا (افسوس تمہاری بدبختی کہ اللہ پر جھوٹ افتراء نہ کرو ورنہ تو وہ تمہیں عذاب کے ساتھ فنا کر دے گا۔ اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد ہوا۔

پھر وہ اپنے معاملے میں جھگڑنے لگے۔

اس کی تشریح میں ایک قول یہ ہے کہ ان کے آپس میں اختلاف ہوا اور کچھ کہنے لگے کہ یہ پیغمبر کا کلام ہے اور یہ جادوگر نہیں ہے۔ کچھ نے کہا بلکہ یہ جادوگر ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اس قسم کی گفتگو کے ساتھ سرگوشیاں کرنے لگے۔

فرمان باری ہے (کہنے لگے یہ صرف دو جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تم کو تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور پر نکال دیں) یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اسکا بھائی ہارون بہت بڑے ماہر جادوگر ہیں۔ اور اس فن جادو میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اور انکا مقصد اس جادو سے صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کر لیں اور پھر بادشاہ اور اس کے مصاحبین پر حملے کی غرض سے چڑھ دوڑیں اور تم سب کا آخر صفایا کر دیں اور اس طرح اس جادو کے بل تم پر تسلط حاصل کر لیں۔

کہنے لگے (پس (اے فرعونیوں) تم اپنے مکر کو جمع کر کے صف کی صورت میں آجاؤ اور بے شک آج تو جس نے غلبہ حاصل کر لیا وہ کامیاب ہو گیا)۔

---

(۱) طٰہٰ ۶۰ تا ۶۴ (۲) طٰہٰ ۷۳ (۳) الشعراء ۴۰

پہلے کی گفتگو باہمی غور وفکر اور تدبیر اور ایک دوسرے کو برانگیختہ کرنے کے لئے تھی تا کہ سب جادوگر اپنے مکروفریب، دھوکہ و بہتان اور جادو کو خوب زور شور سے پیش کریں۔ اور اب اس کے لئے ایک دوسرے کو آگے بڑھنے کا کہنے لگے۔ اور فرعون کے وعدوں پر کامیابی کی آس لگا کر بیٹھ گئے۔

ان پر خدائے عزوجل کی لعنت ہو بے شک ان کے وہم وخیال جھوٹ نکلے۔ ان کی آراء خطا کر گئیں۔ اور بھلا بہتان جادو اور بکواس، اللہ کے معجزات کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں جو اللہ نے اپنے کلیم اپنے رسول کریم پر ظاہر فرمائے اور ایسے دلائل و براہین کے ساتھ ان کی حمایت ونصرت کی گئی۔ جن دلائل میں نگاہیں مبہوت، اذہان وعقول حیران وششدر رہ جائیں۔

تو انہوں نے کہا کہ اپنے مکروفریب کے سامان کو جمع کر لو اور صف کی صورت میں آؤ۔ یعنی سب ملکر یکبارگی اپنے جادو کے کرشمے دکھاؤ۔ پھر وہ ایک دوسرے کو آگے بڑھنے پر برانگیختہ کرنے لگے۔ کیونکہ فرعون نے ان سے طرح طرح کے وعدے کئے تھے اور بڑی امیدیں دلائیں تھیں۔ جبکہ خدا نے فرمایا: اور شیطان نے ان سے صرف دھوکے کا وعدہ کیا ہے۔

تو جب دونوں طرف سے بالکل تیاری ہوگئی اور آمنا سامنا ہو گیا تو (کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ کہا نہیں بلکہ تم ہی ڈالو (جب انہوں نے چیزیں ڈالیں تو اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے نظر آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ (اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا خوف نہ کرو بے شک تم ہی غالب ہو گے۔ اور جو چیز تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے (یعنی لاٹھی) اسے ڈال دو، کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی۔ اور جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادو گروں کے ہتھکنڈے ہیں۔ اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا۔ [1]

جب جادوگر صف بنا کر کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام بھی ان کے مقابل آ ٹھہرے تو جادوگروں نے آپ حضرات کو کہا کہ آیا آپ ہم سے پہلے ڈالتے ہیں یا ہم آپ سے پہلے ڈالیں؟ تو (فرمایا: بلکہ تم ہی ڈالو۔) اور انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں لے رکھی تھیں اور ان کو پارے وغیرہ کی قلعی کر رکھی تھی (یعنی پانی سے ملمع سازی کی ہوئی تھی جیسے کہ آجکل مختلف چیزوں مثلاً شو پیس وغیرہ میں اس طرح پانی لگاتے ہیں کہ ان میں ہر زاویے سے الگ الگ حرکت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ از مترجم)

تو ان لاٹھیوں اور رسیوں میں بھی ایسی کارکردگی کی ہوئی تھی کہ دیکھنے والوں کو وہ دوڑتی معلوم ہوتی تھیں اور درحقیقت وہ مذکورہ وجہ سے حرکت کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ تو لوگوں کی نظروں میں انکا جادو بیٹھ گیا اور وہ مرعوب ہو گئے اور ایسے موقعے پر جادوگر اپنے کرتوتوں کو پھینکتے ہوئے یہ صدائے کفر ہانک رہے تھے کہ (فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غلبہ پانے والے ہیں)۔ [2]

اللہ تعالیٰ اس کی منظر کشی فرماتے ہیں (پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں میں جادو کر دیا اور وہ ان سے مرعوب ہو گئے۔ اور وہ عظیم جادو لائے تھے۔) [3] اور دوسری جگہ یوں فرمایا کہ (پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ان کے جادو سے ایسے نظر آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر سے ادھر سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ (اسوقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا)۔ [4] یعنی حضرت موسیٰ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ عوام الناس ان کے جادو اور باطل مکر کے دھوکے میں نہ آجائیں اس سے پہلے کہ آپ اپنی لاٹھی ڈالیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو حکم الٰہی سے پہلے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ تو اللہ پاک نے بھی اس مضطرب گھڑی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دلانے کے ساتھ وحی فرمائی (کہ خوف نہ کر بے شک تو ہی بلند رہے گا۔ اور جو تیرے دائیں ہاتھ میں (لاٹھی) ہے اسے ڈال دے وہ ان کے کئے کو نگل جائے گی بے شک جو انہوں نے کیا ہے محض جادوگر ہے جہاں چلا جائے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ [5]

تو پیغمبر خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے اپنی لاٹھی ڈال دی (کہ جو کچھ تم جادو لائے ہو۔ بے شک اس کو اللہ باطل کر دیگا اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو درست نہیں کرتا۔ اور اللہ حق کو اپنی نشانیوں کیساتھ ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرمین کو گراں گذرے۔ [6]

اور اسی بات کو سورہ اعراف میں یوں ذکر کیا گیا ہے۔

اور ہم نے (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے

---

(۱) طٰہٰ ۶۵ تا ۶۹ (۲) الشعراء ۴۴ (۳) اعراف ۱۱۶ (۴) طٰہٰ ۶۶۔۶۷ (۵) طٰہٰ ۶۵۔۶۹ (۶) یونس ۸۱۔۸۲

(سانپوں) کو نگل جائے گی۔ (پھر) تو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہو گیا اور وہ مغلوب و ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ (اور) کہنے لگے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔[1]

کئی علماء سلف کے اقوال کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو پھینکا تو وہ عظیم شکل و صورت والا اژدھا بن گیا جسکے پاؤں بھی تھے۔ اور بڑی موٹی گردن اور بھیانک انتہائی چوڑی گھبرا دینے والی شکل تھی۔ جسکو دیکھ کر لوگ ادھر ادھر بھاگ پڑے اور اپنی جگہوں سے ہٹ گئے۔ اور یہ اژدھا جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں کی طرف پلک جھپکنے میں متوجہ ہوا۔ اور آن کی آن میں ایک ایک کر کے سب کو نگلنے لگا اور لوگ انتہائی خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو کر تعجب کے دریا میں ڈوب کر اس کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔ اور جادوگروں نے بھی اپنی ذلت کو دیکھ لیا اور یہ کرشمے ان کے دل و دماغ کے کسی کونے میں بھی نہ تھے۔ تب ان کو دل کی گہرائی سے اپنے علم کے مطابق یقین ہو گیا یہ نہ کوئی جادو ہے نہ شعبدہ ہے نہ محال ہے نہ خیال ہے، نہ جھوٹ ہے نہ بہتان ہے نہ ضلال ہے۔ بلکہ ایسا حق ہے جس پر حق کے سوا کوئی قادر نہیں ہو سکتا اور حق ذات نے یہ سب کچھ ان کے ساتھ تائید اور حمایت کے لئے بھیجا ہے۔

تو اللہ نے ان کے دلوں سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے اور ہدایت کے ساتھ ان کو روشن کر دیا اور قساوت وعناد کی ظلمتیں دلوں سے چھٹ گئیں۔ اور وہ سب اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتے ہوئے پروردگار کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور بانگ بلند حاضرین کو پکارا اور کسی سزا و مصیبت کا خوف نہ کیا۔ پکارا کہ!

ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ اور اس ساری کیفیت کو اللہ نے یوں فرمایا: پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے۔ (فرعون نے) کہا تم ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں؟

بے شک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کٹوا دوں گا۔ اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔ اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ انہوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں۔ اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے ان پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ تو آپکو جو حکم دینا ہو دے دیجئے۔ اور آپ صرف اسی دنیاوی زندگی میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا ہے اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ گار ہو کر آئے گا، تو اس کے لئے جہنم ہے۔ جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا۔ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔[2]

حضرت سعید بن جبیر اور عکرمہ اور قاسم بن ابی بردہ اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب جادوگروں نے سجدہ کیا تو جنت میں جو منازل اور محلات ان کے لئے تیار کئے گئے تھے وہ ان کو دکھلائے گئے۔ اور ان کے آنے کے استقبال میں آراستہ و مزین کئے گئے۔ تو اس وجہ سے انہوں نے فرعون کی وعید اور ڈرانے دھمکانے کی ذرہ پرواہ نہ کی۔

اور فرعون نے دھمکیاں اس وجہ سے دی تھیں کہ جب اس نے ان جادوگروں کو دیکھا کہ اسلام لا چکے ہیں اور تمام عوام الناس کے روبرو حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کا اچھے اوصاف کے ساتھ برملا ذکر خیر کر رہے ہیں۔ تو اس چیز نے فرعون کو گھبراہٹ و پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اور اس چیز نے اس کو مبہوت کر دیا اور اس کی بصیرت و بصارت کو اندھا کر دیا۔ اور فرعون کا جادوگروں کو اس طرح دھمکی دینا کہ میری اجازت کے بغیر ایمان کیوں لائے یہ اس کی سیاست، مکر و فریب اور دھوکہ دہی تھی اور اللہ کے راستے سے روکنے کا عمدہ طریقہ تھا۔ تو جادوگروں کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا (اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دیتا تم ایمان لے آئے) یعنی میری رعیت کے روبرو تم نے اس قدر اہم فیصلہ میری رائے اور مشورے کے بغیر کیوں کر لیا؟ پھر ڈرایا دھمکایا اور عجیب بعید از وہم و گمان جھوٹ ہانکا کہ (بے شک یہ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے) اور دوسری جگہ یوں آیا ہے (یہ تمہارا مکر ہے جو تم نے شہر میں کھیلا ہے تا کہ تم شہر سے اس کے اہل کو نکال لاؤ پس عنقریب تم جان لو گے)۔[3]

---

(۱) اعراف ۱۱۷ تا ۱۲۲ (۲) طٰہٰ ۷۰ تا ۷۴ (۳) اعراف ۱۲۳

اور یہ اسکا بکواس کیا ہوا جھوٹ اور بہتان ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ نرا کفر، کذب اور بکواس ہے۔ بلکہ ایسی انہونی بات تو بچوں سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمام لوگ خواہ اس کے اہل دولت وارکان ہوں یا اور عوام الناس ہوں سب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان جادوگروں نے کبھی زندگی بھر بھی نہیں دیکھا۔ تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے بڑے اور ان کے جادو سکھانے والے استاد کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر مزید یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمع نہیں کیا، اور نہ آپ کو ان کے جمع ہونے کا ہی کچھ علم تھا۔ بلکہ فرعون ہی نے ان کو طلب کیا تھا۔ اور ہر قریب و دور شہر سے اور ہر کشادہ و تنگ راستوں سے اور ہر وادی سے اور مصر کے تمام شہروں اور اطراف و اکناف سے اور شہروں اور دیہاتوں سے جمع کرانے والا بھی فرعون ہی تھا نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پھر اس کی یہ بات عقل سے کتنی دور ہے۔

اسی قصے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں مختلف جگہوں مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اور سورۃ اعراف میں فرمایا:

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا۔ تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا۔ سو دیکھ لو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے فرعون! میں تمام جہانوں کے پروردگار کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانیکی اجازت دے دیجئے۔ فرعون نے کہا اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو لے آؤ اگر سچوں میں سے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت بالکل ظاہر اژدھا ہو گیا۔ اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی طرح دیکھنے والوں کی نگاہوں میں انتہائی سفید ہو گیا، تو قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ علامہ جادوگر ہے۔ اسکا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا رائے ہے؟

انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو موقوف رکھئے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیجئے۔ تاکہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آپہنچے (اور) کہنے لگے کہ اگر ہم بازی لے گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے۔ کہا ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ (جب فریقین روز مقررہ پر جمع ہو گئے تو) جادوگروں نے کہا اے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔

(موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گی۔ پھر تو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہو گیا۔ اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے۔ (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔

فرعون نے کہا: تم اس پر ایمان لے آئے؟ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟۔ بے شک یہ فریب ہے جو تم نے آپس میں مل کر شہر میں رچایا ہے۔ تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب پتہ چل جائے گا۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا، وہ پکار اٹھے ہم تو اپنے پروردگار کی طرف جانے والے ہیں۔ اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کونسی بات بری لگی ہے جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔

ہمارے رب ہم پر استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں تو مسلمانی کی حالت ہی میں وفات دیجیو۔ [1]

اور سورۂ یونس میں تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھی بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی۔ تو

(۱) اعراف ۱۰۳ تا ۱۲۶

جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آ گیا۔ یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر کامیاب ہونے والے نہیں ہیں۔

وہ بولے کہ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا اس سے ہم کو پھیر دو اور ملک میں تم دونوں کی سرداری ہو جائے؟ اور ہم تو تم پر ایمان لاتے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل فن کے جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا جو تم کو ڈالنا ہے ڈالو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو چیزیں تم لائے ہو، جادو ہے۔ خدا اس کو جلد نیست و نابود کر دے گا۔ خدا فساد کرنے والوں کے کام کو سنوارتا نہیں ہے۔ اور خدا اپنے حکم سے سچ ہی کر دے گا اگر چہ مجرم لوگوں کو گراں گذرے۔

اور سورۂ شعرا میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔ (موسیٰ نے) کہا خواہ میں تیرے پاس روشن چیز (یعنی معجزہ ہی) کیوں نہ لے آؤں؟ کہا لے آؤ اگر سچوں میں سے ہو۔ تو (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اژدھا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کے لئے سفید (چمکتا) نظر آنے لگا (فرعون نے) اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہا یہ تو کامل فن جادوگر ہے۔ اور چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے نکال دے، تو تمہاری کیا رائے ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس کے اور اس کے بھائی کے بارے میں کچھ ڈھیل دیجئے۔ اور شہروں میں کچھ پیغام رساں بھیج دیجئے، تا کہ سب ماہر جادوگروں کو جمع کر کے آپکے پاس لائیں۔ تو جادوگر ایک مقررہ دن کی میعاد پر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو جانا چاہئے۔ تا کہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیروکار ہو جائیں۔ جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ بھی ملے۔ فرعون نے کہا ہاں۔ اور تم مقربین میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنا چاہتے ہو ڈالدو۔ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالدیں۔ اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم ہم ضرور غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ جادوگروں کے تمام مکر کو نگلنے لگی۔

تب سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا کیا تم اس پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا۔ اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا انہوں نے کہا کچھ نقصان نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ بخش دے گا۔ اسلئے کہ ہم پہلے پہل ایمان لانے والے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرعون نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا اور اپنی اس بات میں انتہائی درجہ کو عناد کیا، یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے) اور پھر ایسا بہتان باندھا جسکو جاننے والے خوب جانتے ہیں بلکہ پورا عالم جانتا ہے کہ (یہ مکر ہے جو تم نے شہر میں کیا ہے؟ تا کہ تم اس شہر سے اس کے اہل کو نکال دو سو جلد تم جان لو گے)۔

اور فرعون کا یہ کہنا (میں تمہارے ہاتھ پاوں مخالف اطراف سے کاٹ دوں گا) اسکا مطلب ہے کہ دایاں اور بایاں پاوں یا اسکا برعکس۔ اور اس کا یہ دھمکی دینا کہ پھر میں تم کو سولی چڑھا دوں گا۔ اسکا اس سے مقصد تھا کہ لوگوں کے لئے یہ مثال بن جائیں اور پھر کوئی اس کی رعیت یا ملت میں سے ان کی اقتداء نہ کرے۔ اسی وجہ سے کہا (میں تم کو کھجور کے تنوں میں سولی دوں گا)۔ کیونکہ بلند ہوتے ہیں اس سے خوب شہرت اور چرچا ہوگا۔ آگے کہا (اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون عذاب کے اعتبار سے زیادہ سخت اور اسکا عذاب باقی رہنے والا ہے) یعنی دنیا۔

لیکن ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ اسوجہ سے (انہوں نے) جواب دیا ہم ہرگز تجھ کو ترجیح نہ دیں گے اس پر جو ہمارے پاس واضح

نشانیوں اور قطعی دلائل کی عظمت بیٹھ چکی ہے اس کو ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور آگے جو لفظ ہے کہ والذی فطرنا ایک قول تو یہ ہے کہ پچھلے جملے پر اسکا عطف ہے اور ایک قول ہے کہ یہ قسم ہے (پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ اے فرعون ہم تجھ کو خدا پر ترجیح نہ دیں گے اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس نے ہم کو پیدا کیا، جو کچھ تجھے کرنا ہے کر لے) یعنی جو کچھ تیری قدرت اور بس میں ہے وہ کر لے ہمیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ (تو صرف اسی دنیوی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے) کہ اس دنیوی زندگی میں حکم دے کر کوئی عذاب دلوا سکتا ہے۔ پھر جب ہم یہاں سے آخرت کے ہیشگی کے گھر میں منتقل ہو جائیں گے تو پھر اس کے زیر حکم ہو جائیں گے جس کے لئے ہم نے اطاعت کی اور اس کے رسول کی اتباع کی (بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کی مغفرت کرے اور اس کی جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کرایا ہے۔ اور وہ سب سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے یعنی جن عطیوں کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے خدا کا عطا کردہ ثواب بدرجہا بہتر ہے۔ اور ابقی ہے یعنی اس دار فانی سے وہاں کا ثواب دیرپا اور دائمی ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے انہوں نے جواب میں (کہا کچھ نقصان نہیں ہے۔ بے شک ہم تو اپنے رب کی طرف سے لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہم اس سے طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کی مغفرت کر دے)۔ یعنی جو جو گناہ اور حرام کام ہم سے سرزد ہوئے ہیں اللہ ان پر قلم عفو پھیر دے۔ اور ہمیں اپنے رب سے اس کی قوی امید ہے کیونکہ اس کے فضل سے (ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں) قبطیوں میں سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام پر۔

اور ان نومومنین نے فرعون کو یہ بھی کہا تھا کہ (اور تم ہم پر اس کے سوا اور کوئی برائی نہیں جانتے، کہ ہمارے رب کی آیات جب ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے) یعنی تیرے نزدیک ہمارا اور کوئی گناہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ کے رسول پر ہم ایمان لے آئے اور اپنے رب کی نشانیوں پر ہم ایمان لے آئے جب وہ ہمارے سامنے منکشف ہوگئیں۔

اور اللہ کی شان سے انکا ایمان آن کی آن میں اتنا گہرا اور مضبوط ہو چکا تھا کہ پھر انہوں نے فرعون کو بھی نصیحت کی۔ اور اپنے رب عظیم کے عذاب کا ذکر کیا اور اس سے خوف کیا اور ڈرے۔ کہا (بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہونے کی حالت میں آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا) تو اے فرعون تو بچ اس سے کہ کہیں تو ان میں سے نہ ہو جائے اور ایمان لے آ کیونکہ (اور جو شخص اس کے پاس ایمان کی حالت میں آئے گا اس نے عمل صالح کئے ہوں گے تو پس ایسے لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ ہمیشہ کے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ ہے اس شخص کا جو پاک ہوا)۔ لہٰذا اے فرعون تو کوشش کر کہ انمیں تو شامل ہو جائے۔

لیکن فرعون اور ان اٹل فیصلوں کے درمیان فیصلہ ہو گیا جن پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور بلند و بالا ذات کی طرف سے فیصلہ و حکم نافذ ہو گیا کہ فرعون اہل جحیم سے ہے تاکہ دردناک عذاب کا مزہ چکھے اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے۔

اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ زجر و تنبیہ کے طور پر کہا جائے (چکھ بے شک تو زبردست (اور) کریم ہے) یہ اس کو بطور استہزاء کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ انتہائی قبیح گالی کے لائق اور برا اور کمینہ شخص تھا۔

اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون ملعون نے ان ایمان لے آنے والوں کو سولی اور عذاب سے دوچار کر دیا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

عبداللہ بن عباس اور عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ شروع دن میں یہ لوگ جادوگر تھے اور آخر دن میں (انتہائی بلند مرتبہ) شہداء اور نیک لوگ ہو گئے اور اس بات کی تائید ان کی یہ دعا کرتی ہے۔

ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین

[۱] ہمارے رب ہم پر صبر ڈال اور ہم کو اسلام کی حالت میں وفات دے۔

---

(۱) اعراف ۱۲۶

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بڑے بڑے معاند قبطیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کو ابھارنا انتقام اور اذیت کے لئے

جب مذکورہ امر عظیم کا واقعہ پیش آچکا، یعنی فرعون پر مومنین، عظیم واقع میں غالب آگئے اور قبطی لوگ شکست سے دوچار ہوگئے۔ اور جن جادو گروں کے ذریعے انہوں نے موسیٰ کے خلاف مدد طلب کی تھی وہی موسیٰ کے پیروکار ہو کر اللہ کے مطیع وفرماں بردار ہوگئے پھر بھی ان عبرتوں نے قبطیوں میں کچھ اثر ورسوخ کی زیادتی نہ کی بلکہ مزید اپنے کفر عناد اور حق سے دوری میں بڑھ گئے۔ تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا؟ تو اس کے متعلق سورۃ اعراف میں مذکورہ قصے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتے ہیں تا کہ وہ ملک میں فساد مچاتے پھریں اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہوجائیں۔ وہ بولا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اور بلاشبہ ہم انپر غالب ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو بے شک دھرتی اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے گا اور بہترین انجام ڈرنے والوں کا ہے۔ (بنی اسرائیل کے لوگ) بولے کہ آپکے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپکے آنے کے بعد بھی۔ کہا (اب) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور اسی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے۔ پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ آیات میں قوم فرعون کے سرداروں کے متعلق خبر دی ہے اور وہ اپنی اپنی قوم کے مالدار اور رہنما تھے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ فرعون کو برانگیختہ کیا کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کو ستائے اور جو کچھ وہ ایمان ونور لیکر آئے تھے اسپر بجائے ایمان وتصدیق کے کفر ورد اور اذیتوں کے ساتھ اسکا مقابلہ کرے۔

اسی بارے میں انہوں نے کہا (کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے دیتے ہیں کہ وہ زمین میں فساد مچاتے پھریں اور آپکو اور آپکے معبودوں کو پس پشت ڈال دیں)۔

اللہ انکا ناس کرے۔ انکا مقصد تھا کہ حضرت موسیٰ کا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلانا اور دوسروں کی عبادت سے روکنا یہ قبطیوں کے اعتقاد کے مطابق فساد اور خرابہ مچانا ہے۔

اور آیت ویذرک والھتک اس کو بعض قراء نے یوں بھی پڑھا۔

ویــذرک والھتک. پہلی صورت میں معنی ہوگا اور وہ آپکو اور آپکے معبودوں کو چھوڑتا ہے۔ اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا اور وہ آپ کو اور آپکی عبادت کو چھوڑتا ہے کیونکہ پہلی صورت میں الہ کی جمع الہ ہے اور دوسری صورت میں جمع نہیں ہے۔ م۔

اور اس آیت میں دو چیزوں کا احتمال ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ موسیٰ تیرا دین چھوڑ رہا ہے اور اس معنی کی تائید وتقویت دوسری قرآت سے ہوتی ہے۔ اور دوسری چیز یعنی موسیٰ تیری عبادت کو چھوڑتا ہے۔ کیونکہ اس مردود فرعون کا گمان تھا کہ وہ خدا ہے۔ اللہ کی اس پر لعنت پڑے۔

تو جب فرعونیوں نے فرعون کو ظلم وبربریت پر اکسایا تو ان کی کاوش کامیاب رہی اور فرعون نے (کہا ہم جلد ہی ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑیں گے) تا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اپنے لوگوں کو لے کر ہم سے نبرد آزما ہو بھی تو ان کی افرادی اور عسکری قوت کم رہ جائے۔ اس طرح ہم (اور بے شک انپر غالب رہیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور ثابت قدم رہو) یعنی جب وہ تمہیں ستانے اور قتل کرنے ارادہ کریں تو تم اپنے رب سے ان کے خلاف مدد مانگو اور اپنی آزمائشوں پر صبر کرو (بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اسکا وارث بنائے گا اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا۔ اور بہترین انجام متقیوں کے لئے ہے) یعنی تم تقوی وایمان اختیار کرو تو فتح وکامرانی نصرت الٰہی سے تمہارے قدم چومے گی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے (اور موسیٰ نے کہا: اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو بس اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو تو انھوں نے کہا

(۱) اعراف ۱۲۷ تا ۱۲۹

ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔(اور آگے دعا مانگی)

ربنا لاتجعلنا فتنة للقوم الظلمين. ونجنا برحمتک من القوم الكافرين (۱)

ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کے عذاب (کا مورد) نہ بنا۔اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات مرحمت فرما۔

اور جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی تھی، (کہنے لگے ہم آپ کی آمد سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کی آمد کے بعد بھی) انکا مطلب تھا کہ آپکی آمد سے پہلے آپکے وجود کو ختم کرنے کے لئے ہمارے بیٹوں کو قتل کیا گیا اور آپکی آمد کے بعد بھی ہمارے بیٹوں کو قتل کیا گیا تاکہ بنی اسرائیل کی افرادی قوت کمزور پڑ جائے تو حضرت موسیٰ نے (کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ھلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلافت دے پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو)۔

اور سورۃ مومن میں فرمان ایزدی ہے (اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔تو وہ کہنے لگے تو تو جادوگر (اور) بڑا جھوٹا ہے)۔ (۲)

ان میں فرعون بادشاہ تھا اور ہامان اسکا وزیر تھا۔اور قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل میں سے تھا۔مگر وہ بھی در حقیقت فرعون اور اس کے درباریوں کے دین پر تھا۔اور اللہ نے اس کو بے انتہا مال و دولت سے نوازا تھا۔عنقریب انشاءاللہ اسکا قصہ آئے گا۔

مذکورہ سورۃ میں آگے فرمان باری ہے (غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ (خدا پر) ایمان لائے ہیں تم ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور بیٹیوں کو رہنے دو، اور کافروں کے مکر بے راہ ہی ہوتے ہیں)۔ (۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و دعوت کے بعد لڑکوں کے قتل کے حکم کا اجراء، ان کی تذلیل و توہین اور ان کی افرادی قوت گھٹانے کے لئے تھا کہ کہیں ان کو دوبارہ شان و شوکت نہ حاصل ہو جائے جس سے یہ اپنا دفاع کر سکیں اور پھر قبطیوں پر بھی حملہ آور ہو سکیں۔کیونکہ قبطی بنی اسرائیل سے ڈرتے تھے۔

لیکن ظلم و ستم کی اس تدبیر نے بھی ان کو کوئی ذرہ بھر نفع نہ دیا اور اس ذات کی تقدیر کو کچھ بھی نہ ہٹ اس کے جو ذات کسی شیء کو کن کہہ دے تو بس وہ فیکون ہو جاتی ہے۔آگے فرمان ہے

(اور فرعون بولا مجھے چھوڑ دو تا کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور (خواہ) وہ اپنے رب کو بلا لے۔

مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو نہ بدل ڈالے یا ملک میں فساد پیدا کر دے)۔ (۴)

گویا فرعون اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کے جھانسے میں ورغلانے لگا اسی وجہ سے عرب میں بطور ہنسی مذاق کے یہ مثل مشہور ہوگئی صار فرعون مذکرا کہ اب تو فرعون بھی نصیحت کرنے والا (واعظ) بن گیا ہے۔

تو فرعون نے اپنے باطل خیال میں گمان کیا کہ کہیں موسیٰ لوگوں کو گمراہ نہ کر دے۔تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا (اور موسیٰ بولے: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا) (۵) میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں اور اسی طرف التجا وزاری کرتا ہوں اور اسی کی جناب میں پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ فرعون اور اس کی ذریت سے کہ کوئی مجھ پر برائی کے ساتھ پیش آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں فرمایا تھا کہ ہر متکبر سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں، یعنی ایسا سرکش اور ضدی جو کسی کا لحاظ نہ کرے اور اپنی برائی اور ظلم سے باز نہ آئے اور نہ اللہ اور اس کے عذاب کا خوف کرے۔کیونکہ وہ نہ آخرت کا اعتقاد رکھتا ہے اور نہ جزاء سزا کا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے اس کی صفت میں فرمایا ہر ایسے متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس گفتگو کے بعد ایک مومن شخص حضرت موسیٰ کی طرفداری کرتا ہے۔چنانچہ فرمان باری ہے (اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔کہنے لگا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔اور اگر سچا ہوگا تو وہ عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا

(۱) یونس ۸۴-۸۶ (۲) مومن ۲۳-۲۴ (۳) مومن ۲۵ (۴) مومن ۲۶ (۵) سابقہ ۲۷

ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذرنے والا (اور) جھوٹا ہے۔

اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں غالب ہو (لیکن) ہم پر اگر خدا کا عذاب آ گیا تو ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون بولا میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے۔ اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں بھلائی ہے)۔ (۱)

اور یہ مرد مومن فرعون کا چچازاد بھائی تھا۔ اور اپنی جان کا خوف کرتے ہوئے ان سے اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ قبطی نہیں تھا بلکہ اسرائیلی تھا۔ لیکن یہ بات بعید از حقیقت اور (قرآنی) گفتگو کے خلاف ہے لفظاً بھی معنیً بھی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبطیوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی ایمان نہیں لایا سوائے اسی مرد مومن کے جس کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ شخص شہر کے پچھلے کنارے سے آیا اور فرعون کی بیوی کے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور دار قطنی فرماتے ہیں یہ فرعون کی آل سے تھا اور اس کا نام صرف شمعان مشہور تھا، سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے، اور تاریخ طبرانی میں اس کا نام "خیر" مذکور ہے واللہ اعلم

الغرض وہ مرد مومن اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھتا تھا، جب ملعون فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی ٹھان لی اور اس پر کاربند ہونے کے لئے پختہ عزم کر لیا اور اپنے سرداروں سے اس بارے میں مشاورت کرنے لگا تو اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کا خطرہ محسوس ہوا تب اس نے فرعون کو ترغیب و ترہیب کے ساتھ نرمی و لطافت سے سمجھایا اور بطور رائے اور مشورہ کہ اس حرکت سے باز رہنے کا کہا۔

اور حضور اکرم ﷺ سے حدیث ثابت ہے آپ نے فرمایا، افضل جہاد ظالم بادشاہ کے روبرو انصاف کی بات کہنا ہے۔ (۲)

تو اس مرد مومن نے اس شرف و مرتبے میں اعلیٰ مقام حاصل کیا کیونکہ فرعون سے ظلم و ستم میں کوئی بادشاہ زیادہ ظالم نہیں ہو سکتا، اور مرد مومن کی مذکورہ بات انتہائی درجہ انصاف و حق سے پر ہے، کیونکہ اس میں ایک پیغمبر خدا کی عصمت و حفاظت تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے کیا ہو، لیکن پہلی صورت زیادہ درست اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

تو اس مرد مومن نے کہا (کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے)؟ یعنی کیا اس وجہ سے کہ اس نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیا تم اس کو قتل کے درپے ہوتے ہو؟ ایسے عظیم شخص کے ساتھ یہ گھٹیا سلوک تو بالکل ناروا ہے بلکہ ایسے شخص کے لئے تم پر اکرام و احترام لازم ہے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو عمدگی کے ساتھ الوداع کہہ دو اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر دو۔

(اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا ہے؟) یعنی ایسے خلاف عادت معجزات جو دلالت کرتے ہیں کہ جس ذات نے اس کو جو کچھ دے کر بھیجا ہے ان میں وہ بالکل سچا ہے، لہذا اگر تم اس کے ساتھ صلح کر لو اور اس کی بات مان و، تو سلامتی و عافیت میں رہو گے کیونکہ وہ (اور اگر جھوٹ ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر سچا ہے تو تم کو وہ عذاب ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے) یعنی اگر وہ جھوٹا ہے تو تم کو اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا اور اگر سچا ہے اور پھر بھی تم اس کو ستاؤ گے تو ضرور تم کو کچھ نہ کچھ عذاب بھگتنا پڑے گا، یعنی تم تو اس تھوڑے عذاب سے ڈرتے ہو جس کا وہ تم کو کہہ رہا ہے اور اگر وہ عذاب مکمل طور پر تم کو گھیرے، تو تمہارا کیا حال ہوگا کچھ سوچو تو سہی۔

اور مومن کا اس انداز سے گفتگو کرنا انتہائی کامل عقل مندی کا ثبوت اور نرمی و مہربانی سے پیش آنا اور جنگ و جدال سے بچنا ہے۔

آگے مومن کہتا ہے (اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی غالب ہو) یعنی ان کو ڈرا رہا ہے کہ کہیں یہ عظیم سلطنت تم سے چھن نہ جائے کیونکہ پہلی جن سلطنتوں نے بھی دین الٰہی سے ٹکر لی وہ پاش پاش ہو گئیں اور عزت کے بعد ذلت میں مبتلا ہو گئے۔

اور پھر چشم حقیقت نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم کا بھی یہی حشر نشر ہوا۔ اور جبکہ یہ برابر شک و شبہ میں گرفتار تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی مخالفت و عناد میں تھے کہ اللہ عزوجل نے ان کو ان کے ملک و مال، گھروں اور محلوں نعمتوں اور آرائشوں سے نکالا اور بڑی ذلت و اہانت کے ساتھ سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا، اور ان کی روحوں کو رفعت و بلندی سے (جہنم کے انتہائی نچلے طبقے) اسفل السافلین میں پہنچا دیا اسی وجہ سے ایسی تصدیق کرنے والے نیک صالح، رہنما، حق کے تابع اپنی قوم کے ناصح عقل کے کامل مرد مومن نے کہا تھا (اے قوم آج تو تمہاری ہی

(۱) مومن ۲۸ تا ۲۹ (۲) صحیح الترمذی (۴/ ۲۱۷۴) فی الفتن۔ ابوداؤد ۴۳۴۴ فی الملاحم

سلطنت ہے اور تمہارا ہی زمین پر غلبہ ہے) یعنی تمہی کو لوگوں پر بلندی و برتری حاصل ہے اور ان پر حکومت قائم ہے لیکن (اگر ہمارے پاس عذاب الٰہی آگیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا)؟ یعنی مان لیا کہ تم گنتی شمار اور قوت وطاقت میں کئی گنا زیادہ ہو، لیکن یہ سب کچھ چیزیں ہمیں عذاب کے وقت کچھ نفع نہ دیں گی اور تمام سلطنتوں کے مالک یکتا کے عذب سے ہمیں نہ بچا سکیں گی۔

لیکن اس مرد مومن کے جواب میں کہا فرعون نے: (میں تم کو وہی راہ سمجھاتا ہوں جو میں سمجھا ہوں اور میں تمہاری درستی ہی کی طرف رہنمائی کر رہا ہوں) یعنی جو کچھ میرے پاس ہے میں اسی کی طرف تم کو بلاتا ہوں، اور وہ سیدھا راستہ ہے لہٰذا اسی پر تھا۔

اور فرعون نے دونوں باتیں قطعاً جھوٹ کہیں کیونکہ اس کے دل و دماغ میں یقینی طور پر یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام پیش کر رہے ہیں وہ لامحالہ اللہ کی طرف سے ہے لیکن فرعون پھر بھی سرکشی و دشمنی اور کفر و عناد کی وجہ سے اس سے اختلاف ظاہر کر رہا تھا۔

اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو کہا تھا، فرمان الٰہی ہے: (موسیٰ نے) کہا تو خوب جانتا ہے کہ ان کو آسمان و زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں نازل کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو اور اے فرعون میرا خیال ہے کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے، تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تم اس ملک میں رہو سہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔ [1]

معلوم ہوا کہ فرعون کو پختہ یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں لیکن اپنی کرسی کی وجہ سے مردود رہا اسی طرح دوسری آیت میں بھی اس مضمون کو واضح کیا گیا ہے فرمان خداوندی ہے (پھر جب ان (فرعونیوں) کے پاس ہماری واضح نشانیاں آپہنچیں تو کہنے لگے یہ صریح جادو ہے، اور بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کر دیا لیکن ان کے دل ان (نشانیوں) کا یقین کر چکے تھے پس دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ [2] تو ان دو جگہ کی آیتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ فرعون کا یہ کہنا جھوٹا تھا کہ میں تم کو وہی راہ بتلاتا ہوں جو مجھے سوجھتی ہے، اسی طرح اس کی دوسری بات (اور میں درست راہ کی طرف ہی تمہاری رہنمائی کرتا ہوں) یہ بھی اس کا کھلا جھوٹ تھا، کیونکہ وہ رشد و ہدایت کی دہلیز پر نہیں تھا بلکہ بے وقوفی و گمراہی اور باطل وہم اور خام خیالی کی بیڑیوں میں گرفتار تھا جس کی وجہ سے بتوں اور مورتیوں کے پجاریوں میں سے سب سے پہلے پجاری ہونے کا ثبوت دیا پھر اپنی جاہل گمراہ قوم کو بھی بلایا کہ جو وہ کفر اور محال کو خیال کئے بیٹھا ہے اس میں اس کی اتباع کریں اور تصدیق کریں کہ وہی رب ہے، اللہ عزوجل ان کافروں، گمراہوں محتاج عاجزوں سے بدرجہ اعلیٰ وارفع ہیں (بلکہ کیا نسبت؟ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک)۔

فرمان الٰہی ہے (اور فرعون نے اپنی قوم میں پکارا کہنے لگا اے قوم کیا میں سلطنت مصر کا مالک نہیں ہوں؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم نہیں دیکھتے؟

بے شک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا (اور اگر وہ خدا کا نبی ہی ہے) تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا پھر فرشتے ہی اس کے ساتھ جمع ہو کر آ جاتے؟ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انھوں نے اس کی بات مان لی، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے جب انھوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر سب کو ڈبو چھوڑا، اور ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا)۔ [3]

دوسری جگہ فرمان باری ہے: غرض اس (موسیٰ علیہ السلام) نے اس کو بڑی نشانی دکھائی، مگر اس نے تردید کی اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا اور تدبیریں کرنے لگا، پھر (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا کہنے لگا، میں ہی تمہارا سب سے بڑا ہوں، پھر تو خدا نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا جو شخص ڈرتا ہے بے شک اس کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ [4]

ایک اور جگہ فرمایا باری تعالیٰ نے: اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہ تھا، وہ قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا، اور ان کے اترنے کی جگہ انتہائی بری ہے، اور اس جہاں میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا برا ہے۔ [5]

(۱) سورۂ اسراء ۱۰۲-۱۰۳ (۲) نمل ۱۳-۱۴ (۳) زخرف ۵۱ تا ۵۶ (۴) نازعات ۲۰ تا ۲۶ (۵) ھود ۹۶ تا ۹۹

حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی دونوں باتوں میں جھوٹا اور مکار تھا، پہلی بات یہ کہ میں تم کو وہی راہ دکھلاتا ہوں جو میں صحیح سمجھتا ہوں، اور دوسری بات اور میں تم کو سیدھی راہ ہی دکھلاتا ہوں۔

آگے فرعون کی قوم کے مومن شخص کا ذکر ہے، فرمان الٰہی ہے: اور کہا اس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا اے قوم میں تمہاری نسبت خوف کرتا ہوں کہ کہیں تم پر دوسری امتوں کی طرح عذاب آجائے (یعنی کہیں) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے؟) اور خدا تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا، اور اے قوم مجھے تمہاری نسبت بلاوے کے دن کا خوف ہے جس دن تم پیٹھ پھیر (قیامت کے میدان سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی خدا سے بچانے والا نہ ہوگا اور جس شخص کو خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے، اور پہلے یوسف بھی تم (مصریوں کے) پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو کچھ وہ لائے تھے تم ہمیشہ اس سے شک ہی میں رہے حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر بھیجے گا ہی نہیں، اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا ہو، اور جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں (تو وہ جان لیں) کہ خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔[1]

مذکورہ آیتوں میں ولی اللہ نے اعداء اللہ کو ڈرایا ہے کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلائیں گے تو ان کو وہی عذاب اپنی سخت لپیٹ میں لے لے گا، جو ان سے پہلی نافرمان امتوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے کہ ان پر برے برے عذاب آئے ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں اور ان قبطیوں اور ان کے علاوہ دوسرے سب لوگوں کو بھی پتہ ہے جو عذاب قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد آنے والے زمانے تک کے نافرمان لوگوں پر اترا، جن کی وجہ سے اہل زمین پر یہ بات دلائل کے ساتھ روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جو بھی انبیاء علیہم السلام بات لے کر آئے وہ سچ ہے کیونکہ ان کے جھٹلانے والے عذاب الٰہی میں جکڑے گئے اور ان کی اتباع تصدیق کرنے والے نجات وفلاح پا گئے اور قیامت کے خوف سے مامون ہو گئے۔

اور قیامت کے روز کو آیت مذکورہ میں پکار کا دن فرمایا گیا کیونکہ اس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔

اور اس دن پیٹھ دے کر ادھر اُدھر بھاگیں گے لیکن کہیں جائے فرار نہ ملے گی فرمان باری ہے: (اس دن انسان کہے گا کہاں ہے جائے فرار؟ ہرگز نہیں کہیں جائے پناہ اس روز تو پروردگار کے پاس ہی ٹھکانا ہے)۔[2]

اسی موضوع کی مناسبت سے دوسری جگہ فرمان باری ہے (اے جن وانس کے گروہ اگر تمھیں قدرت ہو کہ زمین وآسمان کی اطراف سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، پر زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے، پس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، تو پھر مقابلہ نہ کر سکو گے پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)[3]

اور پچھلی آیتوں میں جو مومن نے کہا تھا میں تم پر پکار کے دن سے ڈرتا ہوں تو بعض قراء نے اس لفظ یوم التناد کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوں گے کہ میں تم پر فرار کے دن سے ڈرتا ہوں اور اس صورت شاید یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تم پر اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن اللہ کا تم پر عذاب اترے پھر تم بھاگنے کی کوشش وخواہش کرو پر چھٹکارا نہ مل سکے، جیسے دوسری جگہ فرمان ہے (جب انھوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کر لیا تو لگے بھاگنے، (اب) مت بھاگو اور جن (نعمتوں) میں تم عیش وعشرت کرتے تھے ان کی طرف اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ شاید تم سے پوچھ کچھ کی جائے)۔[4]

پھر مومن آگے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کے متعلق خبر دیتا ہے کہ وہ مصر کے شہروں میں آئے تھے اور ان سے مخلوق کو دنیاوی اور اخروی کیا کیا فائدے پہنچے تو اسی طرح یہ موسیٰ علیہ السلام بھی انہی کی آل واولاد ہی سے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں اور مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں اور پھر مرد مومن نے مصری لوگوں کی عادت وجبلت کی خبر دی کہ تمہاری تو سرشت ہی میں حق کی تکذیب اور رسولوں کی مخالفت بھری ہوئی ہے اسی وجہ سے ان کو کہا پھر تم اس میں مسلسل شک وشبے میں پڑے رہے جو یوسف

(۱) مومن ۳۰ تا ۳۵۔ (۲) قیامہ ۱۰ تا ۱۲۔ (۳) رحمٰن ۳۳ تا ۳۶۔ (۴) الانبیاء ۱۲ تا ۱۳۔

تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ وہ بھی چلے گئے تو تم کہنے لگے اب اللہ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

تو اس طرح پہلے سے ہی اہل مصر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلا دیا تھا کہ اب اللہ کا رسول نہ آئے گا، لہذا بعد میں آنے والے موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے عقیدے میں رسول الٰہی نہیں ہیں۔

اس پر مومن بندے نے کہا (اسی طرح اللہ عزوجل گمراہ فرما دیتا ہے اس شخص کو جو حد سے گزرنے والا اور شک میں پڑنے والا ہو ایسے لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو) یعنی اللہ کی حجتوں اور اس کی توحید کے براہین و دلائل کو بغیر حجت اور کسی دلیل کے جھٹلا دیتے ہیں تو یہ ایسی بات ہے جو اللہ کے غضب کو بھڑکا دیتی ہے اور اللہ عزوجل ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو حق میں شک کرے اور جھٹلائے آگے فرمایا (اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں)

آیت مبارکہ کے الفاظ ہیں کذلک یطبع اللہ علی قلب کل متکبر جبار

اور یہ لفظ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور موصوف صفت بنا کر بھی مطلب دونوں صورتوں میں قریب قریب ہے۔

یہاں پہنچ کر جب مومن کی حق گوئی پوری ہوئی اور فرعون دلائل کی جنگ ہار گیا تو گستاخی اور سرکشی پر اتر آیا فرمان باری (اور فرعون نے کہا کہ ہامان! میرے لئے ایک محل بناؤ تاکہ میں رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی آسمانوں کے رستوں پر پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں، اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اور اسی طرح فرعون کو اس کے اعمال بد اچھے معلوم ہوتے تھے جس نے اس کو حق راستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر بیکار اور لغو ہے۔ (۱)

فرعون لعین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے رسول ہونے کے دعویٰ میں جھٹلایا، اور اپنی قوم کو آپ کی حقانیت سے پردہ میں رکھنے کے لئے ایک گستاخی کی بات کی کہ میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی اور معبود نہیں جانتا، لہذا اے ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگا کر اینٹیں پکا دو پھر میرے لئے محل تعمیر کرو شاید میں موسیٰ کے رب کو جھک (کر دیکھ) لوں اور میں تو اس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔ (۲) اور دوسری آیت کے مطابق یوں کہا شاید میں رستوں کو پہنچ جاؤں یعنی آسمان کے رستوں کو پھر موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

ان نازیبا الفاظ سے دو معنی نکلتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اس بات میں کہ جہاں کا میرے سوا کوئی اور پروردگار ہے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اس بات میں کہ اللہ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پہلا مطلب و معنی ظاہر حال کے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون اس کائنات کے بنانے والے ہی کا انکار کرتا تھا۔

لیکن لفظوں کو دیکھا جائے تو دوسرا مطلب زیادہ ٹھیک بیٹھتا ہے۔ کیونکہ فرعون یوں کہتا ہے (پس میں موسیٰ کے الٰہ کو دیکھوں) یعنی پھر اس سے پوچھوں کہ آیا اس نے موسیٰ کو بھیجا ہے یا نہیں؟ اور میں تو اس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) کہ وہ رسول ہے رسول ہے۔

الغرض فرعون کا مطلب تھا کہ عوام الناس کو حضرت موسیٰ کی سیدھی راہ سے روک لے اور آپکی تصدیق نہ کرنے دے بلکہ اس طرح ان کو تکذیب و انکار پر خوب برانگیختہ کرے۔

اس کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (اور فرعون کے لئے اس کے اعمال بد اچھے کر دیئے گئے تھے اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا تھا)

اور آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں (وصد عن السبیل) اور یہ صَدّ بھی پڑھا گیا ہے اور آگے فرمایا (اور فرعون کی تدبیر گھاٹے اور نقصان میں گئی)۔

ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے کہ اس کی تدبیریں اور مکر و فریب کہ میں آسمان پر جاؤں گا یہ سب گھاٹے میں پڑ گیا۔ اور وہ اپنے مقصود کا ذرہ بھر حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ انسان کی طاقت میں نہیں ہے کہ اپنے مونہوں کے ساتھ جھوٹ کے پلندے باندھ کر آسمان پر پہنچ جائے۔ اور

(۱) مومن ۳۶۔۳۷ (۲) القصص ۳۸

پہلے آسمان پر تو کسی کی رسائی ہو نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ ملعون ساتوں آسمان کے بھی اوپر اس بلندی پر جائے جہاں اللہ کی تجلی ہے جس کی انتہاء بلندی کو کوئی جانتا تک نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فرعون نے یہ محل جو بطور سیڑھی کے بنوایا یا اتنا بلند تھا کہ زمین سے اس کی چوٹی نظر نہ آتی تھی۔ اور یہ پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا جو آگ پر خوب پک چکی تھیں اسی کے متعلق آیت میں ہے کہ فرعون نے کہا (پس اے ہامان میرے لئے گارے پر آگ لگا کر اینٹیں بناؤ اور محل تعمیر کرو۔)

اور اہل کتاب سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل اینٹوں کے کام میں مہارت رکھتے تھے۔ اور فرعون نے جو مشقتیں اور بیگاری کے کام ان سے خوب خوب لئے تھے انہی میں سے یہ کام بھی تھا۔ اور بے چارے خود اپنا کام کچھ بھی نہ کر سکتے تھے بلکہ یہ لوگ مٹی بھوسا اور پانی جمع کرتے اور فرعون اہلکاران کے ذمے متعین تعداد لگاتے تھے کہ ہمیں اتنا اتنا کام ضرور چاہئے پھر اگر نہ کرتے تو مارتے پیٹتے اور انتہائی توہین کرتے اور خوب ظلم وستم کا بازار گرم کرتے اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کہا تھا۔

''ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی تکالیف دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ کہا موسیٰ نے: قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنادے پھر دیکھے کہ تم کیا عمل کرتے ہو؟''[1]

اس طرح حضرت موسیٰ نے انسے وعدہ فرمایا کہ انشاءاللہ آخر کار بھلا انجام تمہارے لئے ہوگا اور قبطی نیست ونابود ہو نگے۔ اور پھر چشم فلک نے خوب نظارہ کیا کہ اسی طرح ہوا۔ اور یہ نبوت کے دلائل میں ہے۔

اب ہم دوبارہ مومن شخص کی نصائح اور حجت کی طرف لوٹتے ہیں۔

فرمان باری ہے اور مومن شخص نے کہا اے قوم میری اتباع کرو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھلاؤں گا، اے قوم بے شک یہ دنیاوی زندگی (تھوڑی سی) مدت ہے اور بے شک آخرت کا گھر وہ ہمیشگی کا ٹھکانہ ہے، تو جس نے برا عمل کیا اسے صرف اسی کے بدلے (سزا) دی جائیگی اور جس شخص نے اچھا عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو بس یہی لوگ جنت میں داخل ہو نگے (اور) اس میں بغیر حساب کے رزق دیئے جائیں گے۔[2]

تو یہ مومن رضی اللہ عنہ حق اور سیدھے رستے کی طرف مخلوق خدا کو بلاتا ہے اور یہی چیز اللہ کے پیغمبر کی متابعت اور اس کی باتوں کی تصدیق ہے پھر ان کو دنیائے فانی یقیناً جلد ختم ہونے والی سے زہد واستغناء کی تعلیم دے رہا ہے اور اس ثواب کی رغبت وطلب دلا رہا ہے جو اللہ کے پاس ہے ختم ہونے والا نہیں اور اس کے ہاں کوئی عمل کسی کا ضائع نہیں ہوتا وہ قادر مطلق ہے ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وہ تھوڑے پر بہت دیتا ہے اور اس کے عدل پر قربان جائیے کہ گناہ کا بدلہ صرف گناہ کے بقدر ہی دیتا ہے زیادہ نہیں کرتا اور پھر فرمایا کہ آخرت کا گھر ہمیشگی کا ٹھکانہ ہے، پس جو شخص ایمان اور اعمال صالح کے ساتھ اس میں پہنچ گیا اس کے لئے اس میں بلند درجات اور تمام خوف وشر سے پرامن بالا خانے اور بہت عمدہ عمدہ چیزیں ہوں گی، اور ایسے پھل میوے اور دوسرے بہت اقسام کے رزق ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے اور ہر نعمت ان کی ہمیشہ رو بترقی رہے گی۔

پھر مرد حق ان کو گمراہی ونامرادی کو بتلا رہا ہے اور ان کے انجام بد سے ڈرا رہا ہے فرمایا۔

اور اے قوم کیا ہے مجھے؟ کہ میں تو تم کو نجات (وفلاح) کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اس کو شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور جبکہ میں تم کو زبردست مغفرت کرنے والے کی طرف بلا رہا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھے بلا رہے ہو اس کو دنیا وآخرت میں دعا (قبول کرنے) کی طاقت نہیں ہے اور بے شک ہم کو خدا کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔

غرض خدا نے (موسیٰ کو) ان لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے بچالیا اور آل فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا، (یعنی) آتش جہنم، جو صبح شام

(۱) اعراف ۱۲۹ (۲) مومن ۳۸ تا ۴۰

اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی، (تو حکم ہوگا) اور فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔ (۱)

اس طرح مومن شخص تو ان کو اس ذات کی عبادت کو بلاتا جو آسمان وزمین کا رب ہے اور وہ کسی چیز کو (کــــن) ہو جا کہہ دے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے جبکہ یہ گمراہ بھٹکے ہوئے لوگ اس کو گمراہ ملعون فرعون کی عبادت کو بلاتے۔

اسی وجہ سے مومن نے ان کو انکار کرتے ہوئے از راہ تعجب کہا (اور اے قوم مجھے کیا ہوا کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کو اس کے ساتھ شریک کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور جبکہ میں سب کی زبردست مغفرت کرنے والے کی طرف بلا رہا ہوں۔ (۲)

پھر ان کو ان کے معبودان باطلہ کی کمزوری اور ان کا بے حقیقت ہونا دکھلایا کیونکہ بے شک وہ نہ کسی نفع کا فائدہ دے سکیں اور نہ کسی نقصان سے حفاظت کر سکیں فرمایا، (یقیناً تم مجھے اس کی طرف بلاتے ہو جس کو دنیا و آخرت میں کسی دعا (قبول کرنے) کی طاقت ہی نہیں ہے، اور بے شک ہمارا لوٹنا اللہ کے پاس ہوگا اور حد سے گزرنے والے جہنمی لوگ ہوں گے)۔

یعنی یہ تمہارے معبودان بے حقیقت یہ تو اس دنیا میں کسی حکم میں اور تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے پھر آخرت میں ہمیشگی کے گھر میں کیسے ان کو قدرت ہوگی، بہر حال وہ رب جس کی طرف میں بلا رہا ہوں وہ باعزت اور عظیم ہے اور وہ خالق ہے رازق ہے، نیکوں کا بھی بدوں کا بھی، اور وہی ہے جس نے بندوں کو زندہ کیا۔

اور وہی ان کو موت کا مزہ چکھاتا ہے اور وہی پھر دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا، پھر اپنے فرمانبرداروں کو جنت میں اور اپنے نافرمانوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

پھر مومن شخص نے ان کی ہٹ دھرمی پر برقرار رہنے پر دھمکی دی اور کہا (پس عنقریب تم یاد کرو گے جو میں تم کو کہہ رہا ہوں اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے ہاں سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے)۔

آگے اللہ عزوجل فرماتے ہیں (پھر اللہ نے اس کو ان کے مکروں کی برائیوں سے بچالیا)۔

یعنی جب اس نے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کردیا تو پھر اللہ نے اس عذاب سے ان کو بچالیا جو نافرمانوں پر ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے راہ خدا میں رکاوٹ بننے کی وجہ سے نازل کیا یعنی انھوں نے عوام کے آگے ایسے ایسے خیالات و محلات اور پروپیگنڈے ظاہر کئے کہ ان کی وجہ سے عوام الناس سیدھے سادھے لوگوں کو حق سے شبے میں ڈال دیا۔

جس کے جواب میں اللہ نے عذاب نازل کیا فرمایا: (اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا، وہ لوگ آگ پر صبح شام پیش کئے جاتے ہیں)

یعنی ان کی روحوں کو عالم برزخ میں آگ پر صبح شام پیش کیا جاتا ہے۔

اور فرمایا (جب قیامت قائم ہوگی تو (ان کو حکم ہوگا) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کردو) اور ہم تفسیر قرآن میں اس آیت کے تحت عذاب قبر پر گفتگو کر چکے ہیں اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔

الغرض مقصود یہ کہ اللہ نے ان کو اچانک ہلاک نہیں فرمادیا بلکہ پہلے ان پر خوب حجت و دلائل قائم کردیئے اور اپنے پیغمبران کے پاس بھیج دیئے اور ان کے شکوک وشبہات کو ختم کردیا اور ان پر حجت قائم کردی کہ کبھی ڈرایا اور کبھی ترغیب دی جیسے فرمان الٰہی ہے:

''اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تا کہ نصیحت پکڑیں، تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے دیکھو ان کی بدشگونی خدا کے ہاں (مقدر) ہے، لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے، اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو، مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون (الغرض) کتنی ہی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار''۔ (۳)

(۱) مومن ۴۱ تا ۴۶ (۲) مومن ۴۱ تا ۴۲ (۳) اعراف ۱۳۰ تا ۱۳۳

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے قوم فرعون کو آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ قبطی تھے اور وہ آزمائش چند عذابوں پر مشتمل تھی جن میں سے ایک قحط سالی تھی جس میں نہ کبھی سرسبزی تھی اور نہ تھنوں سے دودھ نکلتا تھا۔

اور دوسرا عذاب پھلوں کی کمی تھی، ان عذابوں کے بعد بھی وہ نصیحت حاصل کرنے والے نہ بنے اور نہ بے راہ روی سے لوٹے بلکہ تمرد و سرکشی کے ساتھ اپنے کفر و عناد پر پکے ہو گئے، اور فرمایا جب ان کے پاس کوئی اچھائی پہنچتی تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر کوئی برائی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھ کے مومنین کی نحوست خیال کرتے۔

اور حالانکہ جب کوئی بھلائی اور سبزہ سال ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ یہ موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کی برکت اور ان کے اچھے پڑوس کی وجہ سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے قلوب واذھان حق کا انکار اور اس سے تکبر اور نفرت کرنے میں انتہاء کو پہنچ چکے تھے اور جب بھی کوئی عذاب آتا تو اس حق کی طرف اس کی نسبت کر دیتے، اور اگر کوئی بھلائی پہنچتی تو اپنی جانوں کو مستحق یقین کرتے اس پر اللہ نے فرمایا (آگاہ رہو ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے) یعنی اللہ اس پر خوب بدلہ عطا فرمائے گا (اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں) اور (فرعونی) کہنے لگے اور جب بھی تو ہمارے پاس کوئی نشانی ہم پر جادو کرنے کے لئے لائے گا ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہ ہوں گے) اور حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو معجزات اور خدا کی نشانیاں دکھلاتے تھے اس پر یہ بکواس کرتے کہ آپ اگرچہ ہر قسم کی نشانی اور معجزہ لا دکھائیں مگر ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ آپ کی پیروی کریں گے تو اس وجہ سے اللہ نے ان کے متعلق خبر دیدی تھی۔

(بے شک جن لوگوں کے متعلق خدا کا حکم ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں خواہ ان کے پاس نشانی آجائے)۔[1]

آگے فرمان باری ہے (پھر ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کی کھلی نشانیاں بھیجیں پھر انھوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھے)۔

طوفان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اس قدر بارشیں ہوئیں کہ کھیتیں اور باغات غرق ہو گئے اور حضرت سدی اور سعید بن جبیر اور قتادہ اور ضحاک سے بھی یہی قول مروی ہے۔

اور دوسری روایت میں ابن عباس اور عطاء سے یہ منقول ہے کہ اس سے مراد کثرت اموات ہے اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ طوفان ہر حالت میں پانی اور طاعون کی صورت میں برستا تھا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ عذاب تھا جس نے ان کو بالکل گھیر لیا۔

[2] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا طوفان موت ہے۔

لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

طوفان کے بعد جراد یعنی ٹڈیوں کے عذاب کا ذکر ہے۔

[3] اس کے متعلق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ٹڈیوں کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا اللہ کے اکثر لشکروں (جانوروں) کو میں نہ کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں اور حضور اکرم ﷺ نے اس کے تناول فرمانے کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا۔

اسی طرح گوہ کو بھی چھوڑ دیا تھا، اور آپ پیاز اور لہسن اور کراث (ایک بدبودار سبزی) کو بھی کھانا پسند نہ فرماتے تھے، اور اس کے متعلق صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی سے بھی مروی ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سات غزوے کئے اور ہم ٹڈیاں کھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا ٹڈیاں حرام نہیں ہیں، باقی حضور پسند نہ فرماتے تھے۔

اور ان احادیث اور آثار پر ہم نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں گفتگو کی ہے۔

خیر یہ کلام و تفصیل تو ہم نے اس کے حلت و حرمت کے متعلق کیا ہے۔ اور اصل مقصود یہاں یہ ہے کہ ان ٹڈیوں نے ان کے سبزہ زار کو بالکل

---

(۱) یونس ۹۶ تا ۹۷۔ (۲) وقد روی ابن جریر و ابن مردویہ من طریق یحییٰ بن یمان، عن المنھال بن خلیفۃ، عن الحجاج عن الحکم بن میناء عن عائشۃ عن النبی ﷺ انہ قال۔ (۳) روی ابوداؤد عن ابی عثمان عن سلمان الفارسی

چاٹ لیا تھا نہ کوئی فصل چھوڑی اور نہ پھل اور نہ ہی اور کچھ۔

اور اس سے آگے جوؤں کے عذاب کا ذکر ہے۔ تو ان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قمل وہ کیڑا ہے جو گندم کو گھن لگنے سے نکلتا ہے۔ اور آپ ہی سے مروی ہے کہ وہ ایسی چھوٹی ٹڈیاں ہوتی ہیں جن کے پر نہیں ہوتے۔ اور حضرت مجاہد اور عکرمہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

اور حضرت سعید بن جبیر اور حسن فرماتے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے سیاہ کیڑے ہوتے ہیں۔

اور عبدالرحمٰن بن زید ابن اسلم فرماتے ہیں "قمل" پسو اور مچھر ہوتے ہیں۔ اور ابن جریر نے اہل عرب سے نقل کیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیچڑیاں ہوتی ہیں۔

تو جو کچھ بھی ہو یہ قبطیوں کے گھروں میں بستروں میں جگہ جگہ گھس گئیں اور ان کے لئے کہیں جائے قرار و امن نہ چھوڑی۔ اور ان کے ساتھ چشم پوشی کرتے ہوئے زندگی بھی بسر نہ ہو سکتی تھی کہ کاٹ کھاتی تھیں اور حضرت عطاء بن سائب نے اس کے متعلق فرمایا کہ جو آج کل مشہور جوئیں ہیں یہی مراد ہیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ "قمل" کو میم کی شد کے بغیر پڑھا ہے۔

اس کے بعد مینڈکوں کے عذاب کا ذکر فرمایا: اور یہ ان کے ہاں اس قدر زیادہ ہو گئے تھے کہ ان کے کھانے پینے کی اشیاء اور برتنوں میں گرے رہتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی اپنا برتن کھانے کے لئے کھولتا تو یکدم کوئی نہ کوئی مینڈک اس میں گر پڑتا۔

اس کے بعد خون کے عذاب کا ذکر ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ خون ان کے تمام پانیوں میں شامل ہو جاتا تھا اور جس پانی کو بھی وہ پیتے تو وہ پہلے سے ہی تازہ خون بن جاتا۔ نہ ہی کوئی کنواں بچا، نہ نہر، نہ اور کچھ بلکہ جب بھی یہ قبطی لوگ قریب آتے تو وہ خون بن جاتا۔

اور یہ تمام انواع عذاب صرف قبطی لوگوں پر ہی تھیں اور بنی اسرائیل کو انکا ذرہ بھی اثر نہ پہنچا تھا۔ اور یہ کامل معجزہ اور قطعی حجت تھی کہ یہ برکت محض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ تو پس یہ تمام قبطیوں پر عذاب رہا آپ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سب محفوظ و سالم رہے۔ اور یہ بڑی ہی مضبوط دلیل ہے موسیٰ علیہ السلام کے صدق و سچائی کی۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب جادوگر ایمان لائے تو فرعون، دشمن خدا مغلوب و نامراد ہو کر لوٹا۔ پھر بھی ایمان لانے سے ہٹ دھرم رہا بلکہ کفر پر ڈٹا رہا اور شر و فساد کے پھیلانے میں مزید اضافہ ہو گیا تو تب جا کر اللہ نے یہ عذابات یکے بعد دیگرے نازل فرمائے۔ پہلے قحط سالی کے ایام آئے، پھر طوفان، پھر ٹڈیاں، پھر جوویں، پھر مینڈک، پھر خون۔

تو پہلے طوفان پانی کی صورت میں آیا اور اس نے زمین کو اپنی سخت لپیٹ میں لے لیا اور روئے زمین کو ڈھانک لیا اور اس طرح ٹھہرا رہا۔ کہ قبطی لوگ نہ کھیتی باڑی کر سکتے تھے اور نہ ہی اور کچھ کام کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ فاقوں کی زد میں آگئے جب نوبت یہاں پہنچ گئی تو پھر یہ لوگ حضرت موسیٰ کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے عرض گذار ہوئے (کہنے لگے، اے موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسے اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے دیں گے۔)[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان کے ایمان کے انتہائی حریص تھے ہی۔ لہٰذا بارگاہ الٰہی میں جیسے ہی ہاتھ اٹھائے عذاب دور ہو گیا لیکن جب مقصد پورا ہوا تو قبطی اپنی بات اور وعدے سے پھر گئے۔ اور جب انہوں نے وعدہ پورا نہ کیا تو اللہ نے ان پر دوسرا عذاب مسلط فرمایا۔ وہ ٹڈیوں کا عذاب تھا۔

ان ٹڈیوں نے آ کر ان کے پھلوں اور فصلوں کو کھا لیا حتیٰ کہ درختوں کو بھی کھا گئیں اور پھر دروازوں کی میخوں اور کیلوں کو چاٹ گئیں۔ اس پر وہ پریشان ہو کر پھر پہلے والا کر کھیلا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے پھر دعا فرما دی اور عذاب ٹل گیا لیکن یہ ماننے

(۱) اعراف ۱۳۲ تا ۱۳۶

والے کہاں تھے؟ تو اللہ نے پھر جوؤں کا عذاب نازل فرمایا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے بتلایا گیا ہے کہ:
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اپنی لاٹھی لیکر ریت کے ٹیلے پر پہنچو اور اس کو لاٹھی سے مارو۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ریت کے بڑے عظیم ٹیلے پر گئے اور اس کو عصا سے مارا تو جوؤں سے پھٹ پڑا اور وہ وہاں سے نکل کر گھروں کھانے پینے کے اشیاء میں جگہ جگہ گھس گئیں اور ان کی نیند دسکون کو حرام کردیا۔ جب یہ لوگ خوب تنگ آ گئے تو پھر دوبارہ پہلے کی طرح عرض کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی اور ان سے عذاب دفع کردیا گیا۔ لیکن اب کے بھی انہوں نے وعدے کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر اللہ نے اس دفعہ مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا ان سے گھر، برتن اور کھانے پینے کی اشیاء سب کچھ بھر گیا۔ حتیٰ کہ کوئی کپڑا یا کھانا کھولتا تو اس میں مینڈک بھرے پاتا۔ پھر جب یہ عذاب اچھی طرح جھیل لیا تو پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض گذار ہوئے آپ نے پھر دعا فرمائی اور عذاب ٹل گیا لیکن ان ہٹ دھرموں نے پھر وعدہ وفا نہ کیا، تو اب اللہ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا تو ان آل فرعون کے سب برتن خون سے بھر گئے اب وہ نہ کسی کنویں سے پانی پی سکتے تھے، نہ کسی نہر سے، اور نہ ہی کسی برتن سے پانی کا چلو بھر سکتے اور اگر بھرتے بھی تو فوراً پانی تازہ خون سے بدل جاتا۔
زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خون سے مراد نکسیر کا خون ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت فرمایا ہے۔
فرمان الٰہی ہے (اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے دیں گے پھر ہم جب ایک مدت کے لئے ان سے عذاب ٹال دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے)۔
اللہ عزوجل ان کے کفر، سرکشی، اور گمراہی وجہالت پر ہیشگی اور اللہ اور رسول کی آیتوں سے اعراض کرنے کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ باوجود انبیاء علیہ السلام کو معجزات عظیم اور قاطع دلائل کے ساتھ بھیجا تھا اور انبیاء نے لوگوں کو سب کچھ دکھلا دیا اور دلیل و حجت قائم کردی۔
لیکن وہ جب بھی کسی معجزہ یا نشانی کو دیکھتے اور یہ چیز ان کو گراں گزرتی اور عذاب و مشقت میں مبتلا کردیتی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا وکرتے کہ اگر آپ یہ عذاب ٹلوادیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔
اور آپ علیہ السلام کے ساتھ آپ کی قوم کو بھی بھیج دیں گے۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جب بھی ان سے عذاب ٹل جاتا تو پہلے سے زیادہ شر وفساد پر اتر آتے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں اور ایمان لانے سے منہ موڑ لیتے اور ذرہ بھر التفات ہی نہ کرتے۔ پھر اللہ دوسرے عذاب کی نشانی بھیج دیتے۔ اور وہ ان کے شر کے مانند پہلے سے زیادہ سخت اور قوی ہوتی تھی۔ اور یہ پھر دوبارہ بکواس بازی کرتے اور جھوٹ بولتے اور وعدے وقسمیں کھاتے اور وفا بالکل نہ کرتے کہ اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کردیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے تو پھر ان سے عذاب کو دور کردیا جاتا لیکن یہ وعدہ خلاف پھر اپنے جہل عظیم کی طرف لوٹ جاتے۔
ایک طرف تو ان کے کفر وشر کی یہ نیرنگیاں اور دوسری طرف خدائے ارحم الرحمین عظیم بردبار قدرت والے کی چشم پوشی دیکھو کہ ان کو بار بار دیکھ رہا ہے لیکن پھر بھی اپنے سخت عذاب کی پکڑ میں نہیں لے رہا بلکہ ان کو خوب مہلت دے رہا ہے اور ان کے پاس بار بار حجت ودلیل اور اپنی نشانی بھیج رہا ہے کہ باز آ جاؤ آ جاؤ۔
لیکن پانی جب حد سے گذر گیا تو اللہ نے حجت قائم کرنے کے بعد ان کو اپنے عذاب میں دبوچ لیا اور بڑی سخت پکڑ میں پکڑا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام کفار سرغنوں کے لئے مثال ونصیحت بنادیا۔ ان کو عبرت اور رسوائی کا پیشوا بنادیا نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے۔
جیسے کہ اللہ رب العزت جو سچوں میں سب سے سچا ہے اس نے اپنی کتاب سورہ (حم والکتب المبین) میں فرمایا ہے: (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے (جاکر) کہا میں اپنے پروردگار رب العلمین کا بھیجا ہوا ہوں۔ جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان نشانیوں سے ہنسی کرنے لگے۔ اور جو نشانی ہم ان کو دکھاتے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی۔ اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ باز آئیں۔ اور کہنے لگے کہ اے جادوگر اس عہد کے مطابق جو تیرے رب نے تجھ سے کر رکھا ہے دعا کر ہم ہدایت یافتہ ہو نگے۔

تو جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا اے میری قوم کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟۔ اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (کیا میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں ہو بے شک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گو بھی نہیں ہے۔

(اور اگر وہ نبی ہی ہے) تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے ہی اس کے ساتھ جمع ہو کر آ جاتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی۔ اور انہوں نے اس کی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو ڈبو کر چھوڑا۔ اور ان کو گئے گذرے کر دیا اور پچھلے آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا)۔ (۱)

درج بالا آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بھیجنے کے متعلق تذکرہ فرما رہے ہیں اور یہ رسول اللہ کا ہمکلام کریم شخص تھا ان کو فرعون یعنی کمینے خسیس کی طرف بھیجا گیا۔ اور پھر اللہ نے اپنے رسول کی تقویت فرمائی واضح نشانیاں اور معجزات دیکر۔ جو اس کے پورے لائق تھے کہ انکا تعظیم وتصدیق کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اور اپنی بات سے باز آ جائیں اور حق اور سیدھے رستے کی طرف چل پڑیں لیکن یہ کہاں باز آنے والے تھے بلکہ بجائے سر تسلیم خم کرنے کے ان معجزات سے ہنسی مذاق کرنے لگے اور ان کی توہین کرتے اور اللہ کے راستے سے خود بھی ہٹتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔ پھر اللہ نے ان کو منوانے کے لئے پے در پے کئی نشانیاں بھیجیں پہلے ایک پھر دوسری اسی طرح سب آ چکیں اور ہر بعد والی بڑی تھی لیکن یہ پھر بھی وہیں کے وہیں۔

ان کی ہرزہ سرائی کے متعلق اللہ نے فرمایا ''اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تا کہ وہ لوٹ جائیں۔ اور وہ کہنے لگے اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے دعا مانگ اس واسطے سے جو اس نے تیرے ساتھ عہد کر رکھا ہے تو ہم ہدایت حاصل کرنے والے ہوں گے۔''

اس زمانے میں لفظ ساحر یعنی جادوگر کوئی برا لفظ نہ تھا اور نہ ہی کوئی عیب تھا کیونکہ اس وقت کے علماء جادوگر ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے قبطیوں نے اپنی سخت محتاجی کے وقت بھی اسی نام سے موسیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کھول دیا۔ فرمایا: (پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکن ہو گئے) پھر اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں کہ فرعون اپنے ملک کی شان وشوکت اور اپنے شہر کی عظمت وحسن اور اس میں پانی کی فروانی وغیرہ کے ساتھ اکڑ رہا تھا۔

فرعون نے جو کہا کہ نہریں میرے محل کے نیچے سے بہہ رہی ہیں وہ ایسی نہریں تھیں جو دریائے نیل کی بعض اوقات طغیانی کی وجہ سے بنائی گئیں تھیں۔

پھر ملک وسلطنت کے ساتھ فخر کے بعد اپنی ذات کے متعلق فخر وغرور میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں اللہ کے رسول موسیٰ کی عیب جوئی کرتا ہے کہ وہ تو صحیح طرح سے کلام بھی نہیں کر سکتا چونکہ آپ علیہ السلام کی زبان میں بچپن سے انگارہ لے لینے سے لکنت آ گئی تھی اور اسکا کچھ اثر باقی تھا تو اس پر فرعون نے طعن کیا جبکہ یہ آپکا شرف وکمال وجمال ہے کہ اس کے باوجود اللہ نے آپ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آپکی طرف وحی فرمائی اور اس کے بعد آپ پر تورات بھی نازل فرمائی پھر اس کے بعد لعین فرعون آپ پر عیب لگاتا ہے۔ بے سروسامانی کی وجہ سے کہتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں تو سونے کے کنگن بھی نہیں ہیں اور نہ زیب وزینت ہے جبکہ اس عقل کے بہرے کو معلوم نہیں ہے کہ یہ تو عورتوں کا ذریعہ ہے۔ مردوں کی مردانگی اور شان کے خلاف ہے۔ تو پھر رسولوں کے کیسے لائق ہو سکتا ہے؟ جو عقل میں سب سے کامل، موقف میں سب سے آگے، ہمت وعزم کی بلندی پر اور دنیا سے کوسوں دور ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے دوستوں کے لئے آخرت میں کیا کیا نعمتیں تیار فرما رکھی ہیں۔

پھر آگے فرعون کہتا ہے (یا اس کے ساتھ فرشتے ہی جمع ہو کر آ جاتے؟)

جبکہ آپ کو اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر فرشتوں کے آنے سے مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان سے تعظیم وتکریم کروانا ہو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ فرشتے تو آپ سے کہیں درجہ کم کے لئے ہی عزت واکرام کے ساتھ پر بچھا دیتے ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے کہ

---

(۱) زخرف ۴۶ تا ۵۶

(بے شک فرشتے اپنے پروں کو طالب علم کے لئے بچھا دیتے ہیں اسپر خوشی ورضا کے ساتھ جو کچھ وہ کر رہا ہے)۔

لہذا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی فرشتے کس قدر تعظیم وتکریم کرتے ہوں گے۔

اور اگر فرشتوں کے ساتھ آنے سے مقصود فرشتوں کا حضرت موسیٰ کی سچائی کے متعلق گواہی دینا ہو تو یہ بھی کوئی بات نہیں کیونکہ آپکے ساتھ ایسے ایسے معجزات نازل فرمادیئے گئے تھے جو اہل عقل وحق کیلئے قطعی ثبوت ہیں اور ان کے برعکس جو دل ودماغ کو چھوڑنے والا ہو اور رب الارباب نے جس کے دل پر مہر ثبت کردی ہو تو وہ شخص اس فرعون کی طرح اوپر کے چھلکے کو دیکھ کر واضح دلائل اور قطعی ٹھوس ثبوت کے باوجود اندھا بن جاتا ہے۔ اور پھر اس کی نافرمانی وہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس کے ذہن میں شکوک وشبہات ہی جنم لیتے رہتے ہیں جیسے کہ فرعون قبطی اندھے کذاب کا حال تھا آگے فرمان الٰہی ہے: پھر اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی پھر انہوں نے اس کی اطاعت کرلی۔ یعنی ان کی عقلوں کو بہرہ کردیا اور ان کو یکے بعد دیگرے مختلف درجوں میں اتارتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے اس کی دعوائے خدائی میں تصدیق کردی اللہ اس پر لعنت کرے اور اسکا برا کرے۔

آگے فرمایا (بے شک وہ فاسق قوم تھی پھر جب انہوں نے ہم کو غضب ناک کیا تو ہم نے انسے انتقام لے لیا) یعنی دریائے نیل کی تند وتیز موجوں میں غرق کردیا۔ اور عزت کی بلندیوں سے اتار کر قعر ذلت میں دھکیل دیا۔ اور نعمتوں وآرائشوں کے بعد رسوائی اور عذاب سے دوچار کردیا اور اچھی عیش وعشرت کے بعد آگ وجہنم میں پہنچادیا۔

اللہ بزرگ وبرتر لازوال ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے

آگے فرمایا (پھر ہم نے ان کو پچھلوں کے لئے عبرت بنادیا) یعنی جو بھی ان کی اتباع وپیروی کریں۔ اور (مثال) بنایا ان کے لئے جو ان سے نصیحت پکڑیں اور ان کے عذاب سے خوف کریں اور یہ وہ لوگ ہونگے جنکو ان فرعونیوں کی واضح اور صاف صاف خبریں پہنچی ہوں۔

فرمان الٰہی ہے: اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے، تو وہ کہنے لگے کہ یہ جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) نہیں سنی۔

اور موسیٰ نے کہا میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے۔ جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے۔ اور جس کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔ بے شک ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا: اے اہل دربار میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔ پس اے ھامان میرے لئے گارے کو آگ لگا کر (اینٹیں) دو پھر ایک (اونچا) محل بنادو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہورہے تھے اور خیال کررہے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے لشکروں کو پکڑلیا اور دریا میں ڈال دیا۔ پس دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحالوں میں سے ہوں گے۔ (۱)

اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں کہ جب انہوں نے تکبر کیا اور حق سے منہ موڑا اور ان کے بادشاہ فرعون نے باطل چیز یعنی اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کیا اور انہوں نے اس کی موافقت وحمایت واطاعت کی، تو زبردست قادر مطلق الٰہی کا غضب ان پر برسا۔ وہ ذات جس پر کسی کو غلبہ نہیں اور نہ اس کو کوئی ان کے انتقام سے روک سکتا ہے تو پس ایسی ذات عظیم کا سخت انتقام آ گیا۔

اور فرعون کو مع اس کے پجاریوں کے ایک ہی وقت میں غرقاب کردیا اور ان میں سے کوئی سلامت نہ بچا اور نہ کوئی پیچھے باقی بچا بلکہ ہر ایک دریائے نیل کی طوفانی موجوں کی بھینٹ چڑھا اور داخل جہنم ہوا۔

اور اس دنیا میں ان کے لئے صرف ایک چیز باقی رہ گئی اور وہ ہمیشہ کی لعنت ہے۔

اور قیامت میں بہت برا انعام ان کو دیا جائیگا۔ اور وہ قیامت کے دن بدحالوں میں سے ہوں گے۔

(۱) القصص ۳۶ تا ۴۲

فرعون اور اس کے لشکریوں کی ہلاکت

جب قبطی لوگ اپنے بادشاہ فرعون کی اتباع میں اللہ کے رسول اور اس کے ہمکلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر اتر آئے اور اپنے کفر نا فرمانی عناد اور ہٹ دھرمی پر اڑ گئے۔ تو اللہ نے اہل مصر پر ہر قسم کے ٹھوس دلائل اور قطعی براہین قائم کر دیئے اور ایسے ایسے معجزات دکھلا دیئے جو عقلوں اور آنکھوں کو حیرت زدہ کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ سے نہ ڈرے اور نہ اپنی سرکشی سے باز آئے اور نہ کفر سے روگرداں ہوئے اور نہ اس سے واپس مڑے بلکہ صرف چند نفوس ایمان کی لازوال دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک قول کے مطابق وہ افراد صرف تین تھے ایک فرعون کی بیوی اور ایک آل فرعون کا شخص جس کی نصیحتیں پہلی گذر چکی۔ اور تیسرا وہ شخص جو شروع میں حضرت موسیٰ کے پاس دوڑا آیا تھا اور خبر دی تھی کہ فرعونی لوگ آپکے قتل کا منصوبہ کر رہے ہیں لہذا آپ روپوشی اختیار فرمالیجئے۔ تو یہ تین افراد مسلمان و باایمان ہوئے تھے۔

ابن ابی حاتم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبطیوں میں مومن ہوئے ورنہ غیر قبطیوں سے تو اور بھی مومن ہوئے تھے جیسے جادوگر وہ قبطی نہ تھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام پر قبطی لوگوں کی ایک جماعت اور تمام جادوگر اور بنی اسرائیل کے تمام قبائل ایمان لے آئے تھے۔ اور اس قول کی تائید قرآنی آیت کرتی ہے۔ فرمان ہے (موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو آفت میں نہ پھنسا دے اور فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور حد سے بڑھا ہوا تھا۔)[1]

تو یہاں جو فرمایا کہ مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے تو اس سے مراد فرعون کی قوم کے چند لڑکے ہیں۔ سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی حضرت موسیٰ کی قوم کے افراد مراد ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قریب ہے۔ لیکن پہلی بات زیادہ قوی ہے اور تفسیر قرآن میں مضبوط ہے۔

اور انکا ایمان بھی انتہائی خفیہ تھا فرعون اور اس کے ظلم و ستم کے ڈر سے۔

اور فرعون کی قوم کے دوسرے لوگ ایسے مومنوں کی چغل خوری کے پیچھے تلاش میں رہتے تھے۔

اللہ عزوجل فرعون کے متعلق خبر دیتے ہیں (اور بے شک فرعون زمین میں ناحق بڑائی پسند تھا اور حد سے گذرنے والا تھا)۔ یعنی سخت سرکش تھا اور ناحق اکڑتا تھا۔ اور اپنے تمام احوال و امور اور ہر چیز میں حد سے نکل چکا تھا۔ اور وہ درخت کی ایسی جڑ بن چکا تھا جس کے اکھڑنے کا وقت قریب آن پہنچا تھا اور ایسا خبیث پھل تھا جس کے کٹنے کا وقت آچکا تھا اور ایسا لعنت زدہ طریقہ تھا جس کی تباہی یقینی ہو چکی تھی۔ تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں (اے قوم اگر تم ایمان لاچکے ہو تو پس اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔ تو انہوں نے کہا اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کے لئے تختہ ظلم و ستم نہ بنا۔ اور ہمیں اپنی رحمت کیساتھ کافر قوم سے نجات دے۔)[2]

یعنی جب دشمن قوم پر عذاب کا وقت پہنچ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے اور اسی سے التجاء و آہ و زاری کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے بھی اپنی تسلیم کی گردنیں جھکا دیں۔ اسپر اللہ نے ان سب کے لئے ان تکالیف سے خلاصی و چھٹکارے کی راہ نکال دی۔ اس وقت اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ بنالو۔ اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دیدو)۔[3]

یعنی اللہ عزوجل نے دونوں پیغمبر بھائیوں کو یہ وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے گھروں کو قبطیوں کے گھروں سے جدا کر کے علیحدہ علاقے میں تعمیر کراوئیں تا کہ جب کوچ کا حکم ملے تو آسانی سے خفیہ نکل سکیں اور بعض بعض کو اطلاع دیکر سب جلد تیار ہو جائیں۔ اور یہ فرمایا کہ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اسکا مطلب ایک قول کے مطابق ہے کہ اپنے گھروں میں مسجدیں بھی بناؤ۔ اور دوسرے قول کے مطابق مطلب ہے کہ اپنے گھروں

(۱) یونس ۸۳ (۲) یونس ۸۴،۸۵،۸۶ (۳) یونس ۸۷

میں کثرت سے نماز قائم کرو۔

اور یہی آخری قول بہت سے اکابر کا ہے مثلاً مجاہد، ابو مالک، ابراہیم نخعی، ربیع، ضحاک، زید بن اسلم، اور عبدالرحمٰن بن زید۔

اور اس قول کے مطابق اس کی توضیح وشرح یہ ہوگی کہ جب بھی کوئی تکلیف وشدت لاحق ہو تو نماز کے ساتھ اللہ سے خوب مدد مانگی جائے۔ جیسے دوسری جگہ وضاحت سے فرمایا (اور صبر ونماز کے ساتھ مدد طلب کرو) اور حضور علیہ السلام کو جب بھی کوئی امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

اور مذکورہ آیت کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل اپنی عبادت گاہوں اور اجتماعوں میں اپنی عبادت کو کھلے عام کرنے پر قادر نہ تھے۔ تو اس وجہ سے اللہ نے ان کو اپنے گھروں ہی میں نماز کی جگہیں بنا لینے کا حکم فرما دیا اس طرح اللہ نے ان کی کمزوری پر نظر فرماتے ہوئے ایک آسان حکم فرما دیا جو اس زمانے میں شعائر دین کو کھلے عام کرنے کا بدل تھا کیونکہ ان کی زبوں حالی نماز وعبادت کو چھپانے کا تقاضا کرتی تھی۔

لیکن پہلا معنی زیادہ قوی ہے جو کثرت نماز کا ہے اور اس کی تائید ہوئی ہے آگے کے اس جملے سے کہ فرمایا (اور مومنین کو خوشخبری دیدو) کیونکہ کثرت صلاۃ پر ہی خوشخبری مرتب ہوگی اور اصل یہ ہے کہ دونوں معنی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ (اور اپنے گھروں کو قبلہ بناو) اسکا مطلب ہے آمنے سامنے اپنے گھر بناو۔ کیونکہ قبلہ کا معنی سامنے کے بھی ہیں۔

آگے فرمان الٰہی ہے (اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا سامان) زینت اور اموال، دنیاوی زندگی میں دے رکھا ہے۔ اے پروردگار ان کا حال یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کریں۔ اے پروردگار۔ ان کے اموال کو برباد فرما اور ان کے دلوں کو سخت فرمادے تاکہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔ (خدا نے) فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے پہ نہ چلنا)۔ [1]

یہ عظیم دعا تھی جو اللہ کے ہمکلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے دشمن فرعون کے خلاف اٹھائی اور اللہ کے غضب کو ان پر پکارا کیونکہ وہ حق کی اتباع سے تکبر کرتا تھا اور اللہ کے رستے سے روکتا تھا اور اپنے عناد، سرکشی، ہٹ دھرمی، اور باطل وانہونی بات پر اڑ چکا تھا اور حق سے روگردانی و بڑائی کرتا تھا وہ حق جو بالکل خوب، حساً اور معناً ظاہر بھی ہو چکا تھا۔ اور قطعی ٹھوس ثبوت سے مضبوط ہو چکا تھا۔ تو ان باتوں کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو پکارا (پروردگار آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں (یعنی اس کی قبطی قوم کو اور جو بھی ان کے دین وملت پر تھے سب کو) زینت اور اموال عطا کئے ہیں دنیوی زندگی میں۔ پروردگار وہ اس سے تیرے رستے سے گمراہ کرتے ہیں) یعنی ان باتوں کی وجہ سے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھنے والا، دھوکہ میں آجاتا ہے۔ پس جاہل سمجھتا ہے یہ کیسے گمراہ ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ نے ان کو سب کچھ عنایت فرمایا ہے زیب وزینت کی نرالیاں عمدہ لباس، عمدہ سواریاں سجے دھجے گھر، آراستہ محلات، لذیز ومرغوب کھانے، دلفریب عمدہ مناظر، قوت وسطوت والی بادشاہت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ سب کچھ صرف دنیاوی زندگی میں ہے ورنہ آخرت میں یہ سخت عذاب میں ہونگے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کہ (ربنا اطمس علی اموالهم) اے پروردگار ان کے اموال کو برباد فرما۔ اس کے مطلب میں ابن عباس ومجاہد فرماتے ہیں یعنی اے اللہ ان کو ہلاک وبرباد فرما۔ اور ابو العالیہ اور ربیع بن انس اور ضحاک فرماتے ہیں اس بددعا کا مطلب ہے کہ اے اللہ ان کو پہلے کی سی حالت میں منقش پتھر بنادے (اور یہ ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکیں) اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ان کی کھیتیاں پتھر ہو گئیں تھیں اور محمد بن کعب فرماتے ہیں ان کی مرغوب ونشہ آور اشیاء پتھر ہو گئی تھیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے تمام اموال پتھر ہو گئے تھے۔ اور جب یہ بات حضرت عمر بن العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر کی گئی تو آپ نے اپنے غلام کو فرمایا جا ایک تھیلی لے آ۔ وہ تھیلی لایا تو دیکھا اس میں جو چنے اور انڈے تھے وہ پتھر سے تبدیل شدہ تھے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا۔

اور آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ (اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔ (کیونکہ) یہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں

---

(۱) یونس ۸۸۔۸۹

گے ایمان نہ لائیں گے) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یعنی اے اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیجئے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بددعا ہے۔

تو پس اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا اور اس کو حقیقت و ثابت کر دیا جیسے کہ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کو ان کی قوم کے خلاف قبول فرمایا تھا اور حضرت نوح نے یوں بددعا فرمائی تھی (پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔ بے شک اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکری ہوگی)۔ (۱)

تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی اور حضرت ہارون نے ان کی دعا پر آمین کہا تو دونوں کو دعا کرنے والا قرار دے کر دونوں کو یوں جواب مرحمت فرمایا: بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی سو ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے رستے پر نہ چلنا۔

مفسر علماء اور اہل کتاب فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے فرعون سے اپنی عیدگاہ کے میدان میں نکلنے کی اجازت طلب کی تو فرعون نے ناپسند سمجھتے ہوئے بھی اجازت دیدی۔ اور درحقیقت یہ ان شہروں سے نکلنے کی تیاری کئے بیٹھے تھے۔ اور پھر پوری تیاری مکمل کر لی۔ لیکن یہ ترکیب ان سے چھٹکارے اور خلاصی کے لئے استعمال کی تھی۔

اور اہل کتاب کے ذکر کے مطابق اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم قبطیوں سے ان کے سونے اور زیورات وغیرہ کچھ دن کے لئے مانگ لو یعنی عاریت پر لے لو۔ لہذا بنی اسرائیل نے مانگ کر ان سے بہت سا مال اکٹھا کر لیا پھر ایک رات اچانک فوراً جلدی جلدی ملک شام کا ارادہ کر کے نکل بیٹھے۔

جب فرعون کو ان کے نکل جانے کے متعلق معلوم ہوا تو سخت پریشان اور غضب آلود ہوا اور جلدی جلدی اپنے لشکر کو اکٹھا کیا اور مقابلے پر اکسایا اور ان کے پیچھے لے چلا تا کہ ان کو پہنچ کر نیست و نابود کرے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے اللہ عزوجل فرماتے ہیں (اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل پڑو پھر تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں قاصدین کو بھیجا (اور کہا) یہ حقیری سی چھوٹی جماعت ہے اور انہوں نے ہم کو غضب میں بھر دیا ہے۔ اور ہم سب ساز و سامان والے ہیں۔ پھر (اس طرح) ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے۔ (تو قبطیوں کے ساتھ تو ہم نے اس طرح کیا۔ اور پھر ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔

پھر انہوں نے طلوع آفتاب کے وقت انکا تعاقب کیا۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا گویا بڑا پہاڑ ہے۔ اور وہاں دوسروں کو ہم نے قریب کر دیا۔ اور موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس (قصے) میں نشانی ہے۔ لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور تیرا رب تو غالب مہربان ہے۔) (۲)

علماء تفسیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب فرعون اپنے لشکروں کے جلوس میں بنی اسرائیل کے پیچھے چلا تو فرعون کے لشکری بے شمار تھے۔ حتیٰ کہ ایک قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ اس کے لشکریوں میں صرف ایک لاکھ تو سخت جنگجو اور بڑے بڑے بہادر تھے۔ اور مکمل تعداد کے اعتبار سے کل لشکر تقریباً سولہ لاکھ سے بھی متجاوز تھا۔ واللہ اعلم۔ اور ایک قول کے مطابق ان فرعونیوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل جو لڑائی کر سکنے والے تھے وہ صرف چھ لاکھ تھے سوائے بچوں عورتوں کے۔

اور اب موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکل رہے تھے اور اس وقت سے چار سو چھبیس شمسی سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل علیہ السلام مصر میں (چند سو افراد کے ساتھ) داخل ہوئے تھے۔ یعنی بنی اسرائیل کا درمیانی رہائش کا وقفہ مصر میں چار سو چھبیس سال کا تھا۔

تو الغرض فرعون اپنے ٹڈی دل لشکروں کے ساتھ بنی اسرائیل کو جا پہنچا اور سورج طلوع ہونے کے وقت ان کو پہنچ گیا۔ اور دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر وہاں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا بلکہ دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو دیکھ لیا اور اچھی طرح جان لیا اور

(۱) نوح ۲۶۔۲۷ (۲) الشعراء ۵۲ تا ۶۸

دلوں کی آگ امنڈنے لگی اور اب صرف جنگ وجدل باقی رہ گیا تو اس وقت انتہائی بے کسی و بے سروسامانی کی حالت میں بنیاسرائیل نے خوفزدہ ہو کر حضرت موسیٰ سے عرض کیا (ہم تو پکڑے گئے)۔ اوران کی پریشانی کی وجہ ظاہری طور پر بجا تھی کیونکہ پیچھے جنگجوں کا لشکر جرار تھا اور آگے سمندر راستہ روکے کھڑا تھا اب کوئی راستہ باقی نہ رہا تھا سوائے اس کے کہ دریا میں غوطہ زن ہو جائیں۔ لیکن اس کی کوئی بھی طاقت وقدرت نہ رکھتا تھا بلکہ اسکا احساس بھی المناک تھا۔ اور یہ تو آمنے سامنے کا حال تھا اور دائیں بائیں بلند و بالا پہاڑوں نے راستہ گھیر رکھا تھا۔ اور پیچھے سے فرعون آڑے کھڑا تھا اور انتہائی غیض وغضب میں اپنے لشکر کے ساتھ بپھر رہا تھا۔ اور بنی اسرائیل اس کو اپنے لشکر میں پہنچا ہوا محسوس کر رہے تھے جسکی وجہ سے سخت خوف وگھبراہٹ میں مبتلا تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ دراز تک پہلے اس سے ذلتیں اور رسوائیاں اٹھا چکے تھے۔

تو تب بنی اسرائیل نے اللہ کے پیغمبر سے اپنی بے کسی اور بے راہ روی کی حالت کا اظہار بصورت شکوہ کیا تو اللہ کے پیغمبر صادق ومصدق نے زبر دست اعتماد اور عزم کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے جواب دیا (ہرگز نہیں بے شک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے) اور آپ علیہ السلام لشکر کے درمیان تھے پھر درمیان سے نکل کر لشکر کے آگے سمندر کے سامنے آئے اور اپنی جلال نظریں سمندر کی طرف اٹھائیں دیکھا کہ سمندر بھی اپنی سخت موجوں میں جوش سے پر ہے اور جھاگیں اور زور شور بڑھ رہا ہے اور آپ علیہ السلام اپنی زبان مقدس سے فرما رہے ہیں، اسی جگہ کا مجھے حکم ہوا ہے۔

اور آپ کے ہمراہ آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون اور یوشع بن نون تھے اور یہ یوشع اس وقت بنی اسرائیل کے بڑے سردار وسید علماء میں سے تھے اور بہت بڑے عبادت گذار تھے اور حضرت موسیٰ وھارون کے بعد اللہ نے ان کو پیغمبری بھی عطا فرمائی تھی۔ جیسے کہ بعد میں انکا بھی ذکر آئے گا انشاء اللہ العزیز۔

اور ان تین حضرات کے ساتھ ال فرعون کا مرد مومن، حق کا پاسبان بھی موجود تھا چاروں اولوالعزم حضرات ساتھ کھڑے تھے۔ اور تمام بنی اسرائیل ان کے کمالات کی وجہ سے ان کے سامنے سرنگوں تھے اور کہا گیا ہے کہ ال فرعون کا یہ مرد مومن بار بار اپنے گھوڑے کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر رہا تھا اور گویا گھوڑے کو سمندر میں تیراکی سکھا رہا تھا۔ کہ آیا کیا اس میں چلنا ممکن ہے؟ لیکن نہیں۔ پھر مومن حضرت موسیٰ کو عرض کرتا اے اللہ کے پیغمبر اسی جگہ کا حکم ملا ہے۔ اور حضرت فرماتے! جی، جی۔

پھر جب معاملہ پیچیدہ ہو گیا اور حالت سخت ہو گئی اور صبر لبریز اوقات آپہنچے اور سخت سامنا ہو گیا اور فرعون اپنے پجاریوں کے غیظ وغضب میں بھڑک کر تیز ہو گیا اور آنکھیں ڈبڈبانے لگیں دل حلقوں کو پہنچ گئے اس کٹھن وقت میں عظیم قدرت والے بردبار عرش کریم کے پروردگار نے اپنے ہمکلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔

"ان اضرب بعصاک البحر"

(اے موسیٰ) سمندر پر اپنا عصا ماریئے۔

تو حضرت موسیٰ نے لاٹھی سمندر پر ماری۔ اور ایک قول کے مطابق ساتھ ساتھ یہ بھی کہا "اللہ کے حکم سے (راستوں میں) پھٹ جا" اور کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے سمندر کی کنیت ابو خالد کہہ کر پکاری واللہ اعلم۔

اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا گویا وہ بڑا پہاڑ ہے۔

کہا جاتا ہے وہ سمندر سامنے سے بارہ رستوں میں منقسم ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل کل بارہ قبیلوں میں تھے لہذا ہر ہر قبیلہ ایک ایک راستہ پر ہو گیا اور ایک قول ہے کہ درمیان میں ایک دوسرے کی طرف کھڑکیاں بھی کھل گئیں تھیں اور سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن اس بات میں نظر ہے۔ کیونکہ پانی ایسا صاف آئینہ ہے کہ خود ہی دوسری طرف کی اشیاء نظر آتی ہیں۔

تو اس طرح سمندر کا پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا تھا اور اس عظیم قدرت کی وجہ سے رکا ہوا تھا جسکی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کو "کن" (ہو جا) کہہ دے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ اور اللہ نے پچھم کی ہواوں کو حکم دیا کہ سمندر پر خوب چلیں اور انہوں نے درمیانی آلودگیوں کو ختم کر دیا اور صاف شفاف کر کے دیواروں اور راستوں میں تبدیل کر دیا۔ اور پانی اس طرح خشک ہو گیا تھا کہ جانوروں کے کھر بھی صاف شفاف رہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بناو

پھر تم کو نہ تو آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ ڈر۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ انکا تعاقب کیا تو دریا نے انپر چڑھ کران کوڈھانک لیا(یعنی غرق کر دیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا۔اور سیدھے رستے پہ نہ ڈالا۔)[1]

الحاصل جب سمند کا معاملہ حکم خدا سے یہاں تک پہنچ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو لیکر دریا پار کرو۔ تو لہذا سب جلدی جلدی ان راستوں میں اتر پڑے۔

اور ساتھ ساتھ سب ایک دوسرے کو انتہائی خوشی سے مبارکبادیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ عظیم نصرت خداوندی کا معجزہ دیکھ رہے تھے جو ناظرین کو حیرت زدہ کر دے۔ اور مومنین کے دلوں کو ہدایت یاب کر دے۔

پھر جب حضرت موسیٰ سمیت تمام افراد شروع سے آخر تک دریا سے پار ہو گئے اور بالکل دریا سے جدا ہو گئے اس وقت فرعون کے لشکر کا پہلا حصہ ان راستوں میں داخل ہوا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ سمندر کو دوبارہ لاٹھی ماریں تا کہ سمندر اپنی ہیئت سابقہ پر لوٹ آئے اور فرعونیوں کو ان کی طرف کوئی راستہ نہ ملے۔ لیکن رب ذوالجلال قدرت والے نے حکم فرمایا کہ ایسا مت کرو، سمندر کو اپنی اسی حالت پر چھوڑ دو اور اس صورت حال کو صادق وکریم نے بڑے زبردست انداز میں فرمایا۔

(اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس عالی مرتبہ پیغمبر آئے۔ (جنہوں نے آکر کہا) یہ کہ خدا کے بندوں کو میرے حوالے کر دو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ اور خدا کے سامنے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی دلیل لیکر آیا ہوں۔ اور میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ اور اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ تب (موسیٰ نے) پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ (خدا نے فرمایا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو اور ضرور تمہارا تعاقب کیا جائے گا اور دریا سے جو خشک (ہو رہا ہوگا) پار ہو جاؤ۔ (تمہارے بعد) ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا، وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور اور نفیس مکان۔ اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (سب کچھ ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو انکا وارث بنا دیا۔ پھر ان (فرعونیوں) پر نہ تو آسمان رویا، نہ زمین۔ اور نہ ان کو مہلت ہی دی گئی۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی، (یعنی) فرعون سے۔ بے شک وہ سرکش، حد سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے جان کر بنی اسرائیل کو تمام عالم پر منتخب کیا تھا۔ اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں، جن میں صریح آزمائش تھی۔)[2]

پہلے بات چل رہی تھی کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ سمندر کو اپنی ہیت موجودہ پر رہنے دو۔ ان مذکورہ آیات میں سے ایک ''واترک البحر رھوا'' کا یہی مطلب ہے کہ اس کو اپنی ہیئت موجودہ ساکن پر رہنے دو۔ اور اس صفت سے اس کو نہ ہٹا دو حضرت عبداللہ بن عباس مجاہد، عکرمہ ربیع، ضحاک قتادہ، کعب احبار، سماک بن حرب اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔

پھر فرعون اس کے راستے بنی ہوئی حالت پر قریب آیا عجیب کرشمہ قدرت کا نظارہ کیا اور بہت حیران و مرعوب ہوا اور جو بات جو اس کو پہلے محقق ہو چکی تھی وہ اور خوب پختہ ہو گئی کہ یہ سب کچھ کرنے دھرنے والی ذات عرش کریم کے پروردگار کی ذات ہے یہ سوچ کر پیچھے ہٹ آیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور بنی اسرائیل کی پکڑ کے لئے آنے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہنے سے نادم و پشیمان ہوا۔ لیکن اب ندامت و سوچ بچار نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ پھر دوبارہ اپنی حالت پر پلٹا اور اپنے لشکر کے سامنے سختی کا مظاہرہ کیا اور بنی اسرائیل کے متعلق دشمنی اور عناد کا اظہار کیا۔ اور پھر اس کے کافر نفس اور فاسق طبیعت نے اس پر اکسایا اور برانگیختہ کیا کہ اپنے پاگل پجاریوں کو اور بیوقوف بنائے اور لہذا سوچ بچار کر پکارا۔

دیکھو سمندر کیسے میرے لئے (اپنے سینے کو چیر کر) راستے مہیا کر رہا ہے تا کہ میں اپنے بھگوڑے غلاموں کو اپنے قبضے میں دوبارہ لے آؤں جو میرے علاقے اور میرے فرماں برداری سے چھٹ کر بھاگے ہیں

لیکن درحقیقت اندرونی کیفیت کو لشکر والوں سے چھپا رہا تھا کہ میں تو ان کے پیچھے اب جانا نہیں چاہتا۔

کیونکہ وہ خدائی عذاب کو قریب محسوس کر رہا تھا اور سخت پیچ و تاب میں تھا کہ بس اب تو چھٹکارا مل جائے یہی بہت ہے لیکن پیچھے کے بیوقوف

---

(۱) طٰہٰ ۷۷ تا ۷۹ (۲) دخان ۱۷ تا ۳۳

پجاریوں کے سامنے اپنی خدائی برتری کو بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا اس تذبذب میں کبھی آگے بڑھتا کبھی پیچھے ہٹتا۔ اسی طرح کچھ دیر ہوتا رہا قریب تھا کہ فرعون پیچھے ہٹ آتا لیکن عجیب کرشمہ قدرت پیش آیا۔

کہ حضرت علیہ السلام جبرئیل ایک جوان خوبصورت گھوڑی پر نمودار ہوئے اور وہ گھوڑی فرعون کے گھوڑے کے آگے سے چہل قدمی کرتی ہوئی گذری۔ گھوڑا اس کو دیکھتے ہی فوراً لپکا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی کو تیز کرتے ہوئے خوب ہنکایا اور پیچھے سے فرعون کا گھوڑا فرعون ملعون کو لادے تیزی سے پیچھے دوڑا اور فرعون کچھ نفع نقصان کا مالک نہ بن سکا اور اپنے گھوڑے ہی کو نہ روک سکا اور حضرت جبرئیل اپنی گھوڑی کو لیکر سمندری راستوں میں چلے پیچھے سے فرعون کا گھوڑا بھی سمندری راستہ میں داخل ہو گیا پیچھے سے لشکر نے دیکھا تو وہ بھی فرعون کی اتباع کرتے ہوئے راستوں میں دوڑتے ہوئے داخل ہو گئے اور جب فرعون سے لیکر آخر تک کا ہر شخص سمندری راستوں میں گھس گیا تو تب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اب اپنی لاٹھی سمندر پر مار تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر پر عصا مارنا تھا اور سمندر کا غیض وغضب سے تلاطم برپا کرنا تھا۔ اور اس طرح سب راستے پہلی حالت پر پانی بن گئے اور کوئی انسان نجات نہ پا سکا۔ فرمان باری ہے

اور ہم نے موسیٰ اور آپ کے ساتھ والوں کو نجات دی۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا بے شک اس میں نشانی (عبرت) ہے۔ اور انمیں اکثر لوگ ایمان والے نہ تھے۔ اور بے شک تیرا پروردگار زبردست رحم کرنے والا ہے۔)[1]

یعنی اللہ زبردست رحیم ہے کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو غرق نہ ہونے دیا اور زبردست منتقم بھی ہے کہ اپنے دشمنوں میں سے کسی کو بھی نجات پانے نہ دی تو اس میں عظیم نشانی ہے اور قطعی دلیل ہے اللہ عزوجل کی قدرت بے مثال پر۔ اور اللہ کے پیغمبر کی تصدیق ہے تمام باتوں میں جو کچھ بھی وہ شریعت مطہرہ مقدسہ لے کر آئے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا، تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تیزی سے انکا تعاقب کیا حتیٰ کہ جب اس کو غرق نے آن پکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا اس ذات پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا؟ پس آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تا کہ تو پچھلوں کے لئے عبرت ہو اور بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

اللہ تعالیٰ قبطی کافروں کے لیڈر کے غرقاب کے متعلق خبر دے رہے ہیں۔

کہ جب سمندر کی تلاطم خیز موجیں اس کو اٹھا رہی تھیں اور کبھی غوطہ دے رہی تھیں اور بنی اسرائیل اپنی آنکھوں اور دلوں کو قرار و ٹھنڈک پہنچا رہے تھے کہ کیسا عظیم عذاب اور مہلک امر پیش آیا ہے تو ایسے موقع پر فرعون نے جب ہلاک ہونے والوں کو اپنی نظروں سے امواج ہلاکت میں دیکھا اور اس کے سامنے موت کی سختیاں پیش آنے لگیں تب وہ توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور یہ ایسا وقت تھا کہ اب ایمان کچھ بھی سود مند نہ تھا جیسے فرمان باری ہے۔

بے شک تیرے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔[2]

تو یہاں واقعی فرعون نے آنکھوں سے عذاب دیکھا اور خود مبتلائے عذاب ہوا تب ایمان لانے کی کوشش کی جبکہ اسکا کچھ فائدہ نہیں۔ اس طرح دوسرے مقام پر باری عزوجل کا فرمان ہے۔

پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جنکو اس کے ساتھ شریک کرتے تھے ان سے کفر کیا۔ لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (تو اسوقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) خدا کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں میں چلی آئی ہے۔ اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑے رہ گئے۔[3]

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس طرح ان کے متعلق بددعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ان کے اموال کو تباہ فرما اور ان کے قلوب کو سخت فرما حتی کہ عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور اس وقت ایمان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ انپر ایمان کی حسرت ہوگی اور جب دونوں بھائیوں نے بددعا کی تھی اللہ

(۱) شعراء ۶۵ تا ۶۸ (۲) یونس ۹۶ تا ۹۷ (۳) مومن ۸۴ تا ۸۵

نے بھی فرمایا تھا۔

بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔

اور اب اس طرح موسیٰ کلیم اور ان کے برادر کبیر ہارون علیہ السلام کی دعا قبول کی گئی۔

فرعون کے غرق ہونے کے منظر کے متعلق حدیث مبارکہ ہے۔ [۱]

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب فرعون نے یہ کہا، میں ایمان لایا کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو مجھے جبرئیل نے کہا اے محمد کاش اگر آپ اس وقت دیکھ لیتے (کیسا عجیب منظر تھا) کہ میں سمندر کا کیچڑ لے کر اس کے منہ میں ٹھونس رہا تھا کہ کہیں اس پر رحمت خداوندی کو جوش نہ آجائے۔ [۲] امام احمد نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

[۳] اور ابوداؤد طیالسی نے بھی فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے جبرئیل نے کہا کاش آپ مجھے دیکھتے کہ میں سمندر کا کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس رہا تھا اس خوف سے کہ کہیں رحمت نہ اس کو پہنچ جائے۔ [۴]

[۵] اور ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ نے فرعون کو غرق فرمایا تو فرعون نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور زبان سے کہا۔

میں ایمان لایا کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے تو پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خوف کیا کہ کہیں اس کے متعلق رحمت خداوندی غضب خداوندی پر سبقت نہ کر جائے لہٰذا حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے پروں سے کیچڑ لے لے کر اس کے چہرے پر مارنے لگے اور اس طرح منہ کو مٹی آلود کر کے بند کر دیا۔

ابن جریر نے اس مذکورہ حدیث کو ابو خالد کی حدیث سے روایت کیا ہے

[۶] اور ابن جریر ہی کی روایت ہے کثیر بن زاذان کے طریق سے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے محمد.... اگر آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں فرعون کے منہ میں مٹی ڈال رہا تھا اور اس کو بند کر رہا تھا اس ڈر سے کہ کہیں اللہ کی رحمت اس کو نہ پہنچ جائے اور پھر اس کی مغفرت کر دی جائے۔

اور کئی اکابر سلف نے اس روایت کو مرسلاً بھی ذکر کیا ہے مثلاً ابراہیم تیمی، قتادہ، میمون بن مہران وغیرہ۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ضحاک بن قیس نے یہ روایت تقریر میں برسرعام سنائی اور بعض روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں فرعون سے جیسا میرا بغض تھا ایسا کسی سے نہ ہوگا جس وقت اس نے یہ کہا تھا "میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں"۔

اور میں اس کے منہ میں گارا ٹھونس رہا تھا جب اس نے وہ (ایمانیہ کلمہ) کہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **آلآ ن وقد عصيت قبل و كنت من المفسدين** کیا اب...... اور پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔

یہ استفہام انکاری ہے اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے صراحتاً دلیل ہے کہ اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہوا، اور اگر اس کو اب دنیا کی طرف بھی واپس کر دیا جاتا تو یہ دوبارہ وہی سرکشی اور طغیانی پر اتر آتا جیسے کہ اللہ عزوجل نے کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ جب وہ جہنم کو دیکھیں گے اور خوب عذاب کا مشاہدہ بھی کرلیں تب کہیں گے۔

---

(۱) رواه الامام احمد حدثنا سليمان حدثنا حماد بن سلمه، عن علي بن زيد، عن يوسف بن مهران عن بن عباس قال .

(۲) رواه الترمذی وابن جرير وابن ابی حاتم عند هذه الآية من حديث حماد بن سلمه وقال الترمذی حديث حسن

(۳) وقال ابو داود الطيالسی حدثنا شعبه عن عدی بن ثابت ، وعطاء بن السائب ، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ

(۴) ورواه الترمذی وابن جرير من حديث شعبة ،وقال الترمذی حسن غريب صحيح واشار ابن جرير فی رواية إلى وقفه.

(۵) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابو سعيد الاشج حدثنا ابوخالد الاحمر، عن عمر بن عبدالله بن يعلى الثقفی، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال......

(۶) وقد رواه ابن جرير من طريق كثير بن زاذان وليس بمعروف، عن ابی حازم عن ابی هريرة قال......

فرمان الٰہی:

''ہائے کاش کہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور مومنین میں سے ہو جائیں گے۔''

اور اللہ پاک اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

بلکہ یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے ان پر آج ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ لوٹائے بھی جائیں تو جن سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی کچھ پھر کرنے لگیں کچھ شبہ نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔[1]

آگے فرمایا:

''آج ہم تیرے بدن کو نجات دیتے ہیں تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لئے نشانی بن جائے۔''[2]

حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو شک ہو گیا تھا کہ فرعون مرا نہیں ہے حتیٰ کہ بعض کہہ اٹھے: ابھی یہ مرا نہیں۔ تب اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینک دے اور ایک قول ہے کہ پانی کی سطح پر پھینکنے کا حکم دیا اور ایک قول ہے کہ زمین کی ایک ابھری ہوئی بلند جگہ پر پھینکنے کا سمندر کو حکم ہوا۔ تو بہرصورت یہ اپنے پہلے والے لباس کے ساتھ باہر لایا گیا جس سے اس کو پہچانا جاتا تھا۔ اور اللہ عزوجل نے یہ اس لئے فرمایا تھا، تاکہ بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین ہو جائے (چونکہ وہ فرعون سے اس قدر خوف وگھبراہٹ میں تھے کہ اس کی موت کا یقین ہی نہ کرتے تھے) نیز تاکہ یہ اللہ کی قدرت کا نظارہ بھی کرلیں۔ تو اللہ نے فرمایا'' آج ہم تیرے بدن کو نجات دیتے ہیں،، یعنی اسی قمیص ولباس کے ساتھ جس کے ذریعے تو پہچانا جاتا تھا'' تاکہ تو پیچھے والوں کے لئے نشانی عبرت بن جائے'' وہ پچھلے بنی اسرائیل اور دوسرے بعد والے ہیں۔ اور یہ اللہ عزوجل کی عظیم الشان قدرت پر بے مثال دلیل ہے کہ کیسے اللہ نے ان کو تباہ و برباد کیا۔

اور اس وجہ سے، تاکہ یہ پچھلے والوں کے لئے نشانی ہو بعض قرآء نے پڑھا ہے لتکون لمن خلفک آیۃ (اور یہی قرآت ہمارے ہاں تلاوت ہوتی ہے اور امام ابن کثیر کے ہاں لتکون لمن خلفک آیۃ یعنی لمن لفظ کا اختلاف ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم تجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دیتے ہیں تاکہ تو بنی اسرائیل کے لئے نشانی بن جائے اور وہ تجھ کو پہچان لیں کہ تو بالکل مرکھپ گیا ہے۔

اور فرعون کی ہلاکت تمام لشکروں سمیت یوم عاشورا کو ہوئی تھی۔

جیسے امام بخاری نے فرمایا:[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود عاشورا (دس محرم) کا روزہ رکھے ہوئے تھے تو حضور نے دریافت فرمایا یہ کونسا روزہ ہے جو تم رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جسمیں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ ملا تھا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا: تم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہو لہذا تم بھی روزہ رکھو۔

اس حدیث کی اصل صحیحین وغیرہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل کی حالت فرعون کی ہلاکت کے بعد

فرمان الٰہی ہے:

تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو زمین (شام کے) مشرق اور مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا بہترین وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب

(۱) انعام ۲۷، ۲۸ (۲) یونس ۹۲

(۳) حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة عن ابی بشر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال

کو ہم نے تباہ کردیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو، موسیٰ نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں خدا کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے اور (ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونیوں (کے ہاتھ سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو توقتل کرڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔ (۱)

اللہ عزوجل فرعون اور اس کے لشکریوں کے غرق کے متعلق تذکرہ فرمارہے ہیں کہ کیسے ان کی عزت وحشمت کو خاک میں ملایا اور ان کے جان واموال کو تباہ برباد کیا اور پھر بنی اسرائیل کو ان کے تمام اموال اور املاک کا مالک بنادیا جیسے فرمایا (اور ہم نے ان کا بنی اسرائیل کو وارث بنادیا) (۲) اور فرمایا (اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ زمین ملک شام میں کمزور کردیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (اموال کا) وارث بنادیں) (۳)

اور پہلے کی آیتوں میں فرمایا (اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو ہم نے زمین (شام میں) مشرق ومغرب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور بنی اسرائیل کے متعلق ان کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کا وعدہ پورا ہوا، اور فرعون اور اس کی قوم جو بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کردیا۔

یعنی ان تمام فرعونیوں کو نیست ونابود کردیا اور ان کی دنیاوی عریض وطویل جاہ وحشمت کو ختم کردیا اور بادشاہ اور اس کے حاشیہ برداروں اور امراء وزراء وغیرہ سب کو ہلاک کردیا اور مصر شہر میں سوائے عام اور بے ضرر افراد کے کوئی باقی نہ بچا۔

ابن عبدالحکم نے اپنی تاریخ مصر میں ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں مصر کی عورتوں نے مردوں پر تسلط وغلبہ پالیا تھا کیونکہ امراء اور بڑے لوگوں کی خواتین اپنے سے کمتر شہریوں سے شادیاں کرواتی تھیں، تو اس طرح ان عورتوں کو مردوں پر غلبہ رہتا تھا اور یہ طریقہ اب تک جاری ہے (یعنی مصنف کے زمانے تک بعد میں کیا حال ہے؟ واللہ اعلم) اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ بنی اسرائیل کو جب مصر سے نکلنے کا حکم ملا تو اللہ نے اس مہینے کو ان کے سال کا شروع قرار دیدیا اور حکم دیا کہ سب گھر والے بکری کا ایک ایک بچہ (راہ خدا میں بطور شکرانے کے) ذبح کریں اور اگر بکری کے بچے سے زیادہ کی وسعت ہو اور اس کی ضرورت نہ ہو تو بکری ذبح کریں اور پڑوسیوں کو بھی اس میں شریک کرلیں پھر جب ذبح کریں تو اس کے خون کے چھینٹے اپنے دروازوں کی چوکھٹوں پر ماریں تاکہ یہ ان کے گھروں کی علامت بن جائے اور پھر اس گوشت کو پکا کر نہ کھائیں بلکہ بھون کر اس کا مغز اور پائے اور اوجڑی کھائیں اور کچھ بھی باقی نہ رکھیں اور اس کی کوئی ہڈی بھی نہ توڑیں اور گھروں سے باہر کچھ بھی نہ لے جائیں، اور اس کی روٹی سات دن پہلے تیار کی جائے اور یہ ذبح کے عمل کی ابتداء ان کے اپنے سال کے مہینہ کی چودھویں تاریخ کو ہو اور یہ موسم ربیع ہو۔ ہرا کا زمانہ تھا اور جب یہ بکری وغیرہ کھانا شروع کریں تو بیچ کے حصے کو اوپر کسی چیز سے باندھ دیں اور پاؤں میں موزے ہوں اور بکری کی پنڈلیاں تمہارے ہاتھوں میں ہو یعنی اوپری حصہ تمہارے ہاتھوں اور منہ کے مقابلے میں ہو اور پھر کھڑے کھڑے جلدی سے کھائیں پس جو شام کے کھانے سے بچ جائے اور اگلی صبح تک رہ جائے تو اس کو آگ میں جلا ڈالیں۔ پھر یہ دن ان کے لئے ہمیشہ کے واسطے جب تک کہ تورات پر پیرا عمل ہیں عید کا دن قرار پایا پھر جب تورات منسوخ ہوجائے تو اس کی مشروعیت بھی باطل ہوجائے گی، اور اب بے شک تورات منسوخ ہوچکی ہے۔

اور اہل کتاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس رات میں قبطیوں کی تمام کنواریوں اور ان کے جانوروں کی تمام کنواریوں کو ہلاک فرمادیا تھا تاکہ یہ ان سے فارغ رہیں اور پھر بنی اسرائیل نصف نہار کے وقت نکلے اور اہل مصر اپنی کنواری اولادوں کی ہلاکت پر نوحہ زاری کررہے تھے اور کوئی گھر نہ بچا تھا جس میں سے رونا دھونا نہ ہورہا ہو اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اب نکل پڑو تو سب تیزی سے نکلے اور اتنی جلدی کی کہ جو گندھا ہوا آٹا تھا ویسے ہی ساتھ لے لیا اور تمام زادراہ یعنی کھانے پینے کا توشہ وغیرہ تھیلوں میں ڈال کر کندھوں پر ڈال لیا اور پہلے قبطیوں سے بہت سارا زروجواہر

(۱) اعراف ۱۳۶ تا ۱۴۱۔ (۲) الشعراء ۵۹ (۳) القصص ۵

عاریت لے چکے تھے اور یہ چھ لاکھ تھے اور بچے اور عورتیں وغیرہ جدا تھیں اور اس طرح بہت سارے مویشی جانور بھی تھے اور بنی اسرائیل کی مدت اقامت مصر میں چار سو تیس سال تھی اور یہی ان کی کتاب میں صراحتاً مذکور ہے اور اس سال کا نام ان کے ہاں (فسخ) رکھا جاتا ہے یعنی ختم کرنا اور اس عید کا نام بھی فسخ رکھا جاتا ہے اور ان کے لئے ایک عید الفطیر ہوتی تھی اور ایک عید الحمل ہوتی تھی اور یہ شروع سال میں ہوتی تھی اس طرح کل تین عیدیں ہوئیں اور یہ ان کی کتاب میں موجود ہیں اور ان کی عیدوں میں سے سب سے بڑی اور اہم عیدیں یہی تھیں۔ اور جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو اپنے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی لے چلے، اور وہاں سے کوچ کرنے کے لئے ''بحر سوف'' والا راستہ اپنایا اور جب یہ بنی اسرائیل دن کو چلتے تھے تو بادل سامنے ان کے ساتھ ساتھ سایہ فگن رہتے تھے اور ان سے نور کی لپیٹیں نکل کر ان پر برستی تھیں، اور رات کے وقت ان کے آگے آگے آگ کے ستون ہوتے تھے (تا کہ سردی وغیرہ دور کر لیں) حتیٰ کہ ساحل سمندر پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر پڑاؤ ڈال دیا اور پھر یہیں آ کر فرعون اور اس کے مصری شہریوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لیا اور بنی اسرائیل عین سمندر کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے تو تب بہت سے بنی اسرائیلی کو انتہائی خوف اور افسوس لاحق ہوا حتیٰ کہ کسی نے کہا ہمارا مصر میں ہی رہنا زیادہ بہتر تھا۔ اس جنگل کی موت سے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا خوف نہ کرو انشاء اللہ اب کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کبھی مصر میں واپس نہ پہنچ سکیں گے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ سمندر پر اپنی لاٹھی ماریں اور اس کو تقسیم کر دیں تا کہ بنی اسرائیل سمندر اور خشکی میں داخل ہوں اور پھر پانی ادھر ادھر ایسے ہو گیا جیسے آس پاس پہاڑی ہیں اور درمیانی جگہ خشک ہو گئی کیونکہ اللہ نے اس پر جنوبی ہوا اور باد سموم مسلط فرما دی تھی اور اس طرح بنی اسرائیل بخیر و عافیت سمندر پار ہو گئے، اور ان کے بعد فرعون مع اپنے لشکروں کے پیچھے آیا اور جب یہ سب سمندر کے وسط میں پہنچ گئے تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر لاٹھی ماری اور پانی ویسے ہی سیلاب کی طرح امنڈ پڑا جیسے پہلے بہہ رہا تھا اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ یہ رات کے وقت ہوا تھا اور سمندر ان پر صبح کے وقت تلاطم خیز ہوا تھا لیکن یہ آخری بات ان کی سخت غلطی ہے، واللہ اعلم۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے یہ تسبیح پڑھی۔

نسبح الرب البهی، الذی قهر الجنود، ونبذ فرسانها فی البحر المنیع المحمود

ہم تسبیح کرتے ہیں اس پروردگار کی جو انتہائی حسن و جمال والا ہے جس نے لشکروں کو برباد کیا اور ان کے لشکروں کو سمندر کی طوفانی موجوں کے حوالے کیا اور اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ بہت تعریف کے لائق ہے۔

اور یہ تسبیح بہت لمبی ہے

اور اہل کتاب کہتے ہیں اس موقع پر حضرت ہارون علیہ السلام کی ہمشیرہ جس کا نام مریم نبیہ تھا اس نے اپنے ہاتھ میں دف لیا اور پھر ان کی اتباع میں بنی اسرائیل کی دوسری عورتیں بھی دف اور طبلے لے کر نکلیں اور حضرت مریم یہ تسبیح گا گا کر پڑھ رہی تھیں۔

سبحن رب القهار الذی بد دالخیول، ور کبا نها القاء البحر

پاک ہے وہ ذات جو پروردگار ہے عذاب والا ہے جس نے گھوڑوں کو برباد کیا اور ان کے سواروں کو سمندر میں تباہ و برباد کیا۔

(ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے اسی طرح ان کی کتابوں میں دیکھا ہے، اور شاید یہی مذکورہ روایتیں ہیں جنھوں نے محمد بن کعب قرظی کو یہ فرمانے پر مجبور کیا کہ مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ وہ بھی مریم ہیں جو حضرت ہارون اور موسیٰ کی بہن ہیں اور یہ ان کا قول اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے یا اخت ھارون اور اسی مقام پر ہم نے حضرت محمد بن کعب کی غلطی کو بیان کر دیا ہے کیونکہ یہ کہنا کسی طرح ممکن نہیں اور اس قول کا قائل اور کوئی نہیں بلکہ تمام مفسرین نے ان کی مخالفت فرمائی ہے اور اگر یہ بنی اسرائیل کی مذکورہ روایت کو محفوظ اور صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی مطلب ہوگا کہ یہ مریم بنت عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ھارون علیہ السلام کی بہن ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران مذکورہ مریم کی ہم نام ہیں اور باپ اور بھائی کے نام میں بھی شریک ہیں لہٰذا پھر بھی دونوں مریم جدا جدا ہوں گی نہ کہ محمد بن کعب کے مطابق دونوں ایک ہوں گی، اور اس پر ایک حدیث سے دلالت بھی ملتی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ سے اہل نجران نے اللہ کے قول یا اخت ھارون کے متعلق دریافت کیا تو ان کو

جواب نہ آیا پھر انھوں نے حضور سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔
کیا آپ کو پتہ نہیں کہ وہ لوگ اپنے انبیاء کے ہم نام، نام رکھتے تھے
امام مسلمہ نے اس کو روایت فرمایا:
اور پہلے جو "نبیہ مریم" نام آیا اس میں نبیہ سے مراد ہے کہ جیسے "ملک" بادشاہ کو اور اس کی بیوی کو ملکہ کہا جاتا ہے اور امیر کی بیوی کو امیرہ کہا جاتا ہے یہ اس طرح ہے کہ ان کو بھی نبیہ کہہ دیا گیا ورنہ وہ حقیقت میں نبیہ نہ تھیں۔
اور ان کا دف یعنی ڈھول وغیرہ بجانا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے لئے عیدین وغیرہ خوشیوں کے مواقع میں یہ بجانا مشروع تھا، اور ہمارے ہاں بھی عورتوں کیلئے صرف دف بجانے کی اجازت ہے شادی وغیرہ کے موقع پر اور اس کی دلیل ہے کہ دولڑکیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایام منی میں دف بجارہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ ان کی طرف اپنی پشت مبارک کئے ہوئے کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ دیوار کی طرف تھا تو پھر حضرت ابوبکر داخل ہوئے اور یہ معاملہ دیکھتے ہی ڈانٹا اور فرمایا کیا شیطان کا باجہ رسول کے گھر میں؟ تو حضور نے فرمایا چھوڑو ان کو اے ابوبکر یہ قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اور ہماری شادی اور کسی خوشی مل جانے پر بھی اسی طرح خوشی کی وجہ سے اجازت ہے جیسے کہ اپنے مقام پر اس کی خوب وضاحت کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔
اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ سمندر پار ہو کر ملک شام کی نیت سے چلے تو تین دن تک ان کو پانی میسر نہ آیا اور اس کے متعلق لوگوں میں پریشانی کی باتیں شروع ہوگئیں تو پھر انھوں نے نمکین کڑوا پانی پایا جس کے پینے کی وہ طاقت نہ رکھتے تھے تو پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا تو آپ نے ایک لکڑی لی اور وہ پانی میں رکھ دی جس سے پانی شیریں ہوگیا اور پینے کے لائق ہوگیا اور اس مقام پر اللہ نے ان کو فرائض اور سنن سے روشناس کرایا اور بہت سی ان کے متعلق نصیحتیں کیں:
اور اللہ عزوجل اپنی کتاب عزیز جو بالکل محفوظ وسالم ہے بخلاف دوسری کتب کے، اس میں اللہ نے فرمایا ہے۔
اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا پھر وہ ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں پر جھکی پڑی تھی تو کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنادے جیسے ان کے معبود ہیں تو حضرت (موسیٰ نے) کہا تم جاہل قوم ہو، یہ لوگ جس میں ہیں یہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ بھی وہ کررہے ہیں باطل ہے)۔[1]
فرمایا کہ یہ باتیں جہالت وگمراہی کی ہیں کیونکہ پہلے یہ اللہ کی نشانیوں اور اس کی قدرت کا خود مشاہدہ کر چکے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی سچائی پر خوب دلالت کرتی ہیں اور اب یہ بتوں کی پجاری قوم کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایسی احمقانہ بات کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بت گائے کی صورت پر تھے، گویا بنی اسرائیل نے ان پجاریوں سے پوچھا کہ تم کیوں ان کی عبادت کرتے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ ان کو نفع و نقصان دیتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان سے رزق طلب کرتے ہیں تو پھر بعض بنی اسرائیل جو جاہل تھے انھوں نے ان کی تصدیق کردی، پھر انھوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ کلیم سے خواہش ظاہر کی کہ ان جیسے معبود ہمارے لئے بھی بنادیئے جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جاہل اور بے وقوف خیال کرتے ہوئے فرمایا (یہ سب جس میں مشغول ہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں اور جو کچھ یہ کررہے ہیں سب باطل ہے)۔
پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اللہ کے انعامات جتلائے کہ اس نے تم کو جہاں والوں پر فضیلت دی کہ تم علم و شریعت والے ہو اور رسول تمہارے درمیان موجود ہے اور اس نے تم پر کس کس قدر احسانات کئے اور تم کو ظالم سرکش فرعون کے قبضے سے نجات دلوائی اور تمہارے دیکھتے دیکھتے ان کو تباہ و برباد کیا اور جو کچھ فرعونیوں نے جمع کیا تھا اس کا تم کو وارث بنایا، اور پھر اللہ نے تمہارے لئے واضح کیا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے کیونکہ وہی خالق رازق اور نجات دینے والا ہے اور تم پھر اس کے سوا کسی پرستش کرنا چاہتے ہو؟
اور یہ سوال اور خواہش چند بنی اسرائیل کی تھی نہ کہ سب کی کیونکہ آیت میں جو ہے **قالوا یاموسیٰ جعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ** اس میں قالوا میں ضمیر جنس کی طرف راجع ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت ہے۔

(۱) اعراف ۱۳۸ تا ۱۳۹

بل زعمتم الن نجعل لکم موعدا
بلکہ تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے کوئی وعدہ کا وقت نہیں بنایا۔ [1]
تو یہاں بھی سب کا یہ گمان وخیال نہیں ہے، بلکہ کافروں کا ہے۔
اور مسند احمد میں ہے کہ ابو واقد لیثی سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین کی طرف نکلے تو ہم بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ جیسے یہ لٹکانے اور چکر لگانے کی جگہ ہے اسی طرح ہمارے لئے بھی بنا دیجئے؟ کیونکہ کفار اپنے اسلحے بیری کے درخت پر لٹکا کر اس کے گردو پیش گھومتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔
اللہ اکبر یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا ہمارے لئے کوئی معبود بنادے جیسے ان کے معبود ہیں، بے شک تم پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔ [2]
[3] اور ابن جریر میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں ہے کہ ابو واقد لیثی سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، اور کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور اپنا اسلحہ وغیرہ بھی اس پر لٹکاتے تھے اور اس کو گھومنے کی جگہ کہا جاتا تھا، تو ہم بھی ایک انتہائی سرسبز بیری کے بڑے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی چکر لگانے کی جگہ بنا دیجئے جیسی ان کی ہے۔
تو آپ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم نے اسی طرح کہا ہے جیسے موسیٰ کی قوم نے کہا تھا، کہ ہمارے لئے معبود بنا دیجئے جیسے ان کے لئے ہیں، پھر آپ نے پوری آیت تلاوت فرمائی۔

بیت المقدس کوچ

جب حضرت موسیٰ مصر سے نکلے تو بیت المقدس میں موجود قوموں سے بیت المقدس چھڑانے کا حکم ملا اور یہ قومیں قوم جبارین اور قوم فزاریین اور قوم صیائیین اور قوم کنعانیین تھیں، اس قوم سے اللہ نے جہاد بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا اور بیت المقدس کا وعدہ ابراہیم خلیل علیہ السلام اور موسیٰ کلیم علیہ السلام کے ذریعہ کیا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے لڑنے سے منع کر دیا تو اللہ نے ان کو میدان تیہ میں قید کر دیا چالیس سال اسی میں بھٹکتے رہے اور اللہ نے ان پر خوف اور اپنا غضب وغیرہ عذابات کو مسلط کر دیا جیسے فرمان باری ہے۔
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بھائیو تم پر خدا نے جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا، تو بھائیو تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو، اور (دیکھنا مقابلہ کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں، اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کی عنایت تھی، کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے پر داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو وہ بولے کہ موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے، موسیٰ نے (خدا سے) التجا کی کہ اے میرے پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں

---

(۱) وقد قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن الزهری عن سنان بن ابی سنان الدیلی عن ابی واقد اللیثی، قال

(۲) ورواه النسائی عن محمد بن رافع، عن عبدالرزاق به ورواه الترمذی عن سعید بن عبدالرحمن المخزومی عن سفیان بن عیینة، عن الزهری، به ثم قال حسن صحیح

(۳) وقد روی ابن جریر من حدیث محمد بن اسحاق و معمر و عقیل عن الزهری عن سنان بن ابی سنان عن ابی واقد اللیثی

رکھتا تو ہم میں اوران نافرمان لوگوں کے درمیان جدائی کردے خدا نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس کے لئے حرام کردیا گیا کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرماں لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر۔ (۱)

اس طرح اللہ کا پیغمبران پر اللہ کے احسانات کو جتلا رہا ہے کہ کیسے اس نے تم پر دینی ودنیوی نعمتوں کی بارش کی، اوراب اس نے تم کواپنے راستے میں اپنے دشمنوں سے قتال کا حکم دیا ہے، فرمایا: اے قوم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور تم پیٹھ کے بل نہ پھرو۔ یعنی ایڑیوں کے بل واپس نہ لوٹو ورنہ تو تم خاسرین میں سے ہو جاؤ گے، یعنی نفع کے بعد گھاٹے میں اور کمال کے بعد نقصان میں پڑ جاؤ گے، تو وہ کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو جبارین قوم ہے) یعنی انتہائی سخت سرکش اور کافر لوگ اور ہم تو ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے حتیٰ کہ وہ نکلیں پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے) اس طرح یہ ان سرکشوں سے خوفزدہ ہو گئے حالانکہ پہلے فرعون وغیرہ کی ہلاکت کو خوب دیکھ چکے تھے جو ان سے بہت سخت اور بہت مال ودولت اور لشکروں والا تھا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی بات میں ملامت زدہ تھے اور اپنی انتہائی بری کمزور حالت خیال کرتے تھے کہ دشمنوں سے حملہ میں بزدل ہو گئے اور بدبختوں سرکشوں سے مقابلہ پر نہ آسکے۔

اوراس مقام پر مفسرین نے بہت سی خرافات کہیں ہیں جو باطل ہیں اور عقل ونقل کے خلاف ہیں، وہ یہ کہ: قوم جبارین بڑے ہیبت ناک جسموں اور شکلوں والی قوم تھی، حتیٰ کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول کے قاصدین ان کے علاقے میں گئے تو ان کو ایک جبارین قوم کا شخص ملا اس نے ان کو ایک ایک کر کے اٹھایا اور اپنی آستین کی جیب میں ڈال لیا اور آستین کے کنارے میں باندھ لیا اور یہ بارہ آدمی تھے اور اپنے جباری بادشاہ کے پاس جا کر ان کو اپنے کپڑے سے جھاڑ دیا اس نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اور بادشاہ نے پہچانا تک نہیں کہ یہ بنی آدم ہیں۔

تو یہ سب خرافات اور افواہیں ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اور پھر ذکر کرتے ہیں کہ بادشاہ نے انگوروں کا گچھا بھیجا جس میں سے ہر ایک انگور ایک آدمی کے لئے بہت تھا، اور یہ اس لئے بھیجا تا کہ بنی اسرائیل کو ان کے قد وقامت اور ان کی اشیاء کی جسامت کا پتہ چل جائے اور یہ بھی بالکل غلط ہے، اور پھر ذکر کیا کہ انہی کا ایک شخص عوج بن عنق نکلا اور بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کے لئے چلا اس کا قد تین ہزار ہاتھ لمبا اور تین سوتینتیس ہاتھ چوڑا اور تین ہاتھ موٹا تھا، اور علامہ بغوی نے بھی یہی ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں ہے اور ہم اس کی تفصیل ذکر کرآئے ہیں حضور کے اس فرمان کے تحت کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو ساٹھ ہاتھ لمبا پیدا فرمایا تھا پھر خلق مسلسل گھٹتی گئی حتیٰ کہ عوج کے متعلق آگے لکھتے ہیں کہ عوج نے ایک پہاڑ کی بڑی ساری چٹان کو اکھاڑا اور اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر چل دیا تا کہ بنی اسرائیل کے لشکروں پر پھینک کر ان سب کو نیست ونابود کردے پھر ایک پرندہ آیا اور اس نے اوپر سے پتھر میں سوراخ کرنا شروع کردیا اور چونچ مار مار کر اتنا سوراخ کردیا کہ وہ عوج کی گردن میں طوق بن کر پڑ گیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کے ارادہ سے بڑھے اور آپ کا قد دس ہاتھ تھا اور آپ نے دس ہاتھ اونچی چھلانگ لگائی اور دس ہاتھ لمبا آپ کا عصا تھا اس طرح تیس ہاتھ اونچائی پر پہنچ کر آپ کی ضرب عوج کے ٹخنے پر پہنچی اور اس کو مار کر قتل کردیا۔

اور یہ روایت نوف بکالی سے مروی ہے اور ابن جریر نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد میں بہت نظر ہے، پھر جو کچھ بھی ہوا ہے اسرائیلی روایت۔ اور یہ بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے کیونکہ جھوٹی باتیں ان کے ہاں بہت ہی پھیلی ہوئی تھیں اور ان کو صحیح و باطل کی تمیز بھی نہ تھی پھر اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تو بنی اسرائیل کا جنگ سے معذرت کرنا درست بن جاتا ہے کیونکہ وہ کیسے ان ہیکل جسموں سے لڑ بھڑ سکتے تھے۔ حالانکہ اللہ نے ان کی لڑائی نہ کرنے پر مذمت فرمائی ہے اور ان کو سزا میں چالیس سال میدان تیہ میں چکر کٹوائے ہیں کہ انہوں نے رسول کی مخالفت کرتے ہوئے جہاد کو ترک کیا اور اس موقع پر حضرت یوشع ابن نون اور کالب بن یوفنا نے لڑائی کے لئے آگے بڑھنے کی ہمت بھی دلائی تھی، اوران کو پیچھے ہٹنے سے منع کیا، ابن عباس، اور مجاہد اور عکرمہ اور علیہ اور سدی اور ربیع بن انس وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔

آیت مبارک میں (جو لوگ ڈرتے تھے ان میں سے دو آدمیوں نے کہا) تو یہی مذکورہ صالح آدمی مراد ہیں اور آیت میں یَخافون کو یُخافون

(۱) مائدہ ۲۰ تا ۲۶

بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب ہوگا کہ وہ لوگ جو ڈرائے گئے یعنی ہیبت زدہ کر دیئے گئے، ان میں سے دو آدمیوں نے نصیحت کی اور (اللہ نے ان دونوں پر انعام کیا) اسلام اور ایمان اور فرماں برداری و بہادری کے ساتھ، تو ان دو شخصوں نے فرمایا (ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان والے ہو؟)

یعنی جب تم نے اس کی ذات پر بھروسہ کر لیا اور اس سے مدد مانگ لی اور تم نے اس کی طرف ٹھکانہ پکڑ لیا تو وہ تمہاری دشمنوں پر مدد فرمائے گا اور تمہیں ان پر تقویت دے گا اور تم کو فتح یاب فرمائے گا۔ تو بنی اسرائیل ان کے جواب میں حضرت موسیٰ کو (کہنے لگے اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جاسکتے (اگر لڑنا ضروری ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)۔

اس طرح ان کے امراء اور سردار حضرات جہاد سے پیٹھ پھیر کر کے ہو گئے اور ان میں ہیبت اور سخت بزدلی کی فضا قائم ہو گئی کہا جاتا ہے کہ جب یوشع ابن نون اور کالب بن یوفنا نے ان کی یہ سخت بات سنی تو انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور حضرت موسیٰ اور ھارون اس بات کی گستاخی کو عظیم سمجھتے ہوئے خدائے عزوجل کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور خدا کے غضب سے ڈرے اور سخت خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کی بدزبانی کی بنا پر عمومی عذاب نہ ان کو آ پکڑے اور حضرت موسیٰ نے دعا کی۔

التجاء کی کہ پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے، خدا نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں بھٹکتے پھریں گے پس تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر)

اس طرح سستی کی بدولت ان کو زمین میں بھٹکتے رہنے کی سزا دی گئی ہے کہ بے مقصد چلتے رہیں دن بھی رات بھی صبح بھی، شام بھی اور کوئی نہ نکل سکے۔ کہا گیا ہے کہ ان میں سے جو بھی داخل ہوا تھا کوئی بھی یہاں سے نہ نکل سکا، بلکہ چالیس سال کی مدت میں سب مر کھپ گئے اور ان کی اولاد باقی رہ گئی اور ہاں یوشع بن نون اور کالب علیہ السلام بھی باقی رہ گئے۔

یہ تو اصحاب بنی اسرائیل کا حال تھا مگر قربان جائیے اصحاب محمد ﷺ پر کہ انھوں نے بدر کے دن یوں نہ کہا جیسے کہ قوم نے کہا تھا بلکہ جب حضور ﷺ نے ان سے مشورہ طلب فرمایا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ہی زبردست جواب دیا اور اسی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی سرفروشانہ گفتگو کی۔

پھر حضور دوبارہ فرمانے لگے مجھے مشورہ دو مجھے مشورہ دو تو حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں گھس جانے کا فرمائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگائیں گے ہم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے گا، اور ہمیں کوئی ناپسند نہیں ہے کہ ہم کل اپنے دشمن سے بھڑیں، ہم جنگ میں صبر آزما قوم ہیں اور ملاقات میں سچ گو قوم ہیں، شاید اللہ ہم سے وہ کارنامے آپ کو دکھلائے جو آپ کو خوش کر دیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں پس اللہ کی برکت کے ساتھ آپ ہمیں لے چلیں۔

تو رسول اکرم ﷺ حضرت سعد کی گفتگو سے انتہائی خوش و مسرور ہو گئے اور حضرت سعد کی گفتگو نے آپ کو پر نشاط فرما دیا۔

[1] اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں حضور کو عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی کو کہا تھا کہ (پس تو اور تیرا رب جا کر لڑ لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ آپ اپنے رب کے ساتھ ہمیں بھی لے چلیں ہم خوب قتل و قتال کریں گے

اور اس حدیث کی اسناد جید ہے اور اس کے دوسرے طرق بھی ہیں۔

[2] اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مقداد رضی اللہ عنہ میں ایسی چیز دیکھی کہ میں ان کی جگہ ہوتا

---

(۱) وقال الامام احمد حدثنا وکیع، حدثنا سفیان، عن مخارق بن عبدالله الاحمسی، عن طارق ان المقداد قال

(۲) قال احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا اسرائیل، عن مخارق، عن طارق بن شهاب، قال قال عبدالله بن مسعود

بہت پسند کرتا ہوں کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ مشرکین کے خلاف بددعا فرما رہے تھے تو حضرت مقداد نے عرض کیا۔
اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام کو کہی تھی کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔
بلکہ ہم لڑیں گے آپ کے دائیں سے آپ کے بائیں سے آپ کے سامنے سے آپ کے پیچھے سے (غرض ہر طرح سے ہر طرف لڑیں گے) حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں پھر میں نے حضور کے چہرے کو دیکھا کہ اس بات کی وجہ سے آپ کا چہرہ چمک رہا ہے اور آپ انتہائی خوش ہیں۔ (۱)
(۲) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب میدان بدر کی طرف چلے تو آپ نے مسلمانوں سے (جنگ کرنے کے متعلق) مشورہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصار (کے سرداروں) نے کہا اے انصار کی جماعتو: رسول اللہ ﷺ کا تمہاری طرف اشارہ ہے تو اس پر انصار بولے اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا (آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ برک غماد (دور دراز جگہ) بھی جائیں گے تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ (۳)

بنی اسرائیل کا میدان تیہ میں داخل ہونا اور وہاں عجائبات کا پیش آنا

پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل نے جبارین سے قتل وقتال کرنے سے گریز اور انکار کیا اور اس پر اللہ نے ان کو میدان تیہ میں بھٹکتے رہنے کی سزا دی اور یہ فیصلہ فرمادیا کہ چالیس سال تک یہ اس میدان سے نہ نکل سکیں گے۔
(ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اور میں نے اہل کتاب کی کتاب میں نہیں دیکھا کہ بنی اسرائیل نے جبارین کے ساتھ لڑائی کرنے سے منع کیا ہو، لیکن یہ ہے کہ یوشع بن نون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کچھ جماعت کے ساتھ) تیار کر کے کفار کی ایک قوم سے لڑنے کے لئے بھیجا اور حضرت موسیٰ اور ھارون اور خور تینوں افراد ایک ٹیلے پر بیٹھ گے اور حضرت موسیٰ اپنے عصا کو بلند کرتے تو اللہ وہاں حضرت یوشع کو بلند فرماتے اور غلبہ عطا فرماتے اور جب بھی ہاتھ تھکنا یا کسی اور وجہ سے ہاتھ نیچے ہو جاتا تو حضرت یوشع پر دوسرے کافر غلبہ پالیتے اسی طرح ہوتا رہا اور حضرت ہارون اور حضرت خور دونوں مل کر آپ کے ہاتھ کو اٹھا کر عصا سمیت دائیں بائیں پھرواتے، اور صبح سے غروب شمس تک یوں ہوتا رہا بالآخر حضرت یوشع فتح یاب ہوئے۔
اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی قصہ مروی ہے کہ مدین شہر کا کاہن یثرون نامی جو حضرت موسیٰ کا سسر بھی تھا اس کو جب یہ خبریں ملیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے پر فتح حاصل ہوئی اور ایسے ایسے معجزات ظاہر ہوئے تو وہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا اور اس کے ساتھ اس کی دختر نیک صفوانامی خاتون بھی تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھیں اور ساتھ میں یثروں کے دو بیٹے جرشون اور عازر بھی تھے یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے حضرت موسیٰ نے انکا اکرام کیا، پھر اس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے شیوخ وسردار نے بھی اس کی تعظیم کی اور

(۱) رواه البخاري في التفسير والمغازي من طرق عن مخارق به.
(۲) وقال الحافظ ابوبكر بن مردويه حدثنا علي بن الحسين بن علي، حدثنا ابو حاتم الرازي، حدثنا محمد بن عبدالله الانصاري حدثنا حميد عن انس، ان
(۳) رواه الامام احمد عن عبيدة بن حميد الطويل، عن النبي به، ورواه النسائي عن محمد بن المنتهى عن خالد بن الحارث، عن حميد، عن انس به نحوه، و اخرجه ابن حبان في صحيحين عن ابي يعلى عن عبدالاعلى عن معمر، عن حميد عن انس به نحوه

ان کو اپنا بزرگ تسلیم کیا۔

اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ یثرون نے دیکھا کہ جھگڑوں کے نمٹاتے وقت بنی اسرائیل سب ہی حضرت موسیٰ کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور تمام فیصلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی کو نمٹانے پڑتے ہیں تو یثرون نے حضرت موسیٰ کو مشورہ دیا کہ آپ کچھ ایسے افراد منتخب کریں جو امانت دار اور متقی، اور پاکدامن ہوں، جو رشوت اور خیانت سے نفرت کرتے ہوں پھر ان کو ہزاروں پر سردار بنادیں اور پھر ہزاروں میں سے سو سو پر سردار بنادیں پھر پچاس پچاس پر سردار بنادیں پھر دس دس پر سردار بنادیں اور یہ سردار اپنے ماتحتوں کے فیصلے نمٹائیں اور جب کوئی معاملہ ان پر مشکل ہو جائے تب یہ آپ سے رجوع کریں تو پھر آپ فیصلہ فرمادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی رائے پسند آئی اور ایسا فرمادیا۔

اہل کتاب کہتے ہیں جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو تیسرے مہینے میں جبل سیناء کے نیچے پہنچے اور جو مہینہ ان کے لئے سال کی ابتداء رکھا گیا تھا اس مہینے میں یہ نکلے تھے۔ اور یہ موسم بہار کا پہلا مہینہ تھا۔ تو اس حساب سے گویا کہ یہ بنی اسرائیل گرمیوں کے ابتدائی موسم میں میدان تیہ میں داخل ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

اہل کتاب کہتے ہیں بنی اسرائیل طور سیناء کے گرد و پیش اترے تھے۔ اور موسیٰ جبل پر چڑھے۔ پھر اپنے پروردگار سے ہمکلام ہوئے۔ اور موسیٰ کو حکم ملا کہ اپنی قوم پر اپنے رب کے احسانات کا تذکرہ کریں کہ تم کیسی اذیت و کرب میں مبتلا تھے فرعون کی وجہ سے پھر اللہ نے تم کو اس سے نجات عطا فرمائی اور ان کو اس کے عذاب وخوف سے بالکل ہی خلاصی عطا فرمائی کہ اس کو نیست و نابود کردیا۔

اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم کریں کہ وہ پاکیزگی حاصل کریں اور غسل کریں اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں اور تیسرے دن کے لئے تیار ہو جائیں اور جب تیسرا روز آجائے تو سب کے سب جبل سیناء کے گرد اکٹھے ہو جائیں لیکن پہاڑ کے بالکل قریب کوئی نہ لگے۔ اور جو شخص قریب ہوا وہ قتل کردیا جائے گا۔ حتیٰ کہ کوئی جانور بھی اس کے قریب نہ آئے۔ آیا تو اسکا بھی وہی حشر ہوگا اور یہ حکم جب تک جاری رہے گا جب تک کہ سینگ میں سے آواز آتی رہے (پہلے بانسری کی طرح سینگ کو بنا کر اس کو بجاتے تھے) پھر جب آواز خاموش ہو جائے پھر تمہارے لئے پہاڑ پر چڑھنا بھی حلال ہو جائے گا لہذا بنی اسرائیل نے یہ سن کر فرمابرداری کی اور غسل و نظافت حاصل کی اور خوشبو وغیرہ لگائی۔

پھر جب تیسرا روز آیا تو پہاڑ کو عظیم گہرے بادلوں نے ڈھانک لیا اور اس کے بیچوں بیچ سے نور کا ستون ظاہر ہوا اور وہ سایہ فگن رہا۔ اور ان میں مختلف آوازیں اور بجلی گرج اور صور پھونکنے کی سخت آواز آنا شروع ہوگئی جس سے بنی اسرائیل سخت خوفزدہ ہوئے اور اس جگہ پلٹ پڑے اور پہاڑ کے دامن یعنی کچھ دور آکر ٹھہرے اور اس اثنا پہاڑ کو گہرے گھنے بادلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پہاڑ خود بھی انتہائی سخت زلزلے کی زد میں آگیا اور ہلنے لگا۔ اور موسیٰ پہاڑ پر تشریف فرما تھے اور اللہ عزوجل ان سے راز و نیاز فرما رہے تھے اور شرف کلامی سے مشرف فرما کر کلیم لقب کا مستحق فرما رہے تھے۔ پھر جب راز و نیاز ختم ہوئی تو اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ نیچے اتریں اور بنی اسرائیل کو کہیں کہ اب پہاڑ کے قریب ہو جائیں۔ اور خوب اللہ کی نصیحت سنیں۔ اور ان میں سے جو احبار یعنی علماء تھے ان کو حکم ہوا کہ وہ پہاڑ پر چڑھ جائیں۔ تاکہ قرب میں کچھ آگے ہو جائیں۔

لیکن ان کی کتاب کے موجب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

کیونکہ پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار وہ پہاڑ پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور میں ان کو اس سے منع کر چکا ہوں پھر اللہ نے حکم فرمایا کہ جاؤ اور اپنے بھائی ہارون کو اپنے ساتھ لے آؤ۔

اور دوسرے کاہن علماء اور بنی اسرائیل کے دوسرے گروہ دور نہ رہیں۔ بلکہ پہاڑ کے قریب ہو جائیں تو حضرت موسیٰ نے حکم کی تابعداری فرمائی۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور دس باتوں کی نصیحت فرمائی اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے کلام کو سنا لیکن سمجھ نہ سکے پھر حضرت موسیٰ نے ان کو سمجھایا، حضرت موسیٰ سے بنی اسرائیل کے لوگ کہنے لگے پس ہمیں یقین ہوگیا کہ آپ پروردگار عزوجل کی طرف سے پیغمبر ہیں۔ پس ہم خوف کرتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دس باتیں پہنچائیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱)......اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنا۔
(۲)......اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے رکنا۔
(۳)......شنبہ (ہفتہ) کے دن کی حفاظت کرنا یعنی پورے ہفتہ میں عبادت کے لئے یہ ایک دن خاص رکھنا اور اس میں کام کاج سے چھٹی کرنا اور عبادت کرنا۔ اور یہ چیز اب جمعے کے دن حاصل ہے اور جمعے کے دن کی وجہ سے ہفتہ کا دن منسوخ کر دیا گیا۔
(۴)......اپنے والدین کا اکرام کرنا تا کہ تیری عمر زمین میں زیادہ کر دی جائے۔
(۵)......جو تمہارے ہاں اولاد پیدا ہو اس کو قتل نہ کر۔
(۶)......نہ زنا کر۔
(۷)......نہ چوری کر۔
(۸)......نہ اپنے ساتھی پر جھوٹی گواہی دے۔
(۹)......اپنے ساتھی کے گھر کی طرف نگاہیں مت اٹھا۔
(۱۰)......اپنے ساتھی کی بیوی کی طرف مت التفات کر۔ اور نہ اس کے غلام یا باندی یا اس کے کسی جانور بیل یا گدھے کی طرف خواہش مت کر الغرض اپنے ساتھی کی چیز پر حرص مت کر۔

اور اکثر علماء سلف وغیرہ نے فرمایا ہے ان دس کلمات کا زیادہ تر مضمون قرآن کی ان دو آیتوں میں آ گیا ہے:

ترجمہ:......کہو (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے، کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا۔ اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) نیک سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بےحیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کی طرف نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جسکا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تا کہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو، اور خدا کے عہد کو پورا کرو، ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور رستوں پر نہ چلنا کیونکہ (ان پر چل کر) خدا کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیزگار بنو۔[۱]

اور ان نصائح کے بعد بھی بہت سی وصیتیں اور متفرق احکامات نازل فرمائے جو کچھ عرصہ رائج رہے پھر زائل ہو گئے۔ اور ایک زمانہ تک ان پر عمل ہوتا رہا پھر وہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی بھینٹ چڑھ گئے پھر انہوں نے کچھ تحریف و تغییر کیا پھر تمام ہی میں تغیر کر ڈالا پھر یہ خدا کی طرف سے بھی ایک زمانے تک رائج و مشروع رہنے کے بعد منسوخ و محرف ہو گئے۔

پس اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی بعد بھی وہ جو چاہے حکم کرتا ہے اور جو ارادہ فرمالے کر گذرتا ہے اسی کی ساری مخلوق ہے، اسی کا ہر چیز پر حکم ہے۔ اللہ رب العلمین بابرکت و بلند ہے۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی، اور طورؑ کے دائیں جانب تم سے وعدہ لیا، اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا، کھاؤ پاکیزہ رزق جو تم کو ہم نے دیا ہے۔ اور اس میں سرکشی نہ کرو! ورنہ تم پر میرا غضب اتر جائے گا اور جس پر غضب اترا وہ ہلاک ہوا اور میں مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کی جو توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور عمل صالح کئے پھر ہدایت یاب ہوا۔)[۲]

اللہ عزوجل اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ان کو ان کے دشمنوں سے نجات دی اور تنگی و پریشانی سے خلاصی دی۔ اور اپنے نبی

(۱) انعام ۱۵۱ تا ۱۵۳ طٰہٰ ۸۰۔۸۲

کے ساتھ طور کی دائیں جانب میں ان سے وعدہ لیا اور اپنے دنیاوی و اخروی فوائد کے متعلق ان پر احکام نازل فرمائے۔

اور سفر و حضر کی حالت میں شدت ضرورت کے موقع پر جب کھیتی باڑی کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا ایسے وقت ان پر من وسلویٰ کی نعمت نازل فرمائی۔ جب صبح کرتے تو من (جو دانے ہوتے تھے) اپنے گھروں کے درمیان میں پاتے اور یہ اپنی ایک دن کی حاجت کے لئے اٹھا لیتے۔ جو زیادہ اٹھاتا تو خراب ہو جاتے۔

اور جو کم اکٹھا کرتا تو وہ اس کو کافی ہو جاتے، اور زیادہ ہوتے تو بچتے ہی نہیں، یا خراب ہو جاتے پھر ان سے روٹی بناتے اور وہ خوب سفید میٹھی ہوتی تھی پھر شام ہوتی تو پرندے جو سلویٰ کہلاتے ان کے گردو پیش آ جاتے تو یہ بغیر کسی مشقت کے آسانی سے ان کو پکڑ لیتے اور اپنے بقدر اکتفا کرتے اور جب گرمیوں کا موسم ہوتا تو ان پر بادل آ جاتے جو ان کو گرمی و تپش سے بچاتے جیسے درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے آل یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا؟ اور میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھی سے ڈرتے رہو اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد ﷺ پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ، اور اس سے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت نہ حاصل کرو اور مجھی سے خوف رکھو، اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو، (یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کے لئے کہتے ہو اور اپنے کو فراموش کئے دیتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اور (رنج اور تکلیف میں) نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے یعقوب کی اولاد! میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی، اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں، اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے خلاصی بخشی وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے (سخت) آزمائش تھی اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو تم کو تو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے تا کہ تم ہدایت حاصل کرو اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو، تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے، اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا کہ موسیٰ جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے، تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے، پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا تا کہ احسان مانو، اور بادل کا تم پر سایہ کئے رکھا اور (تمہارے لئے) من اور سلویٰ اتارتے رہے جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ (پیو) (مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔(۱)

جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (خدا سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انھوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس سے بارہ چشمہ پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا (ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی روزی کھاؤ اور پیو، مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ترکاری، اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے، انھوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا اور آخر کار ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (وبے نوائی)

(۱) البقرہ ۳۹۔ ۵۷

ان سے چمٹادی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے یہ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اسکے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھتے چلے جاتے تھے۔[1]

ان مذکورہ آیات میں احسانات باری تعالیٰ کا تفصیلی ذکر ہوا ان کے لئے من وسلویٰ جیسی نعمت آسانی سے مہیا فرمائی جو لذیذ اور ذائقہ دار کھانا تھا اور بغیر کسی مشقت و تکلیف کے حاصل ہو جاتا، صبح صبح کو من گندم کے بدلے مل جاتا اور شام کو پرندے گوشت کا کام دے جاتے اور پانی کا انتظام بھی خوب ہوا کہ حضرت موسیٰ نے بحکم الٰہی پتھر پر عصا مارا تو چشمہ پھوٹ پڑا جس سے بارہ چشمے بنے ہر فریق کا اپنا جدا چشمہ اور سب سے میٹھا صاف شفاف پانی اس سے خود بھی سیراب ہوئے اور اپنے مویشیوں کو بھی سیراب کرتے اور بقدر کفایت ذخیرہ کر لیتے اور گرمی کے وقت بادل ان پر سایہ فگن ہو جاتے۔

اور یہ خدا کی طرف سے عظیم نعمتیں تھیں اور بڑے عطیات تھے لیکن اللہ کے بندوں نے ان کا حق ادا نہ کیا، جیسا کہ حق ادا کرنا تھا اور نہ ان کا شکر ادا کیا اور نہ ان کے بدلے خدا کی عبادت کی، پھر ان نعمتوں سے تنگ دل ہو گئے اور اکتاہٹ میں پڑ گئے اور عرض کیا کہ ہمیں اس کھانے کے بدلے کچھ اور ملنا چاہئے مثلاً ککڑی ہو ترکاریاں ہوں، گندم ہو، مسور کی دال ہو، پیاز ہو تو ان چیزوں کی بنی اسرائیل نے درخواست کی پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹا اور زجر و تنبیہ کی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا (بھلا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں تو کسی شہر میں اترو جو مانگتے ہو وہاں مل جائے گا)۔

یعنی جو کچھ خواہش و طلب رٹ رہے ہو اور ان نعمتوں کو چھوڑنا چاہتے ہو تو ان تمہاری پسند کی چیزوں سے ہر چھوٹا بڑا شہر بھرا پڑا ہے جب تم وہاں اترو گے اور اس مرتبے سے اترو گے جس کے تم حامل نہیں بلکہ خود اس کو چھوڑ رہے ہو تو یہ سب خواہش تمہاری وہاں پوری ہو جائیں گی، اور یہ دنیاوی گھٹیا ردی غذائیں تم کو دستیاب ہوں گی لیکن میں وہاں تمہاری بات کا جواب نہ دوں گا اور نہ تم کو وہاں تمہاری خواہشات تک پہنچاؤں گا۔

اور یہ مذکورہ صفات دلالت کرتی ہیں کہ یہ لوگ ممنوع چیزوں سے باز نہ آنے والے تھے اور اس کے متعلق فرمان باری ان کو پہلے مل بھی چکا تھا کہ اور تم اس (کھانے کی چیز) میں سرکشی نہ کرنا ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترا وہ ہلاک ہوا)۔

یعنی ان کے لئے جبار بادشاہ کا غضب اتر گیا اور ہلاکت و تباہی کا مستحق ہوا۔

لیکن ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے اس سخت وعید کو امید و مغفرت کے ساتھ ملا دیا لیکن اس شخص کے لئے جو توبہ تائب ہو کر ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہوا اور پھر ہدایت کی راہ چلنے لگا جیسے آگے ہی فرمایا۔

اور میں بہت مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کے لئے جو توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور عمل صالح کئے پھر ہدایت کی راہ چلا)۔

چلہ کشی اور دیدار الٰہی کی درخواست

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو، ان کی اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستہ پر نہ چلنا، اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار بھی دیکھوں، پروردگار نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے جب ان کے پروردگار کی تجلی پہاڑ پر نمودار ہوئی تو (تجلی انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں سجدہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے

(۱) البقرۃ ۶۰۔ ۶۱

ہیں ان میں سب سے اول ہوں، (خدا نے) فرمایا (موسیٰ) میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے ممتاز کیا ہے تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجالاؤ اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کیلئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں) بہت بہترین پکڑے رہیں، میں عنقریب تمہیں نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا، جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنالیں، یہ اس لئے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے یہ جیسے عمل کرتے ہیں ان کو ویسا ہی بدلہ ملے گا۔

بزرگوں کی ایک جماعت جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مسروق اور مجاہد ہیں فرماتے ہیں کہ تیس راتیں، وہ مکمل ذوالقعدہ کا مہینہ تھا، اور ذوالحجہ کے دس دن کے ساتھ پورے چالیس دن ہو گئے تو اس حساب سے اللہ کا کلام ان پر عیدالاضحیٰ کو اترا اور اسی کے مثل برکت والے دن میں ہی اللہ نے محمد ﷺ پر بھی انکا دین مکمل کیا اور اپنی حجت و براہین سے اس کو مضبوط کیا، مقصود یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے وقت مقرر، پورا کرلیا اور آپ اس میں روزہ دار بھی تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس پورے عرصے میں کوئی کھانا نہ چکھا تھا پھر جب مہینہ پورا ہوا تو ایک درخت کی مسواک اپنے منہ میں کی تاکہ اس عرصے میں جو منہ کے اندر ایک خاص بو پیدا ہوئی ہے وہ ختم ہو اور منہ خوشبودار ہو جائے، پھر اللہ نے حکم کیا کہ اب دس دن اور ٹھہرے رہو (اور روزہ رکھو اور اس بو کو دوبارہ پیدا کرو جو تم نے ختم کردی ہے کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت پسند ہے) اسی وجہ سے حدیث میں ہے (بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے)

پھر جب آپ نے جانے کا پختہ عزم فرمالیا تو بنی اسرائیل کی تمام جماعتوں پر اپنا خلیفہ بھائی ھارون کو مقرر کیا جو آپ کے محبوب و معظم اور بزرگ تھے اور آپ کے حقیقی بھائی یعنی ماں باپ شریک تھے اور اللہ کی دعوت پہنچانے میں آپ کے وزیر تھے، تو آپ نے ان کو وصیت فرمائی اور حکم فرمایا اور یہ بات حضرت ھارون کی نبوت کے شایان شان تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور جب موسیٰ اپنے مقررہ وقت پر آگئے اور ان کے رب نے ان سے کلام (فرمایا) یعنی اللہ سے پردوں کے پیچھے سے کلام فرمایا مگر خطاب صاف سنائی دے رہا تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو پکارا اور خوب مناجات کی تو اللہ نے ان کو اپنے قریب کیا۔ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو یہ مقام رفیع ہے اور عقل سے ماوراء ہے اور عمدہ منصب بلند رتبہ ہے پس اللہ کی رحمتیں اس پر اترتی رہیں اور اس کا سلسلہ اس پر نازل ہوتا رہے۔

تو جب اللہ نے ان کو یہ بلند رتبہ عطا فرمادیا اور انھوں نے خطاب الٰہی سن لیا تو اب شوق عشق نے اور کروٹ لی اور حضرت موسیٰ ! بیچ سے پردے اٹھادیئے جانے کا سوال کر بیٹھے۔ فرمان الٰہی ہے:

اور وہ ذات جس کو نگاہیں اس (دنیا میں) دیکھ نہیں سکتیں جو بہت قوی ہے، اس کے سامنے یہ استدعا کر بیٹھے۔

"پروردگار مجھے اپنی زیارت کروا میں آپ کی طرف دیکھوں گا؟ فرمایا تو ہرگز مجھ کو نہ دیکھ سکے گا"۔ تو اللہ نے واضح فرمایا کہ اللہ عزوجل کی تجلی کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، وہ پہاڑ جو انسان سے کہیں زیادہ طاقت و قوت میں آگے ہے اور ایسا ثابت قدم اور پکا ہے جس کو کوئی چیز جنبش نہیں دے سکتی وہ بھی رحمٰن کی تجلی کو برداشت نہیں کرسکتا تو اے موسیٰ علیہ السلام تو کہاں کر سکے گا لہذا حکم فرمایا۔

قولہ تعالیٰ:

(اور لیکن (اے موسیٰ علیہ السلام) جبل کی طرف دیکھ پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا)۔

اور پہلی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا مجھے کوئی زندہ نہیں دیکھ سکتا اگر دیکھے گا تو فنا ہو جائے گا اور نہ کوئی خشک چیز دیکھ سکتی ہے اگر دیکھے گی تو وہ پانی پانی ہو جائے گی، اور صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کا حجاب نور کا ہے۔

اورایک روایت میں ہے اللہ کا حجاب آگ کا ہے۔

اگر اللہ پاک اس کو اٹھادیں تو اللہ کے چہرہ اقدس کی نور کی کرنیں وہاں تک پہنچیں گی جہاں تک اللہ کی نظر جائے گی اور جس مخلوق تک نظر جائے گی سب کچھ جل جائے گا اور بھسم ہو جائے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں۔

اس کو نگاہیں نہیں ادراک کرسکتیں یعنی اللہ کا نور ایسا ہے جب وہ کسی چیز پر تجلی ڈالے یعنی اس پر ظاہر ہو تو وہ چیز اس کی تاب نہ لا کر ختم ہو جائے گی۔اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا:

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ ہوا تو عرض کیا (اے اللہ) بے شک تو پاک ہے میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں اور ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے ہوں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (اور لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا) کیونکہ پہاڑ تجھ سے بڑا اور خلقت میں سخت ہے (پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی) پھر موسیٰ نے پہاڑ کی طرف دیکھا کہ وہ بھی زیارت تجلی کی طاقت نہ رکھ سکا بلکہ شدت جمال کے نظارے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام اس کی یہ حالت دیکھ کر ہی بے ہوش ہو گئے۔

اور ہم اپنی تفسیر میں امام احمد اور ترمذی کی مروی روایت ذکر کر چکے ہیں جس کو ابن جریر اور حاکم نے حماد بن سلمہ عن ثابت کے طریق سے صحیح قرار دیا ہے،ابن جریر نے یہ زائد کیا ہے کہ لیث حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسیٰ صعقا

اور اپنی چھوٹی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر انگوٹھا رکھ کر (اس کو اٹھایا) اور فرمایا اتنی تجلی سے پہاڑ اڑ گیا۔یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔

اور سدی عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے عظمت کی تجلی فقط چھوٹی انگلی کے پورے کے بقدر ظاہر فرمائی تھی،اس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا فرمایا یعنی مٹی مٹی ہو گیا،اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے) اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں موت واقع ہو گئی اور صحیح پہلی بات ہے کیونکہ آگے فرمان باری ہے۔

(پس جب افاقہ ہوا) یعنی صحیح ہوئے (تو کہا پاک ہے تیری ذات) یعنی بزرگی اور عظمت وجلال کی وجہ سے کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا،لہٰذا (میں آپ سے توبہ کرتا ہوں) کہ آئندہ کبھی دیدار کا سوال نہ کروں گا (اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں) کہ کوئی زندہ تجھ کو نہیں دیکھ سکتا مگر وہ مر جائے گا اور کوئی خشک وسخت چیز تجھ کو نہیں دیکھ سکتی مگر وہ پانی پانی ہو جائے گی۔

[1]اور صحیحین میں ثابت ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء میں سے کسی پر فضیلت نہ دو پس قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں سب سے پہلے افاقے میں آؤں گا،تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ تھامے کھڑے ہوں گے پس میں نہ جانوں گا کہ مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہوا یا طور پر بے ہوشی کی وجہ سے اب بچ گئے۔

اس مذکورہ حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں،اور اس کے شروع میں یہودی کا قصہ ہے کہ اس نے ایک انصاری صحابی کو کہا کہ خدا کی قسم موسیٰ (پوری) انسانیت پر فوقیت والے ہیں تو انصاری نے (حضور کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے) اس کو طمانچہ مارا،اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

مجھے انبیاء میں سے کسی پر فوقیت نہ دو۔

[2]صحیحین ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسی کے مثل فرمایا اور اس میں یہ بھی ہے کہ مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو اور پھر پوری پہلی حدیث ذکر کی ہے۔

لیکن یہ حضور کی عاجزی وانکساری اور فروتنی ہے اور انبیاء میں سے کسی کو عصبیت اور بطور غصے کے کسی کو برتری دینے سے ممانعت ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ فضیلت کسی کو کسی پر دینا اللہ کا کام ہے نہ کہ تمہارا لہٰذا تم اس بات کو چھوڑو کیونکہ یہ بات محض اپنی رائے وخیال سے حل نہیں

---

(۱) فی الصحیحین من طریق عمرو بن یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن المازنی الانصاری عن ابیه عن ابی سعید الخدری

(۲) وفی الصحیحین من طریق الزهری عن ابی سلمة و عبدالرحمن الاعرج عن ابی هریرة

ہوتی بلکہ شرع پر موقوف ہے۔

اور بعض نے اس کی توجیہ کی ہے کہ حضور نے یہ فرمان اپنی افضلیت کی لاعلمی کے وقت کیا تھا جب آپ کو آپ کی افضلیت بتادی گئی تو پہلا فرمان منسوخ ہو گیا، لیکن اس توجیہ میں نظر ہے کیونکہ پہلی روایت جو عاجزی وانکساری کی ہے وہ ابوھریرہ اور ابوسعید سے مروی ہے اور ابوھریرہ غزوہ خیبر کے سال میں یعنی آخر میں ہجرت فرما ہوئے اور یہ بات بعید ہے کہ حضور کو اس کے بھی بعد میں نسخ کا علم ہوا ہو، واللہ اعلم

اور اس میں حقیقتاً کوئی شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ افضل البشر ہیں بلکہ افضل الخلائق ہیں۔فرمان الٰہی ہے:

تم بہترین امت ہو اور امت کا شرف محض حضور کے شرف کی وجہ سے مکمل ہوا ہے۔

اور آپ ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا (میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں) پھر حضور نے اپنے ساتھ مقام محمود کی خصوصیت کو فرمایا جس پر اولین وآخرین تمام رشک کریں گے۔کہ انبیاء اور رُسل بھی اس مقام کی رفعت سے عاجز ہوں گے حتیٰ کہ اولعزم پیغمبر نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ بھی اس مقام کی برتری تک پہنچنے سے عاجز ہوں گے اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان کہ میں قیامت کے روز سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا سایہ پکڑے ہوں گے تو مجھے پتہ نہ چلے گا کہ یہ مجھ سے پہلے افاقے میں آئے، یا طور کی بے ہوشی کے بدلے صحیح ہی رہے۔

یہ بے ہوشی جب طاری ہوگی جب اللہ عزوجل مخلوق کے لئے فیصلے کے لئے تجلی ظاہر فرمائیں گے تو تمام لوگ تجلی کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے تو ان میں سب سے پہلے خاتم الانبیاء ﷺ افاقے میں آئیں گے تو آپ موسیٰ علیہ السلام کو عرش الٰہی کا پایہ تھامے پائیں گے اس پر صادق مصدوق نے فرمایا کہ مجھے علم نہ ہوگا کہ آیا وہ مجھ سے پہلے افاقے میں آ گئے یعنی ان کی بے ہوشی ہلکی ہوئی کیونکہ یہ پہلے دنیا میں بے ہوش ہو چکے تھے یا دنیاوی طور کی بے ہوشی کے بدلے اب بالکل ہی بے ہوش نہ ہوئے۔

اور اس حیثیت واعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرف بہت بڑا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس اعتبار سے مطلق افضلیت لازم نہیں آئی، اسی وجہ سے حضور نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرف وافضلیت صرف اسی مذکورہ صفت کے ساتھ بیان فرمائی کیونکہ جب یہودی نے کہا اللہ کی قسم موسیٰ تمام انسانوں پر افضلیت رکھتے ہیں تو اس پر مسلمان انصاری نے اس کو منہ پر طمانچہ مارا پھر یہ واقعہ حضور کی خدمت میں پیش ہوا تو اس سے یوں لگتا تھا کہ شاید حضرت موسیٰ کی عزت وعظمت کو کم کیا جا رہا ہے اس پر حضور نے حضرت موسیٰ کی شرافت وافضلیت کو ظاہر فرمایا۔

اور اللہ کا فرمان کہ (اے موسیٰ میں نے آپ کو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہم کلامی کی وجہ سے چن لیا ہے)

اس کا مطلب ہے کہ آپ کے زمانے میں موجود تمام انسانوں میں سے آپ کو سب پر فضیلت دی نہ کہ پہلے اور بعد کے لوگوں کے اعتبار سے کیونکہ ان سے پہلے حضرت ابراہیم ان سے افضل تھے، جیسے کہ حضرت ابراہیم کے قصے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور اسی طرح آپ کے بعد حضور اکرم محمد ﷺ تو سب سے ہی افضل و برتر تھے جیسے آپ کا شرف معراج کی رات تمام انبیاء ورسل پر ظاہر ہوا، اور اسی طرح آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ

میں عنقریب ایسے رتبے ومقام پر فائز ہوؤں گا کہ تمام مخلوق مجھ پر رشک کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی اور فرمان الٰہی ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام (جو میں تجھے دوں وہ لے لے اور شاکرین میں سے ہو جا) یعنی رسالت اور اپنے ساتھ ہم کلامی کا جس قدر شرف وعزت ہم نے آپ کو عطا کیا ہے اسی پر اکتفا کیا جائے اور زیادتی کی خواہش نہ فرمائیں بلکہ اسی پر خدائے عزوجل کا شکر فرمائیں۔

اور فرمان الٰہی ہے (اور ہم نے اس کے لئے ہر نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل تختیوں میں لکھ دی ہے)۔

اور وہ تختیاں عمدہ نفیس جوہر کی تھیں اور صحیح میں ہے کہ اللہ عزوجل نے تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا اور تمام برائیوں سے بچنے کی نصیحت کی تھی، اور ہر چیز کے متعلق حلال وحرام کی تفصیل تھی، اور کتاب کے متعلق فرمایا (پس اس کو قوت سے تھام لے) یعنی عزم اور نیت صادقہ قویہ کے ساتھ اس کو مضبوط تھام لو (اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ وہ اچھی طرح اس کو لے لیں) یعنی اچھے طریقے سے اس کو رکھیں اور اچھی جگہوں پر لکھیں (اور عنقریب میں تم کو فاسقین کا گھر دکھلاؤں گا) یعنی جو میری اطاعت سے نکل چکے ہیں اور میرے احکام کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اور میرے رسولوں کی تکذیب کرتے

ہیں عنقریب میں ان کا برا انجام آپ کو دکھلا دوں گا، اور (عنقریب میں اپنی آیات پھیر دوں گا) یعنی مذکورہ صفات کے شخصوں سے اپنی آیات کی فہم اور ان میں تدبر اور ان کے معنی کو سمجھنا، وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں میں ان نافرمانوں کو عطا نہ کروں گا، اور یہ کون لوگ ہیں وہ (وہ لوگ ہیں جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر اس کی ہر نشانی کو (بھی) دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں یعنی کتنی ہی خلاف عادات نشانیاں معجزات وغیرہ یہ دیکھتے ہیں پھر بھی اتباع کی گردن نہیں جھکاتے اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو اس کو راستہ نہ بنائیں) یعنی نہ اس کو اپنائیں اور نہ اس کی اتباع کریں اور نہ اس پر چلیں، (اور اگر وہ سرکشی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو راستہ بنالیں یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، یعنی انھوں نے جب ہماری نشانیوں اور آیتوں کو جھٹلایا تو اس کی سزا میں ہم نے سیدھی راہ ان سے سلب کرلی اور ان کو اس راہ سے غافل کردیا اور ان کی تصدیق سے منحرف کردیا اور ان کے معنی ومقصد کی تکفیر پر لگادیا اور ان کے تقاضا پر عمل سے باز رکھا، اور یہ سب انہی کے جھٹلانے کی وجہ سے ہوا۔

(اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں ان کے اعمال حبط) ضائع کردیئے گئے ان کو ان کے کئے ہی کا بدلہ دیا جائے گا)

بچھڑے کو معبود بنانا اور اس کی عبادت کا قصہ

اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنالیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کرسکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے اس کو انھوں نے (معبود) بنالیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہوگئے ہیں کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہم کو معاف نہ فرمائے گا تو ہم برباد ہوجائیں گے اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی، کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے، انھوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے، اور قریب تھا کہ قتل کردیں تو ایسا کام نہ کیجئے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے، تب انھوں نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کردے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرلے بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (خدا نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا تو ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا، اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم ہر افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا مہربان ہے، اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات کی) تختیاں اٹھالیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا وہ ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی۔ (۱)

اور اے موسیٰ تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آنے میں) کیوں جلدی کی؟ کہا وہ میرے پیچھے (آرہے) ہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اسلئے کی کہ تو خوش ہو۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے۔ اور موسیٰ غم اور غصے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمھیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو۔ اور (اس لئے) تم نے مجھ سے جو وعدہ (کیا تھا اس کے) خلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا۔ اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنادیا (یعنی اسکا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ تو لوگ کہنے لگے یہی تمہارا معبود ہے اور یہی موسیٰ کا معبود ہے مگر وہ بھول گئے کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا

(۱) الاعراف ۱۴۸۔۱۵۴

جواب نہیں دیتا۔ اور نہ ان کے کچھ نفع اور نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔ اور تمہارا پروردگار تو خدا ہے۔ تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ (پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون جب تم نے ان کو دیکھا تھا۔ کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا (یعنی) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا۔ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھر لی۔

پھر اس کو (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا موسیٰ نے کہا جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ سزا ہے کہ کہتا رہے کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگا۔ اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا۔ اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا۔ اس کو دیکھ ہم اسے جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں پھینک دیں گے تمہارا معبود خدا ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسکا علم ہر چیز پر محیط ہے۔[1]

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب کے پاس چلے جانے کے بعد قوم کا پیچھے سے کیا ہوا؟ اس کے متعلق اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب سے مقررہ ملاقات تھی حضرت موسیٰ تو وہاں تشریف لے چلے اور مقام طور پر اپنے رب سے مناجات شروع کر دی اور حضرت موسیٰ نے اللہ عزوجل سے بہت سی اشیاء کے متعلق سوالات عرض کئے تو اللہ عزوجل نے سب کے جواب مرحمت فرمائے۔ تو پیچھے کیا ہوا؟۔

پیچھے بنی اسرائیل کے ایک شخص جس کو ہارون سامری کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے وہ تمام سونا زیوارت بنی اسرائیل سے لئے جو وہ قبطیوں سے عاریۃً مانگ لائے تھے۔ پھر ان سے ایک بچھڑا بنایا اور کسی مٹی کی ایک مٹھی اس میں ڈالی جو دراصل اس سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں پڑنے کی جگہ سے لی تھی۔ اور سامری نے جبرائیل کو اس وقت دیکھا تھا جب اللہ نے فرعون کو غرق کیا۔ بہر حال سامری نے یہ مٹی اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے بچھڑے میں ڈال دی۔ تو وہ بھی ایسے ہی ڈکارنے لگا جیسے حقیقی بچھڑے ڈکارتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی بچھڑے کے سے جسم میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یعنی خون اور گوشت اور زندگی اس میں پیدا ہو گئی تھی اور یہ قول قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہوا جب اس کے پچھلے مقام سے داخل ہوتی پھر وہی اس کے منہ سے نکل جاتی تو اس سے بیل کی سی آواز نکلتی۔

بہر صورت جب اس میں سے آواز نکلنا شروع ہوئی تو بنی اسرائیل حیرانگی سے خوش ہوئے اور اس کے گرد وپیش رقص کرنے لگے۔

(پھر کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے اور وہ بھول گئے ہیں)۔

یعنی موسیٰ اپنے خدا کو ہمارے پاس بھول کر چلے گئے ہیں۔ اور وہاں جا کر اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ جبکہ یہ ہمارے پاس ہے۔ اللہ پاک ان کی بے ہودہ خرافات سے بہت ہی بلند اور پاک صاف ہیں۔ اور اس کی ذات، اسماء اور تمام صفات پاکیزہ ہیں اور اس کی نعمتیں اور عطیے بے انتہاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی بکواس کو باطل قرار دیتے ہیں اور ان کے اس معبود کی نفی فرماتے ہیں جو حیوان بہیم ہے یا مردود شیطان ہے فرماتے ہیں (کیا پس وہ نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) ان کی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے لئے نفع نقصان کا مالک ہے۔) اور فرمایا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان سے بات چیت نہیں کر سکتا اور نہ ان کی اس راہ کی رہنمائی کر سکتا جو انہوں نے اپنائی ہے۔ اور وہ تو ظالم لوگ ہیں)

پس فرمایا کہ یہ تو حیوان ہے جو بات بھی نہیں کر سکتا اور نہ جواب دے سکتا۔ اور نہ کسی نفع ونقصان کا مالک ہے اور نہ سیدھی راہ نمائی کر سکتا اور انہوں نے ایسے بیوقوف کو معبود بنا رکھا ہے بے شک وہ ظالم لوگ ہیں اور خود جانتے بھی ہیں کہ یہ جو کچھ واہی تباہی چیز ہم نے گھڑی ہے یہ معبود نہیں ہو سکتا۔

فرمایا (اور جب وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے، اور دیکھا کہ وہ تو گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری مغفرت نہ فرمائے گا تو ہم خاسرین میں سے ہو جائیں گے)۔[2]

(۱) طٰہٰ:۸۳-۹۸-(۲) اعراف ۹:۱۴۹

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی گمراہ شدہ قوم کی طرف واپسی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ کی قوم بچھڑے کی عبادت میں جھکی پڑی ہے۔ آپ کے ساتھ تختیاں تھیں جو تورات کے مضامین پر مشتمل تھیں۔ آپ نے ان کو نیچے ڈال دیا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ ڈالنے سے ٹوٹ گئیں۔ اہل کتاب کے نزدیک یہی قول مقبول ہے اور پھر اللہ نے آپکو دوسری تختیاں عطا فرمادی تھیں۔ لیکن قرآن میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جو ٹوٹنے اور ان کے بدلے دوسری تختیاں ملنے پر دلالت کریں فقط اتنا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو غضب میں آگئے اور پھر تختیاں ڈال دیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ وہ صرف دو تختیاں تھیں جبکہ قرآن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی تختیاں تھیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے اللہ کی طرف سے بھی اپنی قوم کی گمراہی کی اطلاع مل چکی تھی لیکن اس وقت اتنا غصہ نہ آیا مگر جب خود آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو انتہائی رنج و غم ہوا اور غصے میں تختیاں بھی نیچے گر گئیں اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ خبر معائنے (خود دیکھنے) کی طرح نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور ان کے شنیع فعل پر خوب زجر و تنبیہ کی تو انہوں نے آپ سے اس پر ایک عذر بیان کیا جو غلط عذر تھا۔

انہوں نے کہا ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔

بنی اسرائیل نے آل فرعون کا زیور وغیرہ مانگے سے لے لیا تھا۔ اور اس میں بنی اسرائیل نے اپنے لئے گناہ قرار دے دیا تھا۔ جبکہ اللہ عزوجل ہی نے ان کو لینے کا حکم فرمایا تھا اور ان کے لئے قبطیوں کا تمام مال مباح (جائز) کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ اہل حرب تھے۔

تو اس کو تو انہوں نے گناہ سمجھا اور اپنی جہالت اور عمل و عقل کی کوتاہی کی وجہ سے جو بچھڑے کی عبات میں منہمک ہوئے اس کو اپنے لئے گناہ نہ قرار دیا۔ اور اس بچھڑے کو خدائے واحد و یکتا، صمد و قہار کا شریک ٹھہرا لیا۔ جو ظلم کی انتہا تھی اور اس میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ (اسی کو کہا جاتا ہے عذر گناہ بدتر از گناہ)۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو مخاطب ہوئے (اے ہارون جب تم نے ان کو گمراہ دیکھا تو کس چیز نے تم کو (روکنے سے) باز رکھا (اور) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ) یعنی جب تم نے ان کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو تم میرے پیچھے کیوں نہ آئے پھر آ کر مجھے ان کے کرتوت بتاتے تو حضرت ہارون نے کہا (میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ تب حضرت موسیٰ نے کہا اور (دعا کی اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

اور حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو اس قبیح و شنیع فعل سے شدت سے منع کر چکے تھے۔ اور اسپر خوب زجر و تنبیہ بھی کی تھی۔ فرمان باری ہے (اور بے شک ہارون نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے) یعنی اللہ نے اس بچھڑے کو تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے کہ اس میں سے آواز بھی نکلتی ہے تو کہیں تم اس کو معبود سمجھ لو۔ اور آگے حضرت ہارون نے فرمایا (اور بے شک تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہذا میری پیروی کرو اور میری فرماں برداری کرو) یعنی رب تو تمہارا اللہ رحمٰن ہے نہ کہ یہ بچھڑا لہذا تم میری یہ بات مان لو اور اس کی اتباع کر لو لیکن وہ (کہنے لگے جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس پر قائم رہیں گے۔)

مذکورہ آیتوں میں اللہ عزوجل نے حضرت ہارون کی حمایت میں گواہی دی اور اللہ گواہ بننے میں کافی ہے۔

ہارون علیہ السلام نے واقعی ان کو روکا تھا اور زجر و تنبیہ کی تھی لیکن انہوں نے آپ کی اتباع نہ کی۔

اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے (فرمایا اے سامری تمہارا کیا مقصد ہے)؟ یعنی کس چیز نے تجھے اکسایا اور ابھارا کہ تو ان کو گمراہ کر بیٹھا تو وہ (کہنے لگا میں نے ایسی چیز دیکھی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی)۔ یعنی میں نے جبرئیل کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ (پھر

میں نے فرشتے کے نقش پا سے ایک مٹھی بھری) یعنی جبرئیل کے گھوڑے کے نقش قدم سے ایک مٹھی مٹی لی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیل کو یوں دیکھا تھا کہ انکا گھوڑا جب بھی کسی جگہ ٹاپیں ڈالتا تو وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی اور سامری وہاں سے کچھ مٹی اٹھالیتا۔ پھر اب سامری نے اس کو سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے میں ڈالا تو یہ آواز نکالنے لگا۔

اور عجیب وغریب چیز بن گئی اسوجہ سے کہا (پھر میں نے اس کو بچھڑے کے قالب میں ڈال دیا اور مجھے میرے نفس نے (اس کام کو) اچھا بتایا (موسیٰ نے) کہا جا۔ تجھ کو (دنیا کی) زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا رہے گا مجھے ہاتھ نہ لگانا) اور یہ سامری پر بددعا تھی کہ وہ کسی کو چھو بھی نہ سکے۔ کیونکہ اللہ نے اسپر کوئی بیماری مسلط فرمادی تھی اور اب اگر (کوئی اسکو یا) یہ اس کو چھوئے گا تو دوسرے کو بھی وہی بیماری پڑ جائے گی۔ اور یہ دنیاوی زندگی میں اسپر عذاب مسلط کر دیا گیا اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی گئی فرمایا (اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا)۔ یہ آیت مبارکہ یوں ہے وان لک موعدالن تخلفه اور ایک قرآت لن نخلفه بھی ہے۔ آگے حضرت موسیٰ سامری کو فرماتے ہیں۔ (اور جس معبود کی پوجا پر تو جما کا پڑا ہے دیکھ ہم اس کو جلادیں گے، پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو لیا اور جلا ڈالا۔ اور جلایا کس چیز سے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ آگ کے ساتھ جلایا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی فرمان ہے۔ اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تخت ٹھنڈی چیز کے ساتھ اس کو ختم کیا اور اہل کتاب کے ہاں بھی اسی کی تصریح ہے۔ پھر اس کو سمندر میں پھینک دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ اب اس سمندر کا پانی پئیں تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر جو بھی بچھڑے کے پجاریوں میں سے تھا۔ تو اس بچھڑے کی راکھ اس کے حلق میں پھنس جاتی اور ایک قول ہے کہ ایسے شخص کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دوبارہ خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت ووحدانیت کی طرف بلایا فرمایا (بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز کو وسیع ہے) فرمان الٰہی ہے) (بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود) بنالیا تھا انپر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور اس آیت وکذلک نجزی المفترین میں لفظ نجزی کو نُجزی بھی پڑھا گیا ہے۔

اور آیت سے معلوم ہوا کہ ہر صاحب بدعت وشرک کو ہم قیامت کے دن عذاب سے دوچار کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر حلم وبردباری اور رحمت واحسان کا ذکر ہے کہ اگر ان سے گناہ سرزد ہو چکے ہیں تو پھر وہ توبہ کریں تو اللہ عزوجل ضرور ان کی توبہ قبول فرمائیں گے اس کے متعلق فرمایا (اور جو لوگ برے عمل کر چکے ہیں پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو بے شک تیرا پروردگار اس کے بعد بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔[1]

یعنی ہر گناہ کی معافی فقط توبہ وایمان وعمل صالح سے ہو جائے گی مگر بچھڑے کی عبادت کے عظیم گناہ کی معافی میں تمہیں اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ جیسے فرمان الٰہی ہے (اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا بے شک وہ معاف کرنے والا صاحب رحم ہے)۔[2]

مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے اس عظیم گناہ کی معافی اپنے آپ کو قتل کرنا ٹھہرایا گیا۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جو لوگ اس گناہ سے پاک تھے انہوں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام لیں (اور گناہ گار لوگ دوزانو سر جھکا کر صفوں میں بیٹھ گئے) اور پھر اللہ نے اپنی رحمت سے ایسی گھٹا چھادی کہ قریب والے کو اپنا ساتھی بھی نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ کسی کو اپنے رشتہ دار کی خبر ہوتی تھی پھر گناہ سے پاک لوگوں نے ان کی گردنیں اڑانا شروع کیں۔ اور قتل کرتے رہے اور بندگان خدا قتل ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک ہی صبح میں ستر ہزار بنی اسرائیل اپنے گناہ سے برأت کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کر بیٹھے یعنی ستر ہزار قتل ہو گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو تختیاں لیں اور اس کے نسخوں میں ہدایت ورحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے

(۱) الاعراف ۱۵۳ (۲) بقرہ ۵۴

رب سے ڈرتے ہیں)[۱] اور یہ الفاظ کہ "اس کے نسخوں میں" ان سے بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ وہ ٹوٹ چکی تھیں۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے۔ اوران لفظوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جو تختیوں کے ٹوٹنے پر دلالت کرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث فتوی میں ذکر فرمایا ہے جسکا ذکر عنقریب آجائے گا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت سمندر سے نکلنے کے بعد کی تھی۔ اور یہ بات بعید نہیں ہے۔ کیونکہ جب سمندر سے نکلے تو (کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے ایسا معبود بنادیجئے جیسے معبود ان کے ہیں)۔ اوراس طرح اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ انہوں نے کی بچھڑے پوجا بیت المقدس کے علاقوں میں آنے سے پہلے کی تھی۔ اور بیت المقدس میں آنے کی صورت یہ بنی کہ جب گوسالے کے پجاریوں کو قتل کیا گیا اور تین ہزار مقتولین ہو چکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے مغفرت طلب کرنے تشریف لے گئے تو اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی لیکن یہ شرط مقرر فرمائی کہ وہ بیت المقدس کی ارض مقدسہ میں داخل ہوں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

(اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کئے۔ جب ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا اے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں بے عقل لوگوں نے کیا ہمیں ہلاک کردے گا یہ تو تیری آزمائش ہے اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ اور سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جو (محمد رسول اللہ ﷺ) نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کام سے روکتے ہیں۔ اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے۔ اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی۔ اور انہیں مدددی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں)۔[۲]

سدی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ ستر اشخاص بنی اسرائیل کے علماء تھے اور ان کے ساتھ حضرت موسیٰ حضرت ہارون اور یوشع اور ناذاب اور ابیہو بھی تھے۔ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس لئے گئے تھے تا کہ بنی اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کا گناہ اٹھایا تھا، جا کر اس کی معذرت اور معافی مانگ آئیں۔ اور ان کو حکم ملا تھا کہ پہلے غسل اور پاکیزگی اختیار کریں پھر خوشبو استعمال کریں۔

پھر جب یہ حضرات کوہ طور کے پاس پہنچے تو اس پر بادل چھا گئے اور نور کا ستون ان بادلوں کے بیچوں بیچ بلندی کی طرف چمکنا شروع ہوا۔ پھر اکیلے حضرت موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گئے۔

بنی اسرائیل ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی اللہ کا کلام سنا تھا۔ اور مفسرین کی ایک جماعت نے بھی ان کی تائید وحمایت کی ہے۔ اور اللہ کے اس فرمان کو اسی پر محمول کیا ہے فرمان باری ہے (اور بے شک ان میں سے بعض لوگ کلام خدا کو سنتے ہیں۔ پھر اس کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتے ہیں)۔[۳]

لیکن یہ دلیل اسی کے متعلق لازم نہیں ہے اور ضروری نہیں کہ اس سے یہی معنی ومطلب مقصود ہوں۔ کیونکہ دوسری جگہ اس طرح الفاظ ہیں۔

فرمان ہے (پس آپ اس کو پناہ دیں حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے)۔[۴]

یہاں کافروں کے متعلق ذکر ہے کہ جب وہ پناہ مانگیں تو ان کو پناہ دیدو حتیٰ کہ وہ کلام اللہ سن لیں تو پھر کوئی فیصلہ کرو۔

اب یہاں بھی اللہ کا کلام ان تک پہنچنا مراد ہے اور اسی طرح ان ستر لوگوں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام الہی سنا تھا۔

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل نے آگے بڑھ کر یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ان ستر اشخاص نے اللہ عزوجل کی زیارت بھی کی تھی۔ اور

---

(۱)..... الاعراف ۱۵۴ (۲) سورہ اعراف۔ ۱۵۵۔ ۱۵۷ (۳) بقرہ ۷۵ (۴) توبہ ۶

یہ ان کی کھلی غلطی ہے کیونکہ جب انہوں نے باری تعالیٰ عزاسمہ سے زیارت کا سوال کیا تو ان کو بجلی کے زلزلے اور جھٹکے کے عذاب نے دوچار کر دیا تھا جیسے فرمان الٰہی ہے (اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ: جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہ لائیں گے تو پھر تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سرنو زندہ کر دیا تا کہ احسان مانو۔)[1]

اور یہاں پر فرمایا (پھر جب ان کو بجلی نے آپکڑا تو (موسیٰ نے) کہا پروردگار اگر آپ چاہتے تو مجھ کو اور ان کو پہلے ہی سے ہلاک فرما دیتے۔)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ستر اشخاص کو منتخب فرمایا تھا اور ان میں الخیر فالخیر کے قاعدے کو ملحوظ رکھا تھا۔ اور فرمایا تھا۔

چلو اللہ عزوجل کی طرف اور جو کچھ تم سے سرزد ہوا اس کی توبہ کرو اور اپنی قوم کے پیچھے والے لوگوں کے لئے بھی خدا سے توبہ کرو اور پہلے روزے رکھو اور اپنے کپڑوں اور جسموں کو پاکیزہ کرو۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لے کر اپنے رب سے ملاقات کے وقت مقررہ پر طور سینا کو چلے۔ اور طور سینا پر اللہ کی اجازت وعلم کے بغیر کوئی نہ آسکتا تھا۔ تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر آدمیوں کے لئے اجازت طلب کی کہ وہ بھی کلام الٰہی سنیں تو اللہ کی اجازت سے یہ آگئے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے۔ تو بادلوں کے ستون پہاڑ پر چھا گئے حتیٰ کہ پورا پہاڑ ڈھانک لیا گیا۔ اور پھر موسیٰ بادلوں میں داخل ہوئے اور قوم کو کہا قریب ہو جاؤ۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ عزوجل کلام فرماتے تو آپ کی پیشانی پر نور چور چمکنا شروع ہو جاتا۔ اور پھر کوئی بنی آدم آپکی طرف دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پردہ پڑ گیا اور آپ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور قوم بادلوں میں داخل ہو گئی اور جب آگے پہنچی تو سب سجدہ ریز ہو گئے اور اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنا کہ اللہ سے کلام اور راز و نیاز میں مصروف ہیں اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرما رہے منع فرما رہے ہے یہ کرو یہ نہ کرو۔

جب گفتگو سے فراغت ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بادل چھٹ گئے تو آپ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے تب قوم نے کہا۔

"اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں" اتنا کہنا تھا کہ ان کو بجلی کے جھٹکے نے آپکڑا اور ان کی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں اور وہ سب مر گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھے اور اپنے رب سے مناجات کی اور آہ وزاری سے پکارا اور عرض کیا اے پروردگار اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی مجھ کو اور ان کو ہلاک فرما دیتے آپ اس وجہ سے ہم کو ہلاک فرماتے ہیں جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا)

یعنی ان لوگوں کے سبب ہماری پکڑ نہ فرمایئے جنہوں نے گوسالے کی پرستش کی، کیونکہ ہم ان کے کرتوتوں سے بری ہیں۔ اور ابن عباس مجاہد، قتادہ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو بجلی کے عذاب نے اسوجہ سے پکڑا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت سے روکا نہ تھا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ عزوجل کو عرض کرنا کہ (یہ صرف آپ کا فتنہ ہے) اسکا مطلب ہے کہ یہ آپکی طرف سے آزمائش وابتلاء ہے اور ابن عباس سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس وغیرہ یہی فرماتے ہیں کہ آپ نے ہی ان کو اس بچھڑے بنانے اور اس کی عبادت کرنے پر قدرت عطا کی تا کہ آپ آزمائیں جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی اپنی اسی قوم کو یہی فرمایا تھا۔ فرمان باری ہے۔

(ان کو ہارون نے پہلے ہی کہا کہ اے قوم بے شک تمہاری اس (بچھڑے) کے ساتھ آزمائش کی گئی ہے) اور اسی وجہ سے فرمان باری ہے۔

(اے پروردگار آپ اس کے ذریعے جسکو چاہیں گمراہ کریں اور جسکو چاہیں ہدایت فرمائیں آپکی مشیت سبقت کرتی ہے اور آپ کی مشیت وارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا کوئی رد نہیں کر سکتا۔

(آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں پس ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر معاف کرنے

---

(۱) البقرہ ۵۵-۵۶

والے ہیں۔اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم آپ کی طرف چلنے والے ہیں)۔
یعنی ہم نے آپ کی جناب میں توبہ کی اور اپنے گناہوں سے رجوع کیا اور خبر دار ہو گئے۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ابراہیم تیمی، ضحاک، سدی، قتادہ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور لغت بھی اسی کے موافق ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا میرا عذاب جسے میں چاہوں پہنچاؤں۔اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے) یعنی میں جسکو چاہوں مبتلائے عذاب کروں اور وہ گناہ میرے پیدا کئے ہوئے ہیں (اور انکا اختیار کرنا بندوں کی کمائی ہے، جس کی وجہ سے ان کو گناہ ہوتا ہے۔
اور فرمان الٰہی **ورحمتی وسعت کل شئی** کہ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اس کے متعلق صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔
جب اللہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے فارغ ہوئے تو ایک کتاب لکھی جو آپ کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے جس میں لکھا ہے بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے (پس عنقریب میں اس کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں) یعنی جو لوگ ان صفات کے ساتھ متصف ہوں گے ان کے لئے قطعی و حتمی طور پر اپنی رحمت لکھ دوں گا۔اور (وہ لوگ اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو پیغمبر ہے امی ہے)
تو آخری ٹکڑے میں بنی اسرائیل کی کامیابی کے لئے محمد ﷺ پر ایمان لانے کی شرط قرار دی گئی جس سے امت محمدیہ اور ان کے پیغمبر محمد ﷺ کی عظمت شان اور موسیٰ علیہ السلام سے برتری ظاہر ہوتی ہے اور یہ شرط و نصیحت ان راز و نیاز اور جملہ باتوں میں سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے درمیان ہوتی ہیں اور ہم اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں پر خوب تفصیل سے اپنی تفسیر میں کلام کر چکے ہیں۔
۱......حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک ایسی امت آئے گی جو بہترین امت ہوگی لوگوں کے نفع رسانی کے لئے نکالی گئی ہوگی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گی پس اے میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے، اللہ عزوجل نے فرمایا
وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ
۲......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو مخلوق میں سب سے آخر میں آئے گی لیکن جنت میں سب سے پہلے جائے گی تو اے پروردگار ان کو میری امت بنا دیجئے۔اللہ نے فرمایا
وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ
۳......پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جنکی کتاب (قرآن مجید) ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور اس کو وہ (بغیر دیکھے) پڑھیں گے۔
اور پہلے لوگ اپنی اپنی کتاب کو دیکھ کر ہی پڑھ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ جب وہ کتاب اٹھا کر رکھ دیتے تو کچھ بھی یاد نہ رہتا۔اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔
اور اللہ نے اس امت کو اس قدر حافظہ عطا فرمایا ہوگا جو کسی امت کو نہیں ملے گا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا
وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ
۴......پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو پہلی کتاب پر ایمان لائیں گے اور آخری کتاب (یعنی سب کتابوں پر) ایمان لائیں گے۔اور وہ گمراہی و بدعت کے فضول لوگوں سے قتل و قتال کریں گے حتیٰ کہ آخر میں کانے کذاب (دجال) سے قتال کریں گے پس آپ اس امت کو تو میری امت بنا دیجئے۔اللہ نے فرمایا
وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ
۵......پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے صدقات و زکوۃ اپنے

گھروں میں کھائیں گے اور پھر بھی اسپر اجر پائیں گے۔

اور پہلے لوگ جو قربانی کرتے وہ قبول بھی ہو جاتا تو آسمان سے آگ آتی اس کو راکھ کر جاتی اور اگر قبول نہ ہوتا تو آگ اس کو نہ جلاتی بلکہ پرندے درندے اس کو کھا جاتے۔ جبکہ اس امت کے غنی مالدار لوگوں سے صدقات لے کر ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا تو پس اے پروردگار اس امت کو تو میری امت بنا دیجئے تو اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ۔

۶.....پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار..... میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو کسی نیکی کا ارادہ کریں گے اور ابھی عمل بھی نہ کریں گے کہ ان کو اس کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی جو سات سو تک دگنا ہو سکتی ہیں تو پروردگار اس کو تو میری امت بنا دیجئے اللہ عزوجل نے فرمایا:

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ۔

۷.....پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار..... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو سفارش کریں گے اور پھر ان کی سفارش قبول کی جائے گی پس آپ اس کو تو میری امت بنا دیجئے اللہ نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ۔

آگے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ذکر کیا گیا ہے کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور عرض کیا:

الھم اجعلنی من امت احمد

اے اللہ تو مجھے ہی احمد کی امت سے بنا دیجئے۔

اور بہت سے مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کا ذکر کیا ہے اور بہت سی ایسی باتیں بھی ذکر کی ہیں جنکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ہم ان میں وہ باتیں اللہ کی توفیق و مدد سے ذکر کرتے ہیں جو احادیث و آثار سے معلوم ہوئیں ہیں۔

حافظ ابو حاتم محمد بن حاتم بن حبان اپنی صحیح میں اس عنوان "کلیم اللہ کا اپنے رب سے ادنیٰ جنتی کے متعلق سوال کرنا" سے ذکر کرتے ہیں۔

[1]مغیرہ بن شعبہ برسر منبر حضور اکرم ﷺ سے منقول حدیث نقل فرما رہے تھے کہ:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ کونسا جنتی سب سے کم مرتبے والا ہوگا؟ فرمایا وہ شخص کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تب وہ آئے گا اس کو کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا وہ کہے گا میں کیسے جنت میں داخل ہو جاؤں جبکہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اتر چکے ہیں اور اپنے اپنے ٹھکانے پکڑ لئے ہیں (یعنی اب کہاں سے جگہ باقی ہوگی؟) تو اس کو کہا جائے گا کہ کیا تو راضی ہے کہ تیرے لئے اتنی جنت ہو جائے جتنی دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی سلطنت ہوتی تھی۔ عرض کرے گا جی ہاں پروردگار تو کہا جائے گا تجھے اتنا اور اسی کے بقدر اور بھی دیا جاتا ہے وہ کہے گا پس اے پروردگار میں راضی ہوں اس کو پھر کہا جائے گا اس کے ساتھ وہ بھی تیرے لئے ہے جس کی تیرا دل خواہش کرے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے سوال کیا کونسے جنتی سب سے بلند رتبے والے ہونگے؟ فرمایا ان کے متعلق عنقریب میں بتاؤں گا ان کی کرامت (شرافت وعزت) میرے ہاتھوں میں اگ چکی ہے اور پھر کرامت ختم ہو چکی ہے ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی جنکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر انکا خیال تک گذرا۔

اور اس کا مصداق قرآن کی آیت میں ہے (پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے (کیا کیا چیزیں) چھپائی گئی ہیں؟ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے)۔ [2]

---

(۱) اخبرنا عمر بن سعید الطائی ببلخ، حدثنا حامد بن یحی البلخی، حدثنا سفیان حدثنا مطرف ابن طریف وعبدالملک بن ابجر شیخان صالحان قالا سمعنا الشعبی یقول سمعت المغیرة بن شعبة ...... الخ

(۲) سجدہ ۱۷

امام مسلم اور ترمذی نے بھی اسی طرح اس کو روایت کیا ہے اور ان دونوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سفیان کے طریق سے روایت کیا ہے۔
اور سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور حدیث مسلم میں الفاظ یوں ہیں۔
اس کو کہا جائے گا کہ کیا تو راضی ہے اس پر کہ دنیا کہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی سلطنت جتنا تجھے مل جائے؟ وہ عرض کرے گا پروردگار میں راضی ہوں تو اسے کہا جائے گا کہ تجھے اس کے مثل اور ایک گناہ، اور ایک گناہ، اور ایک گناہ تو وہ پانچویں مرتبہ میں خود ہی پکار اٹھے گا کہ اے رب میں راضی ہوگیا پھر کہا جائے گا کہ تجھے اس کے دس مثل اور ملا اور اس کے ساتھ جو بھی تیرا نفس چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں سب تجھے ملا وہ پھر کہے گا اے رب میں راضی ہوں۔
پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے رب پھر مرتبے میں سب سے بڑھ کر کون ہوگا؟ فرمایا وہ لوگ جنکی کرامت (وعزت کے درخت) میرے ہاتھ میں اگ چکے ہیں اور انپر نعمتیں میں نے ختم کردی ہیں وہ ایسی نعمتیں ہیں جنکو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے سنا نہیں اور کسی بشر کے دل پر انکا خیال تک گذرا نہیں
فرمایا اور اس کا مصداق قرآن کی آیت فلا تعلم نفس الاية ہے...... جس کا ابھی ترجمہ گذرا۔
اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ فرمایا اور یہ حدیث بعض نے شعبی عن المغیرہ سے روایت کی ہے لیکن اس کو مرفوع نہیں کیا۔ جبکہ مرفوع زیادہ صحیح ہے۔

موسیٰ کلیم کا اپنے رب سے سات باتوں کا سوال

اور ابن حبان نے ایک دوسرے عنوان "کلیم کا اپنے رب سے سات خصلتوں کا سوال کرنا" سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے چھ باتوں کا سوال کیا جن کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام گمان کرتے تھے کہ وہ انہی کے لئے خاص ہیں اور ساتویں خصلت کو حضرت موسیٰ پسند نہ فرماتے تھے۔
(۱)......تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:......اے پروردگار تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ متقی ہے۔
فرمایا جو ذکر کرتا ہے اور بھولے نہ۔
(۲)......دریافت کیا:......تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر چلنے والا ہے؟
فرمایا...جو ھدایت کی پیروی کرے۔
(۳)......دریافت کیا:......تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے؟
فرمایا: جو لوگوں کے لئے بھی وہی فیصلہ کرے جو فیصلا اپنے لئے کرے۔
(۴)......دریافت کیا:......تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ علم والا ہے؟
فرمایا: وہ عالم جو علم سے سیر نہ ہوتا ہو بلکہ لوگوں کے علم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کرتا رہے۔
(۵)......دریافت کیا:......تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ با عزت ہے؟
فرمایا: جب وہ (بدلے یا انتقام وغیرہ پر) قادر ہو جائے تو معاف کردے۔
(۶)......دریافت کیا:......تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ مالدار ہے؟
فرمایا: وہ شخص جتنا بھی اس کو دیا جائے وہ اسی پر راضی ہو جائے۔

(۷)...... دریافت کیا: ...... تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ محتاج و فقیر ہے؟
فرمایا: کم مال والا (یعنی اپنے مال کو کم سمجھنے والا)

اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے غنی کثرت مال سے نہیں ہے بلکہ غنی تو نفس کے غنی سے ہوتا ہے اور جب اللہ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو اس کے نفس میں غنی رکھ دیتے ہیں اور اس کے دل میں تقویٰ رکھ دیتے ہیں۔ اور جب کسی کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی آنکھوں کے سامنے فقر رکھ دیتے ہیں۔

ابن حبان صاحب منقوص یعنی کم مال والے کا مطلب بیان فرماتے ہیں جسکی حالت ناقص ہو اور اپنے مال کو کم سمجھتا ہو۔ اور زیادتی کا خواہش مند رہتا ہو۔

[1] اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا ...... پھر مذکورہ حدیث کے مانند روایت ذکر کی اور اس میں یہ بھی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ زیادہ علم والا ہے؟ فرمایا: جو لوگوں کے علم کی تلاش میں رہتا ہو اور ان کے علوم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کرتا رہتا ہو۔ اس امید و خواہش میں کہ شاید کوئی ایسی بات مل جائے جو اس کی ھدایت کا ذریعہ بن جائے یا ایسی بات مل جائے جو اس کو ہلاکت سے بچالے پھر پوچھا اے پروردگار کیا روئے زمین پر مجھ سے زیادہ کوئی علم والا ہے؟ فرمایا جی ہاں خضر علیہ السلام ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملنے کا راستہ معلوم کیا۔ پھر آگے طویل قصہ ہے جسکا ذکر انشاء اللہ آئندہ اوراق میں کریں گے۔

اسی کے معنی میں ایک دوسری حدیث ہے جو مسند احمد کی ہے۔

[2] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرام ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیرا مومن بندہ تو دنیا میں تنگی و پریشانی میں ہے فرمایا پھر اس کے لئے جنت کا دروازہ بھی تو کھل جاتا ہے پس دیکھ اس کی طرف اے موسیٰ یہ سب میں نے اپنے اس مومن بندے ہی کے لئے تو تیار کیا ہے پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔

اے پروردگار تیری عزت کی قسم اور تیرے جلال کی قسم اگر دونوں ہاتھ کٹا ہوا اور دونوں پیر سے لنگڑا جب آپ نے اس کو پیدا کیا ہے قیامت تک اسی حالت پر رہے اور پھر یہ ٹھکانا اس کا ہو تو پس بے شک اس نے کبھی بھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیرا کافر بندہ تو دنیا میں خوشحالی اور خوش عیشی میں نظر آتا ہے؟ فرمایا پھر اس کے لئے جہنم کا دروازہ بھی تو کھول دیا جاتا ہے۔ اے موسیٰ یہ میں نے اس کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔

اے پروردگار تیری عزت کی قسم تیرے جلال کی قسم اگر ساری دنیا اس کے لئے ہو جب سے آپ نے اس کو پیدا فرمایا ہے قیامت کے دن تک۔ لیکن پھر یہ ٹھکانا اسکا ہو تو پس اس نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔ امام احمد اس کی روایت میں منفرد ہیں اور اس کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے کسی ایسے کلمے کا سوال کرنا جس کے ساتھ وہ ذکر الٰہی کرتے رہیں۔

[3] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار مجھے ایسا ذکر سکھلا دیجئے جس کے ساتھ میں آپ کو یاد کرتا رہوں۔

اور اس کے ساتھ تجھے پکارتا رہوں فرمایا اے موسیٰ کہو **لاالٰہ الااللہ**. عرض کیا اے پروردگار یہ تو تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں۔ فرمایا کہ **لاالٰہ الااللہ**. عرض کیا اے پروردگار میں تو چاہتا ہوں ایسا کوئی کلمہ ہو جو میرے ساتھ خاص ہو فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اگر ساتوں آسمان بمع سب کچھ

---

(۱) وقد رواہ ابن جریر فی تاریخه عن ابن حمید، عن یعقوب التیمی، عن هارون بن هبیرہ، عن ابیه عن ابن عباس قال

(۲) قال الامام احمد حدثنا یحیی ابن اسحاق، حدثنا ابن لهیعة عن دراج عن ابی الهیثم عن ابی سعید الخدری عن ... حدثنا یحی بن اسحاق، حدثنا ابن سلمه، حدثنا حر ملة بن یحی، حدثنا ابن وهب، اخبرنی عمرو ابن الحارث ان درا جاحدثه عن ابی الهیثم عن ابی سعید

اور ساتوں زمین اپنی تمام چیزوں کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا اور اس حدیث کی شہادت حدیث بطاقہ سے ہوتی ہے

اور اس کے علاوہ اس کے معنی میں وہ حدیث بھی ہے جو سنن میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا افضل دعا عرفہ کی دعا ہے اور افضل کلمہ جو میں کہوں اور جو مجھ سے پہلے انبیاء نے بھی کہا وہ۔

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر" ہے۔

اور ابن ابی حاتم نے آیت الکرسی کی تفسیر کے موقع پر لکھا ہے...... [1] کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کیا آپ کا پروردگار سوتا ہے؟ فرمایا اللہ سے ڈرو۔

پھر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوچھا اے موسیٰ کیا انہوں نے تجھ سے پوچھا ہے کہ کیا تیرا رب سوتا ہے؟ پس دو شیشے اپنے ہاتھ میں لو اور پوری رات کھڑے رہو تو حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور جب رات کا تہائی حصہ گذر گیا تو حضرت موسیٰ کو اونگھ آئی اور آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے پھر چونک کر بیدار ہوئے اور مضبوطی سے شیشوں کو تھام لیا حتی کہ جب آدھی رات آئی تو آپ کو پھر اونگھ نے لے لیا اور دونوں شیشے گر پڑے اور ٹوٹ گئے؟ تب اللہ عزوجل نے موسیٰ سے کہا۔

اگر میں بھی سوتا تو آسمان و زمین گر کر یوں ہی ہلاک ہو جاتے جیسے شیشے تیرے ہاتھ میں ہلاک ہو گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر اللہ پاک نے اپنے پیغمبر پر آیت الکرسی نازل فرمائی۔

اور ابن جریر میں ہے [2] کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ بر سر منبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نقل فرمار ہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیا اللہ عزوجل سوتے ہیں پھر اللہ نے ایک فرشتہ حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا اس فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تین راتوں تک جگا کر رکھا اور سونے نہ دیا پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے اور ہر ہاتھ میں ایک شیشہ تھما دیا اور حکم کیا کہ ان کی حفاظت کریں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اونگھ آنے لگی اور آپکے ہاتھ جھٹکے کھانے لگے حتی کہ جب نیند نے بھر پور حملہ کیا تو آپ نے ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ لیا اور اس طرح برداشت کرتے رہے پھر نیند کا ایک جھٹکا لگا تو دونوں شیشے ہاتھ سے چھوٹے اور گر کر ٹوٹ گئے۔

تو حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو ایک مثال سمجھائی کہ اگر اللہ بھی سوتے تو آسمان و زمین یوں نہ اپنی جگہ قائم رہتے۔

اور اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کی اصل اسرائیلی ہو۔

اور فرمان الٰہی ہے (اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کر کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو قوت سے تھامے رہو اور جو اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو تو تم اس کے بعد پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔) [3]

اور دوسری جگہ فرمایا (اور جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھا کر کھڑا کیا تو گویا وہ بادل تھا اور انہوں نے غالب خیال کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے تو (ہم نے کہا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اسے یاد کرو شاید کہ تم ڈرو)۔ [4]

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات کی تختیاں لے کر آئے تو ان کو حکم کیا کہ اس تورات کو قبول کرو اور اس کو قوت سے محفوظ کرو، لیکن انہوں نے کہا اس کو ہم پر کھول کر بیان کریں اگر اس کے اوامر و نواہی آسان ہوئے تو ہم قبول کر لیں گے (اور اگر مشکل

---

(۱) حدثنا احمد بن القاسم ابن عطیه ، حدثنا احمد بن عبدالرحمن الدمسکی ، حدثنی ابی عن ابیه ، حدثنا اشعث بن اسحاق عن، جعفر بن ابی المغیرہ عن سعید بن جبیر ، عن ابن عباس : ان بنی اسرائیل......

(۲) حدثنا اسحاق بن ابی اسرائیل ، حدثنا هشام بن یوسف عن امیه بن شبل ، عن الحکم بن ابان عن عکرمه عن ابی هریره .....

(۳) بقرہ ۶۳ (۴) اعراف ۱۷۱

ہوئے تو ہم چھوڑ دیں گے)۔
حضرت موسیٰ نے فرمایا بلکہ جو کچھ بھی ہو تم قبول کرو۔ اسی طرح کئی دفعہ ایک دوسرے پر بات لوٹائی گئی تب اللہ نے ملائکہ کو حکم فرمایا اور انہوں نے پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا گویا کہ بادل چھا گئے پھر بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ اگر تم تورات کے تمام احکام کو قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔ تب انہوں نے قبول کیا۔ پھر ان کو سجدے کا حکم ہوا تو انہوں نے سجدہ کیا سجدے میں بھی کن انکھیوں سے پہاڑ کی طرف دیکھنے لگے جب سے یہ یہود کی آج تک کے لئے سنت ہو گئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس سجدے سے بڑھ کر کوئی سجدہ نہیں جس نے ہم پر سے عذاب کو ٹلوا دیا۔
اور سید بن داؤد حجاج بن محمد سے وہ ابی بکر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ پھر جب تورات کو کھول کھول کر سنایا گیا تو روئے زمین پر کوئی پہاڑ، درخت، پتھر نہ رہا مگر وہ حرکت کرنے لگا۔
اور روئے زمین پر تمام یہودی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا جس پر بھی تورات پڑھی گئی وہ (مشقت کے خوف) سے حرکت کرنے لگا۔ اور اپنے سر کو جھٹکنے لگا۔
اسی کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (پھر تم اس کے بعد پھر گئے) یعنی پہلے اس عظیم وعدے اور امر عظیم کا مشاہدہ کیا پھر اپنے اپنے عہد اور وعدوں کو توڑ بیٹھے (پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی) کہ تم کو یہ عذاب دکھلا کر وعدے کا اقرار کروایا اور تمہاری طرف کتاب نازل کی (تو تم خاسرین میں سے ہو جاتے)۔

بنی اسرائیل کی گائے کا ذکر

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نادان بنوں۔
انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟
(موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ بچھڑی بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کرو۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے یہ بھی التجا کیجئے کہ ہم کو یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا! پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والے (کے دل) کو خوش کرتا ہو۔ انہوں نے کہا (آپ کے) پروردگار سے پھر سوال کیجئے کہ ہم کو بتادے کہ وہ کس طرح کی ہو۔ کیونکہ بہت سی گائیں ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں صحیح بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ کام میں نہ لگی ہو نہ زمین جوتتی ہو۔ اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب باتیں (درست بتادیں غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا۔ اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے۔ لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔
ابن عباس اور عبیدہ سلمانی اور ابوالعالیہ اور مجاہد اور سدی اور دیگر کئی بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو بہت مالدار تھا۔ اور بڑا بوڑھا تھا۔ اور اس کے کئی بھتیجے تھے۔ اور وہ اس کی موت کی تمنا اور آس لگائے بیٹھے تھے مرے تو اس کے مال کے وارث بن جائیں۔ لہذا اس مقصد کے خاطر ایک نے کسی رات میں اس کو قتل کر ڈالا اور لاش اس کی شاہراہ عام پر پھینک دی۔ اور کوئی کہتا ہے کہ انہی میں سے یعنی رشتے داروں میں سے کسی کے دروازے پر ڈال دی۔
پھر جب لوگوں نے صبح کی تو اس کے متعلق لڑنے جھگڑنے لگے۔ اور یہی قاتل بھتیجا بھی چیخنے چلانے اور مظلوم بننے کی صورت ظاہر کرنے لگا۔ پھر لوگ کہنے لگے کہ تم اللہ کے نبی کے پاس آ کر شکایت کیوں نہیں کرتے؟ تو اسکا بھتیجا اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور شکایت

کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ایک شخص کو اس مقتول کے متعلق معلوم تو ہے لیکن وہ کون ہے؟ اس کے متعلق علم ہو جائے گا۔ پھر لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے اس کے متعلق سوال کریں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے متعلق دعا کی تو اللہ نے حکم فرمایا کہ ایک گائے ذبح کریں۔

فرمایا) بے شک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے تم ایک گائے ذبح کرو تو کہنے لگے کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟) یعنی ہم تو آپ سے اس مقتول کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ ہم کو گائے ذبح کرنے کا فرمارہے ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاھلین میں سے ہو جاؤں)۔

یعنی میں پناہ مانگتا ہوں کہ وحی کے علاوہ تم سے بات کہوں اور یہی مجھے میرے رب نے جواب دیا ہے جب میں نے تمہارے کہنے پر اپنے اللہ سے سوال کیا۔

ابن عباس، عبیدہ مجاہد، عکرمہ، سدی اور ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے ہیں تو مقصود حاصل ہو جاتا لیکن انہوں نے خود اپنے پرسختی کروائی اور اس طرح ان پرسختی کر دی گئی اور اسی بات کے متعلق حدیث مرفوع بھی منقول ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے تو پہلے انہوں نے اس کی صفت پھر اس کے رنگ پھر اس کی عمر وغیرہ کے متعلق سوالات کئے اور ان کو ایسے ایسے جوابات دیئے جاتے رہے جو ان پر شاق اور گراں ہوں۔ اور اس تمام کی تفسیر ہم نے اپنی تفسیر میں کر دی ہے

حاصل مقصود یہ ہے کہ جب ان کو درمیانی عمر کی گائے ذبح کرنے کا حکم ملا یعنی جو نہ بڑی بوڑھی ہو اور نہ چھوٹا بچہ ہو۔ تو ابن عباس، مجاہد، ابو العالیہ، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ پھر انہوں نے خود اپنے پرسختی کی اور اس کے رنگ وروپ کے متعلق سوال کرنے بیٹھے تو ان کو گہرے زرد رنگ کی گائے کا حکم ملا جو دیکھنے والوں کو بھی بھلی معلوم ہو۔ اور یہ رنگ پسندیدہ رنگ ہے اور اس پر بھی انہوں نے بس نہ کی بلکہ اپنے ہی او پرسختی چاہی اور کہا (اے موسیٰ) ہمارے لئے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ بیان کرے ہمیں کہ وہ کیسی ہو؟ کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ہم انشاءاللہ راہ پانے والے ہیں)۔

حدیث مرفوع جس کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ:

اگر بنی اسرائیل استثناء (یعنی انشاءاللہ) نہ کہتے تو مقصود تک نہ پہنچ پاتے۔

اور اس حدیث کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔

(تو جب موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ گائے ایسی ہو جو کام میں لگی ہوئی نہ ہو اور نہ ہل جوتی ہو اور نہ کھیتی کو سیراب کرتی ہو اس میں کسی طرح کا عیب نہ ہو۔ تب کہنے لگے اب آپ نے حق بیان کر دیا پس انہوں نے اس کو ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کر لیتے۔)

اور یہ صفات پہلی صفات سے زیادہ سخت ہیں کہ ایسی گائے ہو جو کام میں کبھی نہ لگی ہو نہ ہل جوتنے میں اور نہ پانی وغیرہ نکالنے میں بلکہ بالکل فارغ اور عیب سے پاک ہو اور یہ شرط کہ اس میں کوئی داغ نہ ہو، اس کے متعلق ابو العالیہ اور قتادہ فرماتے ہیں اسکا مطلب ہے کہ اس میں کوئی دوسرا رنگ بالکل نہ ہو۔ بلکہ تمام عیوب ونقص سے پاک وصاف ہو اور اسی طرح کسی غیر رنگ کی اس کے رنگ میں شمولیت نہ ہو۔ پس ان حدود وقیود کے ساتھ حد بندی کر دی گئی اور ان صفات اور حالات کے ساتھ اس کی شان بیان کر دی گئی تو تب کہنے لگے کہ

اب آپ نے پوری طرح حق بیان کر دیا۔

اور کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اس گائے کو ان صفات کے ساتھ صرف ایک شخص کے پاس پایا جو اپنے والدین کا انتہائی فرماں بردار تھا تو بنی اسرائیل نے اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا پھر اس کو قیمت بڑھائی اور زیادتی کرتے رہے کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق اس بیل کے بقدر سونے کی قیمت لگ گئی پھر بھی اس نے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس کے وزن سے دس گناہ سونے پر بھاؤ مقرر ہو گیا پھر اس شخص نے اس گائے کو بیچا۔

پھر اللہ کے نبی نے ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا (پھر انہوں نے اس کو ذبح کیا اور قریب نہ تھا کہ وہ کر گزرتے) یعنی وہ اس معاملے میں متردد اور

پریشان تھے اور کامیاب ہونے کے قریب نہ تھے لیکن اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئے۔

پھر حکم ملا کہ مقتول کو گائے کے کسی گوشت کے حصے سے ملایا جائے اور ایک قول ہے کہ گائے کی ران سے ملایا گیا اور ایک قول ہے کہ اس ہڈی کے ساتھ ملایا گیا جو ناک کی نرم ہڈی سے ملی ہوئی ہے اور ایک قول ہے کہ شانوں کے درمیان کے ٹکڑے سے ملایا گیا۔

الغرض کسی بھی حصے سے ملایا تو اللہ نے مقتول کو زندہ کر دیا، وہ کھڑا ہوا اور اس کی رگیں خون بہا رہی تھیں۔

پھر اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے سوال کیا کہ تجھے کس نے قتل کیا؟

جواب دیا کہ مجھے میرے فلاں بھتیجے نے قتل کیا۔

پھر یہ کہہ کر مر گیا اور جیسے تھا ویسے ہی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے شاید تم عقل کرو) یعنی جیسے تم نے اس مقتول کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کیا اسی طرح تمام مردوں میں اللہ کا حکم چلتا ہے، جب وہ ان کو زندہ کرنا چاہے گا تو ایک ہی لمحے میں سب کو زندہ کر دے گا، جیسے فرمان ہے۔

نہیں ہے تمہاری پیدائش اور دوبارہ اٹھانا مگر صرف ایک جان کی طرح۔ (۱)

موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی ملاقات

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں، خواہ برسوں چلتا رہوں، جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح رستہ بنالیا، جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا، اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنالیا، (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ آئے، (وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نصیحت وولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا، موسیٰ نے ان سے) (جن کا نام خضر تھا) کہا جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں، (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے، اور جس کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر بھی کیوں کر سکتے ہو، موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا، (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر نہ کروں۔ تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا، (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ آپ لوگوں کو غرق کر دیں یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی، (خضر نے) کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے، (موسیٰ نے) کہا، جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے، پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا، (موسیٰ نے کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ نفس کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا، (یہ تو) آپ نے بری بات کی، (خضر نے کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا، انھوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا، کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے، اور ان سے کھانا طلب کیا، انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرنا

(۱) لقمان ۲۸

چاہتی تھی تو (خضر نے) اس کو سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) (خضر نے) کہا کہ اب مجھ میں اور تم میں علیحدگی، (مگر) جن باتوں میں تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں، (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ) کرتے تھے اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں، (تا کہ وہ اسے غصب نہ کرے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر بدکردار ہوگا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسادے، تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک نیتی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو اور جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی، (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا، اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں، یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے، یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ (1)

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ جو خضر کے پاس گئے موسیٰ بن منسا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل ہیں، اور ان کی اتباع بعض ان ہمارے لوگوں نے بھی کی ہے جو ان کی کتابوں اور صحیفوں سے روایت کو لیتے ہیں، ان میں سے نوف بن فضالہ الحمیری الشامی البکالی ہیں ان کے متعلق دمشقی ہونے کا خیال بھی کیا گیا ہے، اور ان کی والدہ حضرت کعب احبار کی بیوی تھیں۔

لیکن صحیح بات جس پر قرآن اور حدیث سے روشنی پڑتی ہے اور وہ متفق علیہ بھی ہے (یہ ہے کہ یہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کے پیغمبر اور صاحب تورات ہیں۔

امام بخاری نے فرمایا..... کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نوف بکالی کا خیال ہے کہ موسیٰ جو خضر کے ساتھ ہوئے وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر نہیں ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، کیونکہ ہمیں ابی بن کعب نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا، موسیٰ بنی اسرائیل کے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے کون ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''میں'' تو اس پر اللہ عزوجل خفا ہو گئے کہ علم کی نسبت میری طرف کیوں نہ کی تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب کیا اور فرمایا خضر علیہ السلام تم سے زیادہ علم والے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا اے پروردگار میرے اس تک پہنچنے کا کیا طریقہ و راستہ ہوگا؟ فرمان باری آیا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے لو اور اس کو تھیلے میں رکھ لو پس جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں اس کا پتہ ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی تھیلے میں رکھی اور آپ چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کا شاگرد یوشع بن نون بھی تھا، چلتے چلتے ایک چٹان پر پہنچے تو بغرض آرام لیٹے اور اپنا سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی (جو پہلے مری ہوئی یا پکی ہوئی تھی) وہ تھیلے میں مضطرب ہوئی اور پھر پھڑانے لگی اور پھر تھیلے سے نکل گئی اور سمندر میں جا پڑی اور سمندر میں سوراخ سا بنتا گیا، جہاں جہاں سے بھی یہ گئی، اور اللہ پاک نے پھر اس سوراخ میں پانی جاری ہونے سے روک دیا اور وہاں طاق بن گیا، پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے۔

تو یوشع بن نون کو خبر ہو چکی تھی مگر حضرت موسیٰ کو خبر دینا بھول گئے۔

پھر بقیہ دن اور رات دونوں ساتھی دوبارہ محو سفر ہو گئے۔ جب دوسرا روز آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع کو فرمایا (ہمارا ناشتہ (مچھلی) لے آؤ ہمیں اس سفر میں بھوک لاحق ہو گئی ہے) جب تک مقررہ جگہ جہاں اللہ نے پہنچنے کا حکم دیا تھا یعنی مچھلی کے گم ہونے کی جگہ تب تک تو کوئی تھکاوٹ نہ ہوئی جب وہاں سے آگے بڑھ گئے تب بھوک اور تھکاوٹ محسوس ہونی شروع ہوئی۔ تو یوشع ابن نون نے جواب دیا (کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے چٹان پر ٹیک لگائی تھی تو میں مچھلی بھول گیا تھا۔ اور مجھے نہیں بھلایا سوائے شیطان کے کہ میں اس کو یاد رکھتا۔ اور اس (مچھلی) نے سمندر میں عجیب سا راستہ بنا لیا تھا) یعنی جہاں جہاں وہ گئی وہاں پانی نہ چلا بلکہ سوراخ بنتا گیا اس پر دونوں کو انتہائی تعجب ہوا۔ پھر موسیٰ نے یوشع کو فرمایا (وہی جگہ تو ہم تلاش کر

(1) کہف ۶۰ تا ۸۲

۔ہے تھے پھر دونوں اپنے نقش قدموں پر چلتے ہوئے لوٹ گئے۔

واپس چلتے چلتے اسی چٹان تک پہنچے تو وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے لیٹا ہوا تھا حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو وہ جو خضر تھے انہوں نے فرمایا تیری سر زمین میں سلام کہاں سے؟

آپ نے کہا، میں موسیٰ ہوں۔

خضر علیہ السلام نے کہا، بنی اسرائیل والے موسیٰ؟

موسیٰ علیہ السلام نے کہا، جی ہاں: میں اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ جو بھلائی جانتے ہیں مجھے بھی سکھائیں۔

خضر علیہ السلام نے فرمایا، آپ میرے ساتھ ہرگز صبر کی طاقت نہ رکھ سکیں گے۔اے موسیٰ علیہ السلام میرے پاس اللہ کا عطا کردہ ایسا علم ہے جو آپ کو نہیں اور آپ کے پاس بھی ایسا علم ہے جو مجھے نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا، آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہ کروں گا۔

خضر علیہ السلام نے کہا، پس اگر آپ میرے پیچھے چلتے ہی ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا حتیٰ کہ میں خود بتاؤں۔

پھر دونوں چل پڑے۔ساحل سمندر پر دونوں چلتے رہے چلتے رہے پھر ان کے پاس سے کشتی گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے سوال کیا کہ ہمیں بھی سوار کرلو انہوں نے خضر کو پہچان لیا اور پھر بغیر کرائے کے دونوں کو سوار کرلیا اور سوار ہوتے ہی تیشے سے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں ایک تختہ توڑ ڈالا، تو موسیٰ نے کہا ایک تو اس قوم نے ہم کو بغیر کرائے کے سوار کیا پھر آپ نے اس کی کشتی کو توڑ دیا۔کیا اسی لئے (تا کہ آپ اس کے اہل کو غرق کردیں آپ نے (ناپسندیدہ) کام کیا ہے۔

خضر علیہ السلام نے کہا، کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا آپ میرے ساتھ صبر نہ رکھ سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا، جو میں بھول گیا اس پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ پہلی دفعہ حضرت موسیٰ سے بھول ہوئی تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر سمندر میں چونچ ماری تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اللہ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپکے علم کی مثال یہ چڑیا ہے جس نے اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی لیا ہے۔(اللہ کا علم سمندر کی طرح ہے اور میرا اور آپکا علم چونچ کے پانی کی طرح ہے)۔

پھر دونوں حضرات کشتی سے نکلے اور ساحل پر ٹہلتے چلے جارہے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا سر اپنے ہاتھوں سے تھاما اور اپنے ہاتھوں سے اس کو قتل کردیا۔تو حضرت موسیٰ سے نہ رہا گیا اور بول اٹھے کیا آپ نے ایک پاکیزہ نفس کو بغیر کسی کے بدلے ناحق مار ڈالا ہے؟ آپ نے برا کام کیا ہے۔فرمایا کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کی ہرگز طاقت نہ رکھیں گے؟ کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے سوال کروں تو پھر مجھے ساتھ نہ رکھئے گا بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے۔

پھر دونوں چل پڑے حتیٰ کہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو دونوں نے ان سے کھانا (یعنی میزبانی) طلب کی انہوں نے انکار کردیا کہ وہ ان دونوں کی مہمانی کریں۔

پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار کو پایا جو گر رہی تھی (حضرت خضر نے) اس کو سیدھا کردیا) تو موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ یہ تو ایسی قوم ہے کہ ہم ان کے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں کھانا بھی نہ کھلایا اور ہماری کوئی مہمان نوازی نہ کی (تو اگر آپ چاہیں تو اس پر اجرت لے لیں۔کہا یہ میرے اور آپ کے فراق کا وقت ہے۔اب میں آپ کو ان باتوں کا بھید بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ رکھ سکے......تو یہ تاویل (اور بھید) ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ رکھ سکے)۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں ہماری خواہش تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تا کہ اللہ مزید دونوں کی باتیں ہمیں بتلا دیتا۔

مذکورہ قصے کے متعلق متفرق باتیں

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت ابن عباس ان دو آیتوں کو اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔
پہلے قرآت ابن عباس پھر قرآت مشہورہ ورائج:

و کان اما مھم ملک یاخذ کل سفینة صالحة

و کان وراء ھم ملک یاخذ کل سفینة غصبا

ابن عباس:

و اماالغلام فکان کافراً و کان ابو اہ مومنین

و مشہورہ:

و اما الغلام فکان ابو اہ مومنین

(۱) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھ ان کے شاگرد یوشع بن نون بھی چلے۔ اور دونوں کے ساتھ مچھلی تھی حتی کہ چٹان تک پہنچے اور دونوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ آگے راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سر رکھا اور خوابیدہ ہو گئے۔
مچھلی کے از خود زندہ ہونے کا سبب۔
(۲) سفیان کہتے ہیں اس چٹان (جہاں وہ حضرات آرام فرماتے تھے اس کے نیچے) جڑ میں ایک پانی کا چشمہ تھا۔ جس کو حیات کہا جاتا تھا (یعنی وہی آب حیات جو لوگوں کے درمیان ضرب المثل کے طور پر مشہور اور رائج ہے) اور اسکا پانی جس چیز کو پہنچتا تھا وہ زندہ و تابندہ ہو جاتی تھی۔ تو مچھلی کو بھی اس پانی کا کچھ حصہ پہنچ گیا اور زندگی کی لہریں اس میں بھی دوڑ گئیں اور پھر وہ حرکت میں آ گئی اور تڑپتی ہوئی اپنے وطن سمندر میں جا پہنچی۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو بھوک کے وقت فرمایا ہمارا ناشتہ پیش کرو ہمیں (بھوک کی) تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ الخ

راوی کہتے ہیں: کہ (حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام دونوں برگزیدہ پیغمبر کشتی میں سوار تھے کہ اسی دوران) ایک چڑیا سفینے کے کنارے آ بیٹھی اور اپنی ننھی چونچ بے کنار سمندر میں ماری اور اپنے ظرف کے مطابق پانی لے لیا۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو متنبہ فرمایا کہ میرے اور آپ کے علم کی نسبت خدا کے علم سے ایسی ہے، جیسی اس چڑیا کے سمندر سے پانی لینے اور سمندر کے درمیان نسبت ہے۔ الخ

(۳) بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپکے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: مجھ سے کوئی بھی سوال کرو! تو میں نے عرض کیا اے ابن عباس۔ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ کوفہ میں ایک شخص ہے جو قصہ گوئی کرتا ہے اور اس کو نوف کہا جاتا ہے تو اس کا خیال ہے کہ (حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ بغرض تحصیل علم جانے والے موسیٰ) بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں جو پیغمبر بھی ہیں؟

تو اس حدیث کے راویوں میں سے ابن جریج کہتے ہیں مجھے عمرو نے تو کہا، کہ حضرت ابن عباس نے حضرت سعید بن جبیر کو جواب دیا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا اور ابن جریج کہتے ہیں مجھے یعلی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے یہ (طویل) جواب دیا کہ مجھے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

---

(۱) ثم رواہ البخاری ایضا عن قتیبه عن سفیان بن عیینة باسنادہ نحوہ. وفیه : فخرج موسیٰ ومعه فتاہ یوشع بن نون.....الخ

(۲) قال سفیان وفی حدیث غیر عمرو قال

(۳) وقال البخاری: حدثنا ابراھیم بن موسیٰ ، حدثنا ھشام بن یوسف أن ابن جریج اخبر ھم ، قال : اخبر نی یعلی بن مسلم وعمرو بن دینار ، عن سعید بن جبیر قال :

اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام ایک روز لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے۔حتیٰ کہ لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں۔اور دل نرم ہو گئے پھر ایک شخص نے اللہ کے پیغمبر سے پوچھا کہ اے رسول اللہ کیا روئے زمین پر آپ سے زیادہ بھی کوئی علم والا ہے؟

فرمایا نہیں۔اس پر اللہ کی خفگی ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ نے علم کی نسبت کو اللہ کی طرف نہ لوٹایا۔تو اللہ نے فرمایا آپ سے زیادہ علم والا بھی دنیا میں موجود ہے۔عرض کیا اے پروردگار اس تک پہنچنے کا راستہ کیا ہوگا؟ فرمایا مجمع البحرین میں جاؤ یعنی دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچو۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پروردگار مجھے کوئی نشانی مرحمت فرما دیجئے تا کہ اس سے میں اس جگہ کو پہچان لوں، راوی ابن جریج کہتے ہیں مجھے عمرو نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے جواب دیا کہ جہاں تجھ سے مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا رافع کہتے ہیں کہ مجھے یعلی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔

جواب ملا کہ ایک مردار مچھلی لو جسمیں روح پھونکی جائے۔

تو حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لی اور تھیلے میں ڈال لی۔پھر اپنے ساتھی کو فرمایا مجھے اس کے متعلق اس وقت خبر ضرور دینا جب یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے۔انہوں نے عرض کیا ٹھیک ہے کوئی زیادہ کام نہیں۔

اور یہی اللہ کا فرمان ہے (**واذقال موسیٰ لفتاه**) اور اس میں فتی سے مراد یوشع بن نون ہی ہیں اور یہ روایت سعید بن جبیر سے نہیں ہے۔

تو خیر یہ حضرات ابھی چٹان کے سائے میں ہی آرام فرما تھے اور وہ نم آلود زمین تھی کہ اچانک مچھلی پھڑکنے لگی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خوابیدہ ہو چکے تھے۔اور حضرت یوشع کو اس کی خبر بھی ہو گئی مگر انہوں نے حضرت موسیٰ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ بیدار ہونے پر عرض کردوں گا لیکن جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو یہ بتانا بھول گئے۔اور مچھلی اتنے میں جا چکی تھی اور عجیب طرح سے گئی تھی کہ پانی میں سوراخ سا بنتا چلا گیا اور اس جگہ پانی نہ جاری ہوا۔راوی ابن جریج کہتے ہیں عمرو نے مجھے کہا کہ مچھلی پانی میں گئی اور یوں سوراخ سا بن گیا۔

اور دونوں انگوٹھے اور برابر کی ایک ایک انگلیاں آپس میں ملائیں۔

(**لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا**) کہ ہمیں اس سفر میں (بھوک کی تکلیف لگی ہے)۔

حضرت یوشع نے عرض کیا اللہ نے آپ سے تو یہ مشقت ختم کی ہوئی ہے پھر یہ بھوک لگنا اچھی علامت نہیں ہے تو پھر حضرت یوشع نے عرض کیا کہ مچھلی کا تو یہ ماجرا ہوا۔تو دونوں واپس لوٹے اور حضرت خضر کو اسی جگہ پایا۔سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت خضر کپڑا اوڑھے لیٹے تھے۔اور اسکا آخری کنارہ اپنے قدموں تلے دبا رکھا تھا۔اور پہلا کنارہ سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔تو حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا انہوں نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور کہا یہ اس میری زمین پر سلام کرنے والا کون آیا؟ آپ کون ہیں؟ فرمایا میں موسیٰ ہوں۔دریافت کیا: کیا بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام فرمایا جی ہاں۔ پوچھا کس مقصد سے آنا ہوا؟ فرمایا میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپکو جو کچھ سکھایا گیا ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں حضرت خضر نے فرمایا کیا یہ کافی نہیں ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں تورات ہے۔اور اس پر اضافہ یہ کہ وحی بھی آپکے پاس آتی ہے پھر؟ اے موسیٰ میرے پاس واقعی علم تو ہے لیکن آپکو سیکھنا مناسب نہیں اور علم آپ کے پاس بھی ہے جو مجھے سیکھنا مناسب نہیں۔اس دوران ایک پرندے نے اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی لیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میرا اور آپکا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے اس پرندے نے اپنی چونچ سے سمندر سے پانی لیا۔

(**حتى اذا ركبا في السفينه**) بالآخر دونوں سمندر میں سوار ہوئے۔اور وہاں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چل رہی تھیں جو اس ساحل والوں کو اس پار اور وہاں سے اس ساحل پر لوگوں کو اتارتی تھیں تو ایک کشتی والوں نے پہچان لیا اور کہا یہ اللہ کا نیک بندہ ہے۔راوی کہتے ہیں ہم نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کیا یہ خضر مراد ہیں فرمایا جی ہاں۔اور پھر کشتی والوں نے کہا ہم ان کو اجرت کے ساتھ نہیں اٹھائیں گے۔پھر دونوں سوار ہوئے اور حضرت خضر علیہ السلام نے ایک تختہ اکھاڑ ڈالا اور ایک کیل ٹھونک دی موسیٰ نے کہا کیا آپ نے اس لئے اکھاڑا ہے تا کہ آپ اس کے اہل کو غرق کردیں؟ آپ نے عجیب کام کیا ہے)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی آپ نے ناپسند کام کیا ہے۔

حضرت خضر نے (کہا کیا میں نے آپکو نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کی ہرگز طاقت نہ رکھیں گے؟)

اس سفر میں حضرت موسیٰ سے حضرت خضر کو ٹوکنے کے متعلق تین بھول سرزد ہوئے پہلا تو اصل تھا یعنی واقعی بھول کی وجہ سے بول پڑے اور دوسری مرتبہ شرط کے طور پر تھا اور تیسرا جان بوجھ کر بولے تھے تو خیر حضرت موسیٰ نے (فرمایا جو مجھ سے بھول ہوئی اس پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرا کام (تحصیل علم کا) مجھ پر مشکل نہ کریں۔تو پھر چلتے رہے حتیٰ کہ ایک بچے کو پایا اس کو قتل کر دیا)

یعلی کہتے ہیں: سعید نے کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے بچوں کو دیکھا کہ کھیل کود میں منہمک ہیں تو ان میں سے ایک کافر بچے کو جو بہت چل رہا تھا لٹایا اور چھری سے اس کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (بول اٹھے: کیا آپ نے پاکیزہ جان کو بغیر کسی بدلے کے قتل کر ڈالا؟) جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور حضرت ابن عباس (اس کو پڑھتے تھے نفسا زكية زاكية مسلمة)

پھر دونوں چلتے رہے۔۔۔۔۔(تو دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرنے والی تھی) حضرت سعید اس کی تشریح فرماتے ہیں اور اپنے ہاتھ کو کچھ جھکا کر اشارہ کیا پھر ہاتھ اٹھایا اور یوں سیدھی فرمادی یعنی راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت سعید کا مقصد تھا کہ حضرت خضر نے اپنے ہاتھ سے (کرامت اور معجزے کے طور پر) چھو کر اس کو سیدھا کر دیا تو حضرت موسیٰ پھر (فرمانے لگے اگر آپ چاہیں تو اس پر اجرت لے لیں) حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی اس کی مزدوری کے طور پر کچھ کھانے پینے کو لے لیا جائے۔

(وكان وراء هم) اور ان کے آگے بادشاہ تھا، اور ابن عباس نے معنی کے مطابق اس کے الفاظ کو یوں پڑھا ہے (كان أمامهم) اور حضرت سعید کے علاوہ بقیہ کا خیال ہے کہ اس بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا اور اس مقتول بچے کا نام جیسور تھا۔

(ملك يأخذ كل سفينة غصبا) یعنی حضرت خضر نے اس خیال سے کشتی کا تختہ اکھاڑا تا کہ آگے جو ظالم بادشاہ آئے گا وہ اس کو ان کے عیب ونقص کی وجہ سے چھوڑ دے، لہٰذا ایسا ہوا پھر آگے جب بادشاہ کے پاس سے نکل گئے تو دوبارہ کشتی کو درست کر لیا اور پہلے کی طرح مکمل نفع اٹھانے لگے۔

اور اس کو تارکول سے درست کیا۔

(فكان ابواه مومنين) یعنی اس کے والدین مومن تھے اور وہ خود کافر تھا، (تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر دے) یعنی اس کی محبت ان کو اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ اس کا دین ہی قبول کر بیٹھیں اس پر ہم نے چاہا کہ آپ کے رب ان کو اس سے بہتر پاکیزہ عطا فرمادے اور یہ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے فرمایا (کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو قتل کر دیا تھا) پھر اللہ نے ان کو دوسرا بچہ دیدیا اور یہ نرمی و مہربانی میں زیادہ قریب ہو بہ نسبت پہلے بچے کے جس کو خضر نے قتل کیا تھا سعید بن جبیر کے علاوہ حضرات نے یہ خیال فرمایا ہے کہ ان والدین کو اس لڑکے کے بدلے ایک لڑکی عطا ہوئی تھی اور ابی عاصم کا بھی یہی قول ہے۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ دیا اور فرمایا کوئی شخص اللہ اور اس کے حکم کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ اس شخص (یعنی خضر) سے ملیں، پھر آگے پہلے کی طرح پوری حدیث ہے۔

(۲)(۳) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا اور حر بن قیس بن حصن الفزاری کا اختلاف ہو گیا کہ موسیٰ کے ساتھ جن سے حضرت موسیٰ نے علم حاصل کیا وہ کون تھے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ خضر علیہ السلام تھے پھر ان کے پاس سے ابی بن کعب گزرے تو حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا اور عرض کیا کہ میرا اور اس ساتھی کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ موسیٰ کے ساتھی جن کے پاس پہنچنے کا راستہ موسیٰ نے اللہ سے پوچھا وہ کون ہیں؟ تو (اے ابی بن کعب) کیا آپ نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ آپ نے فرمایا جی ہاں اور آگے پہلے والی

---

(۱) وقد رواه عبدالرزاق عن معمر عن ابى اسحاق عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال......

(۲) وهكذا رواه محمد بن اسحاق عن الحسن بن عماره عن الحكم بن عيينة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس، عن ابى بن كعب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كنحو ماتقدم ايضاً

(۳) ورواه العوفى عنه موقوفاً، وقال الزهرى عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبه عن ابن عباس ...... الخ

حدیث ذکر کی، اور اس حدیث کے الفاظ اور طرق سے ہم تفصیلی بحث اپنی تفسیر میں سورۃ کہف میں کر آئے ہیں۔
اور فرمان الٰہی (اور پس دیوار شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی) سہیلی کہتے ہیں ان کے نام اصرم اور صریم تھے اور ان کے والد کاشح تھے، (اور اس دیوار کے نیچے دونوں کا خزانہ تھا) ایک قول ہے کہ وہ سونا تھا، اور یہ عکرمہ کا فرمان ہے اور ابن عباس کا قول ہے کہ اس میں علم تھا، اور مناسب یہ ہے کہ وہ سونے کی تختی تھی اور اس میں علم لکھا ہوا تھا، اور بزار[1] کہتے ہیں کہ ابو ذر سے مرفوعا مروی ہے۔
کہ وہ خزانہ جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا وہ سونے کی ٹھوس تختی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا، مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھے پھر بھی تھک جائے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو جہنم کا ذکر کرے اور پھر بھی ہنسے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا ذکر کرے پھر بھی غافل رہے؟
لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ
اور اسی طرح حضرت حسن بصری اور غفرۃ کے آزاد کردہ عمر رحمۃ اللہ علیہ اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔
اور فرمان الٰہی ہے (و کان ابوھما صالحا) کہا گیا ہے کہ وہ ساتواں باپ (یعنی ساتویں پشت کے دادا تھے) اور دوسرا قول ہے کہ دسویں پشت کے دادا تھے، بہر صورت اس میں دلالت ہے اس بات کی کہ نیک انسان کی اولاد کی بھی حفاظت کی جاتی ہے، واللہ المستعان۔
اور فرمان الٰہی (رحمۃ من ربک) یعنی بڑے ہو کر یہ اپنا خزانہ نکال لیں اور اللہ نے یہ کرم ان پر اپنی طرف سے رحمت کی وجہ سے کیا ہے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے کیونکہ سب کام وہ اللہ کی طرف سے کرتے تھے یعنی اس کے حکم سے نہ کہ اپنی طرف سے اور ایک قول یہ کہ وہ رسول ہیں اور ایک قول ہے کہ ولی ہیں، اور سب سے غریب اور عجیب قول یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے، (مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) مجھے سب سے زیادہ غریب اور متعجب قول یہ معلوم ہوا کہ وہ ابن فرعون تھا، اور ایک قول ہے کہ وہ ضحاک بادشاہ کا بیٹا ہے اور یہ بادشاہ ہزار سال تک دنیا پر حکمرانی کرتا رہا۔
ابن جریر کہتے ہیں: کہ جمہور اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر ''افریدون'' نامی بادشاہ کے زمانے میں تھے اور ایک قول ہے کہ خضر ذوالقرنین سے پہلے تھے، اور اسی ''ذوالقرنین'' کے متعلق خیال ہے کہ یہی افریدون بھی تھا اور ذوالفرس وہ ہے جو ابراہیم خلیل کے زمانے میں تھا۔
اور لوگوں کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام نے آب حیات نوش فرمایا تھا جس کی وجہ سے ان کی زندگی اب تک باقی ہے اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کے ساتھ بابل کی طرف ہجرت کرنے والے کسی شخص کی اولاد میں سے تھے، اور اس کا نام ایک قول کے مطابق ملکان تھا اور ایک قول ہے اُرمیا بن حلقیا تھا، اور ایک قول ہے حضرت خضر سباسب بن بہراسب کے زمانے میں پیغمبر تھے۔
اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افریدون اور سباسب بادشاہوں کے درمیان بہت طویل زمانے گزرے ہیں اور کوئی ان سے جاہل نہیں ہوسکتا، ابن جریر کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ افریدون کے زمانے میں تھے اور پھر برابر حیات رہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالیا اور حضرت موسیٰ کی نبوت بادشاہ ''منوشہر'' کے زمانہ میں تھی اور یہ شخص ابرج بن افریدون کی اولاد میں سے تھا، اور افریدون فارس کا فرمانروا بادشاہ تھا، اور منوشہر کو سلطنت اپنے دادا سے میراث در میراث ملی تھی، اور یہ عادل بادشاہ تھا اور یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے خندقیں کھودنے کے طریقے (جنگوں میں) رائج کئے اور پہلا بادشاہ ہے جس نے بستی میں یا باہر علاقے اور شہر میں الگ الگ گورنر مقرر کئے اور اس کی بادشاہت تقریباً ڈیڑھ سو سال تھی، اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور اس شخص سے بہت عمدہ خطبے اور بلیغ کلام جو نافع اور انسانی عقلوں کو حیران کرنے والے ہوں منقول ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعی خلیل اللہ کی نسل سے ہے۔ واللہ اعلم
فرمان الٰہی ہے۔
''اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو

---

(۱) قال البزار: حدثنا ابراهیم بن سعید الجوهری، حدثنا بشر بن المنذر، حدثنا الحارث بن عبدالله الیحصبی عن عیاش بن عباس الغسانی عن ابن حجیرة عن ابی ذر رفعه قال .....

تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا، اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی، اور (پھر عہد لینے کے بعد اللہ نے) پوچھا کہ کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا؟ (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انھوں نے عرض کیا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔"[1]

یعنی اللہ نے ہر نبی سے اس پر عہد لیا کہ جو بھی نبی اس کے بعد آئے تو وہ اس کی مدد کرے اس پر ایمان لائے، اور یہ تمہارے ایمان کے لئے ضروری ہے اور محمد ﷺ کے لئے تمام سے عہد لیا کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں پس ہر نبی جو آپ کو پائے اس پر ایمان لا رہا ہے کہ آپ کی مدد کرے اور اس پر ایمان لائے لہذا اگر حضرت خضر علیہ السلام بھی زندہ ہوں گے تو ان کے لئے حضور پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور آپ کے ساتھ ان کو ملنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ زندہ ہیں تو پھر ضرور یوم بدر کو حضور کے جھنڈے تلے ہوتے۔

جیسے کہ جبرئیل اور دیگر بڑے سردار فرشتے بھی آپ کے جھنڈے تلے تھے۔

اور مختصر کلام یہ ہے کہ حضرت خضر یا نبی ہوں گے جو حق ہے یا رسول ہوں گے جیسے کہا گیا یا فرشتے ہوں گے جیسے مذکور ہوا اور کچھ بھی ہوں، تو جبرئیل جو فرشتوں کے سردار ہیں اور موسیٰ علیہ السلام جو حضرت خضر سے برتر ہیں اگر یہ زندہ ہوں تب بھی ان کو حضور پر ایمان لانا ضروری ہے تو خضر جو ان سے کم ہیں یا ولی ہیں اکثر جماعتوں کے قول کے مطابق تو پھر ان کو کیوں حضور کی اتباع ضروری نہ ہو؟ اور ان کے لئے ملاقات کیوں ضروری نہ ہو؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہی نہیں اگر ہوتے تو کبھی تو کسی دن حضور سے ملاقات ثابت ہوتی۔ اور کہیں کسی حسن حدیث بلکہ ضعیف حدیث میں بھی ایسی بات نہیں اور تعزیت کی حدیث کو اگرچہ حاکم نے روایت کیا ہے مگر اس کی اسناد ضعیف ہے واللہ اعلم

اور حیات خضر علیہ السلام کے متعلق علیحدہ تفصیل ہم ذکر کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی زندگی: آزمائشوں کے جال میں
یعنی حدیث الفتون

ایک حدیث، حدیث فتون کے نام سے کتب میں موجود ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر آشوب اور تمام کٹھن مراحل اور واقعات ومصائب کا تذکرہ ہے۔

امام ابوعبدالرحمن النسائی نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اللہ عزوجل کے مندرجہ ذیل فرمان کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

وقتلت نفسا فنجینا ک من الغم وفتنا ک فتونا

اور آپ نے ایک جان کو قتل کیا پھر ہم نے آپکو غم سے نجات دی اور ہم نے آپ کو کئی آزمائشوں میں ڈالا۔

[2] سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس (مذکورہ بالا) قول کے متعلق پوچھا (کہ فرمان ہے، ہم نے آپکو کئی آزمائشوں میں ڈالا) تو اس سے کیا مراد ہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ اگلے دن پوچھنا اے ابن جبیر، کیونکہ یہ طویل بات ہے۔ تو میں صبح ہوتے ہی پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ جو آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ حدیث فتون سنائیں گے۔ اس کو سن آئیں۔

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمانا شروع کیا:

فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے درمیان اللہ کے وعدے کا تذکرہ چلا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا کہ اللہ عزوجل حضرت ابراہیم

---

(۱) آل عمران ۸۱

(۲) حدثنا عبداللہ بن محمد، حدثنا یزید بن هارون، حدثنا اصبغ بن زید، حدثنا القاسم بن ابی ایوب، اخبرنی سعید بن جبیر

علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہوں کا سلسلہ قائم فرمائیں گے۔

تو بعض مصاحب نے کہا کہ اب بنی اسرائیل ایسے کسی اپنے بادشاہ کے آنے کے منتظر ہیں جو ان کے دکھوں کا مداوا کرے اور اس کو اپنے شکوے سنائیں۔ جبکہ فرعون اور اس کے ہم نشینوں امراء و وزراء کا خیال تھا کہ یہ وعدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آمد کی وجہ سے پورا ہونا تھا اور وہ بادشاہ اور نبی دونوں رہے لیکن پھر جسطرح دعا تھی اسطرح مکمل طور پر تشفی نہ ہوئی کہ بس سلسلہ یوسف علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ لیکن ان کو پھر بھی یہ خطرہ دامن گیر رہا کہ اب بھی کوئی انکا پیغمبر یا بادشاہ آسکتا ہے جس سے ہماری حکومت کو نقصان کا اندیشہ ہے۔

تو اسی خیال کے تحت فرعون نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ اس کے علاج میں تمہارا کیا خیال ہے؟

درباریوں نے مشورہ دیا اور سب اس مشورے پر متفق ہو گئے کہ ایک جماعت بنائی جائے اور وہ بنی اسرائیل کے گھروں میں پھرے اور ان کے ساتھ چھریاں ہوں اور جس نومولود کو بھی پائیں قتل کر دیں، تو اس پر زور شور سے عمل شروع ہو گیا۔ اس پر کچھ عرصہ تک عمل درآمد ہوتا رہا۔

پھر فرعونیوں کو خیال آیا کہ بنی اسرئیل کے بڑے بوڑھے تو اپنی اپنی زندگیاں پوری کر کے جارہے ہیں اور بچے قتل ہو رہے ہیں اور قریب ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد ختم ہو جائیں اور پھر جو کام اور خدمت اور ذلتوں والے کام ان سے ہم لیتے ہیں، پھر خود کرنے پڑیں۔ تو اسپر سوچ بچار کی گئی۔

اور اب یہ لائحہ عمل طے ہوا کہ ایک سال لڑکوں کو قتل کیا جائے اور دوسرے سال جو پیدا ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے یعنی ایک سال تو پیدا ہونے والے لڑکے قتل ہوں اور دوسرے سال کوئی قتل نہ ہو۔ تو بچے بڑے مرنے والوں کی جگہ لیتے جائیں گے اور ہمارے کام کاج بھی چلتے رہیں گے۔ کیونکہ بڑے جو مرنے والے ہیں وہ کسی طرح ان سے زیادہ نہیں ہو سکتے جن کو تم ایک سال زندہ چھوڑ دو گے)

اس طرح بنی اسرائیل کی جمعیت بھی کمزور رہے گی یعنی افرادی عسکری طاقت نہ ہو گی ورنہ زیادہ لوگوں سے تم کو خطرہ ہو سکتا ہے اور جو کچھ بچے رہیں ان سے تم اپنے کام کاج بھی لیتے رہو گے۔

تو اس پر اجماع اور اتفاق ہو گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حمل ٹھیرا اور جو سال بچے زندہ چھوڑنے کا تھا اس سال ان کے شکم مبارک سے حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس لئے ان کی والدہ نے ان کو بے خوف وخطر جنم دیا۔

لیکن آئندہ سال جس میں بچے چہار اطراف پے در پے قتل ہو رہے تھے اس سال میں حضرت ام موسیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ باامید ہو گئیں یعنی حمل ٹھہر گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سخت رنج وغم اور خوف بھی دامن گیر ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ہے یعنی یہ ایک سخت آزمائش تھی۔

جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی والدہ کے شکم مبارک میں آتے ہی لاحق ہو گئی یعنی آزمائشوں کا سلسلہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔ تو حضرت ام موسیٰ اسی پیچ وتاب میں رہتی تھیں کہ اللہ عزوجل نے ان کو وحی فرمائی (یعنی دل میں بات ڈالی) نہ خوف کر نہ رنج کر بے شک ہم اس کو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے پھر اللہ نے اس کو حکم دیا کہ جب بچہ جنم لے تو تو اس کو تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دینا۔

تو ایک دن آ گیا کہ ام موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بچہ کو جنم دیا اور اس کو دریا میں اسی طرح بہا دیا جب تابوت ام موسیٰ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو (تو انکا دل دھڑکا) اور شیطان ان کے پاس آیا اور ان کو وسوسہ ہوا کہ میں نے اپنے ننھے بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اگر میرے پاس وہ ذبح ہی کر دیا جاتا پھر میں اس کو اپنے ہاتھوں کفن تو دے لیتی یہ میرے لئے بہت اچھا تھا اس سے کہ میں نے اس کو سمندر میں ڈال کر سمندری جانوروں اور مچھلیوں کے سپرد کر دیا؟

ادھر تابوت کو پانی لئے چلتا رہا دھیرے دھیرے وہ دریا کے اس دہانے تک پہنچ گیا جہاں سے فرعون کی بیوی کی خادمائیں پانی بھرتی تھیں۔ انہوں نے تابوت کو دیکھا تو لپک کر لے لیا۔ اور کھولنے کا ارادہ کیا مگر اچانک بعض کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس میں کوئی خزانہ بند ہو اگر ہم نے کھول لیا تو

پھر ملکہ ہم پر یقین نہ کرے گی کہ ہم نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ تو اس خیال کے آتے ہی اس کو اسی طرح اٹھا کر کہ بالکل کھولا ہی نہ تھا لے چلیں اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔

ملکہ نے کھولا تو اس میں بچے کو پایا ادھر بچے کو دیکھنا تھا اور ادھر اللہ نے ملکہ کے دل میں بچے کی محبت ایسی جا گزیں کر دی کہ کبھی کسی سے اس کو ایسی محبت ہی نہ ہوئی۔

اور ادھر ام موسیٰ کا کیا حال ہوا؟

(واصبح فوأد ام موسیٰ فارغا) یعنی موسیٰ کی والدہ کا دل ہر چیز سے خالی رہا اور موسیٰ کے متعلق غم و فکر کی آندھیاں دل و دماغ میں چلتی رہیں۔

اور ادھر بھی جب بادشاہ کے محل میں بچے کی اطلاع ذبح کرنے والے قصائیوں کی جماعت کو ہوئی تو وہ چھریاں لیکر ملکہ کے پاس پہنچ گئے تا کہ اس کو ذبح کریں۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے بڑی آزمائش تھی۔

ملکہ نے کہا اس کو رہنے دو ایک بچے سے بنی اسرائیل میں کوئی بڑا اضافہ نہ ہوگا۔ حتی کہ میں فرعون کے پاس ہو آؤں تو میں اس سے اس کو مانگ لوں گی پس اگر اس نے مجھے دیدیا تو تمہارے صبر کرنے کی مہربانی تم نے بہت اچھا کیا اور اگر اس نے اس کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو میں تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گی۔ پھر بیوی بادشاہ کے پاس آئی اور کہا۔

قُرَّۃُ عین لی ولک

یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون بد بخت نے کہا تیرے لئے ہوگی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقام پر رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے اگر فرعون بھی اس کے بارے میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کر لیتا جیسے کہ اس کی بیوی نے کیا تو اللہ پاک اس کو ضرور ہدایت عطا فرما دیتے جیسے کہ اس کی بیوی کو ہدایت عطا فرمائی لیکن فرعون پر ہدایت (اس کی بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے) حرام کر دی۔

تو فرعون نے جیسے تیسے اجازت دیدی۔ پھر بیوی نے اپنی باندیوں سے کہا کہ جاؤ اس کے لئے کوئی آیا (دودھ پلانے والی) تلاش کر لاؤ۔ پھر جو عورت بھی اس کو اپنے پستان منہ میں دیتی یہ قبول نہ کرتے۔

اور کئی عورتیں آئیں لیکن کسی کا دودھ بچے نے قبول نہ کیا۔ بالآخر بیوی کو یہ خطرہ کھٹکا اور دل دھڑکا کہ کہیں یہ بھوکا رہ کر مر ہی نہ جائے اس طرح فرعون کی بیوی کو انتہائی خوف اور خطرہ لاحق ہوا پھر بچے کو خادماؤں کی گود میں دے کر باہر بازار وغیرہ کی طرف روانہ کیا کہ کسی نہ کسی عورت کا دودھ پلادو شاید کہیں پی لے۔

اور ادھر موسیٰ کی والدہ نے جیسے بچہ ڈالا تھا اس کے بعد غم و فکر میں تھیں پھر اپنی بچی یعنی موسیٰ کی بہن کو کہا جاؤ اس کے پیچھے پیچھے اور اس کو تلاش کرو اور کوشش کرو کہ اسکا کوئی ذکر پتہ وغیرہ چلے کیا میرا لخت جگر زندہ ہے یا اس کو جانور وغیرہ کھا گئے؟ اور اللہ نے جو موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے واپسی کا وعدہ فرمایا تھا وہ اپنی بھڑکتی ماتا کی وجہ سے بھول گئیں تھیں۔

پھر وہ (اس کو دیکھتی رہیں ایک طرف سے اور ان کو کچھ احساس نہ تھا) آیت میں لفظ ہے عن جنب یعنی وہ ایک طرف سے دیکھتی رہی۔ اور جب کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کی تلاش کے لئے نگاہ دور اٹھائے اور وہ اس کے پہلو میں ہو۔ اور اس کو اسکا پتہ نہ چلے۔

خیر بہن دیکھتی رہی کہ آیاؤں کا سلسلہ چل رہا ہے اور جب دیکھا کہ اب تمام آیا (دودھ پلانے والی) عاجز آگئیں اور بھائی نے کسی کی گود کو دودھ کے لئے قبول نہیں کیا تو بہن خوشی سے بھر گئی اور فرط خوشی میں کہہ اٹھی۔

''کیا میں تم کو ایسا گھر بتلاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی کفالت کریں گے اور وہ اس کے لئے خیر خواہ

ثابت ہوں گے۔''

تو لوگوں نے بہن کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ تجھے کیا پتہ کہ وہ گھر والے اس کے ساتھ خیر خواہی کریں گے (اور یہ انکا دودھ قبول کرے گا) کیا تو اس بچے کو پہچانتی تو نہیں؟ تو اس کے متعلق لوگوں کو شک پڑ گیا۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ہے۔

پھر اللہ کے فضل سے بہن سے جواب بن پڑا اور کہا میں نے اسلئے کہہ دیا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خاندان کی خدمت میں بہت رغبت رکھتے ہیں اور بادشاہ سے نفع کی رغبت بھی رکھتے ہیں شاید انکا دودھ یہ قبول کرے اور وہ ویسے بھی بہت شفقت والے ہیں۔

تو لوگوں نے بہن کو چھوڑ دیا کہ جا کر بلا لائیں بہن مارے خوشی کے تیزی سے والدہ کے پاس پہنچی اور عظیم خوشخبری سنائی۔ تو والدہ فوراً چل دیں اور اپنی مامتا کو ٹھنڈا کیا اور اپنے لخت جگر کو جیسے ہی گود میں لیا (گویا بچہ پہچان گیا ہو) اور فوراً جھپٹ کر ہاتھوں میں آیا اور پستانوں سے چمٹ گیا۔ حتیٰ کہ بچے کے دونوں پہلو سیر ہونے کی وجہ سے ابھر آئے۔ اور پھر ایک خوشخبری سنانے والا بھاگا بھاگا فرعون کی بیوی کے پاس پہنچا اور خوشخبری دی کہ ہم نے تیرے بچے کے لئے آیا تلاش کر لی ہے تو بادشاہ اور فرعون کی بیوی نے فوراً اس کو بلوایا تو ماں اور بیٹا دونوں پہنچ گئے۔

بیوی نے ام موسیٰ کے ساتھ موسیٰ کا تعلق دیکھا کہ چمٹا ہوا ہے تو بیوی نے کہا تو میرے ہاں (محل) میں ٹھہر جا اور اس کو دودھ پلانے کی خدمت سر انجام دیتی رہ کیونکہ میں اس کی محبت کے مقابلے کسی دوسری چیز سے اتنی محبت نہیں رکھتی۔ ام موسیٰ نے فرمایا: میں اپنے گھر بار اور بچوں کو نہیں چھوڑ سکتی وہ ضائع ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو اچھا لگے تو اس کو مجھے دیدیں میں اس کو اپنے گھر اپنے بچوں کے پاس لے جاؤں گی۔ درحقیقت ام موسیٰ کو اللہ کا وعدہ یاد آ گیا تھا (کہ بچہ تمہارے پاس واپس دلایا جائے گا فکر نہ کرو) اس وجہ فرعون کی بیوی پر سختی کی۔ اور یقین کر لیا کہ اللہ عزوجل اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائیں گے۔ تو اسی دن واپس اپنے گھر چلی گئیں۔ اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بہتر طریقے سے پرورش فرمائی۔ اور نازل ہونے والے مصائب سے ہر موڑ پر خوب حفاظت فرمائی۔ اور بنی اسرائیل بھی ملک کے گوشے میں ظلم و ستم سے کچھ کچھ محفوظ رہنے لگے۔ اور بچہ اپنی والدہ کے پاس کچھ بڑا ہو گیا۔ تو ایک مرتبہ بادشاہ کی بیوی نے ام موسیٰ سے کہا، کیا میرے بیٹے کی مجھے زیارت کراؤ گی؟ تو ام موسیٰ نے ایک دن کے لئے وعدہ کر لیا۔

پھر فرعون کی بیوی نے اپنے خزانچی اور اپنی کنیزوں اور اپنے وکیلوں سے کہا کہ تم سب کے سب جب میرا فرزند آئے تو اس کے لئے ھدیے اور تحائف کے ساتھ استقبال کرنا اور میں خود تمہاری نگرانی کروں گی اور دیکھوں گی کہ کس نے کیا کیا؟ اور ویسے بھی بادشاہ کی بیوی موسیٰ کے جانے کے بعد ان کے لئے تیاریاں اور تحائف و ہدایا منتخب کرتی رہی تھی۔ پھر جب ماں اپنے بچے کو لے کر محل میں تشریف لائیں تو بادشاہ کی بیوی نے خود بھی فرحت و مسرت و خوشی سے انعام و اکرام کی بارش کر دی اور ام موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوب خوب نوازا کیونکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہترین پرورش کی تھی۔ پھر بادشاہ کی بیوی نے کہا کہ میں اس کو فرعون کے پاس بھی لے کر جاؤں گی اور پھر اس پر عورتیں مزید تحائف اور ہدایا پیش کریں گی اور اس کی عزت افزائی کریں گی۔

تو اللہ اللہ کر کے بادشاہ کی بیوی بادشاہ کے پاس لے گئی۔ بادشاہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی گود میں بھی لے لیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی پر ہاتھ مارا اور ہاتھ میں پکڑ لی اور نیچے کی طرف کھینچی۔ اس وقت خدا کے دشمنوں میں سے سرکش فرعون کے کارندوں نے کہا:

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے ابراہیم سے اپنے نبی کے متعلق کیا وعدہ فرمایا تھا؟

کہ وہ تیرے مال و دولت کا وارث ہوگا اور تجھ پر غلبہ پائے گا اور تجھے شکست سے دوچار کر کے چھوڑے گا (تو یہ نشانی اس بچے نے پیش کر دی ہے) تو فرعون نے قصائیوں کو بلوایا تا کہ اس کو ذبح کرا دے۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے بڑی آزمائش تھی۔

یہ سن کر فرعون کی بیوی دوڑی ہوئی فرعون کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اس بچے کے متعلق آپ کو کیا ہو گیا جو آپ مجھے ہدیہ فرما چکے ہیں۔ فرعون نے کہا: کیا تو اس کو نہیں دیکھتی کہ وہ مجھے (ڈاڑھی کھینچ کر) پچھاڑ رہا ہے اور مجھ پر غلبہ پا رہا ہے۔ بیوی نے کہا: تو کوئی اپنے اور میرے درمیان ایسی چیز

پیش کردے جس سے حق ظاہر ہو جائے کہ وہ واقعی بچے نے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے لئے تو دو انگارے اور دو موتی منگوا اور وہ اس بچے کے سامنے رکھ دے پس اگر یہ انگارے پکڑے اور موتیوں کو نہ پکڑے تو پھر آپ سمجھئے کہ کوئی سمجھ والا بھی موتیوں کو چھوڑ کر انگاروں کو نہیں پکڑ سکتا۔

تو فرعون کی کھوپڑی میں بات بیٹھ گئی اور اس نے یہ چیزیں سامنے رکھوا دیں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگاروں کو جھپٹا مارا۔ پھر فرعون نے انگارے ہاتھ سے چھین لئے کہ کہیں اس کے ہاتھ کو نہ جلا ڈالیں۔ یہ دیکھ کر فرعون کی بیوی نے کہا دیکھ لیا؟

تو وہ برائی جس کا فرعون ارادہ کر چکا تھا اللہ نے دفع فرما دی اور اللہ پاک اپنے کام کو خوب انجام تک پہنچانے والا ہے پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بالغ ہو گئے اور مردوں میں شمار ہونے لگے۔ تو کوئی فرعونی شخص کسی بنی اسرائیل پر ظلم نہ کرتا تھا اور پہلے سے بہت فرق آ چکا تھا بلکہ پوری طرح فرعونی باز آ چکے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے جا رہے تھے کہ دیکھا شہر کے کونے میں دو آدمی برسرپیکار ہیں ایک فرعونی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ تو اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف مدد کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا۔ تو موسیٰ علیہ السلام انتہائی غصہ میں آ گئے کیونکہ فرعونی نے اسرائیلی کو دبا رکھا تھا اور قبطی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسرائیلی لوگوں سے صرف اتنا تعلق سمجھتے تھے کہ صرف اس نے اسرائیلی عورت کا دودھ پیا ہے باقی ہے یہ ہماری طرف۔ لیکن اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی باتوں کی اطلاع کر دی تھی جو غیروں کو بالکل پتہ نہ تھی۔

تو خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونی پر کودے اور اسے ایک گھونسا رسید کیا تو نبی کا زور وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ لہٰذا اگلے جہاں پہنچ گیا۔ لیکن اس وقت کوئی اور شخص سوائے اللہ اور اس اسرائیلی کے موجود نہ تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ اتنے سے یہ سدھار جائے گا لہٰذا فرمانے لگے (یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ بے شک وہ کھلا دشمن ہے۔ پھر کہا پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری مغفرت فرما دیجئے۔ تو اس نے اس کی مغفرت کر دی۔ بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ کہا پروردگار آپ نے جو مجھ پر انعام کئے ہیں پس آئندہ میں مجرموں کا پشت پناہ نہ بنوں گا۔ پھر شہر میں خوف کے ساتھ صبح کی (کسی خبر کا) انتظار کرتے ہوئے)۔[1]

ادھر فرعون کے پاس شکایت پہنچی کہ کسی اسرائیل نے ہمارے فرعونی شخص کو قتل کر دیا ہے لہٰذا ہمیں ہمارا حق بدلہ دلوایا جائے۔ اور اسرائیلیوں کو مہلت نہ دی جائے تو فرعون نے کہا میرے پاس قاتل کو تلاش کر لاؤ اور قتل پر کوئی گواہ بھی پیش کرو۔ کیونکہ اگرچہ بادشاہ اپنی قوم کے لئے خیر خواہ اور جانبدار ہے لیکن اس کے لئے بغیر گواہ اور ثبوت کے کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا مجھے کوئی پتہ کر کے بتاؤ میں تمہارا حق دلواؤں گا۔

لہٰذا وہ اسی غرض کی خاطر شہر میں چکر لگاتے رہے مگر کوئی قاتل اور اس کا ثبوت نہیں پا رہے تھے۔

پھر ادھر موسیٰ علیہ السلام نے اچانک دوبارہ شہر میں اسی اسرائیلی کو دیکھا کہ وہ کسی اور فرعونی سے لڑ رہا ہے: تو اسرائیلی نے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی صدا لگائی اور مدد کے لئے پکارا۔ تو موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور وہ اس مرتبہ اپنے پچھلے کئے پر نادم و پشیمان تھے اور اس اسرائیلی ہی پر غصہ کھا رہے تھے اور اس کو کچھ کہا۔ اسرائیلی نے دیکھا کہ اب تو میرے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کو فرمایا

(بے شک تو ہی کھلا سرکش آدمی ہے)

اسرائیلی سمجھ گیا کہ گزشتہ روز بھی اسی طرح غصہ اور الفاظ کے بعد ایک گھونسے سے قبطی کا کام تمام کر دیا تھا اور اب مجھ پر غصہ ہے اور مجھے سخت برا کہہ رہے ہیں لہٰذا اب میرے قتل کے درپے ہیں۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خیال بھی نہ تھا۔ اور اسرائیلی نے جو نہ کہنا تھا وہ کہہ بیٹھا۔

اے موسیٰ علیہ السلام کیا تیرا ارادہ (آج) مجھے قتل کرنے کا ہے جیسے کل گذشتہ تو نے ایک جان کو قتل کر ڈالا تھا؟

یہ لڑائی تو بند ہو گئی لیکن۔ فرعونی شخص کو زبردست ثبوت مل گیا تھا۔ اور وہ فوراً فرعون کے پاس پہنچا اور ساری خبر سنائی، حتیٰ کہ یہ بھی بتایا کہ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ (تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک جان قتل کر ڈالی)۔ تو معلوم ہوا کہ موسیٰ ہی اس قبطی شخص کے قاتل ہیں۔ تو فرعون نے فوراً جلادوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

---

(۱) القصص ۱۵: ۱۸

فرعون کا یہ قصائی قافلہ ایک بڑے راستہ پر چلا جارہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کررہے تھے اور یہ امید تھی کہ موسیٰ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اتنے میں ایک حضرت موسیٰ کی قوم کا آدمی شہر کے دوسری طرف سے مختصر راستے سے ہوتا ہوا حضرت موسیٰ کو پہلے جاملا اور یہ خبر سنا ڈالی۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ایک عظیم آزمائش تھی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً شہر سے نکل کر مدین کے راستے پر ہو لئے جبکہ پہلے کبھی ان کو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا بلکہ شاہی سہولتیں میسر تھیں۔ اور آگے راستے کا بھی کوئی علم نہ تھا۔ بلکہ اپنے پروردگار کے ساتھ حسن ظن پر چل دیئے (اور کچھ پتہ نہیں کہ کہاں جارہے ہیں بس یہاں سے نکل لو) اور راستے کی رہنمائی اللہ کرے گا۔ اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان کے پیچھے دو لڑکیاں (اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی تھیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا (تمہارا کیا مقصد ہے) کہ تم لوگوں سے سے الگ کھڑی ہو اور جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو۔ تو لڑکیاں بولیں کہ ہمارے اندر اتنی قوت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کا مقابلہ کریں اور گھس پھس کر پانی پلالیں۔ بلکہ ہم بچے کچے پانی کا انتظار کررہی ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بکریوں کو پانی پلا دیا اور سب سے پہلے بھرا ہوا ڈول نکالا اور سب بکریاں سیر ہوگئیں۔ اور دونوں حیادار لڑکیاں واپس چلی گئیں۔ اور حضرت موسیٰ واپس آکر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے بھوک اور تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال تھے زبان سے دعا نکلی (پروردگار جو کچھ آپ (میرے گذر بسر کے لئے) خیر نازل فرمائیں میں اسکا محتاج ہوں) اور ادھر لڑکیاں جلدی واپس پہنچیں تو ان کے والد کو تعجب ہوا کہ بکریاں پانی سے سیر ہیں اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اور اتنی جلدی؟ پوچھا کہ کیا بات ہے تو دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دی کہ ایک جوان ہے اس نے ہمدردی کی ہے۔

تو والد مکرم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا اور جب ایک لڑکی کو بھیج کر بلوالیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے والد سے ساری داستان سنائی تو انہوں نے تسلی دی اور (کہا خوف نہ کرو آپ ظالم قوم سے نجات پاچکے ہیں) یعنی فرعون اور اس کی قوم کو ہم پر کوئی برتری اور حکومت نہیں ہے اور نہ ہم اس کی سلطنت میں ہیں۔ اتنے میں ایک لڑکی بولی (اے ابا جان ان کو کام پر رکھ لیجئے بے شک جسے آپ کام پر رکھیں ان میں طاقت ور اور امانت دار زیادہ بہتر ہے) اور اس میں دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لیکن اس بات سے والد کو غیرت آئی اور پوچھا کہ تجھے کیا علم اس کی قوت اور امانت کا؟ لڑکی نے کہا: قوت کا اندازہ اس کے ڈول بھرنے سے لگایا کہ اس قدر وزنی کبھی کسی شخص نے اکیلے ڈول نہیں بھرا۔ اور امانت کا اندازہ اس طرح لگایا کہ جب میں اس کے پاس پہنچی تو اس کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی اور پتہ چلا کہ کوئی لڑکی ہے تو فوراً سر پھیر لیا اور پھر بالکل سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ میں نے آپ کا پیغام پورا پہنچا دیا۔ پھر اس نے مجھ کو کہا تو میرے پیچھے پیچھے چلتی رہ اور راستہ پیچھے سے بتاتی رہ۔ اور ایسی احتیاط کوئی بہت امانت دار ہی کرسکتا ہے۔ تو والد لڑکی کی بات سے انتہائی خوش ہوگئے اور لڑکی کی بات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق حسن ظن قائم کرلیا پھر حضرت موسیٰ کو کہا۔

(میرا خیال ہے کہ میں اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہاری شادی کردوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میرا کام کرو اگر دس سال کرلو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا اور میں تم پر کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ عنقریب آپ مجھ کو انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔)(۱)

سعید بن جبیر کہتے ہیں مجھے ایک نصرانی عالم ملا اور پوچھا کہ کیا آپکو پتہ ہے کہ موسیٰ نے کونسی مدت پوری کی تھی؟

میں نے کہا نہیں۔ اور مجھے واقعی اس دن کوئی علم بھی نہ تھا۔ پھر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں کہ آٹھ سال تو اللہ کے نبی پر واجب تھے ان میں کچھ کمی نہیں کرسکتے تھے)

اور کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ وعدہ ضرور پورا کرتا تھا جو انہوں نے فرمایا تھا۔

تو بس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال ہی پورے فرمائے تھے۔

تو میں پھر اس نصرانی سے ملا اور اس کو خبر دی اس نے کہا جس سے تم نے سوال کیا ہے سو تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ میں نے کہا بالکل اور وہ مجھ سے بہت بہتر ہیں۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کو لیکر چلے تو لاٹھی اور ہاتھ وغیرہ کا معجزہ اور نبوت وغیرہ تمام امور پیش آئے جو آپ قرآن میں پڑھ چکے۔

(۱) القصص ۲۷

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنی زبان کی لکنت اور فرعونی کے قتل سرزد ہونے کی شکایت کی کہ زبان میں لکنت صاف فصیح گفتگو سے مانع ہے لہذا مجھے میرا بھائی بطور وزیر کے عطا کیا جائے۔ اور وہ میرے لئے پشت پناہ بھی ثابت ہونگے اور میری جگہ بات چیت بھی مشکل مواقع پر کریں گے تو اللہ نے ان کی مراد عطا کردی اور زبان کی لکنت بھی کافی قدر دور فرما دی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی بھیج دی اور فرمایا کہ آگے جا کر آپ موسیٰ سے ملاقات کریں (اور استقبال کریں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو لیکر چل پڑے حتیٰ کہ حارون سے جا ملے۔ پھر دونوں فرعون کے دربار پہنچے اور ایک عرصے تک دروازے پر ٹھیرے رہے کیونکہ اجازت نہ مل رہی تھی۔ پھر سخت حجاب کے بعد اجازت ملی تو دونوں نے جا کر کہا۔

انا رسولا ربک

ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں۔

پوچھا:

فمن ربکما

تمہارا پروردگار کون ہے؟

پھر آگے وہی ساری خبر ہے جو قرآن میں آپ پڑھ چکے۔

پھر فرعون نے کہا اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اور ساتھ میں پرانے قتل کا ذکر چھیڑا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا ارادہ و مقصد ہے کہ تو مجھ پر ایمان لے آئے اور میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا (اگر تو سچوں میں سے ہے تو لے آ (کوئی نشانی) پھر موسیٰ نے اپنے لاٹھی ڈالی وہ اژدھا ہو گیا) یعنی لاٹھی نیچے گرتے ہی عظیم الشان بڑے اژدھے کی شکل میں آ گئی وہ اژدھا منہ کھولے فرعون کی طرف تیزی سے لپکا فرعون نے دیکھا کہ میری طرف بڑھ رہا ہے تو اپنے تخت پر خوف سے پیچھے کود بک گیا۔ اور موسیٰ سے فریاد کی کہ اس کو روکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو روک لیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری نشانی پیش کی کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالکر نکالا وہ بغیر کسی برص وغیرہ کی بیماری کے انتہائی تیز روشن چمکدار ہو گیا۔ پھر واپس اپنے گریبان میں ڈالا تو اپنی پہلی اصلی شکل میں آ گیا۔

تو فرعون نے اپنے گرد و پیش درباریوں سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے (یہ جادوگر ہیں جو تمہیں تمہاری سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے حق راستے کو مارنا چاہتے ہیں) یعنی اس ملک سے تم کو نکالنا چاہتے ہیں جسمیں تم عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہے ہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے ہر بات کا انکار کر دیا جو بھی آپ نے ان سے طلب کی تھی اور فرعون سے کہا کہ تیرے سلطنت میں جادوگر بہت ہیں ان کو اکٹھا کرتا کہ تو اپنے جادوگروں کے ذریعے ان دونوں پر غلبہ پالے۔

پھر فرعون نے شہروں کی طرف قاصد روانہ کئے اور تمام جادوگر فرعون کے بلاوے پر اکٹھے ہو گئے جب فرعون کے پاس آئے تو کہنے لگے یہ جادوگر جن سے ہمارے مقابلہ ہوگا کس چیز کے ذریعے جادو کرتے ہیں کہا سانپ کے ذریعے تو جادوگر بولے اللہ کی قسم روئے زمین پر سانپوں، رسیوں ڈنڈوں کے جادو میں کوئی ہم سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اور مقابلے کے لئے زینت کا دن طے ہوا اور حکم ہوا کہ لوگ صبح کے وقت جمع ہو جائیں۔

سعید کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زینت کا دن جسمیں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادوگروں پر غلبہ عطا فرمایا تھا وہ عاشورا یعنی دس محرم کا دن تھا۔

پھر جب وہ دن آ گیا اور لوگ جمع ہونا شروع ہوئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے چلو چلو اس معاملے کو دیکھیں (شاید ہم جادوگروں کی پیروی کر لیں اگر وہ غالب آئیں) اصل میں یہاں انکا مقصد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور حارون کی اتباع کر لیں اگر وہ غالب آئیں۔ اور یہ مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کے لئے کہا تھا اور نہ دل سے اسپر عمل کرنے والے نہ تھے۔

جب سب اکٹھے ہو گئے اور جادوگر اپنے جادو کی چیزوں کو ٹھیک کر کے تیار ہو گئے تو جادوگر حضرت موسیٰ کو بولے (اے موسیٰ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں) تو حضرت موسیٰ نے فرمایا بلکہ تم ہی ڈالو پہلے تو (پھر ان جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو ڈالا اور بولے فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی ضرور غالب آنے والے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو دل میں کچھ خوف کی آہٹ ہوئی پھر اللہ نے ان کو وحی بھیجی (اپنی لاٹھی ڈال دو) لاٹھی ڈالی تو وہ ایک عظیم الشان بے انتہا لمبے چوڑے جسم والا اژدھا بہت بڑا منہ کھولے ظاہر ہو گیا۔ اور سب کے سب جادو جو سانپ وغیرہ کی شکلوں میں تھے وہ اس اژدھے کے منہ میں جانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے کوئی رسی کوئی لاٹھی نہ بچی سب کو اژدھا نگل گیا۔

جب جادوگروں نے یہ خوفناک اور نہ یقین آنے والا منظر دیکھا تو سوچا کہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہمارے جادوں کو نگل نہ سکتا تھا۔ بلکہ ضرور یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ موسیٰ لائیں ہیں سب کو مانتے ہیں اور اپنی لغزشوں سے ہم بارگاہ خداوندی میں توبہ کرتے ہیں۔

یہ کایا پلٹتے دیکھ کر فرعون کی کمر ٹوٹ گئی اور سب کے سامنے جماعتوں اور تمام لوگوں کے درمیان شکست سے دوچار ہوا اور حق کا غلبہ ہوا۔ (اور جو وہ کرتے تھے سب باطل ہو گیا۔ پس وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر لوٹے)

اور محل فرعون میں فرعون کی حرم یعنی بیوی انتہائی عاجزی وانکساری سے بارگاہ رب العزت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور فرعون کی شکست کے لئے دعا مانگ رہی تھی۔ اور جو اس کو فرعونی دیکھتا تو سمجھتا کہ یہ فرعون اور اس کی جماعتوں کے غلبے کے لئے الحاح وزاری کر رہی ہے جبکہ درحقیقت اسکا تمام رنج وغم اور ہمدردی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی پھر کئی مواقع پر فرعون کے جھوٹے وعدے ٹوٹتے رہے۔ جب بھی کوئی نشانی آتی تو وہ وعدہ کر لیتا کہ وہ بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ چھوڑ دے گا۔ پھر جب وہ عذاب ٹل جاتا تو وعدہ خلافی کر لیتا۔ اور ہٹ دھرمی سے کہتا کہ کیا تمہارا رب اس کے علاوہ بھی کوئی عذاب بھیج سکتا ہے؟۔ اسی طرح اللہ نے فرعون پر طوفان، ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں، اور خون وغیرہ کا کھلا عذاب بھیجا پھر ہر ایک موسیٰ سے شکایت کرتا اور جھوٹے وعدہ کرتا کہ وہ ایمان لے آئیں گے لہٰذا ہم سے عذاب دور کروا دو۔ پھر جب وہ عذاب ان سے ہٹا دیا جاتا تو پھر وعدہ خلافی پر اتر آتے۔ اور ایسا ہوتا رہا، حتیٰ کہ ایک وقت اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم لے کر نکل جانے کا حکم فرما دیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام راتوں رات ان کو لے کر چل دیئے۔

جب فرعون نے صبح کی اور دیکھا کہ پانی تو سر سے گذر چکا، جلدی سے قاصدین کو شہروں کی طرف فوجوں کے جمع کرنے کے لئے دوڑایا پھر عظیم لشکروں کو لے کر بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔

اور اللہ نے سمندر کو پہلے سے حکم فرما دیا کہ جب موسیٰ میرے بندوں کو لیکر تجھ پر پہنچے اور وہ لاٹھی مارے تو بارہ رستے ان کو مہیا کر دینا۔ تاکہ وہ سب پار ہو جائیں۔ پھر باقی آنے والوں پر چل پڑنا اور غرق کر دینا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام سمندر کو لاٹھی مارنا بھول گئے اور سمندر بہت تیز آوازیں موجوں کی نکال رہا تھا گویا زبردست بجلی کڑک رہی ہے اور درحقیقت سمندر میں یہ آوازیں سمندر کے ڈر اور خوف کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھیں کہ کہیں موسیٰ لاٹھی ماریں اور یہ غافل ہو اور پھر اللہ کے حکم کی نافرمانی ہو جائے۔

پھر جب موسیٰ کی قوم نے دونوں لشکروں کو آمنے سامنے دیکھا تو (کہا موسیٰ کے ساتھیوں نے ہم تو پکڑے گئے) لہٰذا اے موسیٰ جو تیرے رب نے تجھے حکم فرمایا ہے اسپر عمل درآمد کیجئے اسلئے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور نہ آپ بولتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے رب نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب میں سمندر پر پہنچوں گا تو وہ بارہ رستے مہیا کر دے گا جس سے میں سمندر پار کر جاؤں گا۔

پھر اچانک حضرت موسیٰ کو لاٹھی مارنے کا حکم یاد آ گیا اور پھر سمندر پر لاٹھی ماری اور موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کا شروع کا حصہ سمندر کے قریب ہو گیا۔ اور پھر واقعی سمندر فوراً اپنے رب کے حکم اور موسیٰ کے وعدے کے مطابق بارہ رستوں پر تقسیم ہو گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ اپنے تمام ساتھیوں سمیت سمندر پار ہو گئے اور فرعون تمام ظالموں سمیت سمندری راستوں میں داخل ہو گیا تو سمندر نے راستے ختم کر دیئے اور ان کو غرق کر دیا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام پار ہو گئے تو آپکے ساتھیوں نے خوف ظاہر کیا کہ شاید ہو سکتا ہے کہ فرعون غرق نہ ہوا ہو پھر ہم اس سے برابر خطرے میں رہیں

گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو سمندر نے فرعون کی لاش کو باہر پھینکا اور سب نے اس کی لاش دیکھی تب یقین آیا کہ بے شک مر کھپ چکا ہے۔

پھر بنی اسرائیل کا ایک قوم پر سے گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے بتوں پر عبادت کی حالت میں جھکے پڑے ہیں تو کہنے لگا اے موسیٰ، ہمارے لئے ایسا کوئی معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں، فرمایا تم جاہل قوم ہو بے شک یہ لوگ جسمیں مشغول ہیں ہلاک ہونے والا ہے اور جو یہ کر رہے ہیں سب باطل ہے)۔

تم کس قدر عبرتیں دیکھ چکے ہو اور کس قدر نصیحت سن چکے ہو جو تمہارے لئے کافی ہیں کچھ تو خوف خدا کرو۔ اور یہ معاملہ درگذر ہو گیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے ان کو ایک جگہ اتارا اور کہا ھارون کی فرماں برداری کرتے رہنا بے شک اللہ نے اس کو تم پر خلیفہ منتخب فرمایا ہے۔ اور میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں اور یہ مدت تیس دن ہوگی اس کے بعد تم تک واپسی ہو جائے گی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس آئے اور تیس دنوں میں ہمکلام ہونا چاہا اور تیس دن رات روزہ رکھ چکے تھے تو خیال آیا کہ منہ میں کچھ بو سی ہے رب سے کلام کرنا ہے لہٰذا کچھ مسواک وغیرہ کر لی، اور دانتوں پر رگڑ ڈالی پھر پروردگار کے پاس آئے اور رب نے پوچھا روزہ کیوں افطار کیا (یعنی مسواک کر کے روزہ کیوں توڑ دیا) جبکہ اللہ رب العزت ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے ناپسند خیال کیا کہ میں آپ سے ہمکلام ہوں اور منہ سے بو آئے۔ تو رب نے فرمایا۔

اے موسیٰ علیہ السلام آپ کو علم نہیں ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ پس واپس جاؤ اور دس روز مزید روزے رکھ کر آؤ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل فرمائی۔

ادھر جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف نہیں لا رہے تو ان کو یہ بات بری لگی۔ اور اس سے پہلے حضرت ھارون ان کو وعظ و نصیحت فرما چکے تھے۔

کہ تم مصر سے نکلے ہو اور فرعونی قوم کا تمہارے پاس عاریت اور امانت کا زیور ہے۔ اور تمہارے پاس اپنا بھی موجود ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ جو مال تمہارا ان کے پاس رہ گیا ہے تم خدا سے اس کے ثواب کی امید رکھو اور ان کے مال کو میں تمہارے لئے حلال نہیں سمجھتا جو تم نے امانت کے طور ان سے لیا ہے یا عاریت کے طور پر اور اب ہم ان کو کچھ واپس بھی نہیں کر سکتے اور نہ اپنے لئے روک سکتے ہیں تو حضرت ہارون نے ایک گڑھا کھودا اور قوم کو حکم فرمایا کہ سارا انکا مال و زیور اس میں ڈال دو پھر حضرت ہارون نے اس کو جلا ڈالا اور فرمایا پس نہ ہمارے لئے اور نہ ان کے لئے اور سامری اس قوم سے تھا جو بچھڑے کی عبادت کرتے تھے اور اس کی قوم بنی اسرائیل کی پڑوسی تھی۔ لیکن بنی اسرائیل میں سے نہ تھی۔ تو پھر یہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ساتھ آ گئے اور سامری کے لئے ایسا ہوا کہ اس نے حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے نقش قدم میں سے کچھ مٹی اٹھالی۔ اور اب جب حضرت ہارون نے لوگوں کا زیور گڑھے میں جلا ڈالا تو یہ بھی مٹی کو مٹھی میں بند کئے پہنچ گیا حضرت ہارون نے دریافت کیا اے سامری: کیا جو تیرے ہاتھوں میں ہے تو نہ ڈالے گا؟ اس نے کہا یہ اس رسول کے نقش قدم کا اثر ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے تم کو سمندر پار کرایا۔ اور میں اس کو کسی وجہ سے نہیں ڈال سکتا سوائے ایک شرط کے کہ اے ھارون آپ اللہ سے دعا کریں کہ میرے ڈالنے کا جو مقصد ہے اللہ اس کو پورا کر دیں۔ تو میں ڈال دوں گا۔ حضرت ھارون نے دعا فرما دی۔ اور اس نے ڈال دیا۔

پھر کہا کہ میں نے اس کے بچھڑے ہو جانے کا ارادہ کیا ہے۔ تو جو بھی گڑھے میں سونا چاندی لوہا اور پیتل اور دوسرا سامان تھا سب کا سب ایک کھو کھلے بچھڑے کی صورت میں ہو گیا۔ اور کوئی روح وغیرہ اس میں نہ تھی۔ اور کچھ آواز تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم اس میں کوئی آواز نہ تھی بس اتنا تھا کہ اس کے پچھلے مقام سے ہوا داخل ہوتی تھی اور منہ سے نکل جاتی تھی۔ پس اسی وجہ سے آواز پیدا ہو جاتی تھی۔ (خود اس کی کوئی آواز نہ تھی)

پھر بنی اسرائیل کئی گروہ میں بٹ گئے ایک گروہ نے کہا: اے سامری یہ کیا ہے؟ اور تو ہی اس کو زیادہ جاننے والا ہے سامری نے کہا یہی تمہارا پروردگار ہے اور موسیٰ راستہ بھٹک چکے ہیں۔

اور ایک گروہ نے کہا ہم اس کی تکذیب نہیں کرتے حتیٰ کہ موسیٰ واپس آئیں اگر انہوں نے ہم کو اس کے رب ہونے کا بتلا دیا تو ہم اس کو ضائع نہ کریں گے اور اس کی عبادت میں جھک جائیں گے۔ اور اگر یہ ہمارا رب نہ ہوا تو ہم موسیٰ علیہ السلام کے قول کی اتباع کر لیں گے۔

اور ایک گروہ نے کہا: یہ سراسر شیطانی عمل ہے یہ ہمارا رب کہاں ہوگا؟ ہم بالکل اس کی تصدیق نہیں کرتے اور اس پر ایمان بھی نہیں لاتے۔

اس طرح تین گروہ ہو گئے پہلے گروہ کے دل میں سامری کے قول کی سچائی بھر گئی اور اس کی تکذیب نہ کرنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

تو حضرت ھارون علیہ السلام نے ان کو فرمایا (اے قوم اور کچھ نہیں تم اس کے ساتھ آزمائش میں ڈالے گئے ہو۔ اور تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہے۔) یہ نہیں ہے۔

کہنے لگے کہ پھر موسیٰ علیہ السلام کا کیا ارادہ ہے ہم سے تیس دن کا وعدہ کر گئے، اور لگا چالیس دن دیئے، اور ہم سے وعدہ خلافی کی؟

اور بیوقوف لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ سے رب کے متعلق خطا ہو گئی ہے اور وہ اس کو وہاں تلاش کر رہے ہیں جبکہ رب ادھر ہے۔

پھر اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور جو کچھ گفتگو ہوئی۔ اس میں ایک خبر یہ بھی دی کہ تیری قوم گمراہ ہو چکی ہے۔ تو (پھر موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غضب آلود افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے)

اور پھر جو کچھ ہوا قرآن میں تذکرہ سن چکے ہو؟ اور اس میں ہے کہ (اور (موسیٰ نے) اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا) اور تختیوں کو غصے کی وجہ سے ڈال دیا۔ پھر بھائی کے عذر کی وجہ سے ان سے معذرت کی اور ان کے لئے خدا سے بخشش طلب کی۔ اور پھر سامری کے پاس لوٹے اس کو کہا تجھے یہ سب کچھ کرنے پر کس چیز نے اکسایا؟ سامری نے کہا میں نے فرشتے کے نقش قدم سے ایک مٹی اٹھائی تھی میں نے تو اس کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا لیکن تم کو پتہ نہ چلا (پھر میں نے اس کو ڈال دیا اور اس طرح میرے نفس نے مجھے اکسایا، فرمایا: پس جا بے شک تیرے لئے زندگی میں ہے کہ تو کہتا رہے گا مت چھوو۔ اور تیرے لئے (عذاب کے) وعدہ کا دن ہے جسکے ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا اور دیکھ اپنے معبود کی طرف جس پر تو جھکا پڑا ہے ہم اس کو ضرور جلا ڈالتے ہیں پھر اس کو ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے) تو اگر یہ معبود ہوتا تو اسکا یہ حال نہ ہوتا۔

پھر بنی اسرائیل نے یقین کر لیا کہ ہم فتنے میں مبتلا ہو چکے۔ اور وہ لوگ خوشی اور رشک میں محو ہو گئے جنکی رائے حضرت ھارون کے ساتھ تھی۔

پھر لوگوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا:

اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سوال کریں کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے۔ اور جو ہم سے برائی سرزد ہوئی اس سے ہم کو پاک کر دے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر سربرآوردہ شرفاء کو ساتھ لیا جن سے کسی خیر میں کوتاہی سرزد نہیں ہوئی اور شرک بھی نہیں کیا۔ پھر ان کو لے کر چلے تاکہ ان کے لئے توبہ کا سوال کریں۔ پھر زمین کے زلزلے نے ان کو ہلاک کر دیا۔

تو اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم اور اپنے وفد سے حیا آئی کہ وہ کیا کہیں گے (کہ اپنے ساتھ والوں کو مروا دیا) تو دعا کی (پروردگار اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی مجھ کو اور ان کو ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہم کو اس وجہ سے ہلاک فرماتے ہیں جو ہم میں سے بیوقوفوں سے سرزد ہوا) اور ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنکے دلوں میں بچھڑے کی محبت گھر کر گئی تھی۔ جسکی وجہ سے خدائی عذاب یعنی زمین کے جھٹکے نے ہلا ڈالا۔ پھر خدا نے فرمایا (اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ پس عنقریب میں ان کے لئے اپنی رحمت لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو رسول پیغمبر امی کی (وحی کی) اتباع کرتے ہیں جسکو وہ اپنے پاس تورات میں لکھا پاتے ہیں) پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار میں اپنی قوم کے لئے توبہ کا سوال کرتا ہوں اور آپ نے فرما دیا ہے کہ آپکی رحمت میری قوم کے غیروں کے لئے لکھ دی گئی ہے۔ پس کاش آپ مجھے مہلت دیتے اور مجھے ان کی طرف نکالتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا چلو ان کی توبہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر (شخص جو شرک سے پاک رہا ہو) وہ دوسرے کو قتل کرے خواہ وہ والد ہو یا والدہ اور تلوار کے ساتھ قتل کریں۔ اور کوئی پرواہ نہ کریں کہ کون کون قتل ہوا؟

اور بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس سخت توبہ کو دیکھ کر اپنے گناہ کو ظاہر نہ کیا اور ویسے ہی منہ سے توبہ پر اکتفا کرنا چاہا لیکن اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے متعلق خبر دی پھر انہوں نے واقعی اعتراف کیا اور جسکا حکم ملا تھا اس کی اتباع کی۔ اور اللہ عزوجل نے قاتل اور مقتول

دونوں کی مغفرت فرمادی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر وادی مقدس کی طرف چلے۔اور غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد تختیاں اٹھائیں۔

اور جو کچھ ان میں لکھا تھا ان کا بنی اسرائیل کو حکم فرمایا۔لیکن وہ بھی ان پر بوجھل اور مشکل ہوگیا اور انہوں نے انکار کردیا کہ انکا اقرار کریں۔پھر اللہ نے انپر پہاڑ کو معلق فرمادیا گویا کہ وہ بادل ہے۔اور پھر اتنا قریب ہوگیا کہ انہیں خطرہ لاحق ہوگیا کہ اب گرا۔پھر لاچار فوراً کتاب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔اور پہاڑ ہی کی طرف دیکھنے لگے۔کہ کہیں گر ہی نہ جائے۔اس لئے کتاب ہاتھ میں لے کر اقرار کیا کہ ہم ضرور اس کی ہر بات مان لیں گے تو اللہ پاک نے ان سے پہاڑ کو اٹھادیا۔پھر یہ چل پڑے حتیٰ کہ وادی مقدس جا پہنچے۔

پھر ایک شہر پایا جس میں جباریں قوم تھی۔ان کی عجیب تخلیق و بناوٹ تھی۔اور پھر ان کے پھلوں وغیرہ کی عجیب کیفیات ذکر کی کہ ایسے ایسے بڑے ہیں۔پھر بنی اسرائیل نے کہا (اے موسیٰ علیہ السلام اس میں جباریں قوم ہے) ہمیں ان سے مقابلے کی سکت نہیں اور وہ جب تک شہر میں رہیں گے ہم داخل نہ ہوں گے (پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے)۔

(کہا دو آدمیوں نے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے) آیت کے الفاظ ہیں۔

قال رجلان من الذین یخافون

تو یزید راوی سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح پڑھا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔تو خیر دو آدمی مان گئے اور کہا ہم موسیٰ پر ایمان لائے پھر اپنی قوم سے کہا تم صرف ان کے اجسام اور ان کی تعداد سے ڈرتے ہو در حقیقت ان کے پاس دل نہیں ہیں اور نہ ان کے پاس حفاظت وطاقت ہے پس دروازے سے انپر داخل ہو جاؤ پس جب تم داخل ہو گے تو تم ہی غالب ہونے والے ہو اور لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھے اور جو لوگ ڈرتے تھے وہ بولے اے موسیٰ علیہ السلام ہم تو ہرگز اس میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں۔پس آپ اور آپکا رب جائیں اور لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)۔

اس طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غضبناک کردیا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف بددعا کی اور ان کو فاسقین کے نام سے پکارا۔اور اس سے پہلے کئی طرح کی مصیبت اور برائیاں بھی دیکھ چکے تھے مگر بددعا نہ فرمائی تھی مگر اب ایسے الفاظ سے اتنا دل برداشتہ کردیا کہ آپ اس پر مجبور ہوگئے۔

پھر اللہ نے اپنے کلیم کی بددعا کی لاج رکھی اور قبول فرمائی اور اللہ نے بھی ان کو اپنے کلیم کی طرح فاسق سے نامزد فرمایا۔اور پھر اللہ نے انپر سزا مقرر فرمائی کہ چالیس سال تک ایک میدان میں قید فرمادیا جس سے وہ کسی طرح باہر نہ نکل سکتے تھے۔صبح سے سارا دن بھاگتے چلتے رہتے اور کہیں نہ ٹھہرتے۔اور دھوپ میں اللہ نے ان کے لئے بادل مہیا کردیئے تھے اور گذر بسر کے لئے من وسلویٰ کھانا مقرر فرمادیا تھا۔اور ایسے کپڑے ان کو عطا کردیئے تھے جو نہ پرانے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے درمیان ایک چوکور پتھر عطاء فرمادیا تھا اور موسیٰ کو حکم دیا کہ اس پر اپنا عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے ہر طرف تین تین چشمے۔اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا تھا اور جب بھی اگلے دن کسی دوسری جگہ کوچ کرتے تھے پتھر وہیں خود بخود پہنچ جاتا۔

حدیث فتون ختم ہوئی۔

اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف مرفوع فرمایا ہے (یعنی آپ سے نقل کی ہے اور مصنف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات صحیح ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو حدیث بیان کرتے سنا تو ایک مقام پر ان کو ٹوکا کہ یہ فرعونی نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل والے راز کو فاش کیا۔اور وہ کیسے فاش کرسکتا ہے اور اس کو تو کوئی علم نہ تھا اور نہ اس وقت حاضر تھا۔ہاں اسرائیلی ہے جس نے فاش کیا اور وہی حاضر تھا۔تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ غصے میں بھر گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور سعد بن مالک زھری رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور فرمایا اے ابو اسحاق کیا آپکو یاد ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے مقتول فرعونی کے متعلق حدیث بیان کی تھی (معلوم ہوا کہ یہ مرفوع ہے) تو کیا وہ اسرائیلی تھا جس نے راز فاش کیا یا فرعونی؟ تو سعد نے فرمایا راز فاش کرنے والا فرعونی ہی تھا جس نے راز کو اسرائیلی سے سنا تھا۔اور

اسرائیلی قتل کے موقع پر حاضر تھا۔

اسی طرح حدیث کو امام نسائی نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس کی اپنی تفسیر میں یزید بن ھارون کی حدیث سے تخریج فرمائی ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ موقوف ہو اور اس کے مرفوع ہونے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم اور اسکا غالب یہی ہے کہ اسرائیلیات میں سے حاصل کردہ ہے اور اس میں کچھ نظر ہے دوران کلام اس کے مرفوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور جن قصص میں نظر اور نکارت ہے غالب یہ ہے کہ وہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ماخوذ ہے اور میں نے اپنے شیخ حافظ الحجاج المزی کو یہی فرماتے سنا ہے۔ واللہ اعلم۔

قبۃ الزمان کی تعمیر کا تذکرہ

اہل کتاب کہتے ہیں: کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک قبہ بنانے کا حکم فرمایا تھا جو شمشاز نامی لکڑی اور مویشیوں کی کھالوں اور بکریوں بھیڑوں کے بالوں کا بنا ہو۔ اور اس کی زیب و زینت حریر یعنی رنگے ہوئے ریشم اور سونے چاندی کے ساتھ ہوں۔ اور اس کی تفصیلات اہل کتاب کے ہاں بہت ہیں۔ اور اس کے دس خیمے ہوں ہر ایک کی لمبائی اٹھائیس ہاتھ اور چوڑائی چار ہاتھ ہو اور اس کے چار دروازے ہوں۔ اور ان پر پردے رنگے ہوئے ریشم کے ہوں۔ وغیرہ وغیرہ جنکا ذکر طویل ہے۔ اور پھر ایک تابوت بنایا جائے وہ شمشاز لکڑی کا ہو اسکا طول ڈھائی ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور اس کی اونچائی ڈیڑھ ہاتھ ہو۔ اور خالص سونے کے ساتھ اس کے اندر اور باہر ملمع سازی ہو۔ اور اس کے چار کنڈے چاروں کونوں میں ہوں۔ اور دونوں جانبوں میں ایک ایک فرشتے کا مجسمہ ہو اور وہ سونے کے ہوں اور باقاعدہ ان کے پر ہوں۔ اور آمنے سامنے ہوں۔

اور اسکا بنانے والا ایک شخص صلیال نامی تھا۔

اور یہ بھی حکم ملا کہ ایک دستر خوان اسی لکڑی کا بنایا جائے جس کی طوالت دو ہاتھ اور عرض ڈھائی ہاتھ ہو اور اس کی رنگائی سونے سے ہو اور سونے کے جڑاؤ ہوں اور سونے کا ٹیکا یا تاج ہو۔ اور چار کونوں میں چار حلقے سونے کے ہوں۔ اور چاروں کو انار کی طرح گول لکڑی میں باندھا گیا ہو اور وہ لکڑی سونے سے رنگ شدہ ہو۔ اور پھر دستر خوان پر پلیٹیں اور پیالے اور چمچے ہوں۔ اور پھر ایک سونے کا ستارہ بنایا جائے جسمیں چھ سونے کی سرکنڈے کی طرح ڈنڈیاں گڑی ہو ہر جانب سے تین تین ہوں۔ اور ہر ڈنڈی پر تین تین چراغ ہوں۔ اور منارے میں چار قندیلیں روشن ہوں اور یہ سب برتن اور اشیاء سونے کی ہوں۔

اور اس کو بھی صلیال نے بنایا۔

اور یہ قربان کے سال کے پہلے دن میں نصب کیا گیا اور یہ دن ربیع کا پہلا دن تھا۔

اور اس تابوت کی شہادت (واللہ اعلم) قرآن سے بھی ملی ہے فرمان الٰہی ہے:

اس کی سلطنت کی علامت یہ ہوگی کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینہ اور ال موسیٰ اور آل ھارون کا بقیہ متروکہ (یعنی ان کی نشانیاں ہوں گی اور) اس کو ملائکہ اٹھائے ہوں گے۔ بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو)۔[1]

اور اس کی شرح و تفصیل اہل کتاب کی کتاب اللہ میں بہت طویل ہے۔ اور اس میں ان کی شریعت اور اس کے احکام اور ان کی قربانی

(۱) بقرہ ۲۴۸

کی صفت و کیفیت تھی۔ اور اس میں یہ بھی درج ہے کہ قبۃ الزمان بچھڑے کی عبادت سے پہلے کا ہے اور بچھڑے کی عبادت بیت المقدس آنے سے پہلے ہوئی۔

اور قبۃ الزمان ان کے لئے کعبہ کی مانند تھا اس کی طرف نماز وغیرہ میں رخ کیا جاتا تھا۔ اور اس کے قرب کو تبرک سمجھا جاتا تھا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام اس میں داخل ہوتے تو لوگ اس کے آس پاس کھڑے ہو جاتے۔

اور پھر اس کے دروازے پر بادلوں کے ستون سے چھا جاتے تھے اور سب خدائے لایزل کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ اور یہ بادل نور کا ہوتا جو بیچ میں پردے کے طور پر حائل ہوتا اور اس کے ورے سے اللہ عزوجل کا خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنائی دیتا اور دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوتیں اور اللہ کی طرف سے احکام یعنی اوامر و نواہی کا سلسلہ چلتا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اثناء میں تابوت کے پاس دونوں مجسموں کے درمیان کھڑے ہوتے۔ پھر جب خطاب ختم ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو وحی میں جو اوامر و نواہی نازل ہوتے ان کی خبر دیتے۔

اور جب بنی اسرائیل کوئی ایسا جھگڑا یا مسئلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لاتے جس کا اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی حکم نہ ہوتا تو آپ اسی قبۃ الزمان کے پاس آتے اور تابوت کے پاس دونوں مجسموں کے درمیان کھڑے ہو جاتے۔ پھر ان کے پاس اس مسئلے کا فیصلہ نازل ہوتا۔

اور یہ چیزیں ان کے مذہب و دین میں مشروع تھیں یعنی سونا چاندی ریشم ہیرے موتی وغیرہ کے وہ اپنے عبادت خانوں میں سجا سکتے ہیں۔ لیکن ہماری شریعت میں جائز نہیں بلکہ ہمیں مساجد کی زیادہ زیب و زینت سے منع کیا گیا ہے تاکہ نمازی ان میں مشغول نہ ہو جائیں۔

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جب مسجد نبوی ﷺ میں توسیع کی گئی تو اس کے معمار جس کی کنیت ابن الناس تھی تو اس کو حضرت عمر نے فرمایا:

مسجد کو سرخ یا زرد کرنے سے بچنا نہیں تو تم لوگوں کو فتنے میں ڈال دو گے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسجدوں کو اس طرح نہ رنگو جس طرح یہود و نصاری نے اپنے کنیسوں کو رنگا۔ اور یہ ہم امت محمدیہ کے لئے شرافت و کرامت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ یہ امت پہلی امتوں جیسی نہیں ہے اس لئے کہ اللہ نے ان کی فکروں توجہ کو اپنی طرف نماز میں مشغول کروایا۔ اور اپنے علاوہ ہر چیز سے ان کی نگاہوں دلوں کو محفوظ رکھا اور یہ عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔

اور یہ قبۃ الزمان بنی اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ میں بھی تھا۔ اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور یہ انکا قبلہ و کعبہ تھا اور ان کے امام موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کی قربانیاں وغیرہ آگے پیش کرنے والے تھے۔

پھر حضرت ھارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اور اب تک حاورن علیہ السلام کی اولاد اپنے جدامجد کے رسم پر ہے قربانی وغیرہ یا جو بھی ان کے فرائض تھے اور نبوت اور اس کے امور و معاملات کے نگہبان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون جو آپ کے ساتھ تھے نبی بنے اور پھر یوشع بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس میں بھی داخل ہوئے اس کا تذکرہ آگے آنے والا ہے اور یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جب آپ کو بیت المقدس پر غلبہ ملا تو آپ نے یہ قبۃ الزمان اس کی چٹان پر نصب کروا دیا۔ پھر اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جانے لگی۔ اور جب سے حضور ﷺ کے زمانے تک اس چٹان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی رہی اور حضور اکرم محمد ﷺ نے بھی ہجرت سے پہلے اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی ہے۔ اور عام طور پر کعبہ اپنے سامنے رکھتے تھے۔ جب ہجرت کا حکم ملا تو پھر دوبارہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ملا۔ پھر سولہ مہینے اس کی طرف رخ فرمایا اور ایک قول ہے سترہ مہینے پھر قبلہ کعبہ ابراہیم کی طرف منتقل ہوا اور یہ تبدیلی دوسرے سال ماہ شعبان ظہر یا عصر کی نماز میں ہوئی جیسے اس کی تفصیل ہم اپنی تفسیر میں سیقول سے سورہ بقرہ کی ۱۴۲ سے ۱۴۴ تک کی آیتوں کے تحت کر چکے ہیں۔

قارون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر ہی تعدی کرتا تھا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتی۔ جب اس کی قوم نے کہا اترا ؤمت خدا اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
اور جو مال تمکو خدا نے عطا فرمایا اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے ،اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی تم سے خدا نے بھلائی کی ویسی بھی لوگوں سے بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ ہو کیونکہ خدا افساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔
تو بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے، کہا، اس کو معلوم نہیں خدا نے اس سے پہلے بھی بہت سی امتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں، ہلاک کر ڈالی ہیں۔ اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ تو ایک روز قارون بڑی (آرائش کی) اور ٹھاٹھ سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ بڑا ہی صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے تم پر افسوس مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے (جو) ثواب خدا کے ہاں تیار ہے وہ کہیں ہی بہتر ہے۔ اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ملے گا پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلا لے سکا۔ اور لوگ جو اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت! خدا ہی تو ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی! کافر نجات نہیں پا سکتے۔
وہ جو آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں کا ہے۔ [1]
اعمش، منہال بن عمرو سے اور وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچیرا (چچازاد) بھائی تھا۔ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن حارث ابن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار اور ابن جریج سب کا یہی کہنا ہے
اور آپ نے یہ اضافہ فرمایا کہ انکا نسب یوں ہے: قارون بن یصہب بن قاھث، اور موسیٰ بن عمران بن قاھث۔
ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول رد فرمایا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے چچازاد تھے۔
اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو منور کہا جاتا تھا کیونکہ اس کی تورات کی تلاوت میں آواز بہت حسین تھی لیکن تھا اللہ کا دشمن اور منافق جیسے کہ سامری تھا پھر اللہ نے اس کو اس کے مال سمیت ہلاک فرمادیا اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے لباس کو ایک بالشت زیادہ لمبا رکھتا تھا اپنی قوم پر بڑائی جتاتے ہوئے۔
اور اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانوں کی کثرت بیان فرمائی ہے کہ اس کے خزانوں کی چابیاں بھی ایک بڑی جماعت نہ اٹھا سکتی تھی۔ اور جماعت بھی طاقت ور لوگوں کی۔ اور ایک قول ہے کہ وہ چابیاں چمڑے کی تھیں اور ساٹھ خچر ان کو اٹھاتے تھے واللہ اعلم۔
اور اس کو اس کی قوم کے واعظین نے خیر خواہی کے ساتھ نصیحت فرمائی کہ ,,لا تفرح،، کہ اکڑ مت یعنی جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے اس پر بڑائی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ (بے شک اللہ اکڑنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اور جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے اس میں آخرت کے گھر (کی کامیابی) تلاش کر) وہ اس کو سمجھاتے کہ اس مال کے ذریعے آخرت حاصل کر جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے (اور دنیا سے اپنا حصہ بھی لے لے اور) ساتھ ساتھ

(۱) القصص ۷۶ تا ۸۳

لوگوں پر (احسان کر جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت پھیلا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے)۔

تو اس کا جواب بس یہ ہوتا کہ (کہتا مجھے تو میرے علم کی وجہ سے (یہ مال دولت) عطا کیا گیا ہے) یعنی جو تم ذکر کرتے ہو میں اس کی طرف محتاج نہیں ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عطا کیا ہے یہ میرے علم کی بدولت عطا کیا ہے جسکا میں حقدار تھا۔ اگر میرا اللہ کے ہاں مرتبہ نہ ہوتا اور میں اسکا حبیب نہ ہوتا تو وہ مجھے اتنا مال نہ عطا کرتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو رد کرنے کے لئے فرمایا (کیا اس کو پتہ نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے کئی زمانے والوں کو ہلاک کیا جو اس قوت اور (مال) جمع کرنے میں بہت زیادہ تھے اور مجرمین سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔)

یعنی ہم نے پہلی امتوں کو نیست و نابود اور اپنے عذاب سے بری طرح دوچار کیا ان کے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے اور وہ اس سے بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ مالدار اور اولاد دار تھے پس اگر اس قارون کی بات صحیح ہوتی تو ہم اس سے زیادہ مالداروں پر عذاب نہ کرتے۔ اسی طرح مالداری اس کے ہمارے ہاں محبوب ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہماری اس کی طرف توجہ کی دلیل ہے جیسے فرمان الٰہی ہے۔

(اور تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ہمارے قریب کا کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے) اور فرمان الٰہی ہے (کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے مال اور بیٹوں کی وجہ سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ہم ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور یہ تردید ہمارے قول کی تصحیح کرتی ہے کہ اسے مال و دولت کمایا اور اسم اعظم کی وجہ سے نہیں ملا۔

بہرحال بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ وہ کیمیا کا فن جانتا تھا۔ یا بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ جسکی وجہ سے اس نے مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیمیا تو اس وجہ سے کہ وہ خیالی اور صنعتی چیز ہے حقائق کو نہیں بدل سکتی۔ اور نہ خالق کی صنعت کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ اور اسم اعظم تو اس کے ساتھ کافر کی دعا قبول نہیں ہو سکتی اور قارون باطن میں کافر اور ظاہر میں منافق تھا۔ پھر اسکا جواب جو گذر چکا ان دو تقدیروں پر صحیح نہیں بیٹھ سکتا اور دونوں باتوں کے درمیان کوئی تلازم اور موافقت نہیں رہتی۔ اور اپنی کتاب تفسیر ابن کثیر میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اور اسپر تمام تعریفیں اور احسان اللہ ہی کے لئے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

قارون اپنی زینت میں اپنی قوم کے پاس نکلا مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وہ انتہائی عظیم شان و شوکت اور بناوٹ و سنگھار میں نکلا۔ اور ساتھ میں اسی طرح عمدہ سواریاں اور حشم و خدام تھے۔ پس جب دنیا کے لالچیوں نے اس کو دیکھا تو حسرت و تمنا کرنے لگے کہ کاش ان کو بھی اسی طرح مال و دولت ملتا۔ اور اس کے مال و دولت پر رشک کیا۔ ان کی بات کو علماء زہاد جو عقل مند اور دنیا سے بے رغبت تھے انہوں نے سنا تو کہا (افسوس تم پر: اللہ کا ثواب زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے) یعنی اللہ کا ثواب آخرت کے گھر میں زیادہ بہتر اور باقی رہنے والا اور بڑا اور بہت اعلیٰ ہے۔ فرمان الٰہی ہے (اور نہیں پاتے اس (نصیحت) کو سوائے صابرین کے۔) یعنی یہ نصیحت اور یہ گفتگو اور یہ بلند ہمت جو آخرت کے عالی گھر کے لئے ہے جب انسان اس کمینی دنیا کو اپنی شان و شوکت کے ساتھ دیکھے تو یہ اس کے لئے حاصل ہو سکتی ہے جسکے دل میں اللہ ہدایت روشن کر دیں اور اس کے دل کو ثابت و مضبوط فرما دیں اور اس کی عقل کو اپنی تائید عطا فرمائیں۔ اور اس کی مراد کو حق کر دیں۔ اور کس قدر اچھی بات ہے جو بعض بزرگوں نے فرمائی۔

کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس نگاہ کو پسند فرماتا ہے جو شبہات کے موقعے پر (احتیاط کے ساتھ) گذر جائے اور عقل کامل کو شہوات کے موقع پر محفوظ رکھے۔

فرمان الٰہی ہے (پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے لئے کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کر سکے۔ سوائے خدا کے اور وہ نہ بدلہ پانے والوں میں سے تھا۔)

جب اللہ نے اس کے زیب و زینت اور شان و شوکت کے ساتھ قوم پر نکلنے کو بیان فرمایا تو آگے یہ فرمایا کہ ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا)۔

اسی طرح امام بخاری نے زھری عن سالم عن ابیہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

اور ابن عباس اور سدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قارون نے ایک بدکار عورت کو مال کے لالچ میں اس بات پر تیار کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جب وہ لوگوں کے مجمع میں ہوں یہ کہہ دے کہ تو نے میرے ساتھ ایسے ایسے یعنی برا کام کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو قسم دی کہ سچ سچ بتا کہ کس بات نے تجھے اس پر اکسایا ہے؟

تو عورت نے سچ اگل دیا کہ قارون نے اس کو اکسایا تھا۔ اور پھر اس نے استغفار کیا اور اللہ سے توبہ کی تو تب موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے اور قارون کے خلاف بددعا کی تو اللہ نے وحی فرمائی کہ میں نے زمین کو آپ کی اطاعت کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو قارون اور اس کے گھر کو نگل جانے کا حکم دیا تو وہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

کہا گیا ہے کہ جب قارون زیب و زینت اور لباس و خچروں کے اور چشم وخدم کے ساتھ نکلا تو (جان کر) موسیٰ علیہ السلام کی مجلس پر گذرا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو اللہ کے ایام بتا رہے تھے۔ جب لوگوں نے اس کو دیکھا تو اکثر لوگوں کے چہرے موسیٰ علیہ السلام سے ہٹ کر قارون کی طرف مڑ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلایا اور پوچھا (قارون) تجھے اس قدر (بھڑک کر) چلنے پر کس نے مجبور کیا؟ تو اس نے کہا اے موسیٰ اگر آپکو نبوت کے ساتھ فضیلت دی گئی تو مجھے تجھ پر مال کے ساتھ فضیلت دی گئی۔ اور اگر تو چاہے تو نکل اور میرے خلاف بددعا کر اور میں تیرے خلاف بددعا کرتا ہوں تو دونوں اپنی قوم کے ساتھ نکلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو بددعا کرتا ہے یا میں کروں؟

تو قارون نے کہا: میں کرتا ہوں۔ پھر بددعا کی مگر قبول نہ ہوئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا میں کروں؟ کہا ہاں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ زمین کو حکم فرمایئے کہ وہ میری اطاعت کرے تو اللہ نے وحی فرمائی کہ میں نے تابع کر دیا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے زمین ان کو پکڑ لے۔ تو زمین نے ان کو قدموں تک نگل لیا پھر فرمایا نگل لے پھر گھٹنوں تک نگل لیا پھر شانوں تک نگل لیا پھر فرمایا ان کے خزانوں اور اموال کو بھی لے لے پھر زمین نے ان کے اموال کو نگلنا شروع کیا اور یہ بھی دیکھ رہے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ اے زمین بنی لاوی (یعنی قارون اور اس کے ساتھ والوں کو) لے جا۔ تو زمین ان کے ساتھ برابر ہوگئی۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ہر روز ایک قدِ آدم کی بقدر دھنسائے جاتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ساتویں زمین تک دھنس جائیں گے اور اکثر مفسرین نے بہت سی اسرائیلی روایات کو ذکر کیا ہے۔ جن سے ہم پہلو تہی کرتے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

پس اس کے لئے کوئی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کرتی سوائے اللہ کے۔ اور وہ بدلہ لینے والوں میں سے بھی نہ تھا۔ یعنی نہ خود اپنی حفاظت کر سکا اور نہ کوئی دوسرا۔

اسی طرح سورہ طارق میں فرمایا (پس نہیں ہے اس کے لئے کوئی قوت اور نہ مددگار۔)

اور جب عذابوں کی بارش اتر چکی۔ دھنسنا اور مال کا تباہ ہونا گھروں کا ویران ہونا جانوں اور اہل و عیال اور زمینوں کا تباہ و برباد ہونا سب کچھ نازل ہو چکا تو جن لوگوں نے قارون کے مال کی مثل کی تمنا کی تھی وہ اپنی سوچ اور غلط بات پر انتہائی نادم و پشیمان ہوئے۔ اور اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا۔ وہ اللہ جو اپنے بندوں کے لئے بہت اچھی اچھی تدبیریں فرماتا ہے اور اسی وجہ سے فرمایا (اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو ہمیں زمین میں دھنسا دیتا۔ ہائے خرابی: کافر لوگ فلاح نہ پائیں گے)

اور آیت کے لفظ (وَیکَأَنَّ) پر ہم تفسیر میں کلام کر چکے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں (وَیکَأَنَّ) کا معنی ہے الم تر ان۔ یہ بات معنوی اعتبار سے بہت اچھی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ (آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے جو زمین پر نہ برائی چاہتے ہیں نہ فساد)

اور آخرت کا گھر دائمی گھر ہے۔اور یہ گھر جسکو ملے گا وہ رشک کرے گا۔اور جو محروم ہوگا وہ افسوس وندامت کرے گا اور یہ گھر ان کے لئے ہے جو بڑائی نہیں چاہتے بڑائی کا مطلب ہے تکبر، فخر، اکڑ، شرارت اور وہ فساد بھی نہیں مچاتے۔فساد کہتے ہیں ایسے گناہ کے کام جو لازمی اور متعدی ہوں یعنی انکا وبال دوسروں تک بھی پہنچے جیسے لوگوں کا مال ناجائز حاصل کرنا۔اور ان کی معیشت کو خراب کرنا اور ان کے ساتھ برائی کرنا اور خیر خواہی کو چھوڑنا۔

اور فرمایا بہترین انجام متقین کے لئے ہے۔

اور قارون کا یہ بدترین انجام ان کے مصر میں سے نکلنے سے پہلے کا ہے کیونکہ فرمان ہے (پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا) اور گھر عمارتوں کا مرکز ہوتا ہے۔اور مصر کے نکلنے کے بعد تو وہ میدانوں ہی میں گھومتے پھرتے رہے تھے۔

اور دار یعنی گھر محلہ کو بھی کہا جاتا ہے جس میں کئی بیت اور منزلیں ہوتی ہیں۔

یادار علبة بالجواء تکلمی وعمی صباحاً دار علبة واسلمی

اور اللہ عزوجل نے قارون کی مذمت کئی جگہ آیات قرآنیہ میں بیان فرمائی ہے۔فرمان الٰہی ہے:

(اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف پھر وہ کہنے لگے یہ جھوٹا جادوگر ہے)۔[1]

اور اللہ عزوجل سورہ عنکبوت میں عاد وثمود کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں (اور قارون اور فرعون اور ھامان کے پاس موسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لیکر آئے تو وہ لوگ ملک میں مغرور ہو گئے اور وہ ہمارے قابو سے باہر ہونے والے نہ تھے۔مگر ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کی بدولت پکڑ لیا۔پس ان میں سے کچھ کے اوپر ہم نے پتھر (کا عذاب) بھیجا اور بعض وہ ہیں جن کو چیخ نے پکڑ لیا اور بعض وہ ہیں جنکو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنکو ہم نے غرق کردیا اور اللہ نہیں ہے جو ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں)۔[2]

تو جو زمین میں دھنسائے گئے وہ قارون ہے اور جو غرق کردیے گئے وہ فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر ہیں بے شک وہ خطا کار تھے)

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے نماز کا ذکر فرمایا۔فرمایا:[3]

جس شخص نے نماز پر محافظت کی تو نماز ان کے لئے قیامت میں حجت اور نجات کا سبب ہوگی۔اور جو نماز پر محافظت نہ کرے گا تو نہ اس کے لئے نور ہوگا نہ حجت اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔

اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان، اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔اس کی روایت میں امام احمد متفرد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل، عادات، صفات اور وفات کا تذکرہ

فرمان الٰہی ہے (اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو بے شک وہ برگزیدہ اور پیغمبر مرسل تھے۔اور ہم نے ان کو طور کی داہنی طرف پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا۔اور اپنی مہربانی سے ان کو انکا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔)[4]

اور دوسری جگہ فرمایا: (کہا: اے موسیٰ: بے شک میں نے آپ کو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا پس لے لو وہ جو میں نے تجھ کو دیا اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جایئے)۔[5]

اور صحیحین کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو بے شک قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہونگے پس سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا تو میں موسیٰ کو عرش کا پایہ پکڑے پاؤں گا۔تو مجھے پتہ نہ چلے گا کہ ان کو بے ہوشی طاری ہوئی ہے

(۱) مومن ۲۳۔۲۴ (۲) عنکبوت ۳۹۔۴۰،

(۳) وقد قال الامام احمد: حدثنا ابو عبدالرحمن، حدثنا سعید، حدثنا کعب بن العلقمة عن عیسی بن ھلال، عن عبداللہ بن عمرو: النبی ﷺ

(۴) مریم ۵۱۔۵۳ (۵) اعراف ۱۴۴

اور مجھ سے پہلے ہوش آگیا ہے یا پھر طور کی بے ہوشی کے بدلے (ان کو اب بے ہوشی نہ) ہوئی۔

اور اسی کے ضمن میں یہ بات بھی پہلے ذکر کی جا چکی کہ یہ فرمان رسول آپ کی تواضع اور عاجزی وانکساری کی بناء پر تھا ورنہ تو آپ صلوت اللہ وسلامہ علیک۔ خاتم الانبیاء اور اولاد آدم کے دنیا وآخرت میں سردار تھے اور یہ بات قطعی یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور نہ اس کے خلاف کا احتمال ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے (بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور عیسٰی اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور عطا کی تھی۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جنکے حالات ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جنکے حالات تم سے بیان نہیں کئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔)(۱)

اور ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے (اے ایمان والوں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے ان کو ان کے بہتان سے بری فرمایا اور وہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ تھے۔)(۲)

(۳) بخاری فرماتے ہیں، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیاء و پردے دار شخص تھے کوئی شخص حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ نہ دیکھ سکتا تھا تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آپ کو اذیت دی اور کہنے لگے یہ اس قدر سخت پردہ جسم کے کسی عیب کی وجہ سے کرتے ہیں ان کو یا تو برص ہے یا خصیتین پھولے ہوئے ہیں یا (اس قسم کی) کوئی اور آفت ہے تو اللہ عزوجل نے ان کو اس الزام سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو ایک دن حضرت موسیٰ تنہا ہوئے اور اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے اور غسل فرمانے لگے جب فارغ ہوئے تو کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ اٹھالیں۔ لیکن پتھر کپڑے لیکر دوڑ پڑا۔ اور موسیٰ نے اپنی عصا لی اور پتھر کو پکڑنے کے لئے پیچھے آئے اور زبان سے فرماتے جا رہے تھے میرے کپڑے اے پتھر، میرے کپڑے، اے پتھر، بھاگے بھاگے بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انہوں آپ کو برہنہ حالت میں اس قدر حسین جسم کے ساتھ دیکھا کہ (گویا) مخلوق میں سب سے اچھے ہیں۔ اور اس طرح اللہ نے ان کو ان کی افواہوں سے بری فرمادیا۔

اور پتھر بھی ٹھیر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے لئے اور زیب تن فرمائے۔ اور پھر لاٹھی لیکر پتھر کو مارنا شروع ہوئے اللہ کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تین یا چار یا پانچ چوٹوں ہی سے پتھر رو پڑا۔

اور یہی مطلب ہے اس آیت کا (اے ایمان والو: ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے ان کو ان کی افواہ سے بری فرمایا۔ اور وہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ تھے)۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ بعض سلف کہتے ہیں کہ ان کے اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ ہونے کی مثال دیکھ لیجئے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے بھائی کے متعلق سفارش کی اور عرض کی کہ ان کو میرا وزیر بنا دیا جائے۔ تو اللہ نے ان کی مراد پوری فرمائی اور مزید ان کو نبوت بھی عطا کی۔ جیسے فرمایا (اور ہم نے (موسیٰ) کو اپنی رحمت سے انکا بھائی ھارون نبی (بنا کر) دیا)۔(۴)

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت وصبر پر مندرجہ ذیل حدیث ہے کہ بخاری میں ہے۔

کہ حضرت عبداللہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک تقسیم فرمائی پھر ایک شخص نے کہا اس تقسیم سے اللہ کی رضا مطلوب نہیں تو میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی تو آپ غصے میں آگئے حتی کہ میں نے غصے کے آثار آپ کے چہرے میں ملاحظہ کئے پھر آپ نے

---

(۱) النساء ۱۶۳ تا ۱۶۴ (۲) مجمع الاحزاب ۶۹

(۳) قال الامام ابوعبداللہ البخاری: حدثنا اسحاق بن ابراھیم عن روح بن عبادہ، عن عوف عن الحسن ومحمد وخلاس عن ابی ھریرہ قال

(۴) وقد رواہ الامام احمد من حدیث عبداللہ بن شقیق وھمام بن منبہ عن ابی ھریرہ بہ و ھو فی الصحیحین من حدیث عبدالرزاق عن معمر عن ھمام عنہ بہ۔ ورواہ مسلم من حدیث عبداللہ بن شقیق العقیلی عنہ۔

فرمایا: اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ اذیتیں دی گئیں پھر آپ نے صبر فرمایا۔ [۱]

[۲] اور مسند احمد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی کے متعلق کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے صاف دل کے ساتھ ملوں۔ اور راوی نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مال آیا آپ نے تقسیم فرمادیا تو پھر میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرا تو ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا اللہ کی قسم محمد (ﷺ) نے اس تقسیم کے ساتھ اللہ کی رضا اور آخرت کے گھر کو طلب نہیں کیا۔ پھر وہ ٹھہر گیا حتیٰ کہ میں نے دونوں کی بات سنی پھر میں حضور کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ہمیں فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی بات مجھ تک نہ پہنچائے اور میں فلاں شخص کے پاس سے گذرا اور وہ ایسی ایسی بات کہہ رہے تھے تو رسول اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس سرخ ہوگیا اور یہ بات ان کی آپ کو انتہائی شاق گذری پھر فرمایا۔

بس ہمیں چھوڑو بے شک موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکالیف دی گئیں پھر آپ نے صبر فرمایا۔ [۳]

اور صحیحین میں حدیث معراج میں ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے ہیں۔ اور مسلم نے اس کو انس سے روایت فرمایا۔

اور صحیحین میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انس بن مالک بن صعصعۃ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ معراج والی رات چھٹے آسمان میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو فرمایا یہ موسیٰ ہیں تو حضور ﷺ نے ان کو سلام کیا حضور فرماتے ہیں: میں نے ان کو سلام کیا تو کہا کہ خوش آمدید ہو نبی صالح (ا) میرے بعد بھیجا گیا اور اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ساتویں آسمان میں ہے اور یہی صحیح ومحفوظ ہے۔ اور شریک بن ابی نمر کی حدیث میں انس سے مروی ہے کہ ابراہیم چھٹے آسمان اور موسیٰ ساتویں آسمان میں ملے۔ تو یہ کلام اللہ کو فضیلت دینے کی وجہ سے کیا۔ ورنہ کئی حفاظ (حدیث) نے ذکر کیا ہے کہ اکثر جید یعنی صحیح اور سند کی عمدہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان میں ملے اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان میں ملے۔ اور حضرت ابراہیم کی پشت کی ٹیک بیت معمور تھی جس پر روز ستر ہزار فرشتے طواف کی غرض سے داخل ہوتے ہیں اور پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی اور تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں تھیں۔ تو آپ پھر موسیٰ کے پاس سے گذرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

واپس جایئے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ میں بنی اسرائیل کو بہت آزما چکا ہوں۔ اور آپکی امت تو کانوں آنکھوں دلوں کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بار بار آتے جاتے رہے۔ اور ہر مرتبہ نماز میں تخفیف ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ دن ورات میں پانچ نمازوں تک تخفیف ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہیں پانچ لیکن ثواب پچاس ہی کا ملے گا۔

پس اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے نبی اکرم ﷺ کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور ہماری طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

[۴] بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مجھ پر امتیں

---

(۱) حدثنا ابو الولید حدثنا شعبة عن الاعمش قال .... وکذا رواہ مسلم من غیر وجہ عن سلیمان بن مھران الاعمش بہ

(۲) وقال الامام احمد : حدثنا احمد بن حجاج ،سمعت اسرائیل بن یونس ، عن الو لید بن ابی ھاشم مولی لھمدان ، عن زید بن ابی زائد عن عبداللہ بن مسعود

(۳) وھکذا رواہ ابو داود والترمذی من حدیث اسرائیل عن الو لید بن ابی ھشم بہ وفی روایة اللترمذی لأبی داود من طریق ابن عبدعن اسرائیل عن السدی عن الو لید بہ وقال الترمذی : غریب من ھذاالوجہ

(۴) وقال البخاری حدثنا مسدد، حدثنا حصین بن نمیر عن حصین بن عبدالرحمن، عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال

پیش کی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت کو دیکھا جس نے افق کو بھی ڈھک دیا تھا تو کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں اپنی قوم کے درمیان۔ اس حدیث کو امام بخاری نے یہاں مختصر بیان فرمایا ہے اور امام احمد نے اس حدیث کو کچھ طویل بیان فرمایا ہے کہ [۱] حصین بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا کہ آپ نے دریافت فرمایا کسی نے گزشتہ رات ٹوٹتا ستارا دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا میں نے دیکھا لیکن میں لالچ میں نہ تھا لیکن مجھے بچھو وغیرہ نے ڈس لیا تھا تو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا اور پھر تو نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے جھاڑ پھونک کر لی تھی پوچھا کس بات نے اس پر اکسایا؟ میں نے عرض کیا: ایک حدیث ہے جو ہمیں شعبی نے بریدہ اسلمی سے بیان کی ہے کہ فرمایا! نہیں ہے جھاڑ پھونک سوائے بدنظری کے یا بخار کے۔ تو سعید نے فرمایا بے شک بہت اچھا کیا جس نے مجھ تک اپنا سنا ہوا پہنچایا۔

پھر حضرت سعید نے فرمایا ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے حدیث بیان کی کہ حضور نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں تو میں نے ایک نبی کے ساتھ قوم دیکھی اور ایک نبی کے ساتھ ایک اور دو آدمی تھے اور ایک نبی کو دیکھا اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ پھر میرے سامنے بڑی عظیم جماعت آئی میں نے پوچھا یہ میری امت ہے؟ فرمایا گیا نہیں یہ موسیٰ اور اس کی قوم ہے۔ پھر آپ نے افق کی طرف دیکھا تو وہاں عظیم بہت بڑی جماعت تھی پھر کہا گیا اس جانب دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی عظیم جماعت تھی پھر کہا گیا اس جانب بھی دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی عظیم جماعت تھی پھر کہا گیا کہ یہ سب آپکی امت ہے اور انمیں ستر ہزار ایسے آدمی ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور بغیر عذاب کے داخل ہونگے۔

پھر حضور اکرم ﷺ اٹھے اور گھر تشریف لے گئے پھر قوم اس کے متعلق بات چیت میں مصروف ہوگئی کچھ کہنے لگے کہ یہ بغیر حساب کتاب کے داخل ہونے والے کون ہو سکتے ہیں؟ تو بعض نے کہا شاید یہ وہ ہیں جنہوں نے حضور کی صحبت مبارک اٹھائی ہوگی بعض نے کہا شاید وہ ہو سکتے ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور شرک بھی اللہ کے ساتھ بالکل نہیں کیا۔ اور لوگوں نے بھی اپنی رائے دی۔

پھر حضور اکرم ﷺ دوبارہ تشریف لائے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ جس میں لگے پڑے ہو؟

تو لوگوں نے آپکو اپنی بات کی خبر دی تو آپ نے فرمایا۔

یہ وہ لوگ ہونگے جو داغتے نہ ہوں گے (پہلے لوگ جانوروں کو اور اپنے جسموں کو لوہے سے مرض کی وجہ سے داغ دیتے تھے اس سے منع فرمایا) اور وہ (ناجائز) جھاڑ پھونک بھی نہ کرتے ہوں اور نہ بدفالی لیتے ہوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہوں۔

پھر عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن اسدی اٹھے اور پوچھا، کیا میں ان میں سے ہوں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا، ہاں۔ پھر ایک اور صحابی اٹھا اور یہی سوال کیا تو فرمایا یارسول اللہ میں بھی انہی میں سے ہوں؟ فرمایا تجھ سے عکاشہ سبقت لے گیا۔

اور اس حدیث کے بہت سے عمدہ طرق ہیں اور یہ صحاح (یعنی بخاری و مسلم) اور حسان (یعنی بقیہ بڑی کتب حدیث جو احادیث صحیحہ پر مشتمل ہوں، ان میں بھی ہے۔ اور ان کو ہم نے قیامت کے احوال میں ہولناکیوں کے ذکر کے موقع پر جنت کی صفات میں ذکر کیا ہے۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت زیادہ ذکر فرمایا ہے اور ان کی تعریف فرمائی ہے اور ان کے قصہ کو بار بار ذکر فرمایا ہے اور بہت تکرار فرمایا ہے کہیں طویل کہیں متوسط کہیں مختصر اور اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بہت عمدہ تعریف فرمائی ہیں۔

اور اکثر مواقع پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر فرمایا ہے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر (آخر الزمان) آئے اور ان کی (آسمانی) کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے خدا کی

[۱] وقدرواه الامام احمد فقال، حدثنا شريح حدثنا هشام، حدثنا حصين بن عبدالرحمن قال كنت عند سعيد بن جبير فقال

کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ (۱)

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا الم خدا (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہمیشہ رہنے والا اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اسی نے تورات اور انجیل نازل کی۔ (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لئے (تورات اور انجیل اتاری) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے نازل کیا۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا اور خدا زبردست اور بدلہ لینے والا ہے۔ (۲)

اور سورۂ انعام میں فرمایا:۔ اور ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسی جاننی چاہئے تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا خدا نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔

کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اس کو کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی۔ اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے ان (کے کچھ حصے) تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔ اور ان کو وہ باتیں سکھائی گئیں جنکو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا کہہ دو (اس کتاب کو) خدا ہی نے (نازل کیا تھا) پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بے ہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور جو اس لیے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی (پوری) خبر رکھتے ہیں۔ (۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعریف نازل فرمائی اس کے بعد قرآن کریم کی تعریف وتکریم بیان کی۔

اور دوسری جگہ فرمایا: (ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تا کہ ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نصیحت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تا کہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔ اور (اے کفر کرنیوالو) یہ کتاب بھی ہم نے اتاری ہے برکت والی۔ تو اس کی پیروی کرو اور (خدا سے) ڈرو تا کہ تم پر مہربانی کی جائے۔ (۴)

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا: بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اس کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) اور تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا۔ اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں یہاں تک کہ فرمایا:

اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو خدا کے نازل کیئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق انکا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو۔ وہ تم کو بتا دے گا۔ (۵)

تو قرآن کریم نے تمام کتابوں کے متعلق حکم نازل فرمایا ہے اور قرآن کو ان کے لئے مصدق اور مبین بنایا گیا ہے۔ اور جو تاویل وتحریف انہیں کی گئی اس کے متعلق بھی خبر دی۔ کیونکہ اہل کتاب نے کتاب کو اپنے ہاتھوں میں لیا لیکن صحیح حفاظت نہ کر سکے اور ان میں تغیر وتبدل واقع ہو گیا اور یہ ان کی علوم میں کم فہمی اور کم عقلی تھی۔ جس کی بناء پر یہ ہوا اور اس پر ان کی اللہ کے ساتھ خیانت اور بدبختی نے اکسایا۔ ان پر اللہ کی لعنتیں قیامت تک پڑیں اسی

(۱) بقرہ ۱۰۱ (۲) آل عمران ۱۔۴ (۳) انعام ۹۱ تا ۹۲ (۴) انعام ۱۵۴۔۱۵۵ (۵) مائدہ ۴۴ تا ۴۸

وجہ سے ان کی کتابوں میں اللہ ورسول کے خلاف صاف صاف خطائیں اور غلطیاں پائی جاتی ہیں جو ان کے لائق نہیں اور نہ ان کی صفات ہیں اور نہ اس کے ساتھ ایسی کوئی بات پائی جاسکتی اور نہ پہچانی جاسکتی۔

اور سورۂ انبیاء میں فرمایا:

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کردینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی (یعنی) پرہیزگاروں کے لئے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔ اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟ [1]

اور سورۂ قصص میں فرمایا:

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں انہوں نے ان سے کفر نہیں کیا کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے ہم سب سے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ تاکہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔ [2]

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کتابوں اور دونوں رسولوں کی تعریف فرمائی ہے۔

اور جنہوں نے اپنی قوم کو کہا:

ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ [3]

جب حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اقراء باسم ربک الخ تو آپ نے ورقہ بن نوفل کو یہ ماجرا بیان کیا تو ورقہ نے فرمایا: پاک ہے یہ (فرشتہ) وہی باعزت ہے جس نے موسیٰ بن عمران پر نازل کیا۔

حاصل کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت عظیم ومطہر شریعت تھی۔ اور آپ کی امت بہت بڑی امت تھی اور اس امت میں بہت انبیاء وعلماء گذرے اور بہت سے عبادت گذار اور زاہدین اور عقل مند اور بادشاہ اور امراء اور سردار اور بڑے بڑے لوگ تھے لیکن تھے پھر چلے گئے اور بعد والوں نے اپنی شریعت کو بدل دیا اور وہ بندروں اور سوروں کی شکل میں کر دیئے گئے اور ان کی ملت کلیۃً منسوخ ہوگئی اور پھر بڑے بڑے حادثات اور عجیب امور ان پر آئے جنکا ذکر بہت طویل ہے۔ لیکن انمیں سے عنقریب ہم قناعت کے ساتھ کچھ بیان کریں گے تاکہ جو چاہے فائدہ حاصل کرلے۔

انشاء اللہ۔ اور اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیت عتیق (یعنی کعبۃ اللہ) کے حج فرمانے کا ذکر اور اس کی صفت

[4] مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ وادی ازرق کے پاس سے گذرے تو دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا وادی ازرق۔ فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں اور وہ "ثنیہ" (گھاٹی کے راستے) سے اتر رہے ہیں اور تلبیہ (لبیک اللھم لبیک الخ) کے ساتھ اللہ کا قرب پا رہے ہیں، پھر حضور آگے چلے تو "ہرشاء" گھاٹی پر پہنچے پھر پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ تو لوگوں نے عرض کیا "ھرشاء" ہے (یعنی ھرشاء نامی جگہ کی گھاٹی ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گویا میں یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور اون کا ان پر جبہ ہے اور کھجور کی چھال کی رسی کی لگام ہے۔ اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔

(۱) الانبیاء ۴۸، ۵۰ (۲) القصص ۴۸۔۴۹۔ (۳) الاحقاف ۳۰

(۴) قال الامام احمد حدثنا هشيم حدثنا داود بن ابى هند، عن ابى العاليه عن ابن عباس

امام مسلم نے اس حدیث کو دواد بن ابی ھند کی حدیث سے تخریج فرمایا ہے
اور امام طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ:
موسیٰ علیہ السلام نے سرخ بیل پر حج فرمایا۔
اور یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی صفت

(۱) مسند احمد میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو لوگوں نے دجال کا ذکر چھیڑا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا تو مجاہد نے پوچھا لوگوں کا، تب کیا کہنا ہوگا؟ فرمایا: اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

بہر حال ابراہیم علیہ السلام کی شکل تو تمہارے ساتھی (یعنی حضور اکرم ﷺ) کی طرح ہے اور موسیٰ ایک ایسے آدمی ہیں جو گھنے بالوں والے ہیں اور سرخ اونٹ پر سوار ہیں جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی کی ہے۔ اور گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور وہ وادی سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) کہتے ہوئے اتر رہے ہیں

پھر امام احمد نے مسند احمد (۲) میں روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ ابن مریم اور موسیٰ اور ابراہیم کی طرف دیکھا بہر حال عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ گھنے بال اور کشادہ سینہ کے مالک تھے اور موسیٰ علیہ السلام اچھے بڑے جسم والے اور درمیانے بال والے تھے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ پھر ابراہیم؟ فرمایا:

اپنے ساتھی (یعنی رسول اکرم ﷺ) کی طرف دیکھ لو۔

(۳) اور مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریق سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں نے معراج والی رات موسیٰ بن عمران کو دیکھا جو دراز قد اور گھنے بالوں والے تھے گویا کہ وہ شنوءۃ (یمن کا ایک علاقہ ہے اس) کے لوگوں میں سے ہے۔ اور میں نے عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا جو میانے قد اور سرخ وسپید ہیں اور بال نہ زیادہ گھنے نہ زیادہ سیدھے۔

اور اس حدیث کو قتادہ کی حدیث سے بھی تخریج فرمایا ہے

(۴) اور مسند احمد میں دوسرے طریق سے ہے کہ ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے تو فرمایا: میں نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

پھر حضور نے ان کی صفت وحلیہ بیان فرمایا کہ وہ نرمی میں درمیانے اور بڑے سر والے گویا وہ شنوءۃ قبیلے کے ہیں اور میں عیسیٰ بن مریم سے ملا پھر آپ نے ان کی صفات بیان فرمائی کہ وہ میانے قد والے سرخ رنگ کے ہیں گویا کہ حمام سے نکلے ہیں اور فرمایا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ اور میں ان کی اولاد میں ان کے زیادہ مشابہ ہوں الحدیث۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترجمے میں ان احادیث کے اکثر حصے گذر چکے ہیں۔

---

(۱) وقال الامام احمد : حدثنا محمد بن ابی عدی، عن ابن عون، عن مجاهد

(۲) ثم رواه الامام احمد عن اسود، عن اسرائیل عن عثمان بن المغیرة، عن مجاهد عن ابن عباس،

(۳) وقال الامام احمد حدثنا یونس، حدثنا شیبان قال حدثنا قتادة عن ابی العالیه، حدثنا ابن عم نبیکم ابن عباس قال. قال

(۴) وقال الامام حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر قال الزهری واخبرنی سعید بن المسیب عن ابی هریرة

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر

[۱] بخاری کی صحیح میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذیل میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے ایک تھپڑ رسید فرمایا تو ملک الموت واپس اپنے رب کے پاس پہنچے اور عرض کیا: آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کا ارادہ نہیں رکھتے اللہ نے فرمایا واپس جاؤ اور اس کو کہو کہ بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں تو ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آجائیں تو ہر بال کے بدلے میں ایک سال زندگی ملے گی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے پروردگار پھر کیا ہوگا! فرمایا پھر موت ہے فرمایا تو اب ہی سہی۔ فرمایا کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے پوچھا کہ مجھے مقدس سرزمین کے قریب کردیا جائے۔

حجر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (غالباً بیت المقدس مراد ہے)۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا پس اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم لوگوں کو (سرخ ٹیلے) کثیب احمر کے راستہ میں بنی ہوئی ان کی قبر دکھاتا۔

[۲] مسند احمد میں ہے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ مرفوع نہیں ہے)۔

کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے رب کے حکم کا جواب دو (یعنی وفات کیلئے جان پیش کردو) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوڑ دی تو فرشتہ اللہ پاک کے پاس واپس گیا اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے اپنے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ تو اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا واپس جاؤ اور پوچھو کہ اور زندگی چاہو تو بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دیجئے پس جتنے بالوں کو آپکا ہاتھ چھپالے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک سال زندگی عطا کردی جائی گی۔ تو حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر موت تو عرض کیا پھر ابھی جلدی ہی سہی اے پروردگار رب العلمین۔[۳]

امام احمد اس کی روایت میں متفرد ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موقوف ہے اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں معمر کے طریق سے اس کو نقل کیا ہے۔

لیکن پھر ابن حبان نے اسپر ایک اشکال فرمایا ہے۔ اور پھر اسکا جواب تحریر فرمایا ہے

اشکال یہ فرمایا ہے کہ ملک الموت نے جب حضرت موسیٰ کو موت کی خبر سنائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں کیونکہ وہ ایسی شکل وصورت کے ساتھ آئے تھے جو موسیٰ پہچانتے نہ تھے۔ جیسے کہ حضور کے پاس جبرائیل اعرابی کی صورت میں آئے تو آپ تو پہچان نہ سکے۔ اور جس طرح فرشتے حضرت ابراہیم ولوط علیہ السلام کے پاس نوجوان لڑکوں کی صوررت میں آئے تھے تو نہ ابراہیم نہ لوط علیہ السلام ان کو پہچان سکے۔ تو اسی طرح حضرت موسیٰ بھی ان کو پہچان نہ سکے تھے

تو اسوجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ رسید فرمایا جس سے فرشتے کی آنکھ بھی ضائع ہوگئی کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے گھر آپکی اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔

---

(۱) قال البخاری فی صحیحه ،، وفاة موسی علیه السلام ،، حدثنا یحی بن موسی ، حدثنا عبدالرزاق ، انبانا معمر عن ابن طاوس ، عن ابیه ، عن ابی هریره قال

(۲) وانبانا معمر عن همام عن ابی هریره عن النبی ﷺ نحوه . وقد روی مسلم الطریق الاول من حدیث عبدالرزاق به . ورواه الامام احمد من حدیث حماد بن سلمة عن عمار بن ابی عمار ، عن ابی هریره مرفوعاً وسیاتی .وقال الامام احمد حدثنا الحسن ، حدثنا ابن لهیعة حدثنا ابو یونس یعنی سلیم بن جبیر عن ابی هریره

(۳) وقدرواه ابن حبان فی صحیحه من طریق معمر ، عن ابن طاوس ، عن أبیه ، عن ابی هریره قال معمر واخبرنی من سمع الحسن عن رسول الله ﷺ فذکره

پھر ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریق [1] سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تا کہ ان کی روح قبض کرلیں اور آ کر کہا اپنے رب کو جواب دیجئے (یعنی آپ کے رب نے آپکی جان کا سوال فرمایا ہے تو اب اپنی جان پیش فرما کر اپنے رب کی بات قبول فرمالیجئے) تو موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی پھر آگے پوری حدیث اسی طرح ذکر فرمائی ہے جس طرح بخاری نے ذکر فرمائی ہے۔

پھر حضرت امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کے جواب میں حدیث کی کچھ تاویل فرمائی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ہاتھ طمانچہ مارنے کے لئے اٹھایا تب انہوں نے یہ کہا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔ لیکن یہ تاویل حدیث کے ظاہر کے معارض ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ نے طمانچہ مارا تو فرشتے نے عرض کیا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔

لیکن اگر پہلا جواب ہی تسلیم کرلیا جائے (جو اشکال کی صورت میں ذکر کیا) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وجہ سے تھپڑ مارا تھا کہ آپ فوراً پہچان نہ سکے تھے کہ یہ فرشتہ ہے۔

اور اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ تو اپنی زندگانی میں بہت سی باتوں کے واقع کی ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ کہ انشاءاللہ میری زندگی میں میدان تیہ سے نکلنا ممکن ہوگا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوگا۔ جبکہ اللہ کی قدرت میں لکھا جاچکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں ہی اپنے بھائی ہارون کے بعد وفات پاجائیں گے۔ جیسے کہ ابھی ہم انشاءاللہ بیان کرنے والے ہیں۔

اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں سے نکالنے والے حضرت موسیٰ ہی ہیں اور حضرت موسیٰ ہی ان کو بیت المقدس میں لے جانے والے ہیں۔ جبکہ یہ اہل کتاب اور جمہور دونوں کے خلاف ہے۔

اور یہ بات کہ حضرت موسیٰ نے میدان تیہ میں ہی وفات پائی اس پر حضرت موسیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے کہ جب انہوں نے موت کو اختیار فرمایا تو دعا کی اے پروردگار مجھے سرزمین مقدس حجر کی طرف قریب فرما دیجئے۔ اور اگر حضرت موسیٰ داخل ہو چکے ہوتے تو یہ دعا نہ فرماتے۔ اور جب آپ میدان تیہ میں وفات کے قریب ہوئے تو تب چاہا کہ چلو بیت المقدس کے قریب ہی ہوجائے۔ اور آپ نے گویا اپنی قوم کو بھی ابھارا کہ وہ اس بارے میں کوشش کریں۔

اور آپ کی قبر حجر کے قریب ہے۔

اسی وجہ سے سید البشر ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھلا دیتا اور مسند احمد [2] میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے انس بن مالک سے روایت فرمایا کہ جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو موسیٰ کے پاس سے گذرا آپ وہاں سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے اور اس حدیث کو امام مسلم نے احمد بن سلمہ کی حدیث سے بھی نقل کیا ہے۔

اور [3] کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں ھارون کو فلاں فلاں پہاڑ کے پاس وفات دینے والا ہوں تو موسیٰ اور ہارون علیہ السلام دونوں اس پہاڑ کے پاس تشریف لے گئے وہاں ایک ایسا درخت تھا جسکے مثل کوئی درخت نہ دیکھا گیا تھا۔ اور وہاں ایک گھر بھی تعمیر شدہ تھا اور اس میں ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا اور اس سے عمدہ خوشبو مہک رہی تھی جب ہارون علیہ السلام نے وہاں پہاڑ، درخت پھر، مکان کے اندر عجیب پسندیدہ اشیاء دیکھیں تو ان چیزوں نے ان کے دل کو بہت لبھایا اور حضرت موسیٰ سے عرض کیا اے موسیٰ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس چارپائی پر لیٹوں؟ تو موسیٰ نے فرمایا سو جاؤ۔ حضرت ہارون نے عرض کیا لیکن مجھے خوف ہے کہ اس مکان کا مالک آجائے اور مجھ پر ناراض ہوجائے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مت ڈرو میں اس کو کافی ہوجاؤں گا آپ سوجائیں تو عرض کیا اے موسیٰ علیہ السلام آپ بھی میرے ساتھ سو جائیں اگر مالک مکان آیا تو دونوں پر غصہ

---

(۱) عبدالرزاق عن معمر، عن ھمام، عن ابی ھریرہ

(۲) وقال الامام احمد حدثنا عفان، حدثنا حماد حدثنا ثابت وسلیمان التیمی عن انس بن مالک

(۳) وقال السدی عن ابی مالک وابی صالح عن ابن عباس، وعن مرۃ، عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابۃ قالوا

ہوگا تو دونوں سوگئے۔

لیکن موت نے صرف حضرت ہارون علیہ السلام کو اچک لیا۔

پھر حضرت موسیٰ نے خواب میں ان کو دیکھا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا اے موسیٰ آپ نے مجھے فریب میں مبتلا کر دیا پھر موسیٰ اٹھے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا، درخت چار پائی سمیت ھارون علیہ السلام سب کچھ آسمان پر پہنچ گیا تھا پھر موسیٰ اپنی قوم کے پاس تنہا تشریف لائے تو لوگوں نے افواہ پھیلانا شروع کر دی کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل کر دیا ہے اور وہ ھارون پر حسد کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی ان سے محبت زیادہ کیوں ہے؟

چونکہ ہارون بلسبت موسیٰ کے زیادہ نرم مزاج اور سختیوں کو ان سے دفع کرنے والے تھے اور جبکہ موسیٰ کچھ طبعاً سخت مزاج تھے۔ تو یہ بات موسیٰ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا افسوس تم پر! کیا میں خود اپنے ہی بھائی کو قتل کروں گا؟ لیکن جب لوگ افواہوں سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ نے دعا کی تو اللہ نے حضرت ہارون کو چار پائی سمیت دکھلایا لوگوں نے ان کو زمین و آسمان کے درمیان دیکھا۔

پھر ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام چلے جا رہے تھے کہ تیز کالی آندھی اٹھی حضرت یوشع علیہ السلام نے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کو چمٹ گئے اور کہنے لگے کہ قیامت قائم ہوگئی قیامت قائم ہوگئی۔

تو موسیٰ علیہ السلام ان کپڑوں میں سے آہستہ آہستہ نکلے اور قمیص حضرت یوشع کے ہاتھ رہ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے (یعنی خدا کے پاس پہنچ گئے) تو حضرت یوشع انکا قمیص لئے بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت یوشع پر ان کے قتل کا الزام دھر دیا اور پھر حضرت یوشع کے قتل کے درپے ہوگئے تو حضرت یوشع علیہ السلام نے ان سے تین دن کی مہلت طلب کی۔ جو دیدی گئی۔ تو پھر ان دنوں میں اللہ کی طرف سے ہر ایسے شخص کو خواب آیا جو ان کے قتل کے درپے تھا کہ انہوں نے موسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو ہم نے اپنے پاس اٹھالیا ہے۔ پھر کہیں جا کر بنی اسرائیل نے حضرت یوشع علیہ السلام کو چھوڑا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب نے جبارین کی بستی یعنی بیت المقدس میں جانے سے انکار کر دیا تھا سوائے حضرت یوشع علیہ السلام بن نون اور کالب بن یوفا کے اور یہ کالب حضرت موسیٰ اور ہارون کی ہمشیرہ مریم کے شوہر تھے۔ اور ان دو اشخاص کے جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

وھب بن منبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ ایک قبر کھود رہے ہیں تو حضرت موسیٰ نے اس سے حسین اور تروتازہ اور خوش منظر قبر کوئی نہ دیکھی تھی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے فرشتو: کس کے لئے یہ قبر کھود رہے ہو؟ عرض کیا اللہ کے بندوں میں سے کسی کریم بندے کے لئے کھود رہے ہیں اور اگر آپ اس بندے کے ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس قبر میں داخل ہو جایئے اور دراز ہو جائیں اور اپنے رب کی طرف لو لگالیں اور اپنی جان کو ہلکا اور آسان کرلیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کر گذرے۔ اور پھر وہیں وفات ہوگئی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ پھر فرشتوں نے آپ پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور دفن کیا اور اہل کتاب وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی وفات ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔

[1] اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت (پہلے زمانے میں) کھلے طور پر آتے تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی وہ اپنے رب کے پاس جا کر عرض گذار ہوئے کہ تیرے بندے موسیٰ نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے اگر وہ آپ کے ہاں باعزت نہ ہوتے تو میں بھی ان کو بتاتا۔ تو اللہ نے فرمایا میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ کسی کھال پر یا بیل کی کھال پر رکھ دیں تو جتنے بالوں کو انکا ہاتھ چھپالے ہر بال کے بدلے ایک ایک سال ان کی عمر کا اضافہ کر دیا گیا تو فرشتہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور خبر دی حضرت موسیٰ نے پوچھا پھر کیا ہوگا عرض کیا پھر بھی موت ہے تو فرمایا پھر اب ہی سہی۔

تو فرشتے نے ان کو ایک عمدہ خوشبو سونگھائی اور روح قبض کرلی۔

راوی یونس کہتے ہیں اللہ عزوجل نے پھر فرشتے کی آنکھ واپس لوٹا دی تھی اور وہ لوگوں کے پاس خفیہ آنے لگے تھے۔ [2]

---

(۱) وقد قال الامام احمد : حدثنا امیہ بن خالد ویونس قالا : حدثنا حماد بن سلمہ ، عن عمار بن ابی عمار عن ابی ھریرہ ، عن النبی ﷺ الخ

(۲) وکذا رواہ ابن جریر عن ابی کریب ، عن مصعب بن المقدام عن حماد بن سلمہ بہ ، ورفعہ ایضا

حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نگہبانی فرمانا

ان کا نسب نامہ یوں ہے الخلیل یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ اور اہل کتاب کا یہ کہنا ہے کہ یوشع ہود علیہ السلام کے چچازاد ہیں۔

اور اللہ عزوجل نے قرآن میں انکا ذکر فرمایا ہے لیکن نام کی صراحت نہیں فرمائی۔ فرمایا و اذقال موسیٰ لفتاہ.

اور فرمایا فلما جا وزا قال لفتاہ. اور صحیح (بخاری) کے حوالے سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ابی بن کعب حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وہ یوشع بن نون ہی ہیں۔

اور اہل کتاب کے ہاں ان کی نبوت متفق علیہ ہے۔ اور سامریوں کی ایک جماعت حضرت موسیٰ کے بعد سوائے یوشع علیہ السلام کی نبوت کے اور کسی کی نبوت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کی تورات میں تصریح آئی ہے اور باقیوں کی تکفیر کرتے ہیں جبکہ ان کے ہاں ان کی کتاب میں دوسرے انبیاء کی تصدیق موجود ہے خصوصاً حضور علیہ السلام کی۔ اللہ کی ان کافرون ملحدوں پر لعنت ہو قیامت تک۔

اور جو ابن جریر وغیرہ مفسرین نے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی آخری عمر میں نبوت حضرت یوشع علیہ السلام ابن نون کی طرف منتقل کردی گئی تھی تو موسیٰ علیہ السلام، یوشع سے ملتے تو ان سے حال احوال دریافت فرماتے کہ پروردگار نے کیا نازل فرمایا؟ ایک مرتبہ حضرت یوشع نے (یوں ہی) عرض کردیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب آپ پر وحی اترتی تھی میں تو سوال نہ کرتا تھا کہ اللہ نے کیا نازل فرمایا حتی کہ آپ خود ہی بتلا دیتے تھے۔ تب موسیٰ علیہ السلام زندگی سے اچاٹ ہو گئے اور موت کی تمنا فرمانے لگے۔ تو اس روایت میں بہت نظر ہے۔

کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر آخر عمر تک ہر حال میں احکام خداوندی کی وحی آتی رہی تھی حتیٰ کہ اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلالیا اور آپ برابر ہمیشہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ اور محترم و مکرم ہی رہے جیسے ملک الموت کے واقعے سے صاف اشارہ ملتا ہے۔

اور یہ محمد بن اسحاق نے اگر اہل کتاب کی کتاب سے اخذ فرمایا ہے تو ان کی کتاب تورات میں ہے کہ وحی موسیٰ علیہ السلام پر ان کی آخری عمر تک نازل ہوتی رہی اور جب بھی لوگ کسی مسئلے میں محتاج ہوتے تو فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی خدمت میں آتے۔

اور یہ بات ان کی کتاب میں قبۃ الزمان کے تابوت الشہادۃ کے تحت مذکور ہے۔

اہل کتاب نے سفر ثالث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے قبیلوں کے مطابق تقسیم و شمار کریں اور بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک پر ایک ایک سردار مقرر فرمادیں جو ان کی نگہبانی کرے اور یہ ساری کوشش قتال کی تیاری کے لئے تھی تاکہ تیہ میدان سے نکلتے ہی جباریں سے برسرپیکار ہو جائیں اور یہ بات تیہ میں چالیس سال گذرنے کے قریب پیش آئی اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو چونکہ بیت المقدس کی فتح کا حکم ملا تھا اسوجہ سے ان کو امید تھی کہ پہلے اللہ عزوجل میرے ہاتھوں اس کو فتح کرائے گا پھر کہیں وفات ہوگی اور پھر حضرت موسیٰ فرشتے کی صورت بھی نہ پہچان سکے تھے اسوجہ اس کو تھپڑ مارا تھا۔ اور اللہ کی تقدیر میں تھا کہ بیت المقدس کی فتح ان کے ہاتھوں نہ ہوگی بلکہ حضرت یوشع بن نون کے ہاتھوں ہوگی۔

اور اسی طرح ہمارے پیغمبر سرکار دو جہاں ﷺ نے شام میں رومیوں سے جہاد کا ارادہ فرمایا تھا اور تبوک تک جا پہنچے تھے لیکن پھر تقدیر الٰہی سے ۹ ہجری میں واپس ہوئے اور دس ہجری میں حج فرمایا پھر واپس مدینے آ کر جیش اسامہ تیار فرمایا۔ اور یہ پہلی اور دوسری کوشش اللہ کے اس فرمان کے تحت تھی فرمان الٰہی ہے:

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی۔(ان سے قتال جاری رکھو) حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ جزیہ دیدیں اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں)۔ (۱)

تو اسی حکم کی تعمیل میں حضور نے جیش اسامہ تیار فرمایا لیکن حضور علیہ السلام پہلے وفات پا گئے اور ابھی اسامہ مقام جرف میں لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ پھر آپ ﷺ کے خلیفہ برحق حضرت صدیق نے اس کو تیار کر کے دوبارہ اس مقصد کے لئے روانہ فرمایا۔

اور جب جزیرہ عرب اندرونی طور پر اپنے حق کے مدار پر خوب قائم ہو گیا اور اس کی شرک کی گندگی دور ہو گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر دائیں بائیں چہار اطراف لشکر کشی کروائی۔ فارس کے کسریٰ کی طرف بھی لشکر بھیجا اور شام قیصر روم کی طرف بھی لشکر بھیجا پھر اللہ نے ان کو فتح و کامیابی سے سرخروئی فرمائی اور دشمنوں کی جان کا ان کو مالک کر دیا۔

تو اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا کہ اللہ نے ان کو حکم فرمادیا تھا کہ بنی اسرائیل کو لشکروں کی صورت میں کئی گروہوں میں تقسیم فرمادیں اور ان پر سالار بھی مقرر کردیں جیسے فرمان الٰہی ہے۔

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور انہی میں بارہ سردار بنائے اور اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تم ان کی توقیر کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو، تو میں تم سے تمہاری برائیوں کو دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، پس جس نے تم میں سے اس کے بعد کفر کیا تو بے شک وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہوا۔) (۲)

یعنی اگر تم میری واجب کردہ چیزوں پر قائم رہو گے اور پہلے کی طرح قتال سے انکار نہ کرو گے تو میں اس گناہ سے تم کو سبکدوش کردوں گا اور تمہیں جنت عطا کردوں گا۔ اسی طرح حضور کے ساتھ جن اعرابیوں نے غزوہ حدیبیہ میں شرکت سے انکار کردیا تھا ان کے متعلق بھی اسی قسم کا فرمان نازل ہو۔

فرمان الٰہی ہے:

کہہ دیجئے ان کو جو دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والے ہیں کہ عنقریب تم کو سخت جنگجو قوم کی طرف بلایا جائے گا جن سے تم قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئیں پس اگر تم اطاعت کرو تو اللہ تم کو اچھا امر عطا فرمائے گا اور اگر تم پہلے کی طرح پیٹھ پھیرو گے تو وہ تم کو دردناک عذاب سے دو چار کردے گا۔ (۳)

اسی طرح اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمایا (پس جو شخص تم میں سے اس کے بعد انکار کرے گا وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہو گیا) پھر اللہ نے ان کے برے فعل اور عہد شکنی پر مذمت و ملامت فرمائی جیسے ان کے بعد انصاری کی مذمت فرمائی جب انہوں نے اپنے دین میں گروہ در گروہ کر لئے۔ اور الحمدللہ ان کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کردی ہے۔

الحاصل جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی اسلحہ اٹھانے کے قابل ہیں اور وہ بیس یا اس سے زائد سال کی عمر کے ہیں تو ان کے نام لکھے جائیں اور جماعتیں بنائی جائیں اور پھر جماعت پر سردار جو سالار بھی ہو مقرر کردیا جائے۔

پہلا لشکر روبیل کی اولاد کا تھا کیونکہ یہ سب سے پہلا حضرت یعقوب کا فرزند تھا۔ اور ان کے جنگجوؤں کی تعداد ساڑھے چھیالیس ہزار تھی اور انہی میں انکا سردار الیصو بن شدیئور امقرر کیا گیا۔

دوسرا لشکر آل شمعون کا تھا اور اس لشکر کی تعداد انسٹھ ۵۹۳۰۰ ہزار تین سو تھی اور ان کے سردار شلومیئیل بن ہوریشدای تھے۔

تیسرا لشکر آل یہودا کا تھا: اور ان کی تعداد چوہتر ہزار چھ سو تھی، ان کے سردار نخشون بن اعمیناذاب تھے۔

چوتھا لشکر آل ایساخر کا تھا: ان کی تعداد چون ہزار چار سو تھی، انکا سردار نشائیل بن صوعر تھا۔

پانچواں لشکر آل یوسف علیہ السلام کا تھا: اور ان کی تعداد ساڑھے چالیس ہزار تھی اور ان کے سردار یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔

(۱) التوبہ ۲۹ (۲) المائدہ ۱۲ (۳) الفتح ۱۶

چھٹا لشکر آل یشا کا تھا: ان کی تعداد اکتیس ہزار ساڑھے چھ سو تھی ان کے سردار حملیئیل بن فدھمور تھے۔

ساتواں لشکر آل بنیامین کا تھا: ان کی تعداد پینتیس ہزار چار سو تھی اور ان کا سردار ابیدن بن جدعون تھے۔

آٹھواں لشکر آل حار کا تھا: یہ لشکر پینتالیس ہزار چھ سو پچاس جوانوں پر مشتمل تھا۔ جن کے سردار الیاساف بن رعوئیل تھے۔

نواں لشکر آل آشیر کا تھا اور ان کی تعداد ساڑھے اکتالیس ہزار تھی، ان کے سردار فجعئیل بن عکران تھے۔

دسواں لشکر آل دان کا تھا: اور ان کی تعداد باسٹھ ہزار سات سو تھی اور انکا سردار اخیعزر بن عمشدای تھا۔

گیارہواں لشکر آل نفتالی کا تھا: اور ان کی تعداد ترپن ہزار چار سو تھی اور اسکا سردار اخیرع بن عین تھے۔

بارہواں لشکر زابلون کا تھا جن کی تعداد ۵۷ ہزار چار سو تھی ان کا سردار الیاب بن حیلون تھا۔

یہ ان کے ہاتھوں کی کتاب کی تصریح ہے واللہ اعلم۔

اور ان میں آل لاوی نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ ان کو ساتھ شمار نہ کریں کیونکہ ان کی ذمہ داری سب سے جدا تھی کہ وہ قبۃ الشہادۃ کو اٹھائیں اور اس کو بنائیں اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کریں اور اس کو نصب کرنا اور اٹھانا وغیرہ وغیرہ سب ذمہ داری ان کی تھی۔

اور یہ موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کا قبیلہ تھا اور ان کی تعداد بائیس ہزار تھی۔

اور پھر کام کاج کے اعتبار سے انہوں نے جماعتیں بنالیں تھیں، یہ تمام لوگ اس کی حفاظت چوکیداری اور اس کے مصالح کی نگہبانی اور اس کو نصب کرنے اور اکھاڑنے کی ذمہ داری کرتے تھے اور یہ سب لوگ اسی کے گرد و پیش دائیں بائیں آگے پیچھے رہتے تھے۔

اور اس بنی لاوی کے علاوہ گیارہ قبیلوں کی کل تعداد پانچ لاکھ ۷۱ ہزار پانچ سو چھپن تھی۔

تو اس آخری قول میں نظر ہے کیونکہ پہلے اعداد و شمار جو ان کی کتابوں میں ملے ہیں، اگر صحیح ہوں تو پھر یہ آخری تعداد کسی طرح موافق نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

اور آل لاوی بنی اسرائیل کے وسط میں رہتی تھی اور قبۃ الزمان کی حفاظت پر مامور تھی اور پورے بنی اسرائیل کے قلب میں انکا مقام ہوتا تھا۔ اور میمنہ پر آل روبیل تھے اور میسرہ پر بنو دان تھے اور بنو نفتالی پیچھے رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے علماء اور کاہن حضرات کو بنی ہارون میں مقرر فرمادیا تھا جیسے کہ ان سے پہلے ان کے آباؤ اجداد میں یہ لوگ چلے آتے تھے اور ان کے جد امجد ہی سے یہ سلسلہ چلا آیا تھا اور انمیں ناداب پہلا تھا پھر ابیہو اور العازر پھر یثمر تھے۔

الحاصل جن لوگوں نے بھی یہ کہا تھا کہ تو اور تیرا رب ان سے جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، تو ان لوگوں میں کوئی نہ بچا تھا۔

اور یہ قول ثوری، ابو سعید، عکرمہ اور عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور قتادہ، عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور سدی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور کئی صحابہ سے اس کو نقل فرمایا ہے۔

حتیٰ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے متقدم و متاخر علماء نے نقل فرمایا ہے کہ دونوں بھائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی میدان تیہ ہی میں ان سے پہلے وفات پاچکے تھے۔

اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ بیت المقدس کو فتح کرنے والے وہ موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں اور یوشع ان کے لشکر کے مقدمہ میں تھے۔

اور پھر ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بیت المقدس کی طرف سفر میں بلعام بن باعوراء کا قصہ بھی ذکر کیا ہے جسکے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنادو جسکو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو اس نے ان کو اتار دیا پھر وہ شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہوگیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کو بلند کردیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکال کر رہے اور اگر یوں ہی چھوڑ دو تو بھی نکالے ہی رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ قصہ بیان کردو تاکہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے اور انہوں نے نقصان اپنا ہی کیا۔ [1]

اور اس بلعم بن باعوراء کا قصہ ہم اپنی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں۔

(۱) اعراف ۱۷۵۔۱۷۷

بلعم بن باعورا کا قصہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے قول کے مطابق یہ شخص اسم اعظم جانتا تھا۔اور اس کی قوم نے اس کو کہا تھا کہ وہ موسیٰ اور ان کی قوم کے خلاف بد دعا کریں۔لیکن اس نے اول تو انکار کر دیا۔پھر جب قوم نے زیادہ اصرار کیا تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہوا پھر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔اور جب ان کے قریب پہنچا تو اس کی گدھی بد کنے لگی بلعم نے اس کو مارا تو ٹھیر گئی پھر تھوڑی دور ہی چلا ہوگا کہ پھر گدھی بول پڑی کیا آپ دیکھتے نہیں کہ میرے سامنے فرشتے ہیں جو مجھے چہرے پر مار مار کر واپس لوٹا رہے ہیں کیا تو اللہ کے نبی اور مومنین کی طرف بد دعا کرنے کے لئے جا رہا ہے؟ لیکن بلعم نے پھر بھی گدھی کو مارا اور گدھی مجبوراً چل پڑی۔جب جبل حسبان تک پہنچ کر قریب ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کی طرف دیکھا اور ان کے خلاف بد دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بد دعا کرنا شروع کر دی لیکن۔زبان نے اس کی فرماں برداری نہیں کی۔وہ موسیٰ کے لوگوں کے خلاف بد دعا کرنا چاہتا لیکن زبان ان کی حمایت میں مدد کی دعا کرتی اور اپنی قوم پر بد دعا کرتی اس کی قوم نے اس کی مذمت اور ملامت کی تو اس نے عذر کیا کہ میں کیا کروں زبان پر یہی جاری ہوتا ہے۔

پھر اس کی زبان باہر کو لٹک گئی حتیٰ کہ اس کے سینے تک جا پہنچی تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اب تو میری دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔پس مکر اور حیلہ باقی رہ گیا ہے۔

لہٰذا میری بات سنو کہ عورتوں کو مزین کرو اور سامان دے کر انہیں بنی اسرائیل کے لشکر میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دو اور وہ عورتیں ان کو اپنی طرف مائل کریں شاید وہ بدکاری میں مبتلا ہو جائیں پس اگر ایک شخص نے بھی زنا کر لیا تو تمہارا کام ہو گیا اور وہ پھر معاف نہیں ہو سکتے۔

تو انہوں نے یہ ترکیب استعمال کی اور اپنی عورتوں کو مزین کر کے ان کے لشکروں میں بھیج دیا۔ایک عورت جس کا نام کسبتی تھا بنی اسرائیل کے بڑے آدمیوں میں سے ایک شخص "زمری بن شلوم" کے پاس سے گذری کہا جاتا ہے کہ وہ شخص ال شمعون بن یعقوب کا سردار تھا۔وہ اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور جب دونوں تنہا ہوئے تو ادھر بنی اسرائیل پر طاعون کی وباء پھیلنا شروع ہو گئی تو اس کا سبب ڈھونڈنا شروع کیا گیا۔پھر اصل خبر ایک فنحاص بن عیزار بن ہارون کو پہنچی تو اس نے اپنا برچھا اٹھایا اور دونوں بدکاروں کے پاس پہنچ گیا اور دونوں کو خیمہ میں گھیر لیا پھر دونوں کو گھیر کر لوگوں تک لایا اور برچھے میں اس کو لگا لیا اور پھر برچھے کو آسمان کی طرف کر کے عرض کیا۔

اے اللہ ہم ایسا حال کرتے ہیں اس شخص کا جو تیری نافرمانی کرے۔

پھر طاعون ختم ہو گیا۔اور صرف اسی گھڑی میں مرنے والوں کی تعداد ستر ہزار ہو چکی تھی۔اور بعض بیس ہزار بتلاتے ہیں اور فنحاص اپنے والد عیزار بن ہارون کا اکلوتا لڑکا تھا۔بنی اسرائیل فنحاص کی اولاد کے لئے قربانیوں میں سے ہمیشہ سینے اور دستیوں اور جبڑوں کا گوشت مقرر کرتے تھے اور اس کے علاوہ جو یکتا و عمدہ مال ہوتے تھے وہ ان کو عطا کرتے تھے۔

اور جو قصہ بلعام کا محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے صحیح ہے۔اور اس کو کئی علماء سلف نے ذکر فرمایا ہے اور شاید محمد بن اسحاق کی مراد ہو کہ جب حضرت موسیٰ نے پہلی مرتبہ بیت المقدس جانے کا ارادہ فرمایا تھا تب کا قصہ ہے اور شاید مطلب ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ہو لیکن بعض ناقلین سمجھ نہ سکے ہوں۔

اور ہم،تورات کی تصریح کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

یا پھر شاید یہ دوسرا قصہ ہو جو میدان تیہ میں گھومتے وقت پیش آیا ہو،اس لئے کہ اس کے تذکرے میں جبل حسبان کا ذکر ملتا ہے اور یہ بیت المقدس سے کافی دور ہے۔

یا مطلب ہو کہ وہ بیت المقدس کا قصد فرما رہے تھے تب کی بات ہے جیسے سدی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی۔واللہ اعلم۔

اور ہر تقدیر پر جمہور کا یہی قول ہے کہ حضرت ہارون میدان تیہ میں وفات پا گئے اور اس کے دو سال بعد حضرت موسیٰ بھی وفات پا گئے اور انہوں نے اپنے رب سے بیت المقدس کے قریب کر دیئے جانے کا سوال کیا تھا جو قبول ہوا۔

پس حاصل یہ کہ بنی اسرائیل کو تیہ میدان سے لے کر نکلنے والے اور بیت المقدس میں داخل ہونے والے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

اور اہل کتاب اور دیگر اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر نہر ''اردن'' پار کی اور ''اریحا'' مقام تک پہنچے اور ''اریحا'' شہر کے قلعوں میں سے سب سے بلند فصیلوں والا قلعہ تھا اور ان کے محلات اور اہل بھی سب سے زیادہ تھے۔ تو قوم بنی اسرائیل نے چھ مہینوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک دن احاطہ کر کے رسے کا مضبوط گچھا قلعہ کی کسی جانب کی دیوار پر ڈال کر سب نے بیک آواز تکبیر لگا کر کھینچا تو وہاں سے راستہ بن گیا اور دیوار گر گئی۔

اور پھر تو اندر گھس گئے اور تمام اموال و دولت کو غنیمت میں سمیٹ لیا اور بارہ ہزار مردوں عورتوں کو تہ تیغ کیا اور بہت سے بادشاہوں سے جنگ چھڑی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے شام کے اکتیس بادشاہوں پر غلبہ پایا تھا۔

اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ انکا محاصرہ جمعے کے دن عصر تک جاری رہا تھا پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا اور پھر اگلا ہفتہ کا دن داخل ہونے والا تھا جس میں ان کے لئے پابندی تھی۔ کہ کوئی جنگ وغیرہ اور شکار وغیرہ نہ کر سکتے تھے۔ تو حضرت یوشع نے فرمایا اے ہفتہ کے دن تو بھی خدا کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی خدا کے حکم کا پابند ہوں۔ پس اے اللہ تو اس چاند کو طلوع ہونے سے روک دے تو اللہ نے چاند کو طلوع نہ ہونے دیا حتی کہ یوشع علیہ السلام نے شہر فتح فرمالیا۔

اور اسی بات کا تقاضا ہے کہ یہ رات پہلے مہینے کی چودھویں رات ہو اور یہ وہی شمس کا قصہ ہے جو حدیث میں مذکور ہے جسکو بندہ عنقریب انشاء اللہ بیان کرے گا۔ اور چاند کا قصہ جو اہل کتاب کی کتاب میں مذکور ہے یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے بلکہ اس قمر والی روایت میں کچھ اضافہ ہے جسکی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب۔ لیکن اہل کتاب نے اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اریحا کی فتح کا واقعہ ہے تو اس میں نظر ہے اور زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیت المقدس کی فتح میں معجزہ پیش آیا ہو اور بیت المقدس کی فتح ہی سب سے اہم تھی۔ اور فتح اریحا وسیلہ تھی۔ واللہ اعلم۔

وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

مسند احمد میں ہے کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ (۱)

سورج کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا سوائے یوشع کے چند راتوں میں جب وہ بیت المقدس کی طرف کوچ فرما رہے تھے۔

اس روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور یہ حدیث بخاری کی شرط پر (صحیح) ہے

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی فتح کرنے والی شخصیت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ اور شمس کا واقعہ بیت المقدس کی فتح میں پیش آیا جیسے کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوشع کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور اس سے اس حدیث ذیلیہ کے ضعف کا بھی علم ہوا کہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

کہ سورج واپس لوٹ گیا حتی کہ علی بن ابی طالب نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

کیونکہ حضرت علی کی عصر فوت ہوئی تھی اس وجہ سے کہ حضور ان کی ران پر سر مبارک رکھ کر آرام کئے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا؟ کہ سورج کے لوٹ جانے کی دعا کر دیجئے تا کہ وہ نماز ادا کر لیں پھر وہ لوٹ گیا۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے اور احمد بن ابی صالح المصری نے اس کو صحیح قرار دیا ہے لیکن صحیح احادیث میں اسکا کچھ درجہ نہیں اور نہ ہی حسن احادیث میں اسکا کچھ اعتبار ہے۔ اور اس کی روایت میں ایک اہل بیت کی مجہول عورت شامل ہے جس کی حالت کا کچھ علم نہیں۔ واللہ اعلم۔

اور مسند احمد (۲) میں ہے کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

---

(۱) قال الامام احمد، حدثنا اسود بن عامر حدثنا ابوبکر عن هشام عن ابن سيرين عن ابی هريرة

(۲) وقال الامام احمد : حدثنا عبدالرزاق ، حدثنا معمر ، عن همام عن ابی هريرة ...... الخ

انبیاء میں سے کسی نبی نے جہاد فرمایا اور اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے پیچھے وہ شخص نہ آئے جس نے ابھی شادی کی ہو۔ یعنی ابھی سہاگ رات منائی ہو۔ اور نہ ایسا شخص جس نے اپنی عمارت بنائی ہو لیکن اس کی چھت نہ بنائی ہو اور نہ ایسا شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کی اولاد ہونے کا منتظر ہو۔

تو پھر اس نبی نے جہاد فرمایا پھر عصر کے وقت بستی کے قریب ہوا اور نبی نے سورج کو کہا تو بھی خدائی حکم کا پابند ہے اور میں بھی خدائی حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ تو اس کو مجھ پر کچھ دیر روک دے تو اللہ نے اس نبی پر اس دن کے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا حتیٰ کہ انہوں نے فتح فرمالی۔ پھر انہوں نے اپنے غنیمت کا مال جمع کیا تا کہ آگ آ کر اس کو کھالے لیکن آگ نے کھانے سے انکار کر دیا تو اللہ کے نبی نے فرمایا۔

تمہارے درمیان کوئی خیانت دار شخص ہے لہذا سب کے سب میری بیعت کرو (یعنی میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے جاؤ) تو سب نے ایسا کیا پھر ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ تو نبی نے کہا کہ تیرا قبیلہ اب بیعت کرے پھر اس کے قبیلے نے ہاتھ ملایا تو دو یا تین شخصوں کے ہاتھ چپکنے لگے تو ان کو اللہ کے نبی نے فرمایا تم خائن ہو جو کچھ ہے وہ نکال لاؤ۔

تو انہوں نے گائے کے سر کے برابر سونا نکالا پھر اس سونے کو مال میں ملا کر رکھا گیا تو آگ نے آ کر جلا ڈالا۔ کیونکہ پہلی امتوں میں سے کسی کے لئے غنیمت حلال نہ تھی بلکہ ہماری (امت محمد یہ) کی کمزوری کی وجہ سے حلال کر دی گئی۔

اسی طریق میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (۱)

اور پھر جب وہ شہر کے دروازے میں داخل ہوئے تو ان کو حکم ملا کہ سجدہ یعنی رکوع کی حالت میں جھکے ہوئے عاجزی کے ساتھ اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے تم پر احسان وانعام کیا کہ تم کو فتح سے ہمکنار فرمایا جس کا اس نے تم سے وعدہ بھی فرمایا۔ اور ساتھ میں زبانوں پر یہ بھی جاری ہو "حطة"

یعنی یا اللہ ہم سے پہلے گناہ درگذر فرما۔

اسی وجہ سے رسول اکرم محمد ﷺ مکہ میں فتح یاب داخل ہوئے تو سواری پر آپکا سر مبارک عاجزی وانکساری کے ساتھ خدا کا شکر بجالاتے ہوئے اسطرح جھک گیا تھا کہ ان کی ڈاڑھی مبارک کجاوے کی لکڑی کو لگ رہی تھی۔ اور یہ سب اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و نیازمندی اور خشوع وخضوع تھا۔ اور آپ کے ساتھ ایسا بھرپور لشکر تھا جس نے ہر طرف سے ہر چیز کو گھیر رکھا تھا۔

خصوصاً وہ سرسبز و شاداب لشکر جس میں رسول اکرم ﷺ موجود تھے۔ تو جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں غسل فرمایا اور آٹھ رکعات بطور شکرانے کے ادا فرمائیں اور یہی علماء کا مشہور قول ہے اور ایک قول ہے کہ وہ ضحیٰ کی نماز تھی۔ اور اس قول کے قائل کی وجہ یہ تھی کہ وقت بھی یہی تھا۔

تو بنی اسرائیل نے اس حکم کی مخالفت کی قول میں بھی اور عمل میں بھی۔ تو وہ اپنی سرینوں کے بل اکڑتے مٹکتے یوں کہتے داخل ہوئے حبة فی شعرة. حنطة فی شعرة دانہ بالی میں گندم بالی میں۔

حاصل کلام یہ کہ حکم کی مخالفت کی اور استہزاء کیا جیسے اللہ نے فرمایا

اور (یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کرلو اور اس میں جہاں جی چاہے، کھانا (پینا) اور (ہاں شہر میں جانا تو) حطة کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا، ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے، پھر ان ظالموں نے وہ بات بدل ڈالی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب کا ٹکڑا بھیجا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ (۲)

اور جب ہم نے (ان سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھنا) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطة کہنا، ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے پھر ان لوگوں نے وہ بات بدل ڈالی جو ان

(۱) وقد روی البزار من طریق مبارک بن فضالة عن عبدالله بن سعید المقبری، عن ابی هریره، عن النبی ﷺ نحوه. قال ورواه محمد بن عجلان عن سعید المقبری، قال ورواه قتادہ عن سعید بن المسیب عن ابی هریره عن النبی ﷺ

(۲) اعراف ۱۶۱، ۱۶۲

سے کہی گئی تھی تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب کا ٹکڑا نازل کیا اس سبب سے کہ وہ فسق کرتے تھے۔ (۱)

(۲) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمان الٰہی (اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا) اس سے مراد ہے کہ رکوع جیسی حالت میں یعنی عاجزی کے ساتھ جھکتے ہوئے داخل ہونا۔ (۳)

اور مجاہد، سدی، اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باب یعنی دروازے۔ سے مراد وہ باب حطہ ہے جو بیت المقدس (شہر) کے بیت ایلیاء کا باب ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ خدائی فرمان کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے سروں کو اکڑ کر بلند کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ تو دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مانند ہی حدیث رسول میں بھی موجود ہے۔ جسکا ذکر ابھی آگے آجاتا ہے۔ تو دونوں باتوں کا مطلب ہوگا کہ وہ سروں کو اٹھائے ہوئے اور سرینوں کے بل (یعنی جسم کے درمیان حصے کو آگے کی طرف اچھی طرح کر کے اور ہاتھ سرینوں) کہلوں پر رکھ کر اکڑتے ہوئے تکبر سے داخل ہوئے۔

اور فرمان باری "وقولوا حطة" میں واو حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ تو مطلب ہوگا کہ جھکی حالت میں حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا۔ (اور حِطَّة کا معنی ہے معافی اور بخشش) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطاء اور حسن، اور قتادہ اور ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو حکم کیا گیا تھا کہ مغفرت طلب کرتے ہوئے داخل ہوں۔

(۴) بخاری نے فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا "دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور اس حال میں کہ حطۃ کہتے جاؤ تو ہم تمہاری خطاؤں کی مغفرت کر دیں گے" تو انہوں نے بات بدل ڈالی اور اپنی سرینوں کے بل داخل ہوئے اور یہ زبان پر جاری رکھا، حبة فی شعرة یعنی بالی جو میں یعنی ہم کو گندم سٹے میں چاہیے۔ (۵)

(۶) اور دوسرے طریق سے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا" دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّة کہتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمہاری خطاوں کو بخش دیں گے" تو انہوں نے بات بدل دی اور اپنی سرینوں کے بل یوں کہتے ہوئے داخل ہوئے کہ حبة فی شعرة کہ دانہ بالی میں چاہئے۔ (۷)

(۸) اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہوں نے تبدیلی کی تھی اس طریق کے اعتبار سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ وہ اس دروازے میں جس میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم تھا اپنی سرینوں کے بل یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے حطة فی شعیرة. کہ گندم جو میں یعنی ہمیں گندم اور جو چاہیے۔

اور ایک دوسرے طریق (۹) سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمان باری (فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم) کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے یہ بات بدل کر کہی تھی (ھطی سقاثا ازمة مزبا) جس کا مطلب ہے کہ ہمیں گندم کے سرخ دانے جن میں

---

(۱) البقرہ ۵۸۔۵۹ (۲) وقال الثوری عن الاعمش، عن المنهال بن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس...

(۳) رواه الحاکم وابن جریر وابن ابی حاتم، وکذا روی العوفی عن ابن عباس، وکذاروی الثوری عن بن اسحاق عن البراء

(۴) قال البخاری حدثنا محمد، حدثنا عبدالرحمن بن مهدی، عن ابن المبارک، عن معمر عن همام بن منبه، عن ابی هریرة

(۵) وکذارواه النسائی من حدیث ابن المبارک برفعه، ورواه عن محمد بن اسماعیل بن ابراهیم عن ابن مهدی به موقوفاً

(۶) وقد قال عبدالرزاق : انبانا معمر، عن همام بن منبه انه سمع ابا هریرة

(۷) ورواه البخاری ومسلم والترمذی من حدیث عبدالرزاق وقال الترمذی حسن صحیح

(۸) کما حدثنی صالح بن کیسان، عن صالح مولی التوامه عن ابی هریرة و عمن لا اتهم عن ابن عباس

(۹) وقال اسباط عن السدی عن مرة عن ابن مسعود

سیاہ جو کے دانے ملے ہوں وہ چبائیں۔

اور آگے اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے کہ ان کو اس مخالفت اور گستاخی پر عذاب خداوندی نے گرفت میں لے لیا اور وہ آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ جو طاعون تھا۔ انہیں بری طرح سے پھیل گیا۔ (اور اس طاعون عذاب کی ابتداء بھی ایسے ہی لوگوں سے ہوئی) جیسے کچھ اشارہ درج ذیل حدیث رسول علیہ السلام سے ملتا ہے۔

(۱) صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک یہ بیماری (یعنی طاعون) اس عذاب کا ٹکڑا ہے جس کے ساتھ تم سے پہلی بعض امتوں کو عذاب دیا گیا۔

(۲) اور امام نسائی اور ابن ابی حاتم نے بھی دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا طاعون اس عذاب کا ٹکڑا ہے جس کے ساتھ تم سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا۔

اور ضحاک رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "الرجز" (جس کا آیت میں ذکر آیا ہے اس سے مراد) عذاب ہے۔ اور یہی مجاہد اور ابو مالک اور سدی اور حسن اور قتادہ کا فرمان ہے۔ اور ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ "الرجز" خدائی غضب ہے۔ اور شعبی فرماتے ہیں "الرجز" یا تو طاعون ہے یا (برف کے) اولے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے فرمایا یہ طاعون ہے۔

اور جب بنی اسرائیل کا قبضہ بیت المقدس پر مستحکم ہو گیا تو وہ اسی میں بسے رہے۔ اور ان کے درمیان اللہ کے پیغمبر یوشع اللہ کی کتاب تورات کے ساتھ ان میں فیصلے فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا اور اس وقت ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ ستائیس سال حیات رہے۔ یعنی وفات موسیٰ علیہ السلام کے وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

(۱) کما ثبت فی الصحیحین من حدیث الزهری، عن عامر بن سعد، ومن حدیث مالک، عن محمد بن منکدر وسالم ابی النضر، عن عامر بن سعد، عن اسامة بن زید

(۲) وروی النسائی وابن ابی حاتم وهذا لفظه من حدیث الثوری عن حبیب بن ابی ثابت، عن ابراهیم بن سعد بن ابی وقاص عن ابیه واسامة بن زید و خزیمة ابن ثابت قالوا قال رسول ﷺ الخ

پراسرار شخصیت

حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ مبارک

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے ان کے پاس گئے تھے تا کہ جوان کو علم لدنی حاصل ہے وہ سیکھ آئیں۔

اور اللہ عزوجل نے سورہ کہف میں اپنے کلام مقدس میں ان دونوں کا قصہ بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اس کی تفسیر و تشریح ہم پہلے کر آئے ہیں۔اور اب ہم یہاں اس بات کو ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت خضر علیہ السلام کے ذکر کی صراحت آئی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے نام نسب، نبوت اور اب تک کی زندگی کے متعلق مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں اللہ نے چاہا تو اس کی قوت و طاقت کے ساتھ ہم ان کو یہاں ذکر کریں گے۔

حافظ ابن عساکر نے فرمایا ہے کہ وہ خضر علیہ السلام بن آدم علیہ السلام ہیں یعنی عین آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہوئے ہیں۔پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اس طریق [1] سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا خضر بن آدم، آدم کی صلبی اولاد ہیں۔اور ان کی وفات میں مہلت دیدی گئی ہے حتیٰ کہ وہ کذاب دجال کی بھی تکذیب فرمائیں گے۔یعنی تب تک زندہ رہیں گے۔

اور یہ روایت منقطع اور غریب ہے۔

اور ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان السجستانی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مشائخ جن میں ابو عبیدہ وغیرہ تھے۔

ان سے سنا ہے کہ اولاد آدم میں سب سے طویل عمر والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور انکا نام گرامی "خضرون بن قابیل ابن آدم" ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی اولاد کو خبر دی کہ ایک طوفان انسانوں پر واقع ہوگا۔اور ان کو وصیت کی کہ جب وہ طوفان آئے تو تم کشتی میں میرے جسد (اطہر) کو بھی ساتھ لے لینا۔اور جو مکان ان کے اترنے کے لئے مقرر ہو وہاں مجھے دفن کر دینا۔تو جب طوفان آیا تو انہوں نے اپنے ساتھ اس جسد مبارک کو بھی لے لیا تو جب زمین پر اترے تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم فرمایا کہ جسد اطہر کو جہاں انہوں نے وصیت فرمائی تھی دفن کردو۔لوگوں نے عرض کیا۔کہ زمین ان کے جسد اطہر کے ساتھ مانوس نہیں ہے اور جسد اطہر کو وحشت ہوگی۔تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسپر ان کو ابھارا اور ترغیب دلائی۔اور فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ ان کو وہ شخص دفن کرے جو سب سے طویل عمر والا ہو تو تب انکا جسد اطہر ان کے پاس ساتھ ساتھ رہا حتیٰ کہ خضر علیہ السلام نے ان کے دفنانے کی ذمہ داری اٹھائی۔اور اللہ نے ان کے وعدے کو پورا فرمایا تو وہ جب تک بھی اللہ چاہیں زندہ ہیں۔

اور ابن قتیبہ نے "المعارف" میں وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کا نام بلیا تھا اور ان کا نسب یوں بھی بیان کیا جاتا ہے ایلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔اور اسماعیل بن ابی اویس نے فرمایا ہم تک جو روایت پہنچی۔واللہ اعلم۔اس کے مطابق تو حضرت خضر علیہ السلام کا اسم گرامی المعمر ابن مالک بن عبداللہ بن نصر بن الازد ہے۔

---

(۱) ثم روی من طریق الدارقطنی، حدثنا محمد بن الفتح القلانسی، حدثنا العباس بن عبدالله الرومی ، حدثنا رواد بن الجراح ، حدثنا مقاتل بن سلیمان ، عن الضحاک عن ابن عباس قال......

اوران کے علاوہ دوسرے بعض حضرات نے فرمایاوہ خضرون بن عمیاسیل بن الیفز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکا اسم گرامی ارمیا بن حلقیا ہے واللہ اعلم۔

اور ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کے صاحبزادے ہیں۔اور یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔
ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس روایت کے ناقل ہیں محمد بن ایوب جنہوں نے ابن لہیعہ سے اس کونقل کیا ہے۔اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ وہ ابن مالک ہیں اور مالک حضرت الیاس علیہ السلام کے برادر ہیں۔اوراس کے قائل سدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جسکا ذکر ابھی آجاتا ہے۔اور ایک قول ہے کہ وہ بادشاہ ذوالقرنین کے لشکر کے ہراول یعنی شروع کے لشکر پر امیر مقرر تھے۔اور ایک قول ہے کہ جولوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اوران کے ساتھ ہجرت بھی فرمائی انہیں سے کسی کے صاحبزادے ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ وہ بشتاسب بن بہراسب کے زمانے میں پیغمبر رہے ہیں۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ پہلے افریدون بن اثفیان بادشاہ کے زمانے سے تھے اور پھر حضرت موسی علیہ السلام کے زمانے تک رہے۔

اور حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کی والدہ رومیہ تھی اور ان کے والد فارسی تھے۔

اور پہلے یہ بھی گذر چکا ہے کہ وہ بنیاسرائیل میں سے تھے اور فرعون کے زمانے میں تھے۔

اور ابوزرعہ ''دلائل النبوۃ'' میں اس طریق [1] سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے انہوں نے نقل فرمایا کہ جب آپ کوایک رات میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے ایک عمدہ خوشبو پائی،تو فرمایا اے جبرئیل یہ کیسی عمدہ خوشبو ہے؟ تو عرض کیا یہ الماشطہ اوراس کے دو بیٹوں اوراس کی بیوی کی قبر کی خوشبو ہے۔

اوراس کی ابتداء یوں ہوئی کہ حضرت خضر علیہ السلام بنی اسرائیل کے شرفاء اور بزرگ لوگوں میں سے تھے اوران کی گذرگاہ میں ایک راہب اپنے صومعے میں رہتا تھا۔تو راہب ان کے پاس آتا اوران کواسلام سکھاتا۔

جب خضر علیہ السلام جوان ہوئے توان کے والد نے ان کی شادی ایک خاتون سے کردی۔تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو بھی دین سکھایا اور عہد لیا کہ اب یہ باتیں آگے کسی کو نہ بتانا اور یہ راز فاش نہ کرنا۔اور چونکہ حضرت خضر علیہ السلام عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے اس لئے آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔پھر والد نے دوسری عورت سے شادی کرادی تواس کو بھی اسلام سکھایا اور وہی عہد لیا اور پھر طلاق دیدی۔تو دونوں عورتوں میں سے ایک نے تو راز کوراز میں رکھا دوسری نے راز فاش کردیا۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام وہاں سے بھاگ کر سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے۔تو دو آدمی جولکڑیاں چن رہے تھے انہوں نے آپکو دیکھ لیا۔تو ایک نے تو آپکو ظاہر کرنے سے چھپالیا اور دوسرے نے علی الاعلان کہہ دیا میں نے خضر کو دیکھا ہے۔اس سے پوچھا گیا اور تیرے ساتھ کس نے دیکھا ہے؟ کہا فلاں نے۔تو فلاں سے پوچھا گیا تو فلاں نے جیسے پہلے چھپایا تھا اب بھی چھپائے رکھا۔جس سے دوسرا جھوٹا ہو گیا اوراس وقت جھوٹے کی سزا سزائے موت تھی۔تواس کوقتل کردیا گیا اور راز چھپانے والے نے اسی عورت سے شادی کرلی تھی جس نے پہلے حضرت خضر کا راز چھپایا تھا۔

اور یہ عورت فرعون کے محل میں خادمہ تھی۔تو ایک مرتبہ یہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کررہی تھی کہ ہاتھ سے کنگھی چھوٹ کر نیچے گرگئی تو اچانک عورت کے منہ سے نکل گیا کہ فرعون تباہ ہو۔تو لڑکی نے باپ کوخبر دی اوراس خادمہ کے دولڑکے اور ایک شوہر تھا۔فرعون نے ان کے پاس قاصد بھیجا تواس نے دونوں میاں بیوی کوان کے دین اسلام سے پھسلانا چاہا لیکن وہ مرتد ہونے سے باز رہے۔

جس پراس نے کہا کہ میں تم کوقتل کردوں گا؟ انہوں نے کہا کہ تیرا احسان ہوگا کہ تو اگر ہمیں قتل کرے تو ہم دونوں کوایک ہی قبر میں دفن کردے۔
تواس نے قتل کرکے دونوں کوایک ہی قبر میں دفن کردیا۔

(۱) حدثنا صفوان بن صالح الدمشقي، حدثنا الوليد، حدثنا سعيد بن بشير، عن قتادة، عن مجاهد، عن ابن عباسؓ عن ابى بن كعب .... الخ

تو پھر حضرت جبرئیل نے عرض کیا (یا رسول اللہ) آپ نے اس سے اچھی خوشبو نہ پائی ہوگی حالانکہ آپ جنت میں بھی داخل ہوئے ہونگے۔ اور یہ ان کی قبر سے مہک رہی ہے۔

اور مائلہ بنت فرعون کا قصہ پہلے گذر چکا۔ اور اس کنگھی وغیرہ کا ذکر حضرت خضر علیہ السلام کے قصے میں شاید ابی بن کعب کے کلام سے درج ہوا ہے یا پھر عبداللہ بن عباس کے کلام سے۔ واللہ اعلم۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ابو العباس تھی۔ اور زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''خضر'' حضرت خضر علیہ السلام کا لقب تھا۔ جو نام پر غالب آ گیا۔ واللہ اعلم۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [1] کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا، آپکا نام خضر اس وجہ سے پڑا کہ آپ ایک خشک سفید گھاس کی جگہ پر تشریف فرما ہوئے تو وہ آپکے بعد سرسبز وشاداب لہلہانے لگی۔

اس کے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں اسی طرح عبدالرزاق نے معمر سے اس کو روایت کیا ہے۔

پھر عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ فروۃ سے مراد سفید خشک گھاس ہے۔ اور خطابی اور ابو عمرو فرماتے ہیں فروہ سے مراد زمین ہے جس میں گھاس نہ اگتی ہو اور دوسرے بعض نے فرمایا وہ خشک گھاس ہے جس کو فروۃ کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور اسی سے فروۃ الراس بولا جاتا ہے اور اس سے مراد ہوتا ہے وہ جلد جس پر بال ہوں۔ جیسے شاعر کہتا ہے۔

اور تو حبشی کو ہمارے گھروں کے درمیان دیکھے گا کہ خوش پھرتا ہے جبکہ وہ کسی دن کھانے کی جگہ پالے اور وہ بالکل تنگدست فقیر ہے اور اس کے سر کے فروۃ (یعنی کھال) میں بیج ڈالے جاتے ہیں پھر اس کی دونوں جانبیں مرچیں اگاتی ہیں۔

عجیب شعر ہے۔ اور مراد اس سے ہے کہ یہاں لفظ فروۃ الرأس استعمال ہو چکا ہے معنی ہے سر کی وہ کھال جس پر بال اگے ہوں۔

تو یہاں حدیث میں فروۃ سے خشک گھاس مراد ہے، جس کو اس سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی جسپر بال ہوں (اور وہ سفید ہو چکے ہوں)

خطابی کہتے ہیں کہ خضر کو خضر اسوجہ سے کہا جاتا ہے ان کے چہرے کی تروتازگی اور حسن وچمک کی بناء پر اور یہ مذکورہ حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی وجہ ہوسکتی ہیں ورنہ حدیث سے کسی طرح بھی منہ نہیں موڑا جاسکتا۔ اور وہی اولی اور اقوی ہے۔ بلکہ اس کے غیر کی طرف توجہ ہی نہیں ہوسکتی۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے طریق [2] سے یہ حدیث یوں نقل فرمائی ہے۔

کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

خضر کا نام خضر اسوجہ سے رکھا گیا کہ انہوں نے خشک گھاس پر نماز ادا فرمائی تو وہ سبز ہو کر لہلہانے لگی۔

اور یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔

اور قبیصہ ثوری سے وہ منصور سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خضر کو خضر اسلئے کہا جاتا ہے کہ جب بھی وہ نماز ادا فرماتے تو ان کے اردگرد کی جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔

اور پہلے گذر چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام جب نشانات قدم پر واپس لوٹے تو سمندر کے کنارے سرسبز چبوترے پر آپ کو پڑا پایا۔ اور کپڑا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور کپڑے کے دونوں سرے سر اور قدم کے نیچے تھے موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا تو چہرے سے کپڑا ہٹایا اور جواب دیا اور پوچھا کہ یہاں سلام کرنے والا کون آیا کیا آپ موسیٰ ہیں؟ فرمایا ہاں

پھر پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں آپ نے فرمایا جی۔ پھر آگے تمام قصہ ہے جو قرآن میں ذکر ہوا۔

(۱) وقال البخاریؒ حدثنا محمد بن سعید الاصبهانی، حدثنا ابن المبارک، عن معمر، عن همام عن ابی هریرةؓ ...... الخ

(۲) من طریق اسماعیل ابن حفص بن عمر الأیلی: حدثنا عثمان و ابو جزی و همام بن یحی عن قتادہ عن عبدالله بن الحارث بن نوفل عن ابن عباسؓ

اوراس قصے کی کئی باتیں آپ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔
ایک تو فرمان الٰہی:

فوجدا عبداً من عبادنا آتیناہ رحمة من عندنا وعلمناہ من لدنا علما

پس انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسکو ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اوران کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔
دوسرا فرمان باری **ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشد الخ** آیت ۶۶ تا ۷۰ تک کی آیات مبارکہ۔
جن کا ترجمہ ہے۔موسیٰ نے ان سے (جنکا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم آپکو (خدا کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں، کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کرسکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کربھی کیسے سکتے ہو؟ موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپکے ارشاد کے خلاف نہ کروں گا۔کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اسکا ذکر تم سے نہ کردوں۔
تو اگر یہ نبی نہ ہوتے بلکہ صرف ولی ہی ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا یوں کلام نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ بھی ان سے یوں خطاب نہ کرتے۔
اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی خدمت، طلب علم کے لئے بھیجا۔اور کسی کے پاس نہ بھیجا۔
اور اگر یہ نبی نہ ہوتے تو معصوم نہ ہوتے اور جبکہ حضرت موسیٰ تو واجب العصمۃ تھے۔تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسے ایک ولی جو غیر واجب العصمہ تھے کے علم میں اس قدر رغبت وطمع فرماتے۔اور آپ نے ان کے پاس جانے کا کتنا اہتمام اور عزم مصمم فرمایا کہ اگر حقب کا زمانہ بھی گذر جائے جو بہت طویل عرصہ ہے تب بھی ان کی تلاش میں رہیں گے۔ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔
اور پھر حضرت موسیٰ ملاقات ہونے پر کس قدر ان کا اکرام اوران سے عجز وانکساری برتتے ہیں اوران کی شرائط تسلیم کرکے بھی ان کی معیت حاصل کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی وحی پہنچتی تھی اور پھر مزید اضافہ کہ حضرت خضر کو علم لدنی اور اسرار نبوت کے ساتھ نوازا گیا تھا جن کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہ نوازا گیا تھا، تو ان تمام باتوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور قرآنی دو آیتیں اس پر دلالت کے ساتھ گزریں، اس طرح تیسری بات یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نے ایک بچے کے قتل کا ارتکاب فرمایا اور یہ صرف اللہ کی طرف سے وحی کی وجہ سے تھا اور یہ بھی آپ کی نبوت پر مستقل دلیل ہے اوران کی عفت پر بالکل ظاہر برہان ہے۔
اس لئے کہ کسی بھی ولی کو اپنے دلی قلبی الہام کے ساتھ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔
اس لئے کہ اسکا دل واجب العصمہ نہیں ہے۔کیونکہ بالاتفاق اس سے خطا کا صدور ہوسکتا ہے اور جب خضر نے نابالغ بچے کے قتل کا ارتکاب کیا، تو اس علم (یقین) پر کیا تھا کہ یہ بڑا ہو کر کفر کے نرغے میں پھنسے گا اور اپنے والدین کے لئے بھی خطرہ بنے گا۔تو یہ آنے والے زمانے کا علم، یقینی اللہ کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے اور نیز ان کی تائید وحمایت بھی اللہ کی طرف سے تھی۔
اور (ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے شیخ ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کو بعینہ ان دلائل کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر دلیل پکڑتے دیکھا ہے۔اور علامہ رمانی نے بھی اس پر دلیل پکڑی ہے۔
چوتھی دلیل، نبوت خضر یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جب تمام کاموں کا اصل مقصد بتلا دیا تو حضرت موسیٰ کو بھی بات کھل کر سامنے آگئی تب حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا **رحمة من ربک وما فعلته عن امری۔**
کہ یہ تیرے رب کی رحمت سے ہوا ہے اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا اس سے ان کی نبوت صاف معلوم ہوجاتی ہے۔اور ولایت خود اس میں آجاتی ہے اور رسالت بھی کوئی منافی نہیں ہے۔بہرحال فرشتے ہونے کا قول انتہائی غریب ہے۔
اور جب ہماری بات دلائل سے ثابت ہوئی کہ وہ نبی تھے تو اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ولی بھی غائب کاموں کی حقیقت پر مطلع ہو جاتے ہیں نہ کہ شریعت کے علم پر۔تو اسپر کوئی دلیل اور ایسی معتمد بات نہیں جسکے ساتھ اس قول میں سہارا لیا جائے۔

کیا اب بھی خضر علیہ السلام باقی ہیں؟

جمہور فرماتے ہیں خضر علیہ السلام اب تک باقی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ چونکہ انہوں نے طوفان نوح کے بعد آدم علیہ السلام کو دفن فرمایا تھا اس لئے ان کو والد کی دعا کے طفیل لمبی زندگی ملی۔ اور ایک قول ہے کہ انہوں نے آب حیات نوش فرمایا تھا۔ تو اسوجہ سے زندہ ہیں اور کئی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں۔ اور ان کو ہم آگے انشاء اللہ دوسری روایات کے ساتھ بیان کریں گے۔

اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر جدا ہونے لگے تو خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

''کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا وقت) ہے میں عنقریب آپ کو ان کی تاویل بتا دوں گا جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

تو اس نصیحت کے بارے میں بہت سی منقطعہ اخبار مروی ہیں بیہقی فرماتے ہیں کہ اس طریق [1] سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے فراق فرمانے لگے تو فرمایا کہ مجھے کچھ نصیحت ووصیت فرمائیے۔ فرمایا کہ۔

نفع رساں بن، ضرر رساں مت بن۔ خوش رہا کر، غصے میں مت رہا کر۔ لجاجت وخوشامدی کو چھوڑ دے اور بغیر مقصد (نہ سفر کر) نہ چل۔

اور دوسرے طریق سے یہ زیادتی ہے! سوائے تعجب کے مت ہنسا کر۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں: خضر علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ۔ لوگ دنیا کے عذابوں میں اسی قدر مبتلا کئے جاتے ہیں جس قدر ان کی دنیا کے متعلق فکریں ہوتی ہیں۔

اور بشر بن حارث الحافی فرماتے ہیں. موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ تو فرمایا

اللہ تجھ پر اپنی اطاعت کو آسان فرمائے۔

اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث آئی ہے جسکو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زکریا ابن یحیٰ الوقاد کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مگر یہ شخص زکریا۔ بڑے کذابوں میں سے ہے۔ یہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن وہب کو یہ بات بتلائی گئی جبکہ میں بھی سن رہا تھا کہ ثوری اور مجالد اور ابوالوداک سب کہتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

کہ میرے بھائی موسیٰ نے کہا اے پروردگار..... پھر تمام قصہ ذکر کیا پھر ان کے پاس حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور وہ عمدہ مہکتی خوشبو والے انتہائی سفید کپڑوں والے نوجوان تھے۔ اور آکر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ اے موسیٰ بن عمران تیرا رب تجھ کو سلام فرماتا ہے موسیٰ نے فرمایا وہ ہی سلامتی والا ہے اور اس کو بھی سلام ہو اور تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں جسکی نعمتوں کا میں شمار نہیں کر سکتا اور اس کے شکر پر قادر ہو سکتا مگر اس کی مدد سے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا خیال ہے کہ آپ مجھے ایسی کوئی وصیت فرمائیں جو مجھے آپکے بعد نفع دے تو خضر علیہ السلام نے فرمایا اے طالب العلم۔ کہنے والا (واعظ وغیرہ) اکتاہٹ میں سننے والے سے کم پڑتا ہے۔ یعنی کہنے والے کو اکتاہٹ کم ہوتی ہے۔ سننے والا زیادہ اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔

پس جب آپ ان کو کچھ بیان کریں تو اپنے ہم نشینوں کو تھکاوٹ میں نہ ڈالیں۔

اور جان کہ تیرا دل برتن ہے پس دیکھتا رہ کہ کس چیز سے برتن کو پر کر رہا ہے؟

اور دنیا سے کنارہ کش رہو اور اس کو اپنے پیچھے پھینک دو وہ تیرا گھر نہیں ہے اور نہ اس میں ٹھکانا ہے اور تجھ کو لوگوں تک پیغام پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور دنیا میں سے آخرت کے لئے توشہ لے لو اور اپنے نفس کو صبر پر ثابت قدم رکھو تو گناہوں سے چھٹکارا پا جاؤ گے۔

اے موسیٰ علیہ السلام اگر آپ علم چاہتے ہیں تو اس کے لئے اپنے کو فارغ کر لو کیونکہ علم اسکا ہے جو اس کے لئے فارغ ہو جائے اور کثرت کلام

---

(۱) انبانا ابوسعید بن ابی عمرو، حدثنا ابوعبداللہ الصفار، حدثنا ابوبکر بن ابی الدنیا، حدثنا اسحاق بن اسماعیل، حدثنا جریر، حدثنی ابو عبداللہ الملطی قال لما اراد موسیٰ الخ

کرنے والے نہ بنو اور بیکار بات سے بچو کیونکہ کثرت گفتگو علماء کو عیب دار کرتی ہے اور کم عقلی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اپنے لئے میانہ روی کو لازم کرلو کیونکہ یہ چیز توفیق الٰہی اور درستگی کی علامت ہے اور جاہلوں اور ٹال مٹول کرنے والوں سے بچو اور بے وقوفوں سے بردباری کرو۔ کیونکہ یہ حکماء کا فعل ہے اور حکماء کی زینت ہے۔ اور جب تجھ کو جاہل گالی دے تو اس سے بردباری کے ساتھ چپ ہو جاؤ اور احتیاط کے ساتھ کنارہ کرلو۔ کیونکہ ابھی بھی جو اس کی جہالت اور گالم گلوچ باقی ہے وہ پہلے سے زیادہ ہے۔

اے ابن عمران اپنے کو کم علم خیال کرتے رہو۔ بے شک خود سری اور بے راہ روی اپنے کو مشقت میں ڈالنا اور تکلیف میں پڑنا ہے۔

اے ابن عمران ایسے دروازے کو نہ کھول جسکے متعلق آپ نہیں جانتے کہ کس نے اس کو بند کیا ہے اور ایسے دروازے کو بند نہ کرو کہ آپ نہیں جانتے کہ کس نے اس کو کھولا ہے۔

اے ابن عمران جس شخص کی دنیادی حاجتیں پوری نہ ہوں اور دنیا سے اس کی رغبت ختم نہ ہو، اور اپنی حالت کو حقیر سمجھے یعنی غریب و مفلس سمجھے اور زیادتی مال کی طلب میں رہے اور جو اس کے لئے فیصلہ کر دیا گیا ہے اس میں خدا سے شکوہ رکھے تو ایسا شخص کیسے زاہد ہو سکتا ہے؟

جس کی خواہش نفسانیہ اس پر غالب آجائے تو کیا وہ شہوات سے بچ سکتا ہے؟ کیا اس کو طلب علم نفع دے سکتا ہے؟ جبکہ جہالت کی تاریکی نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ کیونکہ ظاہر میں اس کی کوشش تو آخرت میں ہے اور درحقیقت وہ دنیا پر مرمٹا ہے۔

اے موسیٰ علیہ السلام: وہی سیکھ جس پر تو عمل پیرا ہونا چاہتا ہے۔ اور اسلئے نہ سیکھ کہ تو اس کے ساتھ تقریر کرے تو پھر ایسا علم تیرے لئے نیکی اور تیرے غیر کے لئے نور ہوگا۔

اے موسیٰ بن عمران زہد اور تقویٰ کو اپنا لباس بنالے۔ اور علم و ذکر کو اپنا کلام بنالے اور نیکیوں کی کثرت کر کیونکہ برائیاں تو خود ہی ہوتی رہتی ہیں اور اپنے دل کو خوف کے ساتھ ساتھ رکھ یہ تیرے رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہوگا۔ اور خیر کرتا رہ اگر تو نے ان باتوں کو محفوظ کرلیا تو نصیحت پا گیا۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام رخ زیبا لیکر چل دیئے اور موسیٰ رنجیدہ و کرب زدہ روتے رہ گئے۔

یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے میں سمجھتا ہوں یہ زکریا بن یحیی الوقاد المصری کی کارستانی ہے اور اس کو کئی علماء کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ حافظ ابن عساکر جیسا انسان اس کے متعلق سکوت اختیار کر گیا ہے۔

ایک عجیب قصہ

(۱) اور حافظ ابونعیم اصبہانی اس طریق سے حضرت ابوامامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا: کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں رسول خدا۔ تو آپ گویا ہوئے۔

خضر علیہ السلام ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جا رہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپکو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی: مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپ کو برکت دے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے دے سکوں تو فقیر نے پھر صدا لگائی: میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپکے پاس برکت پہچان لی خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے لے اور فروخت کر دے مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کر ڈال۔

---

(۱) وقال ابونعيم الاصبهاني حدثنا سليمان بن احمد بن ايوب الطبراني، حدثنا عمرو بن اسحاق بن ابراهيم بن العلاء الحمصي، حدثنا محمد بن الفضل بن عمران الكندي حدثنا بقيته بن الوليد عن محمد بن زياد عن ابي امامة الخ

حضور نے فرمایا: کہ پھر مسکین نے ان کو بازار لے جا کر چار سو درا ہم میں فروخت کر دیا۔ اور آپ خریدار کے پاس ایک زمانہ یونہی بغیر کسی کام کاج کے فارغ رہے تو پھر اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کے لئے ہی خریدا ہوگا تو مجھے کسی کام کا حکم کیجئے مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں کیونکہ آپ سن رسیدہ شیخ اور بزرگ ہیں فرمایا مجھ پر بار نہ ہوگا تو مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کرو۔ حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہ کیا جا سکتا تھا (پتھر کیا تھا پوری چٹان تھی) تو پھر مالک اپنی کسی ضرورت کے لئے باہر نکلا اور واپس آیا تو دیکھا کہ پتھر اپنے ہی وقت میں منتقل ہو چکا تھا مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا اور ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہ تھی پھر مالک کو سفر در پیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کوئی کام سونپتے جاؤ مالک نے پھر کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر مشقت ڈالوں آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہ ہوگی تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کے لئے اینٹیں بناؤ۔

تو آدمی سفر پر چلا گیا آ کر دیکھا تو عمارت تعمیر شدہ پائی تو مالک (مارے تعجب کے) گویا ہوا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے؟ اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟

فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے اور میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہوگا مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو میں اسے دیتا پھر اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اس کو قدرت دی کہ مجھے فروخت کر دے تو اس نے مجھے فروخت کر ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ کچھ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اس کے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی ہڈی حرکت کر سکے گی۔

تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا اے خدا کے پیغمبر میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے پیغمبر میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو اللہ کی مرضی سے حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں اور آپ کا راستہ چھوڑتا ہوں۔

تو آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پسندیدہ ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تا کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اسی نے مجھے اس سے نجات دی اور اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں خطا ہے مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور اس کے راوی ایسے اشخاص ہیں جن کو پہچانا نہیں جاتا واللہ اعلم۔

اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''عجالة المنتظر فی شرح حال الخضر'' میں اس کو عبدالوہاب بن ضحاک کے طریق سے نقل کیا ہے اور وہ بقیہ سے متروک ہے۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ خضر اور الیاس علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور دونوں کے والد مکرم بادشاہ تھے۔

ایک مرتبہ الیاس نے والد کو کہا کہ میرا بھائی خضر بادشاہی میں کوئی رغبت نہیں رکھتا لہٰذا اگر آپ ان کی شادی کر دیں تو شاید اس کی کوئی اولاد ایسی ہو جائے جو سلطنت کے امور کی محافظ بن سکے اور بادشاہی کا تاج پہن سکے۔ تو بادشاہ نے اپنے بیٹے خضر علیہ السلام کی شادی کر دی لڑکی بھی حسین اور کنواری تھی۔ تو خضر علیہ السلام نے اس کو کہا کہ مجھے عورتوں کی حاجت نہیں ہے پس اگر تو چاہے تو میں تیرا راستہ چھوڑ دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو میرے ساتھ رہ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہ اور میرے راز پر پردہ پوشی کرتی رہنا۔ تو لڑکی نے کہا ٹھیک ہے اور پھر اس کے ساتھ رہنے لگی۔ حتیٰ کہ ایک سال کامل بیت گیا۔

پھر بادشاہ نے لڑکی کو بلایا اور کہا کہ تو بھی نوجوان اور عنفوان شباب پر ہے اور میرا لڑکا بھی جوان ہے تو پھر اولاد کہاں؟ لڑکی نے عرض کیا اولاد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اگر وہ چاہے تو ہو جائے اور اگر نہ چاہے تو نہ ہو۔

بادشاہ نے اپنے لڑکے خضر کو حکم دیا کہ اس بیوی کو طلاق دیدے۔ تو خضر نے طلاق دیدی۔ پھر والد نے دوسری ایسی عورت سے شادی کروادی جس سے پہلے اولاد بھی ہو چکی تھی۔

تو خضر علیہ السلام نے جب اس کے ساتھ رات بسر کی تو اس کو بھی وہی باتیں کہیں جو پہلی کو کہیں تھیں۔ اور اس نے بھی پہلی کی طرح ان کے پاس ٹھہرنے کی خواہش کو مقدم رکھا پھر سال بیت گیا اور بادشاہ نے عورت سے اولاد کے متعلق سوال کیا تو عورت نے کہا کہ آپ کے لڑکے کو عورتوں کی طرف خواہش و رغبت نہیں۔ تو والد نے خضر علیہ السلام کو طلب کیا تو آپ بھاگ گئے پھر لوگوں کو ان کے پیچھے دوڑایا لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دوسری عورت کو راز فاش کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تھا اور اس وجہ سے بھاگے۔ اور پہلی کو طلاق دے کر خلاصی دیدی۔

پھر یہ عورت جس کو طلاق مل چکی تھی اسی شہر کے مضافات میں رہ کر عبادت خداوندی میں مصروف رہنے لگی ایک مرتبہ اس کے پاس سے ایک شخص کا گذر ہوا لڑکی نے اس شخص سے شادی کر لی اور پھر دونوں کو اللہ نے اولاد سے بھی نواز دیا پھر قدرت سے عورت فرعون کی لڑکی کی ملازمہ بن گئی اور اس کے بالوں میں کنگھی کرنے کی خدمت سپرد ہوئی۔

ایک مرتبہ یہ کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گری تو زبان سے بسم اللہ نکل گیا۔ فرعون کی بیٹی فوراً بولی کیا میرے والد؟ فرمایا نہیں میرا رب اور تیرا رب اور تیرے باپ کا رب بھی اللہ ہی ہے۔

تو لڑکی نے فرعون باپ کو اطلاع پہنچادی۔ فرعون نے حکم جاری کیا اور پیتل کی بھڑکتی آگ تیار کروائی گئی اور اس میں مسلمان عورت کو کود جانے کا حکم ملا۔

عورت نے جب آگ کی وحشت ناکی دیکھی تو گھبرا اٹھی لیکن خدا کی قدرت کہ چھوٹا دودھ پیتا بچہ بول اٹھا اماں جان صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں تو پھر عورت نے اپنے وجود کو فوراً آگ کے حوالے کر دیا اور وفات پاگئی رحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داؤد اعمیٰ نفیع سے روایت کیا ہے (اور یہ شخص کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا ہے) اس نے انس بن مالک سے روایت کی۔ اور اسی طرح کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف (اور یہ بھی کذاب ہے) نے اپنے باپ اور باپ نے دادا کے طریق سے روایت کی ہے کہ کسی شب حضرت خضر تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا اے اللہ مجھے اس چیز پر مدد و قوت دے جو مجھے اس سے بچالے جس سے تو نے مجھے خوفزدہ فرما رکھا ہے (یعنی عذاب سے) اور مجھے صالحین کا وہ شوق عطا فرمایئے جو شوق آپ نے ان کو عطا کر رکھا ہے۔

تو حضور ﷺ نے انس بن مالک کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا اور سلام جواب ہوا پھر خضر نے کہلوایا کہ آپ کو اللہ نے انبیاء پر یوں ہی فضیلت عطا فرمائی ہے جس طرح ماہ رمضان کو تمام مہینوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور آپکی امت کو بھی دیگر امتوں پر یوں ہی فضیلت بخش دی گئی جس طرح یوم الجمعۃ کو دیگر ایام پر فضیلت بخش دی گئی۔

اور یہ حدیث متن (یعنی اصل حدیث) اور سند دونوں کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان طالب علم بن کر تو آئے لیکن حضور اکرم ﷺ کے سامنے صورت ظاہر نہ کرے۔

اور اہل کتاب اپنی کتب میں اپنے بعض مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ان کے پاس آتے جاتے تھے اور سلام کرتے تھے اور ان کے گھروں اور محلوں کے نام بھی جانتے تھے۔ اور عجیب بات ہے کہ وہ اس سب کے باوجود موسیٰ بن عمران کلیم اللہ کو نہ جانتے تھے۔ جن کو اللہ نے اس وقت تمام لوگوں پر فضیلت کے ساتھ چن لیا تھا۔

حتی کہ حضرت موسیٰ کو اپنا تعارف کروانا پڑا کہ وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ ہیں۔

اور حافظ ابوالحسن بن منادی نے اس مذکورہ حدیث کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اہل حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث منکر الاسناد اور سقیم المتن ہے۔ جس میں من گھڑت ہونے کا اثر ظاہر ہے۔

حدیث تعزیت رسول اکرم ﷺ

حافظ ابوبکر بیہقی نے یوں فرماتے ہوئے حدیث روایت کی کہ ہمیں خبر دی ابوعبداللہ الحافظ نے کہ ہمیں خبر دی ابوبکر بن بالویہ نے کہ ہمیں محمد بن بشر بن مطر نے بیان کیا کہ ہمیں کامل بن طلحہ نے بیان کیا کہ ہمیں عباد بن عبدالصمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا۔

جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ نے آپکو گھیرے میں لے لیا اور آہ وزاری میں مصروف ہو گئے اتنے میں ایک شخص چمکتی داڑھی بھرے ہوئے جسم والے خوبصورت شکل والے آئے اور اصحاب کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے اور وہ بھی آہ وزاری میں مصروف ہو گئے پھر اصحاب رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بے شک اللہ کی رضا میں ہے ہر مصیبت سے صبر کرنے والا اور اللہ کے ہاں ہر فوت شدہ چیز کا ثمرہ اور بدلہ ہے، اور ہر جانے والے کے بدلے دوسرا ہے پس اللہ کی طرف رجوع کرو اور اسی کی طرف رغبت کرو اور اللہ نے تمہاری طرف مصیبت کے متعلق نظر رحمت فرمائی ہے پس تم بھی اسی کی طرف نظر کرو بے شک مصیبت زدہ تو وہ ہوتا ہے جسکا نقصان پورا نہ ہو۔اور پھر وہ شخص چلا گیا۔

آپس میں اصحاب کہنے لگے کیا تم اس کو جانتے ہو؟ کون تھا؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں وہ رسول اکرم ﷺ کے بھائی خضر علیہ السلام تھے۔

اس حدیث کو ابوبکر بن ابی الدنیا نے کامل بن طلحہ سے روایت کیا ہے اور اس کے مضمون حدیث میں بیہقی والے (گذشتہ) متن کی مخالفت ہے۔

پھر امام بیہقی جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسکا راوی عباد بن عبدالصمد ضعیف ہے لہذا یہ ایک مرتبہ منکر ہوئی۔اور بندہ کہتا ہے کہ عباد بن عبدالصمد یہ ابن معمر بصری ہی ہے جس نے انس رضی اللہ عنہ سے ایک نسخہ نقل کیا ہے۔ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نسخہ کی اکثر حدیثیں من گھڑت ہیں اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے اور ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بہت ہی کمزور حدیث والا اور منکر شخص ہے اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی عام طور پر احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہیں اور یہ ضعیف ہے اور غالی شیعہ ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں فرماتے ہیں کہ ہمیں قاسم بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ جعفر بن محمد سے مروی ہے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن الحسین سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی اور تعزیت کرنے والوں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ بے شک اللہ کی رضا میں ہے ہر مصیبت سے صبر کرنے والا اور ہر جانے والے کے پیچھے خلیفہ ہے اور ہر فوت شدہ چیز کا بدل ہے پس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی کی طرف رجوع کرو بے شک مصیبت زدہ تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔علی بن الحسین نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

اس میں حضرت شافعی کے شیخ قاسم عمری متروک ہیں۔احمد بن حنبل اور یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص قاسم جھوٹا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اضافہ فرمایا کہ حدیث بھی وضع کرتا ہے۔پھر یہ حدیث ہے بھی مرسل یعنی فقط تابعی پر ختم ہے۔اور یہاں اس جیسی حدیث پر بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔واللہ اعلم۔

اور ایک دوسرے ضعیف طریق سے بھی اس کو روایت فرمایا ہے یعنی جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے اور دادا اپنے والد سے وہ علی سے روایت کرتے ہیں۔اور یہ طریق بھی صحیح نہیں ہے۔

اور عبداللہ بن وہب اپنے حدیث بیان کرنے والے سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عجلان سے مروی ہے کہ محمد بن المنکدر سے مروی ہے کہ اس دوران کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جنازہ پر نماز ادا فرمار ہے تھے کہ کسی غیبی آواز دینے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا۔

ہم سے آگے نہ بڑھ اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکا انتظار فرمایا حتیٰ کہ وہ صف میں لاحق ہو گیا۔ پھر اس نے میت کے لئے دعا فرمائی۔

اے اللہ اگر آپ اس کو عذاب کریں تو تیرے بہت سے بندے گناہگار ہیں اور اگر تو اس کو بخشش دے تو تیری رحمت کا فقیر ہے۔

اور جب آپ دفن کر دیئے گئے تو وہی شخص کہنے لگا: اے صاحب قبر تجھ کو خوشخبری ہو کہ آپ نہ نجومی یا کاہن تھے اور نہ مال جمع کرنے والے تھے اور نہ خزانچی تھے اور نہ کاتب تھے اور نہ راشی تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کو پکڑ لو تا کہ ہم اس سے اس کی نماز اور اس کے کلام کے متعلق پوچھ گچھ کر لیں کہ وہ ہے کون؟ محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا پھر لوگوں نے دیکھا تو اسکا نشان قدم ایک ہاتھ جتنا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اللہ کی قسم یہ حضرت علیہ السلام خضر علیہ السلام تھے جو ہمیں رسول اکرم ﷺ کے متعلق بتا رہے تھے۔ اور یہ منقطع ہے، حدیث صحیح نہیں اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ثوری سے اور ثوری نے عبداللہ بن المحرز سے اور عبداللہ نے یزید بن الاصم سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات طواف کی غرض سے مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص کعبے کا غلاف تھامے کہہ رہا تھا۔

اے وہ ذات جس کو کسی کا سننا دوسرے کے سننے سے نہیں روکتا (کیونکہ وہ بیک وقت تمام کی آوازیں بخوبی سنتا ہے۔ اور اے جسکو (مختلف سوال و) مسائل غلطی میں نہیں ڈالتے اور اے وہ ذات جس کو اصرار اور الحاح وزاری کرنے والوں کی الحاح واصرار اکتاہٹ میں نہیں ڈالتی۔ اور نہ سائلین کا سوال اس کو اکتاہٹ میں ڈالتا ہے۔

مجھے اپنے عفو ودرگذر کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی حلاوت عطا کر۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کو کہا کہ جو تو نے دعا کی ہے وہ دوبارہ مجھے سنا تو اس نے مجھ سے پوچھا کیا آپ سن رہے تھے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو اس نے مجھے کہا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں خضر کی جان ہے۔ (یعنی وہ خضر تھے)۔

کہ جو شخص بھی فرض نماز کے بعد ان الفاظ کو کہے تو ضرور اس کی مغفرت کر دی جائے اگر چہ وہ گناہ سمندر کی جھاگوں کے برابر ہوں اور درختوں کے پتوں اور ستاروں کے شمار کے برابر ہوں تو بھی اللہ ان تمام گناہوں کو بخش دیں گے۔

دعا کے عربی الفاظ درج ذیل ہیں:

یامن لایمنعه سمع عن سمع، ویامن لا تغلطه المسائل، ویامن لایبرمه الحاح الملحین ولا مسألة السائلین ارزقنی برد عفوک وحلاوة رحمتک

اور یہ عبداللہ بن المحرز کی جہت سے ضعیف ہے کیونکہ وہ متروک الحدیث ہے اور یزید بن الاصم نے علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا اور ایسی روایت صحیح قرار نہیں دی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

اور اس کو ابو اسماعیل ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہمیں صالح بن ابی الاسود نے محفوظ بن عبداللہ الحضرمی سے روایت کی کہ محمد بن یحیٰ سے مروی ہے کہ اس دوران کہ حضرت علی بن ابی طالب کعبہ کا طواف فرما رہے تھے کہ ایک شخص کعبے کے پردے کو پکڑے یوں کہہ رہا تھا۔

یامن لایشغله سمع عن سمع، ویا من لایغلطه السائلون ویا من لایتبرم بالحاح الملحین ارزقنی برد عفوک وحلاوة رحمتک

(اس کا ترجمہ پہلے گذر چکا)۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا اے اللہ کے بندے اپنی دعا مجھے دوبارہ سنا دے تو اس نے پوچھا کیا آپ نے سنا ہے؟ فرمایا جی ہاں تو اس شخص نے کہا ہر نماز کے بعد اس کو پڑھا کر پس قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں خضر کی جان ہے اگر تجھ پر گناہ آسمان کے تاروں کے برابر اور آسمان کی بارش کے برابر اور زمین کے کنکر اور اس کی مٹی کے برابر ہوں تو پلک جھپکنے سے بھی پہلے اللہ تیری مغفرت فرما دے گا۔

یہ روایت بھی منقطع ہے اور اس کی اسناد میں غیر معروف راوی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اس کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے۔۔۔۔ابی بکر بن ابی الدنیا نے

طریق سے نقل کیا ہے کہ ہمیں یعقوب بن یوسف نے بیان کیا کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے بیان کیا اور پھر اس روایت کے مثل الفاظ ذکر کئے۔ پھر علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اسناد مجہول اور منقطع ہے اور اس میں ایسی کوئی بات بھی نہیں جو اس شخص کے خضر علیہ السلام ہونے پر دلالت کر سکے۔

اور حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے فرمایا ہمیں ابوالقاسم بن الحصین نے خبر دی کہ ہمیں ابوطالب محمد بن محمد نے خبر دی کہ ہمیں ابواسحاق المزکی نے خبر دی کہ ہمیں محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے بیان کیا کہ محمد بن احمد بن یزید نے یہ حدیث بیان کی ،اور اس کو انہوں نے ہم پر املا کروایا عبادان کے ساتھ کہ ہمیں عمرو بن عاصم نے خبر دی کہ ہمیں حسن بن رزین نے انہوں نے عطاء سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں اس کو حضور اکرم ﷺ تک مرفوع ہی جانتا ہوں کہ آپ نے فرمایا خضر اور الیاس علیہ السلام ہر سال موسم حج میں ملاقات کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کے سر کا حلق کرتے ہیں (یعنی بال مونڈتے ہیں) اور ان کلمات کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

بسم اللہ ماشاء اللہ، لایسوق الخیر الااللہ، ماشاء اللہ لایصرف الشر الااللہ ماشاء اللہ، ماکان من نعمۃ فمن اللہ، ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

راوی کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو صبح وشام تین تین مرتبہ کہہ لے تو وہ غرق ہو جانے جل جانے اور مال چوری ہو جانے سے محفوظ ہوگا اور راوی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا اور شیطان اور بادشاہ (کے ظلم) اور سانپ اور بچھو کے ڈنگ سے بھی محفوظ رہے گا۔

الدارقطنی ''افراد'' میں کہتے ہیں کہ ابن جریج کی یہ حدیث غریب ہے اس کو اس شیخ یعنی حسن بن رزین کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا اور محمد ابن کثیر العبدی سے بھی مروی ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابواحمد بن عدی کہتے ہیں کہ یہ معروف نہیں ہے۔ اور حافظ ابوجعفر عقیلی کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ اور ابوالحسن بن المنادی کہتے ہیں کہ یہ حسن بن رزین کی عجیب حدیث ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مثل اس طریق سے بھی نقل کیا ہے کہ علی بن حسن الجھضمی۔ جو کذاب حدیث ہے۔ ضمرہ بن حبیب المقدسی سے اور ضمرہ اپنے والد سے وہ علاء بن زیاد القشیری سے اور علاء عبداللہ بن الحسن سے وہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہر عرفہ کے روز میدان عرفات میں جبرئیل میکائیل، اسرفیل اور خضر علیہ السلام اکٹھے ہوتے ہیں اور آگے موضوع حدیث جو طویل ہے ذکر کی ہے جسکو ہم نے قصداً ترک کر دیا ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس...... طریق سے نقل کیا ہے کہ الیاس اور خضر علیہ السلام رمضان کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔ اور ہر سال حج کرتے ہیں اور پھر آب زم زم کا ایک مرتبہ پانی پی لیتے ہیں پھر آئندہ سال اس دن میں پیتے ہیں۔

(1) ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ولید بن عبدالملک بن مروان جو بانی جامع مسجد دمشق ہیں۔ انہوں نے ایک رات خواہش کی کہ اس مسجد میں عبادت گذاری کریں۔ تو ولید نے حکم دیا کہ مسجد کو اس کے لئے اس رات خالی کروا دیا جائے تو مسجد خالی کروا دی گئی جب رات شروع ہوئی تو ولید جامع مسجد میں داخل ہو گیا۔ تو دیکھا کہ ایک شخص اس کے اور باب الخضراء کے درمیان کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو ولید نے متولیوں کو کہا: کیا میں نے نہ کہا تھا کہ مسجد کو بالکل میرے لئے خالی کروا دو۔

تو وہ کہنے لگے اے امیر المومنین یہ خضر علیہ السلام ہیں جو ہر رات آ کر یہاں عبادت کرتے ہیں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے (۲) کہ رباح بن عبیدہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے ساتھ انپر ٹیک لگائے ہوئے چل رہے ہیں پھر میں نے خیال کیا کہ یہ شخص تو ننگے پاوں ہے پھر نماز پڑھ کر لوٹنے لگے تو میں نے پوچھا کہ جو ابھی

---

(۱) روی ابن عساکر من طریق ھشام بن خالد عن الحسنی بن یحییٰ الخشنی عن ابن ابی داؤد قال.....

(۲) انبانا ابو القاسم بن اسماعیل بن احمد، ابنا نا ابو بکر ابن الطبری، انبانا ابو الحسین بن الفضل انبانا عبداللہ بن جعفر . حدثنا یعقوب . ھو ابن سفیان الفسوی . حدثنی محمد بن عبدالعزیز، حدثنا ضمرہ عن السری بن یحیی، عن رباح بن عبیدۃ قال:

آپ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے آرہا تھا وہ کون تھا؟ کہا کیا اے رباح تو نے اس شخص کو دیکھا ہے؟
میں نے عرض کیا جی ہاں تو فرمایا پھر میں تجھے نیک شخص خیال کرتا ہوں۔ وہ میرے بھائی خضر علیہ السلام تھے جو مجھے خوشخبری دے رہے تھے کہ میں برگزیدہ اور عدل والا ہوں۔
شیخ ابوالفرج بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رملی پر علماء کے ہاں جرح کی گئی ہے۔ اور ابوالحسن بن المنادی نے ضمرۃ اور سری اور رباح کے بارے میں جرح وقدح فرمائی ہے۔ پھر دوسرے طریق سے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ خضر کے ساتھ جمع ہوئے ہیں اور تمام طرق ضعیف ہیں۔
اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے خضر علیہ السلام کے ابراہیم تیمی۔ سفیان بن عینیہ اور ایک جماعت کے ساتھ جمع ہونے کا ذکر کیا ہے جنکا ذکر طویل ہے۔
اور یہ تمام روایات وحکایات عمدہ دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو حضرت خضر علیہ السلام کی ابتک حیات کے قائل ہیں۔ لیکن یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں انتہائی کمزور ہیں جن سے دین میں دلیل وحجت قائم نہیں ہوسکتی۔ اور حکایات میں سے اکثر ضعف اسناد کے ساتھ ہیں۔ اور مختصر یہ ہے کہ اگر کسی صحابی وغیرہ کی طرف صحیح روایت منسوب بھی ہو پھر بھی صحابی وغیرہ معصوم نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے خطا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔
اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں..... کہ ابوسعید نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ کہ دجال آئے گا (اور اس پر مدینے میں داخل ہونا حرام ہے) تو ایک شخص جو لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا وہ اس کی طرف آئے گا اور دجال کو کہے گا کہ تو وہی دجال ہے جسکے متعلق ہمیں رسول اکرم ﷺ بیان کرچکے ہیں۔ تو دجال کہے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ:
اگر میں اس شخص کو قتل کردوں پھر دوبارہ زندہ کردوں تو کیا پھر بھی تم میرے معاملے میں شک کروگے؟
لوگوں نے کہا نہیں۔ تو وہ اس شخص کو قتل کردے گا پھر اس کو زندہ کرے گا۔ پھر وہ زندہ ہوگا تو کہے گا اللہ کی قسم اب میں پہلے سے بہت زیادہ اچھی طرح تجھ کو جان گیا (کہ تو واقعی دجال ہے اور کچھ نہیں) تو دجال دوبارہ قتل کا ارادہ کرے گا مگر پھر اس کے قتل پر قادر ومسلط نہ ہوسکے گا۔
معمر راوی کہتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ دجال کی گردن پر ایک تانبے کی پلیٹ لگی ہوگی۔ اور یہ کہ وہ شخص جسکو دجال نے زندہ کیا پھر دوبارہ اس کے قتل پر قادر نہ ہوسکا تو یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔
اور یہ حدیث صحیحین میں زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے تخریج شدہ ہے۔
اور ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الراوی، مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ یہ شخص خضر علیہ السلام تھے، اور معمر وغیرہ کا یہ کہنا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے یہ کوئی حجت ودلیل نہیں ہے۔ خواہ حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں پھر دجال ایک بھرپور جوان شخص کے پاس آئے گا اور اس کو قتل کرڈالے گا۔ اور اسی طرح آخری راوی کا یہ قول کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے بیان کیا۔ یہ مشافہ یعنی روبرو ہونے کو لازم نہیں ہے بلکہ تواتر کے لئے کافی ہے۔
اور شیخ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''عجالة المنتظر فی شرح حالة الخضر'' میں خضر علیہ السلام کے متعلق ایسی احادیث جو مرفوعات منقول ہیں ان کے موضوع یعنی من گھڑت ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور جو صحابہ وتابعین رحمۃ اللہ علیہ سے آثار منقول ہیں تو ان کی اسانید میں صاف ضعف ہے یا تو رجال کی جہالت کی وجہ سے یا رجال کی حالت کی جہالت کی وجہ سے۔ اور ان کے متعلق اچھی تنقید بھی کی گئی ہے۔
اور کئی حضرات حضرت خضر علیہ السلام کے انتقال ہوجانے کا خیال رکھتے ہیں۔ جن میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم حربی، ابوالحسن بن المنادی، شیخ ابوالفرج ابن جوزی۔ رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک کتاب بھی تالیف فرمائی ہے جس کا نام (عجالة المنتظر فی شرح حالة الخضر علیه السلام) ہے۔
اور ان حضرات نے کئی دلائل اس پر قائم فرمائے ہیں جو ان کی وفات پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً فرمان الٰہی ہے ''وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد'' اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشگی مقرر نہیں کی۔ لہٰذا اگر خضر علیہ السلام بشر ہیں تو اس عام حکم میں ضرور داخل ہیں۔ اور ان کی

تخصیص کسی صحیح حدیث کے بغیر صحیح نہیں۔ اور اصل یہی ہے کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں اگر ثابت ہو تو پھر دوسری بات ہے۔ اور یقیناً ایسی کوئی روایت وحدیث کسی معصوم (یعنی نبی ﷺ) سے منقول نہیں ہے جسکا قبول کرنا واجب ہو۔

اور یہ فرمان باری بھی اس میں معاون ہے۔

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آجائے جو تمہارے ساتھ (موجود کتاب وشریعت) کی تصدیق کرے تو تم اسپر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر اپنا عہد دیا؟ تو کہنے لگے ہم اقرار کرتے ہیں تو فرمایا کہ پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ (۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ نے جس کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو ضرور اس سے عہد لیا ہے کہ اگر وہ زندہ ہو اور اس کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہوئے ہوں تو وہ اسپر ضرور ایمان لائے اور ان کی مدد کرے۔ اور وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد لے کہ اگر محمد ﷺ ان کی زندگی میں تشریف لے آئے تو سب کو تیرا ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنا ہوگی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت فرمایا ہے۔

اگر خضر علیہ السلام پیغمبر یا ولی ہوتے تو اس عہد کے تحت ضرور داخل ہوتے۔ اور اگر وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کی سب سے بڑی عظمت وشرافت یہ تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کے پاس وقت گذارتے اور آپ پر ایمان لاتے اور مدد کرتے اور دشمنوں سے آپکی حفاظت کرتے۔ کیونکہ اگر وہ ولی ہیں تو صدیق ان سے افضل ہیں اور اگر نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں۔

اور امام احمد اپنی مسند میں فرماتے ہیں..... کہ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے سوا چارہ کار نہ ہوتا۔

یہ حدیث قطعی طور پر مذکورہ مقصد کا فائدہ پہنچاتی ہے جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس پر گذشتہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر تمام انبیاء بھی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زندہ فرض کر لیئے جائیں تو سب کو آپکی اتباع کرنا ضروری ہے اور آپکے احکام اور آپکی شریعت مطہرہ ان سب پر فرض ہوگی۔

اور اسی طرح جب معراج کی رات آئی تو حضور اکرم ﷺ کو سب کے سروں سے اوپر اٹھا لیا گیا اور جب آپکو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ نیچے اتارا گیا اور بیت المقدس میں لے جایا گیا تو نماز کا وقت قریب ہو گیا اور انبیاء کی صفیں قائم ہو گئیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضور اکرم ﷺ کو ہاتھ پکڑ کر آگے فرمادیا کہ آپ تمام انبیاء کی امامت کروائیں۔ تو حضور نے ولیوں کے مقام پر سب کو نماز پڑھائی جس سے معلوم ہوا کہ آپ سب سے بڑے امام ہیں یعنی امام اعظم۔

اور رسول خاتم کی عظمت وشرافت کی بناء پر ان کو مقدم کیا گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور معراج ہر مومن کو معلوم ہے اور جب یہ بات ہے تو ضروری طور پر معلوم ہوا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ امت محمدیہ ﷺ سے ہوتے اور آپکی شریعت کی اقتداء فرماتے۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں نازل ہونگے تو وہ بھی اسی شریعت مطہرہ کے مطابق حکم فرمائیں گے اور اس سے نہ نکلیں گے اور نہ اس کے بغیر ان کو بھی چارہ کار ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ بڑے اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں اور بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں۔ اور کسی صحیح نہ کسی حسن حدیث میں منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی جمع ہوئے ہوں۔ اور نہ کسی جنگ میں آپکے ساتھ شرکت کی اور یوم بدر کو صادق مصدوق ﷺ اپنے رب عزوجل سے دعا گو ہوتے ہیں اور مدد وفتح طلب کرتے ہیں اور کافرین کی شکست مانگتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ اس جماعت کو ہلاک ہونے دیں گے تو اس کے بعد روئے زمین پر آپکی عبادت نہ کی جائے گی۔

اور اس جماعت میں مسلمانوں کے سردار اور ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام تک دونوں شامل تھے جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے بدر کے متعلق قصیدے میں فرمایا۔

---

(۱) آل عمران ۸۱

وبمثر بدر اذیرد و جو هم جبریل تحت لوائنا ومحمد

اور مقام بدر میں جب کافروں کے چہروں کو جبرئیل اور محمد ﷺ دفع فرما رہے تھے اور جبرئیل علیہ السلام بھی ہمارے جھنڈے تلے تھے۔

تو اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ وحیات ہوتے تو اس دن انکا اس جھنڈے تلے آنا تمام مقامات اور غزوات سے بڑھ کر ہوتا۔

قاضی ابویعلی محمد بن الحسین بن الفراء الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے کسی ساتھی سے خضر علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ مر گئے؟ تو فرمایا جی ہاں۔ اور پھر خود فرمایا ابوطاہر بن الغباری سے بھی اسی بات کے مثل خبر پہنچی ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں، اور فرمایا کہ اگر آپ علیہ السلام زندہ ہوتے تو حضور اکرم ﷺ کے پاس ضرور تشریف لاتے۔ ابن جوزی نے عجالہ میں اس کو نقل فرمایا لیکن اگر اشکال وشبہ کیا جائے کہ یہ ان تمام مقامات پر حاضر باش تھے لیکن کوئی ان کو دیکھ نہ سکا۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ اصل یہ کہ ان احتمالات کو نظر انداز کر دیا جائے جس سے عام روایات قرآنیہ وغیرہ کو خاص کرنا لازم آتا ہے اور یہ بھی محض تو ہمات کی بات ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اور پھر ان کے خفیہ رہنے پر کیا شی ابھارتی ہے اور اکساتی ہے؟ بالفرض اگر آپ کے بعد زندہ ہوتے تو انکا اہم ترین منصب یہی تھا کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن وحدیث کو نقل کر کے آگے پہنچانے کا اہم فریضہ بجالاتے۔ اور جو احادیث جھوٹی مشہور ہیں اور تبدیل شدہ روایتیں اور آراء ونظریات ہیں ان کی تردید فرماتے اور بدعت ومعصیت سے لوگوں کو روکتے۔ اور جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ ملکر قتال کرتے۔ اور جمعوں اور جماعتوں میں مسلمانوں کے ساتھ حاضر ہوتے اور مسلمانوں کو نفع رسانی اور کافروں کے ضرر سے ان کو بچانے کی کوشش کرتے۔ اور علماء اور حکام کو درست راہ پر گامزن کرتے اور ادلہ واحکام کو محکم کرتے۔

ہونا تو یہ کچھ چاہئے تھا مگر ان کے متعلق مشہور یہ کیا جاتا ہے کہ ان کے لئے شہروں سے چھپا رہنا اور جنگلوں اور دور دراز وادیوں میں بسیرا انکا کام ہے اور اگر ملاقات کرنی ہے تو ایسے لوگوں سے جن میں سے اکثر کے احوال عوام پر مخفی ہیں۔ اور حضرت خضر ان کے لئے نگہبان اور ان کے حالات کو بیان کرنے والے ہیں۔

اور یہ اعتدال کی گفتگو جو ہم نے آپ کے سامنے عرض کی سمجھ آجائے تو کوئی اس میں توقف نہ کرے گا بلکہ یقین کے ظرف میں جگہ دیجئے گا۔ اور تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے راہ یاب فرماتا ہے۔

اور ہماری بات کی دلیل وہ بھی ہے جو صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی پھر فرمایا۔ کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی؟ بے شک جو شخص بھی آج روئے زمین پر باقی ہے (زندگی کے سانس لے رہا ہے ان میں سے) سو سال تک کوئی بھی ایک زندہ نہ رہے گا۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ ایک پلک جھپکنے کے برابر نہ رہ سکے گا۔ تو یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین گھبرا گئے کہ آپ نے اپنے زمانے کے ختم ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

(۱) اور مسند احمد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری حصے میں ایک رات عشاء کی نماز ادا فرمائی تو پھر فرمایا تمہارا اس رات کے متعلق کیا خیال ہے؟ بے شک سو سال کے بعد کوئی شخص باقی نہیں رہتا ان میں سے جو بھی زمین پر بستے ہوں۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم نے بھی زہری کی حدیث سے فرمائی ہے۔

(۲) مسند احمد میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل یا ایک مہینہ قبل فرمایا: کہ کوئی سانس لینے والا نفس۔ یا فرمایا کہ تم میں سے جو بھی آج سانس لے رہا ہے اس پر سو سال نہیں گذر سکتے مگر وہ اس وقت مردہ ہوگا۔

(۳) اور مسند احمد ہی میں دوسرے طریق سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے (اپنی وفات سے ایک مہینہ

---

(۱) قال الامام احمد حدثنا عبد الرزاق، انبانا معمر عن الزهری قال: اخبرنی سالم بن عبدالله وابو بکر بن سلمان بن ابی حثمه ان عبدالله بن عمر

(۲) وقال الامام احمد: حدثنا محمد بن ابی عدی، عن سلیمان التیمی، عن ابی نضرة، عن جابر بن عبدالله قال

(۳) وقال احمد: حدثنا موسیٰ بن داود حدثنا ابن لهیعة، عن ابی الزبیر، عن جابر......

قبل) فرمایا۔

لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں جبکہ اسکا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ آج کوئی روئے زمین پر سانس لینے والا موجود نہیں جسپر سو سال گذر جائیں (اور وہ زندہ ہو۔)[1]

اور ترمذی میں[2] بھی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا روئے زمین پر کوئی نفس سانس لینے والا ایسا نہیں ہے جس پر سو سال گذر سکیں۔ یہ حدیث بھی مسلم کی شرط پر ہے۔ تو علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث صحیحہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے دعویٰ کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں تو علماء فرماتے ہیں کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام نے حضور ﷺ کی زندگی کو نہ پایا جو قوی اور تقریباً یقینی بات ہے تو کوئی اشکال نہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور کے زمانے کو پایا تھا تو یہ اس قدر کثیر مذکورہ احادیث تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اب زندہ نہ ہوں۔ تو لہٰذا اب وہ مفقود ہیں نہ کہ موجود۔ کیونکہ وہ احادیث کے عام حکم میں داخل ہیں۔ اور اب تک کوئی صحیح حدیث ایسی ثابت نہیں ہوئی جو اس عام حکم میں تخصیص کرے۔

اور اسکا قبول کرنا واجب ہو۔ واللہ اعلم۔

اور حافظ ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب "التعریف والاعلام" میں امام بخاری اور ان کے شیخ ابوبکر العربی سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ پائی ہے لیکن ان احادیث کی رو سے اس کے بعد وفات پا چکے ہیں۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں نظر ہے کہ وہ حضور کے زمانے تک بھی موجود رہے ہیں۔

جبکہ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو بڑھ کر ان کی اب تک بقاء کو ترجیح دی ہے اور اکثر لوگوں سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ ان کے جمع ہونے کو ذکر کیا ہے اور آپکی وفات کے بعد تعزیت کا بھی ذکر کیا ہے اور تعزیت والی احادیث، صحاح کے طریق سے نقل کی ہیں۔ لیکن ان کی اسنادیں ذکر نہیں فرمائیں اور اسنادیں ہی میں ہم پہلے ضعف کو ثابت کر آئے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) وهكذا رواه مسلم من طريق ابى نضرة وابى الزبير: كل منهما: عن جابر بن عبدالله به نحوه

(۲) وقال الترمذى حدثنا عباد، حدثنا ابو معاوية، عن الاعمش عن ابى سفيان، عن جابر

حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ مبارک

اللہ عزوجل سورۃ صافات میں موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں

وان الیاس لمن المرسلین (الصافات:۱۲۳تا۱۳۲)

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو؟) اور سب سے بہتر پیدا فرمانے والے کو چھوڑتے ہو؟ خدا کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا پس وہ (دوزخ میں) حاضر کیے جائیں گے۔ صرف خدا کے بندگان خاص (جو موحد رہے جتلائے عذاب نہ ہونگے) اور ہم نے انکا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔ کہ الیاسین پر سلام ہو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

علماء نسب فرماتے ہیں کہ یہ الیاس نشبی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انکا نسب نامہ یوں ہے ابن یاسین بن فنحاص بن العیزار بن ہارون اور ایک قول یہ ہے الیاس بن العاذر بن العیزار بن ہارون بن عمران۔

علماء نے فرمایا ہے کہ ان کو اہل بعلبک کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور بعلبک دمشق کے غربی جہت کا ایک شہر ہے۔ تو اللہ کے پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ اپنے بتوں کی عبادت ترک کردیں اور انکا بت بعل نامی تھا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ ایک عورت تھی جسکا نام بعل تھا۔ واللہ اعلم۔

اور پہلا قول صحیح ہے کہ یہ انکا بت تھا۔ جیسے فرمان الٰہی ہے: کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو (یعنی) اللہ جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباء کا رب ہے۔)

بہرحال کافروں نے آپکی تکذیب کی اور مخالفت کی حتیٰ کہ آپکے قتل کی ٹھان بیٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر آپ بھاگے اور چھپ گئے [1] اور حضرت کعب احبار سے منقول ہے کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ گئے تھے اور جا کر ایک غار میں جو زیر زمین تھا اس کے اندر رہے۔ اور دس سال کا عرصہ روپوشی میں بسر کردیا۔ پھر اللہ نے اس بادشاہ کو ہلاک فرمایا اور دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا تو حضرت الیاس علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس کی قوم سے اس وقت ایک خلق عظیم مسلمان ہوگئی صرف دس ہزار باقی رہ گئے پھر سب کو قتل کردیا گیا۔

[2] ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں بیس رات روپوش رہے یا چالیس رات پوشیدہ رہے۔ اور اللہ کی غیبی مخلوق ان کو رزق پہنچاتی تھی۔

اور محمد ابن سعد جو واقدی کے کاتب ہیں نے فرمایا کہ ہمیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے خبر دی کہ ان کے والد نے فرمایا پہلے پیغمبر (حضرت آدم علیہ السلام کے بعد) ادریس علیہ السلام ہیں پھر نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام پھر اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پھر یعقوب علیہ السلام پھر یوسف علیہ السلام پھر لوط علیہ السلام پھر ہود علیہ السلام پھر صالح علیہ السلام پھر شعیب علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام جو عمران کے فرزند تھے پھر ہیں حضرت الیاس علیہ السلام نشبی بن العاذر بن ہارون بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔

---

(۱) قال ابویعقوب الاذرعی، عن یزید بن عبدالصمد، عن هشام بن عمار قال وسمعت من یذكر عن كعب الاحبار ......

(۲) وقال ابن ابی الدنیا حدثنی ابو محمد القاسم بن هاشم، حدثنا عمر بن سعید الدمشقی حدثنا سعید بن عبدالعزیز عن بعض مشیخة دمشق قال ....

اسی طرح انہوں نے فرمایا لیکن ترتیب میں کچھ نظر ہے۔

اور مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب سے نقل کیا ہے کہ چار انبیاء زندہ ہیں دو زمین میں، وہ الیاس اور خضر علیہ السلام ہیں اور دو آسمان میں ادریس اور عیسیٰ علیہ السلام اور ہم پہلے کچھ حضرات کے اقوال اس متعلق بیان کر چکے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ماہ رمضان میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ہر سال حج کرتے ہیں اور اتنا آب زم زم نوش کر لیتے ہیں جوان کو سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور یہ حدیث بھی ذکر ہو چکی ہے کہ وہ میدان عرفات میں ہر سال جمع ہوتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے اور پہلے دلائل سے بات صاف ہوگئی کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں لہذا اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے متعلق ایک گفتگو ذکر فرمائی ہے جو نظر سے خالی نہیں اور زیادہ احتمال یہی ہے کہ وہ اسرائیلی روایت ہے جس کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی صحت بعید ہے واللہ اعلم۔

وہ روایت ملاحظہ فرمائیے۔

کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی جب تکذیب ہوئی اور ان کو لوگ اذیت پہنچانے کے در پے ہو گئے تو انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کو اپنے پاس اٹھا لے۔ تو پھر ان کے پاس ایک جانور بھیجا گیا جسکا رنگ ناری تھا آپ اس پر سوار ہو گئے اور اللہ نے آپکو داڑھی عطا فرما دی اور آپکو نور سے منور فرما دیا اور آپ سے کھانے پینے کی لذت ختم کر دی اور مخلوط الجنس یعنی بشری بھی اور ملکی بھی بنا دیا اسی طرح ارضی بھی سماوی بھی بنا دیا۔

تو یہ روایت محل اشکال و نظر ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت بھی آئی ہے۔

(۱) بیہقی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم ایک جگہ اترے تو وہاں وادی سے ایک شخص کی آواز آ رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

اے اللہ مجھے محمد ﷺ کی امت سے بنا دے جو امت مرحومہ اور مغفورہ ہے اور اس کی توبہ ہو چکی ہے انس کہتے ہیں کہ میں نے وادی میں آواز کی طرف جھانکا تو دیکھا کہ ایک شخص جسکا قد تین سو ہاتھ سے زیادہ تھا وہ موجود ہے اسی نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا میں انس بن مالک رسول ﷺ کا خادم ہوں اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ قریب ہی موجود ہیں تیرا کلام سن رہے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ ان کو جا کر میرا اسلام کہو اور کہو کہ آپکا بھائی الیاس آپکو سلام عرض کر رہا ہے۔ انس کہتے ہیں پھر میں حضور کے پاس آیا تو آپکو ساری خبر دی آپ خود تشریف لائے اور ان سے سلام و معانقہ کیا۔ پھر دونوں بیٹھ کر محو گفتگو ہو گئے۔

الیاس علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ میں سال میں صرف ایک دن کھاتا ہوں اور یہ میرا کھانے پینے کا دن ہے۔ تو آپ اور میں دونوں ساتھ کھانا کھا لیتے ہیں۔ پھر دونوں کے پاس آسمان سے ایک دسترخوان اترا جس پر روٹیاں اور مچھلی اور اجوائن تھی۔ تو دونوں نے کھانا تناول کیا اور مجھے بھی کھلا دیا اور پھر ہم نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان کو الوداع کیا۔ اور میں نے ان کو بادلوں میں آسمان کی طرف جاتے دیکھا۔

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ خود اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث درجہ ضعیف ہے۔

اور بڑا ہی تعجب ہے کہ امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے اس کو اپنی مستدرک میں تخریج فرمایا اور وہ بھی صحیحین پر۔

اور ایسی ہی اشیاء کے ساتھ مستدرک سے استدراک (اعراض) کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث موضوع ہے یعنی من گھڑت ہے اور صحیح احادیث کے کئی اعتبار سے مخالف ہے اور اس کے معنی بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلے صحیحین کے حوالے سے گذر چکا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انکا قد آسمان میں ساٹھ ہاتھ تھا.... پھر مخلوق تب سے اب تک گھٹتی جا رہی ہے اور پھر حدیث میں یہ بھی ہے

(۱) اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ، حدثنی ابو العباس احمد بن سعید المعدانی بخاری، حدثنا عبداللہ بن محمود، حدثنا عبدان بن سنان، حدثنی احمد بن عبداللہ البرقی، حدثنا یزید بن یزید البلوی حدثنا ابو اسحاق الفزاری، عن الاوزاعی عن مکحول، عن انس بن مالک قال......

کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے پاس حضور ﷺ خود تشریف لے گئے اور وہ خود نہیں آئے۔ حالانکہ آپ خاتم الانبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اس میں یہ بھی محل اشکال ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ کھاتے ہیں جبکہ پہلے گذرا کہ اللہ نے ان سے کھانے پینے کی کیفیت کو سلب کر دیا ہے اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ وہ سال میں زمزم کا ایک مرتبہ اتنا پانی نوش کر لیتے ہیں جو آئندہ سال اس دن تک کافی ہو جاتا ہے۔ تو یہ متعارض باتیں ہیں اور سب باطل ہیں جن میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے طریق سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کے ضعف کا اعتراف فرمایا ہے اور یہ آپ کی طرف سے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی حدیث کو ذکر کیا۔ کیونکہ آپ نے یہ اس [1] طریق سے نقل فرمائی ہے کہ ابن الاسقع سے پہلے کی طرح طویل حدیث مذکور ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس اور حضرت حذیفہ بن الیمان کو ان کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے آ کر جواب دیا کہ وہ ہم سے دو یا تین ہاتھ بڑے قد والے ہیں۔ اور (شاید خود آنے) کی قدرت نہ ہونے کی بناء پر معذرت کی۔ اور اسی میں مذکور ہے کہ جب دونوں اکٹھے ہوئے تو دونوں نے جنتی کھانا تناول کیا۔ اور حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چالیس دن میں صرف ایک لقمے پر قناعت کرتا ہوں۔ اور دستر خوان پر روٹی، انگور، کیلے، اور ترکاریاں اور سبزیاں تھیں اور لہسن و پیاز وغیرہ نہ تھے۔ اور اسی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میری ان سے سال کے شروع میں ملاقات طے ہے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ آپ سے جلد ہی ملاقات کرنے والے ہیں تو آپ ان سے ملاقات کے وقت ان کو میرا سلام کہیے گا۔

تو یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اگر دونوں بھائی خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو موجود فرض کر لیا جائے اور حدیث بھی صحیح فرض کر لی جائے تو تب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی ملاقات حضور سے سب سے پہلے نو ہجری میں ہوئی اور یہ شرعاً درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حدیث من گھڑت ہے جس میں شبہ نہیں۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کے متعلق بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں جنکا حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ جمع ہونا منقول ہے۔ اور وہ تمام غیر درست ہیں کیونکہ یا تو ان کی اسناد میں ضعف ہے یا خود منسوب الیہ مجہول ہے۔ اور ایسی روایتوں میں سے سب سے حسن درج ذیل روایت ہے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ [2] ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کے سواد مقام پر تھے تو میں ایک باغ میں دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے داخل ہوا تو میں نے نماز میں **حٰمٓ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول.** کی تلاوت کی ترجمہ حٰم اس کتاب کا اتارا جانا خدائے غالب و دانا کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا صاحب کرم ہے۔ [3]

اتنی تلاوت کی تھی کہ ایک شخص چمکتے خچر پر نمودار ہوا اس پر چادر کے ٹکڑوں کا لباس تھا۔ تو اس نے مجھے کہا کہ جب تو نے **غافر الذنب** یعنی گناہوں کو بخشنے والا۔ کہا تو اس کے بعد یہ کہہ **یا غافر الذنب اغفرلی** اے گناہ بخشنے والے میرے گناہ بخش دے۔ اور جب تو نے کہا **قابل التوب** تو بہ قبول کرنے والا ہے تو اس کے بعد یہ کہہ **یا قابل التوب تقبل توبتی** ۔ اے توبہ قبول فرمانے والے میری توبہ قبول فرما۔ اور جب تو نے کہا **شدید العقاب** تو اس کے بعد یہ کہہ **یا شدید العقاب لا تعاقبنی** اے سخت عذاب والے مجھے سزا نہ دے۔ اور جب تو نے کہا **ذی الطول** تو پھر یہ کہہ **یا ذالطول تطول علی برحمۃ** اے صاحب کرم مجھ پر کرم فرما۔

حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے پھر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ تو میں وہاں سے نکلا اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس سے ایک سفید خچر پر جس کا لباس یعنی چادر کے ٹکڑوں کا تھا کوئی ایسا شخص گذرا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمارے پاس سے کوئی نہیں گذرا۔ تو اس وقت ہمارے

---

(۱) من طریق حسین بن عرفہ، عن ھانی بن الحسن، عن بقیۃ، عن الاوزاعی، عن مکحول، عن واثلۃ بن الاسقع

(۲) ابو بکر بن ابی الدنیا: حدثنی بشر بن معاذ، حدثنا حماد بن واقد، عن ثابت قال کنا مع مصعب بن الزبیر

(۳) غافر ۱۔۲

اصحاب کا خیال اور کچھ نہ تھا صرف یہ کہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام ہی تھے۔

یہ گزشتہ تفصیل تو ان کی زندگی وغیرہ کے متعلق تھی۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ قرآن میں ان کے متعلق کیا آیا ہے؟

''پھر لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو پس بے شک وہ حاضر کئے جائیں گے'' یعنی عذاب کے لئے یا تو دنیا میں یا آخرت میں یا صرف آخرت میں اور پہلی توجیہ کہ دونوں جگہ عذاب آسکتا ہے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کو مفسرین و مورخین نے ذکر فرمایا ہے۔

اور آگے فرمان ہے ''سوائے اللہ کے خالص بندوں کے'' یعنی جو ایمان لے آئے وہ محفوظ رہیں گے اور آگے فرمایا ''اور ہم نے پچھلوں میں اس کو چھوڑ دیا'' یعنی ان کے اچھے ذکر کو عام کر دیا پس ہر شخص انکا ذکر خیر ہی کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے آگے فرمایا ''سلام ہو الیاسین پر'' یعنی حضرت الیاس پر سلام ہو۔ اور یہاں نون کا اسوجہ سے اضافہ ہوا کیونکہ عرب نون کو بہت سے اسماء کے آخر میں لاحق کر دیا کرتے تھے اور دوسرے حرف کے بدلے اس کو لاتے تھے۔ جیسے اسماعیل کو اسماعین پڑھتے۔ اور اسرائیل کو اسرائین پڑھتے تو الیاس کو الیاسین اسی وجہ سے پڑھا گیا۔ اور اس کی ایک قرآت یہ بھی ہے۔ سلام علی آل یاسین. اس قرآت میں مطلب ہوگا محمد کی آل پر سلام ہو۔ کیونکہ یاسین آپ علیہ السلام کا اسم گرامی ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کو (سلام علی ادریس) بھی پڑھا ہے اور اس [1] طریق سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الیاس وہ ادریس ہی ہیں یعنی دونوں ایک شخص کے نام ہیں اور ضحاک بن مزاحم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور قتادہ اور محمد بن اسحاق نے اس کو نقل کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ دونوں جدا جدا شخصیت ہیں جیسے گذرا۔ واللہ اعلم۔

ختم شد تاریخ ابن کثیر جلد اول حصہ اول

(۱) اسحاق عن عبیدۃ بن ربیعۃ عن ابن مسعود

البدایہ والنہایہ

(معروف بہ)

تاریخ ابن کثیر

(حصہ دوم)

حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۷۷۴ھ

انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور تاریخ عرب

تمہید و پیش لفظ

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں۔

کہ اخبار ماضیہ کے اہل علم خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے درمیان اس بارے میں بالکل کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے امور کا نگہبان اور ان کے پیشوا و مقتدا حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا ہی تھے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے اور آپ کی ہمشیرہ مریم کے شوہر بھی تھے اور یہ یوشع اور کالب ان دو شخصوں میں سے ہیں جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ (جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کا انعام تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو تو فتح تمہاری ہی ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان لانے والے ہو؟

تو یہ دو اشخاص حضرت یوشع اور کالب بن یوفنا تھے۔

تو علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو حضرت کالب بن یوفنا کے بعد بنی اسرائیل کے پیشوا حضرت حزقیل علیہ السلام بن بوذی تھے۔ اور یہ وہی شخص ہیں جنہوں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ان کی قوم کے مردہ لوگوں کو زندہ فرمادیا جن کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا اور وہ کئی ہزار تھے اور خوف کے ڈر نے ان کو نکالا تھا۔

تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت حز قیل علیہ السلام کا قصہ

فرمان باری تعالیٰ ہے:
بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور وہ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ مرجاؤ تو (وہ سب مرگئے) پھر ان کو زندہ بھی کر دیا۔ بے شک خدا لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔[1]

محمد بن اسحاق، وہب بن منبہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد حضرت کالب بن یوفنا کو بھی اپنے پاس بلالیا تو بنی اسرائیل میں ان کا خلیفہ حضرت حز قیل بن بوزی کو نامزد فرمایا اور آپ ایک ضعیف بڑھیا کے بیٹے تھے اور آپ ہی نے اس قوم کے زندہ ہوجانے کے لئے دعا فرمائی تھی جن کا ذکر اللہ نے اپنے قرآن میں فرمایا جو اوپر گزرا" بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں تھے اور وہ اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے تھے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ایک وباء دیکھی تھی جس میں لوگ مر رہے تھے تو یہ موت کے ڈر سے وہاں سے نکل کر زمین میں کہیں اور منتقل ہو گئے۔ تو اللہ نے ان کے متعلق وہاں بھی حکم فرمایا کہ مرجاؤ تو یہ سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے پھر اللہ نے ان کی لاشوں کو درندوں پرندوں کا شکار ہونے سے منع کر دیا۔ اور ان سے حفاظت فرمادی۔ اسی طرح نعشوں پر طویل عرصے گذر گئے تو ایک مرتبہ حضرت حز قیل کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ انتہائی فکر و حیرانی میں ڈوب گئے تو ان سے کہا گیا کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ اللہ ان کو زندہ کر دے اور آپ دیکھ رہے ہوں؟ عرض کیا بالکل۔

تو اللہ نے حز قیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ہڈیوں کو بلائیں اور کہیں کہ تم اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں تو حضرت حز قیل علیہ السلام نے حکم خداوندی سے ان کو یوں ہی بلایا اور حکم دیا۔

تو پوری قوم بیک آواز اللہ اکبر کہتی ہوئی زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور اسباط[2] کئی صحابہ کرام کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ فرمان باری تعالیٰ کے تحت فرمایا

یہ ایک بستی تھی جس کو دوراوردان کہا جاتا تھا اور واسط شہر سے پہلے واقع تھی اس میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ تو اس کے اکثر باشندے بستی سے نکل کر ایک دوسری بستی میں جا بسے تو جو پہلی بستی ہی میں رہ گئے وہ تو طاعون کی وباء ہی سے مر گئے۔ اور بھاگ جانے والے زندہ رہ گئے۔ تو جب طاعون ختم ہو گیا تو یہ لوگ دوبارہ اپنی بستی میں آ گئے۔ تو پہلے جو لوگ بستی میں تھے جن کے اکثر مر چکے تھے لیکن ان میں سے پھر بھی کچھ زندہ تھے تو وہ ان واپس آنے والوں کو زندہ دیکھ کر حسرت کرنے لگے کہ کاش ہم بھی احتیاط کر کے ان کے ساتھ نکل جاتے تو ہمارے اتنے افراد نہ مرتے چلو اب اگر خدانخواستہ طاعون آ گیا تو ہم ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔

پھر خدا کی قدرت کہ دوبارہ آئندہ سال پھر طاعون پھیل گیا تو لوگ نکل نکل کر بھاگے اور تقریباً تیس ہزار سے زائد نکل گئے اور ایک وادی افیح میں اتر گئے۔

تو اب کے خدائی عذاب نے ان کو یہاں دوسرے طریقے سے گھیر لیا۔ اور ایک فرشتے نے وادی کے اوپر سے اور دوسرے فرشتے نے وادی کی نچلی جانب سے ایسی سخت پکار دی کہ مرجاؤ..... تو سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے .... حتیٰ کہ جب خالی جسم کے ڈھیر رہ گئے تو ایک پیغمبر

(۱) بقرہ ۲۴۳۔ (۲) وقال اسباط عن السدی عن ابی مالک، وعن ابی صالح، عن ابن عباس۔ وعن مرۃ عن ابن مسعود وعن الناس من الصحابۃ

حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان کے پاس سے گذر ہوا اور آپ نے ان کی یہ عجیب صورت حال دیکھی تو انتہائی فکر و حیرت کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور اپنے جبڑے دبانے لگے اور انگلیاں ایک دوسرے ہاتھ میں دے کر پریشان صورت میں غور فرمانے لگے۔ تو اللہ نے ان کی حالت دیکھ کر وحی فرمائی: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو دکھلاؤں کہ میں ان کو کیسے زندہ کروں گا؟ عرض کیا جی ہاں بالکل درحقیقت حضرت حزقیل علیہ السلام اس غور و فکر اور تعجب کے عالم میں تھے کہ قدرت الٰہی ان کو کیسے دوبارہ زندہ فرمائے گی۔

تو ان کو حکم ملا کہ ان کو آواز دو۔ حزقیل علیہ السلام نے آواز دی: اے (بوسیدہ) ہڈیو: اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ گوشت پہن لو۔ تو ہڈیاں گوشت سے پر ہونے لگیں اور جسموں میں خون دوڑنے لگا اور پھر وہی لباس بھی از خود زیب تن ہو گئے جنہیں وہ مرے تھے حزقیل علیہ السلام کو پھر پکارنے کا حکم ملا تو انہوں نے پکارا اے جسمو: اللہ تمہیں کھڑے ہو جانے کا حکم فرماتا ہے۔ تو وہ کھڑے ہو گئے۔

راوی اسباط فرماتے ہیں: کہ منصور مجاہد سے نقل کرتے ہوئے خیال فرماتے ہیں کہ جب وہ زندہ ہوئے تو انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے۔

سبحانک اللھم وبحمدک لاالہ الا انت

اے اللہ تیری ذات پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر وہ زندہ ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس پہنچے جو ان کو مردہ سمجھے ہوئے تھے۔ اور موت کی زردی ان کے چہرے پر بھی برقرار رہی۔ اور وہ کسی بھی کپڑے کو زیب تن کرتے تو وہ پرانا ہو جاتا حتیٰ کہ پھر اپنی اپنی مقررہ موت کے وقت وفات پا گئے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چار ہزار تعداد میں تھے۔ اور ایک روایت آپ سے آٹھ ہزار کی بھی منقول ہے ابو صالح سے نو ہزار کا شمار منقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے چالیس ہزار کی تعداد بھی مروی ہے۔

اور ابن جریج عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ قدرت الٰہی کا یہ کرشمہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ظہور پذیر ہوا کہ حذر (احتیاط و تدبیر) قدر سے نہیں بچا سکتی۔ اور یہ لوگ کھیتی باڑی اور مویشی والے تھے۔

اور جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ واقعہ حقیقت کے ساتھ روشن ہے۔

(۱) مسند احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کو چلے جب مقام سرغ'' پر پہنچے تو اجناد کے امراء اور ابو عبیدۃ بن الجراح اور آپ کے ساتھی آپ سے ملاقات کے لئے پہنچے اور حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب کو خبر دی کہ شام میں وباء پھیل چکی ہے پھر آپس میں مہاجرین و انصار کا مشاورہ و مکالمہ ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اختلافی نوعیت پیش آئی پھر عبدالرحمٰن بن عوف تشریف لائے آپ کسی حاجت کی وجہ سے غائب تھے۔ تو آپ نے آکر فرمایا مجھے اس کے متعلق علم ہے میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے۔

جب کسی علاقے پر (وباء) پھیل جائے اور تم اس میں ہو تو وہاں سے راہ فرار اختیار مت کرو اور جب کسی علاقے کے متعلق سنو کہ وہاں وباء ہے تو وہاں مت جاؤ۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدائی حمد و ثنا بجا لائی اور واپس ہو گئے۔

مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں تشریف لے گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کو خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔ (۲)

کہ یہ بیماری ہے جس کے ساتھ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا۔ لہٰذا جب تم کسی زمین کے متعلق سنو کہ اس میں یہ بیماری ہے تو وہاں داخل مت ہو۔ اور جب کسی زمین میں یہ وباء آجائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر مت نکلو۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے واپس ہو گئے۔

---

(۱) وقال الامام حدثنا حجاج ويزيد المثنى قالا حدثنا ابن ابى ذويب عن الزهرى عن سالم ،عن عبدالله بن عامر بن ربيعة ان عبدالرحمن بن عوف الخ (۲) حدثنا حجاج ويزيد المفتى قالا حدثنا ابن ابى ذويب عن الزهرى عن سالم عن عبدالله بن عامر بن ربيعه ان عبدالرحمن بن عوف اخبر عمر

شیخین نے مالک عن زہری کی حدیث سے اسی کے مثل تخریج فرمایا ہے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حزقیل علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں ٹھہرنے کی مدت ہم سے بیان نہیں کی گئی ہے۔ الغرض آپ ایک عرصہ بنی اسرائیل میں ٹھہرے پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔ جب یہ اٹھ گئے تو بنی اسرائیل اللہ کے عہد کو بھلا بیٹھے اور نئی نئی چیزیں ان میں پیدا ہونے لگیں حتیٰ کہ بتوں کی پرستش میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے اور ان تمام بتوں میں سے ایک خاص بت ''بعل'' نامی تھا۔ پھر اللہ نے ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا حضرت الیاس بن یاسین بن فنحاص بن عیزار بن ہرون بن عمران کو۔

بندہ کہتا ہے کہ ہم نے حضرت الیاس کا قصہ حضرت خضر علیہ السلام کے قصے کی وجہ سے تبعاً مقدم کیا ہے۔ کیونکہ اکثر طور پر ان دونوں کا اکٹھا ذکر ہوتا ہے۔

اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ سورہ صافات میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے بعد فرمایا ہے لہذا ہم نے اس ترتیب کو ملحوظ خاطر و ملحوظ کتاب رکھا.....واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد آپ کے وصی حضرت یسع بن اخطوب علیہ السلام پیشوا ہوئے۔

حضرت یسع علیہ السلام کا قصہ

اللہ عزوجل نے حضرت یسع علیہ السلام کا ذکر سورۃ انعام میں انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے۔

فرمان باری ہے:

اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسماعیل اور یسع کو اور یونس اور لوط کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہان والوں پر (نبوت سے) فضیلت دی۔ اور سورۂ ص میں اللہ نے فرمایا: اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب ہی سب اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع علیہ السلام تھے۔ جب تک اللہ نے چاہا آپ بنی اسرائیل کو حضرت الیاس علیہ السلام کے راستے اور شریعت پر بلاتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کو بھی اپنے پاس بلالیا۔ پھر ان میں خلیفے یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ اور بدعتیں بڑھ گئیں ظلم وستم کا بازار گرم ہوگیا اور بنی اسرائیل نے انبیاء تک کو قتل کرڈلا۔ اوران میں ایک انتہائی سرکش ظالم جابر بادشاہ تھا کہا جاتا ہے کہ:

حضرت ذوالکفل علیہ السلام اسی بادشاہ کے لئے اس بات کے کفیل وضامن بنے تھے کہ اگر وہ توبہ تائب ہوجائے اور اپنی حرکتوں سے باز آجائے تو وہ ان کے لئے جنت کے کفیل ہیں۔

تو اسی وجہ سے ان کو ذوالکفل کہا جانے لگا۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت یسع۔ کے والد کا نام اخطوب تھا۔

[1] اور حافظ ابوالقاسم بن عساکر اپنی تاریخ کے حرف یاء میں فرماتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت یسع اسباط بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل ہیں۔

اور کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت الیاس بعلبک کے بادشاہ سے چھپ کر جبل قاسیوں میں چھپے تھے تو حضرت یسع بھی آپ کے ساتھ تھے پھر الیاس اٹھالیے گئے تو حضرت یسع علیہ السلام قوم میں ان کے خلیفہ ہوئے اور ان کو بھی اللہ نے (وحی کی) خبروں سے نوازا۔

[2] اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ اسباط بانیاش میں تھے۔

پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ یسع کو تخفیف وتشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ انبیاء میں سے ایک ہی نبی کا نام ہے بندہ کہتا ہے کہ ہم نے ذوالکفل علیہ السلام کے قصے کو ایوب علیہ السلام کے قصے کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ وہ ایوب علیہ السلام ہی کے فرزند تھے۔

واللہ اعلم۔

---

(۱) قال ابن اسحاق : حدثنا بشر ابو حذیفة ، انبانا سعید، عن قتادة ، عن الحسن ، قال ،

(۲) عبد المنعم بن ادریس بن سنان عن ابیه ، عن وهب بن منبه قال وقال غیره

یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام کی پیغمبری تک بنی اسرائیل کے معاشرے کی کیفیت

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پھر بنی اسرائیل کا معاملہ ونظام درہم برہم اور خراب ہو گیا اور ان کے درمیان حوادثات اور جرائم خوب ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ تو اللہ عزوجل جبار وقہار نے انبیاء کے بدلے ان پر ظالم جابر بادشاہ مسلط فرمادیئے۔ جو ان پر ظلم وستم خوب روا رکھتے اور ان کے خون بہانے سے ذرہ بھر دریغ نہ کرتے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ نے دشمنوں کو بھی ان پر مسلط فرمادیا۔

اور پہلے پہل جب یہ کسی دشمن سے معرکہ آراء ہوتے تو ان کے ساتھ وہ تابوت میثاق بھی ہوتا جس میں قبة الزمان تھا۔

جس کا تفصیلی ذکر گذر چکا۔ تو بنی اسرائیل اس کی برکت سے فتح یاب ہوتے کیونکہ اس میں اللہ نے سکینت وبرکت اور آل موسیٰ اور آل ھارون کا بقیہ متروکہ مال رکھا تھا۔ جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔

پھر ایک مرتبہ اہل غزہ اور اہل عسقلان سے ان کی جنگ چھڑی تو وہ ان پر غالب آئے اور زبردستی انہوں نے یہ تابوت ان سے چھین لیا۔ اس طرح یہ عظیم شئی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ اسوقت کے بنی اسرائیل کے بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی تو وہ مارے غم کے وفات پا گیا۔

اور بنی اسرائیل بغیر چرواہے کی بکریوں کی طرح رہ گئے۔ حتیٰ کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ان پر متوجہ ہوئی اور ان کی سرخروی کے لئے اللہ نے ان میں ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا جس کو شمویل کہا جاتا تھا۔

تو بنی اسرائیل نے اس پیغمبر کو درخواست کی کہ وہ ہمارے لئے بطور بادشاہ بھی ہو جائیں تا کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے معرکہ آراء ہوں۔ پھر وہ واقعہ پیش ہوا جس کا قرآن میں ذکر ہے اور اس کو ہم اب تفصیل سے بیان کریں گے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے چار سو ساٹھ سال بعد اللہ نے حضرت شمویل کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

اور علامہ ابن جریر نے اس درمیان آنے والے بادشاہوں کا علیحدہ علیحدہ تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کو ہم قصداً ترک کرتے ہیں۔

حضرت شمویل علیہ السلام کا قصہ
جن کے زمانے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ابتداء ہوئی

یہ شمویل، یا اشمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن الیہو بن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا ہیں۔
اور مقاتل فرماتے ہیں یہ ہارون علیہ السلام کے ورثا میں سے ہیں اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شمویل بن ھلفا قا ہیں اور آپ نے آگے نسب کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔
سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ سے نقل کیا ہے اور ثعلبی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ
جب عمالقہ قوم بنی اسرائیل پر غزہ اور عسقلان کی سرزمینوں سے غالب آگئے تو عمالقہ نے بنی اسرائیل کی خلق کثیر کو تہ تیغ کیا اور ان کے اکثر بیٹوں کو اپنا قیدی بنالیا اور بنولاوی میں سلسلہ نبوت منقطع ہوگیا۔ اور صرف ایک حاملہ عورت ان میں باقی رہ گئی جس نے دعا کی کہ اس کو مذکر اولاد عطا ہو تو اللہ نے اس کو ایک بچہ عطا فرمایا جس کا نام اس نے اشمویل رکھا اور عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے اسماعیل یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔
پھر جب وہ کچھ جوان ہوئے تو ماں نے اپنے لخت جگر کو مسجد بھیجا اور مسجد کے ایک صالح شخص کے سپرد کیا تا کہ اس سے تعلیم وعبادت سیکھ لے۔
پھر آپ کچھ جوان ہوگئے تو ایک مرتبہ اپنے استاد کے پاس ہی خوابیدہ تھے کہ مسجد کے کونے سے ان کو آواز آنا شروع ہوئی تو یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے شیخ استاد نے سمجھا کہ شاید مجھے بلا رہا ہے شیخ نے پوچھا تو شمویل نے ان کو گھبراہٹ میں ڈالنا ناپسند سمجھا اور کہا ہاں بس کچھ نہیں، سوجایئے۔ تو پھر سو گئے۔
حضرت شمویل کو دوبارہ پھر آواز آئی اور پھر وہی معاملہ ہوا پھر تیسری مرتبہ بھی نوبت آئی تیسری مرتبہ دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو پکار رہے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ:
اللہ نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر وہی قصہ پیش آیا جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا۔
بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردیں تا کہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلوتہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہ خدا میں کیوں نہ لڑیں جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کردیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا تمام لوگ پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہوسکتا ہے۔ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں۔ اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں پیغمبر نے کہا کہ خدا نے ان کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) منتخب فرمایا ہے۔ اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے وہ بڑا کشائش والا ہے (اور) دانا ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔
اس میں تمہاری طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہونگی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اس میں تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر کے پانی پی لے تو کوئی حرج نہیں تو خیر جب وہ لوگ نہر پر) پہنچے تو چند شخصوں کے علاوہ سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔ اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے ان کو بادشاہی دی اور دانائی بخشی۔ اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔[1]

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: کہ قرآن میں مذکور اس قوم کے پیغمبر شمویل علیہ السلام تھے۔ اور ایک قول میں شمعون نامی پیغمبر ہیں اور ایک قول ہے کہ دونوں سے ایک ہی مراد ہیں اور ایک قول ہے کہ یوشع علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بات بعید اور حقیقت سے دور ہے اس قول کے مطابق جو علامہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ حضرت یوشع کی وفات اور شمویل علیہ السلام کی بعثت کے درمیان چار سو ساٹھ سال کا عرصہ ہے..... واللہ اعلم۔

الحاصل جب اس قوم کو دشمنوں نے جنگوں میں پچھاڑ کر رکھ دیا اور شکست فاش سے دوچار کر دیا تو یہ اپنے وقت کے پیغمبر سے عرض گذار ہوئے اور یہ درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ بھی تجویز فرما دیجئے تاکہ ہم اس کے جھنڈے اور فرمان برداری کے تحت دشمنوں سے جنگ کریں۔ تو پیغمبر وقت نے ان کو جواب مرحمت فرمایا جس کو باری تعالیٰ نے نقل فرمایا۔

اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو قریب ہے کہ تم پھر لڑائی سے کنارہ کر جاؤ۔ تو کہنے لگے کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم راہ خدا میں لڑائی نہ کریں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے۔

یعنی ہم کو جنگ نے اپنی چکی میں پیس کر رکھ دیا ہے تو ہمیں لائق اور ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں اور وطن کی حفاظت میں جنگ و جدل کریں۔

فرمان باری ہے: پھر ان پر قتال کو فرض کر دیا گیا تو وہ پیٹھ پھیر گئے سوائے ان میں سے چند لوگوں کے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

جیسے کہ قصہ کے آخر میں ان کے تھوڑے رہ جانے کی تفصیل ذکر فرمائی ہے کہ بادشاہ کے ساتھ صرف تھوڑے سے لوگ نہر پار کر سکے باقی سب واپس ہو گئے اور لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے۔

فرمان الٰہی ہے اور ان کو ان کے پیغمبر نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو (بادشاہ بنا کر) بھیجا ہے۔

تو ان طالوت کے نسب کے متعلق علامہ ثعلبی فرماتے ہیں وہ طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالوت سقہ تھے یعنی پانی پلانے والے تھے۔ اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دباغ یعنی کھالوں کو خشک کر کے چمڑہ بنانے کا کام کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ بھی اقوال منقول ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی وجہ سے کہ یہ گھٹیا پیشے کے انسان ہیں (انہوں نے کہا یہ ہم پر بادشاہی کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اس سے زیادہ بادشاہی کے حقدار تو ہم ہیں اور ان کو تو مال کی وسعت و فراخی بھی نہیں دی گئی۔

اور اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ نبوت آل لاوی میں جاری تھی اور بادشاہت آل یہوذا میں جاری تھی اور یہ طالوت چونکہ آل بنیامین سے تھے تو اس بناء پر ان کو اعتراض ہوا اور آپ کی امارت میں طعن و تشنیع کرنے لگے اور کہا کہ اس سے تو ہم زیادہ سلطنت کے حقدار ہیں کیونکہ یہ تو ہے بھی فقیر، مال کی وسعت اس کو نہیں ہے۔ تو یہ ہم جیسوں پر کیسے بادشاہ ہو سکتے ہیں؟

---

(۱) بقرہ ۲۴۶ ـ ۲۵۱

فرمان الٰہی ہے پھر پیغمبر نے (کہا اللہ نے ان کو تم پر پسند فرمایا ہے اور اس کو علم وجسم میں کشادگی کے اندر زیادتی فرمائی ہے۔)

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت شمویل علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی کہ اس ناپ کے بقدر جس شخص کا قد ہو اور وہ فلاں مخصوص سینگ کے حصول میں کامیاب ہو جائے جس میں القدس کا تیل ہے تو وہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوگا۔ تو تمام لوگ آکر اپنی قسمتیں آزمانے لگے لیکن طالوت کے سوا کوئی ان شرائط پر پورا نہ اتر سکا۔ لہٰذا حضرت شمویل علیہ السلام نے ان کو بادشاہ نامزد فرمادیا۔

اور بنی اسرائیل کو فرمایا (بے شک اللہ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور اس کو علم وجسم میں زیادتی عطا فرمائی ہے)۔ اور علم سے مراد یا تو جنگوں کے علم کے متعلق زیادہ علم ہے یا مطلقاً علم میں زیادہ ہیں۔ اور جسم میں زیادتی سے مراد یا تو زیادہ قد آور ہیں یا حسن وجمال میں دوسروں سے آگے ہیں۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر کے بعد علم اور حسن وجمال میں سب سے زیادہ تھے۔ (اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے) اور اللہ کا ہی حکم چلتا ہے اور اسی کی تمام چیزیں مخلوق ہیں اور سب کی تدبیر وانتظام اس کے دست قدرت میں ہے۔ (اور اللہ وسعت والا (اور) خوب علم والا ہے اور ان کو ان کے پیغمبر نے کہا اس کی بادشاہی کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی ہوگی اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ متروکہ مال ہوگا اس کو فرشتے اٹھائے ہوں گے بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔)

اور یہ حضرت طالوت کی برکت تھی کہ ان کی بدولت اللہ نے ان کی عظیم البرکت چیز واپس پہنچائی جو ان سے دشمنوں نے جبراً وقہراً چھین لی تھی۔ اور اسی کے بدولت ان کو ترقی وفتح سے نوازہ جاتا تھا۔

اور اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی ہے ایک قول کے مطابق اس سے مراد ایک سونے کا تشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو دھویا جاتا تھا۔ اور ایک قول ہے کہ اس میں ایک خاص تیز قسم کی ہوا تھی وہ مراد ہے اور ایک قول ہے کہ اس میں ایک بلی کی مثل مجسمہ تھا جب وہ جنگ کے وقت چیختا تو بنی اسرائیل اپنی مدد اور فتح یابی کا یقین کر لیتے تھے۔

اور فرمایا کہ آل موسیٰ اور آل ہارون کا متروکہ سامان ہے۔ تو اس کے متعلق ایک قول منقول ہے کہ وہ (تورات کی) تختیوں کے ٹکڑے تھے اور کچھ من تھا یعنی وہ غذا جو ان پر میدان تیہ میں خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی اور فرمایا کہ اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ یعنی کھلی آنکھوں تم دیکھو گے کہ فرشتوں نے اس کو اٹھا رکھا ہے اور فرشتے تم کو دکھلائے جائیں گے تاکہ تم اللہ کی نشانی اور اس کی حجت کو اپنے پر یقین کے ساتھ لازم کر لو۔

اور تمہارے نزدیک اس شخص طالوت کی بادشاہی خدا کی طرف سے ثابت ہو جائے۔ اور اس کو اللہ نے بھی فرمایا بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو؟

کہا گیا ہے کہ جب عمالقہ قوم اس تابوت پر غالب آگئی تھی جس میں سکینت خداوندی اور متروکہ آل موسیٰ وآل ہارون تھا اور ایک قول کے مطابق تورات بھی اس میں تھی۔ تو جب یہ عمالقہ کے ہاتھوں میں آیا تو انہوں نے اس کو اپنے معبود بت کے نیچے رکھ دیا پھر جب دوسرا روز آیا تو پھر تابوت کو اوپر رکھا دیکھا تو جب کئی دفعہ یہ نوبت پیش آئی تو وہ جان گئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پھر انہوں نے تابوت کو وہاں سے نکالا اور اپنی کسی بستی میں دوسری جگہ رکھ دیا اور پھر ایک وباء ان میں پھیلنا شروع ہوئی جو ان کی گردنوں پر آئی تھی جب یہ بیماری بہت طول اور شدت پکڑ گئی تو انہوں نے تابوت کو ایک بیل گاڑی کی مانند چیز میں رکھا اور دو بیلوں کو آگے باندھ کر ان کو ہنکا دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے تو فرشتے اس بیل گاڑی کو ہانک کر بنی اسرائیل کے گروہ کے پاس لے آئے اور بنی اسرائیل نے بالکل اسی طرح مشاہدہ کیا جس طرح ان کے پیغمبر نے ان کو فرمایا تھا۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے کہ فرشتے کس طرح اس کو لائے۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے خود تابوت کو اٹھا لائے تھے جیسا کہ آیت کے ظاہر مفہوم سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اگرچہ پہلی صورت کو اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

فرمان باری ہے:

پھر جب طالوت لشکر لے کر جدا ہوئے تو فرمایا اللہ تمہاری ایک نہر کے ساتھ آزمائش فرمائیں گے پھر جس نے اس سے پی لیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے نہیں پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے ان کے جنہوں نے ایک چلو ہاتھ سے پی لیا۔

ابن عباس اور دوسرے اکثر مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نہر اردن والی نہر ہے۔ تو اس نہر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ شروع قرآن میں اس کا

نام لیا گیا۔ تو خیر پھر طالوت اللہ کے حکم و آزمائش کے ساتھ لشکر لئے پہنچے تو فرمایا کہ جو اس سے ایک چلو سے زیادہ پیے گا وہ میرے ساتھ غزوے میں شرکت نہیں کر سکتا اور جو نہ پیے گا وہ شرکت کرے گا۔

تو اللہ نے فرمایا پھر انہوں نے نہر سے پانی پی لیا سوائے چند لوگوں کے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی تو چھتر ہزار نے پانی پی لیا اور صرف چار ہزار آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں اسرائیل اور زہیر رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور گفتگو کر رہے تھے کہ بدری صحابہ کی تعداد صرف اصحاب طالوت کے بقدر ہے جنہوں نے نہر پار کی تھی۔ اور آپ کے ساتھ صرف تین سو دس سے کچھ زائد تھے۔ جو نہر پار پہنچ گئے تھے۔

لہٰذا اس کی رو سے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کے لشکر کی اسی ہزار تعداد بیان کرنے میں نظر ہے کیونکہ بیت المقدس میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسی ہزار کا لشکر ٹھہرے اور جنگ کرے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے پھر جب وہ اور اس کے ساتھ کے مومنین نہر پار کر گئے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکر سے (لڑنے) کی طاقت نہیں۔

یعنی جب ان کی تعداد کم رہ گئی اور سامنے دشمنوں کی کثیر تعداد نظر آئی تو اپنے آپ کو کم سمجھ کر کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو گئے تو حضرت طالوت نے ان کو سمجھایا۔

فرمان باری ہے ان لوگوں نے کہا جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے تھے کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یعنی ان میں سے جو شجاع و بہادر اور گھڑ سوار اہل ایمان و یقین اور جنگ و جدل پر صبر کرنے والے تھے انہوں نے مذکورہ بات کہی۔ آگے فرمان ہے (اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکریوں کو لئے میدان میں آئے تو دعا کی ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو ثابت کر دیجئے اور کافر قوم پر ہماری مدد کیجئے۔)

یعنی اپنے صبر کے ساتھ ہم کو ڈھانپ لے تاکہ دل مضبوط ہو جائیں اور کھٹکے میں نہ پڑیں اور قدموں کو میدان جنگ اور معرکہ کارزار میں جما دیجئے اور ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری بھرپور مدد کیجئے تو اللہ نے بھی اپنے صابرین بندوں کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا:

پھر انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت اور اس کے لشکر والوں) کو شکست دیدی۔

یعنی صرف اللہ کی طاقت و قوت اور اس کی مدد و نصرت کے ساتھ فتح یاب ہو گئے نہ کہ اپنی قوت و تعداد کے ساتھ کامیاب ہوئے جیسے اللہ نے اصحاب بدر کے متعلق بھی فرمایا۔

اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو شاید تم شکر گذار ہو جاؤ۔

اور فرمان الٰہی ہے اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس کو ملک اور حکمت عطا کی اور جو چاہا سکھایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی اسی لشکر طالوت میں سپاہی تھے آیت قرآنیہ سے ان کی شجاعت و دلیری کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے سب سے بڑے کافر شخص کو قتل کر دیا جس سے اس کا پورا لشکر ہزیمت خوردہ ہو گیا اور لشکری تتر بتر ہو گئے۔

اور یہ عظیم غزوہ تھا کہ صرف بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اسی سبب سے ان کے بہت سارے اموال غنیمت کے طور پر حاصل کر لئے اور بڑے بہادروں سرداروں کو قیدی کر لیا گیا اور کلمہ ایمان بکلمہ کفر و معبودان باطلہ پر غالب آیا اور اللہ کے اولیاء کافروں کے سامنے سرخرو ہو گئے اور دین حق دین باطل اور اس کے پرستاروں پر غالب آیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مروی روایت میں ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے والد کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے اور یہ کل تیرہ تو بھائی تھے۔ حضرت داؤد نے طالوت کی بات سن لی جب وہ بنی اسرائیل کو راہ خدا میں لڑنے کی ترغیب دے رہے تھے اور حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ

فرمار ہے تھے۔

جو شخص جالوت کو قتل کر دے گا میں اپنی دختر نیک کے ساتھ اس کی شادی کردوں گا اور اپنی سلطنت میں اس کو شریک کرلوں گا۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام غلیل کے ساتھ بہت تیز پتھر وغیرہ پھینکتے تھے۔تو یہ بنی اسرائیل کے ساتھ چلے جارہے تھے کہ راستے میں ایک پڑے ہوئے پتھر نے ان کو آواز دی کہ مجھے لے لے کیونکہ تو میرے ساتھ جالوت کو قتل کر سکتا ہے۔تو آپ (داؤد) نے اس کو لے لیا اور پھر ایک دوسرے پتھر کے ساتھ یہی ماجرا پیش آیا اسے بھی لے لیا پھر تیسرے کو بھی اسی طرح لے لیا۔اور تینوں پتھر اپنے تھیلے میں ڈال لیے پھر دونوں صفیں آمنے سامنے ہو گئیں تو سب سے پہلے جالوت نکل کر سامنے آیا اور اپنا مقابل طلب کرنے لگا تو حضرت داؤد علیہ السلام آگے پہنچے تو جالوت نے کہا تو تو واپس چلا جا میں تیرے قتل کو ناپسند کرتا ہوں حضرت داؤد نے جواب دیا کہ مگر میں تیرے قتل کو پسند کرتا ہوں۔پھر آپ نے تینوں پتھر لئے اوران کو غلیل کی طرح سے اپنے ہتھیار میں رکھ کر گھمایا تو وہ تینوں پتھر ایک ہو گئے اور پھر جالوت کو مارا تو اس کا سر پھٹ گیا اور اس کا سارا لشکر شکست خوردہ بھاگ پڑا۔

حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے وعدے کے مطابق ان کی اپنی بیٹی سے شادی کردی اور اپنی سلطنت میں انکا حکم جاری کروادیا۔اس طرح بنیاسرائیل میں حضرت داؤد کی عظمت بڑھ گئی اور وہ آپ کو پسند کرنے لگے اور طالوت سے بھی زیادہ آپ کی طرف مائل ہو گئے۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ پھر طالوت حضرت داؤد پر حسد کرنے لگا حتیٰ کہ آپ کے قتل کی سوچ بیٹھا اور ایک حیلہ اختیار کیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔اور علماء طالوت کو اس سے روکتے رہے حتیٰ کہ طالوت نے غصے میں ان علماء کو بھی قتل کر ڈالا اور کچھ رہ گئے۔

پھر طالوت کو اللہ نے توبہ کی توفیق دی تو وہ انتہائی نادم و پشیمان ہوا اور اپنے ماضی کے افعال پر انتہائی قلق و افسوس کرنے لگا اور جنگل کی طرف نکل کر اکثر روتا رہتا حتیٰ کہ زمین اس کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی ایک مرتبہ اس کو آواز آئی۔

اے طالوت تو نے ہمیں قتل کیا اور ہم زندہ تھے اور تو نے ہمیں تکلیف دی تو تب ہم مردہ تھے۔

یہ آواز سن کر طالوت کا گریہ وزاری شدت اختیار کر گیا پھر کسی عالم کے متعلق اس نے پوچھا تا کہ پوچھے کہ کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ تو اس کو کہا گیا کیا تو نے کسی عالم کو چھوڑا ہے؟ حتیٰ کہ ایک عابدہ زاہدہ عورت کا پتہ اس کو دیا گیا تو عورت نے اس کو بلایا اور اس کو لے کر یوشع علیہ السلام کی قبر پر چلی گئی۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ عورت نے اللہ سے دعا کی تو حضرت یوشع قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ کیا قیامت ہو گئی ہے؟ عورت نے کہا نہیں لیکن یہ طالوت آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا جی ہاں یہ سلطنت سے کنارہ کر لے اور اللہ کے راستے میں لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں۔اتنا کہہ کر حضرت یوشع دوبارہ موت کی حالت میں چلے گئے۔

پھر طالوت نے سلطنت کو داؤد علیہ السلام کے سپرد کیا اور خود اپنی ساری اولاد کو لے کر چل دیا اور راہ خدا میں قتل و قتال کیا حتیٰ کہ یہ شہید ہو گئے۔

اور اسی وقت کے متعلق باری تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور اللہ نے اس (داؤد) کو ملک اور حکمت عطا کی اور جو چاہا سکھایا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح اپنی تاریخ میں سدی کے طریق سے ان کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے بعض حصوں میں نظر و اجنبیت ہے۔واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے جس پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور اس نے طالوت کو توبہ قبول ہونے کی خوشخبری دی وہ یسع بن اخطوب تھے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

حضرت ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ عورت حضرت یوشع علیہ السلام کی قبر پر آئی تو یوشع نے طالوت کو تنبیہ و سرزنش کی کہ ان کے بعد اس نے ایسے ایسے کام کیوں کئے۔اور یہ روایت زیادہ مناسب ہے اور ہو سکتا ہے کہ طالوت نے ان کو خواب میں دیکھا ہو کیونکہ قبر سے اٹھنا معجزہ ہے جو کسی عورت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔اور معجزہ پیغمبر کے ہاتھ پر ہی ہو سکتا ہے۔واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل کتاب کا خیال ہے کہ طالوت کی بادشاہی اس کے اپنی اولاد سمیت قتل ہونے تک چالیس سال رہی۔واللہ اعلم۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ

حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ مبارک اور فضائل، ایام سلطنت، دلائل نبوت اور علامات کا ذکر مبارک۔

یہ داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوینادب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔

آپ اللہ کے پیغمبر اور بندے اور سرزمین بیت المقدس میں اس کے خلیفہ تھے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بعض اہل علم کے ذریعے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کچھ پست قد نیلی آنکھوں تھوڑے بال اور پاکیزہ وصاف ستھرے دل کے مالک تھے

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ اور اس عظیم کارنامے کی بناء پر بنی اسرائیل بادشاہ طالوت کو چھوڑ کر آپ کی طرف مائل ہو گئے تھے اور آپ سے محبت کرنے لگے حتیٰ کہ طالوت کے بدلے آپ کی سلطنت کے خواہش مند ہو گئے۔ اور پھر جو طالوت اور آپ کے درمیان پیچیدہ معاملات آئے ان کو آپ مطالعہ کر چکے جن کے نتائج حضرت داؤد علیہ السلام کی بادشاہت پر ثمر آور ہوئے۔ اور پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس سے دوسرا عظیم مرتبہ نبوت بھی عطا فرمادیا اس طرح دنیا و آخرت کی خیریں آپ کے پاس جمع ہو گئیں جبکہ پہلے نبوت ایک خاندان میں اور سلطنت دوسرے خاندان میں چلی آرہی تھی (یعنی نبوت آل لاوی بن یعقوب علیہ السلام میں چلی آرہی تھی اور سلطنت یہوذا بن یعقوب علیہ السلام میں۔ لیکن اللہ کا فضل وانعام یہاں ایک ہی جامع صفات شخصیت داؤد علیہ السلام میں جمع ہو گیا۔

جیسے فرمان الٰہی ہے:

اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے ان کو ملک اور حکمت (نبوت) عطا فرمائی اور جو چاہا علم سکھایا اور اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتے تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور لیکن اللہ جہاں والوں پر فضل والا ہے۔ (۱)

آخری ٹکڑے کی ایک تشریح یہ بھی ہے کہ اگر اللہ دنیا پر سلطنت کا نظام جاری نہ فرماتے تو قوی ضعیف کو کھا جاتا اسی وجہ سے ایک روایت میں آیا ہے۔

بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے۔

اور امیر المومنین عثمان بن عفان نے فرمایا:

بے شک اللہ بادشاہ کے ذریعے اس برائی کی بیخ کنی فرمادیتا ہے جس کی قرآن کے ذریعے بھی نہیں فرماتا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جب جالوت طالوت کے مدمقابل آیا تو طالوت کو کہا۔

تو میری طرف نکل میں تیری طرف نکلتا ہوں (اور زور بازو دکھاتے ہیں)۔

تو طالوت نے لوگوں کو ترغیب دی تو حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے اور میدان کارزار میں پہنچ کر جالوت کو اس کی سرکشی کے ساتھ ٹھکانے لگادیا۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی شہرت کا ڈنکا بج گیا اور طالوت کا کہیں نام سننے کو نہ آتا تھا۔ اور پھر لوگوں نے طالوت سے کنارہ کشی کر کے اپنے پر داؤد کو بادشاہ بنالیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کام حضرت شمویل علیہ السلام کے حکم سے ہوا تھا۔ حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ پھر

(۱) بقرہ ۲۵۱

طالوت نے خود جنگ میں شرکت سے پہلے حضرت داؤد کو بادشاہ نامزد کر دیا تھا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ طالوت نے جالوت کی شکست کے بعد ہی امور سلطنت کا حضرت داؤد کو والی بنا دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قصر اُم حکیم کے پاس قتل کیا تھا اور جو نہر وہاں قریب موجود ہے اسی کا قرآن میں ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے:[1]

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (اسکا مسخر کر دیا) اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ان کو تمہارے لئے ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائیں پس تم کو شکرگزار ہونا چاہئے۔[2]

اللہ عزوجل نے ان کو عمدہ زرہیں بنانا سکھایا اور مزید اضافہ فرمایا کہ لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح بنا دیا تاکہ جیسے چاہیں آسانی سے ہاتھ کے ساتھ موڑ کر زرہیں بنائیں تاکہ دشمنوں سے اچھی طرح قتل و قتال میں وہ کام آئیں۔

اور اس کے متعلق اللہ نے حکم فرمایا کہ کڑیوں کو درست اندازے سے بناؤ۔

یعنی نہ اتنا باریک کرو کے پھٹ جائیں اور نہ اتنا موٹا کہ وہ بغیر جدا کئے ہی توڑنی پڑیں۔

مجاہد عکرمہ، قتادہ، اور حکم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے لوہے کو گرم کر دیا تھا حتیٰ کہ بغیر آگ و بھٹی کے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کو ہر طرح موڑ لیتے تھے۔

اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے شخص جنہوں نے کڑیوں کی انتہائی محفوظ زرہ بنائی وہ داؤد علیہ السلام ہیں ورنہ پہلے صاف چادر کی زرہ بنتی تھی ابن شوذب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ دن میں میں ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اس کو چھ سو درہم کی فروخت کرتے تھے اور حدیث میں ثابت ہے کہ سب سے پاکیزہ کھانا انسان جو کھاتا ہے وہ اس کے ہاتھ کی کمائی کا ہے اور اللہ کے نبی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

فرمان الٰہی ہے:

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ صبح شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے۔ اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو جمع رہتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کر دیا اور ان کو حکمت عطا فرمائی اور (جھگڑے کی) بات کا فیصلہ (بھی اچھا سکھایا)۔[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی صفت ذاالأیــد سے مراد ہے کہ وہ اطاعت خداوندی میں قوت والے تھے قتادہ فرماتے ہیں کہ ان کو عبادت میں قوت اور اسلام میں فقہ یعنی سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی۔ اور فرمایا کہ وہ رات کو بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے اور دن کو روزہ دار رہتے تھے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں نصف شب سوتے پھر تہائی شب بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے پھر چھٹا حصہ دوبارہ سو جاتے تھے۔ اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ

(۱) سبا ۱۰۔۱۱ (۲) انبیاء ۷۹۔۸۰ (۳) سورۃ ص ۱۷۔۲۰

رکھتے تھے اور جب (دشمن سے) مڈبھیڑ ہوتی تو کبھی راہ فرار اختیار نہ کرتے۔

اور مختلف آیتوں میں ''پہاڑوں اور پرندوں کے تابع'' ہونے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب ہے کہ شام اور صبح کے وقت یہ آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اللہ نے آپ کو ایسی (سریلی) اور اونچی آواز عطا فرمائی تھی جو کسی کو نہیں ملی کہ جب آپ اپنی کتاب زبور کی تلاوت فرماتے تو عجیب سرور اور لہجہ تھا کہ ہوا میں چلتے پرندے بھی ٹھہر جاتے وہ بھی آپ کے ساتھ گنگناتے اور تسبیح کرتے اور اسی طرح پہاڑ آپ کی تلاوت کا جواب دیتے اور صبح شام آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عامر نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی عمدہ حسین آواز ملی تھی جو کسی کو عطا نہیں ہوئی حتیٰ کہ پرندے اور وحشی جانور تک بھی آپ کے گرد اکٹھے ہو جاتے اور آپ کی آواز کے سحر میں ایسے محو ہو جاتے کہ وہیں بھوک و پیاس سے مر جاتے۔ اور نہریں بھی آپ کی آواز سن کر ٹھہر جاتی تھیں۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بھی آپ کی آواز سن لیتا تو وہ بے خود ہو جاتا اور اس پر اس طرح وجد طاری ہو جاتا جیسے کہ رقص کی حالت ہوتی ہے اور کتاب خداوندی یعنی زبور کی تلاوت ایسی آواز کے ساتھ فرماتے کہ جن وانس اور چرند و پرند آپ کی آواز پر منڈلاتے رہتے۔ کھانے پینے سے بے فکر ہو جاتے۔ حتیٰ کہ کئی بھوک سے وہیں مر جاتے۔

اور ابوعوانہ الاسفرائنی نے فرمایا..... (۱) کہ حضرت مالک سے مروی ہے کہ!

داؤد جب زبور کی تلاوت فرماتے تو کنواری عورتوں کے پردۂ بکارت پھٹ جاتے تھے۔

اور یہ روایت غریب ہے۔

اور عبدالرزاق ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے گنگناہٹ کے ساتھ قرات کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے تو حضرت عبید بن عمیر سے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سارنگی وغیرہ بجاتے اور پھر تلاوت کرتے اور پھر سریلی آواز باز گشت کرتی اور خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عروہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا کہ:

ابوموسیٰ کو داؤد علیہ السلام کی بانسری (جیسی سریلی آواز) دی گئی اور یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن اس طریق سے انہوں نے اس کو نقل نہیں فرمایا۔ (۲)

اور مسند احمد ہی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بے شک ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو داؤد علیہ السلام کی بانسریوں (جیسی آواز سے کافی) حصہ عطا کیا گیا ہے۔ یہ روایت امام مسلم کی شرط پر ہے۔ (۳)

اور ہم نے ابوعثمان نہدی سے مروی روایت ذکر کی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بربط اور بانسری دونوں کو سنا ہے مگر ابوموسیٰ اشعری جیسی حسین آوز کسی سے نہیں سنی۔

لیکن اس خوش اور سریلی آواز کے باوجود حضرت داؤد کتاب زبور کی تلاوت انتہائی تیز فرما لیتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ داؤد پر قرآت کو آسان و ہلکا کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے جانور پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور اس سے پہلے کہ زین چڑھائی جاتی آپ تلاوت کتاب

---

(۱) وقال ابو عوانه الإسفرايينى : حدثنا ابو بكر بن ابى الدنيا ، حدثنا محمد بن منصور الطوسى سمعت صبيحا ابا تراب (ح) حدثنا قال ابوعوانه : وحدثنى ابو العباس المدنى ، حدثنا محمد بن صالح العدوى حدثنا سيار هو ابن حاتم عن جعفر عن مالك .

(۲) وقال الا مام احمد : حدثنا عبدالرزاق ، حدثنا معمر ، عن الزهرى ، عن عروة ، عن عائشة قالت......

(۳) وقال احمد: حدثنا حسن حدثنا حماد بن سلمة ، عن محمد بن عمرو عن ابى سلمة ، عن ابى هريرة ......الخ

فرما لیتے تھے۔اور آپ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے [۱]

اسی طرح امام بخاری اس کی روایت میں عبداللہ بن محمد عن عبدالرزاق کے طریق میں منفرد ہیں اور اس روایت حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

داؤد پر کتاب ہلکی کردی گئی تھی وہ اپنے جانوروں پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور پھر اس سے پہلے کہ زین کس دی جائے آپ کتاب کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے۔ [۲]

روایت میں قرآن کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ہے کتاب زبور اور یہی ترجمہ بندے نے ذکر کیا ہے تو یہ آپ کا معجزہ تھا کہ باوجود انتہائی سریلی اور عمدہ ترنم والی آواز کے اس قدر جلد پڑھ لیتے تھے۔فرمان باری ہے۔اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔

زبور مشہور کتاب ہے۔اور ہم نے اپنی تفسیر میں امام احمد کی مروی حدیث ذکر کی ہے کہ زبور رمضان کے مہینے میں نازل کی گئی تھی۔اور اس میں عجیب نصیحتیں اور حکمتیں ہیں اس کے لئے جو اس میں نظر و فکر کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کا شاہی پہلو

فرمان خداوندی ہے۔اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور ہم نے اس کو حکمت (یعنی نبوت) اور بات کا فیصلہ عطا کیا ہے۔ [۳]

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ دو شخص ایک گائے کا جھگڑا حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئے ایک نے دوسرے پر دعویٰ دائر کیا کہ یہ میری گائے ہے اور اس نے غصب کر لی ہے۔لیکن مدعا علیہ انکار کرتا رہا اور جھگڑے کی بات چیت رات گئے تک چلتی رہی۔پھر اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ مدعی کو تم قتل کردو۔صبح ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کو کہا کہ مجھے حکم باری ہوا ہے کہ تجھے قتل کردوں لہذا سچ سچ بتا کیا ماجرا ہے؟ اس نے عرض کیا: اللہ کی قسم اے اللہ کے نبی میں اس پر اپنے دعویٰ کے حق میں بالکل سچا ہوں لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے پہلے اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا۔تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمان شاہی صادر فرمایا اور اس قاتل مدعی کو قتل کر دیا گیا اس واقع کی بناء پر بنی اسرائیل میں حضرت داؤد کی عزت وعظمت کی ساکھ اور گھر کر گئی۔اور تمام لوگ آپ کے لئے عاجزی وانکساری و فروتنی سے پیش آنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی مطلب ہے اس فرمان الٰہی کا کہ:

اور ہم نے اس کی بادشاہی کو مضبوط کر دیا اور اس کو حکمت عطا کی۔اس کا مطلب ہے نبوت سے نوازا، اور آگے فرمایا'' اور فیصلہ کن بات دی''۔

اس کے متعلق شریح شعبی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گواہ اور قسمیں ہیں۔یعنی گواہ مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درست فیصلہ اور معاملہ فہمی ہے۔

اور مجاہد نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مراد فیصلہ کن بات کرنا اور حق فرمان صادر کرنا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔

اور مذکورہ مطلب حضرت ابو موسیٰ کے فرمائے ہوئے مطلب کے منافی و متعارض نہیں ہے کہ اس سے مراد ما بعد کا قول ہے۔

---

(۱) کما قال احمد : حدثنا عبدالرزاق ، حدثنا معمر ، عن همام، عن ابی هریره

(۲) ثم قال البخاری ورواه موسیٰ بن عقبة ، عن صفوان ،هو ابن سلیم، عن عطاء بن یسار ، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ ، قد اسنده، ابن عساکر فی ترجمة داودؑ فی تاریخه من طرق عن ابرهیم بن طهمان ، عن موسی بن عقبه ، ومن طریق ابی عاصم عن ابی بکر السبری ، عن صفوان بن سلیم به

(۳) صفحه ۳

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں شر وفساد اور جھوٹی شہادتوں کا دور دورہ ہو چلا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو جھگڑے ومعاملے نمٹانے کے لئے ایک زنجیر عنایت کی گئی جو سونے کی تھی اور آسمان سے بیت المقدس کی چٹان تک آ رہی تھی۔ جب بھی دو آدمیوں کا کسی معاملے میں جھگڑا ہوتا تو جو حق پر ہوتا وہ اس زنجیر تک پہنچ جاتا اور اس کو چھو لیتا اور جو جھوٹا ہوتا وہ رہ جاتا تھا۔ اسی طرح فیصلے نمٹتے رہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک ہیرا دوسرے کے پاس امانت رکھوایا۔ لیکن ادائیگی کے وقت امانت رکھنے والا مکر گیا اور انکار کر دیا اور ایک ڈنڈا لے کر اس میں کسی طرح ہیرا چھپا دیا۔ جب دونوں چٹان کے پاس پہنچے اور مدعی نے کوشش کی تو وہ زنجیر کو چھو گیا۔ پھر دوسرے کو کہا گیا کہ تو بھی اپنے ہاتھ سے اس کو پکڑ۔ تو اس نے اس ڈنڈے کو جس میں ہیرا تھا مدعی کو پکڑا یا اور کہا:

اللهم انک تعلم انی دفعتها اليه

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اس کو اس کا حق دے دیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ زنجیر کی طرف لپکا تو آسانی سے اس کو چھو گیا۔ پھر تو معاملہ سخت پیچیدہ ہو گیا کہ مدعی بھی سچا نکلا اور مدعا علیہ بھی۔ بنی اسرائیل بھی خاصے پریشان ہوئے تو تب سے زنجیر ان کے درمیان سے اٹھالی گئی۔

یہی قصہ مختلف الفاظ کے ساتھ کئی مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔ اور ابن اسحاق بن بشر نے ادریس ابن سنان سے انہوں نے بھی ابن وہب بن منبہ سے اس کو نقل کیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

بھلا تمہارے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے۔ جب وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ جس وقت وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے (پاس) ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے تا کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بے شک تم پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں۔

ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد نے خیال کیا کہ (اس واقعہ سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (خدا کی طرف) رجوع کیا۔ تو ہم نے ان کو بخش دیا۔

اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔

بہت سے متقدمین ومتاخرین مفسرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر مختلف اسرائیلی قصے اور خبریں نقل کی ہیں جن میں سے کئی ایسے ہیں جو یقیناً قطعاً جھوٹے ہیں لہٰذا ہم قرآنی بیان شدہ حصے پر اکتفاء کرتے ہوئے اختصار کے پیش نظر ان کو ترک کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی جسے چاہے سیدھے رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ ص کے سجدے میں اختلاف فرمایا ہے کہ کیا یہ سجدہ لازمی ہے یا محض سجدہ شکر ہے؟ اس کے متعلق دو قول منقول ہیں۔

(۱) بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عوام رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا کہ میں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سورہ ص کے سجدے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کیا تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ کیا تم یہ فرمان الٰہی نہیں پڑھتے؟

ومن ذريته داؤد وسليمان

اور آپ (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان ہیں۔

---

(۱) قال البخاری حدثنا محمد بن عبدالله، حدثنا محمد بن عبيد الطنافسی عن العوام، قال سالت مجاهداً فی سجدة ص

اور اس سے کچھ آگے ہے:

او لئک الذین هدی الله فبهدا هم اقتده

یہی لوگ اللہ کی سیدھی راہ پر ہیں پس اے (نبی) انہی کی راہ کی پیروی کر لہذا حضرت داؤد علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوئے جنکی پیروی کرنے کا حضور کو حکم ملا۔ اور سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ فرمایا تھا پھر حضور ﷺ نے بھی سجدہ فرمایا۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سجدہ کرنے کے قول پر بہترین استدلال اور نکتہ پورا ہوا۔)

اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ ص کے سجدے کی بابت فرمایا۔

یہ لازمی سجدوں میں سے نہیں ہے لیکن میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اس مقام پر سجدہ فرماتے تھے۔ لہذا کر لینا بہتر ہے۔

اسی طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ[1] سمیت صحاح کی کئی کتابوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے: نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے (ص) میں سجدہ فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ سجدہ داؤد علیہ السلام نے بطور توبہ کے فرمایا تھا اور ہم یہ سجدہ بطور شکرانے کے ادا کریں گے۔[2]

اور ابوداؤد میں[3] ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے برسر منبر سورہ ص کی تلاوت فرمائی اور جب آیت سجدہ پر پہنچے تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ فرمایا تو لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ ریز ہو گئے پھر دوسرے کسی دن اس کی تلاوت فرمائی اور آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے تو آپ نے فرمایا:

یہ سجدہ (داؤد علیہ السلام) پیغمبر کی توبہ کا تھا لیکن میں نے تم کو دیکھا کہ تم (سجدہ کے لئے) اٹھ چکے ہو، لہذا آپ ﷺ بھی نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا۔[4]

اور مسند احمد میں ہے کہ ابوصدیق ناجی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

انہوں نے خواب دیکھا کہ سورہ ص لکھی جارہی ہے پھر جب آیت سجدہ تک پہنچ ہوئی تو دیکھا کہ قلم ودوات اور یہ موجودہ چیزیں سجدہ ریز ہوگئی۔

پھر حضرت ابوسعید نے حضور ﷺ کو یہ ماجرا بیان کیا تو آپ پھر ہمیشہ اس پر سجدہ کرتے رہے۔[5]

اس کی روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

اور ترمذی وابن ماجہ۔۔۔۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے خواب میں دیکھا کہ میں درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں تو میں نے سجدہ کی تلاوت کی تو درخت میرے سجدے کے ساتھ سجدہ ریز ہو گیا پھر میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

اے اللہ اس کے بدلے اپنے ہاں میرے لئے اجر اور ذخیرہ بنادے اور اس کی وجہ سے میرے گناہوں کا بوجھ مجھ سے اتار دے اور اس کو مجھ سے

---

(۱) وکذارواه البخاری وابو داود والترمذی والنسائی من حدیث ایوب وقال الترمذی حسن صحیح. وقال النسائی اخبر نی ابراهیم بن الحسن المقسمی، حدثنا حجاج بن محمد، عن عمر بن ذر، عن ابیه، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباسؓ

(۲) تفرد به احمد و رجاله ثقات

(۳)وقال ابو داود حدثنا احمد بن صالح، حدثنا ابن وهب، اخبر نی عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی هلال، عن عیاض بن عبدالله بن سعید بن ابی اسرح. عن ابی سعید الخدریؓ

(۴)وقال الامام احمد: حدثنا عفان، حدثنا یزید بن زریع، حدثنا حمید، حدثنا بکر، هوا بن عمر وابو الصدیق الناجی انه اخبره ان ابا سعید الح

(۵)وروی الترمذی وابن ماجه من حدیث محمد بن یزید بن خنیس عن الحسن بن محمد بن عبیدا لله بن ابی یزید، قال قال لی ابن جریج حدثنی جدک عبد الله بن ابی یزید عن ابن عباس.

قبول فرما جیسے تو نے اس کو اپنے بندے داؤد علیہ السلام کی طرف سے قبول فرمایا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ یہیں کھڑے ہوئے اور سجدہ کی تلاوت فرمائی۔

اور پھر میں نے حضور کو سجدہ میں وہی الفاظ دہراتے سنا جو اس شخص نے نقل کئے تھے۔

دعا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اللهم اكتب لي بها عندك اجراً واجعلها لي عندك ذخراً وضع عني بها وزرا واقبلها مني كما قبلت من عبدك داؤد.

اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے اور ہم کو صرف اسی طریق سے یہ ملتی ہے۔

اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ چالیس یوم تک سجدہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ اور اس قول کے قائل مجاہد، حسن، وغیرہ ہیں اور یہ روایت ایک حدیث مرفوع میں بھی آئی ہے لیکن وہ روایت یزید رقاشی کی روایت میں سے ہے اور یہ شخص ضعیف ہے اور اس کی روایت متروک ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،، پھر ہم نے اس چیز کی ان کے لئے بخشش کر دی۔ اور بے شک ان کے لئے ہمارے پاس قرب کا ذریعہ اور بہترین ٹھکانا ہے۔ (۱)

یعنی یوم آخرت میں ان کو ہمارا قرب نصیب ہوگا اور وہ یہاں بارگاہ عزت وعظمت میں مرتبہ پائیں گے جیسے حدیث میں آیا: کہ منصف لوگ قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اور رحمٰن کے دونوں ہی ہاتھ دائیں ہیں اور بابرکت ہیں۔ اور یہ لوگ وہ ہونگے جو اپنے اہل میں اور اپنے حکم میں اور جو کام بھی ان کو سپرد کیا گیا سب میں انصاف برتنے والے ہوں گے۔

اور مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور اللہ کے سب سے زیادہ قریب نشست میں منصف حاکم ہوگا۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک ناپسند اور سب سے زیادہ عذاب میں گھرنے والا شخص ظالم حاکم ہوگا۔ (۲)

(۳) ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں..... کہ جعفر بن سلیمان فرماتے ہیں میں نے مالک بن دینار سے خدا کے اس فرمان اور ہمارے ہاں اس کے لئے قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے، کا مطلب سنا آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام قیامت کے روز عرش کی تجلی کے پاس کھڑے ہوں گے تو اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے اے داؤد: آج اسی حسین عمدہ آواز کے ساتھ میری بزرگی بیان کرو جس کے ساتھ تم دنیا میں میری بزرگی بیان کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام عرض کریں گے الٰہی اب کیسے ہوسکتا ہے آپ نے مجھ سے وہ آواز لے لی ہے؟

تو فرمان باری ہوگا آج میں دوبارہ تم کو عطا کر دیتا ہوں

تو پھر حضرت داؤد علیہ السلام اہل جنت کی آسودہ حالی کے ساتھ اپنی پوری قوت عمدہ آواز میں صرف کر دیں گے۔

فرمان الٰہی ہے:

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے رستہ سے بھٹکتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب (تیار ہے) کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ (ص:۲۶)

یہ اللہ عزوجل کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کلام ہے۔ اور خلیفہ بنانے سے مراد لوگوں کا حاکم اور ان کے معاملات کا والی و نگہبان بنانا ہے اور اللہ نے ان آیتوں میں آپ کو حق کی اتباع اور عدل وانصاف کا حکم فرمایا ہے اور حق وہ ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اور جو اس کے علاوہ ہے وہ

(۱) سورۃ ص: ۲۵ (۲) وهكذا رواه الترمذي من حديث فضيل بن مرزوق الأغر به، وقال: لانعرفه مرفوعاً الا من هذا الوجه

(۳) وقال ابن ابي حاتم - حدثنا ابو زرعة، حدثنا عبدالله بن ابي زياد، حدثنا سيار، حدثنا جعفر بن سليمان، سمعت مالك بن دينار في قوله

خواہش اور نفسانی تقاضے ہیں۔اور جوان پر چلے گا ان کے لئے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زمانے میں لوگوں کے مقتدا و پیشوا تھے اور عدل وانصاف اور عبادت وزہد وتقویٰ میں آپ مشہور تھے۔حتیٰ کہ آپ اور آپ کے اہل خانہ کا دن رات میں کوئی وقت عبادت سے خالی نہ گذرتا تھا جیسے فرمان باری ہے۔

(اے) آل داؤد شکر کا کام کرو اور میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔

[1] ابن ابی الدنیا کی روایت ہے کہ.....ابی جلد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں پڑھا آپ نے دعا کی اے پروردگار: میں تیرا شکر کیسے بجالاؤں؟ جبکہ میں تیرے شکر کی طرف تیری نعمت کے سوا نہیں پہنچ سکتا۔

تو ان پر وحی آئی کہ اے داؤد: کیا تجھے پتہ نہیں کہ جو نعمتیں تیرے ساتھ ہیں وہ میری طرف سے ہی تو ہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں باری تعالیٰ پس میں ان کے ساتھ آپ سے خوب راضی ہوں۔

امام بیہقی نے فرمایا..... [2] کہ حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی یوں حمد بیان کی:

الحمدللّٰہ کما ینبغی لکرم وجھه وعز جلاله

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جیسی اس کی کریم ذات کے مناسب ہوں اور اس کی بزرگی کی عزت کے مناسب ہوں۔تو حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تو نے محافظ فرشتوں کو (اس کے ثواب لکھنے میں) تھکا دیا ہے اور ابوبکر بن ابی الدنیا نے بھی علی بن الجعد کے ذریعے حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے مثل نقل کیا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک ''الزھد'' کتاب میں فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کے واسطے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے حضرت وہب نے فرمایا کہ آل داؤد کی حکمت میں ہے۔

کہ عقل مند شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ چار گھڑیوں میں کبھی غافل نہ رہے۔ایک وہ گھڑی جس میں اپنے رب سے مناجات کرے اور ایک وہ گھڑی جس میں اپنے نفس کا احتساب کرے۔ایک وہ گھڑی جس میں اپنے ان استادوں یا مرشدوں یا دوستوں کے پاس جائے جو اس کو اس کے عیوب پر مطلع کریں اور اس کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کریں اور ایک وہ گھڑی جس میں اپنے نفس وجان کو آرام اور زیب وزینت اور خورد ونوش کا موقع دے۔

کیونکہ یہ آخری گھڑی پہلی گھڑیوں کے کاموں میں معاون اور مددگار ثابت ہوگی۔

اور عقل مند پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے زمانے کو پہچانے۔اور اپنی زبان کو محفوظ رکھے۔اور اپنے حالات کی طرف توجہ کرتا رہے اور عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ تین مقاصد کے علاوہ سفر نہ کرے یا تو اپنی آخرت سنوارنے کے لئے۔یا اپنی روزی ومعاش کو سنبھالا دینے کے لئے۔یا حلال چیز کی لذت کے لئے۔ [3]

---

(۱) قال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنا اسماعیل بن ابراهیم بن بسام ، حدثنا صالح المری، عن ابی عمران الجونی ، عن ابی الجلد، قال : قرات فی مسالة داوذا

(۲) وقال البیهقی: انبانا ابو عبدالله الحافظ ، ابنا نا ابو بکر بن بالو یه ، حدثنا محمد بن یونس القرشی ، حدثنا روح بن عبادة حدثنی عبدالله بن لاحق ، عن ابن شهاب قال ......الخ

(۳) وقد رواه ابو بکر بن ابی الدنیا عن ابی بکر بن ابی خیثمه . عن ابن مهدی، عن سفیان ، عن ابی الاغر، عن وهب بن منبه فذکره . ورواه ایضا عن علی بن الجعد ، عن عمر بن الهیثم الرقاشی عن ابی الاغز، عن وهب بن منبه فذکر ه . وابو الاغر هذا هو الذی ابهمه ابن المبارک فی روایته . قاله ابن عساکر وقال عبدالرزاق انبا نا بشربن رافع، حدثنا شیخ من اهل صنعاء یقال له ابو عبدالله ،قال سمعت وهب بن منبه فذ کر مثله . وقد اور د الحافظ ابن عساکر فی تر جمة داود علیه السلام......

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات زندگی میں بہت سی دلچسپ باتیں ذکر کی ہیں ان میں سے حضرت داؤد کا یہ فرمان بھی ہے۔

کہ یتیم کے لئے شفیق مہربان باپ کی طرح بن جا
اور جان لے کہ جو تو آج بوئے گا کل کو وہی کاٹے گا

اور ایک غریب سند کے ساتھ جو مرفوع ہے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا

اے برائیوں کے بونے والے تو ہی ان کے کانٹے اور جھاڑ کاٹے گا۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ نصیحت بھی مروی ہے آپ نے فرمایا۔

کہ مجلس میں احمق خطیب، میت کے سر پر گانے والے کی طرح ہے۔

اور یہ بھی آپ نے عظیم قیمتی بات ارشاد فرمائی۔

کہ مالداری کے بعد فقر وفاقہ اتنا برا نہیں جتنا کہ ہدایت کے بعد گمراہی بری ہے۔

اور آپ نے سنہری حرفوں سے لکھی جانے والی یہ نصیحت بھی ارشاد فرمائی۔

خیال رکھ کہ جس بات کا ذکر تو اپنے متعلق مجلس میں ہونا ناپسند کرتا ہے تو اس کو خلوت میں بھی نہ کر اور فرمایا کہ:

اپنے بھائی سے وہ وعدہ نہ کر جس کو تو وفا نہ کر سکے۔ کیونکہ یہ چیز تیرے اور تیرے بھائی کے درمیان بغض وعداوت کا سرچشمہ ثابت ہوگی۔

(۱) ابن سعد فرماتے ہیں.... کہ عفرہ کے غلام عمر سے مروی ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ آپ ﷺ عورتوں سے شادی فرماتے ہیں تو طعن وتشنیع کرنے لگے کہ اس کو دیکھو جو کھانے سے سیر نہیں ہوتا اور عورتوں سے شادی کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

تو اس طرح یہود آپ کی ازواج مطہرات کی وجہ سے حسد وبغض میں مبتلا ہوئے اور پھر کہنے لگے کہ اگر یہ نبی ہوتا تو عورتوں میں رغبت نہ کرتا۔

اور یہودیوں میں سب سے زیادہ دشمن وحاسد انکا بڑا حیی بن اخطب تھا تو اللہ نے ان کی بدزبانی اور حسد کی مذمت فرمائی اور فرمایا۔

کیا وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت (نبوت) دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت عطا فرمائی۔ (۲)

یعنی اللہ نے پہلے پیغمبروں کو جو تمہاری قوم بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے ان کو بھی اسی طرح نعمتیں عطا فرمائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں اور سات سو مہر والی تھیں اور تین سو باندیاں تھیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں ایک کا نام اوریا تھا جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنم لیا اور آزمائش کے بعد ان سے شادی کی تھی۔

تو یہ محمد ﷺ کی بیویوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی تعداد کو ذکر کرتے ہیں۔

(۳) ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پرندوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کہ (اس بارے میں) میں تمہیں ایک عظیم خزانے کی بات بتلاتا ہوں کہ میں تمہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں کے متعلق بتاتا ہوں آپ بہت بڑے روزہ دار اور شب بیدار تھے اور بہت بڑے شجاع ونڈر بہادر بھی تھے جب بھی لڑائی کا موقع آتا تو کبھی پیٹھ نہ دکھاتے تھے۔ آپ نے روزہ کی ہمیشہ یہ ترتیب کی کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے اور حضور ﷺ نے یہی فرمایا۔

روزوں میں سب سے بہتر روزے داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔

اور آپ زبور کتاب الٰہی کو ستر لہجوں میں پڑھتے تھے۔ اور آپ رات کی عبادت میں ایک رکعت ایسی ادا فرماتے کہ اپنے نفس کو بھی رلا دیتے اور

---

(۱) وقال محمد بن سعد أنبأنا محمد بن عمر الواقدی، حدثنی هشام بن سعيد، عن عمر مولى عفرة، قال: قالت اليهود

(۲) النساء ۵۴۔ (۳) وروى الحافظ في تاريخه في ترجمة صدقة الدمشقي الذي يروي عن ابن عباس من طريق الفجر بن فضالة الحمصي. عن ابي هريرة الحمصي، عن صدقة الدمشقي ان رجلا سال ابن عباس ... الخ

آپ کے رونے سے قریب کی ہر چیز ہر گریہ وزاری طاری ہو جاتی۔
آپ کی آواز (لوگوں کو آخرت کی) فکر میں مستغرق کر دیتی اور لوگوں کے دل وجان گرم ہو جاتے۔
آگے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے روزوں کے متعلق بھی بتا دیتا ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام شروع مہینے میں بھی تین دن روزہ رکھتے گویا ہر مہینے کو روزوں سے شروع کرتے اور درمیان بھی روزہ دار رہتے اور مہینے کے ختم بھی روزوں پر کرتے اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں غیر شادی شدہ کنواری پاکدامن کے بیٹے یعنی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے روزوں کے متعلق خبر دوں آپ ہمیشہ روزہ دار رہتے اور جو کھاتے اور جانوروں کے بال کا لباس زیب تن رکھتے جو پاتے کھا لیتے جو نہ ہوتا اس کے متعلق کبھی سوال نہ کرتے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی جس کے مرنے (بیمار ہونے وغیرہ) کا اندیشہ ہوتا اور نہ کوئی گھر تھا جس کے ویران ہونے کا خطرہ ہوتا۔ بس جہاں کہیں رات ہو جاتی مصلی قدموں کے نیچے ڈالتے اور بارگاہ خداوندی میں پہنچ جاتے اور کھڑے نماز ادا فرماتے رہتے حتیٰ کہ صبح کر دیتے اور آپ بڑے ماہر شکار کرنے والے تھے آپ جس کا شکار کرتے وہ کبھی نہ بچ سکتا۔ اور بنی اسرائیل کی مجلسوں میں جاتے اور ان کی پریشانیوں کو دور کرتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے۔
اور اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران کے روزوں کے متعلق بتا دیتا ہوں آپ ایک دن روزہ رکھتیں اور دو دن بغیر روزے کے رہتیں۔ اور اگر تم چاہو تو میں تم کو نبی عربی امی محمد ﷺ کے روزوں کے متعلق بتاؤں آپ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے (اور زیادہ تر تیرہ چودہ پندرہ تاریخ قمری کے۔م) اور فرماتے تھے یہ زمانے بھر کے روزے ہیں۔[1]

حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر اور وفات کا تذکرہ

حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں آپ علیہ السلام (حضرت آدم) کی تخلیق کے متعلق وارد احادیث میں پہلے گذر چکا کہ اللہ نے آپ کی پشت سے آپ کی ساری اولاد کو نکالا تو حضرت آدم علیہ السلام نے انبیاء کو بھی ان میں دیکھا اور ایک نبی کو دیکھا جو چمک رہے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے پروردگار یہ کون ہے؟ تو جواب آیا یہ تیرا فرزند داؤد ہے عرض کیا اے پروردگار اس کی کتنی عمر ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا پرودگار اس کی عمر میں اضافہ فرما دیجئے فرمان صادر ہوا ایسا نہیں ہو سکتا ہے ہاں کہو تو تمہاری عمر میں سے ان کو میں کچھ دے دوں؟ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی۔ تو آدم علیہ السلام نے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر دیئے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں۔
تو حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ تو اللہ نے آدم علیہ السلام کو بھی پورے ہزار سال دیدیئے اور حضرت داؤد کو بھی پورے سو سال عطا فرما دیئے۔ یہ حدیث کئی کتب حدیث میں آئی ہے اور صحیح ہے۔[2]
ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ستتر سال تھی۔
تو یہ بالکل غلط ہے ان پر رد ہے۔ اور اہل کتاب کا یہ کہنا کہ چالیس سال آپ کی بادشاہی رہی اس کو ہم قبول کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں اس کے منافی ومتعارض کوئی روایت نہیں ہے۔[3]

---

(۱) وقد روی الامام احمد عن ابی النضر، عن فرج بن فضاله، عن ابی هرم عن صدقه عن ابن عباس مرفوعاً فی صوم داؤد .. الخ

(۲) رواه احمد عن ابن عباس، والترمذی وصححه عن ابی هریره، وابن خزیمة وابن حبان، وقال الحاکم: علی شرط مسلم، وقد تقدم ذکر طرقه والفاظه فی قصه آدم

(۳) فقال احمد فی مسنده حدثنا قبیصة، حدثنا یعقوب بن عبد الرحمن بن محمد بن عمرو، عن المطلب، عن ابی هریره ....الخ

وفات:......مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام میں بہت سخت غیرت وحیا تھی۔آپ جب باہر جاتے تو باہر سے دروازے بند کر جاتے اور کوئی آپ کے آنے تک داخل نہ ہوسکتا۔تو ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے اچانک صحن کے بیچ میں کسی کو کھڑے پایا تو اس کو کہنے لگی اللہ کی قسم ہم کو حضرت داؤد رسوا کر دیں گے۔ (۱)

اتنے میں حضرت داؤد واپس آگئے پوچھا تو کون ہے؟اس شخص نے کہا میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور رکاوٹیں مجھے آنے سے نہیں روک سکتیں۔

تو حضرت داؤد فورا بولے پھر تو اللہ کی قسم آپ ملک الموت ہو اللہ کے فرمان (موت) کو مرحبا ہو۔پھر کچھ ٹھہرے اور روح قبض ہوگئی۔جب غسل وکفن اور دوسرے معاملات سے فارغ ہوئے تو سورج اپنی تپش ڈالنے لگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو فرمایا داؤد علیہ السلام پر سایہ فگن ہو جاؤ۔تو پرندوں نے آپ (داؤد علیہ السلام) کی نعش مبارک پر سایہ کرلیا حتیٰ کہ رات نے ظلمت طاری کردی تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو فرمایا پر سمیٹ لو۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں ساتھ ساتھ اشاروں سے سمجھا رہے تھے کہ کیسے پرندوں نے پر پھیلائے اور کیسے سمیٹے۔اور وہ پرندے بڑے پروں والے باز تھے۔اور یہ کئی تھے جو سایہ فگن تھے اس روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور سب راوی ثقہ ہیں اور جید سند ہے۔

اور سدی رحمۃ اللہ علیہ سے......منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا داؤد علیہ السلام شنبہ (ہفتہ) کے دن اچانک وفات پاگئے تھے۔اور پرندے آپ پر سایہ فگن تھے۔ (۲)

اور (۳) حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وفات سو سال کی عمر میں ہوئی اور چہارشنبہ (یعنی بدھ) کے روز اچانک وفات ہوئی۔

اور ابوسکن ہجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی اچانک وفات ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی اچانک وفات ہوئی اور آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کی بھی اچانک وفات ہوئی۔ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا۔

اور بعض مفسرین سے منقول ہے کہ ملک الموت آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ داؤد علیہ السلام اپنی محراب کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو فرشتے نے عرض کیا مجھے بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ اتروں یا چڑھوں۔

پھر کہا اے اللہ کے نبی سال، مہینے، آثار، روزی سب کچھ ختم ہوگئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام وہیں سیڑھیوں پر سجدے میں گر گئے اور فرشتے نے سجدے کی حالت میں آپ کی روح قبض کرلی۔

اور (۴) وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عوام الناس حضرت داؤد علیہ السلام کے جنازے میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے اور دھوپ میں بیٹھ گئے۔اور صرف چالیس ہزار علماء بنی اسرائیل تھے اور عوام الناس اس کے علاوہ تھے اور علماء نے برانس پہن رکھے تھے اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد اب تک اس قدر رنج وغم کسی کی وفات پر نہ ہوا تھا۔

---

(۱) وقال السدی عن ابی مالک عن ابن مالک ،عن ابن عباسؓ...... الخ

(۲) وقال السدی ایضاً عن ابی مالک وعن سعید بن جبیر قال مات داؤد علیہ السلام...... الخ

(۳) وقال اسحاق بن بشر، عن سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ، عن الحسن، ......

(۴) وقال اسحاق بن بشر ، أنبانا والوبن سلیمان عن ابی سلیمان الفلسطینی عن وھب بن منبہ

پھر لوگوں کو گرمی و دھوپ نے تنگ کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے شکوہ کیا کہ کوئی گرمی سے بچاؤ کی تدبیر فرمائیں۔ تو حضرت سلیمان نکلے اور پرندوں کو آواز دی تو پرندے اکٹھے ہو گئے پھر آپ نے ان کو لوگوں پر سایہ کرنے کا حکم فرمایا۔ تو وہ لوگوں پر سایہ فگن ہو گئے اور لوگ ایک دوسرے سے چمٹے بیٹھے تھے۔ اور صورت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ پرندے اوپر تھے جس سے ہوا رک گئی تو بنی اسرائیل نے پھر شکوہ کیا تو سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم فرمایا کہ ہوا کے رخ سے چھاؤں نہ کریں بلکہ آفتاب کی طرف سایہ ڈالیں۔ تو پرندوں نے فوراً حکم کی بجا آوری کی۔ تو پھر تمام لوگ سائے اور ہوا میں ہو گئے۔ تو یہ پہلی نشانی اور دلیل تھی جو لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کے متعلق دیکھی۔

اور حافظ ابو یعلی کی روایت [1] میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا داؤد علیہ السلام اپنی امت کے درمیان سے اٹھائے گئے لیکن ان کی قوم فتنے میں نہ پڑی اور نہ انہوں نے تبدیلی کی۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اصحاب مسیح کے طریقے اور ہدایت پر دو سو سال تک رہے۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں نظر ہے۔ اور وضین ابن عطاء حدیث میں ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) حدثنا ابو همام الوليد بن شجاع، حدثني الوليد بن مسلم عن الهيثم بن حميد عن الوضين بن عطاء عن نظر بن علقمه عن جبير بن نفير عن ابى الدرداء

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا نسب نامہ یوں ہے:
سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوینادب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم۔
آپ کی کنیت ابوالربیع۔ نبی اللہ بن نبی اللہ تھی۔
بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ دمشق میں داخل ہوئے تھے۔اور ابن ماکولا نے کہا ہے کہ آپ کے نسب فارص نام میں فارص ہے اور فارض غلط ہے۔
اور انہوں نے ایک نسب نامہ پہلے سے مختصر ذکر کیا ہے۔
فرمان الٰہی ہے:
اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے۔اور کہنے لگے کہ لوگو ہمیں (خدا کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور پرہیزگاری عنایت فرمائی گئی ہے بے شک یہ (اسکا) صریح فضل ہے۔ (النمل ۱۹)
یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے نبوت وسلطنت میں وارث و جانشین تھے۔تو مال کے صرف حضرت سلیمان تنہا وارث کیسے بن سکتے تھے۔اور اسی بات پر مزید وہ حدیث رسول بھی دلیل ہے جو صحیح میں کئی وجوہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہم اپنے چھوڑے ہوئے کا کسی کو وارث نہیں کر جاتے۔تو صادق مصدوق محمد ﷺ نے کس قدر وضاحت سے فرمادیا کہ ہم دوسرے لوگوں کی طرح اموال کے وارث کسی کو نہیں کرتے۔
بلکہ ہمارے اموال صدقہ ہو جاتے ہیں اور اعزاء اقرباء اور خاندان کے لوگ اس کو حاصل نہیں کرتے بلکہ فقراء اور ضرورت مند حضرات میں وہ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔کیونکہ دنیا مع اپنے ساز وسامان کے انبیاء کے ہاں اسی طرح ذلیل وحقیر چیز ہوتی ہے جس طرح ان کے بھیجنے اور منتخب کرنے والے عظمت وجلال کے پیکر کے ہاں ذلیل وحقیر چیز ہوتی ہے۔
اور فرمان الٰہی ہوا ہے:
اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز سکھائی گئی ہے اور (ہر) چیز عنایت فرمائی گئی ہے۔
یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام تمام پرندوں کی بولیاں سمجھتے جانتے تھے اور لوگوں کو ان کا مطلب وترجمہ بھی بتاتے تھے۔
ابوبکر بیہقی کی روایت [1] میں ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام ایک چڑے کے پاس سے گذرے جو چڑی کے گرد و پیش منڈلا رہا تھا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ فرمائیے یہ کیا کہہ رہا ہے۔آپ نے فرمایا یہ چڑیا کو اپنے سے شادی (قریب ہونے) کی دعوت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ شادی کر لو تو میں تمہیں دمشق کے جس بالا خانے میں چاہو گی رہائش دلواؤں گا۔پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ دمشق کے بالا خانے پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور ان میں کوئی نہیں رہ سکتا بلکہ ہر ایسی بات کہنے والا کذاب ہوتا ہے۔(تو گویا یہ چڑا بھی دھوکہ دے کر چڑیا کو مائل کر رہا ہے)۔

---

(۱) وقال الحافظ ابو بکر البیهقی : أنبأنا ابو عبدالله الحافظ ، أنبأنا علی بن حمشاد ، حدثنا اسماعیل بن قتیبة ، حدثنا علی بن قدامه، حدثنا ابو جعفر الا سوانی، یعنی محمد بن عبدالرحمن ، عن ابی یعقوب العمی ، حدثنی ابو مالک قال ....

اس کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالقاسم زاہر بن طاہر سے انہوں نے بیہقی سے اس کو روایت کیا ہے اسی طرح دوسرے حیوانات اور ہر قسم کی مخلوق کے ساتھ آپ کا یہ حال تھا۔ اور اسپر دلیل یہ فرمان باری ہے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا (اور ہم کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) یعنی پوری دنیا کی بادشاہت کی جو بھی ضروریات ہوسکتی ہیں، لشکر سامان حرب، جن وانس کی جماعات، پرند وچرند، انس ووحشی جانوروں کی جماعات کی اور ان کے متعلق تمام علوم اور تعبیرات اور ان کے ساتھ ہمکلام ہونے کی تمام زبانیں الغرض سب کچھ عطا کردیا گیا تھا۔ اسپر حضرت سلیمان نے فرمایا (بے شک یہ کھلا فضل ہے) یعنی تمام مخلوقات کے خالق کی طرف سے ہم کو عطا کردہ فضل ہے ہمارا اس میں کمال نہیں ہے۔

اسی کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے:۔ اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور وہ قسم وار کئے گئے۔ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان تک پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیوں اپنے اپنے بلوں میں داخل ہوجاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو تو وہ اس کی بات سے ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہوجائے۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔[1]

اللہ عزوجل اپنے پیغمبر اپنے بندے اور اپنے پیغمبر کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ اپنے جن وانس اور پرندوں کے تمام لشکروں کے ساتھ سفر کے لئے سوار ہوئے۔ تو جن وانس آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور پرندے آپ پر سایہ فگن تھے۔ اور اپنے پروں کو پھیلائے گرمی دھوپ اور دوسری چیزوں سے سب کی حفاظت کررہے تھے اور سب کے سب ایسی منظم ترتیب کے ساتھ صف درصف تھے کہ کوئی پرندہ صف میں اپنی جگہ سے ادھر اُدھر نہ ہوتا تھا اور اس کے باوجود سب ہواوں کے دوش پر محو اڑان تھے چلتے چلتے ایک وادی پر گذر ہوا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حتیٰ کہ وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو: اپنے بلوں میں داخل ہوجاؤ۔ کہیں سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں تم کو روند نہ ڈالے۔

تو یوں سردار چیونٹی نے اپنی چیونٹیوں کو بچنے اور احتیاط کرنے کا حکم صادر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر سے معذرت کی کہ ہم نے یہ حکم اس لئے جاری کیا ہے کہ ہوسکتا ہے آپ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور ایسی صورت میں آپ کا لشکر ہم کو کچل جائے۔ تو اسطرح ظلم کی نسبت کرنے سے چیونٹی نے احتراز کیا۔

وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ایک فرش پر تشریف فرما طائف کی وادی میں سے گذرے تو یہ حاکم چیونٹی جس کا نام جرس تھا اور اپنے قبیلہ بنوشیصبان کی سردار تھی اور پاؤں سے لنگڑی تھی۔

اس پوری روایت میں غلطی ہے اس کا طرز بیان بھی اس کے غلط ہونے پر شاہد ہے اس میں ہے کہ آپ ایک چٹائی پر تشریف فرما ہو کر ہوا کے دوش پر محو سفر تھے۔ جبکہ اس صورت میں چیونٹیوں کے کچلے جانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ عظیم تخت وفرش سب لشکروں اور تمام سامانوں کو اٹھاتا تھا بلکہ یہ سفر جس میں چیونٹیوں کے کچلے جانے کا احتمال تھا گھوڑوں پر سفر تھا۔ اور اس عظیم تخت وفرش کے متعلق ہم جلد کچھ بیان کریں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

الحاصل والمقصود یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سمجھ گئے جو اس نے اپنی قوم کو کہی اور وہ بات بڑی درست رائے اور لائق تعریف تھی۔ جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ازراہ فرح وسرور تبسم فرمایا کہ اللہ نے ان کو دوسروں کے علاوہ کس قدر انعام سے نوازا۔

اور وہ بات بالکل غلط ہے جو جاہلوں نے کہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے قبل چرند وپرند انسانوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے عہد وپیمان لیا کہ آئندہ وہ میرے علاوہ کسی سے بولیں گے نہیں۔ تو یہ جہلاء کی بات ہنسی مذاق کے درجے میں ہے اس کو وہی کہہ سکتا ہے جس کو کچھ سمجھ بوجھ نہ ہو۔ کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے یہ چیز دوسروں پر اعزاز وفخر کا باعث نہ ہوتی۔ کیونکہ پھر تو تمام لوگ ہی جانتے۔ اور یہ بات کہ آپ نے چرند پرند سے عہد لیا یہ بھی آپ پر بہتان ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۱) النمل ۱۷۔۱۹

حضرت سلیمان علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔فرمان الٰہی اس کا ناقل ہے۔

پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں اور مجھے ایسے نیک عمل کی توفیق دے جس سے آپ راضی ہوں۔اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

پس انہوں نے اللہ عزوجل سے چاہا کہ ان کو اپنی عطا کردہ نعمتیں اور خصوصی نوازشات پر بے انتہا شکر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اس پر عمل صالح کو آسان بنا دیں اور جب وفات دیں نیک بندوں کے ساتھ انکا حشر فرما دیں۔اور اللہ عزوجل نے اپنے نیک بندے کی سب دعائیں قبول کرلیں۔

اور والدین کا جو ذکر ہے اس سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں وہ بھی انتہائی عبادت گذار نیک خاتون تھیں جیسے کہ سنید بن داؤد نے اس [1] طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ام سلیمان بن داؤد نے فرمایا: اے میرے بچے رات کو نیند زیادہ نہ کر بے شک رات کو زیادہ نیند کرنا بندے کو قیامت کے روز فقیر بنا کر چھوڑے گا۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مثل حدیث کو اپنے چار مشائخ سے نقل کیا ہے۔

اور عبدالرزاق، معمر سے اور وہ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ پانی کی طلب میں نکلے (یعنی دعائے استسقاء وغیرہ کے لئے) تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پیروں میں سے ایک پیر کو اٹھائے ہوئے بارش طلب کر رہی ہے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا پس لوٹ جاؤ تم بارش سے سیراب ہو جاؤ گے کیونکہ اس چیونٹی نے بارش طلب کی ہے اور اس کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مرفوع نقل کیا ہے لیکن اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔اور اس طریق سے [2] روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ساتھ اللہ سے بارش طلب کرنے کے لئے نکلے وہاں دیکھا کہ ایک چیونٹی ایک پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے تو اس نبی نے فرمایا پس واپس لوٹ جاؤ اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کرلی گئی ہے۔

اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں قحط پڑا تو آپ نے لوگوں کو استسقاء کے لئے نکلنے کا حکم دیا وہاں ایک چیونٹی اپنے قدموں پر کھڑی ہاتھوں کو پھیلائے دعا کر رہی تھی۔اے اللہ میں بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہوں ہمیں بھی تیرے فضل کے بغیر چارہ کار نہیں۔تو اللہ نے ان پر بارش برسا دی۔

فرمان الٰہی ہے۔اور جب انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا۔کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا۔یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے۔ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہدہد آ موجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس (شہر) سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اسے میسر ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں۔اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے۔پس وہ رستے پر نہیں آتے (اور نہیں سمجھتے) کہ خدا کو جو آسمان اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں۔خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے (سلیمان علیہ السلام نے) کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے پھر آ۔اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ملکہ نے کہا کہ دربار والو میری طرف ایک نامہ

(۱) قال سنید بن داود عن یوسف بن محمد المنکدر، عن ابیہ عن جابر

(۲) من طریق محمد بن عزیز، عن سلامۃ بن روح بن خالد، عن عقیل، عن ابن شہاب حدثنی ابو سلمہ عن ابی ہریرۃ۔

گرامی ڈالا گیا ہے۔اور سلیمان کی طرف سے ہے۔اور (مضمون یہ ہے) کہ شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع اور منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ اے اہل دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو اور جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کو فیصل کرنے والی نہیں وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر کر لیجئے گا۔اس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ کیا جواب لاتے ہیں جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو (سلیمان نے) کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش ہوتے ہوں گے۔ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔

اس مقام پر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد پرندے کا عجیب قصہ ذکر فرمایا ہے۔پرندے آپ کے پاس اپنی اپنی باری پر حاضر ہوتے تھے مثلاً کبھی ہدہد پرندوں کی باری ہے تو کبھی دوسری قسم کے پرندوں کی باری ہے اور ویسے بھی آپ جس کو طلب کرتے وہ حاضر ہو جاتے۔اور ہدہد کا کام آپ کے ہاں یہ تھا کہ آپ کبھی سفر میں ہوتے اور جنگلوں میں پانی کی ضرورت پیش آتی تو ایک ہدہد کو پانی کی تلاش کے لئے بھیجتے تھے اور اللہ نے ہدہد کو یہ صلاحیت واستعداد عطا فرمائی تھی کہ پانی کو زمین کے نیچے ہونے کے باوجود جان لیتا تھا۔تو پھر یہ پرندہ آپ کو بتا دیتا اور لوگ وہاں کھود کر پانی تلاش کر لیتے۔

تو اسی طرح ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو بلوایا تو وہ موجود نہ تھا اور اپنی خدمت کی جگہ نہ ملا۔تو آپ نے فرمایا (کیا ہوا مجھے، میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ ہی غائب ہے) یعنی یا تو وہ موجود ہی نہیں یا مجھے نظر نہیں آرہا۔اگر موجود نہیں ہے (تو میں اس کو سخت سزا دوں گا) یہاں خاص عذاب کی دھمکی دی جس کی مفسرین نے کئی تفسیریں فرمائی ہیں۔اور مقصود ان کے فرمان سے حاصل ہو رہا ہے فرمایا (یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا تو وہ کوئی ظاہر دلیل لے کر آئے (اپنے عذر پر) جو اس کو اس عذاب سے نجات دلوا دے۔اللہ نے فرمایا (پھر تھوڑی دیر ٹھہرا تھا) یعنی ہدہد کو تھوڑی دیر بھی غائب ہوئے نہ ہوئی ہوگی کہ وہ آ گیا اور سلیمان علیہ السلام سے کہا (میں ایسی چیز کو جان کر آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور میں (قوم) سبا کی یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔میں نے ایک عورت کو ان پر سلطنت کرتے ہوئے پایا ہے اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا عظیم تخت ہے)۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ سبا ملک یمن کی عظیم سلطنت ہوا کرتی تھی۔اور بادشاہت وہاں ایک خاندان میں چلی آ رہی تھی، چلتے چلتے ایک بادشاہ کی بیٹی اس کی خلیفہ بنی اور اس کے علاوہ کوئی اور لڑکا نہ تھا۔تو یہ سلطنت کی بادشاہ بن گئی ثعلبی وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ عورت بلقیس اپنے والد کی وفات کے بعد سلطنت کر رہی تھی ایک دوسری قوم ان پر غالب آ گئی اور انہوں نے وہاں دنگا فساد برپا کر دیا تو بلقیس نے اس کو پیغام نکاح بھیجا اور اس ظالم بادشاہ نے اس کے ساتھ شادی کر لی تو بلقیس نے اس کو شراب پلا دی پھر اس کے سر کو کاٹ کر اپنے دروازے پر لٹکا دیا۔تو لوگوں نے اس کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔اور یہ بلقیس بنت سیرح حدحاد تھی۔اور ایک قول ان کے نسب کے متعلق یہ ہے شراحیل بن ذی جدن بن سیرح بن الحارث بن قیس بن صیفی ابن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

اور اس بلقیس کا باپ بڑے بڑے بادشاہوں میں سے گذرا تھا اس نے عہد کیا تھا کہ میں اہل یمن کی کسی عورت سے شادی نہ کروں گا تو پھر اس نے ایک جنی سے شادی کی جس سے یہ لڑکی بلقیس پیدا ہوئی اس کی ماں کا نام ریحانہ بنت سکن تھا۔اور بلقیس کا صحیح نام تلقمہ تھا۔

اور ثعلبی روایت[1] کرتے ہیں کہ ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے پاس بلقیس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنی سردار عورت کو بنا لے۔

اس روایت میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہے البتہ مضمون حدیث موید ہے۔

---

(۱) وقال الثعلبی: اخبرنی ابو عبدالله بن فنجوية حدثنا ابو بكر بن حرجة حدثنا ابن ابی الليث حدثنا ابو كريب حدثنا ابو معاوية عن اسماعيل بن مسلم عن الحسن عن ابی بكرة

[1] ثعلبی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

اور صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں عوف سے اور وہ حسن سے حسن ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کے پاس یہ بات پہنچی کہ اہل فارس اپنے پر کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا ایسی قوم ہرگز فلاح کو نہیں پہنچ سکتی جو اپنا والی عورت کو بنادے۔

اور اس حدیث کے مثل کو ترمذی، نسائی نے بھی روایت کیا ہے [2] اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح فرمایا ہے۔ الغرض ہدہد نے کہا کہ (اس کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) یعنی بادشاہی کا تخت جو قسم قسم کے ہیروں موتیوں اور سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے۔

پھر پرندے نے ان کے کفر باللہ کو ذکر کیا کہ شیطان نے ان کو اللہ کی راہ سے بھٹکا رکھا ہے جو زمین کی نباتات کو اگاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور جو بھی لوگ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں سب کو جانتا ہے۔ یعنی ہر محسوس اور معنوی کو خوب جانتا ہے۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا پروردگار ہے) اس کے لئے ہے عرش عظیم تو اس کا مقابلہ پوری مخلوق عرش بنا لے وہ بھی نہیں کر سکتی۔ تو انہوں نے یعنی قوم سبا نے اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کو اپنی عبادت بنا لیا ہے۔ ہدہد نے یہ خبر سلیمان کو پوری طرح سنائی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط اس کو بھیجا جو خدا کی طرف دعوت پر مشتمل تھا اور یہ دعوت بھی تھی کہ تم میری سلطنت کے تحت آجاؤ اور عاجزی کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کر دو۔ جیسے فرمایا (اور مجھ پر بڑائی مت کرو) یعنی میری فرماں برداری سے انحراف نہ کرو بلکہ (اور میرے پاس تابعدار بنے چلے آؤ) یعنی بغیر کسی شش و پنج میں مبتلا ہوئے فوراً اپنے لئے یہ خیر کا فیصلہ کر لو۔ تو جب پرندہ خط لے کر پہنچا (اور تب ہی سے خط و کتابت کا سلسلہ پرندے کے ذریعے مشہور اور زبان زد ہوا۔ لیکن ثریا ستارے کو ثریٰ نیچے کی مٹی کب پہنچ سکتی ہے کہ وہ خط تو حضرت سلیمان نے پرندے کو دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت پرندے ایسی ہی کرتے تھے جیسے تابع و مطیع انسان اپنے آقا کی کرتا ہے۔

تو الغرض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ وہی پرندہ تھا اور وہ خط لے کر بلقیس کے محل تک پہنچا۔ تو پرندے نے دیکھا کہ بلقیس اپنی خلوت گاہ میں بیٹھی ہے تو پرندے نے خط اس کے سامنے ڈال دیا اور خود کونے میں کھڑا دیکھنے لگا کہ بلقیس کا کیا ردعمل ہوتا ہے اور کیا جواب دیتی ہے۔ تو ہدہد نے دیکھا کہ بلقیس ملکہ نے اپنے امراء وزراء اور تمام ارکان دولت کو اکٹھا کر لیا۔ تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر غور و خوض اور مشاورت کی جائے۔

(کہنے لگی اے جماعت میری طرف ایک کریم خط ڈالا گیا ہے) پھر اس کے عنوان کو پڑھ کر اور اس کے مضمون کو پڑھ کر سنایا کہ (بے شک سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک اللہ کے نام سے ہی شروع کرتا ہوں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے تم لوگ مجھ پر بڑائی نہ کرو اور تابعدار ہو کے میرے پاس چلے آؤ) خط سنانے کے بعد مشورہ کیا پھر خود انتہائی ادب و سلیقے سے اپنے امراء و وزراء کو مخاطب ہوئی (کہنے لگی اے جماعت مجھے میرے معاملے میں بتاؤ میں قطعی فیصلہ جب تک نہ کروں گی جب تک کہ تم حاضر نہ ہوؤ۔ یعنی تمہاری رائے کے بغیر میں فیصلہ صادر نہیں کر سکتی (تو وہ کہنے لگے ہم قوت والے اور سخت جنگجو ہیں اور معاملہ آپ کی طرف سپرد ہے پس آپ دیکھ لیں کہ آپ کیا فیصلہ دیتی ہیں) یعنی اگر جنگ مقصود ہے تو ہم بہت بڑے جنگجو اور طاقتور بہادر ہیں اور اچھی طرح دشمن سے ٹکرا لے سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم آپ کی اطاعت سے نکلنے والے نہیں ہیں بلکہ جو آپ فیصلہ دیں گی ہم سر تسلیم خم کر لیں گے۔

لہٰذا آپ خود ہی ہماری اور اپنی بہتری کے لئے کوئی راہ جو مناسب و درست معلوم ہو منتخب کر لیجئے پھر بلقیس نے رائے و فیصلہ دیا جو ان کی رائے سے بہت ہی بہتر تھا اور بلقیس جان گئی کہ یہ صاحب خط کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے اور نہ ان سے جنگ میں جیتنا ممکن ہے نہ ان کی مخالفت مول لی جا سکتی نہ ان کو دھوکا دیا جا سکتا۔

تو تمام پہلوؤں پر غور و خوض کر کے اس نے کہا بے شک بادشاہوں کی ایسی عادت ہے کہ جب وہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ

---

(۱) وقد روی الثعلبی من طریق سعید بن بشیر عن قتادہ عن النضر عن بشیر بن نهیک عن ابی هریرۃ

(۲) وروی الترمذی والنسائی من حدیث حمید، عن الحسن، عن ابی بکرۃ عن النبی ﷺ بمثله

وبرباد کرتے ہیں اور اس کے باعزت گروہ کو ذلیل کردیتے ہیں اور اس طرح وہ کرتے ہیں) یعنی یہ بادشاہ اگر اس مملکت پر غالب آ گیا تو معاملے کی سختی اور نتیجہ میری ذات پر ختم ہوگا اور تمام تر سختی وعذاب اور رسوائی زیادہ تر میرے ساتھ پیش آئے گی۔ لہٰذا (اور میں ان کی طرف ہدیہ بھیج کر دیکھتی ہوں کہ قاصدین کس بات کے ساتھ واپس آتے ہیں) یعنی بلقیس نے اپنے اور اہل مملکت کی طرف سے چند تحائف کے بدلے چھٹکارا پانا چاہا کہ شاید اس طرح حضرت سلیمان ٹھنڈے پڑ جائیں اور نرمی اختیار کریں لیکن اس کو یہ پتہ نہ تھا کہ حضرت سلیمان مسلمان ہیں اور وہ اس کافرہ سے کچھ ہدیہ قبول نہ کریں گے چہ جائیکہ آپ کے لشکر کے لئے ان تمام کو زیر کرنا معمولی درجے کی بات تھی۔ اسی وجہ سے (جب قاصد سلیمان کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم مال کے بدلے مجھے مدد دینا چاہتے ہو جو اللہ نے مجھے دیا وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے کے ساتھ خوش ہوتے ہوگے) حالانکہ یہ تحائف عظیم خزانوں پر مشتمل تھے جنکو مفسرین نے ذکر کیا ہے پھر آپ نے بلقیس کے قاصد کو تمام لوگوں کی موجودگی میں فرمایا (ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بےعزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے)

اور ساتھ اپنے یہ تحائف بھی لیتے جاؤ جس کے پاس تم یہ تحائف لاتے ہو اس کو اللہ نے اس سے بہت زیادہ بے انتہاء عطا کیا ہے۔ اور اب ہم تمہارے پاس بڑا زبردست لشکر لے کر آ رہے ہیں جن سے مقابلے پر تم میں بالکل سکت نہیں۔ تو جب اللہ کے پیغمبر کی طرف سے یہ فرمان جلالی پہنچا تو ان کو سوائے سننے اور اتباع کرنے اور عاجزی وانکساری سے جھک جانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ان کے آنے کی خبر سنی تو آپ نے جنوں سے ایک پیشکش فرمائی جس کا مفصل ذکر کلام الٰہی میں آیا جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو (سلیمان نے) کہا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے عنایت فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے تحفہ سے تم ہی خوش ہوتے ہوگے۔ ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی۔ اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔ فرمان باری تعالیٰ میں اس قصے کا ذکر ہے:

(سلیمان نے) کہا اے دربار والو تم میں سے کوئی قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے جنات میں سے ایک ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس سے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت (بھی حاصل ہے اور امانت دار (بھی) ہوں ایک شخص جس کو کتاب (الٰہی) کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں جب (سلیمان نے) تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے پروردگار کا فضل ہے کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے (سلیمان نے) کہا کہ ملکہ کے (امتحان عقل کے) لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سوجھ نہیں رکھتے جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے اس لئے کہا کہ گویا یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی) عظمت اور شان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔

اور وہ جو خدا کے سوا (اور کسی کی) پرستش کرتی تھی (سلیمان نے) اس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی (پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلئے جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا) اٹھا کر اپنی پنڈلیاں کھول دیں (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جس کے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی اور (اب) سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔ (۱)

تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے بلقیس کا وہ عظیم تخت منگوایا جو اپنے فرمان شاہی کے وقت استعمال کرتی تھی، اور حضرت سلیمان نے تخت کے بلقیس کے آنے سے پہلے کا حکم فرمایا (تو ایک عفریت جن نے کہا میں اس کو آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے لے آؤں گا) یعنی آپ کی مجلس فیصلہ جب تک برخاست ہوگی۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ کی مجلس اور دربار زوال شمس کے وقت برخاست ہوتا تھا تو تب تک میں عرش اتنی دور

(۱) سورۃ النمل ۳۸ تا ۴۴

مسافات سے ضرور لے آؤں گا۔ (اور میں اس پر قوی اور امانت دار ہوں) یعنی میں اس کے تخت کو آپ تک پہنچانے پر پوری طاقت رکھتا ہوں اور پھر جو اس میں ہیرے موتی جڑے ہوں گے سب کو بامانت آپ کے حوالے کردوں گا۔ (تو اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا) یعنی دوسرے جن نے کہا جس کو کتاب الٰہی یعنی نورانی علم سے نوازش ملی تھی۔ اس نے کہا۔ اور یہ کون تھا؟ مشہور یہ ہے کہ یہ آصف بن برخیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس صورت میں یہ انسان تھا۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جنوں میں سے مومن جن تھا اور اسم اعظم جانتا تھا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ اور ایک انتہائی ضعیف قول یہ بھی ہے کہ آپ خود حضرت سلیمان تھے اور علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام کے ظاہر سے بھی یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک اور قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ تو جو بھی تھے انہوں نے (کہا میں اس کو آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا) اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے قاصد کو اپنی نظر کے پہنچنے تک روانہ کریں پھر وہ قاصد آپ کے پاس آئے تو اس سے پہلے عرش حاضر ہوگا۔ اور ایک مطلب ہے کہ آپ لوگوں کے مجمع میں جس آخری شخص کو دیکھ رہے ہیں جب تک وہ آپ کے پاس پہنچے اس سے پہلے عرش پہنچ جائے گا۔ اور ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آخری شخص پر اپنی نگاہ جمائیں تو نگاہ کے تھک کر جھپکنے سے پہلے تخت حاضر کردیا جائے گا۔ اور سب سے صحیح ہیں اور راجح قول یہ ہے:

کہ آپ اپنی نگاہ تاحد نگاہ ڈالیں اور فوراً واپس لے آئیں پھر آپ آنکھ بند کریں تو اس سے پہلے پہلے عرش بلقیس اپنی تمام تر دوریوں کے باوجود حاضر خدمت ہوگا۔

آپ نے خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیا کہ (پھر آپ نے اس کو اپنے پاس ٹھہرا دیکھا) یعنی بلقیس کے عرش کو اس پلک جھپکنے کی مدت میں اپنے پاس پالیا حالانکہ یہ عرش یمن کے شہر اور شہر سبا سے بیت المقدس لے جایا گیا تھا۔ اور وہ بھی پلک جھپکنے کی مدت میں تو آپ نے (کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے یعنی اس کا نفع اسی کو ملتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو بے شک میرا رب بے پرواہ کریم ہے یعنی اس کو شکر کرنے والوں کے شکر کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ کافرین کے کفر سے اس کو کوئی ذرہ بھر ضرر پہنچتا ہے۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو حکم فرمایا کہ اس عرش کے زیورات کو آگے پیچھے لگا دیا جائے اور کچھ شکل بدل دی جائے تاکہ بلقیس کی عقل وفہم کا اندازہ لگائیں اسی وجہ سے فرمایا (ہم دیکھیں گے کہ وہ درست راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو درست راہ نہیں پاتے تو جب وہ آئی اس کو کہا گیا کیا تیرا عرش ایسا ہے؟)

اس نے کہا گویا وہی ہے، یہ اس کی فطانت وذہانت تھی کہ اس نے پورے یقینی الفاظ کے ساتھ نہ کہا کہ وہ اس کا ہے کیونکہ اس کو تو وہ اپنی سوچ میں پیچھے چھوڑ کر آئی تھی۔ اور یہ بھی نہ جانتی تھی کہ کوئی اللہ کی طرف سے ایسی قدرت بھی رکھتا ہے جو پلک جھپکنے میں یمن سے بیت المقدس تک اس کو لا سکتا ہے۔ تو اسلئے اس نے کہا اس جیسا ہے اور بالکل اس کے قریب ہے تو گویا وہی ہے۔ آگے فرمان الٰہی ہے جو حضرت سلیمان پر اس تسخیر کی نعمت کو بتلاتا ہے جس کا بلقیس نے اقرار کیا فرمان الٰہی ہے! اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمت وشان وشوکت کا) علم تھا۔ اور ہم فرماں بردار ہیں اور وہ جو خدا کے سوا (اور کسی کی) پرستش کرتی تھی (سلیمان نے) اس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی)۔

یعنی حضرت سلیمان نے اس کو آفتاب کی پرستش سے روکا اور یہ اپنی قوم کے ساتھ اس کی عبادت کرتی تھی اور یہ دین اس کو اپنے آباء سے ورثے میں ملا تھا۔ اور اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے خدا کے حق ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی۔

اور اس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک عمارت کی بناء کا حکم فرمایا تھا جو ایسی آبگینے یعنی شیشے کی ہو جس میں پانی چلتا ہو اور چھت شیشے کی ہو نیچے پانی جاری ہو اور پانی میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور ہوں اور یہ تیار ہو چکی تو پھر بلقیس کی آمد پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اس عمارت میں داخل ہونے کا حکم دیا اور حضرت سلیمان پہلے سے اس عمارت میں اپنے شاہی تخت پر جلوہ افروز تھے۔ اور نیچے شیشے کے نیچے سے بالکل پانی ایسی آب وتاب کے ساتھ بہہ رہا تھا کہ شیشہ درمیان میں نظر ہی نہ آتا تھا۔ تو اس کے متعلق فرمان الٰہی ہے بلقیس (نے پھر اس کو دیکھا تو اس کو پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جس کے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تو وہ بول اٹھی

کہ پروردگار میں (اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اوراب) میں سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں)
کہا گیا ہے کہ بعض جنات کا اس وقت یہ خیال تھا کہ کسی طرح بلقیس حضرت سلیمان کو بری لگے اور وہ اپنی پنڈلیاں کھول دے تا کہ اس پر بال نظر آجائیں اور حضرت سلیمان پھر اس سے شادی نہ کریں رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ بلقیس کی ماں جنی تھی۔ اور اگر شادی ہوگئی تو ان پر وہ بھی مسلط ہو جائے گی۔ اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس کے پاوں جانور کے مانند تھے جو بالکل کمزور بات ہے اور پہلی بات میں بھی نظر ہے۔ واللہ اعلم۔
اور کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کا ارادہ فرمالیا تو پہلے اس کے نچلے بال اتروانے کے متعلق انسانوں سے سوال کیا کہ اس کی کیا ترکیب ہوسکتی ہے جواب دیا کہ بلقیس استرا استعمال کرے لیکن بلقیس اس پر آمادہ نہ ہوئی تو پھر آپ نے جنوں سے سوال کیا تو انہوں نے نورہ بنا کر دیا (یعنی وہ سفوف جو آجکل بھی عورتیں استعمال کرتی ہیں) اور پھر جنوں نے آپ کے لئے ایک حمام بھی بنایا۔ آپ اس میں داخل ہوئے تو اس کی گرمی کو محسوس کر کے منہ سے نکلا اوہ عذاب، وہ یہ تو عذاب ہے۔
ثعلبی وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس سے شادی کر لی تو اس کو یمن کی سلطنت پر برقرار رکھا اور اس کو واپس لوٹا یا پھر آپ ہر مہینے اس کے پاس تین دن ٹھہر کر تخت ہوائی پر واپس آجاتے اور آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ یمن میں تین محل ان کے لئے بنائے جائیں جن کے نام غمدان۔ سالحین۔ بیتون تھے۔ واللہ اعلم۔
اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم کے واسطے سے حضرت وہب بن منبہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نے اس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ ھمدان کے بادشاہ کے ساتھ اس کی شادی کر دی تھی۔ اور بلقیس کو یمن کی سلطنت پر برقرار رکھا تھا۔ اور ملک یمن کے بڑے زوبعہ جن بادشاہ کو بلقیس کے تابع کر دیا تھا جس نے اس کے لئے مذکورہ تین محل تعمیر کرائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح اور مشہور وظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق: ......اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کئے۔ وہ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے جب ان کے سامنے خاص قسم کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہانتک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) ان کو میرے پاس لاؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اے پروردگار میری مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے اور وہ ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور اوروں کو بھی جو زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو) احسان کرو، یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔ (۱)
اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام عطا کئے جانے کا ذکر فرما رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کی تعریف فرماتے ہیں (بہترین بندے تھے بے شک وہ خوب رجوع کرنے والے تھے) یعنی اللہ کی طرف ہر وقت لو لگائے رکھتے تھے اور خوب آہ وزاری کرتے تھے۔ اور پوری اتباع کرتے تھے۔ پھر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عمدہ گھوڑوں کا ذکر فرمایا جو صافنات تھے۔ یعنی تین پاوں پر کھڑے ہو کر چوتھا اٹھائے رکھتے تھے۔ جو ان کے عمدہ اور اعلیٰ نسل ہونے اور تیز رفتار ہونے کی نشانی ہے۔
(تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب اپنے) پردے میں چھپ گیا۔ (پھر بولے کہ) ان کو میرے پاس لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اس سے مراد ہے کہ گردنوں اور ایڑی کے اوپر کے پٹھے کو تلوار سے کاٹنے لگے۔
اور پردوں میں چھپ گیا اس سے غروب شمس مراد ہے اور یہی اکثر سلف کے نزدیک راجح ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں

(۱) سورۃ ص ۳۰ تا ۴۰

کے معاملے میں مشغول ہو گئے حتی کہ عصر کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہو گیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے۔ لیکن اس صورت میں ظاہر نظر میں اشکال ہوتا ہے کہ نماز کو بغیر عذر کے چھوڑنا یعنی وقت سے موخر کرنا کیسے صحیح و جائز ہے؟ تو اللہ سے مدد لیتے ہوئے ہم اس کا جواب یہی دے سکتے ہیں کہ شاید ان کی شریعت میں کچھ گنجائش تھی۔ اور آپ سے اسباب جہاد کی وجہ سے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں نماز مؤخر ہو گئی تھی۔

اور علماء کی ایک جماعت اس قول کی قائل ہے کہ یوم خندق میں نبی ﷺ نے نماز عصر موخر فرمائی تھی اور یہ اسوقت مشروع تھا۔ پھر نماز خوف کے ساتھ اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کے قائل ہیں اور اس کی تقریر و وضاحت ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورہ نساء میں صلوۃ الخوف کے تحت کر آئے ہیں۔

اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ آپ سے بھول کر یوم خندق کو نماز عصر مؤخر ہوئی تھی۔ اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے فعل کو بھی بھول پر محمول کیا جائے گا...... واللہ اعلم۔

اور یہ تمام تر تفسیر و تفصیل اسی صورت میں ہے جب ہم چھپ جانے سے آفتاب مراد لیں۔

اور بعض حضرات نے اس کے مخالف یہ فرمایا ہے کہ توارت .... کی ضمیر خیل کی طرف لوٹ رہی ہے لہذا آیت کا مطلب ہے کہ گھوڑے چھپ گئے۔ اور نماز کا وقت ختم نہیں ہوا۔ اور اگلا فرمان کہ ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا، اس کا مطلب ہوگا کہ گردنوں اور ایڑی کے پٹھوں کے پسینے کو صاف کیا یہ قول حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور والبی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پسینہ پونچھنے کے متعلق اس کو روایت کیا ہے اور حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو اختیار فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر اپنے مال کو بغیر کسی وجہ اور ان کے گناہ کے یوں قتل نہیں کر سکتا لیکن اس دلیل میں کچھ نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی ملت میں جائز ہو۔ جیسے ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنے مویشیوں بکریوں، بھیڑ اور بھی دوسرے جانوروں پر دشمن کافرین کے غلبے کا خطرہ رکھتے ہوں تو مسلمان کے لئے ان کو ذبح کرنا اور ہلاک کرنا اسوجہ سے جائز ہے تا کہ کافر قبضہ کر کے اس کے ساتھ تقویت حاصل نہ کریں۔

اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کا جنگ موتہ میں گھوڑوں کو قتل کروانا اسی وجہ سے تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ ان گھوڑوں کی عظیم تعداد تھی۔ دس ہزار یا بیس ہزار۔ دو قول ہیں۔ اور انہی کے اندر بیس گھوڑے پروں والے بھی تھے۔ یعنی انتہائی تیز رفتار تھے۔

ابوداؤد میں ہے (۱) کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے۔ اور حضرت عائشہ کی الماری پر پردہ پڑا واتھا تو ہوا کا جھونکا آیا اور پردے کا گوشہ ہٹ گیا تو سامنے عائشہ کی گڑیاں نظر آ گئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا اے عائشہ رضی اللہ عنہا ...... یہ کیا؟ عرض کیا میری گڑیاں ہیں۔ پھر آپ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس پر کپڑے کے دو پر بھی تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اور ان کے درمیان میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ عرض کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر بھی تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھوں کو دیکھ لیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو خدا کی خاطر چھوڑا تو خدا نے انکا نعم البدل عطا فرمایا یعنی وہ ہوا جو آپ کو ایک صبح میں مہینے کا سفر کرا دیتی تھی اسی طرح ایک شام میں مہینے کی مسافت طے کرا دیتی تھی۔

جیسے مسند احمد میں (۲) ہے ابو دہماء اور ابو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے یہ دونوں حضرات بیت اللہ کا سفر بہت کیا کرتے تھے تو کہتے ہیں کہ ہم ایک دیہاتی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے علم سکھانے لگے جو اللہ نے آپ کو سکھایا تھا۔ اور فرمایا۔ تو کسی بھی چیز کو اللہ کے ڈر سے چھوڑے گا تو اللہ عز و جل تجھے اس سے بہت بہتر عطا فرمائیں گے۔

آگے فرمان الٰہی ہے: اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر وہ تائب ہوئے۔

---

(۱) وقد روی ابو داود فی سننه حدثنا محمد بن عوف، حدثنا سعيد بن ابی مريم حدثنا يحی بن أيوب، حدثنی عمارة بن عزية ان محمد بن ابراهيم حدثه عن محمد بن ابی سلمة بن عبدالرحمن، عن عائشه قالت : قدم (۲) كما قال الامام احمد : حدثنا اسماعيل حدثنا سليمان بن المغيرة عن حميد ابن هلال عن ابی قتاده وابی الدهماء الخ

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس مقام پر بزرگوں سے بہت سے قصے نقل کیے ہیں جن میں سے اکثر بلکہ تمام اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ اور اکثر میں سخت نکارت (اجنبیت) ہے اور ان پر ہم نے اپنی تفسیر میں تنبیہ کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف آیت کی تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے شاہی تخت سے چالیس دن غائب رہے تھے پھر واپس آ گئے تھے اور جب واپس تشریف لائے تو بیت المقدس کی بناء کا حکم فرمایا تھا تو پھر اس کی انتہائی مضبوط تعمیر کی گئی تھی۔

اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ پہلے شخص جو بانی بیت المقدس ہیں وہ حضرت اسرائیل علیہ السلام ہیں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اور یہ بات اس حدیث کے تحت گذر چکی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی فرمایا مسجد حرام۔

پوچھا پھر؟ فرمایا بیت المقدس کی مسجد۔ عرض کیا دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوا فرمایا چالیس سال۔

اور یہ تو ظاہر معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبۃ اللہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ مدت ہے۔ لہٰذا مطلب ہوگا کہ حضرت یعقوب جو حضرت ابراہیم کے پوتے تھے تو انہوں نے بیت المقدس کی مسجد بنوائی۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی تعمیر کے بعد خدائے عز وجل سے ایسی بادشاہت طلب کی تھی جیسی ان کے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے اور اس پر حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ جس کو کئی کتب حدیث نے ذکر کیا ہے مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم سب نے اپنی سندوں کے ساتھ عبداللہ بن فیروز دیلمی سے عبداللہ بن فیروز نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ۔

سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر فرمائی تو اپنے پروردگار عز وجل سے تین باتوں کا سوال کیا ان کو دو عطا کر دی گئیں تھیں ہم چاہتے ہیں کہ تیسری ہمارے لئے قبول ہو جائے انہوں نے ایک دعا کی کہ ان کو ایسا حکم و فرمان ملے جو آپ کے حکم کی طرح ہو۔ تو یہ بھی قبول ہوئی۔ پھر دعا کی ایسا ملک عطا ہو جو ان کے بعد کسی کو نہ ملے یہ بھی مل گیا۔

پھر دعا کی کہ جو شخص بھی اس مسجد بیت المقدس کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے اور اس کا مقصد صرف اس مسجد میں نماز ادا کرنا ہو تو اس کی خطائیں یوں معاف کر دی جائیں جس طرح کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔ تو ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے لئے اس دعا کو قبول کر لیا ہے (یعنی کعبۃ اللہ کی نماز کیلئے)۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلی دعا کی تھی کہ ایسا حکم ملے جو اللہ کے حکم کی طرح ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹا کے متعلق فرماتے ہیں۔

اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئی تھیں۔ اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔ تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریقہ) سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا)۔ (۱)

اس آیت سے ایک قصے کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے بارے میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اسلاف فرماتے ہیں کہ اس قوم کے انگوروں کے بیل کے باغ تھے۔ تو دوسری قوم کی بکریوں نے رات کے وقت ان کو چر لیا اور سب کچھ کھا گئیں۔ تو دونوں فریق حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے کر گئے تو آپ نے انگور والوں کے لئے قیمت کا حکم فرما دیا: تو یہ نکل کر واپس جا رہے تھے تو حضرت سلیمان علیہ السلام پر سے ان کا گذر ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا اللہ کے نبی نے کیسا فیصلہ تمہارے لئے کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایسے ایسے۔ تو آپ نے فرمایا اگر میں فیصلہ کرتا تو یوں کرتا کہ بکریاں باغ والے کو دے دیتا۔ وہ اس کے دودھ اور ہونے والے بچوں کو فائدہ میں رکھتے اور جب تک بکریوں والے انگوروں کی

(۱) سورۃ الانبیاء ۷۸۔۷۹

از سرِ نو فصل کرتے اور موجودہ حالت پر لاتے۔ پھر اپنی بکریاں واپس لے لیتے۔ اور باغ بمع انگوروں کے سپرد کر دیتے۔ یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کو پہنچا تو آپ نے اسی کو نافذ فرما دیا۔

اسی قصہ کی طرح صحیح بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہ میں ابوالزناد کی حدیث سے ثابت ہے وہ اعرج سے اعرج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

کہ دو عورتیں اپنے بیٹوں کے ساتھ چلی جارہی تھی کہ بھیڑیئے نے ایک کے بیٹے پر حملہ کر دیا اور اس کو لے گیا۔ پھر دوسرے بچے کے بارے میں دونوں جھگڑ پڑیں (ہر ایک بولی یہ میرا بچہ ہے) بڑی نے کہا: تیرا بیٹا چلا گیا ہے چھوٹی نے کہا بلکہ تیرا بیٹا گیا ہے۔ تو دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئے آپ نے بڑی کے لئے فیصلہ کر دیا۔ پھر دونوں کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا آپ نے فرمایا مجھے چھری لا کر دو میں اس بچے کے دو حصے کر دیتا ہوں تا کہ ہر ایک آدھا آدھا لے لے۔ یہ سنتے ہی چھوٹی سے نہ رہا گیا وہ بول پڑی اللہ آپ پر رحم کرے وہ اسی کا بیٹا ہے۔ لہٰذا پورا اس کو عطا کر دیں۔

پھر آپ نے اس چھوٹی ہی کے لئے بچے کا فیصلہ فرما دیا۔ کیونکہ ماں کو بیٹے پر ایسی بات گوارہ نہیں ہو سکتی۔

شاید دونوں حکم ان کی ملت میں گنجائش رکھتے تھے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا اسی وجہ سے اللہ نے عمدہ فیصلے کے متعلق حضرت سلیمان کی تعریف و توصیف فرمائی اس کے بعد فرمان الٰہی ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا جو آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم (ایسا) کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اس کو زرہ کی صنعت گری سکھائی تا کہ وہ تم کو جنگ سے بچائیں تو کیا تم شکر کرنے والے ہو؟ اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر دی تھی۔ جو ان کے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی (یعنی ملک شام) اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔ اور دیوؤں کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا تا کہ ان) میں سے کچھ ان کے لئے غوطے مارتے اور اس کے سوا دوسرے کام بھی کرتے۔ اور ہم ان کے نگہبان تھے۔

(سورۃ الانبیاء۷۹۔۸۲)

اور سورہ ص میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے وہ نرم نرم چلنے لگتی اور جنوں کو (بھی ان کے زیر فرمان کر دیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (کہ تم چاہو تو) احسان کر دو یا (چاہو تو) روک لو (تم سے) کچھ حساب نہیں۔ اور ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔[1]

اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی رضا کی طلب کی خاطر گھوڑوں کو چھوڑا تو اللہ نے اس سے زیادہ تیز رفتار چیز یعنی ہوا کو ان کے تابع فرماں کر دیا۔ جو تیز ہوا کے ساتھ آرام دہ اور طاقت ور چیز بھی فرمایا وہ ہوائیں نرم نرم اس کے حکم سے جہاں چاہتے چلتی تھیں۔

یعنی کسی بھی شہر کا ارادہ کرتے تو آپ کا ایک فرش یعنی تخت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا اور وہ ایسا عجیب و عظیم تخت تھا کہ حضرت سلیمان جو سامان بھی چاہتے حتیٰ کہ تعمیر شدہ عمارتیں۔ محلات، خیمے دیگر ساز و سامان۔ اور گھوڑے انسان جن چرند پرند سب کچھ اٹھا کر ہوا میں رفتار سے اڑتا تھا۔

پھر کسی سفر یا سیر یا جنگ کا ارادہ ہوتا خواہ کتنا ہی دور علاقہ ہو آپ ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کے نیچے پہنچ جاتی اور پہلے سے ضرورت کے پورے لشکر کو اوپر بٹھا لیتے۔ پھر ہوا اس تخت کو آسمان و زمین کے درمیان لے جاتی تو پھر آپ (رخاء) نرم ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کے تخت کو دھیرے دھیرے لے کر اڑتی اور اگر آپ سرعت سفر کے خواہشمند ہوتے تو (عاصفہ) تیز ہوا کو حکم کرتے پھر وہ آپ کے تخت کو انتہائی تیز رفتار سے اڑاتی۔ اور جہاں کا ارادہ ہوتا وہاں لے جا کر اتار دیتی۔ آپ بیت المقدس سے شروع دن میں روانہ ہوتے اور ایک مہینے کی مسافت پر شہر اصطخر پہنچ جاتے دن دن میں یہ سارا سفر طے ہو جاتا پھر شام تک ٹھہر کر واپس شام کو بیت المقدس پہنچ جاتے۔

[2] جیسے فرمان الٰہی ہے: اور (ہم نے) ہوا کو سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی

(۱) سورۃ ص:۳۶۔۴۰ (۲) سورۃ سبا:۱۲۔۱۳

ہوتی۔ اوران کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا۔ اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ وہ جو چاہتے یہ ان کے لئے بناتے یعنی قلع اور مجسمے اور (بڑے بڑے) ٹب جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں آپ صبح کو دمشق سے روانہ ہوتے تو دوپہر کا کھانا اصطخر میں جا کر تناول فرماتے پھر شام کو وہاں سے روانہ ہوتے تو کابل میں رات بسر کرتے۔ اور دمشق اور اصطخر کے درمیان بھی، اسی طرح اصطخر اور کابل کے درمیان بھی ایک ایک مہینے کی مسافت تھی۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ علاقوں اور آبادیوں کے عالم کہتے ہیں کہ اصطخر شہر تو جنوں نے سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا تھا۔ اور یہاں قدیم دور سے ملک ترکیہ کا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح دوسرے مختلف علاقے بھی جنوں نے آپ کے لئے بنائے تھے جیسے تدمر (یہ شام میں حلب کے قریب ہے) اور بیت المقدس۔ اور باب جیرون اور باب البرید اور یہ دمشق میں ہے۔

آگے فرمان الٰہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس کے لئے تانبے کا چشمہ جاری کردیا۔

اس کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ، قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لفظ قطر سے مراد نحاس یعنی پیتل ہے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ یمن میں ہوتا تھا۔ جو اللہ نے آپ کے لئے جاری کیا سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمارتوں اور دوسری جس چیز میں اس کی ضرورت پیش آتی تو صرف تین یوم میں وہ ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

آگے فرمان الٰہی ہے۔ اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو ان میں سے ہمارے حکم سے سرکشی کرے ہم اس کو آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

یعنی اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایسے جن تابع کر رکھے تھے جو آپ کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے بلکہ جو حکم جس کام کا ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ اور اگر کوئی سرکشی کرتا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو سزا دیتے اور رسوا و ذلیل کرتے (وہ اس کے لئے عمارتیں (وغیرہ) جو چاہتے بناتے) یہ جن خوبصورت مکان اور صدر مقام بناتے تھے۔

(اور مورتیاں) یہ دیواروں میں کرید کر صورتیں بنائی جاتی تھیں۔ اور ان کی ملت و شریعت میں اس کی گنجائش تھی اور بڑے بڑے ٹب تالابوں کی طرح) ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی یہی تشریح فرماتے ہیں اور ایک قول حوض کا بھی منقول ہے۔

اور یہی مجاہد، حسن، قتادہ، اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے

(اور ایک ہی جگہ رہنے والی بڑی دیگیں) عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس قدر بڑی ہوتی تھیں کہ جہاں بنائی جاتی تھیں وہاں سے ٹل نہ سکتی تھی۔ بڑی بڑی دیگوں سے متعلق اعشی کا شعر ہے:

تروح على آل المحلق جفنة
كجابية الشيخ العراقي تفهق

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

اور یہ سب کچھ اللہ نے حضرت سلیمان کو مخلوق الٰہی انسان و حیوان پر احسان و انعام کرنے کے لئے مہیا فرمایا تھا۔ پھر اس کے متعلق شکر کا حکم ہوا آگے فرمایا: اے آل داؤد شکر کرو اور میرے بہت تھوڑے بندے شکر کرتے ہیں۔ اور جنوں کے متعلق فرمایا (اور شیاطین کو۔ جو معمار اور غوطہ خور تھے اور کچھ بیڑیوں میں بندھے ہوئے) یعنی بعض حضرت سلیمان علیہ السلام کو معماری کا کام دیتے اور بعض پانی میں سے ہیرے موتی وغیرہ نکالنے کا کام دیتے اور کچھ اپنی نافرمانی کی بناء پر بیڑیوں میں بندھے ہوتے۔ الغرض اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان کو یہ تسخیر کائنات کی ایسی ایسی اشیاء سے نوازا تھا جو آپ کے بعد کسی بادشاہ کو نہیں عطا ہوئیں۔

[1] بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) وقال البخاري: حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبه، عن محمد بن زياد عن ابي هريره

ایک عفریت جن نے گزشتہ رات مجھے نماز میں تنگ کیا تا کہ میری نماز خراب کروادے۔ تو اللہ نے مجھے اس پر قدرت دیدی تو میں نے اس کو پکڑ لیا، پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں تا کہ تم سب اس کو دیکھ سکو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی بادشاہت دے جو میرے بعد کسی کو مناسب نہ ہو۔ تو اس وجہ سے میں نے اس کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

اسی طرح مسلم اور نسائی نے بھی اس حدیث کو شعبہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم [1] میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز ادا فرمانے کے لئے کھڑے تھے تو ہم نے آپ کو یہ دعا کرتے سنا۔ میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں تجھ سے میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھ کو لعنت کرتا ہوں۔ یہ دعا آپ نے تین مرتبہ فرمائی اور اپنا ہاتھ یوں بڑھایا گویا کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہوں۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے نماز میں آپ سے ایسی بات کرتے سنا جو پہلے نماز میں نہ سنتے تھے؟ اور ہم نے آپ کو ہاتھ بھی پھیلائے ہوئے دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ایک آگ کا شعلہ لایا تھا تو اس نے کوشش کی تا کہ وہ شعلہ میرے چہرے پر ڈال دے تو میں نے یہ دعا تین مرتبہ پڑھی پھر میں نے تین مرتبہ اللہ کی اس پر پوری لعنت کی۔ پھر تین مرتبہ وہ پیچھے نہ ہوا تو میں نے چاہا کہ اس کو پکڑ لوں۔

اللہ کی قسم اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ ابلیس صبح بندھی حالت میں کرتا اور مدینے کے بچے اس سے کھیلتے۔ امام نسائی نے بھی محمد بن سلمہ سے اس کو روایت کیا ہے

مسند احمد میں [2] مروی ہے ابو عبید کہتے ہیں میں نے عطا ابن یزید اللیثی کو نماز میں کھڑے دیکھا تو میں ان کے سامنے سے گذرنے لگا انہوں نے مجھے واپس کیا پھر کہا مجھے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح کی نماز ادا کروائی۔ اور میں پیچھے تھا۔ پھر آپ نے قرأت شروع کی۔ تو آپ پر قرآت میں شبہ ہونے لگا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔

تم نے مجھے دیکھا یہاں ابلیس بھی تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا پھر میں برابر اس کی گردن گھونٹتا رہا حتیٰ کہ میں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ کی انگلی میں اس کے لعاب کی ٹھنڈک محسوس کی، اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد کے ایک ستون سے بندھا ہوا صبح کرتا، پھر اس سے مدینے کے بچے کھیلتے۔

لہٰذا جس سے ہو سکے کہ وہ نمازی اور قبلے کے درمیان نہ ٹھہرے تو وہ ایسا کرے۔

ابوداؤد نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے۔

اور کئی بزرگوں نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں سات سو مہر والی اور تین سو بغیر مہر والی یعنی باندیاں۔ اور ایک قول اس کے عکس کا ہے۔ اور آپ کو اللہ نے اس کی بھرپور قوت عطا فرمائی تھی۔

بخاری میں [3] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

ایک مرتبہ سلیمان ابن داؤد نے کہا آج رات میں ستر عورتوں پر چکر لگاؤں گا پھر ہر ایک مجاہد شہسوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ تو آپ کے ساتھی نے آپ کو انشاء اللہ کہا مگر حضرت سلیمان نے نہ فرمایا۔

تو پھر کسی کو بھی حمل نہ ہوا سوائے ایک عورت کے وہ بھی ایسے بچے کے ساتھ حاملہ ہوئی جس کی ایک جانب گری ہوئی تھی پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو سب جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اور شعیب اور ابو الزناد نوے کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طریق سے اس کی روایت میں متفرد ہیں۔ اور ابو یعلی کی

---

(۱) وقال مسلم حدثنا محمد بن سلمة المرادی، حدثنا عبداللہ بن وھب عن معاویة بن صالح، حدثنی ربیعة بن یزید عن ابی ادریس الخولانی عن ابی الدرداء قال

(۲) وقال احمد حدثنا ابو احمد، حدثنا مرة بن معبد، حدثنا ابو عبید حاجب سلیمان، قال رایت عطاء بن یزید اللیثی قائما یصلی　　الخ

(۳) قال البخاری حدثنا خالد بن مخلد، حدثنا مغیرة بن عبدالرحمن عن ابی الزناد، عن الاعرج، عن ابی ھریرة

روایت میں (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا میں آج رات کو سو عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ہر ایک بچے کو جنم دیگی جو اللہ کی راہ میں تلوار چلائیگا۔ اور آپ نے انشاء اللہ کہا۔ تو پھر آپ نے سو عورتوں کے پاس چکر لگایا تو صرف ایک عورت نے آدھا بچہ جنم دیا اور بس۔ آپ ﷺ نے آگے فرمایا اگر آپ انشاء اللہ کہہ لیتے تو ہر عورت لڑکے کو جنم دیتی جو راہ خدا میں تلوار چلاتے۔

اس کی اسناد صحیح بخاری کی شرط پر ہے لیکن اس طریق سے ائمہ نے اس کو تخریج نہیں فرمایا۔

(۲) مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے خود فرمایا کہ سلیمان بن داؤد نے کہا رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک لڑکے کو جنم دے گی جو راہ خدا میں لڑے گا۔ اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تو کسی نے بچہ نہ جنا سوائے ایک عورت کے اس نے بھی بچے کا ایک حصہ جنم دیا۔ آگے آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا اگر آپ انشاء اللہ کہتے تو سو بچے ہوتے جو راہ خدا میں قتال کرتے۔

امام احمد بھی اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

مسند احمد میں اس (۳) طریق سے بھی ایک روایت مذکور ہے۔ اور اسی طریق سے صحیحین میں عبدالرزاق کی حدیث سے اس کو تخریج کیا گیا ہے۔

(۴) اور اسحاق بن بشر کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ حضرت سلیمان کی چار سو آزاد اور چھ سو باندی بیویاں تھیں۔ اور آپ نے پوری ہزار کے پاس جانے کا قصد کیا اور وہی بات کہی لیکن صرف ایک عورت نے بچہ جنم دیا وہ بھی آدھا تھا۔ اور حضور نے اس موقعے پر پھر وہی بات فرمائی۔

لیکن یہ سند اسحاق بن بشر کی حالت کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ شخص منکر الحدیث تھا خصوصاً اس نے صحاح کی احادیث سے بھی مخالفت کی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے ملک کے پورے اختیارات عطا کئے تھے اور آپ کی سلطنت بھی انتہائی وسیع تھی۔ اور لشکروں کی بھرمار تھی۔ اور ایسے ایسے لشکر مختلف اقسام آپ کو عطا ہوئے تھے جو نہ پہلے نہ بعد میں کسی کو ملے۔ جیسے آپ نے فرمایا (اور ہم کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) اور دعا کی۔ (کہا پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی کے لئے نہ ہو بے شک آپ خوب عطا کرنے والے ہیں)

اور خدائے تعالیٰ نے یہ نعمتیں اور احسانات عطا کرنے پر بس نہ فرمائی بلکہ یہ بھی فرمایا یہ ہماری عطا ہے پس آپ احسان کریں یا بغیر حساب کے روک لیں، یعنی جس کو چاہیں عطا کریں جس کو چاہیں منع کریں۔ آپ سے کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔

اور یہ شان بادشاہت ہے ورنہ شان نبوت یہ ہوتی ہے کہ صرف اللہ کی اجازت سے دیا جائے۔

اور ہمارے پیغمبر عظیم المرتبت محمد ﷺ کو ان دونوں منصبوں میں اختیار دیا گیا کر تو پھر آپ نے صرف عبد اور رسول ہونے کو پسند فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے اشارہ دیا کہ پستی پسند کریں تو آپ نے عبد اور رسول رہنے پر اکتفاء کیا۔ پھر اللہ نے آپ کے بعد خلافت کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔

لہٰذا انشاء اللہ مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ غلبے کے ساتھ رہے گا۔ اللہ ہی کی اس میں حمد و احسان ہے۔

اور جب اللہ نے دنیا میں حضرت سلیمان کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کیا تو ساتھ دوسرے جہاں کی کامیابی و سرخروی کو بھی فرما دیا۔

اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور بہترین ٹھکانا ہے۔

---

(۱) وقال ابو یعلی ، حدثنا زهیر ، حدثنا یزید ، انبانا هشام بن حسان عن محمد ، عن ابی هریرة

(۲) وقال الامام احمد حدثنا هشیم ، حدثنا هشام عن ابن سیرین ، عن ابی هریرة

(۳) وقال الامام احمد : حدثنا عبدالرزاق انبانا معمر ، عن ابن طاؤس ، عن ابیه ، عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ

(۴) اسحاق بن بشر : انبانا مقاتل ، عن ابی الزناد ، وابن ابی الزناد ، عن ابیه ، عن عبدالرحمن عن ابی هریرة

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور مدت سلطنت اور حیات کا ذکر

اللہ عزوجل کا فرمان عالی ہے: جب ہم نے ان پر موت کا فیصلہ کر دیا تو ان کی موت کا پتہ ان (جنوں اور انسانوں) کو زمین کے کیڑے ہی نے بتایا۔ جو ان کی لاٹھی کو کھا تا رہا جب آپ گر ے تو جنوں پر یہ بات کھلی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ ذلت کے عذاب میں نہ رہتے۔ (۱)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہما نے ابراہیم بن طہمان کی حدیث سے ابراہیم نے عطاء بن سائب سے عطاء نے سعید بن جبیر سے آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نماز ادا فرماتے تو سامنے ایک درخت اگا دیکھتے آپ اس سے پوچھتے تیرا کیا نام ہے؟ وہ کہتا فلاں۔ آپ پوچھتے تو کس فائدے کے لئے ہے؟ نسل بڑھانے کے لئے یا کسی دواء کے لئے۔ تو ایک مرتبہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک درخت کو سامنے دیکھا تو اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا خروب۔ آپ نے پوچھا کس چیز کے لئے ہے تو؟ عرض کیا اس گھر کی خرابی و ویرانی کے لئے (یعنی آپ کو اشارہ کیا گیا کہ آپ کی وفات قریب ہے۔) تو آپ نے دعا کی اے اللہ سال بھر تک جنوں سے میری موت کو مخفی رکھنا تا کہ انسان جان لیں کہ جن غیب کا علم نہیں جانتے۔

پھر آپ نے اس درخت کی عصا بنائی۔ اور اس پر ٹیک لگالی۔ اور ایک سال تک یوں ہی کھڑے رہے اور جن کام کرتے رہے۔ پھر لکڑی کو کیڑے نے کھالیا (تو آپ گرے اور پھر پتہ چلا کہ آپ تو ایک سال سے وفات پا چکے ہیں تو پھر) انسانوں کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب جانتے تو ایک سال تک ذلت کے ساتھ کام میں نہ پھنسے ہوتے۔ ابن عباس نے اسی طرح قرأت فرمائی ہے۔

پھر جنوں نے زمینی کیڑے کا شکر کیا پھر وہ پانی کے ساتھ ان کے پاس آنے لگا۔

یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ اور ایک روای عطاء خراسانی ہیں جن کی حدیث میں نکارت ہے۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن کہیل۔ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس کو موقوفاً نقل کیا ہے۔ اور یہی درستی کے زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔

اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ ابو مالک اور ابو صالح کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مرۃ، ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں ایک ایک دو دو سال اور ایک ایک دو دو مہینے تنہائی میں بسر کرتے تھے اور کبھی اس سے کم و زیادہ مدت بھی رہتے تھے۔ اور اپنا کھانا پانی بھی ساتھ کروا لیتے تھے۔ اور جس مرتبہ آپ نے وفات پائی، آپ اس میں داخل ہوئے۔ اور وفات کے آثاریوں شروع ہوئے کہ جب بھی آپ صبح کرتے تو بیت المقدس میں کوئی پودا اگا ہوتا۔ آپ اس سے پوچھتے تیرا کیا نام ہے وہ کہہ دیتا یہ یہ پھر آپ پوچھتے کہ صرف درخت کے لئے یا کسی دوا کے لئے اگایا گیا ہے؟ عرض کرتا فلاں دواء کے لئے تو آپ اس کو اسی طرح دواء کے لئے استعمال کروا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نیا پودا اگا اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا "خروبہ" یعنی خرابی و ویرانی۔ کہ میرے اگنے سے اب اس گھر کی ویرانی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کس کام کے لئے ہے؟ عرض کیا اس مسجد بیت المقدس کی خرابی و ویرانی کے لئے ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور اللہ پاک اس بیت المقدس کو ویران فرما دیں (لہذا اب میری وفات کا وقت قریب معلوم ہوتا ہے) اور تیرے چہرے پر میری ہلاکت اور مسجد بیت المقدس کی ویرانی لکھی ہوئی ہے۔ پھر آپ نے اس پودے کو اکھیڑا اور اپنے ایک باغ میں اگا دیا۔ پھر آپ دوبارہ محراب میں داخل ہوئے اور اپنے عصا مبارک کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز میں شروع ہو گئے اور اسی حالت میں کھڑے کھڑے وفات ہو گئی اور حالت ایسی رہی کہ شیاطین و جن کو قطعاً آپ کی وفات کا علم نہ ہوسکا۔

(۱) سورۃ سبا ۱۴

اور جن ودیو سب کے سب پہلے کی طرح اپنے اپنے کام میں منہمک رہے کہ کہیں نکل کر سزا نہ دیں۔ کچھ اور شیاطین جن اس دوران آپ کی محراب کے قریب گردو پیش جمع ہو جاتے تھے۔ اور محراب میں آگے بھی پیچھے بھی کھڑکیاں تھی۔

اور شیطان تو شیطان ہوتے ہیں۔ یہ ایک جانب سے داخل ہوتے اور دوسری جانب سے نکل جاتے اگر کسی کی نظر حضرت سلیمان علیہ السلام پر پڑ جاتی تو وہ جل کر راکھ بھی ہو جاتا۔ مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ تو ایک شیطان اسی غرض سے داخل ہوا کہ دیکھوں آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ اندر گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آواز یا آہٹ سنائی نہ دی اور نہ ہی جلا تو ہمت کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اندرونی کمرے میں داخل ہو گیا دیکھا کہ وہ تو مرے پڑے ہیں تو شیطان فوراً نکلا اور سب کو خبر دی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تو کب کی موت آ چکی ہے لوگوں نے دروازہ کھول کر آپ کو نکالا اور دیکھا کہ لاٹھی کو زمینی کیڑا یعنی گھن لگ گیا ہے۔ لیکن اب یہ پتہ نہ چل رہا تھا کہ کتنی مدت سے ان کی وفات ہو چکی تو انہوں نے زمینی کیڑے کو ایک دوسری لاٹھی پر رکھا اور وہ کیڑا دن رات اس کو کھاتا رہا پھر حساب سے پتہ چلا کہ تقریباً ایک سال پہلے آپ وفات پا چکے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی قرأت ہے۔ پھر تمام سرکش شیاطین بھی پورے سال تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے علم نہ ہونے پر پوری جانفشانی اور تن دہی سے کام کاج میں مصروف رہے اور انسانوں نے بھی یقین کر لیا کہ واقعی شیاطین (جن) کو غیب کا کچھ علم نہیں اگر ہوتا تو یوں بے علمی میں نہ مارے جاتے۔ اور یہی مطلب ہے فرمان الٰہی کا۔

(ان کو آپ کی موت کا کسی نے نہیں بتایا سوائے زمین کے کیڑے کے جو آپ کی لاٹھی کو کھاتا رہا پھر آپ گرے تو جنوں نے یقین کر لیا کہ اگر وہ غیب کو جانتے تو ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔)

تو اس طرح لوگوں کو بھی علم ہوا کہ شیطان غیب کا علم نہیں جانتے۔ پھر شیطانوں نے زمینی کیڑے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا اگر تو کھانا طلب کرے تو ہم سب سے اچھا کھانا تجھے مہیا کیا کریں گے اور اگر کوئی مشروب پسند کرے تو سب سے اچھا مشروب تجھے ملا کرے گا۔ لیکن اتنا تو ہم ضرور کریں گے کہ تیرے پاس پانی اور مٹی پہنچاتے رہیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ تو اب جہاں بھی یہ کیڑا ہوتا ہے تو وہاں اس کو پانی اور مٹی مل جاتی ہے۔ اور آپ نے دیکھا ہو گا کہ گھروں میں لکڑی کے بیچ میں درزوں میں مٹی ہوتی ہے تو یہ شیطان ہی انکا شکر ادا کرنے کے لئے مہیا کرتے ہیں۔

لیکن یہ حصہ اسرائیلیات میں سے اس روایت میں داخل کر دیا گیا ہے جس کی نہ تصدیق کی جا سکتی نہ تکذیب۔

ابوداؤد شریف میں [1] حضرت خیثمہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام نے ملک الموت کو کہا کہ جب تیرا ارادہ میری روح قبض کرنے کا ہو تو مجھے اس کے متعلق بتلا دے۔ ملک الموت نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اس کا علم آپ کو بتا سکوں کیونکہ مجھے تب کتاب دیدی جاتی ہے جس میں مرنے والوں کے نام درج ہوتے ہیں۔

[2] عبدالرحمٰن بن زید سے مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت کو کہا جب تجھے میرے متعلق حکم ملے تو مجھے بتلا دینا۔ تو ملک الموت ان کے پاس آئے اور کہا اے سلیمان مجھے آپ کے متعلق حکم ملا ہے اب آپ کی عمر سے تھوڑی سی گھڑی رہ گئی ہے تو آپ نے شیاطین کو بلایا اور اپنے گرد ایک شیشے کی عمارت بنوائی جس کا دروازہ نہ تھا۔ پھر آپ اس میں عصا پر ٹیک لگا کر نماز میں شروع ہو گئے۔ پھر ملک الموت داخل ہوئے اور روح قبض کر لی اور آپ نے یہ فعل یعنی عمارت کا بنوانا موت سے فرار کیلئے نہیں کیا تھا (نعوذ باللہ) بلکہ اس کا عظیم مقصد وہی تھا کہ شیطانوں کو علم نہ ہو لہذا شیاطین کام میں لگے رہے اور آپ کو دیکھتے اور سمجھتے کہ زندہ ہے۔

پھر اللہ نے گھن لگنے والے کیڑے کو بھیجا جو لاٹھی کو کھاتا رہا حتیٰ کہ اندر سے لاٹھی کھوکھلی ہو گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور آپ گر گئے۔ جب جنوں نے یہ صورت دیکھی تو فوراً بھاگ گئے اور کام کاج چھوڑ دیا۔

---

(۱) وقال ابو داؤد فی کتاب القدر، حدثنا عثمان بن ابی شیبہ، حدثنا قبیصة حدثنا سفیان، عن الاعمش، عن خیثمہ،

(۲) وقال اصبغ بن الفرج وعبداللہ بن وہب، عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم قال...... الخ

اور یہی مطلب ہے مذکورہ فرماں باری کا، ان کی موت کا علم ان کو کیڑے کے ذریعے ہوا...... الخ

اسحاق بن بشر، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اور آپ زہری وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صرف باون سال زندہ رہے اور آپ کی بادشاہت چالیس سال رہی۔ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہمیں ابوروق نے عکرمہ سے نقل کر کے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بیس سال رہی تھی۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر پچاس سے چند سال اوپر تھی۔

اور آپ نے اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں بیت المقدس کی بنیاد کی ابتدا کی۔

اور آپ کے بعد آپ کا فرزند رحبعام سترہ سال بادشاہ رہا۔ ابن جریر نے اس کو روایت کیا۔

اور فرمایا اس کے بعد بنی اسرئیل کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔

بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء کے قصے جن کا زمانہ متعین طور پر معلوم نہیں مگر یہ یقینی ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد اور حضرت زکریا علیہ السلام و یحییٰ علیہ السلام سے قبل کے ہیں

شعیا بن امصیا علیہ السلام کا قصہ

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ زکریا اور یحییٰ علیہم السلام سے پہلے تھے۔ اور آپ ان انبیاء میں سے ہیں جنکو حضرت عیسیٰ اور محمد علیہما السلام کی خوشخبری دی گئی۔ اور آپ کے زمانے میں حزقیا نامی بادشاہ بیت المقدس کے علاقوں بنی اسرائیل کا حاکم تھا۔ اور یہ حضرت شعیا علیہ السلام کا تابعدار اور انتہائی نیک شخص تھا۔ اور بنی اسرائیل میں کچھ حوادثات کی وجہ سے طرح طرح کی بدعتیں جنم لے چکی تھیں۔ اسی پر آشوب دور میں بادشاہ وقت بھی بیمار ہو گیا اور اس کی ٹانگ میں ایک پھوڑا نکلا۔ اس طرح سلطنت میں کچھ دراڑیں پڑیں اور بابل کے بادشاہ سنحاریب نے بیت المقدس پر لشکر کشی کی ٹھان لی۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بابل کا بادشاہ اس قدر کثیر تعداد فوجوں کو لایا تھا کہ چھ لاکھ جھنڈوں تلے اس کا لشکر تھا۔ (اور جھنڈا شاید ہر قبیلے کا جدا تھا تو اس طرح کل تعداد کا شمار کس قدر کثیر ہوگا)۔

تو بنیا سرائیل انتہائی سخت پریشانی و گھبراہٹ میں پھنس گئے۔ بادشاہ نے پیغمبر شعیا علیہ السلام کو کہا سنحاریب اور اس کے لشکروں کے متعلق کچھ اللہ نے آپ پر وحی فرمائی ہے؟ فرمایا ان کے متعلق مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا۔ پھر وحی آئی کہ بادشاہ کی موت کا وقت قریب آچکا ہے تو بادشاہ کو آپ علیہ السلام نے خبر دی بادشاہ نے قبلہ رو ہو کر نماز پڑھی اور خدا کی تسبیح بیان کی اور دعا کی اور خوب گریہ وزاری کی آپ انتہائی خلوص قلب اور پورے توکل و صبر کے ساتھ اللہ سے دعا کر رہے تھے۔

> اے اللہ بادشاہوں کے بادشاہ اور معبودوں کے معبود اے رحمٰن اے رحیم اے وہ ذات جس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند مجھے میرے عمل و فعل اور بنی اسرائیل پر اچھی حکومت کے ساتھ یاد رکھ اور یہ تمام توفیق آپ کی ہی طرف سے ہوگی آپ میری دلی خواہش کو خوب جانتے ہیں میرے ظاہر کو بھی میرے باطن کو......

تو اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی اور خوشخبری دی کہ اللہ نے بادشاہ کے رونے پر رحم کر دیا ہے اور اس کی عمر میں پندرہ سال کی مدت کا اضافہ فرمادیا ہے اور اس کے دشمن سنحاریب سے نجات دے دی ہے تو حضرت شعیاء نے اس کو خوشخبری دی تو اس کی ساری بیماری و تکلیف جاتی رہی اور دشمن کا شر اور رنج و خوف بھی جاتا رہا اور سجدہ ریز ہو کے عرض گذار ہوئے۔

اے اللہ آپ ہی سلطنت جسے چاہیں دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں اور آپ ہی ہیں جسے چاہیں عزت بخشیں جسے چاہیں ذلت سے دوچار کریں۔ ہر غائب اور حاضر کو جاننے والے ہیں آپ ہی اول بھی ہیں اور آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی۔ آپ ہی رحم کرتے ہیں اور بے کسوں کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔

تو اس طرح بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ اللہ میں گریہ وزاری کر کے سر اوپر اٹھایا تو اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی کی کہ تین (انجیر) کا پانی لے کر ان کے زخم پر رکھ دیں تو وہ شفایاب ہو کر صحیح ہو جائیں گے تو حضرت شعیا علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے شفا بخش دی۔

ادھر سنحاریب کے لشکروں پر اللہ نے موت کی وباء پھیلا دی اور صبح کو کرتے کرتے سب ہلاک ہو گئے سوائے سنحاریب اور اس کے ساتھ پانچ آدمیوں کے۔ انہی پانچ میں بخت نصر بھی تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے بادشاہ سلامت نے ان کے پاس لشکر کے کچھ آدمی بھیجے جوان کو پکڑ کر لے آئے اور ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر رسوائی و ذلت کی خاطر شہروں میں ستر یوم تک گھمایا گیا۔ اور ہر ایک کو ایک دن میں جَو کی دو دو روٹیاں کھلائی جاتیں۔ پھر ان کو

پابند سلاسل کردیا گیا۔ پھر اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ بادشاہ کو کہیں کہ ان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ واپس جا کر اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔

جس کو آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور خود بھگت چکے ہیں۔ تو یہ سب چھوڑ دیئے گئے واپس جا کر سخاریب نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے ساری صورت حال بیان کی۔ پھر کاہنوں اور جادوگروں نے کہا۔

ہم نے پہلے ہی آپ کو ان کے رب اور ان کے انبیاء کی شان بیان کردی تھی، مگر آپ نے اطاعت نہیں کی۔ اور یہ ایسی جماعت ہے جب تک رب ان کے ساتھ ہے یہ ہلاک نہیں ہوسکتی۔

اور سخاریب کو اللہ کی طرف سے خوف دلایا گیا۔ پھر سخاریب نے اپنی زندگی کے بقیہ سات سال پورے کئے اور راہی عدم ہو چلا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بنی اسرائیل کے بادشاہ حزقیا رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے تو دوسرے بادشاہ کی حکمرانی میں امور سلطنت درہم برہم ہو گئے اور شر وفساد بڑھ گیا۔ تو اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی تو آپ بادشاہ اور اس کے ارکان سلطنت کے بیچ کھڑے ہو کر وعظ گو ہوئے اور اللہ کی اطاعت کی طرف بلایا اس کے عذاب وذلت سے ڈرایا آپ اپنی بات پوری کر کے فارغ ہوئے تو یہ آپ کی طرف دوڑے تاکہ پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ لیکن آپ بھاگ گئے اور ایک درخت کے پاس سے گذرنے لگے تو اس نے پھٹ کر اپنا سینہ آپ کی پناہ گاہ کے لئے پیش کردیا آپ اس میں داخل ہو گئے لیکن شیطان نے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا تو باہر سے پتہ چل گیا کیونکہ یہ کپڑا نشانی تھی۔ پھر یہ ظالم لوگ آری لائے اور درخت کے اوپر رکھ کر درخت کو چیرا اور اس طرح ساتھ میں ایک معصوم وخیر خواہ برگزیدہ شخصیت کے جسم کو بھی چیر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ارمیاء بن حلقیا علیہ السلام کا قصہ
جو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی آل میں سے تھے

ان کے متعلق ایک قول حضرت خضر علیہ السلام ہونے کا بھی ہے جس کو ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن یہ انتہائی غریب (اجنبی) بات ہے اور صحیح نہیں ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ ارمیا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے قتل کے بعد جاری خون کے پاس گئے (جو رکتا ہی نہ تھا جس کے سبب بہت عذاب آیا) اور اس کو کہا اے خون تو نے لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے لہذا اب ٹھنڈا ہو جا۔

تو خون ٹھنڈا ہو گیا اور رک گیا حتیٰ کہ بالکل غائب ہو گیا۔

(1) ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ارمیا علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

اے پروردگار آپ کے بندوں میں سے آپ کو سب سے محبوب بندہ کون ہے؟ فرمایا کہ جو سب سے زیادہ میرا ذکر کرتے ہوں۔ وہ مخلوق کو چھوڑ کر میرے ذکر ہی میں مشغول رہیں۔

جن کو فنا ہونے کا وسوسہ خطرہ نہیں اور نہ وہ اپنے دلوں میں بقاء کی خواہش رکھتے ہیں جب ان پر دنیا کی عیش طاری ہو تو وہ تنگ دل ہوتے ہیں او رجب ان سے آزاد ہوں تو خوش ہوتے ہیں۔

پس انہی لوگوں کے لئے میں نے اپنی محبت کو لازم کر دیا۔

اور میں ان کو ان کی خواہش وطلب سے بہت بڑھ کر عطا کروں گا۔

بیت المقدس کی ویرانی کا افسوسناک ذکر

فرمان باری ہے:

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب پہلے وعدے کا وقت پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی۔ اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکو کاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لئے کرو گے۔ اور اگر اعمال بد کرو گے تو (انکا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آ پہنچا (تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تا کہ تمہاری چیزوں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں گھس گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہوں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ کر دیں۔

(۱) وقال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنی علی بن ابی مریم ، عن احمد بن حباب ، عن عبداللہ بن عبدالرحمن قال

امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔[1]

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی جبکہ بنی اسرائیل میں گناہ زور پکڑ چکے تھے۔ کہ اے پیغمبر اپنی قوم کے درمیان کھڑے ہوکر ان کو کہو۔

کہ ان کے دل تو ہیں .... پر وہ سمجھتے نہیں

ان کی آنکھیں تو ہیں .... پر دیکھتی نہیں

ان کے کان تو ہیں .... پر سنتے نہیں

میں نے ان کے آباء واجداد کی صلاح وفلاح کو یاد کیا تو ان کے بیٹوں کی کامیابی کی راہ کا خیال آیا۔ لہٰذا ان سے سوال کرو کہ انہوں نے میری اطاعت کے زمانے کو کیسا پایا؟ اور کیا جن لوگوں نے میری نافرمانی کی وہ کامیاب ہو گئے؟

کیا جس نے میری اطاعت کی وہ میری اطاعت کے ساتھ بھی بد بخت ہوا؟ جانور بھی اپنے گھروں بطنوں کو یاد کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ اس کام کو چھوڑ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے میں نے ان کے آباء واجداد کو عزت بخشی اور ان کی آل اس کے غیر راستے میں عزت وکامیابی کو تلاش کرنے لگی ان کے علماء واحبار نے میرے حق کا انکار کر دیا اور ان کے قاری لوگ میرے غیر کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے سمجھدار لوگ اپنے علم سے نفع اندوز نہ ہو سکے۔ اور ان کے بادشاہ اور حکمران میرا اور میرے رسولوں کا انکار کرنے لگے۔ انہوں نے مکر وفریب کو اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ اور زبانوں پر جھوٹ امانت رکھ دیا ہے۔ پس۔ پس۔ پس!

میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ ان پر ایسے لشکر مسلط کروں گا جو ان کی زبان تک کو نہ جانیں گے ان کے چہروں کو نہ پہچانیں گے ان کے آنسوؤں اور آہ وبکاء پر رحم نہ کریں گے میں ان میں ایسے سخت دل ظالم وجابر بادشاہ بھیجوں گا جس کے لشکر بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح کثیر ہوں گے۔

ان کے جھنڈوں کی پھڑ پھڑاہٹ شاہین پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ کی طرح ہوگی۔ ان کے شہسواروں کے حملے عقاب کی طرح ہوں گے۔ اور آبادیوں کو بار بار تباہ وبرباد کریں گے۔ اور بستی بستیوں کو وحشت زدہ کر دیں گے۔ ہائے افسوس مجھے اور ان بستیوں کے باشندوں کو۔ کیسے میں ان کو قتل کے لئے ذلیل وخوار کروں گا۔ اور ان پر غلاموں کو مسلط کر دوں گا۔ ان کی دلہنوں کی چیخ وپکار بلند ہوگی۔ ساتھ میں گھوڑوں کے ہنہنانے بھیڑیوں کے بھونکنے کی آوازیں گونجیں گی۔ اور عمدہ اور باعزت محلات کو درندوں کا مسکن بنا دوں گا۔ گرد وغبار چیخ وپکار ہر طرف چھا جائیں گے عزت کے بعد ذلت سے دوچار ہوں گے۔ نعمت وعیش کے بعد غلامی وذلت میں جئیں گے۔ ان کی عورتوں کو میں خوشبو کے بعد مٹی میں بدل دوں گا۔

اور ان کے نرم وملائم گدوں پر دشمن مسلط ہو جائیں گے۔ ان کے جسموں کو میں زمین کا خس وخاشاک بنا دوں گا۔

ان کی ہڈیوں کو آفتاب کی تپش کے حوالے کر دوں گا۔ طرح طرح کے عذاب میں ان کو روندوں گا۔ پھر میں آسمان کو حکم کروں گا وہ ان کے لئے لوہے کے ٹکڑوں میں بدل جائے گا اور زمین چٹیل کی طرح سخت ہو جائی گی۔ نہ ہی آسمان کچھ برسائے گا نہ زمین کچھ اگائے گی۔ اگر اس کی دراڑوں میں کچھ اگاؤں گا تو وہ میں اپنی رحمت سے صرف جانوروں کے لئے اگاؤں گا۔

پھر میں کاشت کے زمانے میں تمام اسباب وعوامل کو روک دوں گا اور کٹائی اور گاہنے کے زمانے میں چھوڑ دوں گا پھر کچھ اگائیں گے تو اس پر تیار فصل پر آفت نازل کر دوں گا۔ پھر اگر کچھ بچا بھی دوں گا تو اس سے برکت کو کھینچ لوں گا۔

پھر تم پکارو گے تو تب بھی تمہاری پکار نہ سنوں گا۔ اگر سوال کرو گے تو عطا نہ کروں گا۔

اگر گریہ وزاری کرو گے تو رحم نہ کروں گا اگر تم تضرع وزاری اور عاجزی وانکساری کرو گے تو اپنا چہرہ تم سے پھیر لوں گا۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کو روایت فرمایا ہے۔

---

(۱) اسراء ۸ تا ۸

اسحاق بن بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں ادریس نے خبر دی کہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارمیا کو بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو ان میں بدعات وگمراہی کا دور دورہ تھا۔ اور وہ گناہوں میں لت پت تھے انبیاء تک کو قتل کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ تو جب ان کی سرکشی وطغیانی حد سے گذر گئی تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو ان کے متعلق فتح کرنے کا خواہشمند بنایا اور اس کے نفس ودل میں ڈالا کہ ان پر لشکر کشی کرے اور پھر اللہ ان سے انتقام لے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسوقت بنیاسرائیل کے لئے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی۔

میں بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والا ہوں اور ان سے انتقام لینے والا ہوں لہٰذا آپ بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو جائیں میری وحی اور حکم آپ کو پہنچے گا۔ تو حضرت ارمیا علیہ السلام اٹھے اور (رنج وفکر سے) اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر خاک ڈالی اور سجدہ ریز گر پڑے اور عرض کیا۔

اے پروردگار میری تمنا تھی کہ کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا کہ آپ نے مجھے بنیاسرائیل کا آخری نبی بنایا پس بیت المقدس اور بنی اسرائیل میری وجہ سے تباہ ہورہے ہیں؟

اللہ نے فرمایا اپنا سر اٹھاؤ حضرت ارمیا علیہ السلام نے سر اٹھایا اور پوچھا۔

اے پروردگار آپ ان پر کس کو مسلط فرمائیں گے؟ فرمایا آگ کی پرستش کرنے والوں کو جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں نہ مجھ سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اے ارمیاء کھڑے ہو اور میری وحی سنو میں تمہیں بنی اسرائیل کی اور تمہاری خبر دیتا ہوں۔

میں نے خلیفہ بنانے سے قبل تجھ کو پسند کر لیا تھا اور تیری ماں کے رحم میں تیری صورت بنانے سے پہلے تجھے برگزیدہ کر دیا تھا اور تیری ماں کے شکم سے نکالنے سے پہلے تجھے پاکیزہ کر دیا تھا اور تیری بلوغت سے پہلے تیری پرورش کر دی تھی اور تیرے جوانی کی دہلیز پر پہنچنے سے قبل ہی تجھ کو منتخب کر لیا تھا اور امر عظیم کے لئے تجھے نامزد کر دیا تھا، پس کھڑا ہو اور بادشاہ کو درست راہ دکھلا اور اس کی صحیح رہنمائی کر۔

تو حضرت ارمیا علیہ السلام بادشاہ کو سمجھانے لگے اور وحی بھی اترتی رہی حتی کہ برائیاں ختم نہ ہوئیں اور شر وفساد بڑھ گیا تو وہ بھول گئے کہ اللہ نے کیسے ان کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی کہ سخاریب اپنے ٹڈی دل لشکروں کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑا تھا تو اللہ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو پھر وحی فرمائی کہ کھڑے ہو جو میں ان کو حکم دے رہا ہوں ان کو بیان کر اور ان پر میری نعمتوں کا تذکرہ کر اور ان کی برائیوں پر متنبہ کر۔ تو حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار اگر آپ مجھے قوت نہ دیں تو میں ضعیف ہوں اور میں عاجز ہوں اگر آپ مجھے سہارا نہ دیں۔ اور میں خطا کار ہوں اگر آپ مجھے ہر درست راہ پر گامزن نہ کریں میں رسوا وذلیل ہوں اگر آپ میری مدد نہ کریں اور مجھے عزت نہ دیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے علم نہیں کہ تمام امور میری مشیت ہی کے ساتھ انجام پاتے ہیں اور تمام مخلوق اور تمام کام میری ہی طرف لوٹتے ہیں اور تمام قلوب اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں میں جیسے چاہوں ان کو بدل دوں، پس تو میری اطاعت کر میں اللہ ہوں میرے قبل کوئی چیز نہیں ہے میرے کلمے کے ساتھ ہی تمام چیزیں اور آسمان وزمین اور جو کچھ اس میں موجود ہے سب قائم ہیں اور توحید وقدرت صرف میرے ساتھ خاص ہے، اور جو میرے پاس ہے میرا غیر ان کو نہیں جانتا اور میں وہ ذات ہوں جس نے سمندروں سے بات کی تو وہ میری بات سمجھ گئے اور میں نے ان کو حکم دیا انھوں نے اطاعت کی اور میں نے ان پر حدیں قائم کر دیں پس وہ ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے اور سمندروں کی موجیں پہاڑوں کی طرح آتی ہیں جب وہ میری حد کے پاس پہنچتی ہیں تو وہ عاجزی وذلت سے میرے حکم کا لباس پہن لیتی ہیں اور میری بات کا اعتراف اور خوف ان پر طاری ہو جاتا ہے۔

(اے ارمیا) میں تیرے ساتھ ہوں اور کوئی چیز تجھ کو میرے موجودگی میں پہنچ سکتی، اور میں نے تجھے ایک خلق عظیم کی طرف بھیجا ہے تا کہ تو میرے احکامات ان کو پہنچائے اس طرح تیرے لئے ہر اتباع کرنے والے کا اجر بھی حاصل ہو جائے اور ان کے اجر سے بھی کچھ کمی نہ ہو پس اپنی قوم کے پاس جا اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو کہہ کہ اللہ عزوجل نے تمہارے آباء واجداد کی نیکی کو یاد فرمالیا ہے تبھی تم کو باقی رکھا ہے اے انبیاء کی اولاد و تمہارے آباء نے میری طاعت کا کیسے فائدہ پایا اور تم نے میری نافرمانی کا کیا سبق پایا؟ کیا تم نے ایسا شخص دیکھا جس نے میری نافرمانی کی اور پھر وہ میری نافرمانی کے ساتھ کامیاب وکامران ہو گیا؟ اور کیا ایسا کوئی شخص ہے جس نے میری اطاعت کی پھر وہ میری اطاعت کے ساتھ نامراد ہوا؟ بے شک چرند پرند بھی اپنے گھروں کو یاد کرتے ہیں تو ان کی طرف واپس لوٹ جاتے ہیں اور یہ قوم تو ہلاکت کی چراگاہوں میں چرتی ہے اور اس

امر کو چھوڑ بیٹھی ہے جس کی بدولت میں نے ان کے آباء کا اکرام واعزاز کیا اور یہ ان کی اولاد اس کے غیر راستے میں کرامت وعزت کو تلاش کرنا شروع ہوئی ہے۔

اور ان کے احبار (علماء) اور رہبان (تارک دنیا عابد) نے میرے بندوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا کہ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور میری کتاب کے علاوہ کے ساتھ انھوں نے لوگوں کو جاہل بنا دیا ہے اور میرا ذکر بھلا دیا ہے اور لوگوں کو مجھ سے دھوکے میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے پس میرے بندے جن کو میری عبادت کے سوا کسی کی عبادت لائق نہ تھی انھوں نے ان کو اپنا عابد و پرستار بنا لیا ہے۔

اور ان کے امراء اور ملوک میری نعمتوں کی وجہ سے اکڑ گئے ہیں اور میرے مکر سے مطمئن ہو چکے ہیں اور دنیا نے ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے اور میری کتاب انھوں نے پھینک دی ہے اور میرے عہد و پیمان کو بھول چکے ہیں میری کتاب میں تحریف وتغیر کر دیتے ہیں اور مجھ سے جرأت کرتے ہوئے اور میرے ساتھ فریب میں مبتلا ہوتے ہوئے میرے رسولوں پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ میری بزرگی پاک ہے میرا مرتبہ ومکان بلند و بالا ہے میری شان عظیم ہے، کیا کوئی میری سلطنت میں شریک ہو سکتا ہے؟ کیا کسی بشر کے لئے جائز ہے کہ وہ میری معصیت میں کسی کی اطاعت کرے؟ اور کیا میں ایسا کر سکتا ہوں کہ اپنے بندوں کو اس لئے پیدا کروں کہ وہ ساتھ خدا بنکر شریک ہو جائیں؟ یا میں کسی کو اپنے خلاف کسی کی اجازت دے سکتا ہوں اور ان کے قراء اور فقہاء جو چاہتے ہیں پس وہی پڑھتے ہیں بادشاہوں کے پیچھے لگتے ہیں تو وہ ان کو میرے دین کی بدعت وتحریف میں اکساتے ہیں اور یہ قراء، فقہاء میری معصیت میں ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے عہد وپیمان کا پاس کرتے ہیں اور میری عہد شکنی کرتے ہیں، جو جانتے ہیں ان سے پھر بھی جاہل ہیں کیونکہ اس علم سے نفع نہیں اٹھاتے، اور نبیوں کی اولاد قہر وعذاب اور فتنہ وفساد میں مبتلا ہیں، خوب نکتہ چینی کرتے ہیں اور پھر میری مدد کو اسی طرح چاہتے ہیں جس طرح ان کے آباء پر ہوئی تھی، اور خیال کرتے ہیں کہ بس وہی سب چیزوں کے بغیر سچائی اور عمل کے مستحق ہیں اور ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ ان کے آباء نے کیسے کیسے صبر واستقامت سے کام لیا اور جب دھوکہ میں پڑنے والے دھوکے میں پڑ گئے وہ ثابت قدم رہے، انھوں نے تو اپنی جانوں اور خون کا نذرانہ میرے دین اور میرے کام کی عزت میں پیش کر دیا تھا، پس ان کی وجہ سے ان کو میں نے مہلت دی تاکہ یہ مجھ سے شرمسار ہو کر واپس آ جائیں، میں نے ان کو ڈھیل دی، اور ان سے درگزر کرتا رہا اور ان کو کثرت سے نوازا اور عمر میں طول دیا تاکہ نصیحت پکڑ لیں، اور سب پر میں نے آسمان کی بارشیں برسائیں زمین کو زرخیز کر دیا اور امن وعافیت سے رکھا اور دشمنوں پر غلبہ دیا لیکن پھر بھی طغیانی وسرکشی ہی میں بڑھے اور مجھ سے دور ہوتے چلے گئے پس کب تک یہ صورت حال رہے گی؟ کیا یہ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ میرے درپے ہوتے ہیں؟ مجھے دھوکہ دیتے ہیں؟ مجھ پر جرأت وجسارت کرتے ہیں؟ پس میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں میں ان کو ایسے فتنے میں مبتلا کر دوں گا جس میں بردبار و متحمل مزاج بھی حیران، پریشان ہو جائیں گے اور ذی رائے کی رائے بے رائے ہو جائے گی، حکیم کی حکمت ناکارہ رہ جائے گی، پھر میں ان پر ایسے سخت ظالم جابر بادشاہوں کو مسلط کر دوں گا جن کے دلوں کو رعب وظلم اور وحشت سے بھر دوں گا اور نرمی اور مہربانی اور رحمت ان کے دلوں سے نکال لوں گا، اور میں نے قسم اٹھائی ہے کہ ان کے پیچھے اتنے عظیم وکثیر لشکر ہوں گے جیسے تاریک رات ہر جگہ چھا جاتی ہے ان کے لشکر بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح کثیر ہوں گے، ان کے جھنڈوں کی پھڑپھڑاہٹ عقاب پرندوں کی طرح ہوگی، اور عقاب کی طرح لوٹ لوٹ کر حملے کریں گے بستیوں کو ویرانوں میں بدلیں گے اور آبادیوں کو وحشتوں میں بدل دیں گے اور زمین میں دنگا فساد مچا کر رکھ دیں گے خوب خوب ہلاکت وخونریزی کریں گے ان کے قلوب انتہائی پتھر ہو چکے ہوں گے نہ سوچیں گے نہ دیر کریں گے نہ رحم کریں گے نہ دیکھیں گے نہ سنیں گے، بازاروں میں چیختے پکارتے زور آور پھریں گے جیسے گرجتے شیر جن کی آوازوں سے جسم کانپ اٹھیں گے اور ان کے سننے سے بردبار لوگ بھی طیش میں آ کر زبانوں سے خوب چلائیں گے مگر وہ کسی کی بات نہ سمجھیں گے، اور میری عزت کی قسم میں ان کے گھروں کو اپنی کتاب اور اپنی تسبیح وتقدیس سے خالی کر دوں گا اور ان کی مجالس کو اپنی باتوں اور عبرتوں سے خالی کر دوں گا اور ان کی مساجد کو ان کے آباد کرنے والوں سے خالی کر دوں گا اور ان کے زائرین صرف ایسے لوگ رہ جائیں گے جو اس کی عمارت وغیرہ کو غیر اللہ کے لئے خوب زینت دیں گے اور اس میں شب بسری کریں گے، اور دین کو دنیا کمانے کے لئے سیکھیں گے، اور غیر دینی مقصد کی خاطر فقہ سیکھیں گے اور بغیر عمل کی غرض سے علم حاصل کریں گے میں ان کے بادشاہوں کو عزت کے بدلے ذلت سے دوچار کر دوں گا۔

اور امن کے بدلے خوف دامن گیر کر دوں گا، اور عیش وعشرت اور مالداری کے بدلے فقر وفاقہ کا لباس پہنا دوں گا نعمت کے بدلے بھوک و

پیاس لاحق کردوں گا، اور امن و عافیت وسلامتی کے بدلے طرح طرح کے عذابات سے تنگ کردوں گا، اور دیباؤ حریر کے بدلے اون اور چھوٹے موٹے لباس مہیا کروں گا، اور عمدہ روحوں اور جسموں کے بدلے مرداروں کی نعشیں سپرد کروں گا، اور تاج و تخت والے لباسوں کے بجائے لوہے اور بیڑیوں اور طوقوں سے مزین و آراستہ کروں گا اور ان کو وسیع محلوں اور محفوظ قلعوں میں رہنے کے بعد ویرانی و بربادی کے سپرد کردوں گا، مضبوط قلعوں اور برجوں کے بجائے درندوں کے علاقے میں رہائش دوں گا اور گھوڑوں کے بجائے بھیڑیوں کی بھوں بھوں سنیں گے اور قندیلوں اور چراغوں کی روشنیوں کے بجائے ہر طرف کی آگ کا دھواں نصیب ہوگا، اور انس و محبت کے بعد وحشت اور ویرانی کو دیکھیں گے اور عورتوں کو کنگن اور زیورات کے بجائے ہتھکڑیوں سے سابقہ پڑے گا، اور موتیوں اور ہیروں کے ہار کے بجائے لوہے کے کڑے بندھے ہوں گے اور عمدہ تیل اور خوشبوؤں کے بعد گرد وغبار اور دھواں سے واسطہ ہوگا، نرم گدوں پر چلنے کی بجائے اپنے شہروں اور بازاروں سے راتوں رات بھاگنا پڑے گا اور پردوں اور زیب وزینت کی بجائے حیران پریشان کھلے چہرے لئے شہروں بازاروں سے راہ فرار اختیار کرنا پڑے گا اور زہریلی ہوائیں ان سے ٹکرائیں گی، پھر میں ان کو مزید طرح طرح کے عذاب سے خوب خوب ذلیل و ویران کرڈالوں گا حتیٰ کہ اگر ان کا کوئی فرد دور دراز پہاڑ میں تنہا رہتا ہوگا تو یہ تمام عذابات اس کو بھی پہنچاؤں گا، پھر میں آسمان کو حکم کردوں گا وہ ان پر لوہے کے ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور زمین کو حکم کروں گا وہ ان چٹیل کی طرح سپاٹ سطح ہوجائے گی پھر نہ تو آسمان برسے گا نہ زمین کچھ دانہ اگائے گی، اگر اس دوران کچھ آئے گا تو اس پر آفت اتاروں گا، اور جو کچھ بچے گا اس سے برکت نکال لوں گا، اگر وہ مجھے پکاریں گے تو جواب نہ دوں گا اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کریں گے تو ان کو عطا نہ کروں گا، اگر روئیں گے تو رحم نہ کروں گا اگر میری طرف عاجزی و انکساری اور لجاجت اور محتاجگی پیش کریں گے تو اپنا چہرہ ان سے پھیر لوں گا۔

اگر وہ مجھ سے کہیں گے:

اے اللہ تو نے ہی اپنی رحمت اور اپنے کرم سے ہم کو اور ہمارے آباء کو پیدا کیا، اور آپ نے ہم کو اپنی ذات کے لئے خاص کیا اور ہمارے اندر نبوت کتاب اور مساجد کو رکھ دیا پھر آپ نے ہم کو شہروں میں قدرت دی اور وہاں اپنی خلافت سے نوازا، اور آپ نے ہم کو اور ہمارے آباء کو بچپن سے پرورش اور ترقی سے ہمکنار فرمایا، اور پھر ہم کو اور ان کو اپنی رحمت سے سن رسیدگی تک پہنچایا، پس آپ ہی بھرپور نعمت و رحمت سے نوازنے والے ہیں اگرچہ ہم بدل چکے ہیں اور آپ نہیں بدلے اگرچہ ہم بدلے ہیں اور آپ کی نعمت و احسانات اور فضل و عطا مکمل طور پر ہم پر بری ہے۔

تو اگر وہ یہ کہیں گے تو میں ان کو کہوں گا۔

میں ہی اپنے بندوں پر اپنی نعمت و رحمت کی ابتداء کرنے والا ہوں پھر وہ قبول کرتے ہیں تو میں نعمت کو تام کرتا ہوں اگر وہ اضافہ چاہتے ہیں تو اضافہ کرتا ہوں اگر وہ شکر کرتے ہیں تو میں مزید بڑھا دیتا ہوں اگر وہ بدل جاتے ہیں تو پھر میں بھی ان کے ساتھ بدل جاتا ہوں اور جب وہ بدلتے ہیں تو میں غضب میں آجاتا ہوں اور جب میں غضب میں آجاؤں تو پھر ان کو عذاب سے دوچار کردیتا ہوں اور پھر کوئی چیز میرے غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ پھر حضرت ارمیا علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت والجلال میں عرض گزار کی اے پروردگار آپ کی ذات بابرکت کے طفیل میں آپ کے سامنے علوم الٰہی سیکھ رہا ہوں اور میرے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے جبکہ میں انتہائی کمزور اور ذلیل بھی ہوں کہ میں آپ کے سامنے منہ کھولوں، لیکن آپ نے ہی اپنی رحمت سے مجھے آج کے دن تک باقی رکھا ہے اور ہر شخص کو آپ کے عذاب سے ڈرنا ضروری ہے اور بنی اسرائیل کا اس نہج تک پہنچ جانا میری کوتاہی کے سبب ہے کہ میں اتنے عرصہ دراز ان میں رہا اور پھر بھی یہ تیری نافرمانی میں منہمک رہے اور میں ان کو روک نہ سکا بدل نہ سکا، پس اگر آپ مجھے عذاب کریں تو میں اسی کا لائق ہوں اور اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو میرا آپ کے ساتھ اس بات کا قوی گمان ہے۔

اے پروردگار...... آپ پاک ہیں ہم آپ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور آپ بابرکت ہیں ہمارے رب اور آپ بہت بلند ذات ہیں...... کیا آپ اس بستی اور اس کے ارد گرد کو تہس نہس فرمائیں گے جبکہ یہ آپ کے انبیاء کے مسکن اور پڑاؤ اور اترنے کا شہر اور قبیلہ ہے اے پروردگار...... آپ پاک ہیں اور ہم آپ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور آپ بابرکت اور بلند ذات وصفات ذات ہیں۔

کیا آپ اس مسجد بیت المقدس اور اس کے گردو پیش مساجد اور ان گھروں کو ویران فرمائیں گے جن کو آپ نے اپنے ذکر کی بدولت بلند کیا۔

اے پاک ذات...... کیا آپ اس امت کو تباہ و برباد فرمائیں گے اور ان کو عذاب میں گرفتار کریں گے اور یہ آپ کی محبوب شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں آپ کے ہمراز و نیاز حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی امت ہیں اور آپ کے منتخب کردہ عظیم پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم ہیں؟

اے پروردگار...... پھر کونسی بستی اور شہر اس کے بعد آپ کے عذاب و پکڑ سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ اور کون سے بندے ان کے بعد آپ کے سطوت و جلال سے بچ سکتے ہیں؟

اے پروردگار کیا آپ اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر آگ کے پجاریوں کو مسلط فرمائیں گے؟

تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اے ارمیا...... جس شخص نے میری نافرمانی کی وہ میرے عذاب کو اجنبی خیال نہ کرے میں نے ان کے اگلوں کو جو اکرام واعزاز بخشا وہ صرف میری اطاعت کی بناء پر تھا، اگر ان کے بقیہ لوگ میری نافرمانی کریں گے تو میں ان کو نافرمانوں کے گھر ہی میں جگہ دوں گا، اب تک تو میں اپنی رحمت سے ان کو درگزر کرتا رہا۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا...... اے پروردگار آپ نے ابراہیم کو دوست بنایا اور ان کے طفیل آپ نے ہماری محافظت فرمائی، اور موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے اپنے ساتھ سرگوشی اور راز و نیاز کرنے کا شرف بخشا، پس ہم (ان کے طفیل) آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہماری حفاظت فرمائیے اور ہم پر دشمنوں کو مسلط نہ کیجئے کہ وہ ہمیں اچک لیں۔

تو اللہ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی اے ارمیا میں نے تجھ کو تیری ماں کے پیٹ میں ہی پاک کر دیا تھا اور پھر تجھ کو اس دن تک مہلت عطا کی پس اگر تیری قوم یتیموں اور خاک آلود مسکینوں اور فقیروں اور مسافروں کی حفاظت کرتی ان کا خیال رکھتی تو میں ان کو بھرپور سہارے اور طاقت و قوت سے نوازتا۔

اور میرے ہاں ان کا مقام و مکان جنت ہوتی جس کے درخت نرم و نازک اور حسین ہیں اور اس کا پانی پاکیزہ ہے وہ پانی کبھی کم نہیں ہوتا اس کے پھل فروٹ کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ خراب ہوتے ہیں۔

لیکن اے ارمیا میں ہی آپ سے بنی اسرائیل کا شکوہ کرتا ہوں کہ میں ان کے لئے انتہائی محبت کرنے والے شفیق چرواہے کی طرح تھا، ان کو ہر قسم کے قحط اور ہر تنگی اور پریشانی سے بچاتا تھا، اور ان کو سرسبزی و شادابی میں ترو تازہ کر رکھا تھا حتیٰ کہ وہ مینڈھوں کی طرح قوی ہو گئے اور ایک دوسرے کو سینگوں سے مارنے لگے، ان پر افسوس ہے انتہائی افسوس، بے شک میں اس کا اکرام کرتا ہوں جو میرا اکرام کرتا ہے اور میں اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہوں جس کے نزدیک میرا دین ذلیل ہو ان سے پہلی اقوام میری معصیت سے لرزہ براندام اور خوفزدہ ہو جاتی تھی اور یہ میری معصیت کو ہٹ دھرمی سے کھلم کھلا کرتے ہیں حتیٰ کہ مساجد میں بھی اور بازاروں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر درختوں کی چھاؤں میں ہر جگہ گناہ سے پر رہتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے گناہ مجھ تک آسمانوں میں بھی بھر گئے ہیں اور زمین بھی بھر چکی ہے، پہاڑ بھی ان کے گناہوں سے عاجز آ چکے ہیں، زمین کے دور دراز کناروں تک چرند پرند ان سے متنفر ہو گئے ہیں، اور یہ کسی جگہ باز نہیں آتے اور میری کتاب سے سیکھے ہوئے سے نفع نہیں اٹھاتے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت ارمیا علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان کے پروردگار کے پیغامات اور سب باتیں پہنچا دیں اور انھوں نے وعید و عذاب کو اچھی طرح سن لیا تو آپ کی نافرمانی پر اتر آئے اور آپ کو جھوٹا قرار دیا اور تہمت زدہ کیا اور کہنے لگے آپ جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اپنی سرزمین اور اپنی مساجد اپنی کتاب اپنی عبادت اپنی توحید کو بیکار کر دے گا؟ پھر اس کی کون عبادت کرے گا جب زمین میں کوئی عبادت گزار نہ رہے گا، نہ کوئی مسجد، نہ کوئی کتاب رہے گی؟ تو نے اللہ پر بہت ہی بڑا جھوٹ گھڑا ہے اور تجھ کو جنون لاحق ہو چکا ہے۔

پھر انھوں نے آپ کو پکڑا اور بیڑیوں میں باندھ کر قید کے حوالے کر دیا تب اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر کو بھیجا وہ اپنے ٹڈی دل (انتہائی

عظیم لشکر، جس طرح ٹڈیاں فصل پر چھا جاتی ہیں اس طرح کے) لشکر کے ساتھ چلنا شروع ہوا حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے علاقوں کے قریب پہنچ گیا پھر ان کا محاصرہ کر لیا اس کے بعد وہ...... منظر پیش آیا جس کا تذکرہ قرآن نے کیا فرمایا (پھر وہ شہروں کے درمیان گھس گئے) فرمایا جب ان کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو عاجز آ گئے اور بخت نصر کے حکم کو مان لیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے اور مجوسیوں کے لشکر گلی گلی کوچے کوچے میں گھس گئے یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان الٰہی [1] کا (پھر وہ شہروں کے درمیان میں گھس گئے) اور بخت نصر نے جاہلیت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان پر سخت حکم جاری کئے اور سخت گیری کی۔

کہ تہائی بنی اسرائیل کو قتل و غارت گری میں نیست و نابود کر دیا اور تہائی کو اپنی غلامی کی ذلت کا لباس پہنایا اور صرف لنجوں اپاہجوں بوڑھوں بوڑھیوں کو چھوڑ کر ان پر احسان کر دیا۔ اس کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اور بیت المقدس کو منہدم کر دیا اور بچوں کو ساتھ لے لیا اور عورتوں لڑکیوں کو بازاروں میں برہنہ کھڑا کر دیا اور لڑائی کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالا قلعوں اور محلوں کو ویران کر دیا اور مساجد کو منہدم کر ڈالا اور تورات کو جلا ڈالا۔ پھر بخت نصر نے دانیال علیہ السلام کے متعلق سوال کیا جس کے لئے کتاب لکھی گئی تھی تو بخت نصر نے ان کو شدت میں پایا۔ اور ان کے گھر والوں نے کتاب اس کے حوالے کر دی اور ان کے اہل میں دانیال بن حزقیل (اصغر اور میشائیل اور عزرائیل اور میخائیل تھے۔ پھر بخت نصر اپنے عظیم لشکروں کے ساتھ بیت المقدس کے علاقوں میں داخل ہوا اور پورے وسیع و عریض ملک شام کو روند ڈالا اور بنی اسرائیل کی خوب خونریزی کی حتیٰ کہ ان کو فنا کر دیا۔ پھر ان سے فارغ ہوا تو واپسی شروع کی اور تمام اموال سمیت لئے اور قیدیوں کو آگے لگا لیا ان میں سے بادشاہوں اور احبار (علماء) کے قیدی بچوں کی تعداد نوے ہزار بچوں تک جا پہنچی تھی۔ اور بیت المقدس میں گندگی اور کچرے ڈال کر اس کی توہین کی اور سوروں کو اس میں ذبح کیا۔ سات ہزار غلام حضرت داؤد علیہ السلام کی آل اولاد سے تھے۔ اور گیارہ ہزار حضرت یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کی اولاد سے تھے۔ اور آٹھ ہزار ایشی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور چودہ ہزار یعقوب کے دو فرزندان زبالون اور نفتالی کی اولاد سے تھے اور چودہ ہزار دان بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ آٹھ ہزار یستاخر بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ دو ہزار زیلون بن یعقوب سے چار ہزار روبیل بن یعقوب اور لاوی بن یعقوب سے اور بارہ ہزار تمام بنی اسرائیل سے الغرض ان تمام کو لے کر بخت نصر چل پڑا حتیٰ کہ اپنی سرزمین بابل میں قدم رکھ لیا۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بخت نصر نے جو کچھ کرنا تھا سب کر لیا تو اس کو کہا گیا۔

کہ ان کا ایک آدمی تھا جو ان کو ان کی اس آفت اور حالت سے ڈراتا تھا اور ان کو سمجھاتا تھا اور آپ کے متعلق ان کو خبردار کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ آپ ان کے بہادروں کو قتل کریں گے اور بچوں کو قید کر دیں گے ان کی مساجد کو منہدم کر دیں گے ان کے کنیسوں (عبادت خانوں) کو نذر آتش کر دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اور اس کو جھوٹا قرار دیا اور تہمت زدہ کر کے مارا اور بیڑیوں میں جکڑ کر قید و بند کے حوالے کر دیا۔

تو بخت نصر نے یہ سن کر حکم جاری کیا پھر حضرت ارمیا علیہ السلام کو جیل سے نکالا گیا پھر بخت نصر نے آپ سے پوچھا: کیا آپ ان کو اس حالت سے ڈراتے تھے؟ فرمایا بالکل۔ پوچھا: آپ کو یہ پہلے ہی کہاں سے معلوم ہو گیا؟ فرمایا اللہ نے مجھے ان کے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا تھا لیکن انہوں نے مجھے جھوٹا قرار دیا پوچھا: اور کیا انہوں نے آپ کو مارا پیٹا اور جیل کے حوالے بھی کیا ہے؟ فرمایا جی!

کہا بہت بری قوم ہے جس نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اور اپنے رب کے پیغام کو جھٹلایا۔ تو اب کیا آپ میرے ساتھ مل سکتے ہیں؟ میں آپ کا اکرام و اعزاز کروں گا اور آپ کی غمخواری کروں گا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو آپ کے وطن بھی چھوڑ دوں گا، اور آپ کو امن و امان عطا کروں گا؟ آپ نے فرمایا میں ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہا ہوں۔ اور جب سے میں اللہ کی پناہ اور حکم و تابعداری سے نہیں نکلا تب سے اسی کی امان میں ہوں اگر بنی اسرائیل بھی اس کی تابعداری سے اور اس کی امن و امان سے نہ نکلتے تو وہ کبھی تجھ سے نہ ڈرتے اور نہ تیرے کسی غیر سے ڈرتے اور نہ تو ان کا کچھ بگاڑ سکتا تھا۔

---

(۱) الاسراء: ۵۔

بخت نصر نے آپ کی بات سنی تو آپ کو چھوڑ دیا پھر آپ واپس اپنے مقام ایلیا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ روایت کچھ غریب ہے اور اس میں حکمتیں ونصائح اور ملیحانہ گفتگو بھی خوب ہے ہشام بن محمد بن السائب الکلبی فرماتے ہیں۔

بخت نصر نے بہراسب بادشاہ کو روم کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔

اور اس نے بلخ شہر بنایا تھا۔ جس کا لقب خنساء بھی کہا جاتا ہے۔ اور پھر بخت نصر نے لڑکوں سے قتال کیا اور ان کو تنگ جگہوں میں محصور کر دیا۔ اور بنی اسرائیل سے شام میں لڑنے کے لئے بھی ایک لشکر روانہ کیا۔ اور اس کا سپہ سالار، فارس کا بادشاہ بہمن کو بنایا تھا جو بشتاسب بن لہراسب کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اور اس لشکر کشی کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے رسولوں پر ظلم وستم ڈھایا تھا۔

اور ابن جریر نے یونس بن عبدالاعلیٰ [1] کے طریق سے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ بخت نصر نے جب دمشق میں قدم رکھا تو وہاں ایک کوڑے کی جگہ خون جوش مارتا دیکھا۔ بخت نصر نے اس کے متعلق ان سے استفسار کیا تو بتایا گیا کہ ہم اپنے آباء کے زمانے سے اس کو اسی طرح دیکھتے آرہے ہیں اور جب بھی اوپر کچھ تہہ جمتی ہے تو پھر یہ خون جوش مار کر ابلنے لگتا ہے۔

بخت نصر نے اس پر ان سے خوب خونریزی کی حتیٰ کہ ان کے ستر ہزار مسلمان وغیرہ قتل کر دیئے پھر کہیں جا کر اس خون کا سلسلہ ختم ہوا۔

روایت کی اسناد سعید بن المسیب تک صحیح ہے۔ اور پہلے حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے گذر چکا ہے کہ یہ خون حضرت زکریا بن یحییٰ علیہ السلام کا تھا۔

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بخت نصر سے ایک مدت بعد پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور پہلے پیغمبر یا پہلے کسی عظیم ولی اللہ کا خون ہے۔ واللہ اعلم۔

ہشام بن کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بخت نصر بیت المقدس آیا تو بیت المقدس کے بادشاہ سے صلح ہو گئی اور بادشاہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ال سے تھا۔ تو اس نے بنی اسرائیل کی نمائندگی کرتے ہوئے مصالحت کر لی اور بخت نصر خراج جزیہ وغیرہ لے کر واپس چلا گیا۔ بخت نصر جب طبریہ علاقے میں پہنچا تو اس کو خبر موصول ہوئی کہ بنی اسرائیل نے اس کے مصالحت کنندہ بادشاہ پر ظلم کیا اور اس سے بغاوت کر کے اس کو قتل کر ڈالا ہے۔ اور یہ سب انہوں نے مصالحت کی وجہ سے کیا۔

پھر تو بخت نصر فوراً تمام لشکر وسامان سمیت واپس پلٹا اور پورے شہر بیت المقدس کو انتہائی سخت پکڑ میں لے لیا اور جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے لاشوں کے انبار لگا دیئے ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا۔

راوی نے مزید فرمایا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ تب بخت نصر نے قید میں حضرت ارمیا علیہ السلام کو پایا تھا تو بخت نصر نے آپ کو نکلوایا اور آپ نے ساری آپ بیتی دہرائی تو بخت نصر گویا ہوا کہ بڑی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔

پھر بخت نصر نے آپ کا راستہ چھوڑ دیا۔ اور آپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا پھر بنی اسرائیل کے باقی ماندہ گرے پڑے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پشیمان ونادم ہو کر عرض گذار ہوئے، ہم نے بہت ہی برا کیا اور خود اپنے پر ظلم کیا اب ہم بارگاہ عالی میں اپنی خطاؤں سے توبہ تائب ہوتے ہیں۔

لہٰذا آپ اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ ہماری توبہ کو شرف قبولیت بخش دے تو حضرت ارمیا علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی کہ یہ اب بھی سچے نہیں ہیں۔ اگر یہ سچے ہیں تو آپ کے ساتھ اس شہر میں ٹھہر جائیں۔

آپ نے ان کو وحی سنائی تو وہ ہوا کہنے لگے ہم اس شہر میں کیسے ٹھہر سکتے ہیں جب کہ یہ شہر تباہ وویران ہو چکا ہے اور اللہ اس کے اہلیان پر غضب فرما چکے ہیں۔

لہٰذا اس طرح وہ بیت المقدس کی سکونت سے انکار کر گئے۔

ابن کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس زمانے سے اب تک بنی اسرائیل دنیا کے علاقوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ حجاز چلا گیا ایک حصہ یثرب

(۱) عن ابن وھب عن سلیمان بن بلال عن یحیی بن سعید الانصاری عن سعید ابن المسیب

(مدینے) چلا گیا۔

ایک حصہ وادی قری کوچ کر گیا۔ایک چھوٹی سی جماعت مصر روانہ ہو گئی۔

تو بخت نصر نے ان تھوڑے سے لوگوں کے لئے شاہ مصر کو پروانہ لکھا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس واپس کر دیا جائے۔لیکن شاہ مصر نے انکار کر دیا۔

پھر کیا تھا؟ بخت نصر اپنے عظیم لشکر کے ساتھ فوراً روانہ ہوا اور شاہ سے لڑائی کی اور اس پر غلبہ پالیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا پھر مغربی علاقوں کی سمت چلا حتیٰ کہ مغرب کے آخری علاقوں تک فتحیابی سے ہمکنار ہوتا ہوا پہنچ گیا۔

پھر بیت المقدس۔مصر۔تمام مغربی علاقوں اور اردن و فلسطین کے قیدیوں کو اور مال و دولت کو واپس لے کر لوٹ پڑا۔

انہی قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ دانیال بن حزقیل اصغر ہیں نہ اکبر اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی اسی کو بتاتی ہے۔

واللہ اعلم۔

حضرت دانیال علیہ السلام کا قصہ

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [1] عبداللہ بن ابی ہذیل سے منقول ہے فرمایا کہ بخت نصر نے دو شیر منگوائے اور دونوں کو ایک اندھے کنویں میں پھنکوادیا، پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو بھی ان کے ساتھ ڈال دیا، لیکن شیروں نے آپ کے ساتھ کوئی برا رویہ نہ اختیار کیا، پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ اس کنویں میں رہے اور جو انسانوں کو بھوک پیاس لگتی ہے آپ کو بھی لگی تو اس کا بندوبست اللہ نے یوں کیا کہ یہاں سے کوسوں دور بیت المقدس میں حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ کھانا وغیرہ تیار کروتا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کھلایا جائے۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار...... میں یہاں ارض مقدسہ میں ہوں اور کہاں وہ ارض بابل سرزمین عراق میں؟ فرمایا جو ہم نے تم کو حکم دیا ہے وہ کرو ہم تمہارے لئے سواری کا بندوبست کریں گے، تو آپ نے کھانا وغیرہ تیار کرلیا اور اللہ نے سواری مہیا فرمادی حتیٰ کہ آپ آناً فاناً کنویں کے کنارے کھڑے پائے گئے۔

حضرت دانیال نے آواز دے کر پوچھا کون ہے یہ؟ فرمایا میں ارمیا ہوں پوچھا کیا چیز آپ کو یہاں لائی فرمایا مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے حضرت دانیال نے فرمایا کیا میرے رب نے مجھے یاد فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں تو حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے امیدوار کو اس کی بات کا جواب دیتا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے جو اپنے پر بھروسہ کرنے والے کو غیر کے حوالے نہیں کرتا۔
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے جو احسان کا بدلہ (بڑھا چڑھا کر) احسان سے دیتا ہے
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے جو صبر کے بدلے نجات مرحمت فرماتا ہے
تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے جو ہمارے کرب واذیت کے بعد ہمیں تکلیف سے چھٹکارا دیتا ہے
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ جب ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہمارا گمان برا ہونے لگتا ہے تو وہ اللہ ہماری حفاظت کو آجاتا ہے۔
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ جب ہم سے تمام آسرے ٹوٹ جائیں تو وہی ہماری امیدوں کا محور ومرکز ہوتا ہے۔

[2] ابوالعالیہ کہتے ہیں جب ہم نے تستر شہر (جو بصرہ کے قریب ہے اس کو) فتح کیا تو ہم نے ہرمزان بادشاہ کے بیت المال میں ایک تخت پایا جس پر ایک شخص کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے ساتھ ایک مصحف (یعنی کتاب اللہ) تھا۔

تو ہم نے مصحف اٹھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچایا، آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو عربی زبان میں تبدیل کیا، پھر میں نے اس کو پڑھا اور میں پہلا عربی شخص ہوں جس نے اس کو پڑھا میں نے اس کو اس اپنے قرآن کی طرح پڑھا تھا۔

ابی خالد بن دینار راوی کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا اس میں کیا تھا؟

---

(۱) قال ابن ابی الدنیا حدثنا احمد بن عبدالاعلی الشیبانی قال ان لم اکن سمعته من شعیب بن صفوان حدثنی بعض اصحابنا عنه عن الاجلح الکندی، عن عبدالله بن ابی هذیل قال

(۲) وقال یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن ابی خالد بن دینار، حدثنا ابو العالیه قال

فرمایا تمہارا چال چلن، دیگر امور، اور تمہارے کلام کی قسمیں وغیرہ اور جو کچھ بعد میں ہونے والا ہے، وہ تھا۔
میں نے پوچھا پھر آپ لوگوں نے اس میت (شخص) کا کیا کیا، فرمایا ہم نے دن کے وقت تیرہ قبریں متفرق جگہوں پر کھودیں، پھر رات کو اس شخص کو ایک قبر میں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو اسی طرح قبر بنا دیا۔
تا کہ لوگوں کو آپ کا پتہ نہ چل سکے اور اس کو نہ کھودیں۔
میں نے پوچھا لوگ اس شخص سے کیا امید رکھتے ہیں؟
فرمایا جب بھی آسمان اپنا پانی روک لیتا ہے تو لوگ اس کی چارپائی کو باہر نکالتے ہیں جس کی برکت سے ان پر بارش برستی ہے۔
پوچھا: آپ اس شخص کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو کہ وہ کون تھا؟ فرمایا اس کو دانیال کہا جاتا تھا۔
پوچھا: آپ کے خیال میں کتنے عرصہ پہلے وہ وفات پایا تھا؟ فرمایا تین سو سال۔
پوچھا پھر بھی اس کے جسم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا؟ فرمایا بس گدی پر کچھ بال (بدل گئے تھے) کیونکہ انبیاء کے اجسام کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ ان کو درندے کھا سکتے ہیں۔
اس روایت کی اسناد ابو العالیہ تک صحیح ہے۔
لیکن یہ بات قابل نظر ہے کہ اگر ابو العالیہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی تاریخ وفات یعنی تقریباً تین سو سال کو درست و محفوظ قرار دیا جائے تو پھر یہ شخص نبی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کوئی مرد صالح ہوگا، کیونکہ بخاری کی صاف حدیث کے مطابق حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں گزرا۔

اور ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان چار صد سال کا عرصہ ہے، دوسرے قول کے مطابق چھ سو سال اور ایک قول کے مطابق چھ سو بیس سال کا عرصہ دراز ہے، اور حضرت دانیال علیہ السلام کی وفات کو اندازاً آٹھ سو سال کا عرصہ حضور سے پہلے گزر چکا تھا، تو اگر وہ حقیقت میں حضرت دانیال علیہ السلام ہی ہیں تو پھر یہ عرصہ مناسب لگتا ہے اور خیال و قرینے کے قریب بھی لگتا ہے کہ یہ حضرت دانیال ہوں کیونکہ ان کو فارس کے بادشاہ نے قید میں ڈال دیا تھا جیسے پہلے گزر چکا۔
اور حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ تک صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی ناک کی لمبائی ایک بالشت تھی، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک جید اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ ان کی ناک کی لمبائی ایک ہاتھ تھی، اس صورت میں احتمال ہے کہ یہ بہت پہلے کے انبیاء میں سے ہوں اور ابو بکر بن ابی الدنیا نے احکام القبور کتاب میں کہا کہ [1] اشعث الاحمری سے مروی ہے، واللہ اعلم کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنے پروردگار عز وجل سے دعا کی کہ ان کو امت محمدیہ ﷺ دفنائے۔
پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر علاقہ فتح کر لیا تو حضرت دانیال علیہ السلام کو ایک تابوت میں پایا جن کی رگیں اور مسام اپنی حالت پر صحیح برقرار تھے۔
اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو دانیال کا پتہ بتائے گا تو تم اس کو جنت کی خوشخبری دے دینا۔
تو جس شخص نے ان کے متعلق اطلاع دی اس کا نام حرقوص تھا، تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا تو آپ نے جواب بھیجا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کر دو اور حرقوص کو میرے پاس بھیج دو کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔
یہ روایت اس طریق سے مرسل ہے اور اس کے محفوظ ہونے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم۔
[2] پھر ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت دانیال علیہ السلام کے ساتھ ایک مصحف نور ملا جس میں

---

(۱) حدثنا أبو بلال محمد بن الحارث بن عبدالله بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الأشعری، حدثنا ابو محمد القاسم بن عبدالله عن الأشعث الأحمری

(۲) ثم قال ابن ابی الدنیا، حدثنا ابو بلال، حدثنا قاسم بن عبدالله عن عنبسہ ابن سعید و کان عالما

چربی تھی اور دراہم اور انگوٹھی پائی، تو حضرت ابوموسیٰ نے ان تمام باتوں کی تفصیل حضرت عمر کو لکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب مرحمت فرمایا۔

مصحف شریف تو یہیں روانہ کردو اور چربی میں سے کچھ حصہ ہمارے لئے بھیج دو، اور پہلے کے مسلمانوں کو کہہ دو کہ ان کے ذریعے سے شفاعت مانگیں، اور دراہم ان کے درمیان تقسیم کردو اور انگوٹھی ہم نے آپ کو بطور نفل (انعام) عطا کردی۔

ابن ابی الدنیا نے دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت دانیال کو بتایا تو اور لوگوں نے آپ کو بتایا کہ یہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان کے جسم کو چمٹ گئے اور گلے لگایا اور بوسہ دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا پیغام لکھا اور یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے پاس تقریباً دس ہزار دراہم پائے گئے ہیں اور جو شخص ان میں سے بطور قرض کے کچھ لے جاتا ہے تو اگر وہ لوٹا دے تو اس کیلئے بہتر ہوتا ہے ورنہ وہ مریض ہو جاتا ہے اور ان کے پاس ایک صندوق رکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب مرحمت فرمایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی میت کو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا جائے پھر کفن پہنا کر ایسی طرح دفنایا جائے کہ کسی کو ان کی قبر کے متعلق علم نہ ہو اور مال کے متعلق حکم فرمایا کہ بیت المال میں لوٹا دیا جائے اور صندوق میری طرف روانہ کردیا جائے اور ان کی انگوٹھی آپ کو بطور انعام دے دی گئی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چار قیدیوں کو ان کی نعش مبارک دفن کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے ایک نہر کے پانی کو روکا اور کوئی بند لگا کر نہر میں بیچوں بیچ قبر کھودی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وہاں حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کروادیا، اور چونکہ دفنانے والے صرف یہ چار ہی اشخاص تھے۔

جب یہ واپس آئے تو آپ نے ان کی گردن اڑادی (چونکہ ویسے بھی کافروں سے جنگ کے نتیجے میں قید ہوئے تھے، اس لئے ان کا قتل کرنا صحیح تھا) تو اس طرح یہ عظیم راز صرف اور صرف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سینے میں دفن ہوگیا۔

ابن ابی الدنیا نے کہا[1] ابن ابی الزناد سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت ابن ابی بردہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس کے نگینے کا نقش تھا کہ دو شیر ہیں جن کے درمیان میں ایک آدمی ہے اور دونوں شیر اس کو چاٹ رہے ہیں تو حضرت ابن ابی بردہ نے فرمایا یہ اس میت کی انگوٹھی ہے جس کے متعلق اہل شہر کا خیال تھا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کے دفن کے دن ان سے یہ انگوٹھی لی تھی، ابو بردہ فرماتے ہیں تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسی بستی کے علماء حضرات سے پوچھا کہ اس انگوٹھی کا نقش کیا حقیقت رکھتا ہے؟

فرمایا کہ جس بادشاہ کی سلطنت میں حضرت دانیال علیہ السلام حیات تھے اس بادشاہ کے پاس اس کے ملک میں نجومی اور دیگر اصحاب علم آئے اور کہنے لگے اے بادشاہ سلامت ایک ایسا ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو ختم کرے گا اور تیری بادشاہی کے لئے وہ زوال کی علامت ہوگا، تو بادشاہ نے کہا اللہ کی قسم اس رات کوئی بچہ بھی پیدا ہوگا تو میں اس کو قتل کروادوں گا، مگر پھر چند لوگوں نے مل کر حضرت دانیال علیہ السلام کو شیروں کی کچھار میں رکھ دیا، تا کہ اس طرف کسی کی توجہ مبذول نہ ہو پھر شیروں اور اس کے بچوں نے حضرت دانیال علیہ السلام کو کچھ نقصان نہ پہنچایا بلکہ آپ کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آئے اور آپ کو چاٹنے لگے، اور آپ سے کھیل کود میں شروع ہو گئے، تو اس طرح اللہ نے شیروں کے ذریعے حضرت دانیال علیہ السلام کو نجات دیدی اور آپ اس عمر تک پہنچ گئے کہ (اپنی حفاظت خود کرسکیں) تو ابو بردہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرمایا کہ اس بستی کے علماء نے کہا کہ پھر حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی کا نقش ہی ایسا بنوادیا تا کہ اس کو جب بھی دیکھیں تو اللہ کی [illegible] نعمت کو یاد کریں اور ان دوستوں کو نہ بھولیں، اس کی اسناد حسن ہے۔

---

[1] وقال ابن ابی الدنیا، حدثنی ابراهیم بن عبدالله، حدثنا احمد بن عمرو بن السرح، حدثنا ابن وهب، عن عبدالرحمن بن ابی الزناد، عن [illegible] قال رایت فی ید [illegible] الخ

بیت المقدس کی ویرانگی وتباہی کے بعد دوبارہ تعمیر اور بنی اسرائیل کے دوبارہ اکٹھے ہونے کا ذکر

اللہ عزوجل جو قائلین میں سب سے سچے ہیں اپنی کتاب مبین میں فرماتے ہیں کیا اس طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گراپڑا تھا اتفاقاً گزر ہوا تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا، تو خدا نے اس کی روح قبض کرلی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی) بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں جب واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔[1]

ہشام بن کلبی فرماتے ہیں پھر اللہ عزوجل نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں لہٰذا وہاں جاؤ اور وہاں سکونت اختیار کرو تو حضرت ارمیا علیہ السلام چلے گئے اور وہاں تشریف لے جا کر سکونت اختیار کرلی، اور بیت المقدس ابھی ویرانی کی لپیٹ میں تھا، تو تب آپ نے اپنے دل میں کہا۔

سبحان اللہ..... اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اس شہر میں ٹھہروں اور مجھے اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ وہ اس کو آباد فرمائیں گے پھر کب اللہ اس کی تعمیر کروائیں گے اور کب اللہ اس کو زندہ فرمائیں گے؟

پھر حضرت ارمیا علیہ السلام نے سر رکھا اور وادی نیند میں اتر گئے اور آپ کے ساتھ آپ کا گدھا اور کھانے پینے کے سامان کی ٹوکری تھی، پھر آپ ستر سال تک..... مسلسل نیند میں رہے.....حتیٰ کہ بخت نصر بھی ہلاک ہوگیا اور اس کے اوپر جو بادشاہ تھا وہ لھراسب تھا اور اس کی سلطنت ایک سو بیس سال تک رہی تھی اس کے بعد بشتاسب بن لہراسب کا فرزند بادشاہ بنا اور بخت نصر کی موت اس کی زندگی میں وقوع پذیر ہوئی، تو اس بادشاہ کو شام کے شہروں سے خبر موصول ہوئی کہ یہ علاقے خراب وویران ہو چکے ہیں اور سرزمین فلسطین میں درندوں نے اپنا خوب خوب بسیرا کرلیا ہے اور کوئی ذی روح انسان باقی نہیں رہا ہے، تب اس بادشاہ نے بابل میں پیغام جاری کروایا کہ جو بنی اسرائیل اپنے وطن واپس جانا چاہے اسے اجازت دی جاتی ہے اور پھر بادشاہ نے آل داؤد علیہ السلام کے ایک شخص کو ان پر بادشاہ منتخب فرمادیا اور اس کو حکم فرمایا کہ جا کر بیت المقدس کی تعمیر وترقی کرو اور اس کی مسجد کو تزک و احتشام سے دوبارہ بناؤ اور آباد کرو۔

پھر بنی اسرائیل اپنے وطن واپس ہوئے اور جا کر اس کو آباد کیا، اور شہر اپنی رونقوں میں محو ہوگیا ادھر اب اللہ عزوجل نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی آنکھیں کھول دیں اور آپ نے بیدار ہو کر شہر کی طرف نظر دوڑائی تو حیرانگی سے دہشت زدہ رہ گئے کہ یہ آن کی آن میں کیسے آباد ہوا کیسے تعمیر ہوا جبکہ آپ نیند میں سو سال کا عرصہ دراز بسر کر چکے تھے، پھر اللہ نے ان کو اٹھایا اور آپ اس خیال میں تھے کہ صرف چند گھڑیاں آپ نے آرام کیا ہوگا اور اس سے پہلے شہر ویرانی اور تباہی کی سراسیمگی میں تھا، اور ہر طرف ہو کا عالم تھا اور اب اس کو آباد تعمیر شدہ دیکھا تو زبان سے کہا۔

میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہی ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سرسبزی وشادابی میں غرق کردیا اور وہ ہنسی کھیل دوبارہ اپنے وطن میں بس گئے، زمانہ گزرتا رہا حتیٰ کہ پھر ان پر رومیوں نے غلبہ کرلیا اور یہ طوائف الملو کی کا دور تھا، پھر نصاریٰ کے غلبہ کے بعد بنی اسرائیل کے لئے کوئی لشکر اور کوئی بادشاہ نہ تھا۔

ابن جریر اسی طرح اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہیں۔[2]

ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ لہراسب بادشاہ بڑا نیک عادل اور اپنی مملکت کا غمخوار بادشاہ تھا اور اس کی ان خوش خلقیوں کی وجہ سے لوگ اور

---

(۱) البقرۃ: ۲۵۹۔ (۲) ذکرہ ابن جریر (۱/۵۳۹۔۵۴۰) فی تاریخہ

علاقے اور دیگر بادشاہ اس کی طرف مائل ہو گئے تھے اور یہ بادشاہ شہروں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی اور جزیہ ٹیکس وغیرہ کی وصولی میں بھی بڑے عمدہ منصوبے اور اچھی رائے دیتا تھا، پھر جب سو اور چند سال کے عرصہ دراز کے بعد ملک کے کام سنبھالے کچھ عرصہ ہو گیا تو انتہائی فراخدلی کے ساتھ اپنے بیٹے کیلئے جگہ خالی کر دی پھر اس کے زمانے میں مجوسیوں کا (آتش پرست) دین شروع ہوا، اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک شخص جس کا نام زردشت تھا وہ حضرت ارمیا علیہ السلام کے ساتھ رہتا تھا اس نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو ناراض کیا اور غضب آلود کر دیا تو آپ نے اس کے خلاف بددعا کی تو زردشت کو برص کا مرض لاحق ہو گیا تو وہ وہاں سے کوچ کر کے آذربائی جان کے علاقے میں منتقل ہو گیا اور بشتاسب کا ساتھی بن گیا، پھر اس نے اپنی سیاہ کاریوں اور نفس کی خواہش پر اپنی طرف سے مجوسیت کا دین شروع کیا اور بشتاسب بادشاہ کو بھی اس کی فہمائش کی تو بشتاسب اس کی باتوں سے گمراہ ہو گیا اور اس دین کو قبول کر لیا اور پھر...... اس قدر میں پر بڑھا کہ لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یہ دین قبول کر لیں اور پھر جن لوگوں نے اس کا انکار کیا جو بہت سے لوگ تھے سب کو تہ تیغ کر کے ختم کر ڈالا۔

پھر بشتاسب کے بعد بہمن بن بشتاسب بادشاہ ہوا اور یہ فارس کے عظیم بہادر اور مشہور بادشاہوں میں سے گزرا ہے۔

اور بخت نصر اللہ اس کا برا کرے اس نے ان تینوں کی نیابت کی اور طویل عمر پائی۔

حاصل کلام یہ کہ ابن جریر کے ذکر کے مطابق اس بستی بیت المقدس پر گزرنے والے شخص حضرت ارمیا علیہ السلام ہیں، اس قول کے قائل حضرت وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید بن عمیر وغیرہما ہیں، اور یہ بات پہلی گفتگو کے مطابق قوی ہو گئی ہے۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ سلیمان بن بردہ وغیرہم اکثر حضرات کا یہ قول ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اور یہی پہلے اور بعد کے اکثر بزرگوں کے نزدیک مشہور ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ

حافظ ابوالقاسم بن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا نسب یوں ہے۔ عزیر بن جروۃ (اور ابن سوریق بھی کہا گیا ہے۔) بن عدیا ابن ایوب بن درزنا ابن عری بن تقی بن اسبوع بن فنحاس بن العاذر بن ہارون بن عمران، اور ایک قول میں کہا گیا ہے آپ عزیر بن سروخا ہیں۔ اور بعض آثار میں آیا ہے آپ کی قبر اطہر دمشق میں ہے پھر حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ابوالقاسم بغوی کے اس طریق [1] کے ذریعے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

میں عزیر کے متعلق نہیں جانتا کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں۔

پھر ابوالقاسم ابن عساکر نے اس [2] طریق کے ذریعے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

پھر اسحاق بن بشر کے طریق سے جو متروک ہیں جو یبر اور مقاتل کے واسطے ضحاک سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر ان افراد میں سے تھے جنکو بخت نصر نے قید کیا تھا اور جب یہ بچے تھے، جب چالیس سال کو پہنچے تو اللہ نے ان کو علم وحکمت سے نوازا۔ اور فرمایا کہ تورات کو جاننے میں اور حفظ میں ان سے کوئی آگے نہ تھا۔ اور انکا ذکر انبیاء میں ہوتا رہا پھر انہوں نے اپنے رب سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے انبیاء کی فہرست سے انکا نام مٹادیا۔

لیکن یہ روایت غریب ضعیف اور منقطع ومنکر ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں واللہ اعلم۔

اور اسحاق بن بشر [3] ایک روایت میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر وہی شخص ہیں جن پر اللہ نے سو سال تک موت طاری رکھی، پھر اٹھایا۔

[4] پھر اسحاق بن بشر کی طریق سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تمام حضرات نے مجھے حضرت عزیر کی حدیث بیان کی اور بعض نے کچھ اضافہ بھی فرمادیا وہ تمام اپنی اسناد کے ساتھ فرماتے ہیں۔

کہ حضرت عزیر بڑے دانا نیک شخص تھے ایک دن اپنی زمین کی طرف نکلے واپسی میں ایک ویرانے میں ٹھہر گئے کیونکہ گرمی سخت تھی آپ اپنے گدھے پر سوار اس ویرانے میں داخل ہوئے تو گدھے سے اترے اور آپ کے ساتھ کھانے کا ٹوکرا تھا۔ جسمیں انجیر تھے اور دوسرے ٹوکرے میں انگور تھے تو آپ اس ویران عمارت میں ٹھہرے پھر اپنے ساتھ موجود پیالہ نکالا اور انگور اس میں نچوڑے پھر خشک روٹی نکالی اور اس کو مشروب میں ڈال دیا تا کہ کچھ نرم ومیٹھی ہو جائے تو کھالیں۔

پھر آپ تھوڑی دیر کے لئے چت دراز ہوئے اور دیوار کی طرف ٹانگیں کر لیں آپ کی نظر عمارت کی ویران چھت کی طرف اٹھی تو آپ نے دیکھا کہ یہ عمارت اپنے عرشے پر کھڑی ہے اور اس کے رہنے والے مرکھپ چکے ہیں جن کی بوسیدہ ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ تو آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا:

---

(۱) عن داؤد بن عمرو، عن حبان بن علی، عن محمد بن کریب، عن ابیه عن ابن عباس مرفوعاً

(۲) مؤمل بن الحسن عن محمد بن اسحاق السجزی عن عبدالرزاق عن معمر، عن ابن ابی ذئب عن سعید المقبری عن ابی هریرة مرفوعاً نحوه

(۳) وقال اسحاق بن بشر عن سعید، عن ابی عروبه عن قتاده عن الحسن عن عبدالله بن سلام......

(۴) وقال اسحاق بن بشر: أنبانا سعید بن بشیر، عن کعب وسعید ابن ابی عروبة عن قتاده عن الحسن ومقاتل وجویبر عن الضحاک، عن ابن عباس و عبدالله بن اسماعیل السدی عن ابیه عن مجاهد عن ابن عباس و ادریس عن جده وهب بن منبه قال اسحاق

انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا؟

اللہ کیسے ان کو موت کے بعد زندہ فرمائے گا؟

آپ کو یہ شک نہ تھا کہ اللہ ان کو زندہ نہ فرمائے گا بلکہ اس کے طریق وکیفیت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا تھا پھر اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا آپ نے حضرت عزیر کی روح قبض فرمالی۔اور پھر سو سال تک اللہ نے ان کو یوں ہی موت کی نیند سلائے رکھا۔

جب سو سال کامل بیت چکے اور اس درمیان بنی اسرئیل میں بہت سے واقعات اور حادثات رونما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حضرت عزیر علیہ السلام کے پاس بھیجا جس نے اللہ کی طرف سے آپ کے دل کو بنایا جو سوچ سمجھ کے قابل ہوگیا پھر آنکھوں کو بنایا جو دیکھنے کے لائق ہو گئیں تا کہ آنکھوں سے دیکھ کر دل سے سمجھ لیں کہ کیسے اللہ مردوں کو زندہ فرمائیں گے؟ پھر تخلیق شروع ہوئی اور آپ ساتھ ساتھ دیکھتے اور سمجھتے جارہے تھے پہلے اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھا پھر بال ابھرے اور کھال نمودار ہوئی پھر اس میں روح پھونک دی گئی آپ تمام منظر کو بخوبی دیکھ رہے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے فرشتے نے آپ سے پوچھا کتنا عرصہ ٹھہرے؟ فرمایا ایک دن یا کچھ دن کا حصہ۔ کیونکہ آپ دن کے شروع میں آرام پذیر ہوئے تھے۔اور اب سورج غروب ہو رہا تھا۔تو فرشتے نے کہا نہیں بلکہ آپ سو سال تک ٹھہرے ہیں آپ اپنا کھانا پانی دیکھیے

فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ

اپنے کھانے پانی کو دیکھئے جو بدلا تک نہیں۔

ابھی تک خشک روٹی خشک تھی اور انگور کا شیرہ اپنی حالت پر تھا دونوں میں کوئی تغیر نہ ہوا تھا اسی طرح انجیر اور انگور اپنی اپنی حالت پر برقرار تھے۔ پھر آپ کے دل میں اسی مدت کے انکار کا خیال پیدا ہوا تو فرشتے نے کہا آپ میری بات کو بعید اور غلط سمجھ رہے ہیں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ لیجئے۔دیکھا تو اس کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی تھیں اور بالکل بنجر ہو چکی تھیں تو فرشتے نے ہڈیوں کو حکم دیا اور ہر طرف سے اکٹھی ہو کر اٹھ کر ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں اور جڑ گئیں اور عزیر علیہ السلام دیکھتے رہے۔ پھر ان پر رگیں چڑھیں اور پٹھے بنے پھر گوشت چڑھا پھر ان پر کھال اور بال تک آئے۔ پھر فرشتے نے اس میں پھونک ماری تو گدھا آسمان کی جانب اپنا سر اور کان اٹھائے آوازیں نکالتا ہوا کھڑا ہو گیا اس کا خیال تھا کہ شاید قیامت قائم ہو چکی ہے۔

یہ مطلب ہے فرمان باری کا:

وانظر الی حمارک ولنجعلک آیۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر (۱)

اور اپنے گدھے کو دیکھو جو مرا پڑا ہے۔غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو ہم کیسے ان پر گوشت پوست چڑھا تے ہیں جب یہ واقعات ان کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے پھر آپ اپنی اس سواری یعنی گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں واپس تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ بھی اپنا گھر بھول گئے پھر خیال کرتے کرتے چلے اور اپنے گھر پہنچ گئے تو وہاں ایک اندھی اپاہج بڑھیا بیٹھی تھی جس کی عمر تقریباً ایک سو بیس سال تھی اور یہ وہاں کے رہائشیوں کی والدہ تھی۔اور آپ جب اس گھر سے نکلے تھے تو یہ بڑھیا اسوقت بیس سال کی جوان لڑکی تھی۔اسوقت آپ کو خوب جانتی تھی۔تو خیر حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ کیا یہ عزیر کا گھر ہے؟ تو بڑھیا نے کہا جی ہاں اور پھر بڑھیا کے آنسو جاری ہو گئے اور بولی میں نے اتنے سالوں سے کسی کے منہ سے عزیر کا ذکر نہیں سنا اب تو لوگ بھی ان کو بالکل ہی بھول گئے ہیں تو حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میں ہی عزیر ہوں۔اللہ نے مجھے سو سال تک موت کی نیند سلا دیا تھا پھر مجھے اب اٹھایا ہے بڑھیا نے کہا۔

سبحان اللہ! بے شک عزیر تو ہم سے سو سال سے گم ہو چکے ہیں اور کسی سے ان کے متعلق ہم نے کچھ سنا بھی نہیں (آپ کیسے عزیر ہو سکتے ہیں؟) فرمایا میں ہی عزیر ہوں تو بڑھیا بولی عزیر تو مستجاب الدعوات (جنکی ہر دعا قبول ہو ایسے) شخص تھے وہ جس مریض، مصیبت زدہ کے لئے دعا

---

(۱) البقرہ ۲۵۹

کرتے وہ فوراً صحیح ہو جاتا تھا لہٰذا اگر آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے میری بصارت لوٹا دے تو میں آپ کو دیکھ کر پھر بتاؤں گی کہ آپ عزیز ہیں یا نہیں تو آپ نے دعا کی اور اپنے دست مبارک کو اس کی آنکھوں پر پھیرا تو وہ فوراً صحیح ہو گئی۔ (اور چونکہ لولی لنگڑی اپاہج تھی اسلئے) آپ نے بڑھیا کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا تو اللہ نے اس کی ٹانگیں صحیح فرما دیں گویا وہ کسی رسی سے کھل کر آزاد ہو گئی ہو۔ پھر بڑھیا نے آپ کو دیکھا اور فوراً پکار اٹھی۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ ہی عزیر ہیں۔

پھر بڑھیا چل کر بنی اسرائیل کے محلے میں ان کی ایک محفل میں پہنچی۔ اور حضرت عزیر کا ایک لڑکا ایک سو اٹھارہ سال کی عمر کا تھا اور اس کے بھی پوتے مجلس میں بڑے بزرگ سردار تھے تو بڑھیا نے ان کو آواز دی اور بولی یہ عزیر تمہارے پاس آئے ہیں لوگوں نے بڑھیا کو جھٹلایا تو کہنے لگی میں تمہاری فلانی آزاد کردہ ہوں اس عزیر نے میرے لئے اپنے رب سے دعا کی تھی لہٰذا میری آنکھیں بھی صحیح ہو گئیں اور پاؤں بھی صحیح ہو گئے۔ اور میں بالکل صحیح ہو گئی۔ اور انکا خیال ہے کہ اللہ نے ان کو سو سال تک موت کی نیند سلا دیا تھا پھر اب اٹھایا ہے تو سب لوگ اٹھ کر آپ کو حیرت سے بغور دیکھنے لگے پھر آپ کے بیٹے نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ میرے والد کے دونوں شانوں کے درمیان ایک سیاہ جگہ ابھری ہوئی تھی آپ نے اپنے شانوں کو کھولا تو آپ عزیر ہی نکلے۔ تو پھر بنی اسرائیل نے کہا۔

ہمارے اندر کوئی تورات کا حافظ نہ تھا سوائے حضرت عزیر کے اور بخت نصر نے تورات کے نسخے کو جلا دیا ہے۔ لہٰذا اب تورات کا صرف اتنا حصہ رہ گیا ہے جو لوگوں نے یاد کر لیا ہے۔

لہٰذا آپ ہمارے لئے تورات کو لکھ کر دکھایئے؟ اور عزیر کے والد سروخا نے تورات کو بخت نصر کے ایام میں دفن کر دیا تھا اور اس جگہ کا علم حضرت عزیر کے سوا کسی کو نہ تھا۔ لہٰذا حضرت عزیر علیہ السلام ان کو لے کر چلے اور ایک گڑھا کھودا اور وہاں سے تورات نکال دی جس کے اوراق بوسیدہ ہو چکے تھے اور لکھائی مٹ چکی تھی پھر آپ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور بنی اسرائیل کے لوگ آپ کے گرد بیٹھ گئے۔ اتنے میں آسمان سے دو شعلے سے اترے اور آپ کے شکم مبارک میں داخل ہو گئے اور آپ کو پوری تورات خوب یاد آ گئی پھر آپ نے نئے سرے سے ان کو تورات لکھ دی۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ایک تو آپ نے ان کو تورات از سر نو لکھ دی۔ اور دوسرا یہ کہ دو شعلوں والی کرامت و معجزہ آپ کے ساتھ پیش آیا اور یہ کہ آپ بنی اسرائیل کے تمام کاموں کے نگہبان ہوئے۔

اور آپ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کے عبادت خانہ میں جو سرزمین سواد میں ہے تشریف فرما کر تورات شریف لکھی اور جو بستی مر گئی تھی یعنی اس کے باشندے فنا ہو چکے تھے اس کا نام سایرا باذ تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر اس آیت کی حقیقت اور مصداق بن گئے۔

"اور تا کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں۔"

یعنی بنی اسرائیل کے لئے، اور یہ نشانی اس طرح تھی کہ آپ بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ بیٹھتے وہ تو بوڑھے ہوتے اور آپ بالکل جوان ہوتے کیونکہ آپ کی وفات چالیس سال کی عمر میں ہوئی اور جب اٹھے تو پھر بھی وہی عمر تھی۔

اور ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمان کی روشنی میں چند اشعار فرمائے ہیں۔ جن کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

عنفوان شباب پر سر سیاہ لئے ہوئے ہیں
اور ان کے بیٹوں کے بیٹے بھی ان سے پہلے بوڑھے ہیں

وہ اپنے بیٹے کو بوڑھا عصا کے سہارا چلتا دیکھتے ہیں
اور خود ان کی پشت مبارک سیاہ ہے اور سر سرخ و سیاہ ہے

اور اس کے فرزند کے لئے کوئی بڑھاپے سے چھٹکارے کا حیلہ نہیں
اور نہ کوئی طاقت کھڑا ہوتا ہے تو ایسے جیسے بچہ جو پھر پھسل جائے

لوگوں میں بیٹے کی عمر نوے اور بیس سال شمار ہوتی ہے
جو نہ چل سکتا ہے نہ اکڑ سکتا ہے

اور اس کے باپ کی عمر صرف چالیس سال ہے
جبکہ اس کے پوتے پر نوے برس بیت چکے ہیں

اگر تو جانتا ہے تو یہ سمجھ آنے والی بات نہیں
اور اگر تو نہیں جانتا تو پھر جہالت سے معذور ہے

حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت

مشہور یہی ہے کہ حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے اور انکا زمانہ حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کے بعد اور حضرت یحییٰ و زکریا علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ اور جب بنی اسرائیل میں کوئی شخص بھی تورات کا حافظ نہ رہا تو اللہ عزوجل نے تورات ان کو الہام فرمائی اور آپ نے حفظ کرلی پھر بنیاسرائیل پر آپ نے تورات پیش کی اور لکھوادی۔ ابن منبہ نے اس طرح فرمایا ہے! کہ اللہ نے فرشتے کو حکم فرمایا وہ ایک نور لے کر اترے اور پھر حضرت عزیر میں وہ نور منتقل کردیا تو آپ نے خدا کی رحمت سے تمام تورات حرف بحرف لکھوادی، اور فارغ ہو گئے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ آپ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس فرمان الٰہی کا کیا مطلب ہے؟

وقالت اليهود عزير ابن الله

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہ یہود نے کیوں کہا؟ فرمایا انہوں نے بنی اسرائیل کی خاطر پوری تورات حفظ کرلی جس پر انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ بغیر کتاب کے پوری تورات سنا سکیں اور پیش کرسکیں جبکہ عزیر ہمارے پاس پوری تورات بغیر لکھی اور بغیر کسی کتاب کے لے آئے۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے کئی گروہ اس کے قائل ہو گئے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

اسی وجہ سے اکثر علماء نے فرمایا کہ تورات کا تواتر حضرت عزیر کے زمانے میں ختم ہو گیا تھا۔

اور یہ بہت ہی عجیب رائے ہوگی اگر عزیر علیہ السلام غیر نبی ہوں جیسے یہ مسلک ہے عطاء بن ابی رباح کا اور حسن بصری کا اور اسحاق بن بشر نے مقاتل بن سلیمان سے بھی اس کو نقل کیا ہے اور عطاء سے بھی منقول ہے۔ اور عثمان بن عطاء الخراسانی بھی اپنے والد سے اس کو نقل کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نو اشیاء فتنہ میں سے ہیں:[1]

(۱)...... بخت نصر (۲)...... جزیرہ صنعاء (۳)...... جزیرہ سباء

(۱) وقال اسحاق بن بشر : انبا نا سعيد، عن قتادة، عن الحسن ، قال :

(۴)......اصحاب الاخدود (۵)......امر جاءصوراء (۶)......اصحاب کہف
(۷)......اصحاب الفیل (۸)......اُمر تبع (۹)......مدینہ انطاکیہ اور حضرت عزیر...... الخ

حضرت عزیر اور بخت نصر کا زمانہ فترت کا زمانہ تھا (یعنی اسی زمانے میں آسمانی وحی کا سلسلہ مبارک منقطع تھا)

اور صحیح بخاری میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ابن مریم کے سب سے زیادہ لائق (دوستی اور قرب و محبت میں) میں ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں گذرا۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر (علیہ السلام) حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گذرے ہیں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عزیر (علیہ السلام) حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ اور آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تھا اور آپ یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے تھے۔ کہ سو مرتبہ مر لینا ذلت کی گھڑی سے بہتر ہے۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام کے اس قول کی روشنی میں بعض شاعر کہتے ہیں:

آزاد منش انسان تلوار پر بھی صبر کر جاتا ہے
اور رنج و افسوس پر صبر کے ساتھ خود داری کرتا ہے
اور ایسی حالت پر موت کو ترجیح دے دیتا ہے
جس حالت میں وہ عاجز و ناچار ہو کر مہمان کی میزبانی نہ کر سکے

بہر حال مذکورہ بات جس کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نوف البکالی اور سفیان ثوری وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو ان کا نام مبارک انبیاء کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تو اس کی حقیقت کیا ہے۔

تو یہ بات غلط ہے منکر ہے اور اس کی صحت میں نظر ہے۔ گویا یہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

نوف بکالی سے مروی ہے کہ حضرت عزیر نے اپنی مناجات میں ایک مرتبہ اللہ عزوجل سے عرض کیا۔

اے پروردگار آپ خود اپنی مخلوق کو پیدا فرماتے ہیں پھر جس کو چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گمراہی کے گڑھے میں دھکیلتے ہیں؟ اس کی کیا وجہ؟ تو آپ کو کہا گیا آپ اس بات کو چھوڑ دیں۔ لیکن آپ نے پھر بھی بات دہرائی تو پھر آپ کو کہا گیا یا تو آپ اس بات سے کنارہ کریں یا پھر ہم آپ کے نام کو انبیاء کی فہرست سے خارج کرتے ہیں۔

میں جو کچھ بھی کروں مجھ سے کوئی سوال نہیں کر سکتا اور لوگوں سے سوال کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ اگر آپ دوبارہ ایسی بات کرتے تو آپ کا اسم گرامی انبیاء کی فہرست سے مٹا دیا جاتا مگر آپ نے ایسا نہ کیا اور نام برقرار رہا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

انبیاء میں سے ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے ٹھہرے تو ان کو بچھو نے ڈس لیا۔

تو اس پیغمبر نے اس کے پکڑنے کا حکم دیا اور پھر اس کو آگ میں جلوا دیا۔ تو اللہ عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی۔

پس کیا ایک چیونٹی کے کاٹنے سے (اتنا عذاب دیا)؟[2]

[3] حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اس حدیث میں پیغمبر سے حضرت عزیر علیہ السلام مراد ہیں۔

اور یہی حضرت حسن بصری علیہ ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ عزیر ہیں واللہ اعلم۔

---

(۱) وقد روی عبدالرزاق وقتیبہ بن سعید، عن جعفر بن سلیمان، عن ابی عمران الجونی، عن نوف البکالی قال

(۲) وقد روی الجماعہ سوی الترمذی من حدیث یونس بن یزید عن سعید وابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ وکذلک رواہ شعیب عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ

(۳) وروی اسحاق بن بشر عن ابن جریج عن عبدالوہاب بن مجاہد، عن ابیہ.

حضرت زکریا اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کا قصہ مبارک

فرمان باری تعالیٰ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھیٰعص (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا (اور) کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور سر شعلہ مارنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔ اور (اے) میرے پروردگار اس کو خوش اطوار بنائیو۔ اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا پروردگار میرے ہاں کس طرح لڑکا پیدا ہوگا۔ جس حال میں میری بیوی بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح وسالم ہو کر تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح شام (خدا کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحیٰ (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت (ہے)۔[1]

اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالحہ عطا فرما۔ تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ اپنی عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ ہی رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) خدا تمہیں یحیٰ کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (خدا کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ خدا نے فرمایا اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما خدا نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کو کثرت سے یاد اور صبح وشام تسبیح کرنا۔[2] اور زکریا کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحیٰ بخشے اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے اور زکریا اور یحیٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی (یاد کرو)۔ یہ سب نیکوکار تھے۔[3]

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب حافل میں فرماتے ہیں آپ کے والد مکرم کا اسم گرامی برخیا ہے یعنی زکریا ابن برخیا۔ اور ایک قول ہے زکریا بن دلان۔ اور تیسرا قول ہے زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلعاطہ بن ناحور بن شلوم بن بہفاشاط بن ایناس بن رحعام بن سلیمان بن داؤد۔ اور آپ کی کنیت مبارک ابو یحیٰ نبی علیہ السلام من بنی اسرائیل ہے۔

آپ اپنے لخت جگر حضرت یحیٰ علیہ السلام کی طلب وتلاش میں دمشق کی بستی بثنہ میں پہنچے تھے۔

---

(۱) مریم ۱۔۱۵ (۲) آل عمران ۳۷۔۴۱ (۳) الانبیاء ۸۹۔۹۰

اور ایک قول ہے کہ جب آپ کا فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کر دیا گیا اسوقت آپ دمشق میں بھی تھے۔ واللہ اعلم۔ آپ کے نسب کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں۔

اور حضرت زکریا کے نام میں زکریا یعنی الف کو کھینچا بھی جا سکتا ہے اور مختصر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ایک قول کے مطابق آپ کا نام زکری ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو حکم فرمایا کہ حضرت زکریا کی خبر لوگوں کو بیان کرو کہ اللہ عزوجل نے ان کے بڑھاپے کے باوجود اور ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود جبکہ وہ سن رسیدہ اور سفید سر بھی ہو چکی تھیں۔ تب اللہ نے ان کو نرینہ اور صالح اولاد سے نوازا۔ لہذا کسی کو بھی اللہ کی رحمت وفضل سے ہرگز نہ مایوس ہونا چاہیے

فرمان الٰہی ہے۔ اپنے پروردگار کی رحمت کو ان کے بندے زکریا پر یاد کرو۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز سے پکارا۔ [1]

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ عزوجل صاف ستھرے دل کو خوب جانتے ہیں اور پست آواز کو سنتے ہیں۔ اور بعض بزرگ فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا رات کے وقت بارگاہ رب العزت میں کھڑے ہوئے اور اپنے پاس موجود لوگوں کے لئے دعا کی۔ اے رب اے رب اے رب۔ اللہ نے فرمایا۔ جی بندے جی بندے جی بندے۔ عرض کیا پروردگار میری ہڈیاں بھی کمزور ہو چکی ہیں۔ اور میرا سر بڑھاپے میں بھڑک چکا ہے۔

یعنی جس طرح آگ لکڑی میں بھڑک اٹھتی ہے اور بالکل اس کو خاکستر کر کے دم لیتی ہے اسی طرح بڑھاپا مجھ پر مسلط ہو چکا ہے۔ اور سر کی سیاہی کو جلا کر سفیدی کی راکھ میں تبدیل کر دیا ہے، جیسے ابن درید شاعر نے اپنے قصیدے میں کہا۔

کیا تو میرے سر کو نہیں دیکھتا جو اپنے رنگ کو ظاہر کرتا ہے
جیسے تاریکی کے دامنوں میں صبح کی تر وتازگی وروشنی
اور سیاہ مقام میں سفیدی اس طرح بھڑک اٹھی ہے
جیسے جھاؤ کی سوکھی لکڑی میں آگ کا بھڑکنا
اور (جوانی کی) لکڑی خشک و پژمردہ ہوگئی ہے
اس کے بعد کہ وہ ثریا ستارے کی طرح چمک دمک والی تھی

یعنی کمزوری و بڑھاپا حضرت زکریا علیہ السلام کے جسم وجان پر پوری قوت سے حملہ آور ہو چکا تھا۔

یہی مطلب ہے مذکورہ آیت باری کا جس کا مفہوم ہے کہ میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئیں اور سر سفیدی و بڑھاپے میں بھڑک اٹھا ہے۔

اور آگے فرمان باری کہ اور میں آپ سے دعا کرنے میں کبھی ناکام نہ رہا اس کا مطلب ہے کہ میں نے جب بھی آپ سے دعا کی آپ نے فوراً قبول فرمائی ہے اور اس دعا کا اصل محرک اور باعث یہ بنا تھا کہ آپ حضرت مریم بنت عمران بن ماثان کے کفیل تھے اور وہ آپ کی پرورش میں تھیں اور جب بھی آپ ان کے پاس جاتے تو وہاں غیر موسمی پھل بغیر کسی کے لائے اور بغیر کسی واسطے کے وہاں موجود ہوتے اور یہ اولیاء کی کرامات میں سے ہے تو یہ چیز دیکھ کر حضرت زکریا کے دل میں طلب وتمنا بیٹھی اور یہ خیال آیا کہ جو غیر موسم میں رزق وپھل عطا کرنے پر قادر ہے وہی ذات بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود اولاد کرنے پر بھی بخوبی قادر ہے، اسی وجہ سے فرمان باری کا مفہوم ہے تب زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہا پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے بے شک آپ دعا کے سننے والے ہیں۔

اور فرمایا (اور میں اپنے پیچھے موالی (رشتے داروں) سے خوف کرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے۔

کہا گیا ہے کہ موالی سے مراد عصبہ اولاد ہے یعنی جو رشتہ دار میراث والے ہیں ان سے گویا آپ نے خوف کیا کہ کہیں وہ میرے بعد بنی اسرائیل میں خدائی احکام اور ان کی اطاعت کو چھوڑ کر بنی اسرائیل میں دنگا فساد نہ کریں اس وجہ سے صلبی اولاد عطا کیے جانے کی دعا کی، ایسی اولاد جو متقی وصالح اور رب کے ہاں پسندیدہ شخصیت ہو۔

(۱) مریم ۲،۳

لہذا عرض کیا مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا کر جو میرا وارث ہو (یعنی نبوت اور بنی اسرائیل کی حکومت میں) اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اس کو راضی رہنے والا بنا۔

یعنی جس طرح آل یعقوب انبیاء ہوتے چلے آتے ہیں اور آپ ان پر اکرام واعزاز کی بارش فرماتے رہے ہیں نبوت ووحی کے ساتھ تو اسی طرح میرے بیٹے کو بھی پیدا فرما کر یہ چیزیں عطا کر، اور یہاں وراثت سے مال کی وراثت مراد نہیں ہے جیسے کہ شیعوں کا غلط عقیدہ ہے اور ابن جریر نے بھی ان کی اس میں موافقت فرمائی ہے اور ابو صالح سے اس کو نقل کیا ہے، اور یہ مسلک غلط ہونے کی چند وجوہ اور دلائل ہیں۔

پہلی وجہ و دلیل فرمان باری ہے اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے، تو یہاں بھی نبوت اور بادشاہت میں وراثت مراد ہے اسی کے مطابق احادیث سنن اور مسانید میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ہم اپنے چھوڑے ہوئے کا کسی کو وارث نہیں بناتے بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضور نے حضرت صدیق کو منع فرمایا کہ میرا خاص مال کسی کو میرے بعد بطور وراثت نہ عطا کیا جائے اور وارثین آپ کے یہ تھے، حضرت فاطمہ اور آپ کی ازواج مطہرات جو تھیں آپ کے چچا عباس۔

اور جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو وراثت سے منع فرمایا تو اسی حدیث سے استدلال لیا تھا اور حضور سے حضرت صدیق کے اس کو روایت کرنے پر حضرت عمر اور عثمان اور علی اور عباس اور عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ رضی اللہ عنہ زبیر اور ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان تمام صحابہ نے موافقت فرمائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو عمومی لفظ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعتیں کسی کو وارث نہیں کر جاتے۔

اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ دنیا انبیاء کے نزدیک حقیر چیز ہے لہذا وہ اس کو خزانہ نہیں کرتے نہ اس کی طرف توجہ کرتے اور نہ اس کا کچھ خیال رکھتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے بعد کی اولاد سے اس کو جمع کرنے کی وصیت کریں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا پیشہ اختیار فرمائے ہوئے تھے اپنے ہاتھ سے کماتے اور کھاتے تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کیلئے کسی طرح یہ شایان شان نہیں کہ وہ اس قدر کمائیں کہ جو ذخیرہ اندوزی کے قابل ہو سکے اور یہ بات بالکل واضح و روشن ہے۔

(۱) مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا آپ ﷺ نے فرمایا۔

حضرت زکریا بڑھئی تھے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسلم نے دوسرے طریق سے حماد بن سلمہ سے اس کو روایت کیا ہے۔

اور فرمان باری کہ اے زکریا ہم آپ کو لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

اسی کی تفسیر اور اس سے مراد دوسرا فرمان باری ہے فرمایا بے شک اللہ آپ کو خوش خبری دیتا ہے یحییٰ کی۔ پھر جب حضرت زکریا کو یقین ہو گیا کہ اب اولاد عطا ہو کر رہے گی تو از راہ فرح و تعجب اور خوشی عرض کیا کہا پروردگار مجھے اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ میری عورت بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں) کہا گیا اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ تھی۔

اور فرمایا کہ میری عورت بانجھ ہے چونکہ بڑھاپے کی اس حد کو پہنچ گئی تھیں جس میں بچے کی امید کی ہی نہیں جا سکتی اس لئے فرمایا۔

جیسے حضرت ابراہیم خلیل نے بھی از راہ تعجب و فرح عرض کیا تھا۔

کیا تم مجھے خوش خبری دیتے ہو اس کے باوجود کہ مجھے بڑھاپے نے چھو لیا ہے پس کس چیز کے ساتھ تم مجھے خوش خبری دیتے ہو؟

(۱) قال الامام احمد حدثنا یزید، یعنی ابن هارون، أنبانا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن ابی رافع، عن ابی هريرة

اور حضرت سارہ علیہ السلام نے عرض کیا تھا، ہائے تعجب کیا میں جنم دوں گی جبکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں؟ یہ تو عجیب چیز ہے تو (فرشتے) کہنے لگے کیا آپ اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہیں؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اے اہل بیت تم پر بے شک وہ حمد کے لائق اور بزرگ ہے۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی جواب دیا گیا۔

اسی طرح ہو کر رہے گا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے پہلے آپ کو پیدا کیا تھا جبکہ آپ کچھ بھی نہ تھے۔

اور فرمایا: پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کیلئے اس کی زوجہ کو بھی درست کیا، بے شک وہ خیرات میں سبقت کرنے والے تھے اور ہم کو رغبت اور خوف ہر طرح سے پکارتے تھے اور ہماری بارگاہ میں وہ خشوع خضوع کرنے والے تھے۔

اور بیوی کو درست کرنے کا مطلب ہے کہ ان کو حیض (ماہواری) نہ آتا تھا پھر آنے لگا، اور کہا گیا ہے ان کی زبان میں کچھ خرابی تھی وہ دور کردی گئی۔

تو جب حضرت زکریا علیہ السلام کو خوش خبری مل گئی تو (عرض کیا پروردگار میرے لئے اس کی کوئی علامت مقرر فرما دیجئے) یعنی ایسی علامت جس سے پتہ چلے کہ اب میری بیوی مجھ سے اس بچے کے ساتھ متعلق ہوگئی ہے تو (فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ بات نہ کرے تین رات مسلسل) یعنی خدا کی طرف سے آپ کے منہ کو سکوت کا تالا پڑ جائے گا اور آپ صرف اشاروں کے ذریعے بات کرنے پر قدرت رکھیں گے۔

اور اس کے باوجود آپ کی طبیعت وغیرہ صحیح ہی ہوگی۔ اور اس عرصے میں حضرت زکریا کو زبان کے بجائے دل اور توجہ کے ساتھ بکثرت ذکر کرنے کا حکم ملا، فرمایا (پھر ان کی طرف وحی کی کہ صبح شام اللہ کی تسبیح کرو) تو جب آپ کو یہ بشارت عظمیٰ ملی تو آپ اپنی محراب سے سرور خوشی کے ساتھ نکلے، اور لوگوں کو مذکورہ بالا بات اشاروں کے ساتھ سمجھائی کہ اب صبح شام اس کی تسبیح کرنا اور مجھ سے کلام کرنے کی کوشش بے جا نہ کرنا، مجاہد اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (وحی کی) اس سے مراد ہے کتابت کے ذریعے یا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اشارے کے ذریعے اور قتادہ اور وہب کا بھی یہی خیال ہے کہ اشاروں کے ذریعے سمجھایا، اور مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کی زبان مبارک بغیر کسی مرض کے بند ہوگئی تھی، اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی زبان تو کھلی ہوئی تھی اسی وجہ سے آپ تسبیح وقرات کر سکتے تھے مگر کسی شخص سے بات بالکل نہ کر سکتے تھے۔

اور فرمان باری ہے (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں حکم عطا کیا)۔

یعنی اللہ عزوجل نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے بچے کے ساتھ ساتھ اس کو کتاب اور حکمت دیئے جانے کی خوش خبری بھی عطا کردی۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام بن زکریا علیہ السلام کو بچپن میں کہا آؤ چل کر کھیل کود کریں تو حضرت یحییٰ نے فرمایا ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان کا اور آگے فرمان الٰہی ہے، (وحنانا من لدنا) اور ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی، اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو فرما دیا میں نہیں جانتا کہ حنان کیا چیز ہے اور دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور مجاہد اور عکرمہ اور قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے مروی ہے اس سے رحمت ہی مراد ہے یعنی ہم نے اپنی طرف سے زکریا پر رحمت کی جس کی بناء پر ان کو یہ بچہ ملا، اور عکرمہ سے منقول ہے کہ اس سے محبت مراد ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے ہم نے لوگوں کے دلوں میں یا ان کے والدین کے دلوں میں خوب ان کے لئے محبت کوٹ کوٹ کر بھردی، آگے فرمایا (وزکوۃ) اس کا مطلب ہے ہم نے ان کو پاکیزہ خلقت والا اور عیوب ونقائص سے پاک صاف پیدا کیا، اور اللہ کے تقویٰ سے نوازا۔

پھر آگے والدین کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا ذکر ہے فرمایا (اور وہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سخت اور نافرمان نہ تھے اور ان پر سلام ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مرے اور جس دن اٹھائے جائیں گے) یہی تین وقت انسان کی زندگی میں سب سے اہم اور سخت ہوتے ہیں کہ ہر ایک وقت میں ایک جہاں سے دوسرے جہاں کو منتقل ہوتا ہے اور انہی تینوں وقتوں میں ان کے لئے رحمت مقرر کردی گئی، پیدائش اور موت کے متعلق کسی شاعر کا کہنا ہے۔

تجھ کو تیری ماں نے جنم دیا تو تو روتا چیختا ہوا پیدا ہوا
اور لوگ تیرے آس پاس خوشی سے ہنس رہے تھے
بس کوشش کر جب لوگ تیرے مرنے کے وقت روئیں گے
تو تو اپنی موت میں خوب ہنسے اور خوش ہو

سعید بن ابی عروبہ قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ ہی مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ میں نے خود اپنے پر سلامتی کی تھی (قرآن کی آیت میں سورۂ مریم کے اندر اس کا ذکر ہے) اور آپ پر تو اللہ نے خود سلام بھیجا (جیسا کہ مذکور ہوا)۔

اور دوسری آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے شایان شان فرمایا (اور وہ سردار اور رکنے والے اور صالحین سے اور پیغمبر تھے) رکنے والے سے مراد ایک قول کے مطابق عورتوں سے رکنے والے تھے اور دوسرے قول بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

اور یہ مطلب اس آیت کے مناسب ہے اے رب مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد دے۔

مسند احمد میں [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اولاد آدم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے خطا سرزد نہ ہوئی یا (کم از کم) اس نے خطا کا ارادہ نہ کیا ہو سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا کے۔ اور کسی کو لائق نہیں کہ وہ کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن متی سے افضل ہوں، [2] لیکن اس روایت کے ایک راوی علی بن زید جدعان متکلم فیہ ہیں اور ان کی حدیث آئمہ کے ہاں منکر ہوتی ہے۔

[3] ابن شہاب سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک دن اپنے اصحاب کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کا ذکر کر رہے تھے، تو ایک کہنے والے نے کہا موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم (ہم کلام وہم راز) ہیں ایک نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کے کلمے یعنی نشانی ہیں، ایک نے کہا ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست (خلیل) ہیں اور لوگ یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

کہاں گئے شہید ابن شہید جو بالوں کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھا کر گزر بسر کرتے کہ کہیں کوئی گناہ سرزد نہ ہو جائے۔

ابن وہب فرماتے ہیں آپ کی مراد شہید سے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھی۔

(اس روایت کے راویوں میں سے ایک ابن لہیعہ ہیں جن کے متعلق کچھ کلام ہے اور اس روایت کو محمد بن اسحاق نے بھی روایت کیا ہے لیکن انھوں نے یحییٰ بن سعید انصاری [4] سے تدلیس کی ہے اور اس روایت میں ابن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے ہر آدم کا بیٹا قیامت کے دن آئے گا تو اس کے ساتھ ضرور کوئی گناہ ہوگا سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔

تو یہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے اور آپ مدلس تھے یعنی جس سے حدیث سنی ان کو چھوڑ کر اس سے اوپر والے کے حوالے سے حدیث کو ذکر کرتے تھے، لیکن یہاں انھوں نے عن سے روایت کی ہے جو مقبول ہے اور حدثنا وغیرہ سے بیان نہیں کی۔ [5]

---

(۱) وقد قال الامام احمد حدثنا عفان، حدثنا حماد، انبانا علی بن زید، عن یوسف بن مہران، عن ابن عباس

(۲) علی بن زید بن جدعان تکلم فیہ غیر و احد من الائمته، وھو منکر الحدیث، وقد رواہ ابن خزیمہ والدار قطنی من طریق ابی عاصم العبادانی، عن علی بن زید بن جدعان بہ مطولا ثم قال ابن خزیمہ ولیس علی شرطنا.

(۳) وقال ابن وھب، حدثنی ابن لھیعتہ عن عقیل، عن ابن شھاب، قال خرج

(۴) عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب حدثنی ابن العاص انہ سمع

(۵) ثم قال عبدالرزاق، عن معمر، عن قتادہ، عن سعید بن المسیب مرسلا، ثم رایت ابن عساکر ساقہ من طریق ابی اسامۃ، عن یحیی بن سعید الانصاری، ثم رواہ ابن عساکر من طریق ابراھیم بن یعقوب الجوز جانی خطیب دمشق، حدثنا محمد بن الاصبھانی، حدثنا ابو خالد الاحمر، عن یحییٰ بن سعید عن سعید بن نمسیب عن عبداللہ بن عمرو قال

حضرت عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ کوئی ایسا شخص نہیں جو اللہ سے بغیر گناہ کے ملاقات کرنے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔ پھر آپ نے یہ فرمان باری تلاوت کیا (اور وہ سید اور رکنے والے) تھے، پھر آپ نے زمین سے کچھ چیز اٹھائی اور فرمایا ان کے ساتھ صرف اتنا سا کچھ (میل گناہ) ہوتو ہوسکتا ہے پھر آپ نے ذبیحہ ذبح کیا۔ (۱)

(۲) اور ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حسن اور حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں سوائے دو خالہ زاد (بھائیوں) کے یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے یعنی ان کے سردار نہ ہوں گے۔

(۳) ابونعیم کی روایت میں ہے..... کہ حضرت ابوسلیمان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام چلے جارہے تھے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ایک عورت سے ٹکراؤ ہوگیا، تو حضرت عیسیٰ نے ان کو کہا آج آپ سے ایسی خطا سرزد ہوگئی کہ میں خیال کرتا ہوں وہ کبھی معاف نہ ہوگی، تو حضرت یحییٰ نے پوچھا اے خالہ زاد وہ کیا ہے؟ فرمایا آپ ایک عورت سے ٹکر گئے فرمایا اللہ کی قسم مجھے تو کچھ پتہ نہیں فرمایا سبحان اللہ..... آپ کا بدن تو میرے ساتھ ہے اور روح کہاں ہے؟ فرمایا وہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور اگر (میری روح وہاں نہ ہوتی بلکہ یہاں ہوتی اور) میرا دل جبرئیل پر بھی مطمئن ہوجاتا تو میں خیال کرتا کہ میں نے اللہ کو پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں جانا۔

لیکن یہ روایت بالکل اجنبی اور غریب ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

اور حضرت اسرائیل، حصین سے وہ خیثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت عیسیٰ اون کا لباس پہنتے تھے جبکہ حضرت یحییٰ جانوروں کے بالوں کا لباس پہنتے تھے اور کسی کے پاس کوئی دینار و درہم نہ تھا، نہ کوئی غلام، نہ باندی، نہ کوئی ٹھکانہ جس میں کبھی ٹھہر جاتے جہاں کہیں رات آجاتی وہیں ٹھہر جاتے جب بچھڑنے لگے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے کچھ نصیحت کرتے جایئے فرمایا غصہ مت کرنا، یحییٰ نے فرمایا میں طاقت نہیں رکھتا کہ غصہ نہ کروں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مال کے دھوکے میں نہ پڑنا، تو فرمایا یہ ہوسکتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بابت مختلف روایتیں منقول ہیں کہ آیا حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنی موت انتقال ہوا ہے یا وہ شہید ہوئے ہیں۔

عبدالمنعم بن ادریس بن سنان اپنے والد سے وہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگے اور ایک درخت کے خلاء میں داخل ہوگئے تو آپ کی قوم آئی اور انھوں نے درخت پر آرا رکھ کر چلا دیا، جب آرا آپ کی پسلیوں کو پہنچا تو آپ رو پڑے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی کہ اگر آپ کی آواز بند نہ ہوئی تو میں ارض اور اہل ارض کو الٹ پلٹ کردوں گا (تا کہ ان کو آپ پر ظلم کی سزا ملے) پھر آپ کا رونا ختم ہوگیا حتیٰ کہ آپ کے دو ٹکڑے ہوگئے۔

اور یہ روایت ایک مرفوع حدیث میں بھی آئی ہے۔ جس کو عنقریب انشاء اللہ ذکر کریں گے جبکہ اسحاق بن بشر، ادریس بن سنان سے وہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جن کے لئے درخت پھٹا وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور زکریا علیہ السلام اپنی موت مرے تھے، واللہ اعلم۔

مسند احمد میں (۴) حارث اشعری سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا کہ

---

(۱) وھذا موقوف من ھذا الطریق و کونہ موقوفاً اصح من رفعہ ..... واللہ اعلم و اوردہ ابن عساکر من طرق عن معمر من ذلک ما اوردہ من حدیث اسحاق بن بشر، وھو ضعیف، عن عثمان بن ساج، عن ثور بن یزید، عن خالد بن معدان عن معاذ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنحوہ۔

(۲) وروی من طریق ابی داؤد الطیالسی وغیرہ، عن الحکم بن عبدالرحمن بن ابی نعیم، عن ابیہ، عن ابی سعید قال

(۳) وقال ابونعیم الحافظ الاصبھانی حدثنا اسحاق بن احمد، حدثنا ابراھیم بن یوسف، حدثنا احمد بن ابی الحواری، سمعت ابا سلیمان یقول

(۴) وقال الامام احمد، حدثنا عفان، انبانا ابو خلف موسیٰ بن خلف، وکان یعد من البدلاء، حدثنا یحییٰ بن ابی کثیر عن زید بن سلام، عن جدہ ممطور عن الحارث الاشعری

ان پر پوری طرح عمل پیرا رہو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کرو تو قریب تھا کہ آپ ان پر عمل میں سستی کرتے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو فرمایا آپ کو پانچ باتوں کا حکم ملا ہے کہ خود بھی عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل پیرا رہنے کا حکم کرو اب یا تو آپ ان کو یہ باتیں پہنچائیں یا میں پہنچاؤں گا، تو حضرت یحییٰ نے فرمایا اے میرے بھائی مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے عذاب میں نہ پکڑ لیا جائے یا مجھے دھنسا دیا جائے پھر حضرت یحییٰ نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور بیت المقدس میں سب کو بلالیا پھر مسجد لوگوں کے ازدحام سے پر ہوگئی تو آپ شرف واعزاز کے ساتھ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا اللہ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی عمل کروں اور تم کو بھی ان کا حکم دوں ان پانچ باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو صرف اس تنہا کی عبادت کرو، اس کی مثال ایسی ہے گویا کسی نے کوئی غلام خریدا اور اپنے مال، سونے یا چاندی کے ساتھ خریدا، پھر وہ غلام کام کر کے محنت مزدوری کا پیسہ دوسرے کو دے دیتا ہے، تو تم بتاؤ کہ کون ایسے غلام کو پسند کرتا ہے؟ اور بے شک اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہی تمہارا روزی رساں ہے لہذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اور میں تم کو نماز کا حکم کرتا ہوں جب تم نماز ادا کرتے ہو تو اللہ عزوجل اپنا رخ اس کی طرف متعین کر لیتا ہے لہذا جب تم نماز پڑھو تو نماز میں کسی اور طرف دھیان مت لگاؤ۔

اور میں تم کو روزوں کا حکم کرتا ہوں اور اللہ نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ کسی جماعت میں ایک شخص کے پاس مشک کی پوٹلی ہے، اور بے شک روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اور میں تم کو صدقے کا حکم دیتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو اس کے دشمنوں نے قید کر لیا ہے پھر اس کے ہاتھ گردنوں کے ساتھ باندھ دیئے اور پاؤں بھی باندھ دیئے ہیں تا کہ اس کی گردن اڑا دیں تو وہ قیدی شخص کہتا ہے کیا تمہیں مال کی ضرورت ہے جو میں تم کو دوں اور تم مجھے آزاد کر دو؟ پھر وہ مال دیتا رہتا ہے تھوڑا بھی زیادہ بھی حتیٰ کہ وہ اپنی جان کو رہا کرا لیتا ہے۔

اور میں تم کو اللہ عزوجل کے ذکر کی کثرت کا حکم کرتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے پیچھے اس کے دشمن تعاقب میں ہیں اور بہت تیز ہیں تو وہ ایک انتہائی مضبوط قلعے میں محفوظ ہو جاتا ہے، اس طرح بندہ ذکر کے ساتھ قلعہ سے زیادہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

راوی کہتے ہیں پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اور میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا مجھے حکم ملا ہے جماعت کو لازم پکڑنا، اللہ رسول کی بات کو سننا، اس کی فرماں برداری کرنا، ہجرت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔ بے شک جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی نکل گیا تو بے شک اس نے اسلام کا ہار اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ مگر یہ کہ واپس لوٹ آئے، اور جس شخص نے جاہلیت کا دعویٰ کیا وہ جہنمی ہے اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ اگر چہ وہ نماز روزہ ادا کرنے والا ہو؟ فرمایا اگر چہ وہ نماز روزہ ادا کرنے والا ہو اور خیال کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے لوگو! مسلمانوں کو ان کے ناموں کے ساتھ پکارو جو اللہ عزوجل نے ان کے نام رکھ دیئے ہیں۔

اس روایت کو ابو یعلی اور ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

[2] حافظ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ روایت پہنچی جو انھوں نے علماء بنی اسرائیل سے سنی تھی۔

کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پانچ کلمات کے ساتھ مبعوث ہوئے پھر پہلی باتیں ذکر کی ہیں اور ان علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ

(۱) وهكذا رواه ابو يعلى عن هدبة بن خالد، عن ابان بن زيد، عن يحيى بن ابى كثير به و كذلك، رواه الترمذى من حديث ابى داؤد الطيالسى و موسى بن اسماعيل، كلاهما عن ابان بن يزيد العطار به، و رواه ابن ماجه عن هشام بن عمار عن محمد بن شعيب بن سابور، عن معاوية بن سلام عن اخيه زيد بن سلام، عن ابى سلام، عن الحارث الاشعرى به، و رواه الحاكم من طريق مروان ابن محمد الطاطرى، عن معاوية بن سلام عن اخيه به ثم قال تفرد به مروان الطاطرى، عن معاوية بن سلام. قلت و ليس كما قال، ورواه الطبرانى عن محمد بن عبدة عن ابى توبه الربيع بن نافع، عن معاوية بن سلام عن ابى سلام، عن الحارث الاشعرى فذكر نحو هذه الروايته

(۲) ثم روى الحافظ ابن عساكر من طريق عبدالله بن ابى جعفر الرازى، عن ابيه، عن الربيع بن انس

علیہ السلام لوگوں سے اکثر جدا رہتے تھے اور جنگل و بیابان سے انس و محبت رکھتے تھے اور درختوں کے پتے کھا لیتے پھر نہر پر جا کر پانی نوش کر لیتے اور کبھی کبھار ٹڈی کی غذا استعمال کرتے۔

پھر اپنے کو مخاطب ہوتے اے یحییٰ تجھ سے زیادہ نعمتوں والا کون ہوگا؟

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت یحییٰ کے والدین ان کی طلب و تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ بحیرہ اردن کے پاس ہیں جب دونوں ان کے قریب ہوئے تو آپ نے دونوں والدین کو عبادت کے انہماک اور خوف و خشیت خدا سے خوب رلایا۔

[1] مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت یحییٰ کا کھانا سبز گھاس ہوتا تھا اور آپ اللہ کے خوف سے اتنا روتے کہ اگر آپ کی آنکھوں پر تارکول ہوتا تو وہ آپ کو جلا ڈالتا۔

[2] ابن شہاب کہتے ہیں ایک دن میں ادریس خولانی کے پاس جا بیٹھا وہ قصہ گوئی کر رہے تھے تو فرمایا کیا میں تم کو لوگوں میں سے سب سے اچھے کھانے والے کی خبر نہ دوں؟ تو لوگ آپ کی طرف دیکھنے لگے تو آپ نے فرمایا یحییٰ بن زکریا لوگوں میں سے سب سے اچھے کھانے والے تھے، آپ جنگل کے وحشی جانوروں کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کے معاش میں نہ مل جل جائیں۔

ابن المبارک، وہیب بن الورد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو تین دن تک گم پایا تو آپ ان کی تلاش میں جنگل کو نکلے دیکھا کہ وہ ایک قبر کھودے اس میں کھڑے ہو کر اپنے آپ پر زار و قطار رو رہے ہیں تو حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹے میں تین دن سے تیری تلاش میں ہوں اور تو قبر کھودے اس میں کھڑا رو رہا ہے؟ عرض کی اے ابا جان کیا آپ نے ہی مجھے خبر نہیں دی کہ جنت و جہنم کے درمیان ایسا جنگل ہے جس کو آنسوؤں کے بغیر قطع نہیں کیا جا سکتا، تو زکریا علیہ السلام نے فرمایا، اچھا بیٹے روؤ تو پھر دونوں بے تحاشا روئے اسی طرح وہب بن منبہ اور مجاہد نے بھی اسی کے مثل نقل کیا ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے منقول لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اہل جنت نعمتوں کی وجہ سے سو نہیں سکتے، لہٰذا اصد یقین کو چاہئے کہ ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کی لذت کی وجہ سے نہ سوئیں، پھر فرمایا۔

کتنا فرق ہے نعمت والوں اور محبت والوں کے درمیان۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت ہی کثرت سے روتے تھے حتیٰ کہ آپ کی رخساروں پر آنسوؤں کی وجہ سے گڑھے پڑ گئے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا سبب

علماء تاریخ نے ان کے قتل کے کئی اسباب و محرکات بیان کئے ہیں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ کسی بادشاہ دمشق نے اپنی کسی محرم سے شادی کا ارادہ کیا یا کسی بھی ایسی عورت سے جس سے شادی کرنا اس کیلئے حلال نہ تھا، تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کو منع کیا تو یہ بات اور رکاوٹ عورت کے دل میں کھٹکتی رہی، پھر جب بادشاہ اور عورت کے درمیان محبت کا سلسلہ بڑھتا گیا تو عورت نے بادشاہ سے یحییٰ کا خون مانگا تو بادشاہ نے حامی بھر لی اور کسی قتل کرنے والے کو بھیجا، تو پھر بادشاہ نے بمعہ قاتل کے حضرت یحییٰ کا سر اور طشت میں ان کا بھرا ہوا خون عورت کے پاس بھیج دیا تو کہا جاتا ہے کہ عورت فوراً اسی گھڑی ہلاک ہوگئی۔

اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے بادشاہ کی بیوی کو حضرت یحییٰ سے محبت ہوگئی تھی اور ان کو بہت پھسلانے کی کوشش کی مگر آپ نے انکار کر دیا تو

---

(۱) وقال ابن وهب عن مالك، عن حميد بن قيس عن مجاهد قال

(۲) وقال محمد بن يحيىٰ الذهلي، حدثنا الليث، حدثني عقيل، عن ابن شهاب، قال ......

جب وہ مایوس ہوگئی تو کسی حیلے سے بادشاہ سے اس کا خون مانگا۔ پہلے تو بادشاہ انکار کرتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیئے اور قاتل کو اور آپ کے سر اور آپ کے خون کو طشت میں عورت کے پاس بھجوادیا اور اسی معنی میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ...... [1] ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب معراج فرمائی تو آسمان میں حضرت زکریا علیہ السلام کو دیکھا تو آپ نے ان پر سلام کیا اور کہا اے ابو یحییٰ مجھے تم (اور یحییٰ کے) قتل کے متعلق خبر دو کیسے ہوا؟ اور کیوں آپ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا؟ تو عرض کیا اے محمد...... حضرت یحییٰ اپنے زمانے میں سب سے بہتر تھے سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت روشن چہرے والے تھے اور تقویٰ وعزت میں) ایسے تھے جیسا ان کے متعلق خود اللہ نے فرمادیا، (وسیداً وحصوراً) وہ سردار اور (گناہوں سے) رکنے والے تھے، اور عورتوں کی ان کو بالکل خواہش نہ تھی، تو ایک عورت کو ان سے محبت ہوگئی جو بنی اسرائیل کے بادشاہ کی بیوی تھی، اور تھی بدکار، تو اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اللہ نے حضرت یحییٰ کی حفاظت رکھی اور وہ باز رہے اور اس عورت کو قطعاً انکار کردیا، تو عورت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا تہیہ کرلیا، ان کی ایک عید ہوتی تھی جس میں ہر سال جمع ہوتے تھے اور بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ (اس دن) جو وعدہ کرتا تو اس کی خلاف ورزی نہ کرتا اور نہ جھوٹ بولتا تو بادشاہ عید کی طرف نکلا وہاں عورت کھڑی ہوگئی اور بادشاہ کو مائل کیا اور بادشاہ ویسے ہی اس سے محبت رکھتا تھا، لیکن یہ عورت پہلے اس سے اتنی محبت نہ کرتی تھی تو جب عورت نے پھسلایا تو بادشاہ نے کہا مجھ سے کچھ بھی سوال کرلے جو تو سوال کرے گی میں ضرور عطا کروں گا، تو تب عورت بولی میں یحییٰ بن زکریا کا خون مانگتی ہوں، بادشاہ نے کہا کچھ اور سوال کرو۔ عورت نے کہا نہیں بس یہی چاہئے۔ تو بالآخر بادشاہ نے کہا چل وہ تیرے لئے ہوا۔ پھر اپنے جلاد کو یحییٰ کے پاس بھیجا آپ محراب میں نماز ادا فرمارہے تھے اور میں (حضرت زکریا علیہ السلام) ان کی جانب میں نماز پڑھ رہا تھا تو جلاد نے ایک طشت میں ان کو ذبح کردیا (یعنی خون سارا طشت میں گرا) اور پھر سر اور خون اٹھا کر عورت کے پاس لے گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا پھر آپ کا صبر کس حد تک تھا؟ تو حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا میں اپنی نماز سے دور نہ ہوا بلکہ برابر پڑھتا رہا، (اور حضرت یحییٰ آپ کے محبوب فرزند تھے) تو جب جلاد نے سر اٹھا کر عورت کے پاس رکھا، تو شام کے وقت بادشاہ (اور اس کی یہ ظالم بیوی اور تمام گھر والے حشم وخدم سب دھنسا دیئے گئے، جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل نے کہا زکریا کا رب زکریا کے لئے غضب میں آگیا ہے تو لہٰذا آؤ ہم اپنے بادشاہ کے لئے زکریا پر غصہ نکالیں اور اس کو قتل کردیں تو وہ میرے (زکریا کی) تلاش میں نکلے تاکہ مجھے قتل کرڈالیں اور میرے پاس ایک خبر دینے والا آیا تو میں ان سے بھاگ گیا اور ابلیس ان کے آگے آگے ان کو زکریا علیہ السلام کا پتہ بتارہا تھا، جب میں سمجھ گیا کہ اب میں ان سے نہ بچ سکوں گا تو میرے سامنے ایک درخت آگیا اور اس سے آواز آئی میری طرف آؤ، پھر درخت بیچ سے شق ہوگیا اور میں اس میں داخل ہوگیا۔

اور ابلیس آیا اور اس نے میری چادر کا کونا پکڑلیا اور درخت دوبارہ بند ہوگیا اور چادر کا کنارہ درخت سے باہر ہی رہ گیا، اور بنی اسرائیل آئے تو ابلیس نے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ اس درخت میں داخل ہوا ہے؟ یہ اس کی چادر کا کنارہ ظاہر ہے، اور وہ اپنے جادو کے زور سے اندر اپنی جگہ بنا گیا ہے، تو وہ کہنے لگے ہم اس درخت کو جلاڈالتے ہیں تو ابلیس نے کہا تم اس درخت سمیت اس کو آرے سے کاٹ ڈالو، تو حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا پھر مجھے درخت سمیت آرے سے کاٹ دیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ کو آرے کی تکلیف یا کچھ احساس ہوا؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اس درخت نے میری تکلیف کو اللہ کے حکم سے سمیٹ لیا تھا اور اس میں اللہ نے میری روح رکھ دی تھی۔

یہ حدیث انتہائی درجہ غریب ہے اور عجیب ہے اور اس کی حضور تک نسبت کرنا (یعنی مرفوع بیان کرنا) غلط ہے اور اس میں وہ باتیں ہیں جو ہر حال میں غلط ہیں، اور اسراء ومعراج کی احادیث میں آسمانوں میں حضرت زکریا سے ملاقات کے وقت یہ باتیں کسی حدیث میں منقول نہیں، بعض صحیح احادیث میں فقط اتنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا پھر میں دو خالہ زاد یعنی یحییٰ اور عیسیٰ کے پاس سے گزرا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کی خالہ کے بیٹے ہیں۔

لہٰذا جمہور کے قول کے مطابق آیا ہے جو ظاہر حدیث کے بھی موافق ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ اشیاع بنت عمران تھی جو مریم بنت عمران کی حقیقی

(۱) رواہ اسحاق بن بشر فی کتابہ "المبتدأ" حیث قال، انبانا یعقوب الکوفی، عن عمرو بن میمون، عن ابیہ عن ابن عباس

ہمشیرہ تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اشیاع جو ام یحییٰ ہیں یہ عمران کی بیوی حنہ کی بہن تھیں اس صورت میں حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے خالہ زاد نہ ہوں گے بلکہ ان کی والدہ مریم کے خالہ زاد ہوں گے، واللہ اعلم

پھر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی مقتل گاہ کے بارے میں اختلاف ہے آیا وہ مسجد اقصیٰ ہی میں شہید کئے گئے یا دوسری کسی جگہ، تو ثوری، اعمش سے وہ شمر بن عطیہ سے نقل کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی چٹان (صخرہ) مقام پر ستر پیغمبر شہید کئے گئے انہی میں سے حضرت یحییٰ بھی ہیں۔

[1] سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ بخت نصر دمشق آیا تو وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون جوش مار رہا تھا تو بخت نصر نے اس خون کے متعلق پوچھا لوگوں نے حقیقت حال کی خبر دی (کہ کس طرح ایک مظلوم پیغمبر بے گناہ شہید کر دیئے گئے ہیں) تو بخت نصر نے برائے انتقام ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل و خونریزی سے دوچار کیا۔

اور اس روایت کی اسناد حضرت سعید تک بالکل صحیح پہنچتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام دمشق میں قتل کئے گئے، اور بخت نصر کا قصہ حضرت مسیح کے بعد واقع ہوا جیسے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔...... واللہ اعلم۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن مسلم کے طریق سے زید ابن واقد سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے دمشق کی مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو قبلہ کے ستونوں میں سے جو مشرق کے جانب ہے اس کے نیچے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک نکالا گیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کھال اور بال وغیرہ اپنی حالت پر بالکل صحیح سالم ہیں کچھ بھی تبدیلی نہیں ہوئی، ایک روایت میں یہ لفظ ہیں گویا کہ ابھی قتل کئے ہیں۔

اور مسجد دمشق کے بناء کے تذکرے میں ہے کہ آپ کا سر مبارک ایک ستون کے نیچے مدفون ہے جس کا نام (**عمود السکاسکة**) ہے۔

حافظ ابن عساکر [2] کی روایت میں حضرت معاویہ کے غلام قاسم سے منقول ہے کہ دمشق شہر کا بادشاہ ہداد بن ہدار تھا اس نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی اریل جو صیدا کی ملکہ تھی اس سے کروادی اور اس عورت کی ملکیت میں سے دمشق کا مشہور بادشاہوں والا بازار بھی تھا، اور ایک مرتبہ اس کے شوہر نے اس کے بارے میں تین طلاق کا حلف اٹھایا پھر ندامت ہوئی تو واپسی کی کوئی صورت کے لئے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے تب تک آپ سے نکاح نہیں کر سکتی، تو اس سے لڑکی کو حضرت یحییٰ سے کینہ دشمنی پیدا ہوگئی اس نے بادشاہ سے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا سر مانگا، اور یہ اس نے اپنی ماں کے اشارے پر کیا تھا، لیکن بادشاہ نے اولاً انکار فرمادیا پھر مجبور ہو کر مان بیٹھا، قاتل کو آپ کے پاس بھیجا آپ محراب میں نماز ادا فرما رہے تھے اور وہ جیرون کی مسجد تھی، تو جو شخص آپ کا سر مبارک لایا تو سر نے اس کو کہا تیرے لئے نکاح کرنا درست نہیں حتیٰ کہ تو غیر سے اس کا نکاح کروادے تو عورت حضرت یحییٰ کے سر کو طاق میں رکھ کر اپنی ماں کے پاس لے گئی اور آپ کا سر تب بھی یہی بول رہا تھا، جب آپ کا سر اقدس اس بے غیرت ماں کے سامنے رکھا گیا تو زمین نے اس کو قدموں تک نگل لیا پھر سرینوں تک اور اس کی ماں چیخ و پکار کرتی رہی خادمائیں بھی آہ و زاری میں مصروف اپنے چہروں کو تھپڑتی رہیں پھر زمین اس کو شانوں تک نگل گئی تب اس کی ماں نے حکم دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے تاکہ سر تو باقی بچ جائے پھر سر تن سے جدا کر دیا گیا، پھر زمین نے اس کے نگلے ہوئے کمینے جسم کو بھی باہر اچھال دیا، اور پھر یہ سب لوگ ذلت و فقر تباہی و فناء میں غرق ہوتے گئے اور پیغمبر کا خون جوش مار مار کر مسلسل انتقام کے لئے لوگوں کو اکساتا رہا حتیٰ کہ بخت نصر آیا اور اس نے اس کے انتقام میں پچھتر ۷۵ ہزار ظالموں کو قتل کیا، (تب کہیں جا کر خون ٹھنڈا ہوا) سعید بن عبدالعزیز اس کے ایک راوی کہتے ہیں کہ یہ نبی کا خون تھا، اور برابر جوش مارتا رہا حتیٰ کہ حضرت ارمیا علیہ السلام اس کے پاس پہنچے اور اس کو کہا اے خون تو نے بنی اسرائیل کو فنا کر دیا ہے اب تو اللہ کے حکم سے ٹھنڈا ہو جا تو پھر وہ ٹھنڈا ہو گیا، پھر آپ نے تلوار اٹھائی اور جن اہل دمشق نے بھاگنا تھا وہ بھاگ کر بیت المقدس اپنی جان لے گئے لیکن آپ نے وہاں بھی ان کا تعاقب کیا اور ایک خلق کثیر کو قتل کیا جس کی تعداد شمار سے باہر ہے اور بہت کو قیدی بنایا پھر واپس پلٹ پڑے۔

---

(۱) وقال ابو عبید القاسم بن سلام حدثنا عبدالله بن صالح، عن الليث عن يحيىٰ بن سعيد عن سعيد بن المسيب

(۲) وقد روى الحافظ ابن عساكر في المستقصى في فضائل الأقصى من طريق العباس بن صبح عن مروان عن سعيد بن عبدالعزيز عن قاسم مولى معاوية

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

جن کو کئی عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

(۱)......مریم بن عمران کا قصہ۔

(۲)......عیسیٰ بن مریم کی پیدائش۔

(۳)......اللہ کے اولاد سے پاک ہونا کا بیان۔

(۴)......عیسیٰ بن مریم کی تربیت ونشوونما۔

(۵)......(آسمانی) کتابوں کا نزول اوران کا زمانہ۔

(۶)......دسترخوان کا قصہ۔

(۷)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض احوال اوران کے کچھ مواعظ۔

(۸)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پراٹھائے جانے کا قصہ۔

(۹)......عیسیٰ علیہ السلام کی صفات۔

(۱۰)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بعدآپ کے اصحاب کا اختلاف۔

(۱۱)......بیت لحم کی تعمیر کا ذکر۔

مریم بنت عمران علیہا السلام کا قصہ

اللہ عزوجل نے سورۂ آل عمران میں شروع کے اندر نصاریٰ پر رد کیا ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدے میں خیال کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے لئے اولاد ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و پاک ہے، اسے کوئی ذرہ بھر اولاد کی حاجت وضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ نجران کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے باطل عقائد کا پرچار کرنے لگے کہ تین خدا تین اقنوم میں ہیں، اور اللہ تین کا تیسرا ہے اور یہ ذات مقدسہ ہے اور عیسیٰ اور مریم، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کے شروع میں فرمایا کہ عیسیٰ اللہ کے بندہ محض اور رسول مقرب ہیں فقط، اور اللہ نے ان کی بھی مادر رحم میں اسی طرح شکل وصورت بنائی جس طرح دوسرے بندوں کی بنائی، اور آپ کو بغیر باپ بنایا تو پہلے حضرت آدم کو بغیر باپ کیا بغیر ماں کے بھی پیدا فرما چکے ہیں لہٰذا یہ خدائی کی کوئی دلیل نہیں، اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق (کــن) کا حکم فرمایا اور آپ ہو گئے اور آپ کی والدہ نے آپ کو کیسے جنم دیا اور کیسے باامید ہوئیں۔ یہ سب کچھ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایت سے بیان کریں گے۔ جس کا ذکر تفصیل سے سورۃ مریم میں بھی آیا ہے۔ اس تمام کو اللہ نے بڑے شان اعجاز سے سورۂ آل عمران میں اور دوسری جگہ خصوصاً سورۂ مریم میں بیان فرمایا ہے خدا نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا، ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور خدا سننے والا (اور) جاننے والا ہے (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تو تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے، جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا، تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی سے قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا، زکریا جب بھی عبادت خانے میں ان کے پاس جاتے تو ان کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے وہ بولیں خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ذکر فرمار ہے ہیں کہ انھوں نے آدم علیہ السلام کو چن لیا، پھر آپ کی اولاد میں سے برگزیدہ شخصیات کو منتخب فرمالیا، آگے فرمایا اور آل ابراہیم کو بھی، تو اس میں بنو اسماعیل بھی داخل ہو گئے پھر اس پاکیزہ گھرانے کی تعریف فرمائی یعنی آل عمران کی اور اس عمران سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے والد محترم ہیں۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عمران بن ہاشم بن امون بن میشا بن حزقیا ابن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یھفا شاط ابن ایشا بن ایان بن رحبعام بن باسلیمان بن داؤد ہیں اور ابوالقاسم ابن عساکر فرماتے ہیں یہ مریم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن الیود بن اخنز بن صادق بن عیازوز بن الیاقیم بن ابیود بن زربابیل بن شالتال بن یوحینا بن برشا بن امون بن میشا بن حزقیا بن احاز ابن موثام بن عزریا بن یورام ابن یوشافاط بن ایشا بن ایا بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام، اور یہ پہلے نسب نامے سے مختلف ہے۔

لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت مریم کے والد حضرت عمران اپنے زمانے میں بنی اسرائیل کے عابد وزاہد شخص تھے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، اور حضرت مریم کی والدہ حنہ بنت فاقود بن قبیل عابدہ خواتین میں سے تھیں، اور اس زمانے کے مشہور پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کی بہن کے شوہر تھے، اس بہن کا اسم گرامی اشیاع تھا اور یہ جمہور کا قول ہے اور ایک قول یہ

---

(1) سورۂ آل عمران، آیات ۳۳ تا ۳۷

ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کی خالہ کے شوہر تھے اور اشیاع ان کا نام تھا، واللہ اعلم۔

اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی والدہ باامید نہ ہوتی تھیں تو ایک دن وہ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک پرندہ اپنے بچے چوزے کو چوگا دے رہا ہے تو ان کے دل میں بھی بیٹے کی خواہش اٹھی اور بیٹے کے لئے دل تڑپ اٹھا تو تب انھوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ ان کو نرینہ لڑکا عطا فرمادے تو اپنے لڑکے کو محرر یعنی بیت المقدس میں اللہ کے لئے وقف کردیں گی تاکہ وہاں کا خادم بنے۔

تو پھر آپ کو اسی وقت ماہواری آنا شروع ہوگئی پھر پاک ہوئیں تو ان کے خاوند نے ان کے ساتھ تعلقات کئے تب ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ باامید ہوگئیں، آگے فرمان الٰہی ہے پھر اس کو جنم دیا تو کہنے لگی اے پروردگار میں نے تو لڑکی جنم دی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنم دیا اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہے یعنی بیت المقدس کی خدمت میں۔

اور لوگ اس زمانے میں بیت المقدس کیلئے اولاد کی نذر مانتے تھے، جو بڑے ہوکر وہاں کی خدمت سرانجام دیتے اور حضرت مریم کی والدہ فرماتی ہیں (اور میں نے ان کا نام مریم رکھا ہے) اس سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ پیدائش کے دن ہی بچے کا نام تجویز کردیا جائے۔

اسی طرح صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے نومولود بھائی کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے ان کی تحنیک فرمائی (یعنی کوئی میٹھی چیز اپنے منہ مبارک سے چبا کر بچے کو کھلائی اور بطور تبرک کسی بزرگ سے ایسا کروانا سنت ہے) اور پھر حضور ﷺ نے ان کا عبداللہ نام تجویز فرمایا، اور حسن کی حدیث میں سمرۃ سے مرفوعاً مروی ہے کہ:

ہر بچہ اپنے عقیقے کے بدلے (بلاء و مصیبت سے محفوظ) گروی ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کردیا جاتا ہے اور اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے اور اس کا سر مونڈ دیا جاتا ہے۔

امام احمد نے اور اہل سنن نے اس کو روایت فرمایا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور بعض روایتوں میں یسمی کی جگہ یدمی کا لفظ آیا ہے اس صورت میں مطلب ہوگا کہ ذبیحے کا خون بہایا جائے۔ اور بعض نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور مریم علیہا السلام کا یہ کہنا (اور میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے) تو اللہ عزوجل نے جس طرح نذر قبول کی تو اسی طرح یہ دعا بھی قبول کی، لہٰذا مسند احمد میں ہے [1] کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان ضرور اس کو چھوتا ہے جس سے وہ چیختا ہوا آواز نکالتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو تم بھی حضرت مریم کی مذکورہ دعا کرسکتے ہو عربی الفاظ قرآنیہ یہ ہیں۔

انی اعیذھابک و ذریتھا من الشیطان الرجیم [2]

مسند احمد میں دوسری روایت [3] کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نومولود کو شیطان اپنی انگلی کے ساتھ چھوتا ہے سوائے مریم بنت عمران اور اس کے بیٹے کے۔ [4]

[5] اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر انسان جس کو اس کی ماں جنم دیتی ہے تو شیطان اس کی گود میں کچوکے لگاتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے کیا تو نہیں دیکھتا بچے کو جب وہ گرتا ہے تو کیسے چیختا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا اسی وقت شیطان اس کو گود میں کچوکے لگاتا ہے۔

---

(۱) حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن الزهری عن ابن المسیب، عن ابی هریرة الخ

(۲) اخرجاه من حدیث عبدالرزاق ورواه ابن جریر عن احمد بن الفرج عن بقیته عن عبد الله بن الزبیدی عن الزهری عن ابی سلمته، عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم نحوه

(۳) وقال احمد ایضا : حدثنا اسماعیل بن عمر، حدثنا ابن ابی ذویب، عن عجلان مولی المشمعل عن النبی صلی الله علیه وسلم ۔۔۔ الخ

(۴) تفرد به من هذا الوجه و رواه مسلم عن ابی الطاهر، عن ابن وهب عن عمر بن الحارث، عن ابی یونس عن ابی هریرة الخ

(۵) وقال احمد حدثنا هشیم، حدثنا حفص بن میسرة، عن العلاء عن ابیه عن ابی هریرةؓ الخ۔۔۔۔

یہ روایت مذکورہ مسلم کی شرط پر ہے لیکن مسلم نے اس کو تخریج نہیں فرمایا، اور قیس نے اس کو (کچھ مختلف لفظ کے ساتھ) اعمش سے انھوں نے ابو صالح سے ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جو نو مولود ہوتا ہے تو شیطان ضرور اس کو نوچتا ہے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سوائے عیسیٰ بن مریم کے پھر حضور نے اس کی تلاوت فرمائی، **وانی اعیذھا**.....الخ۔ (۱)

اور مسند احمد میں (۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر بنی آدم کو شیطان اس کے پہلو میں جب بھی وہ پیدا ہوتا ہے (انگلی وغیرہ) چبھوتا ہے، سوائے عیسیٰ بن مریم کے جب وہ ان کو چھونے گیا تو بیچ میں پردہ حائل کر دیا گیا، یہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے مگر انہوں نے اس طریق سے اس کی تخریج نہیں کی۔

تو جب حضرت ام مریم نے یہ دعا کی تو پروردگار نے بھی جواب دیا کہ! تو اس کے پروردگار نے اس کی دعا اچھی طرح کر لی اور اس کی اچھی پرورش کی اور زکریا اس کے کفیل بنے۔

اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ان کی ماں نے جب ان کو جنم دیا تو ان کو کپڑوں میں لپیٹ کر مسجد بیت المقدس لے گئیں اور بندوں کے حوالے کر دیا جو وہاں عبادت الٰہی اور خدمت مسجد وغیرہ کے لئے ہمیشہ وقف و مقیم رہتے تھے اور یہ بچی چونکہ ان کے متقی، پرہیز گار امام و پیشوا کی بیٹی تھی لہٰذا اس کے متعلق سب جھگڑے کہ میں اس کا کفیل بنوں گا، تو اگر چہ مفسرین نے اسی طرح ذکر کیا ہے مگر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام مریم نے مریم کو دودھ پلانے کے زمانے کے بعد اور بچپن کی پرورش کے بعد ان کے حوالے کیا ہوگا۔ تو خیر جب ام مریم نے مریم کو ان کے حوالے کر دیا تو اس بابت جھگڑا ہوا کہ کون اس کی پرورش و کفالت کرے ہر کوئی حریص تھا کہ میں تنہا اس کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری اٹھاؤں، اور حضرت زکریا اس زمانے میں پیغمبر بھی تھے اور مزید برآں وہ بچی کے بہنوئی یا خالو بھی تھے تو اس لئے ان کی خواہش وکوشش تھی کہ میں اس کا حقدار بنوں مگر لوگ آپ پر مصر ہوئے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہیں صرف اور آپ بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوں، تو آخر کار سب قرعہ اندازی پر متفق ہوئے اور تقدیر و قسمت نے حضرت زکریا کی یاوری کی اور ان کے نام سے قرعہ نکل گیا اور چونکہ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے اس لئے یہ بہتر ہوا۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں اور زکریا اس کے کفیل بنے۔

یعنی حضرت زکریا چونکہ قرعہ میں ان پر غالب آگئے تھے جیسے آگے فرمان باری تعالیٰ ہے:

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے (اے محمد) آپ کی طرف وحی کی ہیں اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ کون ان میں سے اس کا کفیل بنے گا اور آپ اس وقت موجود نہیں تھے، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

اور اس کی صورت یوں ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنا معروف قلم ڈالا پھر ان سب قلموں کو ایک جگہ رکھ دیا گیا اور ایک کمسن نابالغ بچے کو حکم دیا اس نے ایک قلم اٹھایا اور اس طرح حضرت زکریا کا قلم باہر آ گیا لیکن لوگوں نے پھر مطالبہ کیا کہ دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے تو پھر قرعہ کیا گیا، اور اس مرتبہ یہ تجویز پیش ہوئی کہ اپنے قلموں کو نہر میں ڈالا جائے پھر جس کا قلم نہر کے پانی کی مخالف سمت چلے تو وہ شخص کامیاب شمار ہوگا، تو ایسا کیا گیا پھر بھی قسمت نے حضرت زکریا کی مدد کی اور آپ کا قلم پانی کی جاری سمت کے مخالف چلا، باقی تمام لوگوں کے قلم پانی کے ساتھ بہہ پڑے، لیکن لوگوں کی اب بھی تسلی نہ ہوئی اور پھر مطالبہ کیا چلو ایک آخری مرتبہ اور سہی، اور اس مرتبہ الٹی تجویز ہوگی کہ جس کا قلم مخالف سمت چلا وہ ناکام، پھر قرعہ اندازی کی گئی اور خدا کی شان اب سب کے قلم مخالف سمت چل پڑے اور حضرت زکریا کا قلم پانی کی رو کے ساتھ بہہ پڑا، اور آپ اللہ کے فضل سے حضرت مریم کے کفیل ہو گئے کیونکہ شرعاً وقدراً اور بھی کئی وجوہ کی بنا پر آپ ہی ان کے مستحق تھے۔

آگے فرمان باری تعالیٰ ہے:

جب بھی زکریا اس کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس رزق پاتے تو کہتے اے مریم یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتی یہ اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

---

(۱) و کذا رواہ محمد بن اسحاق، عن یزید بن عبید اللہ بن قسیط، عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باصل الحدیث

(۲) وقال الامام احمد حدثنا عبدالملک حدثنا المغیرۃ ھو ابن عبدالرحمن الحزامی، عن ابی الزناد، عن الاعرج عن ابی ہریرۃ..... الخ

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مسجد کی ایک اچھی جگہ ان کے لئے بنادی تھی جس میں کوئی اور مریم کے سوا داخل نہ ہوسکتا تھا آپ اس میں خدا کی عبادت میں مصروف رہتیں اور باقی جب مکان کی دیکھ بھال کی ضرورت پڑتی اس کو درست کرتیں بقیہ اوقات عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں، حتیٰ کہ لوگوں میں آپ کی کثرت عبادت مشہور ہوگئی اور آپ کے کریم احوال اور عمدہ صفات وکرامتوں کا بھی لوگوں میں چرچا ہونے لگا ان میں سے ایک یہ تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو وہاں عجیب وغریب میوے اور دوسرے رزق پاتے، سردیوں میں گرمی کے پھل اور گرمیوں میں سردی کے پھل پاتے، تو آپ پوچھتے اے مریم یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتیں اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

تو ایسے موقعے پر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں اپنی صلبی اولاد کی خواہش نے جنم لیا اگرچہ آپ انتہائی بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے، تو تب آپ نے دعا کی، فرمان الٰہی ہے! پروردگار مجھے بھی اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد دے۔ بے شک آپ دعا قبول کرنے والے ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں آپ نے یوں دعا کی اے وہ ذات جو مریم کو غیر موسمی پھل و رزق عطا کرتی ہے تو مجھے بھی اولاد سے نواز اگرچہ اس کا زمانہ نہیں، تو پھر وہی قصہ پیش آیا جس کا ذکر پہلے زکریا علیہ السلام کے قصے میں گزر چکا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم خدا نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہاں کی عورتوں میں منتخب کیا ہے، مریم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا، (اے محمد ﷺ) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے حکم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہوکر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا، مریم نے کہا کہ پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں، فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے تو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے، اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائے گا، اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہوکر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی صورت میں پرندہ کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے (سچ مچ) جانور ہو جاتا ہے اور اندھے اور برص والوں کو تندرست کردیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردوں میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اور اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے (قدرت خدا کی) نشانی ہے اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کردوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو کچھ شک نہیں کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ عزوجل ذکر فرما رہے ہیں کہ ملائکہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی کہ اللہ نے ان کو تمام خواتین جہاں میں سے چن لیا ہے[1] تاکہ ان کے بطن مبارک سے ایسی عظیم شخصیت کو جنم دلوائے جو بغیر باپ کے ہو اور وقت کا عظیم پیغمبر ہو، اور وہ گود میں بھی لوگوں سے بات کرے یعنی دودھ پینے کے زمانے میں، اور لوگوں کو اللہ کی عبادت و وحدت کی طرف بلائے اور پھر بڑھاپے میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا (جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے) اور پھر اللہ نے حضرت مریم کو حکم دیا کہ کثرت سے عبادت اور ریاضت اور رکوع و سجود ادا کرو تاکہ تم اس کرامت و شرافت کی اہل بن سکو اور اس کی قدرداں ہو جاؤ تو آپ نے بھی اس قدر اللہ کی عبادت کی آپ کے قدم مبارک پھٹ گئے، اللہ آپ پر آپ کی ماں اور باپ اور آپ

(۱) آل عمران ۴۲ تا ۵۱

کے لخت جگر پر رحم فرمائے۔

اور پہلی آیت کا مطلب ہے اے مریم آپ کو اللہ نے چن لیا ہے اور قبول کرلیا ہے اور آپ کو اخلاق رزیلہ سے پاکیزہ کردیا ہے اور صفات جمیلہ سے مزین کردیا ہے اور تمام جہان والوں یعنی اس وقت کے زمانے کی تمام جہان والی عورتوں پر فضیلت دیدی ہے جیسے بنی اسرائیل کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو تمام جہان والوں پر علم کے ساتھ چن لیا ہے اور اس کے باوجود خوب معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہیں اور آپ محمد ﷺ دونوں سے افضل واشرف ہیں اور یہ امت محمد یہ سب امتوں سے افضل ہے تو حضرت مریم کو بھی اسی طرح فرمان الٰہی ہوا اے مریم اللہ نے آپ کو تمام جہان والی خواتین پر چن لیا ہے۔

لیکن امام ابن حزم کے قول کو اگر لیا جائے کہ عورت بھی نبیہ ہوسکتی ہے تو اس صورت میں یہ سب عورتوں سے افضل ہوں گی اور ام موسیٰ اور سارہ علیہ السلام اور ام اسحاق علیہ السلام بھی نبیہ ہوں گی، اور حضرت مریم نبیہ اور سب سے افضل ہوں گی اور آیت کے بالکل ظاہری مطلب پر دنیا کی تمام عورتوں سے خواہ ان سے پہلے کی ہوں یا بعد کی یا اس وقت کی سب سے افضل ہوں گی۔

لیکن جمہور علماء اسلام کا قول ہے، جس کو امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ نبوت صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور عورتوں میں کوئی پیغمبر نہیں گزری، تو اس لحاظ سے حضرت مریم پیغمبری کے سوا انتہائی اعلیٰ وارفع مقامات پر فائز ہوں گی، جیسے فرمان الٰہی ہے نہیں ہیں مسیح ابن مریم سوائے رسول کے ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ تھی، تو اس صورت میں یہ اپنے مابعد اور ماقبل سب سے بلند رتبہ والی ہوں گی۔

اور ان کا ذکر آسیہ بنت مزاحم اور خدیجۃ الکبریٰ اور فاطمہ بنت محمد ﷺ کے ساتھ احادیث میں آیا ہے رضی اللہ عنھن وارضاھن۔

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی کئی طرق سے ہشام بن عروہ سے اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے انھوں نے عبداللہ بن جعفر سے عبداللہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے سب سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا کہ معمر نے ہم کو قتادہ سے روایت بیان کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تجھے جہاں کی تمام عورتوں میں سے چار عورتیں کافی ہیں مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ۔[1] اور کئی طرق سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

اور مسند احمد میں ہے کہ [2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرنے والی ہیں ان میں سب سے بہتر قریش کی صالح خاتون ہیں، اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں سب سے زیادہ شفقت کرنے والی ہیں اور اپنے شوہر کی ان کی ماتحتی میں سب سے زیادہ خیال رکھنے والی ہیں، پھر ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور حضرت مریم اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں۔[3] امام مسلم نے بھی اس کو روایت کیا۔

اور مسند احمد ہی میں دوسرے [4] طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوئیں ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں سب سے زیادہ پرورش مہربانی کرنے والی ہیں اور اپنے

---

(۱) ورواہ الترمذی عن ابی بکر بن زنجویۃ عن عبدالرزاق بہ وصححہ و رواہ ابن مردویہ من طریق عبداللہ بن ابی جعفر الرازی و ابن عساکر من طریق تمیم بن زیاد کلاھما عن ابی جعفر الرازی، عن ثابت عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ خیر نساء العالمین اربع مریم بنت عمران آسیہ امراۃ فرعون، و خدیجۃ بنت خویلد و فاطمۃ بنت محمد ﷺ

(۲) قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن الزھری عن ابن المسیب قال کان ابوھریرۃ ...... الخ

(۳) ورواہ مسلم فی صحیحہ عن محمد بن رافع و عبد بن حمید کلاھما عن عبدالرزاق بہ

(۴) وقال احمد حدثنا زید بن الحباب حدثنی موسیٰ بن علی سمعت ابی یقول سمعت ابا ھریرۃ یقول۔

شوہروں پر قلت مال کے باوجود مہربان ہیں آگے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ جانتے تھے کہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

امام احمد اس میں متفرد ہیں اور یہ صحیح کی شرط پر ہے، اور حضرت ابو ہریرہ ہی سے اس حدیث کے کئی دوسرے طرق ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے پھر دریافت فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔ (۲)

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں...... (۳) کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے تم کو چار عورتیں کافی ہیں جو تمام جہان والی عورتوں کی سردار ہیں، فاطمہ بنت محمد، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم، مریم بنت عمران۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا جب تم رسول اکرم ﷺ سے سرگوشی کی اور پھر تم پہلے رو دیں پھر ہنس دیں اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا انھوں نے مجھے خبر دی کہ آپ اسی مرض میں انتقال فرمائیں گے، تو میں رو دی، پھر میں دوبارہ حضور کی طرف جھکی تو آپ نے مجھے خبر دی کہ میں سب سے پہلے اپنے گھر والوں میں سے آپ سے جا ملوں گی، اور میں اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی سوائے مریم بنت عمران کے تو میں یہ سن کر ہنس دی۔

اور یہ حدیث صحیح میں بھی موجود ہے، اور اس کی اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہے اور اس میں بھی ہے کہ یہ دونوں بقیہ دو پر بھی فضیلت رکھتی ہیں۔

اسی طرح مسند احمد میں (۵) ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریم بنت عمران کے۔ (۶)

حاصل کلام یہ کہ مریم اور فاطمہ چار میں سے بھی افضل ہیں پھر حضرت مریم کو حضور نے جدا فرمایا اس سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت مریم بنت عمران حضرت فاطمہ سے بھی افضل ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں درجے اور فضیلت میں برابر ہوں۔

لیکن پہلے احتمال کو صحیح اور متعین کرنے والی ایک حدیث آئی ہے۔ (۷) کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جنتی عورتوں کی سردار حضرت مریم بنت عمران ہیں پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔

اگر یہ حدیث مبارک ثم (بمعنی پھر) کے لفظ کے ساتھ محفوظ ہو تو یہ حدیث ایک بات کو متعین کردیتی ہے کہ حضرت مریم سب سے افضل ہیں پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اور پہلی احادیث میں واؤ عاطفہ آئی ہے بمعنی اور تو اس سے کچھ معلوم نہیں ہوتا لیکن ابو حاتم نے دوسرے طریق سے اس حدیث کو واؤ کے ساتھ

---

(۱) وقال ابو یعلی الموصلی حدثنا یونس بن محمد حدثنا داؤد بن ابی العزات عن علباء بن احمر، عن عکرمه عن ابن عباس.

(۲) و رواه النسائی من طرق عن داؤد بن ابی هند

(۳) قدرواه ابن عساکر من طریق ابی بکر عبدا بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث حدثنا یحییٰ بن حاتم العسکری انبأنابشر بن مهران بن حمدان، حدثنا محمد بن دینار، عن داؤد بن ابی هند عن الشعبی عن جابر بن عبدالله قال.

(۴) وقال ابو القاسم البغوی حدثنا وهب بن منبه، حدثنا خالد بن عبدالله الواسطی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن عائشه انها قالت

(۵) رواه الامام احمد حدثنا عثمان بن محمد حدثنا جریر، عن یزید، هو ابن ابی زیاد، عن عبدالرحمن بن ابی نعم عن ابی سعید قال......

(۶) اسناده حسن و صححه الترمذی ولم یخرجوه، وقدروی نحوه من حدیث علی بن ابی طالب ولکن فی اسناده ضعف،

(۷) قال الحافظ ابو القاسم بن عساکر انبأنا ابو الحسین بن الفراء و ابو غالب و ابوعبدالله ابنا البناء قالوا، أنبأنا ابو جعفر بن المسلمه، انبأنا ابو طاهر المخلص حدثنا احمد بن سلیمان حدثنا الزبیر هو ابن بکار، حدثنا محمد بن الحسن، عن عبدالعزیز بن محمد عن موسی بن عقبه عن کریب عن ابن عباس قال...... الخ

ذکر کیا ہے۔ (۱)

اسی مضمون کے مثل ایک حدیث ابن مردویہ شعبہ کی حدیث سے نقل کرتے ہیں شعبہ معاویہ سے وہ اپنے والد قرہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے بہت با کمال گزرے ہیں عورتوں میں سے نہیں گزریں سوائے تین کے مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی، خدیجہ بنت خویلد، اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی توڑ کر ملائے ہوئے طعام) کو تمام طعاموں پر فضیلت ہے اسی طرح دوسری حدیث ہے جس کو جماعت نے نقل کیا ہے سوائے ابوداؤد کے، اور کئی طریق سے وہ منقول ہے وہ کئی طرق شعبہ تک جا پہنچتے ہیں شعبہ عمرو بن مرۃ سے وہ مرۃ ہمدانی سے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مردوں میں سے بہت با کمال ہوئے مگر عورتوں میں سے نہ ہوئیں سوائے فرعون کی بیوی آسیہ کے اور مریم بنت عمران کے اور تحقیق عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید سب کھانوں پر۔

یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین نے بھی اس کی تخریج پر اتفاق کیا ہے اور اس کے الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ عورتوں میں کمال صرف مریم اور آسیہ میں منحصر ہو، شاید مراد، ان کے اپنے زمانے میں ہو کیونکہ دونوں نے دو نبیوں کی ان کے بچپن میں کفالت و پرورش کی کہ آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کی اور مریم نے اپنے بچے اللہ کے بندے اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کی لہٰذا اپنے علاوہ دوسری امتوں کی باکمال خاتون کے منافی نہیں جیسی کہ اس امت کی خدیجہ اور فاطمہ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے خدمت فرمائی اور پھر بعثت کے بعد بھی بیس سال سے زیادہ خدمت فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہ حضور کیلئے سچی وزیر اور دست راست تھیں اور فاطمہ بنت رسول علیہ السلام اپنی خصوصیات کی بناء پر باقی بہنوں سے فضیلت والی تھیں کیونکہ ان کو اپنے والد حضورؐ کی وفات کی مصیبت پہنچی جبکہ بقیہ بہنوں کی حضور ﷺ کی زندگی میں وفات ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کی ازواج میں سب سے محبوب اور کنواری خاتون تھیں، اور محض ان کو یہ فضل وشرف حاصل ہے کہ صرف حضور کے ساتھ زندگی بسر کی، اور کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا، اور علم میں آپ سے بڑھ کر نہ اس امت میں نہ پچھلی امتوں کی کوئی خاتون آپ سے بڑھی، اور جب واقعہ افک میں ان پر جھوٹی تہمت لگی تو اللہ کو بھی ان کی عزت وعظمت اور شرافت و پاکیزگی کی بناء پر غیرت آ گئی اور اپنے قرآن کی کئی آیتیں ان کی تطہیر میں ساتویں آسمان سے نازل فرمائیں، اور حضور کے بعد بھی ان کی پچاس سال زندگی رہی اس طویل زمانے میں آپ قرآن وحدیث کی نشر واشاعت میں خوب کام کرتی رہیں اور آپ سے افتاء اور اصلاح کا خوب کام جاری ہوا اور یہ امہات المومنین میں سب سے بڑھ کر افضل ہیں حتیٰ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی، ایک قول کے مطابق جس کے قائل علما سلف و خلف سب ہیں، بہتر بات یہ ہے کہ دونوں کے متعلق توقف کیا جائے کہ کون زیادہ اشرف ہے۔

اور یہ بحث اس وجہ سے کی کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر، تو عورتوں سے تمام عورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں اور گذشتہ چار کے علاوہ بھی، اس لئے یہ اختلافی نوعیت پیش کی گئی۔

اب ہم اپنے مقصد اور متعین موضوع کی طرف لوٹتے ہیں یعنی حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی پاکیزگی وطہارت اور فضیلت اللہ نے آپ کو تمام جہاں کی خواتین میں سے چن لیا اور ابھی پوری بحث سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ فضیلت تمام دنیا کی عورتوں سے ہو خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد میں۔

اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ قیامت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں سے ہوں گی اور آسیہ بنت مزاحم بھی، اور تفسیر میں بعض بزرگوں سے اس مقام پر نقل کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

(ثیبات وابکارا) کہ حضور کی غیر شادی شدہ اور شادی شدہ بیویاں ہیں تو ثیبہ حضرت آسیہ ہیں اور کنواری حضرت مریم بنت عمران۔ سورۂ تحریم

---

(۱) وقد روی ھذا الحدیث ابو حاتم الرازی عن داؤد الجعفری عن عبدالعزیز ابن محمد وھو الدراوردی عن ابراھیم بن عقبہ عن، کریب، عن ابن عباس مرفوعاً فذکرہ بواو العطف لا بثم الترتیبیہ فخالفہ اسناداً ومتنا . واللہ اعلم

کے آخر میں اس کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ طبرانی [(۱)] میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ اور موسیٰ کی بہن سے میری شادی کروادی ہے اور ایک روایت [(۲)] میں اضافہ ہے کہ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا مبارک ہو آپ کو یا رسول اللہ۔

[(۳)] ابوداؤد سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس گئے جبکہ آپ مرض الوفات میں تھیں تو آپ نے ان کو فرمایا اے خدیجہ جو آپ کے ساتھ تکلیف و ناگواری دیکھ رہا ہوں کیا یہ میری طرف سے ہے؟ اور اللہ نے اس تکلیف میں بہت سی بھلائی رکھی ہے کیا آپ نہیں جانتی کہ اللہ نے جنت میں میری شادی کردی ہے آپ سے اور مریم بنت عمران اور موسیٰ کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کیا اللہ نے یہ آپ کے ساتھ فرمادیا ہے؟ فرمایا جی ہاں عرض کیا آپ کو اولاد کی خوشی اور مہربانی مبارک ہو۔

[(۴)] ابن عساکر کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور آپ تب مرض الوفات میں تھیں تو آپ نے فرمایا اے خدیجہ جب تو اپنی سوکنوں سے ملے تو میرا اسلام کہنا) عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے مجھ سے پہلے بھی شادی کی ہے؟ فرمایا نہیں لیکن اللہ نے مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم اور کلثم موسیٰ کی ہمشیرہ سے میری شادی کروادی ہے۔

[(۵)] ابن عساکر کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کا پیغام لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور بیٹھے محو گفتگو تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وہاں سے گزر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ میری امت کی صدیقہ ہے حضرت جبرئیل نے عرض کیا میرے پاس ان کیلئے پروردگار عزوجل کی طرف سے ایک پیغام ہے کہ اللہ عزوجل ان کو سلام فرماتے ہیں اور ان کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جو انتہائی وسیع زبرجد مرصع یاقوت ہے اور اس میں کوئی تھکاوٹ اور شور وشغب نہ ہوگا حضرت خدیجہ نے سن کر عرض کیا اللہ سلامتی والا ہے اور اسی سے سلام ہے اور تم دونوں پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔ اور اس کی برکتیں ہوں اللہ کے رسول پر، وہ زبرجد کا کیسا گھر ہے؟ فرمایا عظیم موتی (اس کے اندر گھر ہے) اور وہ گھر مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے گھروں کے درمیان ہوگا اور یہ دونوں بھی قیامت کے روز میری بیویوں میں سے ہوں گی۔

صحیح حدیث میں ثابت صرف اللہ کا سلام اور اس کی بشارت ہے حضرت خدیجہ پر اور بشارت بھی ایسی جنت کی جو زبر جد سے بنی ہو، اور وہ یاقوت سے مرصع ہوگی، اور اس جنت میں نہ شور وشغب ہوگا نہ تھکاوٹ لاحق ہوگی، لیکن یہ حدیث ان زیادتیوں کے ساتھ غریب ہے اور ان تمام احادیث کی اسناد میں نظر ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت [(۶)] میں ہے کہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے صخرہ (بیت المقدس کی چٹان) کے متعلق سوال کیا تو آپ (کعب) نے فرمایا صخرہ باغیچے پر ہے اور باغ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے اور باغ کے نیچے حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو اہل جنت کے اشعار کو ترتیب دیتی ہیں حتیٰ کہ قیامت قائم ہو۔

لیکن یہ روایت حضرت کعب احبار کی ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ بعض کی من گھڑت روایت ہے۔ [(۷)]

---

(۱) قال الطبرانی حدثنا عبداللہ بن ناجیہ، حدثنا محمد بن سعد العوفی، حدثنا ابی، انبأ نا عمی الحسین، حدثنا یونس بن نفیع، عن سعید بن جنادہ، ھو العوفی قال...... (۲) رواہ ابن جعفر العقیلی من حدیث عبدالنور بہ وزاد فقلت ..... و ثم قال العقیلی و لیس بمحفوظ

(۳) وقال الزبیر بن بکار حدثنی محمد بن الحسن ، عن یعلی بن المغیرہ، عن ابی داؤد، قال......

(۴) روی ابن عساکر من حدیث محمد بن ذکریا الغلابی، حدثنا العباس بن بکار، حدثنا ابوبکر الھذلی عن عکرمہ عن ابن عباس ......

(۵) وروی ابن عساکر من طریق سوید بن سعید، حدثنا محمد بن صالح بن عمر عن الضحاک و مجاھد عن ابن عمر، قال

(۶) وروی ابن عساکر من حدیث ابی زرعہ الدمشقی، حدثنا عبداللہ بن صالح، حدثنی معاویہ عن صفوان بن عمرو عن خالد بن معدان عن کعب الأحبار ان معاویۃ سالہ عن الصخرۃ یعنی صخرۃ بیت المقدس فقال

(۷) ثم رواہ من طریق اسماعیل، عن عیاش، عن ثعلبۃ بن مسلم، بن مسعود، بن عبدالرحمن عن خالد بن معدان عن عباۃ بن الصامت عن النبی ﷺ بمثلہ. وھذا منکر من ھذا الوجہ بل ھو موضوع و قد رواہ ابوزرعۃ عن عبداللہ بن صالح عن معاویۃ عن مسعود بن عبدالرحمن ، عن ابن عابد، ان معاویۃ سال کعبا عن صخرۃ بیت المقدس فذکرہ، قال الحافظ ابن عساکر و کونہ من کلام کعب ابن احبار اشبہ قلت و کلام کعب الاحبار ھذا إنما تلقاہ من الاسرائیلیات التی منھا ماھو مکذوب مفتعل وضعہ بعض زنادقتھم او جھا لھم، وھذا منہ...... واللہ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں تو انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا (اس وقت) ہم نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا، (مریم) بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، انھوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں (مریم نے) کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں، (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور (میں اسے اسی طریق پر پیدا کروں گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت (ومہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے تو وہ اس (بچہ) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر دور جگہ چلی گئیں، پھر دردِ زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی، اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے فرشتہ نے آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے چشمہ پیدا کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی تو کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے خدا کے لئے روزہ کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی، پھر وہ اس (بچہ) کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کی طرف لے آئیں، وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تو نے برا کیا، اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی راطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی، تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے کہ ہم اس سے (گود کا بچہ ہے) کیونکر بات کریں؟ (بچے نے) کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے، ر جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش اور بدبخت نہیں بایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا تو ہو جاتی ہے اور بے شک خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے، پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے اختلاف کیا و جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (یعنی قیامت کے روز حاضر ہونے سے خرابی ہے۔[1]

حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بطور مقدمہ اور تمہید کے تھا۔ اس وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام کے قصے کو قدم کیا۔ سورۃ الانبیاء میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ ہے کہ:

زکریا (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو ہی سب سے بہتر وارث ہے تو ہم نے ان کی پکار سن اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے جزی کیا کرتے تھے۔ اور بی بی مریم علیہا السلام، جنہوں نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ پھر ہم نے ان سے بواسطہ جبریل اپنی روح پھونک دی۔ ہم نے ان کو اور ان کے بیٹے کو دنیا جہاں والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔[2]

اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے ان کی پیدائش سے قبل منت مانی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے ۔ کردوں گی، اور ان کے بہنوئی یا ان کے خالو ان کے کفیل بنے تھے اور انھوں نے آپ (مریم) کے لئے ایک حجرہ بنا دیا تھا جو مسجد کے احاطے میں

(۱) مریم ۱۶ تا ۳۷ (۲) سورۂ انبیاء ۸۹ تا ۹۱

تھا، اور وہاں حضرت مریم اور حضرت زکریا علیہ السلام کے سوا کوئی اور داخل نہ ہوسکتا تھا، اور جب حضرت مریم علیہ السلام حد بلوغت کو پہنچ گئیں تو اتنی عبادت وریاضت ومشقت اور محنت کی کہ حضرت زکریا علیہ السلام بھی آپ پر رشک اور تحسین فرمانے لگے اور پھر مزید سب سے بڑی رشک کی بات یہ ہوئی کہ اللہ نے آپ کو تمام عورتوں سے فضیلت عطا فرما کر چن لیا اور ملائکہ کے ذریعے آپ کو اس کی بشارت دی اور مزید خوشخبری دی گئی کہ ان کو عظیم المرتبت بچہ دیا جائے گا اور وہ بغیر باپ کے ہوکر دنیا جہاں کے لئے نشانی ہوگا، اور وہ بچہ آگے چل کر پیغمبر ہوگا تو حضرت مریم علیہ السلام کو اس پر انتہائی تعجب ہوا کہ بغیر والد کے یہ کیسے ہوگا کیونکہ ان کا تو شوہر نہیں ہے اور نہ کبھی آپ نے شادی کی، تو اس پر فرشتے نے کہا کہ اللہ عزوجل جو چاہیں سب پر قادر مطلق ہیں اور اللہ کو کن کہنے کی دیر نہیں وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے تو تب حضرت مریم علیہ السلام اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم فرما گئیں لیکن ساتھ میں یہ بھی جانتی تھیں کہ یہ ایک عظیم محنت اور لوگوں کے مونہوں کا سامنا کرنا ہے کیونکہ وہ حقیقت حال سے واقف نہ ہوں گے وہ صرف ظاہری حال پر نظر رکھتے ہوں گے۔

اور آپ (مریم علیہا السلام) اپنے ماہواری کے زمانے میں مسجد سے نکلتی تھیں یا کسی بھی اور ضرورت کے لئے مثلاً پانی کے حاصل کرنے کے لئے یا غذاء وغیرہ حاصل کرنے کے لئے تو ایک مرتبہ آپ کسی حاجت کے لئے نکلی تھیں اور پھر مسجد اقصیٰ کے شرقی جانب جدا ہوئیں اور وہاں اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے تشریف فرما تھیں کہ حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام سامنے آگئے اور انسانی شکل صورت میں آئے تو آپ نے دیکھا تو کہنے لگی میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگر تو متقی ہے؟

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے یہ اس لئے فرمایا کہ متقی شخص عقل منداور خیال رکھنے والا ہوتا ہے اس لئے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو مجھ سے دور ہوجا۔

اور یہ بات غلط ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص تھا اس کا نام تقی تھا، آپ نے اس کو سمجھا اور اس کو مخاطب ہوکر یہ کہا، تو یہ قول بالکل غلط ہے، بلا دلیل ہے اور انتہائی کمزور قول ہے، تب اس فرشتے نے (کہا اور کچھ نہیں میں تیرے رب کا رسول ہوں) یعنی کوئی انسان نہیں ہوں اور آیا (اس لئے ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ بچہ دوں کہنے لگیں مجھے بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں تو (فرشتہ) کہنے لگا اسی طرح ہوگا تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ کو آسان ہے (اور یہ ہم اس لئے کررہے ہیں) (تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنائیں) کہ حضرت آدم کو بغیر ماں باپ کے اور حواء کو بغیر ماں کے اور اب آپ کو بغیر باپ کے پیدا کردیں اور یہ (ہماری طرف سے رحمت ہے) یعنی وہ اپنے بچپن میں لوگوں کے لئے باعث سعادت ورحمت ہوں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے اور لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروائیں گے اور آگے فرمایا (اور یہ کام ہوچکا ہے) یہ کلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بھی ہوسکتا ہے یعنی اللہ نے اس کا فیصلہ فرمادیا ہے اور اس کو حتمی کردیا ہے اور یہی محمد بن اسحاق کا مختار قول ہے اور ابن جریر نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے اور دوسرا قول بھی نقل نہیں فرمایا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پھونک مارنا مراد ہو اور اس سے کنایہ ہو جیسے دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے۔

اور مریم بنت عمران جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

کئی بزرگ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تھی، تو وہ پھونک شرمگاہ تک خود پہنچی اور اس طرح حمل ٹھہر گیا، جیسے کہ بیوی اپنے شوہر سے ہم بستری کے موقع پر باامید ہوجاتی ہے اور یہ قول غلط ہے کہ ان کے منہ میں پھونک ماری اور یہ قول بھی غلط ہے کہ ان سے خطاب ہی کوئی روح کررہی تھی پھر وہ ان میں منہ کے ذریعے حلول کرگئی، یہ مفہوم قرآنی مفہوم کے منافی اور مخالف ہے، اور آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل امین کو آپ کے پاس بھیجا گیا تھا اور آپ کو ہی روح الامین کہا جاتا ہے اور آپ انسانی شکل میں تھے اور انھوں نے آپ کے گریبان میں پھونک ماری نہ کہ نعوذ باللہ شرمگاہ کے مقابل ٹھہرے بلکہ وہی پھونک وروح نیچے اندام نہانی تک پہنچ گئی اور فرمایا پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی یعنی روح اور پھونک اس میں حلول کرگئی نہ کہ وہ متکلم ہی اس میں حلول کرگیا، اور روح جسم میں حلول کرگئی اور منہ نہیں فرمایا اسی طرح علامہ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسناد کے ساتھ بعض صحابہ سے نقل کیا ہے۔

آگے فرمان ہے (پھر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوگئیں) یعنی بچے کے ساتھ، (پھر اس کو دور جگہ میں لے گئی) اور یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت مریم

علیہا السلام جب حاملہ ہوئیں تو تنگ دل ہوئیں کہ لوگ ان کے متعلق غلط الزام عائد کریں گے۔

پس اسی بارے میں ایک قصہ کئی بزرگوں نے ذکر کیا ہے وہب بن منبہ بھی انہی میں سے ہیں کہ جب آپ پر حمل کی علامات ظاہر ہوئیں تو سب سے پہلے بنی اسرائیل کے ایک عابد وزاہد شخص کو اس کی جھلک پڑی اس کا نام یوسف بن یعقوب بڑھئی تھا۔

اور وہ آپ کا خالہ زاد بھی تھا، اس کو اس بات سے انتہائی تعجب ہوا کیونکہ وہ آپ کی دیانت و پاکیزگی اور عبادت وزہد کو خوب جانتا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ کو حاملہ بھی دیکھ رہا تھا، ایک مرتبہ وہ آپ کے سامنے آکر بات چیت کرنے لگا اور پوچھا اے مریم...... کیا بیج کے بغیر کھیتی اگ سکتی ہے؟ فرمایا جی ہاں بتاؤ کس نے پہلی مرتبہ کھیتی کو پیدا کیا؟ پھر پوچھا کیا بغیر مرد کے اولاد ہو سکتی ہے؟ فرمایا جی ہاں اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا پھر کہا تو اچھا اپنی خبر بھی دو تو آپ مریم علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے مجھے خوشخبری دی ہے (اپنی طرف سے ایک نشانی کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور وہ) دنیا و آخرت میں صاحب مرتبہ ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا اور لوگوں سے بچپن میں بھی اور بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا)۔

اور حضرت زکریا کے متعلق بھی اسی قسم کی بات چیت منقول ہے آپ (زکریا) نے بھی ان سے یہی سوالات کئے تھے اور آپ (مریم) نے یہی جوابات دیئے تھے...... واللہ اعلم۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اسناد کیساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مریم ایک مرتبہ اپنی بہن کے پاس گئیں تو بہن نے ان کو کہا: کیا آپ کو میں حاملہ لگتی ہوں؟ حضرت مریم نے فرمایا ہاں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں حاملہ ہوں تو پھر اس بہن نے آپ کو گلے لگالیا، اور ام یحییٰ نے آپ مریم علیہ السلام کو کہا میں دیکھتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ آپ کے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرے گا (یعنی اس کی تعظیم بجالائے گا اور تمہارا بچہ اشرف وافضل ہوگا) اور یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ (اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والے ہوں گے) یعنی حضرت عیسیٰ کی حضرت یحییٰ تصدیق فرمائیں گے۔

ابو القاسم کہتے ہیں کہ حضرت مالک کا کہنا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں خالہ زاد بھائی تھے، اور دونوں کا حمل اکٹھے ٹھہرا تھا، ام یحییٰ نے حضرت مریم کو کہا میں دیکھتی ہوں کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے شکم والے کو سجدہ کرے گا، حضرت مالک فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مردوں کو زندہ کرنے اور لنجوں کو اچھا کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے پر قدرت عطا فرمائی تھی، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کا کہنا تھا کہ جب میں خلوت میں تنہا ہوتی ہوں تو یہ بچہ میرے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور جب جلوت میں ہوتی ہوں تو پیٹ میں خدا کی تسبیح کرتا ہے۔

پھر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی عام خواتین کی طرح نو مہینے تک ان کے ساتھ حاملہ رہی ہوں گی اور اپنے وقت پر وضع حمل ہوا ہوگا کیونکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کو آٹھ مہینے تک حالت حمل رہی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ آپ جیسے ہی حاملہ ہوئیں تو آپ نے فوراً بچے کو جنم بھی دیدیا اور بعض کہتے ہیں کہ نو گھڑیوں تک آپ حالت حمل میں رہیں پھر آپ نے جنم دیا، اور جلد جنم دینے والی روایات کے راوی اپنے خیال و درایت پر اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں۔

پھر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور ایک دور جگہ لے کر چلی گئیں پھر دردزہ ان کو ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔

یعنی فوراً حمل کے ساتھ جنم کی تکالیف پھر جنم کے آثار شروع ہو گئے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر چیز کے بعد جو چیز ذکر کی جائے وہ اپنی شان کے مطابق تقدیم تاخیر کے ساتھ ہوتی ہے جیسے فرمان ہے پھر زمین سرسبز ہوگئی، یعنی ایک زمانے کے بعد اور جیسے فرمایا (پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا پیدا کیا۔)

پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت بنایا پھر گوشت کو ہڈیاں پہنائیں پھر اس کو نئی پیدائش دی بس اللہ بابرکت ہے جو تمام پیدا کرنے والوں میں سب

سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

اب یہاں ہر چیز کو فوراً فوراً بیان فرمایا ہے لیکن بدیہی طور پر معلوم ہے ہر حالت کے درمیان چالیس یوم کی مدت ہوتی ہے جیسے متفق علیہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے درمیان یہ بات مشہور اور عام ہوئی تھی کہ حضرت مریم حاملہ ہو چکی ہیں تو جن کا حضرت آل زکریا کے ہاں آنا جانا تھا انھوں نے آپ کے گھر آنا جانا بند کر دیا تھا۔

اور حضرت مریم کو بعض زندیقوں نے اس یوسف کے ساتھ برائی میں متہم و بہتان زدہ کیا تھا جو آپ کے ساتھ مسجد میں عبادت کرتا تھا، پھر حضرت مریم لوگوں سے چھپ کر رہنے لگیں اور ایک دور دراز جگہ میں اپنے کو ڈال لیا (پھر ان کو درد زہ کھجور کے تنے کی طرف لے آیا) یعنی جب آپ کو مخصوص حالت و تکلیف شروع ہوئی تو آپ انتہائی مجبور ہو کر جیسے تنکے کا سہارا لے رہی ہوں اور کوئی آپ کے پاس موجود تو تھا نہیں لہذا آپ کھجور کے تنے کو پکڑ بیٹھیں، اور امام نسائی کی روایت جو انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اس کی اسناد میں کوئی حرج بھی نہیں اور بیہقی نے بھی ایک اسناد کے ساتھ اس کو شداد سے مرفوعاً صحیح قرار دیا گیا ہے کہ وہ کھجور والی جگہ وہی ہے جہاں اب بیت لحم بنا ہوا ہے جو عظیم الشان عمارت ہے اور روم کے کسی بادشاہ نے اسی یادگار میں اس کو بنوایا ہے۔

تو خیر جب آپ وہاں پہنچی تو (کہنے لگی ہائے افسوس کاش کہ میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔)

اس سے انتہائی تکلیف و شدت اور فتنے کے وقت موت کی تمنا (نہ کہ خودکشی) کے جواز کا پتہ چلتا ہے، اور آپ (مریم) نے یہ تمنا اس لئے کی تھی کہ آپ کو پتہ تھا کہ لوگ آپ کو برائی اور بدکاری کی طرف تہمت زدہ کریں گے اور آپ کی بات کو سچ نہ جانیں گے بلکہ جھٹلائیں گے باوجود اس کے کہ آپ ان کے ہاں انتہائی عبادت گزار شب بیدار معتکفہ اور منقطعہ تھیں اور نبوت و دیانت والے گھرانے سے متعلق تھیں تو ان خیالات کی گردش میں آپ نے موت کو گلے لگا لینا چاہا۔

آگے فرمان ہے پھر ان کو اس کے نیچے سے پکارا، آیت ہے (فنادٰها من تحتها) اب لفظ "من" کو م کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ پکارنے والا کون تھا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں عوفی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ نے تو صرف لوگوں کی موجودگی میں بات چیت فرمائی ہے۔ سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، ضحاک اور سدی قتادہ کا یہی قول ہے کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، باقی مجاہد، حسن، ابن زید اور سعید بن جبیر کی بھی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ تھے، ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے آگے کہنے والا کہتا ہے (یہ کہ تو رنج نہ کر تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا فرما دیا ہے)

جمہور قول یہی ہے کہ یہ چشمہ تھا، لیکن اس کے متعلق ایک حدیث آئی ہے جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے اور ابن جریر نے اس کو اختیار کیا ہے اور حسن ربیع بن انس اور ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ اس سے ان کا بیٹا حضرت عیسیٰ مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے۔

کیونکہ آگے فرمان ہے (اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجور جھڑ پڑیں گی پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

کہا گیا ہے کہ کھجور خشک تھی اور ایک قول ہے کہ پہلے سے پھل دار تھی ...... واللہ اعلم۔

اور احتمال ہے کہ کھجور کا درخت تو خشک ہی ہو لیکن کرامت سے پھل دار ہو گیا ہو، اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سردی میں ہوئی تھی اور یہ وقت پھل کا نہ تھا، اور یہ بات بطور احسان کے اللہ کے فرمان سے بھی مفہوم ہوتی ہے فرمایا تم پر تازہ تازہ کھجور جھڑ پڑیں گی۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ زچہ عورت کے لئے کھجور خشک ہو یا تازہ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ [1]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی پھوپھی کا کھجور کے ساتھ اکرام کرو کیونکہ وہ مٹی سے پیدا

(۱) وقال ابن ابی حاتم حدثنا علی بن الحسین، حدثنا شیبان، حدثنا مسرور بن سعید التمیمی، حدثنا عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی، عن عروة بن رویم عن علی بن ابی طالب قال.

ہوئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کیے گئے ہیں اور درختوں میں سے کوئی درخت سوائے کھجور کے ایسا نہیں کہ اس کے نر کا شگوفہ مادہ میں ڈالا جائے، (لیکن یہ روایت ضعیف ہے سند منقطع ہے کشف الخفاء ۱/۱۹۵) اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی زچہ عورتوں کا اکرام تازہ پکی ہوئی کھجوروں سے کرو پس اگر تازہ پکی ہوئی کھجوریں نہ ہوں تو خشک کھجوریں (یعنی چھوہارے استعمال کرو) اور درختوں میں کوئی درخت اس درخت سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت واکرام والا نہیں جس کے نیچے حضرت مریم بنت عمران ٹھہریں، (یعنی کھجور)۔ اس حدیث کے ایک راوی ضعیف ہیں۔ [1]

آگے فرمان الٰہی ہے (پس اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے لہٰذا میں آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی) اور یہ بھی پہلے کلام کے متعلق ہے یعنی جس نے نیچے سے آواز دی اسی کا یہ کلام ہے اور کہنے سے مراد ہے اشارے وغیرہ سے سمجھا دے کہ میں نے سکوت اور خاموشی کے روزے کی رحمٰن کے لئے نذر و منت مانی ہے اور یہ روزے ان کی شریعت میں مشروع تھے جس میں طعام کے ساتھ کلام بھی متروک ہوتا تھا، قتادہ سدی، ابن اسلم کا یہی کہنا ہے جبکہ ہماری شریعت محمدی ﷺ میں خاموشی جائز نہیں اس سے روزہ کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ آگے فرمان ہے (پھر وہ اس (بچے) کو لے کر اپنی قوم کے پاس اٹھائے آئی لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو تو انتہائی تعجب و حیرت والا برا کام کر لائی ہے؟ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ بداطوار آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار عورت تھی؟

اکثر بزرگوں نے اہل کتاب سے منقول ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے درمیان سے حضرت مریم کو کچھ عرصہ گم پایا اور پھر آپ کی تلاش جاری کی تو آپ کے محلے کے پاس سے گزرے تو انوار و رحمت کی بارش نے اس محلے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، پھر اچانک حضرت مریم ان کے سامنے آئیں تو آپ کے ساتھ آپ کا بچہ عیسیٰ بن مریم بھی تھا تو تب لوگوں نے اوپر والی بات کہی، کہ تو نے عجیب بری بات پیش کی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ زچگی کے چالیس یوم بعد ان کو لوگوں کے سامنے لائیں تھیں، پھر آگے اسرائیلی، باپ اور ماں کے ساتھ اس کو مثال دیتے ہیں اور کہا اے ہارون کی بہن، اس ہارون سے مراد ایک قول ہے کہ اس زمانے کا مشہور عبادت گزار اور بہت بڑا زاہد و پارسا شخص تھا اس کا نام ہارون تھا تو عبادت و تقویٰ کی بساط پر اس کو مریم کا بھائی کہہ دیا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ اور ایک قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برادر کبیر حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ عبادت و تقویٰ میں تشبیہ دی تھی، اور اس مقام پر محمد بن کعب قرظی سے خطا سرزد ہوئی ہے کہ انھوں نے رشتے میں ان کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبی ہمشیرہ قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں اور حضرت مریم کے درمیان بہت طویل زمانے حائل ہیں، جو ادنیٰ علم والے پر بھی مخفی نہیں، شاید حضرت محمد بن کعب قرظی کو اس سے دھوکہ ہو گیا کہ تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کی بہن مریم نجات کے دن دف بجا رہی تھی، تو اس سے ان کو یہ خیال ہو گیا کہ یہ مریم وہی مریم ہیں حالانکہ دونوں کی شخصیات جدا جدا ہیں، اور ایک شخصیت ہونے کا قول جو محمد بن کعب کا ہے وہ حدیث اور قرآن کے صریح مخالف ہے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مریم کا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی ہارون تھا اور حضرت مریم کے قصے کے کسی گوشے میں اس کی نفی نہیں ملتی کہ ان کا کوئی اور بھائی نہیں۔

مسند احمد میں [2] حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے نجران کی طرف بھیجا انھوں نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کہ تم (اس) قرآن میں پڑھتے ہو (یاخت ھارون) اے ہارون کی بہن، اور حالانکہ ہارون و موسیٰ حضرت عیسیٰ سے اتنی اتنی مدت پہلے تھے پھر یہ کیسے قرآن میں ہے؟

تو میں نے پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ بات ذکر کی تو آپ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلا دوں کہ وہ لوگ اپنے پہلے انبیاء و صلحاء کے ناموں

---

(۱) وكذا رواه ابو يعلى في مسنده عن شيبان بن فروخ، عن مسروق بن سعيد وفي رواية مسرور بن سعد، والصحيح مسرور بن سعيد التميمي اور دله ابن عدى هذا الحديث عن الاوزاعي به ثم قال، وهو منكر الحديث ولم اسمع بذكره الافي هذا الحديث وقال ابن حبان، يروى عن الاوزاعي المناكير، الكثيرة التي لايجوز الا حتجاج بمن يرويها.

(۲) وقال الامام احمد، حدثنا عبدالله بن ادريس، سمعت ابى بذكره عن سماك، عن علقمه بن وائل عن المغيرة بن شعبه قال.....

پر نام رکھتے تھے۔

یہ حدیث مسلم نسائی، ترمذی میں ہے [1] اور صحیح ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کیا میں تم کو خبر نہ دوں کہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کے ناموں کے ساتھ موسوم ہوتے تھے۔

اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہارون نام کثرت سے رکھتے تھے حتیٰ کہ ان کے ایک جنازے میں بہت مخلوق اکٹھی ہوئی اور ان میں جو ہارون نامی تھے وہ کئی ہزار تھے۔ [2] واللہ اعلم۔

حاصل کلام بنی اسرائیل کے لوگوں نے حضرت مریم کو کہا اے ہارون کی بہن اور حدیث کے مطابق ان کے بھائی ہارون نامی عبادت وزہد میں مشہور تھے تو اے اس شخص کی ہمشیرہ تیرا باپ اور تیری ماں تو ایسے نہ تھے یعنی یہ تو پورا گھرانہ ہی پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا، پھر تو نے یہ کیسے بہتان ساتھ لے لیا ہے؟

تو اس طرح انھوں نے آپ پر الزام تراشی کی اور انتہائی سخت سیاہ جھوٹ کا پلندہ آپ کی بابرکت ذات پر اچھالا۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ آپ پر تہمت وجھوٹ باندھا اور پھر حضرت زکریا علیہ السلام کے قتل پر اکٹھے ہو گئے آپ علیہ السلام ان سے بھاگے لیکن وہ آپ کو پہنچ گئے پھر درخت نے آپ کو جگہ دی اور ابلیس لعین نے آپ کی چادر کا کونہ پکڑ لیا، پھر پورا قصہ بیتا۔

اور بعض منافقین نے حضرت مریم علیہ السلام کو آپ کے ماموں زاد یوسف بن یعقوب بڑھئی کے ساتھ تہمت لگائی۔

پھر حالت زار تنگ ہوگئی اور کوئی جائے فرار و پناہ نہ رہی۔ اور بات چیت سمجھ بوجھ کا دروازہ بند ہو گیا، اور حضرت مریم کا جلال والے پر توکل وبھروسہ خوب بڑھ گیا اور اس کی اس پر ٹکٹکی بندھ گئی اور عین اخلاص وتوکل کا مدار وہی ذات رہ گئی تو تب حضرت مریم علیہ السلام نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

یعنی حضرت مریم نے لوگوں کو اشارتاً کہا کہ اس بچے سے بات کرو تو تمہارے تمام سوالوں کا جواب اس سے ملے گا تب سرکش لوگوں نے (کہا ہم کیسے اس سے بات کریں جو گود کا بچہ ہے) یعنی تو کیسے ہم کو بچے پر ٹال رہی ہے جو انتہائی دودھ پیتا بچہ ہے اور بات کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا اور کچھ فیصلہ وغیرہ کی اہلیت اس میں نہیں ہے، تو یہ تو ہمارے ساتھ مذاق اور استہزا کر رہی ہے تا کہ تو ہم کو جواب نہ دے اور ہم تیرا پیچھا چھوڑ دیں اور سرکش لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ جو چند ایام کے دودھ پیتے بچے تھے فوراً (بول اٹھے میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں میں ہوؤں مجھے بابرکت بنایا ہے اور اس نے مجھے جب تک میں زندہ رہوں نماز وزکوۃ کی وصیت کی ہے (اور اس نے مجھے بنایا ہے) والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا اور مجھے سخت اور بدبخت نہیں بنایا، اور جس دن میں پیدا ہوا اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہے اور جس دن میں مروں گا اور جس دن اٹھایا جاؤں گا اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہے۔

یہ پہلا پہلا کلام تھا جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان اقدس پر جاری ہوا اور سب سے پہلی بات تھی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو سب سے پہلے خود ظالم سرکش عیسائیوں کے اس قول کو دفع ومسترد کر دیا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے بلکہ حضرت عیسیٰ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں پر بہتان والزام کو ختم کیا اس طرح کہ فرمایا (اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے پیغمبر بنایا ہے) اور اللہ ولدالزنا کو اس قدر فضیلت نہیں عطا فرماتا:

ویکفرھم وقولھم ......

اور ان کی کفریہ باتوں اور مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رد کیا۔ آپ نے کہا (اور جہاں کہیں میں ہوؤں مجھے بابرکت بنایا ہے) یعنی جہاں کہیں میں ہوں گا تو اللہ کی وحدت اور اس پر عیب اور اولاد اور بیوی سے پاکی کو بیان کروں گا، (اور اس نے مجھے نماز اور

---

(۱) وکذارواہ مسلم والنسائی والترمذی من حدیث عبداللہ بن ادریس وقال الترمذی حسن صحیح غریب لانعرفہ الامن حدیثہ وفی روایۃ

(۲) کتب ابن کثیر حتی قیل انہ حضر بعض جنائزھم بشر کثیر منھم من یسمی بھارون اربعون الفا (ماکتبت فی المتن للمحال)

زکوۃ کی وصیت کی ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں) اوراس سے بھی مقام بندگی ہی معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف زکوۃ سے بندوں کے ساتھ حسن خلق کی طرف اشارہ ہوتا ہے، الغرض خدا کے ساتھ اور بندوں کے ساتھ بھی اچھے طریقے اور سلوک کی طرف اشارہ فرمادیا۔

پھر فرمایا (اور اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا (ہوں) اوراس نے مجھے سخت و بد بخت نہیں بنایا) کیونکہ آپ کے والد تو تھے نہیں اس لئے پوری خدمت والدہ کے ساتھ صرف کردی، اور فرمایا میں سخت گو اور سخت خو نہیں ہوں اور مجھ سے کوئی قول و فعل اللہ کی اطاعت کے خلاف سرزد نہیں ہوگا، انشاء اللہ۔

اور پھر تین اہم مواقع یعنی ماں سے پیدائش کے وقت اور دنیا سے جانے کے وقت پھر اگلے جہاں سے اٹھائے جانے کے وقت یعنی ہر عالم میں مجھ پر خدا کی سلامتی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے قصے کو روز روشن کی طرح واضح کردیا اور باطل باتوں کی خوب بیخ کنی فرمادی تو فرمایا (اے محمد ﷺ) یہ ہم تم کو (خدا کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہوجا تو وہ انسان ہوگئے (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال معلوم ہو چکی ہے۔ تو ان سے کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلوائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک خدا غالب اور صاحب حکمت ہے تو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو خدا سرکشوں کو خوب جانتا ہے۔[1]

اسی وجہ سے جب نجران کا ساٹھ سواروں پر مشتمل وفد آیا جن کے اہم آدمی چودہ تھے اور ان میں سے بھی اصل گفتگو کرنے والے تین تھے جو ان کے سرداروں کے سردار اور اشراف کے شرفاء تھے اور ان کے نام عاقب، سید، اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے۔ تو وہ آکر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بارے میں مناظرہ کرنے لگے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق سورہ آل عمران کا شروع والا حصہ نازل فرمایا اور حضرت عیسیٰ مسیح کی ابتداء تخلیق اور ان سے پہلے ان کی ماں کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور پھر اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو مباہلے کا حکم دیا اس صورت میں کہ وہ باز نہ آئیں پھر جب نصاریٰ نے یہ دیکھا کہ ان کے سر اور کان اور آنکھیں جھک گئیں ہیں۔ حقائق حقائق ہوتے ہیں۔ تو پھر وہ مباہلے سے باز آگئے اور مصالحت و نرم رویے کی طرف آگئے اور ان کے سردار عاقب جو مسیح کا بندہ بنتا تھا اس نے کہا:

اے نصاریٰ کی جماعت تم خوب جان چکے ہو کہ محمد (ﷺ) رسول برحق ہیں اور تمہارے ساتھی (عیسیٰ) کے متعلق بھی فیصلہ کن خبر لائے ہیں۔ اور تم خوب جانتے ہو کہ جب قوم نے نبی پر لعنت کی ان کے بڑے اور چھوٹے سب تہس نہس کردیئے جاتے ہیں اگر تم نے مباہلہ کیا تو تم ہی مغلوب و مقہور ہوکر رہوگے۔ پس اگر تم اس شخص کے دین (محمدی) کو نہیں مان سکتے بلکہ اپنے ہی دین سے الفت اور اپنے دین پر آئے ہو تو پھر چپ کرکے یہاں سے لوٹ پڑو۔

پھر یہ بات انہوں نے تسلیم کی اور رسول اکرم ﷺ سے واپسی کی اجازت طلب کی اور کہا کہ ہم اسلام تو نہیں لائے مگر جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں اور آپ ہمارے ساتھ اپنے کسی امانت دار کو بھیج دیجئے تو حضور نے ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بھیجا۔

اس قصے کو ہم آل عمران میں تفصیل سے بیان کرآئے ہیں۔

الغرض جب اللہ نے حضرت مسیح کے معاملے کو خوب واضح فرمادیا تو فرمایا۔

یہ عیسیٰ بن مریم ہیں (اور یہی) حق بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔

یعنی یہ خدا کے فرزند نہیں بلکہ خدا کے بندے اور خدا کی ایک بندی کے بیٹے ہیں۔

---

(۱) آل عمران ۵۸ تا ۶۳

اسی وجہ سے دوسری جگہ فرمایا:

اللہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لے تو صرف اس کو کہتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

یعنی اس کو کسی چیز کے کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ وہ سب کچھ کلمہ ''کن'' سے کر سکتا ہے اور جس کے متعلق حضرت یحییٰ کا سورہ مریم کے آخر میں یہ فرمان ہے:

اور بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

یہاں تک سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن والا کلام جو گود میں بیٹھ کر کیا وہ پورا ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کے آگے فرماتے ہیں۔

پھر جماعتیں آپس میں اختلاف کرنے لگیں پس افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ ان کو بڑے دن میں حاضر ہونے سے (عذاب وتباہی کی خرابی ہے)۔

یعنی ان حضرت مسیح کے متعلق کئی گروہ ہو گئے اس زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی۔

یہود نے کہا:

یہ زانیہ کے بیٹے ہیں اور ولد الزناء ہیں (نعوذ باللہ) اور وہ اب تک اپنے کفر وعناد پر بضد ہیں پھر کچھ نصاریٰ نے کفر میں ان سے بھی بڑھ کر قدم اٹھایا اور کہا یہ اللہ ہیں دوسروں نے کہا نہیں اللہ کے بیٹے ہیں۔

مومنین نے کہا:

یہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں اور اس کی باندی اور بندی کے بیٹے ہیں اور اس کی نشانی ہیں اور اس کی روح (یعنی اس کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں بغیر کسی سبب کے)۔

اور یہی آخری عقائد رکھنے والا گروہ نجات ثواب، اور خدا کی تائید وحمایت پانے والا گروہ ہے اور ان چیزوں میں ان سے جن لوگوں نے بھی اختلاف کیا ان کے متعلق ابھی وعید گذر چکی کہ پس تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوئے بڑے دن کی حاضری سے۔

بخاری میں[1] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی نشانی ہیں جنکو اللہ نے مریم کی گود میں ڈالا اور اس کی روح (حکم سے پیدا ہونے والے) ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے۔

تو اللہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے چاہے وہ جیسے بھی عمل لے کر آئے۔[2]

ولید دوسرے طریق کے ساتھ یہ الفاظ زائد کرتے ہیں کہ وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔[3]

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

---

(۱) قال البخاری حدثنا صدقة بن الفضل ، انبانا الولید ،حدثنا الا وزاعی، حدثنی عمیر بن هانی، حدثنی جناده بن ابی امیة ، عن عبادة بن الصامت ...... الخ

(۲) قال الولید فحدثنی عبدالرحمن بن یزید بن جابر ، عن عمیر ، عن جنادة : وزاد......

(۳) وقدرواه مسلم عن داؤد بن رشید، عن الولید بن مسلم ،عن ابن جابر به ومن طریق اخری عن الا وزاعی به

اللہ عزوجل اولاد سے پاک ہیں اور ظالموں کے اولاد والے قول سے بہت ہی بلند و پاک صاف ہیں

اللہ عزوجل اسی سورہ مریم کے آخر میں فرماتے ہیں:

اور (کافرلوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے...... بے شک تم بری بات لاتے ہو۔ قریب ہے کہ اس افتراء سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے خدا کے لئے بیٹا تجویز کیا۔ اور خدا کو شایان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے اس نے ان کو (علم کے احاطے میں) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔ (۱)

تو باری تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا کہ:

خدا کے لئے اولاد کسی طرح شایان نہیں اس لئے کہ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اس کا مالک ہے اور ہر چیز اس کی فقیر و محتاج ہے اور اس کی بارگاہ میں ذلیل و عاجز اور ناچار ہے اور آسمان و زمین کے تمام باشندے اس کے غلام اور باندیاں ہیں جو اس کی بندگی کرتے ہیں وہ ان سب کا رب الارباب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

جیسے آگے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا۔ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے۔ تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے (کچھ) زیادہ ہی عنایت کرے گا اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور وہ خدا کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔ (۲)

تو بیان فرمایا کہ وہ تو ہر چیز کا خالق ہے اس کی کیسے اولاد ہوگی کیونکہ اولاد تو دو ایک جیسی چیزوں کے درمیان ہوتی ہے اور اللہ کی کوئی نظیر و مثال نہیں اور نہ اس کی کوئی شبیہ اور عدیل ہے لہذا نہ اس کی کوئی بیوی ہے تو لہذا اس کی کوئی اولاد بھی نہیں ہوسکتی۔ جیسے فرمایا:

کہہ دو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اس نے کسی کو جنا نہیں اور نہ وہ جنا گیا اور اس کے مثل کوئی ایک بھی نہیں۔ (سورہ اخلاص)

اور آگے فرمایا: اور وہی ہے جو آسمانوں سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (ہیں جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں پھر اس سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔ اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور ان لوگوں نے جنوں کو خدا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان میں) اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ پاک ہے اور اس کی شان ان سے بلند ہے (وہی) آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا (ہے) اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں۔ (اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے یہی (اوصاف رکھنے والا) خدا تمہارا پروردگار ہے۔

---

(۱) مریم ۸۸ تا ۸۹ (۲) نساء ۱۷۱ تا ۱۷۳

[1] اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو اسی کی عبادت کرو وہ ہر چیز پر نگران ہے۔
اللہ عزوجل اہل کتاب اور ان کے متبعین کو لغو اور گمراہی سے منع فرما رہے ہیں۔ان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیح کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ صرف اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی پاکباز کنواری نیک بندی مریم کے بیٹے ہیں جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تو اللہ نے ان کی طرف جبرئیل کو بھیجا آپ نے مریم پر پھونک ماری تو اللہ نے اس کے واسطے سے ان کو حمل ٹھہرادیا اور حضرت عیسیٰ نے جنم لے لیا۔اور ان کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے روح ہیں اس سے مراد ہے جیسے بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ عبداللہ جس طرح یہ مخلوق ہیں اور خدا کی طرف نسبت کرنے سے ان کی مخلوقیت میں کوئی فرق نہیں بلکہ محض ایک شرافت وکرامت ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بطور شرف اور اعزاز روح اللہ فرمایا اور پھر چونکہ انکا باپ نہ تھا اس لئے عیسیٰ بن مریم کہا جانے لگا اور اسی طرح کلمۃ اللہ فرمایا یعنی اللہ کی نشانی ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔
بے شک اللہ کے ہاں عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے ان کو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گئے۔ [2] اور کہنے لگے اللہ نے بیٹا بنالیا، وہ تو پاک ہے بلکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے ہر ایک اس کا تابعدار ہے وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کو ''ہو جا'' فرما دیتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔ [3]
اور فرمایا: اور یہود کہنے لگے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاری کہنے لگے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے مونہوں کی بات ہے پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کرتے تھے یہ بھی انہی کی پیروی کرنے لگے ہیں خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ [4]
تو اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاری دونوں فریقوں پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اللہ پر بہتان باندھا اور اس کے متعلق اولاد کا خیال کیا۔جبکہ اللہ اس سے پاک صاف ہے اور کافروں کے پاس کوئی دلیل نہیں محض اٹکل کی باتیں اور پہلے کفار کی اتباع ہے۔
اسی طرح گمراہ فلاسفہ ان پر اللہ لعنت کرے انہوں نے بھی اسی طرح خیال کیا کہ پہلی عقل (اللہ) واجب الوجود سے نکلی جس کو وہ علتوں کی علت اور مبدأ اول کہتے ہیں اور اس سے دوسری عقل اور نفس اور آسمان پیدا ہوا پھر تیسری سے چوتھی عقل حتیٰ کہ عقول ''دس'' تک پہنچ گئیں اور نفوس ''نو'' تک پہنچ گئے اور افلاک بھی نو تک پہنچ گئے۔اور پھر اس کے متعلق وہ انتہائی جاہلانہ دلیل اور خیالات پیش کرتے ہیں۔
اسی طرح عرب کے جاہل مشرکین خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور جنوں کی سردار جنیوں سے اللہ نے شادی کی ہے۔جن سے ملائکہ پیدا ہوئے ہیں۔توبہ توبہ اللہ ان کی بکواسوں سے بہت ہی بلند وبالا ہے اور ان کے شرک سے پاک ہیں۔
اس بارے میں اللہ کا فرمان ہے!
اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں بنایا ہے کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے عنقریب ان کی بات لکھی جائے گی اور سوال کیا جائے گا۔ [5]
ان سے پوچھو تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لئے بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے دیکھو یہ اپنی بنائی ہوئی جھوٹی (بات) کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ تم کیسے لوگ ہو۔کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو۔بھلا تم غور (کیوں) نہیں کرتے یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔اور انہوں نے خدا میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا۔حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (خدا کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں خدا اس سے پاک ہے۔مگر خدا کے بندگان خالص (مبتلائے عذاب نہیں ہوں گے)۔ [6]
اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے وہ پاک ہے (اس کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں۔اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے۔

---

(۱) انعام ۱۰۰ تا ۱۰۳ (۲) آل عمران، آیت ۵۹ (۳) بقرہ ۱۱۶۔۱۱۷ (۴) توبہ ۳۰
(۵) الزخرف ۱۹ (۶) الصافات ۱۴۹۔۱۶۰

اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو۔ اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ خدا کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (۱)

سب تعریف خدا ہی کی ہے۔ جس نے اپنے بندے (محمد) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ سیدھی (اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) عذاب سخت سے جو اس کی طرف سے (آنیوالا) ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (ان کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے۔ ان کو اس بات کا کچھ علم بھی نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ (۲)

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا رکھا ہے (اس کی) ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اے افتراپردازو) تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے تو تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں بیان کرتے ہو جو جانتے نہیں۔ کہہ دو کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لئے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے۔ (۳)

یہ کی آیتیں تمام کفار فرقوں کے رد پر مشتمل ہیں فلاسفہ ہوں یا مشرک۔ نصاریٰ ہوں یا یہود (سب) پر لعنت ہے۔ اور جب سے وہ ان باطل باتوں کے قائل ہوئے تب سے قیامت تک ان پر اللہ کی لعنت برستی رہے گی۔ اور ان کے آپس میں اختلاف و تناقض رہے گا کیونکہ کفر و بطلان بہت سی قسموں والا ہوتا ہے کسی ایک بات پر کفر اکٹھا نہیں ہوتا بخلاف حق کے کیونکہ فرمان الٰہی ہے (اور اگر وہ (حق) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے)۔

تو حق متحد و یکجا ہوتا ہے اور باطل مختلف و مضطرب ہوتا ہے جس طرح ایک گمراہ فرقہ کہتا ہے کہ مسیح اللہ ہی ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے معبود کے تیسرے حصے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتے ہیں: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خدا ہیں۔ وہ بے شک کافر ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ اگر خدا عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کسی کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہ خدا عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴)

تو اس طرح اللہ نے ان کے کفر و ضلالت کو واضح فرمادیا کہ اللہ ہی خالق و قادر اور ہر چیز کا کرتا دھرتا ہے اور سب کا رب ہے مالک ہے الہ ہے اور اسی سورت کے آخر میں فرمایا: وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اس کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دے گا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وقواعد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گذر چکے تھے۔ اور ان کی والدہ (مریم خدا کی) ولی (اور سچی فرمانبردار) تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں پھر (یہ) دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ (۵)

تو حق تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک کو فرمایا اور خبر دی کہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کو خدا کا شریک کرتے ہیں جبکہ وہ خود (مسیح) فرما گئے ہیں کہ وہ ان کی طرف صرف اللہ کے رسول ہیں اور بندے ہیں۔ رحم میں ان کی صورت بنائی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اس کی توحید کرنے

(۱) الانبیاء ۲۶۔۲۹ (۲) کہف ۱تا۵ (۳) یونس ۶۸ تا ۷۰ (۴) مائدہ ۱۷ (۵) المائدہ ۷۲۔۷۵

والے ہیں اور خود انہوں نے اس کے خلاف پر جہنم کی وعید بیان کی اور ہمیشگی کے گھر میں ناکامی کی خبر دی۔
اور فرمایا باری تعالیٰ نے:
بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو بے شک اللہ نے اسپر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (۱)
اور پھر حضرت مسیح نے فرمایا بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تین کے تیسرے ہیں تو وہ کافر ہوئے اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اللہ کے۔
ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں تین کے تیسرے سے مطلب ومراد ہے کہ نصاریٰ خدائی کو تین حصوں پر تقسیم کرتے تھے جس کو اقانیم ثلاثہ کہتے تھے۔ یعنی خدائی کے تین حصے۔ باپ بیٹا۔ اور درمیانی نشانی وواسطہ یعنی باپ کی طرف سے بیٹے کو جو نشانی ملی۔
اور اس اختلاف کو ہم آگے تفصیل ووضاحت سے بیان کریں گے اور یہ اختلاف ان کے درمیان قسطنطین بن قسطس کے زمانے میں ہوا اور یہ حضرت مسیح کے تین سو سال بعد کا واقعہ ہے۔
تو آگے فرمایا اور دھمکی دی (اور اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں تو ان کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا) پس وہ کیوں اللہ کی طرف توبہ واستغفار نہیں کرتے **واللّٰہ غفور رحیم**۔
پھر آگے مسیح اور ان کی ماں کی بشریت والی حالت بیان فرمائی۔
(کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے) یعنی جو معبود ہو وہ کیسے کھانے پینے کی طرف محتاج ہو سکتے ہیں بے شک اللہ ان کے باطل عقیدے سے بری وپاک صاف ہیں۔
علامہ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان باری (بے شک جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے وہ کافر ہوئے) سے مراد ہے کہ نصاریٰ عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق خدائی کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح ان کے اس کفر کو اللہ نے سورہ مائدہ کے آخر میں یوں بیان کیا۔
اور جب اللہ فرمائیں گے اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرلو؟ تو وہ کہیں گے آپ پاک ہیں مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کیا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو انکا نگہبان تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو آپ غالب (اور) حکمت والے ہیں۔ (۲)
یعنی اللہ عزوجل بطور اکرام واعزاز کے اور کفار پر اتمام حجت کے لئے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ اور زجر وتنبیہ کے لئے عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے باوجود اس کے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جب میں ان میں تھا تو انکا خیال رکھتا تھا آپ کے حکم سے اور جب آپ نے مجھے اپنے پاس اٹھالیا تو پھر پیچھے آپ ہی ان کے نگراں اور نگہبان تھے۔ اب آپ ان کو عذاب دیں یا معاف فرمائیں۔

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم

اور تفسیر ابن کثیر میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پوری رات نماز میں اس آیت کو پڑھتے پڑھتے گذاردی۔
اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت کا سوال کیا تھا تو وہ مجھے عطا فرمادیا اور وہ شفاعت ہر اس شخص کو پہنچے گی جس نے اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں۔ (۳)

(۱) المائدۃ۔۷۲ (۲) مائدہ ۱۱۶ تا ۱۱۸ (۳) صحیح: احمد (۵/۱۶۵) ابن ماجہ ۱۳۵۰ فی اقامۃ الصلاۃ

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو (مخلوقات) ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو ولعب کے لئے پیدا نہیں کیا اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی زن وفرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے، (نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اس وقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے اور جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کی (مخلوق اور اسی کا مال) ہیں۔ اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں نہ وہ اس کی عبادت سے کتراتے ہیں۔ اور نہ اکتاتے ہیں۔ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ تھمتے ہیں۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر خدا کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا۔

وہ پاک ہے وہی خدا یکتا (اور) غالب ہے اسی نے آسمان وزمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک مقرر وقت تک چلتے رہیں گے۔ دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کہہ دو اگر خدا کے اولاد ہو تو (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں پاک ہے آسمانوں، زمین اور عرش کا رب اس چیز سے جس کو وہ بیان کرتے ہیں۔[3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کی ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز وناتواں ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔[4]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کہہ دے وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو جنا نہیں اور نہ وہ جنا گیا اور اس کے مثل کوئی ایک بھی نہیں۔[5]

اور صحیح[6] میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ابن آدم گالی دیتا ہے اور یہ اس کو لائق نہیں ہے وہ خیال کرتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں واحد ہوں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے جنم دیا گیا اور کوئی میرے مثل نہیں ہے۔

اور صحیح[7] ہی میں حضور اکرم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں تکلیف پر جو اللہ سنتے ہیں۔ (دیکھو) کافر لوگ اللہ کی اولاد مانتے ہیں اور (جبکہ پھر بھی) اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور ان کو عافیت سے رکھتا ہے۔

اور صحیح[8] ہی میں حضور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب پکڑتا ہے تو پھر وہ اللہ سے بچ نہیں سکتا۔ پھر حضور نے تلاوت فرمائی ترجمہ (اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ کسی بستی کو پکڑتا ہے اور وہ ظالم ہوتی ہے تو بے شک اللہ کی پکڑ سخت دردناک ہے)۔ (سورہ ہود۔۱۰۲) اسی طرح اللہ نے فرمایا۔

(اور کتنی ہی بستی ہیں جنکو میں نے مہلت دی اور وہ ظالم تھی پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹنا ہے)۔ (حج ۴۸)

اور فرمایا (ہم ان کو تھوڑا فائدہ دیتے ہیں پھر ان کو سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیتے ہیں) لقمان ۲۴

اور فرمایا (کہہ دے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ بس دنیا میں تھوڑا نفع اٹھانا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے پھر ہم ان کو سخت عذاب چکھائیں گے اس کے بدلے کہ وہ کفر کرتے تھے۔) (یونس ۶۹۔۷۰)

اور فرمایا (پس کافروں کو مہلت دے ان کو تھوڑی مہلت دے)۔ (طارق ۱۷)

---

(۱) انبیاء ۱۶ تا ۲۰ (۲) زمر ۴ تا ۵ (۳) زخرف ۸۱ تا ۸۲ (۴) اسراء ۱۱۱
(۵) اخلاص مکمل (۶) صحیح البخاری (۴۹۷۳) (۷) صحیح البخاری (۷۳۷۸) فی التوحید (۸) صحیح البخاری (۴۶۸۶) فی التفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش اور بچپن میں ان کی تربیت گاہ اور پرورش اور وحی کی ابتداء کا بیان

پہلے گذر چکا ہے کہ آپ بیت اللحم کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ اور وہب بن منبہ کا خیال ہے کہ آپ مصر میں پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہ السلام نے مصر کی طرف سفر کیا تھا اور ساتھ میں یوسف بن یعقوب النجار بھی تھے۔ اور حضرت مریم علیہ السلام گدھے پر سوار تھیں اور دونوں کے درمیان پالان کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔

لیکن وہب کا یہ خیال بالکل غلط ہے اور پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے اس کی رو سے آپ کی جائے پیدائش بیت اللحم ہے جیسے کہ ہم ذکر کر چکے۔ جو اس کے معارض ہو وہ باطل ہے۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو اس دن مشرق ومغرب میں تمام بت گر پڑے تھے اور شیاطین اس بارے میں حیران و پریشان ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ بڑے ابلیس نے اپنے شیاطین کو حقیقت حال کی خبر دی کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی بناء پر ایسا ہوا تھا۔ پھر شیاطین نے دیکھا کہ عیسیٰ اپنی ماں کی گود میں ہے اور ملائکہ اس کے گرد حفاظتی حصار قائم کئے ہوئے ہیں اور آسمان میں اس دن ایک عظیم ستارہ بھی نمودار ہوا اور ملک فارس کا بادشاہ بھی اس ستارے کے طلوع کی وجہ سے خوفزدہ ہو گیا تھا اور اس نے کاہنوں سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ سرزمین میں کوئی عظیم بچہ پیدا ہوا ہے۔ پھر بادشاہ نے اپنے قاصدوں کو سونا اور دوسرے قیمتی ہدیہ دے کر حضرت عیسیٰ کی طرف بھیجا جب یہ قافلہ ملک شام پہنچا تو وہاں کے بادشاہ سے اس کے متعلق سوال کیا اس نے حقیقت حال کی خبر دی کہ ایک بچہ عیسیٰ ایک عابدہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور اس نے گود میں بات چیت کی ہے پھر ملک شام کے بادشاہ نے ان کو ان کے سامان سمیت اور اپنے کچھ آدمیوں کو ساتھ کر کے حضرت عیسیٰ کے پاس بھیج دیا تا کہ اس کے آدمی بعد میں حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیں لیکن جب قاصدین واپس ہو جائیں تب قتل کریں تو جب یہ لوگ ہدایا و تحائف لے کر حضرت مریم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ہدایا وغیرہ دیکر واپس ہو گئے تو پھر کسی نے حضرت مریم کو خبر کر دی کہ ملک شام کے بادشاہ نے اپنے قاصدین اسلئے بھیجے ہیں تا کہ وہ تیرے بچے کو قتل کر ڈالیں۔

تو حضرت مریم علیہا السلام اپنے بچے کو لے کر مصر چلی گئیں اور وہیں اقامت پذیر رہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کی عمر بارہ سال ہو گئی اور آپ کی کرامات ومعجزات مشہور ہونے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جس رئیس کے ہاں آپ (مریم) اور آپ کا بچہ ٹھہرے تھے اس کا مال گم ہو گیا اور اس کے گھر میں مریض مسافر اور محتاج فقیر لوگ رہتے تھے۔ اور وہ سب کی کفالت کرتا تھا تو سب پریشان تھے کہ آیا مال کا چور کون ہے؟ کس پر الزام رکھا جائے؟ آخر حضرت عیسیٰ ایک لنگڑے اور ایک اندھے سے مخاطب ہوئے یہ دونوں بھی اسی کے ہاں سکونت پذیر تھے اور جدا رہتے تھے آپ نے اندھے سے کہا اس لنگڑے کو اٹھاؤ اور کھڑے ہو جاؤ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا آپ نے فرمایا جب تم نے مال چوری کیا تب اس کو کس طرح اٹھا لیا تھا؟ اور گھر کی الماری سے مال اس نے نکالا تھا؟ یہ سن کر دونوں دہشت زدہ رہ گئے اور مال لے آئے۔ تب حضرت عیسیٰ لوگوں کی نظروں میں بہت ہی بڑھ گئے۔ جبکہ ابھی بہت ہی چھوٹے بچے تھے۔

اسی طرح ان کے معجزات وکرامات میں یہ بھی آیا ہے کہ:

ایک مرتبہ رئیس مالک مکان نے لوگوں کی دعوت کی اور کھانے کے بعد اس زمانے کی رسم کے مطابق شراب کا دور چلانا چاہا اور شراب کے مٹکے کھولے تو سب خالی پائے۔ تمام لوگ پریشان ہو گئے کہ آخر کس طرح ختم ہو گئی۔ پھر حضرت عیسیٰ کو پتہ چلا تو آپ مٹکوں کے پاس پہنچے اور سب کے مونہوں پر ہاتھ پھیرتے رہے اور آپ جس مٹکے کے منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ عمدہ خالص شراب سے بھر جاتا۔ یہ ماجرا سن کر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور حضرت مریم علیہا السلام کے انتہائی درجہ معتقد ہو گئے اور آپ دونوں حضرات کو لوگوں نے بہت مال ہدیہ دیا مگر آپ نے قبول نہ کیا، پھر حضرت مریم علیہا السلام اپنے لخت جگر کو لے کر دوبارہ بیت المقدس روانہ ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) اسحاق بن بشر کی روایت میں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام پہلے شخص ہیں جس نے اپنے بچپن میں زبان کھولی اور پھر جلد ہی وہ کلام و گفتگو کی اور اللہ کی ایسی بزرگی بیان کی کہ کانوں نے اس کے مثل نہ سنی ہو گی، آپ نے سورج کو چھوڑا نہ چاند کو نہ پہاڑ و دریا کو اور نہ کسی اور چیز کو مگر اس کو اللہ کی تمجید میں بیان کر دیا۔ فرمایا:

اے اللہ تو اپنی بلندی میں قریب ہے اور تو اپنی قربت میں بلند ہے۔ ہر مخلوق پر بلند ہے آپ نے اپنے کلمات کے ذریعے ہوا میں سات آسمان ٹھہرا دیئے جو بالکل برابر ہیں اور وہ پہلے دھواں تھے پھر آپ کے حکم کو سن کر خوشی سے اس صورت میں آ گئے۔ اس میں تیرے فرشتے ہیں جو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور ان میں آپ نے تاریکیوں کو توڑنے والا نور رکھ دیا اور دن کو زبردست چمکتا سورج رکھ دیا اور ان میں آپ نے کڑک کو رکھا جو آپ کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ پس آپ کی عزت کے طفیل اندھیروں پر روشنیاں غالب آ کر ہر چیز کو منور کر دیتی ہیں۔ اور آپ نے آسمانوں میں ایسے چراغ رکھ دیئے ہیں جن کے ذریعے اندوہناک اندھیروں کے مسافر راہ پکڑتے ہیں۔ پس اے اللہ آپ پاک ہیں آسمانوں کی بلندی میں اور زمین کے پانی پر ٹھہرنے میں آپ نے اپنی قدرت سے زبردست موجوں والے پانی پر زمین کو بالکل ساکن کر دیا ہے۔ اور بالکل زمین کو عاجزی اور بچھا رہنے والا بنا دیا ہے پس زمین کی سختی تیری اطاعت کی بدولت نرم و پست ہو گئی ہے اور تیرے حکم کی بناء پر شرمسار ہو گئی ہے اور تیری عزت کے روبرو اس کی خطرناک موجیں عاجزی اور پستی اختیار کر گئی ہیں۔

اس میں سمندروں کے بعد دریا و نہریں بہہ پڑی ہیں اور نہروں کے بعد ندی نالے بہہ پڑے ہیں، ان کے بعد پھوٹتے چشمے ابل پڑے ہیں۔

پھر آپ نے زمین سے پھلوں درختوں اور طرح طرح کے نباتات کو نکالا پھر آپ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو ٹھونک دیا اور زمین کے نیچے تک پانی پر ان کیلوں کو گاڑ دیا وہ پہاڑ بھی انتہائی تابعداری کے ساتھ آپ کی اطاعت کرنے والے ہو گئے۔

پس اے اللہ آپ بابرکت ذات ہیں کون اپنی نعمتوں کے ساتھ آپ کی صفات بیان کر سکتا ہے؟ اور کون اپنی صفت کے ساتھ آپ کی صفت کو پہنچ سکتا ہے؟ آپ بادلوں کو پھیلاتے ہیں؟ اور گردنوں کو آزاد کرتے ہیں۔ حق دلواتے ہیں اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک صاف ہیں۔ آپ نے آسمانوں کو لوگوں سے چھپا دیا آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ سے صرف عقل مند لوگ ہی ڈرتے ہیں۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ایسے معبود نہیں جس کو ہم نے خود بنا لیا ہو۔ اور نہ ہی ہماری پیدائش میں آپ کا کوئی مدد کرنے والا ہے کہ ہم آپ کے متعلق شک کریں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اکیلے اور بے نیاز ہیں۔

آپ نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ آپ کو جنم دیا گیا اور آپ کے مثل کوئی نہیں ہے۔

(۲) اسحاق بن بشر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم بچپن میں گود میں بات چیت کرنے کے بعد کلام سے رک گئے تھے پھر جب لڑکپن کو چھونے لگے یعنی جس عمر میں بچے بولتے ہیں تو اس عمر میں بولنے لگے۔ اور پھر اللہ نے آپ کی زبان پر حکمت و بیان اور بڑی دانائی کی باتیں جاری کر دی تھیں۔ پھر یہود نے آپ اور آپ کی والدہ کے متعلق طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے حتیٰ کہ وہ آپ کو زانیہ کا لڑکا کہتے تھے۔ اور یہی فرمان باری کا مطلب ہے۔

اور ان کے کفر اور مریم پر بہتان عظیم کی وجہ (سے ہم نے ان پر لعنت کی)۔ (النساء: ۱۵۶)

پھر جب آپ سات سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت مریم نے آپ کو درس گاہ میں بھیج دیا۔ معلم جب بھی آپ سے کوئی سوال کرتا آپ اس سے پہلے ہی اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے ایک مرتبہ معلم نے آپ کو "ابا جاد" سکھایا حضرت عیسیٰ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا مجھے بھی علم نہیں تو فرمایا جو خود نہیں جانتے اس کو کیا سکھاؤ گے؟ معلم نے کہا اچھا تم مجھے سکھا دو تو فرمایا اپنی جگہ سے اٹھو وہ اٹھا تو آپ اس کی مسند پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اب پوچھو کیا

(۱) وقال اسحاق بن بشر: انبانا عثمان بن ساج وغیرہ عن موسی بن وردان، عن ابی نضرة، عن ابی سعید وعن مکحول عن ابی ہریرة قال

(۲) وقال اسحاق بن بشر: عن جویبر ومقاتل، عن الضحاک، عن ابن عباس، ان عیسیٰ بن مریم

پوچھتا ہے؟ کہا مجھے اباجاد کے متعلق بتاؤ کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے فرمایا الف سے مراد آلاء اللہ ہے یعنی اللہ کی نعمتیں ہیں اور باء سے مراد بہاء اللہ یعنی اللہ کا حسن و رونق۔ اور جیم سے مراد بھجۃ اللہ یعنی اللہ کی خوبصورتی اور تروتازگی۔

تو یہ سن کر معلم مارے تعجب کے حیران رہ گیا۔ تو آپ پہلے شخص تھے جس نے اباجاد کی تفسیر کی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ حضرت عثمان نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ہر کلمے پر طویل حدیث کے ساتھ جواب دیا۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ جس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو ذکر کیا جا سکتا ہے۔

ابن عدی نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا ہے مگر پھر اس کے متعلق کچھ کلام [۱] کیا ہے اور پھر فرمایا یہ حدیث باطل ہے، اس اسناد کیساتھ اسماعیل کے علاوہ دوسرا کوئی اس کا راوی نہیں ہے۔

اور ابن لہیعہ نے عبداللہ بن ہبیرہ سے روایت کی ہے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جب بچے تھے اور بچوں کے ساتھ کھیلتے کودتے تھے تو کسی کو بھی فرماتے تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا تیار کیا ہوگا؟ اگر کہو تو میں بتا دوں؟ لڑکا کہتا ضرور تو آپ فرماتے یہ یہ چیز۔ تو وہ اپنی ماں کے پاس جاتا اور کہتا کہ مجھے کھلاؤ آپ نے میرے لئے کیا تیار کیا ہے؟ وہ پوچھتی کیا تیار کیا ہے میں نے تمہارے لئے؟ تو لڑکا کہہ دیتا یہ یہ تو ماں کہتی کس نے تجھے بتلایا تو وہ بتا دیتا عیسیٰ بن مریم نے۔

اسی طرح پھر لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم اگر بچے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ رہے تو یہ عیسیٰ سب کو خراب کر دے گا پھر لوگوں نے بچوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور بند کر دیا پھر حضرت عیسیٰ ان کی تلاش میں نکلے تو ایک گھر میں ان کے شور وغل کی آواز سنی پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا بندر اور خنزیر ہیں تو آپ نے فرمایا اے اللہ یوں ہی ہو۔ تو پھر وہی ہو گیا۔ ابن عساکر نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور ابن بشر [۲] کی ہی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بچپن میں اللہ کی طرف سے الہام کردہ عجائبات کا نظارہ کرتے تھے۔ تو یہ بات یہود میں پھیل گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے تو بنی اسرائیل نے ان کے متعلق غلط منصوبے تراشنے شروع کر دیئے تو آپ کی ماں مریم علیہ السلام آپ کو لے کر مصر روانہ ہو گئیں اور یہ اللہ کی حضرت مریم کو وحی ہوئی تھی تب آپ ان کو مصر لائیں۔ اور یہی فرمان باری کا مطلب ہے۔

اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشانی بنا دیا اور ہم نے ان کو اونچی جگہ کی طرف ٹھکانہ دیا جو قرار اور جاری پانی کی جگہ تھی۔ (المومنون: ۵۰)

بزرگ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے کہ یہ صفات کچھ عجیب و متضاد سی ہیں کہ وہ اونچی جگہ بھی ہو اور بلندی کے ساتھ اس میں چشمے بھی ہوں اور وہ بھی جاری ساری ہوں تو کہا گیا ہے کہ مکان سے مراد حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش جو بیت المقدس کا نخلستان ہے وہ ہے اسی وجہ سے قرآن میں فرمایا۔

اس کو اس کے نیچے سے پکار دی کہ نہ رنج کرو بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے۔ (مریم: ۲۴)

اور سدی کے قول کے مطابق اس سے چھوٹی نہر مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ منقول ہے کہ وہ دمشق کی نہریں تھیں تو شاید دمشق کی نہروں کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہو اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مصر میں تھیں اور یہ اسرائیلی حضرات سے منقول ہے۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ ہمیں ادریس نے اپنے دادا وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے جب عیسیٰ تیرہ سال کی عمر کو پہنچے تو خدائی حکم ملا کہ مصر سے لوٹ کر بیت ایلیا آؤ پھر آپ کی ماں کے خالو کے بیٹے آئے اور اس نے دونوں کو گدھے پر سوار کرا کر بیت ایلیا پہنچایا وہاں آپ کو اللہ نے انجیل دی اور تورات سکھائی اور مردوں کو زندہ کرنا اور کوڑیوں کو صحیح کرنے کا معجزہ دیا اور دوسرے معجزات سے نوازا۔

---

(۱) وھکذا روی ابن عدی من حدیث اسماعیل بن عیاش، عن اسماعیل بن یحییٰ، عن ابن ابی ملیکہ، عن بن مسعود، عن مسعر بن کدام عن عطیۃ عن ابی سعید، رفع الحدیث فی دخول عیسیٰ الی الکتاب وتعلیمہ المعلم معنی حروف ابی جا دو ھو مطول لا یفرح بہ

(۲) وقال اسحاق بن بشر، عن جویبر، ومقاتل، عن الضحاک، عن ابن عباس......الخ

کتب اربعہ کے نزول اور اوقات

ابوزرعہ دمشقی کی روایت [1] میں ہے کہ تورات موسیٰ علیہ السلام پر چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر بارہ رمضان کو نازل ہوئی۔ اور یہ زبور تورات کے چار سو بیاسی سال بعد نازل ہوئی تھی۔ اور انجیل حضرت عیسیٰ ابن مریم پر اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل زبور کے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی۔ اور فرقان مجید قرآن مقدس حضور ﷺ پر چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔

اور قرآن کی آیت (شہر رمضان بقرہ ۱۸۵) کے تحت ہم اپنی تفسیر میں اس کے متعلق وارد شدہ احادیث ذکر کر آئے ہیں اور انہی میں ہے کہ انجیل عیسیٰ پر اٹھارہ رمضان میں نازل ہوئی۔ اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ انجیل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تو حضرت عیسیٰ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ اور پھر آپ زمین پر تینتیس سال تک رہے تھے کہ اس عمر میں آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا جیسے کہ اس کا بیان و تذکرہ عنقریب انشاءاللہ آجائے گا۔

اور اسحاق بن بشر کی روایت [2] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: اللہ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو وحی فرمائی اے عیسیٰ میرے دین میں کوشش کر اور کمزور نہ پڑ۔ اور سن اور فرمانبرداری کر۔ اے پاکیزہ کنواری زاہدہ خاتون کے فرزند تو بغیر مرد کے ہوا ہے۔ اور میں نے تجھے جہاں والوں کے لئے نشانی بنایا ہے پس میری ہی عبادت کر اور مجھ پر ہی بھروسہ کر۔ اور کتاب کو مضبوطی سے تھام، اہل سریانی (زبان) کے لئے اس کی تفسیر کر۔ جو بھی تیرے سامنے آئے اس کو خوب سمجھادے کہ میں حق ہوں اور زندہ قائم ہوں مجھے کبھی زوال نہیں۔ اور تم سب نبی امی عربی کی تصدیق کرو جو تاج اور اونٹوں کی سواری والا ہے اور زرہ اور نعلین (جوتوں) والا ہے اور عصا والا ہے۔ بڑی اور خوبصورت آنکھوں والا کشادہ پیشانی والا ہے۔ صاف اور حسین رخساروں والا ہے۔ گھنگریالے بال ہیں گھنی ڈاڑھی ہے۔ ابرویں ملی ہوئی ہیں۔ باریک اور دراز خوبصورت ناک ہے، کشادہ دانتوں والا ہے۔

ڈاڑھی کے ساتھ ڈاڑھی بچہ ہے اور اس کی گردن گویا خوبصورت چاندی کی ہے اور گویا سونا اس کی نالیوں میں دوڑ رہا ہے اور سینے کے اوپر سے ناف تک بالوں کی باریک لائن ہے گویا کہ خوبصورت باریک ٹہنی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے سینے اور شکم مبارک پر کوئی بال نہیں۔ ہاتھوں اور پیروں میں پر گوشت ہے۔ اور جب آپ کسی طرف متوجہ ہوں تو پورے حسین سراپا کے ساتھ متوجہ ہوجاتے ہیں اور جب آپ چلتے ہیں تو گویا چٹان سے قدم اکھاڑ کر نشیبی جگہ اتر رہے ہیں، آپ کا سینہ کشادہ ہے، اور چہرے میں گویا موتی جھڑ رہے ہیں اور مشک کی خوشبو اس سے پھوٹ رہی ہے اور الحاصل آپ کے بعد نہ آپ سے پہلے آپ جیسا حسین کوئی دیکھا گیا۔ حسین قامت اور بہترین خوشبو والے ہیں۔ عورتوں سے نکاح فرمانے والے ہیں اور تھوڑی نسل والے ہیں۔ آپ کی نسل مبارک کے لئے جنت میں زبرجد اور یاقوت سے مرصع شدہ گھر ہوگا۔ جہاں نہ تھکاوٹ ہو نہ شور و شغب ہو اے عیسیٰ تو انکا (یعنی ان کے دین کا) آخری زمانے میں کفیل بنے گا جس طرح زکریا علیہ السلام تیری ماں کے کفیل بنے۔ اور اس (محمد علیہ الصلاۃ والسلام) کے لئے اس کی امت کے دو شہید بچے ہوں گے اس کے لئے میرے ہاں ایسا مرتبہ ہوگا جو کسی انسان کے لئے نہ ہوگا۔ اسکا کلام قرآن ہوگا اور اس کا دین اسلام ہوگا۔ اور اس کو سلام ہے۔ اور خوشخبری ہے اس کو جو اس کا زمانہ پائے اور اس کے زمانے میں حاضر باش ہو اور اس کے کلام کو سنے۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار..... اور کس کس چیز کی ان کے لئے خوشخبری ہوگی۔ فرمایا ایسے عظیم پاکیزہ درخت کی جس کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اگایا ہے۔ وہ تمام جنتوں کے لئے ہے اور اس کی جڑ رضوان سے ہے انکا پانی تسنیم شراب سے ہے۔ اور اس کی ٹھنڈک کافور کی سی پیاری ہے اور اس کا ذائقہ انجیر کا ہے اور اس کی خوشبو مشک سے بڑھ کر ہے جس نے اس کو ایک مرتبہ بھی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار مجھے بھی اس سے پلا دیجئے فرمایا تمام پیغمبروں پر وہ اسوقت تک کے لئے حرام ہے جب تک وہ نبی برحق نہ اس سے پی لے۔ اور تمام امتوں کے لئے وہ حرام ہے جب تک کہ اس پیغمبر کی امت نہ پی لے۔

---

(۱) وقال ابوزرعة الدمشقي : حدثنا عبدالله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عمن حدثه قال

(۲) وقال اسحاق بن بشر : وا بنانا سعيد بن ابي عروبة ، عن قتادة ، ومقاتل عن قتادة، عن عبد الرحمن بن آدم ، عن ابي هريرة

حضرت عیسیٰ کو اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے اپنے پاس اٹھانے والا ہوں عرض کیا اے پروردگار آپ مجھے کیوں اٹھائیں گے؟ فرمایا میں تجھے اٹھاؤں گا پھر آخر زمانے میں اتاروں گا تا کہ اس پیغمبر کی امت کے عجائبات دیکھے اور تا کہ تو دجال لعین کے قتل پر ان کی مدد کرے۔ میں تجھ کو ان کے پاس ایک نماز کے وقت کے بعد اتاروں گا پھر تو ان کو (وہ) نماز پڑھائے گا۔ کیونکہ وہ امت مرحومہ ہے اور ان کے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔

[1] ہشام کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس امت مرحومہ کے بارے میں خبر دیجئے فرمایا وہ احمد کی امت ہے وہ علماء اور حکماء لوگ ہیں گویا کہ انبیاء ہوں۔ وہ مجھ سے تھوڑے پر راضی ہو جائیں گے اور میں بھی ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاؤں گا اور ان کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ جنت میں داخل کر دوں گا۔

اے عیسیٰ وہ جنت کے تمام رہائشیوں سے زیادہ تعداد میں ہوں گے اسلئے کہ کسی قوم کی زبانیں لا الہ الا اللہ کے ساتھ ان سے زیادہ تر نہ ہوں گی۔ اور کسی قوم کی گردنیں سجدوں میں اتنی نہ گریں گی جتنی کی ان کی گردنیں میرے سجدے میں گریں گی۔ ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

[2] اور ابن عساکر کی ہی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی طرف اللہ جل شانہ نے وحی فرمائی کہ اپنے فکر کے مطابق مجھ سے اپنی حاجت برآئی کرواور اپنی قیامت کے لئے مجھے ذخیرہ بنالو۔ اور نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرو میں تم سے محبت کرنے لگوں گا اور میرے غیر کی طرف توجہ مت کرو۔

اور بلاء و مصیبت پر صبر کر اور قضاء الٰہی پر رضاء رکھو اور میری خوشی کے لئے کام کرو اور میری خوشی اس میں ہے کہ میری اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ اور مجھ سے قریب رہو اور اپنی زبان کو ذکر کے ساتھ زندہ رکھو اور میری محبت تمہارے سینے میں موجزن رہے۔ غفلت کی گھڑیوں کو بیداری کے ساتھ برتو۔ اور تجھد اری کو لازم پکڑو۔ اور میرے راغب ہو اور مجھے سے راہب رہو اور مجھ سے ڈر وخوف کے مارے اپنے دل کو موت وفناء کے حوالے کر دو اور میری خوشی کے لئے رات کی نگہبانی کرو اور میرے پاس سخت دن کی سیرابی کی خاطر اپنے دلوں کو بھوکا پیاسا رکھو۔

خیرات کے کاموں میں اپنے نفس کو مشقت میں ڈال دو۔ اور جہاں متوجہ ہو خیر کو لے کر پھیلاؤ اور مخلوق میں میری نصیحت کو پھیلاؤ۔ اور میرے بندوں میں عدل برتو۔ بے شک تم پر سینوں کے وسوسوں سے شفاء نازل کر دی اور نسیان کے مرض کو کافور کر دیا اور آنکھوں کو غفلت کے پردوں سے لپیٹ دیا اور تو سانس لیتا ہو تو بھی اپنے آپ کو قبضے میں سمجھ۔

اے عیسیٰ ابن مریم جو مخلوق بھی مجھ پر ایمان لائی تو وہ مجھ سے خوفزدہ ہوئی اور جو مجھ سے ڈراوہ مجھ سے ثواب کا امیدوار ہوا پس میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ ایسے لوگ میرے عذاب سے مامون ہیں جب تک کہ وہ خود نہ بدلیں یا میری سنت کو نہ بدلیں۔

اے پاکباز زاہدہ کنواری کے فرزند!

زندگی کے سانسوں میں اپنے یہ آنسو بہاؤ جیسے کوئی گھربار سے بچھڑنے والا ہے اور دنیا کو الوداع کہنے والا ہے اور دنیا کی لذتوں کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ رہا ہو اور اس کی رغبت اللہ کے ہاں خزانوں پر لگی ہو۔ تو اس شخص کی طرح رہ اور اپنے پر رو۔ اور اس دنیا میں کلام کو نرم رکھ اور سلام کو رواج رکھ اور جب لوگوں کی آنکھیں نیند کی وادی میں چلی جائیں، تو تو اس وقت میں ان آنکھوں کو بیداری کی وادی میں لے چل اور قیامت کی آنے والی ہولناکیوں سے محتاط رہ اور سخت زلزلوں سے محتاط رہ اس سے پہلے پہلے کہ نہ اہل وعیال نفع دیں نہ مال کچھ نفع دے۔ اور جب اکڑ باز لوگ ہنسی سے اترائیں تب تم اپنی آنکھوں کو رنج وغم کا سرمہ پہناؤ۔ اور اس میں صبر کرنے والے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھنے والے رہو۔ اور اپنی چیزوں کا صابرین کے لئے وعدہ کیا گیا ہے اگر وہ تم کو ملیں تو تم کو بہت ہی خوش خبری ہے۔ دنیا کو چھوڑ اور اللہ سے قیامت کے روز ثواب کی امید رکھ اور ایسی چیز چکھ جس کا ذائقہ نہ ہو۔ اور اس کی لذت کیف نہ ہو۔ اور دنیا میں میرا پیغام پہنچا کر خوش رہو۔ اور دنیا کی سخت کھردری چیز پر قناعت کرو۔ تم سب کا بدلہ میرے ہاں آ کر دیکھ لوگے۔ اور دنیا میں حساب کتاب کے ساتھ عمل کرو کیونکہ تم سے سوال کیا جائے گا۔ اگر تم وہ چیز ہی دیکھ لو جو میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار رکھی ہیں تو تمہارا دل پگھل جائے اور تمہاری جان (مارے خوشی

---

(۱) وقال هشام بن عمار، عن الوليد بن مسلم، عن عبدالرحمن بن زيد، عن ابيه، ان عيسىٰ قال

(۲) وروى ابن عساكر من طريق عبدالله بن بديل العقيلي، عن عبدالله بن عو سجة قال

ومسرت کے) نکل جائے۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں فرماتے ہیں [۱] کہ ابن طاؤس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی ابلیس سے ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ تجھے ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر صرف وہی جو تیرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ ابلیس نے کہا آپ اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھیں پھر وہاں سے اپنے آپ کو گرائیں پھر دیکھیں آپ زندہ رہیں گے یا نہیں؟ تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے بندہ مجھے نہ آزمائے میں جو چاہوں گا کروں گا......

زہری کہتے ہیں کہ بندہ اپنے رب کی آزمائش نہیں کرسکتا رب اپنے بندے کی آزمائش کرسکتا ہے۔

ابوداؤد وہی [۲] میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ شیطان حضرت عیسیٰ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ اپنے کو سچا خیال نہیں کرتے؟ لہٰذا اس روشن دان سے اپنے کو گرا کر دیکھئے۔ فرمایا ہلاکت ہو تجھ پر کیا اللہ نے نہیں فرمایا اے ابن آدم مجھ سے اپنے نفس کی ہلاکت کی (آزمائش اور) سوال نہ کر کیونکہ میں جو چاہوں گا کروں گا۔

[۳] اور خالد بن یزید سے مروی ہے کہ شیطان (کسی انسانی بزرگ کے بھیس میں) حضرت عیسیٰ کے ساتھ دس سال یا دو سال تک عبادت کرتا رہا پھر شیطان ایک پہاڑی کے کنارے پر کھڑا ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا اگر میں اپنے جسم کو نیچے گرا دوں تو کیا خیال ہے کہ مجھے صرف وہی مصیبت پہنچے گی ناں جو میرے لئے رکھی ہوئی ہے؟ فرمایا:

میں وہ شخص نہیں ہوں جو اپنے رب کو آزماؤں بلکہ میرا رب جب چاہے مجھے آزما سکتا ہے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ پہچان گئے کہ یہ شیطان لعین ہے (مجھے گمراہ کرنے آیا ہے) پھر آپ اس سے جدا ہو گئے۔

[۴] ابن ابی الدنیا میں ابوعثمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جبل کی چوٹی پر نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابلیس آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ ہی وہ شخص ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر چیز قضاء وقدر کے ساتھ ہوتی ہے فرمایا بالکل جی ہاں تو شیطان نے کہا اپنے نفس کو اس پہاڑ سے گرا دیجئے اور کہئے کہ یہی تقدیر کا مجھ پر فیصلہ ہے۔ فرمایا اے لعین اللہ بندوں کو آزماتا ہے اور بندے اللہ کو نہیں آزما سکتے۔

[۵] ابن ابی الدنیا کی ہی روایت میں حضرت سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی ابلیس سے ملاقات ہوئی ابلیس نے آپ سے کہا اے عیسیٰ بن مریم تیری پرورش کیسی عظیم ہے کہ تو نے بچپن میں گود کے اندر ہی بات چیت کی اور تجھ سے پہلے ایسا کوئی نہ کرسکا آپ نے فرمایا بلکہ پرورش تو اس نے کی ہے جس نے مجھے قوت گویائی دی پھر وہ مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا۔

شیطان نے کہا آپ بھی تو کس قدر ربوبیت کے درجے میں ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ فرمایا بلکہ ربوبیت تو اسی ذات کی ہے جو ہمیشہ سے مارتا اور زندہ کرتا ہے اور جس کو میں زندہ کروں (اس کے حکم سے) اس کو بھی مارتا ہے پھر اس کو زندہ کرے گا۔

پھر شیطان نے کہا اللہ کی قسم آپ آسمان میں بھی معبود ہیں اور زمین میں بھی معبود ہیں۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ایک پر کے ساتھ شیطان لعین کو ایسا طمانچہ مارا کہ وہ سورج کے سینگوں تک دور ہو گیا پھر دوسرا ایسا طمانچہ مارا کہ وہ گرم ابلتے چشمے تک پہنچ گیا پھر ایک اور تھپڑ رسید کیا تو اس کو ساتویں سمندر میں دھکیل دیا پھر اس کو وہاں دھنسا دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اس کو وہاں سے چلایا۔ حتیٰ کہ اس نے وہاں کیچڑ کا ذائقہ چکھا۔ پھر وہاں سے نکلا تو ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ سے پھر ملاقات ہوئی تو کہنے لگا اے ابن مریم جیسی میں نے تجھ سے ملاقات کی ایسی کسی سے نہیں کی۔ (یعنی آپ کی ملاقات سے خوب سزا کھائی)۔

---

(۱) وقال ابوداؤد فی کتاب القدر : حدثنا محمد بن یحییٰ بن فارس، حدثنا عبدالرزاق ،حدثنا معمر عن الزهری ، عن ابن طاؤس

(۲) وقال ابوداؤد حدثنا احمد بن عبدة ، انبانا سفیان ، عن عمرو عن طاؤس

(۳) وحدثنا ابو توبة الربیع بن نافع، حدثنا حسین بن طلحة، سمعت خالد بن یزید قال

(۴) وقال ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنا شریح بن یونس، حدثنا علی بن ثابت ، عن الخطاب بن قاسم، عن ابی عثمان ،کان عیسیٰ .

(۵) وقال ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنا الفضل بن موسی البصری ،حدثنا ابراهیم بن بشار ، سمعت سفیان بن عینه یقول .....

(۱) حافظ ابوبکر خطیب کی روایت میں اسی طرح کے واقعے کو مزید تفصیل واضافہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس میں نماز ادا فرمائی پھر واپس پلٹے۔ کسی گھاٹی کے قریب پہنچے تو شیطان ابلیس سامنے آیا اور آپ کو گھیر کر بات چیت کرنے لگا پھر اپنی ہٹ دھرمی پر آیا اور کہتا رہا کہ آپ بندے نہیں ہوسکتے لیکن آپ اس کو دفع کرتے رہے مگر وہ تھا کہ پیچھے پڑا رہا کہ اے عیسیٰ آپ بندے تو نہیں ہوسکتے آخر حضرت عیسیٰ نے اپنے رب کے ساتھ پناہ مانگی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل آئے اور ان کو دیکھ کر ابلیس رک گیا جب دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گھاٹی میں ٹھہرے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابلیس کو پر مارا اور وادی یعنی گھاٹی کے بیچوں بیچ پھینک دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس شیطان دوبارہ آگیا اور سمجھا کہ فرشتے بس اتنا ہی کرنے آئے تھے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگا میں آپ کو خبر دیتا ہوں کہ آپ کسی کے بندے نہیں ہوسکتے کیونکہ آپ کا غصہ بندے کا سا غصہ نہیں ہے۔ اور آپ کے غصہ کی بناء پر اب میں نے ایسی اذیت دیکھی۔ لہٰذا اب میں آپ کو آپ کے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں بھی شیاطین کو حکم دوں گا وہ آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور آپ کے غلام ہوں گے آپ کی اتباع کریں گے۔ لہٰذا جب انسان دیکھیں گے کہ شیاطین و جن بھی آپ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ انسان بھی آپ کی بندگی کرنے لگیں گے اور میں یہ غلط بات نہیں کہتا کہ آپ ہی تنہا معبود ہیں بلکہ آسمان میں اللہ معبود رہے گا اور زمین میں آپ معبود ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی یہ بکواسات سنی تو آپ چیخ پڑے اور اپنے رب کو پکار پکار کر فریاد کی تو تب فوراً اسرفیل علیہ السلام اترے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام و میکائیل نے ابلیس کی طرف نظر ڈالی تو ٹھٹھک کر رک گیا پھر جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ ٹھہرے گئے تو اسرافیل علیہ السلام نے ابلیس کو دوبارہ ایک طمانچہ رسید کیا اور پھر ابلیس تو ابلیس ہے حضرت عیسیٰ کے پاس آکر کہنے لگا آج میں نے آپ کی وجہ سے سخت مشقت و تکلیف اٹھائی ہے فرشتے نے پھر ایک رسید کیا اور سورج تک دے مارا اور پھر ابلیس کو گرم چشمے کے پاس سات فرشتوں نے پایا انہوں نے اس کو خوب اندر غوطے دیئے جب بھی نکلتا پھر غوطہ دیدیتے پھر اللہ کی قسم ابلیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ کبھی نہ آیا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل عطار نے بیان کیا کہ ہم کو بھی ابوحذیفہ نے بیان کیا فرمایا کہ اس واقعے کے بعد شیطان کی ذریت اس کے پاس اکٹھی ہوئی اور چاپلوسی کرنے لگی کہ اے ہمارے سردار آپ نے آج بہت ہی تکلیف و مشقت اٹھائی۔ تو شیطان نے کہا یہ معصوم بندہ ہے اس پر میرا کوئی بس چلتا ہی نہیں کیا کروں؟ جبکہ میں نے ان گروہوں سے بہت لوگوں کو گمراہ کردیا ہے اور ان میں مختلف خواہشات کو بھر دیا اور ان کو میں نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اور خود اس عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو گمراہ کردیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کی ماں کو معبود بنانے لگ گئے۔ اور اسی کو اللہ نے فرمایا۔

اے عیسیٰ بن مریم اپنے اور اپنی والدہ پر میری نعمت کو ذکر کر، جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری مدد کی تو لوگوں سے گود اور بڑھاپے میں بات کرنے والا ہے۔ اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو مٹی سے پرندوں کی شکلیں بناتا تھا۔ الخ۔ (المائدہ ۱۱۰)

یعنی اللہ نے اپنی بہت سی عظیم نعمتیں آپ پر فرمائی جن میں یہ بھی فرمائی کہ شیطان سے جبرئیل کے ذریعے حفاظت کی۔ اور میں نے آپ کو مدد گار صحابہ حواری عطا کئے۔

اور عنقریب بنی اسرائیل آپ کو کہیں گے ہم نے روزے رکھے مگر ہم سے روزے قبول نہ کئے گئے اور ہم نے نمازیں پڑھیں مگر قبول نہ ہوئیں ہم نے آہ و بکا گریہ وزاری کی مگر ہم پر رحم نہ ہوا تو تو ان کو کہنا یہ کیا بات ہے کیا چیز مجھ (اللہ) کو اس سے روکتی ہے؟ کیا میرے ہاتھ کم پڑ گئے؟ کیا آسمان وزمین کے خزانے میرے ہاتھ میں نہیں ہیں اور میں جیسے چاہوں خرچ نہیں کروں؟ کیا بخل مجھے لاحق ہو گیا ہے؟ کیا جن سے سوال کیا جائے ان میں میں سب سے زیادہ سخی نہیں ہوں؟ اور کیا میں دینے والوں میں سب سے زیادہ دینے والا نہیں ہوں؟ کیا میری رحمت تنگ ہو گئی ہے؟ یا جبکہ رحم کرنے والے میرے رحم کی بدولت ہی رحم کرتے ہیں۔

(پس اور کچھ نہیں اللہ تمہارے دلوں کے کھوٹ کو خوب جانتا ہے)

---

(۱) وقدروی نحو هذا بأسط منه من وجه آخر، فقال الحافظ ابوبکر الخطیب : اخبرنی ابو الحسن بن رزقویه انبانا ابوبکر احمد ابن سیدی، حدثنا ابو محمد الحسن بن علی القطان، حدثنا اسماعیل بن عیسی العطار انبانا علی بن عاصم، حدثنی ابوسلمه سوید عن بعض اصحابه، قال.

اے عیسیٰ ابن مریم...... جو حکمت آپ ان کے قلوب میں پھونکتے ہیں اگر یہ اس پر دنیا کو ترجیح نہ دیتے اور آخرت کو پس پشت نہ ڈالتے تو ان کو کہاں کہاں سے رزق ملتا اور اور تب یہ جان لیتے کہ ان کے نفوس ہی اس کے سب سے بڑے دشمن ہیں (اور تم ہی بتاؤ) میں کیسے ان کے روزے قبول کرلوں جبکہ حرام غذاؤں سے یہ روزے رکھتے اور کھاتے ہیں اور میں کیسے ان کی نمازوں کو قبول کرلوں جبکہ ان کے دل میرے دشمنوں کی طرف جھکے پڑے ہیں جو میرے حرام کردہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور میں کیسے ان کے صدقات کو قبول کرلوں جبکہ وہ لوگوں پر ناجائز غصہ کر کے حرام طریقے سے مال کو حاصل کرتے ہیں۔

اے عیسیٰ میں ایسے اعمال کا ایسا ہی ان کو بدلہ دوں گا۔

(افسوس افسوس) میں کیسے ان کے آہ و بکاء پر رحم کروں جبکہ ان کے ہاتھوں سے انبیاء کے معصوم خون کے قطرے ٹپکتے ہیں؟ بس میں تو ان پر غضب وجلال کو ہی زیادہ کروں گا۔

اے عیسیٰ علیہ السلام...... میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن یہ فیصلہ کردیا ہے کہ جو مجھ تنہا کی عبادت کرے گا اور تم ماں بیٹے کے متعلق صرف میری بات ہی کہے گا تو ایسے لوگوں کو میں جنت میں آپ کا ساتھی بنادوں گا اور منازل و کرامت میں آپ کے شرکاء بنادوں گا۔

اور میں نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ جو تجھے اور تیری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنائے گا تو ان کو میں جہنم کے نچلے نچلے طبقے میں جھونک دوں گا اور میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ میں ان انبیاء کے اور دین کے سلسلے کو جاری ساری رکھوں گا اور اپنے خاص بندے محمد پر اس کو ختم کروں گا اور انبیاء و رسل کے سلسلے کو ان پر تمام کردوں گا اور ان کی جائے پیدائش مکہ ہوگی جائے ہجرت (مدینہ) طیبہ ہوگی اور اس کی سلطنت شام ملک تک وسیع ہوجائے گی۔ وہ سخت نہ ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور کریں گے اور نہ فحش زیب وزینت اپنائیں گے اور نہ بری بات کے ساتھ منہ کھولیں گے۔ میں ہر اچھے خوبصورت کام میں ان کی مدد اور درستگی کروں گا۔ اور ہر کریم عادت و اخلاق سے ان کو نواز دوں گا تقویٰ کو انکا ضمیر بنادوں گا اور انکا ہر حکم معقول ہوگا اور وفاداری ان کی طبیعت و سرشت میں داخل ہوگی۔ عدل وانصاف ان کی سیرت ہوگی۔ حق ان کی شریعت ہوگی اور اسلام ان کی ملت ہوگی انکا نام (آسمانوں میں) احمد ہوگا میں ان کو ناواقفی کے بعد ہدایت وسیدھے راستے پر گامزن کردوں گا۔ اور بے علمی کے بعد علم کی دولت سے فیضیاب کردوں گا۔

اور فقر کے بعد غنی سے مالا مال کردوں گا۔ اور ان کو رفیع المرتبت کردوں گا۔ اس پیغمبر کے ذریعے میں لوگوں میں ہدایت کی شمع روشن کردوں گا۔ اور بہرے کانوں کو اس کی آواز ہدایت کے ساتھ وا کردوں گا۔ بند دلوں کے تالے کھول دوں گا اور مختلف ومتفرق خواہشات سے لوگوں کو اس کی بدولت چھٹکارا ملے گا۔ اس کی امت کو سب سے بہتر امت بناؤں گا جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالی جائے گی۔ وہ امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کریں گے۔

اور سب میرے نام میں مخلص ہوں گے اور میرے پیغمبر کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کریں گے۔ ان کی مساجد مجالس و بیوت ڈھکانوں اور ہر ہر جگہ میں ان کو تسبیح وتقدیس وتہلیل الہام کردوں گا۔ میرے لئے قیام کی حالت میں رکوع کی حالت میں قعود کی حالت میں سجود کی حالت میں ہر طرح سے نماز پڑھیں گے۔ اور صف در صف اور گھمسانوں میں میرے لئے قتال کریں گے۔ ان کی قربانیاں، انکا اپنے جانوروں کا صرف خون پیش کرنا ہوگا اور ان کی کتاب (قرآن) ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی۔ ان کی قربانی (کے گوشت) ان کے شکموں میں ہوگی۔

رات میں راہب ہوں گے اور دن میں (کافروں کے روبرو گرجتے) شیر ہوں گے۔

یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں میں عطا کروں۔ اور میں عظیم فضل والا ہوں۔

اور ہم سورہ صف اور مائدہ کے تحت اس گفتگو کے کئی زاویے درست ثابت کرینگے۔ انشاء اللہ العزیز۔

ابو حذیفہ اسحاق بن بشر اپنی اسنادوں کے ساتھ کعب احبار اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عباس اور سلیمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں ان کی آپس میں بات چیت ہوئی۔

کہنے لگے جب حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا اور آپ ان کے پاس کھلے عام دلائل ومعجزات کے ساتھ تشریف لائے تو

تب بھی وہ (بد بخت) آپ کا مذاق اڑاتے اور تعجب کرتے رہے وہ آپ سے ازراہ مذاق پوچھتے کہ اچھا بتاؤ فلاں نے گذشتہ رات کیا کھایا اور اپنے گھر میں کیا ذخیرہ کر کے رکھا تو آپ بھی ان کو صحیح خبر دیدیتے اس سے مومنوں کا ایمان بڑھ جاتا اور کافروں اور منافقوں کا شر اور کفر بڑھ جاتا۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی گھر نہ تھا جس میں ٹھکانا پکڑتے اللہ کی زمین میں چکر لگاتے رہتے اور آپ کی کوئی جائے قرار بھی نہ تھی اور نہ ایسی کوئی جگہ ہی تھی جہاں آپ کو تلاش کیا جا سکے اور سب سے پہلے آپ نے جو مردے کو زندہ فرمایا اس کی صورت یوں بنی کہ ایک مرتبہ آپ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی گریہ وزاری میں مشغول تھی۔ آپ نے اس کو کہا اے خاتون تجھے کیا ہو گیا ہے؟ عرض کیا میری بیٹی لخت جگر فوت ہو گئی ہے جبکہ اس کے سوا میری کوئی اور اولاد بھی نہیں۔ پس میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ میں اس کی قبر سے جدا نہ ہونگی جب تک کہ یا تو میں بھی وہی چیز (موت) نہ چکھ لوں جو اس نے چکھی ہے یا پھر اللہ ان کو میرے لئے زندہ کرے پس آپ ہی دیکھئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہا اگر میں اس کو دیکھوں تو آپ واپس لوٹ جاؤ گی؟

عرض کیا جی ہاں کہتے ہیں کہ پھر حضرت عیسیٰ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر آ کر قبر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور آواز دی۔

اے فلانی اللہ رحمٰن کے حکم سے کھڑی ہو جا اور نکل آ تو آپ کا یہ فرمانا تھا کہ قبر میں حرکت شروع ہو گئی آپ نے پھر آواز دی تو قبر اللہ کے حکم سے پھٹ پڑی آپ نے پھر تیسری مرتبہ آواز دی تو وہ لڑکی سر سے مٹی جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تو نے دیر کس وجہ سے لگائی؟ عرض کیا جب پہلی مرتبہ آواز آئی تو اللہ نے فرشتے کو بھیجا اس نے میرے اعضاء کو حکم الٰہی سے درست کیا اور میرے جسم کو جوڑا پھر دوسری مرتبہ آواز آئی تو میرے جسم میں روح ڈال دی گئی پھر تیسری مرتبہ آواز آئی تو مجھے خوف لگا کہ یہ قیامت کی چیخ تو نہیں اس کے ڈر سے میرا سر سفید ہو گیا۔ اور میری پلکیں اور ابروئیں بھی قیامت آنے کے خوف سے فوراً سفید ہو گئیں پھر لڑکی اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا ہائے اماں..... آپ کو کس چیز نے برانگیختہ اور مجبور کیا کہ آپ نے مجھے دوبارہ اٹھوایا ہے اماں..... آپ کاش صبر کرتیں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھتیں مجھے دنیا کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئی۔ اے اللہ کے کلمے اور اس کی روح میرے رب سے یہ بھی فریاد کر دیجئے کہ مجھے واپس آخرت کی طرف لوٹا دے اور موت کی سختی کو مجھ پر آسان کر دے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بات بھی قبول کی اور اپنے رب سے دعا کر دی اور وہ لڑکی واپس موت کی آغوش میں چلی گئی اور زمین اس کو اپنے اندر لے گئی۔ اس طرح حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ایک عظیم معجزے کا ظہور ہوا اور آپ کی عزت وعظمت کا چاند مزید آب وتاب کے ساتھ منور ہوا۔ اور اسی وجہ سے جب یہ ماجرا یہود کے کانوں میں پڑا تو یہود حضرت عیسیٰ پر مزید سخت غضبناک ہو گئے۔

اور اسی مضمون کے موافق ہم حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد ذکر کر آئے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سام بن نوح کو دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کا سوال کیا اور آپ نے اللہ عزوجل سے دعا فرما دی پہلے دوگانہ ادا فرمائی پھر بارگاہ اجابت میں ہاتھ اٹھائے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں یہ معجزہ بھی ظاہر فرما دیا اور سام بن نوح زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور پھر ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی کشتی اور اس کے متعلق دیگر باتیں اور خبریں ذکر کیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھائے اور سام بن نوح دوبارہ موت کی وادی میں چلے گئے۔

اسی طرح سدی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو صالح اور ابو مالک کے واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں) بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کو جنازے کی چارپائی پر اٹھا لیا گیا تھا تو اتنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے اور آپ نے اللہ عزوجل سے دعا کی تو وہ بادشاہ دوبارہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر تمام لوگوں نے ہیبت زدہ اور عجیب وغریب منظر دیکھ لیا۔

اور اللہ تعالیٰ جو سچوں میں سب سے بڑے سچے ہیں فرماتے ہیں۔

جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ ابن مریم اپنے اور اپنی والدہ پر میری نعمت کا ذکر کر جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری تائید کی۔ تو گود اور

بڑھاپے میں لوگوں سے بات کرے گا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندوں کی ہیئت بناتا تھا پھر ان میں پھونکتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اور تو میرے حکم سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتا ہے اور میرے حکم سے مردوں کو (زندہ) نکالتا ہے اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تھا تو ان میں سے کافروں نے کہا تھا کہ یہ صرف کھلا جادوگر ہے۔ اور جب میں نے حواریین کو وحی کی (یعنی دل میں ڈالا) کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ۔ تو کہنے لگے ہم ایمان لے آئے اور گواہ بن جایئے کہ ہم تابعداری کرنے والے ہیں۔ (۱)

اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر اپنی نعمت اور احسان ذکر فرمارہے ہیں کہ آپ پر نعمتیں فرمائیں اور آپ کی والدہ پر، کہ ان کو عورتوں میں سب سے اونچا مرتبہ دیا اور کافروں کے بہتان کو آپ سے دور کیا اور حضرت عیسیٰ کو کتاب سکھائی، عطا کئے جانے سے مراد ہے ان کو پڑھنا، لکھنا، سیکھانا اور اندھوں کو اچھا کرنا، وہ بھی ایسے اندھوں کو جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوئے ہوں اور کوئی حکیم ڈاکٹر ایسے اندھے کو درست نہیں کرسکتا۔ اور پھر فرمایا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا یعنی جب وہ آپ کو سولی پر چڑھانے کے لئے اکٹھے ہوئے تو آپ کو اپنے پاس اٹھالیا۔ اسی طرح سورہ ال عمران کی اڑتالیس سے چون آیات تک حضرت عیسیٰ کی انہی صفات کو ذکر کیا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اس زمانے کے مطابق معجزات سے نوازا مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو گروں کا غلبہ تھا۔

تو انہیں کے مطابق آپ کو جادوگروں کا زور توڑنے والے معجزات سے نوازا۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زمانہ حکماء اور اطباء کا تھا تو آپ کو ایسے معجزات سے نوازا جو ہر حکیم وطبیب کو انگشت بدنداں کردے کہ کوڑھی کو ہاتھ پھیرا اچھا ہوگیا اور اندھے کو ہاتھ پھیرا اچھا ہوگیا، اسی طرح لولھا لنگڑا اور بھی زندگی کے تمام بڑے مرضوں سے آپ کو شفاء عطا کرنے کی اہلیت دی گئی۔

حتیٰ کہ موت کا علاج یعنی ان کو زندہ فرمادیتے تھے۔

پھر اسی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ فصحاء بلغاء یعنی شیریں زبان زور بیان والوں کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اور اللہ نے آپ پر وہ عظیم کلام پیش کیا کہ تمام عرب کیا، تمام دنیا کے انس، نہیں بلکہ جنات تک بھی، تمام مل کر اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہوگئے، چلو پورے قرآن پر نہ سہی پھر دس سورتوں کا چیلنج آیا، پھر ایک سورت کا ٹکرا تمام انسانیت بھی ایک تین آیتوں کی سورت کے مثل پیش کرنے سے عاجز ہوگئی۔

حاصل مقصود جب حضرت عیسیٰ نے ان پر تمام حجت وبراہین قاطع قائم فرمادیں تو پھر بھی ان کے اکثر لوگ اپنے کفر وضلالت اور عناد وہٹ دھرمی پر اڑے رہے لیکن خدا کے کرم سے ان کے درمیان سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مددگار بن گیا آپ پر ایمان یقین لایا۔ اور ایسے وقت میں کافروں نے کسی بادشاہ کے پاس ان کی چغلی کھائی پھر وہ حضرت عیسیٰ کے قتل پر متفق ہوگئے۔ لیکن اللہ نے ان کے ناپاک عزائم کو تکمیل تک نہ پہنچنے دیا بلکہ انہی قاتل کفار میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ کی صورت ڈال دی اور وہ اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر بیٹھے بعد میں اللہ نے عیسیٰ کو آسمانوں پر اٹھالیا اور اب تک یہود کا یہی خیال ہے اور کچھ نصاریٰ نے بھی ان کی حمایت کی۔ مگر دونوں فریق غلطی میں ہیں اور جھوٹے ہیں اسی کو اللہ نے آل عمران میں فرمایا۔

اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور سب تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا وہ ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی مشن دعوت وتبلیغ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے سورہ صف میں اس کو کافی قدر تفصیل سے بیان فرمارہے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جنکا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے ظالم کون ہے کہ جس کو بلایا جائے اسلام کی طرف اور وہ

(۱) مائدہ ۱۱۰ تا ۱۱۱

خدا پر جھوٹا بہتان باندھے اور خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر خوش ہی کیوں نہ ہوں وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔ مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں؟ جو تمہیں عذاب الیم سے خلاصی دے (وہ یہ کہ) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال کا جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) خدا کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح (عن) قریب (ہوگی) اور مومنوں کو (اس کی) خوشخبری سناؤ۔ مومنو! خدا کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا (بھلا) کون ہیں جو خدا کی طرف (بلانے میں) میرے لئے مددگار ہوں گے، حواریوں نے کہا کہ ہم خدا کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر کار ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (الصف:۱۴)

اس طرح حضرت عیسیٰ جو بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں انہوں نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر سب انبیاء کے خاتم حضرت محمد ﷺ کے آنے کی خوشخبری دی۔ تا کہ جب وہ آئیں تو بنی اسرائیل بھی ان کی اتباع و پیروی کریں۔ اور ایسے ہی لوگوں کیلئے کامیابی وکامرانی ہے۔

جیسے فرمان الٰہی ہے:

وہ لوگ رسول پیغمبر امی کی اتباع کرتے ہیں جس کا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ وہ ان کو امر بالمعروف کرے گا اور نہی عن المنکر کرے گا اور پاکیزہ اشیاء ان کے لئے حلال کرے گا خبیث اشیاء ان پر حرام قرار دے گا اور ان سے ان کے بوجھ اور ان پر پڑے طوقوں کو اتار دے گا۔ پس جو شخص اس پر ایمان لائے اور اس کی توقیر کی اور اس کی مدد کی اور اسی نور کی اتباع کی جو اس کے لئے نازل کیا گیا۔ تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۷)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے نقل کیا خالد اصحاب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے فرمایا

اے رسول ہمیں اپنے متعلق کچھ خبر دیجئے تو فرمایا میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی خوشخبری ہوں اور جب میں والدہ کے پیٹ میں آیا تو میری والدہ نے دیکھا گویا ایک نور ان سے نکلا اور اس نے سرزمین شام تک بصری کے محلات کو روشن کر دیا۔

عرباض بن ساریہ اور ابوامامہ حضور اکرم ﷺ سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اس میں آپ نے فرمایا میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب حضرت ابراہیم نے کعبہ تعمیر فرمالیا تو دعا کی

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم (البقرۃ:۱۲۹)

ہمارے پروردگار ان کے اندر انہی میں سے رسول بھیج دیجئے۔

اور جب نبوت بنی اسرائیل میں منقطع ہوگئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا سلسلہ منتہی ہو گیا تو ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر نہ آئے گا بلکہ ایک عربی نبی امی آئیں گے۔ جو خاتم الانبیاء ﷺ ہوں گے اور وہ پورے جہاں کے لئے ہمیشہ کے واسطے پیغمبر ہوں گے۔ اور وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں گے اور اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد سے ہوں گے۔

مذکورہ آیتوں میں فرمایا جب ان کے پاس پیغمبر واضح نشانیاں لے آئے تو کہنے لگے یہ کھلا جادو ہے۔

اس پیغمبر سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں یا پھر حضور اکرم ﷺ مراد ہیں۔ اور آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جناب نبی کریم ﷺ کی مدد، نصرت، دین کی نشر واشاعت اور اہل ایمان کی حمایت پر ابھارتے ہوئے فرمایا:

یاایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللّٰہ الآیۃ..... (الصف:۱۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے جس بستی میں رہتے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔ وہاں مومن رہائشیوں کو نصاریٰ کہتے تھے۔ یعنی ''مددگار''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ایمان کی دعوت دی تو کچھ لوگوں نے تصدیق کی اور کچھ منکر ہوئے۔ اہل انطاکیہ تو سب مسلمان ہو گئے تھے۔ سورۃ یٰس میں جن اہل انطاکیہ کا ذکر ہے وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ دوسرے زمانے والے تھے جنہیں اصحاب قریہ کہا جاتا ہے۔ کافروں میں یہود آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ وہ جمہور یہود ہیں۔ اور آپ کے متبعین یعنی مومنین آپ کے منکرین پر اس وقت تک غالب رہے جب تک وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھتے رہے۔

کما قال تعالیٰ

اذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ انی متوفیک ...... إلی یوم القیمۃ

میں تمہارے متبعین کو قیامت تک غالب رکھوں گا تمہارے اور تمہارے ماننے والے کے دشمنوں یہود پر۔

دستر خوان کا قصہ

فرمان الٰہی ہے:

جب حواریین نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کرے (تو حضرت عیسیٰ نے) فرمایا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو؟ کہنے لگے ہمارا خیال ہے کہ ہم اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ تو عیسیٰ ابن مریم نے (دعا کرتے ہوئے) کہا اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما تا کہ وہ ہمارے اول و آخر کے لئے خوشی ہو اور آپ کی طرف سے نشانی ہو اور ہم کو رزق عطا فرمائیے اور آپ بہترین رزق عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا میں اس کو تم پر نازل کروں گا پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ میں نے جہاں والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔ (۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ بزرگوں سے اس دستر خوان کی تفسیر میں منقول ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب انہوں نے تیس دن پورے کر لئے تو حضرت عیسیٰ سے آسمان سے دستر خوان اترنے کی درخواست کی۔

تا کہ اسی سے کھائیں اور عظیم معجزے کو دیکھیں اور ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور پھر یہ ان کی عید کا دن ہو اور وہ عظیم دستر خوان ان تمام کے لئے کافی ہو فقیر مالدار اول و آخر سب کے لئے کثیر ہو

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو منع فرمایا کہ مبادا تم سے اس کا شکر ادا نہ ہو سکے۔ لیکن نصاریٰ مومن لوگ بھی مصر اور بضد رہے کہ نہیں بس

(۱) مائدہ ۱۱۲ تا ۱۱۵

آپ اللہ سے سوال کر دیں۔

تو پھر حضرت عیسیٰ مجبوراً اپنی جائے نماز پر کھڑے ہوئے اور بالوں کا فقیرانہ لباس پہن لیا اور سر جھکا لیا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور خوب عاجزی وانکساری سے دعا کی اور عرض کیا کہ ان کی مطلوبہ شئی کو اتار دیا جائے۔

پھر اللہ نے آسمان سے دستر خوان نازل فرمایا اور سب لوگ اس کو دو بادلوں کے بیچ میں اترتا دیکھ رہے تھے اور آہستہ آہستہ قریب ہو رہا تھا۔ اور جب بھی کچھ آگے بڑھتا حضرت عیسیٰ دعا کرتے اے اللہ اس کو رحمت بنا عذاب نہ بنا اور اس کو برکت وسلامتی بنا حتیٰ کہ دستر خوان آ کر حضرت عیسیٰ کے سامنے ٹھہر گیا اور اس پر رومال ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ کھڑے ہوئے عرض کر رہے تھے۔

بسم اللہ خیر الرازقین

اللہ کے نام سے جو رزق دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو کھولا تو اس میں سات مچھلیاں سات روٹیاں اور سرکہ تھا۔ اور کہا جاتا ہے انار اور دیگر پھل تھے اور انتہائی تیز پیاری خوشبو تھی۔ اور اللہ کا اس کو ہو جا کا حکم ملا تھا وہ وجود میں آ کر آسمان سے سامنے آ گیا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھانے کا حکم فرمایا تو کہنے لگے ہم تب تک نہ کھائیں گے جب تک آپ نہ کھا لیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے سوال کی ابتداء کی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی آگے نہ ہوئے تو آخر کار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقراء محتاج ومساکین اور مریضوں لولے لنگڑوں کو حکم فرمایا وہ تیرہ سو افراد تھے ان سب نے کھایا اور خدا کے فضل سے جس کو بیماری تھی سب ختم ہو گئی۔ اب ان لوگوں نے جنہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا بڑی پشیمانی وندامت اٹھائی کہ اگر ہم کھا لیتے تو ہم بھی صحیح سالم ہو جاتے پھر کہا گیا ہے کہ وہ خواں ہر روز ایک مرتبہ اترتا تھا۔ اور لوگ اس سے کھاتے تھے۔ آخری شخص بھی اسی طرح صاف اور سیر ہو کر کھاتا تھا جس طرح پہلا شخص کھاتا تھا حتیٰ کہ سات ہزار افراد اس سے کھاتے تھے۔ پھر یہ دستر خوان آتا رہا پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس دستر خوان کو فقراء ومساکین تک رکھو اور مالدار لوگوں کو منع کر دو۔ تو یہ بات منافقین اور بہت سے لوگوں پر شاق گذری اور اس کے متعلق ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ پھر دستر خوان بالکل آنا بند ہو گیا اور جن لوگوں نے اس کے خلاف باتیں کی تھیں وہ خنزیروں سے تبدیل ہو گئے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر کی روایت [۱] میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر نے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آسمان سے دستر خوان اترا (اور اس میں) روٹی اور گوشت تھا۔ اور ان کو حکم ملا کہ خیانت نہ کریں اور ذخیرہ نہ کریں اور نہ کل کے لئے اٹھا رکھیں۔ لیکن انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کیا اور اٹھا کر رکھا تو وہ بندروں اور سوروں میں تبدیل ہو گئے۔ [۲]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ عمار پر موقوف ہے اگر مرفوع ہوتی تو یہ قصہ حتمی طے ہو جاتا کہ دستر خوان اترا ہے کیونکہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا دستر خوان پھر اترا بھی تھا یا نہیں۔

جمہور کے نزدیک اترا تھا۔

جبکہ ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد اور حسن ابن ابی الحسن البصری سے نقل کیا ہے دونوں نے فرمایا کہ جب اللہ نے فرمایا کہ اگر تم نے نازل ہونے کے بعد ناشکری کی تو تم کو سخت عذاب دوں گا تو وہ اس ضد سے باز آ گئے تھے۔ اسی وجہ سے نصاریٰ کے ہاں اور ان کی کتابوں میں دستر خوان کے قصے کی تفصیل نہیں ملتی۔

اور تفسیر میں ہم اس پر مفصل کلام کر آئے ہیں۔

---

(۱) ثم رواه ابن جرير عن بندار، عن ابن ابى عدى، عن سعيد، عن قتاده، عن خلاس، عن عمار موقوفاً وهذا اصح وكذا رواه من طريق سماک، عن رجل من بنى عجل، عن عمار موقوفاً وهوا لصواب وخلال عن عمار منقطع . والله اعلم

(۲) وروى ابن ابى حاتم وابن جرير جميعا، حدثنا الحسن بن قزعة الباهلي. حدثنا سفيان بن حبيب، حدثنا سعيد بن ابى عروبه، عن قتاده عن خلاس، عن عمارؓ بن ياسر، عن النبى ﷺ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض احوال اور مواعظ

[۱] ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ایک مرتبہ آپ کو گم پایا کسی نے کہا وہ سمندر کی طرف گئے ہیں تو حواری آپ کی تلاش میں ادھر کو نکلے جب سمندر تک پہنچے تو دیکھا کہ آپ سمندر پر چل رہے تھے۔ کبھی کوئی موج آپ کو اوپر اٹھاتی پھر کوئی موج آپ کو نیچے اتار دیتی۔ اور آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک چادر کی ازار (لنگی) باندھ رکھی تھی۔ حتیٰ کہ آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو ایک نے کہا (ابو ہلال کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ انکا اچھا اور صاحب مرتبہ آدمی تھا اس نے کہا) کیا میں آپ کے پاس نہ آ جاؤں اے اللہ کے نبی؟ فرمایا کیوں نہیں۔

پھر اس آدمی نے ایک قدم پانی پر رکھا اور دوسرا رکھنے لگا تھا کہ چیخا: اوہ!...... اے اللہ کے پیغمبر میں تو غرق ہو رہا ہوں آپ نے فرمایا مجھے اپنا ہاتھ دے اے کم ایمان شخص اگر ابن آدم کا ذرہ کے برابر بھی یقین درست ہو تو وہ پانی پر چل پڑے۔ [۲]

[۳] ابن ابی الدنیا ہی میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام کو کہا گیا اے عیسیٰ علیہ السلام کس چیز کے ساتھ آپ پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا ایمان و یقین کے ساتھ لوگوں نے کہا پھر ہم بھی ایمان لائے اور یقین کیا۔ تو فرمایا تب تم بھی چلو۔ کہنے لگے ہم موج سے ڈر گئے تھے فرمایا کیا تم موج کے رب سے نہیں ڈرے؟ پھر آپ نے ان کو نکالا پھر زمین پر ہاتھ مارا اور مٹی اٹھائی پھر ہاتھ کھول دیا تو ایک ہاتھ میں سونا تھا اور دوسرے ہاتھ میں مٹی تھی۔ تو آپ نے پوچھا کہ تمہارے دلوں میں کونسی چیز زیادہ پسندیدہ ہے؟ کہنے لگے سونا۔ فرمایا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں اور ہم یحییٰ بن زکریا کے قصے میں پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالوں کا لباس پہنتے تھے اور درخت کے پتے کھاتے تھے اور آپ کا کوئی گھر تھا نہ اہل نہ مال، نہ آئندہ کل کے لئے کچھ بچا رکھتے بعض کہتے ہیں آپ اپنی ماں کے کاتے ہوئے سوت کی کمائی کھاتے تھے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شعبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب قیامت کا ذکر کیا جاتا تو آپ چیخ پڑتے اور فرماتے ابن مریم کیلئے مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیامت کا تذکرہ ہو اور وہ بھی خاموش رہے۔

اور عبدالملک بن سعید بن ابجر سے منقول ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصیحت و وعظ کو سنتے تو ایسے چیختے جیسے کسی ماں کا اکلوتا بچہ گم ہو گیا ہو۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے کہا ہمیں جعفر بن برقان نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے۔

اے اللہ میں تو ایسا ناتواں ہوں کہ اپنی ناپسند چیز کو دفع نہیں کر سکتا اور اپنی پسندیدہ و مرغوب چیز کے نفع کا مالک نہیں۔ اور معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور میں اپنے عمل کے بدلے گروی ہوں پس کوئی فقیر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں۔ اے اللہ بس مجھ پر میرے دشمن کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھ سے میرے دوست کو رنج و تکلیف نہ پہنچنے دے۔ اور میرے دین میں کوئی مصیبت نہ آنے دے اور مجھ پر ایسے کو مسلط نہ فرما جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

فضیل عن عیاض یونس بن عبید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ دنیا کھانے کی پرواہ نہ کرے۔ فضیل کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے میں نے مخلوقات میں غور و فکر کیا تو میں نے ناپید مخلوق کو زیادہ رشک کرنے والا پایا ان سے جو پیدا ہو چکے ہیں۔

اور اسحاق بن بشر، ہشام بن حسان کے واسطے حضرت حسن سے مروی نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے روز زاہدین کے

---

(۱) قال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنا رجل سقط اسمه ، حدثنا حجاج بن محمد ، حدثنا ابو هلال محمد بن سليمان ، عن بكر بن عبدالله المزنی قال.

(۲) ورواه ابو سعيد بن الاعرابی، عن ابراهيم بن ابی الجحيم ، عن سليمان بن حرب ، عن ابی هلال بن بكر بنحوه

(۳) ثم قال ابن ابی الدنيا : حدثنا محمد بن علی بن الحسن بن سفيان حدثنا ابراهيم بن الاشعث، عن الفضيل بن عياض ، قال

سردار ہوں گے اور گناہوں سے بھاگنے والے لوگ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے۔

فرمایا ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر آرام فرما تھے اور اسی کو تکیہ بنا رکھا تھا اور نیند کی لذت پا چکے تھے۔ کہ وہاں سے ابلیس کا گذر ہوا اور کہنے لگا اے عیسیٰ علیہ السلام۔

اے عیسیٰ کیا تو نہیں سمجھتا کہ تو دنیا کی چیز کا خواہش مند نہیں؟ پھر یہ پتھر بھی تو دنیا کی چیز ہے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور پتھر لے کر شیطان کو دے مارا اور فرمایا یہ بھی دنیا کے ساتھ تیرے لئے ہے۔

معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے پاس گئے آپ کے جسم پر اون کا جبہ تھا اور ستر کو ڈھانکنے کے برابر شلوار تھی ننگے پاؤں تھے اور رو رہے تھے۔ پراگندہ بال تھے بھوک سے زرد رنگ ہو چکا تھا ہونٹ پیاس سے خشک تھے۔ تو آ کر فرمایا السلام علیکم اے بنی اسرائیل۔ میں وہ شخص ہوں جس نے دنیا کو اللہ کے حکم سے اس کے مرتبے میں اتار دیا ہے اور اس پر کوئی عجب و فخر نہیں ہے کیا تم جانتے ہو میرا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا اے روح اللہ آپ کا گھر کہاں؟ پھر فرمایا میرے گھر مساجد ہیں، میرا راستہ پانی پر ہے۔ میرا سالن بھوک ہے۔ اور میرا چراغ رات کا چاند ہے اور میرا اشعار رب العزت کا خوف ہے۔ میرے ہم نشین اپاہج و مساکین ہیں۔ میں صبح کرتا ہوں اور ان تمام کے باوجود میں دل سے خوش ہوں پراگندہ دل نہیں ہوں۔

تو کون مجھ سے زیادہ مالدار اور نفع مند ہوگا؟

ابن عساکر نے اس کو روایت کیا۔

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہ کہیں لوگ تیرے ٹھکانے کو نہ جان لیں پھر تجھ کو تکلیف پہنچے۔ پس میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم میں ہزار حوروں سے تیری شادی کروں گا اور چار سو سال تک تیرے ولیمے کی دعوت کروں گا۔

اور لیکن اس حدیث کا مرفوع ہونا (یعنی حضور سے منقول ہونا) غریب ہے اور شفی بن ماتع کی روایت سے موقوف ہو سکتی ہے اور شاید انہوں نے کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہو۔ یا کسی اور اسرائیلی سے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ کے واسطے سے خلف بن حوشب سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حوارین کو فرمایا۔

جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لئے حکمت (ودین) کو چھوڑ دیا ہے اسی طرح تم بھی ان کے لئے دنیا کو چھوڑ دو۔

قتادہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے پوچھو میں نرم دل ہوں اور اپنے آپ میں بہت چھوٹا کمتر ہوں۔

اسماعیل بن عیاش، عبداللہ بن دینار کے واسطے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حوارین کو فرمایا۔

جو کی روٹی کھاؤ اور خالص پانی پیو اور دنیا سے امن و سلامتی کے ساتھ نکل جاؤ۔ اور حق کی قسم میں تم کو بتاتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی ہے۔ اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے۔ اور اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں ہوتے۔ بے شک جو عالم اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دیتا ہو تمام لوگ اس کے برابر ہیں۔ اور اسی کے مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

ابو مصعب، مالک سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے اے بنی اسرائیل تم خالص پانی پیو اور سبزی اور جو کی روٹی اپناؤ۔ اور گندم کی روٹی سے بچو کیونکہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

ابن وہب، سلیمان بن بلال کے واسطہ حضرت یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے دنیا سے عبرت پکڑو اور

---

[1] وروی فی ترجمة محمد بن الولید بن ابان بن حبان ابی الحسن العقیلی المصری، حدثنا هانی بن المتو کل الا سکندرانی بعن حیوة بن شریح، حدثنی الولید بن ابی الولید، عن شفی بن ماتع عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ

اس کو آباد نہ کرو اور فرماتے تھے دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اور بدنگاہی دل میں شہوت کو پیدا کرتی ہے۔

وہب بن الورد بھی اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اور یہ اضافہ فرماتے ہیں:

اور بہت سی شہوات اپنے شہوت پرست کو طویل رنج وغم میں مبتلا کر دیتی ہے عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ اے کمزور ونا تواں ابن آدم تو جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈر اور دنیا میں مہمان بن کر رہ۔ اور مساجد کو اپنا گھر بنا۔ اور اپنی آنکھ کو رونا سکھا اور اپنے جسم کو صبر سکھا۔ اور اپنے دل کو فکر کی عادت ڈال۔ اور کل آئندہ کے رزق کی فکر نہ کر کیونکہ یہ خطا ہے۔

اور آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے مروی ہے فرمایا تم میں سے کوئی اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ سمندر کی موجوں کو اپنا گھر بنائے تو وہ پھر دنیا کو بھی جائے قرار نہ بنائے۔

شاعر کہتا ہے:

تمہارے گھر تلواروں کے سائے تلے ہیں

کیا سمندر کی موجوں پر ایسا گھر بنایا جاسکتا ہے جس کی بنیادیں مٹی کی ہوں

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عیسیٰ بن مریم نے فرمایا دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مومن کے دل میں اسی طرح اکٹھی نہیں ہو سکتی جس طرح پانی اور آگ ایک برتن میں اکٹھا نہیں ہوسکتا۔

ابراہیم حربی، داؤد بن رشید کے واسطے حضرت ابو عبداللہ صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

دنیا کا طالب سمندر کے پانی پینے والے کی طرح ہے۔ جس قدر زیادہ پیئے گا اسی قدر پیاس بڑھے گی حتیٰ کہ اس کو قتل کر ڈالے گی۔ حضرت عیسیٰ سے منقول ہے فرمایا شیطان دنیا کے ساتھ ہے اور اس کا مکر مال کے ساتھ ہے اور اس کی زیب وزینت خواہشات کے ساتھ ہے اور اس کا مکان شہوتوں کے ساتھ ہے۔ اعمش خیثمہ سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں کے لئے کھانا رکھتے تھے اور ان پر کھڑے ہو جاتے، اور فرماتے اس طرح مہمانوں کا اکرام کرو۔

عیسیٰ علیہ السلام سے ایک عورت نے کہا آپ کو اٹھانے والی گود کو بہت ہی مبارک وخوشخبری ہو اور آپ کو دودھ پلانے والے پستان بھی انتہائی با برکت ہیں، جو اللہ کی کتاب پڑھے اور اس کی اتباع کرے اور آپ نے فرمایا وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جو اپنے گناہوں پر روئے اور اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور اس کا گھر اس کے لئے کافی ہو۔

اور آپ نے فرمایا وہ آنکھ بھی خوش نصیب ہے جو سوگئی لیکن گناہ نہ کیا اور پھر بیداری کے بعد بھی گناہوں سے دور رہا۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی ایک مردار کے پاس سے گذرے تو لوگوں نے کہا اس کی بدبو کس قدر سخت ہے آپ نے فرمایا اس کے دانت کس قدر سفید ہیں مقصود یہ تھا کہ کسی کی برائی مت تلاش کرو اس کی اچھائی تلاش کرو۔

ابی الدنیا کی روایت[1] میں زکریا بن عدی سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے حواریین کی جماعت گھٹیا دنیا کے ساتھ راضی ہو جاؤ لیکن دین کی سلامتی چاہو جیسے کہ اہل دنیا گھٹیا دین کے ساتھ دنیا کی سلامتی ہوتے ہوئے راضی ہو گئے۔

زکریا اس بارے میں یہ اشعار بھی فرماتے ہیں۔

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ تھوڑے سے دین پر راضی ہو جاتے ہیں......

لیکن میں نہیں دیکھتا کہ وہ تھوڑی مالی عیش عشرت پر راضی ہوں......

لہٰذا دین لے کر بادشاہوں کی دنیا سے بے پرواہ ہو جاؤ جیسے بادشاہ اپنی دنیا کے ساتھ دین سے بے پرواہ ہو گئے۔ ابو مصعب، مالک سے نقل کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) وقال ابو بکر بن ابی الدنیا: حدثنا الحسین بن عبدالرحمن، عن زکریا بن عدی قال:

اللہ کے ذکر کے بغیر بات زیادہ مت کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور بے شک سخت دل اللہ سے دور ہے لیکن تم کو علم نہیں۔ اور بندوں کے گناہوں میں یوں مت دیکھو کہ تم سردار اور ان کے بڑے ہو بلکہ یوں نظر پڑے (اگر پڑے بھی تو) کہ گویا تم غلام ہو۔ کیونکہ تمام لوگ دو قسموں پر ہیں۔

یا تو اہل معصیت ہیں یا اہل عافیت ہیں اہل مصیبت۔ پر رحم کرو (کیونکہ وہ مبتلائے مصیبت ہیں) اور اہل عافیت پر اللہ کی حمد کرو۔

ثوری کہتے ہیں:

فردوس کی طلب (کا استحقاق) جو کی روٹی کھانے اور کتوں کے ساتھ جانوروں کے باڑے میں سونے میں ہے۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک ریت کے ساتھ جَو کھانے اور کتوں کے ساتھ جانوروں کے باڑوں میں سونے والے کو فردوس طلب کرنے کی گنجائش ہے۔

(۱) مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے لئے عمل کرو اور اپنے شکموں کے لئے عمل نہ کرو۔ دیکھو ان پرندوں کو صبح شام کرتے ہیں نہ کھیتی کرتے ہیں نہ کھاتے ہیں پھر بھی اللہ ان کو رزق مہیا فرماتا ہے پس اگر تم کہو کہ ہمارے تو پرندوں سے بڑے پیٹ ہیں تو ان وحشی نیل گایوں اور گدھوں کو دیکھ لو یہ بھی صبح شام کرتے ہیں نہ کھیتی کرتے ہیں نہ کھاتے ہیں پھر بھی اللہ ان کو رزق دیتا ہے۔

(۲) ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ سے حواریین نے عرض کیا اے مسیح اللہ آپ اللہ کی مسجد کی طرف دیکھئے کس قدر حسین ہے۔ فرمایا آمین آمین۔ اس حق کی قسم جو میں تم کو کہہ رہا ہوں کہ اللہ ان مسجدوں کے کسی حجرے کو کبھی ہلاک نہ فرمائیں مگر اس کے اہل کے گناہوں کی وجہ سے۔ اللہ عز و جل ان سونے چاندیوں کے ساتھ چیزوں کو نہیں بناتے نہ ہی ان خوبصورت پتھروں کے ساتھ۔ بلکہ اللہ کے نزدیک تو سب سے پسندیدہ چیز پاکیزہ قلوب ہیں۔ انہی کی وجہ سے اللہ زمین کو آباد فرماتا ہے انہی کی خرابی کی وجہ سے زمین کو برباد فرماتا ہے۔

(۳) ابن عساکر کی روایت میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ویران بستی کے پاس سے گذرے۔ وہاں کی عمارتیں آپ کو پسند آئیں تو دعا کی اے پروردگار اس بستی کو حکم دیجئے کہ میری باتوں کا جواب دے تو اللہ نے بستی کو وحی فرمادی کہ عیسیٰ کی باتوں کا جواب دے تو بستی نے کہا اے عیسیٰ مجھ سے پوچھئے کیا ارادہ ہے آپ کا؟ فرمایا تیری نہروں کا کیا ہوا درختوں کا کیا ہوا؟ محلات کا کیا ہوا؟ اور تیرے باشندے کہاں ہیں؟ تو بستی گویا ہوئی اے میرے حبیب عیسیٰ علیہ السلام تیرے رب کا حق وعدہ آ گیا تھا۔ جس سے درخت بھی گئے اور نہریں بھی خشک ہو گئیں۔ میرے محلات ویران ہو گئے اور میرے باشندے مر گئے۔ فرمایا پھر تیرے اموال کہاں گئے؟ عرض کیا میرے باشندوں نے وہ اموال حلال حرام ہر طرح سے جمع کئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تین لوگوں پر تعجب ہے۔

ایک وہ شخص جو دنیا کا طلب گار ہو جبکہ موت اس کی طلبگار ہے۔

دوسرا وہ شخص جو محلات کا بنانے والا ہے جبکہ قبر اس کا ٹھکانا ہے۔

تیسرا وہ شخص جو منہ پھاڑ کر ہنسے جبکہ جہنم اس کے آگے ہے۔

ابن آدم تو نہ زیادہ کے ساتھ سیر ہوتا ہے نہ تھوڑے پر قناعت کرتا ہے۔ بلکہ تو اپنے مال کو ایسے شخص کے لئے جمع کرتا ہے جو تیری تعریف نہ کرے اور تو ایسے رب کے پاس جا رہا ہے جو تیری معذرت کو قبول نہ کرے گا۔ تو تو بس اپنے پیٹ اور شہوت کا بندہ ہے۔ تیرا پیٹ تبھی بھرے گا جب تو قبر میں داخل ہو گا اور تو اے ابن آدم اپنا مال غیر کے ترازو میں دیکھے گا۔

یہ حدیث بہت ہی غریب ہے مگر اس میں عمدہ نصیحتیں ہیں جس کی وجہ سے ہم نے اس کو لکھ دیا۔

---

(۱) وقال عبدالله بن مبارک : انبانا سفیان ، عن منصور ، عن سالم بن ابی الجعد

(۲) وقال صفوان بن عمرو : عن شریح بن عبدالله ، عن یزید بن میسرہ

(۳) وقال الحافظ ابو القاسم بن عساکر فی تاریخه اخبرنا ابومنصور احمد بن محمد الصوفی ، اخبر تنا عائشه بنت الحسن بن ابراهیم الورکانیه ، قالت : حدثنا ابومحمد عبدالله بن عمر بن عبدالله بن الهیثم املاء حدثنا الولید بن ابان املاًحدثنا احمد بن جعفر الرازی ، حدثنا سهیل بن ابراهیم الحنظلی حدثنا عبدالوهاب بن عبد العزیز ، عن المعتمر ، عن مجاهد ، عن ابن عباس ، عن النبی ﷺ

ثور بن زید، عبدالعزیز بن ظبیان سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور عمل کیا تو وہ آسمان کے فرشتوں میں عظیم شخص پکارا جاتا ہے۔

ابو کریب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ایسے علم میں کوئی خیر نہیں جو تجھے (جہنم کی) وادی پار نہ کرا سکے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے غریب اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

اے حواریین کی جماعت حاکم وفیصل، نااہل کو مت بناؤ۔ پھر ظلم کریں اور تم ان کو روک نہ سکو پھر درحقیقت تم ہی ظالم ہو گے۔ اور معاملات تین قسم کے ہیں ایک وہ جو بالکل ظاہر ہو تو اس کی اتباع کرو دوسرا معاملہ وہ ہے جو پوشیدہ ہو اس سے اجتناب کرو۔

اور وہ معاملہ جس میں اختلاف ہو تو اس کا علم اللہ کے سپرد کر دو۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے خبر دی کہ ایک شخص کے واسطے سے حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہیرے خنزیر کو نہ دو وہ اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اسی طرح حکمت ایسے شخص کو نہ دو جو اس کو نہ چاہتا ہو کیونکہ حکمت ہیرے سے بہتر ہے اور جو اس کو نہ چاہتا ہو وہ خنزیر سے بھی بدتر ہے۔ اسی طرح وہب وغیرہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے اصحاب کو فرمایا تم زمین کا نمک ہو جب تم خراب ہو گئے تو تمہارے لئے کوئی دوا نہیں ہے۔ اور تمہارے اندر جہالت کی دو خصلتیں ہیں ایک بغیر تعجب کے ہنسنا اور بغیر شب بیداری کے صبح کرنا۔

اور آپ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فتنے میں مبتلا شخص کون ہے؟ فرمایا پھسلا ہوا عالم کیونکہ جب عالم بھی پھسل گیا تو اس کی وجہ سے بہت سا عالم پھسل جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علماء کو ایک مرتبہ فرمایا۔

اے علماء بد! تم نے دنیا کو اپنے سر پر رکھ لیا ہے اور آخرت کو اپنے قدموں تلے رکھ لیا ہے تمہارے اقوال تو شفاء ہیں لیکن تمہارے اعمال بیمار ہیں تمہاری مثال ایلوے کی ہے دیکھنے میں اچھا کھانے میں زہر قاتل۔

وہب نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

اے علماء بد! تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہوئے ہو نہ تم خود داخل ہوتے ہو نہ مساکین کو بلاتے ہو کہ وہی داخل ہو جائیں۔ بے شک لوگوں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ عالم ہے جو دنیا کو اپنے علم کے ذریعے طلب کرے۔

مکحول کہتے ہیں: یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے مصافحہ کیا تو وہ ہنس رہے تھے یحییٰ نے پوچھا اے خالہ زاد کیا بات ہے میں آپ کو ہنستا دیکھ رہا ہوں گویا آپ مطمئن ہو چکے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور کیا بات ہے کہ میں آپ کو ترش رو دیکھ رہا ہوں گویا ناامید ہو چکے ہیں؟ تو اللہ نے دونوں کو وحی فرمائی تم میں میرے قریب زیادہ وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ قرب میں جلدی کرنے والا ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک قبر کے پاس کھڑے تھے اور جنازے کو اندر اتارا جا رہا تھا لوگ کہنے لگے قبر تنگ ہے فرمایا تم پہلے اس سے بھی تنگ جگہ میں عرصہ گذار چکے ہو وہ تمہاری ماؤں کے رحم تھے۔ تو جب اللہ نے چاہا وسیع کر دیا۔

ابو عمر ضریر کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت کا تذکرہ کرتے تو خون آپ کے جسم سے ٹپکتا تھا۔ الغرض اس قسم کے وعظ ونصائح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت منقول ہیں ابن عساکر نے ایک بہت اچھا ذخیرہ انکا نقل فرمایا ہے ہم نے ان سے کچھ آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔

والله الموفق للصواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ اور سولی کے دعویٰ میں یہود ونصاری کے جھوٹ کا بیان

اور وہ (یعنی یہود) قتل عیسیٰ کے لئے خوب چال چلے اور خدا بھی عیسیٰ کو بچانے کے لئے چال چلے اور خدا خوب چال چلنے والا ہی ہے۔
اس وقت خدا نے فرمایا عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کردوں گا۔ اور جولوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک فائز وغالب) رکھوں گا پھر تم سب میرے پاس لوٹ آؤ گے۔ تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں اس کا فیصلہ کردوں گا۔ (آل عمران ۵۴۔۵۵)
لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا تو ان کے عہد توڑنے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دل پر پردے ہیں خدا نے ان کو مردود کردیا۔ اور اس کے کفر کے سبب اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کردیا ہے (خدا نے ان کو ملعون کردیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جولوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پیروی کے سواء ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے یقیناً عیسیٰ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھایا ہے اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان سے پہلے ان پر ایمان لے آئیگا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ (النساء: ۱۵۵۔۱۵۹)
تو اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ آپ نیند میں تھے کہ آپ کو اٹھالیا گیا۔ اور ان یہود سے آپ کو چھٹکارا دلادیا جو آپ کو اذیت وقتل کے درپے تھے اور کس ظالم بادشاہ کی پشت پناہی ان کو حاصل تھی؟
حسن بصری اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بادشاہ کا نام داؤد بن نورا تھا اس نے آپ کے قتل کا حکم جاری کیا تھا پھر لوگوں نے آپ کو بیت المقدس میں گھیر لیا اور یہ جمعہ کے دن کی شام تھی۔ اور ہفتے کی رات تھی۔ تو جب ان کے دخول کا وقت ہوا تو آپ کے ساتھیوں میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت اتاردی گئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالئے گئے۔ اور گھر والے آپ کو اٹھتا دیکھ رہے تھے۔ پھر بادشاہ کے کارندے اندر داخل ہوئے تو ایک جوان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دیکھا تو اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر اٹھالیا اور اس کو سولی چڑھادیا اور کانٹے اس کے سر پر بطور اہانت کے رکھ دیئے۔ اور عام نصاری جنہوں نے حقیقت حال نہ دیکھی تھی وہ بھی یہود کی بات پر متفق ہوگئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دیدی گئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
نہیں ہیں بعض اہل کتاب مگر وہ آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئیں گے۔
یعنی جب آپ دوبارہ زمین پر اتریں گے تو حقیقت حال پر ایمان لے آئیں گے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے سولی نہیں دیئے گئے تھے۔
اور آپ آکر صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور کافروں پر جزیہ واپس کریں گے اور صرف اسلام کو قبول کریں گے۔ اور اس تمام تفصیل کو ہم اپنی تفسیر میں اس سورت کے تحت اسی مذکورہ آیت کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح کتاب الفتن والملاحم میں دجال کا ذکر، مسیح مہدی کے ذکر کے تحت بیان کیا گیا ہے۔
(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلانا چاہا تو آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر میں آئے اور آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے آپ کے سر سے کچھ لال قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم میں سے کون ہے جس کو میری شکل دیدی جائے اور پھر وہ میرے بدلے قتل کردیا جائے تو وہ جنت میں میرے درجے میں میرے ساتھ ہوگا تو ایک نوجوان شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا میں حاضر ہوں۔ آپ نے

(۱) قال ابن ابی حاتم ،حدثنا احمد بن سنان ،حدثنا ابو معاویة، عن المنهال بن عمرو ، عن سعید بن جبیر عن ابن عباس

ان کو بٹھایا اور پھر پوچھا لیکن پھر وہی شخص کھڑا ہوا پھر آپ نے فرمایا ہاں آپ ہی وہ ہیں۔ تو پھر اس جوان کی شکل حضرت عیسیٰ والی ہوگئی اور حضرت عیسیٰ گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

پھر یہود آئے اور انہوں نے آپ کی شبیہ کو پکڑا قتل کیا اور سولی چڑھا دیا پھر ان بارہ میں سے ایک نے آپ کو بارہ مرتبہ جھٹلایا اور پہلے یہ ایمان لا چکا تھا۔ اور پھر یہ تین فرقوں میں بٹ گئے ایک نے کہا حضرت عیسیٰ ہم میں رہے جب تک چاہا رہے پھر اللہ نے ان کو اٹھالیا یہ یعقوبیہ فرقہ تھا ایک نے کہا وہ ہم میں اللہ کے فرزند تھے جب تک چاہا۔ پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس اٹھالیا یہ نسطوریہ فرقہ تھا ایک نے کہا یہ ہمارے اندر اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے جب تک چاہا رہے پھر اللہ نے ان کو اٹھالیا۔ یہ مسلمان فرقہ تھا۔ پہلے دونوں فرقوں نے مل کر ان کو قتل کر دیا اور اسلام برابر مغلوب رہا پھر جب اللہ نے محمد ﷺ کو بھیجا تو تب اسلام دوبارہ نو پید ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے

پھر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (الصف ۱۴)[1]

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل سے اپنی عمر بڑھانے کے متعلق سوال کرتے رہے تا کہ دعوت و رسالت کو مکمل کر لیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ دین الٰہی میں داخل ہو جائیں کہا گیا ہے آپ کے پاس بارہ حواری تھے۔ پطرس، یعقوب بن زبدا، یحنس یعقوب کا بھائی، اندراوس، فلیبس، ابرثلما۔ متی، توماس، یعقوب بن حلقیا، تداوس، فتاتیا، یودس کریا یوطا، یہی یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک لے جانے والا تھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان میں ایک شخص سرجس نامی اور تھا جس کو نصاریٰ نے چھپالیا اور اسی شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈالی گئی تھی۔ جس کی بناء پر اس کو سولی چڑھا دیا گیا۔ اور بعض نصاریٰ فرماتے ہیں وہ سولی چڑھنے والا شخص یودس بن کریا یوطا تھا۔ واللہ اعلم۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو خلیفہ بنایا تھا اور یودس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔

احمد بن مروان کہتے ہیں ہمیں محمد بن الجہم نے کہا کہ میں نے فراء کو اس آیت ومکروا ومکر اللہ کے تحت فرماتے سنا کہ حضرت عیسیٰ اپنی خالہ سے ایک زمانہ تک غائب رہے پھر ان کے پاس تشریف لائے تو جالوت یہودی سردار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احاطہ کر کے کھڑا ہو گیا اور دوسرے اس کے ساتھی بھی اکٹھے ہو گئے پھر انہوں نے دروازہ توڑ ڈالا اور جالوت سردار اندر داخل ہوا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑے لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ واپس مڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا میں تو ان کو دیکھ نہیں سکا اور اس کے ساتھ تلوار ننگی لٹکی ہوئی تھی۔ تو اس کے ساتھیوں ہی نے اس کو پکڑا اور قتل کر کے سولی چڑھا دیا اسی کو اللہ نے فرمایا۔

اور انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ ہی سولی چڑھایا بلکہ ان کے لئے ایک پر شکل ڈال دی گئی تھی۔

[2] ابن منبہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سترہ ساتھیوں سمیت ایک گھر میں تھے تو کافروں نے آپ سب کا احاطہ کر لیا جب کافر اندر داخل ہوئے تو اللہ نے سب ساتھیوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی۔ تو وہ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر کہنے لگے کہ تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے اب یا تو اصلی عیسیٰ ہمارے پاس آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا آج کون اپنی جان جنت کے بدلے فروخت کرتا ہے؟ ایک نے کہا میں ہوں۔ تو وہ شخص کافروں کے پاس آیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں اور اس کو اللہ نے حضرت عیسیٰ کی صورت پہنا دی تھی۔

تو کافروں نے اسی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی چڑھا دیا تب سے وہ خوش گمان خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جب کہ اللہ

---

(۱) رواہ النسائی عن ابی کریب، عن ابی معاویہ بہ نحوہ ورواہ ابن جریر عن مسلم بن جنادہ عن ابی معاویہ۔ وھکذا ذکر غیر واحد من السلف، وممن ذکر ذلک مطولا محمد بن اسحاق بن یسار،

(۲) وقال ابن جریر۔ حدثنا ابن حمید، حدثنا یعقوب القمی، عن ھارون بن عنترۃ، عن وھب بن منبہ۔ قال ابن جریر وحدثنا المثنی، حدثنا اسحاق، حدثنا اسماعیل بن عبدالکریم حدثنی عبدالصمد بن معقل انہ سمع وھبا یقول

نے تب سے ان کو اپنے پاس اٹھالیا تھا۔

وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ان کی موت کی اطلاع دی تو آپ کو سخت رنج والم ہوا آپ نے پھر حواریین کو بلایا اوران کے لئے کھانا تیار کیا اور فرمایا کہ تم رات کو میرے پاس آؤ تم سے ایک کام ہے۔ تو سب آ گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھانا کھلایا اوران کی آؤ بھگت کی۔

پھر جب حواری کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان کے ہاتھ دھلوائے اور خودان کو وضو کرایا، اور خود کپڑے کے ساتھ ان کے ہاتھوں کو صاف کیا، تو یہ بات حواری لوگوں پر شاق گزری اور انھوں نے کچھ ناگواری محسوس کی، تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا جس نے آج رات میری خدمت میں سے کسی کام کو لوٹایا تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور نہ میں اس سے ہوں، پھر جب آپ ان کی خاطر تواضع سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جو کچھ آج رات میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تمہارے ہاتھ دھلوائے کھانا کھلوایا وغیرہ، یہ اس لئے کیا تا کہ تم اس کو اپنا اسوۂ حسنہ بنالو، کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ میں تم میں بہتر ہوں لہذا تم ایک دوسرے پر غصہ مت کرنا، اور ایک دوسرے پر اپنا مال خدمت خرچ کرنا، جیسے میں نے اپنی جان تم پر خرچ کی، اور اصل بات جو میں نے کہا تھا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے وہ یہ ہے کہ میرے لئے تم اللہ کی دعوت وتبلیغ کرو اور خوب گریہ وزاری سے دعا کرو کہ اللہ میری عمر میں اضافہ فرمادے۔

تو سب آپ کے لئے خوب دعا کرنے لگے لیکن ان کو نیند نے پکڑنا شروع کیا اور وہ سست پڑنے لگے مگر آپ ان کو مزید ترغیب دلاتے رہے اور فرماتے سبحان اللہ: کیا تم میرے لئے ایک رات بھی صبر نہیں کر سکتے جس میں تم دعا کر کے میری مدد کرو، تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم کو علم نہیں کہ ہمارے لئے کیا شئے مفید ہے؟ اللہ کی قسم ہم تو راتوں کو قصہ گوئی کرتے تھے اور بہت بہت رات اس میں گزارتے تھے مگر پتہ نہیں آج ہم میں اس کی طاقت کیوں نہیں رہی؟ اور ہم دعا کی کوشش کرتے ہیں تو کوئی شئے ہمارے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا چرواہا جا رہا ہے اور بکریاں بکھر رہی ہیں اور آپ اسی قسم کا کلام فرماتے رہے جس کا مطلب تھا کہ میں جا رہا ہوں پتہ نہیں میرے بعد تمہارا کیا حال ہو گا؟

پھر فرمایا: بالکل حق اور سچ بات ہے کہ تم میں ایک شخص اس سے پہلے پہلے کہ مرغ تین مرتبہ اذان دے وہ میری تکفیر کرے گا، اور تم میں سے ایک شخص چند تھوڑے سے دراھم کے بدلے مجھے فروخت کر ڈالے گا اور میرے بدلے کے پیسے کھائے گا۔

پھر اصحاب عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکلے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے، اور یہود آپ کو طلب وتلاش کر رہے تھے تو انھوں نے آپ کے حواریوں میں ایک شخص شمعون نامی کو پکڑا اور کہنے لگے یہ اس کا ساتھی ہے لیکن شمعون نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کے ساتھیوں میں سے نہیں ہوں پھر انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، پھر دوسرے لوگوں نے شمعون کو پکڑا ان کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح انکار کر دیا، اور پھر مرغ کی آواز سنائی دی تو شمعون رو پڑا اور انتہائی رنجیدہ ہوا پھر صبح کی تو حواریوں میں سے ایک شخص یہود کے پاس آیا اور کہا تم مجھے کیا دو گے اگر میں عیسیٰ کا پتہ تمہیں بتاؤں؟ تو یہود نے تیس دراھم مقرر کئے جو اس حواری نے لے لئے اوران کو حضرت عیسیٰ کا پتہ بتادیا، پھر اللہ نے ایک پر حضرت عیسیٰ مسیح کی شکل ڈال دی اور یہود نے اسی کو پکڑ لیا اور رسیوں سے باندھ دیا اور پھر گھسیٹنے لگے اور کہتے کہ تو تو مردوں کو زندہ کرتا تھا، شیطان کو جھڑکتا تھا اور مجنوں بیماروں کو شفاء دیتا تھا اب اپنی یہی رسی کیوں نہیں تڑوا سکتا، پھر یہود اس پر تھوک پھینکنے لگے اور بطور ذلت اس کے سر پر کانٹے پھینکے، پھر ایک لکڑی کے پاس لائے اور اس کو سولی دیدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح کو اللہ نے اپنے پاس اٹھالیا، اور آپ کی شبیہ والا شخص سات یوم تک سولی پر رہا۔

پھر ان کی والدہ اور ایک وہ عورت جس کا حضرت عیسیٰ علاج کیا کرتے تھے اللہ نے اس کو جنون سے بری فرمادیا، پھر وہ دونوں عورتیں روتی ہوئی سولی چڑھے شخص کے پاس آئیں اور حضرت عیسیٰ ان کے پاس (کسی بھی طرح) آئے اور پوچھا کس وجہ سے رو رہی ہو؟ کہا آپ پر فرمایا مجھے اللہ نے اپنے پاس اٹھالیا ہے اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور یہ شخص میری شکل والا ہو گیا ہے۔

پھر آپ نے اپنے حوارین کو حکم فرمایا کہ مجھ سے فلاں جگہ ملاقات کریں تو سب اس جگہ اکٹھے ہوئے اور یہ گیارہ اشخاص تھے اور ایک حضرت عیسیٰ کا پتہ بتا کر پیسے کمانے والا گم تھا اس کے متعلق پوچھا گیا تو ساتھیوں نے کہا وہ اپنے کئے پر نادم وپشیمان ہے اور اس نے خود اپنے لئے اس کی سزا تجویز کی اور گلا گھونٹ کر مر گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ شخص توبہ تائب ہوتا تو اللہ بھی اس کو معاف کر دیتا، پھر آپ نے اس لڑکے کے متعلق معلوم کیا جو آپ کے پیچھے رہتا تھا اور اس کو یحییٰ کہا جاتا تھا تو پھر فرمایا وہ تو تمہارے ہی ساتھ ہو گا، پس اب چلو تم میں ہر شخص اس طرح صبح کرے کہ اپنی

قوم کی بے وقوفی پر ان کو ڈرائے اور ان کو چھوڑ دے۔

لیکن یہ اسناد عجیب وغریب ہے لیکن یہ اس سے پھر بھی صحیح ہے جس کو ملعون نصاری نے ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ حضرت مسیح اپنی والدہ کے پاس آئے آپ رو رہی تھیں اور قریب ایک بچھڑا تھا پھر آپ مسیح علیہ السلام نے اپنے جسم پر میخوں کے نشانات دکھلائے اور بتایا کہ امی جان میری روح تو پہلے ہی چلی گئی تھی پھر بعد میں صرف میرے جسم کو سولی دیدی گئی۔

اور یہ عظیم بہتان اور کذب وافتراء اور تحریف وتبدل ہے اور انجیل میں باطل زیادتی ہے اور حق کیخلاف بات ہے۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن حبیب کے طریق سے نقل کیا ہے کہ مریم علیہا السلام نے مصلوب شخص کے متعلق بادشاہ سے سوال کیا کہ اس کو اتار دیا جائے جبکہ اس کو سات دن ہو چکے تھے اور آپ گمان کر رہی تھیں کہ یہ حضرت عیسیٰ میرے لخت جگر ہی ہیں، تو بادشاہ نے اجازت دیدی اور پھر اس جسم کو دفن کیا گیا، پھر حضرت مریم نے ام یحییٰ کو کہا تم ہمارے ساتھ نہ چلوگی ہم مسیح کی قبر کی زیارت کر آئیں تو دونوں چل پڑیں جب قبر کے قریب ہوئیں تو ام عیسیٰ نے ام یحییٰ کو فرمایا کیا تم پردہ نہیں کرتی اس شخص سے جو قبر کے قریب ہے؟ کہا میں تو کسی کو نہیں دیکھ رہی؟ تو حضرت ام عیسیٰ نے فرمایا تو ہوسکتا ہے یہ جبرئیل ہوں پھر آپ آگے بڑھیں اور ام یحییٰ پیچھے ٹھہر گئیں حضرت جبرئیل نے حضرت مریم سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مسیح کی قبر کی زیارت کو آئی ہوں فرمایا یہ مسیح کی قبر نہیں ہے مسیح کو تو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا ہے اور اس جوان پر مسیح کی شکل اتاری گئی تھی، اور اس بات کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص دنیا سے گم ہے، اور دوسری علامت یہ کہ جب فلاں دن آئے تو فلاں جگہ چلی جانا۔

تو پھر حضرت ام عیسیٰ نے واپس آکر حضرت ام یحییٰ کو سب خبر دی اور جب وقت مقررہ آیا تو متعین جگہ پر حضرت عیسیٰ حضرت ام عیسیٰ کو مل گئے حضرت عیسیٰ فوراً آئے اور اپنی ماں کا ماتھا چوما اور ان کے لئے دعا کی اور فرمایا اے ماں مجھے تو اللہ نے اپنے پاس اٹھالیا ہے اور اب میری آپ کی ملاقات آگے ہوگی اور موت آپ کے قریب آچکی ہے لہذا صبر کریں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کریں پھر عیسیٰ علیہ السلام واپس چلے گئے اور اس کے بعد دنیا میں دونوں کی ملاقات نہ ہوئی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ مریم علیہ السلام حضرت عیسیٰ کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور حضرت مریم کی جب وفات ہوئی تو ان کی عمر ترپن سال تھی، رضی اللہ عنہا وارضاھا

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ کی عمر جب وہ اٹھائے گئے چونتیس سال تھی، اور حدیث میں ہے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے بدن پر بال نہ ہوں گے (یعنی جس طرح خوبصورت جواں سال لڑکا ہوتا ہے اس طرح ان کے ڈاڑھی مونچھ اور نیچے بدن پر بال نہ ہوں گے) اور جوان لڑکے ہوں گے، سرگیں آنکھیں ہوں گی اور ۳۳ سال کے جواں لڑکے ہوں گے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو عیسیٰ کی عمر اور یوسف کے حسن پر ہوں گے۔

اور یہی حضرت حماد بن سلمہ نے علی بن زید کے واسطے سے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے گئے تو آپ کی عمر مبارک تینتیس سال تھی۔

[1] اور مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے خبر دی کہ میرے بعد کوئی نبی ایسا نہ آئے گا جس کو نبوت بعد میں ملے سوائے اس شخص کے جس کی نصف عمر باقی رہ گئی ہے پہلی عمر سے۔

اور حضرت فاطمہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے مجھے یہ بھی خبر دی کہ عیسیٰ بن مریم کی ایک سو بیس سال زندگی ہے اور (اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساٹھ سال زندگی بیت چکی ہے اور آپ جب اٹھائے گئے تو ساٹھ سال عمر تھی) یہ فسویٰ کے الفاظ ہیں اور حدیث غریب ہے، اس وجہ سے پہلی روایات کے مقابل نہیں۔ چونکہ پھر حضرت ابن عساکر فرماتے ہیں کہ صحیح بات ہے کہ حضرت عیسیٰ اس قدر عمر تک نہیں جئے بلکہ آپ کا ارادہ ہوگا حضرت عیسیٰ اپنی امت میں کل اتنی عمر ٹھہرے جیسے سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار کے واسطے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کرتے

---

(۱) رواہ الحاکم فی مستدرکہ و یعقوب بن سفیان الفسوی فی تاریخہ، عن سعید بن ابی مریم عن نافع بن یزید عن عمارۃ بن غزیہ عن محمد ابن عبداللہ بن عمرو بن عثمان أن امہ فاطمۃ بنت الحسین حدثتہ ان عائشہ کانت تقول اخبرتنی فاطمۃ

ہیں کہ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیل میں چالیس سال رہے اور یہ منقطع روایت ہے اور جریر اور ثوری اعمش سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی قوم میں چالیس سال ٹھہرے۔

اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بائیس رمضان کی رات کو آسمان پر اٹھالئے گئے، اور تقریباً اسی رات میں حضرت علی نیزہ لگنے کے پانچ دن بعد انتقال فرما گئے اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو حضرت عیسیٰ کے پاس ایک بادل آیا اور وہ آپ کے قریب ہو گیا آپ اس پر بیٹھ گئے اور حضرت مریم علیہ السلام نے آ کر ان کو الوداع کیا اور روئیں اور آپ دیکھتی رہیں اور حضرت عیسیٰ نے اپنا عمامہ اتار کر شمعون پر ڈال دیا اور آپ کی والدہ مریم علیہ السلام آپ کو ہاتھ ہلا ہلا کر رخصت فرمانے لگیں حتیٰ کہ آپ ان سے غائب ہو گئے اور مریم علیہ السلام آپ سے بہت سخت محبت کرتی تھیں اس لئے کہ ان کو دونوں جانبوں کی محبت ایک جانب یعنی والدہ کی طرف آ گئی تھی اور حضرت مریم آپ سے سفر و حضر میں کبھی جدا نہ ہوئی تھیں۔

اور اسحاق بن بشر، مجاہد بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ یہود نے جب اس شخص کو سولی دی تو جس کو وہ مسیح خیال کر رہے تھے اور اکثر نصاریٰ نے بھی اپنے جہل کی وجہ سے ان کی حمایت کی تھی تو اس کے بعد وہ یہود آپ کے ساتھیوں پر پل پڑے اور ان کو مار اقتل کیا اور قید کیا پھر ان کی خبر روم کے بادشاہ کو پہنچی جو اس وقت ملک دمشق کا بھی بادشاہ تھا تو اس بادشاہ کو کہا گیا کہ یہود نے ایک شخص اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا وہ شخص انکا رسول تھا۔ مردوں کو زندہ کرتا تھا اور اندھوں اپاہجوں کو بری کرتا تھا اور عجائب عجائب امور اس سے ظہور پذیر ہوتے تھے تو یہود نے اس پر بھی ظلم کیا اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے ساتھیوں کی تذلیل و توہین کی اور ان کو قید میں ڈال دیا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے ان کو پیغام بھیجا اور تمام قیدی بلوائے تو وہ بھیج دیئے گئے ان میں حضرت یحییٰ بن زکریا اور شمعون اور ایک جماعت تھی، بادشاہ نے ان سے مسیح کی خبر پوچھی تو انھوں نے تمام خبر تفصیل سے بتائی، تو بادشاہ کو ان کا دین پسند آیا اور ان لوگوں کی بیعت کی اور ان کے کلمے کو بلند کیا اس طرح دین حق یہود پر غالب آ گیا، اور مصلوب شخص کی طرف آدمی بھیجے اس کو اتارا گیا اور اس لکڑی کو بھی منگوایا جس پر ان کو سولی دی گئی پھر لکڑی کی بادشاہ نے انتہائی تعظیم کی اور تب سے نصاریٰ صلیب (یعنی سولی والی لکڑی) کی تعظیم کرتے ہیں اور تبھی سے دین مسیحی روم میں داخل ہوا۔ لیکن اس روایت میں کئی وجوہ سے نظر ہے۔
اول:...... یہ کہ حضرت یحییٰ بن زکریا اس بات کے قائل ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی وہ حق کو خوب جانتے ہیں کیونکہ گناہ سے معصوم ذات ہے۔
دوم:...... اہل روم دین مسیحی میں حضرت عیسیٰ کے تین سو سال بعد داخل ہوئے اور یہ قسطنطین بن قسطن کا زمانہ تھا جس نے قسطنطنیہ شہر بنایا جو اس کے نام سے منسوب ہے۔
سوم:...... جب اس شخص کو سولی دیدی گئی پھر کئی دن بعد لکڑی سمیت اس کو نیچے دبا دیا گیا اور یہود نے اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا اور یہ جگہ نجاست کا مرکز رہی۔ پھر جب قسطنطین کا زمانہ آیا تو اس بادشاہ کی ماں ہیلانہ الحرانیہ القندقانیہ نے اس شخص کو اس گندے ملبے کے نیچے سے نکلوایا اور اعتقاد کیا کہ یہ عیسیٰ مسیح ہے۔

اور ساتھ میں لکڑی بھی پائی تو لوگ ذکر کرتے ہیں کہ کوئی بیمار شخص بھی اس کو چھوتا تو وہ شفایاب ہو جاتا واللہ اعلم یہ حقیقت ہوئی ہے یا نہیں کیونکہ یہ شخص خواہ عیسیٰ نہ ہو لیکن تھا صالح مرد یا ہو سکتا ہے یہ تمام باتیں نصاریٰ نے اپنے دین کو پختہ کرنے کے لئے بنائی ہوں حتیٰ کہ اس لکڑی کی انتہائی تعظیم کرنے لگے تب سے نصاریٰ میں صلیب کی نشانی رواج پکڑی ہے۔

تو اس ہیلانہ الحرانیہ نے اس جگہ سے کوڑا کرکٹ اٹھوایا اور اس جگہ کو انتہائی صاف ستھرا کر کے وہاں کنیسہ تعمیر کیا اور خوب شان و شوکت کے ساتھ اس کو آراستہ کیا، اور اب تک اس شہر میں یہ کنیسہ آباد ہے جس کو قمامہ کہا جاتا ہے اس کو قیامت بھی نام رکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ اس جگہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا جسد اطہر ہے پھر ام ملک ہیلانہ نے انتقام کی خاطر حکم دیا کہ اب کوڑا کرکٹ اس صخرہ (چٹان) پر ڈالا جائے جو بیت المقدس میں ہے اور یہود کا قبلہ ہے، پھر اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح فرمایا تو وہاں سے تمام کوڑا کرکٹ صاف کروایا حتیٰ کہ خود اپنی چادر سے وہاں کی صفائی کی۔ جہاں رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات نماز ادا فرمائی اور وہ مسجد بیت المقدس ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اور خصوصیات

فرمان الٰہی:

''نہیں تھے (اور کچھ) مسیح ابن مریم مگر رسول۔ ان سے پہلے رسول گزر چکے اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔'' (سورۃ المائدہ:۷۵)

آپ کو مسیح کہنے کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ آپ نے زمین پر بہت زیادہ سفر کیا، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کی غرض سے مختلف جگہوں میں پھرے، کیونکہ یہودی آپ کی بہت زیادہ تکذیب کرتے تھے اور آپ پر طرح طرح کی الزام تراشی بھی کرتے تھے آپ کی والدہ کو بھی تہمت کا نشانہ بناتے تھے۔

مسیح کہنے کی دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ آپ کے دونوں قدموں کے نچلے حصے بالکل برابر اور سپاٹ تھے۔

فرمان الٰہی ہے:

''پھر ہم نے ان (رسولوں) کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، جو اپنے سے پیشتر تورات (کے احکامات) کی تصدیق کرنے والے تھے، اور ہم نے آپ کو انجیل دی، اس میں ہدایت اور نور کی باتیں تھیں۔'' (سورۃ المائدہ:۴۶)

فرمان الٰہی ہے:

''اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعے ان کی تقویت کی۔'' (سورۃ البقرہ:۸۷)

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ اور صحیحین میں ہے۔

''نہیں ہے کوئی پیدا ہونے والا مگر شیطان کو کوکھ میں کچوکے لگاتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ چیخ کر روتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے، جب یہ ان کو مارنے لگا تو بیچ میں پردہ حائل ہو گیا۔''

بخاری کے حوالے سے یہ حدیث بھی پہلے گزری ہے کہ فرمایا:

جس نے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دی اور اس بات کی کہ اللہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کے کلمے (یعنی نشانی) ہیں، جسے اللہ نے مریم کو عطا کیا اور اس کی روح ہیں (یعنی بغیر سبب والد کے صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوئے ہیں) اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو اللہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائے گا، خواہ جو بھی عمل لے کر آئے۔

بخاری اور مسلم نے شعبی کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ ابی بردہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی انسان اپنی باندی کو ادب سکھائے اور اچھی طرح سکھائے اور اس کو علم کے زیور سے بھی مزین کرے اور اچھی طرح تعلیم دلوائے اور پھر اس کو آزاد کر دے اور (مزید یہ کہ اس سے) شادی بھی کر لے تو اس کو دو اجر ملیں گے اور جب کوئی شخص عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لائے پھر مجھ پر ایمان لائے تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے اور جب بندہ اپنے رب سے ڈرے اور اپنے مولیٰ کی بھی اطاعت کرے تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔

اور بخاری ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰ (علیہ السلام) سے ہوئی، جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ متحرک اور پُر جوش تھے، ان کے بال کچھ گھنگھریالے تھے۔ گویا کہ وہ شنوءہ قبیلے کے لوگوں میں سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عیسیٰ (علیہ السلام) سے ملاقات کی، وہ درمیانے قد اور سرخ و سپید چہرے والے تھے۔ (اس وقت ایسے لگ رہے تھے) گویا کہ وہ غسل خانہ سے (نہا کر) نکلے ہوں اور میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کی شکل و صورت والا ہوں۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوسری حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے عیسیٰ اور موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا، عیسیٰ تو سرخ رنگ کے اور گھنے بالوں والے کشادہ سینے والے تھے اور موسیٰ بڑے قد آور اچھی جسامت

بھرے ہوئے جسم والے تھے۔ گویا کہ زط (قبیلے) کے لوگوں میں سے ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دن لوگوں کے درمیان دجال کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ:

اللہ کانا نہیں ہے، جبکہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے، گویا کہ ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے اور آج کی رات مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ کعبہ کے پاس ایک آدمی ہے گویا وہ تمام لوگوں میں سب سے حسین ہے، اپنے لمبے بالوں کو شانوں کے درمیان ڈالے ہوئے ہیں۔ کچھ گھنگھریالے بالوں والا ہے، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، ہاتھ پیچھے ڈال رکھے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ مسیح ابن مریم ہیں۔ میں نے اس کے پیچھے ایک سخت گھنے بالوں والے کو دیکھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی اور ابن قطن کے ساتھ مشابہ تھا اپنے ایک ہاتھ کو ایک کو لہے پر رکھ کر گھر کا چکر لگا رہا ہے۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ کہا گیا، یہ مسیح دجال ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ ابن قطن کا تعلق قبیلہ خزاعہ سے ہے، جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گیا تھا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے دونوں مسیحوں کے اوصاف اور خصوصیات بیان فرمائیں۔ یعنی مسیح الھدیٰ اور مسیح الضلالہ تاکہ اول الذکر کو پہچان کر اس پر ایمان لائیں اور آخر الذکر کو پہچان کر اس سے بچیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا، کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کی۔ یعنی اللہ کی قسم کے سامنے میں اپنی بات سے رجوع کرتا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ میری آنکھ نے غلط دیکھا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ آپ کے بلند کردار کی دلیل ہے، آپ یہ سوچ کر کہ کوئی بھی شخص اللہ بزرگ و برتر کا نام لے کر جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ آپ نے اپنے چشم دید واقعہ پر اس شخص کے حلف کو ترجیح دی اور اس شخص کے عذر کو قبول کر کے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور کہا کہ میں اللہ پر ایمان لایا ہوں اور تمہاری بات کی تصدیق کرتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ بے لباس، ننگے پاؤں اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی، جس کا ترجمہ ہے:

> ''جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتداء کی تھی، اسی طرح اسے دوبارہ کر دیں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے۔ ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے۔'' (سورۃ الانبیاء:۱۰۴)

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔ اس کے بعد میری جماعت کے دائیں اور بائیں طرف سے کچھ لوگوں کو روک دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میرے لوگ ہیں۔ جواب میں کہا جائے گا، آپ کے بعد لوگ بے دین ہو گئے تھے۔ اس وقت میرا وہی جواب ہوگا جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ ابن مریم کا جواب تھا:

> ''میں ان پر گواہ رہا، جب تک میں ان کے درمیان رہا، پھر جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھا لیا (جب سے) تو ہی ان پر نگران ہے اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو، تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔'' (سورۃ المائدہ:۱۱۷تا۱۱۸)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ جناب نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

> ''تم لوگ میری تعریف میں مبالغہ آرائی نہ کرو، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

گود میں فقط تین افراد بولے ہیں، ایک عیسیٰ علیہ السلام، (دوسرا) بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، اس کا نام جریج تھا، ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں اس کی ماں نے آ کر اسے بلایا۔ اس نے کہا میں نماز کے بعد آؤں گا۔ اس پر اس کی ماں کے منہ سے نکلا، اے اللہ جب تک تو اس کو بدکار عورتوں کے چہرے نہ دکھادے تب تک اس کو موت نہ دینا۔ جریج ایک مرتبہ اپنے عبادت خانے میں تھا کہ ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ بے تکلف ہونے لگی تو اس نے انکار کر دیا۔ بعد میں یہ عورت ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس سے بدکاری کی، اس کے نتیجے میں عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ عورت سے جب پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جریج کا ہے۔ تو لوگوں نے آ کر اس کے عبادت خانے کو توڑ دیا، اس کو وہاں سے نکال کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر لڑکے کے پاس آ کر پوچھا لڑکے تیرا باپ کون ہے؟ لڑکا بول پڑا، فلاں چرواہا ہے۔ پھر لوگوں نے جریج سے پوچھا، تیرا عبادت خانہ سونے کا بنادیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، بس مٹی کا ہی بنادو۔

تیسرا بچہ جو گود میں بولا، اس کا قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، اتنے میں ایک شخص بڑی شان و شوکت کے ساتھ سواری پر جا رہا تھا تو عورت نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو اس کی طرح بنادے، یہ سنتے ہی بچے نے ماں کا پستان چھوڑ کر اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی کہ یا اللہ تو مجھے اس جیسا مت بنا اور پھر دودھ پینے لگ گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گویا میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں جب آپ ﷺ نے اس بات کو فرماتے ہوئے اپنی انگلی منہ میں لے کر چوسی تھی۔ پھر اس عورت کے پاس سے ایک لونڈی گزری تو اس عورت نے کہا کہ یا اللہ میرے بیٹے کو اس طرح نہ بنانا تو بچہ پستان چھوڑ کر کہنے لگا، یا اللہ مجھے اس کی طرح بنانا۔ اس پر عورت نے پوچھا "کیوں؟"......تو بچہ کہنے لگا کہ وہ سوار بڑا ظالم اور جابر ہے اور یہ باندی بے قصور ہے۔ لوگ اس پر زنا اور چوری کا الزام لگاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں، میں عیسیٰ بن مریم کے زیادہ قریب ہوں اور تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں، میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ یہ روایت بخاری شریف کے علاوہ مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

سب انبیاء باپ شریک بھائی ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے۔ البتہ ان کی مائیں مختلف ہیں۔ لوگوں میں عیسیٰ ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب میں ہوں کیونکہ ہم دونوں کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے، وہ اتریں گے۔ جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا، درمیانے قد مائل بہ سرخی و سپیدی ہیں، بھرے جسم والے ہیں، ایسا لگے گا جیسے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو، اگرچہ ان کا جسم نچلے حصے کی طرف تر نہیں ہوگا۔ وہ آ کر صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ختم کر دیں گے، تمام ملتوں کو ختم کر دیں گے، اس زمانے میں اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہے گا۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو بھی ہلاک کر دیں گے، زمین پُر امن ہو جائے گی۔ اتنا پُر امن ہوگی کہ اونٹ اور شیر ساتھ چریں گے، چیتے اور گائیں ایک ساتھ چر رہے ہوں گے، بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے، بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے، کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب تک اللہ چاہے معاملہ یونہی چلتا رہے گا۔ پھر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو جائے گی تو مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر انہیں دفنا دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ چالیس سال ٹھہریں گے۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوگی اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ دمشق کے سفید مینارے پر اتریں گے، اس وقت فجر کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو رہی ہوگی۔ مسلمانوں کا امام آپ سے عرض کرے گا، اے روح اللہ! آپ ہماری امامت کرائیں۔ آپ جواب میں فرمائیں گے، نہیں۔ آپ میں سے بعض بعض پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نوازا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں فرمائیں گے کہ نماز کی اقامت آپ کے لئے کہی گئی ہے اور پھر اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ پھر آپ سواری پر سوار ہو جائیں گے مسیح دجال کو تلاش کرنے کے لئے۔ آپ کے ساتھ اور مسلمان بھی ہوں گے۔ آپ دجال کو باب لدّ میں جا پکڑیں گے اور اپنے بابرکت ہاتھوں سے اُسے ہلاک کریں گے۔

یہ ساری تفصیل ہم نے کتاب الملاحم میں بیان کر دی ہے۔ ہم نے وہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ دمشق میں جب یہ مشرقی مینار بنایا گیا تو اس کی بنیاد کو کافی مضبوط بنایا گیا، اسے عیسائیوں کے مال سے بنایا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اسے اور اس کے اطراف میں آگ لگادی تھی۔ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔ اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب اس وقت باقی نہ رہے گا۔ آپ حج یا عمرہ یا حج وعمرہ دونوں کا احرام مقام روحاء سے باندھیں گے۔ چالیس سال رہیں گے اور پھر انتقال ہو جائے گا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کو حجرۂ نبوی میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ دفن کیا جائے گا، لیکن اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔

ترمذی میں ہے عبداللہ بن سلام اپنے دادا سے باپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، فرمایا کہ توریت میں محمد ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم کی صفات میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔ راوی (ابو مودود) کہتے ہیں۔ اب بھی ایک قبر کی جگہ آپ کے روضۂ اطہر میں باقی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلمان کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ پانچ سو ساٹھ سال کا فرق ہے۔ بعض لوگوں نے پانچ سو چالیس سال کا فرق کہا ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ چار سو تیس سے کچھ زیادہ سال کا فاصلہ ہے۔ لیکن مشہور چھ سو سال ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قمری لحاظ سے چھ سو بیس سال اور شمسی لحاظ سے چھ سو سال۔ واللہ اعلم۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے داؤد کو اٹھایا تو ان کی قوم نہ بدلی، نہ گمراہ ہوئی اور اصحاب عیسیٰ دو سو سال تک ان کے طریقے پر گامزن رہے۔

ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے اپنے حواریوں کو اس بات کی وصیت کی کہ لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی اور عبادت کی دعوت دیں اور ان میں سے ہر ایک کو ملک شام، مشرق اور مغرب ہر علاقے کی طرف مقرر کیا، کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص جو جہاں بھیجا گیا۔ وہاں کی زبان بولنے لگ گیا۔ کئی حضرات نے ذکر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انجیل چار آدمیوں نے نقل کی ہے۔ لوقا، متی، مرقس اور یوحنا۔ لیکن چاروں کے نسخوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ کسی نسخہ میں کچھ ہے تو کسی نسخہ میں کچھ اور اسی طرح کسی میں کمی ہے تو کسی میں اضافہ ہے۔ ان چاروں میں سے متی اور یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پائی۔ جبکہ مرقس اور لوقا نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت نہیں پائی، البتہ آپ کے صحبت یافتہ لوگوں کی صحبت پائی۔

دمشق میں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام ضینا تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لایا تھا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ یہ دمشق کے مشرقی دروازے کے اردگرد کہیں چھپ گیا تھا۔ یہ جگہ اس عبادت خانہ سے قریب تھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اصل میں ایک یہودی تھا، اس کا نام پولس تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی باتوں اور پیغام سے اسے بڑی نفرت تھی۔ جب اس کا بھتیجا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تو اس نے اپنے بھتیجے کے سر کے بال سزا کے طور پر کٹوا کر اسے دمشق میں پھرایا اور پھر اس پر اتنے پتھر برسائے گئے کہ وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ جب پولس کو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دمشق جا رہے ہیں تو یہ آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلا اور مقام کوکبا میں آپ کے ساتھ آمنا سامنا ہوا، جب یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں کے سامنے آیا تو ایک فرشتہ نے آخر پولس کے منہ پر اپنا پر مارا تو یہ اندھا ہو گیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر پولس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی جان گیا اور جا کر آپ سے معافی مانگی اور آپ پر ایمان لے آیا۔ آپ نے بھی اس کی معافی قبول کر لی۔ اب اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اس کی آنکھ پر ہاتھ پھیر دیں تا کہ بینائی واپس آ جائے تو آپ نے فرمایا کہ دمشق میں تم اپنی رہائش گاہ کے قریب جاؤ، وہاں تمہیں ضینا مل جائے گا، اس سے دعا کراؤ، اب یہ ضینا کے پاس آیا اور اس سے دعا کروائی تو اس کی آنکھ صحیح ہو گئی اور بینائی واپس آ گئی۔ اس نے وہاں ایک عبادت خانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے بنایا جو دمشق میں پولس کے عبادت خانہ کے نام سے مشہور ہوا۔

دین عیسوی میں اختلاف

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان میں اٹھائے جانے کے بعد آپ کے اصحاب کئی گروہ میں تقسیم ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول تھے، آپ کو آسمان سے اٹھالیا گیا۔ بعض لوگوں نے آپ کو اللہ کا درجہ دیا۔ تیسرے گروہ نے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ تینوں اقوال میں پہلا قول ہی برحق ہے۔ دوسرا اور تیسرا قول کفر عظیم ہے۔ اس کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''تمام گروہ آپس میں اختلاف کا شکار ہو گئے۔ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن لوگوں نے ایک عظیم دن کی حاضری سے انکار کیا۔'' (سورۃ مریم: ۳۷)

یہ لوگ انجیل کے نقل کرنے میں بھی چار گروہ ہو گئے، کسی نے اس میں اضافہ کیا، تو کسی نے کمی کر دی۔ کسی نے اس میں ردوبدل کیا تو کسی نے اس میں کمی بیشی کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد دین عیسوی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ دین عیسوی کے تمام بڑے چھوٹے رہنما حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اتنی ساری باتیں بنانے لگے کہ ان تمام اختلافات کو شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ اب تمام رہنمایان قوم قسطنطنیہ کے بانی شاہ قسطنطین کے پاس جمع ہو گئے اور اپنا مقدمہ اس کو بیان کر کے اس کو حکم بنایا۔ بادشاہ نے ان سب کی بات سن کر اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ دے دیا۔ اس گروہ کا نام ''ملکیہ'' پڑ گیا۔ دوسرے لوگ یہاں سے چلے گئے۔ تاہم عبداللہ بن ادیوس کی جماعت بالکل الگ تھلگ ہو گئی۔ عبداللہ بن ادیوس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا۔ اس کی جماعت جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے لگی۔ ان لوگوں نے عبادت خانے بنائے، یہ لوگ بہت زیادہ زاہدانہ زندگی گزارنے لگے۔ ان لوگوں نے دین عیسوی کو دوسرے ادیان اور مذاہب کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔ ان کے برعکس ملکیہ نے بڑے بڑے گرجے بنائے اور یونان کے طرز کی نقالی کرنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنے محرابوں کو شمال سے مشرق کے رخ میں تبدیل کر دیا۔

بیت لحم اور قمامہ کی تعمیر

بادشاہ قسطنطین نے مولد مسیح علیہ السلام پر بیت لحم کی تعمیر کی اور اس کی ماں ''ہیلانہ'' نے قمامہ کی تعمیر کی۔ قمامہ وہ جگہ ہے جہاں وہ مصلوب شخص مدفون ہے جس کو یہودیوں نے اپنے زعم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھا تھا اور اسے سولی پر چڑھا دیا تھا۔

حالانکہ دونوں گروہوں کے نظریئے خلاف حقیقت اور مبنی بر کفر ہیں۔ نہ تو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا سکے اور نہ عیسائیوں کا عقیدہ اس بارے میں صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے اپنی طرف سے خود ساختہ احکام اور قوانین بنائے۔ یہ قوانین توراۃ کے خلاف ہیں، ان لوگوں نے ایسی اشیاء کو حلال قرار دیا جن کو توراۃ میں حرام قرار دیا گیا۔ تبدیل شدہ اشیاء میں خنزیر شامل ہے کہ توراۃ کی رو سے یہ حرام ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اسے حلال قرار دیا۔ ان لوگوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ صخرۂ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء نے بھی صخرۂ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سولہ سترہ مہینے تک اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ سولہ سترہ مہینے بعد خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔

ان لوگوں نے عبادت گاہوں کو مصور کیا، حالانکہ اس سے پہلے عبادت گاہیں مصور نہیں ہوتی تھیں۔ ان لوگوں نے ''امانت'' کے نام سے ایک عقیدہ گڑھ لیا کہ یہ تصویریں ان کے بچوں، عورتوں اور مردوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ حقیقت میں یہ عقیدہ سب سے بڑی خیانت اور کفر ہے۔

عیسائیوں میں ایک فرقہ نسطوریہ ہے، یہ لوگ نسطورس کے ماننے والے ہیں۔ ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جو یعقوب برادعی کے ماننے والے ہیں۔ یہ تینوں فرقے یعنی ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ مندرجہ بالا عقائد کے حامل ہیں، البتہ ان عقائد اور نظریات کی تعبیر وتشریح میں ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ''نقل کفر، کفر نہیں ہے'' کے بموجب یہاں ایک حکایت میں نقل کرتا ہوں، اس حکایت میں کافی کفریات اور فاسد نظریات بھرے پڑے ہیں۔ ان نظریات کا حامل یقیناً جہنم میں ڈالا جائے گا۔

ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ایسے اللہ پر ایمان لاتے ہیں جو ایک ہے، تمام جہانوں پر اس کی گرفت ہے، آسمان وزمین اور ان میں جو کچھ ہے وہ نظر آئیں یا نہ آئیں ان سب کا خالق ہے اور ایسے ایک رب پر ایمان لاتے ہیں جو یسوع مسیح ہے، ابن اللہ ہے جو زمانوں کے وجود میں آنے سے پہلے باپ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ ابن اللہ نور ہے، اللہ کے نور کا، یہ مولود تو ہے لیکن مخلوق نہیں ہے، یہ ابن جوہر میں باپ کے برابر ہے اور اسی کی وجہ سے ہر چیز کو اور تمام انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور انسان ہی کو نجات دلانے کے لئے وہ آسمان سے اترا اور روح القدس اور مریم کے توسط سے انسانی جسم میں حلول کیا اور پھر ملاطس نبطی کے زمانے میں سولی چڑھا اور قبر میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد قبر سے تیسرے روز وہ اٹھ کر زندہ ہو گیا اور آسمان پر چڑھ گیا اور پھر باپ کے دائیں جانب بیٹھ گیا۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اپنے اسی جسم کے ساتھ وہ دنیا میں پھر آجائے گا۔ تاکہ زندوں اور مردوں کے کاموں کو نمٹائے، ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ایک روح القدس بھی ہے جو زندہ کرنے والا ہے، جو باپ سے باپ کے ساتھ پیدا ہوا ہے، ابن معبود ہے۔

نوٹ...... عیسائیوں کا یہ عجیب وغریب نظریہ کسی کے سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا۔ بڑے بڑے عیسائی پادری بھی اس کو سمجھ نہ سکے۔ چہ جائیکہ کوئی غیر عیسائی اس کو سمجھ سکے۔ (از مترجم)

گزشتہ اقوام کے حالات

اس باب میں بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان ﷺ سے پہلے کے لوگوں کا تذکرہ کیا جائے گا، البتہ زمانہ جاہلیت اور عربوں کی تاریخ کا بیان اس باب میں نہیں کیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت اور عربوں کے بارے میں مستقل بحث ہم الگ سے کریں گے۔

ذوالقرنین کا ذکر

ذوالقرنین کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''اور تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں ان کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں، ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا، تو اس نے (سفر کا) ایک سامان کیا، یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی، ہم نے کہا ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ (ان کے بارے میں) بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے)، ذوالقرنین نے کہا کہ جو (ظلم وبدکرداری سے لوگوں پر) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے، پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے برا عذاب دے گا اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا اس کے لئے بہت اچھا بدلہ ہے، اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے، پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے۔ جس کے لئے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔ حقیقت حال یوں تھی اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی، پھر اس نے ایک اور سامان کیا، یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا، تو دیکھا کہ ان کے اس طرف بھی کچھ لوگ ہیں کہ جو بات کو سمجھ نہیں سکتے، ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں

فساد کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ہم آپ کے لئے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے درمیان دیوار کھینچ دیں، ذوالقرنین نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور خدا نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے۔ تم مجھے قوت بازو سے مدد دو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ اب اسے دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں، پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگ اس کی ں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔ جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔" (سورۂ کہف: ۸۳۔۹۸)

قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے، اس کا حال اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں بیان کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اچھے لفظوں میں کیا، اس کے بارے میں بتایا کہ اس نے مشرق سے مغرب تک سفر کیا، ان علاقوں کی حکمرانی کی وہاں آباد لوگ ان کے تابع فرمان ہو گئے، ذوالقرنین نے ان لوگوں میں عدل وانصاف کو رواج دیا اور کامیاب وکامران رہے۔

ذوالقرنین نبی تھے یا صرف نیک بادشاہ تھے؟ اس سلسلے میں دونوں قسم کی روایتیں ملتی ہیں، البتہ صحیح یہ ہے کہ وہ نیک اور عادل حکمران تھے۔ بعض لوگوں نے ان کو فرشتہ بھی قرار دیا ہے۔ تاہم یہ روایت نہایت کمزور ہے۔ اس روایت کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا نہ کہو، کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کا نام انبیاء کے نام پر رکھا کرو۔ اب تم فرشتوں کے نام سے ایک دوسرے کو پکار رہے ہو۔ یہ روایت سہیلی نے بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے۔ حافظ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ "تبع" ملعون تھا یا نہیں، مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ حدود کفارے ہیں یا نہیں اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نیک حکمران تھے، اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے راضی تھے اور اپنی کتاب قرآن کریم میں ان کا ذکر خیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ونصرت انہیں حاصل تھی۔ جبکہ حضرت خضر ان کے وزیر تھے۔ بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت خضر ان کے لشکر میں سب سے پیش پیش تھے۔ ان کا درجہ ذوالقرنین کی مجلس میں مشیر کا تھا، جسے امور مملکت چلانے کے حوالے سے وزیر کہا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذوالقرنین نے پیدل حج کیا تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کے بارے میں خبر ملی تو ان سے ملاقات کی، ان سے خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لئے بادل کو مسخر کر دیا تھا۔ چنانچہ جہاں ان کا دل کرتا بادل اڑا کے ان کو وہاں لے جاتا۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ:...... آپ کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں کافی اختلاف ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے سر پر دو سینگ جیسے نشان تھے۔ وھب بن منبہ کہتے ہیں کہ ان کے سر پر دو تانبے کے سینگ تھے، اگرچہ یہ روایت کمزور ہے۔ بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ روم اور فارس کے بادشاہ تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے دونوں انتہاؤں میں گئے تھے اور مشرق ومغرب کا سفر کیا تھا اور مشرق ومغرب کے درمیان روئے زمین کا ہر حصہ ان کی مملکت میں شامل تھا۔ یہ امام زہری کا قول ہے اور تمام باتوں میں سب سے زیادہ معقول بھی ہے۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ ان کے دونوں ابروؤں کو دو خمدار گیسو احاطہ کئے ہوئے تھے، اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

اسحاق بن بشر کا کہنا ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت ہے کہ آپ نے ظالم بادشاہ کو اللہ کے دین کی دعوت دی تو اس نے آپ کے ابرو پر اس زور سے مارا کہ وہ زخمی ہو گیا اور ٹوٹ گیا۔ دوبارہ آپ نے دعوت دی تو اس نے دوسرے ابرو پر بھی مارا اور اسے بھی توڑ دیا، اس وقت سے آپ کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک بندہ صالح لوگوں کو دین کی دعوت دیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ ایک مرد صالح نے اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف بلایا تو لوگوں نے اس کی کنپٹی پر ضرب لگائی تو وہ مرگیا۔اللہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا تو اس نے دوبارہ ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی تو ان لوگوں نے دوسری کنپٹی پر مارا تو وہ پھر مرگیا۔اس وقت سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ وہ نہ نبی تھے نہ رسول نہ فرشتہ، ہاں وہ نیک آدمی تھے۔

ذوالقرنین کا نام:۔۔۔۔۔۔ذوالقرنین کے نام کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن الضحاک بن معد ہے۔بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کا نام مصعب بن عبداللہ بن قنان بن منصور بن عبداللہ بن الازد بن عون بن نبت بن مالک بن زید بن کھلان بن سبا بن قحطان تھا۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا، آپ کی والدہ رومی تھیں۔روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ کے اندر عقل ودانش بھری ہوئی تھی، اس لئے آپ کو ابن فیلسوف (یعنی فلسفی کا بیٹا) کہا جاتا تھا۔

ابن ہشام نے سہیل کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کا نام مرزبان بن مرزبہ ہے۔ابن ہشام نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ آپ کا نام مصعب بن ذی مرائد ہے۔افریدون بن اسفیان بھی آپ کا نام بتایا گیا ہے۔دارقطنی اور ابن ماکولا نے لکھا ہے کہ آپ کا نام ہرمس ہے۔ ہرویس بن قیطون بن رومی بن لنطی بن کشلوخین بن یونان بن یافث بن نوح بھی آپ کا نام بتایا گیا ہے۔

اسحاق بن بشر حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ اسکندر ہی ذوالقرنین ہے اور ان کا والد دنیا کا پہلا قیصر تھا۔آپ سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔

ایک اور ذوالقرنین کا بھی ذکر آتا ہے۔تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ اس کا نام اسکندر بن فیلبس بن مصریم بن ہرمس بن میطون بن رومی بن لنطی بن یونان بن یافث بن شرخون بن رومہ بن شرفط بن توفیل بن رومی بن الاصفر بن یقز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل ہے۔یہ ذوالقرنین مقدونی، یونانی، مصری ہے، مشہور شہر اسکندریہ کا بانی ہے اور روم کے تذکرے میں اسی کا ذکر آتا ہے۔اس ذوالقرنین میں اور پہلے والے ذوالقرنین میں کافی طویل فاصلہ ہے۔یہ ذوالقرنین حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقریباً تین سو سال پرانا ہے۔مشہور فلسفی ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا۔اسی ذوالقرنین نے دارا بن دارا کو قتل کر کے فارس کو زیر نگیں کر کے اس پر قبضہ کیا تھا۔یہاں اس فرق کا ذکر ضروری تھا۔کیونکہ بہت سے لوگ دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے یہ وہی ہے جس کا وزیر ارسطاطالیس تھا۔اس طرح دونوں کو ایک ہی شخص سمجھنا بہت بڑی غلطی ہوگی اور بڑی خرابی کی بات ہوگی، کیونکہ پہلا ذوالقرنین بندہ مؤمن اور بندہ صالح تھا اور نیک اور عادل حکمران تھا اور اس کے وزیر حضرت خضر تھے۔بلکہ ہماری تحقیق کے مطابق وہ نبی تھے۔

اس کے برعکس دوسرا ذوالقرنین مشرک تھا۔اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔دونوں کے زمانے میں دو ہزار سال کا فرق ہے۔لہٰذا ان دونوں میں بہت ہی زیادہ فرق ہے اور اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو تو اس کی بات علیحدہ ہے۔

قرآن کریم میں "ویسئلونک عن ذی القرنین" کی شان نزول یہ ہے کہ قریش مکہ نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں ایسا سوال بتائیں جو ہم امتحان اور آزمائش کے طور پر محمد سے کرسکیں اور اس سے محمد کے علم کا اندازہ ہو جائے گا۔یہودیوں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ محمد سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھیں جو زمین پر بہت پھرا ہے اور ان نوجوانوں کا نام بھی پوچھیں جو اپنے گھروں سے نکلے لیکن ان کا کچھ پتا نہیں کہ ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا ذکر فرمایا۔اسی لئے قرآن کریم میں آیا ہے "قل سأتلوا علیکم منه ذکراً" کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بارے میں بہت جلد آپ لوگوں کو بتاؤں گا اور پھر "انا مکنا له فی الارض واٰتینٰه من کل شیء سببا" کہہ کر تفصیلات بتائیں کہ ہم نے ذوالقرنین کو بڑی وسیع بادشاہت اور حکمرانی دی اور انہیں مہم جوئی کے لئے ضرورت کی ہر چیز عطا کی تاکہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہیں۔

ابو اسحاق سبیعی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ پوری دنیا پر چار افراد نے حکمرانی کی۔ ایک حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، دوسرے ذوالقرنین، تیسرے حلوان کا ایک شخص، ایک اور چوتھا شخص بھی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خضر کے بارے میں کیا کہیے گا؟ تو فرمایا کہ نہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری دنیا پر چار افراد نے حکومت کی۔ دو مؤمن حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ذوالقرنین، دو کافر نمرود اور بخت نصر۔

اسحاق ابن بشر حضرت حسن بصری کا قول نقل کرتے ہیں کہ ذوالقرنین نمرود کے بعد تخت نشین ہوئے، آپ مسلمان اور صالح شخص تھے۔ مشرق تا مغرب سفر کیا۔ اللہ نے آپ کے لئے زمین کو پھیلا دیا اور آپ کی خوب مدد اور نصرت فرمائی، اسی وجہ سے آپ نے ملکوں اور شہروں کو فتح کیا۔ بہت سے خزانے آپ کے ہاتھ آئے، بہت سے لوگوں کو آپ نے قتل کیا۔ آپ کے مشرق اور مغرب کے سفر کا حال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔

اسحاق کہتے ہیں کہ مقاتل کا خیال ہے کہ ذوالقرنین نے شہروں کو فتح کیا اور خزانے جمع کئے۔ اپنے مخالفین کو قتل کیا۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عبید بن یعلی، سدی، قتادہ اور ضحاک کے مطابق قرآن کریم میں "و اٰتیناہ من کل شیءٍ سببا" سے مراد علم ہے۔ بعض لوگوں نے زمین کے نشانات، منازل اور آثار بتائے ہیں۔ بعض لوگوں نے زبان دانی بتائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذوالقرنین ہر قوم سے ان کی زبان میں بات کرتے، بات چیت کامیاب نہ ہونے کی صورت میں جنگ کرتے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ذوالقرنین کو وہ تمام اسباب مہیا تھے جن کے ذریعے وہ امور مملکت چلا سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر علاقے سے اتنا ساز و سامان لے لیا کرتے تھے جو ان کے سفر کے لئے کافی ہو اور دوسری جگہ پہنچنے کے بعد پھر لے سکیں۔

بعض اہل کتاب نے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین سولہ سو سال تک دنیا میں پھرتے رہے اور سفر کرتے رہے، اس دوران وہ لوگوں کو دین کی دعوت دیتے اور اللہ واحد کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔ بیان کردہ یہ مدت قابل غور ہے۔

قرآن کریم کی آیت "حتی إذا بلغ مغرب الشمس" کا مطلب ہے کہ ذوالقرنین زمین کے اس حصے میں پہنچے جہاں سے آگے بڑھنا کسی کے لئے ممکن نہیں، یہ جگہ بحر اوقیانوس کا آخری سرا ہے۔ یہاں کے جزائر کو "خالدات" کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق علم فلکیات کے ماہرین اس علاقے کو زمین کی پیائش کا ابتدائی حصہ قرار دیتے ہیں، دوسرے قول کے مطابق اس سمندر کے ساحل کو ابتدائی حصہ قرار دیتے ہیں۔ یہاں ذوالقرنین نے جو جگہ جس حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھی اسی کو قرآن کریم نے سورج کے غروب ہونے کی جگہ قرار دیا ہے۔ گویا ذوالقرنین کی نگاہ میں یہ سمندر سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے، یہاں دنیا ختم ہو جاتی ہے اور دنیا کے مغربی حصے کی آخری حدود یہی سمندر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص ساحل سمندر میں کھڑا ہو یا سمندر میں ہو اس کو یہی نظر آئے گا کہ سورج اس سمندر سے طلوع ہوتا ہے اور اسی میں غروب ہوتا ہے۔ اس کو قرآن کریم نے "وجدھا" سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دیکھنے والے کو اس طرح نظر آتا ہے، حقیقت حال کیا ہے، یہ اللہ کو معلوم ہے۔ قرآن کریم میں سورج کے غروب ہونے کا منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ سورج "عین حمئۃ" میں غروب ہو رہا ہے۔ عین حمئہ کے بارے میں دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق یوں لگ رہا تھا جیسے سورج کیچڑ کے اندر غروب ہو رہا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق سورج کی تپش اور حرارت کی وجہ سے سمندر کا وہ حصہ گرم چشمہ بنا ہوا تھا اور اس گرم چشمہ کے اندر سورج غروب ہو رہا ہے۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سورج کے غروب ہوتے وقت سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا (یہ سورج غروب ہو رہا ہے) اللہ کی جلانے والی آگ میں، اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو اس کی تپش اور حرارت روئے زمین کو جلا ڈالتی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، کہا جاتا ہے کہ آپ کو یرموک کے موقع پر گزشتہ اقوام کے حالات پر مشتمل کچھ کتابیں ملی تھیں تو آپ ان میں سے کچھ باتیں نقل کر کے بیان کرتے تھے۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی بھی ہوئی ہے کہ ذوالقرنین سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی آگے بڑھ گئے تھے اور اپنے لشکر کو لے کر بحر ظلمات میں کافی اندر تک گھس گئے تھے۔ یہ بات نہ صرف غلط ہے بلکہ عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

آبِ حیات کی تلاش

ابن عساکر نے امام زین العابدین سے ایک بڑی طویل روایت نقل کی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا تھا، اس کا نام رناقیل ہے۔ ذوالقرنین اس کی تلاش میں نکلے اور آبِ حیات پی لیا۔ لیکن ذوالقرنین کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ ابن عساکر نے اس جگہ ایک محل میں ذوالقرنین کی فرشتوں سے ملاقات کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ آپ کو ایک پتھر بھی دیا گیا۔ جب ذوالقرنین اپنے لشکر میں گئے تو علماء سے اس پتھر کے بارے میں پوچھا تو علماء نے اس پتھر کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور اس کے بالمقابل دوسرے پلڑے میں ایک ہزار پتھر رکھے جو اس کے برابر کے تھے۔ لیکن اس ایک پتھر والے پلڑے کا وزن زیادہ رہا۔ جب خضر سے پوچھا گیا تو انہوں نے دوسرے پلڑے پر ایک پتھر رکھا اور اس پر ایک مٹھی مٹی ڈال دی، اب کے وزنی پتھر والا پلڑا اوپر ہو گیا اور دوسرا پلڑا بھاری ہو کر جھک گیا۔ خضر نے فرمایا ابن آدم کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ کبھی سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ مٹی کے اندر چلا جاتا ہے۔ اس وقت سارے علماء خضر کے اعزاز میں سجدہ میں گر پڑے۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکر کی اس روایت میں ان آیات قرآنی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کا ذکر فرمایا ہے، ان آیات کی تفسیر میں ذوالقرنین کے ساری دنیا کے سفر کے دوران میں لوگوں سے ان کی ہمدردی اور ظالموں سے ان کے سلوک کے علاوہ اس دیوار کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ان آیات قرآنی میں مذکور ہے اور جس طرح ذوالقرنین نے وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس دیوار کی تعمیر اور اس کی تیاری کی اس کا ذکر بھی ان آیات میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دیوار کے اِدھر اُدھر دو قدیم قبیلے آباد تھے، وہاں کے لوگوں کے پاس رہنے کے لئے اور دھوپ اور گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے کوئی مکان اور جائے پناہ نہیں تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے پیدل حج کیا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو آپ سے ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے حق میں دعا کی اور آپ کو کافی نصیحت کی اور نیک مشورے دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو سواری کے لئے گھوڑے پیش کئے گئے تو آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس شہر میں کیسے سواری کروں جہاں خلیل اللہ موجود ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادل کو مسخر کر دیا اور اس کی خوشخبری آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی۔ جب آپ کہیں جانے کا ارادہ کرتے تو بادل آپ کو اڑا کر لے جاتے۔

"حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونهما قوماً لایکادون یفقهون قولاً"

اس آیت میں جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ ترک قوم ہے اور یہ یاجوج و ماجوج کے آباؤ اجداد کی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ البتہ وہ لوگ کمزور تھے اور یاجوج و ماجوج ان پر حاوی تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے ذوالقرنین سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں، ان لوگوں نے ہمارے علاقے میں فساد مچا رکھا ہے اور یہاں ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں نے پیشکش کی کہ اگر آپ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہیں تو ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ ذوالقرنین نے معاوضہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اللہ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے وہ بہت ہے، لہٰذا تم لوگ مجھے مال تو نہ دو، البتہ افرادی قوت کی ضرورت ہے اور دیوار کھڑی کرنے کا سامان چاہئے، وہ آپ لوگ فراہم کر دیں۔ یاجوج و ماجوج اور اس قوم کے درمیان آمد و رفت کا ایک ہی راستہ تھا، دو پہاڑوں کے درمیان کا، اس کے علاوہ سمندر اور پہاڑوں کی وجہ سے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ بند کر دیا جائے تو آمد و رفت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا ذوالقرنین نے اس راستہ کو لوہے کی چادروں اور ان کے درمیان گرم تانبا پگھلا کر بند کر دیا۔ ذوالقرنین نے اس راستے کو ایسا بند کر دیا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر چڑھ کر اس کو عبور کرنے سے قاصر تھے۔ پھاوڑوں اور بیلچوں سے بھی اس کو توڑ نہیں سکتے تھے، کلہاڑی بھی ان کے کام نہ آئی۔ اس موقع پر ذوالقرنین نے کہا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، یہ لوگ اب تم لوگوں پر ظلم نہیں کر پائیں گے۔ البتہ آخری زمانے میں جب اللہ ان کو یہاں سے نکالنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ اس رکاوٹ کو زمین کے برابر کر دیں گے اور اللہ کا یہ وعدہ سچا اور پکا ہے۔ اس بارے میں احادیث کا تفصیلی ذکر تفسیر قرآن میں ہم نے ذکر کر دیا ہے اور

یہاں بھی انشاء اللہ "کتاب الفتن والملاحم" میں اس کا تذکرہ رہے گا۔
ابوداؤد طیالسی نے ثوری سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مصافحہ کیا وہ ذوالقرنین ہے۔
کعب احبار کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ذوالقرنین کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی والدہ کو وصیت کی کہ ان کی وفات کے بعد کھانے کا انتظام کیا جائے اور شہر کی تمام خواتین کو اس کھانے میں بلایا جائے اور سب کو بلایا جائے، البتہ صرف اس عورت کو یہ کھانا نہ کھلایا جائے جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو۔ جب ذوالقرنین کی ماں نے یہ اعلان کیا تو کسی بھی عورت نے یہ کھانا نہ کھایا۔ اس پر ذوالقرنین کی والدہ نے کہا، سبحان اللہ! کیا تم سب کے بچے وفات پا چکے ہیں؟ ان خواتین کا یہ طرز عمل ظاہر کر رہا تھا کہ گویا ذوالقرنین کو سب خواتین اپنا بیٹا سمجھتی تھیں اور ذوالقرنین کی وفات پر گویا سب خواتین کے اپنے بچے وفات پا چکے ہوں، ان خواتین کا یہ طرز عمل ذوالقرنین کی والدہ کے لئے تسلی کا باعث بنا۔
اسحاق ابن بشر نے بعض اہل کتاب کے حوالے سے ذوالقرنین کی اپنی والدہ کو وصیت و نصیحت کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے۔ اس میں کافی نافع باتوں کا تذکرہ ہی۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ذوالقرنین کو تین ہزار برس کی زندگی ملی تھی۔ ظاہر ہے یہ کافی نامعقول بات ہے۔
ابن عساکر کا بیان ہے کہ انہیں ایسی راویت بھی ملی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ کو چھتیس برس کی عمر ملی ہے، بعض میں بتیس برس کا ذکر ہے۔ بعض میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سات سو چالیس برس بعد کا زمانہ ہے، جبکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پانچ ہزار ایک سو اکاسی برس ہے۔ آپ نے سولہ برس حکومت کی۔ ابن عساکر کی یہ باتیں اسکندر ثانی پر صادق آتی ہیں اول پر نہیں۔ بعض لوگوں نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں، یہ بات پیچھے بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینے والے میں ایک بڑا نام مشہور سیرت نگار عبدالملک بن ہشام کا بھی ہے۔ جبکہ حافظ ابوالقاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر سخت تنقید کر کے دونوں کے درمیان بہت عمدہ طریقے سے فرق کو واضح کیا ہے۔ حافظ سہیلی نے بھی کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پچھلے زمانے کے بہت سے بادشاہوں نے ذوالقرنین سے خود کو تشبیہ دینے کے لئے اپنا نام انہیں کے نام پر رکھ لیا ہو۔

یاجوج وماجوج کا ذکر

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائیں گے کہ اے آدم! اپنی اولاد میں سے جہنم کا وفد بھیج۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے، اے رب جہنم کا وفد کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے، ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرد جنت میں جائے گا۔ اس وقت بچے (خوف سے) بوڑھے ہو جائیں گے۔ (قرآن کریم میں ہے) ہر حاملہ خاتون اپنا حمل گرا دے گی اور آپ لوگوں کو مدہوش سمجھیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ وہ ایک (جنتی) کون ہوگا؟ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خوش ہو جاؤ اس لئے کہ تم میں سے ایک ہوگا اور یاجوج وماجوج میں سے ایک ہزار ہوں گے۔
ایک روایت میں اسی طرح ہے کہ تم لوگ خوش ہو جاؤ، اس لئے کہ تم میں دو قومیں ایسی ہیں کہ وہ کہیں بھی پائی جائیں تو وہ غالب آجائیں گے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور وہ دوسرے لوگوں کی نسبت تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے۔ یہ لوگ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح کی دعا قبول کر لی جو انہوں نے "رب لاتذر علی الأرض من الکفرین دیارا" کہہ کر مانگی تھی۔ اس آیت میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے کہ اے پروردگار زمین پر کسی کافر کا کوئی گھر نہ چھوڑنا، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہوں میں دو طرح دیا۔ ایک جگہ فرمایا کہ ہم نے ان (نوح) کو اور کشتی والوں کو نجات دی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ

ہم نے ان (نوح) کی اولاد کو ہی باقی رکھا۔ دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح میں سارے لوگ ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ صرف کشتی والے ہی باقی تھے۔ جس میں حضرت نوح علیہ السلام اور اہل ایمان اور آپ کی اولاد تھی، بعد میں دنیا آباد ہوئی تو اولاد نوح سے ہی آباد ہوئی۔ اسی لئے نوح علیہ السلام کو ابوالبشر ثانی کہا جاتا ہے۔

مسند احمد اور سنن ترمذی کی روایت پیچھے گزر چکی ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے، سام، حام اور یافث۔ سام کی اولاد عرب، حام کی اولاد افریقی اور یافث کی اولاد ترک ہیں اور یاجوج وماجوج کا تعلق بھی ترکوں سے ہے۔ یہی مغل اور منگول ہیں۔ ان سب میں یاجوج وماجوج زیادہ سخت جان اور لڑاکا ہیں۔ ان کی تعداد ترکوں کے مقابلے میں اتنی زیادہ ہے جتنی غیر ترکوں کی تعداد ترکوں سے زیادہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترکوں کو ترک اس وقت کہا جانے لگا جب ذوالقرنین نے ان دونوں کے درمیان بند باندھ دیا اور یاجوج وماجوج کو اس کے پیچھے روک دیا تھا۔ دوسری طرف وہ گروہ رہ گیا جو فساد پھیلانے میں یاجوج وماجوج کی طرح نہیں تھے تو ان لوگوں کو اس لئے ترک کہا جانے لگا کہ ان لوگوں نے فساد کو ترک کر رکھا تھا۔

شرح مسلم میں نووی نے لکھا ہے یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کے اس نطفے سے پیدا کئے گئے جو نطفہ ان سے احتلام کی صورت میں مٹی میں مل گیا تھا اور یہ کہ یہ لوگ حضرت حوا کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے اور اسی لائق ہے، کیونکہ اس کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ روایت اس نص قرآنی کے بھی خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ موجودہ تمام انسان نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ بعض لوگوں نے یاجوج وماجوج کی مختلف شکلیں بتائی ہیں اور ان کے قد کے بارے میں بھی متضاد باتیں بتائی ہیں۔ چنانچہ بعضوں کا قد کھجور کے تنوں جیسا لمبا بتایا گیا تو بعضوں کو بہت بونا بتایا گیا۔ بعضوں کے کانوں کے غیر معمولی بڑے ہونے کو اس طرح بتایا گیا کہ ایک کان سے دوسرا کان ڈھکا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ تمام باتیں بغیر کسی دلیل کی ہیں اور ہوا میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ بنی آدم کی صورت اور صفات والے لوگ ہیں۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ساٹھ گز لمبا پیدا کیا۔ پھر آگے فرمایا کہ لوگوں کا قد چھوٹا ہوتا گیا اور اب تک ہو رہا ہے۔ یہ حدیث ان تمام باتوں کے رد میں کافی ہے جو یاجوج وماجوج کے حوالے سے کہی گئی ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک نہیں مرتے جب تک اپنی ایک ہزار اولاد نہ دیکھ لیں۔ اگر یہ کسی معتبر روایت سے ثابت ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو رد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ عقلاً ونقلاً اس کا امکان ہے۔ طبرانی نے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو یہ لوگوں کی زندگی اجیرن کر دیں گے، ان میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی ایک ہزار سے زائد اولاد نہ چھوڑے۔ ان کے پیچھے تین قومیں اور بھی ہیں، تاویل، تاریس اور منسک۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ لیلۃ الاسراء میں ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اللہ کے دین کی طرف بلایا تو ان لوگوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہاں موجود دوسری اقوام تاریس، تاویل اور منسک کو دعوت دی تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی۔ اس روایت کے بارے میں آتا ہے کہ یہ موضوع ہے، اس میں ابونعیم بن افصح جھوٹا راوی ہے اور یہ جھوٹی روایتیں گھڑتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج قیامت کے دن مؤمنین کی طرف سے قربان ہوں گے اور وہ لوگ جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیجیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو عذاب اس وقت تک نہیں دیا جائے گا جب تک ان کے خلاف حجت قائم نہ کر دی جائے گی۔ اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے ہیں تو ان کے پاس رسول آئے جس طرح دوسری اقوام کے پاس آئے۔ لہٰذا ان کے خلاف حجت قائم ہوگئی۔ اگر اللہ نے ان کی طرف رسول نہیں بھیجے تو یہ لوگ اہل فترت کے حکم میں ہیں۔ جن لوگوں تک دین کی دعوت نہیں پہنچی ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ ایسے تھے ان کو آزمایا جائے گا قیامت کے دن، جس نے اس وقت داعی کی دعوت قبول کر لی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے انکار کر دیا وہ جہنم میں جائے گا۔

آیت ”وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا“ کے تحت ہم نے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔
شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع نقل کیا ہے۔ قیامت کے دن ان کی آزمائش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو نجات مل جائے گی۔ اسی طرح ان کے اہل جہنم میں ہونے کی بھی اس سے نفی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی باتیں جتنی چاہتے ہیں بتا دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو پیشگی بتا دیا کہ یاجوج و ماجوج جہنمی ہوں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کی عادات و اخلاق حق باتوں کو قبول کرنے سے عاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن بھی وہ لوگ داعی حق کی باتوں کو قبول اور تسلیم نہیں کریں گے۔ اس سے بخوبی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تک اگر دنیا میں دین حق کی دعوت پہنچ بھی جاتی تو یہ لوگ اس کی پرزور انداز میں تکذیب کرتے۔ کیونکہ قیامت کے دن تو دنیا سے جھٹلانے والا شخص بھی حق کو مان لے گا۔ دنیا میں ایمان نہ لانے کی نسبت قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اس وقت ایمان لانا زیادہ آسان ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

”اگر آپ دیکھ لیتے اس وقت مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سروں کو اوندھا کئے کھڑے ہوں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھ اور سن لیا، اب آپ ہمیں دنیا میں لوٹا دیجئے تاکہ ہم نیک عمل کر سکیں، اب ہمیں یقین ہو گیا ہے۔“ (سورۂ سجدہ: ۱۲)

سورۂ مریم میں فرمایا کہ:

”وہ لوگ جس روز ہمارے پاس آئیں گے اس وقت وہ خوب سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے۔“

رہی وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شب معراج کو دین کی دعوت دی تھی لیکن ان لوگوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا کہ یہ حدیث موضوع ہے، اسے عمرو بن الصبح نے گھڑا ہے۔

سد ذوالقرنین کے بارے میں پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ اسے ذوالقرنین نے لوہے اور تانبے سے بنایا تھا اور اس کو اونچا کر کے پہاڑوں کے برابر کر دیا تھا۔ اس بند کو ذوالقرنین نے اتنا اونچا اور مضبوط بنایا تھا کہ دنیا میں اس سے بڑا کوئی کاریگر نہیں ہوگا۔ یہ بند دنیا والوں کے لئے بھی اتنا نافع ہے کہ اس سے زیادہ نفع کسی اور چیز سے دنیا والوں کو نہ ہوا ہوگا۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے جناب نبی کریم ﷺ سے کہا کہ میں نے سد ذوالقرنین دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کس طرح پایا؟ اس شخص نے کہا کہ ”منقش چادر کی طرح۔“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے واقعی اسی طرح دیکھا ہے؟“

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ (ﷺ) میں نے یاجوج و ماجوج والا بند دیکھا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے اوصاف تو بتاؤ؟ تو اس نے کہا منقش چادر کی طرح ہے۔ اس پر سیاہ اور سرخ لکیریں ہیں۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو نے واقعی دیکھا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ خلیفہ واثق باللہ نے مختلف بادشاہوں کے پاس وجود بھیجے، ان کے ہاتھ خطوط بھی دیئے تاکہ یہ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے سد ذوالقرنین تک پہنچ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور یہ دیکھیں کہ ذوالقرنین نے اس کو کس طرح بنایا اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ وہ لوگ واپس آئے تو اس کے حالات بتائے کہ وہاں ایک بڑا دروازہ ہے، اس پر بہت سے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دیوار بہت مضبوط ہے، پرشکوہ اور شاندار ہے۔ لوہے کی باقی ماندہ اینٹیں اور دیگر ساز و سامان وہاں برج میں جمع کی ہوئی ہیں۔ ان لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ ان علاقوں کے حکمرانوں کی طرف سے وہاں ہر وقت پہرہ ہوتا ہے۔ یہ علاقہ شمال مشرق میں بہت بڑے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا یہ علاقہ بہت وسیع و عریض ہے، یہ لوگ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کھیتی باڑی اور خشکی و سمندر سے شکار کرنا، وہاں بسنے والے لوگ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی تعداد کے بارے میں خالق کے سوا کسی کو علم نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس بند کے پیچھے سے نہ تو نکل سکیں گے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکیں گے۔ جبکہ بخاری و مسلم میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک روز جناب نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے۔ اس وقت آپ کا چہرہ انور سرخ ہو رہا تھا اور آپ ﷺ فرما رہے تھے ”لا الٰہ الا اللہ جس برائی سے عرب کی تباہی ہوگی وہ قریب آ گئی ہے۔ آج یاجوج و

ماجوج کے بند میں سے اتنا بڑا حصہ کھل گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے جناب نبی کریم ﷺ نے نوے کا عدد بنایا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس وقت بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہیں؟ فرمایا، جی ہاں! جب برائی زیادہ ہو جائے گی۔ یہ روایت صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں برائیوں اور فتنوں کے عام ہو جانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حدیث میں یاجوج و ماجوج کے بند کے کھل جانے کی بات بطور تمثیل ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ حدیث میں بند کے کھل جانے کی بات جو کی گئی ہے وہ تو ایک خبر ہے، کیونکہ قرآن کریم میں:

فمن اسطعوا ان یظھروہ وما استطعوا لہ نقبا"

میں اس بند کو نہ توڑ سکنے اور وہاں سے نہ نکل سکنے کی جو بات کی گئی ہے وہ تو اس زمانے کی بات تھی اور یہ گزشتہ زمانہ کی خبر تھی کہ اس وقت یاجوج و ماجوج اس بند کو نہ توڑ سکے۔ اس کا یہ مطلب تو بالکل بھی نہیں نکلتا کہ آئندہ بھی یہ لوگ اس کو توڑ نہ سکیں گے۔ بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ "وہ اونچی جگہ سے نیچے اتریں گے۔"

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اشکال پیدا ہوتا ہے، اس حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں یاجوج و ماجوج بند کو ہر روز توڑتے رہتے ہیں، جب توڑتے توڑتے یہ لوگ سورج کی روشنی دیکھنے لگتے ہیں تو ان کا بڑا اس وقت ان سے کہتا ہے کہ چلو آؤ واپس لوٹو، باقی کل توڑ لینا، جب وہ اگلے روز آتے ہیں تو انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے زیادہ مضبوطی سے اس کو بنا دیا گیا ہے۔ جب ان کا وقت پورا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں تک رسائی دینے کا ارادہ کر لیں گے تو وہ لوگ بند کو توڑتے توڑتے جب سورج کی روشنی دیکھنے لگیں گے تو ان کا سربراہ ان سے کہے گا کہ واپس لوٹ جاؤ۔ باقی حصہ کل توڑ لینا انشاء اللہ۔ اس موقع پر انشاء اللہ کہہ کر اللہ کا نام لے گا۔ اگلے روز جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو ان کو یہ جگہ ویسی ہی ملے گی جیسی چھوڑ کر گئے تھے۔ اب یہ لوگ باقی بند کو توڑ لیں گے اور وہاں سے نکل آئیں گے۔ تمام پانی وہ پی جائیں گے، لوگ گھبرا کر قلعہ بند ہو جائیں گے۔ یہ لوگ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے تو تیر اس حالت میں واپس آئیں گی کہ ان پر خون کے نشانات محسوس ہوں گے۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اہل زمین پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اب آسمان پر بھی پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں پر نغف (ایک کیڑا جو جانوروں کی ناک میں ہوتا ہے) بھیج دیں گے۔ یہ کیڑے انہیں ہلاک کر دیں گے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، ان کا گوشت اور ان کا خون پی کر زمین کے جانور موٹے ہو جائیں گے اور شکر ادا کریں گے۔ یہ روایت مسند احمد کے علاوہ ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی ہے۔

اس روایت میں بند توڑ سکنے کے بارے میں جو خبر دی گئی ہے یہ قرب قیامت کی بات ہے، لہٰذا مختلف احادیث میں اس بند اور یاجوج و ماجوج کے بارے میں جو باتیں بتائی گئی ہیں ان میں اور قرآنی آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس بند کو نہ توڑ سکنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ اس کی تعبیر سے قرب قیامت تک کے بارے میں ہے، رہی یہ بات کہ یہ لوگ اس بند کو توڑ لیں گے اور زمین پر پھیل جائیں گے، تو یہ سارے واقعات قرب قیامت میں پیش آئیں گے۔ واللہ اعلم۔

اصحاب کہف کا بیان

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:...... "کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے۔ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ پھر بولے، اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت و فضل عطا کر اور ہمارے لئے ہمارے اس کام میں درستی کا سامان کر دے، سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا۔ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم معلوم کریں کہ

(ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ (اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے۔ہم ہی ان کا قصہ آپ سے ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ (چند) نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہو گئے تو بولے، ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ہم تو اس کے علاوہ کسی معبود کو نہ پکاریں گے، ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بے جابات کے مرتکب ہوں گے۔ان لوگوں (یعنی) ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں۔ یہ لوگ ان معبودوں (کے وجود) پر کوئی کھلی دلیل نہیں لائے؟ سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے؟ پھر جب تم انہیں بھی چھوڑ چکے اور ان کے معبودان غیر اللہ کو بھی تو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو۔تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا دے۔اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کر دے گا اور جب دھوپ نکلتی ہے تو، تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب، اور وہ اس (غار) کے کشادہ موقع میں تھے۔یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جسے اللہ ہدایت دیتا ہے، وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار، راہ بتانے والا۔اور (تو ان کو دیکھتا تو) تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا۔ درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا۔اگر تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو، تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں۔(چنانچہ) ایک کہنے والے نے ان میں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہوں گے یا دن بھر سے کم۔(بعض اور) بولے کہ جتنی دیر ہم ٹھہرے یہ تو ہمارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے تو اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو۔سو وہ تحقیق کرے کہ کونسا کھانا پاکیزہ ہے۔پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے کہ اگر وہ تمہاری خبر پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تمہیں فلاح نہ ہوگی اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں۔(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب (اس زمانہ کے لوگ) ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے۔سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو۔ان کا پروردگار ہی (ان کے احوال کو) خوب جانتا تھا۔جو لوگ اپنے کام پر غالب (وقادر) تھے۔انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنا دیں گے۔عنقریب (بعض کہنے والے) کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔اٹکل کے تکے۔اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے۔ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز قلیل کے۔پس آپ ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجئے بجز سرسری بحث کے اور آپ ان کے باب میں ان لوگوں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے۔اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجئے جب آپ بھول جائیے اور آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے بہ اعتبار رہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتائے۔اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے۔اسی کے لئے (علم) غیب آسمانوں اور زمین کا ہے۔وہ کیسا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیسا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز نہیں اور وہ نہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ (سورہ کہف: ۹۔۲۶)

اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات کا شان نزول محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں نقل کیا ہے کہ قریش نے یہودیوں کے پاس ایک وزیر بھیج کر ایسے سوالات تیار کروائے جو جناب رسول اللہ ﷺ سے کئے جس سے آپ ﷺ کو آزمایا جا سکے یہودیوں نے کہا کہ آپ لوگ محمد سے ان لوگوں کا حال دریافت کریں جو طویل عرصے تک غائب رہے، ان کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا اسی طرح یہ سوال بھی پوچھا جائے کہ ایک شخص ساری زمین میں پھرا اس کے احوال معلوم کئے جائیں، اسی طرح روح کے بارے میں دریافت کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے ''**ویسئلونک عن الروح**'' ''**ویسئلونک عن ذی القرنین**'' اور ''**ام حسبت ان اصحب الکھف والرقیم کانوا من ءایتنا عجبا**'' ان تینوں واقعات کو بیان کیا ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا کہ یہ کوئی تعجب والی باتیں نہیں ہیں، ان کی باتوں میں اور ان کے واقعات وحالات میں تعجب خیزی نہیں جبکہ ان کے علاوہ دیگر

معلومات اور خبروں میں زیادہ تعجب کی چیزیں موجود ہیں کہف غار کو کہتے ہیں، شعیب جبائی کے مطابق اصحاب کہف کے غار کا نام ''حیزم'' ہے۔ رقیم کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ابن جریر وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں ان کے نام اور ان کے حالات لکھے گئے ہیں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار واقع ہے ابن عباس اور شعیب جبائی کے مطابق اس پہاڑ کا نام ''بناجلوس'' ہے، بعض لوگوں کی رائے ہے کہ غار کے پاس ایک وادی ہے اس کا نام بناجلوس ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہاں ایک بستی کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔

شعیب جبائی کے مطابق ان کے کتے کا نام ''حمران'' ہے۔

یہودیوں کو ان کے بارے میں معلوم ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ نصاریٰ تھے۔ حالات و واقعات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی قوم مشرک تھی اور وہ لوگ بت پرست تھے۔ بہت سے مفسرین اور مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا۔ اصحاب کہف کا تعلق بڑے گھرانوں سے تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ ایک روز جب پوری قوم عید منارہی تھی تو یہ نوجوان بھی اسی اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ یہ لوگ بتوں کو سجدہ کررہے ہیں اور ان کے آگے جھک رہے ہیں۔ ان نوجوانوں نے اس پر غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے ہٹادیے اور انہیں سیدھا راستہ اور ہدایت کا راستہ دکھادیا ان پر یہ منکشف ہوا کہ ان کی قوم راہ راست پر نہیں ہے۔ تو یہ نوجوان اپنی قوم کے دین سے ہٹ گئے اور ایک خدا کی عبادت میں لگ گئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے ہر ایک کے دل میں اللہ کی وحدانیت جب ڈال دی گئی تو یہ دوسرے لوگوں سے الگ ہوگئے اور پھر اتفاقاً یہ نوجوان ایک جگہ جمع ہوگئے۔ ایک دوسرے سے تعارف ہوا تو ان نوجوانوں نے اپنی قوم سے دور نکل جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اپنے دین کی حفاظت کر سکیں اور ایک اللہ کی پیروی کرسکیں۔ فتنے اور فساد کے موقع پر یہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ جب تم نے اپنی قوم کا مذہب چھوڑ دیا اور ان سے علیحدگی اختیار کرلی تو تم ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کرلو تاکہ کسی قسم کی تکلیف سے تم بچ سکو ان نوجوانوں نے جس غار میں پناہ لے رکھی تھی اس کے بارے میں قرآن کریم میں ذکر ہے کہ اس کا دروازہ شمال کی جانب تھا اور اس کا اندرونی حصہ قبلہ کی طرف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسی جگہیں رہائش کے لئے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی بتایا گیا کہ گرمیوں میں سورج کی کرنیں غار کے اندر مغربی جانب پڑتی ہیں پھر آہستہ آہستہ یہ روشنی باہر کی طرف آجاتی ہے اور پھر آسمان کی طرف اس کا رخ ہوجاتا ہے اور غار سے باہر اس کی روشنی آجاتی ہے پھر جب سورج زوال کے بعد مغرب کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو مشرقی جانب دھوپ غار میں داخل ہونے لگتی ہے اور سورج غروب ہونے تک یہ سلسلہ رہتا ہے۔ تھوڑے وقت کے لئے غار کے اندر دھوپ پڑنے کا فائدہ یہ ہے کہ اندر کی ہوا متعفن اور بدبودار نہ ہوجائے۔ یہ لوگ اس طرح صبح شام گزارتے ہوئے سالہا سال تک پڑے رہے۔ اس دوران کھانے پینے کی انہیں ضرورت نہیں پڑی۔ ان کے جسم کو کسی قسم کی غذا حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ یہ اللہ کی قدرت اور کرشمہ ہے۔ یہ لوگ غار کے اندر سوئے پڑے تھے لیکن دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیدار ہیں اس سلسلہ میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، مسلسل بند رہنے کی صورت میں آنکھیں خراب ہوجاتیں۔ یہ لوگ اسی نیند کی حالت میں اپنا پہلو بھی بدلتے تھے اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ سال میں ایک مرتبہ پہلو بدلتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا کتا دروازے کی چوکھٹ پر پڑا ہوا تھا۔ وہ اندر نہیں تھا اپنے دونوں پاؤں اس نے پھیلا رکھے تھے۔ اس میں ادب کا پہلو یہ ہے کہ کتا اندر داخل نہیں ہوا۔ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جہاں کتے موجود ہوں۔ کتا چونکہ ان نوجوانوں کے ساتھ تھا اس لئے اللہ نے اس کو بھی باقی رکھا جو بھی کسی قوم سے محبت کرتا ہے وہ بھی اسی کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی نیک اور اچھے لوگوں کے پیچھے چلتا ہے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

مفسرین اور مؤرخین نے اس کتے کے بارے میں بہت ساری باتیں لکھی ہیں جو سب اسرائیلی روایات ہیں ان باتوں کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس غار کے محل وقوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر لوگ ایلہ کی سرزمین بتاتے ہیں بعض نینوی بتاتے ہیں، کچھ لوگ بلقاء اور کچھ لوگ روم بتاتے ہیں۔ آخری قول زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی وہ باتیں بیان کی ہیں جو عام لوگوں کے لئے زیادہ بہتر اور اہم ہے۔ ان کا حال اس طرح بتایا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والے کو محسوس ہوگا کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ رہا ہے اور انہیں دیکھ کر ان کے الٹنے پلٹنے اور دپہلو بدلنے کی کیفیت بیان کر رہا ہے قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر کوئی ان کو اس غار میں دیکھ لے تو ان کی عظمت اور ہیبت کو دیکھ کر بھاگ جائے۔ ان باتوں سے یہ بھی پتا چل گیا کہ دیکھنے اور سننے میں فرق ہے کیونکہ ان کے بارے میں سن کر کوئی ڈر کے مارے بھاگا نہیں۔

آگے چل کر قرآن کریم نے ان کے نیند سے بیدار ہونے کی مدت تین سو نو برس بتائی ہے کہ وہ لوگ تین سو نو برس تک سوتے رہے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے اور بھوک محسوس کی تو اپنے میں سے کسی کو رقم دے کر کھانا لینے، بھیجا بتایا جاتا ہے کہ اس شہر کا نام دقسوس تھا شہر بھیجتے ہوئے تاکید کی گئی کہ پاکیزہ کھانا لانا، حرام اور ناجائز یا خراب کھانا نہیں لانا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ کتنے پاکباز تھے۔ ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ کسی کو خبر نہ ہو اس لئے حکمت اور تدبر سے کام لینا اگر پتا چل گیا تو وہ لوگ دوبارہ پرانے دین کی طرف لوٹنے پر مجبور کریں گے۔ یہ ساری باتیں اس لئے کہی جارہی تھیں کہ یہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک دن کا کچھ حصہ یا ایک دن یا ایک دن سے کچھ زیادہ سوئے تھے، انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ تین سو برس سے زیادہ سوتے رہے تھے اور یہ کہ حالات اور زمانے میں بہت زیادہ تبدیلی واقع ہوگئی تھی، دنیا نے کئی موڑ لیے تھے اور جس زمانے میں یہ لوگ تھے وہ زمانہ بدلا اور ان لوگوں کے بدلنے کے بعد کئی زمانے آئے اور گئے اسی طرح کئی نسل گزر گئی ان میں سے جو شخص شہر جانے کے لئے نکلا اس کا نام تیذ رسیس تھا، وہ بھیس بدل کر نکلا تا کہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے لیکن خود اس کو شہر اجنبی محسوس ہونے لگا وہاں کی گلیاں اور راستے نامانوس محسوس ہونے لگے، اس کی شکل وصورت دیکھ کر اور اس کا لباس اور حلیہ دیکھ کر اور اس کے ہاتھ میں جو کرنسی تھی اس کو دیکھ کر لوگ حیران ہو رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ اسے پکڑ کر گورنر کے پاس لے گئے کہ کہیں یہ جاسوس ہے یا اس کے پاس بڑی طاقت ہے اور یہ وہاں کے لوگوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ شخص ان لوگوں سے ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا یہ بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے اور ساتھیوں کے بارے میں اور ان حالات وواقعات کے بارے میں سب کچھ بتادیا جو ان کی ساتھ پیش آیا تھا۔ لوگ اس جگہ تک گئے۔ جب وہ غار کے قریب پہنچے تو یہ شخص اپنے باقی ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں حقیقت سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ لوگ کتنے سال تک سوتے رہے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ یہ اللہ نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ دوبارہ سو گئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ اس کے بعد انتقال کر گئے۔ دوسری طرف شہر والوں کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں غار کا راستہ معلوم نہ ہوسکا اور اللہ نے اس غار کا راز دوسرے لوگوں پر منکشف نہیں کیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اتنے مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے کہ اس غار میں داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔

اب ان لوگوں کے بارے میں لوگوں کی دورائے ہو گئیں بعض لوگوں نے رائے قائم کی کہ وہاں کوئی عمارت بنائی جائے تاکہ ان تک کوئی موذی چیز نہ پہنچنے پائے دوسرے لوگوں نے کہا جو کہ اکثریت میں تھے اور ان کی بات مانی جاتی کہ ہم یہاں عبادت گاہ بنائیں گے تاکہ ان صالح بندوں کی مجاورت کی وجہ سے یہ عبادت گاہ بابرکت ہوجائے۔ یادگار کے طور پر اس طرح کی عبادت گاہیں بنانے کا رواج ہماری شریعت سے پہلے تھا۔ ہماری شریعت میں اس کی ممانعت ہے چنانچہ صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر اس لئے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیں۔ اس حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ان نوجوانوں کے بارے میں قرآن کریم میں بتایا گیا کہ ان کے بارے میں لوگوں کو باخبر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس بات سے واقف ہوجائیں کہ آخرت اور قیامت برحق ہے، اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ لوگوں کو پتا چلا کہ یہ نوجوان تین سو برس سے زیادہ سوتے رہے اور پھر بغیر کسی تبدیلی کے وہ لوگ بیدار ہو گئے ان کے جسم کے اعضاء اسی طرح باقی تھے جس طرح تین سو برس پہلے تھے اور اسی طرح کام کر رہے تھے جس طرح پہلے کر رہے تھے۔ جس ذات نے انہیں اس حال میں باقی رکھا وہ ذات بعد میں تمام ابدان واجسام کو دوبارہ لوٹا بھی سکتی ہے اگر چہ ان کو کپڑے پھٹ جائیں اور ان کے جسم بوسیدہ اور پرانی ہڈیوں میں مل کر فنا ہوجائیں۔ مسلمانوں کو اس ذات کے قادر مطلق ہونے پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے وہ ذات تو ایسی ہے کہ کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو کام ہوجاتا ہے۔ آگے چل کر قرآن کریم میں ان نوجوانوں کی تعداد کی بحث کو چھیڑا ہے کہ لوگ ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے، بعض کہتے تھے کہ یہ لوگ تین تھے، بعض پانچ بتاتے تھے اور بعض سات کی رائے رکھتے تھے۔ قرآن کریم

میں ان تینوں اقوال میں سے پہلے دونوں کو ضعیف قرار دیا گیا اور تیسرا قول سنا اس پر کوئی بات نہیں کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تیسرا قول صحیح ہے، اگر کوئی اور رائے ہوتی تو اس کا بھی اظہار قرآن کریم میں کر دیا جاتا اس قسم کی بحث میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سکھا دیا کہ ایسے موقع پر کہنا چاہئے کہ اس بارے میں اللہ کو ہی زیادہ علم ہے چنانچہ فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی تعداد کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اس بارے میں لوگوں کی معلومات کافی کم ہیں۔ لہٰذا ایسے مواقع پر لوگوں کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی لوگوں سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ اس واقع میں چونکہ ان نوجوانوں کی تعداد مقصود نہیں ہے اس لئے واقع کے شروع میں ان کی تعداد بیان کرنے کی بجائے چند نوجوان کہا اگر اس موقع پر ان کی تعداد بیان کرنے کا کوئی بڑا فائدہ حاصل ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی تعداد ضرور بتا دیتے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک ادب سکھایا ہے کہ کوئی شخص آئندہ کچھ کرنے کا ارادہ کرے تو انشاء اللہ کہے۔ تا کہ انسان کا اپنا ارادہ پختہ رہے اور یہ ظاہر ہو کہ واقعی اس کام کو کرنے کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ ایسا کہنے کی تلقین اس لئے کی گئی ہے کہ بندے کو تو معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ جس کام کا اس نے عزم کیا ہے یہ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ انشاء اللہ کہہ کر کسی کام کو معلق کرنا نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً کام کا ارادہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک سال تک صحیح ہے۔ بعض مواقع پر ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ گزر چکا کہ آپ نے جب کہا تھا کہ آج رات میں ستر بیویوں سے ملوں گا اس کے نتیجے میں ہر بیوی سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور یہ سب لڑکے اللہ کے راستے میں قتال کریں گے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ ان شاء اللہ کہیں تو آپ نے نہیں کہا۔ رات کو یہ ستر بیویوں کے پاس گئے تاہم کسی کے ہاں ولادت نہیں ہوئی، صرف ایک بیوی سے ایک نا تمام لڑکا پیدا ہوا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے اور اپنی مراد کو بھی پا لیتے۔

آگے قرآن کریم میں فرمایا کہ آپ بھول جائیں تو اللہ کو یاد کریں۔ اس لئے کہ کبھی کبھی شیطان بعض باتیں بھلا دیتا ہے، جب اللہ کو یاد کیا جائے تو شیطان کا غلبہ دل سے ختم ہو جاتا ہے اور بھولی ہوئی بات یاد آ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو اس کو حل کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو اور لوگوں کی مختلف باتیں سامنے آ رہی ہوں تو اللہ کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ اس میں آسانی پیدا کر دیں گے۔

آگے چل کر فرمایا کہ یہ نوجوان غار کے اندر تین سو نو برس تک رہے ان کی لمبی مدت تک سوتے رہنے کی خبر دینے میں فائدہ ہونے کی وجہ سے بتایا گیا کہ وہ لوگ تین سو نو برس تک سوتے رہے۔ تین سو سے زائد نو برس قمری لحاظ سے ہے جبکہ تین سو برس شمسی لحاظ سے ہے۔

آگے فرمایا کہ ان کی مدت کے بارے میں اللہ ہی کو زیادہ معلوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے اور آپ کے پاس اس بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں تو آپ معاملے کو اللہ کے حوالے کر دیں اور کہیں کہ اللہ ہی اس بات کو جانتا ہے۔ وہ آسمان و زمین کی پوشیدہ خبروں کو جانتا ہے اور جب اور جس کو چاہے اس سے باخبر کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھتا ہے کیونکہ اسی کو خبر ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے۔ اللہ کے علاوہ یہ اختیار کسی اور کو نہیں ہے، وہی اکیلا اس دنیا کو چلا رہا ہے۔

مؤمن وکافر کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصحاب کہف کے قصے کے بعد ارشاد فرمایا:

ترجمہ:...... اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ (عنایت) کیے تھے اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے اور اس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے دار جماعت کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا

ہوں اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا، تو اس کا دوست کہنے لگا کہ کیا تم اس خدا سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پورا مرد بنایا مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پروردگار ہے (اور میں) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا؟ (سورۃ کہف: ۳۲ تا ۴۴)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کی مثالیں دی جاتی ہیں ضروری نہیں کہ ایسا واقعہ یقیناً کسی کے ساتھ پیش بھی آیا ہو جمہور کی رائے ہے کہ ایسا واقعہ حقیقتاً پیش بھی آیا ہے۔

قرآن کریم میں "واضرب لھم مثلاً" میں کہا جا رہا ہے کہ کفار قریش ضعفا اور فقراء کے ساتھ مل کر نہیں بیٹھتے بلکہ ان پر الزام لگاتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے ہیں تو ان کے سامنے یہ مثال پیش کریں۔

دو ساتھی تھے، ایک کافر ایک مؤمن، کہا جاتا ہے کہ دونوں مالدار تھے لیکن مؤمن نے اپنا مال اللہ کی طاعت اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے اس کے راستے میں خرچ کر ڈالا جبکہ کافر نے اپنے لئے دو باغ بنا لیے۔ ان میں انگور اور کھجور تھے دونوں باغ انگوروں اور کھجوروں سے لدے ہوئے تھے۔ ان میں نہریں تھیں جو پینے اور تفریح کے لئے کافی مفید تھیں۔ دونوں باغوں میں پھل پک گئے اور نہروں میں پانی بھی خوب بھر گیا، کھیتی خوب لہلہانے لگی اور پھل بھی خوب معلوم ہونے لگے۔ اس موقع پر اس کے مالک نے جو کافر تھا اپنے مؤمن ساتھی سے کہا کہ دیکھ میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور افراد بھی زیادہ ہیں لہٰذا میں تیرے سے زیادہ بہتر حالت میں ہوں، جبکہ تم نے اپنا سارا مال خرچ کر ڈالا، جو کچھ تیرے پاس تھا وہ تو نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لٹا دیا۔ تجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے تھا جیسا میں نے کیا اور پھر بڑے فخر سے وہ اپنے باغ میں گھسا، حالانکہ یہ طریقہ اللہ کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ اس کہنا شروع کیا کہ میرا نہیں خیال کہ یہ کبھی تباہ ہوگا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس نے دیکھا کہ اس کے پاس زمین پہلے کے مقابلے میں اب زیادہ ہوگئی ہے نہر میں پانی بھی خوب ہے، درخت اور پھل بھی لدے پھندے ہیں۔ اس نے سوچا اگر یہ ختم ہو جائے تو اس کی جگہ اس سے بہتر اور اچھے درخت لگ جائیں گے، باغ بھی دوبارہ بن جائے گا۔

وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اور دنیائے فانی کی رنگینیوں پر اعتماد کر بیٹھا اور سمجھا کہ یہ دنیا ہمیشہ رہے گی، چنانچہ اس نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی۔ پھر کہنے لگا اگر میں اپنے رب کی طرف دوبارہ لوٹایا بھی جاؤں تو اس سے بہتر اور اچھی جگہ پاؤں گا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں یہ عزت اور مال و دولت کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کو اس سے محبت ہے۔ عاص بن وائل اور خباب بن الارت کا قصہ بھی اسی طرح ہے کہ عاص بن وائل کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

"کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا مجھے تو مال و دولت مل کر رہے گی۔ تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے۔" (سورۃ مریم: ۷۷۔۷۸)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کا حال بیان کیا جسے اللہ نے نوازا ہے:

"کہتا ہے کہ یہ میرا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں لوٹایا جاؤں اپنے رب کی طرف تو وہاں میرے لیے بڑی نعمتیں ہوں گی۔" (سورۃ فصلت: ۵۰)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ہم عنقریب کافروں کو بتائیں گے جو کچھ انہوں نے کفریہ کام کیے اور ہم انہیں عنقریب سخت عذاب چکھائیں گے۔"

قارون نے کہا تھا:

"جو کچھ مجھے دیا گیا یہ میرے علم کی وجہ سے دیا گیا ہے۔" (سورۃ فصلت: ۵۰)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ایسے لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو اس سے زیادہ طاقت والے اور اس سے

زیادہ نفری والے تھے۔ مجرموں سے ان کے گناہوں کی تفصیل نہیں پوچھی جائے گی۔'' (سورۂ قصص: ۷۸)

قارون کے بارے میں گفتگو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کے ذیل میں آ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے تم ہمارے مقرب بن سکو، ہاں جو شخص ایمان لایا اور نیک عمل کیا ایسے لوگوں کو ان کے کئے کا دگنا جر ملے گا اور وہ بالا خانوں میں مطمئن ہوں گے۔'' (سورۂ سبا: ۳۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔'' (سورۂ مؤمنون: ۵۵۔۵۶)

اسی طرح جب اسی کافر اور جاہل کو دنیا کا ساز وسامان مل گیا تو اس نے آخرت کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ اگر آخرت کا حادثہ رونما ہو بھی جائے تو اس وقت دنیا میں جو کچھ اس کے پاس ہے، وہاں اس سے زیادہ اسے مل جائے گا اس کی یہ باتیں اس کے ساتھی نے سنیں تو اس نے کہا ارنے کیا تو کفر اس ذات کے ساتھ کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تجھ کو بنایا پھر تجھے صحیح وسالم آدمی بنایا، جس کی وجہ سے تو سن سکتا ہے، دیکھ سکتا ہے ہاتھ سے پکڑ سکتا ہے اور بات کو سمجھ سکتا ہے۔ اب تو آخرت کا انکار کیسے کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بالکل ابتدا میں پیدا کرنے پر قادر ہے تو اب کیوں نہیں کر سکتا ہے؟ میرا اپنا تو یہ حال ہے کہ اللہ میرا رب ہے، تم جس طرح کی باتیں کرتے ہو میں ایسا نہیں کروں گا اور جس طرح کا عقیدہ تو رکھتا ہے ایسا عقیدہ میں نہیں رکھ سکتا۔ اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ وہ جسموں کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے گا مردوں کو زندہ کرے گا اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کر دے گا میرا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اللہ کی صفت خالقیت میں کوئی شریک نہیں، اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ باغ میں داخل ہوتے وقت کیا کہنا چاہئے تھا۔ چنانچہ کہا تم نے اپنے باغ میں گھستے ہوئے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ'' کیوں نہ کہا مال ودولت اور اہل وعیال میں سے کوئی خوشی اور مسرت والی چیز دیکھے تو یہ کہنا مستحب ہے۔

ابو یعلی موصلی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے کسی بھی بندے کو کسی بھی نعمت سے نوازا ہو چاہے گھر بار اور اہل وعیال کے لحاظ سے ہو یا مال ودولت سے ہو یا آل اولاد سے ہو تو ایسے حال میں اگر وہ شخص ''ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ'' کہتا ہے تو موت کے سوا کوئی آفت اسے نہیں آئے گی۔ گویا یہ حدیث مذکورہ آیت کی شرح ہے۔

پھر مؤمن ساتھی کافر ساتھی سے کہتا ہے کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آخرت میں تیرے باغ سے بہتر باغ عطا کر دے اور تیرے باغ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دے جس کی وجہ سے تیرے باغ کے درخت اکھڑ جائیں اور کھیتی تباہ وبرباد ہو جائے اور جس جگہ یہ باغ واقع ہے اس جگہ یہ زمین دلدل بن جائے اور وہاں کوئی سبزہ وہریالی نظر بھی نہ آئے یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا پانی نیچے چلا جائے اور پھر اوپر آنے کا نام نہ لے۔

چنانچہ اس کے باغ، کھیتی اور درختوں پر ایسی آفت آئی کہ سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا اس کا باغ ویران ہو گیا، اس کو کبھی یہ گمان ہی نہ ہوا تھا کہ ایک دن ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اور اپنی امید کے برخلاف پا کر بڑا نادم ہوا، اسے اب وہ ساری باتیں یاد آنے لگیں جو اس نے وہاں کھڑے ہو کر متکبرانہ انداز میں کی تھیں، اب کف افسوس ملنے لگا اور کہنے لگا اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ اب اسے اپنے کیے کا کوئی مداوا نظر نہ آیا کوئی مددگار نظر نہ آیا، کوئی گروہ اور جمعیت نظر نہ آیا جہاں پناہ لے سکے۔

آگے اللہ تعالیٰ فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بادشاہی صرف اللہ کی نظر آئے گی اور وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا کیونکہ اللہ کے فیصلے کوئی نظر انداز نہ کر سکے گا، اسے کوئی رد نہ کر سکے گا اس کے حکم پر کوئی غالب نہ آ سکے گا۔ اس وقت اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ اللہ ہی غالب اور برتر ذات ہے وہی بہتر بدلہ دے گا اور وہی دنیا وآخرت کی بھلائی کا فیصلہ کرتا ہے۔

اس واقع میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ کسی کے لئے بھی یہ مناسب نہیں کہ دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو جائے اور اس سے

دھوکہ کھائے۔ بلکہ ہر حال میں اللہ کی اطاعت کو اپنا نصب العین بنائے اور اسی پر توکل کرے اور اس بات پر اطمینان کرے کہ جو کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اسی کی حقیقت ہے اپنے ہاتھ میں جو ہے اس پر کسی قسم کا کوئی اعتماد نہ کرے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی اطاعت پر کسی بھی چیز کو مقدم کرنا اور اس کی اطاعت اور مرضی کے برخلاف خرچ کرنے پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان جو کچھ قصد اور ارادہ کرتا ہے معاملہ اس کے برعکس ہو جائے۔ یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اپنے خیر خواہ بھائی کی نصیحت کو قبول کرے، اگر کوئی اس خیر خواہی اور نصیحت کی بات کو رد کر دیتا ہے تو اس کا نتیجہ بڑا مہلک ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت گزر جانے کے بعد ندامت اور افسوس کا فائدہ نہیں ہے۔

قصہ اصحاب الجنۃ

صاحبان جنت یعنی باغ والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ...... ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا۔ سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی، تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر صبح ہی جا پہنچو، تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے۔ گویا وہ کھیتی پر قادر (ہیں) جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ نہیں بلکہ ہم (برگشتہ نصیب) بے نصیب ہیں، ایک جوان میں فرزانہ تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے، پھر لگے ایک دوسرے کو روبرو ملامت کرنے۔ کہنے لگے ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے، ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع لاتے ہیں۔ دیکھو عذاب یوں ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ (سورۃ القلم: ۱۷۔۳۳)

یہ کفار قریش کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول ان کے پاس بھیجا، لیکن ان لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور مخالفت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کیا آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں لا اتارا، جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔" (سورۂ ابراہیم: ۲۸۔۲۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان آیتوں میں کفار قریش کا ذکر ہے، اللہ نے ان لوگوں کا ذکر اصحاب الجنہ یعنی باغ والے کہہ کر کیا ہے کہ ان کے پاس طرح طرح کے پھل اور باغات تھے لیکن ان کے کرتوتوں کی وجہ سے یہ پھل اور باغات ضائع ہو گئے۔ جب باغ کے پھل کٹنے کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے آپس میں مل کر قسمیں کھائیں کہ صبح سویرے اٹھ کر باغ میں پہنچ جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کوئی فقیر اور ضرورت مند وہاں موجود نہیں ہوگا کہ جن کو اس میں سے حصہ دینا پڑے۔ ان لوگوں نے صبح باغ میں جانے کی قسمیں تو کھا لیں لیکن "انشاء اللہ" نہیں کہا۔ رات کو آسمانی آفت آئی اور سب کچھ جلا کر رکھ دیا، اب وہاں کوئی ایسی چیز باقی نہیں تھی جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا۔ صبح اٹھ کر یہ لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ پھل توڑنا ہے تو جلدی چلو، دن چڑھنے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤ۔ اب یہ لوگ رات کے واقعہ سے بے خبر آپس میں باتیں کرتے اور سرگوشی کرتے وہاں پہنچے اور اس نیت کو پالتے ہوئے کہ کوئی فقیر وہاں نہ پہنچ پائے۔ اب جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور صورتحال دیکھی کہ تیار باغ اور دل کو خوش کر دینے والی خوبصورتی کی جگہ ویرانی چھائی ہوئی ہے تو ایک دم کہنے لگے کہ ہم راستہ بھٹک گئے اور جس راستے سے آنا تھا اس راستہ سے ہم نہیں آئے۔

پھر کہنے لگے کہ ہمیں سزا دی گئی ہے، کیونکہ ہماری نیتیں خراب تھیں۔ ہم نے غلط ارادہ کیا تھا۔ اس لئے ہم اپنے باغ سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان میں سے ایک نے کہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد کے مطابق یہ ایک ان میں سب سے بہتر اور منصف مزاج تھا، کہنے لگا: میں نے تو تم لوگوں سے کہا بھی تھا کہ ''انشاء اللہ'' کہو، لیکن تم نہ مانے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم بری بات کہنے کی بجائے اچھی بات کہو۔

اب سزا مل چکنے کے بعد یہ لوگ نادم ہو گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنے لگے۔ لیکن نادم ہونے اور غلطی کا اعتراف کرنے سے اب کیا ہوتا، اب وقت ندامت اور اعتراف جرم سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سب بھائی تھے اور اپنے باپ سے یہ باغ وراثت میں ان کو ملا تھا۔ ان کا باپ بہت زیادہ صدقہ خیرات کیا کرتا تھا لیکن باپ کے مرنے کے بعد جب معاملہ بیٹوں کے ہاتھ آیا تو باپ کے صدقہ خیرات کرنے کے عمل کو ان لوگوں نے غلط قرار دیا اور باپ کی نیکیوں کو الزام دینے لگے۔ اب ان لوگوں نے فقراء کو حصہ دیئے بغیر سب کچھ اپنے پاس رکھ لینے کا فیصلہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے انہیں سخت سزا دی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی کٹنے اور باغ سے پھل اتارے جانے کے موقع پر صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب باغ پھل دے تو اس کے پھل کھاؤ اور کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔ یعنی اس میں سے فقراء کا حصہ نکالو۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ جن لوگوں کا قصہ ہے اور جہاں یہ علاقہ تھا یہ یمن کا کوئی علاقہ ہے۔ اس کا نام ضروان ہے، بعض نے کہا کہ یہ علاقہ حبشہ کا تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم ایسے لوگوں کو عذاب دیتے ہیں جو ہمارے احکامات کی خلاف ورزی کرے اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کا خیال نہ کرے۔ صرف یہی نہیں۔ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہوگا۔ ان لوگوں کا یہ واقعہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کے مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور اللہ بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے وہ امن (واطمینان) میں رہتے تھے، ان کے کھانے کا سامان بہ فراغت ان کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا، لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اس پر اللہ نے انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا، بہ سبب ان کے کرتوتوں کے اور ان کے پاس ایک رسول بھی ان ہی میں سے آیا تھا، سو اس کو انہوں نے جھٹلایا۔ بس انہیں عذاب نے آ پکڑا۔ اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم تھے۔'' (سورۂ نحل ۱۱۲۔۱۱۳)

ایلہ والوں کا واقعہ

سورۂ اعراف میں فرمایا:

''اور آپ ان سے اس بستی (والوں) کی بابت دریافت کیجئے جو سمندر کے کنارے تھی۔ جبکہ وہ لوگ سبت کے بارے میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے (اور) جبکہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب سبت نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح کی، اس لئے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جنہیں اللہ پاک ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اپنے پروردگار کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں پھر جب وہ بھولے ہی رہے اس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو بری بات سے روکا کرتے رہتے تھے اور جو لوگ ظلم کرتے تھے، انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے۔ پھر جب وہ اس چیز یں حد سے نکل گئے جس سے روکے گئے تھے، ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔'' (سورۂ اعراف ۱۶۳۔۱۶۶)

سورۂ بقرہ میں فرمایا:

''اور تم خوب جان چکے ہوان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سبت کے بارے میں تجاوز کیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ پھر ہم نے اسے (موجب) عبرت بنادیا اس زمانہ کے اور اس کے بعد کے لوگوں کے لئے اور ایک (موجب) نصیحت (بنادیا) خوف خدار کھنے والوں کے لئے۔'' (سورۂ بقرہ:۶۵۔۶۶)

ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی وغیرہ کے مطابق اصحاب السبت اہل ایلہ ہیں۔ابن عباس کے مطابق ایلہ، طور اور مدین کے درمیان واقع ہے۔تورات کے مطابق اس زمانے میں یوم السبت کو شکار ممنوع تھا اور یہ لوگ اسی کے قائل تھے۔اس روز مچھلیاں مطمئن رہتی تھیں۔ کیونکہ اس روز شکار کرنا حرام تھا۔صرف شکار ہی پر پابندی نہیں تھی بلکہ صنعت وحرفت اور دوسرے دھندوں کی بھی اس روز چھٹی ہوتی تھی۔ چنانچہ مچھلیاں یوم السبت کو اِدھر اُدھر اطمینان سے چلتی پھرتیں۔ یہ لوگ مچھلیوں کو دیکھ کر ان کے پیچھے دوڑتے نہیں تھے۔لیکن یوم السبت کے علاوہ دیگر دنوں میں مچھلیاں نہیں آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے ان کو آزمایا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہفتے والے دن مچھلیوں کی بھرمار ہوتی ہے اور دوسرے دنوں میں نہیں آتیں تو ان لوگوں نے مچھلی پکڑنے کا یہ حیلہ کیا کہ جمعہ کے روز مچھلی کی ڈور، کانٹے اور دیگر سامان مچھلی کے راستوں میں ڈال دیا اور ایسا حیلہ کیا کہ مچھلی پانی کے ساتھ جب کنارے کی طرف آتیں تو واپس نہیں جاسکتی تھیں۔اب جب مچھلیاں ہفتے والے دن آتیں تو جال میں اور کانٹوں میں اور گڑھوں میں دھنس جاتیں اور واپس جانے میں ناکام ہو جاتیں۔ ہفتے کا دن گزر جانے کے بعد یہ لوگ آرام سے ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ان کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اور ان پر لعنت بھیجی۔ان میں سے ایک فریق نے اس حیلے پر عمل کیا تھا اور جن لوگوں نے اس حیلے پر عمل نہیں کیا وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ایک گروہ نے ان کے اس فعل پر نکیر کی اور انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، جبکہ دوسرے فریق نے نہ تو مچھلی کا شکار کیا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کیا بلکہ شکار کرنے سے روکنے والوں کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا جن پر اللہ سخت عذاب نازل کرنے والا ہے۔لہٰذا ان لوگوں کو روکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ جن لوگوں نے شکار کرنے سے منع کیا ان کا موقف تھا کہ ہمیں اللہ کی طرف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ہم انہیں منع کرتے رہیں گے تاکہ یہ لوگ باز آجائیں اور غلط کام سے رک جائیں۔ اگر وہ مان لیتے ہیں تو ان پر اللہ کا عذاب نہیں آئے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو یاد دہانی کے باوجود جب وہ نہ مانے تو ہم نے برائی سے منع کرنے والوں کو نجات دی یعنی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور ظالموں کو گرفتار عذاب کیا اور انہیں بندر بنادیا۔اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو ختم کر دیا اور ظالموں کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرنے والوں کو نجات دی اور جو خاموش رہے ان کے معاملے میں سکوت اختیار کیا گیا۔ان کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ وہ بھی نجات پانے والوں میں شامل ہیں، جبکہ دوسرے بعض کا کہنا ہے کہ وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں، لیکن محقق علماء کا کہنا ہے کہ ان کا شمار نجات پانے والوں میں سے ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے مناظرہ کرنے کے بعد اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے اور پھر عکرمہ کو ان کے اعزاز میں نہایت قیمتی جوڑا تحفہ میں دیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہ بھی نجات پانے والوں میں شامل ہیں البتہ ان کا ذکر نجات پانے والوں کے ساتھ نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ دل سے اس برائی کو ناپسند کرتے تھے لیکن ان کو عمل سے بھی اس ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔انکار کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ ہاتھ سے روکنے کا، دوسرا زبان سے روکنے کا اور تیسرا دل سے برا جاننے کا ہے۔ان تین درجات کو دیکھا جائے تو پتا چل جائے گا کہ یہ لوگ نجات پانے والوں میں شامل ہیں، کیونکہ انہوں نے خود کسی برائی کا ارتکاب نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے بھی برائی کو برا جانا تھا۔

عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عطا خراسانی سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے اس برائی کا ارتکاب کیا تھا، ان کو باقی شہر والوں نے الگ کر دیا تھا اور بہت سے لوگوں نے ان کو اس فعل شنیع سے روکا بھی تھا، لیکن یہ لوگ نہ مانے۔لہٰذا یہ لوگ الگ تھلگ رہنے لگے اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ بھی کھڑی کر دی گئی، یہ لوگ ان کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ایک صبح بیدار ہوئے تو ان کا دروازہ بند تھا۔انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔اس کے بعد دن چڑھنے لگا۔ پھر بھی کچھ پتا نہ چلا تو ایک شخص کو اوپر چڑھ کر دیکھنے کو کہا گیا۔ جب یہ شخص اوپر چڑھا تو دیکھا کہ وہاں تو بندر موجود ہیں، ان کی دم بھی ہیں اور یہ لوگ بندروں کی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے۔ان

لوگوں نے دروازہ کھولا تو بندر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو پہچان رہے تھے لیکن خود ان کے رشتہ دار بندروں کو پہچان نہیں پا رہے تھے۔ بندر اپنے رشتہ داروں کے قریب آئے۔ جن لوگوں نے انہیں یوم سبت کو شکار کرنے سے روکا تھا انہوں نے کہا کہ کیا ہم نے تمہیں اس برے عمل سے نہیں روکا تھا تو بندر اپنے سروں سے اشارہ کر کے "جی ہاں" کا اظہار کرتے تھے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ ہم بہت ساری برائیاں دیکھتے ہیں لیکن ہم انہیں برا نہیں جانتے اور نہ ان سے کچھ کہتے ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس بستی کے جوان بندر بن گئے اور بوڑھے سور بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ بس تھوڑی دیر زندہ رہے اور پھر مر گئے۔ ان کی نسل آگے نہیں بڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ضحاک نے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی مسخ شدہ قوم تین دن سے زائد زندہ نہیں رہی۔ ان لوگوں نے کھایا پیا نہیں اور ان کی نسل بھی نہیں چلی۔ اس سلسلے میں ہم نے سورۃ البقرہ اور سورہ اعراف میں کافی تفصیل سے روایات نقل کی ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہوئے تھے، شکل سے وہ بندر اور سور نہیں تھے۔ قرآن کریم میں اللہ نے ان کی مثال بیان کی ہے۔ جس طرح فرمایا "کمثل الحمار یحمل اسفارا" لیکن یہ بات قرآن کریم کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اسی طرح اسلاف سے جو روایات منقول ہیں اس کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

قصہ لقمان

حضرت لقمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔ اور ہم نے لقمان کو حکمت بخشی کہ خدا کا شکر کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پرواہ اور لائق حمد و ثناء ہے اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ شریک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کا شکر کرے۔ جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے اس کے راستے پر چلنا۔ پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کر دوں گا (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر۔ یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں خدا اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا باریک بین (اور) خبردار ہے، بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں) کو اچھے کاموں کے کرنے اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (از راہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ خدا اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔"

(سورۂ لقمان: ۱۲۔۱۹)

لقمان کون تھے؟:۔۔۔۔۔ لقمان کو عموماً لقمان بن عنقاء بن سدون بتایا جاتا ہے۔ لیکن سہیلی نے ان کا نام ابن جریر اور قتیبی کے حوالے سے لقمان بن ثاران بتایا ہے اور کہا ہے کہ انہیں اس نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

سہیلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ لقمان ایلہ کے نوبہ کے رہنے والے تھے۔

بہر حال ہماری تحقیق کی مطابق اور جیسا کہ قرآن مجید میں ان کے ذکر سے ثابت ہے وہ ایک مرد صالح، عبادت گزار اور حکمت عظیمہ کے مالک تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں قاضی تھے۔ واللہ اعلم۔

سفیان ثوری نے اشعث، عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لقمان کو حبشی اور نجار (بڑھئی) بتایا ہے۔

لقمان کا حلیہ مبارک:...... قتادہ، عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے جابر بن عبداللہ سے کہا کہ انہیں لقمان کے بارے میں جو، جو باتیں معلوم ہوئی ہوں وہ انہیں بتائیں تو جابر بن عبداللہ بولے کہ وہ چھوٹے قد کے چپٹی ناک والے شخص تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری سعید بن میسب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لقمان مصری علاقے سوڈان کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہونٹ بڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت سے نوازے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز نہیں فرمایا تھا۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ شخص حضرت سعید بن میسب کے پاس کچھ پوچھنے آیا تو انہوں نے فرمایا کہ سیاہ رنگ کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بہترین لوگوں میں تین سیاہ افراد بھی شامل ہیں۔ بلال، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام مجع اور لقمان حکیم۔ لقمان حکیم نوبہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہونٹ بڑے بڑے تھے۔ امام اعمش مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ لقمان سیاہ رنگ کے تھے۔ ہونٹ بڑے بڑے تھے اور دونوں پاؤں پھٹے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں چوڑے قدم بتایا گیا ہے۔ ایک شخص ان کے پاس آیا جب کہ وہ لوگوں کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کررہے تھے۔ اس شخص نے پوچھا، کیا آپ وہ نہیں ہیں جو فلاں جگہ میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ جی ہاں، اس نے پھر کہا کہ آپ اس مقام تک کیسے پہنچے جہاں میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سچائی اور فضول باتوں سے خاموش رہنے کی وجہ سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا۔

ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن ابی زید بن جابر کی روایت نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان حکیم کو ان کی حکمت اور دانائی کی وجہ سے بلند مقام عطا فرمایا۔ ایک اور شخص آپ سے ملا جو پہلے سے آپ کو جانتا تھا۔ اس نے پوچھا کیا آپ فلاں کے بیٹے کے غلام نہیں ہیں جو پہلے میری بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں! میں وہی ہوں۔ اس نے پوچھا آپ کا جو مقام میں دیکھ رہا ہوں، اس تک آپ کو کس نے پہنچایا؟ فرمایا، اللہ کی قدرت، امانت کی ادائیگی، سچی بات اور فضولیات سے پرہیز نے۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ عفرہ کے غلام عمر کا کہنا ہے کہ ایک شخص لقمان حکیم کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا آپ لقمان ہیں؟ آپ بنی نحاس کے غلام ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، اس نے کہا، کیا آپ وہی بکری چرانے والے سیاہ شخص ہیں؟ فرمایا، میری سیاہ رنگت تو نظر آرہی ہے، یہ تو آپ بتائیں کہ مجھ میں تعجب کی کونسی بات پائی جاتی ہے؟ کہا کہ لوگوں کی کثرت کے ساتھ آپ کے پاس آنا، لوگوں کا آپ کے دروازے پر ہجوم کئے رہنا اور آپ کی باتوں سے لوگوں کا خوش ہونا۔ فرمایا، بھتیجے! اگر آپ بھی وہی کام کرلیں جو میں آپ کو بتا رہا ہوں تو آپ کے ساتھ بھی ایسا ہو جائے گا۔ اس نے کہا، وہ کیا؟ فرمایا، بدنظری سے بچنا، زبان کو خاموش رکھنا، حرص سے بچنا، حد سے تجاوز نہ کرنا، وعدے کا پاس رکھنا۔ مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کا خیال کرنا اور فضولیات کو ترک کردینا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا۔

ابن ابی حاتم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے حضرت لقمان حکیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو مال و دولت، اہل وعیال، حسب ونسب اور حسن میں سے کسی چیز سے نہیں نوازا گیا تھا۔ آپ چوڑے جسم والے، خاموش، طویل غور و فکر کرنے والے، گہری نظر والے، دن میں کبھی نہیں سوئے، آپ کو کسی نے تھوکتے نہیں دیکھا، گلے سے آواز نکالتے کسی نے نہ سنا، پیشاب کرتے کسی نے نہیں دیکھا، پاخانہ کرتے کسی نے نہیں دیکھا، غسل کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا، فضول کام میں کبھی ملوث نہ ہوئے، کبھی زور سے ہنسے نہیں، آپ اپنی باتوں کو دہراتے بھی نہ تھے۔ البتہ کوئی حکمت کی بات اگر آپ فرماتے تو کوئی اس کو دہرانے کے لئے کہتا تو آپ اسے دہرا دیتے۔ آپ نے شادی کی اور اولاد بھی ہوئی تھی۔ لیکن وہ مر گئے۔ آپ ان کے مرنے پر روئے نہیں، آپ حکام اور سلاطین کے پاس جاتے تھے لیکن جانے کا مقصد ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنا ہوتا تھا۔ اسی لئے اللہ نے آپ کو مقام بلند عطا کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو نبوت کی پیشکش کی گئی تھی لیکن آپ اس کی ذمہ

داریوں سے گھبرا گئے، لہٰذا آپ نے حکمت اختیار کی، کیونکہ یہ آپ کے لئے آسان تھی۔ یہ قتادہ کی روایت ہے۔ تاہم یہ پہلو قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا کہ لقمان نبی تھے۔ تاہم یہ بھی ضعیف ہے۔ جمہور علماء کی روایت سے جو بات مشہور ہوئی وہ یہ ہے کہ لقمان حکیم اور ولی اللہ تھے، نبی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ آپ کی تعریف کی اور آپ کی باتیں نقل کیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی وہ بھی نقل فرمایا، آپ نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا اور اس کے ارتکاب سے ڈرایا۔

صحیحین میں مروی ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت ''الذین امنوا و لم یلبسوا ایمٰنھم بظلم'' نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے اس کو بہت مشکل خیال کیا اور رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہ کیا ہو۔ اس پر جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ کیا آپ لوگوں نے لقمان کی بات نہیں سنی۔

''یبنی لاتشرک باللّٰہ إن الشرک لظلم عظیم''

آگے اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرنے کے ساتھ ان کے حقوق بھی بیان فرمائے، یہاں تک کہ اگر وہ مشرک ہوں پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو کہا۔ البتہ اگر وہ شرک کرنے کو کہیں تو اس بات کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحت کو نقل فرمایا کہ ظلم چھوٹا سے چھوٹا کیوں نہ ہو اور پھر وہ پتھر کے اندر بیٹھ کر بھی کیا جائے تو اللہ پاک اس کو بھی شمار کریں گے اور میزان عدل میں اس کو بھی لایا جائے گا۔ اسی کو دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

''اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔'' (سورۃ الانبیاء:۴۷)

اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ یہ ظلم مقدار اور وزن کے لحاظ سے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، چاہے چٹان کے اندر جس کا کوئی دروازہ اور روشندان بھی نہ ہو اس کے اندر بھی یہ ظلم کیا جائے اور چاہے زمین کی گہرائیوں کے اندر یا آسمان کی وسعتوں میں ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو لا حاضر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا کہ کوئی بھی پتا اگر گرتا ہے تو اللہ کو پتا ہوتا ہے، زمین کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں اگر کوئی دانہ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی تر اور خشک چیز ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کو پتا ہوتا ہے اور ان سب کا اندراج اللہ کی کتاب میں ہوتا ہے۔ سورۂ نمل میں ہے کہ آسمان وزمین میں کوئی چیز چھپی ہوئی ہو تو وہ اللہ کی کتاب میں موجود ہوتی ہے۔ سورۂ سبا میں ہے کہ اللہ پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ اللہ سے آسمان وزمین میں کوئی چھوٹی بڑی چیز چھپ کر نہیں رہ سکتی۔ قرآن کریم میں ''فتکن فی صخرۃ'' کا جو لفظ آیا ہے اس میں سدی، عطیہ عوفی، ابی مالک، ثوری اور منہال بن عمرو وغیرہ نے سمجھا کہ یہ صخرہ ساتویں زمین کے اندر کا کوئی پتھر ہے۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے بلکہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہاں پتھر ہی مراد ہے اس لئے کہ یہاں ''صخرۃ'' کو نکرہ اور عام رکھا گیا ہے۔ اگر اس سے وہی پتھر مراد ہو جو مذکورہ حضرات کہہ رہے ہیں تو اس کو ''فتکن فی الصخرۃ'' کہہ کر معرفہ لایا جاتا، لہٰذا یہاں معرفہ مراد نہیں ہے بلکہ کوئی بھی صخرہ ہو۔ اس کی وضاحت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی شخص کسی اندھے پتھر کے اندر کوئی عمل کرے، اس پتھر میں کوئی دروازہ، کوئی کھڑکی اور کوئی روشندان بھی نہ ہو، تب بھی وہ عمل جتنا بھی ہو اس کے عمل کا نتیجہ لوگوں میں ظاہر ہوگا۔

آگے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹے! نماز کو اس کی تمام حدود اور واجبات کے ساتھ ادا کرو۔ اوقات، رکوع وسجود اور خشوع و خضوع سب کی رعایت کرنا، نیک اعمال کا لوگوں کو تلقین کرنا اور انہیں غلط کام سے روکنا، اگر ہاتھ سے روک سکتے ہو تو روکنا ورنہ زبان سے اور اگر ایسا بھی نہ ہوسکے تو دل سے ہی برا جاننا۔

آگے صبر کی تلقین کی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لوگوں کی طرف سے بہت سے امور کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا صبر سے کام لو، اس لئے کہ صبر کرنے سے آگے آسانی پیدا ہوگی اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ آگے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا۔ اسی

طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز تو نہیں کر سکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے مٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھو سکتا، لہٰذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر ناز ونخرے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔ ابوداؤد میں جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو، یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا ''ان اللہ لایحب کل مختار فخور '' کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے، اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔ آگے تلقین کی گئی ہے کہ صرف چلنے میں ہی میانہ روی اختیار کرنے پر اکتفا نہ کرنا چاہئے بلکہ بات چیت اور ایک دوسرے کو پکارنے اور مخاطب کرتے وقت بھی میانہ روی سے کام لیا کرو، بلند آواز میں بات نہ کرو، اونچی اور ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

صحیحین میں آیا ہے کہ رات کے وقت گدھے کی آواز سن کر استعاذہ پڑھا کرو، کیونکہ گدھا اس وقت شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔ اسی لئے آواز کو بلند کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ خاص طور سے چھینکنے کے وقت آواز کو پست کرنا اور منہ کو بند کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ یہی جناب نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ رہی بات اذان، قتال کے لئے بلانے اور چاند کے نظر آنے کی خبر بلند آواز سے دینے کی تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت لقمان حکیم کی حکمت وموعظت اور امور خیر کی تلقین پر مبنی باتیں نقل کی ہیں، اس کے علاوہ آپ کی باتوں اور مواعظ پر مشتمل، بہت ساری روایات موجود ہیں۔ بلکہ آپ سے منقول ایک کتاب بھی ہے جس کا نام ''حکمت لقمان'' ہے۔ یہاں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لقمان حکیم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز امانت رکھواتے ہیں تو اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم قاسم بن مخیمرہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، تکلف سے بچو، اس لئے کہ یہ رات کو خیانت ہے اور دن میں قابل مذمت۔ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! حکمت اور دانشمندی نے مساکین کو شاہوں کی مجلسوں میں پہنچایا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عون بن عبداللہ نے لقمان حکیم کا اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ بیٹا! جب تم کسی مجلس میں جاؤ تو انہیں سلام کرو اور ان کے ساتھ مجلس کے سرے میں بیٹھ جاؤ اور خاموش رہو۔ جب تک وہ بات مکمل نہ کرلیں، اگر وہ ذکر اللہ میں لگ جائیں تو ان کے ساتھ مزید وقت بیٹھے رہو اور اگر وہ کسی اور بات میں لگ جائیں تو وہاں سے کسی اور جگہ چلے جاؤ۔ مسند احمد میں حفص بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے پاس رائی کے دانوں کا ایک تھیلا لیا اور اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے لگے اور ہر نصیحت پر ایک ایک دانہ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ تھیلا ختم ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا، بیٹے! میں نے تمہیں ایسی نصیحت کی ہے کہ اگر یہ نصیحت کسی پہاڑ کو کی جاتی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کا بیٹا بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔

ابوالقاسم طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ سیاہ لوگوں کا اکرام کرو، اس لئے کہ ان میں سے تین افراد جنت کے سرداروں میں سے ہے۔ ایک لقمان حکیم، دوسرے نجاشی اور تیسرے بلال یعنی بلال حبشی مؤذن رسول۔ البتہ اس حدیث کا درجہ کافی کم ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الزہد'' میں لقمان حکیم کے ذکر میں اور بھی بہت سی باتیں نقل کی ہیں۔ جن میں سے مجاہد کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ ''میں حکمت سے مراد اصابت رائے اور سمجھ بوجھ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ حضرت لقمان حبشی غلام تھے۔ حضرت سعید بن المسیب کا کہنا ہے کہ حضرت لقمان درزی تھے۔ لوگوں کے کپڑے سیا کرتے تھے۔ مالک بن دینار کا کہنا ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹے! اللہ کی اطاعت تجارت سمجھ کر کرو تو تمہیں سامان کے بغیر منافع حاصل ہوں گے۔ محمد بن واسع نے فرمایا کہ لقمان اپنے بیٹے سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹے! اللہ سے ڈرو لیکن اللہ سے ڈرنا لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ ہو کہ اس سے لوگ تمہارا اکرام کرنے لگیں، ایسی صورت میں تمہارا دل گنہگار ہوگا۔ خالد ربعی کا کہنا ہے کہ لقمان حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے۔ آپ کے مالک نے کہا کہ لقمان! میرے لئے ایک بکرا ذبح کرو، تو

آپ نے بکرا ذبح کر دیا۔ مالک نے آپ سے کہا کہ اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لاؤ۔ آپ نے زبان اور قلب لے جا کر دیا تو مالک نے پوچھا کہ کیا اس میں ان دونوں سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نہیں، ان سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ مالک کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر بولے کہ ایک اور بکرا ذبح کرو تو آپ نے ذبح کر دیا۔ اب بولے کہ اس میں سے سب سے خراب دو حصے پھینک دو تو آپ نے زبان اور قلب پھینک دیئے۔ اب مالک بولے کہ پہلے میں نے بولا تھا کہ اس کی دو بہترین چیزیں مجھے لا کے دو، تو تو نے زبان اور قلب لا کر دیا اور جب میں اس میں سے سب سے خراب چیزیں گرا دینے کو کہا تو بھی زبان اور قلب گرا دیئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جب زبان اور قلب ٹھیک ہوں تو پورے جسم میں ان سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے اور جب یہ دونوں خراب ہو جائیں تو پورے جسم میں ان سے زیادہ خراب چیز اور کوئی نہیں ہے۔

ابو عثمان نے کہا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جاہل کی محبت میں رغبت مت رکھ۔ اس لئے کہ اس سے وہ سمجھ بیٹھے گا کہ اس کے کام سے تو خوش اور راضی ہے اور دانشور اور حکیم کی ناراضگی کو کم درجہ کی چیز مت سمجھ کہ اس کی وجہ سے وہ تم سے بے رغبت ہو جائے گا۔ عبداللہ بن زید نے کہا کہ لقمان نے کہا، سنو! حکماء کی زبانوں پر اللہ کی مدد ہوتی ہے، یہ لوگ صرف وہی بات کہتے ہیں جو انہیں اللہ کی طرف سے ملتی ہیں۔ سفیان نے کہا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، اے بیٹے! میں خاموشی پر کبھی پشیمان نہیں ہوا، اگر بات چاندی کی ہو تو خاموشی سونے کی ہے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، بیٹے، برائی سے دور رہو، برائی تجھ سے دور رہے گی۔ کیونکہ برائی برائی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ عروہ کہتے ہیں کہ حکمت میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹے! حرص سے بچو، اس لئے کہ حرص رشتوں کو دور کر دیتی ہے اور حکمت کو بھی اسی طرح ختم کر دیتی ہے جس طرح خوشی کو ختم کر دیتا ہے۔ بیٹے زیادہ غصہ سے پرہیز کرو، اس لئے کہ غصے کی زیادتی دانشور کے دل کے لئے موت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عبید بن عمیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، بیٹا! اپنے فائدے کے لئے مجلسوں میں بیٹھا کر، جب دیکھو کہ مجلس میں اللہ کا ذکر ہو رہا ہے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، اس لئے کہ اگر تم عالم ہو تو تمہارا علم تمہیں فائدہ دے گا اور اگر تم جاہل اور ناواقف ہو تو وہ تمہیں سکھا دیں گے۔ اگر اللہ کی طرف سے ان پر کوئی رحمت نازل ہوتی ہے تو تمہیں بھی رحمت پہنچ جائے گی۔ بیٹا کسی ایسی مجلس میں مت بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو رہا ہو، اس لئے کہ اگر تم عالم ہو تو اس وقت تمہارا علم تمہیں فائدہ نہیں دے گا اور اگر تم عالم نہیں ہو تو وہ تمہاری جہالت میں مزید اضافہ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ان پر اپنی ناراضگی کا وبال نازل کرے تو وبال تمہارے اوپر بھی نازل ہوگا۔ اے بیٹے! کسی ایسے شخص پر رشک مت کر جس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلمانوں کے خون سے رنگا ہو، اس لئے کہ اللہ کے ہاں اس کا بھی قاتل موجود ہے اور اس کے بغیر وہ مرے گا نہیں۔

عروہ کا کہنا ہے کہ حکمت میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹے! آپ کی بات اچھی ہونی چاہئے اور آپ کو ہنس مکھ ہونا چاہئے، اگر ایسا ہو جائے تو تم لوگوں میں ان لوگوں سے بھی زیادہ پسندیدہ بن جاؤ گے جو لوگوں کو ہدیے اور بخشش دیتے ہیں۔ عروہ نے یہ بھی بتایا کہ حکمت میں یا تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ نرمی حکمت اور دانشوری کی جڑ ہے۔ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جس طرح تم لوگوں پر رحم کرو گے تمہارے ساتھ بھی رحم کیا جائے گا۔ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جیسے بوؤ گے ویسے ہی کاٹو گے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے دوست سے محبت کر یا اپنے دوست کے باپ سے محبت کر۔ لقمان سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ صابر شخص کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا، ایسا صبر جس کے بعد پریشانی نہ ہو۔ پوچھا گیا کہ کونسا شخص زیادہ صاحب علم ہے؟ جواب دیا کہ جو لوگوں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرے۔ پوچھا گیا کہ کونسا شخص بہتر ہے۔ فرمایا کہ "غنی"۔ پوچھا گیا کہ غنی سے کیا مراد ہے؟ کیا ایسا شخص جس کے پاس مال ہو؟ فرمایا کہ نہیں۔ غنی وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کوئی بھلائی اور خیر تلاش کی جائے تو مل جائے۔ بصورت دیگر خود کو دوسروں سے بے نیاز رکھے۔ پوچھا گیا کہ کونسا شخص برا ہے تو فرمایا، وہ شخص جو اعلانیہ گناہ کرتے ہوئے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا ہو۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حکمت کی باتوں میں پایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشات کے مطابق بات کرنے والوں کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ وہاں یہ لکھا پایا کہ نامعلوم چیز کو معلوم کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح معلومات پر عمل کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی نے لکڑیاں چن کر گٹھا بنا لیا ہو اور پھر اسے اٹھانے لگا تو اس سے وہ اٹھا نہیں تو اس نے مزید لکڑیاں اکٹھی کر کے ایک اور گٹھا بنا لیا ہو۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ بیٹا! تمہارا

کھانا نیک لوگ کھائیں اور اپنے معاملات اور مسائل میں علماء سے مشورے لیا کرو۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان حکیم کو نبوت اور حکمت کے درمیان اختیار دیا تو آپ نے نبوت کی بجائے حکمت کو اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خواب میں آ کر آپ کے اندر حکمت ڈال دی۔ اس کے بعد سے آپ حکمت کی باتیں کہنے لگے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبوت پر حکمت کو کیوں فوقیت دی جبکہ آپ کو رب کی طرف سے انتخاب کا حق دیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا، اگر مجھے نبوت بطور فریضہ اور ذمہ داری دی جاتی تو مجھے اس میں کامیابی کی امید تھی اور یہ ذمہ داری نبھانا میرے لئے آسان ہوتا جبکہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ مجھے تو اختیار دیا گیا تھا، لہٰذا میں نبوت کی ذمہ داری اٹھانے سے ڈر گیا۔ اس لئے مجھے حکمت پسند ہے۔ یہ روایت قابل غور ہے۔

قصہ اصحاب الاخدود

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

ترجمہ:...... ''آسمان کی قسم جس میں بُرج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی، کہ خندقوں کے (کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے۔ یعنی (آگ کی خندقیں جس میں ایندھن) جھونک رکھا ہے۔ جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو سختیاں اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے، ان کو مومنوں کی یہ بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابل ستائش ہے، وہی جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔'' (سورۃ البروج: ا۔۱۰)

محمد بن اسحاق کا خیال ہے کہ اصحاب الاخدود کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے۔ بعض لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے۔ ایک تیسرے گروہ کی رائے مذکورہ دونوں سے مختلف ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ ان قرآنی آیات میں جس واقعے کا ذکر ہے اس طرح کے واقعات دنیا میں بہت پیش آئے ہیں۔

لیکن قرآن میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے ان کے بارے میں مسلم، مسند احمد اور نسائی میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق نے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ ان دونوں کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک جادوگر تھا، جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا، اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مرنے والا ہوں۔ آپ کوئی نوعمر لڑکا مجھے دے دیں کہ اسے اپنا فن سکھا سکوں۔ بادشاہ نے جادوگر کی حسب خواہش ایک نوعمر لڑکا اس کے پاس بھیج دیا، لڑکا اس کے پاس آنے جانے لگا۔ بادشاہ اور جادوگر کے درمیان ایک راہب تھا، لڑکا اس راہب کے پاس بھی جانے لگا۔ لڑکے کو راہب کی باتیں پسند آنے لگیں۔ وہ جادوگر کے پاس جاتا تو اسے دیر سے جانے پر مار پڑتی اور گھر جانے پر گھر والے پٹائی کرتے۔ اس نے راہب کو اپنی پریشانی بتائی تو راہب نے یہ طریقہ سکھایا کہ جادوگر مارنے لگے تو بتانا کہ گھر سے آتے ہوئے دیر ہوگئی اور گھر والے مارنے لگیں تو کہنا کہ جادوگر کے پاس دیر ہوگئی۔

ایک دن وہ جا رہا تھا، اس نے دیکھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے اور لوگ اس کی وجہ سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔ اس نے کہا کہ آج مجھے پتا چل جائے گا کہ جادوگر اللہ کا محبوب ہے یا راہب۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ اے اللہ اگر راہب آپ کو محبوب ہے تو اس جانور کو ختم فرما دے تاکہ لوگوں کا راستہ کھل جائے اور پھر پتھر دے مارا تو جانور مر گیا۔ اس نے جا کے راہب کو صورتحال بتا دی تو راہب نے کہا کہ بیٹا! تو، تو مجھ سے بڑھ کر ہے۔ البتہ تجھ پر آزمائش آنے والی ہے۔ اگر تجھ پر آزمائش آ گئی تو میرا پتا کسی کو نہ بتانا۔ اب وہ لڑکا مادر زاد اندھوں، برص کے بیماروں اور ہر طرح کے مرض میں مبتلا لوگوں کا کامیاب علاج کرنے لگا۔ اللہ نے اس کے ہاتھ میں شفا رکھ دی۔ اس دوران بادشاہ

کا ایک درباری اندھا ہو گیا۔ اس لڑکے کے بارے میں سنا تو بہت سارے ہدایا اور تحائف لے کر اس کے پاس پہنچ گیا اور کہا کہ مجھے شفا بخش دو گے تو یہاں جو کچھ ہے یہ سب تمہارا ہو جائے گا۔ لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا دینے والا اللہ ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ سے دعا کرو گے تو تم شفایاب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے دعا کی تو اسے شفا مل گئی۔ اس کے بعد وہ شخص بادشاہ کے پاس آیا اور اس جگہ بیٹھ گیا جہاں بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تمہاری آنکھیں کس نے صحیح کیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے رب نے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اس پر بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا تمہارا رب میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ اب بادشاہ اسے اس وقت تک سزا دیتا رہا جب تک اس نے مذکورہ لڑکے کا نام پتا نہ بتا دیا۔ اب لڑکے کو لایا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ لڑکے! مجھے بتا چلا ہے کہ تیرے پاس کوئی جادو ہے جس کی مدد سے تو مادرزاد اندھوں اور برص میں مبتلا لوگوں اور دیگر بیماریوں کا علاج کرتا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں تو کسی کو شفایاب نہیں کرتا بلکہ اللہ عزوجل شفا دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا، کیا وہ میں ہوں؟ لڑکے نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر بادشاہ کہنے لگا کہ کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ تو لڑکے نے جواب دیا کہ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اسے بھی سزا دینی شروع کر دی اور اس وقت تک سزا دیتا رہا جب تک اس نے راہب کا پتہ نہ بتا دیا۔ اب راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ۔ راہب نے انکار کر دیا تو اسے آرا سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ اب اس اندھے سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا جس کو لڑکے نے اللہ کے حکم سے شفایاب کیا تھا۔ اس نے بھی انکار کر دیا تو اس کے ساتھ بھی وہی عمل دہرایا گیا جو راہب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آخر میں لڑکے سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ لڑکے نے انکار کر دیا تو لڑکے کو ایک قافلہ کے ساتھ کر دیا اور اسے کسی پہاڑ کی طرف روانہ کر دیا اور کہا کہ تمہارے اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے تک اگر یہ اپنے دین سے پھر جاتا ہے تو تم اسے واپس لے آنا، بصورت دیگر اسے وہیں سے نیچے لڑھکا دینا۔ یہ لوگ جب لڑکے کو لے کر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچے تو لڑکے نے دعا کی کہ اے اللہ تو ان کے ساتھ جیسے مرضی ہو برتاؤ کر اور تو میری طرف سے ان کے لئے کافی ہو جا، اس کے بعد پہاڑ اس زور سے ہلنے لگا کہ وہ سب لڑھک گئے۔ اب وہ لڑکا ایک مرتبہ پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھ جو لوگ گئے تھے ان کا کیا بنا؟ تو لڑکے نے جواب دیا، اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس مرتبہ بادشاہ نے اسے ایک گروہ کے ساتھ سمندر کے راستے میں بھیج دیا اور تاکید کی کہ وہاں پہنچنے کے بعد لڑکا اگر اپنے دین سے پھر جاتا ہے تو واپس لے آنا، بصورت دیگر اسے سمندر میں غرق کر دینا۔ جب یہ لوگ سمندر میں گئے تو لڑکے نے دعا کی کہ اے اللہ تو ان کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق سلوک کر۔ اس پر سارے لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ جو لوگ گئے تھے ان کا کیا بنا؟ تو لڑکے نے جواب دیا، اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا۔ لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ آپ جب تک وہ کام نہ کریں گے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں اس وقت تک آپ مجھے نہیں مار سکتے۔ بادشاہ نے کہا کہ بتاؤ۔ لڑکے نے بتایا کہ لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر کے مجھے سولی سے باندھ دو۔ پھر میرے ترکش سے ایک تیر لو اور "اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے" کہہ کر تیر چلا دو۔ اگر آپ اس طرح کر لیں تو آپ مجھے مار سکتے ہیں۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔ اب لوگوں نے نعرہ لگایا کہ "ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔"

بادشاہ سے درباریوں نے کہا کہ آپ جس بات سے ڈرتے تھے وہ بات ہو گئی۔ سارے لوگ تو مسلمان ہو گئے۔ اب بادشاہ نے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں آگ بھر دی اور اعلان کروا دیا جو اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آتا ہے اسے چھوڑ دیا جائے اور جو نہ لوٹے اسے ان خندقوں میں ڈال دیا جائے۔ یکے بعد دیگرے لوگ لائے اور ڈالے جا رہے تھے۔ اس دوران ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا، اس کو آگ میں گرنے سے ذرا جھجک ہوئی تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان صبر کرو، کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

اس واقعہ کو محمد بن اسحاق نے دوسرے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اہل نجران مشرک تھے، بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ نجران کے قریب ایک بستی میں ایک جادوگر رہا کرتا تھا۔ وہ اہل نجران کے لڑکوں کو جادو سکھایا کرتا تھا۔ اس دوران ایک شخص نے نجران اور اس کی بستی کے درمیان پڑاؤ ڈالا اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص تامر نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کو نجران کے لڑکوں کے ساتھ جادو سیکھنے بھیجنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن تامر جب خیمہ کے پاس سے گزرتا تو اسے خیمہ کے اندر موجود شخص کی عبادت اور نماز میں مصروفیت اچھی لگتی۔ اب اس نے خیمہ میں جانا

شروع کر دیا اور اس کی باتیں بھی سننے لگا، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا اور بت پرستی چھوڑ کر اللہ کی بندگی اور اس کی وحدانیت کا قائل ہو گیا۔ اسلام کے ارکان اور اس کی باتیں سیکھنے لگا۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن تامر نے اس سے ''اسم اعظم'' کا پوچھا تو اس نے باوجود اس بارے میں جاننے کے اس سے چھپا دیا اور اس سے کہا کہ بھتیجے تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا، مجھے خطرہ ہے کہ اس کی وجہ سے تو کمزور ہو جائے گا۔ عبداللہ کا باپ تو سمجھتا تھا کہ اس کا بیٹا بھی دوسرے لڑکوں کی طرح جادوگر کے پاس جاتا ہے۔ عبداللہ کے خیال میں اس کا استاد اسے اسم اعظم بتانے میں بخل سے کام لے رہا ہے اور اس کے کمزور ہو جانے کا خوف محسوس کر رہا ہے۔ اب اس نے بہت سارے تیر اکٹھے کئے اور ہر تیر پر اس نے اللہ کا ایک ایک نام لکھا اور اپنی معلومات کے مطابق اس نے اللہ کے تمام نام الگ الگ تیروں میں لکھ کر سب کو اکٹھا کر کے اس نے آگ جلائی اور پھر ایک ایک تیر آگ میں ڈالنے لگا۔ اسم اعظم والا تیر اس نے ڈالا تو وہ اچھل کر باہر آ گیا۔ وہ آگ میں جلنے سے محفوظ رہا۔ اس نے وہ تیر لیا اور اپنے استاد کو جا کر بتایا کہ اسے اسم اعظم کا پتا چل گیا ہے۔ استاد نے اس سے پوچھا تو اس نے اسم اعظم بتا دیا۔ استاد نے اس سے کہا کہ تمہیں کیسے پتا چلا؟ تو اس نے طریقہ بتا دیا۔ استاد نے کہا کہ بھتیجے تمہیں صحیح معلوم ہوا۔ اب تم اپنے اوپر قابو پاؤ۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ تم کس طرح کر پاؤ گے۔ اب عبداللہ بن تامر نجران جاتا تو کوئی مصیبت میں گرفتار شخص اسے نظر آتا تو اس سے کہتا کہ اللہ کے بندے تو اللہ کو ایک مان، میرے دین میں داخل ہو جا، میں تیرے لئے دعا کروں گا تو اللہ تجھے تندرست کر دے گا اور تو پریشانی سے نجات پا لے گا۔ وہ شخص ہاں کہتا تو عبداللہ بن تامر اس کے لئے دعا کرتا تو اسے شفا مل جاتی۔ اس طرح اس کی شہرت نجران کے بادشاہ تک پہنچ گئی تو بادشاہ نے اسے بلوا کر کہا کہ تو نے علاقے کے لوگوں کو میرے خلاف کر دیا اور میرے اور میرے باپ دادا کے دین کی مخالفت شروع کر دی۔ میں تجھے قتل کر کے تیرے جسم کے اعضاء کے ٹکڑے کرا دوں گا۔ عبداللہ نے کہا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے اسے بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے گرانے کے لئے بھیجا تو یہ زمین پر آ جاتا لیکن اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچتی۔ جب اسے نجران کے ایسے سمندروں میں ڈبو دیا جاتا جہاں ہر چیز گر کر ختم ہو جاتی ہے تو یہ وہاں سے بھی صحیح سالم نکل آتا اور اسے کوئی آنچ نہیں آتی۔ جب شاہ نجران اس سے تنگ آ گیا تو عبداللہ بن تامر نے اس سے کہا کہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا، ہاں اگر تو اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو گیا اور اس کی ذات پر ایمان لے آئے جس پر میں ایمان لایا ہوں تو اس صورت میں تو مجھے قابو کر کے قتل کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ نجران اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو گیا اور عبداللہ بن تامر کے کہنے کے مطابق ایمان لے آیا۔ اس کے بعد اپنی لاٹھی سے عبداللہ بن تامر کو مارا تو وہ معمولی زخمی ہو گیا اور مر گیا۔ اس کے ساتھ بادشاہ بھی مر گیا۔ ان دونوں کی موت کے بعد اہل نجران عبداللہ بن تامر کے دین پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہ وہی دین ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے تھے۔ بعد میں اہل نجران بہت سے گروہوں میں بٹ گئے۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ذونواس قبیلہ حمیر کا ایک لشکر لے کر اہل نجران کے پاس گیا اور انہیں دین یہودیت کی طرف دعوت دی اور قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی۔ ان لوگوں نے ذونواس کی بات نہ مانی اور قتل ہو جانے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ان لوگوں کے لئے خندقیں کھودی گئیں اور آگ میں انہیں ڈالا گیا، بہت ساروں کو تلواروں سے قتل کیا گیا اور انہیں مثلہ بنایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس طرح بیس ہزار افراد کو قتل کیا گیا۔ ذونواس اور اس کے لشکر کے بارے میں سورۃ البروج میں کہا گیا کہ ''خندقوں والے ہلاک کر دیئے گئے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم شریف کی طویل روایت کا ان آیتوں میں ذکر کردہ واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خندقوں میں آگ جلانے کا واقعہ دنیا میں ایک نہیں ہے بلکہ اس طرح کے واقعات دنیا میں بہت ہوئے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ یمن میں تبع کے زمانے میں خندقیں کھودی گئیں، قسطنطنیہ میں قسطنطین کے زمانے میں جب نصاریٰ نے اپنا قبلہ دین مسیح اور توحید سے پھیر دیا تھا، اس وقت ایک تنور بنایا گیا اور اس میں ان نصاریٰ کو ڈالا گیا جو دین مسیح اور توحید پر قائم تھے۔ سرزمین عراق میں بابل میں بخت نصر کے زمانے میں بت بنا کر لوگوں کو اس کی پرستش کرنے کا حکم دیا گیا تو دانیال اور اس کے دو ساتھی عزریا اور مشائیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تو ان کے لئے ایک تنور بنایا گیا جس میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلائی گئی اور ان کو اس میں ڈالا گیا تو اللہ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر کے ان کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک کا باعث بنا دیا اور نہ صرف انہیں اس سے نجات دی بلکہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو اس میں ڈال دیا۔ یہ نافرمان نو افراد تھے جنہیں آگ نے ختم کر دیا۔ بعض لوگوں نے اخدود یعنی خندقوں کے بارے میں بتایا کہ ان کی تعداد تین تھی۔ ایک شام میں، دوسری عراق میں اور تیسری یمن میں۔ اصحاب الاخدود کے بارے میں تفصیلی ذکر سورۃ البروج کی تفسیر میں موجود ہے۔

بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرنے کا ذکر

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تم لوگ میری حدیثیں بیان کرو، لیکن میری طرف سے جھوٹ مت بولو، جو شخص میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، اگر کسی نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا دے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرا پیغام پہنچاؤ۔ اگر چہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ ہمیں ساری رات بنی اسرائیل کے واقعات بیان فرماتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، اس دوران ہم صرف نماز کے لئے مجلس سے اٹھتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ بنی اسرائیل کے بارے میں بتایا کرو، ان میں بڑی عجیب عجیب باتیں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے بارے میں فرمانے لگے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ایک قبرستان میں گئے اور ایک قبر کے پاس جا کر کہنے لگے کہ ہم دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ میاں کوئی مردہ نکال دے تو ہم اس سے موت کے بارے میں پوچھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو ایک آدمی نے قبر کے اندر سے سر نکالا۔ جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدے کا نشان تھا۔ اس نے کہا، لوگو! تمہیں مجھ سے کیا کام پڑ گیا ہے؟ مجھے مرے ہوئے سو سال ہو گئے ہیں لیکن اب تک مجھ سے موت کی تپش ہی ختم نہیں ہوئی، تم لوگ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے میری حالت میں لوٹا دے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں روایت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں صحیح ہوں وہ روایت کی جائیں، یہ نہ ہو کہ غلط باتیں بھی جن کا اصل سے کوئی تعلق نہ ہو وہ بھی بیان کر دی جائیں۔ روایت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے صحیح ہونے کا یقین بھی کر لیا جائے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اہل کتاب توراۃ عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اس کی تشریح مسلمانوں کے لئے عربی زبان میں کیا کرتے تھے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ تم لوگ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب کرو بلکہ تم کہا کرو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان چیزوں پر جو ہمارے اوپر نازل کی گئیں اور جو تمہارے اوپر نازل کی گئیں، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے تابع فرمان ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی جناب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ محمد! کیا یہ جنازہ بات کر سکتا ہے؟ تو جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات کر سکتا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تمہیں کچھ بتائیں تو تم ان کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو، بلکہ تم کہو کہ ہم اللہ پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ لہٰذا اگر ان کی بات صحیح ہے تو تمہاری طرف سے اس کی تکذیب نہیں ہوئی اور اگر ان کی بات غلط ہوئی تو تمہاری طرف سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک کتاب لے کر جناب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ کتاب آپ کو کسی اہل کتاب سے ملی تھی۔ آپ نے جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے وہ کتاب پڑھنی شروع کر دی تو آپ ﷺ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ اے ابن خطاب! کیا تم اس میں گر پڑنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس صاف ستھری چیز لے کر آیا ہوں۔ ان کے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ تم ان سے پوچھو تو اس کا صحیح جواب دے سکیں اور تم اس کو صحیح مان بھی لو یا غلط ہو تو تم اس غلطی کو تصدیق کر سکو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے بغیر گنجائش نہیں ہوتی۔

ان احادیث سے پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں نے کتب سماویہ میں تحریف کی اور ان کے پاس جو کچھ ہے وہ سب تحریف شدہ ہے۔ ان لوگوں نے احکامات کو ایسے مواقع اور ایسے معنی کے لئے استعمال کیا جہاں کے لئے یہ احکامات نہیں تھے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے بہت ساری چیزیں حذف کر ڈالیں اور عبرانی زبان سے عربی زبان میں احکامات بتاتے ہوئے بھی مفہوم بدل دیتے۔ چونکہ یہ سب اپنے غلط مقاصد کے حصول کے لئے

کرتے تھے، اس لئے عبرانی سے عربی زبان سے ترجمانی کرتے ہوئے بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی توراۃ میں سے بہت کچھ غائب ہے اور جو ہے اس میں بھی بہت زیادہ تحریف ہے۔ اگر کوئی اس کو دیکھے اور غور کرے تو اسے صاف صاف محسوس ہوگا کہ اس کے اندر بہت زیادہ گڑبڑ ہے۔ کعب احبار کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ اہل کتاب کے مؤرخین میں ان کا بڑا نام ہے۔ یہ اہل کتاب کی بہت ساری باتیں نقل کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بعض باتوں کو جو حق کے مطابق ہوں سراہتے تھے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ بہت سارے لوگ کعب احبار سے باتیں نقل کیا کرتے تھے۔ خود کعب احبار بھی باتیں نقل کرنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی بہت سی باتیں حق سے قریب نہیں ہوتی تھیں اور بہت سی باتیں یقیناً غلط ہوتی تھیں اور بہت سی باتیں حق سے مطابقت رکھنے کی وجہ سے صحیح بھی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف میں کعب احبار کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ اگرچہ کعب احبار اہل کتاب کی باتیں نقل کرنے والوں میں سب سے زیادہ سے ہیں، تاہم اس کے باوجود ان پر جھوٹ کا اندیشہ رہتا ہے اور یہ جھوٹ ان کے قصد اور ارادے سے شامل نہیں ہوتا۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ لوگ اہل کتاب سے کسی بھی بارے میں پوچھتے ہیں۔ حالانکہ تمہارے پاس موجود قرآن کریم اللہ کی کتابوں میں سب سے جدید ہے۔ تم اسے ضرور پڑھا کرو، اس میں ملاوٹ نہیں ہے، تمہارے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں رد و بدل کر ڈالا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اس میں تحریف کر کے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے عوض تھوڑا سا مال کما لیں۔ تمہارے پاس جو علم ہے یہ تمہارے لئے کافی ہے، تم اہل کتاب سے نہ پوچھا کرو، بخدا ہم نے ان میں سے کسی بھی شخص کو نہیں دیکھا جو تم سے قرآن کریم کے بارے میں پوچھتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی نہ پوچھا کرو، وہ تمہیں صحیح بات نہیں بتائیں گے، وہ گمراہ ہیں، ان سے پوچھنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو تم حق کی تکذیب کرنے لگو گے یا باطل کی تصدیق کرو گے۔

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندہ جریج کا قصہ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں وہب بن جریر نے بتایا کہ انہیں یعنی وہب بن جریر کو ان کے والد نے محمد بن سیرین سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سن کر سنایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین (نومولود) بچوں کے سوا دنیا میں کسی (نومولود) نے گہوارے میں گفتگو نہیں کی۔ ان میں سے ایک عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تھے۔ اس کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار شخص جریج کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اور انتہائی عبادت گزار شخص تھے۔ انہوں نے ایک صومعہ (عبادت خانہ) بنایا تھا اور اس میں شب و روز خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک بدکردار شخص نے بنی اسرائیل کے دوسرے لوگوں سے کہا اگر وہ چاہیں تو وہ جریج کو فریب کار و گناہگار ثابت کر سکتا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ ہاں ہم بھی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے اس کی یہ ترکیب نکالی کہ ایک چرواہی کو جو دن بھر اپنی بکریاں جنگل میں چرا کر شام کو انہیں لے کر جریج کی عبادت گاہ کی دیوار کے پاس آ جاتی اور رات کو وہیں سوتی تھی۔ وہ چرواہی حمل سے تھی اور اس کے بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ جب اس چرواہی کے بچہ پیدا ہوا تو اس حاسد اور فتنہ پرداز شخص نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے جا کر کہا کہ چلو چل کر جریج کے کرتوت دیکھ لو۔ چنانچہ وہ لوگ جمع ہو کر جریج کے صومعہ کی دیوار کے نیچے پہنچے اور اس چرواہی سے جس کا کوئی شوہر نہیں تھا پوچھا کہ بتا یہ بچہ کس کا ہے۔ چرواہی نے جسے اس شخص نے بہکایا اور سکھایا پڑھایا تھا کہا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔

اس عورت کی زبان سے یہ سن کر ان لوگوں نے جریج کو نہ صرف برا بھلا کہا بلکہ گالیاں تک دیں اور ان کا صومعہ بھی منہدم کر دیا۔

ادھر جریج کا عبادت میں یہ حال تھا کہ ان کی ماں کئی بار ان سے گفتگو کرنے صومعہ میں آ چکی تھی اور بار بار انہیں پکار کر کہتی تھی کہ جریج میری

طرف دیکھو میں تمہاری ماں ہوں لیکن وہ سوچتے کہ ماں اور عبادت دونوں میں سے کس کا انتخاب کریں اور آخر کار عبادت کو ترجیح دے کر اسی میں مشغول رہتے اور ماں کو کوئی جواب نہ دیتے لیکن جب پر زنا کاری کا الزام لگایا گیا اور یہ افترا پرداز کی گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو اپنی قدرت سے میرے دامن سے لوگوں کے لگائے ہوئے اس غلط الزام کے داغ کو دھودے اور جب انہیں کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رب العزت نے ان کی دعا قبول فرمالی ہے تو انہوں نے انہی لوگوں سے کہا کہ وہ اس بچے ہی سے کیوں نہ پوچھ لیں کہ اس کا باپ کون ہے۔

جریج سے یہ سن کر پہلے تو وہ لوگ ہنسے اور ان کا مضحکہ اڑانے لگے لیکن ان کے اصرار پر انہوں نے اس نومولد بچے سے کہا کہ وہ بتائے کہ اس کا اصلی باپ کون ہے تو اس بچے نے بحکم خداوند تعالیٰ فوراً جواب دیا کہ فلاں چرواہا۔

اس نومولود بچے کو گہوارے میں بولتے دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے اور جریج سے معافی مانگ کر کہنے لگے کہ وہ ان کا صومعہ سونے کی اینٹوں سے بنوادیں گے اور بہت سارا مال بھی دیں گے۔

ان لوگوں سے یہ سن کر جریج بولے کہ ان کا مٹی سے بنایا ہوا کچا صومعہ ہی ان کے لئے کافی تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی دوسری چیز کے پہلے خواہشمند تھے اور نہ اب ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو مختلف ثقہ راویوں نے جن میں کئی محدثین بھی شامل ہیں بہ اسناد روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جن تین نومولود بچوں کی گہوارے میں گفتگو کا ذکر فرمایا ان میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے اس جریج نامی شخص کی حمایت میں اس چرواہی کے نومولود بچے کی گفتگو کے علاوہ اس نومولود بچے کا بھی ذکر فرمایا تھا جس نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام پر لگائے ہوئے غلط الزام کی گہوارے میں گفتگو کرتے ہوئے مدلل تردید کی تھی اور انہیں پاک دامن ثابت کیا تھا۔

اکثر مستند راویوں نے اس آخر الذکر بچے کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ آل فرعون کے ایک شخص کا بچہ تھا جو بعد میں ابن ماشطہ کے نام سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم۔

قصہ برصیصا

یہ قصہ راہب جریج کے قصے کے بالکل برعکس ہے کیونکہ راہب جریج کا جو قصہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے اس میں جریج بے گناہ ثابت ہوئے لیکن اس قصے میں جس راہب کا ذکر ہے وہ درحقیقت مجرم تھا۔

اس قصے کو ابن جریر نے یحییٰ بن ابراہیم المسعودی وغیرہ کی زبانی اور اعمش عمارہ عبدالرحمٰن بن یزید اور عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مذکورہ بالا حضرات نے یہ قصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا جنہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ قصہ بیان کیا۔ وہ آیت قرآنی درج ذیل ہے۔

ترجمہ:...... منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوئے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ (سورۂ حشر ۱۶۔۱۷)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بکریاں چراتی تھی، اس کے چار بھائی تھے وہ خاتون رات کو ایک راہب کی عبادت گاہ کے پاس سویا کرتی تھی، ایک رات راہب نے اس خاتون سے بدکاری کی، چنانچہ وہ حاملہ ہوگئی شیطان نے راہب کے پاس آکر کہا کہ اسے قتل کر کے دفنا دو تم نیک آدمی ہو لوگ تمہاری بات کو سچ جان کر مان لیں گے۔ راہب نے اسے قتل کر کے دفنا دیا کہتے ہیں کہ شیطان اس خاتون کے بھائیوں

کے خواب میں آیا اور ان سے کہا کہ عبادت خانہ میں مصروف عبادت راہب تمہاری بہن کا قاتل ہے اس نے پہلے اس سے بدکاری کی جب وہ حاملہ ہوگئی تو اسے قتل کر کے فلاں جگہ دفنا دیا۔ صبح چاروں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا سوچ رہا ہوں کہ بتاؤں یا نہ بتاؤں، بھائیوں نے کہا کہ بتاؤ تو اس نے واقعہ بیان کیا۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی دیکھا، تیسرے نے کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی دیکھا۔ اب سب کہنے لگے کہ کوئی بات تو ہے جو سب نے ایک ہی جواب دیکھا۔ یہ لوگ اپنے سردار کے پاس گئے اور اسے راہب کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے تیار کیا اور پھر راہب کو لے کر یہ لوگ سردار کے پاس جانے لگے۔ اس دوران اس کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا یہ میں نے ہی تمہیں اس برائی میں مبتلا کرایا ہے اور میں ہی تجھے اس سے نجات دلا سکتا ہوں، تو مجھے ایک سجدہ کرے گا تو میں تجھے اس برائی سے بچالوں گا جس میں تو پھنس چکا ہے اب اس راہب نے شیطان کو سجدہ کیا جب یہ لوگ راہب کو لے کر سردار کے پاس پہنچے تو شیطان نے اس سے برأت کا اظہار کیا۔ ان لوگوں نے اس راہب کو قتل کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ دوسرے انداز میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک راہب نے ساٹھ برس تک عبادت کی، شیطان نے اس کو گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی لیکن اسے بہکانے میں ناکام رہا تو اس نے ایک عورت کے اوپر جن مسلط کر دیا اور اس عورت کے بھائیوں سے کہا کہ تم اس راہب کے پاس اسے لے چلو یہ اس کا علاج کرے گا چنانچہ اس کے بھائی اسے لے کر راہب کے پاس گئے اس نے عورت کا علاج شروع کر دیا اور عورت اس کے پاس رہنے لگی، راہب اس عورت پر فریفتہ ہو گیا اور اس سے بدکاری کر بیٹھا عورت کو اس سے حمل ہو گیا تو اس نے اسے قتل کر ڈالا جب عورت کے بھائی آئے تو شیطان نے راہب سے کہا کہ میں نے شروع میں تمہیں ورغلانے کی کوشش کی، ناکام ہوا تو میں نے یہ کام کر وایا۔ لہٰذا اب تو میری بات مان لے تو تجھے میں بچالوں گا تو مجھے ایک سجدہ کر لے۔ راہب نے اسے سجدہ کیا تو شیطان نے کہا کہ میں تجھ سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔

تین آدمیوں کا قصہ جو غار میں پھنس گئے تھے

بخاری شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں تین افراد جا رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی وہ لوگ ایک غار میں پناہ لینے کی غرض سے گھس گئے اچانک غار کا منہ بند ہو گیا تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے، بھائیو! تمہیں اس مصیبت سے سچائی کے علاوہ کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی لہٰذا ہر شخص اللہ سے اپنی سچائی کا حوالہ دے کر دعا کرے۔ ایک شخص کہنے لگا اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرا ایک ملازم تھا اس نے تین صاع چاول پر میرے پاس کام کیا تھا۔ وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے ان چاولوں سے کھیتی باڑی کی کھیتی باڑی کی پیداوار کی آمدنی سے میں نے ایک گائے خریدی، اس کے بعد وہ شخص میرے پاس آ کر اپنی اجرت مانگنے لگا تو میں نے کہا کہ یہ گائے لے جا، وہ کہنے لگا کہ آپ کے پاس تین صاع کے بقدر چاول تھے، میں نے کہا یہ گائے لے جا یہ اسی چاول کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد وہ گائے لے کر چلا گیا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا تو ہمارے لئے راستہ بنا دے اتنے میں پتھر تھوڑا سا سرک گیا۔ اب دوسرا کہنے لگا اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے۔ میں ان کے لئے ہر رات اپنی بکری کا دودھ لے کر آتا تھا۔ ایک رات مجھے دیر ہوگئی، میں گھر آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے جبکہ میرے بال بچے بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے۔ میں اپنے والدین کو پلائے بغیر ان کو پلا نہیں رہا تھا، مجھے اپنے والدین کو نیند سے اٹھانا بھی ناپسند تھا، مجھے یہ بھی ناپسند تھا کہ وہ اپنی باری سے محروم رہیں۔ میں ان کا طلوع فجر تک انتظار کرتا رہا، اے اللہ تو جانتا ہے کہ طلوع فجر تک میں نے تیرے خوف کی وجہ سے ان کا انتظار کیا تھا لہٰذا تو ہمارے لئے راستہ بنا دے اتنے میں پتھر مزید تھوڑا سا سرک گیا یہاں تک کہ ان کو آسمان نظر آنے لگا۔ اب تیسرے نے کہنا شروع کیا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میری ایک چچا زاد تھی، مجھے وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی، میں نے اس سے بدکاری کرنے کی کوشش کی تو اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اس نے شرط رکھی کہ سو دینار لا کر دو تو ایسا کر سکتے ہو، میں

سو دینار جمع کرنے میں لگ گیا اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ میں نے سو دینار لا کر اسے دیدیا۔ پھر اس نے واقعی مجھے اپنے اوپر قدرت دی دی پھر جب میں بدکاری کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو ناحق مت توڑ۔ یہ کہنا تھا کہ میں کھڑا ہو گیا اور سو دینار چھوڑ دیئے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا محض تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا لہٰذا ہمارے لیے راستہ بنا دیئے۔ اس کے بعد اللہ نے راستہ بنا دیا اور وہ تینوں نکل آئے۔

نابینے، برص زدہ اور گنجے کا قصہ

بخاری اور مسلم میں ہے کہ بنی اسرائیل کے تین افراد ایک برص زدہ دوسرے نابینا اور تیسرے گنجے کو اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہا۔ چنانچہ ایک فرشتہ کو ان کے پاس بھیجا۔ فرشتہ برص زدہ شخص کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہیں سب سے پسندیدہ کونسی شئی معلوم ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا اچھا رنگ اور اچھی جلد، لوگ مجھے گندا سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا برص ختم ہو گیا اور پھر اس کو اچھا رنگ اور اچھی جلد بھی دیدی۔ فرشتہ نے پھر پوچھا کونسا مال تمہیں پسند ہے؟ اس نے جواب میں اونٹ یا گائے کہا فرشتے نے اسے ایک قریب الولادت اونٹنی دی اور کہا کہ اللہ اس میں برکت دے گا فرشتہ اب گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ کونسی چیز تمہیں پسند ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اچھے بال جو مجھ سے گنج پن ختم کردیں۔ کیونکہ لوگ مجھے گندا سمجھتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنج پن ختم ہو گیا اور اس کے سر پر خوبصورت بال اُگ آئے۔ اب اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ اس نے کہا، گائے۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دی وار کہا کہ اللہ اس میں برکت دے گا فرشتہ آخر میں نابینا کے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہیں کونسی چیز پسند ہے تو اس نے ہا کہ اللہ میری بصارت لوٹا دے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ بینا ہو گیا۔ اب فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ کونسا مال تمہیں پسند ہے؟ کہا بھیڑ۔ فرشتے نے اسے ایک بھیڑ اور اس کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی دیا۔ اس کے بعد اس کی بکریوں نے خوب بچے دیے۔ اب حال یہ ہو گیا کہ اونٹ والے کے پاس اس کثیر تعداد میں اونٹ ہو گئے کہ اس کے اونٹوں سے پوری وادی بھر جاتی گائے والے کی گائے سے پوری وادی بھر جاتی اور بھیڑ بکری والے کی بکریوں سے پوری وادی بھر جاتی۔

کافی عرصہ بعد فرشتہ دوسری شکل وصورت لے کر برص زدہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ضرورت مند ہوں سفر میں مال واسباب ختم ہو گئے اب واپسی کا کوئی انتظام نہیں ہے، صرف اللہ سے امید ہے اس کے بعد تو ہی کچھ کر سکتا ہے میں تجھے اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد سے نوازا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ تیرے پاس کافی مال و دولت ہے، تو مجھے صرف ایک اونٹ دے، اس سے میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں گا اور منزل تک پہنچ پاؤں گا برص زدہ نے جواب دیا کہ میرے اوپر اور بھی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں۔

فرشتے نے کہا کہ لگتا ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تمہیں برص کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تمہیں گندہ سمجھتے تھے؟ کیا تم فقیر نہیں تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں نوازا؟ اس نے جواب دیا کہ میں پشتوں سے امیر زادہ ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ پرانی حالت پر تمہیں دوبارہ لے جائے۔

فرشتہ اب گنجے کے پاس شکل وصورت بدل کر گیا اور اسی طرح رونے پیٹنے لگا جس طرح برص زدہ کے پاس جا کے کیا تھا۔ اس نے بھی برص زدہ کی طرح جواب دیا۔ فرشتہ نے اسے بھی بددعا دی اور کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ پرانی حالت پر تمہیں دوبارہ لے جائے۔

فرشتہ اب نابینا کے پاس شکل وصورت بدل کر گیا اور کہا کہ مسافر اور ضرورت مند ہوں زادِ راہ ختم ہو چکا ہے واپسی کی کوئی سبیل نہیں ہے، صرف اللہ سے امید ہے تو کچھ کر سکتا ہے تو کر دے۔ میں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے بینائی واپس کی کہ تو مجھے ایک بکری دیدے، میں اس کے ذریعے اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نابینا تھا، اللہ نے مجھے بینائی واپس کی، میں فقیر اور محتاج تھا اللہ نے مجھے مالدار بنا دیا۔ لہٰذا اب تم جتنا چاہو مال لے لو میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ فرشتے نے کہا کہ تم اپنا مال اپنے پاس رکھو میں تو تم لوگوں سے امتحان لے رہا تھا، اللہ تجھ سے راضی اور خوش ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔

ایک ہزار دینار قرض لے کر واپس کرنے کا قصہ

بخاری اور مسند احمد میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص نے دوسرے سے ایک ہزار دینار قرض مانگا۔ کہا، گواہ لے آؤ۔ اس نے کہا کہ میرا گواہ اللہ ہے۔ کہا، کوئی ضامن لے کر آؤ تو کہا کہ اللہ میرا ضامن ہے۔ کہا کہ ٹھیک ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک ہزار دینار ایک مقررہ مدت تک واپسی کی شرائط پر اسے دے دیا۔ قرض لے کر یہ شخص سمندری سفر پر روانہ ہو گیا اور کام کاج نمٹا کر واپسی کا قصد کیا اور کوئی سمندری جہاز تلاش کرنے لگا تا کہ مقررہ مدت تک پہنچ کر قرض واپس کر سکے۔ اسے کوئی سواری نہیں ملی۔ اس نے ایک لکڑی لی اور اس میں ایک سوراخ کر کے اس کے اندر ایک ہزار دینار اور ایک خط لکھ کر اندر ڈال دیا اور اوپر سے بند کر کے اس لکڑی کو سمندر میں ڈال کر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیا تھا، اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا تھا کہ میرا ضامن اللہ ہے، اس پر وہ راضی ہو گیا۔ جب اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو میں نے کہا تھا کہ اللہ میرا گواہ ہے، اس پر بھی وہ راضی ہو گیا۔ اب میں نے اس کا قرض چکانے کے لئے سواری تلاش کی تو مجھے کوئی سواری نہیں ملی، اے اللہ میں یہ امانت تیرے حوالے کرتا ہوں۔ وہ لکڑی سمندر میں چلی گئی۔ اس نے پھر اپنے علاقے کے لئے سواری تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران دوسرا شخص جس سے اس نے قرض لیا تھا، جہاز دیکھنے نکلا کہ شاید کوئی جہاز اس کا مال لے کر آ رہا ہو۔ اس نے دیکھا کہ وہی لکڑی آ رہی ہے جس میں اس کے دینار تھے، اس نے وہ لکڑی یہ سوچ کر اٹھالی کہ جلانے کے کام آئے گی، جب اس نے اسے توڑا تو اس کے اندر سے ہزار دینار اور خط ملا۔ بعد میں پہلا شخص آ گیا، جس نے اس سے قرض لیا تھا۔ اس نے اسے ہزار دینار نکال کر دے دیا، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بخدا میں جہاز کی تلاش میں تھا تا کہ تیرا مال تجھے واپس کر دوں۔ لیکن مجھے جہاز نہیں مل سکا۔ اب میں تیرے پاس آیا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا کہ کیا تو نے میرے نام کوئی چیز بھیجی ہے؟ پہلے نے جواب دیا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ جس جہاز میں، میں آیا ہوں اس سے پہلے مجھے کوئی سواری نہیں ملی۔ دوسرے نے کہا کہ اللہ نے تیری طرف سے لکڑی کے ذریعے وہ مال مجھے لوٹا دیا ہے، لہٰذا تم اپنا مال واپس لے لو۔

سچائی اور امانتداری پر مبنی ایک واقعہ

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی، خریدنے کے بعد اس زمین میں سے سونے کا ایک مٹکا نکلا۔ خریدار نے دوسرے سے کہا کہ اپنا سونا واپس لے لو، میں نے تو تم سے زمین کا سودا کیا تھا سونے کا نہیں کیا تھا۔ فروخت کرنے والے نے کہا کہ میں نے تو تمہیں زمین اور اس کی ساری چیزیں فروخت کی تھیں۔ دونوں نے ایک تیسرے آدمی کو حکم بنایا تو حکم نے کہا کہ کیا تم دونوں صاحب اولاد ہو تو ایک نے کہا کہ میرا ایک لڑکا ہے، دوسرے نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے۔ حکم نے کہا کہ لڑکا لڑکی کی شادی کر دو اور اس کا خرچہ اس خزانے سے کرو، باقی صدقہ کر دو۔

کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ذوالقرنین کے زمانے میں پیش آیا تھا، جس کا زمانہ بنی اسرائیل سے کافی پہلے کا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ذوالقرنین امور مملکت کی جانچ پڑتال خود کیا کرتے تھے۔ کسی کی خیانت کا پتا چلتا تو جب تک خود اس کی تفتیش نہ کر لیتے اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ذوالقرنین بھیس بدل کر مختلف شہروں کا دورہ کرنے نکلے۔ اس دوران ایک قاضی کے پاس کئی روز تک بیٹھے، لیکن اس کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش نہ ہوا، جب کافی دن ہو گئے اور قاضی کے بارے میں ذوالقرنین کو کچھ پتا نہ چل سکا تو واپسی کا ارادہ کیا۔ اتنے میں دو آدمی لڑتے ہوئے داخل ہوئے۔ ایک دعویٰ کر رہا تھا کہ اس نے دوسرے سے ایک مکان لیا اور اس کو بنایا تو اس میں سے خزانہ نکل آیا، جب اس نے فروخت کرنے والے سے کہا کہ اپنا خزانہ واپس لے لو تو وہ انکار کر رہا ہے۔ قاضی نے دوسرے سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو؟ تو دوسرا کہنے لگا کہ نہ تو میں نے خزانہ دفن کیا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا کچھ پتا ہے، لہٰذا یہ نہ تو میرا ہے اور نہ میں اسے لوں گا۔ مدعی کہنے لگا کہ جناب! آپ کسی کو مقرر کر دیں، وہ اس خزانہ

کو اپنے قبضے میں لے لے اور آپ خود اس کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کریں۔ قاضی کہنے لگا کہ خود تو تم برائی سے بھاگ رہے ہو اور مجھے اس میں پھنسا رہے ہو۔ تم میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے ہو اور میرا نہیں خیال کہ اس معاملہ کا تعلق عدالت سے ہے۔ اس کے بعد قاضی نے کہا کہ کیا تم دونوں کسی درمیانے راستے کے لئے تیار ہو سکتے ہو؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ مدعی سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی بیٹا ہے اور دوسرے سے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی لڑکی ہے؟ دونوں نے اثبات میں جواب دیا تو کہا کہ دونوں جاؤ اور ان دونوں کی شادی کرا دو اور اس خزانے میں سے خرچ کرو، باقی جو بچ جائے وہ ان دونوں کو دے دو تو وہ دونوں اس سے گزارا کریں گے۔ اس صورت میں تم دونوں اس خزانے کے بھلے برے سے چھٹکارا پالو گے۔ ذوالقرنین نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور قاضی سے کہا کہ میرا نہیں خیال کہ زمین پر ایسا فیصلہ بھی کوئی کرتا ہے۔ قاضی نے کہا (جس کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا مخاطب ذوالقرنین ہے) کیا کوئی اس کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ بھی کر سکتا ہے؟ ذوالقرنین نے کہا کہ ہاں۔ قاضی کہنے لگا، کیا ایسے لوگوں کے علاقوں میں بارش ہوتی ہے؟ ذوالقرنین یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا کہ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔

مختلف واقعات

بخاری و مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ننانوے قتل کیئے تھے۔ اس کے بعد پوچھتے پوچھتے ایک راہب کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ توبہ کی کوئی گنجائش ہے۔ راہب نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر اس نے راہب کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر اس نے لوگوں سے پوچھنا شروع کر دیا تو ایک شخص نے کہا کہ فلاں فلاں بستی میں جاؤ تو وہ جانے لگا تو اسے موت آ گئی، اسی دوران اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کر دیا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے اس مسئلہ پر لڑ پڑے تو اللہ تعالیٰ نے جس رخ پر اس کا سینہ تھا اس طرف کی بستی کو حکم دیا کہ اس کے قریب ہو جا اور دوسری طرف کی بستی کو حکم دیا کہ دور ہو جا۔ فرشتوں کو حکم دیا کہ دونوں کے درمیان فاصلہ ناپ کر دیکھ کر ناپنے کے بعد پتا چلا کہ جس رخ پر اس کا سینہ تھا اس بستی کا فاصلہ کم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کی مغفرت کر دی۔

بخاری، مسلم اور ترمذی میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک گائے کو ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا۔ پھر وہ گائے پر سوار ہو کر اسے مارنے لگا۔ گائے بولی ہماری تخلیق اس کام کے لئے نہیں ہوئی ہے، ہماری تخلیق تو زراعت و کاشتکاری کے کام میں آنے کے لئے ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ سبحان اللہ گائے بھی بات کرتی ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ وہ دونوں اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے درمیان موجود تھا، اچانک بھیڑیا آیا اور ایک بکری اٹھا کر لے گیا، بکری کے مالک نے بھیڑیئے کا تعاقب کر کے اپنی بکری اس سے چھڑا لی۔ بھیڑیا اس سے بولا، آج تو نے بکری مجھ سے چھڑا لی، لیکن یہ تو بتا کہ سبع کے دن بکریوں کا رکھوالا کون ہو گا جب میرے سوا بکریوں کا چرانے والا کوئی نہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا کہ سبحان اللہ، بھیڑیا بات کرتا ہے! جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت یہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوا تو وہ عمر بن الخطاب ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر منبر پر چڑھے اور پیشانی کے بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو اس طرح کرنے سے منع کرتے ہوئے سنا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی خواتین نے بال کاٹے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخری بار مدینہ آئے تو دوران خطبہ اپنی آستین سے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا کہ یہودیوں کے علاوہ ایسا کوئی نہیں کرتا، جناب نبی کریم ﷺ نے اسے "زور" قرار دیا۔ یعنی بالوں کی ساتھ بال ملا کر لگانے کو۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک کتا کنویں کے پاس چکر لگا رہا تھا اور پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ مرنے کے قریب ہو چکا تھا۔ اس دوران بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت نے اسے دیکھا تو اپنی جراب اتار کر اس میں پانی بھر کے کتے کو پلایا۔ اس کی وجہ سے عورت کی مغفرت ہو گئی۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس عورت نے بلی کو قید کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ وہ عورت نہ تو اسے کھانا کھلاتی تھی اور نہ اسے پلاتی تھی اور اسے قید سے چھڑاتی بھی نہ تھی کہ وہ خود زمین پر چل پھر کر کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کر سکے۔

مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بنی اسرائیل میں ایک چھوٹے قد کی عورت تھی۔ اس نے لکڑی کی دو ٹانگیں بنائیں اور دو چھوٹے قد کی عورتوں کے درمیان چلنے لگی۔ اس نے سونے کی ایک انگوٹھی بھی بنائی اور اس کے نگینے کے اندر بہترین قسم کی خوشبو اور مشک بھر دی، جب وہ کسی مجلس کے پاس سے گزرتی تو انگوٹھی کو ہلاتی تو اس میں سے خوشبو پھوٹتی۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں کے انبیاء کی باتوں سے لوگوں نے یہ بات اخذ کی کہ جب شرم و حیا نہ ہو تو جو مرضی میں آئے کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، پچھلے زمانے میں دو میاں بیوی تھے، وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے، ایک مرتبہ شوہر سفر سے آیا اور گھر میں داخل ہوا، اسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی اور تھکا ہوا بھی تھا۔ اس نے بیوی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو بیوی نے کہا کہ ہاں، خوش ہو جاؤ اللہ کی طرف سے رزق آ رہا ہے۔ شوہر نے جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ بیوی نے کہا، مبارک ہو، ہمیں اللہ کی رحمت کی امید ہے۔ جب بیوی دیر تک ٹال مٹول کرتی رہی تو اس نے کہا اٹھ کر دیکھو، اگر تیرے پاس کچھ ہے تو میرے پاس لاؤ۔ میں بہت زیادہ تھک گیا ہوں۔ بیوی کہنے لگی، اب تنور پکنے لگا ہے، لہٰذا جلدی مت مچائیں۔ جب کافی دیر تک شوہر خاموش رہا اور خود بیوی نے بھی محسوس کیا کہ کافی دیر ہو گئی ہے اور شوہر پھر آواز دینے والے ہیں تو اس نے خود ہی سوچا کہ جا کے دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر دیکھنے لگی تو تنور کو بکری کے دستوں سے بھرا ہوا پایا۔ دوسری طرف چکی میں سے آٹا نکل رہا تھا۔ اس نے چکی بند کر دی اور تنور میں سے بکرے کے تمام دستے نکال لئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابو القاسم کی جان ہے، اگر وہ خاتون چکی میں سے تمام آٹا نکال لیتی، لیکن چکی کو بند نہ کرتی تو چکی قیامت تک چلتی رہتی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایک شخص گھر آیا، دیکھا گھر میں ضرورت کی کوئی چیز نہیں ہے تو وہ جنگل کی طرف چل پڑا۔ بیوی شوہر کی تکلیف کو محسوس کر کے اٹھی اور چکی چلا دی، تنور میں بھی آگ جلا دی۔ اس کے بعد دعا کی یا اللہ ہمیں رزق عطا فرما۔ اس کے بعد بیوی نے دیکھا کہ برتن بھرا ہوا ہے اور تنور کو دیکھا تو وہ بھی بھرا ہوا ہے۔ شوہر نے واپس آ کر پوچھا کہ کچھ ملا؟ تو بیوی کہنے لگی، ہمارے رب کی طرف سے بہت کچھ ملا، اس نے چکی بند کر دی اور جناب نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اگر یہ بند نہ کرتی تو قیامت تک چکی چلتی رہتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں موجود تھا جب آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ بخدا کوئی شخص لکڑی کا گٹھر اٹھا کر لے جائے اور اسے فروخت کرے، اور عافیت کی زندگی گزارے تو یہ اس شخص سے بہتر ہے جو کسی سے مانگے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا، اس نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بادشاہت تو ختم ہو جائے گی، لیکن اس بادشاہت کی وجہ سے وہ اپنے رب کی عبادت سے محروم ہے۔ ایک رات وہ اپنے محل کو چھوڑ کر چلا گیا اور کسی دوسری مملکت میں پہنچ گیا۔ وہاں وہ ساحل سمندر گیا اور وہیں ایک جگہ اینٹیں بنانے لگا، جو آمدنی ہوتی اس سے گزارہ کرتا اور جو بچ جاتا اسے صدقہ کر دیتا۔ اس طرح کافی عرصہ گزر گیا، یہاں تک کہ اس کی خبر اس مملکت کے بادشاہ تک پہنچ گئی تو اس نے اسے بلوایا۔ لیکن یہ نہ گیا۔ اس کے بعد بادشاہ خود اس کے پاس گیا، جب اس نے بادشاہ کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا تیز کر دیا۔ لیکن اسے پکڑ نہ سکا۔ اس کے بعد آواز دی، ارے بندۂ خدا! تجھے مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یہ آواز سن کر وہ رک گیا اور پھر بادشاہ اس تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟

تو اس نے جواب دیا کہ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں اور صاحب اقتدار ہوں، لیکن میں نے اپنے بارے میں غور وفکر کیا تو پتا چلا کہ جس کام میں لگا ہوا ہوں وہ تو ختم ہو جائے گا لیکن اس کی وجہ سے میں اپنے رب کی عبادت سے محروم ہو گیا ہوں۔ لہٰذا میں نے بادشاہت چھوڑ دی اور یہاں آ کر عبادت میں مصروف ہو گیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو کام تو نے کیا مجھے بھی اس کام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ سواری سے اتر گیا اور اسے چھوڑ کر اس عابد کے پیچھے چل پڑا۔ اب دونوں اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئے، دونوں نے دعا کی کہ دونوں کی موت اکٹھی آئے تو دونوں کی موت بھی اکٹھی آئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مصر میں ہوتا تو تم لوگوں کو ان دونوں کی قبر دکھا دیتا، ان کیفیات کی مدد سے جو کیفیات آپ ﷺ نے ہمیں بتائی تھیں۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں ایک شخص کو اللہ نے خوب مال و دولت سے نواز رکھا تھا، جب اس کی وفات قریب ہوئی تو اس نے اپنے بیٹوں سے سوال کیا کہ میں تمہارے لئے کیسا باپ ثابت ہوا؟ بیٹوں نے جواب دیا کہ بہترین باپ۔ باپ نے کہا کہ میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا، جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا کر بہت دور لے جانا اور پھر کسی طوفانی ہوا والے دن اس راکھ کو اڑا دینا۔ بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ نے اس راکھ کو جمع کر کے اس کو جوڑا اور پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا جواب تھا کہ آپ کے ڈر سے۔ اس کا جواب سن کر اللہ نے اس کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمایا۔

صحیحین میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے خادم سے کہا کرتا تھا کہ کسی تنگدست کے پاس جاؤ تو اس سے درگزر کیا کرو۔ اللہ بھی ہمیں درگزر کرے گا۔ وفات کے بعد جب وہ اللہ سے ملا تو اللہ نے اس کو درگزر کر دیا۔

صحیحین میں ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل اور پچھلے زمانے کے لوگوں پر اللہ نے نازل کیا، جب تمہیں پتا چلے کہ کسی علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی علاقے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہو اور اس وقت تم وہاں موجود ہو تو اس سے بھاگ کر وہاں سے نہ نکلو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ طاعون عذاب ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اتارتا ہے، اللہ نے اس وبا کو مسلمانوں کے لئے رحمت کا باعث بنایا ہے، کوئی بندہ اگر طاعون زدہ علاقے میں صبر کر کے اور یہ احساس دل میں لے کر رہتا ہے کہ جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا تو ایسے شخص کے لئے شہید کا اجر ہے۔

بخاری میں ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت کی چوری کے معاملے کو قریش نے بڑی اہمیت دی، ان لوگوں نے کہا کہ اس بارے میں جناب نبی کریم ﷺ سے کون بات کر سکتا ہے تو بعض لوگوں نے کہا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید کے علاوہ اور کون اس کی جرأت کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اسامہ نے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا، تم سے پہلے لوگ ہلاک کئے گئے، جب ان کا کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ بخدا اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ جبکہ جناب نبی کریم ﷺ کو اس کے برخلاف پڑھتے ہوئے سنا تو میں اس شخص کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے گیا اور صورت حال بتائی۔ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو، اختلاف مت کرو، پچھلے لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ برباد کر دیئے گئے۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، یہود و نصاریٰ رنگ نہیں کرتے ہیں، تم لوگ ان کی مخالفت کرو۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تم لوگ جوتے سمیت نماز پڑھ لو، یہودیوں کی مخالفت کرو۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے، ان کے لئے چربی حرام کی گئی تو ان لوگوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے نماز کے اجتماع کے لئے آگ روشن کرنے اور ناقوس بجانے کا ذکر ہوا اور اس سلسلے میں یہود و

نصاریٰ کا تذکرہ بھی ہوا تو جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ اذان میں شفع اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ کہنے کا حکم دیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام شعائر میں اہل کتاب کی مخالفت کی جائے۔ جناب نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مسلمان بغیر بلائے نماز کے وقت جمع ہو جایا کرتے تھے، بعد میں نماز کے لئے ایک شخص ''الصلوۃ جامعۃ'' کی آواز لگایا کرتا تھا، اس کے بعد کوشش کی گئی کہ کسی ایسی چیز سے لوگوں کو بلایا جائے جسے سب سمجھ سکیں۔ بعض لوگوں نے کہا، ناقوس بجایا جائے، بعض نے کہا، آگ جلائی جائے۔ اہل کتاب کی مشابہت کی وجہ سے یہ دونوں رائے ناپسند کی گئیں۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان خواب میں دکھائی گئی تو انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر اذان دینے کا حکم دیا۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، یہود و نصاریٰ پر اللہ کی پھٹکار ہو، ان لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

صحیحین میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم لوگ پچھلی امتوں کے پیچھے ضرور چلو گے، ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ ان کے پیچھے چلو گے، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ کے بل کے اندر گھسے تو تم بھی گھسو گے۔ ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) یہود و نصاریٰ کے پیچھے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تو کس کے پیچھے؟

خبر دینے کا مقصد یہ ہے کہ شرعاً جن باتوں اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان میں یہ امت بھی پڑ جائے گی۔ جس طرح اہل کتاب ممنوعات شرعیہ میں پڑ گئے تھے۔ یہ امت بھی ان میں پڑ جائے گی۔ اللہ و رسول نے ان کی مشابہت سے اسی لئے منع کیا ہے اگر چہ مؤمن کا ارادہ نیک ہو لیکن مشابہت کی وجہ سے مؤمن کا کام ان کے کام کی طرح قرار دیا جائے گا دیکھئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا منع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مشرکین کی مشابہت سے بچا جائے جو اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ مؤمن کے دل میں ایسا خیال بالکل بھی نہیں آتا اس کے باوجود ان کی مشابہت کی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے ''اے ایمان والو تم لوگ ''راعنا'' مت کہا کرو بلکہ انظرنا واسمعوا کہا کرو، کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' اصل بات یہ ہے کہ کفار جناب نبی کریم ﷺ کو کہا کرتے تھے ''راعنا'' جس کا مقصود ہے آپ ہماری طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں اور ہماری باتیں سنیں لیکن وہ لوگ راعنا رعونۃ سے نکالتے تھے جس کا مفہوم نا سمجھ ہونا ہے لہٰذا مؤمنوں کو اس طرح بولنے سے منع کر دیا گیا، اگر چہ مسلمانوں کے دلوں میں کافروں جیسا خیال نہیں آتا تھا اس کے باوجود منع کر دیا گیا۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں قیامت سے بالکل متصل تلوار لے کر بھیجا گیا ہوں تا کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں مقرر کیا گیا ہے، اس شخص کے مقدر میں ذلت و رسوائی لکھ دی گئی ہے جس نے میرے حکم کی مخالفت کی، جو شخص کسی قوم کی شباہت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے ہوگا لہٰذا مسلمان کے لئے ان کی شباہت اختیار کرنے کی گنجائش نہیں، ان کے تہواروں میں، ان کے رسم و رواج میں اور ان کی عبادات میں۔

ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خاتم النبیین جناب نبی کریم ﷺ کے ذریعے یہ دین عطا کر کے ہمیں نوازا ہے اس کی عظمت کی دلیل کے لئے یہ کافی ہے کہ موسیٰ بن عمران جن کو تورات دی گئی اور عیسیٰ بن مریم جن کو انجیل دی گئی، اگر موجود ہوتے بلکہ تمام انبیا بھی اگر موجود ہوتے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی جناب نبی کریم ﷺ کو عطا کردہ شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت پر عمل کرنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا کہ ہمیں جناب محمد ﷺ کے متبعین میں سے بنایا تو ہمارے لئے ایسا کیسے ممکن ہوگا کہ ہم ایسی اقوام کی مشابہت اختیار کریں جو پہلے ہی سے گمراہ ہو چکیں بلکہ بہت سوں کو گمراہ بھی کر چکیں۔ ان لوگوں نے اپنے دین کو بدل ڈالا، اس میں تحریف کی اس میں طرح طرح کی تاویلیں کیں اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ یہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے ان پر کوئی دین اور شریعت نازل ہی نہیں ہوئی۔ ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر وہ دین تحریف اور تاویل سے محفوظ بھی رہتے تب بھی ان کی پیروی کرنے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ وہ دین منسوخ ہو چکے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے، منسوخ چاہے کم ہو یا زیادہ اس پر عمل کرنے سے اللہ کے ہاں قبولیت حاصل نہیں کی جا سکتی منسوخ اور غیر مشروع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں کے مقابلہ میں تمہارے وقت کی مثال عصر اور مغرب کے درمیان کے وقت کی

طرح ہے اور تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت سے ملازم رکھے بعض تو ایسے کہ ان سے آدھے دن تک ایک ایک قیراط پر کام کرنا طے ہوا۔ یہ یہودیوں کی مثال ہے کہ انہوں نے ایک قیراط کے عوض آدھے دن تک کام کرنا منظور کر لیا اس کے بعد کہا کہ میرے لئے کون عصر تک ایک قیراط کے عوض کام کرے گا، اس پر نصاریٰ راضی ہو گئے اور آخر میں کہا کہ کون عصر تا مغرب دو قیراط کے عوض کام کرے گا، عصر تا مغرب دو قیراط کے عوض کام کرنے کے لئے تم لوگ تیار ہوئے سنو تمہیں دو مرتبہ اجر دیا جائے گا، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم زیادہ کام کر کے کم معاوضہ وصول کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ بھی کم کیا ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو میرا فضل اور کرم ہے جسے میں چاہوں اسے عطا کروں گا۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اس امت کی مدت پچھلی امتوں کے مقابلے میں کم ہے کتنا وقت گزر چکا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کتنا وقت باقی ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ اتنا ضرور پتا ہے کہ گذشتہ کے مقابلہ آنے والی مدت کم ہے، تاہم تحدید کے ساتھ بتانا ممکن نہیں۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں فرمایا کہ قیامت کو اللہ کے سوا کوئی بھی اس کے وقت پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ (اعراف:۱۸۷)

سورۃ النازعات میں فرمایا کہ وہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی پھر اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ اس تذکرہ سے آپ کا کیا تعلق۔ (نازعات:۴۲، ۴۳)

یہاں بخاری شریف کی حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے اس تشبیہ کا مقصد کام کرنے والوں کے اجر میں فرق دکھانا ہے کام کی کمی زیادتی بتانا مقصد نہیں ہے۔ کیوں کہ بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ وہ مقدار میں تو کم ہوتے ہیں لیکن ان کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے، لیلۃ القدر میں عمل کی فضیلت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ ہے، اسی طرح صحابۂ کرام نے مختلف اوقات میں جو مال خرچ کئے ہیں اگر دوسرے لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر ڈالیں تو اجر میں اس مقام تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ اسی طرح جناب محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا فرمائی اور تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں وفات ہو گئی۔ اس تیئس برس کی مدت میں جو کام آپ ﷺ نے انجام دیئے اور جتنے نیک اعمال کئے وہ تمام انبیاء کے کاموں پر بھاری ہیں حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک اللہ کی عبادت اور وحدانیت کی دعوت دی اس دوران آپ اللہ کی عبادت میں رات دن مصروف رہے اس کے باوجود جناب نبی کریم ﷺ کی تیس برس کی دعوت و تبلیغ اور دین کی محنت تمام انبیاء پر حاوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عظمت و شرافت اور ثواب کی زیادتی جناب نبی کریم ﷺ کی نبوت اور اس کی برکت سے ہے۔ اسی کو قرآن کریم میں فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور الرحیم ہے تا کہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (سورۃ الحدید:۲۸، ۲۹)

بنی اسرائیل کی باتیں کتاب اللہ اور سنت رسول میں بہت ہیں، اگر ہم ان سب کو تلاش کریں تو کتاب بہت پھیل جائے گی، ہم نے یہاں صرف امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کی ہوئی باتوں کو لیا ہے جو کافی ہیں۔ رہی بات اسرائیلی روایات کی جن کا تذکرہ بہت سے مفسرین اور مؤرخین کرتے ہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں ان میں بعض تو صحیح ہیں اور حقیقت کے مطابق ہیں جبکہ ان میں سے اکثر جس کا تذکرہ قصہ گو لوگ کرتے ہیں جھوٹ اور من گھڑت ہیں جنہیں بے دین اور گمراہ عناصر نے گھڑا ہے۔ ان روایات کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم تو صحیح ہے کیونکہ ان روایات میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی موافقت ہے۔ دوسری قسم غلط اور لغو ہے کیونکہ اس قسم کی روایات میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی مخالفت ہے۔ تیسری قسم کی روایات میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے۔ اس قسم کے بارے میں توقف کا حکم ہے ایسی روایات کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تمہیں کچھ بتائیں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو، بس تم اتنا کہو کہ ہم اس چیز پر ایمان لائے جو ہمارے اور تمہارے اوپر اتاری گئی ہے۔ اس تیسری قسم کی روایت کی گنجائش موجود ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا کہ بنی اسرائیل کی روایت بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان کے ردّوبدل کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے توسط سے یہودیوں پر توریت نازل کی اور جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے اور وہ ان کے بعد بھی کچھ عرصے تک ان کے (یہودیوں کے) پاس اپنی اصلی حالت میں رہی بھی اور اس کے مطابق کچھ دنوں اس کے احکام پر نہ صرف دوسروں سے عمل کرواتے رہے بلکہ خود بھی ان احکام پر عمل کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے اس میں تحریفات اور تبدیلیاں شروع کر دیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: "وہ اس کے الفاظ کو اپنی طرف سے اور اپنے حسب منشا کچھ سے کچھ معنی پہنانے یا ان میں تاویلیں کرنے لگے مثلاً انہوں نے لفظ "رجم" کو "جلد" اور تحمیم سے بدل دیا یا لفظ "رجم" تو رہنے دیا لیکن اس کا مطلب اپنے حسب منشاء بنا لیا یعنی اگر کوئی شریف اور معزز شخص زنا یا ایسے ہی کسی دوسرے عمل قبیح کا مرتکب ہو تو اس پر شرعی حد جاری کرنے کے بجائے جس کا حکم توریت میں تھا اس میں ردوبدل کر کے یہ کر لیا کہ اسے سزا نہ دی جائے لیکن اگر کوئی غریب اس کا مرتکب ہو تو اسے حکم توریت کے مطابق سزا دی جائے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی طرف سے یہ بھی کر لیا اگر کوئی غریب آدمی چوری کا مرتکب ہو تو اسے شرعی سزا دی جائے لیکن اگر کوئی دولت مند اور شریف شخص اس جرم کا مرتکب ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی اپنی من گھڑت باتوں کے بارے میں یہ اصرار کریں کہ یہ احکام توریت میں ہیں تو ان سے توریت لانے کا کہا جائے اور انھیں حکم دیا جائے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے توریت سے ثابت کریں۔

جہاں تک توریت میں زنا کی سزا "رجم" (سنگساری) کا تعلق ہے اس کے بارے میں ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم میں براء بن عازب اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے اور سنن ابوداؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے درج ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز آنحضرت کو ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کے بارے میں ارتکاب زنا کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا اور جب ان دونوں کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ توریت میں اس جرم کے بارے میں کیا حکم ہے تو انہوں نے توریت کی متعلقہ آیت تو پڑھی لیکن اس جرم کی سزا "رجم" کو نہ پڑھا تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن صوریا کو توریت دے کر فرمایا کہ وہ اس آیت کو ان مجرموں کے سامنے زور سے پڑھیں انھوں نے جب توریت کی اس آیت کو بلند آواز سے پڑھا تو اس میں اس جرم کی سزا رجم ہی نکلی جو جانتے ہوئے پڑھنے سے چھوڑ دی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: اے یک چشم تو نے دیکھا کہ توریت میں اس جرم کی سزا لکھی ہے، اب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا اس کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں کو رجم یعنی سنگساری کی سزا کا حکم دیا اور فرمایا:

ترجمہ:...... "یا اللہ تیرے جس حکم کو انھوں نے مردہ کر رکھا تھا میں نے اسے از سر نو زندہ کر دیا ہے۔"

ان باتوں کی بنیاد پر یہ کہنا مشکل ہے کہ تورات بخت نصر کے دور میں ختم ہو چکی تھی، اس کا کوئی حافظ نہیں تھا سوائے عزیر کے اس لئے کہ عزیر اگر نبی ہیں تو وہ معصوم ہیں اور وہ اس کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ حضرت عزیر کے بعد حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام سب کے سب تورات پر عمل کرتے تھے۔ اگر ان حضرات کے دور میں تورات محفوظ اور معمول بہا نہ ہوتی تو یہ حضرات اس پر کیسے اعتماد کرتے، حالانکہ یہ انبیا تھے معصوم تھے۔

ایک بات اور بڑی اہم ہے کہ جب یہ لوگ جناب نبی کریم ﷺ کے پاس اپنے غلط مقصد حاصل کرنے کے لئے آئے کہ انہوں نے توراۃ کے اصل حکم سے اعراض کر کے جناب نبی کریم ﷺ کے ذریعے زانی کی سزا کوڑے اور منہ کالا کرنا تجویز کرانے کی کوشش کی، اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بیان فرمایا کہ وہ لوگ آپ کو کیسے حکم بنا رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے اس کے باوجود وہ اللہ کے حکم سے روگردانی اختیار کرتے ہوئے آپ کو حکم بنانے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے توراۃ کے اندر موجود رجم کا فیصلہ کر کے فرمایا کہ اے اللہ میں پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا ہے حالانکہ یہ لوگ اس حکم کو ختم کر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے اللہ کے حکم کو کیوں پس پشت ڈال دیا تھا تو ان لوگوں نے جواب دیا زنا ہمارے معززین میں بہت عام ہو چکا تھا اور ان پر حد جاری کرنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا ہم صرف کمزوروں پر رجم کا فیصلہ نافذ کرتے تھے۔ اس کے بعد ہم نے آپس میں مل کر فیصلہ کیا کہ شریف اور رذیل دونوں

پرایک ہی طرح کی سزا نافذ ہونی چاہیے لہٰذا ہم نے کوڑا اور منہ کالا کرنے کی سزا سب کے لئے تجویز کر ڈالی اور اسے توراۃ کا حکم قرار دیا ظاہر ہے یہ یہودیوں کی طرف سے توراۃ میں واضح تحریف ہے اور توراۃ کے حکم کو واضح طور پر تبدیل کرنا ہے، یہودیوں کی یہ کارستانی توراۃ کے اندر معنوی تحریف ہے، الفاظ کے اندر تبدیلی نہیں ہے کیونکہ توراۃ میں رجم کا حکم لکھا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے بہت سے علما نے کہا کہ یہودیوں نے توراۃ کے الفاظ میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ اس کے معانی میں تبدیلی کی تھی الفاظ توراۃ کے باقی تھے اور وہ یہودیوں کے لئے اس وقت حجت بن جاتے جب کوئی یہودی راہ حق کا متلاشی ہوتا اور اپنی کتاب کی طرف رجوع کرتا تو اسے اتباع حق کی ترغیب ہوتی اور جناب محمد کی متابعت کی تحریک اس کے اندر پیدا ہوتی۔ اس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

"جو لوگ اس امی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں توریت اور انجیل میں، انہیں وہ نیک کرداری کا حکم دیتا ہے اور انہیں بدکرداری سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے جو بوجھ اور قیدیں جو ان پر (اب تک) تھیں اتار دیتا ہے۔" (سورۃ اعراف: ۱۵۷)

دوسری جگہ فرمایا:

"اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور ان تمام چیزوں (کے حکم) کو قائم کرتے جو ان پر ان کے رب کی جانب سے اتاری گئی ہیں تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے رہتے ان میں میانہ رو لوگ بھی موجود ہیں۔" (سورۃ مائدہ: ۶۶)

سورۂ مائدہ میں یہ بھی ہے کہ:

"آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہو جب تک تم توراۃ اور انجیل اور ان چیزوں (کے حکم) کو قائم نہیں کر لیتے جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے اوپر اتاری گئی ہیں۔" (مائدہ: ۶۸)

توراۃ کے معانی میں یہودیوں کے تحریف کرنے کا قول امام بخاری نے صحیح بخاری کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیان کیا ہے امام بخاری نے اس کو بیان کرنے کے بعد اس پر کوئی رد نہیں کیا امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو اپنی تفسیر میں اکثر متکلمین کا قول بیان کیا ہے۔

فقہاء حنفیہ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ جنبی کے لئے حالت حدث میں توراۃ کو چھونے کی اجازت نہیں ہے، حناطی نے اپنے فتاویٰ میں بعض اصحاب شوافع سے بھی یہ نقل کیا ہے۔ بعض دیگر علمانے ان دونوں قولوں میں درمیانہ راستہ اپنایا ہے ان میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ توراۃ اول تا آخر تبدیل شدہ ہے اور اس میں کوئی حرف بھی تبدیلی سے محفوظ نہیں رہا، ایسا ہونا بعد از عقل ہے اسی طرح یہ کہنا بھی بعید ہے کہ اس میں کچھ بھی نہیں بدلا، صحیح یہ ہے کہ اس میں تحریف و تبدیلی ہوئی ہے بعض الفاظ میں کمی بیشی کی گئی ہے۔ اسی طرح معانی میں بھی کمی بیشی ہوئی ہے اور تھوڑا بہت غور و فکر کرنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام دونوں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے ہیں۔ بنی اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل ہے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جو نسل چلی ہے اس میں جناب نبی کریم سرور دو عالم حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اکلوتے بیٹے کی قربانی مانگی اس وقت تک حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن یہودی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں وہ کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ توراۃ میں جہاں ذبیح کا ذکر آیا وہاں یہودیوں نے تحریف کر کے اسحاق کا لفظ بڑھا دیا۔ ایسا انہوں نے عربوں کے ساتھ دشمنی اور حسد کی بنیاد پر کیا اور انہوں نے توراۃ کے ذریعے ذبیح ہونے کی فضیلت حضرت اسحاق علیہ السلام کے واسطہ سے خود کو اولاد ذبیح ثابت کرنے کے لئے کیا۔ اس طرح انہوں نے کتاب اللہ پر زیادتی کر کے اللہ اور اللہ کے رسول پر بہتان لگایا۔ بہت سے لوگ یہودیوں کے جھانسے میں آ کر سمجھنے لگے کہ واقعی اسحاق علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ توراۃ میں معنوی تحریف کے علاوہ لفظی تحریف بھی ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو جو زبور دی گئی تھی اس میں بھی تحریف ہوئی اور اس میں بہت ساری چیزوں کی کمی بیشی کی گئی۔

رہی بات اس توراۃ کی جو عربی میں یہ لوگ پڑھ کر سناتے ہیں، اس کے بارے میں بھی عقلمند شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔ اس کے واقعات، اس کے الفاظ اور کمی بیشی کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اس کے اندر موجود واضح جھوٹ اور فحش غلطیوں کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو توراۃ یہ لوگ اپنی زبان میں پڑھتے اور لکھتے ہیں اس کی صحت پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تاہم ان کے کرتوتوں کی بنیاد پر ظن غالب یہی ہے کہ یہ لوگ جھوٹے اور خائن ہیں۔

یہودیوں کے بعد نصاریٰ کی باتیں سنئے۔ مرقس، لوقا، متی اور یوحنا کے توسط سے جو چار انجیل پائی جاتی ہیں، ان میں بہت زیادہ اختلاف اور کمی بیشی ہے۔ ان کے احکامات میں تورات سے زیادہ فرق ہے۔ ان لوگوں نے توراۃ اور انجیل کے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم چاروں انجیلوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے، کلیساؤں کو مصور کرنے کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے ختنہ کو ترک کرنے کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے، روزوں کو پچاس تک بڑھا دینے اور موسم بہار تک مؤخر کر دینے کا حکم بھی انجیل میں نہیں۔ سور کھانے کی اجازت بھی انجیل میں نہیں امانت میں کمی کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے، عبادت کی غرض سے شادی نہ کرنا اور شادی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے۔ یہ تمام قوانین تین سو اٹھارہ عیسائی پادریوں کے بنائے ہوئے ہیں، جن کا انجیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان چیزوں کو دین عیسوی کا حصہ بنانے کا سہرا قسطنطنیہ کے بانی قسطنطین بن قسطن کے سر ہے۔ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد کا ہے اس کا باپ رومی بادشاہ تھا، اس کی ماں ھیلانہ ہے قسطن حران کے علاقے میں شکار کے لئے گیا تو وہاں ھیلانہ سے اس نے شادی کر لی۔ ھیلانہ قدیم راھبوں کے دین عیسوی پر قائم تھی۔ قسطنطین نے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور اس میں بڑی مہارت حاصل کر لی۔ اس بناء پر اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کی ماں جس دین عیسوی پر قائم ہے اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ ہونا چاہیے۔ تاہم دین عیسوی پر قائم لوگوں نے اس طرح کرنے سے منع کیا اس دوران وہ خود فلاسفہ کے اعتقاد کا قائل رہا۔ جب اس کے والد کا انتقال ہوا اور وہ خود تخت نشین ہوا تو لوگوں میں عدل وانصاف سے کام لیا تو لوگ اسے پسند کرنے لگے اور یہ سب کا رہنما بن گیا وہ جزیرہ سمیت پورے ملک شام پر قابض ہو گیا۔ ان حالات میں اس کی قدر بہت بڑھ گئی اور وہ پہلا قیصر بن گیا اس کے زمانہ میں نصاریٰ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایک گروہ کا لیڈر اسکندریہ کا پیڑک اکصندروس تھا جبکہ دوسرے کا لیڈر عبداللہ بن اریوس تھا۔ اکصندروس کہنے لگا کہ عیسیٰ ابن اللہ ہے، عبداللہ بن اریوس کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ عیسائیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے عبداللہ بن اریوس کا ساتھ دیا، جبکہ اکثریت نے پیڑک اکصندروس کا ساتھ دیا۔ ان لوگوں نے عبداللہ ابن اریوس اور اس کے ساتھیوں کو کلیسا میں داخل ہونے سے روک دیا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر عبداللہ بن اریوس قسطنطین کے بادشاہ کے پاس مخالف جماعت کے خلاف چارہ جوئی کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس کی باتیں سنیں۔ عبداللہ بن اریوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنا موقف بتایا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس بارے میں دلائل سے بھی آگاہ کیا۔ بادشاہ اس کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور اس کے موقف کی تائید کرنا چاہی۔ بعض لوگوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ مخالف فریق کو بلا کر اس کی باتیں وہیں سنیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تمام پادریوں کو بلایا۔ ہر شہر اور خطہ سے پادری جمع ہو گئے۔ چاروں پیڑک بھی آئے القدس کا پیڑک آیا انطاکیہ کا پیڑک آیا، رومیہ اور اسکندریہ کے پیڑک آئے کہا جاتا ہے کہ ایک سال دو مہینے میں دو ہزار سے زائد عیسائی پادری جمع ہو گئے۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کیا عیسائیوں نے تین مشہور مجمعوں میں سے یہ سب سے پہلا مجمع تھا۔ یہ لوگ آپس میں بہت زیادہ اختلافات کا شکار ہو گئے ہر گروہ کا موقف الگ پچاس افراد کا الگ موقف اسی افراد کا الگ موقف دس افراد کا الگ موقف چالیس کا الگ سو کا الگ دو سو کا الگ ایک گروہ ابن اریوس کے ساتھ تھا۔ دوسرا گروہ کوئی اور موقف کا حامل تھا۔ جب ان لوگوں کا انتشار بہت بڑھ گیا اور معاملہ حد سے آگے نکل گیا تو شاہ قسطنطین بڑا پریشان ہوا۔ وہ پہلے ہی ان تمام دھڑوں سے بدظن تھا۔ وہ یونان سے تعلق رکھنے والے ان پرانے لوگوں کے خیالات کا حامل تھا جو پہلے ہی دین عیسوی سے الگ ہو گئے تھے۔ اس نے ان سب میں اکثریتی افراد والے گروہ کو تلاش کر کے نکالا، دیکھا کہ یہ گروہ تین سو اٹھارہ پادریوں پر مشتمل ہے یہ سب اکصندروس کی بات سے متفق تھے۔ اس کے علاوہ کوئی اور گروہ اس تعداد کے برابر نہیں پہنچ پایا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس گروہ کی حمایت کرنی چاہیے کیونکہ یہ لوگ تعداد میں سب سے زیادہ ہیں اور اکثریتی جماعت ہے۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ الگ سے ملاقات کی اور اپنی تلوار اور اپنی انگوٹھی ان لوگوں کے پلڑے میں ڈال دی پھر کہنے لگا کہ میں نے دیکھا کہ تم لوگ تعداد کے لحاظ سے سب پر حاوی ہو لہٰذا میں اس جماعت کی مدد کروں گا اور اسی کے ساتھ چلوں گا، اس پر ان لوگوں نے اس کو سجدہ کیا۔ اب اس نے ان لوگوں سے کہا کہ احکام کی ایک کتاب مرتب کی جائے نماز مشرق کی طرف رخ

کر کے ہونی چاہئے کیونکہ مشرق روشن ستاروں کے طلوع ہونے کی جگہ ہے کلیساؤں میں ابھری ہوئی تصویریں بنائی جائیں۔ ان لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ تصویریں دیواروں پر ہوں گی۔ ان لوگوں نے جب بادشاہ سے اتفاق کر لیا تو بادشاہ نے ان کی حمایت شروع کر دی ان کے گن گانے لگا ان کی باتوں کا پرچار کرنے لگا، ان کے مخالفین کو خود سے دور کرنا شروع کر دیا، مخالفین کی رائے کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کی حامی جماعت بادشاہ کی حمایت کی وجہ سے مخالفین پر غالب آنے لگی اور مخالفین کو شکست ہونے لگی بادشاہ نے کلیساؤں کو اپنے حامیوں کے مطابق بنانے کا حکم دے دیا بادشاہ کے مذہب کے حامی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ ملکیہ کہلانے لگے۔ قسطنطین کے زمانے میں شام اور دیگر علاقوں کے شہروں اور دیہاتوں میں بارہ ہزار سے زائد کلیسا بنائے گئے بادشاہ نے بیت لحم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش میں کلیسا بنوایا اور اس کی ماں ہیلانہ نے بیت المقدس میں اس جگہ کلیسا بنوایا جہاں یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ شاہ قسطنطین نے مخالفین کو بڑے تعداد میں قتل کیا زمین میں خندقیں کھود کر ان میں آگ بھر دی اور مخالفین کو اس آگ میں ڈلوا دیا۔ اس کے بعد دین نصرانیت بڑی پھلی پھولی کیونکہ اس کی پشت پر شاہ قسطنطین تھا تاہم یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس نے دین نصرانیت کو بہت زیادہ برباد کیا، اس کے بعد اس دین کی اصلاح بھی نہیں ہو سکی۔ ان لوگوں نے اپنے بڑوں کے نام پر دین نصرانیت کے اندر بہت سے تہوار کو رواج دیا۔ اس کے عابدوں کے نام سے کلیسا بننے لگے۔ لیکن ان کے اندر کفر بہت زیادہ بھر گیا اور ان کے لئے پریشانی میں اضافہ ہو گیا، جس کی وجہ سے گمراہی ہمیشہ کے لئے ان کا مقدر بن گئی اور ان کے لئے وبال بہت بڑھ گیا جس کی نتیجے میں اللہ نے ان کو ہدایت سے دور رکھا اور ان کے حالات کی اصلاح نہیں ہو سکی بلکہ اللہ نے ان کے دلوں کو حق سے دور رکھا اور ان کے حالات کو مستحکم ہونے بھی نہیں دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ نسطوریہ اور یعقوبیہ کے مسئلے پر دو مرتبہ جمع ہوئے ان دونوں میں سے ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو ہمیشہ کے لئے جہنمی سمجھتا ہے، یہ لوگ عبادت گاہوں اور کلیساؤں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے البتہ یہ لوگ اقانیم ثلاثہ یعنی تین بنیادی عناصر کے قائل ہیں ایک عنصر اب یعنی باپ ہے دوسرا عنصر ابن یعنی بیٹا ہے اور تیسرا عنصر کلمہ ہے۔ لیکن یہ لوگ لاھوت اور ناسوت کے درمیان حلول اور اتحاد میں اختلاف کرتے ہیں کہ یہ دونوں مل گئے ہیں یا ایک دوسرے کے اندر گھس گئے ہیں یا ایک دوسرے کے اندر باہم جذب ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان لوگوں کا اختلاف بہت سخت قسم کا ہے اور اس کی وجہ سے ان کا کفر بھی بہت بڑھا ہوا ہے تو درحقیقت یہ سب نظریات باطل ہیں البتہ عبداللہ بن اریوس کے نظریات کے قائل جنہیں اریوسیہ کہتے ہیں صحیح ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ حضرت مسیح اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ کی بندی کے بیٹے ہیں، اللہ نے اپنا کلمہ ''کن'' مریم کے اندر ڈالا یا اور حضرت مسیح اللہ کی روح ہیں۔ یہی عقیدہ مسلمانوں کا بھی ہے اریوسیہ کا نظریہ چونکہ صاف ستھرا اور دلوں کو چھونے والا ہے اس لئے باقی تینوں فرقوں ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ نے اس گروہ کو کہیں پنپنے نہیں دیا۔ لہٰذا آج معلوم ہوا کہ کوئی نصرانی اس گروہ سے تعلق رکھتا بھی ہے یا نہیں۔

انبیاء کرام کی باتیں

قرآن کریم میں ہے کہ:

''ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے اور ان میں سے بعض کے درجے (اللہ نے) بلند کئے ہیں اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو شواہد عطا کیے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس کے ذریعے سے کی۔'' (سورہ بقرہ: ۲۵۳)

دوسری جگہ ہے:

''یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ ہم نے نوح اور ان کے بعد کے بیٹوں پر وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو ایک

صحیفہ دیا تھا اور (دوسرے) پیغمبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور ایسے پیغمبروں پر (بھی) کہ ان کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام فرمایا اور پیغمبروں کو (ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) تا کہ لوگوں کو پیغمبروں کے (آجانے کے) بعد اللہ کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے اور اللہ ہی بڑا زبردست بڑا حکمت والا۔" (سورہ نساء: ۱۶۳۔۱۶۵)

صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے کہا، یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے کہا، یارسول اللہ! ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ بڑی جماعت میں نے کہا، یارسول اللہ! ان میں سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم میں نے کہا کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ فرمایا جی ہاں! اللہ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی اور پھر سب سے پہلے ان کا ناک نقشہ ترتیب دیا اس بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! چار رسول سریانی ہیں آدم شیث نوح اور خنوخ یعنی ادریس ادریس ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے قلم سے لکھا۔ چار رسول عرب سے ہیں ہود، صالح، شعیب اور اے ابوذر تمہارا نبی، بنی اسرائیل کا سب سے پہلا نبی موسیٰ اور آخری نبی عیسیٰ ہے تمام انبیاء میں پہلا نبی آدم ہے اور آخری نبی تمہارا نبی ہے۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے جن میں سے چار ہزار بنی اسرائیل کیطرف اور چار ہزار دیگر تمام لوگوں کی طرف۔ ابو یعلیٰ موصلی نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے برادر انبیاء آٹھ ہزار گزرے ہیں پھر عیسیٰ پھر ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا ہوں، جس میں سے چار ہزار بنی اسرائیل میں سے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ انبیاء کے آخر میں آیا ہوں، اللہ نے کوئی بھی نبی نہیں بھیجا جس کی پیروی کی جاتی ہے مگر اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور مجھے تو اس کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جو کسی اور کو نہیں بتائی گئیں، دجال کانا ہے تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اس کی سیدھی آنکھ کانی ہے ابھری ہوئی ہے چھپی ہوئی نہیں ہے، ایسا لگتا ہے جیسے چونا کی ہوئی دیوار پر بلغم ہو، اس کی بائیں آنکھ ایسی ہے جیسے چمکا ہوا ستارہ ہو وہ ہر زبان بول رہا ہوگا اس کے پاس جنت کی سبز تصویر ہوگی اس میں پانی چلتا ہوا نظر آئے گا اور جہنم کی سیاہ تصویر ہوگی، جس میں سے دھواں اٹھ رہا ہوگا بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی رہنمائی کرتے تھے، جب بھی کوئی نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین بن جاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا البتہ جانشین ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے، صحابہ کرام نے پوچھا، یارسول اللہ اس بارے میں آپ کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کرلو اور ان کو ان کا حق اور کرو، اللہ تعالیٰ ان سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھیں گے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ ان کی قوم نے انہیں مار کر لہولہان کر دیا تو وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے، اے اللہ میری قوم کی مغفرت فرما یہ لوگ ناواقف ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا سیدھا ہاتھ جناب نبی کریم ﷺ پر رکھا اور کہنے لگا، آپ کی تپش اور بخار کی شدت کی وجہ سے میں اپنا ہاتھ آپ پر نہیں رکھ سکتا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہم انبیاء کی جماعت پر آزمائش بھی دہری ہوتی ہے، جس طرح ہمارے لئے اجر دہرا ہوتا ہے۔ بعض انبیاء کو کھٹمل کی وجہ سے آزمایا گیا یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے بعض انبیاء کو فقر کے ذریعے آزمائش میں مبتلا رکھا گیا کہ ان کے پاس پہننے کی لئے قمیص بھی نہیں ہوتی تو وہ بغیر قمیص کے اسی حالت میں رہا کرتے تھے۔ انبیاء آزمائش میں بھی خوش رہتے تھے جس طرح فراخ زندگی میں خوش رہتے تھے۔

مسند احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ آزمائش میں کون لوگ مبتلا ہوتے ہیں تو جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، انبیاء پھر نیک لوگ پھر دین کے لحاظ لینے ان سے قریب تر لوگ پھر ان سے قریب تر لوگ۔ اگر کسی کی دینداری میں سختی ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے، اگر کسی کی دین داری میں کمی ہے تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوگی۔ بندے کے ساتھ آزمائش کا سلسلہ قائم رہے گا جب تک وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور کسی قسم کی کوئی غلطی ہوتی رہے۔

ترمذی میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ہمارا دین ایک ہے اور ہماری امتیں مختلف ہیں

مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی شریعتیں اگر چہ مختلف تھیں فروعی مسائل مختلف تھے اور بعض شرائع بعض کے لئے ناسخ تھے، لیکن ان سب کا دین اسلام تھا، سب میں توحید کی باتیں تھیں۔ اسی کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے۔

''آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کو اس بات کی تاکید کرتے کہ میرے علاوہ کوئی نبی نہیں لہٰذا تم لوگ میری عبادت کرو۔'' (سورۂ انبیاء:٢٥)

دوسری جگہ فرمایا:

''آپ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان سے پوچھ لیجئے کیا ہم نے رحمان کے علاوہ بھی معبود بنا رکھے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے''۔ (سورۂ زخرف ٤٥)

ایک اور جگہ فرمایا:

''ہم نے ہر امت میں ایک ایک رسول بھیجا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت سے پرہیز کریں، ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض کے ساتھ گمراہی لازم ہو گئی۔'' (سورۂ نحل ٣٦)

اور ہر حدیث میں علاتی اولاد کہنے کا مطلب ہے کہ سب کا باپ ایک ہے اور ماں متفرق گویا دین باپ کے درجہ میں ہے اور یہ توحید ہے۔ جبکہ ماں بمنزلہ شرائع ہے کہ شرائع میں احکامات مختلف رہے ہیں۔ اسی کو قرآن کریم میں فرمایا ہے:

''تم میں سے ہر ایک کو ہم نے الگ طریقہ اور راستہ دیا ہے''۔ (سورۂ مائدہ ٤٨)

سورۂ حج میں ہے:

''ہر امت کے لئے ہم نے الگ عبادت کا طریقہ بنا رکھا ہے جس پر وہ لوگ چلتے ہیں۔'' (سورۂ حج ٦٧)

سورۂ بقرہ میں ہے:

''ہر ایک کے لئے ایک طریقہ ہے وہ اس کی طرف رخ کرتا ہے''۔ (سورۂ بقرہ:١٨)

مقصد یہ ہے کہ شرائع اگر چہ متنوع اور مختلف ہیں اور ہر زمانے میں ان کے احکامات مختلف رہے ہیں تاہم تمام شرائع میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم موجود رہا یہی دین اسلام ہے جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں موجود رہا، قیامت کے روز اس دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین قبول نہ کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو وہ قبول نہ کیا جائے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''

(العمران ٨٥)

سورۂ بقرہ میں ہے:

''اور ابراہیم کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق بنالیا ہو اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ زمرہ صالحین میں ہوں گے اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار بن جاؤ وہ بولے میں حکم بردار ہوں سارے جہاں کے پروردگار کا اور ابراہیم اس کی ہدایت کر گئے اپنے بیٹوں کو اور ایسی ہی یعقوب بھی (اپنے بیٹوں کو) اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب فرمالیا ہے۔ سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو۔'' (بقرہ:١٣٠۔١٣٢)

سورۂ مائدہ میں ہے:

''ہم نے تورات اتاری اس میں ھدایت اور روشنی ہے جس کے مطابق وہ تمام انبیاء فیصلہ کرتے ہیں جو اسلام لائے یہودیوں کے لئے۔'' (مائدہ:٤٤)

لہٰذا دین اسلام اللہ واحد کی عبادت کا نام ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسلام یہ ہے کہ خالص اللہ کی لئے عبادت کی جائے اس میں کسی کی طرف نظر

نہ ہو، احسان یہ ہے کہ عبادت مشروع طریقے سے کی جائے یعنی جس طرح عبادت کرنے کا حکم ہے اسی طرح عبادت کرنے کو احسان کہا جاتا ہے۔ اب جب تمام شرائع کو منسوخ کر دیا گیا تو جناب محمد ﷺ کو جو طریقہ عبادت بتایا گیا اس طریقے کو اپنانا ضروری ہے اور یہی احسان ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول ہوں۔ (اعراف: ١٥٨)

سورۂ انعام میں ہے:

''اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعے سے میں تم لوگوں کو ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جس تک یہ قرآن پہنچے۔'' (انعام: ١٩)

سورۂ ھود میں ہے:

''اور جو شخص اس کا انکار کرے جماعتوں میں سے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' (سورۂ ھود: ١٧)

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس سے مراد عرب و عجم ہے یہ بھی کہا گیا کہ انسان و جن اس سے مراد ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر موسیٰ تم میں ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ اس بارے میں احادیث بہت ہیں مقصد یہ ہے کہ علاتی بھائی ایک باپ اور کئی ماؤں کی اولاد ہوتی ہے اخیافی بھائی اس کے برعکس یعنی ایک ماں اور متفرق باپ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ عینی بھائی ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد کو کہتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہم انبیاء کی جماعت میراث نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ یہ انبیاء کی خصوصیت ہے کہ وہ میراث نہیں چھوڑتے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا ان کی نظر میں بہت ہی حقیر ہوتی ہے اور یہ کہ اپنی اولاد کے بارے میں ان کا توکل اللہ پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ ان کے بعد ان کی اولاد کے لئے ایسا کوئی مال ہو جسے وہ ان کے بعد حاصل کر سکیں بلکہ وہ سوچتے ہیں کہ جو بھی مال پیچھے رہ جائے وہ فقراء کے لئے صدقہ ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ایک مقام پر ہم لوگ رک گئے۔ اس مقام پر ہم میں سے کوئی خیمہ لگانے میں مصروف ہو گیا، کوئی اپنے جانور کو چرنے کے لئے چھوڑ رہا تھا اور کوئی تھکاوٹ اتارنے میں مصروف ہو گیا، اتنے میں آواز دی گئی کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے، ہم سب اکٹھے ہو گئے تو جناب نبی کریم ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا، مجھ سے پہلے کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت کو اپنی معلومات کے مطابق بھلائی کی جانب رہنمائی کی اور انہیں برائی سے اور شر سے دور رکھا۔ آپ لوگوں کی اس امت کے آغاز میں عافیت رکھی گئی ہے اس کے آخر میں سخت قسم کی آزمائش اور پریشانی آئے گی اور ناپسندیدہ امور پیش آئیں گے، ایسے ایسے فتنے آئیں گے جو ایک دوسرے کو بہا کر لے جائیں گے۔ ایک فتنہ آ کھڑا ہوگا تو بندہ مؤمن کہے گا کہ اس میں میں ہلاک ہو جاؤں گا، اس کے بعد اس سے چھٹکارا مل جائے گا، پھر ایک اور فتنہ آ کھڑا ہوگا تو مؤمن کہے گا کہ اس بار تو میں گیا۔ پھر وہ فتنہ ختم ہو جائے گا۔ جو چاہے کہ اسے جہنم سے نجات ملے اور اس سے دور رکھا جائے اور جنت میں داخل ہونا چاہے تو اس کو چاہے کہ ایسا عمل کرے کہ اسے موت ایمان کی حالت میں آئے اور لوگوں کو ایسی چیز دے جو اپنے لیے بھی پسند کرے۔ کسی شخص نے کسی بھی امام کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا عہد اور اپنے دل کا ثمرہ اس کے حوالہ کر دیا تو حتی المقدور اس کی اطاعت کرے۔ اگر بعد میں کوئی دوسرا آ کر اس سے وہ منصب چھین لینا چاہے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے پوچھا بخدا کیا آپ ہی نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے کان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے کانوں نے یہ حدیث سنی اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کے چچا زاد یعنی معاویہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنے مال کو آپس میں ناجائز طریقے سے کھائیں اور ہم خود کو ہلاکت میں ڈال دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اپنے مال کو آپس میں ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملایا اور انہیں اپنی پیشانی پر رکھا اور تھوڑی دیر کے لئے اسے جھکایا اور پھر اپنا سر اوپر اٹھا کر کہنے لگے، ان کی اطاعت کرو اللہ کی اطاعت میں اور اللہ کی معصیت والی بات میں ان کی نافرمانی کرو۔ یہ روایت مسند احمد کے علاوہ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

عرب کی تاریخ

پورے عرب کے مورث اعلیٰ اور عرب عاربہ

اسماعیل علیہ السلام پورے عرب کے مورث اعلیٰ اور جد امجد ہیں لیکن صحیح اور مشہور یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام سے پہلے عرب عاربہ آباد تھے۔ جن میں عاد، ثمود، طسم، جدیس، امیم، جرہم، عمالقہ اور دیگر اقوام ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور ان کے زمانہ میں بھی تھے۔

عرب مستعربہ:...... یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جو حجاز میں آباد ہیں۔

یمنی عرب:...... یہ حمیری ہیں۔ ابن ماکولا کی راویت کے مطابق یمنی قحطان کی نسل سے ہیں جن کا نام مہزم ہے مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ چار بھائی تھے (۱) قحطان (۲) قاحط (۳) مقحط (۴) فالغ۔

کہا جاتا ہے قحطان بن ہود۔ یہ بھی کہا گیا کہ قحطان کا نام ہی ہود تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ قحطان، ہود کا بھائی تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ قحطان ہود کی نسل سے تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قحطان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ بعض نے ان کا نسب یوں بیان کیا ہے قحطان الھمیسع بن تیمن بن قیذر بن اسماعیل علیہ السلام ایک اور قول بھی منقول ہے جس میں ان کا نسب اسماعیل علیہ السلام تک جا پہنچا ہے، واللہ اعلم۔

بنی اسماعیل:...... ''باب نسبة اليمن الى اسماعيل'' کے عنوان کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی علیہ السلام ''اسلم'' قبیلہ کے لوگوں کے پاس گزرے وہ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کی مشق کرو میں بھی تم میں سے ایک جماعت کے ہمراہ ہوں۔ یہ سن کر وہ تیر اندازی سے رک گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تم نشانہ بازی سے کیوں رک گئے؟ تو وہ کہنے لگے: اب ہم تیر اندازی میں مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں جب کہ آپ فلاں جماعت میں شامل ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نیزہ بازی کی مشق جاری رکھو، میں تم سب کے ساتھ ہوں، ایک روایت میں ہے: تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام بھی تیر انداز تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس فریق کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ نے شمولیت کا اعلان کیا تھا اس کا نام ''ابن ادرع'' تھا۔

اسلم قبیلہ خزاعہ سے ہے:...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسلم بن افصی بن حارثہ عمرو بن عامر، قبیلہ خزاعہ سے ہے خزانہ قبیلہ سبا کے قبائل کی ایک شاخ ہے جب اللہ تعالیٰ نے سبا پر بلاخیز سیلاب برپا کیا تو خزاعہ ان سے کٹ کر جدا ہو گیا تھا۔

قبیلہ اوس و خزرج:...... اوس اور خزرج قبائل اس کی شاخ ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں بعض نے فرمان رسول اللہ ﷺ سے عرب قوم مراد لی ہے مگر یہ تاویل ہے بلا دلیل اور ظاہر کے خلاف ہے۔

قحطان اور عدنانی:...... جمہور کا قول ہے کہ یمنی عرب وغیرہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نہیں ہیں بلکہ پورے عرب کی آبادی و قبائل (قحطانی اور عدنانی) پر منقسم ہے قحطان قبیلہ کی دو شاخیں ہیں سبا اور حضرت موت اسی طرح عدنان کی بھی دو شاخیں ہیں ربیعہ اور مضر جو نزار ابن معد بن عدنان کے بیٹے ہیں۔

قضاعہ:...... پانچویں شاخ قضاعہ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے بعض ان کو عدنانی'' کہتے ہیں بقول ابن عبدالبر اکثر مؤرخین کی یہی

رائے ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ،ابن عمر رضی اللہ عنہ اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔زبیر بن بکار اور اس کے چچا مصعب زبیری اور ابن ہشام کا یہ مختار قول ہے۔اور ایک حدیث میں بھی قضاعہ بن معد مذکور ہے مگر بقول ابن عبدالبر وغیرہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ دور جاہلیت اور آغاز اسلام میں خود کو عدنانی کہلواتے تھے مگر یہ لوگ خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال تھے۔اس کے عہد حکومت میں قحطانی کہلانے لگے،اعشیٰ بن ثعلبہ شاعر نے اس خاندانی تبدیلی کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے

أبلغ قضاعة في القرطاس أنهم
لولا خلائف آل الله ما عتقوا!

"بنی قضاعہ کو لکھ کر بتا دو تا کہ سند رہے کہ اگر تم اللہ کے پسندیدہ لوگوں کی اولاد نہ ہوتے تو غلام ہی رہتے۔نیک لوگوں کی وجہ سے تم کو عزت ملی ہے۔"

قالت قضاعة انا من ذي يمن
والله يعلم ما بروا وما صدقوا
قد ادعوا والدا ما نال أمهم
قد يعلمون ولكن ذلك الفرق

"قضاعہ کا دعویٰ ہے کہ ہم یمنی ہیں اللہ جانتا ہے کہ وہ نیک اور سچے نہیں،انہوں نے ایسے والد کا دعویٰ کیا ہے جس کا ملاپ ان کی ماں سے نہیں ہوا وہ خوب جانتے ہیں،لیکن یہی فرق ہے کہ وہ جانتے ہوئے بھی نہیں مانتے۔"

امام سہیلی نے "روض الانف" میں چند اشعار ذکر کیے ہیں جن سے ان کا یمن کی طرف منسوب ہونا من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔

قضاعہ قحطانی ہیں:......ابن اسحاق کلبی اور بعض ماہرین نسب کے مطابق یہ قحطانی ہیں اور ابن اسحاق نے یہ نسب ذکر کیا ہے: قضاعہ بن مالک بن حمیر بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان اور ان کے شاعر عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ صحابی سے یہ اشعار اور دو حدیثیں بھی مروی ہیں انہوں نے یہ اشعار کہے:

يا أيها الداعي ادعنا وابشر
وكن قضاعيا ولا تنزر
نحن بنو الشيخ الهجان الأزهر
قضاعة مالك بن حمير

"اے پکارنے والے! تو ہمیں پکار اور خوش ہو قضاعہ کی طرف نسبت کر اور حقیر نہ سمجھ۔ہم لوگ گورے چٹے شیخ قضاعہ بن مالک بن حمیر کی اولاد ہیں یہ نسب مشہور معروف ہے منبر کے نیچے پتھر پر نقش کی طرح۔"

ایک اور قول:......بعض لوگوں نے یہ نسب اس طرح بیان کیا ہے قضاعہ بن مالک بن عمر بن مرہ بن زید بن حمیر۔ابن لہیعہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں،میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "امانحن من معد" کیا ہم معد قبیلہ سے نہیں؟ آپ نے فرمایا! نہیں تو میں نے پوچھا پھر کس قبیلہ سے ہیں تو فرمایا تم قضاعہ بن مالک بن حمیر کی اولاد ہو۔

بقول ابوعمر ابن عبدالبر، بالاتفاق، جہینہ بن زید بن اسود بن اسلم بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کی اولاد ہیں۔اس قول کے مطابق ان کا شمار حمیر بن سبا سے ہے۔

مذکورہ دونوں اقوالوں میں تطبیق:......زبیر بن بکار وغیرہ کا بیان ہے بعض ائمہ نے نسب دانوں کے ان دو اقوال کی یہ تطبیق بیان کی

ہے کہ مالک بن حمیر نے ایک جرہمی خاتون سے شادی کی۔ اس کے شکم سے قضاعہ پیدا ہوا پھر نومولود قضاعہ کی والدہ، معد بن عدنان کی زوجیت میں آ گئی۔ (بعد لوگوں کے گمان کے مطابق جو کہ حاملہ ہی معد کے گھر میں آباد ہوگئی) حسب رواج وہ اپنی والدہ کے نئے شوہر کی طرف منسوب ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

عرب تین قبائل پر منقسم ہے:...... محمد بن سلام بصری جو کہ ہر انتساب کے مطابق عرب کے تین قبائل ہیں۔ عدنانی قحطانی اور قضاعہ اس سے کسی نے پوچھا ان میں سے کس کی اکثریت ہے؟ تو اس نے کہا یہ قضاعہ قبیلہ پر منحصر ہے، اگر یہ یمنی عرب میں شمار ہوں تو قحطانیوں کی اکثریت ہے۔ اگر یہ معد میں شمار ہوں تو اس وقت عدنانی اکثریت ہوں گے۔ اس تبصرہ سے واضح ہے کہ وہ اپنے نسب میں کچھ متردد تھے ابن لھیعہ کی مذکورہ بالا روایت جو درست ہو تو صاف ظاہر ہے کہ قضاعہ قبیلہ قحطانی ہے واللہ اعلم۔

لفظ شعوب کی تحقیق:...... وجعلنا کم شعوبًا و قبائل الخ۔ (الحجرات ۱۳) اور تم کو تقسیم کیا ہے نے قوموں اور قبائل میں نسب کا انتہائی بالائی حصہ شعب اور شعوب کہلاتا ہے پھر قبیلہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ پھر عشیرہ، آدمی کے انتہائی قریبی رشتہ داروں کی جماعت کا نام عشیرہ ہے۔

اب ہم انشاء اللہ قحطانی قبیلہ کے واقعات بیان کریں گے پھر الحجاز یعنی عدنان کے دور جاہلیت کے واقعات وحوادث بیان کریں گے تا کہ یہ حوادثات "سیرت النبی ﷺ" کا مقدمہ اور تمہید ہوں۔

ذکر قحطان:...... کے عنوان سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبل از قیامت قحطان میں ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو لوگوں کو اپنی عصاء سے ہانکے گا۔ مسلم نے بھی اسے بیان کیا ہے۔

بادشاہوں اور مشرکوں کا باہمی سلام:...... بقول سہیلی قحطان پہلا شخص ہے جو "ابیت اللعن" کے خطاب سے مخاطب ہوا، یہ جاہلی دور میں بادشاہوں کا سلام تھا اور سب سے پہلے اسے "انعم صباحا" (گڈ مارننگ :م) یعنی صبح کام سلام کہا گیا۔ یہ مشرکوں کا باہمی سلام تھا۔

مسند احمد میں ذی فجر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکمرانی پہلے حمیر میں تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے چھین کر قریش کے سپرد کردی۔ اور عنقریب ان کی طرف پھر منتقل ہو جائے گی۔ عبداللہ بن امام احمد کہتے ہیں میرے والد کی کتاب میں وس، ی ع ود۔ ال ی ہم، مکتوب تھا اور جب اسے رواں پڑھتے تو "وسیعود الیھم" پڑھا جاتا۔

قصہ سبا...... بے شک قوم سبا کے لئے ان کی بستی میں ایک نشانی موجود تھی۔ دائیں بائیں دو باغ۔ اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو، عمدہ شہر رہنے کو اور بخشنے والا ہے رب، پھر انہوں نے نافرمانی کی پھر ہم نے ان پر بند توڑ کر سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دونوں باغوں کے بدلے میں دو باغ بدمزہ پھل کے اور جھاؤ کے اور کچھ تھوڑی سی بیریوں کے بدل دیئے۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکروں کو ہی برا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، بہت سے گاؤں آباد کرر کھے تھے اور ہم نے ان میں منزلیں مقرر کردی تھیں۔ ان میں رات اور دن کو امن سے چلو پھر انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہماری منزلوں کو دور کردے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو ہم نے انہیں کہانیاں اور افسانہ بنادیا اور ہم نے انہیں پورے طور پر پارہ پارہ کردیا، بے شک اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔ (سبا ۱۵۔۱۹)

سبا کی وجہ تسمیہ...... محمد بن اسحاق کے مطابق سبا کا نام عبدشمس بن یشجب بن یعرب ابن قحطان ہے یہ پہلا عربی شخص ہے جس نے "قیدی" بنانے کا کارنامہ انجام دیا اس وجہ سے اس کا نام "سبا" مشہور ہوگیا اور سبا کے معنی قیدی کے ہیں اور "رائش" نام اس وجہ سے پڑا کہ لوگوں میں

مال و دولت تقسیم کیا کرتا تھا سہیلی نے نقل کیا ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس کی تاج پوشی ہوئی۔

اس کے اشعار...... بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ مسلمان تھا اس نے چند اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کی نوید سنائی ہے جو "التنویر فی مولد البشیر النذیر از ابن دحیہ" میں مذکور ہیں:

سیملک بعدنا ملکا عظیما
نبی لا یرخص فی الحرام
ویملک بعده منهم ملوک
یدینون العباد بغیر ذام
ویملک بعدهم منا ملوک
یصیر الملک فینا باقتسام
ویملک بعد قحطان نبی
تقی جبینه خیر الانام

"ہمارے بعد ایک نبی عظیم حکومت کا حکمران ہوگا، جو مسجد حرام میں کسی گناہ کی اجازت نہ دے گا۔ اس کے بعد متعدد حکمران ہوں گے۔ جو بغیر قتل و غارت کے لوگوں کو مطیع کریں گے۔ پھر ان کے بعد ہم سے بادشاہ ہوں گے اور ملک تقسیم ہو جائے گا۔ قحطان کے بعد وہ نبی حکمران ہوگا جو کشادہ پیشانی اور پوری مخلوق میں برتر ہوگا"۔

یسمی احمدا یالیت انی
اعمر بعد مبعثه بعام
فاعضده واحبوه بنصری
بکل مدجج وبکل رام
متی یظهر فکونوا ناصریه
ومن یلقاه یبلغه سلامی

"ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ کاش کہ میں ان کی بعثت کے بعد ایک سال تک زندہ رہتا میں ان کا دست و بازو بنتا، ہر مسلح اور تیر انداز کے ذریعہ اس کی مدد کرتا۔ جب وہ ظاہر ہو تو تم اس کی مدد کرو، جس کی ان سے ملاقات ہو وہ ان کو میرا اسلام عرض کرے۔"

"سبا" مرد تھا یا عورت تھی؟...... مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سبا کے بارے میں پوچھا کیا وہ مرد تھا یا عورت یا کسی علاقہ کا نام ہے؟ آپ نے فرمایا ایک آدمی تھا، اس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں مقیم تھے اور چار شام میں ان میں سے (۱) مذحج (۲) کندہ (۳) ازد (۴) اشعری (۵) انمار (۶) حمیر یمن میں تھے اور (۷) لخم (۸) جذام (۹) عاملہ اور (۱۰) غسان شام میں مقیم تھے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال پوچھنے والا "فروہ بن مسیک غطیفی" ہے

الغرض "سبا" ان سب قبائل کا مورث اعلیٰ اور جد امجد تھا۔ ان ہی سے ملوک یمن "تبابعہ" تھے یہ تبع بادشاہ ایوان عدالت میں شاہان فارس کی طرح تاج پہن کر فیصلے کیا کرتے تھے۔

بادشاہوں کے القاب...... یمن کے جس حکمران کے ماتحت شحر سے حضر موت تک کا علاقہ ہوا سے تبع کہتے تھے۔ جو بادشاہ ملک شام مع جزیرہ کا حاکم ہو، اسے "قیصر" کہتے تھے، فارس کے بادشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا مصر کے شاہ کو "فرعون" کہتے تھے، اور حبشہ کے حکمران کا لقب "نجاشی"

ہوتا تھا اور ہندوستان کے بادشاہ کا لقب ''بطلیموس'' تھا، یمن کے شاہان حمیر میں ملکہ بلقیس کا بھی شمار ہے۔

ناشکری کا انجام...... یہ قوم سبا کے لوگ نہایت قابل رشک زندگی بسر کر رہے تھے، دولت کی ریل پیل تھی، باغات اور پھلوں کی بہتات تھی۔ زراعت وکاشت خوب عروج پر تھی۔ وہ رشد وہدایت پر قائم تھے، راہ راست پر گامزن تھے۔ جب انہوں نے یہ روش بدلی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی تو قوم کو تباہی کے گڑھے میں اتار دیا۔

بعثت انبیاء...... محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ۱۳ انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے اور بقول سدی بارہ ہزار نبی مبعوث کئے۔

الغرض جب وہ لوگ رشد وہدایت کو ترک کر کے گمراہی اور ضلالت کی راہ پر چل پڑے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرنے لگے، یہ آفتاب پرستی ملکہ بلقیس کے عہد حکمرانی میں بھی جاری تھی اور اس سے پہلے بھی وہ لوگ آفتاب پرستی میں مبتلا تھے۔ جب وہ اس غلط کاری اور نافرمانی کی روش پر بلا تامل چلتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بند توڑ سیلاب سے تباہ برباد کر دیا۔

سد مارب...... اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ (۸۰۰ق م) مارب ڈیم کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ دو پہاڑوں کے درمیان پانی رواں تھا اور ان پر اس قدر مضبوط بند باندھ دیا گیا تھا کہ پانی کی سطح بلند ہوگئی اور ان کے قرب وجوار میں باغات لگا دیئے گئے اور کاشت کرنے لگے۔

سنگ بنیاد...... مشہور ہے کہ اس کا سنگ بنیاد سبا بن یعرب نے رکھا تھا۔ اس نے ستر وادیوں کا پانی اکٹھا کر کے اس میں جمع کر دیا تھا اور اس کے تیس دروازے قائم کئے تھے۔ اس کی زندگی میں ڈیم کی تعمیر نہ ہو سکی۔ حمیر نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یہ ڈیم تین مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔

سد مارب کے باشندے رزق کی فراوانی، عمدہ زندگانی اور خوب عیش وعشرت کے مزے لوٹ رہے تھے۔ قتادہ وغیرہ کا بیان ہے کہ باغات میں اس قدر پھلوں کی کثرت تھی کہ عورت نیچے سے سر پر ٹوکرہ لئے گزرتی تو بغیر ہاتھ لگائے پھلوں سے ٹوکرہ بھر جاتا تھا۔ آب وہوا لطیف اور ماحول اس قدر پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا کہ مچھر مکھی اور کھٹمل کا نام ونشان تک نہ تھا۔ جیسا کہ سورہ سبا میں ہے بلدۃ طیبۃ پاکیزہ اور صاف ستھرا شہر۔

نعمت کی ناشکری...... جب وہ غیر اللہ کی پرستش کرنے لگے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے تو آبادیوں کے قریب راستوں سے اکتا کر دور دراز مسافتوں کی خواہش کرنے لگے۔ باغات کی پرکشش عیش سے دل اچاٹ ہو گیا تو جہد مسلسل کی تمنا اور آرزو کرنے لگے، آرام وراحت کی بجائے محنت ومشقت طلب کرنے لگے جیسا کہ بنی اسرائیل نے منّ و سلویٰ سے تنگ آ کر کھیتی باڑی سے پیدا ہونے والی غذاؤں اور سبزیوں کا تقاضا کیا تھا۔

چنانچہ ان سے یہ عظیم نعمت سلب کر لی گئی۔ صاف ستھری آب وہوا غلیظ اور کثیف ہو گئی، عمدہ سرزمین کھنڈرات کا روپ دھار گئی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، جب انہوں نے توحید سے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر سخت سیلاب بھیجا۔

قضاء وقدر کے خلاف ان کی تدابیر...... اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بند میں چوہے پیدا کر دیئے جب ان کو چوہوں کی پیدائش کا علم ہوا تو انہوں نے ان پر بلیاں چھوڑ دیں لیکن بلیاں بیکار ثابت ہوئیں۔ قضاء کی قدرت کے سامنے تمام تدابیر رائیگاں ہو گئیں، کے شگافوں اور دراڑوں کے باعث بند گر پڑا، پانی کا سیلاب امڈ آیا، آبپاشی کا نظام درہم برہم ہو گیا، کاشت اور باغات تباہ ہو گئے، عمدہ پھلوں کی بجائے محض جھاڑی بوٹیوں کے پھل رہ گئے (وبدلناهم بجنتيهم جنتين ذواتى أكل خمط و اثل (سورۃ سبا) ان باغوں کے عوض دو باغ انہیں دیئے گئے جن میں بدمزہ میوے اور جھاڑ تھے۔

آیت کریمہ میں الفاظ کے معانی...... بقول مجاہد اور ابن عباس "اُکُلٍ خَمطٍ" سے مراد پیلو کے درخت ہیں اور "اَثلٍ" سے مراد جھاؤ یا ایسا درخت جو صرف ایندھن کے کام آئے، پھل دار نہ ہو، و شیء من سدر قلیل اور تھوڑے سے بیری کے درخت یعنی عمدہ پھلوں کی بجائے محض

بیری جیسے خاردار درخت کا پھل باقی رہ گیا جس پر کھودا پہاڑ نکلا چوہا، کی ضرب المثل صادق آتی ہے (لحم جمل غث علیٰ راس جبل)

کفر کا بدلہ......اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ہم ایسا بدلہ اور کسی کو نہیں دیتے (سبا ۱۷) یعنی ایسی سخت سزا ان لوگوں کو دیتے ہیں جو ناشکری کرتے ہیں، ہمارے رسل کی تکذیب کرتے ہیں اور ہمارے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں اور گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں فجعلناهم احادیث ومزقناهم کل ممزق (۱۸/۳۴) ہم نے ان کو کہانیاں اور افسانے بنا دیا اور ان کی دھجیاں اڑا دیں، سرسبز علاقہ برباد ہو گیا، مال و دولت تباہ ہو گئی تو وہ اپنا مانوس وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر وہ لوگ منتشر ہو کر بلند و بالا اور پست علاقوں میں منتقل ہو گئے۔

غور اور نجد کا انتشار......عرب کے غور اور نجد، ہتھاڑ اور اتاڑ کے علاقوں پر منتشر ہو گئے، چنانچہ خضاعہ قبیلہ مکہ مکرمہ کے نواح میں آباد ہوا۔ ایک قبیلہ موجودہ مدینہ منورہ کے مقام پر پھر ان کے پاس یہود کے تین قبائل بنوقینقاع بنوقریظہ اور بنونضیر آباد ہوئے اور یہ اوس وخزرج کے دشمن ہیں۔ غسان، عاملہ، بہرا، لخم، جذام، تنوخ اور تغلب وغیرہ قبائل شام میں چلے آئے اور عیسائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں شام کی فتوحات کے سلسلہ میں ہم ان قبائل کا تذکرہ کریں گے، انشاء اللہ۔

محمد بن اسحاق بذریعہ ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ اعشی شاعر نے یہ اندوہناک حادثہ ایک نظم میں پیش کیا ہے:

وفی ذاک للمؤتسی أسوة
ومارم عفی علیها العرم
رخام بنته لهم حمیر
إذا جاء مواره لم یرم
فأروی الزروع وأعنابها
علی شرب طفل إذا ما فطم
فصاروا أیادی لایقدرون
علی شرب طفل اذ ما فطم

"اس طوفان میں حق بات کی اتباع کرنے والے کے لئے اچھا نمونہ ہے۔ سد مارب کو سیلاب نے نیست و نابود کر دیا۔ حمیر نے ان کے لئے پتھروں سے بند تعمیر کیا جب طغیانی آئی تو وہ ٹھہر نہ سکا۔ پانی جب دروں میں تقسیم ہوتا تھا، زراعت اور باغات کو سیراب کرتا تھا۔ اب وہ لوگ منتشر ہو گئے اور سد مارب کی وجہ سے پانی کی بوند کو ترس رہے تھے کہ شیر خوار بچے کو دودھ چھڑانے کے وقت پلا سکیں۔"

ترک سکونت......محمد بن اسحاق میں لکھتے ہیں کہ عمرو بن عامر لخمی بن عدی بن حارث بن مرہ بن ازد بن زید بن مھع بن عمرو بن عریب بن یشجب بن زید بن کہلان بن سبا سیل عرم سے قبل ہی یمن سے ترک سکونت کر کے باہر چلا گیا۔

ابوزید انصاری کی روایت کے مطابق اس کے ترک سکونت کا باعث یہ ہوا کہ اس نے دیکھا وہ سد مارب جس سے وہ حسب منشا آبپاشی کرتے ہیں اس میں چوہوں نے اپنے بل بنا لیئے ہیں اس وجہ سے سد مارب کا قائم رہنا بڑا دشوار ہے چنانچہ اس نے ترک وطن کا ایک خفیہ منصوبہ تیار کر لیا۔ اس نے اپنے مجھلے بیٹے کو کہا جب میں تجھے برا بھلا کہہ کر تھپڑ رسید کروں تو جواباً تم بھی مجھے اسی طرح تھپڑ رسید کر دینا۔ حسب منصوبہ اس کے بیٹے نے یہ گستاخی کی تو اس نے کہا میں ایسے علاقے میں قیام کیوں کروں جہاں اولاد باپ کی بے ادبی کرے چنانچہ وہ اپنا سارا مال ومتاع فروخت کے لئے بازار میں لے آیا لوگوں نے موقع غنیمت جان کر اس کا سارا مال ومتاع خرید لیا اور وہ اپنے خاندان کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

از دقبیلہ نے کہا عمرو چلا گیا ہے تو ہم بھی یہاں نہیں رہیں گے۔ چنانچہ وہ بھی اپنا مال فروخت کر کے اس کے ہمراہ ہو گئے۔ ''قیام گاہ'' کی تلاش میں ''عک بن عدنان'' کے علاقے میں سے گذرے تو ان سے جنگ کی۔ یہ جنگ ان میں کافی عرصہ تک جاری رہی۔ کبھی یہ غالب آتے اور کبھی وہ غالب آتے عباس بن مرداس نے اپنے ایک قصیدہ میں اس کا ذکر کیا ہے

وعک بن عدنان الذین تلعبوا

بغسان حتی طردوا کل مطرد

''عک وہ قبیلہ ہے جس نے غسان کو جنگ کے بعد منتشر کر دیا''۔

جنگ کے بعد یہ لوگ وہاں سے نکل کر مختلف مقامات پر چلے گئے آل جفنہ بن عمرو بن عامر شام میں مقیم ہو گئے۔ اوس اور خزرج نے موجودہ مدینہ منورہ کے مقام پر رہائش اختیار کی۔ جس کو یثرب کہتے تھے اور خزاعہ قبیلہ مرو میں رہائش پذیر ہو گیا اور ''از دسراۃ'' سراۃ میں اور ''از دعمان'' عمان میں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیلاب آیا اور سد مارب کا علاقہ تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ واقعہ سورہ سبا ۱۵/۳۴ میں مذکور ہے۔

عمرو بن عامر کاہن کی پیشن گوئی...... محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن عامر کاہن تھا (کسی اور سے یہ منقول ہے) کہ اس کی بیوی طریفہ بنت خیر حمیر یہ کاہنہ تھی؛ اس نے بتایا کہ یہ علاقہ عنقریب تباہ ہو جائے گا اس کے بعد انہوں نے سد مارب میں چوہوں کے بل دیکھے تو ان کا یقین پختہ ہو گیا لہٰذا یہ علاقہ چھوڑ کر چلے گئے (واللہ اعلم) یہ واقعہ میں نے عکرمہ سے روایات ابن ابی حاتم سے مفصل نقل کیا ہے۔

عرم کے سیلاب کے بعد سبا کی ساری اولاد نے یمن کو خیر باد نہیں کہا بلکہ کافی لوگ وہاں ہی مقیم رہے، صرف سد مارب کے باشندے ہی وہاں سے منتقل ہوئے اور متفرق مقامات میں آباد ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ سبا کے تمام قبائل نے یمن سے سکونت ترک نہیں کی، بلکہ یمن میں چھ قبائل جن میں مذحج، کندہ، انمار، اشعری، بجیلہ، اور حمیر شامل تھے یہیں مقیم رہے۔

شاہ حبشہ کی حکومت...... یہی قبائل اس علاقہ میں حکمران رہے، پھر شاہ حبشہ نے ابرہہ اور اریاط کے زیر قیادت لشکر روانہ کر کے اس کو اپنے تابع اور زیر کر لیا قریباً ۷۰ سال اس پر قابض اور ان پر حکومت کرتا رہا۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء سے کچھ عرصہ قبل سیف بن ذی یزن حمیر نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے یمن میں علی، خالد بن ولید، ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کو اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے روانہ کیا، اسود عنسی متنبی یمن پر غالب آیا اور رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ نمائندوں کو اس نے وہاں سے نکال دیا اسود عنسی کے قتل کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔

ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر لخمی کا قصہ

سہیلی اور یمن کے ماہرین نسب ربیعہ بن نصر کا درج ذیل سلسلہ نسب بیان کرتے ہیں۔ نصر بن ربیعہ بن نصر بن حارث بن نمارہ بن لخم زبیر بن بکار اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ربیعہ بن نصر بن مالک بن شعوذ بن مالک بن عجم بن عمرو بن غارہ بن لخم۔

لخم کی وجہ تسمیہ...... لخم جذام کا بھائی ہے اور لخم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بھائی کے تھپڑ رسید کیا تو اس کا نام لخم یعنی ''تھپڑ مارا'' پڑ گیا، بھائی نے ہاتھ کاٹ کھایا تو اس کا نام جذام یعنی ''کاٹ ڈالا'' مشہور ہو گیا۔

ربیعہ یمن کے شاہان تبع میں سے ہے سطیح اور شق ان دو کاہنوں نے اس کا خواب بتا کر تعبیر بیان کی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خوشخبری سنائی۔

سطیح اور شق کے حالات...... سطیح کا نام ربیع بن ربیعہ بن مسعود بن مازن بن ذئب بن عدی بن مازن غسان ہے یہ ایک بے ترتیب عضو والا انسان تھا، مشک کی طرح، اس کا چہرہ سینہ میں تھا، غضبناک ہو جاتا تو اس کا جسم پھول جاتا اور بیٹھ جاتا۔

شق...... ناقص اعضا والا انسان تھا۔ یہ بھی سطیح کی طرح تھا کہ اس کا چہرہ سینہ میں دھنسا ہوا تھا۔ غصہ میں اس کا چہرہ اور جسم پھول جاتا پھر بیٹھ جاتا۔ نسب یہ ہے شق بن صعب بن یشکر بن رہم بن افرک بن قیس بن عبقر بن

انمار بن نزار...... بعض کہتے ہیں کہ انمار بن اراش بن لحیان بن عمرو بن غوث بن نابت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا ہے مشہور ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری سلالہ کی نسل سے ہے۔

سہیلی کا بیان ہے کہ سطیح اور شق دونوں کاہن اسی روز پیدا ہوئے جس روز طریفہ بنت خیر حمیر یہ زوجہ عمرو بن عامر فوت ہوئی اور یہ بھی منقول ہے کہ اس نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور اس کی کہانت ان کی طرف منتقل ہوگئی، واللہ اعلم۔

خواب اور اس کی تعبیر...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ ربیعہ بن نصر، تبع شاہ یمن نے ایک خوفناک خواب دیکھا جس کی وجہ سے وہ حیران و پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے قلمرو کے سب کاہن، ساحر قیافہ شناس اور نجومی دربار میں طلب کیے ان کو بتایا کہ میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے نہایت مضطرب اور بے چین ہوں، مجھے خواب اور اس کی تعبیر بتاؤ تو حاضرین نے کہا حضور! خود بیان فرمایئے، ہم اس کی تعبیر سے آگاہ کر دیں گے، تو اس نے کہا اگر وہ خواب میں خود بتا دوں تو تعبیر سے میری تسلی نہ ہوگی کیونکہ اس کی تعبیر سے وہی باخبر ہے جو میرے بتائے بغیر خواب سے آگاہ ہو تو ایک درباری نے عرض کیا بادشاہ سلامت! اگر آپ کا یہ مقصد ہے تو ''شق'' اور ''سطیح'' کو طلب کیجئے۔ ان سے بڑھ کر کوئی بھی خواب کی تعبیر نہیں جانتا، وہ آپ کے ہر سوال کا صحیح جواب دیں گے۔ چنانچہ ان کو پیغام بھیج کر طلب کر لیا۔ سطیح، شق سے پہلے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے بتایا کہ میں نے ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں سخت بے قرار اور خوفزدہ ہوں، مجھے وہ خواب بتاؤ اگر تو خواب بتا سکے گا تو اس کی تعبیر سے بھی آشنا اور آگاہ ہوگا یہ سن کر اس نے کہا یہ معمہ حل کر سکتا ہوں۔

آپ نے روشن آگ کو تاریکی سے نکلتے دیکھا ہے اور وہ روشنی تہامہ میں پھیل گئی ہے اور اس نے ہر ذی روح کو ہڑپ کر لیا ہے۔ شاہ نے کہا تم نے بالکل درست کہا اب اس کی تعبیر بتایئے۔

تو سطیح نے کہا میں دو سنگلاخ وادیوں کے درمیان ہر ذی روح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے علاقے پر حبشی غالب آجائیں گے اور ''ابین'' سے ''جرش'' تک کے علاقے پر قابض ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے کہا، یہ تو نہایت خطرناک اور دردناک بات ہے لیکن یہ خواب کب شرمندہ تعبیر ہوگا، میرے عہد حکومت میں یا بعد میں؟ تو سطیح نے کہا، ابھی نہیں۔ یہ تعبیر ساٹھ یا ستر سال کے بعد ظہور پذیر ہوگی۔

شاہ نے پھر پوچھا کیا ان کی حکمرانی ہمیشہ رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟ تو سطیح نے کہا ستر سال سے کچھ زائد عرصہ کے بعد ان میں سے کچھ قتل ہو جائیں گے اور کچھ فرار ہو جائیں گے۔

شاہ نے پوچھا ان کے ساتھ نبرد آزما کون ہوگا؟ تو اس نے کہا عدن سے ارم ذی یزن حملہ آور ہوگا۔ اور یمن میں ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔

شاہ نے مزید پوچھا کیا اس کی سلطنت ہمیشہ رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟ اس نے کہا اس کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ پوچھا کون ختم کرے گا؟ بتایا ایک پاکباز شخص جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوگی، پوچھا یہ نبی کون سے قبیلہ سے پیدا ہوگا؟ اس نے بتایا غالب بن فہر کے خاندان سے، اور تا قیامت اس کی قوم میں یہ حکمرانی باقی رہے گی۔ پھر پوچھا کیا دنیا کا اختتام بھی ہے؟ تو اس نے بتایا، جی ہاں! جس روز پہلے اور پچھلے سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے، نیک لوگ سرخرو ہوں گے اور بدکار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ شاہ نے پوچھا جو تو بتا رہا ہے، کیا بالکل سچ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! شام کی سرخی، رات کی تاریکی اور بدر کی روشنی کی قسم! جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ حق اور سچ ہے

شق کاھن کی تعبیر...... بعد میں شق نامی کاھن آیا تو اس سے امتحان و آزمائش کی خاطر، سطیح کے سوال کا جواب مخفی رکھا اور حسب سابق سوال

کیا تو اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت آپ نے آتش کو ظلمت سے نکلتے دیکھا ہے، پھر وہ روضہ اور اس کے درمیان ظاہر ہوئی، اور اس نے ہر زندہ کو ہڑپ کر لیا ہے۔

شق کاہن نے جب یہ خواب بتایا تو شاہ نے تصدیق کی کہ آپ نے بالکل درست کہا ہے اب اس کی تعبیر بتایئے؟ تو اس نے کہا کہ میں حرتین کے درمیان آباد انسان کی قسم کھا کر کہتا ہوں، تمہارے علاقے میں حبشی آ جائیں گے اور سب پر غالب آ جائیں گے اور "ابین" سے لے کر "نجران" تک قابض ہو جائیں گے۔

شاہ نے کہا، جناب! یہ بات تو نہایت تکلیف دہ ہے۔ بتایئے یہ کب ہوگا کیا میرے عہد حکومت میں یا بعد میں؟ اس نے کہا تمہارے کچھ عرصہ بعد پھر ان سے ایک عظیم الشان انسان نجات دلائے گا اور ان کو نہایت ذلیل و رسوا کرے گا۔ پوچھا یہ عظیم انسان کون ہوگا؟ فرمایا وہ کمینہ اور کمزور نہیں، ذی یزن کے خاندان سے ہوگا۔ شاہ نے مزید پوچھا، اس کی سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی یا منقطع ہو جائے گی؟

تو شق نے کہا ایک رسول کے ذریعے یہ حکومت ختم ہوگی جو صاحب ملت ہے، حق و صداقت اور عدل و انصاف کا پیغمبر ہے۔ "یوم الفصل" تک اس کی قوم میں حکومت باقی رہے گی۔ شاہ نے پوچھا "یوم الفصل" کیا ہے؟ تو شق نے بتایا جس روز سلاطین کو بدلہ ملے گا۔ آسمان سے آوازیں آئیں گی، ہر زندہ اور مردہ سنے گا سب لوگ ایک میقات پر اکٹھے ہوں گے، متقی اور نیک انسان کے لئے نجات اور خیر و برکت ہوگی۔ شاہ نے پوچھا، جو کچھ تم نے بتایا ہے کیا وہ صحیح اور سچ ہے، شق نے کہا زمین و زمان اور ہر نشیب و فراز کے مالک کی قسم! جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ سچ ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

احتیاطی تدابیر...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ شاہ اس تعبیر سے اس قدر متاثر اور غمزدہ ہوا کہ اپنے تمام اہل خانہ کو عراق روانہ کر دیا اور شاہ سابور بن خرزاذ کے نام ایک مکتوب تحریر کیا جس کی وجہ سے اس نے اس کے خاندان کو حیرہ میں آباد کر دیا۔

نعمان بن منذر...... بقول محمد بن اسحاق، نعمان بن منذر بن عمرو، حیرہ کا گورنر منجانب کسریٰ، ربیعہ بن نصر کی اولاد میں سے ہے۔ عرب کے وفود اس کے دربار میں حاضر ہوتے اور اس کی مدح و ستائش کرتے، اکثر مؤرخین نے ابن اسحاق کے اس بیان کی تائید کی ہے۔

نیز محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ نعمان بن منذر کی تلوار جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبیر بن مطعم سے پوچھا یہ نعمان کس کی اولاد میں سے ہے؟ تو جبیر نے کہا قنص بن معد بن عدنان کی اولاد میں سے ہے محمد بن اسحاق کہتے ہیں خدا جانے نعمان بن منذر قحطانی تھا یا عدنانی۔

تبع ابی کرب کا اہل مدینہ کے ساتھ نیک برتاؤ کا بیان
بیت اللہ پر حملے کا عزم اور اس کی تعظیم

کعبہ پر (پہلی بار) غلاف چڑھانا:...... بقول محمد بن اسحاق، ربیعہ بن نصر کی وفات کے بعد حسان بن تبان اسعد ابی کرب پورے یمن کا بادشاہ تھا۔ تبان اسعد آخری تبع ہے بن کلکی کرب بن زید۔ زید پہلا تبع ہے۔ جس کا نسب یہ ہے زید بن عمرو ذی الاذعار بن ابرہہ ذی المنار بن رائش بن عدی بن صیفی بن سبا اصغر بن کعب (کہف الظلم) بن زید بن سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن انس بن ہمیسع بن عرنجج حمیر۔ بن سبا اکبر بن یعرب بن یشجب بن قحطان۔ بقول عبدالملک بن ہشام، سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان درست ہے۔

تبان اسعد...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ تبان اسعد ابو کرب مدینہ منورہ میں آیا اور دو یہودی علماء کو اپنے ہمراہ یمن لے گیا۔ اس نے بیت

اللہ کی مرمت کروائی اور غلاف چڑھایا، ربیعہ بن نصر سے قبل یہ حکومت کرتا تھا۔
وہ مشرقی ممالک کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے مدینہ کے راستے سے آیا اور اپنے بیٹے کو وہاں چھوڑ گیا، واپس ہوا تو اس کا بیٹا قتل ہو چکا تھا۔ قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا تو اس نے مدینہ اور اس کے نخلستان کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر لیا تو انصار نے عمرو بن طلحہ نجاری یکے از عمرو بن مبذول کی زیر قیادت اس کی مزاحمت کی۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ عدی بن نجار کی اولاد میں سے ''احمر'' نے اس لڑکے کو کھجوریں توڑتا ہوا پایا اور اسے درانتی کے وار سے موت کے گھاٹ اتار دیا جو کھجور کا پھل پیوند کرنے والے کے پاس ہوتی ہے۔ انما التمر لمن ابر یہ سن کر مشتعل ہو گیا اور قتل و غارت شروع کر دی۔
انصار کا بیان ہے کہ نجاری دن کو تبع کے ساتھ برسر پیکار ہوتے اور رات کو حسب دستور اس کی میزبانی کرتے تبع یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ تھا کہ واللہ! یہ لوگ نہایت ناتجربہ کار اور بالکل سادہ لوح ہیں۔

وجہ عناد......ابن اسحاق نے انصار سے نقل کیا ہے کہ تبع یہود پر سخت ناراض تھا کہ انہوں نے اس کو مدینہ میں جنگ کرنے سے منع کیا تھا۔
سہیلی نے نقل کیا ہے کہ تبع اپنے (ابنائے عم) انصار کے تعاون کے لئے مدینہ آیا تھا کہ یہود مدینہ میں انصار کے پاس چند شرائط کے تحت آباد ہوئے تھے یہود نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور ان پر دست درازی شروع کر دی، واللہ اعلم۔

پیش گوئی......ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تبع، انصار کے مقابل برسر پیکار تھا کہ بنی قریظہ کے دو یہودی علماء کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مدینہ اور اس کے باشندگان کو تباہ برباد کر دینا چاہتا ہے تو علمائے یہود نے اس سے گزارش کی، حضور! آپ ایسا نہ کیجئے، آپ مدینہ کو تباہ برباد نہیں کر سکتے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس نے پوچھا یہ کیونکر؟ تو علماء نے کہا، یہ ایک آخر الزمان قریشی نبی کی ہجرت گاہ ہے جو مکہ سے یہاں تشریف لائے گا تو لہٰذا وہ جنگ و جدال سے باز آ گیا اور ان کے علم و دانش کا قائل و معتقد ہو گیا اور ان کے دین و ایمان کا پابند ہو کر مدینہ سے کوچ کر گیا۔

تبع کا عقیدہ......ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تبع اور اس کی قوم بت پرست تھی، وہ براستہ مکہ یمن کی طرف کوچ کر رہا تھا عسفان اور امج کے درمیان پہنچا تو ہذیل بن مدرکہ کے چند افراد نے اس سے عرض کیا جناب! ہم آپ کو ایک عظیم خزانے کی نشاندہی کرتے ہیں جو قبل ازیں تمام بادشاہوں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے وہ سیم و زر یاقوت و جواہر سے بھرپور ہے۔ اس نے کہا ضرور بتایئے چنانچہ انہوں نے کہا: مکہ میں ایک گھر ہے جو کہ ان کا عبادت خانہ ہے، وہاں وہ نماز پڑھتے ہیں۔

آل ہذیل کی بدنیتی......آل ہذیل کا خیال تھا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو تباہ ہو جائے گا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس نے بھی اس کی تباہی کا ارادہ کیا وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ جب اس نے حملے کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہود علماء سے مشورہ کیا تو علماء نے بتایا کہ آل ہذیل نے آپ کی اور لشکر کی تباہی اور ہلاکت کا منصوبہ بنایا ہے۔ ہمارے علم میں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر صرف یہی ''گھر'' اپنی عبادت کے لئے منتخب فرمایا ہے اگر آپ اس پر حملہ آور ہوئے تو لشکر سمیت تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

تبع کا طواف بیت اللہ اور حجاج کی ضیافت......پھر اس نے پوچھا کہ جب میں وہاں پہنچوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے بتایا جو کچھ وہاں کے باشندے کرتے ہیں آپ بھی وہی کچھ کریں۔ اس کا طواف کریں اور تعظیم و تکریم بجا لائیں سر منڈوائیں اور واپسی تک عجز و نیاز کا خوب مظاہرہ کریں۔
تبع نے پوچھا: تو پھر تم اس کا طواف وغیرہ کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: واللہ! یہ ہمارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر ہے جسے ہم نے آپ کے گوش گزار کیا ہے وہ اسی طرح قابل احترام ہے، لیکن دراصل بات یہ ہے کہ ان مشرکین نے وہاں بت نصب کر رکھے ہیں اور

ان پر غیر اللہ کے نام کی قربانیاں کر کے خون بہاتے ہیں (ہم اس وجہ سے اس سے اجتناب کرتے ہیں) چنانچہ وہ ان کی خیر خواہی اور سچائی کا معترف ہو گیا اور ہذیل کے ان چند افراد کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور خود مکہ کی طرف ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے طواف کیا قربانی کی اور سر منڈوایا اور وہاں چھ روز تک قیام کیا اس دوران وہ لوگوں کو گوشت کھلاتا رہا اور شہد کا میٹھا پانی پلاتا رہا۔

ایک خواب اور غلاف کعبہ...... اس نے خواب دیکھا کہ بیت اللہ پر غلاف چڑھائے، چنانچہ اس نے کھدر اور موٹے کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر خواب دیکھا کہ اس سے بھی بہتر غلاف پہنائے، پھر اس پر یمن کے ''معافری'' کپڑے کا غلاف چڑھایا مگر پھر بھی اس نے خواب دیکھا کہ اس سے بھی بہتر کپڑے کا غلاف چڑھائے چنانچہ اس نے دھاری دار سرخ کپڑے کی پوشش ڈالی۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ تبع نے سب سے پہلے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا اور اس کے متولی جرہم قبیلہ کو اس بات کی وصیت کی اور ان کو بیت اللہ کی صفائی کا حکم دیا نیز بیت اللہ کو خون، مردار اور ناپاک چیزوں سے محفوظ رکھیں اور اس نے ایک دروازہ نصب کر کے اس کو مقفل کر دیا۔

نصیحت آموز اشعار...... اسی بات کی روشنی میں سبیعہ بنت احب زوجہ عبد مناف بن کعب بن سعد بن تیم بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب اپنے بیٹے خالد کو مکہ میں ظلم وستم سے باز رہنے کی نصیحت کرتی ہے:

ابنی لا تظلم بمکة
لا الصغیر ولا الکبیر
واحفظ محارمها بنی
ولا یغرنک الغرور
ابنی من یظلم بمکة
یلق اطراف الشرور
ابنی یضرب وجهه
ویلج بخدیه السعیر
ابنی قد جربتها
فوجدت ظالمها یبور

''اے بیٹے! مکہ میں چھوٹے ہوں یا بڑے کسی پر ظلم نہ کر۔ بیٹا! اس کی حرمتوں کا خیال کر اور شیطان تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اے جگر گوشہ! جو بھی مکہ میں ظلم کرے گا وہ شر وفساد میں مبتلا ہوگا۔ اے بیٹا! ظالم اپنے چہرے کو پیٹے گا اور خود جہنم رسید ہوگا۔ بیٹا میں نے اس کا آزمودہ دیکھا ہے اور اس میں ظالم کو ہلاک ہوتے پایا ہے''۔

الله آمنها وما
بنیت بعرصتها قصور
والله آمن طیرها
والعصم تسامن فی ثبیر
ولقد غزاها تبع
فکسا بنیتها الحبیر
واذل ربی ملکه
فیها فاوفی بالنذور

يمشي اليها حافيا
بفنائها ألفا بعير

''اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ اور اس کے صحن کی تمام عمارات کو امن وامان بخشا ہے۔ اللہ نے اس کے پرندوں کو امن دیا ہے اور ہرن کوہ شبیر پر امن میں ہیں۔ تبع نے جنگ کا ارادہ کیا لیکن بالآخر اس نے احتراماً غلاف چڑھایا۔ میرے رب نے اس کے ملک کو اس وجہ سے ذلیل کر دیا اور اس نے نذر کی تکمیل کی۔ وہ برہنہ پاؤں پیدل گیا اس کے صحت کی طرف حالانکہ دو ہزار اونٹ اس کے پاس تھے''۔

ويظل يطعم أهلها
لحم المهاري والجزور
يسقيهم العسل المصفى
والرحيض من الشعير
رالفيل أهلك جيشه
يرمون فيها بالصخور
والملك في أقصى البلا
دو في الاعاجم والخزور
فاسمع اذا حدثت وافهم
كيف عاقبة الامور

''اور وہ وہاں کے باشندوں کو اونٹوں کا گوشت کھلاتا رہا۔ (چھ روز تک) وہ انہیں خالص شہد کا شربت اور جو کے ستو پلاتا رہا۔ ہاتھی والے لشکر کو ہلاک کر دیا، ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ اور بادشاہ کو دور دراز، عجم اور خزر کے علاقہ میں ہلاک کر دیا۔ جب بات کہی جائے تو سن اور سمجھ دیکھو کیسا ہے انجام کار''۔

یمن میں یہودیت کیونکر پھیلی...... ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ تبع اپنے لشکر اور دو علمائے یہود کو اپنے ہمراہ لے کر یمن کی طرف روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر اس نے اپنی قوم کو یہودیت اختیار کرنے کی دعوت دی تو قوم نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ یہودیت کو یمن میں ''موجود آگ'' کے پاس محاکمہ اور فیصلہ لے جانے کے بعد قبول کریں گے۔

فیصلہ آگ کے ذریعے یہودیت پھیلنے کا سبب...... ابن اسحاق، ابو مالک بن ثعلبہ قرظی کی معرفت ابراہیم بن محمد بن طلحہ بن عبید اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ تبع جب یمن کی حدود مملکت کے پاس پہنچا تو حمیر نے مزاحمت کی اور اسے یمن میں داخل ہونے سے روک دیا کہ ہمارے دین کو ترک کر چکے ہیں لہٰذا یہاں نہ آیئے۔

تبع نے ان کو یہودیت کی دعوت پیش کی اور کہا یہ دین تمہارے دین سے بہتر ہے تو انہوں نے کہا ہم یہ فیصلہ آگ کے سامنے پیش کریں گے، اس نے کہا ضرور کیجئے۔ اہل یمن کے مطابق وہاں ایک آگ تھی جو متنازعہ امور میں دو ٹوک فیصلہ کر دیتی تھی۔ ظالم کو کھا لیتی اور مظلوم کو کچھ ضرر نہ پہنچاتی، چنانچہ یمنی لوگ اپنے بتوں اور نیازوں کے ہمراہ میدان میں آئے اور یہودی علماء اپنے صحیفوں کو گلوں میں لٹکا کر باہر میدان میں آ کر آگ کے نکلنے کی جگہ بیٹھ گئے۔ چنانچہ آگ نکلی اور بت پرستوں کی طرف لپکی تو وہ ڈر کر دوڑنے لگے حاضرین نے انہیں لعن طعن کی اور صبر کی تلقین کی تو وہ رک گئے آگ نے بتوں اور بت پرستوں کو جلا کر بھسم کر دیا اور یہودی علماء صحیفوں سمیت صحیح سالم آگ سے باہر نکل آئے۔ صرف ان کی پیشانیاں عرق آلود تھیں۔ آگ کے فیصلہ کے بعد حمیر قبیلہ یہودیت کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ یہ حادثہ یمن میں یہودیت پھیلنے کا سبب بنا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے کسی محدث نے بتایا ہے کہ یہودی علماء اور یمنی باشندے آگ کو دھکیلنے کے لئے آگ کے پیچھے لگ گئے اور سب نے فیصلہ کیا کہ جو گروہ آگ کو دھکیل کر اس کے منبع میں داخل کر دے گا وہی حق پر ہوگا۔

یمنی نمائندے اپنے بتوں کو لے کر آگ کے قریب ہی ہوئے تھے کہ آگ ان کو جلانے کے لئے لپکی تو وہ فرار ہو گئے اور آگ کو دھکیل کر منبع میں داخل نہ کر سکے۔

اس کے بعد یہودی علماء آگ کو دھکیلنے کے لئے تورات کی تلاوت کرتے ہوئے آگ کی طرف بڑھے تو آگ مدھم پڑ گئی اور اس کو منبع میں داخل کر دیا۔ پھر یمنی حمیری سب لوگ یہودیت کے قائل ہو گئے۔ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں واقعات میں سے کون سا واقعہ ظہور پذیر ہوا)۔

بت کدہ رئام ...... مشرکین حمیر کے بت کدہ کا نام "رئام" تھا وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے گرد و نواح قربانیاں ذبح کرتے تھے، ان یہودی علماء نے تبع کو بتایا کہ یہ بت شیطان ہے ان کو حقیقی دین سے پھیرتا ہے۔ اس کی شکست و ریخت کی اجازت دیجئے۔ یمنیوں کے مطابق، علماء یہود نے بت توڑ کر اس میں سے کالا کتا نکالا اور اسے قتل کر ڈالا اور اس بت کدے کو مسمار کر ڈالا۔

تبع کا اسلام ...... مرفوع روایت میں ہے کہ تبع کو برا مت کہو کیونکہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا، بقول سہیل، معمر از ہمام از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسعد حمیری کو سب و شتم نہ کرو اور برا نہ کہو کیونکہ اس نے سب سے پہلے کعبہ پر غلاف چڑھایا ہے۔

جب یہودی علماء نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیش گوئی کی تو تبع نے اشعار کہے:

شهدت على أحمد أنه
رسول من الله بارى النسم
فلو مد عمرى الى عمره
لكنت وزيراً له وابن عم
وجاهدت بالسيف أعداءه
وفرجت عن صدره كل هم

"میں گواہ ہوں کہ احمد ﷺ اللہ تعالیٰ خالق ارواح کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر دراز ہوئی تو میں اس کا وزیر اور حامی ہوں گا۔ اس کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور اس کے دل سے ہر رنج و الم کو دور کروں گا"۔

یہ اشعار ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے اور انصار یہ اشعار یاد کر کے گنگنایا کرتے تھے۔

تبع کی لڑکیاں ...... کتاب القبور میں ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ صفا میں ایک قبر کی کھدائی کی گئی۔ اس میں دو عورتوں کی لاشیں مدفون تھیں، ان کے ہمراہ قبر میں ایک نقرئی تختی پر آب زر سے یہ عبارت کندہ تھی "لمیس اور حبی دختران تبع کی یہ قبر ہے" یہ دونوں اللہ وحدہ لاشریک کی الوہیت کا اقرار کرتی ہوئیں فوت ہوئیں۔ اس سے پہلے پارسا لوگ بھی اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے فوت ہوئے ہیں۔

حسام بن تبان وسعد اور شہر یمامہ کی وجہ تسمیہ ...... تبع کے بعد حسان بن تبان اسعد تخت نشین ہوا، وہ خاتون یمامہ زرقاء کا بھائی تھا اسے "جو" شہر کے دروازے پر سولی چڑھایا گیا اور اسی روز سے اس شہر کا نام یمامہ مشہور ہو گیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے، حسان نے عرب و عجم کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور اہل یمن کو ساتھ لے کر اس مہم پر روانہ ہوا، جب عراق پہنچا تو یمنی اور حمیری قبائل نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور وطن کی طرف واپس لوٹنے کا پختہ ارادہ کر لیا چنانچہ ان قبائل نے حسان کے بھائی عمرو کے ساتھ مل کر یہ سازش تیار کی کہ حسان کو قتل کر دو، ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیں گے اور وطن واپس چلیں گے، عمرو اس بات پر رضامند ہو گیا تو اس اتفاق رائے پر ما سوائے "ذورعین حمیری" سب نے فیصلہ کر لیا، ذورعین نے عمرو کو قتل سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا تو اس نے درج ذیل دو شعر تحریر کر کے عمرو کے پاس

امانت رکھ دیئے:

الأمن یشتری سھرا بنوم
سعید من یبیت قرۃ عین
فاما حمیر غدرت وخانت
فمعذرۃ الآلہ لذی رعین

''سنو! جو شخص راحت کی نیند کے بدلے، بے خوابی کا خریدار ہے، وہ سیاہ بخت ہے، نیک بخت وہ ہے جو عقلمند آنکھ کے ساتھ رات بسر کرے۔ حمیر نے بے وفائی کر کے خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ذو رعین معذرت خواہ ہے۔''

بھائی کا قتل موجب ہلاکت...... عمرو، بھائی حسان کے قتل کے بعد، یمن واپس چلا آیا تو نیند گویا اس پر حرام ہو گئی، یعنی بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہو گیا تو اس نے طبیبوں اور کاہنوں سے رجوع کیا تو اس کے مرض کی یہ تشخیص ہوئی کہ جو شخص اپنے بھائی یا کسی عزیز رشتہ دار کا ناحق قتل کر دیتا ہو اس کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اور وہ بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے قتل کا مشورہ دینے والوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا جب ذو رعین کو قتل کرنے لگا تو اس نے کہا، میرا قتل سے بیزاری کا ثبوت تمہارے پاس موجود ہے، عمرو نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے آپ کو کاغذ کا ایک پرزہ امانت دیا تھا، کھولا تو اس میں درج بالا اشعار موجود تھے چنانچہ اسے زندہ چھوڑ دیا اور عمرو آخر کار اسی مہلک مرض سے ہلاک ہوا اس کے بعد حمیر طوائف الملوکی کے شکار ہو گئے۔

لخنیعۃ ذو شناتر کا یمن پر غاصبانہ قبضہ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ لخنیعۃ ینوف ذو شناتر نامی ایک عام حمیری تھا، جس کا شاہی خاندان سے کوئی رشتہ نہ تھا، یہ جرات کر کے سلطنت پر قابض ہو گیا۔ سر کردہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور شاہی خاندان کو تباہ کر دیا۔ ان سب کے باوجود وہ ایک لوطی اور لونڈے باز شخص تھا۔ اس مشغلے کے لئے اس نے ایک خاص بالا خانہ بنا رکھا تھا، کسی شہزادے کو بلوا لیتا اور اس کے ساتھ لواطت کرتا کہ اس کے دل میں حکومت کا خیال تک نہ آسکے اور بدکاری کے بعد مسواک کرتا ہوا بالا خانے سے نیچے جھانکتا تا کہ محافظوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ فارغ ہو چکا ہے۔ ایک روز اس نے زرعہ ذو نواس بن تبان اسعد، برادر کو بلا بھیجا یہ ایک حسین و جمیل اور ہوشمند لڑکا تھا، جب اس کے پاس بلاوا پہنچا تو وہ حقیقت حال کو تاڑ گیا۔ چنانچہ اس نے تیز دھار عمدہ چھری جوتے میں چھپالی، جب تنہائی میں لخنیعۃ اس کی طرف لپکا تو اس نے اسے دبوچ کر قتل کر ڈالا، پھر چھری سے اس کا سر کاٹ کر اس طاق میں رکھ دیا جس سے وہ نیچے جھانکا کرتا تھا اس کے منہ میں مسواک بھی رکھ دی، لخنیعۃ نے ۲۷ برس حکمرانی کی۔

جرأت کا ثمرہ...... زرعہ ذو نواس محل سے باہر آیا تو محافظوں نے پوچھا ذو نواس ''ارطب ام یابس'' اے ذو نواس! تر ہے کہ خشک؟ اس نے کہا سر سے پوچھ، دبر تر ہے، ذو نواس کی دبر کو کوئی خطرہ نہیں۔

نوٹ...... دستور تھا کہ لخنیعۃ کے پاس بدکاری کے بعد جب لڑکا واپس آتا تو محافظ اس کی سواری کے ہونٹ اور دم کاٹ دیتے اور بلند آواز سے کہتے (ارطب ام یابس) جب ذو نواس کمرے سے نکلا اور اپنی ناقہ پر سوار ہوا تو محافظوں نے کہا اے ذو نواس! ''ارطب ام یابس'' تو اس نے کہا: ''محافظوں کو ذو نواس کی دبر کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ تر ہے یا خشک''۔

محافظوں نے طاق کی طرف دیکھا تو اس میں لخنیعۃ کا کٹا ہوا سر پڑا ہے۔ (منہ میں مسواک ہے) چنانچہ سب لوگوں نے ذو نواس کو پیشکش کی کہ آپ ہی بادشاہت کے اہل اور لائق ہیں کیونکہ آپ نے خبیث اور بد طینت لوطی کو قتل کر کے دنیا کو سکون و راحت بخشی۔

اس طرح سب نے بہ اتفاق رائے اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا یہ حمیر کا آخری بادشاہ اور تاجدار تھا اور اس کا نام یوسف تجویز کیا گیا اس نے ۶۸ سال

حکمرانی کی۔

ابن اسحاق نے نجران کے باشندوں میں عیسائیت کی اشاعت کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ شام کے علاقے میں فیمیون نامی ایک عابد زاہد اور مستجاب الدعوات عیسائی تھا جو کہ اپاہجوں اور مصیبت زدگان کے لئے دعا کرتا تو وہ شفایاب ہو جاتے تھے اور صالح نامی ایک شخص اس کا ہم سفر اور رفیق تھا۔ وہ دونوں اتوار کے دن عبادت وریاضت میں مصروف گزارتے اور باقی ایام میں محنت مزدوری کرتے تھے۔

فیمیون اور اس کے ساتھی کو کسی بدوی نے گرفتار کر کے نجران میں بیچ دیا۔ وہاں فیمیون جس کمرے میں رات کو عبادت کرتا تھا وہ کمرہ جگمگا اٹھتا، اس کا آقا یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوتا اور تعجب کا اظہار کرتا۔ اہل نجران ایک نہایت طویل کھجور کے درخت کو رپورات سے سجا کر عبادت کیا کرتے تھے، فیمیون نے اپنے آقا سے عرض کیا: جناب! میں اللہ تعالیٰ سے اس کھجور کے بارے میں التجا کروں اور اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دے تو کیا آپ کو اس عقیدہ کے غلط اور باطل ہونے کا یقین واذعان ہو جائے گا؟ آقا نے کہا بالکل درست ہے، چنانچہ نجران کے باشندے وہاں جمع ہو گئے اور فیمیون نے مصلے پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی بس پھر دیکھتے ہی دیکھتے آندھی آئی اور کھجور کا درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین پر آ گرا۔

یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ عیسائی ہو گئے اور فیمیون نے ان کو انجیل کے مسائل سے آگاہ کیا۔ اس طرح نجران میں عیسائیت ظہور پذیر ہوئی اور عبداللہ بن ثامر بھی عیسائیت کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

ذونواس شاہ یمن کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے اشتعال میں آ کر نجران کے عیسائیوں کو یہودیت کی دعوت دی اور کہا یہودیت یا موت دونوں میں سے ایک کو پسند کر لو، چنانچہ انہوں نے موت کو یہودیت پر ترجیح دی تو اس نے کھائیاں کھود کر آگ دھکائی، اور بیس ہزار افراد کو اس میں جلا کر بھسم کر دیا۔ یہ واقعہ سورہ بروج (۸۵/۱۰) میں مذکور ہے۔

ذونواس کو شکست فاش کا سامنا اور ارباط کی فتح...... شق اور سطیح کاہنوں کی تعبیر کے مطابق اہل نجران میں سے صرف ایک شاہ سوار "دوس ثعلبان" زندہ بچا وہ قیصر کے دربار میں پہنچا، شاہ سے ذی نواس اور اس کی حکومت کے خلاف مدد اور تعاون کی درخواست کی اور اپنی حالت زار بیان کی اور مذہب کے نام پر اپیل کی کہ وہ عیسائی تھا۔

شاہ نے کہا: آپ کا علاقہ یہاں سے بہت دور واقع ہے۔ براہ راست مدد کرنا مشکل ہے لہٰذا میں آپ کے قریب شاہ حبشہ سے تعاون کی اپیل کرتا ہوں۔ وہ بھی آپ کا ہم مذہب عیسائی ہی ہے۔ چنانچہ دوس قیصر کا حکم نامہ لے کر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نجاشی شاہ حبش نے ارباط کی زیر قیادت ستر ہزار فوج لشکر جرار روانہ کر دیا اس لشکر میں ابرہہ اشرم نکٹا بھی تھا، ارباط نے سمندر کے راستے بحری بیڑے پر سفر کیا اور دوس بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ ساحل یمن پر اترے اور ذونواس کی طرف بڑھے، ذونواس بھی اپنا لاؤ لشکر لے کر بالمقابل ہو گیا۔ جب میدان کارزار گرم ہوا تو ذونواس کو شکست فاش ہوئی، ذونواس جب شکست اور قوم کی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوا تو شکست کی ذلت ورسوائی برداشت نہ کر سکا اور اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا اور وہیں غرقاب ہو گیا اور ارباط بزور بازو یمن پر قابض ہو گیا۔

ابرہہ اشرم کی بغاوت اور جنگ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ارباط یمن پر سالہا سال تک اقتدار پر قابض رہا پھر ابرہہ نے بغاوت کی اور حبشی دو گروہوں میں بٹ گئے یہاں تک کہ جنگ وجدال تک نوبت پہنچی، جب جنگ شروع ہونے لگی تو ابرہہ نے ارباط کو پیغام بھیجا کہ اس طرح آپس کی خانہ جنگی سے رفتہ رفتہ ساری قوم تباہ ہو جائے گی کیوں نہ میری اور آپ کی براہ راست لڑائی ہو جائے جو غالب آ جائے اسی کی حکومت قائم ہو جائے، ارباط نے جواب میں کہا: تم نے منصفانہ تجویز پیش کی ہے اور یہی بہتر ہے۔

ابرہہ پست قامت بھاری بھرکم اور انتہا پسند عیسائی تھا، ارباط دراز قامت اور حسین وجمیل جوان تھا، آپس میں جنگ مبارزت شروع ہوئی اور ابرہہ نے اپنی پشت کی حفاظت کی خاطر عتودہ نامی غلام مقرر کر دیا، ارباط نے پہلے وار کیا اور اس کے سر پر برچھا مارا تو اس کا ناک اور ہونٹ کٹ گیا پس اسی وجہ سے اس کا لقب اشرم پڑ گیا، عتودہ فوراً ارباط پر حملہ آور ہوا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر بہ اتفاق رائے ابرہہ یمن کا حاکم نامزد ہو گیا اور ارباط کی دیت ادا کر دی۔

شاہ حبش کی ناراضگی اور مسند حکومت...... اس جنگ وجدال کا علم جب شاہ حبشہ کو ہوا تو وہ ابرہہ اشرم پر سخت ناراض ہوا کہ میرے نامزد کردہ امیر کو بلا اجازت کیوں قتل کر دیا گیا۔ اب ابرہہ کی خیر نہیں، میں خود اس کے علاقے کو روند ڈالوں گا اور روبرو جنگ لڑوں گا اور اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر ذلیل ورسوا کروں گا۔ ابرہہ کو شاہ حبشہ کے جنگی عزائم کا علم ہوا تو اس نے خاک یمن کا ایک تھیلہ اور اپنے سر کے بال کاٹ کر شاہ حبشہ کی خدمت میں روانہ کر دیئے اور ایک تحریری درخواست بھی بھیجی کہ جناب! ارباط آپ کا غلام تھا، میں بھی آپ کا ادنیٰ خادم اور غلام ہوں، ہمارا آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہم سب آپ ہی کے تابع اور مطیع ہیں مگر میں حبشی سلطنت کے مفادات کا ارباط سے زیادہ حامی اور محافظ ہوں، نظم وضبط اور امور سلطنت کو اس سے بہتر انجام دے سکتا ہوں۔

مجھے آپ کے حلف کا علم ہوا تو میں نے اپنے سر کے بال خود کٹوا کر آپ کی خدمت میں ارسال کر دیئے ہیں اور ارض یمن کی خاک کا تھیلہ بھی آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا آپ اسے روند کر اپنی قسم پوری کر لیں، اس اطاعت شعاری کو دیکھ کر شاہ حبشہ ابرہہ پر راضی ہو گیا اور اسے شاہی فرمان لکھ بھیجا "ان اثبت بارض یمن حتیٰ یاتیک امری" کہ تا حکم ثانی تم یمن پر قابض رہو، چنانچہ ابرہہ قابض ہو گیا۔

ابرہہ کا ہاتھیوں کے ہمراہ تخریب کعبہ کے عزم کا سبب...... کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا برتاؤ کیا، کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کار نہیں بنا دیا تھا اور اس نے ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان پر پتھر، کنکر کی قسم کے پھینکتے تھے پھر انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر ڈالا۔ (۵..... ۱۰۵/۱)

اوائل...... بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ آفریدوں بن اثفیان نے سب سے پہلے گھوڑے کو مسخر اور تابع کیا، یا تیسرے عالم گیر بادشاہ طہمورث نے اور بعض کہتے ہیں اسماعیل علیہ السلام سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہوئے ممکن ہے کہ عرب میں سب سے پہلے اس پر اسماعیل علیہ السلام سوار ہوئے ہوں، واللہ اعلم۔

ہاتھی بلی سے ڈرتا ہے...... ہاتھی اپنے عظیم قد وقامت کے باوجود بلی سے ڈرتا ہے، کسی سپہ سالار نے ہندوستان کے میدان جنگ میں بلیوں سے ہاتھیوں کو بھگا دیا تھا۔

قلیس کی تعمیر...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ صنعاء میں ابرہہ نے ایک بے مثال عظیم الشان "قلیس" نامی کلیسا تعمیر کروایا اور نجاشی کی طرف ایک مکتوب لکھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک بے مثال اور عدیم النظیر کلیسا تعمیر کروایا اور میں عربوں کا حج اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔ سہیلی نے نقل کیا ہے کہ مثلاً جو شخص طلوع آفتاب سے قبل کام پر حاضر نہ ہوتا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔

کلیسا کی عمارت کا اکثر ساز وسامان اور خادم وغیرہ بلقیس کے محل سے منگوایا اور اس میں سیم وزر کی صلیبیں آویزاں کیں، ہاتھی دانت اور آبنوس کی قیمتی لکڑی کے منبر بنوائے غرض یہ کہ نہایت وسیع وعریض فلک بوس عمارت تعمیر کی۔

ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کلیسا سے جو شخص کوئی سامان اٹھانا چاہتا تو اس پر جنات حملہ کر دیتے کیونکہ ابرہہ نے کلیسا کا سنگ بنیاد دو بتوں کعیب اور اس کی زوجہ کے نام پر رکھا تھا جن کی قامت ساٹھ ہاتھ تھی، یہ عمارت خلیفہ سفاح کے عہد خلافت تک بدستور قائم رہی لیکن سفاح نے اہل ودانش اور ارباب عزیمت کو وہاں بھیج کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

کنانی کا اشتعال اور لڑائی کا آغاز...... ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ابرہہ کے اس مکتوب کا علم جب عرب کو ہوا تو ایک کنانی اس سے نہایت مشتعل ہوا اور "قلیس" کے اندر گھس کر ایک کونے میں پاخانہ کر دیا پھر واپس حجاز چلا آیا۔ ابرہہ کو یہ اطلاع ملی تو اس نے تحقیق کروائی تو معلوم ہوا کہ یہ مکہ کے کسی عرب باشندے کی حرکت ہے۔ جہاں کعبہ ہے جس کا وہ حج کرتے ہیں اس نے یہ حرکت آپ کے اشتعال انگیز اعلان سننے کے بعد کی ہے کہ میں عربوں کا حج اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔ چنانچہ اس عربی نے یہاں رفع حاجت کی کہ یہ کلیسا حج کے قابل نہیں۔

جب ابرہہ کو یہ حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر حلفاً کہا کہ وہ کعبہ پر ضرور حملہ کرے گا اور اسے مسمار کر دے گا، پھر اس نے ماہ محرم مطابق ۵۷۱ء اعلان جنگ کیا اور ساٹھ ہزار کا لشکر تیار ہو گیا پھر لشکر جرار گیارہ ہاتھیوں کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا، عرب نے یہ خبر سنی تو وہ بے حد حیران ہوئے اور اس سے نبرد آزما ہونے کو ضروری سمجھا۔

ذونفر اور نفیل کا مزاحم ہونا...... چنانچہ اشراف یمن میں سے ایک سردار ''ذونفر'' عربوں کا ایک جم غفیر لے کر ابرہہ کو بیت اللہ کی طرف بڑھنے سے روکنے کیلئے نکلا، لڑائی ہوئی تو وہ شکست کھا کر ابرہہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ ابرہہ نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے کہا، حضور! آپ مجھے قتل نہ کیجئے، ممکن ہے کہ میرا آپ کے ہمراہ زندہ رہنا قتل سے بہتر ہو، ابرہہ متحمل مزاج اور بردبار انسان تھا لہٰذا اس نے اسے قتل نہ کیا اور گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا پھر خثعم کے علاقہ میں پہنچا تو نفیل، شہران اور ناہس کے علاوہ متعدد قبائل عرب کو لے کر ابرہہ کے مقابلے کے لئے آیا وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے التماس کی کہ حضور! آپ مجھے قتل نہ کریں، میں عرب کے علاقہ میں آپ کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دوں گا اور اپنے ہمراہ بطور راہنما لے لیا۔

ابورغال...... جب طائف پہنچا تو مسعود بن معتب ثقفی، بنی ثقیف کو لے کر ابرہہ کے پاس آیا اور کہا: حضور! ہم آپ کے غلام اور تابعدار ہیں ہم آپ کی خلاف ورزی کی تاب نہیں لا سکتے، ہمارا یہ بت کدہ ہے معبد نہیں جسے آپ مسمار کرنا چاہتے ہیں، آپ تو جس کعبہ کو گرانے آئے ہیں وہ مکہ میں ہے۔ ہم ایک رہبر آپ کے ہمراہ روانہ کر دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ تجویز قبول کر لی اور ان سے درگزر کیا۔

لات...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی ثقیف کا ایک معبد تھا اس میں ''لات'' نصب تھا وہ اس کی کعبہ کی طرح تعظیم و تکریم کرتے تھے، بنی ثقیف نے ابرہہ کے ہمراہ ''ابورغال'' کو روانہ کیا جو کہ انہیں مکہ کا راستہ بتاتا تھا جب مقام ''مغمس'' پر پہنچا تو ابورغال مر گیا۔ چنانچہ عرب اس کی قبر پر سنگ باری کرتے ہیں۔

قصہ ثمود میں بیان ہو چکا ہے کہ ابورغال ثمودی تھا، حرم کی وجہ سے وہ عذاب سے محفوظ رہا، جب حدود حرم سے باہر آیا تو اسے پتھر لگا اور وہ ہلاک ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ یہاں دفن ہوا اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ہمراہ سونے کی دو چھڑیاں بھی مدفون ہیں، لوگوں نے اس کی قبر کھودی تو چھڑیاں وہاں موجود تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ بنی ثقیف کا جد اعلیٰ ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں واقعات کی تطبیق یہ ہے کہ ابرہہ کا رہبر ''ابورغال'' اور ثمودی ابورغال دونوں ہم نام تھے، عرب ثمودی ابورغال کی طرح اس ابورغال کی قبر پر بھی سنگ باری کیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔ جریر شاعر نے کہا ہے:

اذا مات الفرزدق فارجموه   کرجمکم لقبر أبی رغال

''فرزدق اگر مر جائے تو اس کو اس طرح رجم کرو جس طرح کہ تم نے ابورغال کو رجم کیا تھا''۔

مکہ میں لوٹ مار...... ابن اسحاق فرماتے ہیں: ''مغمس'' سے ابرہہ نے اسود بن مقصود حبشی کو ایک فوجی دستہ دے کر روانہ کیا۔ وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لایا ان میں عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ شامل تھے۔ عبدالمطلب اپنی قوم کے رئیس اور قبیلہ کے سردار تھے حرم مکہ کے سب قبائل نے ان سے کہا کہ ہمیں ابرہہ کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ وہ ابرہہ کی فوجی طاقت دیکھ کر لڑائی سے دستبردار ہو گئے۔ ابرہہ نے حناطہ حمیری کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ان کے سردار کو معلوم کر کے کہو کہ شاہ کا فرمان ہے کہ وہ تم سے لڑنے نہیں آیا وہ تو صرف کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہے۔ اگر تم مزاحمت نہ کرو، تو اسے تمہارے قتل و غارت سے کوئی غرض نہیں، وہ اگر جنگ نہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کے رئیس کو میرے پاس لے آنا۔

رئیس مکہ کی طلبی...... حناطہ مکہ پہنچا تو اس نے رئیس مکہ کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا وہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا تو عبدالمطلب نے کہا، واللہ! ہم ابرہہ سے لڑنا نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم میں اس کی طاقت ہے۔ یہ

اللہ کا گھر ہے، اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے تو وہ اس کا گھر ہے۔ اگر اسے تنہا بے یار و مددگار چھوڑ دے تو وہ جانے ہمیں تو ابرہہ کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں۔

حناطہ نے کہا، آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں، اس نے مجھے آپ کو ساتھ لانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ عبدالمطلب اپنے بعض لڑکوں کو لے کر ابرہہ کی طرف روانہ ہوئے، لشکر میں پہنچے تو اپنے قدیم دوست "ذونفر" کے بارے میں پوچھا، تو معلوم ہوا کہ وہ پابند ہے آپ اس کے پاس گئے اور کہا جناب ذونفر! کیا ہماری اس آفت کا کوئی حل ہے؟ تو "ذونفر" نے کہا ایک شاہی قیدی کیا کرسکتا ہے؟ اسے تو صبح شام خود اپنی جان کا کھٹکا ہے۔ میں آپ کے کچھ کام نہیں آسکتا، ہاں! "انیس" فیلبان میرا دوست ہے۔ میں اسے پیغام بھیجتا ہوں اور آپ کی وجاہت وعظمت کا بھی اسے احساس دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ شاہ سے آپ کی ملاقات کا بندوبست کرادے اور ممکن ہو تو وہ آپ کی سفارش بھی کردے تو جناب عبدالمطلب نے کہا ٹھیک ہے یہی کافی ہے۔

اونٹوں کا مطالبہ...... چنانچہ ذونفر نے انیس کو پیغام بھیجا کہ عبدالمطلب رئیسِ قوم ہیں اور زمزم کے مالک ہیں، لوگوں کے خورد و نوش کا اہتمام کرتے ہیں اور وحشی جانوروں کو بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشت کھلاتے ہیں۔ شاہ نے ان کے دوسو اونٹ پکڑ لئے ہیں، آپ حسب استطاعت ان کی مدد کیجئے اور شاہ سے بات چیت کا انتظام کرادیجئے، اس نے کہا میں کوشش کرتا ہوں، چنانچہ انیس نے شاہ سے گفتگو کی، حضور! یہ قریش کے رئیس، دروازہ پر ہیں، آپ کی ملاقات کے منتظر ہیں وہ زمزم کے مالک ہیں، انسانوں اور وحشی جانوروں کو گوشت کھلاتے ہیں، آپ انہیں اجازت مرحمت فرمایئے۔ وہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ابرہہ نے انہیں اجازت دے دی۔

عبدالمطلب نہایت وجیہہ اور حسین وجمیل انسان تھے، ابرہہ آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور خوب تعظیم وتکریم سے پیش آیا اور اپنے تخت سے اتر کر تکیہ کے پاس آبیٹھا اور ان کو بھی اپنے پہلو میں بٹھالیا، پھر اپنے ترجمان کی معرفت ان سے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے ترجمان کے ذریعہ بتایا کہ میرے جو اونٹ پکڑے گئے ہیں وہ آپ مجھے واپس کردیں۔ ابرہہ نے حیران ہو کر ترجمان کی زبانی کہا، میں آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا، مگر آپ کی بات نے میری نگاہ میں آپ کو بالکل بے وقار کردیا ہے۔ آپ اپنے دوسو اونٹوں کا مطالبہ کررہے ہیں اور بیت اللہ کا نام تک نہیں لے رہے جو کہ آپ کا اور آپ کے آباؤاجداد کا دینی مرکز ہے اور میں اسے مسمار کرنے آیا ہوں؟ عبدالمطلب نے کہا: میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں اور اللہ کعبہ کا رب ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کہا وہ میرے حملہ سے بچ نہ سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا "انت وذاک" آپ جانیں اور وہ جانے، آخر ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کردیئے۔

ابن اسحاق نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ ابرہہ کے پاس یعمر بن نفاثہ بن عدی، رئیس بنی بکر اور خویلد بن واثلہ رئیس ھذیل بھی گئے تھے، انھوں نے تہامہ کی پیداوار کا تہائی حصہ بطور جزیہ اس شرط پر پیش کیا کہ آپ واپس چلے جائیں اور کعبہ نہ گرائیں۔ لیکن اس نے انکار کردیا۔ واللہ اعلم، یہ بات ہوئی یا نہیں۔ بعدازاں عبدالمطلب مکہ چلے آئے اور قریش کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور ان کو مکہ سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہونے کو کہا۔

عبدالمطلب کی دعا...... پھر عبدالمطلب اور چند قریشیوں نے کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، ابرہہ اور اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور عبدالمطلب نے کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر کہا:

لاھم ان العبد یمنع
رحلہ فامنع رحالک
لا یغلبن صلیبھم
ومحالھم غدوا محالک
ان کنت تارکھم وقبلتنا

فـــــــــــا مـــــــــــر مـــــــــــا بـــــــــدا لک

''الہی! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔کل صبح ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب نہ آنے پائے۔اگر تو ان لوگوں کو اور ہمارے کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑنا چاہتا تو جو چاہے کرے۔''

ابن ہشام نے اس بیان کی تائید وتوثیق کی ہے۔

ابرہہ کے لشکر پر پرندوں کا عذاب......ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبدالمطلب نے کعبہ کے دروازہ کو چھوڑا اور اپنے تمام ساتھیوں اور اہل خانہ کے ہمراہ پہاڑوں میں چلے گئے اور ابرہہ کے حملہ کے انتظار میں رہے۔دوسرے روز صبح مکہ میں داخل ہونے کے لئے ابرہہ تیار ہوا۔محمود نامی ہاتھی پر ہودج ڈالا اور اپنے لشکر کو مسلح کیا جب ہاتھی کا رخ مکہ کی طرف کیا تو نفیل بن حبیب نے ہاتھی کا کان پکڑ کر کہا (ابرک محمود، ارجع من حیث اتیت) محمود بیٹھ جا جہاں سے آیا وہیں لوٹ جا،تو اللہ تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے۔یہ کہہ کر اس نے کان چھوڑ دیا چنانچہ ہاتھی بیٹھ گیا اور نفیل دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔(بقول سہیلی) ہاتھی بیٹھا نہیں بلکہ گر پڑا کیونکہ ہاتھی بیٹھا نہیں کرتا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ ہاتھی اونٹ کی طرح بیٹھتے ہیں،واللہ اعلم۔

وہ لوگ ہاتھی کو اٹھانے کے لئے مارنے لگے لیکن وہ نہ اٹھا۔اس کے سر پر ان لوگوں نے کلہاڑیاں اور لکڑیاں برسائیں۔لیکن پھر بھی وہ نہ اٹھا جب وہ ہاتھی کا رخ یمن کی طرف پھیرتے تو وہ دوڑنے لگتا،اسی طرح شام اور مشرق کی طرف جب موڑتے تو تیز دوڑنے لگتا اور جب مکہ کی طرف موڑتے تو بیٹھ جاتا۔اتنے میں ان پر اللہ تعالیٰ نے چڑیوں جیسے پرندے بھیج دیئے،ہر پرندہ تین کنکر اٹھائے ہوئے تھا،دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں، اور ہر کنکر چنے کے دانے کے برابر تھا وہ کنکر جس پر گرتا تھا وہ ہلاک ہو جاتا تھا۔وہ سارے وہاں ہلاک نہیں ہوئے۔افراتفری کے عالم میں وہ جس راستے سے آئے تھے اسی کی طرف بھاگنے لگے اور نفیل کو تلاش کرنے لگے تاکہ ان کو یمن کا راستہ بتائے نفیل نے یہ صورت حال اپنے ان اشعار میں پیش کی ہے:

الا حییـــــت عـــــنـــا یـــــا ردیـــــنـــا
نـــعـــمـــنـــا کـــم مـــع الا صبـــاح عیـــنـــا
ردیـــنـــة لـــو رأیـــت فـــلا تـــریـــه
لـــدی جـــنـــب الـــمـــحـــصـــب مـــا رأیـــنـــا
اذاً لـــعـــذرتـــنـــی وحـــمـــدت أمـــری
ولـــم تـــاســـی عـــلـــی مـــافـــات بیـــنـــا
حـــمـــدت الـــلـــه اذ أبـــصـــرت طیـــرا
وخـــفـــت حـــجـــارة تـــلـــقـــی عـــلـــیـــنـــا
وکـــل الـــقـــوم یســـال عـــن نـــفیـــل
کـــان عـــلـــی لـــلـــحـــبـــشـــان دیـــنـــا

''اے ردینہ! ہماری طرف سے سلام وتحیہ ہو اور صبح وشام تم سے آنکھ ٹھنڈی ہو۔اے ردینہ! جو کچھ ہم نے محصب کے پاس دیکھا ہے اگر تو دیکھتی تو حیران رہ جاتی اور خدا کرے تو اس کو نہ دیکھے تو اللہ کی تعریف کر،اور پتھروں سے خائف ہو جو ہم پر گرائے جا رہے تھے۔قوم کا ہر فرد نفیل کو ڈھونڈ رہا تھا گویا میں حبشیوں کا مقروض ہوں''۔

ابرہہ کا حال......ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب راستوں پر وہ گرتے پڑتے جا رہے تھے اور راستے ان کی لاشوں سے اٹے پڑے تھے،ابرہہ کو بھی کنکر لگا،حبشی اسے اٹھا کر اپنے ہمراہ لے چلے،اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا جب بھی جسم سے کوئی ٹکڑا گرتا فوراً پیپ اور لہو بہنے لگتا اسے

صنعاء لے کر پہنچے تو وہ ''بوٹ'' تھا، یعنی بغیر بال و پر کے چوزے جیسا، پھر اس کا سینہ پھٹا اور مر گیا۔ ابن اسحاق سے ہی مروی ہے کہ اسی سال عرب میں چیچک کا مرض دیکھا گیا، حرمل، تمہ اور مرار وغیرہ تلخ پودے بھی اس سال دیکھے گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اللہ نے من جملہ اور احسانات کے، قریش پر ابرہہ کے جارحانہ حملے کے دفاع کا بھی سورہ فیل میں ذکر فرمایا ہے۔

سجیل ...... نہایت سخت اور پختہ مٹی (یونس اور ابوعبیدہ) بعض کے نزدیک یہ کلمہ سنگ اور گل سے مرکب ہے اور عرب نے اس کا معرب سجیل بنالیا۔

لفظ ابابیل کی تحقیق ...... جھنڈ کے جھنڈ، جوق در جوق، قطار در قطار، ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ جمع ہے۔ میرے علم کے مطابق عرب نے اس کا مفرد استعمال نہیں کیا اور کسائی کہتے ہیں میں نے اس کا مفرد ابیل سنا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ابابیل کا معنی ہے پرندوں کے متفرق گروہ جو پے در پے مختلف سمتوں سے آئیں۔ بقول ابن اسحاق ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتوں جیسے اور بقول عکرمہ ان کے سر درندوں جیسے تھے۔ یہ سبز رنگ کے پرندے، بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔ بقول عبید بن عمیر یہ سیاہ فام دریائی جانور تھے ان کی چونچوں اور پنجوں میں پتھر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ان کی شکل وصورت سیمرغ جیسی تھی۔ ان کے منہ اور پنجوں میں سب سے چھوٹا پتھر آدمی کے سر کے برابر تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں پتھر شتر کے سر کے مطابق تھا، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے پتھر تھے۔ ابن ابی حاتم نے عبید بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہاتھی کی ہلاکت کا ارادہ لیا تو ان پر، بحر احمر کی طرف سے چڑیوں جیسے پرندے بھیجے، ہر پرندہ تین پتھر اٹھائے ہوئے تھا، دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں اور وہ پرندے ان پر صف بستہ تھے، پرندوں نے چیخ ماری اور اپنے پنجوں اور چونچوں کے پتھر نیچے پھینک دیئے۔ جس آدمی کے سر پر پتھر گرتا اس کی دبر (جائے پاخانہ) سے خارج ہو جاتا اگر جسم کے کسی اور حصہ پر لگتا تو بھی آر پار ہو جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی تیز آندھی چلائی جس کی وجہ سے پتھروں کی ضرب میں اور شدت پیدا ہو گئی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ سب پتھر سے ہلاک نہ ہوئے تھے ان میں سے بعض نے یمن پہنچ کر اس ہلاکت خیز عذاب کی اطلاع دی تھی اور ابرہہ بھی یمن جا کر مرا تھا۔ ابن اسحاق نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ میں نے فیلبان انیس اور ہاتھی کے قائد دونوں کو اپاہج اور اندھے مکہ میں بھیک مانگتے دیکھا ہے، مفسر نقاش کہتے ہیں کہ اس کے بعد سخت شدید طوفان آیا اور ان کی لاشوں کو سمندر میں بہا کر لے گیا۔

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ...... بقول سہیلی، یہ واقعہ ذوالقرنین سکندر کی تقویم کے مطابق ۸۸۶ ذ۔ق مطابق ۵۷۱ء میں رونما ہوا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت اسی سال ۹ ربیع الاول بروز پیر کو ہوئی (مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء)۔

ابرہہ کی مذمت میں اشعار ...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ اتنا عظیم حادثہ تھا کہ متعدد شعراء عرب نے اس کے بارے میں قصیدے کہے، اللہ تعالیٰ نے محیر العقول سنگریزوں کی بارش برسا کر کعبہ کو ابرہہ کے ناپاک منصوبے سے محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ کعبہ کی تعظیم وتکریم میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے مزید اضافہ کرے جن کے دین میں نماز اہم ترین رکن ہے۔ بلکہ دین کا ستون ہے اور نماز کا قبلہ اسی کعبہ کو قرار کرے۔ سنگ ریزوں کی اس بارش سے قریش کی نصرت وحمایت مقصود نہ تھی کیونکہ ابرہہ اور اس کا لشکر عیسائی تھے اور قریش مشرک تھے بلکہ قدرت کا ابرہہ کو تباہ وبرباد کرنا کعبہ کی حفاظت وصیانت کی خاطر تھا اور یہ نبی علیہ السلام کی بعثت ورسالت کی تمہید اور پیش خیمہ تھا۔

عبداللہ بن زبعری سہمی نے کہا:

تنكلوا عن بطن مكة انها

كانت قديما لا يرام حريمها

لم تخلق الشعرى ليالي حرمت

اذلا عزیز من الانام یرومها
سائل امیر الحبش عنها ماراٰی
فلسوف ینبی الجاهلین علیمها
ستون الفا لم یؤبوا ارضهم
بل لم یعش بعدالا یاب سقیمها
کانت بها عاد وجرهم قبلهم
واللّٰه من فوق العباد یقیمها

''مکہ کی توہین کرنے والوں سے تم عبرت حاصل کرو، ازل سے ہی اس کی بے حرمتی کا قصد ناممکن ہے۔ شعریٰ ستارہ کی تخلیق سے قبل ہی یہ حرم قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ اس کی بے حرمتی کرنے والا عزیز و غالب نہیں۔ اس کے بارے میں حبشہ کے سپہ سالار سے اس کا آنکھوں دیکھا حال پوچھ، ناواقف کو واقف حال آگاہ کر دے گا۔ ساٹھ ہزار کا لشکر اپنے علاقے میں واپس نہیں لوٹا، بلکہ ان کا بیمار بھی واپسی کے بعد جانبر نہیں رہ سکا۔ ان سے قبل وہاں عاد اور جرہم قبائل تھے اللہ تعالیٰ اس کعبہ حفاظت کرتا ہے آدمیوں کے اوپر سے''۔

ابوقیس بن الصلت انصاری مدنی نے اپنے ان اشعار میں ان کی ہلاکت کا تذکرہ کیا ہے:

ومن صنعه یوم فیل الحبوش
اذ کلما بعثوہ رزم
محاجنهم تحت أقرابه
وقد شرموا أنفه فانخرم
وقد جعلوا سوطه مغولا
اذا یمموہ قفاہ کلم

''حبشیوں کے ہاتھی والے دن اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ تھی کہ جب وہ اسے اٹھاتے تھے بیٹھ جاتا تھا۔ ان کی لاٹھیاں اس کی کوکھوں کے نیچے برس رہی تھیں، انہوں نے اس کا ناک کاٹ ڈالا پس وہ کٹ گیا۔ کوڑے کی بجائے انہوں نے خنجر لیا۔ اس کو مارتے تو اس کی گدی کو زخمی کر دیتے''۔

فولی وادبر ادراجه
وقد باء بالظلم من کان ثم
فارسل من فوقهم حاصبا
فلفهم مثل لف القزم
تحض علی الصبر احبارهم
وقد ثاجوا کثؤاج الغنم

''وہ پھر اور اپنے راستوں میں چلا گیا جو وہاں تھا وہ ظالم اور ستمگر تھا۔ ان کے اوپر سے سنگریزے برسائے گئے ان کو کمینے کی طرح لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ ان کے احبار ان کو صبر پر آمادہ کرتے تھے اور وہ بکریوں کی طرح ممیار ہے تھے''۔

ابو الصلت ربیعہ وہب نے علاج ثقفی اور بقول ابن ہشام امیہ بن ابی صلت نے کہا:

ان آیات ربنا ناقبات

ما يماري فيهن الا الكفور

خلق الليل والنهار فكل

مستبين حسابه مقدور

ثم يجلوا النهار رب رحيم

بمهاة شعاعها منشور

حبس الفيل بالمغمس حتى

صار يحبو كانه معقور

”ہمارے پروردگار کی آیات وعلامات روشن ہیں۔ ان پر کوئی کافر اور ناشکر گزار ہی اعتراض کر سکتا ہے۔ اس نے رات اور دن کو پیدا کیا، ہر ایک کا حساب واضح انداز سے ہے پھر مہربان پروردگار دن کو سورج کے ساتھ روشن کرتا ہے، اس کی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں۔ مغمس مقام پر اس نے ہاتھی کو روک دیا وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتا تھا گویا اس کے پاؤں کٹے ہوئے ہیں“۔

لازما حلقة الجران كما

قد من صخر كبكب محدور

حوله من ملوك كنده ابطال

ملاويث في الحروب صقور

خلفوه ثم ابذعروا جميعا

كلهم عظم ساقه مكسور

كل دين يوم القيامة عند الله

الا دين الحنيفة بور

”اپنی گردن کو زمین پر رکھنے والا ہے جیسے پہاڑ سے پتھر گر پڑتا ہے۔ اس کے گرد شاہان کندہ کے بہادر تھے جو لڑائیوں میں شیروں اور شاہ بازوں کی طرح تھے۔ پھر اس کو چھوڑ کر سب علیحدہ ہو گئے، اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ دین حنیف کے علاوہ قیامت کے روز اللہ کے ہاں کوئی مذہب معتبر نہ ہوگا“۔

اصحاب فیل کے سلسلہ میں ابوقیس بن الصلت نے کہا۔

فقوموا فصلوا ربكم وتمسحوا

باركان هذا البيت بين الاخاشب

فعندكم منه بلاء مصدق

غداة ابي يكسوم هادي الكتائب

كتيبته بالسهل تمشي ورجله

على القاذفات في رؤس المناقب

فلما أتاكم نصر ذي العرش ردهم

جنود المليك بين ساف وحاصب

فولوا سراعا هاربين ولم يؤب

الى أهله ملحبش غير عصائب

''اٹھو اور اپنے رب کی عبادت کرو، پہاڑوں کے درمیان موجود بیت اللہ کے کونوں کو چھوؤ۔ پس تمہارے ہاں اس اللہ کی جانب سے، ابرہہ ابویکسوم پر، صبح کے وقت عذاب نازل تھا۔ اس کا لشکر ہموار زمین پر چل رہا تھا اور پہاڑی پگڈنڈیوں پر پیادہ تھا۔ جب عرش والے کی مدد تمہیں پہنچی تو اس کے لشکروں نے ان لوگوں کو اس حال میں کر دیا کہ کوئی خاک آلودہ اور کوئی سنگسار لہٰذا وہ فوراً بھاگ کھڑے ہوئے، حبشیوں میں سے سوائے ایک پٹیوں والے کے کوئی نہیں صحیح سالم لوٹا''۔

عبیداللہ بن قیس الرقیات نے بیت اللہ کی عظمت اور بے حرمتی کرنے والے کی ہلاکت کے سلسلہ میں درج ذیل شعار کہے:

کـــــاده الاشـــــرم الـــــذی جـــــاء بـــــالـــــفـــــیـــــل

فـــــولـــــی وجـــــیشـــــه مهـــــزوم

واستهـــــلـــــت عـــــلیهـــــم الـــــطـــــیر بـــــالـــــجـــــندل

حتـــــی کـــــانـــــه مـــــرجـــــوم

ذاک مـــــن یـــــغـــــزه مـــــن الـــــنـــــاس یـــــرجـــــع

وهـــــو فـــــل مـــــن الـــــجـــــیوش ذمـــــیـــــم

''اس کمینہ نے بیت اللہ کے خلاف تدبیر کی وہ جو ہاتھی لایا وہ پلٹ گیا اور اس کا لشکر شکست خوردہ تھا۔ ان پر پرندے پتھر لے کر ظاہر ہوئے گویا کہ وہ (ابرہہ) سنگسار کیا ہوا ہے انسانوں میں سے جو اس کے ساتھ برسرپیکار ہو، وہ شکست خوردہ لائق مذمت لوٹتا ہے (حبشیوں سے حکومت کا چھن جانا)''۔

ابن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا یکسوم جانشین ہوا، اس کے بعد مسروق بن ابرہہ، بادشاہ بنا۔ یہ آخری بادشاہ ہے۔ اس سلسلہ کا۔ پھر سیف بن ذی یزن حمیر نے، اس لشکر کے تعاون سے جو کسریٰ نوشیروان نے اس کے ہمراہ روانہ کیا تھا مسروق ابرہہ سے جنگ کر کے سلطنت چھین لی اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

قلیس کا انجام ...... حادثہ فیل ذوالقرنین سکندر مقدونی کے سنہ تاریخ کے مطابق ۸۸۶ ق میں وقوع پذیر ہوا۔ ابرہہ اور اس کے دونوں بیٹے یکسوم اور مسروق کے زمانہ کے بعد ابرہہ کا تعمیر شدہ کلیسا برباد و ویران ہو گیا۔ اس کی بنیاد دو چوبی بتوں، کعیب اور اس کی بیوی پر قائم تھی، اس کی قامت ساٹھ ہاتھ تھی اور یہ کلیسا جنات کی آماج گاہ تھا چنانچہ کلیسا کے ساز و سامان کو کوئی اٹھانا چاہتا تو جنات اس پر حملہ آور ہو جاتے۔ سفاح عباسی کے عہد خلافت تک وہ کلیسا بدستور قائم رہا، ایک روز اس کے پاس اس کے ملبہ اور ساز و سامان اور خام وغیرہ کا تذکرہ ہوا جو ابرہہ نے بلقیس کے محل سے منگوائے تھے تو اس نے لوگوں کو بھیج کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور قیمتی ساز و سامان اپنے پاس منگوا لیا۔ **(ذکرہ سہیلی) واللہ اعلم۔**

سیف بن ذی یزن کے ہاتھوں حبشی حکومت کا زوال ...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ ابویکسوم ابرہہ حبشی کی عبرت ناک ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تخت نشین ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی مسروق نے حکومت سنبھالی جب حبشی حکومت کی مسلسل غلط پالیسیوں سے یمنی تنگ آ گئے تو ابومرہ سیف بن ذی یزن بن ذی اصبح بن مالک بن زید بن سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن الغوث بن قطن بن غریب بن زہیر بن ایمن بن الہمیسع بن العرنجج اور وہ حمیر بن سبا ہیں۔ شاہ روم قیصر کے دربار میں حاضر ہوا اور حبشی حکومت کے ظلم و ستم کی داستان سنائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ ان کے مظالم سے انہیں نجات دلا کر، خود حکومت سنبھال لے اور کسی آدمی کو اپنا نائب مقرر کر دے۔ لیکن قیصر نے ان کی درخواست پر کوئی نوٹس نہ لیا۔

اس کے بعد وہ قیصر سے مایوس ہو کر نعمان بن منذر کے دربار میں حاضر ہوا جو عراق کے شہر حیرہ میں کسریٰ کا نائب اور گورنر تھا اور اپنی داستان رنج والم سنائی، تو نعمان نے کہا سال میں ایک بار کسریٰ کے دربار میں میری باریابی کچھ عرصہ بعد ہوتی ہے۔ اتنی دیر آپ میرے پاس قیام کریں۔ چنانچہ سیف بن ذی یزن، نعمان بن منذر کے پاس ٹھہر گیا کچھ عرصہ بعد نعمان، سیف کو کسریٰ کے دربار میں اپنے ہمراہ لے گیا جب وہ وہاں پہنچے تو کسریٰ

تاج پہنے اپنے دربار میں جلوہ افروز تھا۔

تاج کسریٰ ...... یہ طلائی تاج ایک بڑے پیمانے کے موافق وزنی تھا یاقوت وزبرجد اور جواہر سے آراستہ تھا وزنی ہونے کی بنا پر بادشاہ اسے سر پر اٹھا نہ سکتا تھا، لہٰذا وہ تخت کے اوپر، ایک طلائی زنجیر سے معلق تھا، کسریٰ پردے میں جلوہ افروز ہو کر اس میں سرداخل کر دیتا، پھر وہ پردہ ہٹا دیا جاتا تو حاضرین اس کی ہیبت اور دہشت سے سجدہ ریز ہو جاتے۔

سیف بن ذی یزن کی کسریٰ کے دربار میں حاضری ...... جب سیف بن ذی یزن حمیری، اس کے دربار میں داخل ہونے لگا تو وہ سرخم کر کے داخل ہوا۔ کسریٰ نے یہ دیکھ کر کہا، اس قدر طویل دروازے میں بھی سر جھکا کر داخل ہوتا ہے۔ جب سیف کو کسریٰ کا یہ مقولہ بتایا گیا تو اس نے کہا میں غم اور اندوہ کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھا۔ پھر اس نے کسریٰ سے عرض کیا حضور! ہمارے علاقے پر ''اغربہ'' اور سیاہ فام لوگ قابض ہیں، اس نے پوچھا کون اغربہ؟ حبشی یا سندی؟ عرض کیا حبشی! میں آپ سے مدد کا طلب گار ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہمارا علاقہ آپ کے زیر حکومت ہو۔ کسریٰ نے کہا، وہ علاقہ کم منفعت، بے کار اور دور دراز ہے، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں عرب میں اپنی فارسی فوج کو مشکلات میں پھنسانا نہیں چاہتا لہٰذا اس کو دس ہزار درہم اور عمدہ قسم کے لباسوں سے نوازا، سیف نے یہ عطیہ قبول کر لیا، لیکن باہر نکل کر یہ سب سکے اور کرنسی پھینک کر لوگوں میں لٹادی۔ کسریٰ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ عظیم الشان اور عالی مرتبت انسان ہے۔ پھر اسے بلا کر کہا آپ نے شاہی عطیہ کیونکر لوگوں میں لٹادیا۔ سیف نے کہا میں آپ کی طرف سے عطا کردہ مال کا کیا کروں گا، میرا علاقہ تو خود سیم وزر سے لبریز ہے۔

ایک عمدہ تجویز ...... کسریٰ نے وزراء اجلاس بلا کر ان سے پوچھا، اس شخص کے مطالبے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ایک مشیر نے کہا، حضور! جیل میں قیدی کافی تعداد میں موجود ہیں جن کی سزا پھانسی اور قتل ہے۔ آپ ان قیدیوں کو اس کے ہمراہ لشکری صورت میں روانہ کر دیں۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو آپ کا منشا پورا ہو جائے گا، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو سلطنت میں اضافہ ہو جائے گا۔

لشکر کی روانگی ...... چنانچہ کسریٰ نے آٹھ سو قیدی اس کے ہمراہ روانہ کر دیئے اور ان کی قیادت اپنے ایک خاندانی معمر بزرگ اور تجربہ کار دھرز نامی شخص کے سپرد کر دی۔ یہ قیدی آٹھ کشتیوں میں سوار تھے، ان میں سے دو کشتیاں غرق ہو گئیں اور چھ ساحل عدن پر صحیح سلامت پہنچ گئیں۔ سیف حمیری نے اپنی قوم کے کچھ افراد اکٹھے کر کے دھرز کے زیر کمان کر دیئے اور کہا، میرا ساتھ آپ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ ہے۔ ہمارا مرنا جینا اکٹھا ہے۔ دھرز نے اس تجویز کی تعریف کی۔

مسروق نے ابرہہ کا لشکر دھرز کے مدمقابل کر دیا ...... شاہ یمن مسروق بن ابرہہ بھی اپنی فوج کو دھرز کے مدمقابل لے آیا، دھرز نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو مقابلہ کے لئے بھیجا تو وہ قتل ہو گیا جس کی وجہ سے دھرز کا غصہ شدت اختیار ہو گیا۔ پھر دونوں فوجیں میدان جنگ میں مرنے کے کیلئے آ کھڑی ہوئیں تو دھرز نے کہا کہ مجھے ان کے بادشاہ کی نشان دہی کر دو، لوگوں نے کہا کہ آپ ہاتھی پر سوار، تاج پہنے اور پیشانی پر سرخ موتی لگائے ہوئے سوار کو دیکھ رہے ہیں۔ اس نے کہا بالکل دیکھ رہا ہوں تو لوگوں نے کہا یہ ان کا بادشاہ ہے۔ دھرز نے کہا! بس!! پھر وہ دیر تک آمنے سامنے کھڑے رہے کچھ دیر بعد دھرز نے دوبارہ پوچھا، اب وہ کس پر سوار ہے؟ تو رفقاء نے کہا ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا ہے تو اس نے کہا ہاں، ذرا ٹھہرو چنانچہ خاصی دیر روبرو کھڑے رہے پھر دھرز نے پوچھا اب وہ کس پر سوار ہے؟ تو انہوں نے بتایا خچر پر، تو دھرز نے کہا خچر بنت حمار، ''سمجھو وہ رسوا ہو گیا'' اور اس کا ملک بھی رسوا ہو گیا۔ اس نے کہا میں تیر پھینکتا ہوا اگر دیکھو کہ وہ اپنی جگہ پر ثابت قدم ہیں، کوئی ہل چل پیدا نہیں ہوئی تو تم بھی مطمئن رہو، اگر دیکھو کہ انہوں نے مسروق کو گھیرے میں لے لیا ہے تو سمجھو کہ تیر نشانے پر لگا ہے اور یکدم حملہ کر دو۔

مسروق بن ابرہہ کی ہلاکت ...... اس کے بعد اس نے کمان پر تانت چڑھائی اور کمان اتنی سخت تھی کہ کسی کی مدد کے بغیر کوئی تانت نہ

چڑھا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے تیر پھینکا تو تیر اس کی پیشانی پر سرخ موتی پر جا لگا اور سر سے پار ہو گیا، وہ سواری سے گر پڑا اور لوگوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا، وھرز کے تمام ساتھی یکبارگی دفعۃً حملہ آور ہوئے بہت سے حبشی قتل ہوئے اور بہت سے میدان جنگ سے فرار ہوئے اور شکست سے دوچار ہوئے فاتح وھرز جب صنعاء شہر میں داخل ہونے لگا تو اس کا دروازہ ذرا نیچا تھا تو اس نے کہا دروازہ مسمار کر دو کیونکہ میرا جھنڈا سرنگوں نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ دروازہ گرا دیا گیا اور پھر وہ اپنے علم کو بلند کئے ہوئے شہر میں داخل ہوا۔ سیف بن ذی یزن نے کہا:

یظن الناس بالملکین
انهما قد التاما
ومن یسمع بلأمهما
فان الخطب قد فقما
قتلنا القیل مسروقا
وروّینا الکثیب دما
وان القیل قیل الناس
وهرز مقسم قسما
یذوق مشعشعاً حتی
یفیء السبی والنعما

''لوگ سمجھتے ہیں کہ دو بادشاہوں نے اتحاد و اتفاق کر لیا، پھر معرکہ سر کیا ہے۔ جو شخص خطرناک مصیبت کو سے گا وہ سمجھ جائے گا بے شک پانی سر سے گزر چکا تھا۔ ہم نے شاہ مسروق کو قتل کر دیا ہے اور ٹیلے کو خون سے سیراب کر دیا ہے۔ بے شک بادشاہ ''وھرز'' ہے لوگوں کو تقسیم کرنے والا۔ اس نے لمبے تڑنگے آدمی کو موت کا مزا چکھایا یہاں تک کہ ہم اسیروں اور نعمتوں کو لوٹ رہے تھے''۔

اس عظیم کامیابی پر تہنیہ اور مبارک باد دینے کے لئے حجاز وغیرہ اور عرب کے تمام علاقوں سے لوگ آنے لگے قریش کے وفد میں عبدالمطلب بن ہاشم بھی تھے۔ سیف حمیر نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت سنائی تھی۔ ہم یہ ''بشارت'' کے بیان میں مفصل ذکر کریں گے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابو الصلت بن ابی ربیعہ ثقفی نے کہا بقول ابن ہشام امیہ بن ابی الصلت:

لیطلب الوتر امثال ابن ذی یزن
ریم فی البحر للاعداء أحوالا
یمم قیصر لما حان رحلته
فلم یجد عنده بعض الذی سالا
ثم انثنی نحو کسری بعد عاشرة
من السنین یهین النفس والمال
حتی أتی ببنی الاحرار یحملهم
انک عمری لقد أسرعت قلقالا

''ابن ذی یزن ایسا زبردست بدلہ لیتا ہے وہ سمندر میں دشمنوں کی خاطر کئی سال رہا۔ جب اس کا وقت سفر قریب آیا تو اس نے قیصر کے پاس جانے کا عزم کیا اور جب اس کے پاس سے مدعا نہ پایا۔ پھر دس سال بعد کسریٰ کی طرف گیا اپنا جان و مال صرف کر کے۔ یہاں تک کہ وہ ان ''آزاد کردہ'' اسیروں کو کشتیوں میں لایا میری عمر کی قسم! بے شک تو ہمیشہ سفر میں رہنے والا

تیز رفتار ہے"۔

لله درهم من عصبة خرجوا
ما ان أری لهم فی الناس أمثالا
غلبا مرازبة بیضا اساورة
أسدا تربب فی الغیضات أشبالا
یرمون عن سدف کأنها غبط
بزمخر یعجل المرمی اعجالا
أرسلت أسدا علی سود الکلاب فقد
أضحی شرید هم فی الارض فلالا

"اللہ ہی کے لئے ہے اس جماعت کی بھلائی جو وہاں سے آئے، وہ بے مثال لوگ ہیں۔ موٹی گردن والے سردار، سفید فام، شیردل، وہ اپنے کچھاروں میں اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں وہ کمانوں کو اس طرح چلاتے ہیں گویا وہ "ھودے" ہیں باریک تیرے جو تیرزدہ کو جلدی ہی موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ تو نے سیاہ کتوں پر شیروں کو چھوڑ دیا ان کا فرار ہونے والا شکست خوردہ ہے"۔

فاشرب هنیئا علیک التاج مرتفقا
فی راس غمدان دارا منک محلالا
واشرب هنیئا فقد شالت نعامتهم
واسبل الیوم فی بردیک اسبالا
تلک المکارم لا قعبان من لبن
شیبا بماء فعادا بعد أبوالا

خوب پی خوشگوار، تجھ پر تاج سہارا ہوئے ہے "راس غمدان" تیری قیام گاہ ہے۔ عیش سے پی ان کی عزتوں کی چادر اترتی ہے اور وہ رسوا ہو کر فرار ہو گئے ہیں۔ یہ فضائل و مناقب ہیں۔ سدا بہار پانی میں مخلوط دودھ کے دو پیالے ہیں جو پینے کے بعد پیشاب کے راستہ نکل جاتے ہیں۔

لفظ غمدان کی تحقیق...... یمن میں ایک محل تھا جو یعرب بن قحطان نے تعمیر کیا تھا، بعد میں وائلہ بن حمیر بن سبا نے اس میں رہائش اختیار کی اس محل کی بیس منزلیں تھیں، واللہ اعلم۔

بنی تمیم کے عدی بن زید حمیری کہتے ہیں:

ما بعد صنعاء کان یعمرها
ولاة ملک جزل مواهبها
رفعها من بنی لذی قزع المزن
وتندی مسکا محاربها
محفوفة بالجبال دون عری الکائد
ما یرتقی غواربها

یـــــانــــــس فیهـــــا صـــوت الـــنهـــــام اذا
جـــــاوبهـــــا بـــــالــعشــــی قـــاصبهـــــا

''صنعاء کے بعد کہ اس میں ایسے حکمران آباد تھے جن کے عطیات گراں قدر تھے۔اس کے بانی نے اس کو فلک بوس بنایا ہے اوراس کی عمارت سے کستوری کی خوشبو مہکتی ہے۔وہ پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے،آسمان کے ورے اس کی فصیلوں پر چڑھنا دشوار ہے۔بانسری کی آواز اس میں بھلی معلوم ہوتی ہے جب پچھلے پہر اس کا بجانے والا وہاں سے گذرے۔''

ســـاقـــت الیهـــا الا سبـــاب جـــنـــد بـــنـــی
الاحـــرار فـــرســـانهـــا مـــواکبهـــا
وفـــوزت بـــالبـــغـــال تـــوســق بـــهـــا لـــحتف
وتـــســعـــی بهـــا تـــوالبهـــا
حتـــی یـــراهـــا الاقـــوال مـــن طـــرف الـــمـــنـــقـــل
مـــخـــضـــر آکـــتـــائبهـــا
یـــوم یـــنـــادون آل بـــربـــر والیـــکـــســوم
لا یـــفـــلـــحـــن هـــاربهـــا

''قدرت''بنی احرار کے لشکر کو یہاں لے آئی،ان کے شاہ سوار خراماں خراماں چلتے تھے۔وہ میدان جنگ (میں خچروں پر سوار ہوئے تھے جن میں موتیں لدی ہوئی تھیں اوران کے بچے وہاں دوڑ رہے تھے یہاں تک کہ ان کو سرداروں نے دیکھا قلعہ کے کنارے سے ان کی فوجیں مسلح تھیں۔جس دن پکارتے تھے آل بربر اور یکسوم کو کہ ان سے بھاگنے والا نجات نہ پا جائے''۔

فـــکـــان یـــومـــا بـــاقـــی الـــحـــدیـــث وزا
لـــت أمة لـــابـــت مـــراتبهـــا
وبـــدل الهیـــج بـــالـــزرفة والا یـــام
خـــون جـــم عـــجـــائبهـــا
بـــعـــد بـــنـــی تبـــع نـــخـــاورـــة
قـــد اطـــمـــأنـــت بهـــا مـــراز بهـــا

''وہ ایسا دن تھا کہ اس کی بات ہمیشہ باقی رہے گی اوراپنے مراتب پر قائم ایک قوم ختم ہوگئی۔جنگ نے جماعت حبشہ کو بدل دیا،زمانہ خالی ہے اور جنگ کے عجائبات بکثرت ہیں اور یہ بنی تبع کے بعد تخی اور فیاض لوگ ہیں وہاں ان کے تئیں مطمئن اور پر امن ہیں''۔

خواب کی تعبیر......ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہ سب سابقہ واقعات شاہ یمن کے خواب کی تعبیر کا مصداق تھا جس کی تعبیر سطیح کاہن نے اپنے اس قول یلیه أرم ذی یزن، یخرج علیهم من عدن فلا یترک منهم احدا بالیمن، کے ذریعہ دی تھی۔ارم ذی یزن عدن کے راستہ سے آئے گا اور یمن میں ان سے کسی شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔اور شق کاہن کی تعبیر تھی غلام لیس بدنی ولا مدن یخرج من بیت ذی یزن، ایک نوجوان وہ کمینہ اور کمزور نہیں ہے اور وہ نوجوان ذی یزن کے خاندان سے پیدا ہوگا ابن اسحاق کا بیان ہے فتح کے بعد وھرز اوراس کے ساتھی یمن ہی میں مقیم ہوگئے۔

ابنا......آج کل یمن میں ''ابنا'' ان کی آل اولاد کو کہتے ہیں۔یمن میں حبش کی حکومت ۷۲ سال رہی،اسی عرصہ میں اریاط،ابرہہ،یکسوم اور مسر

وق بن ابر بہہ نے اہل یمن پر حکومت کی۔

یمن پر نائب کسریٰ کی حکمرانی......ابن ہشام کا بیان ہے کہ دھرز کی وفات کے بعد کسریٰ نے اس کے بیٹے "مرزبان" کو یمن کی سلطنت کا نائب نامزد کردیا۔ پھر اس کے بیٹے "تین جان مرزبان" کو اس کی وفات بعد سلطنت کا نائب مقرر کردیا پھر اچانک کسی وجہ سے اس کو معزول کر کے، باذان کو نامزد کیا اور اسی کے عہد حکومت میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔

کسریٰ کا باذان کے نام پیغام......امام زہری کا بیان ہے کہ کسریٰ نے باذان کو پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک قریشی نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم وہاں جاؤ اور اس سے دعویٰ نبوت سے تائب ہونے کو کہو، اگر وہ تائب ہو جائے تو ٹھیک ورنہ اس کا (معاذ اللہ) سر قلم کر کے مجھے بھیج دو۔

مکتوب نبوت ﷺ اور کسریٰ کا انجام...... باذان نے کسریٰ کا یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں لکھا (ان اللہ قد وعد نی أن یقتل کسریٰ فی یوم کذاو کذا من شھر کذا) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کسریٰ فلاں روز فلاں ماہ میں قتل ہو جائے گا۔ (بقول امام بیہقی وہ منگل کی رات ۱۰ جمادی الاول ۹ ھ میں قتل ہوا)۔

کسریٰ کا قتل...... باذان کو جب یہ جواب موصول ہوا تو اس نے توقف کیا اور کہا اگر یہ نبی برحق ہوا تو لازماً ایسا ہوگا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ وقت کے مطابق ہی کسریٰ کو اس کے بیٹے "شیرویہ" نے قتل کردیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے سب بیٹوں نے دفعۃً حملہ کر کے قتل کیا۔ کسریٰ کا نام پرویز بن ھرمز بن نوشیروان بن قباز تھا یہی سلطنت روم پر غالب آیا تھا جس کا واقعہ سورہ روم میں مذکور ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا کسریٰ کو دعوت اسلام دینا...... رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے برہم ہو کر رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی پارہ پارہ کردیا اور اس نے اپنی حکومت کے نائب امیر باذان کو مذکور بالا مراسلہ تحریر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان ربی قتل اللیلة ربک، میرے رب نے تیرے رب کو آج رات قتل کر ڈالا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے عین فرمان کے مطابق وہ قتل ہو گیا۔ اس ظلم و ستم کی وجہ سے اس کے بیٹوں نے اسے موت کے گھاٹ اتارا اس کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ حاکم بنا اس نے چھ ماہ تک حکومت کی پھر اس کا انتقال ہو گیا خالد بن حق شیبانی نے کسریٰ کے متعلق اپنے شعر میں کہا:

وکسری اذ تقعہ بنوہ — باسیاف کما اقتسم اللحاء

"قصاب کی طرح جب کسریٰ کو اس کے بیٹوں نے تہ تیغ کردیا"۔

تمخضت المنون لہ بیوم — الا ولکل حاملة تمام

"آخر موت نے ایک دن اس کو دبوچ کر ہلاک کردیا۔ یاد رکھو ہر بدکار اپنے انجام کو پہنچے گا"۔

باذان اور اس کی رعایا کا قبول اسلام...... جب باذان کو کسریٰ کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور دیگر لوگوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اطلاع کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب ہم کس کی طرف منسوب ہوں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (انتم منا والینا اھل البیت) تم ہمارے اہل بیت میں سے ہو، بقول امام زہری اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: سلمان منا اھل البیت. امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اعزاز تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے ہجرت کے بعد ہی سلمان رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا تھا۔

یمن میں اشاعت اسلام......اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے یمن میں اسلام کی دعوت اور اس کی نشر و اشاعت کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجا۔ سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور علی کو روانہ کیا پھر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور

تمام اہل یمن دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ باذان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شہر بن باذان تخت نشین ہوا، اسود عنسی کے قتل کے بعد یمن پر پھر سے اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ سطیح کاہن کے اس مقولہ: نبی زکی یاتیه الوحی من قبل العلی کا یہی مطلب تھا، اور شق کاہن کی تعبیر بل ینقطع بر سول مرسل یاتی بالحق والعدل بین اهل الدین والفضل یکون الملک فی قومه الی یوم الفصل کا بھی یہی مصداق تھا یمن پر کس کی حکمرانی ہوگی؟ امام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ یمن کے اندر کسی پتھر پر یہ تحریر کندہ تھی (لمن ملک ذمار الحمیر الاخیار لمن ملک ذمار للحبشة الاشوار، لمن ملک ذمار لفارس الاحرار، لمن ملک ذمار لقریش التجار" یمن پر کس کی حکمرانی ہوگی؟ حمیر اخیار کی پھر کس کی حکومت ہوگی؟ شریر حبشیوں کی، پھر کس کی سلطنت قائم ہوگی، فارس کی، پھر کس کے زیر فرمان ہوگا قریشی تاجروں کے۔

اس مفہوم کو کسی شاعر نے منظوم بھی کیا ہے جو مسعودی نے نقل کیا ہے:

حین شدت زمار قیل لمن انت
فقالت لحمیر الاخیار
ثم سیلت من بعد ذاک فقالت
انا للحبیش اخبث الاشرار
ثم قالوا من بعد ذاک لمن انت
فقالت لفارس الاحرار
ثم قالوا من بعد ذاک لمن انت
فقالت الی قریش التجار

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کا مذکور بالا کلام، مالک بن ذی منار، برادر عمرو ذی الاعار بن ذی منار کے عہد حکومت میں بقلیس کے عہد حکومت سے کچھ عرصہ پہلے تیز آندھی چلی اور ہود علیہ السلام کی قبر کے پاس ایک پتھر نمودار ہوا اور اس پر مذکور بالا تحریر نقش تھی اور بقول کسی شخص کے یہ عبارت ہود علیہ السلام کی قبر پر بھی تحریر تھی اور ان کا کلام تھی۔'' (سہیلی)

نعمان کے نسب میں اختلاف اور ساطرون کا قصہ...... ابن ہشام نے یہ قصہ اس مقام پر اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ ماہرین نسب کے مطابق نعمان بن منذر، جس کی معرفت سیف حمیری کو کسریٰ کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تھی وہ ساطرون کی نسل سے تھا۔ ابن اسحاق کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ نعمان بن منذر، ربیعہ بن نصر قحطانی کی اولاد میں سے ہے اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نعمان، قیصر بن معد بن عدنان کی نسل میں سے ہے نعمان کے نسب کے بارے میں یہ تین مختلف اقوال منقول ہیں۔

بانی قلعہ حضر...... ابن ہشام نے ساطرون بانی قلعہ حجر کا قصہ ضمناً بیان کیا ہے قلعہ حضر دریائے فرات کے ساحل پر ساطرون بادشاہ نے تعمیر کروایا تھا وہ ایک فلک بوس عظیم الشان عمارت تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس میں پوری سلطنت کا مال و دولت جمع ہوتا تھا۔

ساطرون کون تھا؟...... ساطرون کا نام ہے ضیزن بن معاویہ بن عبید بن اجرم از بنی سطیح بن حلوان بن حاف بن قضاعہ (ابن کلبی) اور ابن کلبی کے علاوہ دوسرے ماہرین نسب کا بیان ہے کہ اس کا شمار ''جرامقہ'' میں سے ہے اور یہ ''طوائف الملوکی'' دور کا ایک بادشاہ تھا جب یہ غیر ملکی باشندوں سے جنگ کرتے تو یہ ساطرون ان کی قیادت کیا کرتا تھا۔ دجلہ اور فرات کے درمیان ان کا قلعہ تھا۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ ''کسریٰ سابور ذو الاکتاف'' نے ساطرون صاحب حضر سے جنگ کی اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ ساطرون سے جنگ کرنے والا، سابور اردشیر بن بابک، پہلا ساسانی بادشاہ ہے، جس نے طوائف الملوکی ختم کر کے شاہان کسریٰ کی بنیاد ڈالی اور یہ کہ سابور ذو الاکتاف

تو بہت دیر بعد میں ہوا، واللہ اعلم۔

(کلبی)

ساپور ساسانی کا محاصرہ ۔۔۔۔۔ساپور ساسانی بیرون ملک خراسان میں کسی مہم میں مصروف تھا کہ ساطرون نے اس کے علاقہ میں حملہ کر کے تباہی مچادی، تو ساپور نے اس مہم سے فراغت کے بعد (بقول ابن ہشام) متواتر دو سال تک "قلعہ حضر" کا محاصرہ جاری رکھا اور بعض مؤرخین کا بیان ہیکہ یہ محاصرہ تقریباً چار سال تک جاری رہا۔

ساطرون کی بیٹی کی اپنے باپ سے دغابازی اور انجام کار ۔۔۔۔۔ایک روز ساطرون کی بیٹی "نضیرہ" کی نگاہ ساپور پر پڑی، ساپور ایک نوخیز حسین وجمیل بادشاہ تھا، سر پر طلائی تاج تھا جواہر سے آراستہ تھا، نضیرہ نے ساپور کو ایک خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر میں حضر قلعہ کا دروازہ کھول دوں تو کیا آپ مجھ سے شادی کر لیں گے شاہ ساپور نے "ہاں" میں جواب دیا۔ شام ہوئی تو ساطرون حسب دستور شراب کے نشے میں چور تھا۔ نضیرہ نے اس موقع کو غنیمت جان کر باپ کے تکیہ کے نیچے سے قلعہ کی چابیاں نکالیں اور اپنے غلام کے ہاتھ ساپور کے پاس بھجوادیں ساپور دروازہ کھول کر قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اور ساطرون کو قتل کر کے قلعہ کو فتح کیا اور نضیرہ سے شادی کر کے اس کو ساتھ لے آیا وہ ایک رات بستر پر لیٹی ہوئی تلملا رہی تھی اور اسے نیند نہیں آرہی تھی، ساپور نے ذرا روشنی کر کے اس کا بستر ٹٹولا تو اس پر آس درخت کا پتہ تھا جس کی وجہ سے اس کی نیند اچاٹ تھی۔

ساپور نے پوچھا کیا اسی وجہ سے تو بے قرار تھی اور تجھے نیند نہیں آرہی تھی؟ اس نے کہا ہاں! تو ساپور نے پوچھا تیرا والد، تیری کیسے پرورش کیا کرتا تھا؟ تو اس نے کہا دیباج کے نرم ونازک بستر پر مجھے سلاتا اور ریشمی لباس پہناتا تھا۔ اور کھانے میں عمدہ قسم کے مغزیات اور پینے میں اعلیٰ درجے کی شراب مہیا کرتا تھا۔ تو ساپور نے "برانگیختہ ہو کر کہا ایسے شفیق اور مہربان باپ کا صلہ" یہ بے وفائی اور دغابازی! اس طرح تو مجھ سے بہت جلد دھوکا کر سکتی ہے، پھر ساپور نے اس کی چوٹی کے بال گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ دیئے اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قلعہ میں داخل ہونے کے بارے میں دو مختلف اقوال: ۔۔۔۔۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ نضیرہ نے ساپور کو ایک زمین دوز نہر بتائی جس سے قلعہ کے اندر پانی آتا تھا، وہ اس کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہوا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ نضرہ نے ساپور کو ایک جادو بتایا جس سے قلعہ کا دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور وہ جادو یہ تھا کہ خاکستری رنگ کی کبوتری کے پنجے، بلی کی آنکھوں جیسی باکرہ لونڈی کے حیض کے خون میں لت پت کر کے چھوڑ دیا جائے تو جب وہ قلعہ کی دیوار پر بیٹھ جائے تو قلعہ کے دروازے خود بخود کھل جائیں گے۔

اس عبرت آموز قصہ کے بارے میں اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ شاعر نے اپنے اشعار میں کہا:

الم تر للحضر اذا أهله
بنعمى وهل خالد من نعم
أقام به شاهبور الجنود
حولين تضرب فيه القدم
فلما دعا ربه دعوة
أناب اليه فلم ينتقم
فهل زاده ربه قوة
ومثل مجاوره لم يقم

"کیا تو نے قلعہ حضر کو نہیں دیکھا جب اس کے باشندے ناز ونعمت میں تھے اور کیا نعمتیں ہمیشہ کیلئے ہوتی ہیں۔ وہاں ساپور نے اپنے لشکر کو متواتر دو سال رکھا اس پر کدال برسائے جاتے تھے۔ جب اس نے رب کو پکارا، اس کی طرف متوجہ ہوا، تو اس سے انتقام نہ لیا۔ کیا اس کے رب نے اس کی طاقت میں اضافہ کیا اور ایسا مجاور قائم نہیں رہتا"۔

وكان دعا قومه دعوة
هلموا الى أمركم قد صرح
فموتوا كراما بأسيافكم
أرى الموت بجشمه من جشم

''اس نے اپنی قوم کو پکارا ایک طے شدہ امر کی طرف آؤ۔ تم اپنی تلواروں کو استعمال کر کے شریفوں کی موت مرو میری نظر میں گو وہی شخص برداشت کرتا ہے جو اس کے برداشت کرنے پر راضی ہو''۔

عدی بن زید نے بھی اس بارے میں کہا:

والحضر صابت عليه داهية
من فوقه أيد مناكبها
ربية لم توق والدها
لحينها اذ أضاع راقبها
اذ غبقته صهباء صافية
والخمر وهل يهيم شاربها
فأسلمت أهلها بليلتها
تظن أن الرئيس خاطبها
فكان حظ العروس اذ جشر
الصبح دماء تجري سبائبها

''قلعہ حضر پر مصیبت اس کے اوپر سے آئی ہے، اس کی دیواریں مضبوط تھیں۔ جھانکنے والی نے اپنے والد کو موت سے نہ بچایا، جب اس نے اپنے نگاہ بان اور محافظ کو ضائع کر دیا۔ جب اس نے عمدہ شراب شام کے وقت شراب خیالات میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، اس کے پینے والا بے سدھ ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنے اہل کو ''اس رات کے بدلے'' بے یار و مددگار چھوڑ دیا اس کا گمان تھا کہ شاہ اس سے منگنی کرنے والا ہے۔ جب صبح ہوئی نصیب تھا خون، جو اس کے دوپٹہ سے بہہ رہا تھا''۔

وخرب الحضر واستبيح وقد
احرق في خدرها مشاجبها
أيها الشامت المعير بالدهر
أأنت المبرء الموف
أم لديك العهد الوثيق من الايام
بل أنت جاهل مغرور
من رأيت المنون خلدن أم
من ذا عليه من أن يضام خفير
اين كسرى كسرى الملوك
أنو شروان أم أين قبله سابور

''قلعہ حضر تباہ کر دیا گیا اس کے باشندے پامال کر دیئے گئے اور پردوں میں رہنے والی لباس کے ساتھ جلا دی گئیں۔ اے

مخاطب کی تکلیف پر خوش ہونے والے زمانہ پر نکتہ چینی کرنے والے! کیا تو صحت منداور خوشحال ہی ہوگا۔ کیا تیرے پاس کوئی حوادث زمانہ سے بچاؤ کا وثیقہ موجود ہے۔ بالکل نہیں بلکہ تو جاہل فریب خوردہ ہے۔ کسی کو دیکھا ہے تم نے کہ موت نے اس کو زندہ رکھا یا کسی پر ظلم وتشدد سے کون محافظ ہے؟ کسریٰ نوشیروان کہاں ہے؟ یا اس سے قبل شاہ سابور کہاں ہے؟"

وبنو الاصفر الكرام ملوك الروم
لم يبق منهم مذكور
واخو الحضر اذ بناه واذ دجلة
تجبى اليه والخابور
شاده مرمرا وجلله كلسا
فللطير في ذراه وكور
لم يهبه ريب المنون فبان
الملك عنه فبابه مهجور
وتذكر رب الخورنق اذ
اشرف يوما وللهدى تفكير

"مکرم اور معزز زرین اصفر، شاہان روم میں سے کوئی فرد باقی نہیں بچا۔ اور قلعہ حضر کا مالک جب اس نے تعمیر کیا، دجلہ اور خابور وادی کا محصول وہاں لایا جاتا تھا۔ اس کو سنگ مرمر سے مضبوط کیا اور چونے کا پلستر کیا، پرندوں کے اس کی چوٹی پر گھونسلے ہیں۔ حوادث زمانہ اس سے نہ گھبرائے، حکومت ختم ہوگئی، اس کا دروازہ بے آباد متروک ہے۔ قلعہ خورنق کے مالک نے نصیحت حاصل کرلی جب وہ ایک روز جھانکا رشد وہدایت کے حصول کے لئے غور وفکر ضروری ہے"۔

سره ماله وكثرت ما يملك
والبحر معرضا والسدير
فارعوى قلبه وقال وما غبطة
حي الى الممات يصير
ثم اضحوا كانهم ورق جف
فالوت به الصبا والدبور

"اس کو مال ودولت کی کثرت، سمندر کے موڑ اور محل سدیر نے مسرت وفرحت بخشی۔ اس کا دل باز آگیا اور اس نے کہا کسی زندہ کو موت کا رشک نہیں۔ پھر وہ ایک خشک پتے کی طرح ہوگئے اور اس کو مغرب اور مشرق کی ہوا لے اڑی ہے"۔

رب خورنق نامی بادشاہ اور اس کو وعظ ونصیحت...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "رب خورنق" عہد قدیم میں ایک ظالم سرکش بادشاہ، وہ نہایت فضول خرچ، جور وجفا کا پتلا اور حرص وہویٰ کا غلام تھا کسی اللہ والے عالم نے اسے وعظ ونصیحت کی کہ فکر کرو کہ، بے شمار بادشاہ اور بے شمار حکومتیں ماضی کا قصہ بن چکی ہیں، اب ان کا کوئی فرد بھی روئے زمین پر زندہ نہیں، یاد رکھئے جو سلطنت آپ کے ورثہ میں آئی ہے وہ، ضرور کسی دوسرے کے ورثہ میں منتقل ہوگی بادشاہ پر وعظ ونصیحت کا اثر اس وعظ ونصیحت کا اس پر بڑا اثر ہوا" "ہر چہ از دل دلبر دل ایزد" اور یہ چند کلمات اس کے دل میں اتر گئے اور وہ بڑا متاثر ہوا، گناہوں سے باز آگیا۔ اپنے ماضی اور حال پر غور کرنے لگا قبر کی تاریکی اور تنگی سے گھبرانے لگا۔ چنانچہ اس نے توبہ کی، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اپنے غلط رویے کو چھوڑ دیا بادشاہت اور سلطنت کو خیر باد کہہ دیا، فقراء کا

لباس پہن لیا اور ویران جنگل میں چلا گیا تنہائی اختیار کر لی اور گوشہ نشین ہو گیا اور آخر کار ہوائے نفس اور معصیت سے بالکل کنارہ کش ہو گیا......
"کتاب التوابین" میں یہ قصہ امام ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور الروض الانف میں امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ سند اور نہایت انداز عمدہ میں بیان کیا ہے۔

طوائف الملوکی کی بنیاد...... ساطرون صاحب قلعہ حضر، اسکندر مقدونی کے معاصر کا بیان ہو چکا ہے کہ وہ "طوائف الملوکی" کے دور کا سرغنہ تھا، جب وہ شاہ فارس پر فتح یاب ہوا اور اس کی حکومت کو ختم کیا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، قوم کو ذلیل ورسوا کیا، آمدنی کے ذخائر پر قبضہ کر لیا اور فارس کو تہہ وبالا کر دیا اور اس کے نظم ونسق کو پامال کر دیا۔ اس کا عزم تھا کہ آئندہ کوئی بھی اجتماعی حکومت سر نہ اٹھا سکے اور نہ ہی وہ ایک حکمران کے تابع ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے عرب وعجم کے ہر علاقہ پر ایک بادشاہ اور رئیس مقرر کر دیا اور اسطرح طوائف الملوکی کی بنیاد ڈال دی۔ ہر بادشاہ اور رئیس اپنے علاقہ کا تحفظ کرتا اور اس کے محاصل اور آمدنی اکٹھی کرتا اور حکومت بطور وراثت منتقل ہوتی، باپ کے بعد بیٹا وارث ہوتا اور تقریباً پانچ سو سال تک یہی نظام حکومت جاری رہا' یہاں تک کہ بنی ساسان میں سے ازدشیر بن بابک کا دور آیا اور اس نے تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں کو متحد کر دیا اور ان کے رؤساء اور بادشاہوں کو سبکدوش کر دیا اور اس طرح طوائف الملوکی دور کا خاتمہ کر دیا۔

ازد کا انتقال اور اس کا بیٹا...... سابور جب ازدشیر فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے سابور نے طوائف الملوکی کے بانی عظیم صاحب قلعہ حضر پر، سب سے آخر میں محاصرہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا جیسا کہ ابھی اس کا بیان ہو چکا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آل اسماعیل اور زمانہ جاہلیت سے زمانہ نبوت تک کے امور کا بیان

سیرت انبیاء میں اسماعیل علیہ السلام کا بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام دونوں کو شام سے لے کر روانہ ہوئے اور ان کو سرزمین مکہ میں فاران کے پہاڑوں میں تنہا چھوڑ کر چلے آئے۔ اسماعیل، اس وقت شیر خوار بچے تھے۔ ان کے پاس سوائے کھجور کے تھیلے اور پانی کے مشکیزے کے کچھ بھی نہ تھا، جب توشہ بھی ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے لئے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث بخاری میں مروی ہے۔

قبیلہ جرہم کا قیام...... عرب عاربہ میں سے ایک قدیم قبیلہ جرہم وہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس شرط پر مقیم ہو گیا کہ ان کا آب زمزم کے استعمال کرنے کے علاوہ چشمہ پر کوئی حق نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم متواتر ان کے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ان کی خیر خیریت پوچھتے رہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس سے مکہ تک آمد ورفت کا سفر، براق پر سوار ہو کر طے کیا کرتے تھے۔

حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد...... جب حضرت اسماعیل جوان ہوئے اور عالم شباب کو پہنچے تو ذبح کا واقعہ پیش آیا، پھر جرہم خاندان کی لڑکی سے شادی کی بعد ازاں اسے طلاق دے کر، سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی سے نکاح کیا اسی سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ جس کے نام یہ ہیں (۱) نابت (۲) قیذر (۳) منشا (۴) مسمع (۵) ماشی (۶) دما (۷) اذر (۸) یطور (۹) نبش (۱۰) طیما (۱۱) قیذما (۱۲ ویں کا نام درج نہیں) امام ابن اسحاق وغیرہ نے یہ نام اہل کتاب سے نقل کئے ہیں "نسمہ" نامی ایک لڑکی تھی جس کی شادی عیصو بن اسحاق بن ابراہیم سے ہوئی، جس سے "روم" فارس اور اشبان پیدا ہوئے۔

"الاتجاه السموجات البشريه فی جزيرة العرب" میں شیخ مضب الدین خطیب" نے بہت تحقیق وجستجو کے بعد یہ نام درج کئے ہیں (۱) نابت (۲) قیدار (۳) یطور (۴) تیما (۵) دومہ (۶) مسمع (۷) قدمہ (۸) ادب ایل (۹) نفیس (۱۰) ہشام (۱۱) اصمع (۱۲) حداد۔

حکمران کا سلسلہ...... پورے عرب کے حجازی قبائل نابت اور قیدر کی نسل میں سے ہیں۔ مکہ کا حاکم اعلیٰ اور رئیس کعبہ اور زمزم کے امور کا منصرم، نابت بن اسماعیل جرہمی قبیلہ کا نواسہ تھا، پھر نابت کے بعد نانا کے رشتے کے باعث مضاض بن عمرو جرہمی بیت اللہ پر قابض ہو گیا۔ مکہ اور اس کے گرد و نواح پر اپنے نواسہ کی اولاد کی بجائے خود کافی عرصہ تک حکمران رہا۔

مضاض کا نسب...... مضاض بن عمر بن سعد بن الرقیب بن عیبر بن نبت بن جرہم بن قحطان اور بعض لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:
جرہم بن یقطن بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح جرہمی، مضاض بن عمرو، جبل قعیقعان پر اعلیٰ مکہ میں مقیم تھا اور سمیدع رئیس قطوراء مع اپنی قوم کے اسفل مکہ میں مقیم تھا، یہ دونوں حضرات مکہ میں داخل ہونے والے شخص سے ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

مضاض اور سمیدع کا آپس میں جھگڑا...... قبیلہ جرہم اور قطوراء دونوں کا کسی بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا، لڑائی ہوئی اور اس میں سمیدع مارا گیا، اس جنگ کے بعد مضاض بن عمر اکیلا مکہ کا حکمران بن گیا۔ آل اسماعیل علیہ السلام باوجود عظمت و اکثریت کے رشتہ کی نزاکت اور بیت اللہ کی حرمت کی خاطر کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرنا چاہتے تھے مضاض کی وفات کے بعد حارث بن مضاض تخت نشین ہو گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا عمر بن حارث اس کا جانشین ہو گیا۔

اساف و نائلہ کی بدکاری اور ان کا مسخ...... پھر طاؤس ورباب کا دور شروع ہوا، ان کے زمانے میں عصیان و نافرمانی کا دور دورہ تھا۔ بیت اللہ میں الحاد و فساد کا اس قدر عروج اور فروغ ہوا کہ اساف بن بغی جرہمی اور نائلہ بنت وائل نے بیت اللہ میں بدکاری کی اور اللہ نے ان دونوں کو پتھر کی صورت میں مسخ کر دیا۔ لوگوں نے ان مسخ شدہ جسموں کو بیت اللہ میں عبرت و نصیحت کے لئے نصب کر دیا عرصہ دراز کے بعد عبرت حاصل کرنے کی بجائے لوگوں نے ان جسموں کی پرستش شروع کر دی۔

خزاعہ کی حکومت...... عمر بن عامر (شوہر طریفہ بنت خیر حمیریہ کاہنہ) جس نے متوقع عرم کے سیلاب کے پیش نظر، یمن کی رہائش ترک کر دی تھی اس کی آل میں سے خزاعہ نے مکہ کے قریب مرالظہر ان میں رہائش اختیار کر لی تھی اور اسی علیحدگی کی وجہ سے ان کا نام خزاعہ پڑ گیا۔
خزاعی کعبہ کی توہین اور بے حرمتی کو دیکھ کر سیخ پا ہو گئے اور اس کو برداشت نہ کر سکے، تو ان کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا۔ آل اسماعیل دونوں جماعتوں سے الگ رہی۔ کسی سے تعاون نہیں کیا، جرہمیوں کو شکست ہوئی اور خزاعہ یعنی بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور عمر بن حارث کو جلاوطن کر دیا۔ جنگ کے دوران عمر بن حارث نے کعبہ کے دو طلائی ہرن، حجر اسود، چند تلواریں اور دیگر متبرک اشیاء زم زم کے کنویں میں ڈال کر زم زم کو اوپر سے بند کر دیا اور اس پر کچھ علامات و نشانات لگا دیئے پھر اپنے پہلے وطن یمن کی طرف چلا گیا۔ عمر بن حارث مضاض نے اس معرکہ کے بارے میں اپنے اشعار میں کچھ یوں کہا:

وقـائـلـة والـدمـع سـكـب مـبـادر
وقـد شـرقـت بـالـدمـع مـنـهـا الـمـحـاجـر
كـأن لـم يـكـن بـيـن الـحـجـون الـى الـصـفـا
انـيـس ولـم يـسـمـر بـمـكـة سـامـر
فـقـلـت لـهـا والـقـلـب مـنـى كـأنـمـا
يـلـجـلـجـه بـيـن الـجـنـاحـيـن طـائـر
بـلـى نـحـن كـنـا أهـلـهـا فـأزالـنـا
صـروف الـلـيـالـى والـجـدود الـعـواثـر

"بہت سے قبائل کہنے والے ہیں، اس حال میں کہ آنسو لگاتار بہہ رہے ہیں اور وہ آنکھوں میں اٹک گئے ہیں۔ گویا کہ حجون سے لے کر صفا تک کوئی مانوس انسان نہیں اور نہ مکہ میں کسی نے رات کو کوئی قصہ گوئی کی تو میں نے ان کو کہا اس حال میں کہ میرا دل گویا پرندے کے دو پروں کے درمیان پھڑ پھڑا رہا ہے۔ کیوں نہیں، ہم اس کے باشندے تھے، حوادثات زمانہ نے جلاوطن کر دیا اور بدقسمتی نے الگ کر دیا"۔

وكنا ولاة البيت من بعد نابت
نطوف بذاك البيت والخير ظاهر
ونحن ولينا البيت من بعد نابت
بعز فما يحظى لدينا المكاثر
ملكنا فعززنا فأعظم بملكنا
فليس لحي غيرنا ثم فاخر
ألم تنكحوا من خير شخص علمته
فأبناؤه منا ونحن الأصاهر

"نابت کے بعد ہم متولی ہوئے، ہم اس کا طواف کرتے تھے اور خیر برکت نمایاں تھی، نابت کے بعد ہم بیت اللہ کے متولی ہوئے، ایسے معزز کہ کوئی سرمایہ دار بھی ہمارے یہاں صاحب نصیب نہ تھا، ہم حکمران ہوئے اور غالب ہوئے، ہمارا ملک کس قدر عظیم تھا ہمارے علاوہ کوئی بھی وہاں فخر افتخار کا اہل نہ تھا۔ کیا تم نے بہترین شخص کو نکاح نہیں دیا، اس کی اولاد ہماری بیٹی سے ہے اور ہم ان کے سسرال ہیں"۔

فإن تنثني الدنيا علينا بحالها
فإن لها حالا وفيها التشاجر
فأخرجنا منها المليك بقدرة
كذلك يا للناس تجري المقادر
أقول إذا نام الخلي ولم أنم
إذا العرش لا يبعد سهيل وعامر
وبدلت منها أوجها لا أحبها
قبائل منها حمير ويحابر

"اگر انقلاب زمانہ ہمارے برخلاف ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں دنیا کے گونا گوں حالات ہیں اور اس میں اختلافات ہیں۔ اللہ نے ہمیں اس سے اپنی قدرت سے جلاوطن کر دیا اے لوگو! قضاء وقدر اس طرح رواں دواں ہے۔ میں کہتا ہوں جبکہ بے فکر آدمی سو گیا اور میری نیند اچاٹ ہے۔ عرش والے کی سزا سہیل اور عامر سے دور نہیں۔ اُن کی بجائے میرے لئے پسندیدہ قبائل حمیر اور یمامہ کے لوگ بدل دیے گئے ہیں)۔

وصرنا أحاديثا وكنا بغبطة
بذلك عضتنا السنون الغوابر
فسحت دموع العين تبكي لبلدة
بها حرم أمن وفيها المشاعر

وتبكي لبيت ليس يؤذي حمامه

يظل به أمنا وفيه العصافر

وفيه وحوش لا ترام أنيسة

اذا خرجت منه فليست تغادر

"ہم افسانہ بن چکے ہیں۔ اور ہم قابل رشک تھے، گزشتہ زمانے نے ہمیں مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے۔ اس متبرک شہر کے لئے آنکھیں اشکبار ہیں، وہاں پرامن حرم ہے اور اس میں اللہ کے شعائر ہیں۔ آنکھیں اس کعبہ کے لئے اشکبار ہیں جس کے کبوتر کو کوئی اذیت نہیں پہنچتی اس میں وہ اور چڑیاں پرامن ہیں۔ اس میں وحشی جانور مانوس ہیں ان کو تکلیف نہیں دی جاتی جب وہاں نکل کر باہر جائیں تو چھوڑ کر نہیں جاتے"۔

عمر کی بنی بکر اور غبشان کو نصیحت..... امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمر بن حارث[1] بن مضاض بنی بکر اور غبشان خزاعی کو نصیحت کرتا ہے:

يا أيها الناس سيروا ان قصاركم

ان تصبحوا ذات يوم لا تسيرونا

حثوا المطى وأرخوا من ازمتها

قبل الممات وقضوا ما تقضونا

كنا أناسا كما كنتم فغيرنا

دهر فأنتم كما صرنا تصيرونا

"اے لوگوں! تم مکہ چلتے رہو تم ایک روز یہاں نہ چل سکو گے۔ سواریوں کو تیز چلاؤ اور ان کی مہاریں ڈھیلی چھوڑ دو، موت سے پہلے اور جو تم کرنا چاہتے ہو پایہ تکمیل کو پہنچا دو۔ ہم تمہارے جیسے انسان تھے، ہمیں امن نے تبدیل کر دیا اب تم بھی ہم جیسے ہو جاؤ گے"۔

مندر بالا اشعار کی صحت..... ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہ اشعار اس کے قصیدے میں سے مجھے صحیح ثابت ہوئے ہیں۔ بعض علمائے شعر کا بیان ہے کہ یہ اولین اشعار ہیں جو عرب کے بارے میں کہے گئے یمن میں کسی پتھر پر کندہ پائے گئے مگر اس شاعر کا نام مذکور نہیں۔

امام سہیلی نے ان پر اشعار کا بھی اضافہ کیا ہے اور عجیب وغریب حکایات بیان کی ہیں، "فضائل مکہ" میں ابوالولید ازرقی نے عمر بن حارث کے ان اشعار پر یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے:

قد مال دهر علينا ثم اهلكنا

بالبغي فينا وبز الناس ناسونا

إن التفكر لا يجري بصاحبه

عند البديهة ى علم له دونا

أقضوا امور كم بالحلم إن لها

امور رشد رشدتم ثم مسنونا

و استخبروا فى صنيع الناس قبلكم

كما استبان طريق عنده الهونا

كنا زمانا ملوك الناس قبلكم

بـــمـــســـكـــن فـــي حـــرام الله مـــســـكـــونـــا

خزاعہ اور عمر بن لحی کا قصہ اور عرب میں آغاز بت پرستی...... خزاعہ میں سے قبیلہ غسان کا عمر بن حارث غبشانی مکہ کا رئیس مقرر ہوا، بنی بکر بن عبد مناۃ نے ایثار سے کام لیا قریش اس وقت مختلف مقامات میں بٹے ہوئے تھے عمر بن عامر جب یمن سے سکونت ترک کر کے آیا تو اس کا ارادہ شام میں آباد ہونے کا تھا۔ وہ راستے میں مرالظہر ان کے مقام پر قیام پذیر ہوا تو جو لوگ ان میں سے وہیں مقیم ہو گئے ان کا نام ''خزاعہ'' پڑ گیا چنانچہ عون بن ایوب انصاری خزرجی نے اپنے اشعار میں کچھ یوں بیان کیا:

فـــلـــمـــا هـــبـــطـــنـــا بـــطـــن مـــر تـــخـــزعـــت
خـــزاعـــة مـــنـــا فـــي حـــلـــول كـــراكـــر
حـــمـــت كـــل واد مـــن تـهـــامـــة واحـــتـــمـــت
بـــصـــم الـــقـــنـــا والـــمـــرهـــفـــات الـبـــواتـــر

''جب ہم مرالظہر ان میں قیام پذیر ہوئے تو خزاعہ ہم سے ''حلول کراکر'' میں جدا ہو گیا اور اس نے تہامہ کی ہر وادی کی حفاظت کی، نیزوں اور کاٹ ڈالنے والی تلواروں کے ساتھ خود بھی محفوظ رہے''۔

ابوالمطہر اسماعیل بن رافع انصاری الاوسی نے اپنے اشعار میں کہا:

فـــلـــمـــا هـــبـــطـــنـــا بـــطـــن مـــكـــة احـــمـــدت
خـــزاعـــة دار الاكـــل الـــمـــتـــحـــامـــل
فـــحـــلـــت اكـــاريـــســـا وشـــتـــت قـــنـــابـــلا
عـــلـــى كـــل حـــي بـــيـــن نـــجـــد وســـاحـــل
نـــفـــوا جـــرهـــمـــا عـــن بـــطـــن مـــكـــة واحـــتـــبـــوا
بـــعـــز خـــزاعـــي شـــديـــد الـــكـــواهـــل

''جب ہم مکہ کے قرب و جوار میں اترے، تو خزاعہ نے بزور بازو کھانے والے مقام کو پسند کیا۔ اس نے شیرازہ بکھیر دیا، نجد اور ساحل کے درمیان ہر قبیلہ کے گروہ کو منتشر کر دیا۔ انہوں نے جرہم کو مکہ سے جلاوطن کر دیا اور مضبوط خزاعی قوت کو حاصل کر لیا''۔

حکمرانی کا تسلسل...... بیت اللہ کی ریاست وولایت یکے بعد دیگرے ان لوگوں میں چلتی رہی اور یہ حکومت ان میں تقریباً تین سو یا پانچ سو سال تک قائم رہی، ان کا آخری سردار خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمر بن ربیعہ خزاعی تھا، اس کی بیٹی حبی سے قصی بن کلاب نے شادی کی اور اس کے پیٹ سے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزی اور عبد پیدا ہوئے۔ پھر بیت اللہ کی ولایت ونظامت خلیل کے داماد، قصی کے سپرد ہو گئی جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ موقع پر بیان کی جائے گی۔

ایک اہم رسم اور عمرو خزاعی...... خزاعی لوگ بھی بدترین متولی اور ظالم حکمران ثابت ہوئے کیونکہ ان ہی کے عہد حکومت میں حجاز کے اندر بت پرستی کا آغاز ہوا اور ان کے عہد میں عمرو بن لحی خزاعی لعین نے بت پرستی کی دعوت دی۔ یہ بہت بڑا سرمایہ دار تھا۔ اس نے بیس اونٹوں کی آنکھ پھوڑ دی تھی۔ عرب کے ہاں دستور تھا کہ جس شخص کی ملکیت میں ایک ہزار اونٹ جب جمع ہو جاتے تو وہ شخص ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتا تھا تا کہ باقی اونٹ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ ازرقی اور سہیلی کا بیان ہے کہ وہ موسم حج میں ہر سال دس ہزار اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا کرتا تھا اور دس ہزار کپڑے کے جوڑے پہناتا، گھی اور شہد کا حلوہ کھلاتا تھا اور ستو پلاتا تھا۔ ریاست وعظمت اور سرمایہ داری کے باعث وہ قوم کا مخدوم اور مقتدا تھا اور اس کا قول وفعل ان

لوگوں کی نظر میں شریعت کی طرح قابل اتباع تھا۔

بت پرستی کس طرح شروع ہوئی؟......ابن ہشام کا بیان ہے کہ مجھے بعض اہل علم نے بتایا کہ عمرو بن لحی بدمعاش ایک دفعہ مکہ سے "شام" کی طرف کسی غرض سے گیا، جب "بلقاء" نامی شہر میں آیا جو عمالقہ (اولاد عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح کے زیر حکومت تھا") وہاں کے لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا تو ان لوگوں سے پوچھا یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کا کیا مفاد ہے، تو انہوں نے کہا، یہ بت جن کی ہم عبادت کرتے ہیں جب قحط سالی میں ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو وہ بارش برسا دیتے ہیں۔ ان سے فتح ونصرت طلب کرتے ہیں تو فتح سے ہمکنار کر دیتے ہیں یہ سن کر عمرو نے کہا مجھے بھی کوئی بت دیدو، میں اسے عرب میں لے جاؤں گا اور وہاں کے لوگ بھی اس کی عبادت کریں چنانچہ وہ بت کو مکہ لے آیا اور اسے نصب کر دیا اور لوگوں کو اس کی پرستش کا حکم دیا۔

پتھر کی عبادت کس طرح شروع ہوئی......ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آل اسماعیل علیہ السلام میں بت پرستی کے آغاز کی وجہ یہ تھی کہ مکہ مکرمہ سے جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا تھا تو حرم کے احترام کی وجہ سے حرم کا پتھر اپنے ساتھ اٹھا کر لے جاتا اور وہ جہاں قیام کرتا کعبہ کی طرح اس پتھر کا طواف کرتا تھا، رفتہ رفتہ وہ ہر عمدہ پتھر کو پوجنے لگے اور اصل حقیقت کو بھول گئے۔ بخاری شریف میں ابو رجاء عطاردی کا مقولہ ہے کہ جب کوئی خوبصورت پتھر نہ ملتا تو مٹی کی ڈھیری بنا کر اس پر بکری کا دودھ، دوہ لیتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ غرضیکہ ابراہیم کا دین چھوڑ کر بت پوجنے لگے اور سابقہ گمراہ اقوام کی طرح ضلالت وگمراہی کا شکار ہو گئے ان سب کے باوجود ان میں ابراہیمی دین کے بعض آثار باقی تھے گو ان میں بھی کچھ تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ مثلاً بیت اللہ کا طواف کرنا، احرام باندھنا، عمرہ کرنا، دوران حج منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں قیام کرنا اور تلبیہ کہنا وغیرہ وغیرہ۔

شرکیہ تلبیہ اور ابلیس کی ایجاد......بنی کنانہ اور قریش یہ تلبیہ کہتے تھے:

"لبیک اللّٰھم لبیک لاشریک لک، الا شریکا ھو لک تملکه وماملک"

"حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس شریک کے جس کا تو مالک ہے اور اس کے ملک کا بھی"۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور اکثر لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں مگر پھر بھی شرک کرتے ہیں یعنی توحید میں شرک کی آمیزش کرتے ہیں۔" (۱۲/۱۰۶)

سہیلی وغیرہ کا بیان ہے کہ عمرو بن لحی اس تلبیہ کا ایجاد کرنے والا ہے، اس کا قصہ یہ ہوا کہ ایک روز ابلیس ایک شیخ کے روپ میں نمودار ہوا اور عمرو بن لحی کو اس تلبیہ کی تلقین کی چنانچہ عرب نے اس کی تقلید کی۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ان کا یہ تلبیہ سنتے تو فرماتے: قد قد بس بس یہی کافی ہے۔ استثناء کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابوخزاعہ عمرو بن عامر، پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور (سائبہ) چھوڑے اور بت پرستی کی جس کی وجہ سے میں نے اسے دوزخ میں دیکھا ہے وہ اپنی آنتیں کھینچ کر چل رہا ہے"۔

ابوخزاعہ کی تحقیق......اس حدیث کا مقتضیٰ اور مطلب یہ ہے کہ عمرو، خزاعہ قبیلہ کا بانی ہے جس کی طرف پورا قبیلہ منسوب ہے۔ جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ علماء نسب کا قول ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر اس حدیث کو سرسری نظر سے دیکھیں تو یہ مفہوم ظاہر ہے بلکہ یہ نص کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر بعض اسناد میں اس کے مخالف لفظ بھی مذکور ہیں۔

بحیرہ اور سائبہ جانور کی تحقیق...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (ابو یمان، شعیب، زہری) سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے وقف ہو، اور کوئی نہ دوہے اور سائبہ وہ جانور ہے جسے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے ہیں اس پر بوجھ نہیں لادتے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے عمرو خزاعی کو دوزخ میں دیکھا ہے وہ اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے اور وہی سائبہ جانور چھوڑنے کی رسم کا شروع کرنے والا ہے۔ مذکورہ بالا متن بخاری اور مسلم کی معرفت (صالح بن کیسان، زہری، سعید) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

تعاقب اور نکتہ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت "ابن الھاد" از زہری بھی بیان کی ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب ہے کہ یہ روایت ابن الھاد، بواسطہ عبدالوہاب بن بخت، زہری سے مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت (عمرو بن سلمہ خزاعی، لیث، یزید بن الھاد، زہری، سعید) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ "ابن الھاد" اور زہری کے درمیان عبدالوہاب بن بخت راوی ذکر نہیں کیا جیسا کہ امام حاکم کا یہی قول ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد میں یہ روایت (عبدالرزاق، معمر، زہری) بھی مروی ہے۔ یہ سند منقطع اور صحیح سند زہری از سعید از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

ان دونوں روایات میں عمرو بن عامر خزاعی کا نام، صراحت سے ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبیلہ کا والد اور بانی نہیں بلکہ خزاعی قبیلہ کی طرف منسوب ہے اس میں کسی راوی نے تصحیف اور غلطی کی ہے کہ یہ ابو خزاعہ واقعی ابو خزاعہ تھا یا محض کنیت ہے اور اس سے قبیلہ کے بانی اور والد کی نشان دہی کرنا مقصود نہیں، واللہ اعلم۔

کافر کے ساتھ شکل وصورت میں مشابہت...... امام ابن اسحاق (محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی، ابو صالح سمان) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اکثم بن جون خزاعی کو مخاطب کر کے فرمایا: "میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دوزخ میں دیکھا ہے وہ اپنی آنت کھینچ رہا ہے۔ تمہاری اور اس کی ہو بہو ایک شکل ہے۔" اکثم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا مجھے یہ مشابہت نقصان دہ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بالکل نہیں، آپ (ماشاءاللہ) مومن مرد ہیں اور وہ کافر تھا وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیل میں تبدیلی پیدا کی، کعبہ میں بت نصب کئے، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی رسمیں ایجاد کیں۔" یہ حدیث مذکورہ بالا سند کے ساتھ صحاح ستہ میں نہیں یہ حدیث ابن جریر نے (ہناد بن عبدہ، محمد بن عمرو، ابی سلمہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ یہ سند بھی صحاح ستہ میں نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (محمد بن ابی یعقوب ابو عبداللہ کرمانی، حسان بن ابراہیم، یونس، زہری، عروہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے دوزخ کی آگ کو دیکھا ہے وہ بہت پر جوش ہے، ایک پر، دوسری کو توڑ کر غالب آرہی ہے اور میں نے عمرو کو اس حال میں دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنت کھینچ رہا ہے۔ وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے سائبہ کی رسم ایجاد کی۔"

امام طبرانی نے یہ روایت صالح از ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی مرفوعاً بیان کی ہے غرضیکہ ملعون عمرو بن لحی نے ملت ابراہیمی میں چند بدعات اور رسومات ایجاد کیں اور ملت ابراہیمی میں رخنہ اندازی کی اور عرب اس کی اتباع وتقلید کر کے ضلالت اور ذلت کے گہرے گڑھے میں جا گرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۱۰۳ میں ہے "اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا بحیرہ کا اور نہ سائبہ کا اور نہ وصیلہ کا اور نہ حام کا، لیکن کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور بہت سے ان میں عقل نہیں رکھتے" ان رسومات کی تشریح تفسیر ابن کثیر میں خوب بیان کی گئی ہے، وللہ الحمد

"اور یہ لوگ جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ ان کا ٹھہراتے ہیں جن کو شعور ہی نہیں اللہ کی قسم! کافرو! تم جھوٹ باندھتے ہو قیامت کے دن اس کی تم سے باز پرس ہوگی۔" (۱۶/۵۶)

"اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے

حصے میں منتقل نہیں ہوسکتا البتہ جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے شریکوں کے حصوں میں منتقل ہوسکتا ہے۔ کیسا ہی برا فیصلہ کراتے ہیں۔" (۶/۱۳۶)۔

"اور اسی طرح بہت سے مشرک یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو خوش نما بنادیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے، سوانہیں اور ان کے بہانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔" (۶/۱۳۷)

"اور کہتے ہیں جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں ہی کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور جو بچہ مردہ ہو تو مرد و عورت دونوں اس کے کھانے میں برابر ہیں، اللہ انہیں ان باتوں کی سزا دے گا"۔ (۶/۱۳۸)

عرب کی جہالت...... عرب کی جہالت کے زیر عنوان امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عرب کی جہالت اور نادانی کا اندازہ معلوم لگانا ہو تو سورۃ انعام کی آیت: ۱۴۰ پڑھے، "تحقیق خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی بناء پر قتل کیا اور اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اس رزق کو حرام کرلیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا تھا، بے شک وہ گمراہ ہوئے اور سیدھی راہ پر نہ آئے۔"

ملعون عمرو بن لحی نے مال مویشی کی مصلحت و شفقتوں کے مدنظر چند بدعات اور شرکیہ رسومات عرب میں ایجاد کیں جو کہ محض کذب و افتراء کا پلندا تھیں قوم نے اندھا دھند اس کی تقلید کی اور ملت ابراہیمی جو توحید و وحدانیت، رد شرک، تردید بت پرستی کا مجموعہ تھیں، اسے یکسر بدل ڈالا شعائر حج اور دیگر دینی امور کو تہہ و بالا کر ڈالا بغیر کسی دلیل و حجت اور علم و دانش کے، سابقہ اقوام کی ان مشرکانہ رسم و رواج سے متاثر ہوا اور نوح علیہ السلام کی قوم کی شرکیہ بدعات کو اختیار کرلیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ دنیا میں سب سے پہلے مشرک اور بت پرست تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ پہلے رسول تھے جو لوگوں کو شرک اور بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور قوم کے مشرک سربراہ اپنی قوم سے کہتے تھے کہ "تم اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑو، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کو بالکل ترک نہ کرو"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ود" وغیرہ نیک سیرت انسان تھے ان کی وفات کے بعد عقیدت مند، ان کی قبروں کے مجاور بن گئے اور رفتہ رفتہ ان کی پرستش کرنے لگے۔

بت اور ان کے پرستار...... ابن اسحاق اور دیگر مؤرخین کا کہنا ہے کہ عرب میں دین اسماعیل میں تبدیلی کے بعد انہی بتوں کی پرستش شروع ہوگئی۔

ود:...... ود بت دومۃ الجندل میں نصب تھا، بنی کلب بن مرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کا معبود تھا۔

سواع...... سواع بت کے پرستار بنی ہذیل بن الیاس تھے اور یہ "رہاط" میں نصب تھا۔ یغوث، یہ بت مقام جرش میں نصب تھا۔ طی قبیلہ کے بنی انعم اور مذحج قبیلہ کے اہل جرش اس کی پرستش کرتے تھے۔

یعوق...... یعوق یمن میں ہمدان کے علاقے میں نصب تھا اور بنی خیوان اس کی عبادت کرتے تھے۔

نسر...... یہ حمیر کے علاقے میں نصب تھا اور ذوالکلاع نامی قبیلے والے اس کی پوجا کرتے تھے۔

عم انس...... یہ قبیلہ خولان کا بت تھا وہ اپنی کھیتی باڑی اور مال مویشی کے صدقات و تبرکات اللہ تعالیٰ اور اس بت کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے اگر کچھ مال بت کے مال میں چلا جاتا تو اسے ویسے ہی رہنے دیتے (اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے) اور بت کے نام کی جو نیاز اللہ تعالیٰ کے حصہ میں شامل ہوجاتی اسے نکال کر بت کے حصہ میں داخل کر دیتے۔ اس بری رسم کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے (انعام/۱۳۶)

"اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شریکوں بتوں کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا لیکن جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے کیسا ہی

برا فیصلہ کرتے ہیں۔

سعد صخرہ ...... بنی ملکان بن کنانہ کا بت تھا اور ان کے علاقے میں نصب تھا وہ لوگ نظر و نیاز کے جانور ذبح کر کے اس پر خون کے چھینٹے مار دیتے تھے ان میں سے ایک آدمی ایک مرتبہ اپنے اونٹوں کو اس کے پاس برکت حاصل کرنے کی خاطر لایا اس کے اونٹ بت کو دیکھ کر بدک گئے تو اس نے غضبناک ہو کر اس کے سر پر ایک پتھر دے مارا اور اپنے اونٹوں کی تلاش میں بھاگ کھڑا ہوا بصد مشکل اونٹ تلاش کر کے لایا تو اس نے کہا اے سعد! اللہ تیرا ناس کرے تو نے میرے اونٹ بھگا دیئے، اور پھر یہ اشعار کہے:

اتینا الی سعد لیجمع شملنا
فشتتنا سعد فلا نحن من سعد
وھل سعد الا صخرۃ بتنوفۃ
من الأرض لا یدعو لغی ولا رشد

''ہم ''سعد'' کے پاس آئے تھے کہ ہماری بگڑی بنا دیں لیکن سعد نے الٹا ہمیں پریشان کر دیا دراصل ''سعد'' تو تنوفہ علاقے کا ایک پتھر ہے اس کا رشد اور گمراہی سے کوئی سروکار نہیں''۔

ایک بت دوس قبیلہ میں بھی تھا عمرو بن حممہ دوسی اس کا خادم اور متولی تھا (ابن اسحاق)۔

ہبل ...... یہ قریش کا بت تھا جو کعبہ کے قریب ہی بئر زم زم کے اوپر نصب تھا بقول ہشام، عمرو بن لحی خزاعی نے کعبہ میں پہلا بت یہیں نصب کیا تھا۔

اساف اور نائلہ ...... ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ زم زم کے پاس اساف اور نائلہ دو بت نصب کئے گئے تھے جن پاس وہ لوگ اپنی قربانیاں ذبح کیا کرتے تھے دراصل اساف نے نائلہ سے کعبہ میں بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم یہ بات سنتے چلے آئے ہیں کہ اساف اور نائلہ جرہم قبیلہ میں سے تھے انہوں نے کعبہ میں بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا۔

بت پرستی کا آغاز ...... ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدکاری کی مہلت ہی نہیں دی اور ان سے پہلے ہی ان کو مسخ کر دیا اور ان کو بطور عبرت صفاء اور مروہ کے پاس نصب کر دیا پھر عمرو بن لحی نے ان کو منتقل کر کے زمزم کے پاس نصب کر دیا اور لوگ ان کا طواف کرنے لگے، ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے:

وحیث ینیخ الأشعرون رکابھم بمفضی سیل من اساف ونائل

ایک بھوت ...... واقدی نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جب نائلہ بت توڑا گیا تو اس سے ایک سیاہ فام، سفید بالوں والا بھوت نکلا جو اپنے چہرے کو نوچ رہا تھا اور واویلا کر رہا تھا۔

اُجا سلمی ...... اجا ابن عبدالحی نے سلمی بنت حام سے بدکاری کی تو ان کو حجاز میں دو پہاڑوں کے درمیان تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور یہ دونوں پہاڑ اُجا سلمی کے نام سے مشہور ہو گئے، ان پہاڑوں میں طی قبیلہ کا ''فلس'' بت بھی تھا۔ (سہیلی)

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ہر محلہ میں ایک بت ہوتا تھا اہل محلہ اس کی پرستش کرتے جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا تو اس بت کو روانگی پر تبرک حاصل کرنے کے لئے چھوتا اور واپسی میں بھی گھر آنے سے پہلے اس کے حضور حاضری دیتا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو توحید کا علم دے کر مبعوث فرمایا گیا تو کفار قریش نے کہا۔ (۳۸/۵) ''کیا اس نے کئی خداؤں کی بجائے ایک اللہ تعالیٰ کو ہی کارساز قرار دے دیا ہے، یہ تو بڑی انوکھی بات ہے''۔ بقول ابن اسحاق اہل عرب نے کعبہ کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات تجویز کر رکھے تھے جن کی وہ کعبہ کی طرح ہی تعظیم و تکریم کرتے تھے، ان کا طواف

کرتے تعظیماً ان کے پاس قربانیاں ذبح کرتے۔ کعبہ کی طرح ان کے خادم ومتولی تھے لیکن ان سب کے باوجود وہ کعبہ کو سب سے افضل اور اعلیٰ سمجھتے تھے کہ اس کے بانی اور مؤسس ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

''عزیٰ'' نامی بت..... مقام نخلہ میں قریش اور بنی کنانہ کا ''عزیٰ'' بت نصب تھا اس کے متولی اور دربان بنی شیبان تھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد اس کو مسمار کر دیا تھا۔

''لات'' نامی بت..... طائف میں ثقیف قبیلہ کا بت تھا اس کے مجاور اور متولی ثقیف قبیلہ میں سے بنی معتب تھے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسے اکھاڑ پھینکا تھا۔

''منات'' نامی بت..... ساحل سمندر پر مشلل کی جانب قدید میں نصب تھا اوس وخزرج وغیرہ مدینہ کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے اسے ابوسفیان یا علی نے تہس نہس کر دیا تھا۔

''ذوالخلصہ'' نامی بت..... دوس، خثعم اور بجیلہ وغیرہ قبائل عرب کا بت تھا اور مقام تبالہ پر نصب تھا وہ لوگ اسے ''کعبہ یمانیہ'' کہتے تھے اور بیت اللہ کو ''کعبہ شامیہ'' کہتے تھے جریر بن عبداللہ بجلی نے اس کو برباد اور مسمار کر دیا۔

''رآم'' نامی عبادت گاہ..... حمیر اور اہل یمن کا معبود تھا اسے جب مسمار کیا گیا تو اس کے اندر سے ایک سیاہ کتا نکلا۔

رضاء..... بنی ربیعہ کا عبادت خانہ تھا اس کے بارے کعب بن ربیعہ بن کعب مستوغر کا شعر منقول ہے:

ولقد شددت علی رضاء شدة

فترکتها قفراً بقاع اسحما

واعان عبداللّٰہ فی مکروهها

وبمثل عبداللّٰہ اغشی المحرما

مستوغر، معز قبیلہ کا سن رسیدہ اور بوڑھا شخص تھا۔ تین سو تیس ۳۳۰/ سال زندہ رہا وہ کہتا ہے:

ولقد سئمت من الحیاة وطولها

وعمر من عدد السنین مئینا

مائة حدتها بعدها مئتان لی

وازددت من عدد الشهور سنینا

هل ما بقی الا کما قد فاتنا

یوم یمر ولیلة تحدونا

(میں طویل زندگی سے اکتا چکا ہوں میری عمر اس وقت تین سو بارہ سال ہے)۔

بقول ابن ہشام یہ اشعار زہیر بن جناب سے بھی منسوب ہیں۔

سن رسیدہ لوگ..... امام سہیلی کہتے ہیں کہن سال اور بوڑھے لوگ جو دو یا تین سو سال تک زندہ رہے، وہ چند ایک ہیں: (۱) زہیر (۲) عبید بن شریہ (۳) دغفل بن حنظلہ نسابہ (۴) ربیع بن ضبع الفزاری (۵) ذوالاصبع عدوانی (۶) نصر بن دھمان بن اشجع، اس کے تو بال بھی سفید ہو گئے تھے لیکن پھر بعد میں سیاہ ہو گئے تھے اور جھکی ہوئی کمر بھی سیدھی ہو گئی تھی۔

''ذوالکعبات'' نامی بت...... یہ بت مقام سنداد پر نصب تھا۔ بکر تغلب اور یاد قبیلے اس کی پوجا کرتے تھے۔ اعشیٰ بن قیس کہتا ہے:

بین الخورنق والسدیر وبارق و البیت ذو الشرفات من سنداد

بقول سہیلی، خوارنق قلعہ، نعمان اکبر نے اپنے بیٹے سابور کے لئے تعمیر کروایا تھا۔ بیس سال کے عرصہ میں ''سنمار'' نامی کاریگر نے یہ بے نظیر قلعہ تعمیر کیا تو نعمان نے ''سنمار'' کو قلعہ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دیا کہ کہیں کسی اور بادشاہ کا ایسا قلعہ تعمیر نہ کر دے۔
حافظ نے کتاب الحیوان میں بھی کچھ اشعار اس سے متعلق کہے ہیں۔ ''سنمار'' چاند کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے...... الغرض یہ سب عمارتیں اور بت خانے اسلام کے آغاز میں مسمار کر دیئے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے سامنے ہر بت خانے کو جس میں عبادت کا ذرا سا بھی شائبہ تھا تہس نہس کر ڈالا اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی پرستش ہونے لگی، وبہ الثقۃ

حجاز کے جد اعلیٰ عدنان کا ذکر...... باتفاق رائے، عدنان، اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ اسماعیل اور عدنان کے درمیان کتنے ''آباء'' ہیں اکثر مورخین کا خیال ہے کہ ان کے درمیان ۴۰ پشتوں کا فاصلہ اور اہل کتاب کے ہاں یہ نسب نامہ موجود ہے جو انہوں نے ''ارمیان حلقیا'' پیغمبر کے ایک منشی جس کا نام ''رخیا'' تھا، سے حاصل کیا تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے درمیان ۳۰ پشتوں کا فاصلہ ہے، بعض نے ۲۰ اور بعض نے ۱۵ اور بعض نے ۱۰، ۹، ۷ اور ۴ کا فاصلہ ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن یعقوب، عبداللہ بن وہب بن زمعہ زمعی، اپنی پھوپھی سے، ام سلمہ سے مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: معد بن عدنان بن أردبن زند بن الیری بن اعراق الثری

زند، الیری اور اعراق الثریٰ سے کیا مراد ہے...... ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زند کا نام الہمیع ہے اور الیری، نابت کا نام ہے اور اعراق الثریٰ سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لخت جگر ہیں اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ اثر انداز نہیں ہوئی جیسا کہ آگ مٹی کو نہیں جلاتی۔ امام دارقطنی کا بیان ہے کہ زند کا نام ہم نے اسی روایت میں سنا ہے۔ البتہ ابولامہ شاعر کا نام زند بن جون ہے۔ امام سہیلی وغیرہ کا بیان ہے کہ عدنان اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان چار یا دس یا بیس پشتوں سے فاصلہ کہیں زیادہ ہے کیونکہ بخت نصر کے زمانے میں معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی۔

ارمیا نبی کا ایک عجیب واقعہ...... ابوجعفر طبری کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیا بن حلیقا، نبی کی طرف وحی بھیجی کہ بخت نصر کو خبر کر دے کہ میں نے اسے عرب پر مسلط کر دیا ہے اور ارمیا پیغمبر کو حکم دیا کہ معد بن عدنان کو اپنے ساتھ لے جائے کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی پشت سے خاتم الأنبیاء ﷺ پیدا کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ ارمیا نبی معد کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کر کے شام کی طرف لے گئے معد بن عدنان نے شام میں بنی اسرائیل کے ساتھ پرورش پائی اور معانہ بن جوشن سے شادی کی پھر جب جزیرہ عرب میں امن وامان کا دور دورہ ہوا تو وہ عرب کی طرف واپس چلے آئے ارمیا نبی کے کاتب ''رخیا'' نے معد کا نسب نامہ اپنے پاس تحریر کر رکھا تھا اور معد کا نسب نامہ ارمیا نبی کے خزانہ کتب میں محفوظ تھا۔ واللہ اعلم۔

عدنان کا نسب...... اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، عدنان سے اوپر، نسب بیان کرنا مکروہ سمجھتے تھے امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے ابن اسحاق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ زبیر بن بکار اور طبری وغیرہ ائمہ نسب کے مطابق سلسلہ نسب بیان کیا ہے جو اسے مکروہ نہیں سمجھتے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنا نسب نامہ مسلسل آدم علیہ السلام تک بیان کرتا ہے تو امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے نسب کا علم کہاں سے میسر ہوا؟ اور اسے ناگوار سمجھا، پھر دریافت کیا گیا کہ اسماعیل تک نسب بیان کرنا کیسا ہے تو اسے بھی ناپسند کیا اور فرمایا: اسے کس نے بتایا؟ اور وہ انبیاء کا مسلسل نسب نامہ بیان کرنا مکروہ سمجھتے تھے اپنی کتاب میں امام معیطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے امام مالک کی طرح عروہ بن زبیر سے بھی منقول ہے ہم نے ایسا کوئی نسب داں نہیں پایا جو عدنان سے اسماعیل تک نسب جانتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عدنان اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تیس غیر معروف پشتوں کا فاصلہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ جب سلسلہ نسب عدنان تک بیان کرتے تو کہتے کہ علماء نسب غلط نسب بیان کرتے ہیں اور ابن مسعود سے بھی ایسا ہی ایک قول منقول ہے۔

نسب صرف عدنان تک بیان کیا جائے...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صرف عدنان تک نسب بیان کیا جائے "الانباہ فی معرفۃ قبائل الرواۃ" میں امام ابن عبد البر، ابن لھیعہ، ابوالاسود کی معرفت عروہ بن زبیر سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی ماہر نسب ایسا نہیں پایا جو عدنان کے بعد کا نسب جانتا ہو، عدنان کے بعد نسب بیان کرنا صرف صرف ظن و تخمینی اور وہم و گمان پر مبنی ہے۔ ابوالاسود کہتے ہیں کہ ابو بکر بن سلیمان بن ابی خیثمہ قریش کے اشعار اور ان کے انساب کا بہت بڑا عالم ماہر عالم تھا اس کا بیان ہے کہ ہم نے کسی شاعر اور عالم کو عدنان کے بعد نسب بیان کرتے نہیں سنا۔ امام ابن عبد البر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عمرو بن میمون ازدی اور محمد بن کعب قرظی علمائے نسب جب و الذین من بعدھم لایعلمھم الا اللہ (۹/ ۱۴) تلاوت کرتے تو کہتے کہ نسب دان جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔

پوری مردم شماری کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے...... امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی آدم کی پوری مردم شماری کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جو ان کا خالق ہے باقی رہا عرب کا نسب جو علمائے نسب نے اسے یاد رکھا اور بیان کیا صرف فروع نسب میں اختلاف مذکور ہے امام ابو عمر نے کہا کہ ماہرین نسب عدنان کا سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں: عدنان بن ادو بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں نسب نامہ اسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں عدنان بن اد بن ارد، باقی سب اسی طرح ہے اور اس سے آگے نسب نامہ قصہ ابراہیم علیہ السلام میں بیان ہو چکا ہے۔
باقی رہا قبائل عرب کا عدنان تک نسب نامہ تو یہ بہت مشہور ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور نبی علیہ السلام کا نسب نامہ عدنان تک روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے اور اس بارے میں ایک مرفوع روایت بھی مروی ہے جو ہم انشاءاللہ آئندہ بیان کریں گے۔

شجرہ طیبہ...... رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب امام ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی معروف بہ ابن شرشیر ۲۹۳ھ ایک فصیح و بلیغ قصیدے میں بیان کیا ہے:

مدحت رسول اللہ ابغی بمدحہ　　　وفور حظی من کریم المآرب

(میں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح بیان کی ہے جس سے میرا مقصد اللہ تعالیٰ سے وافر حظ و نصیب کا حصول ہے)۔
امام ابن عبد البر اور شیخ حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے تاریخ بغداد (ج ۱۰ ص ۹۲) پر لکھا ہے کہ اس نے تقریباً چار ہزار کا قصیدہ ایک ہی قافیے پر کہا تھا۔

ابن شرشیر...... ابوالعباس رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ناشی عرف ابن شرشیر انبار میں پیدا ہوا، بغداد آیا اور وہاں سے مصر منتقل ہو گیا اور مصر میں ہی ۲۹۳ھ میں انتقال ہوا یہ معتزلی تھا اور "علم کلام" کا ماہر تھا "مقالات" میں شیخ ابوالحسن اشعری معتزلہ کے اقوال اس سے نقل کرتے ہیں، قادر الکلام شاعر تھا، شعراء سے مقابلہ ہوتا تو ان کے معانی اور مطالب کے برعکس اشعار منظوم کرتا اور نئے انداز میں فصیح و بلیغ معانی پیدا کرتا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کو دماغی خلل اور جنون کا عارضہ لاحق تھا امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے شجرہ نسب کا قصیدہ امام موصوف کی قادر الکلامی، فصاحت و بلاغت، علم فہم، حفظ اور یادداشت کا کھلا ثبوت ہے۔

حجازی عربوں کا عدنان تک سلسلہ نسب...... معد اور عک عدنان کے بیٹے ہیں۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق عدنان کے بیٹے حارث اور مذہب بھی ہیں اور آپ کا ایک اور بیٹا ضحاک بھی ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ضحاک معد کا بیٹا ہے عدنان کا نہیں طبری کے مطابق ابین اور

عدن بھی عدنان کے بیٹے ہیں اور عدن کے نام پر ''عدن'' شہر بھی آباد ہے۔

عک...... عک نے اشعر قبیلہ میں شادی کر لی تھی اور اہل یمن کا خیال ہے کہ وہ عک بن عدنان بن عبداللہ بن ازد بن یغوث کی اور بعض حضرات کہتے ہیں عک بن عدنان بن ذیب۔ بعض نے ذیب کی جگہ عدنان بن ریث کہا ہے۔ بن عبداللہ بن اسد اور صحیح یہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ عک ''عدنانی'' ہیں ''قحطانی'' نہیں۔ عباس بن مرداس نے کہا:

وعک بن عدنان الذين تلعبوا بغسان حتى طردوا كل مطرد

اولاد معد...... معد کے چار بیٹے ہیں (۱) قضاعہ (۲) نزار (۳) قنص (۴) اور ایاد، ان میں قضاعہ سب سے بڑا بیٹا تھا اور اسی کے نام پر اس کی کنیت ''ابو قضاعہ'' تھی۔ قضاعہ کے بارے میں اختلاف ہم بیان کر چکے ہیں لیکن ابن اسحاق وغیرہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

اولاد قنص...... قنص کی کوئی اولاد نہ رہی، سوائے نعمان بن منذر کے جو حیرہ میں کسریٰ کا نائب تھا۔ اور یہ قول بعض اسلاف کا ہے لیکن بعض مؤرخ، نعمان کو حمیر کی نسل سے بتاتے ہیں، واللہ اعلم۔

اولاد نزار...... نزار کی اولاد میں، ربیعہ، مضر، اور انمار ہیں۔ بقول ابن ہشام ایک بیٹے کا نام ایاد بھی ہے:

وفتو حسنن أو جههم من اياد بن نزار بن معد

ایاد اور مضر حقیقی بھائی ہیں والدہ کا نام سودہ بنت عک ہے ربیعہ اور انمار کی والدہ کا نام، شقیقہ یا جمعہ بنت عک بن عدنان ہے ابن اسحاق کے مطابق، خثعم اور بجیلہ یہ دونوں انمار کے بیٹے ہیں اور جریر بن عبداللہ بجلی بجیلہ قبیلہ کے چشم و چراغ ہیں۔ یہ لوگ یمن میں آباد ہو گئے تھے، ابن ہشام کے مطابق اہل یمن یہ نسب بیان کرتے ہیں: انمار بن اراش بن لحیان بن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''سبا'' کے بیان میں مذکورہ روایت اس نسب کی صحت پر کھلا ثبوت ہے۔ واللہ اعلم۔

مضر...... یہ پہلا حدی خوان آدمی تھا، یہ بڑا خوش الحان تھا، ایک دفعہ اونٹ سے گر کر اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور وہ (وایدیاہ وایدیاہ) اونٹ اس کی یہ خوش الحانی سن کر تیز دوڑنے لگے۔

اولاد مضر...... مضر کے دو بیٹے ہیں (۱) الیاس (۲) اور عیلان۔ الیاس...... الیاس کے دو بیٹے ہیں:
(۱) مدرکہ (۲) اور طابخہ، قمعہ ان کی والدہ ہے، خندف بنت عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

طابخہ اور مدرکہ کی وجہ تسمیہ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مدرکہ کا نام عامر تھا اور طابخہ کا نام عمرو تھا، یہ دونوں شکاری تھے، ایک مرتبہ شکار کا گوشت پکا رہے تھے کہ ان کے اونٹ بھاگ نکلے، عامر ان کی تلاش میں چلا گیا اور ان کو لے آیا، عمرو گوشت پکاتا رہا، جب یہ قصہ باپ کو سنایا تو اس نے عامر کو کہا تو مدرکہ ہے اور عمرو کو طابخہ کہا۔ مضر کے نسب دان بیان کرتے ہیں کہ ''خزاعہ'' عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس کی اولاد ہیں۔ لیکن امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عمرو بن لحی ان میں سے ایک فرد ہے اور یہ قبیلہ کا مورث اعلیٰ نہیں ہے اور یہ خزاعہ حمیر قبیلہ سے ہے، واللہ اعلم۔

اولاد مدرکہ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مدرکہ کے دو بیٹے ہیں (۱) خزیمہ (۲) اور ہذیل، ان کی والدہ قضاعی خاتون ہیں۔

اولاد خزیمہ...... خزیمہ کے چار بیٹے ہیں (۱) کنانہ (۲) اسد (۳) اسدہ (۴) اور ہون۔ اور بقول طبری رحمۃ اللہ علیہ، عامر حارث، نضیر، غنم، سعد، عوف، جرول، حدال، اور غزوان بھی اس کے بیٹوں میں سے ہیں۔

اولاد کنانہ...... کنانہ کی اولاد میں (۱) نضر (۲) ملک (۳) عبد مناۃ (۴) اور ملکان ہیں۔

قریش (بنی نضر) کے نسب وفضل اور اس کے اشتقاق کا ذکر

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ نضر کی والدہ برہ بنت مر بن اد بن طابخہ ہے اور باقی دوسری بیوی سے ہے۔ لیکن ابن ہشام کا بیان ہے کہ نضر، ملک اور ملکان کی والدہ برہ ہے اور عبد مناۃ کی والدہ ہالہ بنت سوید بن غطریف از دشنوءہ میں سے ہے۔

قریش کے بارے میں دو اقوال...... ابن ہشام کا بیان ہے نضر ہی قریش ہے جو اس کی اولاد سے ہے وہ قریشی ہے اور جو اس کی اولاد میں سے نہیں وہ قریشی نہیں، بعض حضرات کہتے ہیں فہر بن مالک بن کنانہ ہی قریش ہے، اس کی نسل قریشی ہے اور جو اس کی نسل سے نہیں وہ قریشی نہیں۔

یہ دونوں اقوال شیخ ابو عمر بن عبدالبر، زبیر بن بکار اور مصعب بن زبیر وغیرہ ائمہ نسب سے منقول ہیں۔ ابو عبیدہ اور ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اسعد بن قیس کی حدیث کے موجب نضر بن کنانہ ہی قریش ہیں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہشام بن محمد بن سائب کلبی، ابو عبیدہ معمر بن مثنی کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

ابن عبدالبر کا مختار قول یہ ہے کہ قریش فہر بن مالک کی اولاد ہیں۔ زبیر بن بکار، مصعب زبیری اور علی بن کیسان وغیرہ کا یہی پسندیدہ قول ہے۔

زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ قریش کے نسب دان علماء کا اجماع ہے کہ قریش فہر بن مالک کی نسل سے ہی ہیں۔ فہر بن مالک کی اولاد قریشی ہے اور اس کے علاوہ کسی کی اولاد قریشی کہلانے کا حق نہیں رکھتی اور ابن بکار نے اس قول کی بھرپور تائید کی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کلیب بن وائل سے نقل کیا ہے کہ میں نے زینب بنت ابوسلمہ، نبی علیہ السلام کی ربیبہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ مضر قبیلہ سے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا: آپ ﷺ مضر قبیلہ میں سے نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے۔

قبیلہ کندہ...... طبرانی میں جشیش کندی کا بیان ہے کہ کندہ قبیلہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا (انت منا وادعوہ) آپ ہمارے قبیلہ سے ہیں اور انہوں نے اس بات کا دعویٰ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل نہیں، ہم تو نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں۔ ہم اپنی ماں پر چوری اور بدکاری کا الزام نہیں لگاتے اور نہ ہی اپنے باپ کے نسب سے الگ ہوتے ہیں۔

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں...... امام ابوعثمان سعید بن یحییٰ (از ابو یحییٰ، کلبی، ابوصالح) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جشیش کندی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم سمجھتے ہیں کہ عبد مناف ہم سے ہیں۔ اس نے یہ جملہ تین بار کہا اور آپ ﷺ نے مسلسل اس سے اعراض فرمایا اور کہ: ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں لانقفو امنا ولا ننتفی من ابینا تو اشعث نے کہا تو پہلی بار ہی کہہ کر خاموش کیوں نہ ہوا، چنانچہ ان کا دعویٰ کرنا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک ہی سے باطل ہو گیا یہ سند غریب ہے اور کلبی کی وجہ سے ضعیف بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں اشعث بن قیس کندی سے مروی ہے کہ میں کندہ کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور وہ مجھے اپنے سے بہتر نہ سمجھتے تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا خیال ہے کہ آپ ہمارے قبیلہ سے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ''لانقفو امنا ولا ننتفی من ابینا'' تو اشعث نے کہا: واللہ! اگر میں کسی کو قریش کی نضر بن کنانہ سے نفی کرتے ہوئے سنوں گا تو اس پر حد جاری کر دوں گا۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حماد بن سلمہ کی سند سے یہ بیان کیا ہے یہ سند نہایت عمدہ اور قوی ہے اور اس باب میں فیصلہ کن بھی ہے۔ لھذا اس سے مخالف قول التفات کے قابل بھی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم، وللہ الحمد۔

جریر بن عطیہ تمیمی، خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا مدح سرا ہے:

فـمـا الأم الـتـی ولـدت قـریـشـاً
بـمـقـرفـة الـنـجـار ولا عـقـیـم
ومـا قـوم بـانـجـب مـن ابـیـکـم
ولا خـال بـاكـرم مـن تـمـیـم

(جس ماں نے قریش کو جنا ہے نہ وہ دوغلی نسل والی ہے اور نہ ہی وہ بانجھ ہے کوئی رئیس تمہارے باپ سے اعلیٰ نہیں اور نہ کوئی ماموں، تمیم بن مرہ (برادر برہ بنت مر نضر بن کنانہ کی والدہ) سے افضل ہے۔ (قال ابن ہشام)

قریش کی لفظی تحقیق......لفظ قریش "تقرش" سے مشتق ہے اور اس کے معنی انتشار و خلفشار کے بعد جمع کرنے کے ہیں یہ لوگ قصی بن کلاب کے زمانے میں مختلف مقامات پر آباد تھے، قصی نے ان سب کو جمع کر کے حرم میں بسایا۔ حزافہ بن غانم عدوی نے اپنے شعر میں کہا:

أبو کم قصی کان یدعی مجمعا به جمع الله القبائل من فهر

"تمہارے والد قصی جامع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ فہر کو ان کے ذریعہ جمع کیا ہے۔"

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قریش قصی کا نام ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ قریش: تقرش، بہ معنی جمع سے ماخوذ ہیں جیسا کہ ابوخلدہ یشکری نے کہا

اخوة قرشوا الذنوب علینا فی حدیث من دهرنا وقدیم

"ماضی اور حال میں بھائیوں نے ہم سب پر گناہوں کا الزام لگایا"۔

قریش کی وجہ تسمیہ......بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش کلما خذ تقرش، معنی کسب و تجارت ہے (ابن ہشام)۔

جوہری لغوی سے یہ منقول ہے کہ قریش کا معنی کسب اور جمع کرنے کے آتے ہیں۔ فراء کا بیان ہے کہ یہی قریش کی وجہ تسمیہ ہے اس قبیلہ کا جداعلیٰ نضر بن کنانہ ہے۔ اسی کی اولاد قریشی ہے، کنانہ کے دوسرے لڑکوں کی اولاد قریشی نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ "تقرش" معنی تلاش و جستجو اور کھوج لگانے سے ماخوذ ہے، ہشام بن کلبی کا بیان ہے کہ نضر بن کنانہ کو قریش اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے اپنے مال و دولت سے پوری کیا کرتا تھا اور اس کی اولاد بھی، ایام حج میں حاجیوں سے ہر قسم کا تعاون کرتی تھی۔ لہٰذا وہ قریش کے نام سے مشہور ہو گئے اور تقرش بہ معنی تفتیش کے سلسلہ میں حارث بن حلذہ کا شعر ہے:

أیها الناطق المقرش عنا عند عمر و فهل له ابقاء

بعض لوگ کہتے ہیں کہ: قریش، قرش کی تصغیر ہے اور یہ ایک بحری جانور ہے۔ کسی نے کہا:

وقریش هی التی تسکن البحر بها قریش قریشا

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ تو بتایا کہ قریش ایک عظیم اور قوی بحری جانور کا نام ہے وہ ہر چھوٹے بڑے جانور کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی استشہاد اور دلیل پیش کیجئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جمحی کے درج ذیل اشعار سنائے:

وقریش هی التی تسکن البحر
بها سمیت قریش قریشا
تاکل الغث و السمین لا
تترکن لذی الجناحین ریشا
هکذا فی البلاد حی قریش
یاکلون البلاد أکلا کمیشا
ولهم آخر الزمان نبی
یکثر القتل فیهم و الخموشا

"قریش ایک بحری جانور ہے اسی وجہ سے قریش قبیلہ کو قریش کہتے ہیں وہ ہر چھوٹے موٹے جانور کو کھا جاتا ہے اور کسی بازوؤں والے کے پر کو نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح علاقے میں قبیلہ قریش ہے جو علاقے کے لوگوں کو کھا کر فنا کر دیتے ہیں۔ ان کا آخر

الزمان نبی ہے، ان میں اکثر قتل اور زخمی کرے گا''۔

بعض کا کہنا ہے کہ قریش بن حارث بن یخلد بن نضر بن کنانہ کی وجہ سے قبیلے کا نام مشہور ہوا وہ بنی نضر کا راہ نما تھا اور اس کے بیٹے بدر بن قریش نے وہ کنواں تعمیر کیا تھا جس کے پاس رمضان ۲ھ میں ایک عظیم معرکہ پیش آیا تھا یہ معرکہ ''غزوہ بدر'' کے نام سے موسوم ہوا۔

قریش کی نسبت......قریش کی نسبت قرشی اور قریشی دونوں طرح منقول ہے۔ بقول جوہری یہی قرین قیاس ہے۔ اگر قریش سے قبیلہ مراد ہو تو غیر منصرف ہے اور اگر حسی مراد ہو تو یہ لفظ منصرف ہے۔

لكل قريشي عليه مهابة　　سريع الى داعي الندا و التكرم

''ہر قریشی کی ایک الگ حیثیت اور مقام ہے سخاوت اور اکرام میں جلدی کرنے میں۔''

بنی ہاشم سے نبوت کا انتخاب......مسلم شریف میں واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اولاد اسماعیل علیہ السلام سے اللہ نے کنانہ کو ممتاز کیا اور کنانہ سے قریش کا انتخاب کیا اور قریش سے ہاشم کو منتخب اور بنی ہاشم سے مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ بنو عبدالمطلب حضور ﷺ کے ''فصیلۃ'' ہیں اور بنو ہاشم ''فخذ'' ہیں۔ اور عبد مناف ''بطن'' ہے اور قریش ''عمارت'' ہے اور بنو کنانہ قبیلہ ہے اور قبیلہ ''حضر'' شعب ہے۔

اولاد نضر......نضر کے تین بیٹے ہیں (۱) مالک (۲) مخلد (۳) اور صلت، اور ان سب کی والدہ بنت سعد بن ظرب عدوانی کثیر بن عبدالرحمن ہیں، کثیر عزہ خزاعی (یکے از بنی ملیح بن عمرو) نے کہا:

أليس أبي بالصلت أم ليس اخوني　　لكل هجان من بني النضر أزهرا

رأيت ثياب العصب مختط السدى بناوبهم والحضرمي المخصرا فان لم تكونوا من بني النضر فاتركوا اراكابأذناب الفوائح اخضرا.

ابن ہشام کا بیان ہے کہ بنی ملیح بن عمرو، صلت بن نضر کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

اولاد مالک......مالک کے بیٹے فہر ہیں اور اس کی والدہ جندلہ بنت حارث بن مضاض الاصغر ہے۔

اولاد فہر......فہر کے تین بیٹے ہیں (۱) غالب (۲) محارب (۳) اور اسد، اور ان کی والدہ لیلیٰ بنت سعد بن ہذیل بن مدرکہ ہے، اور ان کی ایک بہن ہے جس کا نام جندلہ ہے۔

اولاد غالب......غالب کے دو بیٹے ہیں (۱) لوی (۲) تیم، یہ بنی ادرم کے نام سے معروف ہیں ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو خزاعی ہیں (وهي أم لوی)

اولاد لوی......لوی کے چار بیٹے ہیں (۱) کعب (۲) عامر (۳) اُسامہ (۴) عوف، اور بقول ابن ہشام حارث سعد اور خزیمہ بھی ان کے بیٹے ہیں۔

سانپ کا اُسامہ کو ڈسنا......ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اُسامہ بن لوی کا اپنے بھائی عامر سے کچھ جھگڑا اور اختلاف تھا، عامر نے جب اسے ڈرایا دھمکایا تو وہ گھر بار چھوڑ کر عمان کی طرف نکل گیا وہاں ایک دن اونٹنی چرا رہا تھا کہ اس اونٹنی کے ہونٹ سے ایک سانپ لپٹ گیا اور وہ ہلاک ہوگئی اور پھر سانپ نے اُسامہ کو بھی ڈس لیا اور اس طرح وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ اُسامہ نے حالت نزع میں زمین پر یہ اشعار تحریر کیے:

عين فابكي لسامة بن لؤى

علقت ما بسامة العلاقه

لا اری مثل سامة بن لؤی
یوم حلوا بہ قتیلا لناقہ
بلغا عامرا وکعبا رسولاً
أن نفسی الیہما مشتاقہ
ان تکن فی عمان داری فانی
غالبی خرجت من غیر فاقہ

''اے آنکھ! تو سامہ پر آنسو بہا، سامہ کے ساتھ کچھ چمٹ گیا، میں نے سامہ جیسا کسی کو بھی نہیں دیکھا جب انہوں نے قتیل ناقہ کو قبر میں اتارا۔ عامر اور کعب کو بتا دو کہ میرا دل ان کی طرف مائل ہے اگر چہ میں عمان میں آیا ہوں میں غالب کی اولاد ہوں وہاں سے بغیر کسی فقر و فاقہ کے آیا ہوں۔''

رب کأس ہرقت یا ابن لؤی
حذر الموت لم تکن مہراقہ
رمت دفع الحتوف یا ابن لؤی
ما لمن رام ذاک بالحتف طاقہ
وخروس السری ترکت رزیا
بعد جد وجدۃ ورشاقہ

''اے ابن لوی! تو نے موت کے خوف سے بہت سے لوگوں کی جان کے وہ پیالے بہائے جو بہانے کے قابل بھی نہ تھے۔
اے ابن لوی! تو نے موت کو روکنے کی کوشش کی، حالانکہ موت کو روکنے کی کسی کو بھی طاقت نہیں''۔

سامہ شاعر؟...... ابن ہشام کا بیان ہے کہ سامہ کی اولاد میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنا نسب نامہ سامہ بن لوی تک بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا سامہ شاعر؟ تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کا اشارہ سامہ کے اس شعر کی طرف ہے:

رب کأس ہرقت یابن لؤی لحذر الموت لم تکن مہراقہ

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

سامہ کی اولاد کے بارے میں اختلاف...... سہیلی نے کسی سے بیان کیا ہے کہ سامہ کی کوئی اولاد نہیں تھی اور زبیر کا بیان ہے کہ سامہ بن لوی کی اولاد ہے۔ غالب، نبیت اور حارث اور یہ لوگ عراق میں مقیم تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے ان میں سے ایک شخص جس کا نام ''علی بن جعد'' تھا وہ اپنے والد کو صرف اس وجہ سے برا بھلا کہتا تھا کہ اس نے ''علی'' نام کیوں رکھا۔ محمد بن عرعرہ بن الیزید (م ۲۱۳ھ) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استاذ بھی سامہ بن لوی کی نسل سے ہے۔

ثعلبہ اور عوف...... عوف قریش کے ایک قافلے میں شامل ہو کر روانہ ہوا، جب غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان کے علاقے میں پہنچا تو وہ کسی وجہ سے قافلہ والوں سے پیچھے رہ گیا اور قافلہ اسے چھوڑ کر کوچ کر گیا تو ثعلبہ بن سعد ذبیانی اس اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے ساتھ مواخات قائم کر کے اپنے قبیلہ میں کسی لڑکی سے اس کی شادی کروادی۔ چنانچہ ذبیان اور ثعلبہ میں اس کی نسل پھیل گئی۔

بنی مرہ بن عوف...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں کسی قبیلے کو اپنے ساتھ ملحق کرنا چاہتا تو ''بنی مرہ بن

عوف'' کو اپنے ساتھ ملحق کر لیتا کیونکہ ہم ان کے عادات و خصال کی اپنے ساتھ مشابہت پاتے ہیں اور اس کے علاوہ، عوف کی گمشدگی کو بھی جانتے ہیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا اگر چاہو تو تم اپنے اصل نسب کی طرف منسوب ہو سکتے ہو۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ لوگ غطفان کے شرکاء تھے، ان کے زعیم اور قائد تھے اور بڑے نامور قسم کے لوگ تھے اور اسی نسب پر قائم رہے جب کوئی شخص ان کے پاس ''عوف بن لوی'' کی نسل سے ہونا بیان کرتا تو مثبت اور منفی کوئی جواب نہ دیتے بلکہ خاموش ہی رہتے تھے۔

رسم بسل ..... غطفان قبائل میں ان کی قدر و منزلت اور عزت کا ہر کوئی معترف تھا یہ لوگ سال بھر کے بارہ مہینوں میں سے ''آٹھ ماہ'' کو محترم قرار دیتے تھے اور یہ رسم بسل کے نام سے مشہور تھی اور عرب لوگ ان کے ساتھ آٹھ مہینے امن و امان سے بسر کرتے تھے۔

قبیلہ ربیعہ اور مضر ..... ربیعہ اور مضر سال میں چار مہینوں کو محترم سمجھتے تھے جن میں تین ماہ مسلسل، ذی قعد، ذوالحج اور محرم، چوتھے مہینے میں ان کا باہمی اختلاف تھا۔ ربیعہ رمضان کو حرام قرار دیتے تھے اور مضر رجب کو محترم قرار دیتے تھے۔

نبی علیہ السلام کا فرمان ..... حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: زمانہ گھوم گھوم کر اپنی اصل شکل و صورت میں رونما ہو چکا ہے،'' سال میں بارہ ماہ ہیں چار ماہ ان میں محترم ہیں۔ تین متواتر پے در پے ہیں یعنی ۱۱۔۱۲۔ اور سال کا پہلا مہینہ اور رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان میں ہے، نبی علیہ السلام نے اس اختلاف کو ختم کر دیا اور مضر کے عقیدے کو ترجیح دی اس لئے ''رجب مضر'' مشہور ہوا۔ اور ''چار ماہ'' حرام قرار دے کر رسم بسل کی بیخ کنی فرمائی کہ وہ چار ماہ کی بجائے آٹھ ماہ کو حرام قرار دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اضافہ اور افراط کے مرتکب تھے اور اسی طرح تین ماہ مسلسل بیان فرما کر رسم ''نسیء'' کی تردید فرمائی کہ وہ ماہ محرم کی بجائے صفر کو حرام قرار دیتے تھے۔

اولاد کعب ..... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ کعب بن لوی کے تین بیٹے تھے (۱) مرہ (۲) عدی (۳) ہصیص۔

اولاد مرۃ ..... (۱) کلاب بن مرۃ (۲) تیم بن مرۃ (۳) یقظہ بن مرۃ۔ تین ماں سے تین بیٹے اس کے پیدا ہوئے۔

اولاد کلاب ..... کلاب کے دو بیٹے تھے (۱) قصی (۲) زہرہ، اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد بن سیل جدری ہے یکے از جعثمہ اسدی یمنی، حلیف بن دیل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ اس کے والد کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

ما نری فی الناس شخصا واحدا
من علمناه کسعد بن سیل
فارسا أضبط فیه عسرة
واذا ما واقف القرن نزل
فارسا یستدرج الخیل کما
استدرج الحر القطامی الحجل

(ہم نے سعد بن سیل جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا)۔

سیل کا اصل نام اور ''جدری'' کہنے کی اصل وجہ سہیلی کہتے ہیں کہ ''سیل'' کا نام خیر بن جمالہ ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس کے لئے تلوار پر سیم و زر کی صناعت سازی ہوئی۔ اس کو ''جسری'' اس وجہ سے کہتے ہیں کہ عامر بن عمرو بن خزیمہ بن جعثمہ نے حارث بن مضاض جرہمی کی بیٹی سے شادی کی اور جرہمی اس وقت بیت اللہ کے متولی تھے، عامر نے کعبہ کی ایک ''جدار'' (دیوار) تعمیر تو اسے لوگ ''جادر'' کہنے لگے اور اس طرح اس کی اولاد ''جدرہ'' کے نام سے مشہور ہو گئی۔

قصی بن کلاب کا ذکر اور بیت اللہ کی تولیت کو خزاعہ سے چھین کر قریش کے سپرد کرنا

کلاب کی وفات کے بعد قصی کی والدہ، فاطمہ بنت سعد سے عذرہ قبیلہ کے ربیعہ بن حرام نے نکاح کر لیا اور فاطمہ اور اس کے بیٹے قصی کو اپنے گاؤں میں لے آیا۔ قصی عالم شباب میں مکہ واپس آیا اور کعبہ کے حلیل بن حبشیہ اور رئیس خزاعہ کی بیٹی ''حبی'' سے شادی کر لی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے شکم سے عبدالدار، عبد مناف اور عبد پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کثرت اولاد اور مال دولت کی فراوانی سے نوازا حلیل کو خیال آیا کہ وہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی ریاست کا سب سے زیادہ حقدار ہے کیونکہ قریش آل اسماعیل علیہ السلام ممتاز اور نامور ہیں۔ چنانچہ اس نے قریش اور بنی کنانہ سے اس بارے میں گفتگو کی کہ خزاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے جلاوطن کر دیا جائے۔ جب وہ اس کی بات پر آمادہ ہو گئے تو اس نے اپنے ماں شریک بھائی رزاح بن ربیعہ اور قضاعہ قبیلہ کے لوگوں سے تعاون کی درخواست کی۔ یہ سب قصی کے ساتھ تعاون کے لئے مستعد تھے چنانچہ قصی نے ان کو مکہ بدر کر دیا اور خود کعبہ کی تولیت پر قابض ہو گیا۔ لیکن خزاعہ قبیلہ کا خیال ہے کہ حلیل رئیس خزاعہ نے اپنے نواسوں کی کثرت کے بدولت بیت اللہ کی تولیت، قصی کے سپرد کر دی اور اسے سب سے زیادہ حقدار سمجھا۔ بقول ابن اسحاق یہ بات صرف اسی سے منقول ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان دو باتوں میں سے کون سی بات سچ ہے۔

قبیلہ صوفہ...... حجاج کرام کی نقل و حرکت کا اہتمام ''صوفہ قبیلہ'' یعنی بنی غوث بن مر بن اد بن طابخہ کے ذمہ تھا۔ رمی جمار اور منیٰ سے واپسی ان کے حکم کے تابع تھی، جب ان کی نسل ختم ہو گئی تو سب سے پہلے یہ فریضہ صفوان بن حارث بن شجنہ بن عطارد بن عوف بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم نے سرانجام دیا پھر اس کے بعد یہ فریضہ کرب بن صفوان کے سپرد ہوا اور اسلامی دور آ گیا۔

قبیلہ عدوان اور ابوسیارہ عمیلہ...... مزدلفہ سے واپسی کا بڑا اہتمام ''عدوان'' قبیلہ میں کیا جاتا تھا۔ اسلام کے ظہور کے وقت یہ رسم ابوسیارہ عمیلہ (یا عاص) بن اعزل خالد، سرانجام دیا کرتا تھا۔ وہ ایک آنکھ والی کانی گدھی پر سوار ہو کر یہ رسم چالیس سال تک ادا کرتا رہا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے یہ جملہ کہا ''أشرق ثبیر کیما نغیر'' اور سب سے اول اس نے ''سو اونٹ'' دیت مقرر کی۔

عامر عدوانی اور مسئلہ وراثت خنثہ...... عامر بن ظرب عدوانی، عدوانی عرب کے باہمی جھگڑے وغیرہ نمٹایا کرتے تھے اور وہ لوگ ان کے فیصلہ کو بڑی خوشی کیساتھ قبول کر لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عامر عدوانی کے پاس ہیجڑے اور خنثیٰ کی وراثت کا مسئلہ پیش ہوا وہ ساری رات بڑا حیران و پریشان یہ سوچتا رہا کہ کیا فیصلہ صادر کرے۔ اس کی کنیز سخیلہ، بکریوں کی چرانے والی نے پوچھا کی بات ہے؟ آپ رات بھر جاگتے رہے، تو اس نے سارا قصہ بتایا کہ شاید مسئلہ کا کوئی حل اس کے ذہن میں ہو، کنیز نے کہا پیشاب کے مقام کے مطابق فیصلہ صادر کر دو عامر عدوانی نے یہ سنتے ہی کہا، واللہ! سخیلہ تم نے مشکل مسئلہ حل کر دیا اور عامر نے اسی کے موافق فیصلہ سنا دیا۔

استدلال کے ذریعے فیصلے کی شرعی حیثیت...... امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علامات و نشانات سے استدلال کر کے فیصلہ کرنے کا اصول، شریعت میں موجود ہے مثلاً: ''جاوٗا بقمیصہ بدم کذب'' جھوٹا خون اس وجہ سے کہا کہ قمیص پر بھیڑیے کے دانتوں کے نشان نہ تھے اسی طرح یوسف علیہ السلام کی قمیص کے آگے اور پیچھے سے پھٹنے پر زلیخا کے صدق و کذب پر استدلال کرنا۔ ایسے ہی مشتبہ عورت کے بچے سے عفت اور بدکاری پر استدلال کرنا کہ اگر بچہ نقش و نگار اور شکل و صورت والا پیدا ہو گا تو وہ حرامی ہو گا۔

رسم نسئی کا موجد اور اس کا طریقہ کار نسئی...... کی رسم کا موجد قلمس یعنی حذیفہ بن عبد بن فقیم بن عدی ہے۔ پھر یہ رسم یکے بعد دیگرے عباد بن قلمس پھر حذیفہ، قلع بن عباد، پھر امیہ بن قلع، پھر عوف بن امیہ اور پھر ابوثمامہ جنادہ بن عوف نے سرانجام دی، پھر اسلام کی آمد سے اس

رسم کا خاتمہ ہوا۔ حج سے فراغت کے بعد عرب کا اجتماع ہوتا تھا "نسئی" کی رسم سرانجام دینے والا خطاب کرتا اور حسب ضرورت ماہ محرم کو "حلال" قرار دیتا تھا اور اس کی بجائے ماہ صفر کو محترم قرار دیتا کہ حرمت والے "چار ماہ" کی تعداد پوری رہے۔ اپنے اس بے ہودہ عمل پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا۔ **اللھم انی احللت احدالصفرین الخ** ۔ اور عرب بھی اس کے فیصلہ کا احترام کرتے تھے اور اس کی اتباع کرتے تھے عمیر بن قیس عرف جدل الطعان اپنے ان اشعار میں کہتا ہے۔

لقد علمت معد أن قومی
کرام الناس ان لهم کراما
فای الناس فاتونا بوتر
وای الناس لم نعلک لجاما
ألسنا الناسئین علی معد
شهور الحل نجعلها حراما

(کیا ہم معد کے برخلاف رسم "نسی" کو سرانجام دینے والے نہیں ہیں، حلال مہینہ کو حرام قرار دے دیتے ہیں)۔

کعبہ کی تولیت کا مسئلہ اور تعمیر کا فیصلہ...... قصی اپنی قوم کا مقتداء و پیشوا اور رئیس تھا، اس نے سارے جزیرہ عرب سے متفرق قریش کو مکہ میں جمع کر دیا۔ خزاعہ اور قصی کے درمیان خوب کشت وخون اور جنگ وجدال ہوا اور آخر کار کسی کو ثالث بنانے اور حکم تسلیم کرنے پر بات چیت ہوئی۔ چنانچہ یعمر بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کو فریقین نے حکم اور منصف تسلیم کر لیا تو اس نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ کعبہ پر خزاعہ کی بہ نسبت، قصی کا حق زیادہ ہے، خزاعہ اور بنی کنانہ کے متولین کی کوئی قدر وقیمت نہیں، جس قدر خزاعہ اور بنی بکر نے قصی کے لوگ قتل کئے ہیں وہ ان کی دیت ادا کریں، کعبہ کی تولیت اور مکہ کی ریاست قصی کو بلاشرکت غیرے سپرد کر دی جائے۔ اس فیصلہ کے روز اس طرح فیصلہ کرنیکی وجہ سے یعمر کا نام "شداخ" یعنی توڑنے والا رکھ دیا گیا۔

تولیت کعبہ پر قصی کا قبضہ اور اپنے لئے عہدوں کا اختصاص...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اسطرح قصی کعبہ کی تولیت اور مکہ کی ریاست پر قابض ہو گیا، گردونواح سے قوم کے سب افراد کو اکٹھا کر لیا اور سب نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ قصی نے آل صفوان کا رمی جمار اور منیٰ سے روانگی کے اعلان کا اعزاز بدستور قائم رکھا اسی طرح آل عدوان کا مزدلفہ سے روانگی کے اعلان منصب، آل قلمس کا ماہ محرم کے مقدم، موخر کرنے کا عہدہ اور آل مرہ بن عوف کی رسم "بسل" کے وقار کو مسلسل قائم رکھا کہ وہ ان رسومات کو دین میں شامل سمجھتا تھا اور ان میں کسی بھی قسم کا تغیر درست نہیں سمجھتا تھا بالآخر اسلام نے آ کر ان بے ہودہ مناصب کا قلع قمع کیا۔ کعب کی اولاد میں سے یہ قصی واحد شخص ہے جو حکمران ہوا اور قوم نے اس کی حکمران کو تسلیم بھی کیا، حاجیوں کے کھانے سے رفادہ اور پانی پلانے کا انتظام، حجابہ اور کعبہ کی نگہبانی کا اعزاز، دار الندوہ اور مجلس مشاورت کی صدارت اور علم وغیرہ باندھنے کے منصب کو قصی نے اپنے لئے خاص کر لیا تھا اور مکہ کے تمام منصب پر خود قابض ہو گیا تھا۔

قریش البطاح اور قریش الظواہر...... قصی نے مکہ کی سرزمین میں تمام رہائشی حصے لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور سارے قریش کی رہائش کا مکہ میں انتظام کر دیا، قریش کے بعض قبائل کو پہاڑوں کے درمیان گھاٹیوں اور ہموار پتھریلے مقامات میں آباد کیا وہ **"قریش البطاح"** کے نام سے معروف ہوئے اور بعض قبائل کو گھاٹیوں سے ایک مقامات میں پہاڑوں پر بسایا وہ **"قریش الظواہر"** کے نام سے مشہور ہوئے۔

دار الندوہ...... خلاصہ یہ کہ قصی نے مکہ کے تمام مناصب اور محاصل پر قبضہ کر لیا اور "دار الندوہ" کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی، اس کا دروازہ کعبہ کی جانب کھلتا تھا، اس میں باہمی جھگڑے اور مقدمات وغیرہ کا فیصلہ ہوتا تھا، جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو ہر قبیلے کے بڑے بڑے لوگ اس میں جمع ہوتے اور باہمی مشاورت سے بات طے کرتے، جنگ کی تیاری، قافلہ تجارت کی روانگی، نکاح اور دیگر تقریبات کی رسومات بھی دار الندوہ میں

سرانجام دیتے۔

حکیم بن حزام...... بنی عبدالدار کے بعد یہ دارالندوہ حکیم بن حزام "مولود کعبہ" کی ملکیت ہوگیا جب حکیم نے یہ دارالندوۃ کی عمارت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ایک لاکھ درہم کے عوض فروخت کر دیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکیم رضی اللہ عنہ کو اس کی فروخت پر بڑی ملامت کی اور بڑا بھلا کہا کہ "تو نے قوم کی عزت اور بزرگی ایک لاکھ میں فروخت کردی" تو حکیم نے جواب میں کہا کہ آج اسلامی دور میں شرافت اور بزرگی تقویٰ اور خدا ترسی کا نام ہے، میں نے یہ دارالندوہ، شراب کے ایک مشکیزے کے عوض خریدا تھا اور اسے لاکھ درہم میں فروخت کردیا، سنو! میں تمہارے سامنے یہ ساری رقم اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں بتاؤ کون خسارے میں ہے۔(ذکرہ الدار قطنی فی أسماء رجال المؤطا)

پانی کا انتظام...... حاجیوں کے پانی کا انتظام بھی قصی کے ذمہ تھا۔ جرہم کے زمانہ سے لے کر اب تک زمزم کا کنواں نامعلوم سمت تھا، اوپر سے بالکل بند تھا اس کے اصل مقام کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔

روشنی کا انتظام...... واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ قصی وہ پہلا حکمران ہے جس نے مزدلفہ میں، عرفات سے آنے والے حاجیوں کے لئے روشنی کا انتظام کیا تاکہ صحیح راستہ پر چلے آئیں۔

ایام حج میں حاجیوں کیلئے کھانے کا انتظام اور رفادہ...... ایام حج میں وطن واپسی تک حاجیوں کے طعام کا انتظام بھی خود قصی کیا کرتا تھا، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی نے یہ اخراجات قریشی لوگوں کے ذمہ لگائے اور ان کو اکٹھا کر کے کہا اے قریشیو! تم بیت اللہ کے قرب و جوار میں ہو، مکہ کے باشندے ہو، اور اہل حرم ہو، حاجی، اللہ کے مہمان ہیں اور کعبہ کی زیارت کو آتے ہیں ان کی ضیافت اور میزبانی ایک ضروری امر ہے۔ ایام حج میں واپسی تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کرو، چنانچہ قریش سالانہ رقم جمع کرتے اور، قصی کے حوالے کر دیتے تھے اور وہ اس رقم کو ایام منیٰ میں حاجیوں کے کھانے پینے کے مصارف خرچ میں کرتے تھے۔ یہ رسم زمانہ جاہلیت میں شروع ہوئی۔ پھر اسلام آیا اس وقت بھی رہی اور آج تک جاری ہے یعنی ایام منیٰ میں اختتام حج تک "وقت کا حکمران" حاجیوں کے خورد ونوش کا اہتمام کرتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن اسحاق ۱۵۱ھ کے زمانے کے بعد یہ "دعوت عام" کی رسم ختم ہوگئی تھی۔ پھر حکومتی سطح پر بیت المال سے کچھ رقم حاجیوں کے خورد ونوش پر خرچ کی جاتی رہی اگر دیکھا جائے تو یہ ایک بہترین کارنامہ ہے لیکن اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ یہ بیت المال کے حلال ترین مال سے صرف کیا جائے اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ ذمیوں کے جزیہ کا مال حاجیوں کے لئے صرف ہو، کیونکہ وہ حج کے قائل نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص حج کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرے وہ اسلام سے بیزار ہے، خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ قصی کی مدح میں کسی نے یہ اشعار کہے:

قصی لعمری کان یدعی مجمعا
بہ جمع اللّٰہ القبائل من فہر
ھموا ملؤا البطحاء مجدا وسؤددا
وھم طردوا عنا غواۃ بنی بکر

"زندگی کی قسم! قصی کو مجمع کہا جاتا تھا، اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے فہر کے قبائل کو جمع کیا۔ انہوں نے بطحاء مکہ کو بزرگی وشرف اور سرداری سے بھر دیا انہوں نے ہم سے بنی بکر کے گمراہوں کو دور کیا"۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی جب جنگ سے فارغ ہوگیا تو رزاح بن ربیعہ اپنے دوسرے بھائیوں حسن، محمود اور جلہمہ جو کہ ربیعہ کے بیٹے ہیں کے سمیت واپس اپنے علاقہ میں چلا آیا۔ رزاح نے اپنے اشعار میں کہا:

ولما أتى من قصي رسول
فقال الرسول أجيبوا الخليلا
نهضنا اليه نقود الجياد
ونطرح عنا الملول الثقيلا
نسير بها الليل حتى الصباح
ونكمي النهار لئلا نزولا
فهن سراع كورد القطا
يجبن بنا من قصي رسولا

''جب قصی کا قاصد آیا اور اس نے کہا کہ اپنے دوست کے پیغام پر عمل کرو۔ ہم اس کی طرف عمدہ گھوڑے لے کر چلے آئے اور بوجھل تھکاوٹ کو دور کرتے چلے آئے۔ ہم رات کے وقت صبح تک سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے کہ ہم اپنے مقصد سے زائل نہ ہو جائیں۔ وہ قطاء جانور کے پانی کی تلاش میں آنے سے بھی تیز رفتار تھے وہ ہمارے ساتھ قصی کے قاصد کی بات پر لبیک کہہ رہے تھے''۔

جمعنا من السر من اشمذين
ومن كل حي جمعنا قبيلا
فيالك حلبة ما ليلة
تزيد على الالف سيبا رسيلا
فلما مررن على عسجر
وأسهلن من مستناخ سبيلا
وجاوزن بالركن من ورقان
وجاوزن بالعرج حيا حلولا

''ہم نے اشمذین کے دونوں قبائل اور ہر قبیلہ سے ایک جماعت کو ساتھ لیا۔ پس اے قصی! تیرے لئے ہے گھوڑوں کا دستہ جو ہزار سے زائد ہے اور تیری طرف خوش بخوش روانہ ہے جب وہ عسجر پہاڑ پر گزرے اور وہ مستاخ وادی سے نرم وگداز راستہ میں چلے آئے۔ اور وہ رکن مقام سے ورقان پہاڑ سے گزرے اور عرج میں سے وہاں آباد قبیلہ کے پاس سے چلے''۔

مررن على الحلى ما ذقنه
وعالجن من مر ليلا طويلا
ندني من العوذ أفلاءها
ارادة أن يسترقن الصهيلا
فلما انتهينا الى مكة
أبحنا الرجال قبيلا قبيلا
نعاورهم ثم حد السيوف
وفي كل أوب خلسنا العقولا

''ہم ''حلی'' پھل کے پاس سے گزرے اس کوانہوں نے منہ نہ لگایا اور رات بھر کوفت برداشت کی۔ ہم بچھیروں کوان کی ماؤں کے قریب کر دیتے تھے اس خیال سے کہ وہ آواز نہ نکالیں ہم نے مکہ پہنچ کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ہم وہاں تلواروں کی دھار سے مارتے تھے اور ہر بار ان کی عقل مار دیتے تھے''۔

نخبزهم بصلاب النسور
خبز القوی العزیز الذلیلا
قتلنا خزاعة فی دارها
وبکرا قتلنا وجیلا فجیلا
نفیناهم من بلاد الملیک
کما لا یحلون أرضا سهولا
فأصبح سبیهم فی الحدید
ومن کل حی شفینا الغلیلا

''ہم ان کو مضبوط لشکر سے دھکیل رہے تھے جیسے قوی غالب شخص کمزور ذلیل آدمی کو دھکیلتا ہے۔ ہم نے خزاعہ کو ان کے محلہ میں قتل کیا، بنی بکر کو اور دیگر قبائل کو۔ ہم نے ان کو مکہ سے جلاوطن کر دیا جیسے وہ اس نرم زمین میں آباد ہی نہیں ہوئے۔ ان کے قیدی ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ سے ہم نے اپنی پیاس بجھائی''۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رزاح واپس وطن چلا آیا تو اللہ نے مکہ کے حسن کو خوب برگ و بار لگایا اور وہ آج تک ''عـذرۃ'' قبیلہ کے نام سے معروف ہیں، قصی نے اس سلسلہ میں کہا:

أنا ابن العاصمین بنی لؤی
بمکة منزلی وبها ربیت
الی البطحاء قد علمت معد
ومروتها رضیت بها رضیت
فلست لغالب أن لم تأثل
بها أولاد قیذر والنبیت
رزاح ناصری وبه أسامی
فلست أخاف ضیما ما حییت

''میں لوگوں کی حفاظت کرنے والے، بنی لوی کا بیٹا ہوں مکہ میں میرا قیام ہے اور وہیں میری تربیت ہوئی ہے۔ بطحاء تک، معد اور ان کا مروہ پہاڑ جانتا ہے اور میں اس کو خوب پسند کرتا ہوں۔ میں غالب کی اولاد ہی نہیں اگر میں یہاں قیدر اور نبیت کی اولاد کو نہ جمع کروں۔ بھائی رزاح میرا مددگار ہے اور میں اس کے ساتھ بلند و بالا ہوں اور تاحیات میں کسی ظلم و تشدد سے خوف زدہ نہیں''۔

لیکن مؤرخ اموی کا بیان ہے کہ جب قصی نے خزاعہ کو مکہ بدر کر دیا تو اس کے بعد رزاح آیا تھا۔

عہدوں کے حصول پر جھگڑا اور حلف المطیبین کی وجہ تسمیہ...... قصی عمر رسیدہ ہو گیا تو اس نے (۱) رفادہ (۲) سقایہ (۳) حجابہ (۴) لواء اور (۵) دارالندوہ، یہ تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو سونپ دیئے کیونکہ اس کے دیگر بھائی عبد مناف عبد شمس اور عبد نہایت سرمایہ

دار اور قبیلہ میں معزز محترم حضرت تھے۔ والد نے اپنے بیٹے عبدالدار کو یہ مناصب دے کر ان لوگوں کے ہم پلہ کر دیا تھا بھائیوں کی زندگی میں تو یہ مناصب اور عہدے بدستور اس کے پاس رہے، وہ اس سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتے تھے، جب ان کا دور ختم ہوا تو ان کی اولاد نے ان مناصب کی تقسیم کا شوشہ چھوڑ دیا کہ قصی نے عبدالدار کو محض معاشی مساوات کے لئے یہ منصب عطا کئے تھے، اب ہم بھی ان میں برابر کے حصہ دار ہیں، یہ جھگڑا اس قدر بڑھا کہ قبیلہ دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک فریق نے عبدالدار کی بیعت کی اور اس کا حلیف ہو گیا اور دوسرے فریق نے عبد مناف کی طرف داری کی اور اس کا حلیف ہو گیا اور حلف کے وقت انہوں نے پیالہ میں خوشبو ڈال کر ہاتھوں کو اس میں رکھ دیا پھر کعبہ کی دیواروں کو یہ خوشبو لگا دی تھی اور اس وجہ سے ان کا نام ہو گیا ''حلف المطیبین'' اس کے طرف دار تھے بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بنی زہرہ، بنی تیم اور بنی حارث اور عبدالدار کی اولاد کے حامی اور مددگار تھے۔ بنی مخزوم، بنی سہم بنی جمح اور بنی عدی، ان کا نام تھا ''احلاف'' باقی رہے عامر بن لوی اور محارب بن فہر یہ سب سے الگ رہے کسی کی حمایت نہ کی۔

پھر بہ اتفاق رائے رفادہ اور سقایہ کا منصب بنی عبد مناف کو دے دیا، حجابہ لواء اور دار الندوہ کی صدارت بدستور بنی عبدالدار کے پاس رہی اور یہ تقسیم برابر جاری رہی۔ مؤرخ اموی نے اشرم کی معرفت ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے کہ خزاعہ کے بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ قصی نے حبی بنت حلیل سے شادی کی اور حلیل نے کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی کے سپرد کر دی۔ ابوغبشان سلیم بن عمرو بن لوی بن ملکان بن قصی ...... بطور نائب تولیت کے فرائض سرانجام دیا کرتا تھا، قصی نے ابوغبشان سے حق نیابت شراب کی ایک مشک اور اونٹ کے عوض خرید لیا اور یہ مثل مشہور ہو گئی (اخسر من صفقۃ ابی غبشان) (یعنی یہ تجارت ابوغبشان کے سودے سے زیادہ نقصان دہ ہے) خزاعہ کو جب اس سودے بازی کا علم ہوا تو وہ قصی پر بہت ناراض ہوا چنانچہ قصی نے اپنے بھائی رزاح بن محمود وغیرہ کا تعاون حاصل کر لیا اور تولیت کعبہ پر قابض رہا پھر قصی نے یہ سارے منصب عبدالدار کے حوالے کر دیے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے مناصب دوسرے لوگوں کے پاس تھے وہ اسی طرح رہے۔ جس کا بیان گذر گیا ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی کے چار بیٹے تھے (۱) عبد مناف، (۲) عبد شمس (۳) عبدالدار اور (۴) عبدالعزیٰ اور دو لڑکیاں (۱) تخمر اور (۲) برہ تھیں ان کی والدہ حبی بنت حلیل تھی۔

عبد مناف کی اولاد ...... ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبد مناف بن قصی کے بیٹے تین بیٹے تھے، (۱) ہاشم، (۲) عبد شمس اور (۳) مطلب۔ ان کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال ہے اور نوفل بن عبد مناف کی والدہ واقدہ بنت عمرو مازنیہ ہے اور بقول ابن ہشام، عبد مناف کی اولاد ابو عمرو ہے اور چھ بیٹیاں ہیں (۱) تماضر (۲) قلابہ (۳) حیہ (۴) ریطہ (۵) ام اخثم اور (۶) ام سفیان۔

اولاد ہاشم ...... ہاشم کے چار بیٹے ہیں (۱) عبدالمطلب (۲) اسد (۳) ابوصیفی اور (۴) نضلہ اور پانچ بیٹیاں ہیں: (۱) شفاء (۲) خالدہ (۳) ضعیفہ (۴) رقیہ (۵) حیہ۔ عبدالمطلب اور رقیہ کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار مدنیہ ہے۔

اولاد ابوالحارث عبدالمطلب بن ہاشم ...... ان کے دس بیٹے ہیں (۱) عباس (۲) حمزہ (۳) عبداللہ (۴) ابو طالب عبد مناف (۵) زبیر (۶) حارث ...... ان میں سب سے بڑا حارث تھا اور اسی کے نام پر کنیت تھی ...... (۷) جحل یا حجل اس کا لقب غیداق تھا۔ (۸) مقوم (۹) ضرار (۱۰) ابولہب عبدالعزیٰ اور چھ بیٹیاں ہیں (۱) صفیہ (۲) ام حکیم بیضاء (۳) عاتکہ (۴) امیمہ (۵) اروی (۶) اور برہ۔

عبداللہ، ابوطالب اور زبیر، نیز تمام بیٹیوں (ابجز صفیہ) کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔

عبداللہ بن عبدالمطلب ...... ان کے فرزند ارجمند محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، والدین کی طرف سے نسب میں ساری کائنات سے اشرف واعلیٰ اور مرتبہ میں سید عالم ﷺ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

زمانہ جاہلیت کی شہرہ آفاق شخصیات

خالد بن سنان عبسی...... بعض لوگ اسے نبی کہتے ہیں، واللہ اعلم۔
حافظ طبرانی (احمد بن زہیر تستری، یحییٰ بن معلیٰ بن منصور رازی، محمد بن صلت، قیس بن ربیع، سالم افطس، سعید بن جبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ خالد بن سنان کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے اس کے بیٹھنے کے لئے کپڑا بچھایا اور فرمایا: یہ اس نبی کی بیٹی ہے کہ جس نبی کو اس کی قوم نے تباہ و ضائع کر دیا۔ حافظ بزار نے یہ حدیث اسی سند سے بیان کر کے کہا ہے، یہ حدیث صرف اسی سند سے مرفوع ہے۔ قیس بن ربیع راوی بذات خود ثقہ ہے مگر اس کا محافظ کمزور ہے اس کا بیٹا اس کی "احادیث" میں اپنی طرف سے اضافہ کرتا رہتا تھا، واللہ اعلم۔
بقول امام بزار، ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت سالم افطس کی معرفت سعید بن جبیر سے مرسل بھی بیان کی ہے۔

واقعہ آتش فشاں...... حافظ ابو یعلی موصلی، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ خالد بن سنان عبسی نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا حرتین کی آگ میں تم لوگوں سے دور کر دونگا۔ تو عمارہ بن زید عبسی نے کہا واللہ! جناب خالد آپ ہر وقت سچ اور صحیح بات کہتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ حرتین کی آگ دور کر دیں گے۔ چنانچہ خالد تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر حرتین کی طرف گیا، عمارہ عبسی بھی ان کے ہمراہ تھا۔

مجھے نام لے کر نہ پکارنا...... حرتین کی آگ پہاڑ کے ایک شگاف سے ظاہر ہو رہی تھی، خالد عبسی نے ان کو لے کر ایک دائرہ کے اندر بٹھا کر کہا، اگر مجھ دیر بھی ہو جائے تو مجھے میرا نام لے کر نہ بلانا، چنانچہ حرتین سے شعلے مارتی ہوئی سرخ آگ رونما ہوئی اور خالد کہہ رہا تھا "بدا، بدا، بدا، کل هدی، زعم ابن راعية المعدی، انی لا اخرج منها و ثيابی بيدی" (رونما ہوئی، ہر ایک ہدایت یافتہ ہے، بکریوں کی چرواہی کے بیٹے کا خیال ہے کہ میں صحیح سالم واپس نہ آسکوں گا)۔

قوم نے نام لے کر پکار ڈالا...... خالد یہ فقرہ کہتا ہوا آگ کو اپنے عصا سے آگے دھکیلتا ہوا شگاف میں داخل ہو گیا اور کافی دیر تک باہر نہ آیا تو عمارہ نے کہا، اگر خالد زندہ سلامت ہوتا تو کبھی کا باہر آچکا ہوتا، حاضرین نے کہا، اس کا نام لے کر بلاؤ کسی نے کہا، اس نے نام سے پکارنے کو منع کیا تھا۔ آخر کار انھوں نے نام لے کر پکارا تو وہ اپنا سر تھامے باہر نکل آیا، تو اس نے کہا، کیا میں نے تمھیں نام سے پکارنے کو منع نہ کیا تھا، واللہ! تم نے مجھے قتل کر ڈالا، اب مجھے دفن کر دو، جب تمھارے پاس گدھوں کا قافلہ گزرے اور اس میں کوئی دم کٹا گدھا ہو، تو میری قبر اکھاڑ کر مجھے نکال لینا میں زندہ ہوں گا۔ چنانچہ اسکو دفن کر دیا گیا جب گدھوں کا قافلہ گزرا تو قبر اکھاڑنے کا ارادہ ہوا تو عبس نے کہا قبر نہ اکھاڑو، مضر قبیلہ کہے گا کہ ہم قبروں سے مردوں کو اکھاڑتے ہیں۔

دو تختیاں...... خالد عبسی نے ان سے کہا تھا، اگر تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو سنو! میری بیوی کے پاس دو تختیاں ہیں ان میں تمھاری مشکل کا حل موجود ہو گا لیکن یہ یاد رہے کہ ناپاک اور حیض والی عورت اس تختی کو ہاتھ نہ لگائے، جب اس کی بیوی سے تختیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے بحالت حیض تختیاں ان کو نکال کر دے دیں، چنانچہ جو علم ان تختیوں میں تھا وہ ختم ہو گیا۔ ابو یونس، سماک بن حرب سے بیان کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام سے اس کے بارے میں دریافت ہوا تو آپ نے فرمایا (ذاک نبی ضیعه قومه) وہ نبی تھا قوم نے اس کو ضائع کر دیا۔

یا ابن اخی...... نیز سماک بن حرب سے منقول ہے کہ خالد عبسی کا بیٹا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے ابن اخی (بھتیجے) کہہ کر خوش آمدید کہا، یہ روایت موقوف ہے اور اس میں خالد کی نبوت کا ذکر بھی نہیں، علاوہ ازیں مرسل روایت قابل حجت بھی نہیں ہوتی۔ وہ ایک نیک طبع صالح انسان تھے۔ کرامات کا مظہر تھے۔ اگر اس کا ظہور فترت عیسیٰ اور محمد ﷺ کے درمیانی عرصہ میں تھا تو بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد میں سب سے قریب نبی ہوں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہ تھا۔ اگر اس کا ظہور فترت سے قبل تھا تو بھی

درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (**ما اتاهم من نذير من قبلك**) (یٰسین/۶) کہ قریش کے پاس آپ سے قبل کوئی نبی نہیں آیا) اور بے شمار اہل علم کا قول ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

استدلال......اسی دلیل سے سہیلی وغیرہ ائمہ نے مدین والے شعیب بن ذی مہذم بن شعیب بن صفوان کی نبوت کا انکار کیا۔ ہے اور اسی طرح حنظلہ بن صفوان کی نبوت کی بھی تردید کی ہے، جس کے ظہور کا زمانہ معد بن عدنان کا زمانہ بتایا جاتا ہے کہ عرب نے ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر مسلط کر دیا۔ جس نے لوگوں کو قتل کیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا۔ جس طرح بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیک بصیرت لوگ تھے اور عوام کو رشد و ہدایت کی طرف دعوت دیتے تھے، واللہ اعلم۔

حاتم طائی......ابو سفانہ حاتم طائی بن عبداللہ (بن سعد بن حشرج بن امرائی القیس بن عدی بن احزم بن ابی احزم ہرومہ بن ربیعہ بن جرول بن ثعل بن عمرو بن غوث بن طی) حضرت عدی رضی اللہ عنہ صحابی رسول کا والد جاہلی دور کے ممدوح اور سخاوت میں ضرب المثل ہے بیٹا بھی باپ کی طرح سخاوت میں بے مثل شمار کیا جاتا ہے حاتم طائی کی بے شمار خوبیاں اور عجیب و غریب کارنامے ہیں لیکن اس تعجب خیز سخاوت اور عجیب کارناموں سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور روز قیامت میں سعادت کا حصول نہ تھا بلکہ اس کا مقصد ریا نمود اور ذکر و شہرت تھا۔

ابوبکر بزار اپنی مسند میں (محمد بن معمر، عبید بن واقد قیسی، ابو نصر ناجی، عبداللہ بن دینار) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو حاتم طائی کا ذکر ہوا تو فرمایا: اس کا جو مقصد تھا وہ اس نے پالیا (حدیث غریب) دار قطنی کا بیان ہے کہ عبید بن واقد اس میں منفرد ہے (ابو نصر ناجی سے) ابو نصر ناجی کا نام حماد ہے بقول ابن عساکر، امام حاکم نے ابو نصر ناجی اور ابو نصر حماد کو دو راوی قرار دیا ہے اور ناجی کا نام نہیں بیان کیا اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایات سے "ابو نصر شیبہ ناجی" مذکور ہے، واللہ اعلم۔

امام احمد (یزید بن اسماعیل، سفیان، سماک بن حرب، مری بن قطری) حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس میں نے اپنے والد کا ذکر کیا کہ وہ صلہ رحمی کرتا تھا اور خوب فیاض تھا، کیا اسے اس کا اجر ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے والد کا جو مقصد تھا وہ اس نے پالیا۔ ابو یعلی موصلی اور ابو القاسم بغوی نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ جلائی جائے گی (۱) وہ سخی جو مال اس لئے خرچ کرتا ہے کہ اسے فیاض اور سخی کہا جائے، لہٰذا اس کا بدلہ اسے دنیا میں مل گیا، اسی طرح (۲) مجاہد اور (۳) عالم کا حال ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن جدعان کے بارے پوچھا، کیا اس کی سخاوت اس کے کام آئے گی؟ تو آپ ﷺ فرمایا: اس کی سخاوت اس کے کچھ کام نہ آوے گی کیونکہ اس نے کبھی نہ کہا تھا "**رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین**" اے میرے پروردگار! قیامت کے دن میرے گناہوں سے درگزر فرما۔

حسن اخلاق کی قدر و قیمت......ابوبکر بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ نیکی میں کس قدر کوتاہی کرتے ہیں، مسلمان کے پاس اس کا مسلم بھائی کسی ضرورت کے سلسلے میں تعاون کے لئے حاضر ہوتا ہے جبکہ وہ تعاون سے گریز کرتا ہے اگر وہ ثواب وصلہ اور عذاب و عتاب سے بے نیاز بھی ہو تب بھی اُسے مکارم اخلاق کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے کیونکہ یہی کامرانی کی راہ ہے۔ ایک آدمی نے با ادب کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث رسول کریم ﷺ سے سنی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس سے بھی اچھی بات کہ طی قبیلہ کے اسیروں میں سے ایک لڑکی تھی سرخ فام، سرخ سیاہی مائل لب، صاف ستھری دراز گردن، ستواں ناک، درمیانہ قد، معتدل سر، پتلی کمر، چھریرا بدن، میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا، میں نے دل میں سوچا کہ رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کروں گا کہ اس کو فی ء (مال غنیمت) میں سے مجھے عطا کر دیں۔ جب وہ گویا ہوئی تو اس کی فصاحت اس کے حسن و جمال سے دو بالا اور فائق تھی اس نے عرض کیا: جناب محمد! آپ مجھے رہا فرما دیں اور قبائل عرب کی خوشی کا سامان نہ بنوائیں۔ میں رئیس قوم کی لخت جگر ہوں، میرا والد ذمہ داری اور زنار کا نگہدار تھا قیدیوں کو رہا کراتا تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، سنئے! میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکی! یہ تو سب خصلتیں مومنوں

کی ہیں، اگر تیرا باپ مومن اور مسلمان ہوتا تو ہم اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے، آپ نے حاضرین کو کہا: اسے چھوڑ دو، اس کا والد مکارم اخلاق اور عمدہ خصال کو پسند کرتا تھا، اللہ تعالیٰ بھی حسن اخلاق کو پسند کرتا ہے، ابو بردہ حضرت بن تیار رضی اللہ عنہ نے باادب کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ واللہ، اللہ تعالیٰ خوش اخلاقی کو پسند کرتا ہے! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک خوش اخلاقی جنت میں داخلہ کا موجب ہے"۔

حاتم طائی کی فیاضی...... ابن ابی دنیا، عرکی بن طائی، کے دادا سے روایت کرتے ہیں جو حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اخیافی بھائی تھا کہ حاتم طائی کی بیوی "نوار" سے کسی نے پوچھا کہ حاتم طائی کی سرگزشت سنایئے؟ تو اس نے کہا: حاتم کی ہر بات تعجب خیز تھی، ایک دفعہ سخت قحط پڑا ہر چیز تلف ہوگئی، زمین خشک ہوگئی، آسمان غبار آلود ہو گیا، ماں بچے کو دودھ پلانے سے گریزاں، دودھیل اونٹنیوں کا دودھ خشک اور ناپید، موسم سرما کی طویل رات تھی، عبداللہ، عدی اور سفانہ، بھوک سے بلک رہے تھے، بچوں کو بہلانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ حاتم ایک بچے کو گود میں لے کر بہلانے لگے، میں دوسرے کو تھپکیاں دینے لگی۔ بہت دیر بعد وہ چپ ہوئے، اسی طرح تیسرے بچے کو بھی بہلا پھسلا کر سلا دیا۔ پھر ہم نے شامی کمبل بچھایا اور بچوں کو اس پر لٹایا، میں اور حاتم بھی لیٹ گئے اور بچے ہمارے درمیان تھے حاتم مجھے سلانے کے لئے باتیں کرنے لگے، میں ان کا مطلب سمجھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں انہوں نے پوچھا سوگئی اور میں یہ سن کر خاموش رہی، تو حاتم نے کہا: معلوم ہوتا ہے سوچکی ہے حالانکہ نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔
جب رات بھیگ گئی، ستارے چھٹ گئے، آوازیں تھم گئیں، آمد ورفت رک گئی کہ گھر کا پردہ سرکا حاتم نے پوچھا، کون؟ کوئی آواز نہ آئی، میں سمجھی کہ صبح ہو چکی ہے۔ پھر وہ سرکا تو پوچھا کون؟ اس نے کہا: جناب! میں آپ کی فلاں ہمسائی ہوں، بچے بھوک سے بلک رہے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی پرسان حال نہیں حاتم نے کہا: بچوں کو فوراً لے آؤ "نوار" کہتی ہے کہ میں نے اچھل کر کہا: کیا کہہ رہے ہو؟ لیٹ جاؤ واللہ! تمہارے اپنے بچے تو بھوک سے بلک رہے ہیں تم ہمسائی کے بچوں سے کیا سلوک کر سکتے ہو؟ یہ سن کر حاتم نے کہا: واللہ! میں تجھے بھی خوب کھلاؤں گا، انشاء اللہ پھر وہ ہمسائی چھ بچوں کے ہمراہ چلی آئی، گویا وہ بچے اس کے گرد شتر مرغ کے بچے ہیں حاتم نے گھوڑا ذبح کر دیا پھر چقماق رگڑا اور آگ جلائی، گھوڑے کی کھال اتار کر چھری عورت کے ہاتھ میں تھما دی اور کہا: کھاؤ! پھر مجھے بھی کہا: اپنے بچوں کو بھی لے آؤ میں بچوں کو لے آئی تو حاتم نے کہا: محلہ داروں کے بغیر تنہا کھالینا بے مروتی ہے یہ کہہ کر اٹھا اور سب کو ایک ایک کر کے جگا لایا اور خود کپڑا اوڑھے ایک گوشہ میں لیٹ گیا واللہ! اس نے ایک لقمہ تک نہ کھایا حالانکہ وہ بھوک سے تھا صبح ہوئی تو صرف گھوڑے کی ہڈیاں باقی تھیں۔

"نوار" کی ایک خواہش...... امام دارقطنی نے حاتم طائی سے نقل کیا ہے کہ حاتم کی بیوی "نوار" نے حاتم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میری تمنا ہے کہ میں تنہا آپ کے ہمراہ کھانا تناول کروں، چنانچہ حاتم نے اس کا خیمہ الگ نصب کروادیا، کھانا تیار کرنے کو کہا اور وہ تنہا "پردے" میں بیٹھا، جب کھانا تیار ہونے کے قریب ہوا اور تناول کرنے کا وقت آیا تو حاتم نے پردہ اٹھا کر کہا:

فلا تطبخي قدري وسترك دونها
علي اذن ما تطبخين حرام
ولكن بهذاك اليفاع فاوقدي
بجزل اذا أوقدت لا بضرام

"میری ہانڈی پردے میں نہ پکا در پردہ تیار کردہ کھانا مجھ پر حرام ہے لیکن اس کھلے میدان میں جب تو آگ جلائے تو آگ خوب روشن ہو معمولی نہ ہو"۔

پھر اس نے دعوت عام کا اعلان کیا اور کھانا ختم ہونے کے بعد "نوار" نے کہا آپ نے میرا مطالبہ پورا نہ کیا تو حاتم نے کہا: تنہا خوری مجھے پسند نہیں، سخاوت اور فیاضی میرا ضمیر ہے پھر اس نے کہا:

أمارس نفسي البخل حتى أعزها

واترك نفس الجود ما استثيرها
ولا تشتكيني جارتي غير انها
اذا غاب عنها بعلها لا ازورها
سيبلغها خيري ويرجع بعلها
اليها ولم يقصر عليها ستورها
اذا ما ابت اشرب فوق ري
لسكر في الشراب فلا رويت

''میں بخل کی عادت ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ شاق گزرتا ہے اور میں سخاوت کو ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہمسایہ عورت میرا شکوہ کرتی علاوہ ازیں اس کے خاوند کی غیر موجودگی میں، اس کے پاس نہیں جاتا۔ اس کے خاوند کی آمد تک میری سخاوت اس کو میسر ہوتی ہے۔ جب میں شکم سیر ہونے سے زائد تنہا قورے نوش کروں تو سیراب نہ ہوں''۔

اذا ما ابت اختل عرس جاري
ليخفيني الظلام فلا خفيت
أ أفضح جارتي واخون جاري
فلا والله افعل ما حييت
ما ضر جاراً لي اجاوره
أن لا يكون لبابه ستر
أغضي اذا ما جارتي برزت
حتى يواري جارتي الخدر

''جب میں اپنے ہمسایہ کی بیوی سے فریب کروں کہ مجھے رات کی تاریکی چھپا لے تو میں چھپ نہ سکوں۔ کیا میں اپنی ہمسائی کو رسوا کروں اور ہمسایہ کی خیانت کروں، واللہ! میں تاحیات یہ نہ کر سکوں۔ میرے ہمسایہ کے در پر پردہ نہ ہونا، نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ جب میری ہمسائی باہر آتی ہے تو میں اس کے پردہ میں داخل ہونے تک نگاہ بند رکھتا ہوں''۔

وما من شيمتي شتم ابن عمي
وما كنا مخلف من يرتجيني
وكلمة حاسد من غير جرم
سمعت وقلت مري فانقذيني
وعابوها علي فلم تعبني
ولم يعرق لها يوما جبيني
وذي وجهين يلقاني طليقا
وليس اذا تغيب ياتسيني

''اپنے چچا زاد بھائی کو گالی گلوچ دینا میری عادت نہیں، میں اپنے امیدوار کو ناکام اور مایوس نہیں رکھتا۔ بلاوجہ حاسدانہ بات میں سنتا ہوں اور ایسی بات کو کہتا ہوں کہ چلی جا اور مجھے چھوڑ دے۔ وہ نکتہ چینی کرتے ہیں اور وہ مجھے معیوب نہیں اور نہ میری جبیں عرق آلود ہوتی ہے۔ منافق اور دوغلہ آدمی مجھے خندہ پیشانی سے ملتا ہے اور عدم موجودگی میں میرا غم خوار نہیں ہوتا''۔

سلی البائس المقرور یا ام مالک
اذا ما أتانی بین ناری ومجزری
أأبسط وجهی انه أول القری
وابذل معروفی له دون منکری
وانک ان أعطیت بطنک سؤله
وفرجک نالا منتهی الذم اجمعا
ظفرت بعیبه فکففت عنه
محافظة علی حسبی ودینی

''اے ام مالک تو فاقہ زدہ فقیر اور محتاج سے پوچھ، جب وہ میرے ہاں کھانا تیار ہونے کے وقت آئے۔ کیا میں اس سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہوں؟ یہ مہمان نوازی کا آغاز وابتدا ہے اور میں بغیر رنجش کے اس کو مہمانی پیش کرتا ہوں۔ اگر تو شکم وشرمگاہ کا ہر مطلب پورا کرے گا تو مذمت ورسوائی کی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ مجھے اپنے عیوب معلوم ہیں لیکن میں ان سے اپنے دین اور خاندانی شرافت کی حفاظت کے لئے بچتا اور رکتا ہوں۔''

بخل کی مذمت...... قاضی ابوالفرج معافی بن زکریا جریری، ابوعبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حاتم طائی کو متلمس کے یہ درج ذیل اشعار معلوم ہوئے:

قلیل المال تصلحه فیبقی
ولا یبقی الکثیر علی الفساد
وحفظ المال خیر من فناه
وعسف فی البلاد بغیر زاد

''کم مال کو بحفاظت تمام رکھے تو وہ باقی رہے گا اور زیادہ مال بے جا خرچ سے فنا ہو جاتا ہے۔ مال کی حفاظت اس کے خراب کرنے سے بہتر ہے اور بے توشہ چلنا پھرنا یا زندگی بسر کرنا شرمندگی کا باعث ہے''۔

تو حاتم طائی نے کہا: اللہ اس کی زبان کاٹ دے، لوگوں کو بخل اور کنجوسی پر اکساتا ہے۔

فلا الجود یفنی المال قبل فنائه
والا البخل فی مال الشحیح یزید
فلا تلتمس مالا بعیش مقتر
لکل غد رزق یعود جدید
ألم تر أن المال غاد ورائح
وان الذی یعطیک غیر بعید

''سخاوت سے مال تلف نہیں ہوتا، بخل سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا۔ بخیلانہ زندگی سے مال جمع نہیں ہوتا بے شک روزانہ نیا رزق میسر ہوتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مال ودولت تو ایک آنی جانی شی ہے اور جو ذات مال تجھے عطا کرتی ہے وہ دور نہیں''۔

بقول قاضی ابوالفرج جریری، ان الذی یعطیک غیر بعید'' قابل ستائش مصرع ہے، اگر حاتم طائی مسلمان ہوتا تو اس کے لئے محشر میں مغفرت کی امید تھی:

واسئلو اللّٰہ من فضلہ، واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب

ترجمہ:......"اللہ سے اس کا فضل وکرم مانگتے رہو" (۴/۳۲) "اور جب میرے بارے میں میرے بندے پوچھیں تو بتادو میں قریب ہی ہوں"۔

وضاح بن معبد طائی کا بیان ہے کہ حاتم، شاہ نعمان بن منذر کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے حاتم طائی کی خوب تعظیم کی، اپنے پہلو میں بٹھایا واپسی میں علاوہ قیمتی اشیاء کے سیم وزر کے دو اونٹ لاد دیئے۔ جب اپنے علاقہ میں پہنچے تو "طی" قبیلہ کے دیہاتی لوگوں نے کہا: آپ سلطان نعمان بن منذر کے پاس سے آئے ہیں اور ہم اپنے اہل وعیال کے پاس سے ہمارا حال یہ ہے کہ فقر وفاقہ سے مجبور ہیں حاتم نے کہا لو! یہ مال آپس میں تقسیم کرلو چنانچہ انہوں نے اس سے، سیم وزر کے علاوہ قیمتی اشیاء باہمی بانٹ لیں تو حاتم طائی کی کنیز طریفہ نے اسے کہا: اللہ سے ڈرو اور اپنی جان پر رحم کرو، یہ مفت خور مال ومویشی اور درہم ودینار کچھ نہ چھوڑیں گے۔ تو حاتم نے کہا:

قالت طریفة ما تبقی دراهمنا
وما بنا سرف فیها ولا خرق

ان یفن ما عندنا فاللّٰه یرزقنا
ممن سوانا ولسنا نحن نرتزق

ما یألف الدرهم الکاری خرقتنا
الا یمر علیها ثم ینطلق

انا اذا اجتمعت یوما دراهمنا
ظلت الی سبل المعروف تستبق

"طریفہ نے کہا ہمارے درہم ودینار باقی نہ رہیں گے سنو! ہم اس میں فضول خرچ ہیں نہ بے وقوف اگر ہمارا سرمایہ ختم ہوگیا تو اللہ اور دے گا لوگوں کے ہم رزاق نہیں۔ رائج الوقت سکہ ہمارے پلے نہیں رہتا وہ آیا اور گیا۔ جب ہمارے ہاں سرمایہ جمع ہو جائے تو نیکی کی راہوں میں فوراً خرچ ہو جاتا ہے"۔

ایک عجیب واقعہ......ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں، حاتم سے کسی نے پوچھا: "هل فی العرب اجود منک" کیا عرب میں کوئی تم سے بھی زیادہ سخی ہے؟ حاتم نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے پاس بکریاں تھیں، پس ایک واقعہ سُنایا کہ ایک رات میں کسی یتیم لڑکے کا مہمان ہوا، اس کے پاس سو بکریاں تھیں اس نے ایک بکری ذبح کی اور پکا کر میرے پاس لایا، جب اس نے مغز اور بھیجا میرے سامنے رکھا تو میں نے کہا: کیا عمدہ مغز ہے! یہ تو صیفی کلمات سن کر وہ چلا گیا اور مسلسل میرے پاس مغز لاتا رہا یہاں تک کہ میں نے کہا: بس کافی ہے تو وہ بھی رک گیا جب میں صبح بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس نے سو کی سو بکریاں ذبح کر ڈالیں اور کوئی باقی نہ بچی میں نے کہا: تم نے یہ کیا کیا؟ تو اس نے کہا ہر چیز بھی نثار کردوں تو اس کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔ حاتم کہتے ہیں پھر میں نے اسے ایک صد عمدہ اونٹ عطا کیے۔

ام حاتم......"مکارم الاخلاق" میں محمد بن جعفر خرائطی نے بیان کیا ہے کہ عنترۃ بنت عفیف بن عمرو بن امرء القیس، حاتم طائی کی والدہ بے حد فیاض عورت تھی۔ اس کے بھائی اسے سخاوت کرنے سے روکتے تھے جبکہ وہ ایک سرمایہ دار خاتون تھی۔ بھائیوں نے اس کو سال بھر قید تنہائی میں رکھا، صرف بقدر کفایت کھانا دیتے، شاید وہ فیاضی سے باز آجائے، سال بعد اس سے پابندی اٹھالی، یہ سوچ کر کہ شاید وہ سدھر گئی ہوگی اور رائج الوقت سکہ کی تھیلی اسے ضروریات زندگی کے لئے تھمادی اس کے پاس ایک ہوازنی خاتون آئی وہ قبل ازیں بھی اس کے پاس آیا کرتی تھی۔ اس نے سوال کیا تو حاتم کی ماں غنیہ نے وہ تھیلی اسے عطا کر کے کہا: واللہ! سال بھر مجھے بھوک پیاس نے خوب ستایا ہے میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گی۔

لعمري لقد ما عضني الجوع عضة
فآليت ان لا امنع الدهر جائعا
فقولا لهذا اللائمي اليوم اعفني
وان أنت لم تفعل فعض الا صابعا
فما ذا عسا كم ان تقولوا الا ختكم
سوى عذلكم او عذل من كان مانعا
وما ذا ترون اليوم الا طبيعة
فكيف بتركي يا ابن عمي الطبائعا

''زندگی کی قسم! عہد رفتہ میں بھوک نے مجھے خوب ستایا ہے، میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی کو بھی دست نہ واپس کروں گی۔ آج اس ملامت گر کو کہو، مجھے معاف رکھو! اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو غصہ سے اپنی انگلیاں کاٹ لو۔ ماسوائے ملامت اور طعن وتشنیع کے تم اپنی بہن کو اور کیا کہہ سکتے ہو۔ یہ سخاوت ایک طبعی تقاضا ہے اے بھائی! میں اپنی افتاد طبع سے کیسے باز آ سکتی ہوں''۔

وصیت...... جثیم بن عدی، ملحان بن عرکی بن عدی بن حاتم، عدی سے بیان کرتے ہیں کہ حاتم نے بستر مرگ پر وصیت کی اے لخت جگر! میں تین باتوں کا پابند رہا ہوں، واللہ! میں نے کبھی ہمسایہ خاتون سے فریب نہیں کیا اور امانت میں خیانت نہیں کی، اور مجھ سے کسی کو اذیت نہیں پہنچی۔

ابوبکر خرائطی، محرر مولیٰ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حاتم کے مزار کے قریب عبدالقیس کا وفد فروکش ہوا تو ان میں سے ایک نوجوان ابوالخیبر ی نے قبر پر لات مارتے ہوئے کہا، اے ابوجعفر! مہمانی کیجئے، تو ساتھی نے کہا، تو خستہ اور بوسیدہ ہڈیوں سے کیا مطالبہ کر رہا؟ رات کو سو گئے تو ابوالخیبر ی نے پریشانی کے عالم میں بیدار ہو کر کہا، دوستو! اپنی اپنی سواریاں تھام لو، مجھے حاتم طائی نے جواب میں یہ اشعار سنائے ہیں:

ابا الخيبري وانت امرو
ظلوم العشيرة شتامها
اتيت بصحبك تبغي القرى
لدى حفرة قد صدت هامها
اتبغي لي الذنب عند المبيت
وحولك طي وانعامها
وانا لنشبع أضيافنا
وتأتي المطي فنعتامها

''اے ابوالخیبر ی! تو قبیلہ کا ستم گر اور بھکو باز ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو لے کر اس قبر کے پاس مہمانی تلاش کر رہا ہے جس کی روح تشنہ ہے۔ کیا تو میری قبر کے پاس مجھے مجرم تصور کرتا ہے حالانکہ تیرے آس پاس طی قبیلہ اور ان کے مویشی موجود ہیں۔
ہم اپنے مہمانوں کو شکم سیر کرتے ہیں، سواریاں آتی ہیں، اور ہم ان کو منتخب کرتے ہیں''۔

اچانک ابوالخیبر ی کی سواری بلبلا کر سر کے بل گر پڑی، سب نے ذبح کر کے گوشت کھالیا اور کہنے لگے، واللہ! حاتم زندہ بھی سخی اور فیاض تھا اور مردہ بھی مہمان نواز ہے۔ چنانچہ قافلہ وہاں سے ابوالخیبر ی کو ردیف اور پیچھے بٹھا کر چل پڑا، یکایک ایک شتر سوار شور کرتا ہوا اس کے ہمراہ ایک سواری تھی وہ پوچھ رہا ہے ابوالخیبر ی کون ہے، یہ سن کر اس نے کہا میں ابوالخیبر ی ہوں، تو شتر سوار نے کہا کہ حاتم نے مجھے خواب میں بتایا ہے کہ اس نے تیرے مہمانوں کی میزبانی کے لئے اپنی سوار ذبح کی ہے اور مجھے اس نے کہا ہے کہ میں آپ کی سواری کا انتظام کروں، چنانچہ یہ سواری موجود ہے، لے لو۔

عبداللہ بن جدعان ...... عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم، قبیلہ تیم کا رئیس اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ کا چچازاد بھائی تھا۔ جاہلی دور میں بڑا فیاض اور قحط کے ایام میں لنگردار تھا، اوائل عمر میں تہی دست اور محتاج تھا، نہایت بدقماش اور جرائم پیشہ، قوم، قبیلہ، خاندان اور اباجان سمیت سب اس سے تنگ آچکے تھے۔ چنانچہ وہ حیران و پریشان مکہ کی گھاٹیوں میں دور نکل گیا۔ وہاں اس نے پہاڑ میں ایک شگاف دیکھا، کسی مہلک اور زہریلے کیڑے

مکوڑے کا خیال کرتے ہوئے اس میں داخل ہو گیا کہ اس ذلیل زندگی سے موت اچھی، جب وہ ذرا اندر گیا تو ایک اژدھا نظر آیا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ سونے کا سانپ ہے اور اس کی آنکھیں یاقوتی ہیں، چنانچہ وہ اس کو توڑ مروڑ کر غار کے اندر داخل ہو گیا تو وہاں شاہان جرہم کی قبریں ہیں۔ من جملہ، ان کے رئیس حارث بن مضاض تھا جو یکایک غائب ہوا اور اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گیا۔ ان کے سرہانے ایک سونے کا کتبہ تھا جن میں ان کی تاریخ وفات اور حکومت کی مدت درج تھی اور وہاں لعل و جواہر اور سیم و زر کی کثیر مقدار موجود تھی۔ اس نے حسب ضرورت وہاں سے مال و متاع اٹھایا اور غار کے دروازے پر نشان لگایا اور قوم کے پاس چلا آیا۔ لوگوں کو اس قدر مال و دولت سے نوازا کہ ہردل عزیز ہو گیا، جب سرمایہ میں کمی محسوس کرتا تو وہاں سے حسب ضرورت لے آتا۔

کتاب التیجان از عبدالملک بن ہشام میں یہ قصہ مذکور ہے نیز ری العاطش وانس الواحش میں بھی یہ موجود ہے۔ اس کے پاس کھانے کا بہت بڑا برتن تھا وہ ہمہ وقت لبریز رہتا تھا۔ شتر سوار اس سے کھانا کھا سکتا تھا۔ ایک دفعہ اس میں بچہ ڈوب گیا۔

ابن قتیبہ وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے جفنہ اور کڑاہے کے سایہ میں دوپہر کے وقت بیٹھ جاتا تھا۔ ابوجہل کے قتل کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا مقتولوں میں سے اس کی لاش تلاش کرو، اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے، میں اور وہ ابن جدعان کی ایک دعوت میں مزاحم ہوئے تھے میں نے اسے دھکیلا تو وہ گھٹنے کے بل گرا اور گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس کا داغ اس کے گھٹنے پر موجود ہے چنانچہ اس کو اسی طرح پایا۔ بیان ہے کہ وہ لوگوں کو کھجور، ستو اور دودھ پلایا کرتا تھا جب کہ اس نے امیہ بن ابی صلت کا یہ کلام سنا:

ولقد رایت الفاعلین وفعلهم
فرایت اکرمهم بنی الدیان
البر یلبک بالشهاد طعامهم
لا ما یعللنا بنو جدعان

"میں نے سخی لوگ اور ان کی سخاوت دیکھی ہے، سب سے فیاض بنی دیان کو دیکھا ہے۔ گندم کی روٹی کے ہمراہ شہد ان کا کھانا ہے بنی جدعان کی طرح وہ بہلاتے نہیں"۔

چنانچہ ابن جدعان نے دو ہزار بار بردار اونٹ بھیج کر شام سے گندم، شہد اور گھی منگوایا، ہر رات کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کرتا، ابن جدعان کی دعوت پر چلے آؤ پھر ابن ابی الصلت نے کہا:

له داع بمكة مشمعل
وآخر فوق كعبتها ينادي
الى ردح من الشيزى ملاء
لباب البر يلبك بالشهاد

"اس کا بلانے والا اور تازہ دم اعلان کرنے والا مکہ میں ہے اور دوسرا کعبہ کی چھت پر سے منادی کرتا ہے۔ اور بلاتا ہے حوض نما لبریز پیالہ کی طرف، اس میں گندم کا آٹا شہد میں مخلوط ہے"

بایں سخاوت و فیاضی رسول اللہ ﷺ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ ابن جدعان لوگوں کو کھلاتا تھا اور مہمان نوازی کرتا تھا کیا یہ بروز قیامت اس کو مفید ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا، بالکل نہیں! کیونکہ اس نے کبھی نہیں کہا رب اغفر لی خطیئتی

یوم الدین یارب! میرے گناہ بروز قیامت معاف کر دینا۔

امراؤالقیس بن حجر جندی صاحب معلقہ معلقات سبع...... یہ معلقہ جس کا پہلا مصرع ہے:

"قفا نبک من ذکری حبیب منزل"

تمام معلقات میں سب سے زیادہ سلیس اور شہرہ آفاق ہے۔

امام احمد (ہشام، ابوجہم، زہری، ابوسلمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امرؤالقیس تمام جاہلی شعراء کا دوزخ کی طرف نمائندہ اور علم بردار ہے (یہ حدیث ہشام سے متعدد راویوں نے نقل کی ہے) من جملہ ان کے بشر بن حکم، حسن بن عرفہ، عبداللہ بن ہارون خلیفہ مامون برادر امین اور یحییٰ بن معین ہیں اور ابن عدی نے بہ سند عبدالرزاق از زہری یہ روایت بیان کی ہے جو منقطع ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری سند سے بھی مروی ہے جو بالکل واہی اور غیر معتبر ہے۔ مذکور بالا سند کے علاوہ کوئی سند درست نہیں۔ بقول ابن عساکر، نام ہے امراؤالقیس بن حجر بن حارث بن عمرو بن حجر آکل المرار بن عمرو بن معاویہ بن حارث بن یعرب بن ثور بن مرتع بن کندہ۔ اس کی کنیت ابو یزید یا ابو وھب یا ابوالحارث کندی ہے یہ دمشق کے علاقہ میں قیام پذیر تھا اور دمشق کے بعض مقامات کا اس نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے:

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل
بسقط اللوی بین الدخول فحومل
فتوضح فالمقراۃ لم یعف رسمها
لما نسجتها من جنوب وشمال

"ٹھہرو ہم دو دوست اور اس کی منزل کی یاد میں روئیں جو "سقط لوی" میں دخول، حومل، توضح اور مقراۃ کے درمیان میں واقع ہے، اس کے نشانات مٹے نہیں کیونکہ جنوبی اور شمالی ہوا نے ان کو محو ہونے سے بچا لیا ہے ایک مٹاتی ہے تو دوسری اجاگر دیتی ہے۔ یہ مقامات حوران میں مشہور معروف ہیں"۔

شعر نے حیات نو بخشی...... ہشام بن محمد بن سائب کلبی (فروۃ بن سعید بن عفیف بن معدی کرب) معدیکرب سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یمن سے ایک وفد آیا اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہمیں امرؤالقیس کے اشعار کے ذریعے نئی زندگی بخشی ہے، آپ نے پوچھا وہ کیسے تو بتایا کہ ہم آپ کی طرف آرہے تھے کہ راستہ بھول گئے، متواتر تین روز تک پوری تگ و دو کے باوجود پانی نہ پا سکے حتیٰ کہ کیکر کے درختوں کے نیچے ہم میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ لیٹ گیا تاکہ لقمہ اجل ہو جائے ابھی ہم سسک رہے تھے، آخری سانس لے رہے تھے کہ ایک تیز رفتار سوار نمودار ہوا، اسے دیکھ کر ہمارے ایک فریق نے یہ اشعار پڑھے جو شتر سوار نے سن لئے:

ولما رأت أن الشریعة همها
وأن البیاض من فرائصها دامی
تیممت العین التی عند ضارج
یفیء علیها الظل عرمضها طامی

(سواری نے اس چشمہ کا رخ کیا جو ضارج کے پاس ہے اس پر سایہ ہے اور کائی اس پر پھیلی ہوئی ہے)۔

سوار نے ہماری خستہ حالی دیکھ کر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟ ہم نے بتایا امرؤالقیس کا تو اس نے کہا واللہ! یہ ضارج وادی تمہارے قریب ہی ہے۔ ہم نے بغور دیکھا تو ہمارا اور اس کا فاصلہ صرف پچاس گز کا ہے۔ ہم گھٹنوں کے بل وہاں پہنچے، وہ بالکل امراؤالقیس کے بیان کے مطابق تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آدمی دنیا میں معروف اور آخرت میں مجہول ہے، دنیا میں نامور اور آخرت میں گمنام ہے۔ شعراء کا علم بردار ہے، ان کو دوزخ میں لے جائے گا۔

ذوالخلصہ :......کلبی نے بیان کیا ہے کہ امراؤالقیس کے والد کو بنی اسد نے قتل کر دیا تو وہ بنی اسد سے انتقام لینے کے لئے جا رہا تھا کہ تبالہ پہنچا۔ وہاں ذوالخلصہ بت نصب تھا، عرب اس کے پاس قسمت آزمائی کرتے تھے، اس نے یہ عمل کیا تو منع کرنے والا تیر نکلا، دوبارہ سہ بار یہ عمل کیا تو ''مانع'' تیر ہی برآمد ہوا، پھر اس نے تیر توڑ کر ذوالخلصہ کے منہ پر دے مارا اور اس کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا، اگر تیرا باپ مقتول ہوتا تو جنگ سے منع نہ کرتا، پھر بنی اسد پر حملہ آور ہوا اور ان کو خوب قتل کیا۔

بقول کلبی، اسلامی دور آنے تک پھر کسی نے ذوالخلصہ کے پاس قسمت آزمائی نہیں کی۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اس نے قیصر شاہ روم کی مدح وستائش کی اور اس سے جنگ میں کمک طلب کی تو اس نے حسب خواہش مدد نہ کی تو اس کی ہجو کی، مشہور ہے قیصر نے اسے زہر پلا کر ہلاک کر دیا اور کوہ عسیب کے پاس ایک عورت کی قبر کے پاس لقمہ اجل ہوا، اس نے یہ اشعار تحریر کیے:

أجــــارتــنـــا ان الــمــــزار قــــريـــب
وانـــــي مـــقـــيـــم مـــــاأقـــام عـســيــب
أجـــارتــنـــا انـــا غـــريـبـــان هـهـنـــا
وكـــل غـــريـــب لـــلـــغـــريـــب نــســب

''اے ہمسایہ خاتون ہماری قبریں قریب ہیں۔ جب تک کوہ عسیب ہے ہم بھی ہیں۔ ہم دونوں یہاں پردیسی ہیں، ایک پردیسی دوسرے کا ہم نسب ہوتا ہے۔''

یہ سات معلقات کعبہ میں آویزاں تھے، عرب کا دستور تھا جب کوئی مشہور شاعر قصیدہ کہتا تو قریش کے سامنے پیش کرتا اگر وہ اس کی تعریف کرتے تو اس کی عظمت کی خاطر کعبہ میں آویزاں کر دیتے، اسی طرح وہاں سات قصیدے معلق اور آویزاں ہوئے۔ پہلا قصیدہ امراؤالقیس کا تھا، دوسرا قصیدہ نابغہ ذبیانی، زیاد بن معاویہ یا زیاد بن عمرو بن معاویہ بن خباب بن جابر...... بن ذبیان بن بغیض۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو:

یا دارمیة بالعلیاء فالسند — أقوت وطال علیها سالف الابد

تیسرا قصیدہ زہیر بن ابی سلمیٰ ربیعہ بن ریاح مزنی کا ہے، پہلا شعر ہے:

أمن أم أوفى دمنة لم تكلم — بحومانة الدراج فالمتثلم

چوتھا قصیدہ طرفہ بن عبد بن سفیان کا ہے۔ پہلا شعر ہے:

لخولة أطلال ببرقة ثهمد — تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليد

پانچواں قصیدہ عنترہ بن شداد عبسی کا ہے۔ پہلا شعر ہے:

هل غادر الشعراء من متردم — أم هل عرفت الدار بعد توهم

چھٹا قصیدہ علقمہ بن عبدہ تمیمی کا ہے۔ اول شعر ہے:

طحابك قلب في الحسان طروب — بعيد الشباب عصر حان مشيب

ساتواں قصیدہ لبید بن ربیعہ ہوازنی کا ہے۔ اصمعی وغیرہ اہل علم اس کو معلقات میں شمار نہیں کرتے۔ پہلا شعر ہے:

عفت الديار محلها فمقامها — بمنى تابد غولها فرجامها

ایک اور قصیدہ جس کا قائل نامعلوم ہے ابوعبیدہ، اصمعی، مبرد کا خیال ہے کہ یہ بھی کعبہ میں معلق تھا۔ یہ طویل قصیدہ ہے۔ اس میں عمدہ معانی اور مطالب ہیں۔ اس کا پہلا شعر ہے:

هل بالطلول لسائل رد — ام هل لها بتكلم عهد

امیہ بن ابی الصلت ثقفی ...... بقول ابن عساکر، امیہ بن ابی الصلت عبداللہ بن ابی ربیعہ بن عوف بن عقدہ بن عزہ بن عوف بن ثقیف،

کنیت ہے ابوعثمان یا ابوالحکم ثقفی، یہ جاہلی دور کا شاعر ہے۔ قبل از ظہور اسلام دمشق آیا۔ اوائل عمر میں صراط مستقیم اور ایمان پر قائم تھا پھر برگشتہ ہو گیا اور آیت (۱۷۵\۷ الاعراف) کا مصداق ہے ''اور انہیں اس شخص کا حال سنا دے جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان سے نکل گیا اور اس کے پیچھے شیطان لگا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا''۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں امیہ کی والدہ، رقیہ بنت عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ اس کا والد بھی مشہور شاعر تھا، امیہ ان سب سے نامور تھا۔

عبدالرزاق، ثوری سے بیان کرتے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ سورہ اعراف کی ۱۷۵\۷ آیت کا مصداق ہے، امیہ بن ابی صلت۔ اسی طرح ابوبکر بن مردویہ، نافع بن عاصم بن مسعود سے بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک حلقہ درس میں تھے، کسی نے سورہ اعراف کی ۱۷۵\۷ آیت تلاوت کی تو عبداللہ بن عمرو نے کہا، جانتے ہو یہ کون شخص ہے؟ کسی نے کہا کہ صیفی بن راہب ہے، کسی نے کہا اسرائیلی بلعم ہے، تو ابن عمرو نے کہا یہ نہیں ہے، تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا بتائیے یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا امیہ ثقفی ہے۔ ابوصالح، کلبی اور قتادہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

پیشین گوئی......طبرانی، حضرت ابوسفیان سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور امیہ دونوں بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے جب ہم کسی مقام پر فروکش ہوتے تو امیہ کتاب پڑھ کر سناتا، بلا ناغہ ہمارا یہی دستور تھا کہ ہم اتفاقاً عیسائی بستی میں فروکش ہوئے۔ عیسائی لوگوں نے امیہ کی تعظیم و تکریم کی اور تحائف پیش کئے اور اس کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ وہ دوپہر کے وقت واپس آیا، چنانچہ اس نے اجلا لباس اتارا اور سیاہ فام لباس تبدیل کر لیا، تو اس نے مجھے کہا جناب ابوسفیان! کیا کسی جید عیسائی عالم سے گفتگو کرنے کا ارادہ ہے تو میں نے کہا' مجھے کوئی ضرورت نہیں اگر اس نے مجھے میری حسب خواہش جواب دیا تو مجھے اعتبار نہیں اگر خلاف مرضی جواب دیا تو خواہ مخواہ وسواس اور خلجان پیدا ہوگا، چنانچہ وہ چلا گیا تو کسی عیسائی شیخ نے مجھے کہا، آپ کو اس لاٹ پادری سے ملاقات کرنے میں کیا امر مانع ہے؟

میں نے کہا میں اس کے مذہب کا قائل نہیں ہوں۔ تو اس نے کہا گو تم قائل نہیں مگر پھر بھی عجیب وغریب باتیں سنو گے اور کرامات دیکھو گے۔

پھر اس نے مجھ سے پوچھا تم ثقفی ہو، میں نے کہا جی نہیں میں تو قرشی ہوں۔ تو اس نے پھر کہا لاٹ پادری سے ملاقات کرو، وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تمہارے بارے میں وصیت بھی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ میرے پاس سے چلا گیا اور امیہ رات گئے واپس لوٹا اور لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ ساری رات انتہائی حزن وملال اور بے قراری کے عالم میں گزاری۔ اس نے ہم سے کوئی بات کی اور نہ ہم نے اس سے۔ پھر اس نے پوچھا، کیا ہم کوچ نہیں کریں گے؟ تو میں نے پوچھا کیا سفر کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ چنانچہ ہم مسلسل دو رات چلتے رہے۔ تیسری رات اس نے کہا۔ جناب ابوسفیان! کوئی بات نہیں کرتے؟ میں نے کہا، کیا آپ کوئی بات کریں گے؟ خدا کی قسم! آپ جس پادری سے ملاقات کر کے واپس آئے ہیں اس کی مثال نہیں، تو اس نے کہا اس بات سے تیرا کوئی سروکار نہیں، وہ تو ایک ایسی بات ہے جس میں مرنے کے بعد دوبارہ پلٹنے سے فکر مند ہوں، میں نے حیرت سے پوچھا، کیا مرنے کے بعد پھر جینا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں واللہ! میں فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: کیا تو میرا عہد و پیمان قبول کرتا ہے۔ اس نے پوچھا کس بات کا؟ میں نے کہا نہ تو زندہ ہوگا اور نہ تیرا حساب ہوگا۔ امیہ نے ہنس کر کہا کیوں نہیں، واللہ! جناب ابوسفیان! ہم سب کا حشر ہوگا، پھر حساب ہوگا اور آخر میں ایک فریق جنت میں دوسرا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ابوسفیان کہتے ہیں میں نے پوچھا تم کس فریق میں ہو گے، کیا لاٹ پادری نے تمہیں اس بارے میں کچھ بتایا ہے؟ تو امیہ نے کہا، یہ بات تو اسے اپنے متعلق بھی معلوم نہیں میرے بارے میں کیا بتائے گا چنانچہ ہم دورات کے طویل سفر میں اسی موضوع پر بات کرتے رہے۔ وہ مجھ سے تعجب کرتا اور میں اس کی بات ہنسی میں اڑا دیتا چلتے چلتے ہم دمشق کے غوطہ نامی شہر میں پہنچے وہاں دو ماہ کے قیام میں تجارت کا کاروبار کرتے رہے وہاں سے واپسی میں ہمارا ایک عیسائی بستی میں قیام ہوا، وہ لوگ امیہ کے پاس آئے تو خوب عزت واحترام سے پیش آئے، کچھ تحائف بھی دیئے اور وہ ان کے ساتھ ان کے کلیسا چلا گیا۔ زوال کے بعد وہ آیا اور اپنا لباس تبدیل کرنے کے بعد پھر دوبارہ کلیسا چلا گیا اور رات گئے واپس آیا اور لباس تبدیل کر کے بستر پر لیٹ گیا۔ بے چینی کے عالم میں پریشان رہا۔ صبح کو بیدار ہوا تو افسردہ و فکر مند، گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، پھر اس نے مجھ سے کہا کوچ کا ارادہ ہے؟ میں نے

کہا کیوں نہیں اگر چاہو تو چنانچہ ہم نے اس پریشانی کے عالم میں بھی سفر شروع کر دیا۔ پھر دوران سفر اس نے کہا جناب ابوسفیان! ہم رفقائے سفر سے ذرا آگے چلتے ہیں چنانچہ ہم نے اپنے احباب سے کچھ دیر علیحدگی میں سفر کیا تو اس نے کہا: جناب ابوسفیان! میں نے کہا کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا مجھے عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں بتاؤ کیا وہ ظلم وستم اور حرام امور سے پرہیز کرتا ہے؟

میں نے جواب دیا ہاں واللہ! پھر اس نے کہا وہ خود صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کی تبلیغ بھی کرتا ہے۔ میں نے پھر وہی جواب دیا تو اس نے پوچھا کیا اس کے والدین نیک اور صالح ہیں اور قبیلہ میں وہ معزز ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، پھر اس نے پوچھا کیا کوئی قریشی اس سے بھی بہتر ہے؟ میں نے کہا ''نہیں'' واللہ! میرے علم میں تو نہیں کہ کوئی اس سے اعلیٰ ہوگا۔ پھر اس نے پوچھا کیا وہ غریب محتاج ہے؟ میں نے کہا نہیں وہ تو بڑا سرمایہ دار ہے۔ پھر اس نے پوچھا، اس کی کتنی عمر ہے؟ میں نے کہا سو سال سے اوپر ہوگی، پھر امیہ نے کہا اس کا معزز، عمر رسیدہ اور سرمایہ دار ہونا اس کے لئے بے نصیبی کا باعث ہے۔ میں نے کہا اس صورت حال سے اسے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے؟ واللہ! یہ تو سب عزت افزا امور ہیں امیہ نے کہا بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں، پھر اس نے کہا چلو آرام کر لیں، میں نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ ہم وہاں آرام کے لئے لیٹ گئے اور قافلہ چلتا رہا پھر ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ ایک اور پڑاؤ میں رات بسر کی پھر ہم دن بھر چلتے رہے، جب رات چھا گئی تو اس نے مجھے کہا، جناب ابوسفیان میں نے کہا کیا بات ہے تو اس نے کہا کیا گذشتہ رات کی بات کے بارے میں آپ کو کچھ اور معلوم ہے؟ میں نے کہا، کیا آپ مزید تفصیل چاہتے ہیں؟ اس نے کہا' جی ہاں! چنانچہ ہم اپنی سواریوں پر چلتے رہے جب ذرا علیحدہ ہو گئے تو اس نے کہا عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں کچھ بتائیے، میں نے کہا پوچھئے تو اس نے پوچھا کیا وہ حرام کاموں سے بچتا ہے، جور وجفا سے پرہیز کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہے؟

میں نے کہا واللہ! وہ یہ سب کچھ کرتا ہے، پھر امیہ نے پوچھا وہ سرمایہ دار ہے؟ میں نے کہا ہاں وہ مالدار ہے۔ پھر اس نے پوچھا کیا اس سے بھی کوئی زیادہ رئیس ہے؟ میں نے کہا جی نہیں، واللہ! میرے علم میں اس سے زیادہ کوئی رئیس نہیں۔ پھر امیہ نے پوچھا اس کی کتنی عمر ہے؟ میں نے کہا سو سال سے اوپر، تو اس نے کہا عمر رسیدہ معزز ترین اور سرمایہ دار ہونا اس کے لئے ضرر رساں ہے۔ میں نے کہا، بالکل نہیں، واللہ! یہ حالات اسے نقصان دہ نہیں، آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیں! تو اس نے کہا، یہ بات راز رہے جو ہونا ہے وہ ہوگا پھر اس نے کہا آپ نے جو میری آشفتہ حالی دیکھی تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس لاٹ پادری سے کچھ مسائل دریافت کئے، پھر میں نے اس سے ''نبی منتظر کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا وہ عرب میں سے ہوگا، میں نے کہا عرب کے کون سے علاقہ میں؟ تو اس نے کہا جس علاقہ میں عرب حج کرتے ہیں تو میں نے کہا ہمارے علاقے میں ہی عرب حج کے لئے آتے ہیں۔ تو اس نے کہا وہ قریشی ہوگا، یہ سن کر واللہ! مجھے ایسی پریشانی لاحق ہوئی کہ میں کبھی ایسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوا تھا۔ میرے ہاتھ سے دنیا اور آخرت کی فلاح و بہبود نکل گئی۔ میں اس نبوت کا امیدوار تھا۔

میں نے پادری سے کہا ذرا وضاحت کیجئے، تو اس نے بتایا کہ وہ جوان ہوگا، پیران سالی کے آغاز میں ہوگا، ابتدائے عمر میں وہ ظلم وتعدی اور حرام سے پرہیز کرتا ہوگا، خود صلہ رحمی کرتا ہوگا اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہوگا، وہ محتاج وضرورت مند ہوگا، اس کے والدین شریف و کریم ہوں گے۔ اپنے قبیلہ میں افضل اور معتبر ہوگا، اس کی بیشتر فوج فرشتوں میں سے ہوگی۔ امیہ نے پوچھا اس کی نشانی اور علامت کا کیا ہے؟ تو پادری نے کہا: عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد شام میں اسی طرح کے زلزلے آچکے ہیں ہر زلزلہ میں سخت نقصان ہوا، بس ایک زلزلہ باقی رہ گیا ہے۔ اس میں بھی شدید نقصان ہوگا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا، واللہ! یہ سب جھوٹ ہے، اگر اللہ کو رسول مبعوث کرنا منظور ہوا تو وہ عمر رسیدہ اور رئیس ہوگا، تو امیہ نے کہا واللہ! ابوسفیان! یہ بات اسی طرح ہی ہے (جیسے میں نے کہی) تم خود کہو گے کہ عیسائی عالم کی بات برحق تھی کیا اب رات کو آرام کرنے کا خیال ہے؟ میں نے کہا بالکل۔ چنانچہ ہم نے آرام کیا اور قافلہ بھی پہنچ گیا۔ پھر ہم نے سفر کا آغاز کیا، ہمارے اور مکہ مکرمہ کے درمیان صرف دو مرحلے کا سفر باقی رہ گیا تو ایک شتر سوار راستہ میں ہمیں ملا۔ ہم نے اس سے شام کے حالات دریافت کئے تو اس نے کہا تمہارے بعد شام میں ایک سخت زلزلہ آیا۔ بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔

یہ سن کر امیہ نے مجھے متوجہ کرتے ہوئے کہا جناب ابوسفیان! عیسائی عالم کی بات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے کہا واللہ! غالب گمان ہے کہ اس لاٹ پادری کی بات سچ ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہم چلتے چلتے مکہ میں پہنچ گئے۔ میں ضروری کاروبار سے فارغ ہو کر یمن میں تجارت کے لئے

چلا آیا۔ وہاں پانچ ماہ مقیم رہا، پھر مکہ مکرمہ واپس آیا، میں اپنے اہل خانہ میں ہی تھا کہ لوگ مجھے سلام کرتے اور اپنے منافع کی بابت پوچھتے، اسی اثنا میں محمد بن عبداللہ تشریف لائے، میری بیوی ہندا اپنے بچوں کو کھلا رہی تھی، انہوں نے سلام کہا، خوش آمدید کہا اور میرے سفر کے حالات دریافت کئے اور اپنے منافع کی بات بھی نہ کی اور تشریف لے گئے، میں نے ہند سے کہا واللہ! مجھے تو یہ بڑا پیارا لگتا ہے ہر قریشی نے اپنے منافع کی بابت پوچھا مگر اس نے منافع کی کوئی بات نہیں، تو ہند نے کہا کیا تو اس کی شان سے واقف نہیں، میں نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا اس کی کیا شان ہے؟

اس نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر ہند نے مجھے کچوکا مارا اور مجھے لاٹ پادری کی بات یاد آ گئی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گی تو ہند نے کہا' کیا ہوا؟ میں ذرا سنبھلا تو میں نے کہا' یہ غلط بات ہے؟ وہ دعوائے نبوت سے بالا ہے' ہند نے یہ سن کر کہا واللہ! وہ اسی کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی نبوت کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے کچھ ساتھی بھی ہیں۔ میں نے کہا یہ بالکل باطل اور محال ہے۔ میں گھر سے آیا اور طواف کرنے لگا۔ میری ان (محمد ﷺ) سے ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا آپ کا سرمایہ اتنا اتنا ہو گیا ہے، آپ کا مال عمدہ تھا، آپ کسی کو بھیج کر اپنا سرمایہ منگوا لیجئے۔ میں آپ سے کمیشن نہ لوں گا، تو آپ ﷺ نے کہا، یہ ٹھیک نہیں، اگر ایسا ہوا تو میں منافع نہ لوں گا۔ میں نے کہا، آپ کسی کو بھیجئے وہ سرمایہ لے جائے اور میں آپ سے حسب دستور کمیشن کاٹ لوں گا۔ چنانچہ آپ نے کسی کو بھیجا اور سرمایہ منگوا لیا اور میں نے ان سے کمیشن لے لیا۔

ابوسفیان کہتے ہیں پھر میں بغرض تجارت یمن چلا گیا، وہاں سے واپس آ کر طائف آیا اور امیہ کا مہمان ہوا تو امیہ نے کہا جناب ابوسفیان! کیا آپ کو لاٹ پادری کی بات یاد ہے میں نے کہا بالکل اور وہ معرض وجود میں آ چکی ہے۔ امیہ نے پوچھا وہ کون؟ میں نے کہا محمد ﷺ ابن عبداللہ، تو اس نے مزید وضاحت کے لئے پوچھا ابن عبدالمطلب؟ میں نے کہا جی ہاں! ابن عبدالمطلب، پھر میں نے اس کو ہند کی بات بتائی تو یہ سن کر پسینہ میں شرابور ہو گیا اور کہا: اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، پھر اس نے کہا واللہ! ممکن ہے وہی ہو، اس کی صفات و علامات وہی ہیں، اگر اس نے میری زندگی میں اعلان نبوت کر دیا تو میں اس کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ سے معذرت طلب کر لوں گا۔

ابوسفیان کہتے ہیں میں پھر یمن چلا گیا اور وہیں مجھے آپ کے اعلان نبوت کی اطلاع ملی۔ پھر میں طائف میں امیہ کے پاس آیا تو میں نے کہا جناب ابوعثمان! محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ سن چکے ہیں، تو اس نے کہ واقعی وہ ظہور پذیر ہے، میں کہا تو آپ کا کیا خیال ہے؟ تو اس نے کہا میں کسی رسول پر کبھی ایمان نہ لاؤں گا جو ثقفی نہ ہو۔ ابوسفیان کہتے ہیں میں مکہ واپس چلا آیا۔ مکہ سے میں ابھی کچھ فاصلے پر تھا کہ میں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں کو مارا جا رہا ہے اور حقارت آمیز سلوک کیا جا رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ اس کا فرشتوں کا لشکر کہاں ہے؟ پھر میرے دل میں ذاتی تفاخر بھڑکنے لگا۔ بیہقی نے بھی یہ روایت ''دلائل'' میں اسماعیل بن طریح کی سند سے بیان کی ہے لیکن حافظ طبرانی کی روایت جو ہم نے بیان کی ہے مکمل اور طویل ہے واللہ اعلم۔

ابوسفیان کی حالت...... حافظ طبرانی ابوسفیان ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن ابی صلت غزہ میں تھا یا یروشلم میں۔ واپسی کے دوران اس نے مجھ سے کہا، جناب ابوسفیان قافلے سے آگے علیحدہ ہو کر میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، میں نے اثبات میں جواب دیا تو جب ہم علیحدہ ہو گئے تو اس نے مجھ سے عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں پوچھا، میں نے کہا وہ نجیب الطرفین اور نیک والدین کا فرزند ہے۔ حرام اور ظلم و ستم سے کنارہ کش رہتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا وہ رئیس اور عمر رسیدہ ہے؟ میں نے کہا بالکل ایسا ہی ہے۔ تو امیہ نے کہا ریاست اور بڑھاپا اس کے لئے نقصان دہ ہے۔ میں نے کہا آپ غلط کہتے ہیں۔ پیرانہ سالی تو باعث شرافت ہے۔ تو امیہ نے کہا، جناب ابوسفیان! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے ایسا کرخت جواب مجھے کسی نے نہیں دیا، آپ عجلت سے کام نہ لیجئے میں آپ کو صورت حال سے آگاہ کروں گا۔ میں نے کہا بتائیے تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی کتابوں میں یہ تحریر پائی ہے کہ ہمارے اس سنگلاخ علاقہ سے ایک نبی مبعوث ہوگا۔ میرا گمان نہیں بلکہ یقین تھا کہ میں وہ نبی ہوں گا۔ جب میں نے اہل علم سے مذاکرہ کیا تو معلوم ہوا وہ عبد مناف میں سے ہوگا۔ میں نے خاندان عبد مناف کو غور سے دیکھا تو بجز عتبہ کے کوئی بھی اس منصب کے اہل نظر نہ آتا۔ جب مجھے اس کی عمر کی بابت معلوم ہوا تو میں نے کہا وہ نہیں ہے۔ وہ چالیس سال سے تجاوز ہو گیا ہے اور اس کی طرف وحی نہیں ہوئی۔

ابوسفیان کہتے ہیں وقت گزرتا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی ہوئی، میں قریش قافلہ میں تجارت کے لئے یمن جا رہا تھا، راستہ میں، میں نے

طائف میں امیہ سے بطور مزاح کہا، جناب امیہ! جس نبی کی آپ صفات بتا رہے تھے وہ مکہ میں ظاہر ہو چکا، تو امیہ نے کہا بالکل وہ سچا ہے تو اس کی اتباع کر، میں نے کہا آپ اس کی اتباع و پیروی کیوں نہیں کرتے؟ تو اس نے کہا مجھے صرف خواتین ثقیف کا طنز مانع ہے، چونکہ میں کہا کرتا تھا کہ میں ہی نبی منتظر ہوں، اب وہ مجھے عبد مناف کے ایک فرد کے تابع دیکھ کر ہنسی اڑائیں گی۔ پھر امیہ نے کہا جناب ابوسفیان! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کی مخالفت کرو گے، اور تم بزغالہ کی طرح ان کے سامنے پیش کے جاؤ گے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔

خواب...... حافظ عبدالرزاق کلبی سے بیان کرتے ہیں کہ امیہ محو خواب تھا اس کی دو بیٹیاں بھی اس کے پاس سو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک گھبرا کر چلائی، باپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شاہین آئے ہیں انہوں نے گھر کی چھت اتاری پھر ایک نے آپ کا پیٹ چاک کیا اور دوسرے نے گھر کی چھت پر سے سوال کیا" کیا اس نے یاد رکھا" تو نیچے والے نے اثبات میں جواب دیا پھر اس نے پوچھا طاہر و پاکیزہ بھی ہے تو اس نے کہا نہیں، یہ سن کر امیہ نے کہا تمہارے والد کو نبوت کا مژدہ تھا مگر ایسا نہ ہوا۔

فارعہ کا چشم دید واقعہ...... اسحاق بن بشر، سعید بن میتب سے بیان کرتے ہیں کہ امیہ کی ہمشیرہ فارعہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ حسن و جمال اور عقل و کمال کا پیکر تھی اور رسول اللہ ﷺ بھی اس کی صلاحیت کے معترف تھے۔ ایک روز آپ نے اس کو کہا فارعہ! کیا تجھے اپنے بھائی کے اشعار یاد ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دے کر کہا ان اشعار سے بھی میں نے ایک تعجب خیز منظر دیکھا ہے، میرے بھائی امیہ سفر سے واپس آئے اور پہلے میرے پاس ہی آئے اور میری چار پائی پر سو گئے، میں اپنے ہاتھ سے چمڑا درست کر رہی تھی۔ دو سفید فام پرندے یا سفید پرندوں جیسے آئے ایک روشندان میں بیٹھ گیا اور دوسرے نے سینے سے ناف تک اس کا پیٹ چاک کیا پھر پیٹ میں ہاتھ ڈال کر دل نکال لیا اور ہاتھ پر رکھ کر اس کو سونگھا تو دوسرے پرندے نے کہا، کیا اس نے یاد رکھا؟ تو اس نے اثبات میں جواب دیا، پھر اس نے پوچھا کیا پاک بھی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا ہے۔ پھر اس نے دل وہیں رکھ دیا اور زخم آنکھ جھپکنے کے عرصہ سے قبل ہی مندمل اور درست ہو گیا پھر وہ دونوں پرندے اڑ گئے میں نے اس کو قریب ہو کر ہلایا اور پوچھا کیا کوئی تکلیف تو نہیں؟ اس نے کہا کوئی تکلیف نہیں، صرف جسم میں کمزوری سی محسوس ہو رہی ہے اور میں یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی تھی، اس نے میری یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا تم خوف زدہ کیوں ہو، میں نے اس کو سارا واقعہ سنایا تو اس نے کہا، خیر و شر میرا مقدر تھی مگر نصیب نہ ہوئی پھر اس نے کہا:

باتت هـمـومـي تسري طوارقها
أكف عيـنـي والـدمـع سـابـقـهـا
مـمـا أتـانـي مـن الـيـقـيـن ولـم
أوت بـرلـة يـقـص نـاطـقـهـا
أم مـن تـلـظـى عـلـيـه واقـدة الـنـا
ر مـحـيـط بـهـم سـر ادقـهـا
أم اسـكـن الـجـنـة الـتـي وعـد
الابـرار مـصـفـوفـة نـمـار قـهـا
لايـسـتـوى الـمـنـزلان ثـم
ولأعـمـال لا تـسـتـوى طـرائـقـهـا

"میں وہم و افکار میں مبتلا ہوں وہ رات کو مجھے ستاتے ہیں، میں آنکھوں کو رونے سے روکتا ہوں، لیکن آنسو اس سے پہلے ٹپک پڑتے ہیں۔ اس یقین کی وجہ سے وہ مجھے آیا لیکن مجھے نجات میسر نہ ہوئی، جسے کوئی بولنے والا بیان کرے۔ کیا میں ان لوگوں میں ہوگا جن پر آگ شعلہ بار ہے، آتشیں قناتیں ان کو محیط ہیں۔ یا مجھے اس جنت میں سکونت ملے گی جس کا نیک لوگوں کو وعدہ

ہے، اس میں قالین قطار بچھے ہوئے ہیں۔ آخرت میں دونوں منزلیں برابر نہیں ہیں اور نہ اعمال ہی یکساں ہیں، نہ اس کے طریقے بھی برابر ہیں''۔

همــا فـريـقـان فـرقة تـدخـل
الـجـنة حـفـت بهـم حـدائـقهـا
وفـرقـة مـنهـم قـد ادخـلـت
ألـنـار فسـاء تهـم مـرافـقهـا
تـعـاهـدت هـذه الـقـلـوب اذا
هـمـت بخيـر عـاقـت عـوائقهـا
وصـدهـا لـلشـقـاء عـن طـلـب
الـجـنة دنيـا الـلّـه مـاحـقهـا
عبـد دعـا نـفسـه فـعـا تبهـا
يـعـلـم ان البـصـيـر رامـقهـا

''وہ دو فریق ہیں ایک فریق جنت میں داخل ہوگا جو متعدد باغیچوں میں گھری ہوئی ہے۔ ایک فریق دوزخ میں داخل ہوگا ان کی تکیہ گاہیں بری ہیں۔ ان دلوں کا عہدو پیمان ہے کہ جب وہ کسی نیک کام کا ارادہ کریں تو موانع حائل ہو جائیں۔ جنت کی طلب سے دنیا نے اس کو بدقسمتی کے باعث روک دیا ہے۔ اللہ اسے برباد کرنے والا ہے۔ انسان نے اپنے دل کو پکارا اور اسے عتاب کیا، وہ جانتا ہے کہ اللہ بصیر اسے تاک رہا ہے''۔

مـارغـب الـنـفـس فـي الـحـياة وان
تـحـيـا قـليـلا فـالـمـوت لا حـقهـا
يـوشـک مـن فـر مـن مـنيـتـه
يـومـا عـلـى غـرة يـوافـقهـا
ان لـم تـمـت غـبـطة تـمـت هـرمـا
لـلـمـوت كـاس والـمـرء ذائـقهـا

''کون سی چیز دل کو زندگی کی آسائش سے بہرہ ور کرے اگر وہ معمولی عرصہ زندہ بھی رہا تو بہر حال موت آنے والی ہے۔ جو شخص موت سے ڈر کر بھاگتا ہے قریب ہے کہ وہ کبھی اس کو غفلت میں دبوچ لے۔ اگر وہ جوانی کی خوشحالی میں نہ فوت ہوگا تو بڑھاپے میں فوت ہو جائے گا موت کا پیالہ لبریز ہے انسان اس کا مزہ چکھنے والا ہے''۔

بعد ازاں وہ اپنے گھر چلے گئے، معمولی عرصہ بعد ان کو تکلیف لاحق ہوئی، مجھے اطلاع ملی، میں وہاں گئی تو وہ بستر مرگ پر تھے، ان پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا، میں قریب ہوئی تو اس نے سسکی لی اور آنکھ کھول کر آسمان کی طرف دیکھ کر بہ آواز بلند کہا:

میں کافر ہوں، تمہارے سامنے ہوں، دیکھو! میں تمہارے پاس ہوں، کوئی سرمایہ دار نہیں جو میرا فدیہ دے اور نہ کوئی ایسا اہل و عیال ہے جو میری حمایت کرے۔ پھر اس پر غشی طاری ہوگئی، جب اس نے لمبی سانس لی تو میں سمجھی کہ وہ فوت ہوگئے ہیں۔ پھر اس نے اوپر کو دیکھتے ہوئے بلند آواز سے کہا لبیکما' لبیکما' ها انا ذالد یکما میں عیب سے پاک نہیں، عذرت خواہ ہوں اور قبیلہ دار نہ ہوں کہ مدد طلب کروں۔ پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور اس نے ٹھکالیا آنکھیں کھول کر اوپر کی جانب دیکھ کر کہا لبیکما ' لبیکما' ها أنا ذالد یکما نوازشات سے سرشار ہوں' گناہوں میں گرفتار ہوں، پھر اس پر مدہوشی طاری ہوئی، لمبا سانس لیا اور اس نے کہا لبیکما' لبیکما' ها انا ذالد یکما......أن تغفر اللّهم تغفر جما ' وأی

عبدلک لاالما ۔یاالٰہی! اگر تو معاف فرمائے تو سب گناہ معاف فرما، کون سا بندہ گنہگار نہیں ہے پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوئی اور آخری سانس ہوئی تو اس نے کہا:

کل عیش وان تطاول دھراً
اصائر مرۃ الی أن یزولا
لیتنی کنت قبل ماقد بدالی
فی قلال الجبال أرعی الوعولا

''ہر زندہ اگر چہ وہ طویل عرصہ تک زندہ رہے، وہ زوال پذیر ہے۔ان حالات کے ظاہر ہونے سے قبل' کاش کہ میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکریوں کا چرواہا ہوتا''۔

۵ھ موافق ۶۲۶ء کو روح پرواز ہوگئی' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فارعہ! تیرے بھائی کی مثال اس شخص کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات سے نوازا اور وہ ان سے بغیر عبرت حاصل کیے گزر گیا' غرائب الحدیث میں امام خطابی نے اس کے مشکل الفاظ کی تشریح فرمائی ہے۔

امیہ کا ارادہ اسلام ..... حافظ ابن عساکر نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ امیہ بن ابی صلت نے کہا:

الا رسول لنا منا یخبرنا مابعد غایتنا من رأس مجر انا

''کیا کوئی رسول نہیں ہے جو ہمیں آگاہ کرے کہ ہماری زندگی کے آغاز سے ماوراء تک کیا ہوگا''۔

پھر امیہ طائف سے بحرین منتقل ہوگیا اور اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور یہ بحرین سے آٹھ سال کے قیام کے بعد طائف آیا تو اہل طائف سے پوچھا محمد بن عبداللہ کیا کہتا ہے، لوگوں نے کہا اس کا خیال ہے کہ وہ ہی نبی ہے جس کا تو منتظر تھا چنانچہ اس نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آمد کا مقصد بیان کیا جناب ابن عبدالمطلب! آپ یہ کیا دعویٰ کر رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے علاوہ کوئی قابل پرستش نہیں تو اس نے کہا میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں آپ کل کا وقت دیجئے آپ نے فرمایا ٹھیک، کل وقت مقرر ہے پھر اس نے کہا میں تنہا آؤں یا احباب کے ہمراہ، اسی طرح آپ بھی تنہا ہوں یا صحابہ کے ہمراہ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے چاہو، چنانچہ دوسرے روز امیہ قریش کے دیگر گروہ میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی چند صحابہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، کعبہ کے سایہ میں بیٹھ کر امیہ نے اپنا خطاب شروع کیا پھر مسجع اور ہم وزن کلمات کہے بعدازیں اشعار سنا کر اس نے کہا' جناب ابن عبدالمطلب ان کا جواب ارشاد فرمایئے تو رسول اللہ ﷺ نے تعوذ و تسمیہ کے بعد پوری سورہ یاسین پڑھ کر سنائی، تو امیہ پاؤں گھسٹتا ہوا مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ قریش بھی اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے جناب امیہ! کیا خیال ہے؟ اس نے کہا میں شاہد ہوں کہ وہ حق پر ہیں، قریش نے پوچھا کیا اس کی پیروی بھی کرو گے تو اس نے کہا میں ذرا غور کرلوں۔ پھر وہ شام چلا گیا اور نبی علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

عتبہ، شیبہ، امیہ کے ماموں زاد تھے...... جنگ بدر کے بعد شام سے میدان بدر میں آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو کسی نے پوچھا کیا خیال ہے تو اس نے کہا محمد سے ملاقات کا عزم ہے تو اس نے پوچھا کیا کرو گے؟ تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤں گا اور خود کو ان کے سپرد کردوں گا۔ تو کسی نے کہا، معلوم ہے قلیب بدر میں کون کون لوگ مدفون ہیں، اس نے جواب دیا معلوم نہیں تو اس شخص نے کہا، اس میں عتبہ شیبہ پسران ربیعہ مدفون ہیں، وہ آپ کے ماموں زاد بھائی تھے، اس کی والدہ ہے ربیعہ بنت عبدشمس۔ چنانچہ اس نے یہ وحشت اثر خبر سن کر اپنی سواری کی دم اور کان کاٹ ڈالے اور قلیب پر کھڑے ہو کر زوردار مرثیہ کہا، جنگ بدر کے بیان میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔ پھر مکہ چلا آیا اور طائف میں قیام پذیر ہوگیا اور اسلام کو نظر انداز کردیا۔ اس روایت میں دو سفید فام پرندوں اور اس کی موت کی تفصیل بیان ہے اور بستر مرگ پر اشعار کا ذکر بھی موجود ہے:

ماذا ببدر فالعقنقل
من مرازبة جحاجح
کل عیش وان تطاول دھرا
صائر مرة الی أن یزولا
لیتنی کنت قبل ماقد بدالی
فی قلال الجبال أرعی الوعولا
فاجعل الموت نصب عینیک واحذر
غولة الدھر ان للدھر غولا
نالا ظفرھا القساور والصد
عان والطفل فی المنار الشکیلا
وبغات النیاف والیعفر النا
فرو العوھج البرام الضئیلا

''موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھوں اور زمانہ کی ہلاکت سے ڈرو بے شک زمانہ ہلاکت خیز ہے موت کے ناخن شیروں، وحشی گاؤ اور خوبرو بچوں کو بھی ہلاک کر دیتے ہیں۔ کوہ ساتن کے شاہینوں، وحشی پرندوں اور شتر مرغ کے بچوں کو بھی معاف نہیں کرتے، الغرض صحراؤں میں وحشی جانور پہاڑوں کی چوٹیوں میں شاہین بھی موت سے محفوظ نہیں، ہر چھوٹا بڑا لقمہ اجل ہے''۔

اللّٰھم باسمک کی برکت اور عجیب واقعہ...... ''التعریف والا علام'' میں امام سہیلی نے بیان کیا ہے کہ امیہ کے اولیات میں ''باسمک اللّٰھم'' ہے۔

اس مقام پر امام سہیلی نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ چند قریشی کسی مہم پر روانہ ہوئے، من جملہ ان میں ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ بھی تھے۔ راستہ میں ایک سانپ کو مار ڈالا۔ سر شام ایک مادہ جن آئی، اس نے ان لوگوں کو ڈانٹا ڈپٹا ان کے پاس ایک چھڑی تھی، اس نے زمین پر زور سے ماری تو سب اونٹ بدک کر ادھر ادھر بھاگ گئے، بسیار کوشش کے بعد انہوں نے اونٹ اکٹھے کئے تو پھر چھڑی لئے آگئی اور زور سے زمین پر ماری تو پھر اونٹ بدک کر اردگرد بھاگ اٹھے۔ ان کو بڑی مشکل سے تلاش کیا، اس تکلیف دہ صورت حال کے پیش نظر انہوں نے اس سے پوچھا کہ اس مصیبت سے کوئی نجات کی راہ ہے؟ تو اس نے کہا ابھی تو نہیں لیکن میں غور کروں گی، چنانچہ وہ اس پڑاؤ سے ادھر ادھر گھومنے لگی کہ کسی سے اس مصیبت کا علاج معلوم ہو، کچھ فاصلہ پر آگ کا شعلہ نظر آیا وہ وہاں پہنچے تو خیمے کے دروازے پر ایک بوڑھا آگ جلا رہا ہے وہ ایک جن تھا نہایت قبیح اور کریہہ شکل، ان قریشیوں نے اس کو سلام کہہ کر اپنا مدعا پیش کیا تو اس نے بتایا جب وہ آئے تو ''باسمک اللھم'' پڑھو وہ بھاگ جائے گی، چنانچہ وہ اپنے ڈیرے میں واپس چلے آئے، وہ مادہ جن حسب سابق آئی تو امیہ نے ''باسمک اللھم'' پڑھا اور وہ بھاگ گئی۔

حرب کی موت...... لیکن جنات نے سانپ کے بدلہ میں حرب بن امیہ کو مار ڈالا اور اس کے رفقاء نے اس کو وہیں ویرانہ میں دفن کر دیا تو کسی جن نے کہا:

وقبر حرب بمکان قفر ولیس قرب قبر حرب قبر

''حرب کی قبر ویران مقام میں ہے، اس کی قبر کے پاس کسی کی قبر نہیں''۔

جانوروں کی زبان...... بیان ہے کہ وہ بعض اوقات جانوروں کی زبان سمجھ لیتا تھا۔ چنانچہ سفر میں جا رہے تھے کہ پرندوں کو بات کرتے ہوئے سنا تو اس نے اپنے رفقائے سفر کو بتایا پرندہ یہ بات کہہ رہا ہے رفقاء نے کہا ہمیں اس بات کی صداقت کا کیا علم! چلتے چلتے بکریوں کے ایک ریوڑ

کے پاس سے گزرے ایک بکری ریوڑ سے پیچھے رہ گئی اور اس کے ہمراہ ایک بزغالہ اور چھوٹا میمنہ تھا، بکری نے اس کی طرف متوجہ ہو کر "میں میں" کی اور بزغالہ کو تیز رفتاری پر آمادہ کیا تو امیہ نے کہا معلوم ہے یہ کیا کہتی ہے؟ رفقاء نے کہا' کچھ معلوم نہیں۔ تو امیہ نے بتایا کہ وہ بچے کو کہہ رہی ہے کہ جلدی جلدی چلو مبادا گذشتہ سال کے بچے کی طرح تجھے بھی بھیڑیا کھا جائے یہ سن کر رفقاء نے چرواہے سے پوچھا کیا گذشتہ سال یہاں بھیڑیے نے تمہارا بزغالہ شکار کر لیا تھا؟ تو چرواہے نے اثبات میں جواب دیا۔

شتر ...... امیہ اس روز شتر کے پاس سے جا رہے تھے، اس پر ایک خاتون سوار تھی، اونٹ اس کی طرف منہ کر کے بلبلاتا تھا، تو امیہ نے کہا یہ شتر کہہ رہا ہے کہ تو مجھ پر سوار ہے، پالان میں سوئی ہے (جو مجھے چبھ رہی ہے) چنانچہ انہوں نے اس عورت کو اتار کر، پالان کھولا تو اس میں سوئی موجود تھی۔

کوا ...... ابن سکیت نے بیان کیا ہے کہ امیہ ایک روز پانی پی رہا تھا کہ کوے نے دوبار کائیں کائیں کر کے کہا "بفیک التراب" یعنی تو ابھی مر جائے گا' کسی نے پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے تو اس نے بتایا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ تو اپنے ہاتھ والا پیالہ پینے کے بعد مر جائے گا۔ کوا پھر بولا تو امیہ نے کہا وہ بتا رہا ہے کہ میں اس روڑی پر سے ہڈی کھاؤں گا، وہ میرے حلق میں پھنس جائے گی اور میں مر جاؤں گا، کوے نے اس "روڑی" سے ہڈی کھائی اور اس کے حلق میں اٹک گئی تو وہ مر گیا۔ تو امیہ نے کہا اس نے اپنے متعلق تو صحیح کہا ہے، لیکن اب میں تجربہ کرتا ہوں کہ اس نے میرے متعلق بھی صحیح کہا ہے پھر اس نے ہاتھ والا پیالہ پی لیا تو زمین پر فیک لگاتے ہی مر گیا۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہایت سچا کلام جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید شاعر کا کلام ہے۔ الا کل شئی ما خلا اللّٰہ باطل سنو! اللہ کے علاوہ ہر چیز نیست و نابود ہے، نیز فرمایا قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہو جاتا۔

اچھے اشعار سننا ...... امام احمد، (روح، زکریا، ابراہیم بن میسرہ، عمرو بن ثرید، شرید ثقفی سے بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ردیف تھا تو آپ نے فرمایا، کیا امیہ کے اشعار یاد ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا، سناؤ، میں سناتا رہا اور آپ مسلسل کہتے رہے "ایہ" اور، یہاں تک کہ میں نے سو اشعار سنائے پھر رسول اللہ ﷺ بھی خاموش ہو گئے اور میں بھی۔ (امام مسلم نے بھی اس کو ابن میسرہ سے نقل کیا ہے اور متعدد اسناد میں، عن عمرو بن شرید بن سوید ثقفی عن النبی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کان یسلم)

یحییٰ بن محمد بن صاعد ...... (ابراہیم بن سعید جوہری، ابو اسامہ، حاتم بن ابی صفرہ، سماک بن حرب، عمرو بن نافع) شرید ہمدانی ثقفی واخوالہ سے بیان کرتے ہیں ہم حجۃ الوداع میں رسول اللہ کے ہمراہ تھے کہ ایک روز میں (شرید) پیدل چل رہا تھا کہ پیچھے سے ایک سواری آئی اس پر رسول اللہ ﷺ سوار تھے آپ نے فرمایا "شرید ہے" میں نے کہا جی ہاں! پوچھا سوار ہو گے؟ عرض کیا کیوں نہیں مجھے تھکاوٹ نہ تھی محض حصول برکت کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار ہوا۔ آپ نے مجھے سواری بٹھا کر سوار کر لیا۔ پوچھا کیا امیہ کے اشعار یاد ہیں؟ میں نے جی ہاں کہا تو آپ نے فرمایا "ھات" پڑھو چنانچہ میں آپ کو سناتا رہا میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو قریباً سو اشعار سنائے ہوں گے تو آپ نے فرمایا امیہ کی عاقبت کا علم اللہ جانے۔

ابن صاعد کہتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور امیہ کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جاتا ہے۔
"آمن شعرہ و کفر قلبہ" اس کے اشعار میں ایمان کی جھلک ہے اور دل کافر ہے مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں، واللہ اعلم۔
امام احمد نے بہ سند صحیح از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ کے اشعار کی تصدیق فرمائی:

رحل وثور تحت رجل یمینہ
والنسر للاخری ولیث مرصد
والشمس تبدو کل آخر لیلۃ
حمراء یصبح لونھا یتورد

تابی فما تطلع لنا فی رسلها
الا معذبة والا تجلد

''آدمی اور بیل اس کے عرش کے دائیں پائے کے تحت ہیں، گدھ دوسرے پائے کے لئے ہے اور شیر بھی اسی کام کے لئے مستعد ہے۔ ہر شب کے دامن سے سرخ سورج طلوع ہوتا ہے اور مطلع گلابی ہوتا ہے وہ پس و پیش ہونا چاہتا ہے پھر وہ حسب دستور زیرعذاب اور زیر عتاب طلوع ہوتا ہے''۔

سورج کا طلوع ہونا......ابوبکر ہذلی از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ستر ہزار فرشتے روزانہ سورج کو ٹھونسا مار کر کہتے ہیں افق پر نمودار ہو جا ''اطلعی تو وہ کہتا ہے میں ایسی قوم پر طلوع ہونا نہیں چاہتا جو اللہ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتی ہے، چنانچہ جب وہ ناچار طلوع ہوتا ہے تو شیطان اس کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھتا ہے تو وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور اس کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے، جب غروب ہونے لگتا ہے تو اللہ کے لئے سجدہ ریز ہونے کا عزم کرتا ہے تو پھر شیطان اس کو سجدہ سے روکنے کے لئے آڑے آتا ہے تو وہ اس کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور شیطان کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ ابن عساکر نے یہ طویل بیان کیا ہے'' حاملین عرش کے بارے میں امیہ کے یہ اشعار بھی ہیں رواہ ابن عساکر:

فمن حامل احدی قوائم عرشه
ولولا اله الخلق كلوا وأبلدوا
قيام على الاقدام عانون تحته
فرائصهم من شدة الخوف ترعد

''بعض فرشتے اس کے ایک پایہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اگر کائنات کا معبود نہ ہوتا تو وہ تھک جاتے اور حیرت میں پڑ جاتے۔ اس کے نیچے قدم کے بل جھکے کھڑے ہیں ان کے کندھے شدت خوف سے کپکپا رہے ہیں''۔

اصمعی امیہ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

مجدوا اللّٰه فهو للمجد أهل
ربنا في السماء أمسى كبيرا
بالبناء الاعلى الذى سبق
الناس وسوى فوق السماء سريرا
شرجعا لاينالـه بصر العين
ترى حوله الملائك صورا

''اللہ کی تعریف و ستائش بیان کرو، وہی شرف و مجد کا اہل ہے ہمارا رب آسمان میں ہے عظیم و کبیر ہے ورطہ حیرت میں ڈال دینے والی عظیم عمارت کی وجہ سے اور اس نے آسمان کے اوپر عالی شان عرش کو استوار کیا ہے۔ اس قدر بلند ہے کہ نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی، فرشتوں کو اس کے ورے گردن جھکائے ہوئے دیکھو گے''۔

امیہ......امیہ نے عبداللہ بن جدعان تیمی کی تعریف و ستائش میں بھی چند اشعار کہے ہیں:

اذكر حاجتي أم قد كفاني
حياء ان شيمتك الحياء
وعلمك بالحقوق و أنت فرع

لک الحسب المهذب السناء
کریم لا یغیره صباح
عن الخلق الجمیل ولامساء
یباری الریح مکرمة وجودا
اذا ما الکلب أحجره الشتاء
وأرضک مکرمة بنتها
بنو تیم وانت لها سماء

"کیا میں اپنی ضرورت بیان کروں یا میرا آنا ہی تیرے شرم وحیاء کے باعث کافی ہے کیونکہ تیری طبیعت ہی حیاء ہے۔ نیز تجھے حقوق العباد کا علم ہی کافی ہے، آپ خاندان کے محترم نسب والے ہیں۔ آپ ہی کے لئے حسب وشرف اور وقعت وعظمت ہے۔ ایسا فیاض ہے کہ صبح وشام کی گردش اس کے حسن سلوک میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ وہ سخاوت میں کرنے میں تند ہوا سے مقابلہ کرتا ہے۔ جب کتے قحط سالی سے متاثر ہوتے ہیں، تیرے مسکن کی بنیاد عمدہ اور مظبوط ہے جس کے بانی بنی تیم ہیں اور تو اس کی چھت ہے"۔

اذا أثنی علیک المرء یوما
کفاه من تعرضه الثناء
لا ینکتون الارض عند سؤالهم
کتطلب العلات بالعیدان
بل یسفرون وجوههم فتری لها
عند السؤال کاحسن الالوان
واذا المقل اقام وسط رحالهم
ردوه رب صواهل وقیان
واذا دعوتهم لکل ملمة
سدوا شعاع الشمس بالفرسان

"جب تیرا ثنا خواں ایک بار تعریف کردے تو اس کو بار بار تعریف کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ سوال کے وقت تنکوں سے زمین نہیں کریدتے، بہانہ کرنے والے کی مانند۔ بلکہ وہ اپنے چہروں کو شگفتہ رکھتے ہیں، تو سوال کے وقت ان کے چہروں پر عجیب رونق وترتازگی پائے گا۔ جب تہی دست ان کے محلہ میں آتا ہے، تو اسے گھوڑے اور کنیزیں دے کر واپس کرتے ہیں۔ جب تو ان کو کسی مصیبت کے لئے پکارے تو وہ اس قدر گھوڑے لاتے ہیں کہ سورج کی شعاعیں ماند پڑ جاتی ہیں"۔

بحیرا راہب کی ضیافت...... بارہ سال کی عمر میں جب رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ایک تجارتی قافلہ میں شام تشریف لے گئے تو بحیرا راہب نے آپ کے چہرہ اقدس سے نبوت کے آثار پہچان لئے، اس نے دیکھا کہ سارے قافلے میں سے صرف آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ اس نے سارے قافلے کی ضیافت کی۔

امام ترمذی نے اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے ہم اس پر آئندہ مفصل بحث کریں گے۔ حافظ ابن عساکر نے بحیرا کے بارے میں بہت سی معلومات جمع کی ہیں مگر ترمذی کی روایت کو نظر انداز کرنا تعجب خیز ہے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ وہ کفرلبسنی میں مقیم تھا جو بصریٰ سے چھ میل کی مسافت پر ہے اس کو ''دیر بحیرا'' بھی کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ بلقا کے علاقہ میں ''منفعه'' نامی بستی میں آباد تھے جو ''زبرا'' کے عقب میں واقع تھی، واللہ اعلم۔

قیس بن ساعدہ ایادی...... ''ہواتف جان'' میں حافظ ابوبکر خرائطی نے (داؤد قنطری، عبداللہ بن صالح ابوعبداللہ مشرقی، ابوالحارث وراق، ثور بن یزید، مورق عجلی) عبادہ بن صامت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایاد کا وفد آیا تو آپ نے پوچھا کہ قس ایادی کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! فوت ہو گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: عکاظ کے میلے کے دوران، میں نے اسے سرخ اونٹ پر سوار دیکھا ہے، وہ نہایت سلیس اور شگفتہ بات کر رہا تھا، مجھے وہ اچھی طرح از بر نہیں۔ مجلس کے ایک کونے سے ایک دیہاتی نے کہا: یارسول اللہ! مجھے یاد ہے (رسول اللہ ﷺ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے) اس نے کہا وہ عکاظ کے میلے میں سرخ شتر پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا، اے لوگو! قریب آ جاؤ اور سنو کہ جو فوت ہو گیا دنیا سے چلا گیا اور جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آئے گی، رات تاریک ہے، آسمان برجوں والا ہے، سمندر تلاطم خیز ہے ستارے روشن ہیں، پہاڑ پیوستہ ہیں، نہریں رواں دواں ہیں آسمان خبر کا سرچشمہ ہے، زمین عبرت کی جاہ ہے۔ تعجب ہے کہ میں دیکھتا ہوں لوگ جاتے ہیں واپس نہیں آتے۔ کیا ان کو وہیں قیام پسند آ گیا ہے اور وہ وہیں مقیم ہو گئے ہیں یا واپسی کا ارادہ ترک کر دیا ہے اور وہیں سو گئے ہیں، قس حتمی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کا ایک پسندیدہ دین ہے جو تمہارے دین سے بہتر ہے پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

فی الذاهبین الأولین
من القرون لنا بصائر
لما رأیت مواردا
للموت لیس لها مصادر
ورأیت قومی نحوها
یمضی الأصاغر و الأکابر
ورأیت قومی یأتی الیک
لا من الباقین غابر
ایقنت أنی لا محالة
حیث صار القوم صائر

''گزشتہ زمانے اور تاریخ عالم میں ہمارے لئے عبرت آموز سبق ہے۔ میں نے موت کے گھاٹ پر لوگوں کو جاتے دیکھا، واپس نہیں آتے دیکھا۔ میں نے اپنی قوم کے بچے، بوڑھے، سب کو اسی کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ جانے والا تیرے پاس آئے گا اور نہ باقی ماندہ زندہ رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جہاں میری قوم چلی گئی ہے میں بھی وہاں چلا جاؤں گا۔ (یہ سند غریب ہے)۔''

(معجم کبیر حافظ طبرانی نے (محمد بن سری بن مہران ناقد بغدادی، محمد بن حسان، محمد بن حجاج، مجالد، شعبی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا، آپ میں سے کوئی قیس ایادی کو جانتا ہے تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم سب جانتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا وہ تو فوت ہو گیا ہے، تو آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ذی قعد میں عکاظ کے میلے میں سرخ شتر پر سوار خطبہ دے رہا تھا:

یاایها الناس اجتمعوا واستمعوا وعوا من عاش مات ومن مات فات وکل ماهو آت آت، ان فی السماء لخبرا وان فی الارض لعبرا مهاد موضوع وسقف مرفوع ونجوم تمور وبحار

لاتغور وافسم قس قسما حقا لئن كان في الامر رضى ليكون بعده سخط ان لله لدينا هوا حب اليه من دينكم الذى انتم عليه مالى ارى الناس يذهبون ولا يرجعون، ارضوا بالمقام فاقاموا ام تركوا فناموا

بعدازیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کے اشعار یاد ہیں تو کسی نے اس کے شعر پڑھے (جن کا ترجمہ گذشتہ روایت میں بیان ہو چکا ہے) دلائل النبوۃ میں حافظ بیہقی نے بھی یہ واقعہ بہ سند محمد بن حسان سلمی بیان کیا ہے۔

''اخبار قس'' میں اسی طرح استاذ ابن درستویہ نحوی نے بھی یہ واقعہ عبدالکریم ......تا...... محمد بن حجاج، ابراہیم واسطی نزیل بغداد عرف صاحب الفریسہ سے روایت کیا ہے یحییٰ بن معین، ابوحاتم اقدی اور دار قطنی نے ابراہیم کو جھوٹا کہا ہے اور ابن عدی وغیرہ نے اس کو موضوع حدیث بنانے والا کہا ہے۔ حافظ بزار اور ابونعیم نے یہ روایت محمد بن حجاج مذکور بالا سے بیان کی ہے۔ ابن درستویہ اور ابونعیم نے (کلبی، ابوصالح) ابن عباس سے بھی نقل کیا ہے۔ یہ سند گذشتہ اسناد سے بہتر ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قس کی نظم و نثر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کی۔ حافظ ابونعیم (احمد بن موسیٰ بن اسحاق خطمی، علی بن حسین بن محمد مخزومی، ابوحاتم سجستانی، وھب بن جریر، محمد بن اسحاق، زہری، سعید بن مسیب) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بکر بن وائل کا وفد آیا تو رسول اللہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے حلیف قس ایادی کا کیا حال ہے؟ (پھر طویل قصہ بیان کیا)۔

جارود کا اسلام لانا...... احمد بن ابی طالب حجار، حسن بصری سے بیان کرتے ہیں کہ جارود بن معلی لاٹ پادری کتب سماوی کا عالم اور شارح تھا تاریخ ایران کا ماہر تھا عظیم طبیب اور فلسفی تھا، بڑا مدبر اور عقلمند تھا ادیب وار یب نہایت حسین و جمیل، غنی اور رئیس تھا، وہ وفد عبدالقیس میں جو نہایت دانشور، فصیح و بلیغ، ذہین و فطین اور خطیب حضرات پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور باادب کھڑے ہو کر کہا:

يا نبى الهدى اتتك رجال
قطعت فدفدا والاً فالا
وطوت نحوك الصحاصح تهوى
لا تعد الكلال فيك كلالا
كل بهماء قصر الطرف عنها
ارقلتها قلاصنا ارقالا
وطوتها العتاق يجمح فيها
بكماة كانجم تتلالا
تبتغى دفع بأس يوم عظيم
هائل اوجع القلوب وهالا

''اے ہدایت یافتہ نبی! آپ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے ہیں جنہوں نے صحرا اور سیراب در سیراب طے کئے ہیں۔ آپ کی طرف انہوں نے چٹیل ویرانوں کو تیزی سے عبور کیا ہے، وہ آپ کے بارے میں تھکاوٹ کو تھکاوٹ نہیں سمجھتے۔ ہر جانور نے ان صحراؤں سے اپنی نگاہ، تھکن کے باعث نیچی کر لی، لیکن ہماری سواریوں نے ان کو تیز رفتاری سے طے کیا۔ ان کی عمدہ سواریاں مسلح جوانوں کو لئے جو ستاروں کی طرح روشن مزاج ہیں لئے نہایت نشاط سے دوڑ رہی ہیں۔ بڑے خوفناک دن کے عذاب سے خلاصی چاہتے ہیں، جس نے دلوں کو غمگین اور بے چین کر دیا ہے''۔

ومز ادا لمحشر الخلق طراً
وفراقاً لمن تمادى ضلالاً
نحو نور من الالٰه وبرهان
وبرو نعمة أن تنالاً
خصک اللّٰه یا ابن آمنة الخیر بها
اذا أتت سجالا سجالاً
فاجعل الحظ منک یا حجة اللّٰه
جزیلا لا حظ خلف احالا

''وہ میدان حشر کے لئے زادِراہ کے طالب ہیں اور سرکش گمراہ لوگوں سے یکسوئی اور علیحدگی چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کے نور، دلیل وبرہان، نیکی ونعمت کی طرف آئے ہیں کہ وہ اس سے بہرہ ور ہوسکیں۔ اے آمنہ کے فرزند ارجمند! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار انعامات سے نوازا ہے اے حجت الٰہی! ہم پر زیادہ سے زیادہ نوازش فرمادیں غلط تقسیم کرنے والے کی طرح نہیں''۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے قریب بٹھا کر فرمایا جارود! تم نے مع اپنی قوم کے اسلام لانے میں بڑی دیر کی، تو اس نے کہا ''فداک أبی وأمی'' آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان، جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر کی یہ اس کی بدقسمتی ہے۔ یہ عظیم گناہ اور شدید عذاب ہے، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے آپ کو دیکھا یا سنا اور آپ کو نظرانداز کر کے کسی اور کے تابع ہو گئے، اب آپ ﷺ کو میرے دین اور اعتقاد کے بارے میں بخوبی علم ہے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، میں اس دین کو ترک کر کے آپ کے دین کو قبول کرتا ہوں، کیا یہ میرے گذشتہ گناہ اور کوتاہی کا مداوا ہو جائے گا؟ اور رب کی رضا کا باعث بن جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس بات کا ضامن ہوں تم نصرانیت اور عیسائیت کو ترک کر کے خالص وحدانیت اختیار کرلو، تو جارود نے عرض کیا ''فداک أبی وأمّی'' ہاتھ پھیلایئے میں مسلمان ہو کر آپ کی بیعت کرتا ہوں، خالص توحید اور آپ کی رسالت کا تہہ دل سے اقرار کرتا ہوں۔ اس طرح وہ اور اس کی ساری قوم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی، رسول اللہ ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور ان کی خاطر ومدارت آپ ﷺ نے خود فرمائی اور ان کی تکریم کی۔

قس ایادی کے بارے میں وفد سے سوال......رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا، کیا تم میں سے کوئی قس ایادی کو جانتا ہے تو جارود نے کہا ''فداک ابی وامی'' ہم سب جانتے ہیں اور ان افراد میں سے میں اس کے حالات کو زیادہ جانتا ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ قس ایادی خالص عرب ہے چھ سو سال زندہ رہا، جنگلات اور صحراء میں زندگی کا اکثر حصہ بسر کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بلند آواز سے تسبیح وتقدیس کرتا تھا بے قرار اور بے در تھا اور ہمسایہ سے بھی بے نیاز تھا، ٹاٹ زیب تن کرتا سیر وسیاحت سے شغل، زہد اور ترک دنیا سے شغف، شتر مرغ کے انڈوں پر گزر بسر کرتا، وحشی جانوروں سے مانوس، تاریکی سے لطف اندوز، غور وفکر اور عبرت آموزی کا پیکر، یکتائے زمانہ، ضرب المثل پیچیدہ مسائل حل کرنے کا ماہر حواریوں کے رئیس سمعان سے فیض یاب وہ پہلا عربی ہے جس نے اللہ کی ابوہیت وحدانیت کا اظہار کیا اور اس کی پرستش کا اقرار کیا، حشر اور حساب پر ایمان کا اعلان کیا، برے انجام سے ہوشیار کیا بروقت کام پر آمادہ کیا، موت کو عبرت قرار دیا، ہر حال میں تقدیر پر رضامندی کا اظہار کیا، قبرستان کی زیارت کی، حشر نشر کو یاد کیا اور اپنے اشعار سے لوگوں کو تبلیغ کی، قضا وقدر میں غور کیا، آسمان اور نشو ونما کے بارے میں اس نے لوگوں کو بتایا، اس نے ستاروں کے تعلق اور پانی کی حقیقت بیان کی، سمندروں کا تذکرہ کیا اور آثار قدیمہ کو پہچانا، اس نے سوار ہو کر خطبہ دیا اور دلجمعی سے لوگوں کو نصیحت کی، اس نے غم اور غصے سے آگاہ کیا، اس نے آسمانی کتابوں کو ترتیل وآہستگی سے پڑھا اور ہر خوفناک امر کو بیان کیا، اپنے خطابات میں اس نے مشکل امور کے انجام دینے پر آمادہ کیا اور اپنی کتابوں میں اس کو واضح کیا، زمانے کی گردش سے اس نے آگاہ کیا، اس نے صنف نازک کے بارے میں آگاہ کیا اور اس کی اہمیت کو بیان کیا شرک وکفر سے دور رہنے کی تلقین کی دین حنیف کی رغبت دلائی اور الوہیت کی طرف دعوت دی۔

عکاظ کے میلے میں اس نے خطاب کیا، سورج کا طلوع اور غروب ہونا ہے، یتیمی اور کنبہ داری ہے، صلح اور جنگ ہے، خشک اور تر ہے تلخ اور

شیریں ہے، سورج اور چاندی ہیں، ہوائیں اور برسات ہے، دن اور رات ہے، مرد اور عورت ہے سمندر اور جنگلات ہیں، غلہ اور نباتات ہے، مائیں اور باپ ہیں، اجتماع اور انتشار ہے، یہ سب علامات در علامات ہیں۔ (اللہ کی ذات پر) روشنی اور تاریکی ہے فراخ دستی اور تنگ دستی ہے، اللہ اور بت ہیں، لوگ گمراہ ہیں، نومولود ہے اور قبر مفقود ہے، پرورش معدوم ہے، ایک فقیر ہے دوسرا غنی ہے، ایک نیک ہے، دوسرا گنہگار ہے، غافل اور مدہوش لوگوں کی ہلاکت ہے، عمل کرنے والا اپنے اعمال کو درست پائے گا اور محض امید پر جینے والا نقصان میں ہوگا۔ غلط نہیں در حقیقت وہی ایک معبود ہے، نہ باپ نہ بیٹا، لوٹانے والا اور ظاہر کرنے والا، موت اور زندگی بخشنے والا نر اور مادہ کو پیدا کرنے والا، دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

امابعد! اے گروہ ایاد! کہاں ہیں ثمود اور عاد، کہاں ہیں باپ اور دادا، کہاں ہیں بیمار اور تیماردار، ہر ایک کا مبدأ اور معاد ہے فرداً فرداً اکٹھے کئے جاؤ گے، جب صور پھونکا جائے گا اور زمین روشن ہو جائے گی اور واعظ نصیحت کرے گا، مایوس اور بے بس الگ ہو جائے گا اور صاحب نظر دیکھ لے گا۔ صد افسوس ہے اس کے لئے جو واضح حق سے منحرف ہوا، روشن نور سے الگ ہوا، بروز قیامت اللہ کے سامنے عدل و انصاف کی عدالت میں پیش ہونے سے منکر ہوا۔ جب اللہ رب العزت فیصلہ نافذ کرے گا اور نبی حاضر و موجود ہوگا، مددگار مفقود ہوگا، کوتاہی اور گناہ جرم سامنے ظاہر ہوگا۔ ایک گروہ جنت میں اور دوسرا دوزخ میں ہوگا۔ قس ایادی نے کہا:

ذکر القلب من جواه ادکار
ولیال خلالهن نهار
وسجال هواطل من غمام
ثرن ماء وفی جواهن نار
ضوءها یطمس العیون وارعا
د شداد فی الخافقین تطار
وقصور مشیدة حوت الخیر
واخری خلت بهن قفار
وجبال شوامخ راسیات
وبحار میاههن غزار

"سوز دل سے اس کی یاد ہے اور راتوں کے درمیان میں دن ہیں۔ اور موسلا دھار بارش ہے بادلوں سے، بادلوں نے پانی کو جوش دیا اور ان کی سوزش میں آگ روشن ہے۔ اس کی روشنی آنکھوں کو چندھیا رہی ہے اور مشرق و مغرب میں سخت گرج کی آواز آ رہی ہے۔ اور مضبوط قلعوں میں خیر و برکت ہے اور کچھ خالی بے آباد ہیں۔ اور بلند و بالا مضبوط پہاڑ ہیں اور سمندروں کے پانی بہت اور بے کراں ہیں"۔

ونجوم تلوح فی ظلم اللیل
نراها فی کل یوم تدار
ثم شمس یحثها قمر اللیل
وکل متابع موار
وصغیر واشمط وکبیر
کلهم فی الصعید یوما مزار
وکبیر مما یقصر عنه
حدسه الخاطر الذی لا یحار

فـــالـــذی قـــد ذکـــرت دل عـــلـــی الـــلّـــه
نـــفـــوســـا لهـــا هـــدی و اعتـــبـــار

''اور ستارے رات کی تاریکی میں چمکتے ہیں ہم ان کو روزانہ متحرک دیکھتے ہیں۔ پھر چاند سورج کو اکساتا ہے سب پے درپے متحرک ہیں۔ بچے، ادھیڑ عمر اور سن رسیدہ سب کا ایک روز زمین کے اندر مزار ہوگا۔ اور عمر رسیدہ جس سے اس کا وہم وگمان بھی قاصر ہے۔ جو باتیں ذکر ہو چکی ہیں وہ لوگوں کے لئے اللہ کی طرف رہنما ہیں۔ ان کے لئے ان میں ہدایت اور عبرت میسر ہے''۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عکاظ کے میلے میں قس ایادی کو سرخ اونٹ پر سوار خطبہ دیتے ہوئے کبھی نہیں بھول سکتا اس نے کہا، اکٹھے ہو جاؤ اور سنو اور جب سن چکو تو یاد رکھو اور پھر یادداشت سے فائدہ اٹھاؤ اور جب بات کرو تو سچ بولو، جو زندہ ہے وہ فوت ہوگا اور جو فوت ہو گیا وہ دنیا سے چلا گیا، ہر آنے والی چیز آ کر رہے گی، بارش اور نباتات، زندے اور مردے، تاریک رات، آسمان برج والے، ستارے چمکدار، بحر بیکراں، روشنی اور تاریکی، دن اور رات، نیکی اور گناہ، بے شک آسمان میں خبر و آگاہی ہے، زمین میں سامان عبرت ہے، اس میں دانشور حیرت زدہ ہیں، زمین ہموار ہے، آسمان بالا ہے، ستارے مخفی ہیں اور سمندر ساکن ہیں، موت قریب ہے زمانہ فریب دینے والا ہے تیر کی دھار کی طرح اور ترازو کے تول کی طرح۔

قس نے قسم اٹھائی...... وہ اس میں جھوٹا ہے نہ گنہگار... کہ اگر اس زندگی میں خوشی میسر ہے تو اس میں رنج وملال بھی ہوگا۔ پھر اس نے کہا، اے لوگو! اللہ کا ایک دین ہے جو اسے تمہارے اس دین سے پسندیدہ ہے اور یہ اس کے ظہور کا وقت ہے۔ پھر قس نے کہا، میں دیکھتا ہوں لوگ دنیا سے جاتے ہیں واپس نہیں لوٹتے، کیا وہیں انہوں نے اقامت کو پسند کر لیا یا دنیا کے کاموں سے آزاد ہو گئے اور محو خواب ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اس کے اشعار کون سناتا ہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "فداک ابی و امی" میں اس روز موجود تھا وہ کہہ رہا تھا...... پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہی اشعار پڑھے جو حافظ ابوبکر خرائطی کی روایت میں مذکور ہیں۔

ایک عجیب واقعہ...... اس کے بعد مجلس میں سے وفد کے ایک عمر رسیدہ، عظیم سر طویل قامت، عریض سینہ بوڑھے شخص نے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "فداک ابی و امی" میں نے قیس ایادی کا ایک حیرت انگیز واقعہ دیکھا ہے، آپ نے فرمایا بتاؤ کیا دیکھا؟ اس نے کہا جوانی کے ایام میں میرے چار اونٹ بھاگ گئے، میں ان کی تلاش میں وسیع و عریض صحرا، جس میں لکڑیاں اور جھنجھاٹ کے درخت تھے۔ وہ صحراء کھجوروں کے درختوں حوذان (سبزی) سے ڈھکے ہوئے میدانوں، تاریک ویرانوں اور یہقان (ایک جڑی بوٹی کا نام ہے) سے آراستہ سرسبز و شاداب علاقے کے درمیان تھا۔ میں ان جنگلات کے میدانوں میں گھوم رہا تھا اور اس کے ویرانوں میں چکر لگا رہا تھا۔ اچانک میں ایک ٹیلے کے پاس پہنچا اس ٹیلے کے دامن میں پیلو کے درخت تھے، اس کا پھل خوب تر و تازہ تھا، اس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں، گویا پیلو، سیاہ مرچ کی طرح ہے اور اس کی ٹہنیاں بابونہ کی طرح ہیں۔

پھر وہاں ایک جوش مارنے والے چشمے اور سرسبز و شاداب باغ اور خود کاشتہ درخت پر پہنچا۔ اس درخت کے نیچے قیس ایادی تشریف فرما ہیں، ان کے ہاتھ میں چھڑی ہے، میں نے ان کے قریب ہو کر کہا "انعم صباحا" (دور جاہلیت کا السلام علیکم) اس نے بھی جواب دیا "و انت فنعم صباحک" (یعنی وعلیکم السلام) چشمے پر پانی پینے کے لئے کئی درندے آئے، کوئی درندہ اگر اپنی باری سے پہلے پانی پینے کی کوشش کرتا تو اس کو ہاتھ والی چھڑی مار کر کہتا صبر کر، پہلے کو پی لینے دے، میں یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہوا تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا، مت ڈرو ہاں دو قبروں کے درمیان ایک مسجد تھی، پوچھا یہ قبریں کن کی ہیں؟ تو اس نے کہا یہ دو بھائی تھے، یہاں اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے، میں بھی ان کی قبروں کے درمیان اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا تا آنکہ میں فوت ہو جاؤں میں نے عرض کیا، آپ قوم کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ ان کے نیک کاموں میں شامل ہوں اور برے کاموں سے علیحدہ رہو، اس نے مجھے کہا "ثکلتک امک" تو مرے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ بنی اسماعیل نے اپنے باپ کا دین ترک کر دیا ہے متضاد باتوں کے پیروکار ہیں، بتوں کی تعظیم کرتے ہیں، پھر اس نے قبروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

خلیلی ھبا طالما قد رقدتما
اجدکما لا تقضیان کراکما
أری النوم بین الجلد والعظم منکما
کأن الذی یسقی العقار سقاکما
أمن طول نوم لا تجیبان داعیا
کأن الذی یسقی العقار سقاکما
ألم تعلما أنی بنجران مفرداً
ومالی فیہ من حبیب سواکما

''میرے دوستو! نیند سے بیدار ہو جاؤ، بہت سو چکے، کیا تمہاری کوشش ہے کہ نیند کو ختم نہ کرو۔ کیا گہری نیند کی وجہ سے تم جگانے والے کو جواب نہیں دے رہے گویا ساقی نے تمہیں شراب پلا کر مدہوش کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گوشت پوست میں نیند سرایت کر چکی ہے گویا ساقی نے شراب پلا دی ہے۔ کیا تم دونوں کو معلوم ہے کہ میں یہاں اکیلا ہوں۔ میرا یہاں تمہارے سوا کوئی دوست نہیں ہے۔''

مقیم علی قبریکما لست بارحا
ایاب اللیالی أو یجیب صداکما
أأبکیکما طول الحیاۃ وما الذی
یرد علی ذی لوعۃ أن بکاکما
فلو جعلت نفس لنفس أمریء فدی
لجدت بنفسی أن تکون فداکما
کأنکما والموت أقرب غایۃ
بروحی فی قبریکما قد أتاکما

''میں تمہاری قبروں پر مقیم ہوں کہیں جانے کا نہیں حتیٰ کہ تمہاری آواز آجائے۔ کیا میں زندگی بھر تم کو روتا ہوں پریشان آشفتہ حال کو کون جواب دے گا اگر وہ تمہیں ہی روتا رہے۔ اگر کوئی زندہ کسی پر قربان ہو سکتا، تو میں اپنی جان تم پر قربان کر دیتا۔ گویا کہ تم اور تمہاری موت، میری روح کا پہلا ہدف ہے کہ وہ تمہارے پاس آئے۔''

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قس پر اللہ رحم فرمادے وہ قیامت کے روز بذات خود ایک قوم کے برابر ثواب میں اٹھایا جائے گا۔ اس سند سے یہ حدیث نہایت غریب ہے اور یہ مرسل ہے۔ الا یہ کہ حسن بصری کا جارود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہو، واللہ اعلم۔

پیش گوئی......حافظ بیہقی اور حافظ ابوالقاسم نے بہ سند (محمد بن عیسیٰ بن محمد بن سعید قرشی اخباری، ابوہ عیسیٰ بن محمد، علی بن سلیمان بن علی بن علی بن عبداللہ) عبداللہ بن عباس سے بیان کیا ہے کہ جارود رضی اللہ عنہ آیا الخ۔ گذشتہ حسن بصری والی روایت سے بھی اس نے طویل روایت بیان کی ہے اور یہ روایت اونٹوں کے تلاش نے والے بوڑھے کی طرف سے منقول ہے کہ میں نے ایک ایسی وادی میں رات بسر کی جہاں مجھے موت کا انتہائی خطرہ تھا بس صرف تلوار پر ہاتھ تھا ستاروں کو گن رہا تھا اور شدید تاریکی کو دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ رات کی تاریکی ذرا ہلکی ہوئی اور صبح نمودار ہونے کے قریب ہوئی تو ہاتف نے کہا:

یــاأیھــا الــراقــد فــی اللیل الا جــم
قــد بــعــث الـلّــه نبیــاً فــی الـحــرم
مــن هــاشــم أهــل الــوفــاء والـکــرم
یــجــلــو دجیــات الـدیـا جــی والبهــم

''اے تاریک رات میں سونے والے! اللہ نے حرم پاک میں نبی مبعوث فرمایا ہے۔ وہ اہل وفا اور اہل سخا ہاشم قبیلہ سے ہیں گھٹاٹوپ اندھیروں میں وہ اجالا کررہا ہے''۔

وہ بوڑھا کہتا ہے، میں نے اپنے آس پاس دیکھا تو کوئی شخص نظر نہ آیا اور نہ ہی کسی کے چلنے کی آہٹ سنی تو میں نے کہا:

یــا أیھــا الھــا تف فــی داجی الظلم
أهــلا وسهــلا بک مــن طیف الــم
بیـن هـداک الـلّـه فـی لـحسـن الـکـلم
مــاذا الــذی تــد عــو الیــه یـغتـنـم

''اے تاریکی میں آواز دینے والے، خوش آمدید ہے اس خیال کو جو آیا۔ اللہ تیرا راہنما ہو! طرز بیان بامحاورہ ہو، جس کی طرف تو بلا رہا ہے وہ تو غنیمت ہے۔''

بوڑھے نے کہا میں نے کچھ آواز محسوس کی اور اس نے کہا، نور ہدایت رونما ہو چکا ہے باطل مضمحل ہے، اللہ نے محمد ﷺ کو حبور وسرور کے ہمراہ مبعوث کیا ہے سرخ شتر والے تاج اور خود والے، خوبرو، چاند سا چہرہ، آنکھ کی سفید اور سیاہی خوب گہری ہوگی، کلمہ توحید کا قائل ہوگا۔ یہ محمد ہیں جو عرب وعجم، شہر اور دیہات کے لوگوں کی طرف مبعوث ہیں، پھر اس نے کہا:

الــحــمــد لــلّــه الــذی
لــم یــخــلــق الــخــلــق عبــث
لــم یــخــلــنــا یــومــا ســدی
مــن بــعــد عیســی واکتــرث
أرســل فیــنــا أحــمــدا
خیــر نبــی قــد بــعــث
صــلــی عــلیــه الــلّــه مــا
حــج لــه رکــب وحــث

''سب تعریف ہے اس ذات کی جس نے مخلوق کو عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا اس نے ہمیں کبھی بے کار نہیں چھوڑا عیسیٰ کے بعد اور پورا خیال کیا۔ اللہ اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجے جب تک سوار حج کرتے رہیں اور اس پر آمادہ کرتے رہیں''۔

اس روایت میں قس کے اشعار:

یا ناعی المـوت و الـمـلحود فی جدث
عـلیهـم مـن بـقـایـا قـولهـم خـرق
دعهـم فـان لهـم یومـا یصـاح بهـم
فهـم اذا انتبهـوا مـن نـو مهـم أرقـوا
حتـی یـعـودوا بـحـال غیـر حـالهـم
خلـقـا جـدیـدا کـمـا مـن قبلـه خلقوا

منھم عـرلة ومنھم فـي لبابھم
منھا الجديد ومنھا المنھج الخلق

''اے موت کی خبر دینے والے اور میت قبر میں ہے، اُن پر اُن کے اقوال کی دہشت اور حیرت چھائی ہوئی ہے۔ ان کو چھوڑ دو!
بے شک ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے اس میں ان کو پکارا جائے گا، جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو سنبھل جائیں
گے۔ بعض ان سے برہنہ ہوں گے، اور بعض اپنے لباس میں، بعض کا لباس سیاہ ہوگا اور بعض کا بوسیدہ ہوگا''۔

حافظ بیہقی، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، یہ روایت بھی علی بن عبداللہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے بالکل مطابق ہے اس میں صرف یہ اضافہ ہے کہ مذکور بالا تین اشعار ایک صحیفہ میں تھے، جو اس کے سرہانے تھا اور اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واللہ! قس ایادی کا قیامت پر ایمان تھا۔ یہ جملہ اسانید ضعیف ہونے کے باوجود، اصل قصہ کے ثبوت پر ایک دوسرے کی معاون ہیں۔ امام ابومحمد بن درستویہ نحوی نے اس حدیث کے غریب اور نامانوس الفاظ کی تشریح کی ہے۔ حدیث کے زیادہ تر حصہ کا مفہوم بالکل واضح ہے جن الفاظ میں کچھ غرابت غیر مانوسیت اور اجنبیت ہے، وہ ہم نے حواشی میں بیان کر دیے ہیں (مگر یہ حواشی مطبوعہ اور مخطوطہ کسی نسخے میں موجود نہیں ہے) واللہ اعلم۔

حافظ بیہقی، (ابوسعید بن محمد بن احمد شعیثی، ابوعمرو بن ابی طاہر محمد آبادی، ابولبابہ محمد بن مہدی اموردی، ابوہ، سعید معتمر بن سلیمان، ابوہ) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ قوم ایاد کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے ان سے قس ایادی کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ فوت ہو چکا ہے حافظ ابوبکر خرائطی کی روایت از عبادہ بن صامت کے بالکل مطابق ہے۔ حافظ بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت (کلبی، ابوصالح) ابن عباس سے کچھ کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ حسن بصری سے بھی منقطع مروی ہے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی دلائل میں ابونعیم نے (عبداللہ بن محمد بن عثمان واسطی، ابوالولید طریف بن عبیداللہ مولی علی بن ابی طالب در موصل، یحییٰ بن عبدالحمید رحمانی، ابومعاویہ، اعمش، ابوالضحی، مسروق، ابن مسعود رضی اللہ عنہ) یہ روایت بیان کی ہے، نیز حافظ ابونعیم نے عبادۃ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایات بھی بیان کی ہیں۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ جب ایک حدیث متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہو اگرچہ اس کی بعض سندیں ضعیف ہی ہوں تو اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کی بنیاد موجود ہے، واللہ اعلم۔

زید بن عمرو...... (زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ) بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب، زید کے چچا اور ان کے اخیافی بھائی (ماں شریک) ہیں کیونکہ عمرو بن نفیل نے اپنے باپ کی منکوحہ، خطاب بن نفیل کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا، (زبیر بن بکار اور محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق)۔

زید بن عمرو بت پرستی چھوڑ کر اپنے آبائی دین سے علیحدہ ہو چکے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ یونس بن بکیر، اسماء بنت ابی بکر سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو کعبہ سے ٹیک لگائے دیکھا وہ کہہ رہے تھے، اے جماعت قریش! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں زید کی جان ہے کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں، پھر کہتے ہیں، یا اللہ! اگر مجھے تیری عبادت کا صحیح اور پسندیدہ طریقہ معلوم ہو جاتا تو میں اسی طریقہ سے تیری عبادت کرتا پھر اپنی سواری پر ہی سجدہ ریز ہو جاتے۔ ابواسامہ، ہشام بن عروہ سے اسی طرح روایت بیان کرتے ہیں، لیکن اس میں مزید اضافہ ہے کہ وہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ میرا معبود، ابراہیم کا معبود ہے، میرا دین ابراہیم کا دین ہے، ''موؤدہ'' زندہ در گور لڑکی کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے، اس کا ''قاتل'' باپ جب قتل کا عزم کر لیتا تو اسے کہتے مت قتل کر، میرے سپرد کر دو میں اس کی کفالت کروں گا، جب جوان ہو جائے خواہ لے لو، خواہ میرے پاس رہنے دو۔ امام نسائی نے بھی اس کو بہ سند ابی اسامہ روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو معلق بیان کیا ہے۔ لیث کہتے ہیں ہشام بن عروہ نے بہ سند عروہ یہ روایت مجھے تحریر کر کے ارسال کی۔

یونس بن بکیر، محمد بن اسحاق سے بیان کرتے ہیں کہ قریش کے چند افراد زید بن عمرو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ، عثمان بن حویرث بن اسد بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن رودان بن اسعد بن خزیمہ (اس کی والدہ امیہ بنت

عبداللہ ہے اور ہمشیرہ زینب رضی اللہ عنہ بنت جحش جن سے رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ سے طلاق کے بعد شادی کر لی تھی) ایک عید میں جمع ہوئے جس میں وہ اپنے بت کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے، انہوں نے آپس میں ''راست گوئی'' اور سچ بولنے کا معاہدہ کیا اور راز دار کا عہد لیا، ان میں سے کسی نے کہا، تم جانتے ہو کہ تمہاری قوم ''راہ حق'' پر نہیں، ابراہیمی دین کو چھوڑ چکی ہے بت کیسا معبود ہے؟ بے کار، نہ فائدہ مند نہ نقصان دہ، اپنے لئے صحیح دین تلاش کرو، چنانچہ وہ دین کی تلاش میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور مختلف ممالک میں یہود و نصاریٰ اور دیگر اہل ادیان سے ابراہیمی دین کی جستجو کرتے رہے۔

ورقہ بن نوفل......ورقہ بن نوفل نے عیسائیت اختیار کر لی اور وہ اس میں پختہ ہو گیا، عیسائیوں سے علم حاصل کر کے جید عالم بن گیا۔

زید بن عمرو......زید بن عمرو ان میں سے نہایت انصاف پرور اور ثابت قدم تھا، بت پرستی سے دور رہا یہودیت عیسائیت اور مجوسیت سے الگ رہا، ابراہیمی دین کا پابند تھا، موحد تھا، بتوں کا منکر تھا غیر اللہ کے نام پر ذبح کردہ جانور کے گوشت سے پرہیز کرتا تھا۔ جب قریش کی مشرکانہ رسوم سے انہوں نے الگ رہنے کا پختہ عزم کیا تو خطاب نے اس کو بے حد اذیت پہنچائی، چنانچہ وہ گھر چھوڑ کر مکہ کے بالائی حصے میں چلے گئے، خطاب نے قریشی نوجوانوں اور اوباشوں کو اس بات پر مامور کر دیا تھا کہ وہ مکہ میں داخل ہونے نہ پائے، آپ چوری چھپے گھر آتے، جب ان لوگوں کو معلوم ہو جاتا تو آپ کو نکال باہر کرتے اور سخت اذیت پہنچاتے، مبادا ان کے دین کے کوئی تابع نہ ہو جائے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں میں نے ایک نہایت ثقہ راوی سے سنا ہے کہ زید قریش کے بتوں کے نام پر ذبح کرنے پر شدید نکتہ چینی کرتے تھے کہ بکری کو اللہ نے پیدا کیا، اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا، زمین پر چارہ اگایا۔ اللہ کے ان احسانات کے ہوتے ہوئے تم غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو؟

یونس، ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ زید مکہ کی سکونت ترک کر کے ابراہیمی دین کی تلاش کی خاطر کہیں اور جانے کا قصد کرتے، وفا کی بیوی صفیہ بنت حضرمی کو جب یہ معلوم ہوتا کہ وہ کہیں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں تو خطاب بن نفیل کو بتا دیتی، چنانچہ وہ بہت مشکلات کے بعد دین ابراہیم کی تلاش میں شام کی طرف روانہ ہو گئے، وہ مسلسل دین ابراہیم کی تلاش و جستجو میں رہے۔ (موصل) جزیرہ، سب علاقے چھان مارے، بلقا کے بیچ اور گرجا میں مشہور زمانہ ایک لاٹ پادری سے ملاقات ہوئی اور اس سے دین ابراہیم کے بارے میں دریافت کیا تو لاٹ پادری نے کہا آپ ایسے گوہر نایاب کی تلاش و جستجو میں ہیں جس کا بتانے والا کوئی نہیں، اس کے عالم ناپید ہو گئے ہیں اور اس کے ماہر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، لیکن ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آ گیا ہے، چنانچہ وہ راہب کی بات سنتے ہی مکہ کی طرف عازم سفر ہو گیا، قوم لخم کے علاقہ میں پہنچا تو ان کے ہاتھوں وہاں قتل ہو گیا اور اس کی صورت پر ورقہ بن نوفل نے مرثیہ کہا:

رشدت وأنعمت ابن عمرو وانما
تجنبت تنوراً من النار حامیا
بدینک رباً لیس رب کمثلہ
وترکک اوثان الطواغی کما ھیا
وقد تدرک الانسان رحمۃ ربہ
ولو کان تحت الأرض ستین وادیا

''اے ابن عمرو! تو نے ہدایت پائی اور خوش و خرم ہو گیا اور تو نے آگ کے گرم تنور سے نجات پائی۔ بوجہ اپنے رب کی عبادت کے جس کی مثل مفقود ہے اور طاغوت بتوں کے ترک کرنے کی وجہ سے اور بے شک انسان کو رحمت الٰہی پا لیتی ہے اگرچہ وہ زمین کی ساٹھ وادیوں میں ہو عمرو''۔

ابن ابی شیبہ، زید سے بیان کرتے ہیں کہ جاہلی دور میں عمرو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، حتیٰ کہ وہ ایک یہودی کے پاس آیا تو اس سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے یہودی بنالیں تو یہودی نے کہا کہ آپ یہودیت میں تب داخل ہو سکتے ہیں جب اللہ کے غضب سے اپنے حصہ کا اعتراف

کرو، تو زید نے کہا غضب الٰہی سے تو میں بچنے کے لئے پھرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے عیسائی عالم سے کہا آپ مجھے دائرہ عیسائیت میں شامل کرلیں تو اس نے کہا عیسائیت میں داخلہ کے لئے اپنے حصہ کی گمراہی کا اعتراف ضروری ہے تو اس نے کہا ضلالت وخباثت سے تو میں متنفر ہوں، تو عیسائی عالم نے کہا میں آپ کو ایک ایسے دین کے بارے میں بتلاتا ہوں اگر تم اختیار کرلو تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے تو اس نے پوچھا کون سا دین؟ تو اس نے کہا، دین ابراہیم، تو اسنے کہا، الٰہی میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا جینا اور مرنا دین ابراہیم پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قیامت کے روز تنہا ایک قوم ہوگا۔ موسیٰ بن عقبہ نے سالم کے ذریعہ ابن عمر سے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

محمد بن سعد، عبدالرحمان بن زید بن خطاب سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل نے کہا، میں نے یہودیت اور عیسائیت کو قریب سے دیکھا اور ان کو ناپسند کیا، میں نے شام اور اس کا گردونواح، چھان مارا حتیٰ کہ میں ایک راہب کے پاس اس کی عبادت گاہ میں آیا اور اسے اپنے وطن سے دور دراز سفر کرنے کے متعلق بتایا بت پرستی، یہودیت اور عیسائیت سے نفرت کا اظہار کیا تو اس نے کہا اے مکی معلوم ہوتا ہے تو دین ابراہیم کا طلب گار ہے؟ تو ایسے دین کا طالب ہے جس کا وجود آج ناپید ہے۔ وہ تیرے مورث اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے وہ حنیف تھا، یہودی تھا نہ عیسائی صرف حنیف تھا۔ وہ بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا تھا۔ لہٰذا تم اپنے علاقے میں چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تیری قوم سے تیرے ہی شہر میں نبی مبعوث کرے گا جو دین ابراہیم کو پیش کرے گا وہ دین، اللہ کو ساری کائنات سے معزز ومحترم ہے۔

یونس، ابن اسحاق، آل زید کے کسی فرد سے روایت کرتے ہیں کہ زید بیت اللہ میں داخل ہوتے تو یہ کہتے "لبیک حقاً حقاً تعبدا ورقا" میں حاضر ہوں، تیرے سامنے صدق دل سے بندگی اور غلامی کی غرض سے، میں اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے ابراہیم علیہ السلام نے پناہ مانگی تھی، جب اس نے کہا تھا میرا چہرہ تیرے سامنے خم اور خاک آلودہ ہے جو تو مجھے تکلیف دے میں اسے برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں میں نیکی اور تواضع کا خواستگار ہوں، بڑائی اور تکبر کا طلبگار نہیں، محوِ خواب رہنے والا دوپہر کو چلنے والے کی مانند نہیں۔ ابوداؤد طیالسی، سعید بن زید سے نقل کرتے ہیں کہ زید اور ورقہ دونوں دین کی تلاش میں ایک راہب کے پاس موصل پہنچے تو راہب نے زید سے پوچھا اے شتر سوار! کہاں سے آئے ہو؟ تو اس نے کہا مکہ سے، راہب نے پھر پوچھا "کس کی تلاش میں؟ تو اس نے کہا دین کی جستجو میں، تو راہب نے کہا، واپس چلے جایئے، عنقریب یہ دین تیرے علاقہ میں رونما ہوگا، چنانچہ ورقہ نے تو عیسائیت قبول کرلی، میں نے بھی عیسائیت قبول کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ میرے خیال کے مطابق نہ تھی، میں یہ کہتا ہوا واپس چلا آیا۔

لبیک حقا حقا تعبدا ورقا، البرا بغیتلا الحال فھل مھجر کمن قال آمنت بما آمن به ابراھیم وھو

یقول: انفی لک عان راغم مھما تجشمنی فانی جاشم

یہ کہہ کر سجدہ ریز ہو جاتے۔

(اس کا ترجمہ مذکور بالا روایت میں ہو چکا ہے پچھلے صفحہ کے آخر میں)۔

سعید بن زید کی اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کروانا...... عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے والد، آپ کو معلوم ہے کیسے تھے؟ آپ ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو آپ نے اثبات میں جواب دے کر فرمایا "فانه یبعث یوم القیامة امة واحدة" رسول اللہ ﷺ اور زید بن حارثہ ایک دسترخوان پر کھانا تناول فرمارہے تھے کہ زید بن عمرو بھی آگئے تو آپ نے اس کو کھانے کی دعوت دی تو اس نے کہا اے ابن اخ اے بھتیجے میں بتوں پر ذبح کردہ جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا۔ محمد بن سعد، حجر بن ابی اہاب سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو شام سے واپسی کے بعد دیکھا وہ سورج کے زوال کے منتظر تھے اور میں "بوانہ" بت کے پاس تھا، جب سایہ ڈھل گیا تو اس نے ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھی اور کہا یہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کا قبلہ ہے۔ میں پتھر کی پرستش کرتا ہوں نہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں اور نہ اس پر ذبح شدہ جانور کا گوشت کھاتا ہوں اور نہ تیروں سے قسمت آزمائی کرتا ہوں، میں آخر دم تک بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا رہوں گا۔ حج کے دوران عرفات میں قیام کرتا اور یہ تلبیہ کہتا "لبیک لا شریک لک و لا ندلک" پھر عرفات سے پیدل

واپسی کے دوران کہتا "لبیک متعبدا مرقوقا"

زید بن عمرو کا آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنا...... واقدی، عامر بن ربیعہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو یہ کہتے سنا کہ "میں اولاد عبدالمطلب میں سے نبی کا منتظر ہوں، میں غالباً اس کا عہد مبارک نہ پاسکوں گا۔ میں اب اس پر ایمان لاتا ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں شاہد ہوں کہ وہ نبی برحق ہے۔ اگر تیری زندگی طویل ہوا اور تو اس نبی کو دیکھ لے تو میرا ان کو سلام کہنا۔ میں آپ کو اس کا حلیہ بتاتا ہوں تا کہ تم پر مخفی نہ رہے۔ میں نے عرض کیا فرمایئے، تو کہا وہ معتدل قد وقامت ہیں، اسی طرح موئے مبارک بھی معتدل، آنکھوں میں سرخ ڈور، کندھوں کے درمیان ختم نبوت کی علامت، اسم مبارک "احمد" ہے جائے پیدائش مکہ، جائے بعثت بھی مکہ، قوم ان کو ہجرت پر مجبور کرے گا، ان کے ارشادات کو ناپسند کرے گی اور وہ یثرب ہجرت کر کے چلے جاویں گے، وہاں ان کی خوب عزت کی جائے گی۔ تم ان سے مکروفریب سے پیش نہ آنا۔ میں نے تمام دنیا کا سفر دین ابراہیم کی تلاش میں کیا ہے۔ میں نے جس یہودی، عیسائی اور مجوسی سے بھی دریافت کیا وہ یہی کہتے تھے کہ یہ دین تیرے علاقے میں ظاہر ہوگا اور وہ آپ ﷺ کا حلیہ مبارک اسی طرح بیان کرتے تھے جو میں نے آپ کو بتایا ہے اور وہ کہتے تھے کہ وہ آخری نبی ﷺ ہے اس کے بعد نبی نہیں آئے گا۔

عامر بن ربیعہ کا آپ ﷺ کو زید کا سلام پہنچانا...... عامر بن ربیعہ کہتے ہیں جب میں مسلمان ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو زید کا پیغام اور سلام پہنچایا تو آپ نے سلام کا جواب دے کر رحمت کی دعا کی اور فرمایا میں نے اس کو جنت میں دوشالہ گھسیٹتے دیکھا ہے۔ صحیح بخاری میں عنوان ہے "ذکر زید بن عمرو" اس کے تحت درج ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام زید بن عمرو بن نفیل سے بلاح مقام مکہ کے مغربی جانب تنعیم کے راہ میں پہاڑ کے دامن میں ملے۔ ابھی آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان بچھایا گیا، زید نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا، پھر کہنے لگا میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جس کو تم لوگ اپنے بتوں پر ذبح کرتے ہو، میں اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ زید بن عمرو قریش کی ان قربانیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے اور کہتے (حیرت انگیز ہے) بکری کو اللہ نے پیدا کیا آسمان سے پانی بھی اللہ نے برسایا، چارہ بھی زمین سے اسی نے اگایا، پھر تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو؟ یہ بات محض مشرکوں کے کام پر نکتہ چینی اور گناہ تصور کرتے ہوئے کہتے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ، ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل حق کی تلاش وجستجو میں مکہ سے شام گئے وہاں یہودی کے کسی عالم سے ملاقات ہوئی۔ اسی سے دین کے بارے میں دریافت کیا کہ شاید میں آپ کا دین اختیار کرلوں تو اس نے بتایا اگر تو ہمارا دین اختیار کرے گا تو اللہ کے غضب میں اپنا حصہ لے گا۔ زید بن عمرو نے کہا۔ واہ! میں تو اللہ کے غضب سے بھاگ کر آیا ہوں، میں اللہ کے غضب کو اپنے اوپر کبھی نہ اٹھاؤں گا نہ مجھ میں اس کے اٹھانے کی طاقت ہے، کیا کوئی اور دین تم مجھے بتا سکتے ہے؟ تو اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ کوئی دین سچا ہو، بجز دین حنیف، زید نے کہا دین حنیف کیا ہے؟ تو اس نے کہا ابراہیم علیہ السلام کا دین جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی صرف اللہ کی پرستش کرتے تھے، چنانچہ زید وہاں سے چلے آئے اور ایک عیسائی عالم سے ملے۔ اس کو بھی اپنی خواہش بتائی تو اس نے کہا تو ہمارے دین میں آئیگا تو اللہ کی لعنت میں سے ایک حصہ لے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگتا ہوں، مجھ سے نہ خدا کی لعنت اٹھ سکے گی اور نہ خدا کا غضب اور مجھ میں اتنی طاقت کہاں سے آئی تم تو مجھے کوئی اور دین بتا سکتے ہو؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا، بجز اس بات کے کہ وہ "حنیف دین" ہو زید نے پوچھا "ماالحنیف" وہ کیا؟ تو اس نے کہا ابراہیم علیہ السلام کا دین جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، جب زید نے یہودیوں اور عیسائیوں کا نظریہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سنا تو وہاں سے چلے آئے اور جب آبادی سے باہر نکلے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر" دعا کی اور اقرار کیا" یا اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔

اسماء بنت ابی بکر کی روایت...... اور لیث بن سعد نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ عروہ کی یہ روایت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے ارسال کی، وہ کہتی ہیں: میں نے زید بن عمرو کو دیکھا وہ کعبہ سے اپنی پشت لگائے ہوئے کہہ رہے تھے اے قریش کے لوگو! واللہ! تم میں سے میرے سوا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر کوئی نہیں۔ اور زید نوزائیدہ بچیوں کو زندہ درگور نہیں کرنے دیتے تھے۔ وہ اس شخص سے جو اپنی بیٹی کو

قتل کرنا چاہتا، یہ کہتے کہ تو اس کو مت قتل کر، مجھے دیدے، میں اس کی پرورش کروں گا۔ چنانچہ اس کو لے کر اس کی تربیت کرتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے اگر چاہو تو اپنی بیٹی کو آ کر لے لو، میں ابھی دیتا ہوں اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں خود اس کی تمام تر ذمہ داری خود اپنے سر لے لیتا ہوں، انتھی ماذکرہ البخاری (پ۔۱۵) یہ لیث والی روایت حافظ ابن عساکر نے بیان کی ہے بہ سند (ابو بکر بن داؤد، عیسیٰ بن حماد، لیث، ہشام، عروہ، اسماء رضی اللہ عنہا) اور متن بھی اسی طرح ہے۔

عبدالرحمن بن ابی الزناد اسماء سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو کعبہ سے ٹیک لگائے دیکھا وہ کہہ رہے تھے یا معشر قوم! تم زنا سے بچو وہ فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اس مقام پر متعدد نہایت غریب احادیث بیان کی ہیں، بعض میں شدید نکارت اور عجوبہ پن ہے اور متعدد اسناد سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: زید قیامت کے دن ایک قوم کے قائم مقام ہوگا (ان میں سے بعض روایات یہ ہیں) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ زید بن عمرو دور جاہلیت میں قبلہ رخ ہو کر کہا کرتا تھا، میرا معبود ابراہیم علیہ السلام کا معبود ہے اور میرا دین ابراہیم علیہ السلام والا دین ہے۔ اور سجدہ بھی کیا کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تنہا ہی قیامت کے روز ایک قوم ہوگا، یہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہے، اس روایت کی سند جید اور حسن ہے۔

زید کی وفات...... واقدی سعید بن مسیب سے روایت بیان کرتے ہیں کہ زید کعبہ کی تعمیر کے دوران فوت ہوئے (رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پانچ سال قبل) وہ کہا کرتے تھے میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہوں اور پھر ان کا فرزند ارجمند سعد مسلمان ہوا۔ سعید بن زید اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ نے زید کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "غفر الله له ورحمه" (اللہ اسے معاف کرے اور اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے) وہ دین ابراہیمی علیہ السلام پر فوت ہوا ہے۔ چنانچہ مسلمان بعد میں جب ان کا تذکرہ کرتے تو ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے، یہ روایت بیان کرنے کے بعد سعید بن مسیب نے بھی "رحمه الله وغفر له" کہا محمد بن سعد، یحییٰ سعدی سے روایت کرتے ہیں کہ زید مکہ میں فوت ہوئے اور جبل حراء کے دامن میں دفن ہوئے۔

زید کا قتل...... گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ شام کے علاقے بلقا میں وہ قتل ہوئے لخم قبیلہ نے ان پر حملہ کر کے میفعہ کے مقام پر انہیں شہید کر دیا تھا واللہ اعلم۔ باغندی (ابو سعید اشج، ابو معاویہ، ہشام، عروہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا میں جنت میں گیا تو وہاں زید بن عمرو کے دو بڑے درخت دیکھے یہ سند نہایت عمدہ اور جید ہے لیکن صحاح ستہ میں نہیں۔

زید بن عمرو کے اشعار...... زید بن عمرو کے سترہ اشعار ہم ذکر ما یتعلق بخلق السموات میں بیان کر چکے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اشعار امیہ بن ابی صلت کے ہیں، واللہ اعلم۔ توحید کے متعلق کچھ اشعار ان کے ابن اسحاق اور ابن بکار وغیرہ نے نقل کئے ہیں۔

إلى الله اهدى مرحتي وثنائيا
وقولا رضيا لا يبنى الدهرا باقيا
إلى الملك الاعلى الذي ليس فوقه
إله ولا رب يكون مدانيا
وأسلمت وجهي لمن أسلمت
له الارض تحمل صخرا ثقالا
دحاها فلما استوت شدها
سواء وأرسى عليها الجبالا
وأسلمت وجهي لمن أسلمت

لہ المزن تحمل عذبا زلالا

اذا ھی سیقت الی بلدۃ

أطاعت فصبت علیہا سجالا

واسلمت وجھی لمن اسلمت

لہ الریح تصرف حالا فحالا

''میں نے اپنی ذات اس کے سپرد کردی ہے، جس کے زمین تابع ہے جو زمین وزنی پہاڑ اٹھائے ہوئے۔ زمین کو پھیلایا اور جب وہ ہموار ہوگئی تو اس کو مضبوط کردیا اور اس پر پہاڑ پیوست کردیئے۔ اور میں اسی کے تابع ہوں جس کے تابع بادل ہیں صاف شیریں پانی اٹھائے ہوئے۔ جب ان کو کسی علاقے کی طرف لے جایا جائے تو وہ تابع فرمان ہوکر، اس پر موسلا دھار بارش برسا دیتے ہیں میں اس ذات کے مطیع ہوں جس کی اطاعت گزار ہوا ہے جو حالات میں تبدیل رونما کرتی ہے''۔

محمد بن اسحاق، ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو نے یہ اشعار کہے:

أرب واحد ام ألف رب

أدین اذا تقسمت الامور

عزلت اللات والعزی جمیعا

کذلک یفعل الجلد الصبور

فلا العزی أدین ولا ابنتیھا

ولا صنمی بنی عمرو ازور

ولا غنما أدین وکان ربا

لنا فی الدھر اذ حلمی یسیر

''کیا ایک رب کی اطاعت کروں یا ہزار کی، جب دو عالم کے معاملات تقسیم ہوں۔ میں لات عزیٰ سب بتوں سے بیزاری ظاہر کرچکا ہوں، پختہ رائے صبر مند انسان اسی طرح کرتا ہے۔ میں عزیٰ کا مطیع ہوں نہ اس کی دو بیٹیوں کا اور نہ بنی عمرو سے بتوں کی زیارت کرتا ہوں۔ اور نہ میں غنم کی عبادت کرتا ہوں، عہد قدیم میں وہ ہمارا رب تھا جب میری عقل ناقص تھی''۔

عجبت وفی اللیالی معجبات

وفی الایام یعرفھا البصیر

بأن اللّٰہ قد افنی رجالا

کثیرا کان شأنھم الفجور

وابقی آخرین ببر قوم

فیربل منھم الطفل الصغیر

وبینا المرء یعثر ثاب یوما

کما یتروح الغصن النضیر

''میں تعجب کرتا ہوں رات اور دن میں تعجب خیز واقعات مضمر ہیں جن کو ہنرمند جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کردیا جو فاسق وفاجر تھے۔ بعض کی نیکی اور تقویٰ کے باعث کچھ لوگوں کو زندگی بخشی اور ان کے شیر خوار بچے نشوونما پاتے ہیں۔ انسان لغزش کھاتا ہے تو بہ کرلیتا ہے، نازک شاخ کی طرح''۔

ولــکــن اعــبــد الــرحــمــن ربــی
لیــغــفــر ذنبــی الــرب الــغــفــور
فــتــقــوی الــلّــه ربــکــم احــفــظــوهــا
متــی مــا تــحــفــظــوهــا لا تــبــوروا
تــری الا بــرار دار هــم جــنــان
ولــلــکــفــار حــامیة ســعــیــر
وخــزی فــی الــحــیــاة وان یــمــوتــوا
یــلاقــوا مــا تــضــیــق بــه الــصــدور

’’لیکن میں اپنے مہربان پروردگار کی عبادت کرتا ہوں تاکہ وہ رب غفور میرے گناہوں کو معاف کردے۔اپنے پروردگار ’’اللہ‘‘ کے تقویٰ کو رکھو، جب تم اس کی نگاہ بانی رکھو گے تو ہلاک نہ ہو گے۔تو دیکھے گا کہ نیک لوگوں کی رہائش گاہ جنت ہے اور کافروں کے لئے جلتا ہوا جہنم۔وہ دنیا میں رسوا ہیں، موت کے بعد ایسے حوادثات سے دوچار ہوں گے جو دل پر دشوار گزار ہوں گے‘‘۔

ابوالقاسم بغوی اسماء بنت ابی بکر سے بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو نے یہ اشعار کہے۔یہ سات اشعار ابن اسحاق کے مذکورہ اشعار میں شامل ہیں لیکن غیر مرتب ہیں (اسی طرح ورقہ بن نوفل سے بھی یہاں سات اشعار مذکور ہیں جو غیر مرتب طور پر پہلے بیان ہو چکے ہیں ندوی) زید بن عمرو کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں باقی رہا ورقہ بن نوفل کے حالات زندگی تو وہ ’بدءالوحی‘ کے باب میں بیان کریں گے۔

عثمان بن حویرث...... یہ شخص شام میں ہی مقیم رہا، یہاں تک کہ قیصر کے پاس ہی فوت ہوا، اس کے عجیب وغریب حالات اموی نے بیان کئے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ قیصر کے پاس آیا اور اپنی قوم کے مظالم کے بارے میں اس سے شکایت کی قیصر نے ابن جفنہ شاہ شام کو مراسلہ ارسال کیا کہ قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اس کے ہمراہ فوج بھیج دے جب اس نے لڑائی کا عزم کر لیا تو عرب کے باشندوں نے اس کو بیت اللہ کی عظمت وہیبت کی خاطر جنگ سے روک دیا اور اس کو اصحاب فیل کا قصہ سنایا تو ابن جفنہ نے عثمان کو رنگین زہریلا قمیص پہنا دیا وہ اس زہر سے مر گیا، زید بن عمرو نے اس کا مرثیہ کہا جو اموی نے بیان کیا ہے۔مگر ہم نے اس کو اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے۔یہ رسول اللہ ﷺ ک بعثت سے تین سال قبل فوت ہوئے یا اس کے قریب، واللہ اعلم۔(یہاں پر عبیداللہ بن جحش کا تذکرہ ہے اختصار کے طور پر ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔کیونکہ ان کا ذکر آگے مستقلاً آ رہا ہے

زمانہ فترت کے کچھ اہم واقعات

تعمیر کعبہ...... بعض لوگوں کا کہنا کہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی ہے۔اس کے متعلق عبداللہ بن عمرو کی ایک مرفوع روایت بھی مروی ہے لیکن اس حدیث میں ابن لھیعہ ایک کمزور راوی موجود ہے۔سب سے زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ اس کے بانی، معمار حرم ابراہیم خلیل اللہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اسی طرح سماک بن حرب، خالد بن عرعرہ، علی بن ابی طالب سے مذکور ہے کہ کعبہ مسمار ہو گیا تو قوم عمالقہ نے اسے تعمیر کیا پھر خراب ہو گیا تو بنی جرہم نے اس کی دوبارہ تعمیر کی، پھر دوبارہ اس کی شکستگی کے بعد قریش نے اسے ازسر نو تعمیر کیا، امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔یہ تعمیر پانچ یا پندرہ سال قبل معرض وجود میں آئی۔بقول امام زہری رسول اللہ ﷺ حد بلوغ کو پہنچ چکے تھے۔(یہ اپنے مقام پر مفصل بیان ہوگا)۔

کعب بن لوی کا فصیح وبلیغ خطبہ...... ابونعیم، ابوسلمہ سے بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے بروز کعب اپنی قوم کو جمع کرتے، قریش جمعہ کو عروبہ کہتے تھے، اور ان کو خطاب کرتے، امابعد! سنو! اور علم حاصل کرو، سمجھو اور یقین کرو کہ رات تاریک ہے۔دن روشن ہے، زمین ہموار ہے، آسمان چھت

ہے، پہاڑ میخیں ہیں، ستارے راستوں کے علم ہیں، قدیم اقوام بعد میں آنے والوں کی طرح ہیں، مرد اور عورت ہے، روح اور ہر وہ چیز جو متحرک ہے فنا کی طرف رواں ہے، آپس میں صلہ رحمی کرو، رشتوں ناطوں کی حفاظت کرو، مال و دولت میں اضافہ کرو، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی مردہ واپس آیا یا میت کو دوبارہ زندہ کیا گیا؟ اصل گھر تمہارے سامنے آئے گا، تمہارے غلط اقوال کے علاوہ علم و یقین ہے، اپنے حرم کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کے پابند رہو، عنقریب اس سے عظیم خبر صادر ہوگی، اس سے نبی ﷺ کریم کا ظہور ہوگا:

نهار وليل كل يوم بحادث
سواء علينا ليلها ونهارها
يؤوبان بالاحداث حتى تأوبا
وبالنعم الضافي علينا ستورها
على غفلة يأتي النبي محمد
فيخبر اخبار صدوق خبيرها

"بلا ناغہ شب و روز جدید ہوتے ہیں، اس کے لیل و نہار ہمارے لئے یکساں ہیں رات اور دن آتے رہیں گے اور در پردہ انعامات لاتے رہیں گے یہاں تک کہ اچانک نبی علیہ السلام کا ظہور ہوگا اور وہ واقعات بتائیں گے جن کے بتانے والا راست باز ہے۔"

بعد ازیں فرماتے واللہ! اگر میرے اعضاء رئیسہ، آنکھ، کان، ہاتھ اور پیر اس وقت صحیح ہوں تو میں مضبوط اونٹ کی طرح اپنا کردار ادا کروں اور اس کے اوامر کی تنفیذ میں خوب کوشش کروں گا پھر اس نے کہا:

يا ليتني شاهداً نجواء دعوته حين العشيرة تبغي الحق خذلانا

کعب کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ سال کا فاصلہ ہے۔

آب زم زم کے کنویں کی دوبارہ تعمیر...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم حطیم میں سوئے ہوئے تھے زمزم کی کھدائی کا خواب دیکھا جیسا کہ یزید بن ابی حبیب مصری، علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حدیث زمزم بیان کرتے ہیں کہ! عبدالمطلب نے کہا میں حطیم میں سویا، تو اتھا کہ مجھے کسی نے کہا "طیبہ" کی کھدائی کروں میں نے کہا "طیبہ" کیا ہے؟ وہ بغیر جواب دیئے چلا گیا، دوسرے روز میں اپنے بستر پر سونے کے لئے دراز ہوا تو پھر کسی نے کہا "برہ" کی کھدائی کیجئے۔ میں نے پوچھا "برہ" کیا؟ وہ پھر بغیر بتائے چلا گیا، اگلے روز میں پھر سویا تو وہ آیا اور اس نے کہا "مضنونہ" کی کھدائی کرو، میں نے کہا مضنونہ کیا ہے؟ پھر بھی وہ چپ چاپ چلا گیا، اگلے روز پھر میں سویا تو اس نے کہا چاہ زمزم کی کھدائی کرو، میں نے کہا زمزم کیا ہے؟ تو اس نے کہا وہ کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ کم ہوگا۔ حاجیوں کو پلایا جائے گا، یہ گوبر اور خون کے درمیان ہوگا، کوئے کے ٹھونگا مارنے کے قریب ہوگا، چیونٹیوں کے بل کے قریب ہوگا، جب اس کی حقیقت اور جگہ معلوم ہوگئی اور واضح ہوا کہ اس نے سچ کہا ہے تو دونوں باپ بیٹا (حارث بن عبدالمطلب اس وقت صرف یہی ایک بیٹا تھا) کدال لے کر کھدائی کرنے لگے۔ جب اس کی بنیاد ظاہر ہوئی تو عبدالمطلب نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو قریش سمجھ گئے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے تو کہنے لگے، جناب عبدالمطلب یہ ہمارے مورث اعلیٰ اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ ہم بھی اس کے حقدار ہیں، ہمیں بھی اس کا حصہ دیجئے۔ عبدالمطلب نے کہا، ایسا نہ ہوگا، یہ کنواں میرے ساتھ مختص ہے۔ اور صرف مجھے عطا کیا گیا ہے تو وہ کہنے لگے، انصاف سے کام لو ہم تنہا تمہاری ملکیت نہیں رہنے دیں گے، ہم مخالفت کریں گے تو عبدالمطلب نے کہا کوئی جج اور منصف تسلیم کر لو ہم اس کے پاس مقدمہ لے جاتے ہیں، بنی سعد کی کسی کاہنہ کا نام بطور منصف پیش ہوا تو عبدالمطلب نے بھی تسلیم کر لیا۔

شام کی کاہنہ کا بطور حکم تسلیم کرنا...... وہ کاہنہ شام کے علاقہ میں تھی، چنانچہ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک فرد تیار ہوا، عبدالمطلب کے ہمراہ چند اموی بھی تھے، اس وقت راستے بے آباد اور صحرا تھے، چلتے چلتے سفر میں ایک مقام پر پہنچ کر سب کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کے مارے موت

سامنے نظر آنے لگی اگر کسی کے پاس چلو بھر پانی تھا بھی تو وہ بھی کسی کو دینے کے لئے تیار نہ تھا۔اس صورت کے پیش نظر عبدالمطلب نے کہا ابھی تو ہم میں کچھ قوت وطاقت باقی ہے ہر آدمی اپنی قبر کھود لے جب وہ پیاس سے مرجائے تو ساتھی اس میں دفن کر دیں صرف آخر میں ایک آدمی رہ جائے گا تو ایک آدمی کا بلا کفن رہنا، بہ نسبت سب کی کچھ برا نہیں، اس تجویز کو بہتر سمجھتے ہوئے ہر ایک نے اپنی قبر کھود لی اور موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

موت کے منہ میں عبدالمطلب کی سخاوت...... پھر عبدالمطلب نے رفقاء سفر سے کہا، ہمارا اس طرح خود کو موت کے سپرد کرنا اور گردونواح میں پانی نہ تلاش کرنا بزدلی اور حماقت ہے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی جگہ پانی میسر کردے، چنانچہ وہ سفر کے لئے تیار ہوئے تو عبدالمطلب نے اپنی سواری اٹھائی تو اس کے پاؤں کے نیچے سے شیریں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو عبدالمطلب اور ان کے رفقاء سفر نے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر عبدالمطلب نے کہا آؤ پانی پیو، اللہ تعالیٰ نے پانی عطا کر دیا ہے۔ چنانچہ سب نے پیا اور سواریوں کو پلایا اس صورت حال کے مدنظر سب نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ہم آپ سے زمزم کے بارے میں کبھی تنازع نہ کریں گے جس ذات باری تعالیٰ نے آپ کو اس صحراء میں پانی سے محروم نہیں رکھا اسی نے آپ کو زمزم عطا کیا ہے اپنے پانی کی طرف خیر و برکت سے واپس ہو چلو، چنانچہ وہ راستے سے ہی واپس چلے آئے اور کاہنہ کے پاس نہ گئے اور زمزم سے عبدالمطلب کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

چاہ زم زم کے متعلق غیبی آواز...... ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے کسی نے عبدالمطلب کے بارے میں بتایا کہ کھدائی کے وقت یہ غیبی آواز آئی "تو سیراب کرنے والے صاف شفاف پانی کی طرف بلا جو ہر مشکل میں حاجیوں کو سیراب کرے گا۔ جب تک وہ ہے اس سے اذیت و تکلیف کا خطرہ نہیں" یہ غیبی آواز سن کو عبدالمطلب نے قریش کے پاس آ کر کہا سنو! مجھے چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم ہوا ہے،تو انہوں نے پوچھا کیا تجھے اس کے مقام کی نشاندہی کر دی گئی ہے؟ تو اس نے کہا، نہیں، تو قریش نے کہا جاؤ اسی خواب گاہ میں لیٹ جاؤ جہاں تم نے یہ خواب دیکھا ہے اگر منجانب اللہ سچا ہوا تو وہ تجھے وضاحت کر دے گا، اگر شیطانی وسوسہ ہوا تو وہ نہ آئے گا، چنانچہ وہ دوبارہ خواب گاہ میں لیٹ گئے تو یہ آواز آئی۔ چاہ زمزم کھودا گر تو نے کھودا تو پشیمان نہ ہوگا۔ یہ تمہارے مورث اعلیٰ کا ترکہ ہے۔ نہ کبھی ختم ہوگا نہ کم ہوگا۔تو حاجیوں کا ساقی ہوگا۔ جو ریوڑ کی طرح جوق در جوق آئیں گے۔اس میں حقیقی منعم کی نذر ماننے والے ہوں گے، یہ تیرا ورثہ اور مستحکم حصہ ہوگا، کسی اور کی اس میں شراکت نہ ہوگی اور یہ کنواں گوبر اور خون کے درمیان نمودار ہوگا۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب کو جب یہ آواز آئی تو پوچھا کنواں کہاں ہے؟ تو جواب آیا چیونٹیوں کے بل کے پاس جہاں کوا ٹھونگ مارے گا۔اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سا واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ صبح عبدالمطلب مع بیٹے حارث کے (اس کے علاوہ اس وقت کوئی اور بیٹا نہ تھا) (بقول اموی سیرت نگار) اور غلام اصرم کے ساتھ نشان زدہ مقام پر آئے تو وہاں چیونٹیوں کا بل دکھائی دیا، اساف اور نائلہ بتوں جن کے پاس قریش قربانیاں کرتے تھے کے درمیان کوے کو ٹھونگ مارتے دیکھا۔کھدائی شروع ہوئی تو قریش نے مزاحمت کی کہ ہم اپنے ان بتوں کی قربان گاہ کے درمیان قطعاً نہیں کھودنے نہ دیں گے،تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو کہا،تم ان کو روکو میں کھودتا ہوں، واللہ! میں اس کی سرتابی نہ کروں گا۔ جب قریش اس کے عزم کو سمجھ گئے تو رک گئے معمولی کھدائی کے بعد، بنیاد ظاہر ہو گئی تو عبدالمطلب نے نعرہ مارا اور سمجھ گیا کہ وہ آواز صحیح تھی جب کچھ اور کھودا تو اس میں سے سونے کے دو آہو نظر آئے جو قبیلہ جرہم نے وہاں دفن کر دیئے تھے اور تلواریں اور زر ہیں بھی وہاں موجود پائیں۔

کنویں کی ملکیت کا عجیب طریقہ...... یہ دیکھ کر قریش نے کہا ہماری بھی اس میں حصہ داری اور شراکت ہے۔عبدالمطلب نے کہا بالکل نہیں (ہاں زیادہ ہی اصرار کرو) تو دوٹوک فیصلہ کر لیتے ہیں، تیروں سے قسمت آزما لیتے ہیں، انہوں نے کہا کس طرح؟ تو عبدالمطلب نے کہا کہ کعبہ کے دو تیر، میرے بھی دو تیر اور تمہارے سب کے دو تیر، جس کا تیر کامیاب نکلے وہ چیز اس کی اور ناکام کو کچھ نہ ملے،سب نے کہا درست ہے۔ چنانچہ کعبے کے دو زرد رنگ کے تیر تھے عبدالمطلب کے سیاہ رنگ کے اور قریش کے سفید رنگ کے تھے پھر یہ سب تیر ہبل بت کے مجاور کو دے دیئے (ہبل بت سب سے بڑا تھا اس لئے جنگ احد میں ابوسفیان نے اس کی سرفرازی کا نعرہ اعلیٰ ہبل، مارا تھا) اور عبدالمطلب اللہ سے دعا مانگنے لگے۔ یونس بن

بکیر، محمد بن اسحاق سے بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے کہا:

اللھم أنت الملک المحمود
ربی أنت المبدئ المعید
وممسک الراسیة الجلمود
من عندک الطارف والتلید
ان شئت ألھمت کما ترید
لموضع الحلیة والحدید
فبین الیوم لما ترید
انی نذرت العاھد المعھود
واجعلہ رب لی فلا أعود

''یا اللہ! تو مالک محمود ہے، میرے پروردگار تو پیدا کرنے والا اور دوبارہ لوٹانے والا ہے۔ بڑے پہاڑوں کو تھامے ہوئے ہے۔
تیری ہی طرف سے نیا اور پرانا مال ہے۔ اگر تو چاہے تو الہام کردے، سونے اور لوہے کے مقام کے لئے آج واضح کردے، جو
تیرا منشا ہے۔ میں نے پختہ عہد کر کے نذر مانی ہے، اے اللہ! تو اس کو میرا مقصد بنادے میں وعدہ خلافی نہ کروں گا۔''

پھر مجاور نے تیروں کو حرکت دی تو زرد تیر کعبہ کے حصہ میں آ گئے اور دونوں سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں پر عبدالمطلب کے حصہ میں آ گئے اور سفید تیر قریش کی ناکامی کی علامت بن گئے، عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبہ کا دروازہ بنادیا اور سونے کے دو ہرنوں کو دروازے میں استعمال کردیا اور کعبہ کی سونے سے یہ پہلی ملمع کاری تھی، پھر عبدالمطلب نے حاجیوں کے لئے زمزم کے پانی کی ایک سبیل لگادی۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں عبدالمطلب کے چاہ زمزم کھودنے سے قبل بھی وہاں گیارہ بارہ کنوئیں موجود تھے۔ ابن اسحاق نے سب کے نام اور مقام بیان کئے ہیں اور کھودنے والوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ ان سب کنوؤں کے زمزم کی وجہ سے نام ونشان نہ رہے، سب کی توجہ چاہ زمزم کی طرف ہوگئی کہ وہ مسجد حرام میں ہے۔ دیگر کنوؤں سے اس کا پانی بہتر اور افضل ہے۔ اسماعیل علیہ السلام مورث اعلیٰ کا ترکہ ہے آل عبدمناف کے لئے قریش بلکہ سارے عرب وعجم پر باعث فخر ہے۔

زمزم کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان...... مسلم شریف میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمزم کا پانی کھانے کے قائم مقام ہے اور بیماری کی دوا ہے۔ امام احمد، (عبداللہ بن ولید، عبداللہ بن المومل، ابوالزبیر) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ زمزم کا پانی جس غرض سے پیا جائے مفید ہے۔ باب الشرب من زمزم'' میں امام ابن ماجہ نے بھی عبداللہ بن مومل سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ عبداللہ بن مومل مجروح راوی ہے سوید بن سعید، (ابن مبارک عبدالرحمان بن ابی الموالی، محمد بن منکدر) جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ماء زمزم لما شرب لہ'' مگر اس میں بھی سوید بن سعید ضعیف راوی ہے اور محفوظ سند ابن مبارک از عبداللہ بن مؤمل ہے جو پہلے گزر چکی ہے امام حاکم نے ابن عباس سے مرفوعاً بیان کیا ہے ''ماء زمزم لما شرب فیہ نظر'' واللہ اعلم۔

امام ابن ماجہ'' باب الشرب من زمزم'' اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کسی آدمی کو کہا جب تو زمزم کا پانی پیئے تو کعبہ کی طرف۔ اللہ کا نام لے اور تین سانس لے اور خوب پیٹ بھر کر پی بعد ازاں الحمد للہ کہہ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا اور منافقوں کا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ پیٹ بھر کر آب زمزم نہیں پیتے۔ عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے یا اللہ! میں آب زمزم غسل کرنے والے کے لئے حلال نہیں سمجھتا اور پینے والے کے لئے حلال اور مباح ہے۔ بعض فقہا نے یہ جملہ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ عبدالمطلب کا قول ہے۔ مغازی میں اموی نے سعید بن مسیب سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو اعلان کیا ''لا احلھا

لمغتسل وھی لشارب حل و بل" اور انہوں نے دو حوض تعمیر کئے ایک پینے کے لئے دوسرا وضو کے واسطے اس وقت آپ نے کہا کہ غسل کرنے والے کے لئے اس کا استعمال میں درست نہیں سمجھتا تا کہ مسجد غسل کے پانی سے محفوظ اور منزہ ہے۔

لفظ وبل کی تحقیق...... ابوعبید نے اصمعی لغوی سے نقل کیا ہے کہ "وبل تابع مہمل ہے" ابوعبید نے مزید کہا کہ تابع مہمل بغیر حرف عطف کے ہوتا ہے بلکہ اس کا معنی لغت حمیر میں "مباح" ہے جیسا کہ معتمر بن سلیمان سے منقول ہے۔ ابوعبید حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے "لا احلھا لمغتسل و ھی لشارب حل وبل" عبدالرحمان بن مہدی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہیں عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں کی طرف اس کی نسبت درست ہے کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے دور میں بطور تبلیغ واعلان عبدالمطلب کی پابندی کا اعلان کرتے تھے جو انہوں نے زمزم کی کھدائی کے ایام میں عائد کی تھی اس میں کوئی تضاد نہیں واللہ اعلم۔

حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام...... پانی پلانے اور سبیل کا انتظام عبدالمطلب کے زیر اہتمام تھا۔ ان کی زندگی کے بعد کافی عرصہ تک ابوطالب کے زیر انتظام رہا۔ اسی دوران ابوطالب تہی دست ہو گئے اور اپنے بھائی عباس سے دس ہزار قرض لیا کہ آئندہ موسم حج تک ادا کروں گا ابوطالب نے یہ رقم سبیل بنانے میں صرف کر دی۔ جب دوسرا موسم حج آیا تو اس وقت ابوطالب کے پاس کچھ فاضل مال نہ تھا تو پھر بھائی عباس سے ۱۴ ہزار قرض لے لیا آئندہ سال تک کے لئے پھر عباس نے کہا اگر آپ مجھے قرض ادا نہ کر سکیں تو "سقایہ" سے میرے حق میں دستبردار ہو جائیں میں یہ انتظام کرلوں گا تو ابوطالب نے اثبات میں جواب دیا جب پھر موسم حج آیا تو ابوطالب نے اثبات میں جواب دیا جب پھر موسم حج آیا تو ابوطالب عباس کا قرض ادا نہ کر سکے اور "سقایہ" سے عباس کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ چنانچہ ان کی وفات ۳۲ھ کو ہوئی اور پھر ۶۸ھ تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی رہا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن عبداللہ نے ان کے بعد ان کے فرزند داؤد بن علی نے پھر سلیمان بن علی نے پھر خلیفہ نے یہ انتظام سنبھال لیا اور اپنا غلام ابورزین اس پر مقرر کر دیا "ذکرہ الأموی"۔

عبدالمطلب کا اپنے بیٹے کی قربانی کی نذر ماننا...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب سے زمزم کی کھدائی کے وقت جب قریش مزاحم ہوئے تو اس نے نذر مانی اگر اس کے دس لڑکے دفاع کے قابل ہو جائیں تو ان میں سے ایک کو راہ خدا میں کعبہ کے پاس ذبح کر دے گا۔ جب اس کے دس بیٹے (۱) حارث (۲) زبیر (۳) حجل (۴) ضرار (۵) مقوم (۶) ابولہب (۷) عباس (۸) حمزہ (۹) ابوطالب اور (۱۰) عبداللہ دفاع کے قابل ہو گئے تو ان کو اکٹھے کر کے اپنی نذر سے انہیں آگاہ کیا اور نذر کی تکمیل کی تلقین کی تو سب نے بیک آواز کہا اس کا کیا طریقہ ہو سکتا؟ پھر والد نے کہا ہر ایک تیر پر اپنا نام تحریر کر کے میرے حوالے کر دے چنانچہ سب نے سر تسلیم خم کر کے تیر باپ کے سپرد کر دیئے۔ عبدالمطلب وہ تیر لے کر ہبل نامی بت کے پاس چلے آئے۔

قریش کا عبدالمطلب کو روکنا...... کعبہ میں ایک گڑھے کے پاس نصب تھا جہاں نذرانہ اور قربانی وغیرہ کا مال جمع ہوتا تھا۔ وہاں سات تیر تھے قریش میں جب دیت نسب یا اور کسی کام میں مشکل پیش آتی تو وہ اس بت کے پاس قسمت آزمائی اور فیصلہ کے لئے چلے آتے اور اس کے امور کو بجا لاتے۔ غرضیکہ ہبل کے پاس جب عبدالمطلب تشریف لائے تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا جوان کا سب سے عزیز اور کمسن بیٹا تھا لہذا انہوں نے چھری لے کر عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اساف اور نائلہ کے درمیان منحر اور قربان گاہ کی طرف لے چلا تو قریش اپنی محفلوں سے اٹھ کر اس کی طرف نکلے کہ جناب عبدالمطلب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ تو اس نے کہا اسے ذبح کروں گا پھر قریش اور اس کے بھائیوں نے عرض کیا واللہ! آپ اسے ذبح نہیں کر سکتے جب تک کہ آپ کی معذرت قبول نہ کی جائے۔ اگر آپ نے یہ رسم ڈال دی تو لوگ بھی اپنی نرینہ اولاد کو قربان کرنے لگیں گے اور یہ انقطاع نسل کا باعث ہوگا۔

عبداللہ کو ذبح کرنا...... یونس بن بکیر ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ کو ذبح کرنے کے لئے عبدالمطلب نے اس پر

اپنا پاؤں رکھ دیا تھا کہ عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً نیچے سے کھینچ لیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے چہرے پر زخم ہو گیا تھا جو دم واپسیں تک باقی رہا۔ قریش نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ مدینہ میں ایک کاہنہ ہے اس سے دریافت کرے وہ جو مشورہ دے اس پر عمل کرو۔ چنانچہ وہ مدینے چلے آئے تو معلوم ہوا کہ وہ عرفہ سجاح تو خیبر میں ہے۔ چنانچہ خیبر آئے سارا قصہ اس کے گوش گزار کیا تو اس کاہنہ نے کہا آج آپ واپس چلے جائیے میرا تابع جن آئے گا تو میں اس سے دریافت کروں گی وہ سب واپس چلے آئے اور عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کے سامنے تضرع اور گریہ وزاری میں مصروف تھے پھر صبح اس کے پاس گئے تو اس نے کہا تمہارے مسئلے کا حل موجود ہے۔ بتاؤ تمہارے قتل کی کیا دیت ہے؟ بتایا دس اونٹ (درحقیقت دیت یہی تھی) تو اس نے کہا وطن واپس جاؤ اپنے لڑکے اور دس اونٹوں کو قربان گاہ میں لاؤ اور پھر ان پر تیروں سے قرعہ ڈالو اگر قرعہ لڑکے کے نام نکلے تو دس اونٹوں کا اضافہ کر دو یہاں تک اضافہ کرتے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اگر وہ قرعہ اونٹوں کے نام نکلے تو اس کو ذبح کر دو اور سمجھو کہ تمہارا اللہ راضی ہو چکا ہے اور تمہارا بچہ نجات یافتہ ہے۔

چنانچہ وہ مکہ مکرمہ چلے آئے اور اس تجویز پر عمل درآمد کیا تو عبدالمطلب دعا میں محو ہو گئے عبداللہ اور دس اونٹوں کو قربان گاہ لایا گیا قسمت آزمائی اور تیر نکالنے کا عمل شروع ہوا تو ہر بار عبداللہ کو ذبح کرنے کا قرعہ نکلا یہاں تک سو اونٹ ہو گئے اور پھر عبداللہ پر تیر ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے ذبح کرنے کا نکلا تو قریش نے عبدالمطلب کو کہا جب وہ ہبل کے پاس اللہ سے دعا مانگ رہا تھا۔ تیرا رب راضی ہو چکا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عبدالمطلب نے کہا جب تک سو بار یہ عمل نہ ہو میں راضی نہ ہوں گا چنانچہ تین بار ہی قرعہ اونٹوں کے نام نکلا تو سارے اونٹ ذبح کر دیئے گئے گوشت کھلا چھوڑ دیا گیا کسی انسان اور درندے کو (بقول ابن ہشام) بھی ممانعت نہ تھی۔ بعض سے یہ بھی مروی ہے کہ جب سو تک اونٹ کی تعداد پہنچ گئی پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام نکلا یہاں تک کہ "تین سو اونٹ اور عبداللہ" یہ قرعہ ڈالا تو قرعہ اونٹوں کے نام کا نکلا پھر تین سو اونٹ کو ذبح کر دیا مگر صحیح پہلا قول ہے واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ......ابن جریر قبیصہ بن ذویب سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے فتویٰ پوچھا کہ میں نے کعبہ کے پاس اپنے بچے کے ذبح کرنے کی نذر مانی ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا۔ پھر یہ مسئلہ عبداللہ ابن عمر سے پوچھا تو انہوں نے توقف اختیار کیا۔ یہ بات امیر مدینہ مروان بن حکم کو معلوم ہوئی تو اس نے کہا دونوں فتوے درست نہیں پھر اس نے اس خاتون کو کہا کہ جہاں تک ممکن ہو نیک کام کرے اور بچے کو ذبح نہ کرے اسے سو اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا لوگوں نے مروان کے فتویٰ پر عمل کیا واللہ اعلم۔

عبدالمطلب کا اپنے لخت جگر عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وھب سے کرنا......ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب اپنے لخت جگر عبداللہ کا ہاتھ تھامے جا رہے تھے کہ ان کا گزر ورقہ بن نوفل بن عبدالعزیٰ کی ہمشیرہ ام قتال کے پاس سے ہوا جو کعبہ کے قریب تھی تو اس نے عبداللہ کے چہرے کو دیکھ کر پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ تو آپ نے کہا اپنے والد کے ہمراہ پھر اس نے رازداری سے پیشکش کی کہ مجھ سے ہم بستری کر اور سو اونٹ مجھ سے لے جو تیری وجہ سے قربان ہو چکے ہیں۔ تو عبداللہ نے کہا اب تو میں والد کے ہمراہ ہوں ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عبدالمطلب وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس چلے آئے جو ہر لحاظ سے بنی زہرہ کا رئیس تھا۔ اس نے اپنی بیٹی آمنہ سیدۃ النساء آپ کے عقد میں دے دی۔ حسب دستور آپ انہی کے مکان پر ہم بستر ہوئے اور ان کو رسول ﷺ کا حمل ٹھہر گیا۔ پھر وہ وہاں سے آ کر اس عورت کے پاس گئے جس نے پیشکش کی تھی اور اسے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کل کی پیشکش کو دہراتی نہیں؟ تو اس نے جواب دیا تیرے مبارک جبین پر وہ نور نہیں چمک رہا جو کل تھا اب مجھے کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا بھائی عیسائی عالم تھا وہ اس سے سنتی رہتی تھی کہ اس قوم میں نبی پیدا ہونے والا ہے اسے خواہش ہوئی کہ وہ اسی کے بطن مبارک سے پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ حسب نسب بہترین طبع عمدہ اصل و نسل میں پیدا فرمایا قرآن پاک میں (۶/۱۲۴) میں ہے اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ پیغمبر رکھتا ہے۔ آگے میلاد کا مفصل بیان آئے گا۔ ام قتال نے اپنے مقصد فوت ہونے اور اپنی ناکامی پر جو حسرت آمیز اشعار کہے وہ حافظ بیہقی نے بذر

یعنہ یونس بن بکیر/ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں:

فکل الخلق یرجوه جمیعاً
یسود الناس مهتدیاً اماما
براه الله من نور صفاه
فاذهب نوره عنا الظلاما
وذلک صنع ربک اذ حباه
اذا ما سار یوماً أو أقاما
فیهدی أهل مکة بعد کفر
ویفرض بعد ذلکم الصیاما

''سب کائنات اس کی امیدوار ہے'وہ ہدایت یافتہ پیشوا سب سے بلند و برتر ہے۔اللہ نے اس کو صاف شفاف نور سے پیدا کیا ہے'اس کے نورِ ہدایت کی روشنی نے ظلمت کو ہم سے دور کر دیا ہے۔یہ اللہ کا کرشمہ ہے جب اس کو یہ عطا کیا قیام اور سفر میں۔ اہل مکہ کو کفر کے بعد ہدایت نصیب کرے گا'اور اس کے بعد روزے فرض کرے گا''۔

کاہنہ کا عبداللہ کو اپنی طرف مائل کرنا......حافظ ابوبکر خرائطی'ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو شادی کی غرض سے لے جا رہے تھے کہ راستے میں شہر تبالہ کی ایک تعلیم یافتہ یہودی کاہنہ فاطمہ بنت مرخشمیہ موجود تھی'اس نے عبداللہ کے چہرے پر نورِ نبوت دیکھ کر فوراً شادی کا اظہار کیا اور سو اونٹ کی پیش کش بھی کی تو عبداللہ نے کہا:

أما الحرام فالممات دونه
والحل لاحل فأستبینه
فکیف بالأمر الذی تبغینه
یحمی الکریم عرضه ودینه

''حرام کاری کے ارتکاب سے موت بہتر ہے اور نکاح بھی اس وقت ہوگا کہ میں اس کی تحقیق کرلوں۔تیرا مطالبہ کیونکر پورا کر سکتا ہے'اچھا شخص تو اپنے دین اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے۔''

پھر اپنے والد کے ہمراہ چلے گئے اور اس نے آپ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کر دی اور حسب دستور وہاں تین روز قیام کیا'پھر ان کے دل میں کاہنہ کی خواہش کا خیال آیا تو اس کے پاس آئے اس نے کہا'اس ملاقات کے بعد آپ نے کیا کیا؟ عبداللہ نے سارا ماجرا سنایا تو اس نے کہا واللہ! میں بدکار عورت نہیں ہوں۔میں نے آپ کے چہرے پر ایک نور دیکھا تھا۔میری خواہش تھی کہ وہ میرے بطن میں منتقل ہو جائے لیکن اللہ کو جہاں منظور تھا وہیں منتقل کیا کاہنہ کے اشعار پھر اس نے کہا:

انی رأیت مخیلة لمعت
فتلألأت بحناتم القطر
فلمأتها نوراً یضیء له
ما حوله کاضاءة البدر
ورجوتها فخراً أبوء به
ما کل قادح زنده یوری

للہ مـــــاز هـــــــربة مـــــلـبــــت

فــــوبيك مـــــا استبـــلــــت ومـــــا تـــدری

''میں نے ایک ابر میں چمک دیکھی وہ سیاہ بادلوں میں نمودار ہوئی۔ میں نے اس میں روشنی دیکھی جو ماحول کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور کررہی ہے۔ میں اس افتخار کے حصول کی امیدوار تھی' لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد' ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ تعجب ہے کہ جو آمنہ زہریہ نے تجھ سے سلب کیا' اس کو اس بات کا علم نہیں''۔

بـــنـــی هـــاشـــم قـــد غـــا درت مـــن اخيـــكـــم

امـــينة اذ لـــلبـــاه يـــعـــتـــر كـــــان

كـــمــــا غـــا در الـــمـــصـــبـــاح عـــنـــد خـــمـــوده

فـــتـــائـــل ميشـــت لـــــه بـــد هـــان

ومـــا كـــل مـــا يـــحـــوی الـــفـــتـــی مـــن تـــلاده

بـــحـــزم ولا مـــا فـــاتـــه لـــتـــوانـــی

فـــا جـــمـــل اذا طـــالـــبـــت أمـــر افـــانـــه

ســـيـــكـــفـــيـــكـــه جـــدان يـــعـــتـــلـــجـــان

''اے بنی ہاشم! کہ آمنہ نے تمہارے بھائی کو شب زفاف کے بعد ایسا خالی کردیا ہے۔ جیسے چراغ گل ہونے کے وقت بتیوں کو چوس لیتا ہے۔ ہر عمدہ چیز جو جوان کو میسر ہو وہ اس میں محتاط نہیں ہوتا اور جو اس کے مقدر میں نہ ہو وہ اس میں غافل نہیں ہوتا۔ جب تو کسی چیز کو حاصل کرے تو اچھے طریقے سے حاصل کر' کیونکہ اس کے نصیب اور بدنصیبی آپس میں تھپیڑے مار رہے ہیں۔''

ســـيـــكـــفـــيـــكـــه امـــا يـــد مـــقـــفـــلـــة

وامـــا يـــد مـــبـــســـوطة بـــبـــنـــان

ولـــمـــا حـــوت مـــنـــه أمـــينة مـــا

حـــوت مـــنـــه فـــخـــر أ مـــا لـــذلك ان

''اس کی تہی دستی اور ناکامی کافی ہوگی یا فراخ دستی اور تونگری۔ اور آمنہ نے اس سے وہ باعث صد افتخار چیز حاصل کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔''

پیشین گوئی...... ''دلائل النبوۃ'' میں حافظ ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ موسم سرما کے سفر میں عبدالمطلب یمن میں ایک یہودی کے ہاں ٹھہرے' تو ایک یہودی نے ان سے عرض کیا جناب عبدالمطلب! کیا آپ مجھے اپنے جسم کا بعض حصہ دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟

آپ نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ بشرطیکہ شرم گاہ نہ ہو' چنانچہ اس نے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں حکومت ہے اور دوسرے میں نبوت' لیکن ہم تو یہ علامات بنی زہرہ کے بارے میں تحریر شدہ پاتے ہیں' یہ کیونکر ہوا؟ میں (عبدالمطلب) نے کہا مجھے معلوم نہیں' تو اس نے پوچھا کیا آپ کی ''شاغہ'' ہے؟ میں نے کہا ''شاغہ کیا؟'' تو اس نے کہا ''بیوی'' میں نے کہا آج کل تو نہیں تو اس نے کہا واپس جاؤ تو بنی زہرہ میں شادی کر لینا' چنانچہ عبدالمطلب نے واپس آ کر ہالہ بنت وہب سے شادی کر لی' ان کے بطن سے حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے پھر عبداللہ نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی تو ان کے بطن اطہر سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے' جب عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہوئی تھی تو قریش نے کہا' عبداللہ فائز و کامران ہے یعنی بیٹا باپ سے بازی لے گیا۔

سیرت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے نسب کا بیان

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (۶/۱۲۴)

''اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ رسالت رکھتا ہے''۔

جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے آپ ﷺ کو صفات وعلامات کے متعلق سوالات کیے تو اس نے پوچھا تم میں ان کا نسب کیسا ہے؟ تو ابوسفیانؓ نے کہا وہ ہم میں عالی نسب ہیں تو ہرقل نے کہا' واقعی رسول وانبیاء اسی طرح اپنی قوم میں عالی نسب ہوتے ہیں یعنی ان کا حسب نسب اعلیٰ اور خاندان اکثر و بیشتر ہوتا ہے۔

اسمائے مبارک:......آپ ﷺ اولاد آدم کے رئیس اور سید عالم' دنیا اور آخرت میں سب کے واسطے باعث رحمت' فخر دو عالم' ابوالقاسم' ابو ابراہیم' محمد' احمد' ماحی جن کی وجہ سے کفر مٹا' عاقب یعنی آخری نبی' حاشر جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا' مقفی' نبی رحمت' نبی ملحمہ' نبی توبہ' غازی نبی' خاتم النبیین' فاتح عالم' طٰہٰ' یٰسین اور عبداللہ۔ بقول بیہقی بعض علماء نے قرآن میں مذکورہ ناموں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ رسول' نبی' امین' شاہد' مبشر' نذیر' داعی الی اللہ باذنہ' سراج منیر' رؤف' رحیم' مذکر' رحمت' نعمت' ہادی لیکن آگے چل کر ہم ایک مستقل باب میں وہ احادیث بیان کریں گے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔ اس باب میں بیشتر احادیث مروی ہیں جن کو پورے اہتمام سے حافظ بیہقی اور حافظ ابن عساکر نے جمع فرمایا ہے اور بعض مؤلفین نے آپ ﷺ کے ایک ہزار نام جمع فرمائے ہیں۔ احوذی شرح ترمذی میں فقیہ ابوبکر بن العربی المالکی نے ان میں سے ۶۵۰ نام آپ کے شمار کیے ہیں' واللہ اعلم۔

آپ کے والد گرامی اور چچا......رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی' عبداللہ' اپنے والد عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند تھے' ذبیح ثانی (جن پر سو اونٹ قربان کیے گئے) بقول زہری' قریش کے حسین وجمیل اشخاص میں سے تھے' آپ کے برادران میں (۱) حارث (۲) زبیر' (۳) حمزہ' (۴) ضرار' (۵) ابوطالب' (۶) عبد مناف' (۷) ابولہب' (۸) عبدالعزیٰ' (۹) مقوم عبدالکعبہ' (بعض کہتے ہیں یہ دو افراد کے نام ہیں) حجل مغیرہ' غیداق (نحی) نوفل بعض اس کا نام حجل بتلاتے ہیں یہ نو' رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔

آپ کی پھوپھیاں......آپ کی پھوپھیاں چھ ہیں (۱) اروی' (۲) برہ' (۳) امیمہ' (۴) صفیہ' (۵) عاتکہ' (۶) ام حکیم بیضاء۔ ان سب کے مفصل بیانات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ (ابن کثیر)

عبدالمطلب کے نام کی وجہ تسمیہ......عبدالمطلب کا نام شیبہ ہے اس واسطے کہ سر میں طبعی طور پر کچھ بال سفید تھے اور ''شیبۃ الحمد'' سخاوت کی وجہ سے کہتے تھے اور عبدالمطلب کا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے والد گرامی ہاشم نے بغرض تجارت شام جاتے ہوئے مدینہ میں عمرو بن زید بن لبید بن حرام بن خداش بن خندف بن عدی بن نجار الخزرجی نجاری' رئیس قوم کے ہاں قیام کیا' ان کی بیٹی کو یہ اچھے لگے۔ اس کے والد نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی اور اس بات کا پابند کردیا کہ بیٹی کا قیام ہمارے ہاں ہی رہے گا۔ بعض کہتے ہیں یہ شرط تھی کہ زچگی کے ایام ہمارے ہاں گزارا کرے گی' شام سے واپسی پر اسے اپنے ہمراہ مکہ لے آئے' پھر شام جاتے ہوئے سلمیٰ بنت عمرو کو جو حاملہ تھی والد کے پاس مدینہ چھوڑ گئے اور وہاں غزہ میں

فوت ہو گئے۔

سلمیٰ بنت عمرو کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام شیبہ تجویز ہوا' اپنے ننھیال کے ہاں سات سال رہا' پھر اس کا چچا مطلب بن عبد مناف چپکے سے ماں کی اجازت کے بغیر اسے مکہ لے آیا' لوگوں نے مطلب بن عبد مناف کے ہمراہ بچے کو سواری پر دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا "عبدی" میرا غلام' لوگ مطلب کو مبارک باد دینے کے لئے آئے تو اس لڑکے کو عبدالمطلب کہنے لگے اور یہی نام مشہور ہو گیا۔

عبدالمطلب بڑے امیر کبیر اور قوم کے رئیس تھے' ان کی عزت و وقار کو چار چاند لگا دیئے گئے تھے وہ اپنے قبیلے قائد اور زعیم تھے۔ مطلب کی وفات کے بعد' سقایہ اور سبیل' رفادہ اور مہمان نوازی انہی کے سپرد تھی' بنی جرہم کے عہد قدیم سے چاہ زمزم جو نا معلوم تھا' انہوں نے ز سر نو اس کی کھدائی کی' تلواروں کے ہمراہ سونے کے دو آہو' جو چاہ زمزم سے ملے تھے ان سے کعبہ کے دروازے کو' سب سے قبل' انہی نے ملمع کیا۔ بقول ابن ہشام' عبد المطلب کے آٹھ بہن بھائی ہیں' (۱) اسد' (۲) فضلہ' (۳) ابی صیفی' (۴) حیہ' (۵) خالدہ' (۶) رقیہ' (۷) شفاء' (۸) ضعیفہ۔

ہاشم کی وجہ تسمیہ...... ان کے والد کا نام عمرو ہاشم ہے۔ ہاشم کی وجہ تسمیہ یہ ہے قحط سالی میں اس نے لوگوں کو شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر ثرید کھلایا' جیسا کہ مطرود بن کعب خزاعی نے ایک قصیدہ میں کہا ہے یا ز بعری والد عبداللہ نے:

عمرو الذی ھشم الثرید لقومہ
ورجال مکۃ مسنتون عجاف
سنت الیہ الرحلتان کلاھما
سفر الشتاء ورحلۃ الاصیاف

"عمرو وہ ہے جس نے لوگوں کو ثرید کھلایا اور مکہ کے باشندے قحط زدہ کمزور تھے۔ موسم سرما اور گرما کے دو سفروں کی ایجاد کی نسبت بھی اسی کی طرف ہے۔"

کہ وہ دونوں سفروں کے موجد ہیں اور وہ اپنے والد کے بڑے صاحبزادے ہیں' ابن جریر کے مطابق وہ اور عبد شمس توام (جڑویں بھائی)۔ تھے اس کا پاؤں عبد شمس کے سر سے چمٹا ہوا تھا جب علیحدہ کیا گیا تو خون جاری ہو گیا' اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی اولاد کے درمیان جنگ و جدال ہوں گے۔ چنانچہ ۱۳۳ھ میں اموی اور عباسی خاندان کے درمیان سخت خونریزی ہوئی۔ تیسرا بھائی مطلب اپنے والد کا چھوٹا بیٹا تھا' ان تینوں کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال ہے اور چوتھے بھائی کی والدہ واقدہ بنت عمرو المازنیہ ہے۔

مجیرون...... یہ چاروں بھائی قوم کے رئیس تھے اور عوام میں "مجیرون" کے نام سے مشہور تھے انہوں نے اپنی قوم کے لئے شاہان عالم سے امن وامان کی ضمانت کر لی تھی کہ وہ آزادانہ طور پر تجارت کر سکیں' چنانچہ ہاشم نے شاہان شام روم اور غسان سے امن وامان کی ضمانت حاصل کر لی تھی' عبد شمس نے شاہ حبشہ نجاشی اکبر سے' نوفل نے کسریٰ سے اور مطلب نے شاہان حمیر سے' شاعر ان کی نسبت کہتا ہے:

یا أیھا الرجل المحول رحلہ   ألا نزلت بآل عبد مناف

"اے وہ آدمی جو اپنے کجاوے کو اٹھائے ہوئے ہے' کیوں نہ آل عبد مناف کا مہمان ہوا"۔

والد کی وفات کے بعد' سقایہ اور رفادہ کا منصب ہاشم کے سپرد ہوا' اس طرح ہاشم اور عبدالمطلب کی نزدیکی رشتہ داری قائم رہی' وہ اسلام اور جاہلی دور میں ایک ہی رہے جدا نہیں ہوئے اور شعیب ابی طالب میں بھی متحد رہے۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد ان سے الگ اور جدا ہے۔ اسی پر ابو طالب نے قصیدہ لامیہ میں کہا:

جزی اللہ عنا عبد شمس و نوفلا   عقوبۃ شر عاجلا غیر آجل

"اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے عبد شمس اور نوفل کو بدترین سزا دے نہایت جلدی بغیر دیر کے"۔

ہاشم اوران کے اہل خانہ کی اموات...... تاریخ میں ایسا کہیں معلوم نہیں کہ ایک باپ کی اولاد اس قدر مختلف مقامات میں فوت ہوئی۔ ہاشم شام کے علاقہ غزہ میں فوت ہوئے' عبدشمس نے مکہ میں انتقال کیا' نوفل کو عراق کے علاقہ سلامان میں موت آئی اور مطلب (حسن و جمال کی وجہ سے ان کو قمر کہتے تھے) یمن کے علاقہ ریحان میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ ہاشم' عبدشمس' نوفل اور مطلب' یہ چار بھائی شہرہ آفاق میں شمار ہیں' ان کا ایک پانچواں بھائی ابوعمرو عبد''اصل نام عبد قصی ہے' اس قدر مشہور نہ تھا' لوگ کہتے ہیں کہ اس کی نسل ختم ہوگئی تھی (قال الزبیر بن بکار وغیرہ) ان کی چھ بہنیں ہیں' (۱) تماضر (۲) حیہ (۳) ریطہ (۴) قلابہ (۵) ام الاخثم اور (۶) ام سفیان' یہ گیارہ بہن بھائی عبد مناف کی اولاد میں ہیں۔

عبد مناف...... مناف ایک بت کا نام ہے' عبد مناف کا اصل نام مغیرہ ہے' اپنے والد کی زندگی میں ہی قوم کا رئیس اور سردار تھا اور شہرہ آفاق تھا۔ ان کا بھائی عبدالدار سب سے بڑا تھا۔ قوم کے سب منصب باپ نے اس کے سپرد کر رکھے تھے۔ (۱) عبدالعزیٰ (۲) عبد (۳) برہ اور (۴) تخمر' ان چار بھائیوں اور دو ہمشیرگان کی والدہ ہے' حبی بنت حلیل بن حبشی بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی۔ شہزادی حبی کا والد شاہان خزاعہ کا آخری بادشاہ تھا' اور یہی لوگ بادشاہ بیت اللہ کے متولی تھے' یہ چار بھائی اور دو بہنیں قصی کی اولاد میں سے تھے۔

قصی کی وجہ تسمیہ...... قصی کا اصل نام زید ہے۔ ان کو قصی اس وجہ سے کہتے تھے کہ اس کے باپ کلاب کے بعد اس کی والدہ نے ربیعہ بن حزام بن عذرہ سے نکاح کر لیا تھا اور اسے دور دراز علاقہ میں لے گیا تھا اور یہ بچہ بھی ان کے ہمراہ تھا' اس وجہ سے زید کا نام قصی مشہور ہو گیا۔

قصی کی مکہ والوں کی امداد کرنا...... پھر بڑا ہو کر مکہ واپس لوٹا اور قریش کی پریشانی کا مداوا کیا اور متفرق مقامات سے لا کر ان کو مکہ میں آباد کیا۔ بیت اللہ سے خزاعہ کی ولایت کو ختم کیا بلکہ ان کو مکہ سے جلاوطن کر دیا اور حالات صحیح حالت پر آ گئے اور پھر وہ قریش کا علی الاطلاق خودمختار سربراہ ہو گیا۔ رفادۃ' حجاج کی خبرگیری' سقایہ' سبیل اور پانی کا انتظام' سدانت' کعبہ کی مجاورت و خدمت' کعبہ کی کلید برداری' لواء علم برداری' دارالندوہ' مجلس شوریٰ وغیرہ تمام منصب اس کے سپرد تھے جیسے کے پہلے بیان ہو چکا ہے:

قصی 'لعمری کان یدعی مجمعاً به جمع الله القبائل من فهر

''میری زندگی کی قسم! قصی کو مجمع اور منتظم اعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی بدولت اللہ نے فہر کے قبائل کو یکجا کیا''۔

قصی، کلاب' مرہ' کعب وغیرہ کی اولاد کا ذکر...... قصی زہرہ کا بھائی ہے اور یہ دونوں کلاب کے بیٹے ہیں۔

کلاب...... کلاب کے بھائی تیم اور ابومخزوم یقظہ ہیں۔ ان تینوں کا والد مرہ ہے۔

مرہ...... مرہ کے بھائی عدی اور ہصیص ہیں ان کے والد کا نام کعب ہے۔

کعب...... کعب ہر جمعہ کو لوگوں کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت سنایا کرتا تھا' ان کے بھائی (۱) عامر (۲) سامہ (۳) خزیمہ (۴) سعد (۵) حارث اور (۶) عوف ہیں' یہ سات بھائی لوی کی اولاد ہیں۔

لوی...... یہ تیم ادرم کے بھائی ہیں اور یہ دونوں (لوی اور تیم) غالب کی اولاد ہیں۔

غالب...... غالب' حارث اور محارب کے بھائی ہیں' یہ تینوں فہر کی اولاد ہیں۔

فہر...... فہر حارث کے بھائی ہیں' ان دونوں کے والد مالک ہیں۔

مالک...... ان کے بھائی: (۱) صلت اور (۲) مخلد ہیں اور یہ تینوں نضر کی اولاد ہیں جو قریش کے منصرم اعلیٰ تھے۔

نضر..... ان کے بھائی: (۱) مالک (۲) ملکان اور (۳) عبد مناۃ وغیرہ ہیں'ان سب کے والد کنانہ ہیں۔

کنانہ..... کنانہ کے بھائی (۱) اسد (۲) اسدہ (۳) ہون ہیں۔ یہ چاروں خزیمہ کی اولاد ہیں۔

خزیمہ..... یہ خزیمہ ہذیل کا بھائی ہے اور یہ دونوں "مدرکہ" عمرو نامی کی اولاد ہیں۔

مدرکہ عمرو..... ان کے بھائی ہیں "طابخہ عامر" اور قمعہ یہ تینوں بیٹے الیاس کے ہیں۔

الیاس..... اس کا بھائی غیلان ہے قیس خاندان کا مورث اعلیٰ' الیاس اور غیلان دونوں مضر کے لڑکے ہیں۔

مضر..... مضر اور ربیعہ دونوں کو اسماعیل علیہ السلام کی خالص نسل سے شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے دو بھائی انمار اور ایاد دونوں یمن چلے گئے تھے' یہ مضر ربیعہ' انمار اور ایاد' نزار کی اولاد ہیں اور نزار کے بھائی قضاعہ ہیں۔ بقول ماہرین نسب قضاعہ بھی حجازی اور عدنانی تھے' نزار اور قضاعہ دونوں معد بن عدنان کی اولاد ہیں۔ اس مذکورہ بالا نسب نامہ میں ماہرین انساب کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔ حجاز کے سب قبائل کا نسب معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔

بنابریں ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ مفسرین نے ۴۲/۲۳ "قل لا استلکم علیه من اجر الا المودة فی القربیٰ" کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے' اس کے بارے میں کہا ہے کہ عرب کے جملہ عدنانی قبائل کا رشتہ آپ ﷺ کے ددھیال کے ساتھ وابستہ ہے اور بیشتر کے ساتھ ننھیالی رشتہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔ ہم عدنان کے تعارف و ترجمہ میں پورا نسب اور اس پر اعتراض وغیرہ سب تحریر کر چکے ہیں اور لامحالہ قطعی طور پر عدنان' اولاد اسمائیل علیہ السلام میں سے ہے۔ گو اس بات میں اختلاف موجود ہے کہ عدنان اور اسمائیل علیہ السلام کے درمیان کتنی نسلیں ہیں' یہ بھی مفصل بیان ہو چکا ہے' واللہ علم۔ عدنان سے آدم علیہ السلام تک نسب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں ابوالعباس عبداللہ بن محمد الناشی کا ایک قصیدہ بھی بیان کر چکے ہیں۔ واللہ علم۔

رسول اللہ ﷺ کا نسب پر تبصرہ..... امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کے ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک نہایت عمدہ بحث تحریر کی ہے ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنا نسب عدنان تک بر سر منبر بیان کیا ہے مگر اس کی صحت اور درستگی کا حال مذکور معلوم ہے۔ جیسا کہ حافظ بیہقی سے بیان ہے کہ انس اور ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کندہ قبیلہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اور رسول ﷺ ایک ہی نسب سے ہیں' تو آپ نے کہا یہی بات عباس اور ابوسفیان بھی کہتے ہیں۔ مگر ہم اپنے آباء کی نسب سے الگ نہیں ہوتے' ہم تو نضو بن کنانہ کی اولاد ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا' میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بہ فہر بن مالک بن نضو بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار' جب بھی نسل میں دو شاخیں پیدا ہوئیں مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر شاخ میں منتقل کر دیا اور میرا دنیا میں ظہور ایسے والدین سے ہوا جو زنا سے پاک رہے۔ حضرت آدم سے لے کر نکاح کی پیداوار ہوں' زنا کی نہیں' میں اپنی ذات اور باپ کے لحاظ سے تم سب سے بہتر اور برتر ہوں' مالک بن انس کی یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ اس میں قدامی راوی بھی ضعیف اور منفرد ہے۔ لیکن ہم دوسری اسناد سے اس کے شواہد پیش کرتے ہیں 'خرجت من نکاح لامن سفاح کہ میں نکاح کی پیداوار ہوں زنا کی نہیں' اس بات کی تائید میں ہے کہ عبدالرزاق ابن عیینہ جعفر بن محمد' ابوہ ابوجعفر باقر سے ۹/۱۲۸ لقد جاء کم رسول من انفسکم کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا رسول اللہ ﷺ جاہلیت کی ولادت یعنی زنا سے پاک رہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انی خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح" یہ روایت نہایت عمدہ مرسل ہے۔

اسی طرح امام بیہقی نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ ربیعہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان اللہ اخرجنی من النکاح ولم یخرجنی من السفاح"

اس روایت کو ابن عدی نے موصول اور مرفوع بیان کیا کہ احمد بن حفص علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آدم سے لے کر اپنے والدین تک نکاح کی پیداوار ہوں زنا کی نہیں۔ میرے نسب میں زنا کا شائبہ تک نہیں۔ یہ حدیث اس سند سے غریب اور کمزور ہے بالکل صحیح نہیں۔ ھیثم مدینی ابوالحویرث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے نسب میں جاہلیت کے نکاح کا شائبہ تک نہیں۔ میرا ظہور اسلامی نکاح کی بدولت ہوا ہے۔ یہ سند بھی غریب ہے۔ حفظ ابن عساکر نے یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے واللہ اعلم۔ محمد بن سعد عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولدت من نکاح غیر سفاح" ابن عساکر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وتقلبک فی الساجدین کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ آپ آغاز دنیا سے نبیوں کی نسل میں چلے آئے حتیٰ کہ آپ نبی پیدا ہوئے شعیب نے اس کو عطاء سے بھی روایت کیا ہے۔

محمد بن سعد محمد کلبی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کی پانچ سو والدہ کی بابت تلاش اور جستجو کی ہے۔ میں نے ان میں زنا کی بو تک نہیں پائی۔ بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بنی آدم کی بہتر سے بہتر نسل میں پیدا ہوتا رہا یہاں تک کہ اب میں (عبداللہ) کی نسل سے پیدا ہوا ہوں۔ مسلم شریف میں واثلہ بن اسقع کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو منتخب فرمایا اور اولاد اسماعیل سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔ امام (ابونعیم سفیان یزید بن ابی زیاد عبداللہ بن حارث بن نوفل مطلب بن ابی وداعہ) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے نسب میں بعض لوگوں کی نکتہ چینی معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے برسر منبر فرمایا "میں کون ہوں؟" تو سامعین نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا میں محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اس نے مجھ کو اس کی بہترین نسل میں منتقل کر دیا پھر ان کے دو گروہ ہوئے تو مجھے بہترین گروہ میں منتقل کر دیا پھر اللہ نے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ میں منتقل کر دیا پھر ان کو اللہ نے خاندان میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین خاندان میں پیدا کیا۔ پس میں تم سب سے ذات اور خاندان کے لحاظ سے اعلیٰ اور افضل ہوں صلوات اللہ وسلامہ علیہ دائما ابدا الی یوم الدین

یعقوب بن سفیان (عبیداللہ بن موسیٰ اسماعیل بن ابی خالد یزید بن ابی زیاد عبداللہ بن حارث بن نوفل) عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! قریش جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو بڑے ہشاش بشاش ہوتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتے یہ سن کر آپ سخت غصے ہوئے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جب تک کوئی آدمی تم سے اللہ اور رسول کی خاطر محبت نہ رکھے اس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا۔ میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! قریش اپنے حسب نسب کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کی مثال یوں دی جیسے کھجور کا درخت کچرے کوڑے میں اگ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ یوم خلق الخلق جعلنی فی خیرھم ثم لما فرقھم قبائل جعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم حین جعل البیوت جعلنی فی خیر بیوتھم فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا

یہی روایت ابن ابی شیبہ نے ابن فضیل یزید بن ابی زیاد عبداللہ بن حارث ربیعہ بن حارث سے بیان کی ہے لیکن اس نے عباس کا ذکر نہیں کیا۔

یعقوب بن سفیان (یحییٰ بن عبدالحمید قیس بن عبداللہ اعمش علیلہ بن ربعی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین حصہ میں منتقل کیا۔ یہ تفسیر ہے واصحاب الیمین واصحاب الشمال کی میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور ان سب سے بہتر ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو تین حصوں (۱) یمین (۲) یسار اور (۳) سابق میں تقسیم کیا تو میں سابق لوگوں میں شمار ہوا اور میں "سابق لوگوں" میں سے بہتر ہوں پھر ان کو قبائل میں منتقل کیا تو مجھے بہترین قبیلہ میں منتقل کیا۔ یہ ہے مطلب وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا میں سب کائنات سے متقی ہوں اور سب سے افضل ہوں۔ یہ بات فخر اور خودستائی نہیں اظہار حقیقت ہے پھر قبائل کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین خاندان میں منتقل کیا۔ یہ ہے مقصد انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا کا چنانچہ میں اور اہل بیت سب گناہوں سے پاک ہیں۔ اس حدیث

میں نہایت غرابت اور نکارت ہے۔

ابوسفیان کا اعتراض ..... حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ صحن میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک خاتون آئی' کسی نے کہا' یہ رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر ہے تو ابوسفیان نے کہا' بنی ہاشم میں محمد کی مثال ایسے خوشبودار پودے کی ہے جو بدبودار جگہ میں ہو۔ اس خاتون نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بعض لوگوں سے طرح طرح کی باتیں پہنچتی ہیں' سنو! اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے' ان سے اعلیٰ کو پسند کیا اور اپنی مخلوقات سے جس کو پسند کیا اس میں آباد کیا پھر اللہ نے ساری کائنات سے اولاد آدم کو پسند کیا اور ان سے عرب کو پسند کیا اور عرب سے مضر کو پسند کیا اور مضر سے قریش کو' اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو' چنانچہ میں بہتر سے بہتر ہوں۔ جو شخص عرب سے محبت رکھتا ہے وہ میری وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض وعناد رکھتا ہے وہ میرے ساتھ عناد کی وجہ سے ان سے بغض وعناد رکھتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا یہ اظہار حقیقت ہے' فخر وتکبر نہیں۔ حاکم اور بیہقی نے (موسیٰ بن عبیدہ' عمرو بن عبداللہ بن نوفل' زہری' ابواسامہ یا ابوسلمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں نے روئے زمین کا مشرق ومغرب چھان مارا' محمد ﷺ سے افضل کسی کو نہ پایا اور میں نے دنیا کا مشرق ومغرب چھان مارا' بنی ہاشم سے کسی کو بہتر نہ پایا۔ حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے بعض راوی ضعیف اور نا قابل حجت ہیں' تاہم یہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور سب کا مرکزی مفہوم حدیث واثلہ کی تائید کرتا ہے' واللہ اعلم۔

ابوطالب کے اشعار ...... ابوطالب نے آپ ﷺ کی تعریف وستائش میں چند اشعار کہے:

اذا جتمعت یوماً قریش لمفخر
فعبد مناف سرّها وصمیمها
فان حصلت أشراف عبد منافها
ففی هاشم أشرافها وقدیمها
وان فخرت یوماً فانّ محمداً
هو المصطفی من سرها وکریمها
تداعت قریش غثها وسمینها
علینا فلم تظفر وطاشت حلومها

"جب قریش کسی روز فخر ومباہات کے لئے جمع ہوں تو سنو! قبیلہ عبد مناف اس کا مرجع ماویٰ ہے۔ اگر عبد مناف کے اشراف کو نکالا جائے تو ہاشم قبیلہ میں ہی اس کے اشراف اور قدیم بزرگ ہیں۔ اگر ہاشم قبیلہ کبھی فخر کا اظہار کرے تو صرف محمد ہی ان کے اچھے لوگوں سے منتخب ہیں۔ ہمارے خلاف ہر مکی قریشی جمع ہو گیا' پس وہ ناکام ہوئے اور ان کی عقلیں ماری گئیں"۔

وکنا قدیماً لا نقر ظلامة
اذا ما ثنوا صعر الخدود نقیمها
ونحمی حماها کل یوم کریهة
ونضرب عن أجحارها من یرومها
بنا انتعش العود الذواء وانما
باکنافنا تندی وتنمی أرومها

''ہم زمانہ قدیم سے ہی ظلم وتشدد کا اعتراف نہیں کرتے' جب وہ ٹیڑھے ہوں تو ہم مغرور لوگوں کی گردنیں سیدھی کر دیتے ہیں۔ ہم ہر مشکل وقت میں اس کی چراگاہ کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے گھروں پر جو حملہ آور ہوں ان کو مارتے ہیں۔ خشک لکڑی ہماری وجہ سے تروتازہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اس کی جڑ اور بنیاد ہی ہمارے سایہ میں نشوونما پاتی ہے''۔

عباس رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار...... وہ ''جز اور مجموعہ'' جو ابوالسکن زکریا بن یحییٰ طائی کی طرف منسوب ہے اس میں ہے کہ عمر بن ابی زحر بن حصین' جدہ حمید ابن منہب' خریم بن اوس سے نقل کرتا ہے کہ میں تبوک سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوا اور عباس کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی مدح میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو تمہارے دانت سلامت رہیں۔

من قبلها طبت في الظلال وفي
مستودع حيث يخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر أنت
ولا مضغة ولا علق
بل نطفة تركب السفين وقد
الجم نسراً وأهله الغرق
تنقل من صلب الى رحم
اذا مضى عالم بدا طبق

''قبل ازیں آپ سایوں میں خوش خرم رہے اور ایسے مقام میں جہاں پتے جوڑ کر لباس بنایا جاتا ہے یعنی جنت میں۔ پھر آپ روئے زمین پر آئے آپ تھے گوشت پوست اور نہ بستہ خون۔ بلکہ آپ پانی کی بوند تھے جو کشتی میں سوار ہوا' نسر اور اس کے پرستاروں کو غرق کر دیا۔ آپ پشت سے رحم میں تبدیل ہوتے رہے' جب ایک گزر جاتا تو دوسرا قرن نمودار ہوتا''۔

حتى احتوى بيتك المهيمن من
خندف علياء تحتها النطق
وانت لما ولدت أشرقت الارض
وضاءت بنورك الأفق
فنحن في ذلك الضياء وفي النور
وسبل الرشاد نخترق

''یہاں تک کہ اس نے خندق کے عالی مقام اور نگہبان خاندان کو محفوظ کر دیا اور وہ خاندانی نطق و گویائی سے آراستہ ہے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت زمین روشن ہو گئی' اور آپ کی روشنی سے آفاق منور ہو گئے۔ ہم اس روشنی' نور اور بھلائی کے راستوں میں چلتے ہیں''۔

مذکورہ بالا اشعار کے متعلق دوسری روایت...... یہی اشعار حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا' فداک ابی و امی'' آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے خوب مسکرا کر فرمایا میں آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا پھر اپنے والد نوح کی پشت میں کشتی پر سوار تھا' پھر ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں آیا' ہمارے آباء و امہات نے کبھی زنا نہیں کیا' اللہ تعالیٰ مجھ کو مسلسل شریف پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا۔ میں ہدایت یافتہ ہوں'

خاندان کی دو شاخوں میں سے میں بہتر اور برتر شاخ میں منتقل ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق اور اسلام کا عہد لیا۔ تورات اور انجیل میں میرا ذکر کیا۔ ہر نبی نے اپنی امت کو میری صفات بتائیں' میرے نور سے زمین روشن ہوئی اور میرے چہرے سے بادل منور ہو گئے' مجھے اپنی کتاب (قرآن) کا علم دیا۔ آسمان پر میری قدر ومنزلت میں اضافہ کیا گیا' اپنے نام سے میرا نام مشتق کیا' عرش والا محمود ہے اور میں محمد اور احمد ہوں۔ مجھ سے حوض اور کوثر کا وعدہ فرمایا اور مجھے پہلا شافع محشر بنایا اور میں ہی وہ اولین شخص ہوں جس کی سفارش قبول ہوگی۔ پھر باری تعالیٰ نے مجھے بہتر زمانے میں اپنی امت اور قوم کے لئے پیدا کیا' اور میری امت حمد کرنے والی اور اللہ کی تعریف کرنے والی ہے۔ نیکی کا امر کرتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں۔ پھر سابقہ روایت والے اشعار بیان کئے ہیں جو حسان کے ہیں' یہ اشعار سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا' حسان پر اللہ رحمت کرے' تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا رب کعبہ کی قسم! حسان کے لئے جنت واجب ہوگئی' بقول ابن عساکر یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بلکہ یہ حدیث نہایت منکر ہے صحیح ہے کہ یہ اشعار عباس رضی اللہ عنہ کے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ اشعار عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس سلمی کے ہیں' واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل محمد نام کے چھ اشخاص...... (نوٹ) شفا میں قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ اسم "احمد" جو آسمانی کتابوں میں مذکور ہے اور انبیائے کرام نے ان کی آمد کا مژدہ سنایا ہے۔ بتقاضائے حکمت الٰہی (یا حسن اتفاق سے) کوئی شخص بھی اس نام سے موسوم نہ ہوا نہ ہی اس نام سے کسی کو پکارا گیا کہ ضعیف الاعتقاد اور شکی مزاج ایسے ہی کو التباس نہ ہو۔ ایسے ہی اسم محمد ﷺ کو بھی عرب وعجم میں کسی نے بطور نام استعمال نہیں کیا' البتہ رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل یہ مشہور ہو گیا تھا کہ محمد ﷺ نامی نبی مبعوث ہوگا۔ پس نبوت کی امید میں بعض عرب نے اپنے بیٹوں کا یہ نام تجویز کیا تھا (واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ) اور اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھیں گے' چنانچہ چھ اشخاص وہ ہیں جو اس نام سے موسوم ہوئے۔ (۱) محمد بن احیحہ بن جلاح اوسی (۲) محمد بن سلمہ انصاری (۳) محمد بن براء کندی (۴) محمد بن سفیان بن مجاشع (۵) محمد بن حمران جعفی اور (۶) محمد بن خزاعی سلمی' ان کا ساتواں کوئی نہیں۔ بعض کہتے ہیں سب سے اول محمد بن سفیان اس نام سے موسوم ہوا۔ یمنی کہتے ہیں محمد بن یحمد ازدی۔

محمد نام کے افراد کا دعوائے نبوت نہ کرنا...... جو شخص بھی اس نام سے موسوم ہوا اللہ نے اس کو دعوائے نبوت سے محفوظ رکھا اور نہ ہی کسی نے نبوت کا اقرار کیا اور نہ ہی اس پر نبوت کے کچھ آثار ظاہر ہوئے۔ جس کی وجہ سے اشتباہ کا خطرہ لاحق ہو' یہاں تک کہ دونوں باتیں آپ ﷺ کے لئے بغیر کسی جدال کے محقق ہوگئیں یعنی بذات خود دعوائے نبوت اور عوام کی تائید وتصدیق حاصل ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ کی ولادت

آپ ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے' صحیح مسلم کی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق کسی اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ پیر کے روزہ کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا' اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھے نبوت نصیب ہوئی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (موسیٰ بن داؤد' ابن لہیعہ' خالد بن ابی عمران' حنش صنعانی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے پیر کے روز ہی نبوت سے سرفراز ہوئے' اسی روز ہجرت کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے' اسی روز مدینہ تشریف لائے' اسی روز فوت ہوئے اور اسی روز بیت اللہ میں حجر اسود رکھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں۔... ابن لہیعہ سے یہ روایت عمرو بن بکیر بھی روایت کرتے ہیں اور یہ اضافہ کرتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (۵/۳) بھی پیر کے دن ہی نازل ہوئی۔ اسی طرح موسیٰ بن داؤد سے کسی اور نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس نے یہ اضافہ کیا ہے کہ غزوہ بدر بھی پیر کے دن ہوا۔ (یزید بن حبیب بھی اسی بات کے قائل ہیں) یہ حدیث نہایت منکر ہے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ جنگ بدر اور الیوم اکملت (۵/۳) کا نزول جمعہ کے روز ہونا' صحیح حدیث سے ہے۔ حافظ ابن عساکر نے واقعی حقیقت حال کے مطابق کہا۔ عبداللہ بن عمر

کریب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے روز ہوئی اور اسی روز وفات ہوئی۔ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد اسناد سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوموار کے روز پیدا ہوئے۔یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔

بعض افراد کا حضور ﷺ کی تاریخ کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہونا

بروز جمعہ......۸ اربیع الاول بروز جمعہ کو جو لوگ ولادت باسعادت کے قائل ہیں وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں' یہ بات حافظ ابن دحیہ نے ''اعلام الردی باعلام الھدیٰ'' از بعض شیعہ'' سے نقل کی ہے پھر اس کی خوب تضعیف اور تردید کی ہے اور یہ بات قابل تردید ہی ہے کہ یہ خلاف نص ہے۔

دو ربیع الاول......جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ولادت ربیع الاول میں ہوئی بعض کہتے ہیں دو ربیع الاول (استیعاب از ابن عبدالبر) نیز واقدی نے بھی یہی تاریخ ابو معشر نجیح بن عبدالرحمان مدنی سے نقل کی ہے۔

۸ ربیع الاول......بعض کہتے ہیں'' آٹھ ربیع الاول کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔یہ قول حمیدی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے۔نیز مالک' عقیل' یونس بن یزید وغیرہ نے بھی امام زہری سے اور انہوں نے محمد بن جبیر مطعم سے روایت کیا ہے۔ابن عبدالبر نے مورخین سے اس کی تصحیح اور درست ہونا نقل کیا ہے۔'' حافظ کبیر'' محمد بن موسیٰ خوارزمی نے بھی اس کو درست قرار دیا ہے اور **التنویر فی مولد البشیر والنذیر** میں حافظ ابوالخطاب بن دحیہ نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے۔

دس ربیع الاول......بعض لوگ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ''دس ربیع الاول'' کہتے ہیں۔ابن دحیہ نے اس کو اپنی مذکورہ کتاب میں ذکر کیا ہے۔حافظ ابن عساکر نے یہ ابو جعفر الباقر سے نقل کیا ہے۔نیز مجالد نے شعبی سے بھی یہ روایت کی ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کی تاریخ ولادت

۱۲ ربیع الاول......۱۲ ربیع الاول کی تاریخ ابن اسحاق نے بیان کی ہے اور ''مصنف'' میں ابن ابی شیبہ نے عفان' سعید بن مینا' جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں بروز سوموار ۱۸ ربیع الاول میں پیدا ہوئے' اسی روز مبعوث ہوئے' اسی روز معراج ہوا' اسی روز ہجرت کی اور اسی روز فوت ہوئے۔جمہور کے نزدیک یہی تاریخ مشہور ہے' واللہ اعلم۔

۱۷ ربیع الاول......بعض لوگ ۱۷۔ربیع الاول کے قائل ہیں جیسا کہ ابن دحیہ نے بعض شیعہ سے نقل کیا ہے۔

۲۲ ربیع الاول......بعض لوگ ۲۲۔ربیع الاول بھی کہتے ہیں۔یہ قول ابن دحیہ نے وزیر ابو رافع بن حافظ ابن حزم کے خط سے اس کے والد کا قول نقل کیا ہے' لیکن ابن حزم کا صحیح قول ۸۔ربیع الاول ہے جو حمیدی نے ان سے بیان کیا ہے اور یہی صحیح ثابت ہے۔

۹ ربیع الاول مصر کے مشہور ماہر فلکیات محمود پاشا نے دلائل کے ذریعے یہ ثابت کی ہے کہ رسول ﷺ کی ولادت باسعادت ۹۔ربیع الاول بروز سوموار موافق ۲۰۔اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔

رمضان......رسول اللہ ﷺ کی ولادت رمضان میں ہوئی' یہ زبیر بن بکار کا قول ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے وحی رمضان میں نازل ہوئی' اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔بنابریں آپ کی ولادت بھی رمضان میں ہوئی ہوگی۔یہ قول محل نظر ہے' واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

یکم ربیع الاول...... حافظ خیثمہ بن سلیمان (خلف بن محمد کردوس واسطی، معلی بن عبدالرحمان، عبدالحمید بن جعفر زہری، عبیداللہ بن عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارک ماہ ربیع الاول میں بروز سوموار ہوئی اور یکم ربیع الاول بروز سوموار آپ ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے اور بروز سوموار ربیع الاول میں آپ پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔ رواہ ابن عساکر، وھذا غریب جداً۔

۱۲ رمضان...... زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ جمرہ وسطیٰ کے قریب، شعب ابی طالب میں حج کے موسم میں، قربانی کے ایام میں، آپ کی والدہ ماجدہ امید سے ہوئیں اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ رمضان کو مکہ مکرمہ میں، اس گھر میں ہوئی جو حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے نام سے معروف ہے اور کدی مورخ کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی والدہ خیزران نے جس سال حج کیا اس نے اس گھر کو مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم صادر کیا، آج کل وہ مسجد معروف ہے۔

۱۲ رمضان...... حافظ ابن عساکر نے (محمد بن عثمان بن عقبہ بن مکرم، مسیب بن شریک، شعیب بن شعیب، ابوہ، جدہ) نقل کیا ہے کہ دس محرم کو رسول اللہ ﷺ کا حمل قرار پایا اور بروز سوموار ۱۲ رمضان، واقعہ فیل کے ۲۳ سال بعد آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

سہیلی کا قول...... امام سہیلی نے بیان کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی ولادت مبارک ۲۰ نیشان (اپریل) ۸۸۲ ذوالقرنین میں ہوئی اور یہ موسم نہایت معتدل وعمدہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ ستاروں کے ماہرین کے خیال میں آپ کی ولادت باسعادت کے وقت سیارہ جدی ۲۰ درجہ پر تھا۔ مشتری اور زحل "عقرب" سے ۳ درجہ پر تھے۔ ستارہ حمل طلوع تھا اور چاند اپنی پہلی منزل میں طلوع تھا۔

عام فیل اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت

بقول اسحاق، جمہور کا قول یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ ابراہیم بن منذر حزامی کہتے ہیں کہ کسی اہل علم کو اس بات میں شک وشبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے اور واقعہ فیل کے چالیس سال بعد مبعوث ہوئے۔ حافظ بیہقی (ابواسحاق سبیعی، سعید بن جبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے۔ محمد ابن اسحاق (مطلب بن عبد اللہ بن قیس بن مخرمہ، عبداللہ بن قیس) قیس بن مخرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں اور رسول اللہ ﷺ ہم عمر تھے اور ہم عام فیل میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم جو کہ بنی یعمر بن لیث کے قبیلے سے ہیں ان سے پوچھا عمر میں تم بڑے تھے یا رسول اللہ ﷺ تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں، میں نے ہاتھی کی لید سبز رنگ بدلتے ہوئے دیکھی ہے۔

(ترمذی اور حاکم از ابن اسحاق)

ابن اسحاق کی تحقیق...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر میلہ عکاظ کے وقت بیس سال کی تھی اور حرب فجار بھی واقعہ فیل کے بیس سال بعد ہوئی اور کعبہ کی تعمیر، حرب فجار سے پندرہ سال بعد ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت، تعمیر کعبہ کے پندرہ سال بعد ہوئی۔

محمد بن جبیر کی تحقیق...... محمد بن جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ عکاظ میلہ کی ابتداء حادثہ فیل کے پندرہ سال بعد ہوئی اور کعبہ کی تعمیر عکاظ سے دس سال بعد ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کعبہ کی تعمیر کے پندرہ سال بعد ہوئی۔

قباث کا قول...... حافظ بیہقی نے بیان کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے قباث اشیم کنانی لیثی سے پوچھا عمر میں تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ؟ تو اس نے نہایت مودبانہ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے اکبر اور اعظم واعلیٰ ہیں' میں ان سے عمر میں بڑا ہوں' رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے اور میری والدہ نے مجھے ہاتھی کی لید دکھائی جو سبز رنگ بدلے ہوئے تھی اور رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔

سوید کی روایت...... یعقوب بن سفیان نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ: میں رسول اللہ ﷺ کا ہم عمر ہوں' میں عام فیل میں پیدا ہوا' لیکن بیہقی نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ: میں رسول اللہ ﷺ سے دو سال چھوٹا ہوں۔ یعقوب بن سفیان نے محمد بن جبیر بن مطعم سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے پندرہ سال بعد میلہ پہلی مرتبہ منعقد ہوا اور کعبہ کی تعمیر حادثہ فیل سے ۲۵ سال بعد ہوئی اور رسول اللہ واقعہ فیل سے چالیس بعد نبوت سے سرفراز ہوئے۔

جمہور کا قول...... غرضیکہ رسول اللہ ﷺ بقول جمہور' حادثہ فیل کے سال ہی ایک ماہ یا چالیس دن یا پچاس دن کے بعد آپ ﷺ پیدا ہوئے اور یہ ۵۰ والا قول مشہور ہے۔ ابوجعفر باقر بیان کرتے ہیں کہ ۱۵ محرم کو حادثہ فیل ہوا اور ۵۵ روز بعد رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ بقول ابن ابزیٰ' واقعہء فیل رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے دس سال قبل ہوا اور شعیب بن شعیب اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ واقعہ فیل رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے ۲۳ سال قبل ہوا اور موسیٰ بن عقبہ' زہری سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت واقعہ فیل کے ۳۰ سال بعد ہوئی اور یہی اس کا مختار قول ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزکریا عجلانی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت حادثہ فیل کے چالیس سال بعد ہوئی۔ یہ قول نہایت غریب ہے اور اس سے بھی زیادہ غریب اور کمزور قول وہ ہے جو خلیفہ بن خیاط' شعیب بن حبان' عبدالواحد بن ابی عمرو' کلبی' ابوصالح' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ حادثہ فیل سے ۱۵ سال قبل پیدا ہوئے۔ یہ روایت نہایت غریب' ضعیف اور منکر ہے۔ خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں متفق علیہ قول یہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ولادت حادثہ فیل کے سال ہوئی۔

نوٹ:...... عکاظ کا میلہ طائف اور نخلہ کے درمیان قائم ہوتا تھا کیم ذی قعد سے ۲۰ ذی قعد تک اور اس کا آغاز ۵۴۰ء میں ہوا اور یہ ۷۴۶ء/۱۲۹ھ تک جاری رہا۔ (مترجم)

رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے واقعات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے ذبح کرنے کی نذر کے بدلے جب سو اونٹ قربان کر دیئے اور اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کو محفوظ رکھا کہ ازل سے قدرت کو منظور تھا کہ اس کی پشت سے سید عالم خاتم رسل نبی امی ﷺ کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے آمنہ بنت وہب سے ان کی شادی کر دی اور حسب دستور آپ ان کے گھر ٹھہرے تو وہ امید سے ہو گئیں۔

ام قتال کا اظہار افسوس...... قبل ازیں ام قتال رقیقہ ہمشیرہ ورقہ بن نوفل نے عبداللہ کی آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھ کر خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ نور ان کے بطن میں منتقل ہو جائے کیونکہ وہ اپنے بھائی سے بکثرت سنتی رہتی تھی کہ آخر الزمان نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے۔ اس خواہش کا اظہار بقول نکاح کے ذریعے سے تھا اور یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ نے اس خواہش کی تکمیل سے معذرت کی اور جب یہ نور آمنہ کی طرف منتقل ہو گیا تو وہ اس پیشکش سے نادم ہوئی اور عبداللہ نے پھر اسی پیشکش کو قبول کرنے کا عزم کیا تو اس نے کہا مجھے اب تیری ضرورت باقی نہیں رہی اور اس نعمت عظمیٰ سے محرومی پر اس نے شدید افسوس کا اظہار کیا اور اس نے اس کے متعلق فصیح اشعار بھی کہے' جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ عصمت وصیانت عبداللہ کی خاطر نہ تھی بلکہ یہ عفت و پاک دامنی محض رسول اللہ ﷺ کی خاطر تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کو کس کے سپرد کرے اور صحیح سند سے روایت بیان ہو چکی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ولدت من نکاح لامن سفاح) غرضیکہ جب حضرت آمنہ امید سے ہوئیں تو پیدائش سے قبل ہی حضرت عبداللہ فوت ہو گئے' یہی مشہور قول ہے۔

عبداللہ کا بیمار ہونا ...... محمد بن سعد کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ شام میں غزہ کی طرف ایک تجارتی قافلے میں گئے۔ خرید وفروخت سے فارغ ہو گئے تو واپسی میں مدینہ ٹھہر گئے۔ حضرت عبداللہ بیمار تھے' انہوں نے رفقائے سفر سے کہا میں اپنے ننھیال ہی میں بنی عدی بن نجار کے ہاں قیام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس تقریباً ایک ماہ تک بیمار رہے اور ان کے باقی رفقاء مکہ چلے آئے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا وہ بیمار تھا' ننھیال کے ہاں ٹھہر گیا۔

عبداللہ کی وفات ...... عبدالمطلب نے اپنے بڑے صاحبزادے حارث کو مدینے روانہ کیا' وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہ فوت ہو چکے تھے اور دارالنابغہ میں دفن کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ وہ وطن چلے آئے اور اہل خانہ کو ان کی وفات کی خبر سنائی تو وہ سب' بہن بھائی اور عبدالمطلب نہایت غمگین اور رنجیدہ ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی اور رسول اللہ ﷺ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ واقدی سے مروی ہے کہ عمر اور وفات کے بارے میں یہ روایت سب سے مستند ہے۔

واقدی اور معمر کی تحقیق ...... واقدی' معمر زہری سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو مدینہ سے کھجوریں لانے کے لئے روانہ کیا تو وہاں انکا انتقال ہو گیا۔ محمد بن سعد' عوانہ بن حکم سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ ۸ ماہ کے بچے تھے یا سات ماہ کے کہ حضرت عبداللہ فوت ہو گئے۔ بقول محمد بن سعد' پہلا قول درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ زبیر بن بکار (محمد بن حسن' عبدالسلام) ابن خربوذ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مدینہ میں فوت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اس وقت ۲ ماہ کے بچے تھے اور چار سال کی عمر میں والدہ فوت ہو گئی اور آٹھ سال کی عمر میں دادا فوت ہو گئے ان کے دادا نے ان کی تربیت و پرورش کی وصیت ابوطالب سے کی۔
واقدی اور ابن سعد کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہی حضرت عبداللہ فوت ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجہ کی یتیمی ہے۔

آپ ﷺ کی والدہ کا خواب ...... یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں شکم مادر میں تھا کہ والدہ نے خواب دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نمودار ہوا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے ذکر کیا کہ رسول اللہ کے حمل کے دوران مجھے کسی نے کہا: "تیرے شکم میں اس امت کا سید ہے' جب وہ پیدا ہو' یوں کہو میں اس کو وحدہ لاشریک کی پناہ میں دیتی ہوں. ہر حسد کرنے والے سے' ہر بدخو انسان سے دفاع کرنے والا میر دفاع کرے' بے شک وہ حمید اور ماجد کے پاس ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو دیکھوں کہ وہ مشاہد و مجالس میں آئے اور علامت یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اس کے ہمراہ ایک نور خارج ہوگا جس سے شام کے علاقہ "بصریٰ" کے محلات روشن ہو جائیں گے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا' اس کا نام تورات میں احمد مذکور ہے' زمین و زمان والے اس کی تعریف کریں گے' اس کا نام مبارک انجیل میں بھی ہے' زمین آسمان والے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں' اس کا نام قرآن میں محمد مذکور ہے' چنانچہ آمنہ نے بوقت حمل اس نور کو ملاحظہ کیا تھا' گویا اس سے نور خارج ہوا ہے' جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں اور وضع حمل کے وقت بھی نور دیکھا جیسا کہ بوقت حمل قبل ازیں دیکھا تھا' واللہ اعلم۔

متعدد راویوں کی ایک روایت ...... محمد بن سعد' واقدی' محمد بن عبداللہ بن مسلم' زہری' واقدی' موسیٰ بن عبدہ' اخوہ اور محمد بن کعب قرظی' عبداللہ بن جعفر زہری' پھوپھی ام بکر بنت مسود' ابو ھامسود' عبدالرحمان بن ابراہیم مزنی اور زیاد بن حشرج' ابووجزہ' معمر' ابونجیح' مجاہد' طلحہ بن عمرو' عطاء' ابن عباس' ان چھ اسناد کی روایت باہم خلط ملط ہیں کہ حضرت آمنہ نے کہا: جب میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق امید سے ہوئی تو مجھے وضع حمل تک کوئی گرانی اور مشقت محسوس نہیں ہوئی' وضع حمل کے وقت اس کے ہمراہ ایک نور خارج ہوا جس سے مشرق' مغرب منور ہو گئے پھر آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین

پر گرے پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی اور آسمان کی طرف سر اٹھایا اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ دوزانوؤں کے بل زمین پر آئے' اوپر کو سر اٹھایا اور آپ کے ساتھ ایک نور خارج ہوا' جس سے شام کے قصور ومحلات اور اس کے بازار روشن ہو گئے یہاں تک کہ بصریٰ شہر کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگی۔ حافظ بیہقی (حافظ محمد بن عبداللہ' محمد بن اسماعیل' محمد بن اسحاق' یونس بن مبشر بن حسن' یعقوب بن محمد زہری' عبدالعزیز بن عمران' عبداللہ بن عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم' از والد ابن ابی سوید ثقفی' عثمان بن ابی العاص) اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ: جس رات رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی میں بھی زچہ خانہ میں موجود تھی گھر میں نور ہی نور پھیلا ہوا تھا' میں ستاروں کو اپنے قریب دیکھ رہی تھی' یہاں تک کہ میرا خیال ہوا کہ وہ مجھ پر آگریں گے۔ قاضی عیاض نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف کی والدہ شفاء سے نقل کیا ہے کہ وہ دایہ تھی اور اس نے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھوں پر آئے اور آواز کی تو کسی نے کہا' یرحمک اللہ'' اور ان سے ایسا نور نمودار ہوا جس سے روم کے قصور ومحلات روشن ہو گئے۔

عبدالمطلب کا آپ ﷺ کو بیت اللہ لانا..... محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ شکم مادر میں تھے کہ والد فوت ہو گئے' بعض کہتے ہیں کہ جب والد فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۸ ماہ تھی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کب فوت ہوئے) وضع حمل کے بعد والدہ نے کنیز کے ہاتھ عبد المطلب کو یہ پیغام ارسال کیا کہ آپ کا پوتا پیدا ہوا ہے' تشریف لائیے' جب وہ تشریف لے آئے تو والدہ آمنہ نے ان کو اپنا خواب' نور کا واقعہ اور نام رکھنے وغیرہ کی سب باتیں بتا دیں تو عبدالمطلب ان کو لے کر بیت اللہ کے اندر ہبل کے پاس لے گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

الحمد لله الذی أعطانی
هذا الغلام الطیب الأردان
قد ساد فی المهد علی الغلمان
أعیذه بالبیت ذی الارکان
حتی یکون بلغة الفتیان
حتی أراه بالغ البنیان

''سب تعریف ہے اس ذات کی جس نے مجھے یہ بچہ عطا کیا ہے۔ وہ گہوارے میں ہی سب بچوں سے فائق ہے' میں اسے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ نوجوانوں کو کفایت کرنے والا ہو جائے اور میں اس کو توانا وطاقتور دیکھوں''۔

أعیذه من کل ذی شنأن
من حاسد مضطرب العنان
ذی همة لیس له عینان
حتی أراه رافع اللسان
أنت الذی سمیت فی القرآن
فی کتب ثابتة المثانی
احمد مکتوب علی اللسان

''میں اس سے پناہ مانگتا ہوں ہر دشمن سے' اور ہر پریشان حاسد سے۔ ہر بوڑھے پھونس سے جس کی بینائی نہ ہو' یہاں تک کہ میں اسے دیکھوں۔ تو وہ محترم ہے' جس کا نام قرآن میں ہے اور بار بار تلاوت شدہ کتابوں میں احمد جو زبانوں پر تحریر ہے''۔

آپ ﷺ کا ختنہ شدہ پیدا ہونا..... بیہقی (حافظ ابو عبداللہ' ابوبکر محمد بن احمد داربودی ..... مرو ..... ابو عبداللہ بوشنجی' ابوایوب سلیمان بن سلمہ خبائری' یونس بن عطاء عثمان بن ربیعہ بن زیاد بن حارث صدائی' حکم بن ابان' عکرمہ' ابن عباس) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ختنہ شدہ' آنول بریدہ پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ کے دادا عبدالمطلب کو خوشی ہوئی اور فرمایا کہ میرا بیٹا عظیم الشان ہوگا' چنانچہ ایسا ہی ہوا (یہ

حدیث محل نظر ہے)(اور وہ آپ کے ہاں مقبول ہے)۔

حافظ ابن عساکر (سفیان بن محمد مصیصی، ھیثم، یونس بن عبید، حسن) انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ہاں یہ میری تعظیم و تکریم ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرم گاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ اس روایت کے دیگر اور طرق بھی ہیں۔

ابو نعیم (ابو احمد بن محمد بن احمد غطریفی، حسین بن احمد بن عبداللہ مالکی، سلیمان بن سلمہ خبائری، یونس بن عطاء، حکم بن ابان، عکرمہ، ابن عباس) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: **قال ولد رسول اللہ مختونا مسرورا فاعجب ذلک جدہ عبدالمطلب وحظی عندہ وقال لیکونن لابنی ھذا شان فکان لہ شان** (ترجمہ سابقہ حدیث کی طرح ہے) بعض علماء نے اس حدیث کو کثرت طرق کی وجہ سے صحیح کہا ہے حتیٰ کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ متواتر ہے، یہ سب طرق اور سندیں محل نظر ہیں۔

جبرائیل علیہ السلام کا ختنہ کرنا...... حافظ ابن عساکر (عبدالرحمان بن عیینہ بصری، علی بن محمد مدائنی سلمی، سلمہ بن محارب بن مسلم بن زیاد اپنے والد ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شق صدر کے وقت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی ختنہ کی تھی۔ یہ نہایت غریب ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ کا عبدالمطلب نے ختنہ کروایا اور قریش کی دعوت کی، واللہ اعلم۔

دستور عرب اور آپ ﷺ کا نام...... بیہقی (ابو عبداللہ الحافظ، محمد بن کامل قاضی، محمد بن اسماعیل سلمی، ابو صالح عبداللہ بن صالح، معاویہ بن صالح) ابوالحکم تنوخی سے نقل کرتے ہیں کہ قریش کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا تو ان کا دستور تھا کہ اسے صبح تک قریشی عورتوں کے سپرد کر دیتے، وہ اس پر ہانڈی اوندھی ڈال دیتیں، چنانچہ عبدالمطلب نے آپ کو حسب دستور عورتوں کے سپرد کیا اور انہوں نے آپ ﷺ پر ہانڈی اٹھا کر رکھ دی۔ صبح سویرے انہوں نے دیکھا تو ہانڈی دو ٹکڑے ہو چکی تھی اور آپ آنکھیں کھولے آسمان کو دیکھ رہے تھے، چنانچہ انہوں نے عبدالمطلب کو کہا، ہم نے ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ ہم نے صبح دیکھا تو ہانڈی دو ٹکڑے تھی اور وہ آسمان کو آنکھیں کھولے دیکھ رہا تھا، تو عبدالمطلب نے کہا اس کی خوب حفاظت کرو، مجھے امید ہے کہ یہ عظیم الشان انسان ہوگا۔ ساتویں روز کچھ جانور ذبح کر کے قریش کی دعوت کی، خورد و نوش سے فارغ ہو کر انہوں نے عبدالمطلب سے بچے کا نام پوچھا تو عبدالمطلب نے "محمد" بتایا تو انہوں نے کہا کہ اپنے خاندانی ناموں سے ہٹ کر تم نے یہ نام کیوں تجویز کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اللہ آسمان پر اس کی تعریف و ستائش کرے اور زمین پر مخلوق اس کی تعریف کرے۔ لغوی کہتے ہیں کہ ہر اچھی عادات و خصال کے جامع انسان کو محمد کہتے ہیں، کسی نے کہا:

الیک ابیت اللعن اعملت ناقتی الی الماجد القرم الکریم المحمد

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسم محمد اللہ عزوجل نے ان کو الہام کیا تھا کیونکہ آپ عمدہ خصال و صفات کے پیکر تھے تا کہ اسم اور مسمی صورت اور معنی کے مطابق ہو جائے جیسا کہ ابو طالب نے کہا اور یہ حسان سے بھی منقول ہے:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذو العرش محمود وھذا محمد

"اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت و جلالت ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے، سنو! رب عرش محمود ہے اور وہ محمد ہے"۔

آنحضور ﷺ کے اسماء گرامی، خصال و شمائل، صفات و اخلاق، معجزات و فضائل ہم ان شاء اللہ سیرت کے آخر میں بیان کریں گے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا آپ کی صفات بیان کرنا...... حافظ بیہقی (ابو عبداللہ الحافظ، ابو العباس محمد بن یعقوب، احمد بن شیبان رملی، احمد بن ابراہیم حبلی، ھیثم بن جمیل، زہیر، محارب بن دثار، عمرو بن یثربی) عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کے دین قبول کرنے کی خواہش آپ ﷺ کی ایک علامت نبوت سے پیدا ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ جس طرف اشارہ کرتے ہیں چاند اسی طرف جھک جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں اور چاند آپس میں باتیں کرتے تھے اور وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور عرش کے نیچے جا کر جب سجدہ کرتا ہے تو میں اس کی "تسبیحات" کی آواز سنتا ہوں، اس روایت میں لیثی منفرد ہے اور وہ مجہول ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے صرف دو سال عمر میں بڑے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی شب ولادت کے واقعات

باب ھو الف الجان" میں ہم آپ کی شب ولادت میں بیشتر بتوں کا منہ کے بل اوندھے گرنا' نجاشی شاہ حبشہ کا خواب' آپ کی ولادت کے وقت نور کا ظہور' اس روشنی سے شام کے محلات کا منور ہونا اور بوقت ولادت آپ کا دوزانوؤں کے بل گر کر آسمان کی طرف سر اٹھانا' ہانڈی کا دونیم ہوجانا' زچہ خانہ کا بقعہ نور بن جانا اور ستاروں کا قریب ہوجانا وغیرہ ذکر کر چکے ہیں۔

ابلیس کا چلا کر رونا...... "تفسیر" بقی بن مخلد سے سہیلی نے نقل کیا ہے کہ ابلیس چار بار چلا کر رویا (۱) جب اس پر لعنت پڑی' (۲) جب آسمان سے دھتکارا گیا (۳) جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی اور (۴) جب سورت فاتحہ نازل ہوئی۔

یہودی تاجر کا عجیب واقعہ...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ اپنے والد کے واسطہ سے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک یہودی تجارتی کاروبار کرتا تھا' جس رات رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے' اس نے قریش کی ایک مجلس میں آکر پوچھا آیا آج رات کسی قریشی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اہل مجلس نے لاعلمی کا اظہار کیا' اس نے "اللہ اکبر" کہہ کر کہا تم کو نہیں معلوم تو خیر' غور سے سنو اور میری بات یاد رکھو' آج رات کو آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے۔ اس میں گھوڑے کے بال کی طرح مسلسل بال۔ وہ دو رات تک دودھ نہ پیے گا۔ کیونکہ ایک عفریت جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے' جس کی وجہ سے وہ دودھ نہیں پی سکتا' چنانچہ مجلس برخاست ہوئی اور وہ یہودی کی بات سے نہایت حیرت وتعجب میں تھے' جب گھروں کو لوٹے تو ہر ایک نے اپنے اہل خانہ سے پوچھا تو سب کے اہل خانہ نے کہا واللہ! عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کا نام محمد ﷺ رکھا ہے' پھر اہل مجلس کی باہمی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا یہودی کی بات تم نے سن لی ہے اور کہا بچے کی پیدائش کی خبر بھی معلوم ہوئی ہے' چنانچہ وہ یہ بات کرتے ہوئی یہودی کے پاس آئے اور اسے سارا واقعہ بتایا تو اس نے کہا میرے ساتھ چلو کہ میں اس بچے کو دیکھوں' چنانچہ وہ یہودی کو آمنہ کے گھر لے آئے تو انہوں نے کہا اپنے بچے کو تو لاؤ وہ لائی تو انہوں نے بچے کی کمر سے کپڑا سرکایا تو اس پر یہودی نے تل دیکھا تو فوراً غش کھا کر گر پڑا' جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا' افسوس! تجھے کیا ہوا؟ تو اس نے کہا واللہ! اسرائیل کے خاندان سے نبوت رخصت ہوگئی' اے قریش! تم اس نبوت سے خوش ہو وہ ایسا حملہ کرے گا کہ ساری دنیا میں اس کی خبر پھیل جائے گی۔

یہودی کی پیشن گوئی...... محمد بن اسحاق' حسان بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ میں سات یا آٹھ سال کا تھا اور ہر بات سمجھ سکتا تھا کہ ایک صبح یثرب میں ایک یہودی نے چلا کر کہا' اے یہودیو! (اور میں سن رہا تھا) سب اس کے پاس چلے آئے انہوں نے پوچھا ویلک کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا احمد کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو آج رات پیدا ہوگا۔

یوشع کا آپ ﷺ کے متعلق بتلانا...... "دلائل النبوۃ" میں حافظ ابونعیم ابی سعید سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مالک بن سنان سے سنا کہ وہ ایک روز بنی عبدالاشہل کے ہاں بات چیت کے لئے آیا' ہماری ان دنوں میں اُن سے صلح ہو چکی تھی' وہاں میں نے یوشع یہودی سے سنا کہ احمد نبی کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے' وہ حرم میں پیدا ہوگا۔ خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے اس سے بطور مزاح پوچھا' اس کا حلیہ کیسا ہے؟ تو اس نے کہا معتدل قامت کا نوجوان ہے' اس کی آنکھوں میں سرخی ہے' وہ شملہ پہنے گا' گدھے کی سواری کرے گا' اس کے کندھے پر نبوت کی مہر ہوگی' یثرب کی طرف ہجرت کرے گا۔ پھر میں اپنی قوم بنی خدرہ میں چلا آیا اور میں یوشع کی بات سے بہت حیران تھا۔ میں نے اپنے ہی ایک آدمی سے سنا' وہ کہہ رہا تھا کہ یہ بات صرف یوشع ہی نہیں کہتا یہ بات تو ہر یہودی کی زبان پر ہے۔ ملک بن سنان کہتے ہیں پھر میں بنی قریظہ کے پاس آیا تو وہ بھی متوقع نبی کا تذکرہ کر رہے تھے۔

ابن باطا یہودی...... چنانچہ زبیر بن باطا یہودی نے کہا کہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو کسی نبی کے ظہور کے وقت نمودار ہوتا ہے اور صرف احمد نبی کا ہی انتظار ہے' یہ یثرب اس کی ہجرت گاہ ہے۔ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتا ہے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو نبی علیہ السلام کو میرے والد نے یہ بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر زبیر مسلمان ہو جائے تو سب رؤسائے یہود مسلمان ہو جائیں کیونکہ وہ اس کے تابع فرمان ہیں۔ابونعیم ام سعد بنت سعد بن ربیع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی علماء سے سنا کہ وہ نبی علیہ السلام کا حلیہ مبارک بیان کر رہے تھے۔جب سرخ ستارہ طلوع ہوا تو یہود نے کہا یہ اس نبی کی علامت ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس کا اسم گرامی احمد ہے اور یثرب اس کا مقام ہجرت ہے۔جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو یہود نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور حسد کر کے کفر کو اختیار کر لیا۔یہ قصہ ابونعیم نے دلائل میں متعدد روایت سے نقل کیا ہے' وللہ الحمد۔ابونعیم اور ابن حسان' اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل نے کہا کہ مجھے شام کے کسی پادری نے بتایا کہ تیرے شہر میں نبی کا ظہور ہو چکا ہے یا وہ پیدا ہونے والا ہے' اس کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے' لہٰذا تو اپنے اور اس کی تصدیق کر کے اس کی اتباع کر۔

ایران کے محلات کا لرزنا، کنگرے گرنا' آگ بجھنا اور موبذان کا خواب

ھو اتف الجان میں حافظ خرائطی نے (علی بن حرب' ابوایوب یعلی بن عمران از اولاد جریر بجلی' مخزوم بن ہانی مخزومی، اپنے والد) بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شب ولادت میں قیصر و کسریٰ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس کے ۱۴ کنگرے گر گئے فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے روشن تھا' ساوہ جو فارس کی نہر ہے خشک ہو گئی اور موبذان نے خواب دیکھا کہ تنومند سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں جو دریائے دجلہ عبور کر کے وسیع علاقے میں پھیل چکے ہیں۔

شاہ فارس کی پریشانی...... کنگروں کے سقوط نے کسریٰ شاہ فارس کو پریشان کر دیا۔دل پر جبر کر کے اس نے یہ بات مخفی رکھنے کا خیال کیا پھر اس کا خیال ہوا کہ اعیان مملکت کو آگاہ کرنا چاہئے چنانچہ اس نے ایک اجتماع کا اعلان کیا' خود تاج پہن کر شاہی تخت پر براجمان ہوا' جب سب لوگ آ گئے تو اس نے کہا' معلوم ہے میں نے آپ کو کیوں بلوایا ہے؟ انہوں نے کہا بالکل معلوم نہیں الا یہ کہ بادشاہ سلامت خود بتا دیں' ابھی بات شروع ہو ہی رہی تھی کہ آتش کدہ ایران کے بھانجے کا پروانہ موصول ہوا' پروانے نے جلتی پر تیل کا کام کیا کہ بادشاہ ایک اور غم میں مبتلا ہو گیا پھر اس نے محل کے کنگرے گرنے کا واقعہ سنایا تو موبذان نے کہا بادشاہ سلامت! میں نے بھی اس رات ایک خواب (مذکورہ بالا) دیکھا ہے تو بادشاہ نے موبذان سے پوچھا اس کی تعبیر کیا ہوگی؟ تو اس نے کہا' عرب کے گرد و نواح میں کوئی بڑا حادثہ رونما ہوگا' کسریٰ خود بھی بڑا عالم تھا۔

کسریٰ کا خط...... چنانچہ اس نے ایک مراسلہ لکھا (شہنشاہ کسریٰ بنام نعمان بن منذر' امابعد! کسی دانشور کو میرے پاس روانہ کرو' اس سے کوئی بات دریافت کرنی ہے) چنانچہ اس نے عبدالمسیح بن عمرو بن حیان بن نفیلہ غسانی کو شاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا' جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو کسریٰ نے پوچھا' کیا میرے سوال کا جواب دو گے؟ تو اس نے کہا' آپ مجھے بات بتا دیں یا مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھیں' اگر مجھے معلوم ہوا تو بتا دوں گا' ورنہ ایسے عالم کا نام بتا دوں گا جو اسے جانتا ہو۔چنانچہ بادشاہ نے اس خواب کی بابت پوچھا تو اس نے کہا اس کی تعبیر میرے ماموں خوب جانتے ہیں' وہ شام میں مقیم ہے۔ان کا نام سطیح ہے تو بادشاہ نے کہا فوراً جاؤ اور تعبیر پوچھ کر واپس آؤ۔

عبدالمسیح کا سطیح سے بستر مرگ پر ملنا

چنانچہ عبدالمسیح' سطیح کے پاس پہنچ گیا۔وہ بستر مرگ پر تھا اس نے سلام کے بعد کلام کیا تو سطیح نے کچھ جواب نہ دیا تو اس نے کہا:

أصم أم يسمع غطريف اليمن
أم فاد فازلم به شأو العنن
يا فاصل الخطة أعيت من ومن
أتاك شيخ الحي من آل سنن
وأمه من آل ذئب بن حجن
أزرق نهم الناب صرار الأذن
أبيض فضفاض الرداء والبدن
رسول قيل العجم يسري للوسن

''کیا بہرہ ہے یا یمن کے رئیس کی بات سنتا ہے' یا فوت ہو چکا ہے اور اس پر موت قابض ہے۔ اے مقدسہ اور مشکل امر کے فیصلہ کرنے والے سب اس کے سلجھانے سے عاجز ہیں' آل سنن کے قبیلہ کا رئیس تیرے پاس آیا ہے۔ اور اس کی والدہ ذئب بن حجن کی آل سے ہے' نیلگوں آنکھوں والا رئیس بات سننے کے لئے آمادہ۔ سفید فام' کشادہ سینہ' کشادہ ہاتھ' شاہ عجم کا ایلچی جو آرام وراحت کے لئے آیا ہے۔''

يجوب بي الأرض علنداة شزن
لا يرهب الرعد ولا ريب الزمن
ترفعني وجنا وتهوي بي وجن
حتى أتى عاري الجآجي والقطن
تلفه في الريح بوغاء الدمن
كأنما حثحث من حضني ثكن

''موٹی طاقتور ٹھوس بدن والی اونٹنی مجھ کو لے کر سفر طے کرتی ہے وہ آسمان اور زمانے کے خطرات سے بے خوف ہے۔ وہ مجھے سنگلاخ زمین کے نشیب وفراز میں لئے چل رہی ہے' یہاں تک کہ میں کھلے سینہ اور کشادہ پیڑو آیا ہوں۔ آندھی اس کو لپیٹ رہی' گوبر والی نرم زمین میں' جیسے شکن پہاڑ کے دونوں پہلوؤں سے بھگایا گیا ہے۔

سطیح کی تعبیر...... یہ اشعار جب سطیح ذئبی نے سنے تو اس نے سر اٹھا کر کہا' عبدالمسیح تیز رو اونٹ پر سطیح کے پاس آیا جو قریب المرگ ہے۔ تجھے ساسانی بادشاہ نے بھیجا ہے۔ ایوان کسریٰ پر لرزہ طاری ہونے کی وجہ سے اور آتش کدہ فارس کے بجھ جانے کے باعث اور موبذان کے خواب کے سبب' اس نے طاقتور اونٹ دیکھے جو عربی گھوڑوں کی قیادت کے لئے آ رہے ہیں' انہوں نے دریائے دجلہ کر لیا ہے اور اس علاقے میں پھیل گئے ہیں۔

اے عبدالمسیح! جب تلاوت قرآن عام ہوگی اور لاٹھی والا ظاہر ہوگیا' وادی سماوہ میں سیلاب آ گیا اور نہر ساوہ خشک ہوگئی اور فارس کا آتش کدہ بجھ گیا' پھر شام سطیح کا نہ ہوگا۔ ان کنگروں کی تعداد کے مطابق ان کے بادشاہ ہوں گے اور جو حادثہ رونما ہونے والا ہے وہ ضرور ظاہر ہوگا۔ پھر سطیح فوت ہو گیا اور عبدالمسیح یہ کہتا ہوا روانہ ہوا:

شمر فإنك ماضي العزم شمير
لا يفزعنك تفريق وتغيير
إن يمس ملك بني ساسان أفرطهم
فإن ذا الدهر أطوار دهارير

فربما ربما أضحوا بمنزلة
يخاف صولهم الاسد المهاصير

منهم أخو الصرح بهرام واخوته
والهرمزان وشابور وسابور

''اے شمیراور کوشش کرنے والے! تو مستعدرہ تو پختہ عزم والا ہے' تجھے یہ تفریق و تبدیلی پریشان نہ کردے۔ اگر ساسانیوں کی حکومت جاتی رہی تو کیا بات ہے' بے شک زمانہ نئے نئے رنگ بدلتا ہے۔ وہ بسا اوقات ایسے بلند مرتبے پر جائز تھے کہ حملہ آور شیر بھی ان کے حملہ سے ڈرتا تھا۔ ان میں سے شاہی محل والا اور اس کے بھائی (۱) ہرمزان (۲) شابور اور (۳) سابور ہیں۔''

والناس أولاد علات فمن علموا
أن قد أقل فمحقور ومهجور

ورب قوم لهم صحبان ذي اذن
بدت تلهيهم فيه المزامير

وهم بنو الام اما ان رأونشباً
فذاك بالغيب محفوظ ومنصور

والخير والشر مقرونان في قرن
فالخير متبع والشر محذور

فالخير متبع والشر محذور

''سب لوگ علاتی بھائی ہیں جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کمزور ہو چکا یا غریب تو وہ ذلیل اور تنہا ہوتا ہے۔ بہت سی اقوام ان کے رفقاء ان کے رسیا ہوتے ہیں' ان میں گانے بجانے کے آلات ظاہر ہوتے ہیں' جوان کو غافل کردیتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک ماں کی اولاد ہیں' اگر وہ کسی کا مال و دولت دیکھ لیں تو وہ غائب ہونے کے باوجود محفوظ منصور ہوتا ہے۔ خیر و شر دونوں ایک رسی میں بندھے ہوئے ہیں' خیر کی تلاش ہوتی ہے اور شر سے فرار اختیار کیا جاتا ہے۔''

فارس کے چودہ کسریٰ ...... جب عبدالمسیح نے کسریٰ کو سطیح کی ساری تعبیر سنادی تو اس نے کہا چودہ سلاطین تک بہت زمانہ ہے۔ چنانچہ ان میں سے دس سلطان تو صرف چار سال کے عرصہ میں گزر گئے اور باقی چار حضرت عثمان کی خلافت تک رہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا پہلا بادشاہ خیومرت بن میم بن لاود بن سام بن نوح تھا اور آخری معزول بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن ابرویز بن ہرمز بن نوشیروان ہی کے زمانہ حکومت میں ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا تھا۔ ان کی حکومت کا عرصہ تھا ۳۱۶۴ سال رہا۔

سطیح کا نسب اور اس کے دیگر احوال ...... تاریخ میں ابن عساکر نے لکھا ہے' سطیح بن ربیع بن ربیعہ بن مسعود بن مازن بن ذئب بن عدی بن مازن بن ازد (ایک روایت میں ربیعہ کی بجائے مسعود ہے) اس کی والدہ کا نام ردعا بنت سعد بن حارث حجوری ہے۔ یہ جابیہ میں مقیم تھی۔ ابوحاتم بجستانی کے بقول ابوعبیدہ وغیرہ کہتے ہیں کہ: اس کے حکمرانی کا زمانہ لقمان بن عادی کے بعد کا ہے۔ وہ سیل عرم کے وقت پیدا ہوا اور ذی نواس کے عہد تک ۳۰ قرن زندہ رہا اور بحرین میں قیام پذیر تھا' قبیلہ عبدالقیس کے بقول' وہ ان کے قبیلہ سے ہے اور ازد کا دعویٰ ہے کہ وہ ان کے قبیلے میں سے ہے۔ بقول اکثر محدثین وہ ازد سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بات بھی ازد کے دعویٰ پر ہی موقوف ہے۔ بقول ابن عباس' سطیح عام انسان جیسا نہ تھا۔ وہ

صرف گوشت پوست تھا۔ اس کے سر' آنکھوں' ہاتھوں کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی' پاؤں سے لے کر گردن تک لپیٹ دیا جاتا اور اس کی صرف زبان متحرک تھی' بقول بعض' جب غصہ میں آتا تو اس کا جسم پھول جاتا اور وہ بیٹھ جاتا تھا۔

سطیح کی مکہ آمد اور قریش کو مستقبل کے والات بتانا

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سطیح ایک دفعہ مکہ میں آیا تو رؤسائے مکہ عبدشمس اور عبد مناف وغیرہ نے اس کا استقبال کیا اور بطور امتحا ن اس سے بعض باتیں دریافت کیں تو اس نے بالکل صحیح جواب دیا۔ پھر اس سے کچھ مستقبل اور آئندہ ہونے والے واقعات کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا یہ واقعات مجھ سے سنو اور یہ اللہ کا میری طرف الہام ہے۔ اے معشر عرب! تم اب زوال پذیر اور کمزوری کے عالم میں ہو۔ عرب اور عجم کا اب کوئی امتیاز نہیں' تم اور وہ یکساں ہو۔ تم علم وفہم سے عاری ہو' تمہاری نسل سے دانش مند لوگ پیدا ہوں گے' متعدد فنون سے فیض یاب ہوں گے۔ بت پرست نہ ہوں گے۔ توحید پرست ہوں گے' عجم کو قتل اور تہ تیغ کریں گے اور غنیمت حاصل کریں گے۔

پھر اس نے کہا زندہ جاوید اور تا ازل رہنے والے کی قسم! اس مکہ شہر سے ہدایت یافتہ نبی کا ظہور ہوگا۔ رشد وہدایت کا علم بردار ہوگا' یغوث اور نسر بتوں سے کنارہ کش ہوگا' اصنام پرستی سے بیزار ہوگا' ایک رب کا پرستار ہوگا' اللہ تعالیٰ اس کو بہتر مقام اور اعلیٰ حال میں فوت کرے گا' زمین سے مفقود ہو گا' آسمان پر موجود ہوگا پھر اس کا صدیق ہوگا' صحیح فیصلہ کرے گا اور حقوق وفرائض کی ادائیگی بھرپور طریقہ سے کردے گا' بے عقل' بعد ازاں ایک تجربہ کار رئیس اور حنیف خلیفہ ہوگا' امور سلطانی میں اضافہ کرے گا' شریعت کو نافذ کرے گا۔ پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی شہادت کا تذکرہ کیا' امیوں اور عباسی حکومتوں کے حالات بیان کئے' اس کے فتنہ وفساد اور جنگوں کے حالات ذکر کئے' حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مفصل نقل کیا ہے۔

ربیعہ بن نصر شاہ یمن کے قصہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سطیح نے اس کو خواب اور اس کی تعبیر سے اس کے بتلانے سے پہلے ہی اُسے آگاہ کر دیا تھا۔ پھر اس نے یمن کے علاقہ میں آئندہ تغیرات اور فسادات سے باخبر کیا۔ یہاں تک کہ اس نے سیف بن ذی یزن تک کے واقعات بیان کئے' پھر ربیعہ نے پوچھا کہ اس کی حکومت دائمی ہوگی یا عارضی؟ اس نے کہا ختم ہو جائے گی۔ پھر پوچھا کون ختم کرے گا؟ تو اس نے بتایا ایک پاکیزہ نبی' اس پر وحی نازل ہوگی' پھر پوچھا یہ نبی کس نسل سے ہوگا؟ تو اس نے کہا غالب بن فہر کی نسل سے اور آخر دنیا تک اس کی حکومت قائم رہے گی' تو اس نے بڑی حیرت سے پوچھا کیا دنیا کا بھی آخر اور اختتام ہے؟ اس نے جی ہاں! ایک دن پہلے اور پچھلے سب جمع ہوں گے' نیک لوگ سعادت سے ہمکنار ہوں گے اور بدکار بدبختی سے۔ پھر اس نے پوچھا کیا تمہارا فرمان صحیح اور سچ ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا شام کی شفق اور سرخی' رات کی تاریکی' چاند کی چاندنی کی قسم! کہا جن باتوں سے میں نے تم کو آگاہ کیا بالکل اور حق سچ ہے۔ ''شق'' کاہن نے بھی اس کی بالفاظ دیگر پوری پوری تائید کی اور سطیح کے اشعار میں سے چند درج ذیل ہیں:

علیکم بتقوی اللہ فی السر والجہر
ولا تلبسوا صدق الامانۃ بالغدر
وکونوا لجار الجنب حصناً وجنۃ
اذا ما عرتہ النائبات من الدھر

''عیاں اور پنہاں ہر حال میں اللہ کے تقویٰ کو لازم پکڑو' امانت کی صداقت کو غدر وبے اعتنائی سے مت ملوث کرو۔ اپنے ہمسایہ کے لئے تم مضبوط قلعہ اور سپر بن جاؤ' جب اس کو زمانے کے مصائب سے سامنا ہو۔''

یہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔ معافی بن زکریا جریری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ سطیح کے واقعات بکثرت ہیں اور متعدد اہل علم

نے ان کو جمع اور مدون کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ ایک کاہن تھا اس نے رسول اللہ ﷺ کے صفات اور بعثت کا بیان کیا اور ایک سند سے مروی ہے (اس کی سند کی حالت خدا جانے کیسی ہے) کہ: رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "نبی ضیعه قومه" نبی تھا اس کی قوم نے اس کی قدر نہیں کی۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا حدیث کے متعلق رائے

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث بالکل موضوع ہے' موجودہ اسلامی کتب میں اس کا وجود تک نہیں اور میں نے اس کی کوئی سند نہیں دیکھی' خالد بن سنان عیسیٰ کے متعلق بھی اسی طرح مروی ہے' اس کا بھی کوئی وجود نہیں۔ سطیح کے اقوال واخبار سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ ایک عمدہ علم کا حامل تھا۔ اس میں اسلام کی تصدیق وتائید کے آثار پائے جاتے تھے لیکن اس نے اسلامی عہد نہیں پایا (جیسا کہ جریری نے کہا ہے) قبل ازیں ہم اس روایت میں عبدالمسیح کے سوال کا جو جواب' سطیح نے دیا تھا وہ بیان کر چکے ہیں۔

سطیح کی عمر ...... ابن طراز الحریری (غالب امکان ہے یہ جریری ہوگا) کے بیان کے مطابق وہ سات سو سال زندہ رہا۔ بعض کا قول ہے کہ وہ پانچ سو سال زندہ رہا اور بعض تین سو سال کہتے ہیں' واللہ اعلم۔

سطیح کے علم کا ماخذ ...... ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک لڑکے کے مشتبہ نسب کے متعلق سطیح سے دریافت کیا تو اس نے نہایت فصیح وسلیس عبارت میں طویل جواب دیا اور حقیقت حال سے باخبر کر دیا تو بادشاہ نے پوچھا' جناب سطیح' آپ کو یہ علم کہاں سے میسر ہوتا ہے؟ تو اس نے کہا یہ معلومات میری نہیں ہیں' لیکن میں نے یہ اپنے بھائی سے اخذ کی ہیں جس نے طور سینا میں وحی سنی تھی' تو اس نے مزید پوچھا کیا یہ تیرا ہمزاد اور جن ہے جو ہمہ وقت تیرے ساتھ ہوتا ہے تو اس نے جواب دیا میں جہاں جاتا ہوں میرے ساتھ ہوتا ہے اور میں اس کی بات نقل کرتا ہوں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ اور کاہن "شق" بن مصعب بن یشکر ایک ہی روز پیدا ہوئے اور طریفہ بنت حسین حمیدیہ کاہنہ کے پاس ان کو لے جایا گیا' اس نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور اسی روز فوت ہو گئی اور "شق" ادھورا اور آدھا انسان تھا' مشہور ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری اسی کی نسل سے ہے اور سطیح سے کافی عرصہ قبل فوت ہوا۔

عبدالمسیح اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا زہر کھانا ...... عبدالمسیح بن عمرو بن قیس غسانی اور نصرانی سن رسیدہ اور کہن سال بوڑھا تھا' تاریخ میں ابن عساکر نے اس کا تعارف وترجمہ تحریر کیا ہے کہ: اس نے خالد بن ولید سے ایک معرکہ میں صلح کی پھر اس کا طویل قصہ بیان کیا ہے اور خالد رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ سے زہر ہلاہل لی اور بسم الله وبالله رب الارض والسماء الذی لایضر مع اسمه اذی پڑھ کر کھا لی اور ان پر غشی طاری ہو گئی پھر انہوں نے اپنے ہاتھ سینے پر مارے' حضرت خالد رضی اللہ عنہ پسینہ سے شرابور ہو گئے پھر کچھ دیر بعد ہوش میں آ گئے اور ہلاک ہونے سے بچ گئے۔

شامی راہب کی پیشن گوئی ...... حافظ ابونعیم نے شعیب بن شعیب کے والد اور اس کے دادا سے نقل کیا ہے کہ مرالظہران" میں ایک شامی راہب "عیصا" نامی کلیسا میں رہتا تھا۔ جو کہ عاص بن وائل کی پناہ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت علم سے نوازا تھا اور اہل مکہ کے لئے معلومات کا ملجا وماویٰ تھا۔ کلیسا میں رہتا صرف سال میں ایک بار مکہ جاتا اور لوگوں کو بتاتا کہ اے اہل مکہ! عنقریب تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا' سارا عرب اس کے پیرو ہوگا وہ سرخرو ہوگا اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ خسارے میں رہے گا۔

واللہ میں اپنا سرسبز وشاداب اور امن وامان والا علاقہ چھوڑ کر بھوک وپیاس اور خطرناک علاقے میں صرف اس کی تلاش وجستجو کے لئے آیا

ہوں' مکہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کے متعلق دریافت کرتا اور حقیقت حال سے آگاہ ہو کر کہتا وہ ابھی نہیں آیا۔ اس سے ان کی صفات و علامات پوچھی جاتیں تو وہ نہ بتاتا بلکہ چھپاتا تا کہ اس خبر کی وجہ سے بچے کو معمولی تکلیف بھی پہنچی تو اس کی قوم کی جانب سے اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی صبح' عبداللہ بن عبدالمطلب کلیسا کے پاس آئے اور یا عیصاہ کہہ کر بلایا تو اس نے پوچھا کون ہے؟ بتایا میں عبداللہ ہوں (اس نے اوپر سے جھانکتے ہوئے کہا' اللہ کرے تو اس کا باپ ہو' جس بچے کے بارے میں تم کو بتایا گیا تھا وہ پیر کے دن پیدا ہو چکا ہے' اسی روز وہ نبی ہوگا اور اسی روز فوت ہوگا) اور پھر بتایا میرے ہاں صبح بچہ پیدا ہوا ہے راہب نے پوچھا کیا نام رکھا ہے؟ عبداللہ نے کہا محمد ﷺ! راہب نے کہا' واللہ! میری خواہش تھی کہ یہ بچہ تمہارے ہاں پیدا ہو۔ مجھے اس کے متعلق تین علامات معلوم تھیں کہ اس کا ستارہ گذشتہ رات طلوع ہو چکا ہے' وہ آج پیدا ہوگا' اس کا نام محمد ہوگا۔

آپ تشریف لے جائیے جس بچے کی میں علامات بتا رہا ہوں وہ آپ کا ہی بچہ ہے۔ تو عبداللہ نے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہے کہ وہ میرا ہی بیٹا ہے؟ ممکن ہے کہ آج کوئی اور بھی مولود پیدا ہوا ہو۔ تو اس نے کہا تیرے بیٹے کا نام میرے اس علم کے موافق ہے' ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء کو مخمصے میں ڈالے بے شک وہ دنیا میں حجت ہے اور ایک عظیم معجزہ ہے۔ سنو! وہ اب تکلیف و درد میں مبتلا ہے' تین روز تک اذیت میں رہے گا' تیسرے روز اس کو بھوک محسوس ہوگی پھر وہ تندرست ہو جائے گا' خاموش رہو' کسی بچے پر ایسا حسد نہیں ہوا اور نہ کسی پر ایسا جور و جفا' اگر تو زندہ رہا اور وہ گفتگو کے قابل ہو گیا پھر وہ دنیا کو رشد و ہدایت کی دعوت پیش کرے گا اور قوم کا رویہ اس قدر سخت ہوگا کہ وہ صبر و سکون کے بغیر برداشت نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ خاموش رہو' کوئی پوچھے تو ٹال دو۔ پھر اس نے پوچھا اس کی عمر کتنی ہے؟ اس نے بتایا' کم و بیش اس کی عمر ستر سال سے زائد نہ ہوگی اور وہ ساتویں دھائی کے طاق سالوں ۶۱، میں فوت ہوگا اور اس کی اکثر امت کی یہ عمر ہوگی۔

۱۰ محرم میں رسول اللہ ﷺ شکم مادر میں آئے' بروز سوموار ۱۲۔ رمضان ۲۳ عام فیل کو پیدا ہوئے ابو نعیم نے اسی طرح بیان کیا ہے اور اس میں عجوبہ پن اور غرابت ہے' واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی دایہ' کھلایہ اور دودھ پلانے والیاں

ام ایمن مسماۃ برکت باندی...... رسول اللہ ﷺ کو والد کے ترکہ سے ملی تھی' یہ آپ ﷺ کو کھلایا کرتی تھی۔ عاقل بالغ ہوئی تو آپ نے اسے آزاد کر کے اپنے غلام زید بن حارثہ سے شادی کر دی اور ان کے بطن سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو حلیمہ سعدیہ سے قبل والدہ ماجدہ کے ہوتے ہوئے ابولہب کی باندی ثوبیہ نے بھی دودھ پلایا تھا۔

ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا رسول اللہ ﷺ سے اپنی بہن کا نکاح کروانا چاہنا اور آپ ﷺ کا جواب

بخاری و مسلم میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہ بنت ابی سفیان کی روایت ہے کہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میری بہن ''عزۃ'' بنت ابوسفیان سے شادی کر لیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا؟ کیا تمہیں یہ پسند اور گوارہ ہے' میں نے عرض کیا اب بھی تو میں آپ کی اکیلی بیوی نہیں ہوں۔ مجھے اپنی بہن کو خیر و برکت میں شریک بنانا پسند اور خوش گوار ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ جائز نہیں (کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں رکھوں) میں نے عرض کیا ہم نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی (درہ ایک روایت میں) سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے نہایت حیرت سے پوچھا) میں ام سلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اگر میری بیوی کے پہلے خاوند کی بیٹی نہ بھی ہوتی تب بھی مجھے حلال نہ ہوتی' کیونکہ دودھ کے رشتہ سے میری بھتیجی ہے' مجھے اور ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا' سنو! میرے روبرو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو نکاح کے

لئے پیش نہ کیا کرو۔

ابولہب کو خواب میں دیکھا..... عروہ کہتے ہیں ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی' جسے ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا' جب ابولہب مر گیا تو اسے اہل خانہ میں سے کسی نے خواب میں برے حال میں دیکھ کر کہا' تو کن حالات سے دوچار ہے؟ اس نے جواب دیا تم سے جدا ہونے کے بعد میں خیر وخوشحالی سے محروم ہوں۔ مگر ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے میں اس میں سے یعنی انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان میں سے پلایا جاتا ہوں۔ سہیلی وغیرہ کا بیان ہے کہ اس کے بھائی عباس کو خواب آیا تھا اور یہ خواب ابولہب کی وفات (بعد از بدر) کے ایک سال بعد آیا تھا اور اس خواب میں یہ بھی بیان ہے کہ سوموار کے دن کے موافق مجھ سے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب ثویبہ نے اسے بھتیجے محمد بن عبداللہ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے ثویبہ کو فوراً اس بشارت کی وجہ سے آزاد کر دیا تھا اسی وجہ سے اس کو عذاب میں تخفیف ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کا بیان

حلیمہ سعدیہ اور آپ ﷺ کی برکات

رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے کے لئے حلیمہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا' یعنی حلیمہ بنت ابی ذؤیب عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر۔ رسول اللہ ﷺ کے رضائی باپ' حلیمہ کے شوہر ہیں جن کا نام حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملان بن ناصرہ بن سعد بن بکر بن ہوازن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے رضائی بہن بھائی' (۱) عبداللہ بن حارث (۲) انیسہ بنت حارث (۳) حذافہ بنت حارث ہیں یہی شیماء ہے جو آپ ﷺ کو اپنی والدہ کے ہمراہ کھلایا کرتی تھی۔

محمد بن اسحاق' جہم بن ابی جہم غلام زوجہ حارث بن حاطب عرف مولیٰ حارث بن حاطب' یکے از سامعین عبداللہ بن جعفر' عبداللہ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے کسی نے حلیمہ کا یہ قصہ سنایا کہ میں مکہ میں بنی سعد کی چند خواتین کے ہمراہ قحط کے سال شیرخوار بچوں کی تلاش میں آئی بقول واقدی دس عورتیں تھیں۔ میں سفید گدھی پر سوار تھی جو نہایت سست رفتار تھی۔ ایک بچہ شیرخوار ہمراہ تھا ساتھ ایک اونٹنی تھی جو بالکل دودھ نہ دیتی تھی۔ ہم رات بھر بچے کی بھوک کی وجہ سے سو نہ سکتے تھے نہ میری چھاتی میں بقدر کفایت دودھ تھا اور نہ ہماری اونٹنی دودھ دیتی تھی۔ لیکن ہم خوشحالی اور آسودگی کے امیدوار تھے الغرض میں ایسی کمزور گدھی پر سوار تھی جو سارے قافلہ کی رکاوٹ کا باعث تھی' یہاں تک کہ ان کو ہماری یہ کمزوری اور ناتوانی گوارا نہ تھی' بالآخر ہم مکہ پہنچ گئے۔ واللہ! ہر دودھ پلانے والی کو رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ کی طرف سے رضاعت کی پیشکش کی گئی مگر سب نے یتیم ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا کہ: ایک بیوہ عورت کیا کفالت کرے گی۔ ہم بچے کے والد سے انعام واکرام کے امیدوار ہوتے ہیں باقی رہی بیوہ والدہ تو وہ کیا اجرت دے سکتی ہے۔ چنانچہ ماسوائے میرے ہر عورت نے شیرخوار بچہ اجرت پر لے لیا تھا۔ مجھے اس یتیم کے علاوہ کوئی بچہ میسر نہ تھا اور جب ہم نے خالی ہاتھ چلے جانے کا عزم کر لیا تو میں نے اپنے شوہر حارث بن عبداللہ سے کہا' واللہ! میں ناکام اور بے نیل مرام واپس جانا پسند نہیں کرتی' میں تو اس یتیم بچے کو ہی لے لوں گی' تو میرے خاوند نے بھی تائید کی کہ لے لو کوئی حرج نہیں' اللہ برکت دے گا۔ چنانچہ میں ان کے گھر گئی اور شیرخوار بچہ لے آئی' واللہ حقیقت یہی ہے کہ میں نے اس کو محض مجبوری کی خاطر لیا' واللہ میں بس اس کو اپنے ٹھکانہ میں لائی تھی کہ میری چھاتی میں حسب ضرورت دودھ اتر آیا' چنانچہ اس کی شیرخوار اور میرے بچے نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور میرے شوہر نے اونٹنی کو دوہنے کا ارادہ کیا تو اس کے تھن بھی دودھ سے لبریز تھے۔ اس نے اس قدر دودھ نکالا کہ ہم سب کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ ہم نے آرام وراحت سے رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! معلوم ہوتا ہے کہ تو نے ایک مبارک روح کو حاصل کیا ہے' جب سے ہم نے اس کی کفالت کا ذمہ لیا ہے ہم خیر و برکت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید خیر و برکت سے نوازے گا۔ جب ہم مکہ سے واپس ہوئے تو یہی گدھی قافلہ کے آگے آگے تھی' کوئی بھی گدھی

اس کے ساتھ نہ چل سکتی تھی' یہاں تک کہ ساتھی عورتیں کہہ رہی تھیں کہ ارے دختر ابی ذویب! یہ وہی گدھی ہے جس پر تو جاتے وقت سوار تھی؟ میں جواب دیتی جی ہاں! واللہ یہ وہی ہے تو وہ پھر کہتیں واللہ! اس کی تو اب عجیب کیفیت ہے' پھر ہم اپنے علاقہ بنی سعد میں پہنچ گئے' ہمارا علاقہ قحط زدہ تھا' ہماری بکریاں صبح جاتیں اور شام کو پیٹ بھر کر اور بہت دودھ والی آتیں اور باقی لوگوں کی بکریاں شام کو بھوکی اور بے دودھ کے واپس آتیں اور لوگ ہماری بکریوں کو دیکھ کر اپنے چرواہوں کو تاکید کرتے کہ جہاں بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں وہاں سے جایا کرو' چنانچہ وہ ہماری بکریوں کے ہمراہ چراتے پھر بھی ان کی بکریاں خالی پیٹ' بے دودھ آتیں اور ہماری بکریاں پیٹ بھر کر' دودھ والی آتیں اور ہم خوب دودھ دوہتے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو سال سے خوب خیر و برکت میں تھے' آپ کا قد وقامت عام بچوں سے ممتاز تھا' واللہ! آپ دو سال کی عمر میں خوب توانا اور کھانا کھانے کے قابل ہو گئے' ہم اس کو آمنہ کے پاس لے آئے' خیر و برکت کی وجہ سے ان کو ہم اپنے پاس رکھنے کے بہت حریص تھے۔ پھر ہم نے ان کی والدہ سے عرض کیا آپ اجازت دیں ہم ان کو ایک سال اور اپنے پاس لے جاتے ہیں شاید مکہ شہر کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئے۔

شرح صدر...... ہم برابر ان کی منت سماجت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ ہم ان کو اپنے ہمراہ لے آئے دو یا تین ماہ کا عرصہ گزرا ہوگا کہ وہ اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ مکان کے پچھواڑے بکریوں میں تھے کہ ان کا بھائی دوڑتا ہوا آیا کہ میرا قرشی بھائی یہاں ہے۔ اس کے پاس سفید پوش دو آدمی آئے' انہوں نے اسے لٹا کر پیٹ چاک کر دیا ہے۔ چنانچہ میں اور میرا شوہر دوڑتے ہوئے آئے تو آپ کھڑے ہیں اور رنگ فق ہے۔ میرے شوہر نے ان کو گلے لگا کر پوچھا' کیا بات ہے؟ تو آپ نے بتایا کہ دو سفید پوش انسان آئے' انہوں نے مجھے لٹا کر پیٹ چاک کیا اور کوئی چیز اندر سے نکال کر پھینک دی' پھر پیٹ کو اسی طرح کر دیا پھر ہم ان کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اس بات کے پیش نظر' میرے شوہر نے کہا' حلیمہ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں چلو ہم ان کو واپس لوٹا آئیں۔ حلیمہ نے کہا ہم ان کو دوبارہ آمنہ کے پاس لے آئے تو اس نے حیرت کے عالم میں پوچھا کیوں واپس لے آئے؟ تم تو بڑے ارمان سے اس کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ تو ہم نے عرض کیا بحمد للہ مدت رضاعت کا عرصہ پورا کر دیا ہے۔ ہم کسی خوف و خطرے کے مدنظر ان کو واپس لے آئے ہیں۔

آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ کی وضاحت...... یہ سن کر آمنہ نے کہا یہ بات نہیں' سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟ تو ان کے اصرار پر ہم نے پورا قصہ گوش گزار کر دیا' تو اس نے کہا' کیا آپ کو اس پر آسیب اور شیطانی حرکت کا خطرہ ہے۔ سنو! ایسا بالکل نہیں' واللہ! ان پر شیطان قابو نہیں پا سکتا' واللہ! میرے لخت جگر کی ایک شان اور مرتبہ ہوگا۔ میں اس کی ولادت کا قصہ سناؤں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں! اس نے کہا' اس کے حمل کی وجہ سے مجھے کوئی گرانی نہیں ہوئی' اس سے ہلکا حمل میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حمل کی حالت میں مجھے خواب آیا گویا میرے جسم سے نور خارج ہوا ہے جس سے شام کے محل منور اور ظاہر ہو گئے۔ پھر وضع حمل بھی خلاف عادت ہوا کہ وہ زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے آسمان کو دیکھ رہا تھا' آپ ہر قسم کے خوف وخطرے کا خیال چھوڑ دیں۔

یہ حدیث علماء سیرت اور مغازی کے ہاں مشہور اور متداول ہے اور متعدد اسناد سے مروی ہے۔

واقدی (معاذ بن محمد' عطا بن ابی رباح) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حلیمہ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلی تو اس نے دیکھا بکریاں دھوپ میں ہیں اور آپ اپنی رضاعی بہن کے پاس ہیں تو حلیمہ نے خفا ہو کر کہا' اس شدید گرمی میں تو اسے باہر لے آئی؟ تو لڑکی نے کہا' امی! میرے بھائی کو دھوپ محسوس نہیں ہوئی' میں نے دیکھا ان پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے جب یہ رک جاتا تو بادل بھی رک جاتا ہے اور جب یہ چلتا ہے تو بادل بھی اس کے ساتھ چلتا ہے اسی کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان...... ابن اسحاق (ثور بن یزید' خالد بن معدان) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اپنی ذات کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں شکم مادر میں تھا کہ میری ماں نے دیکھا کہ اس کے بدن سے ایک نور خارج ہوا ہے' جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ بنی سعد

بن بکر میں میری رضاعت کا اہتمام ہوا' میں بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ دو سفید پوش آدمی آئے ان کے پاس سونے کی طشتری میں برف تھی۔ انہوں نے مجھے لٹا کر پیٹ چاک کیا' پیٹ سے دل نکال کر چیرا اور اس سے سیاہ بوٹی نکال کر پھینک دی۔ پھر میرے دل اور پیٹ کو برف سے دھویا اور پھر اس کو پہلے کی طرح کر دیا۔

فرشتوں کی گفتگو..... ان میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ ان کا دس مسلمانوں سے موازنہ کرو' چنانچہ انہوں نے دس سے تولا تو میں ان سے بھاری نکلا' پھر سو افراد سے تولا گیا تو پھر بھی میں بھاری ثابت ہوا پھر ہزار سے تولا گیا پھر بھی میں غالب اور زیادہ تھا' پھر ایک نے دوسرے کو کہا چھوڑو' اگر ان کو ساری امت سے بھی تولا جائے تو بھی ثابت ہوں گے' یہ سند عمدہ اور قوی ہے۔ دلائل میں حافظ ابونعیم نے عمر بن صبح' ابونعیم' ثور بن یزید' مکحول' شداد بن اوس سے یہ رضاعت والا قصہ نہایت طویل بیان کیا ہے' اس سند میں عمر بن صبح راوی' متروک' کذاب وضاع اور مصنوعی حدیثیں بنانے والا ہے' اسی لئے ہم نے اس متن حدیث کو نظرانداز کر دیا ہے۔

آپ ﷺ کے بچپن کے حالات آپ ﷺ ہی کی زبانی

ابوعمرو بن حمدان (حسن بن نفیر' عمرو بن عثمان' بقیہ بن ولید' بحیر بن سعید' خالد بن معدان' عبدالرحمان بن عمرو سلمی) عتبہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کے ابتدائی حالات کیسے تھے؟ تو آپ نے فرمایا میری رضاعی ماں' بنی سعد بن بکر سے تھی' میں نے بھائی سے کہا جاؤ امی سے کھانا لے آؤ' چنانچہ وہ کھانا لینے چلا گیا اور میں ریوڑ کے پاس تھا کہ دو سفید پرندے آئے گدھ کی طرح۔ ایک نے دوسرے کو کہا' کیا یہی ہے' دوسرے نے کہا ہاں! پھر دونوں نے مجھے جھپٹ کر پکڑا اور گدی کے بل پچھاڑ دیا پھر پیٹ چاک کر کے دل نکالا اور اس کو چیر کر دو سیاہ بوٹیاں نکالیں پھر ایک نے دوسرے کو کہا برف کا ٹھنڈا پانی لاؤ' اس پانی سے انہوں نے میرا پیٹ دھویا پھر برف کے ٹھنڈے پانی سے میرا دل صاف کیا اس کے بعد اس نے کہا سکینت اور تسکین قلبی لاؤ' پھر اس نے یہ دل پر چھڑک دی۔ پھر ایک نے دوسرے کو کہا اس شگاف کو سی دو' چنانچہ اس نے سی دیا اور میرے دل پر نبوت کی مہر لگا دی' پھر ایک نے دوسرے کو کہا' ان کو ترازو کے ایک پلڑے میں بٹھاؤ اور دوسرے پلڑے میں ایک ہزار امتی' میں دیکھ رہا تھا کہ ہزار والا پلڑا اوپر اٹھا ہوا تھا' مجھے خطرہ تھا کہ وہ مجھ پر گر نہ پڑیں پھر انہوں نے کہا۔ اگر پوری امت کے برابر بھی تولا جائے تو پھر بھی وزنی ہوگا۔ پھر مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں سخت خوفزدہ تھا۔ پھر میں نے امی کو سارا واقعہ بتایا تو اس کو خطرہ لاحق ہوا کہ بچے کی عقل نہیں رہی اور اس نے دعا دی کہ میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں' پھر اس نے سواری کو تیار کر کے مجھے پیچھے بٹھایا اور ہم مکہ میں پہنچ گئے تو اس نے میری والدہ سے کہا میں نے امانت واپس کر دی اور اپنی ذمہ داری نبھا دی ہے اور اس نے میرا واقعہ بھی بتایا تو والدہ کو کوئی فکر لاحق نہ ہوا اور اسے بتایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے جسم سے نور خارج ہوا ہے' جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بقیہ بن ولید سے روایت کی ہے اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ نے بھی بقیہ بن ولید سے نقل کی ہے۔

نبوت کا علم..... حافظ ابن عساکر (ابوداؤد طیالسی' جعفر بن عبداللہ بن عثمان قرشی' عمیر بن عمر بن عروہ بن زبیر' عروہ) ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں اور نبوت پر کیسے یقین آیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں بطحاء مکہ میں تھا کہ دو فرشتے آئے ایک زمین پر اتر آیا دوسرا فضا میں معلق رہا' ایک نے دوسرے کو کہا کیا وہ یہی ہے' تو اس نے کہا ہاں: یہی ہے' پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو' مجھے تولا میرا پلہ بھاری نکلا' پھر اس روایت میں شق صدر' مہر نبوت کے بیان کے بعد کہا وہ چلے گئے تو گویا میں وہ تمام سرگذشت دیکھ رہا ہوں۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم کی روایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے اور شداد بن اوس کی روایت سے مفصل اور مبسوط بیان کی ہے۔

سلائی کے نشانات...... مسلم شریف میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے' آپ کو پکڑ کر گرایا اور دل چاک کر کے اس سے ایک سیاہ بوٹی نکال کر پھینک دی اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھو کر سینہ میں لوٹا دیا اور پھر اس کو درست کر کے سی دیا' لڑکے بھاگے ہوئی حلیمہ کے پاس آئے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مار ڈالا ہے' حلیمہ وغیرہ سب آئے تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ فق تھا' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آپ کے سینے میں اس سلائی کے نشانات دیکھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت...... حافظ ابن عساکر نے (ابن وہب' عمرو بن حارث' عبدربہ' ثابت بنانی) انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نماز مدینہ میں فرض ہوئی اور دو فرشتے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے پیٹ چاک کر کے کچھ حصہ سونے کے طشت میں نکالا اور اس کو آب زمزم سے دھویا پھر اس میں علم وحکمت کو بھر دیا۔ نیز ابن وہب (یعقوب بن عبدالرحمان زہری' ابوہ' عبدالرحمان بن عامر بن عتبہ بن ابی وقاص)۔

انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین رات کوئی نہیں آیا اس نے کہا' ان میں سے بہتر اور برتر انسان کو پکڑو' چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کو پکڑ کر چاہ زمزم کے پاس لے گئے' پیٹ چاک کر کے' سونے کا طشت لایا گیا' اسے دھو کر ایمان وحکمت سے لبریز کر دیا اور یہ روایت سلیما ن بن مغیرہ از ثابت از انس رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے۔ صحیحین میں حدیث اسراء میں یہ مذکور ہے کہ اس رات آپ کا شق صدر ہوا اور آپ کا دل آب زمزم سے دھویا گیا۔

یہ روایات متضاد نہیں کیونکہ یہ قوی احتمال ہے کہ ایک بار شق صدر بچپن میں ہوا اور دوسری بار شب معراج میں' ملاء اعلیٰ کے ہاں جانے کی خاطر مناجات الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے واسطے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے کہا' میں تم سب سے فصیح ہوں' میں قریشی ہوں اور قبیلہ سعد بن بکر میں' میں شیر خوار تھا۔

عیسائی قافلہ کا ملنا...... ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد حلیمہ نے جب والدہ کے پاس مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو واپس لوٹایا تو راستہ میں ایک قافلہ ملا جنہوں نے آپ کو الٹ پلٹ کر کے دیکھا تو کہنے لگے ہم اس کو اپنے ملک میں لے جاتے ہیں' آئندہ یہ عظیم انسان ہوگا' چنانچہ وہ بڑی جدوجہد کے بعد ان کی دستبرد سے بچیں۔

ایک روایت آپ ﷺ کی گمشدگی کی...... مذکور ہے کہ جب خطرہ محسوس کرنے کے بعد نبی علیہ السلام کو واپس لا رہی تھیں تو مکہ کے قریب آپ گم ہو گئے' بڑی تلاش کے بعد نہ ملے تو وہ عبدالمطلب کے پاس آئی' ان کو بتایا چنانچہ وہ چند لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے تو ورقہ بن نوفل اور ایک قریشی آپ کو تلاش کر کے عبدالمطلب کے پاس لے آئے۔ عبدالمطلب نے حضور ﷺ کندھے پر بٹھا کر طواف کروایا اور ان کے لئے دعا کی' پھر ان کی والدہ آمنہ کے پاس لائے۔

ابن اسحاق کی روایت سے متضاد روایت...... اموی نے (عثمان بن عبدالرحمان وقاصی ضعیف راوی زہری) سعید بن مسیب سے رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور حلیمہ سے رضاعت کا قصہ ابن اسحاق کی روایت کے متضاد بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کہا کہ: تم بچے کو قبائل عرب میں لے جاؤ اور ان کے لئے انا تلاش کرو۔

چنانچہ وہ لے گئے اور اضاعت اور شیر خوارگی کے لئے حلیمہ کے سپرد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اس کے ہاں چھ سال رہے۔ وہ ہر سال بچہ کو مکہ میں بغرض ملاقات لایا کرتی تھی۔ جب شق صدر کا واقعہ رونما ہوا تو اس نے آمنہ کو واپس لوٹا دیا۔ پھر آپ والدہ کے پاس آٹھ سال کی عمر تک رہے' والدہ فوت ہو گئی تو دس سال کی عمر تک عبدالمطلب نے کفالت کی' بعد ازاں چچا زبیر اور ابو طالب نے سرپرستی کی جب آپ کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو آپ اپنے چچا زبیر کے ہمراہ یمن گئے۔

بچپن ہی سے آپ ﷺ کی برکات کا ظہور

اور اس سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ سے ایسے عجائبات کا ظہور ہوا کہ ایک بدمست اونٹ نے راستہ روک رکھا تھا جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو زمین پر سینہ لگا کر بیٹھ گیا اور رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ راستہ میں خطرناک سیلاب حائل تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ کی بدولت خشک کر دیا اور وہ صحیح سلامت گزر گئے۔ آپ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی کہ آپ کے چچا زبیر فوت ہو گئے اور ابو طالب آپ کے واحد کفیل رہ گئے۔ غرضیکہ حلیمہ کا خاندان آپ کی شیر خوارگی کے ایام میں آپ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوتا رہا پھر سارا قبیلہ ہوازن آپ کے انعامات و حسانات سے مستفیض ہوا۔ جب یہ قبیلہ فتح مکہ کے بعد جنگ ہوازن میں اسیر ہو کر آئے انہوں نے آپ ﷺ کی رضاعت کا واسطہ دیا تو آپ نے ان کو آزاد کر کے چھوڑ دیا۔

محمد بن اسحاق نے جنگ ہوازن کے سلسلہ میں عمرو بن شعیب کی روایت بیان کی ہے کہ ہم حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب آپ ان کے مال مویشی اور اہل و عیال پر قابض ہو گئے تو ان کا وفد دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مقام جعرانہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک معزز خاندان کے افراد ہیں ہمارے آلام و مصائب آپ ﷺ سے مخفی نہیں آپ احسان فرمائیے اللہ آپ پر نوازش کرے گا۔

خطیب ہوازن کی فریاد...... ان کے نمائندہ اور خطیب زہیر بن صرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کیمپوں میں آپ کی خالائیں دودھ پلانے والی اور کفالت کرنے والی گرفتار ہیں اگر ہم حارث بن ابی شمر غسانی (شاہ غسان) اور نعمان بن منذر شاہ یمن کو دودھ پلاتے پھر ان سے کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے جیسے کہ آپ کی جانب سے ہم آلام و مصائب میں گرفتار ہیں تو ہم ان کے لطف و کرم کے امید رہتے آپ تو سب سے بہتر ہیں۔ (امید ہے کہ آپ رضاعت کا احترام کریں گے)۔

خطیب ہوازن کے اشعار:

امنن علینا رسول اللہ فی کرم
فانک المرء نرجوه وندخر
امنن علی بیضة قد عاقها قدر
ممزق شملها فی دهرها غير
أبقت لنا الدهر هتافا على حزن
على قلوبهم الغماء والغمر
ان لم تداركها نعماء تنشرها
يا أرجح الناس حلما حين يختبر

”یا رسول اللہ! آپ ہم پر احسان فرمائیے ہم آپ سے امیدوار ہیں ہم نے آپ کو اسی غرض کے لئے محفوظ کر رکھا تھا۔ ایسے مستقر اور مقام پر رحم جس پر تقدیر نامہربان ہے اس کا اتحاد پارہ پارہ ہے اس کے حالات تغیر پذیر ہیں۔ جنگ نے ہمیں زمانہ بھر کے غم سے دوچار کر دیا ہے ان کے دل رنجیدہ اور کینہ ور ہیں۔ اے سب سے تحمل مزاج بوقت ضرورت! اگر آپ ﷺ کے کھلے احسانات نے ان کا تدارک نہ کیا“۔

أمنن على نسوة قد كنت ترضعها
إذ فوك تملؤه من محضها درر
أمنن على نسوة قد كنت ترضعها
وإذ يزينك ما تأتي وما تذر

لا تجعلنا کمن شالت نعامته
واستبق منا فانا معشر زهر
انا لنشکر للنعمی وان کفرت
وعندنا بعد هذا الیوم مدخر

''ایسی عورتوں پر احسان کر تو جن کا دودھ پیا کرتا تھا' جب تیرا منہ ان کے خالص دودھ سے بھر جاتا تھا۔ اور جب تجھے کسی کام کا کرنا یا اس سے باز رہنا آراستہ کرتا تھا۔ تو ہمیں اس شخص کی مانند نہ کر جس کی جماعت متفرق ہوا اور تو ہم پر رحم کر' ہم اچھے لوگ ہیں۔ ہم آپ کے احسانات کے مشکور ہیں جیسے بھی ہوں' آج کے بعد وہ ہمارے پاس ذخیرہ ہیں۔''

ہوازن کے سردار کے اشعار...... یہی قصہ عبداللہ بن رماحس کلبی رملی زیاد بن طارق جشمی' ابی صرد زہیر بن جرول رئیس قوم سے مروی ہے کہ جنگ حنین میں جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گرفتار کرلیا تو عورتوں کو مردوں سے الگ کرنے کا ارشاد فرمایا تو میں اچھل کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور چند اشعار جو قریباً مذکورہ بالا اشعار سے ملتے جلتے ہیں' سنائے (ان اشعار کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے) جن میں' میں نے آپ ﷺ کے ہوازن کے قیام اور نشوونما اور رضاعت کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مال غنیمت میں جو میرا اولاد عبدالمطلب کا حصہ ہے وہ فی سبیل اللہ ہے اور تمہارا ہے اور انصار نے بھی اعلان کر دیا ہمارا حصہ بھی اللہ اور رسول کے حکم کے تابع ہے۔ آپ نے قریباً چھ ہزار بچے اور خواتین آزاد کر دیئے اور ان کو بے شمار مال و مویشی عطا کئے' بقول ابوالحسین بن فارس ان کی قیمت ''خمس مائة والف درہم'' ہے۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے دنیاوی فیوض و برکات ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ عالم آخرت میں آپ کے انعامات و احسانات کس قدر عظیم الشان ہوں گے۔

آپ ﷺ کی والدہ کا دنیا سے رحلت فرمانا...... بقول ابن اسحاق' ایام رضاعت کے بعد' رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ آمنہ اور دادا عبدالمطلب کے زیر تربیت تھے۔ نبوت سے سرفرازی کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کی خوب نشوونما فرمائی۔ جب آپ کی عمر ۶ سال ہوئی تو آپ کی والدہ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا۔

آپ ﷺ کی والدہ کا مقام وفات...... ابن اسحاق' عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''ابوا'' میں فوت ہوئیں۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔

آپ ﷺ کا اپنی والدہ کے ہمراہ مدینہ جانا...... والدہ ان کو مدینہ میں' بنی عدی بن نجار کے ہاں ماموؤں کی ملاقات کے لئے لے گئیں اور واپسی کے دوران راستہ میں فوت ہو گئیں۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نبی علیہ السلام کو لے کر مدینہ روانہ ہوئی' ام ایمن بھی ہمراہ تھی' آپ کی عمر اس وقت چھ سال تھی' پھر مدینہ پہنچ کر ننھیال سے ملاقات کی۔ ام ایمن کا بیان ہے کہ ایک روز مدینہ کے دو یہودی آئے' انہوں نے مجھے کہا' ہمیں محمد دکھاؤ وہ دیکھ چکے تو ایک نے دوسرے کو کہا یہ بچہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا مقام ہجرت ہے اور یہاں خوب قتل و غارت اور اسارت ہو گی۔ جب والدہ نے یہ تبصرہ سنا تو وہ ان کو لے کر واپس مکہ روانہ ہو گئیں اور راستے میں مقام ''ابوا'' میں فوت ہو گئیں۔

آپ ﷺ کا والدہ کے لئے دعائے مغفرت کرنا...... امام احمد (حسین بن محمد' ایوب بن جابر' سماک' قاسم بن عبدالرحمان' ابن بریدہ) بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے جب ''ودان'' میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے واپس آنے تک یہیں ٹھہرنا' چنانچہ آپ واپس تشریف لائے تو طبیعت بوجھل تھی' فرمایا میں والدہ کی قبر سے آ رہا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی درخواست کی تھی' اللہ تعالیٰ نے منظور نہیں فرمائی۔ میں تم کو قبرستان کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا' اب اجازت ہے۔ میں تم کو تین روز کے بعد قربانی کا ذخیرہ رکھنے سے منع کیا کرتا تھا' اب اجازت ہے' کھاؤ اور حسب خواہش رکھ لو' میں ان برتنوں کے استعمال سے تم کو روکا کرتا تھا ان کا استعمال بھی اب کے بعد جائز ہے۔

حافظ بیہقی نے (سفیان ثوری' علقمہ بن زید' سلیمان بن یزید) بریدہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس پہنچے اور وہاں بیٹھ گئے' صحابہ بھی آپ کے گردونواح میں بیٹھ گئے' آپ گفتگو کرنے کے انداز میں سر کو جنبش دے کر آبدیدہ ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ میری والدہ کی قبر ہے' میں نے اللہ سے قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مرحمت فرما دی' پھر میں نے استغفار و بخشش کی درخواست کی تو منع فرما دیا' یہ سن کر رقت طاری ہو گئی اور میں آبدیدہ ہو گیا' راوی کہتا ہے اس وقت لوگ بے تحاشہ روئے (محارب بن دثار نے علقمہ کی متابعت کی ہے)۔

بیہقی (حاکم' اصم' بحر بن نصر' عبداللہ بن وہب' ابن جریج' ایوب بن ہانی' مسروق بن اجدع) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبرستان میں تشریف لے گئے' ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیں وہاں بیٹھ جانے کا فرمایا اور ہم بیٹھ گئے' رسول اللہ ﷺ قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک قبر کے پاس رک گئے' آپ ﷺ دیر تک مناجات میں محو رہے' پھر آپ کے رونے کی آواز آئی تو ہم بھی آپ ﷺ کی وجہ سے رونے لگے' پھر رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو عمر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں روئے؟ آپ ﷺ کی اس وجہ سے ہم پر بھی گریہ اور بے چینی طاری ہو گئی' تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا میرے آہ وبکا نے تم کو بے چین اور بے قرار کر دیا؟ ہم نے اثبات میں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا' جس قبر کے پاس میں محو مناجات تھا وہ والدہ کی قبر ہے' میں نے اللہ تعالیٰ سے زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی' پھر میں نے استغفار و مغفرت کی اجازت طلب کی تو نہ ملی اور یہ آیت نازل ہوئی (۱۱۴-۱۱۳/۹) ترجمہ: ''نبی اور ایمان والوں کو نہیں چاہئے کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگیں وہ ان کے رشتہ دار ہوں' جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ مشرک اور دوزخی ہیں۔'' بنابریں مجھ پر والدہ کی محبت کی وجہ سے رقت طاری ہو گئی اور اس باعث مجھے رونا آ گیا۔ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح میں نہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت...... امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے والدہ کی قبر کی زیارت کی تو روئے اور حاضرین کو رلایا پھر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی پھر میں نے استغفار کی اجازت طلب کی تو نہ ملی۔ پس تم قبرستان میں جاؤ' یہ موت کی یاد کا باعث ہے۔

کافر والدین کا انجام...... امام مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا والد کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں' جب وہ مجلس سے اٹھ چلا تو آپ نے اس کو بلا کر کہا' تیرے اور میرے والد دوزخ میں ہیں۔ بیہقی نے عامر بن سعد عن ابیہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے اپنے والد کی سخاوت و صلہ رحمی وغیرہ کا رسول اللہ ﷺ کے پاس تذکرہ کر کے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''دوزخ میں'' یہ جواب سن کر اعرابی کچھ رنجیدہ ہوا تو اس نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے والد کہاں ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا جب بھی تیرا گزر کسی کافر کی قبر کے پاس ہو تو اس کو دوزخ کی بشارت دے' پھر اعرابی مسلمان ہو گیا تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک ناگوار اور تکلیف دہ عمل میرے ذمہ لگا دیا ہے' چنانچہ میں جس کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوں' اسے دوزخ کی بشارت دیتا ہوں۔ یہ روایت غریب ہے اس سند سے اور صحاح میں مذکور نہیں ہے۔

عورتوں کا قبرستان جانے کے بارے میں شدید وعید...... احمد (ابو عبدالرحمان' سعدی بن ابی ایوب' ربیعہ بن سیف معافری' ابو عبدالرحمان حبلی) عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا (غالباً گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اسے پہچانا نہیں) آپ راستہ کے وسط میں پہنچ کر رک گئے تو وہ عورت آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئی تو معلوم ہوا وہ فاطمہ دختر رسول اللہ ﷺ ہے' آپ ﷺ نے پوچھا فاطمہ! گھر سے کیوں باہر آئی ہو؟ تو اس نے کہا میں اس گھر والوں کے پاس ان کی میت کی تعزیت اور ترحم کے لئے آئی تھی تو آپ ﷺ نے کہا لعلک بلغت معھم الکدی'' شاید تم ان کے ہمراہ قبرستان گئی ہو۔ (یا نوحہ میں شرکت کی ہے) تو اس نے کہا میں ان کے ہمراہ قبرستان میں جانے سے اللہ سے پناہ مانگتی ہوں' میں نے اس سلسلہ میں آپ کا فرمان سن رکھا ہے' تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ان کے ہمراہ چلی جاتیں تو

جنت کو نہ دیکھ سکتی یہاں تک کہ تیرے والد کا دادا عبدالمطلب کو دیکھ لیتا۔

ربیعہ معافری کے حالات...... احمد' ابوداؤد' نسائی اور بیہقی نے بھی یہ روایت ربیعہ بن سیف معافری صنمی اسکندری سے روایت کی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے پاس منکر اور غیر معروف روایات میں ضعیف ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بکثرت خطا کرتا ہے اور دارقطنی نے اس کو صالح کہا ہے۔ تاریخ مصر میں ابن یونس نے اس کے متعلق کہا کہ اس کی احادیث میں منکر روایات ہیں۔ یہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوا۔

عبدالمطلب کا دین..... الغرض عبدالمطلب ۵۷۹ء دین جاہلیت پر فوت ہوئے' عبدالمطلب اور ابوطالب کے متعلق شیعوں کا اس کے برعکس اعتقاد ہے۔

آپ ﷺ کے والدین کا دوزخی ہونا آپ ﷺ کے لئے عیب نہیں...... دلائل میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام احادیث کے بیان کے بعد کہا ہے کہ: آپ ﷺ کے والدین اور دادا عالم آخرت میں دوزخی کیونکر نہ ہوں گے کہ وہ بت پرست تھے اور اسی دین پر فوت ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کا دین اختیار نہیں کیا۔ ان کا کفر و شرک پر قائم رہنا نبی علیہ السلام کے نسب میں معیوب نہیں اس لئے کہ کفار کے نکاح باہمی صحیح اور درست ہوئے تھے جب کہ غیر شرعی نہ ہوں کیونکہ جب وہ اپنی بیویوں کے ہمراہ مسلمان ہوتے تھے تو تجدید نکاح اور ان سے جدا ہونا ضروری امر نہ تھا' وباللہ التوفیق۔

ابن کثیر کی رائے...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین اور دادا کے متعلق یہ روایات (کہ وہ دوزخی ہیں) اس روایت کہ اہل فترت اور دو نبوتوں کے درمیانی عرصہ کے لوگ' بچے' پاگل اور بہرے لوگوں کا امتحان قیامت کے روز ہوگا ۔۔۔ کے منافی اور معارض نہیں جیسا کہ ہم نے (۱۵/۱۷) وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا کے تحت تفسیر میں مفصل بیان کیا ہے کہ بعض لوگ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان تسلیم کر لیں گے اور بعض تسلیم نہ کریں گے' چنانچہ یہ مذکور لوگ' من جملہ ان لوگوں کے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان قبول نہ کریں گے پس اس میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں' وللہ الحمد۔

سہیلی کی روایت کی تحقیق...... وہ روایت جو سہیلی نے بیان کی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ اس کی سند میں ابن ابی زناد تک دو راوی مجہول ہیں (کہ ابن ابی زناد' عروہ' عائشہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کے والدین کو زندہ کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے) منکر ہے' گو قدرت الٰہی کے مدنظر ممکن ہے' مگر وہ صحیح بخاری کی روایت کے معارض اور مخالف ہے' واللہ اعلم۔

ترجیحی سلوک اور وصیت...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آمنہ کی وفات کے بعد' رسول اللہ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس تھے' عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے سایہ میں قالین بچھایا جاتا اور سارے بچے قالین کے گرد بیٹھتے یہاں تک کہ عبدالمطلب تشریف لاتے اس قالین پر احتراماً کوئی بچہ نہ بیٹھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ (بعمر ۶ سال) تشریف لاتے تو اس پر براجمان ہو جاتے آپ ﷺ کے چچاؤں میں سے کوئی آپ ﷺ کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتا تو عبدالمطلب فرماتے چھوڑ دو' چھوڑ دو' یہ صاحب قدر و منزلت ہے' پھر ان کو اپنے ہمراہ بٹھا کر پشت پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور ان کی عادات و اطوار سے خوش ہوتے۔

امام واقدی نے چند اسناد سے بذریعہ ابن جبیر وغیرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت تھے' جب وہ فوت ہو گئیں تو دادا عبدالمطلب نے اپنے زیر کفالت لے لیا اور ان سے اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ محبت و شفقت کرتے' اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھتے' اپنے خصوصی بستر پر بٹھاتے' جب کوئی بستر سے پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتا تو اسے منع کرتے ہوئے کہتے کہ وہ ایک حکومت کا بانی اور رئیس

ہوگا۔ بنی مدلج کے بعض قیافہ شناسوں نے عبدالمطلب سے کہا'اس بچے کی خوب نگرانی کرو'اس کا پیر'مقام ابراہیم میں کندہ قدم کے بالکل مشابہ ہے تو عبدالمطلب نے ابوطالب کو کہا'ان کی بات غور سے سنو! چنانچہ ابوطالب ان کی خوب حفاظت کرتے تھے۔

عبدالمطلب کا آپ کی نگرانی کرنا...... ام ایمن رسول اللہ ﷺ کی دایہ اور کھلایہ کوتاکید کرتے بچے کی حفاظت ونگرانی میں غفلت نہ کرو'میں نے آج ان کو'' سدرہ'' کے قریب بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا ہے' آئندہ ایسانہ ہو' کیونکہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے' عبدالمطلب ان کے بغیر تنہا کھانا نہ کھاتے تھے۔

بستر مرگ پر عبدالمطلب کی وصیت...... عبدالمطلب نے بستر مرگ پر ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت نگہداشت کی وصیت کی' پھر عبدالمطلب فوت ہوئے اور حجون میں دفن کئے گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب فوت ہو گئے' دادا نے قبل از وفات اپنی سب (۶) بیٹیوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ وہ مرثیہ کہیں چنانچہ ابن اسحاق نے ان کے اشعار اور مرثیے سب بیان کئے ہیں یہ مرثیے عبدالمطلب نے قبل از مرگ ان کی زبان سے سنے' یہ سب سے اعلیٰ نوع کی نوحہ گری ہے۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ فن شعروشاعری سے آشنا لوگ بھی ان مرثیہ جات سے قطعاً واقف نہیں۔

سقایہ کا منصب...... بقول ابن اسحاق' عبدالمطلب کی وفات کے بعد زمزم اور سقایہ کا منصب عباس کے زیر اہتمام تھا جو ان کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ اہتمام اسلام تک ان کے زیر انتظام رہا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس منصب پر ان کو قائم و برقرار رکھا۔

ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے کفیل...... عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق ابوطالب کی زیر کفایت تھے۔ نیز وہ عبداللہ والد رسول اللہ ﷺ کے حقیقی بھائی بھی تھے' ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں۔ چنانچہ ابوطالب' رسول اللہ ﷺ کے سارے امور سرانجام دیتے تھے۔ واقدی نے متعدد اسناد سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے پاس رہتے تھے' لیکن ابوطالب زیادہ خوشحال اور سرمایہ دار نہ تھے' بایں وصف وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور ان کے کھانے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی بچپن میں مزید برکات...... ابوطالب کے اہل وعیال جب تنہا رسول اللہ ﷺ کے بغیر ایک برتن میں کھانا کھاتے تو شکم سیر نہ ہوتے اور جب رسول اللہ ﷺ ہمراہ ہوتے تو سب شکم سیر ہو جاتے چنانچہ جب کھانے کا وقت ہوتا تو ابوطالب کہتے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرو' رسول اللہ ﷺ آتے اور ساتھ کھانا کھاتے تو کھانا بچ رہتا چنانچہ ابوطالب کہتے آپ مبارک ہیں' بقول ابن عباس بچے صبح کو نیند سے بیدار ہوتے تو عموماً آنکھوں میں چیپڑ بھرے ہوئے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ سر میں تیل لگے ہوئے سرمیلی آنکھوں والے بیدار ہوتے۔ حسن بن عرفہ (علی بن ثابت' طلحہ بن عمرو' عطاء بن ابی رباح) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کے بچے صبح کو بیدار ہوتے تھے آنکھوں میں میل ہوتی اور رسول اللہ ﷺ صاف ستھرے ہوتے اور ابوطالب ایک ہی پلیٹ اور طشت میں سب بچوں کو کھانا دیتے' بچے چھینا جھپٹی کرتے تو رسول اللہ ﷺ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ ان کے ساتھ مل کر نہ کھاتے۔ اس صورت حال کے پیش نظر وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے علیحدہ برتن میں کھانا ڈال دیتے۔

آپ ﷺ کے متعلق قیافہ شناس کی رائے...... محمد بن اسحاق (یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر) عباد بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ لہب کے قبیلہ کا ایک قیافہ شناس تھا وہ مکہ میں آتا تو قریشی لوگ اپنے بچوں کو اس کے پاس لاتے اور وہ ان کو دیکھ کر اپنا قیافہ بتاتا' ابوطالب بھی رسول اللہ ﷺ کو چند بچوں کے ہمراہ لائے تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پھر کسی اور بات میں مشغول ہو گیا جب سب سے فارغ ہو چکا تو اس نے کہا'' وہ بچہ لاؤ'' ابوطالب کو جب اس کا اصرار اور خاص خیال معلوم ہوا تو ان کو چھپا دیا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا وہ بچہ لاؤ جس کو میں نے ابھی دیکھا تھا' واللہ وہ عظیم الشان ہوگا۔

ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر اور بحیریٰ سے ملاقات

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابو طالب ایک قافلہ میں بغرض تجارت شام روانہ ہوئے۔ جب سامان تیار کرلیا اور سفر کا عزم کرلیا تو رسول اللہ ﷺ کو بھی اشتیاق ہوا (جیسا کہ ان کا خیال ہے) ابو طالب پر بھی آپ ﷺ کی جدائی کا غم تھا۔ تو کہا واللہ! میں ان کو ساتھ لے جاؤں گا اور کبھی ان سے جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ ان کو ساتھ لے لیا اور شام کے علاقہ بصریٰ میں فروکش ہوئے' وہاں بحیریٰ راہب اپنے گرجا میں مقیم تھا۔ عیسائی علوم کا ماہر تھا۔ اس گرجا میں عہد قدیم سے ہی ایسا راہب رہا کرتا تھا جو جید عالم ہو اور نسل در نسل خاندانی عالم ہو۔ اس سے پہلے جب وہ لوگ بحیریٰ کے پاس اترتے تو وہ کوئی توجہ نہ دیتا اور ان کو قابل اعتنا نہ سمجھتا۔ اس سال وہ وہاں اترے تو اس نے ان کے لئے کھانے کا اہتمام کیا۔

بحیریٰ راہب کا دعوت کرنا...... اس نے اپنے گرجا میں سے دیکھا کہ ایک قافلہ میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اور بادل ان پر سایہ فگن ہے۔ جب وہ گرجا کے قریب درخت کے نیچے آئے تو بادل درخت پر چھا گیا اور درخت کی شاخیں رسول اللہ ﷺ پر لٹک آئیں اور رسول اللہ ﷺ اس کے سایہ میں براجمان ہوئے' جب بحیریٰ نے یہ منظر دیکھا تو گرجا سے اترا اور کھانا تیار کرنے کا انتظام کیا اور ان کو دعوت نامہ بھیجا' اے معشر قریش! میں نے آپ کے لئے کھانے کا اہتمام کیا ہے' میں چاہتا ہوں کہ سب رفقائے قافلہ چھوٹے بڑے' آقا اور غلام اس دعوت میں شامل ہوں۔ اس میں غیر متوقع دلچسپی کے پیش نظر کسی نے کہا' واللہ! جناب بحیریٰ! آج تو کوئی خاص بات ہے' اس سے پہلے جب ہم آپ کے ہاں فروکش ہوتے تھے تو آپ توجہ نہ کیا کرتے تھے' لیکن آج کیا خاص بات ہے؟ تو بحیریٰ نے کہا تم درست کہتے ہو' ایسا ہی تھا' لیکن بہرحال آپ لوگ مہمان ہو میری خواہش ہے کہ میں آپ کی مہمانی کروں اور آپ تناول فرمائیں۔ چنانچہ وہ سب دعوت میں چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کم سن اور بچپن کی وجہ سے ڈیرے میں سایہ تلے بیٹھے رہے۔

جب ان مہمانوں کو بحیریٰ نے دیکھا تو وہ صفات اور خصوصی علامات کا حامل شخص ان میں نہ پایا تو اس نے کہا کیا کوئی آدمی دعوت میں شریک ہونے سے باقی رہ گیا ہے تو انہوں نے کہا جناب! بس ایک کم سن لڑکا قافلے والوں میں سے رہ گیا ہے۔ تو اس نے کہا ایسا نہ کرو اس کو بھی شریک کرو۔ پھر ایک قریشی نے بھی کہا: لات اور عزیٰ کی قسم! محمد بن عبداللہ کا کھانے میں شرکت نہ کرنا ہمارے لئے قابل ملامت ہے' چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے اور ان کو بڑے اہتمام سے بٹھایا۔ بحیریٰ نے آپ کو دیکھا تو وہ غور سے توجہ کرنے لگا اور آپ کے جسم اطہر کے اعضاء کو غائر نظر سے دیکھنے لگا اور وہ آپ کی صفات سے آگاہ تھا۔

بحیریٰ راہب کا آپ ﷺ کو مخاطب کرنا...... لوگ جب کھانا تناول فرما چکے اور ادھر ادھر چلنے پھرنے لگے تو بحیریٰ نے آپ کو مخاطب کر کے یا غلام! میں آپ کو لات و عزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرے سوال کا درست جواب دیں۔ بحیریٰ نے لات و عزیٰ کا نام اس لئے ذکر کیا کہ وہ آپس میں ان کے نام کی قسم کھاتے تھے۔

حاضرین دعوت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لات اور عزیٰ کے واسطہ سے مجھ سے سوال نہ کر' واللہ! میں ان کو نہایت برا سمجھتا ہوں' تو بحیریٰ نے اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ میرے سوال کا جواب ارشاد فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دریافت کرنا چاہتے ہو کہو۔ آپ کے جوابات بحیریٰ کی معلومات کے مطابق تھے' پھر اس نے آپ کی پشت مبارک دیکھی تو دونوں کندھوں کے درمیان خاتم نبوت کو اپنی معلومات کے عین موافق موجود پایا جب وہ اس شناخت سے فارغ ہو گیا تو ابو طالب سے پوچھا' اس بچے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟ تو اس نے کہا میرا بیٹا ہے' تو اس نے کہا یہ تیرا بیٹا نہیں' ان صفات کے حامل بچے کا باپ زندہ نہ ہونا چاہئے' پھر طالب نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے' تو اس نے پوچھا باپ کو کیا سانحہ پیش آیا تو ابو طالب نے بتایا وہ شکم مادر میں تھا کہ اس کا والد فوت ہو گیا تو راہب نے تصدیق کرتے ہوئے کہا اس کو اپنے علاقے میں واپس لے جاؤ' مجھے ان کے خلاف یہود سے خطرہ محسوس ہوتا ہے' واللہ! اگر وہ میری طرح آگاہ ہو جائیں تو آپ کے قتل کے درپے ہو جائیں۔ آپ کے اس بھتیجے کی عجب اور عظیم شان ہو گی چنانچہ

ان کو فوراً لے جاؤ' چنانچہ ابوطالب کاروبار تجارت سے فارغ ہو کر فوراً آپ کو مکہ لے آئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں لوگوں کے مطابق زریر' تمام اور دریسا یہودی بھی آپ سے اس سفر میں اسی طرح آگاہ ہوئے تھے جس طرح بحیریٰ راہب' پھر انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو بحیریٰ نے ان کو باز رکھا تو ان کو اللہ کا حکم سنایا اور آسمانی کتاب میں جو آپ کی صفات مذکور ہیں وہ بتا ئیں۔ اس کے باوجود انہوں نے آپ کے خلاف پھر منصوبہ بنایا او کامیاب نہ ہو سکے تو بادل نخواستہ بحیریٰ کی بات کو صحیح سمجھتے ہوئے آپ کے قتل سے باز رہے اور واپس لوٹ آئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ابوطالب نے اس سانحہ کے متعلق تین قصیدے کہے' ابن اسحاق سے یہ بلا سند منقول ہے۔ اس کے موافق ایک مرفوع مسند روایت بھی مروی ہے۔

حافظ ابوبکر خرائطی (عباس بن محمد دوری' قراد ابونوح' یونس' ابواسحاق' ابوبکر بن ابی موسیٰ) ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب قریش کے ایک قافلہ میں بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے' رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے ہمراہ تھے جب بحیریٰ راہب کے قریب پہنچے تو وہاں فروکش ہوئے اور اپنے کجاوے اونٹوں سے اتار دیئے' اسی وقت راہب ان کے پاس آیا (اور وہ اس سے پہلے ان کے پاس آتا تھا نہ ان کی طرف توجہ دیتا تھا) اور ان کے درمیان گھس کر چلنے لگا' یہاں تک کہ اس نے آکر رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا'' یہ سید عالم ہیں'' اور بیہقی میں ہے' یہ رب العالمین کی طرف سے رسول ہیں۔ اللہ نے اس کو رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے۔ روسائے قریش نے راہب سے پوچھا' یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ راہب نے کہا جس وقت تم عقبہ سے چلے ہو' ہر شجر اور حجر' ہر پیڑ اور پہاڑ سجدہ ریز ہو گیا۔ یہ درخت اور پتھر سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو آپ کے مونڈھے کی ہڈی کے نیچے ہے۔ پھر وہ واپس آیا اور ان کے لئے کھانا تیار کرنے لگا۔ جس وقت وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو آپ ﷺ اونٹوں کو چرا رہے تھے تو پادری نے کہا ان کو بلا لاؤ' چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو ایک بادل آپ کے سر پر سایہ فگن تھا۔ جب آپ قریب پہنچے تو اس نے کہا ان کی طرف دیکھو ان پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے۔ جب آپ بالکل مجلس کے قریب میں پہنچ گئے تو لوگ درخت کے سایہ میں بیٹھ چکے تھے۔ جب آپ بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا یہ دیکھ کر پادری نے کہا: دیکھو درخت کا سایہ ان کی طرف سرک گیا ہے۔

وہ راہب ان کے پاس کھڑا ہوا ان کو اللہ کا واسطہ دے کر کہہ رہا تھا کہ ان کو روم نہ لے جائیں۔ رومیوں نے ان کو دیکھ لیا تو وہ آپ کو صفات وعلامات کی وجہ سے پہچان جائیں گے اور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو سات رومی چلے آرہے ہیں کہ یہ نبی اسی ماہ میں ظاہر ہونے والا ہے۔ پس کوئی راستہ ایسا نہیں جہاں چند آدمی نہ بھیجے گئے ہوں اور ہمیں اس کی خبر آپ کے اس راستہ میں ملی ہے؟ تو اس نے پوچھا' ہمیں تو بس اس کا پتہ آپ کے راستہ میں بتایا گیا ہے تو اس نے کہا اچھا! یہ بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کسی امر کا ارادہ کیا ہو تو کیا کوئی اس کو روک سکتا ہے۔ انہوں نے کہا بالکل نہیں' پھر انہوں نے آپ ﷺ کی بیعت کر لی اور آپ کے ساتھ وہاں مقیم رہے۔ راہب نے پوچھا تمہیں خدا کی قسم! یہ بتاؤ کہ اس کا سرپرست کون ہے؟ انہوں نے بتایا ابوطالب ہے' راہب ان کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا رہا کہ انہیں واپس لے جاؤ' بالآخر ابوطالب نے آپ کو مکہ واپس بھیج دیا اور آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال کو روانہ کیا اور راہب نے آپ کو روٹی اور تیل کا زادِ راہ دیا۔

قراد ابونوح اور ان کی روایت کردہ حدیث پر تبصرہ...... اسی طرح ترمذی نے بذریعہ ابوالعباس فضل بن سہل اعرج قراد ابی نوح سے یہ روایت بیان کی ہے' حاکم' بیہقی اور ابن عساکر نے بہ سند ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم عباس بن محمد دوری سے یہ روایت نقل کی ہے' اسی طرح متعدد حفاظ نے یہ روایت بہ سند نوح عبدالرحمان بن غزوان خزاعی (خزاعہ کے غلام) ضبی عرف بغدادی سے روایت ہے۔ یہ ان ثقہ لوگوں میں شمار ہیں جن سے بخاری نے روایت نقل کی ہے اور دیگر ائمہ حفاظ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ میرے علم میں کسی نے ان پر جرح نہیں کی' بایں ہمہ ان کی اس حدیث میں غرابت اور عجوبہ پن ہے بقول امام ترمذی یہ حدیث حسن غریب ہے اور صرف اسی سند سے مروی ہے' عباس دوری کہتے ہیں کہ قراد ابی نوح کے علاوہ اس حدیث کو دنیا میں کوئی بھی نہیں بیان کرتا۔ قراد ابونوح سے امام احمد اور یحییٰ بن معین نے محض اس حدیث کی غرابت اور منفرد ہونے کی بنا پر سماعت کی' یہ بیان بیہقی اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کی غرابت کا بیان...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس روایت میں بعض باتیں عجیب و غریب ہیں۔ یہ روایت مرسلات صحابہ میں سے ہے کیونکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت مدینہ میں تشریف لائے اور ابن اسحاق کا ان کو مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی فہرست میں شمار کرنا قابل التفات ہے۔ یہ روایت بہرحال مرسل ہے۔ اس قصہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی۔ ممکن ہے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا اور بیان کر دیا یا کسی عمر رسیدہ صحابی سے سنا ہو یا یہ واقعہ مشہور و معروف ہو۔ اور شہرت کی بنا پر اس کو نقل کر دیا ہو۔ بادل کا تذکرہ اس سے صحیح روایت میں موجود نہیں۔ "ابوبکر نے بلال کو آپ کے ساتھ کر دیا تھا" رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی تو ابوبکر اس وقت ۹ یا ۱۰ سال کے ہوں گے اور بلال اس سے بھی کم تر بایں وصف ابوبکر اور بلال کا وہاں موجود ہونا کیسے ممکن ہے۔ بنابریں حدیث ترمذی کا یہ فقرہ غریب اور بدلہیۂ غلط ہے۔ الا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر اس سے زیادہ ہو یا یہ کہ یہ سفر اس عمر کے بعد پیش آیا ہو۔ یا "رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال ہو" کا فقرہ غلط اور غیر محفوظ ہو' واقدی نے بھی بارہ کا تذکرہ کیا ہے (علاوہ ازیں) امام سہیلی نے تو کسی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ کی عمر مبارک اس وقت نو سال تھی' واللہ اعلم۔ واقدی (محمد بن صالح' عبداللہ بن جعفر اور ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ) داؤد بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بارہ سال کی عمر میں ابوطالب اپنے ہمراہ شام کی طرف اک تجارتی قافلہ میں لے گئے اور بحیریٰ راہب کے پاس پڑاؤ ڈالا اور اس نے ابوطالب کو خفیہ اور بطور راز بتایا اور مشورہ دیا کہ ان کی حفاظت و نگہداشت کرو' چنانچہ ان کو ابوطالب اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آئے۔

ابوطالب کے زیر کفالت...... ابوطالب کی زیر کفالت و تربیت رسول اللہ ﷺ جوان ہوئے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہداشت میں تھے۔ جاہلی امور اور معیوب عادات سے ان کو باری تعالیٰ محفوظ رکھتے تھے کہ ان کو دنیا کی امامت و پیشوائی کے فرائض انجام دینے تھے۔ آپ بالغ اور جوان ہوئے تو قوم کے سب افراد سے مروت و انسانیت کے لحاظ سے افضل تھے۔ سب سے خوش اخلاق تھے' میل ملاپ میں سب سے خوش گوار تھے' باہمی گفتگو اور آداب محفل سے سب سے زیادہ آراستہ تھے' سب سے اچھے تحمل مزاج اور اعلیٰ امانت دار تھے' سب سے بہتر اور راست باز تھے' فحش کلامی اور بدزبانی سے کوسوں دور تھے' کسی کو لعنت و ملامت نہ کرتے' کبھی بحث و تکرار کرتے بھی نہیں دیکھے گئے' یہاں تک کہ قوم نے آپ کو "امین" کے لقب سے پکارا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اعلیٰ اوصاف اور عمدہ خصال سے آراستہ کر دیا تھا اور ابوطالب بھی تا حیات آپ کی حفاظت و حمایت اور نصرت و تعاون میں مخور رہے۔

محمد بن سعد (خالد بن معدان' معتمر بن' سلیمان) ابی مجلز سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب/عبدالمطلب مہربان تھے' سفر و حضر میں ان کو اپنے ہمراہ رکھتے تھے' چنانچہ آپ ایک دفعہ شام کی طرف بغرض تجارت روانہ ہوئے تو آپ ایک پڑاؤ میں فروکش ہوئے تو آپ کے پاس ایک راہب آیا اور اس نے کہا' تمہارے قافلہ میں ایک نیک مرد ہے۔ پھر اس نے پوچھا ان کا والد کہاں ہے؟ تو ابوطالب نے کہا میں ان کا ولی اور سرپرست ہوں' تو اس نے کہا ان کی حفاظت کرو اور ان کو شام مت لے جاؤ' کیونکہ یہود قوم ہے اور مجھے ان کے متعلق یہود سے خطرہ لاحق ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو واپس کر دیا اور راہب نے کہا الٰہی! میں محمد ﷺ کو تیری حفاظت و امانت کے سپرد کرتا ہوں' پھر وہ فوت ہو گیا۔

بحیریٰ کے احوال...... سہیلی نے سیر زہری سے نقل کیا ہے کہ بحیرا یہودی عالم تھا' امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ راہب کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راہب عیسائی تھا اور مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ وہ قبیلہ عبدالقیس سے تھا اس کا نام جرجیس ہے۔ "معارف" از ابن قتیبہ میں ہے کہ قبل از سلام جاہلی دور میں پردہ غیب سے کسی ہاتف سے یہ سنا گیا کہ روئے زمین میں بہترین تین اشخاص ہیں' بحیریٰ راہب' رئاب بن براء الشنی اور تیسرا منتظر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ۔

بقول ابن قتیبہ' رئاب اور اس کے لڑکے کی قبر پر ابر رحمت کی بوندا باندی ہوتی رہتی ہے۔

نبی علیہ السلام کی نشو ونما' تربیت و پرورش' حفاظت ونگاہ داشت

عہد یتیمی میں باوقار مقام دینا اور فقر کو غنا میں بدل دینا

محمد بن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایسے حالات واطوار میں عالم شباب میں پہنچے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وصیانت میں تھے اور جاہلی دور کی غلط عادات سے محفوظ و مامون تھے' کیونکہ آپ ﷺ کو دنیا کی امامت اور رسالت کے فرائض سرانجام دینے تھے' چنانچہ آپ رجولیت اور مردانگی کے عہد میں پہنچے تو قوم سے مروت وانسانیت میں افضل اعلیٰ تھے' خوش اخلاق تھے' حسب وشرافت میں برتر بہتر تھے۔ میل ملاپ اور آداب محفل سے سب سے زیادہ آراستہ تھے' سب سے زیادہ تحمل مزاج تھے' نہایت راست باز تھے سب سے اعلیٰ امانت دار تھے' فحش اور بداخلاقی سے دور تھے' آپ ہمہ صفت موصوف تھے کہ آپ کا نام قوم میں ''امین'' معروف تھا کیونکہ آپ ﷺ تمام صفات اور عمدہ خصال کے حامل تھے۔

غیب سے آپ ﷺ کو برہنگی سے بچانا...... بقول ابن اسحاق رسول اللہ ﷺ نے بچپن اور کم سنی کا ایک واقعہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ و مامون رکھا کہ ہم چند قریشی بچے کسی کھیل کے سلسلہ میں پتھر اٹھا رہے تھے' سب نے تہہ بند کھول رکھے تھے اسے کندھے پر رکھ کر پتھر اٹھا رہے تھے اور میں بھی اسی طرح برہنہ ان کے ساتھ کھیل میں مشغول تھا کہ مجھے کسی نے ہلکی سے چپت لگا کر کہا: (شد علیک ازارک) ...... اپنا تہہ بند باندھو چنانچہ میں نے تہہ بند باندھ لی اور پھر کندھے پر پتھر اٹھانے لگا ان میں صرف میں ہی تہبند باندھے ہوئے تھا۔ یہ قصہ بخاری شریف کے ''باب بنیان الکعبہ'' کے تحت درج حدیث کے بالکل مشابہ ہے۔ اگر یہ قصہ وہ نہیں ہے تو یہ اس کے لئے بطور تمہید و دیباچہ ہوگا' واللہ اعلم۔ عبدالرزاق (ابن جریج' عمرو بن دینار) جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ: جب قریش نے کعبہ کی مرمت کی تو رسول اللہ ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ دونوں پتھر اٹھا کر لا رہے تھے' عباس نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ اپنا تہہ بند کندھے پر ڈال لو پتھر سے محفوظ رکھے گا' آپ ﷺ نے ایسا کیا تو اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کو لگ گئیں پھر ہوش آیا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر کہا میرا تہہ بند دو پھر آپ نے تہبند باندھ لیا۔ صحیحین میں یہ روایت عبدالرزاق کے علاوہ روح بن عبادہ' زکریا بن ابی اسحاق' عمرو بن دینار' جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے۔

حافظ بیہقی (ابوعبداللہ الحافظ' ابوسعید بن ابی عمرو' ابوالعباس محمد بن یعقوب' محمد بن اسحاق صاغانی' محمد بن بکیر حضرمی' عبدالرحمان بن عبداللہ دشتکی' عمرو بن ابی قیس' سماک' عکرمہ' ابن عباس) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب قریش نے کعبہ کی مرمت کی تو آپ ﷺ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے' عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قریش نے دو دو آدمیوں کی ٹولی بنادی تھی' مرد پتھر اٹھاتے تھے' عورتیں چونا اور گارا اٹھا رہی تھیں۔ میں اور میرا بھتیجا محمد دونوں کندھوں پر پتھر اٹھا رہے تھے' ہمارے تہہ بند پتھروں کے نیچے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے' جب لوگوں میں آتے' تہہ بند پہن لیتے' اسی دوران میں پیچھے چل رہا تھا اور محمد ﷺ آگے تھے' آپ منہ کے بل گر پڑے' میں اپنا پتھر پھینک کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑا۔ (آیا تو دیکھا) آپ آسمان کو تک رہے ہیں' میں نے پوچھا کیا بات ہے تو آپ نے کھڑے ہو کر اپنا تہہ بند پہن لیا اور فرمایا (انی نھیت ان امشی عریانا) مجھے برہنہ ہو کر چلنے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے اس مقولہ کو لوگوں سے چھپاتا تھا' مبادا وہ آپ کو دیوانہ کہیں۔

آپ ﷺ کا گانے کی محفل سے بچنا...... حافظ بیہقی (یونس بن بکیر' محمد بن اسحاق' محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ' حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب' علی بن ابی طالب سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرما رہے تھے کہ اہل جاہلیت' عورتوں کے گانے بجانے میں شرکت کا بہت شوق کیا کرتے تھے' میں نے صرف دو مرتبہ دو راتوں میں ایسا ارادہ کیا اور گیا اور دونوں مرتبہ اللہ نے مجھے محفوظ رکھا' ایک رات میں نے اپنے ساتھی سے کہا (ہم بکریوں کے ریوڑ میں تھے) کہ میری بکریوں کا خیال رکھنا میں مکہ میں قصے کہانیاں اور داستان سننے کیلئے جا رہا ہوں' جیسے کہ نوجوان کہا وتیں سنتے ہیں' اس نے کہا' کیوں نہیں (جائیے) چنانچہ میں مکہ آیا اور داخل ہوتے ہی پہلے مکان میں سے گانے بجانے اور باجوں کی آواز

سنی میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ فلاں نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ میں بھی وہاں بیٹھ کر دیکھنے لگا اور میری آنکھ لگ گئی واللہ! جب دھوپ لگی تو آنکھ کھلی میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا اس نے پوچھا کیا کیا؟ میں نے کہا کچھ نہیں کیا پھر اسے رات کا واقعہ بتایا۔ پھر میں نے اسے دوسری رات بھی کہا کہ میری بکریوں کا دھیان کرنا میں داستان سننے جا رہا ہوں اس نے منظور کر لیا تو میں مکہ چلا آیا گزشتہ شب کی طرح میں نے آواز سنی میں نے کسی سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ فلاں نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ میں بھی وہاں بیٹھ کر دیکھنے لگا اور میری آنکھ لگ گئی واللہ! مجھے دھوپ لگی تو آنکھ کھلی پھر میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا تو اس نے پوچھا آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا کچھ نہیں پھر اسے ساری داستان سنائی واللہ! اس کے بعد میں نے کبھی بھی ایسی مجلس میں شامل ہونے کا ارادہ تک نہیں کیا حتیٰ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمادیا۔

یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ البتہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی سماع کی صراحت کے بغیر مروی ہے۔ یہ فقرہ "حتی اکرمنی اللہ عزوجل بنبوتہ" شاید کسی راوی کا بے جا اضافہ ہوگا واللہ اعلم۔

ابن اسحاق کے شیخ کے متعلق ..... محمد بن اسحاق کے شیخ (محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ) کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں اور ہمارے استاذ حافظ مزی (م ۷۴۲ھ) نے اپنی کتاب تہذیب میں کہا ہے کہ: میں اس سے واقف نہیں ہوں واللہ اعلم۔ حافظ بیہقی (ابوعبداللہ الحافظ ابوالعباس محمد بن یعقوب حسن بن علی بن عفان عامری ابواسامہ محمد بن عمرو ابوسلمہ اور یحییٰ بن عبدالرحمان بن حاطب اسامہ بن زید) زید بن حارثہ سے روایت کرتے ہیں کہ اساف اور نائلہ تانبے کے بت تھے مشرک جب طواف کرتے تو ان کو ان کو ہاتھ سے چھوتے تھے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ میں نے بھی طواف کیا جب میں ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی چھولیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لاتمسہ) اسے مت چھو زید بن حارثہ کہتے ہیں ہم طواف ہی کر رہے تھے کہ میں نے دل میں کہا چھوتا ہوں کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے چنانچہ میں نے پھر چھوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (الم تنہ) کیا تو رکتا نہیں۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ محمد بن عمرو کے شاگرد ابواسامہ کے علاوہ کسی اور نے بیان کیا ہے کہ زید نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا اور آپ ﷺ پر قرآن اتارا کہ آپ نے کبھی بت کو چھوا تک نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسالت سے سرفراز فرما کر قرآن نازل فرمایا۔ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ جب بحیریٰ نے آپ ﷺ کو لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے ان کا واسطہ دے کر نہ پوچھو اللہ میں ان کو نہایت برا سمجھتا ہوں۔

حدیث بیہقی کی توجیہ ..... باقی رہی حدیث جو حافظ بیہقی نے (ابوسعد مالینی ابواحمد بن عدی الحافظ ابراہیم بن اسباط عثمان بن ابی شیبہ جریر سفیان ثوری محمد بن عبداللہ بن عقیل) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام مشرکین کے ہمراہ ان کے اجتماعات اور مزاروں میں جایا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے پیچھے سے آواز سنی کہ ایک فرشتہ نے دوسرے کو کہا چلو ہم رسول اللہ ﷺ کی پشت میں کھڑے ہوں تو اس نے کہا ہم ان کے پیچھے کیسے کھڑے ہوں؟ وہ تو بتوں کو چھو رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ: اس بعد آپ ﷺ کبھی مشرکوں کے ہمراہ مشاہد میں شامل نہیں ہوئے۔ اس حدیث کو اکثر ائمہ نے منکر کہا ہے اور عثمان بن ابی شیبہ پر گرفت کی ہے۔ یہاں تک کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق کہا ہے کہ: اس کا بھائی حدیث کا تلفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ حافظ بیہقی نے کسی محدث سے یہ معنی بیان کیا ہے کہ: آپ ﷺ بتوں کو چھونے والوں کے ساتھ تھے۔ یعنی خود نہیں چھوا اور یہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم۔ نیز حدیث زید بن حارثہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ مشرکین کے مشاہد اور خانقاہوں سے الگ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمادیا۔

بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کا عرفات میں قیام کرنا ..... ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت سے قبل حج کے دوران عام لوگوں کے ہمراہ عرفات میں قیام کرتے تھے۔ قریش کی طرح مزدلفہ میں ہی نہیں ٹھہرے رہتے تھے (قریش خود کو اہل اللہ کہتے تھے اور حج میں حرم سے باہر نہیں جاتے تھے) جیسا کہ یونس بن بکیر محمد بن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر عثمان بن ابی سلیمان نافع بن جبیر بن مطعم جبیر روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا (وہ علی دین قومہ) وہ اپنی قوم کے ابراہیمی دین پر قائم تھے قریش میں سے صرف وہی عرفات میں حج کے دوران قیام کیا کرتے تھے اور لوگوں کے ہمراہ واپس رات کو مزدلفہ آتے تھے یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور کار خیر کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ بقول بیہقی (علی دین

قومه) کا مطلب ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے باقی ماندہ دین پر قائم تھے اور کبھی شرک میں ملوث نہیں ہوئے۔صلوات اللہ وسلام علیہ دائما.

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قول سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا عرفات میں قیام بھی قبل از بعثت محض توفیق الٰہی کی وجہ سے تھا۔یہ مفہوم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یعقوب سے اور انہوں نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے۔الفاظ حدیث ملاحظہ ہوں (رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان ینزل علیہ وانہ لواقف علی بعیرلہ مع الناس بعرفات حتی یدفع معھم توفیقا من اللہ) (سفیان عمر و محمد بن جبیر بن مطعم) جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عرفہ میں میرا اونٹ گم گیا' میں اس کی تلاش میں تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو عرفات میں دوران حج موجود دیکھ کر کہا یہ تو قریشی ہیں' جو عرفات میں قیام نہیں کرتے' یہاں ان کا قیام کیونکر ہے؟ یہ روایت متفق علیہ ہے

نبی علیہ السلام کی حرب فجار میں شرکت

ابن اسحاق کہتے ہیں حرب فجار کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر بیس سال تھی۔اس جنگ کو حرب فجار اس وجہ سے کہتے ہیں کہ: قریش و کنانہ اور قیس عیلان نے محرمات کا ارتکاب کر کے فاجرانہ کارروائی کی تھی۔قریش کا قائد "ابوسفیان کا والد" حرب بن امیہ بن عبدشمس تھا' پہلے پہل قیس عیلان غالب تھے پھر قریش غالب آئے۔ابن ہشام کہتے ہیں کہ: حرب فجار کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی جیسا کہ ابوعبیدہ نحوی' ابوعمرو بن علاء سے روایت ہے کہ قریش اور ان کے حلیف کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان جنگ وجدال ہوا۔

حرب حجار کی وجہ تسمیہ۔۔۔۔۔لڑائی کا سبب یہ تھا کہ عروہ رحال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ کا براض بن قیس کے ساتھ کسی مسئلہ پر جھگڑا ہوا۔براض جس کا تعلق کنانہ سے ہے اس نے کہا: کیا تو کنانہ کے برخلاف ان کو پناہ دے سکتا ہے؟ اس نے کہا' کنانہ کیا ساری مخلوق کے خلاف میں انہیں پناہ دے سکتا ہوں۔چنانچہ عروہ رحال باہر نکلا اور براض بھی اس کے پیچھے اس کی غفلت کا منتظر تھا یہاں تک کہ وہ مقام عالیہ کے "تیمن ذی طلال" میں پہنچا کہ براض نے موقعہ پا کر عروہ رحال کو "شہر حرام" میں قتل کر ڈالا اسی وجہ سے لڑائی کا نام "فجار" ہوا۔براض نے پھر درج ذیل اشعار کہے:

وداھیۃ تھم الناس قبلی
شددت لھا بنی بکر ضلوعی
ھدمت بھا بیوت بنی کلاب
وارضعت الموالی بالضروع
رفعت لہ بذی طلال کفی
فخرّ یمید کالجذع الصریع

"بہت سی آفات نے مجھ سے قبل لوگوں کو رنجیدہ اور فکرمند رکھا ہے' اے بنی بکر! میں نے ان کے لئے اپنی پسلیوں کو مضبوط کر لیا ہے۔میں نے اس کے باعث بنی کلاب کے مکانات کو مسمار کر دیا ہے۔میں نے موالی کو دودھیل اونٹنی کا دودھ پلا دیا ہے۔میں نے ذی طلال میں اس کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا وہ کھجور کے تنے کی طرح ہلتا ہوا گر پڑا۔"

لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب نے کہا:

وابلغ ان عرضت بنی کلاب
وعامر والخطوب لھا موالی
وابلغ ان عرضت بنی نمیر

واخـــوال الـــقـعـيـــل بـــنـــي هــــلال
بــــأن الـــوافـــد الـــرجـــال امـــى
مـــقـيـــمـــاً عـــنـــد تـيـمـــن ذي طـــلال

''اگر تو عروض میں جائے تو بنی کلاب اور عامر کو پیغام دے دو کہ مصائب کے بھی دوست ہوتے ہیں۔ بنی نمیر اور مقتول کے ننھیال بنی ھلال کو پیغام پہنچادے کہ وفد لے جانے والا رحال' تیمن ذی طلال کے پاس مدفون اور زمین بوس ہے۔''

حرب فجار کا مختصر قصہ...... بقول ابن ہشام قریش کو معلوم ہو گیا کہ براض نے عروہ رحال کو قتل کر ڈالا ہے اور وہ عکاظ میلہ میں ہے۔ جو کیم ذیقعدہ سے بیس ذیقعدہ تک جاری رہتا ہے۔ چنانچہ قریش وہاں سے چلے آئے اور ہوازن اس بات سے لاعلم تھے۔ بعد میں ان کو بھی اس قتل کا علم ہو گیا تو ان کے تعاقب میں آئے اور حرم میں داخل ہونے سے قبل ہی ان کو پالیا' رات گئے تک لڑائی جاری رہی' پھر جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو ہوازن لڑائی سے دستبردار ہو گئے اس کے بعد کئی روز تک جنگ جاری رہی' پوری قوم ایک دوسرے کا تعاون کر رہی تھی' قریش کے ہر قبیلے کا سپہ سالار اور علم بردار الگ الگ تھا۔ کنانہ کا رئیس ان کا اپنا فرد تھا اور قیس کے ہر قبیلے کا رئیس بھی جدا جدا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی بعض ایام میں لڑائی میں شامل ہوئے' آپ کے چچاؤں نے ان کو اپنے ہمراہ شامل کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ میں اپنے چچاؤں کو دشمن کے پھینکے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر دے رہا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں حرب فجار کا قصہ نہایت طویل ہے۔ اس کو بالاستیعاب بیان کرنے سے صرف سیرت رسول ﷺ میں خلل اندازی مانع ہے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ فجار بروزن قتال بکسرہ فاء ہے' مسعودی مؤرخ کا بیان ہے کہ عرب میں حرب فجار کے نام سے چار لڑائیاں ہوئیں۔ یہ براض والی حرب فجار آخری ہے۔ چار روز جاری رہی یوم شمطہ' یوم عبلاء' یہ دونوں لڑائیاں عکاظ کے قریب ہوئیں۔ یوم شرب' یہ سب سے سنگین لڑائی تھی' اسی میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی اور اسی جنگ میں قریش اور بنی کنانہ کے رئیسوں حرب بن امیہ اور سفیان نے خود کو باندھ لیا تھا کہ بھاگ نہ سکیں' اس روز بنی نضر کے چند افراد کے علاوہ قیس شکست کھا گئے تھے۔

عقبہ بن ربیعہ کا کارنامہ...... نخلۃ کے قریب ہوئی پھر اس کے بعد آئندہ سال عکاظ کے میلے پر یوم الحریرہ پر اس لڑائی وعدہ ہوا' حسب وعدہ لڑائی کے لئے تیار تھے کہ عتبہ بن ربیعہ نے اپنے شتر پر سوار ہو کر اعلان کیا اے معشر مضر! کیوں جنگ وجدال پر آمادہ ہو؟ تو ہوازن نے پوچھا آپ کس بات کے داعی ہیں؟ تو عتبہ نے کہا میں صلح کا طالب ہوں' تو ہوازن نے کہا' کس طرح اور کیسے؟ تو عتبہ نے کہا ہم تمہارے مقتولوں کی دیت ادا کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے آدمیوں کو گروی رکھتے ہیں اور ہم اپنی دیتوں کو معاف کرتے ہیں۔ ہوازن نے کہا' اس بات کا کون کفیل اور ضامن ہے؟ تو اس نے کہا میں ضامن ہوں' انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ تو اس نے کہا میں عتبہ بن ربیعہ ہوں' چنانچہ ان شرائط پر صلح ہو گئی اور عتبہ نے چالیس افراد کو بطور رہن بھیجا تھا ان میں حکیم بن حزام بھی شامل تھا۔ جب ہوازن نے ان لوگوں کو اپنے قبضہ میں دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی دیتیں اور خون بہا معاف کر دیئے اور یوں اس خطرناک لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ مؤرخ اموی نے اثرم یعنی مغیرہ بن علی اور ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ' سے حرب فجار کو نہایت مفصل اور بالاستیعاب بیان کیا ہے۔

حلف فضول...... حافظ بیہقی (ابو سعد مالینی' ابو احمد بن عدی الحافظ' یحییٰ بن علی بن ھشام خفاف، ابو عبدالرحمٰن ازدی' اسماعیل بن علیہ' عبدالرحمان بن اسحاق' زہری محمد بن جبیر بن مطعم) جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں "مطیبین" کے حلف میں اپنے چچاؤں کے ہمراہ حاضر تھا' اگر مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی ملیں تو میں اس کو توڑنا پسند نہیں کرتا۔ یہ روایت عبدالرحمان بن اسحاق سے اسماعیل بن علیہ کے علاوہ بشر بن مفضل بھی بیان کرتے ہیں۔ ابو نصر بن قتادہ' ابو عمرو بن مطر' ابو بکر بن احمد بن داؤد سمنانی' معلی مہدی' ابو عوانہ' عمر بن ابی سلمہ' ابو سلمہ' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حلف مطیبین کے علاوہ قریش کے کسی معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ اس معاہدہ کے مقابلہ میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو پھر بھی میں اس کو نہ توڑوں۔

مطیبین کی وجہ تسمیہ...... ہاشم امیہ زہرہ اور مخزوم قبائل کو مطیبین کہتے ہیں۔ امام بیہقی کہتے ہیں یہ تفسیر و تشریح حدیث میں اس طرح مروی ہے معلوم نہیں یہ اضافہ کس نے کیا ہے۔ بعض سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ اس روایت میں مذکور مطیبین سے مراد حلف فضول ہے۔ کیونکہ حلف مطیبین کے وقت رسول اللہ ﷺ نہ تھے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں واقعی یہ درست ہے کہ قریش نے قصی کی وفات کے بعد حلف اٹھایا تھا اور ایک تنازع اس وجہ سے برپا ہوا تھا کہ قصی نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو سقایہ رفادہ لواء، ندوہ اور حجابہ سب منصب عطا کر دیے تھے بدیں وجہ عبد مناف کی اولاد نے نزاع پیدا کیا اور فریقین کے ہمراہ قریشی قبیلے تھے۔ ہر ایک نے اپنے حزب اور گروہ کے ساتھ تعاون کرنے کی قسم اٹھائی تھی۔ چنانچہ اولاد عبد مناف نے ایک پیالے میں خوشبو ڈال کر اس میں ہاتھ ڈبو کر باہمی تعاون پر قسم اٹھائی اس کے بعد انہوں نے بیت اللہ کے کونوں اور گوشوں کو چھوا۔ اسی وجہ سے ان کا نام مطیبین پڑ گیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔

لیکن یہاں حلف مطیبین سے مراد حلف فضول ہے جو عبداللہ بن جدعان کے گھر منعقد ہوا تھا۔ جیسے کہ حمیدی سفیان بن عیینہ عبداللہ محمد عبدالرحمان پسران ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں منعقدہ معاہدہ میں شامل تھا اگر اب بھی (اسلامی دور میں) مجھے اس قسم کے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں فوراً قبول کرلوں اس بات پر معاہدہ قائم ہوا تھا "**ان یردوا الفضول علی اهلها ولا یعد ظالم مظلوما**" کہ منافع اس کے حق دار کو دیا جائے اور ظالم مظلوم پر برداشت نہ کیا جائے گا اور ستمگر ستم رسیدہ پر غالب نہ ہوگا یہ حلف فضول ذی قعدہ میں حرب فجار کے چار ماہ بعد بعثت سے بیس سال قبل منعقد ہوا تھا۔ کیونکہ اس سال حرب فجار شعبان میں لڑی گئی تھی حلف فضول عرب میں ایک نہایت مقدس اور پاکیزہ معاہدہ تھا۔ اس کے پہلے بانی اور محرک زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ یہ معاہدہ اس وجہ سے معرض وجود میں آیا کہ ایک زبیدی مکہ میں سامان تجارت لایا وہ عاص بن وائل نے خرید لیا اور قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے احلاف (عبدالدار مخزوم جمح سہم اور عدی بن کعب) کے پاس فریاد کی انہوں نے عاص بن وائل کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اس کو ڈانٹ دیا جب زبیدی مایوس ہو گیا تو طلوع آفتاب کے وقت اس نے کوہ ابی قیس پر چڑھ کر یہ اشعار کہے اس وقت قریش کعبہ کے گرد و نواح محفلوں میں براجمان تھے۔

یا آل فهر لمظلوم بضاعته
ببطن مکة نائی الدار والنفر
ومحرم أشعث لم یقض عمرته
یا للرجال وبین الحجر والحجر
ان الحرام لمن تمت کرامته
ولا حرام لثوب الفاجر الغدر

"اے آل فہر! اجنبی بے سہارے مظلوم کی مدد کرو اس کا سرمایہ مکہ میں ہے۔ اور اس پراگندہ حال محرم کی جس نے عمرہ ادا نہیں کیا اے لوگو مدد کرو جو حجر اسود اور حطیم کے درمیان جلوہ افروز ہو۔ بے شک حرام معزز و محترم کا محافظ ہے بدکار اور غدار کی عزت کا محافظ نہیں"۔

یہ سن کر زبیر بن عبدالمطلب نے کہا یہ رائیگاں نہ ہوگا چنانچہ ہاشم زہرہ اور تیم بن مرہ یہ تین خاندان عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اس نے کھانے کا اہتمام کیا اور ماہ حرام ذی قعدہ میں سب نے یہ حلف اٹھایا اور پختہ معاہدہ کیا کہ واللہ! ہم سب مظلوم کے ساتھ ایک جماعت میں متحد ہوں گے ظالم کے خلاف یہاں تک کہ وہ اس کا حق اور مطالبہ پورا کر دے یہ معاہدہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک سمندر کا پانی ایک ٹکڑے کو نہ تر کرے اور جب تک کوہ شہر اور حراء اپنے مقام پر قائم نہ رہے مواقع روزگار ہر ایک کو یکساں میسر ہوں گے۔ چنانچہ قریش نے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا کہ انہوں نے ایک افضل کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ پھر عاص بن وائل سے زبیدی کا سامان چھین کر اس کے حوالے کر دیا اور زبیر بن عبدالمطلب نے ان اشعار میں کہا:

حلفت لنعقدن حلفاً علیهم
وان کنا جمیعاً أهل دار
نسمیه الفضول اذا عقدنا
یعز به الغریب لذی الجوار
ویعلم من حوالی البیت أنا
أباة الضیم نمنع کل عار

''میں نے قسم اٹھائی تھی کہ ظالموں کے خلاف ایک معاہدہ قائم کریں گے اگرچہ ہم ایک گھر میں چند لوگ ہوں۔ ہم نے اس معاہدہ کو ''فضول'' کا نام دیا ہے جب ہم نے معاہدہ منعقد کیا اس کی وجہ سے مقامی کی بنسبت اجنبی توانا و طاقتور ہوگیا۔ بیت اللہ کے اطراف و نواح میں سب جانتے ہیں کہ ہم ظلم و جور کو ناپسند کرتے ہیں ہم ہر فضیحت و رسوائی کے کام سے روکیں گے''۔

نیز زبیر نے یہ اشعار بھی کہے:

ان الفضول تعاقدوا وتحالفوا
ألا یقیم ببطن مکة ظالم
أمر علیه تعاقدوا وتواثقوا
فالجار والمعترُّ فیهم سالم

''معاہدہ ''حلف الفضول'' منعقد کرنے والوں نے حلف اٹھایا کہ مکہ میں ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ اس معاہدہ پر سب نے پختہ عہد کیا اس وجہ سے مقامی اور بیرونی سب یکساں طور پر محفوظ ہیں''۔

قتول کا اغوا اور حلف الفضول والوں کی مدد..... غریب الحدیث از قاسم بن ثابت مذکور ہے کہ ایک خثعمی اپنی خوبصورت بیٹی قتول کے ہمراہ مکہ میں حج یا عمرہ کی غرض سے آیا تو نبیہ بن حجاج نے اس کی بیٹی کو اغوا کر لیا تو خثعمی نے لوگوں سے مدد طلب کی کسی نے کہا کہ حلف فضول کے شرکاء سے مدد حاصل کرو چنانچہ اس نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے حلف فضول منعقد کرنے والو! میری مدد کرو! یہ سنتے ہی ہر طرف سے لوگ ہاتھوں میں تلوار اٹھائے چلے آئے اور وہ پوچھا کہ کیا ہوا؟ ہم ہر طرح کی مدد کے لئے حاضر ہیں تو خثعمی نے بتایا کہ نبیہ نے میری بیٹی اغوا کر لی ہے۔ چنانچہ وہ اس کے مکان پر گئے جب وہ اندر سے نکلا تو سب نے کہا' لڑکی لاؤ' تجھے معلوم ہے کہ ہم کون ہیں؟ اور ہم نے کیا معاہدہ کر رکھا ہے؟ اس نے کہا بسر و چشم' لیکن مجھے ایک رات کی اجازت دیدو' تو انہوں نے کہا' واللہ بالکل نہیں تم رات کی بات کرتے ہو ہم تو معمولی وقفہ دینے کے لئے تیار نہیں' چنانچہ نبیہ نے یہ اشعار کہتے ہوئے وہ لڑکی ان کے حوالے کر دی:

راح صحبی ولم أحیی القتولا
لم أودعهم وداعاً جمیلا
اذا جد الفضول أن یمنعوها
قد أرانی ولا أخاف الفضولا
لا تخالی أنی عشیة راح الرکب
هنتم علی أن لا یزولا

''میرے احباب چلے گئے اور میں نے قتول کو تحفہ نہیں دیا اور نہ عمدہ طریق سے الوداع کہا۔ میں نے دیکھ لیا جب حلف فضول والوں نے اس کی حفاظت کا عزم کر لیا' میں بھی خود کو ان سے خائف نہیں سمجھتا تھا۔ یہ سوء ظن نہ کر کہ جب شام کے وقت قافلہ

روانہ ہوا' کہ تم ہمیشہ کے لئے میرے نزدیک بیچ ہو گئے ہو"۔

حلف الفضول کی ایک اور وجہ تسمیہ...... بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کو "حلف الفضول" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ بنو جرہم کے معاہدہ حلف الفضول کی طرح تھا' اس معاہدہ کے بانی' بقول قتیبہ' تین معزز جرہمی تھے' جن کے نام: (۱) فضل بن فضالہ' (۲) فضل بن وداعہ' (۳) فضل بن حارث ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نام (۱) فضل بن شراعہ' (۲) فضل بن بضاعہ اور (۳) فضل بن قضاعہ ہیں۔

(سہیلی نے یہ بیان کیا ہے) محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ قبائل قریش نے ایک معاہدہ کی تحریک پیش کی اور وہ ابن جدعان کے شرف و بزرگی اور عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اس کے مکان پر جمع ہوئے۔ بنی ہاشم' بنی عبدالمطلب' بنی اسد بن عبدالعزیٰ' زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ نے آپس میں یہ پختہ عہد کیا کہ وہ مکہ میں مقامی اور بیرونی ہر مظلوم کی نصرت و مدد کریں گے۔ ظالم کے خلاف ہوں گے اور مظلوم کی سرپرستی کریں گے۔ چنانچہ قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کا نام دیا۔

معاہدہ کی اہمیت...... ابن اسحاق (محمد بن زید بن مہاجر قنفذ تیمی علحہ بن عبداللہ بن عوف زہری سے) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ابن جدعان کے مکان میں ایک ایسے باوقار معاہدے میں شرکت کی ہے کہ وہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اگر اس قسم کا معاہدہ دور اسلام میں بھی پیش کیا جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حق اور ولید کا انکار...... ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ اور امیر مدینہ' ولید بن عتبہ بن ابی سفیان از جانب امیر معاویہ کے درمیان' ذی مروہ میں ایک زمین کا تنازعہ تھا' ولید امارت و حکومت کی وجہ سے ظالمانہ کارروائی کر رہا تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا' میں حلفاً کہتا ہوں کہ تو مرا حق مجھے دے دے گا' یا میں تلوار اٹھائے مسجد نبوی میں چلا آؤں گا اور حلف فضول کا اعلان کر دوں گا۔ عبداللہ بن زبیر (جو اتفاقاً اس مجلس میں موجود تھے) نے کہا واللہ! اگر اس نے حلف فضول کی دعوت دی تو میں بھی تلوار لئے اس کے ساتھ ہو ں گا' حق مل جائے گا یا موت' یہ بات مسور بن مخرمہ زہری اور عبدالرحمان بن عثمان بن عبیداللہ تیمی نے سنی تو انہوں نے بھی اس عزم کا اظہار کیا' جب اس صورت حال کا علم ولید (امیر مدینہ) کو ہوا تو اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کا حق دے کر راضی کر دیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار اور تجارت پیشہ خاتون تھیں اور بطور مضاربت تاجروں کو سرمایہ دیا کرتی تھیں' جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی صداقت و دیانت اور خوش اخلاقی کے بارے میں معلوم ہوا تو ان سے درخواست کی کہ آپ علیہ السلام میرے غلام میسرہ کے ہمراہ ملک شام میں بغرض تجارت جائیں تو آپ کو دیگر تاجروں کی نسبت زیادہ منافع دوں گی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی درخواست کو منظور فرمایا اور میسرہ کے ہمراہ تجارت کی غرض سے ملک شام روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر کسی راہب کے گرجا کے پاس' ایک درخت کے سایہ تلے قیام کیا۔ راہب نے میسرہ سے پوچھا' اس درخت کے نیچے کون شخص براجمان ہے؟ تو اس نے بتایا یہ صاحب قریشی ہیں اور مکہ کے باشندہ ہیں۔ یہ سن کر راہب نے کہا اس پیڑ تلے نبی ہی فروکش ہوتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ خرید و فروخت کے بعد میسرہ کے ہمراہ مکہ واپس چلے آئے۔

آپ علیہ السلام کا معجزہ...... بقول مؤرخین دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں میسرہ یہ منظر دیکھا کرتا تھا کہ آپ ﷺ شتر سوار ہیں اور ملائکہ آپ ﷺ پر سایہ لئے ہوئے ہیں۔ مکہ پہنچ کر مال تجارت خدیجہ کے سپرد کیا تو دیکھا کہ آپ نے قریباً دو چند منافع کمایا' میسرہ نے راہب کی بات بتائی اور آپ علیہ السلام پر فرشتوں کے سایہ کرنے کا واقعہ بھی بتایا تو خدیجہ نے (جو ایک ذہین و فطین سرمایہ دار شریف ترین خاتون تھیں اور مزید یہ کہ ان کو قدرت کی طرف سے نبی کی زوجیت میں دینا مقصود تھا) رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام ارسال کیا' اے ابن عم! میں آپ کے ساتھ رشتہ داری' وجاہت' صداقت' امانت اور خوش اخلاقی کے باعث نکاح کی خواہشمند ہوں' حالانکہ قوم کے بڑے بڑے رئیس اور سرمایہ دار آپ سے

شادی کی درخواست کر چکے تھے۔

آپ ﷺ کا نکاح اور مہر...... رسول اللہ ﷺ کو جب شادی کا پیغام موصول ہوا تو آپ ﷺ نے چچاؤں سے اس بات کا تذکرہ کیا' چنانچہ آپ ﷺ کے چچا حمزہ بھی ہمراہ تھے' آپ ﷺ خویلد بن اسد کے مکان پر آئے تو خولہ نے ان سے نکاح کر دیا' بقول ابن ہشام بیس اونٹ مہر مقرر ہوا' یہ آپ کی پہلی شادی تھی' ان کی موجودگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ سوائے ابراہیم کے' آپ علیہ السلام کی سب اولاد ان ہی کے بطن مبارک سے ہے' قاسم (ان ہی کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت تھی' ابوالقاسم) طیب' طاہر' زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

آپ ﷺ کی اولاد...... بقول ابن ہشام' آپ ﷺ کے بڑے بیٹے قاسم تھے' پھر طیب اور طاہر' اور سب سے بڑی صاحبزادی رقیہ تھی پھر زینب پھر ام کلثوم اور فاطمہ رضوان اللہ علیہن۔ حافظ بیہقی (حاکم' ابوبکر بن ابی خیثمہ) مصعب بن عبداللہ زبیری سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے بڑے صاحبزادے قاسم تھے پھر عبداللہ پھر ام کلثوم' پھر فاطمہ پھر رقیہ بہ ترتیب پیدا ہوئے' سب سے اول قاسم فوت ہوئے پھر عبداللہ۔ وفات کے وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۵ برس تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی عمر پچاس برس تھی اور یہ صحیح قول ہے۔

قاسم کے بارے میں مختلف اقوال...... بعض کا قول ہے کہ قاسم سواری کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اور نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد فوت ہوئے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ دودھ پیتے ہوئے فوت ہوئے تھے' وہ جنت میں مدت رضاعت پوری کرے گا' اور مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ابراہیم کے بارے تھا۔ یونس بن بکیر (ابراہیم بن عثمان' قاسم) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن مبارک سے رسول اللہ ﷺ کے دو بیٹے (۱) قاسم اور (۲) عبداللہ اور چار بیٹیاں' (۱) فاطمہ (۲) ام کلثوم (۳) زینب اور (۴) رقیہ پیدا ہوئیں۔ نرینہ اولاد نبوت سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھی اور بیٹیوں نے بحالت اسلام آپ ﷺ کے ہمراہ ہجرت کی۔ (بقول ابن بکار' عبداللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا' کیونکہ وہ بعد از نبوت پیدا ہوا تھا) صرف ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے تھے' تاہم ازواج مطہرات کی اولاد کے حالات ہم ایک مفصل باب میں بیان کریں گے' انشاءاللہ۔

آپ ﷺ کی شادی کے وقت عمر مبارک...... بقول ابن ہشام اکثر اہل علم' ابوعمرو مدنی وغیرہ کا بیان ہے کہ شادی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ یعقوب بن سفیان' ابراہیم بن منذر' عمر بن ابوبکر مولی متعدد اہل علم سے نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن اسد' خدیجہ رضی اللہ عنہ کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی کے فرائض سرانجام دیئے' رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ۲۵ برس تھی اور کعبہ زیر تعمیر تھا اور حافظ بیہقی نے بھی یہی عمر بیان کی ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۳۵ برس تھی' اور بعض حضرت کے بقول ۲۵ برس تھی۔

شادی سے قبل رسول اللہ ﷺ کے مشاغل...... حافظ بیہقی نے اسی عنوان کے تحت (ابوعبداللہ الحافظ' ابوبکر بن عبداللہ' حسن بن سفیان' سوید بن سعید' عمرو بن ابی یحییٰ بن سعید قرشی' جد و سعید) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر پیغمبر نے بکریاں چرائی ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ نے بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں اہل مکہ کی بکریاں قراریط میں چرایا کرتا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت از احمد بن محمد مکی از عمرو بن یحییٰ بیان کی ہے۔ (حافظ بیہقی)

(ربیع بن بدر (ضعیف راوی)' ابوالزبیر) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہ سے دو سفروں کا معاوضہ ایک اونٹنی لیا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا ولی کون تھا...... حافظ بیہقی (حماد بن سلمہ' علی بن زید' عمار بن ابی عمار) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد نے شراب کی بے ہوشی اور بدمستی میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح کر دیا۔

حافظ بیہقی (ابوالحسین بن فضل قطان' عبداللہ بن جعفر' یعقوب بن سفیان' ابراہیم بن منذر' عمر بن ابوبکر مولی' عبداللہ بن ابی عبید بن محمد بن عمار

بن یاسر' ابو مقسم بن ابی القاسم غلام عبداللہ بن حارث بن نوفل' عبداللہ بن حارث) عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کے بارے میں لوگوں سے سنتا تو کہتا' میں اس بات کو سب سے زیادہ جانتا ہوں کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ہم عمر اور دوست تھا' میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا' حزورہ'' میں ہمارا خدیجہ کی ہمشیرہ کے پاس سے گزر ہوا' وہ چمڑا فروخت کر رہی تھیں' انہوں نے مجھے بلایا تو میں اُن کے پاس چلا گیا (اور رسول اللہ ﷺ یہیں کھڑے رہے) اور مجھے کہا' کیا تمہارے اس صاحب کو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی خواہش ہے؟ عمار کہتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''بلی لعمری'' کیوں نہیں' کیوں نہیں' پھر میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا ردعمل بتایا تو اس نے کہا صبح سویرے ہمارے ہاں آؤ چنانچہ ہم صبح ۔۔ انہوں نے گائے ذبح کی اور خدیجہ کے والد خویلد کو نیا جوڑا پہنایا اور داڑھی کو خضاب لگایا اور اپنے بھائی کو صورت حال سے آگاہ کیا' اس نے اپنے والد سے گفتگو کی اور اس کو شراب پلا کر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی سے مطلع کیا اور خود خدیجہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ وہ آپ ﷺ سے ان کی شادی کر دے' چنانچہ اس نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا' اس کے بعد ہم نے تیار شدہ کھانا کھایا پھر ان کے والد سو گئے' پھر ہوش میں آ کر بیدار ہوئے تو پوچھا یہ نیا جوڑا کیوں ہے؟ داڑھی پر خضاب کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ کھانا وغیرہ کیوں تیار ہوا؟ تو خدیجہ کی ہمشیرہ نے بتایا' یہ جوڑا آپ کو' آپ کے داماد محمد ﷺ بن عبداللہ نے پہنایا ہے اور انہوں نے یہ گائے آپ کو پیش کی' ہم نے ذبح کر کے کھانا تیار کر دیا' جب آپ نے ان سے خدیجہ کا نکاح کیا۔ پھر اس نے نکاح سے انکار کر دیا اور چلاتا ہوا حطیم میں چلا آیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بنی ہاشم بھی حطیم میں تھے' تو اس نے ان سے بات چیت کی تو اس نے کہا تمہارا وہ صاحب کہاں ہے؟ جس کے بارے تم کہتے ہو کہ میں نے خدیجہ کو اس کی زوجیت میں دے دیا ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ سامنے آئے تو اس نے کہا اگر میں نے یہ نکاح کر دیا ہے تو بہتر ہے ورنہ میں اب کر دیتا ہوں۔

نکاح کی ولایت کے بارے میں مختلف اقوال...... امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''سیرۃ'' میں بیان کیا ہے کہ نشہ کی حالت میں والد نے ان کا نکاح کیا' مؤملی کہتے ہیں کہ متفق علیہ بات یہ ہے کہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے نکاح کے فرائض سرانجام دیئے اور سہیلی نے اسی بات کو ترجیح دی ہے اور ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا والد خویلد بن اسد حرب فجار سے قبل فوت ہو چکا تھا۔ اسی نے تبع شاہ یمن سے مزاحمت کی تھی' جب اس نے حجر اسود کو یمن لے جانے کا ارادہ کیا تھا' قریش کا ایک گروہ بھی خویلد کا طرفدار اور معاون تھا' پھر تبع کو ایک خوفناک خواب آیا تو اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ خدیجہ کے بھائی عمرو بن خویلد نے خدیجہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا' واللہ اعلم۔

نوفل بن ورقہ کا اقرار کہ محمد ﷺ اسی امت کا نبی ہے...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد سے مشورہ کیا (جو عیسائی تھا اور عیسائی لٹریچر کا جید عالم اور ماہر تھا) اور اپنے غلام میسرہ کی زبانی راہب کا مقولہ بتایا اور فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ پر سایہ کرنا بھی سنایا تو اس نے کہا' واللہ! بہن خدیجہ! اگر یہ بات درست ہے تو محمد ﷺ اسی امت کا نبی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس قوم کا نبی آنے والا ہے۔ اس کا انتظار ہے' یہی اس کے ظہور کا زمانہ ہے' چنانچہ ورقہ اس میں دیر محسوس کر رہا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس نبوت کا کب ظہور ہو گا؟

(اس مقام پر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ورقہ بن نوفل کے اڑتیس اشعار نقل کئے ہیں' ہم یہ اشعار ''آغاز وحی کے بیان'' میں پیش کریں گے' از مترجم) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان میں سے کچھ اشعار' بعض اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور استشہاد و ثبوت پیش کیا کرتے تھے۔ اور اس میں بعض اشعار امیہ بن ابی الصلت کی طرف سے منسوب ہیں۔

کعبہ کی تعمیر و تجدید' بعثت سے پانچ سال قبل...... حافظ بیہقی نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح سے قبل تعمیر کعبہ کا ذکر کیا ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد قریش نے کعبہ کی تعمیر اور تجدید کا کام دس سال بعد کیا۔ اس کے بعد حافظ بیہقی نے عہد ابراہیم میں کعبہ کی تعمیر کا ذکر کیا ہے اور ابن عباس کی صحیح بخاری والی روایت بیان کی ہے اور عہد آدم سے تعمیر کعبہ کی اسرائیلی روایات نقل کی ہیں جو درست اور صحیح نہیں' کیونکہ نص قرآن کا تقاضا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی اس کے اول بانی اور موسس ہیں' اس سے پہلے یہ قطعہ ارض محترم اور مقدس تھا اور ازل سے ہی یہ قطعہ زمین پاکیزہ اور اشرف تھا' قرآن پاک (۳/۹۶-۹۷) پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا وہ وہی ہے

جو مکہ میں ہے وہ بابرکت اور لوگوں کے لئے موجب ہدایت ہے۔اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

سب سے پہلی مسجد......ابوذر کی متفق علیہ روایت میں ہے کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے کس مسجد کی تعمیر ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام کی میں نے پوچھا پھر کس کی؟ تو فرمایا مسجد اقصیٰ کی اس کے موسس اور بانی یعقوب علیہ السلام ہیں۔متفق علیہ روایت میں ہے کہ بے شک مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ازل اور زمین وزمان کی تخلیق کے روز سے ہی محترم قرار دیا ہے۔وہ تا قیامت حرمت الٰہی کی وجہ سے محترم اور مکرم ہے۔حافظ بیہقی (ابوعبداللہ حافظ ابوعبداللہ صفار احمد بن مہران عبیداللہ اسرائیل ابویحییٰ مجاہد) عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ بیت اللہ زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل موجود تھا۔واذا الارض مدت (۸۴/۳) یعنی زمین اس کے نیچے سے پھیلائی جائے گی ابو یحییٰ کی منصور نے مجاہد سے متابعت کی ہے۔

اسرائیلی روایات کا پلندہ......امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت غریب ہے۔گویا یہ روایت کتابوں کی ان دو گٹھڑیوں میں سے ہے جو جنگ میں عبداللہ ابن عمرو کو دستیاب ہوئی تھیں۔یہ اسرائیلی روایت کا پلندہ تھیں۔حافظ بیہقی (ابوعبداللہ الحافظ جعفر محمد بن محمد بن عبداللہ بغدادی یحییٰ بن عثمان ابوصالح جہنی ابن لھیعہ یزید بن ابی الخیر) عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جبرئیل علیہ السلام کو آدم وحوا کے پاس بھیجا کہ میری عبادت کے لئے ایک گھر تعمیر کرو جبرائیل علیہ السلام نے نشان دہی کی آدم علیہ السلام نے بنیاد کھودی اور حوا علیہا السلام نے مٹی نکالی۔بنیاد اتنی گہری کھودی کہ نیچے سے پانی نکل آیا وہاں سے آواز آئی (حسبک یا آدم) آدم! بس اتنا کافی ہے۔جب تعمیر کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے طواف کا حکم فرمایا اور یہ آواز آئی کہ تم ابوالبشر اور پہلے انسان ہو اور یہ اللہ کا پہلا گھر ہے پھر زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کا حج کیا پھر وقت گزرتا رہا کہ حضرت ابراہیم نے اس کی بنیادیں استوار کیں۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس مرفوع روایت میں ابن لھیعہ منفرد ہے۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف راوی ہے اور اس روایت کا عبداللہ بن عمرو پر موقوف ہونا زیادہ قوی اور درست ہے واللہ اعلم۔ربیع (شافعی سفیان ابی لبید محمد بن کعب قرظی) یا کسی اور سے بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے حج کیا اور ان سے فرشتوں نے کہا اپنا حج پورا کرو ہم نے آپ سے پہلے دو ہزار سال تک حج کیا ہے۔یونس بن بکیر عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ ماسوائے ہود اور صالح علیہما السلام کے ہر پیغمبر نے بیت اللہ کا حج کیا ہے۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم ان دونوں نبیوں کا حج کرنا بیان کر چکے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ مبارک اور بقعہ مقدسہ کا حج تھا گو وہاں عمارت نہ تھی واللہ اعلم۔بیہقی خالد بن عرعرہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے علی رضی اللہ عنہ سے "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا" (۳/۹۶) کی بابت دریافت کیا کیا وہ روئے زمین پر پہلا گھر ہے جو بنایا گیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں بلکہ یہ اللہ کا وہ پہلا گھر ہے جس میں لوگوں کے لئے خیر و برکت ہے راہنمائی ہے اس میں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہوتا ہے۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر اور حجر اسود......اگر چاہو تو میں آپ کو اس کی تعمیر کی کیفیت سے آگاہ کر دوں وہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میری عبادت کے لئے زمین پر ایک گھر تعمیر کرو یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام دل گرفتہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مخروطی شکل کا بگولا پیدا کیا وہ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے آگے پیچھے چل رہے تھے کہ بگولا رک گیا اور سانپ کی طرح بیت اللہ کے مقام پر طوق کی شکل اختیار کر گیا اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا جب حجر اسود تک دیوار بلند ہو گئی تو اسماعیل علیہ السلام کو کہا حجر اسود تلاش کر کے لاؤ تو وہ کوئی پتھر لائے اور وہاں حجر اسود موجود پا کر دریافت کیا "من این لک ھذا" یہ آپ کو کہاں سے میسر ہوا؟ تو بتایا اسے وہ لایا ہے جس نے تجھ پر اعتماد نہیں کیا اسے جبرائیل علیہ السلام آسمان سے لائے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تکمیل کی۔

حجر اسود رسول اللہ ﷺ نے نصب فرمایا

پھر عرصے کے بعد بیت اللہ گر گیا تو عمالقہ نے اس کی تعمیر کی' پھر شکستہ ہونے پر جرہم نے اس کی تعمیر کی پھر گرا تو قریش نے اس کی تعمیر کی' رسول اللہ ﷺ اس وقت جوان تھے جب حجر اسود کے نصب کا موقعہ آیا تو شدید اختلاف پیدا ہوا یہ فیصلہ طے پایا کہ جو شخص اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا اس کو ہم حکم تسلیم کرلیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سی دروازے سے پہلے داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھیں اور جملہ قبائل مل کر اس کو اُوپر اٹھائیں۔ ابوداؤد طیالسی (حماد بن سلمہ' قیس اور سلام' سماک بن حرب' خالد بن عرعرہ) علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جرہم کے بعد جب بیت اللہ گر گیا تو قریش نے اس کی تعمیر کی جب حجر اسود نصب کرنے کا موقعہ آیا تو شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کو ن نصب کرے؟ چنانچہ باتفاق رائے یہ طے پایا کہ جو شخص اس دروازے سے پہلے داخل ہو وہی نصب کرے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس دروازے (باب بنی شیبہ) میں سے سب سے پہلے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھنے کا حکم دیا اور ہر خاندان کے ایک ایک فرد کو چادر تھامنے کا فرمایا تو سب نے حجر اسود کو اوپر اٹھایا اور آپ ﷺ نے حجر اسود اُٹھا کر وہاں نصب کر دیا۔ یعقوب بن سفیان' ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ایام بلوغت میں' ایک خاتون کعبہ کو خوشبو کی دھونی دینے لگی تو اس کے عود دان سے ایک چنگاری اڑ کر کعبہ کے غلاف پر جا گری تو وہ غلاف جل کر راکھ ہو گیا تو قریش نے کعبہ کو مسمار کر دیا' تعمیر کے وقت جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقعہ آیا تو نذاع پیدا ہو گیا تو بحث' تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ جو شخص پہلے آئے ہم اسے حکم تسلیم کرلیں گے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے تشریف لائے' آپ ﷺ کے کندھے پر چادر تھی' چنانچہ سب نے آپ ﷺ کو حکم تسلیم کر لیا' آپ علیہ السلام نے حجر اسود کو کپڑے میں رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا وہ کپڑے میں رکھ دیا گیا پھر آپ علیہ السلام نے ہر خاندان کے رئیس کو چادر کے کونے کو پکڑنے کا ارشاد فرمایا اور خود دیوار پر چڑھ گئے' انہوں نے کپڑے کو اوپر اٹھایا اور آپ علیہ السلام نے حجر اسود اٹھا کر نصب کر دیا۔ آپ ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر نصب کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی عمر اور شرافت و نجابت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا' یہاں تک کہ بعثت کے قبل ہی آپ ﷺ کو لوگ ''امین کہتے تھے۔ جانور ذبح کرتے تو آپ ﷺ کو تلاش کر کے دعا کی التجا کرتے۔ یہ روایت ''سیر زہری'' سے ماخوذ ہے اس میں یہ بات بڑی عجیب کے ہے بلوغت کے ایام میں (فلما بلغ الحلم) حالانکہ مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی (کما نص ابن اسحاق)

بقول موسیٰ بن عقبہ' کعبہ کی تعمیر' بعثت سے ۱۵ سال قبل تھی' مجاہد' عروہ اور محمد بن جبیر بن مطعم وغیرہ کا یہی قول ہے' واللہ اعلم۔ حرب فجار اور کعبہ کی تعمیر کے درمیان ۱۵ سال کا وقفہ تھا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرب فجار اور فضول ایک ہی سال میں واقع ہوئے' اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۲۰ سال تھی' یہ قول ابن اسحاق کے قول کی تائید کرتا ہے۔

از سر نو تعمیر کعبہ کے لئے کعبہ کا انہدام اور اس کی وجہ

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر اس بنا پر کی کہ جو بند انہوں نے تعمیر کیا تھا وہ سیلابی طغیانیوں کی وجہ سے خراب اور منہدم ہو چکا تھا۔ بیت اللہ کے اندر پانی داخل ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا' نیز ملیح نامی شخص نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی' اس وجہ سے کعبہ کی عمارت کو مضبوط بنانے اور دروازے کو اونچا نصب کرنے کا ارادہ کیا کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہ داخل ہو سکے' چنانچہ اس کے لئے عملہ اور سرمایہ اکٹھا کیا' پھر اسے مسمار کرنے کا ارادہ کیا وہ اسے مسمار کرنے سے سخت مضطرب اور پریشان تھے' چنانچہ ولید بن مغیرہ نے اوپر چڑھ کر گرانا شروع کیا تو دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اس کام میں لگ گئے جب بنیاد کھودنے لگے تو اس کو زیادہ گہرا نہ کھود سکے۔

تعمیر کے دوران ایک اژدھے کا ظہور...... بعض لوگوں کو خیال ہے کہ پورے بیت اللہ کا اتنے بڑے اژدھے نے احاطہ کیا ہوا تھا کہ اس

کا سرڈم کے ساتھ ملا ہوا تھا اور وہ اس سے سخت خطرہ محسوس کرر ہے تھے کہ کہیں یہ ہلاکت کا باعث نہ ہو کیونکہ کعبہ قریش کا حرز جان اور دوسرے لوگوں میں ان کی قدر ومنزلت کا باعث تھا' چنانچہ بہت متفکر اور نہایت متذبذب تھے کہ مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے چند ناصحانہ کلمات کہے اور ان کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کی' حسد و عناد سے نفرت دلائی اور اس کی عمارت کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کا خیال ظاہر کیا اور اس تعمیر میں حرام مال خرچ کرنے سے روکا' جب انہوں نے ان پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا تو اژدھا نظروں سے غائب ہو گیا' اللہ کی طرف سے یہ ایک نیک فالی تھی' بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس اژدھا کو ایک پرندے نے اٹھا کر جیاد کی طرف پھینک دیا تھا۔

کعبہ کی قدیم عمارت اور ایک واقعہ بسرقہ

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے تعمیر کعبہ کا منصوبہ بنایا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی' کعبہ پتھروں کی چٹان تھا' انسان کے قد وقامت سے ذرا اونچا بغیر چھت کے' اس کے اندر ایک گڑھے میں خزانہ محفوظ تھا۔ وہ چوری ہو گیا' تلاش و جستجو کے بعد وہ خزانہ بنی ملیح بن عمرو بن خزاعہ کے غلام "دو یک" کے پاس سے ملا' قریش نے چوری کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ لیکن قریش کا خیال یہ ہے کہ چوروں نے مسروقہ مال اس کے پاس رکھ دیا تھا اور نہ وہ خود چور نہ تھا۔

تعمیر کعبہ کے لئے سامان وغیرہ کا حصول...... کسی رومی تاجر کا جہاز طوفان کی زد میں آیا اور ٹوٹ پھوٹ کر ساحل جدہ پر آ لگا' قریش نے اسے حاصل کر کے' اس کے ملبے سے کعبہ کی چھت کا سامان تیار کر لیا۔ بقول مورخ اموی یہ جہاز قیصر' شام روم کا تھا' اس میں عمارتی سامان' لکڑی' سنگ مرمر اور لوہا لدا ہوا تھا' قیصر نے یہ سامان رومی معمار یا قوم کے ساتھ حبش کے کلیسا کے لئے روانہ کیا تھا' جس کو فارس نے نذر آتش کر دیا تھا۔ جب یہ جہاز ساحل جدہ کے قریب آیا تو دفعتہً طوفان آیا وہ ٹوٹ گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک قبطی بڑھئی تھا' اس نے قریش کے لئے لکڑی کا کچھ سامان تیار کیا تھا۔ کعبہ کے اندر ایک گڑھے میں روزمرہ کی نذر و نیاز کا خزانہ محفوظ تھا' وہاں سے ایک اژدھا نکل کر کعبہ کی دیوار پر نمودار ہوتا تھا اور قریش اس سے خوف زدہ تھے' کوئی اس کے قریب ہوتا تو وہ منہ کھولے ڈسنے کو تیار رہتا تھا' لوگ اس اژدھے سے ڈرتے تھے' حسب معمول وہ ایک مرتبہ وہ دیوار پر نمودار تھا' قدرتی طور پر ایک پرندہ آیا اور اس کو جھپٹ کر لے گیا' قریش نے یہ صورت حال دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عزم و ارادے کو پسند کرتا ہے۔ ہمارے پاس کاریگر ہے اور لکڑی کا سامان بھی موجود ہے اور سانپ سے اللہ نے نجات بخشی ہے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے رزین سے نقل کیا ہے کہ جرہم کے عہد میں ایک چور کعبہ کے اندر چوری کی غرض سے داخل ہوا۔ اس پر کھڑے کی دیوار گر گئی اور وہ اندر سے نہ نکل سکا' لوگوں نے اس کو باہر نکالا اور مسروقہ مال قبضے میں کر لیا' بعدازاں وہاں ایک اژدھا رہنے لگا' اس کا سر بزغالہ جیسا تھا' پیٹ سفید اور پشت سیاہ تھی' وہاں وہ پانچ سو سال تک رہا یہ وہی اژدھا ہے جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے۔

ابو وہب کا کلام...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں قریش نے جب کعبہ کے سمار اور اس کی تجدید و مرمت کا ارادہ کر لیا تو ابو وہب عمرو بن عابد بن عبد بن عمران بن مخزوم (بقول ابن ہشام عابد بن عمران بن مخزوم) نے کعبہ کی دیوار سے پتھر پکڑا تو وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنی جگہ پر جا لگا' یہ منظر دیکھ کر اس نے کہا' اے معشر قریش! اس کی تعمیر میں حلال مال صرف کرو' اس میں زنا سود اور ظلم و عدوان کی رقم شامل نہ ہو۔ مؤرخ یہ کلام ولید بن مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ابن اسحاق کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہ ابو وہب کا مقولہ ہے' ابو وہب رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ کے ماموں تھے یہ نہایت شریف اور قابل تعریف تھے۔

تعمیر کی تقسیم......ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے کعبہ کی عمارت کو باہم تقسیم کر لیا' مشرقی جانب اور دروازے والی دیوار اولا د عبد مناف اور زہرہ کے حصہ میں آئی' حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان والی دیوار بنی مخزوم کے حصہ میں آئی اور باقی ماندہ قریش کے حصہ میں آئی' غربی جانب بنی جمح اور سہم کے حصہ میں آئی' حطیم والی دیوار بنی عبدالدار بن قصی اور بنی اسد بن عبدالعزیٰ اور بنی عدی بن کعب کے ذمہ لگی۔ پھر لوگ کعبہ کو مسمار کرنے سے ڈرتے تھے' ولید بن مغیرہ نے کہا' یہ عمل میں شروع کرتا ہوں چنانچہ اس نے کدال پکڑ کر کہا (اللھم لم ترع) اے اللہ! ہمارا ارادہ نیک ہے' پھر اس نے حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان والا حصہ مسمار کر دیا لوگ رات بھر منتظر رہے' اگر ولید بن مغیرہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو ہم شکستہ دیوار مرمت کر دیں گے ورنہ اپنا کام جاری رکھیں گے کہ یہ اللہ کی رضا کا مظہر ہے' چنانچہ صبح سویرے ولید اپنے کام پر آ گیا اور باقی لوگ بھی اس کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ دیواریں توڑتے اور بنیاد کھودتے ہوئے اساس ابراہیم علیہ السلام تک پہنچ گئے تو سبز رنگ کے پتھر نمودار ہوئے' نیزوں (اسنہ) کی طرح ایک دوسرے سے پیوستہ صحیح بخاری کی روایت یزید بن رومان میں ہے کاسنمۃ الابل۔ اونٹوں کی کوہانوں کی طرح۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیرت ابن ہشام کی روایت میں وہم ہے' واللہ اعلم۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مسمار کرنے والوں میں سے کسی قریشی نے دو پتھروں کے درمیان اکھیڑنے کیلئے کدال داخل کی تو پتھر میں حرکت ہوئی اور سارا مکہ لرز اٹھا چنانچہ وہ مزید کھودنے سے رک گئے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قریش کے عمر رسیدہ لوگ ذکر کرتے ہیں کہ ابراہیمی اساس تک کھود کر لوگ رک گئے تو لاعلمی سے کسی قریشی نے اساس ابراہیم کا ایک پتھر کھود ڈالا تو اس سے ایک روشنی نمودار ہوئی قریب تھا کہ اس کی بینائی ختم ہو جاتی وہ پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنے مقام پر خود پیوست ہو گیا' وہ آدمی اور باقی عملہ سب گھبرا گئے' کھودا ہوا پتھر اپنے رخنے پر پیوست ہو گیا تو وہ اپنے کام پر واپس آئے اور کہنے لگے کہ اس پتھر کے لیول پر بنیاد رہنے دو۔

کتبے......ابن اسحاق کہتے ہیں قریش نے رکن یمانی میں ایک کتبہ پایا جو سریانی زبان میں تحریر تھا' وہ اس کے مندرجات کو پڑھ نہ سکے تو ایک یہودی عالم نے پڑھا۔ اس کا مضمون یہ ہے' میں اللہ ہوں' مالک مکہ' میں نے زمین و زمان کی تخلیق اور شمس و قمر کی تخلیق کے روز اس کو پیدا کیا ہے اور سات ملائکہ کے پروں سے اس کو ڈھانپ دیا ہے۔ جب تک اس کے پہاڑ قائم ہیں وہ بھی قائم ہے اس کا پانی اور دودھ اہل مکہ کے لئے بابرکت ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم میں بھی ایک کتبہ موجود تھا اس کا مضمون ہے حرم مکہ میں پانی یا رزق تین رستوں سے آتا ہے۔

لیث بن ابی سلیم کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۴۰ سال قبل ایک کتبہ ملا اس میں درج تھا' جو نیکی بوئے گا' مسرت حاصل کرے گا' جو برائی بوئیگا ندامت پائے گا' عمل برے کریں' بدلہ نیک پائیں کیا ممکن ہے؟ ہاں جیسے خار دار درخت سے انگور حاصل کرنا۔

سعید اموی معتمر بن سلیمان رقی' عبداللہ بن بشر زہری سے مرفوع بیان کرتے ہیں' مقام ابراہیم میں سے تین تختیاں اور کتبے پائے گئے (۱) انی انا اللہ ذو بکہ صنعتھا یوم صنعت الشمس والقمر وحففتھا بسبعۃ املاک حنفاء وبارکت لا ھلھا فی اللحم واللبن (اس کا ترجمہ ابھی گزر چکا ہے) (۲) انی انا اللہ ذو بکہ میں نے خیر و شر اور اپنی تقدیر کو پیدا کیا' (۳) مبارک ہے نیک اعمال کرنے والا شخص' حسرت و افسوس ہے بدکردار کے لئے۔

حجر اسود کے بارے میں نزاع اور اس کا حل......ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سب قبائل نے کعبہ کی تعمیر کے لئے اپنے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر لئے تھے جب دیوار حجر اسود کے مقام کے برابر ہو گئی تو حجر اسود کے نصب کرنے میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا' ہر قبیلہ یہ سعادت حاصل کرنے کا خواہشمند تھا' حالات اس قدر کشیدہ ہو گئے کہ لڑائی تک نوبت آ پہنچی بنی عبدالدار اور بنی عدی بن کعب نے اسی لڑائی میں مر مٹنے کا معاہدہ کر لیا اور خون سے بھرے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر اپنی جان پر کھیل جانے کا عہد و پیمان کیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام "لعقۃ الدم" (خونخوار) پڑ گیا۔ اسی مسئلہ میں چار پانچ دن گزر گئے بالآخر بیت اللہ میں اکٹھے ہو کر "بیک از شوریٰ" ایک انصاف پر مبنی فیصلہ کیا جو کہ بعض روایات میں ہے کہ ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم جو ان سب لوگوں میں سب سے عمر رسیدہ تھا' نے کہا' اے قریش کے لوگو! اس جھگڑے میں تم یہ تجویز کرو کہ جو صاحب اس دروازے سے پہلے داخل ہو وہی تمہارا قاضی اور جج ہو' چنانچہ وہ سب اس بات پر راضی ہو گئے' چنانچہ سب سے پہلے آنے والے رسول اللہ

ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو آتے دیکھ کر کہنے لگے اس "امین" کو ہم سب نے پسند کر لیا' یہ محمد ﷺ ہیں جب آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' "هلموا الى ثوبا" (ایک کپڑا لاؤ) جب وہ کپڑا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں حجر اسود رکھ کر کہا ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کونہ تھام لے پھر سب اوپر کو اٹھاؤ جب وہ اوپر پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر نصب کر دیا' قریش رسول اللہ ﷺ کو اس سے پہلے بھی "امین" کے نام سے پکارتے تھے۔

سائب بن عبداللہ کا بیان......امام احمد (عبدالصمد' ابویزید ثابت' ہلال بن حبان' مجاہد) مولاہ سائب بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں (کہ وہ کعبہ کے معماروں میں شامل تھا) وہ کہتا ہے کہ میں نے پوجا پاٹ کے لئے ایک پتھر تراش رکھا تھا' میں اس پر بچا کھچا دودھ ڈال دیتا' کتا چاٹنے کے بعد اس پر پیشاب کر دیتا) جب کعبہ کی عمارت حجر اسود کے برابر پہنچی حجر اسود آدمی کے سر کے موافق تھا وہ باقی پتھروں میں سے ایسا ممتاز تھا کہ آدمی کا اس سے چہرہ نظر آتا تھا' قریش کے ایک خاندان نے کہا' ہم اسے نصب کریں گے باقی قبائل نے کہا تم نہیں ہم نصب کریں گے بالآخر انہوں نے کہا ایک جج مقرر کرو جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ پہلا شخص جو اس راستہ سے آئے گا وہی ہمارا جج ہوگا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو وہ آپ ﷺ کو آتا دیکھ کر کہنے لگے' "امین آگئے" انہوں نے سارا ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے اس کو ایک کپڑے میں رکھ کر سب کو بلایا انہوں نے اٹھایا تو آپ ﷺ نے پکڑ کر نصب کر دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کے عہد نبوی ﷺ میں کعبہ کا طول ۱۸ ہاتھ تھا' اس کا غلاف قباطی ہوتا تھا' پھر پردہ برود چادر کا اور سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے ریشمی غلاف چڑھایا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شمالی جانب شام کی طرف ابراہیمی اساس سے چھ یا سات ہاتھ اخراجات کی کمی کے باعث "حطیم" کو کعبۃ اللہ عمارت سے خارج کر دیا تھا مشرقی جانب ایک دروازہ رکھا اور اس کو آدمی کے قد کے مطابق اونچا رکھا کہ بغیر ان کے کوئی اندر نہ جا سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اخراجات کی کمی کے باعث قریش نے (حطیم کو کعبہ کی عمارت سے الگ کر دیا تھا) اگر قریش نئے نئے مسلمان نہ ہوئے ہوتے تو میں کعبہ کو مسمار کر کے اس عمارت میں حطیم داخل کر دیتا اور اس کے شرقی اور غربی جانب دروازے بنا دیتا۔

اسی وجہ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ (۳۰ھ) نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق کعبۃ اللہ تعمیر کرایا اور ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنیاد پر بہترین عالی شان عمارت تعمیر ہوگئی۔ زمین سے ملحق اس کے شرقی غربی دو دروازے تھے لوگ ایک میں سے اندر آتے دوسرے سے باہر نکل جاتے۔ ۷۳ھ میں جب حجاج بن یوسف نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ یہ تعمیر ابن زبیر کی ذاتی اختراع ہے' چنانچہ اس نے کعبہ کی عمارت پرانی حالت میں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ حسب حکم انہوں نے شامی سمت کی دیوار کو پیچھے ہٹا کر حطیم کو چھوڑ دیا اور اس کا ملبہ عمارت کے اندر بھر دیا' غربی دروازہ بند کر کے شرقی دروازہ بلند کر دیا' مہدی یا منصور نے اپنے عہد خلافت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ طلب کیا کہ اسے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی عمارت کے مطابق تعمیر کر دیا جائے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا' کہ امراء و خلفا اسے کھلونا بنالیں گے' چنانچہ اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ لہذا حجاج کی تعمیر ہی اب تک باقی ہے۔ (لیکن عمارت کعبہ کی توسیع وتزیین کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ از مترجم)

کعبہ کے گرد ونواح میں سب سے پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے توسیع کی' لوگوں سے مکانات خرید کر مسمار کر دیئے اور مسجد میں شامل کر دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں مزید توسیع کی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے توسیع تو نہیں کی لیکن اس کی عمارت کو مضبوط اور خوبصورت بنا دیا اور اس میں متعدد دروازے بنا دیئے اور عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد خلافت میں حجاج کی زیر نگرانی دیواروں کو اونچا کرایا اور کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت (۲/۱۲۷) کی تفسیر کے تحت ہم نے تعمیر کعبہ کا قصہ بالاستیعاب بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ تعمیر کعبہ سے فراغت کے بعد زبیر بن عبدالمطلب نے اژدھا اور اس سے خوف وخطرہ کے بارے چند اشعار کہے:

عجبت لما تصوبت العقاب
الی الشعبان و هی لها اضطراب
و قد کانت تکون لها کشیش
و احیانا یکون لها وثاب
اذا قمنا الی التأسیس شدت
تهیبنا البناء و قد نهاب
فلما ان خشینا الزجر جاءت
عقاب تتلئب لها انصباب
فضمتها الیها ثم خلت
لنا البنیان لیس لها حجاب

''شاہین کے اژدھا پر جھپٹنے سے مجھے تعجب ہوا اور وہ اس کے لئے بے قرار تھا۔ کبھی اچھلتا تھا۔ جب ہم سنگ بنیاد کے لئے آگے بڑھتے تو وہ ہمیں تعمیر سے ڈراتا اور ہم ڈر جاتے۔ جب ہم زجر و عتاب سے خوفزدہ ہوئے تو شاہین پرندہ اس کی طرف سیدھا لپکا۔ اور اس نے اچک لیا پھر اساس کعبہ اس سے خالی ہوگئی اس کے لئے اب کوئی حجاب نہ تھا''۔

فقمنا حاشدین الی بناء
لنا منه القواعد و التراب
غداة یرفع التأسیس منه
و لیس علی مساوینا ثیاب
أعزبه الملیک بنی لؤی
فلیس لاصله منهم ذهاب
وقد حشدت هناک بنو عدی
ومرة قد اتقدمها کلاب
فبوأنا الملیک بذاک عزاً
و عند اللہ یلتمس الثواب

''ہم سب اس کی تعمیر کے لئے جمع ہو گئے ہم اس کی بنیادیں اور مٹی درست کر رہے تھے۔ جب اس کی بنیاد بلند کی جا رہی تھی ہم برہنہ تھے شرم گاہیں کھلی تھیں۔ اللہ نے بنی لوی کو اس کے باعث عزت بخشی ہے۔ یہ ان کے ہاتھ سے کبھی نہ جائے گی۔ وہاں بنی عدی مرہ اور کلاب سب قبائل جمع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی کی بدولت بخشی ہے اور اللہ کے ہاں ہی ثواب کا التماس ہے''۔

قریش کی باطل رسومات...... ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ قریش خود کو ''حمس'' کہتے تھے یعنی دین میں نہایت متشدد اور کٹر متعصب تھے انہوں نے کچھ رسوم ایجاد کی تھیں کہ حرم کی وہ بے حد تعظیم کرتے تھے اسی باعث وہ دوران حج عرفات میں نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم کے باشندے ہیں۔ بیت اللہ کے رہائشی ہیں حالانکہ وہ مانتے تھے کہ قیام عرفہ حج کے ارکان میں سے ہے دودھ سے پنیر اور گھی نہ بناتے تھے اور نہ ہی حرم میں چربی پگھلاتے تھے بالوں کے خیمہ میں نہ بیٹھتے تھے اگر سایہ میں بیٹھنے کی ضرورت ہوتی تو چرمی خیمہ میں بیٹھتے تھے حج اور عمرہ کرنے والوں پر وہ پابندی لگاتے تھے کہ صرف قریش کا کھانا کھائیں اور قریشیوں کے لباس میں ملبوس ہو کر طواف کریں اگر قریش کا لباس میسر نہ ہو سکے تو سب مرد و زن برہنہ طواف

کریں عورت برہنہ طواف کرتی تو شرم گاہ پر ہاتھ رکھ کر کہتی:

اليوم يبدو بعضه أو كله　　　وبعد هذا اليوم لا أحله

''آج جسم کا کل یا جز ظاہر ہوگا' لیکن اس کے بعد میں اس برہنہ پن کو روا نہیں سمجھتی''۔

اگر کوئی اپنے لباس میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد اس پر لازم تھا کہ وہ لباس کو اتار پھینکے' کسی کو اس لباس کا استعمال کرنیکی اجازت نہ تھی' عرب اس ''اترن'' کو ''لقی'' کہتے تھے' کسی شاعر نے اپنے اشعار میں یوں کہا ہے:

كفى حزنا كرى عليه كانه　　　لقى بين أيدى الطائفين حريم

(ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش اپنی ان ایجادات واختراعات کے پابند تھے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور قرآن میں آیا (ثم افيضوا من حيث افاض الناس واستغفروا الله ان الله غفور رحيم) ''کہ عرفات جہاں سے باقی لوگ لوٹتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ لوٹو اللہ سے مغفرت طلب کرو۔وہ معاف کرنے والا ہے اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول ﷺ قبل از بعثت اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے عرفات قیام کیا کرتے تھے۔لباس اور طعام کی پابندی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی (۷/۳۱) ''اے اولاد آدم! ہر مسجد میں جاتے وقت اپنا بناؤ سنگھار کرو' کھاؤ' پیو اور اڑاؤ نہیں کیونکہ اللہ فضول خرچ اور اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اے پیغمبر ان سے پوچھ اللہ تعالیٰ نے جو زینت اور بناؤ اپنے بندوں کے لئے نکالا اور پیدا کیا ہے اور کھانے پینے کی ستھری چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟'' زیاد بکائی ابن اسحاق سے بیان کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ ایجادات قریش نے واقعہ فیل سے قبل شروع کی تھیں یا بعد؟

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور چند بشارات کا ذکر

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ علماء یہود' راہبان نصاریٰ اور کاہنان عرب رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر کیا کرتے تھے' یہود ونصاریٰ کا ماخذ تو آسمانی کتابیں تھیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی صفات وعلامات مذکور تھیں اور سابقہ انبیا علیہ السلام سے آپ ﷺ کے بارے میں جو عہد لیا گیا تھا وہ بھی موجود تھا (الاعراف ۷/۱۵۷) میں ہے' یہ لوگ وہ ہیں جو اس پیغمبر ان پڑھ نبی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تو رات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔(الصف ۶۱/۶) میں ہے' اے پیغمبر ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جب عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام نے کہا' اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں مجھ سے پہلے جو تورات اتر چکی ہے اس کو سچ بتاتا ہوں اور ایک پیغمبر کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا' اس کا نام احمد ہوگا۔(الفتح ۴۸/۲۹) میں ہے محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہیں سخت ہیں اوپر کفار کے' اور آپس میں رحمدل ہیں' دیکھتا ہے تو ان کو' کبھی رکوع کر رہے ہیں' کبھی سجدہ کر رہے ہیں' اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کی فکر میں رہتے ہیں ان کی نشانی ان کے منہ پر ہے یعنی سجدہ کی نشانی' یہ تو ان کا حال تورات میں بیان ہوا ہے اور انجیل میں (آل عمران ۳/۸۱) میں ہے' اے پیغمبر ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ' جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اقرار لیا کہ میں جو تم کو کتاب اور شریعت دوں تو اگر کوئی رسول ایسا آئے جو تمہاری کتاب کو سچ بتائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا' پوچھا کیا تم نے یہ اقرار کیا اور میرے اس عہد کو قبول کر لیا' انہوں نے عرض کیا ہم نے اقرار کر لیا فرمایا' دیکھو گواہ رہو' ایک دوسرے پر میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں' ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے دعا کی تھی۔(البقرہ ۲/۱۲۹) پروردگار! ہمارے اس گروہ میں انہی سے ایک پیغمبر بھیج جو تیری آیتیں پڑھ کر ان کو سنائے اور قرآن وحدیث کو سکھلائے۔

رسالت سے علامات نبوت...... امام احمد (ابوالنضر' فرج بن فضالہ' لقمان بن عامر) ابوامامہ سے روایت کرتے ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی بعثت کا آغاز کس طرح ہوا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور والدہ کا خواب

ہوں کہ ان کے جسم سے ایک نور ظاہر ہوا' جس سے شام کے محلات منور ہو گئے ...... محمد بن اسحاق ثور بن یزید خالد بن معدان' صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی روایت بیان کرتے ہیں...... اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کا لوگوں میں ذکر خیر جاری کیا۔ آپ ﷺ کی صفات وعلامات کی شہرت کو زبان زد عام کیا' آپ ﷺ اس ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں جو ابوالانبیاء ہیں اور جن کی طرف سارے عرب منسوب ہیں۔ آپ ﷺ انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں' اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ ﷺ کے درمیان جتنے انبیاء علیہ السلام تھے سب نے آپ ﷺ کی بشارت سنائی۔

نبوت سے سرفرازی...... ملاء اعلیٰ میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت مشہور تھی اور تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے بھی آپ ﷺ کی نبوت آشکارا تھی جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرباض بن ساریہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میں اسوقت سے اللہ کا بندہ ہوں' خاتم الانبیاء ہوں' آدم علیہ السلام ابھی تک پانی ومٹی میں تھے (یعنی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ از مترجم) میں آپ کو اس آغاز کی تفصیل بتاتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ آمنہ کا خواب ہوں' اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں' دوسری سند میں ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ایک خواب دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔

امام احمد (عبدالرحمان' منصور بن سعد بن بدیل بن میسرہ' عبداللہ بن شقیق) میسرۃ الفجر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کب نبوت سے سرفراز ہوئے؟ فرمایا'' میں اس وقت نبوت سے سرفراز ہوا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے'' (ان تین روایات میں امام احمد منفرد ہیں) ''دلائل نبوۃ'' میں ابن شاہین (عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز' ابوالقاسم بغوی' ابو ہمام ولید بن مسلم' اوزاعی' یحییٰ' ابوسلمہ) ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت ہوا' آپ ﷺ کو کب نبوت عطا ہوئی' فرمایا اس وقت ہوئی جب آدم علیہ السلام ابھی تخلیق کے مرحلہ میں تھے (بین خلق آدم و نفخ الروح فیه) اوزاعی سے یہ سند دیگر مروی ہے (و آدم منجدل فی طینته) امام بغوی نے (احمد بن مقدام' بقیہ بن سعید بن بشیر' قتادہ) ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً (و اذا اخذنا من النبیین میثا قهم و منک و من نوح) (الاحزاب ۔ ۷) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب انبیاء علیہ السلام سے تخلیق کے لحاظ سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخر ہوں۔ ابو مزاحم' قیس بن ربیع' جابر' شعبی' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو کب نبوت عطا ہوئی؟ فرمایا: ''و آدم بین الروح و الجسد'' کاہنان عرب کے پاس جنات وشیاطین کچھ آسمان سے چوری چھپے سن کر آتے تھے' اس وقت ستاروں سے شعلے نہیں برسائے جاتے تھے۔ کاہن مرد اور عورت کی جانب سے آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں کچھ نہ کچھ ذکر ہوتا رہتا تھا۔ لیکن عرب اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے' حتیٰ کہ آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور وہ واقعات نمودار ہوئے جن کا وہ آپس میں تذکرہ کرتے رہتے تھے تو وہ ان باتوں کو سمجھ گئے۔

آسمانی خبروں کی حفاظت...... جب آپ ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو جنات وشیاطین کو آسمانی خبروں کے سننے سے روک دیا گیا' جن مقامات میں بیٹھ کر وہ یہ خبریں سنا کرتے تھے جب ان مقامات پر ستاروں کے شعلے پھینکے گئے' تو جنات وشیاطین سمجھ گئے کہ یہ انتظامات کسی نئے واقعہ کا پیش خیمہ ہیں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ عزوجل نے (سورۂ جن' ۲/۷۲) نازل فرمائی اور (سورۂ احقاف ۲۹/۴۶) میں بھی اس واقعہ کی تصریح فرمائی ہے' ہم تفسیر میں یہ بالاستیعاب بیان کر چکے ہیں۔

سب سے پہلے ثقیف قبیلہ ستاروں کے ٹوٹنے سے آگاہ ہوا...... محمد بن اسحاق' یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس سے بیان کرتے ہیں کہ عرب میں سب سے پہلے ثقیف قبیلہ ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے سے پریشان ہوا اور وہ عمرو بن امیہ کے از بنی علاج جو بڑا شاطر اور چالاک آدمی تھا' کے پاس آئے اور اس سے کہا' کیا آپ کو آسمان پر ایک نئے حادثہ کا علم نہیں ہے؟ کہ وہاں سے آگ کے شعلے برسائے جاتے ہیں' اس نے کہا کیوں نہیں ہاں! غور کرو اگر وہ ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہیں جو بحر و بر خشکی اور پانی میں راہنمائی کا کام دیتے ہیں اور ضروریات زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں تو واللہ! یہ دنیا کی ہلاکت اور بربادی کی علامت ہے اور اگر اس کے علاوہ ستاروں سے شعلے برسائے جاتے ہیں تو یہ کسی نئے حادثے کا پیش

خیمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے (معلوم نہیں) وہ کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے کسی اہل علم نے بتایا کہ بنی سہم کی ایک کاہنہ عورت تھی' جس کا نام "غیطلہ" تھا' اس کے پاس ایک رات اس کا ہمزاد جن آیا اور وہ اس کے بستر کے نیچے آ کر کہنے لگا اد مااد ریوم عقر ونحر (جانتا ہوں میں کیا جانتا ہوں' ہلاکت اور ذبح کا دن)۔ جب قریش کو اس بات کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے' اس کا کیا مطلب ہے؟ دوسری رات پھر آیا تو اس نے کہا شعوب ماشعوب' تصرع فیہ کعب الجنوب (قبائل و خاندان کیا ہیں۔ اس میں بڑے بڑے رئیس ہلاک ہوں گے) جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو پھر کہنے لگے اس کا کیا مقصد ہے؟ یہ کسی حادثے کا پیش خیمہ ہے' دیکھو کیا ہوتا ہے؟ جنگ بدر اور احد ہوا تو ان کو اس صدائے غیب کا مفہوم خود بخود سمجھ آ گیا۔

جنب کے کاہن کا واقعہ...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے علی بن نافع جرشی نے بتایا کہ جنب کے ایک یمنی خاندان کا کاہن تھا' رسول اللہ ﷺ کا عرب میں جب ذکر خیر عام ہوا تو وہ اس کاہن کے پاس اس کی رہائش گاہ کے نیچے جمع ہوئے اور وہ ان کے پاس طلوع آفتاب کے وقت آیا تو اس سے کہا کہ اس رسول ﷺ کے بارے میں بتاؤ تو وہ اپنی کمان پر ٹیک لگائے' آسمان کی طرف نظر اٹھائے دیر تک کھڑا رہا' پھر وہ اچھلنے کودنے لگا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو برگزیدہ اور منتخب فرما لیا ہے اس کے دل کو پاک صاف کر دیا ہے' اور اس کو حکمت و دانائی سے لبریز کر دیا ہے۔ لوگو! تم میں ان کا قیام قلیل عرصہ ہے۔ پھر وہ پہاڑ پر چڑھ گیا (سواد بن قارب کا قصہ ہم عنقریب بیان کریں گے' جو ابن اسحاق نے اس مقام پر بیان کیا ہے۔)

بت پرست' یہود اور اسلام کی آمد...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے قوم کے چند افراد کی معرفت بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و راہنمائی کے علاوہ ہمارے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ہم بت پرست تھے اور یہود اہل کتاب تھے' صاحب علوم و عرفان تھے' ہم ان سے برسر پیکار رہتے تھے۔ جب ہم ان کو تکلیف پہنچاتے تو وہ کہتے "کہ ایک نبی کی بعثت کا وقت قریب آ چکا ہے' ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے" یہ فقرہ ہم ان سے بکثرت سنتے رہتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے ہم کو اللہ کے دین کی طرف بلایا تو ہم نے قبول کر لیا اور ہم سمجھ گئے کہ وہ لوگ اس نبی کی دھمکیاں دیا کرتے تھے ہم مسلمان ہو گئے اور وہ کفر پر بضد رہے۔ اسی سلسلہ میں (البقرہ ۲/۸۹) آیت نازل ہوئی اور جب اللہ کی طرف سے ایک کتاب ان کے پاس آئی جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس تھی اور اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں اس کی مدد مانگا کرتے تھے جب وہ چیز آ گئی جس کو پہچان چکے تھے تو لگے اس کا انکار کرنے" ورقاء' ابن ابی نجیح کی معرفت علی ازدی سے روایت کرتے ہیں کہ یہود دعا کیا کرتے تھے **اللّٰھم ابعث لنا ھذا النبی یحکم بیننا وبین الناس یستفتحون به ای یستنصرون به**...... رواہ بیہقی' یا اللہ اس نبی کو مبعوث کر' جو ہمارے اور لوگوں کے درمیان جج ہو فیصلہ کرنے والا ہو' ان کے مقابلے میں اس کی مدد مانگا کرتے تھے۔

بحق نبی امی...... بیہقی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ خیبر کے یہود غطفان سے برسر پیکار تھے' جب یہود شکست و ہزیمت سے دوچار ہوئے تو یہ دعا کرتے:

> **اللّٰھم نسئلک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان الا نصرتنا علیھم**
>
> "اے اللہ! ہم بحق نبی امی تجھ سے دعا کرتے ہیں جس کو آخری زمانہ میں مبعوث کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں دشمنوں پر غلبہ اور فتح نصیب کر۔"

چنانچہ جب وہ یہ دعا پڑھ کر غطفان سے جنگ کرتے تو ان کو شکست سے دوچار کر دیتے اور جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اُن کا انکار کر دیا' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

> **و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** (۲/۸۹)
>
> "اور وہ پہلے کافروں کے مقابلے پر فتح طلب کرتے تھے"۔

یہ روایت عطیہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اور عکرمہ سے بھی ابن عباس کا یہ قول مروی ہے۔

سلام بدری اور ایک یہودی کا واقعہ......ابن اسحاق، صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، محمود بن لبید، سلمہ بن سلام بن وقش بدری سے بیان کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل میں ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا (اور میں اس مجلس میں سب سے کم عمر تھا) وہ ایک روز اپنے گھر سے باہر آیا اور ہمارے پاس آ کر حشر نشر قیامت حساب میزان اور جنت و جہنم کا ذکر کرنے لگا' تو بت پرست حاضرین' جو قیامت کے قائل نہ تھے' کہنے لگے' افسوس! کیا قیامت برپا ہوگی؟ 'لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے؟ اور حسب اعمال جنت اور جہنم میں جائیں گے؟ تو اس نے کہا بالکل خدا کی قسم میری خواہش ہے کہ گھر میں بہت بڑا تنور آگ سے گرم کر کے مجھے اس میں بند کر دیا جائے اور میں اس روز کی آگ سے نجات پا جاؤں تو حاضرین نے پوچھا (تیرے لیئے حسرت ہو) اس کی علامت کیا ہے؟ تو اس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے بتایا اس طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا' لوگوں نے پوچھا کب ہوگا تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں ان لوگوں میں کم عمر تھا اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو ان کا زمانہ پالے گا' سلمہ نے کہا واللہ! وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرما دیا' وہ یہودی اب بھی زندہ ہے، ہم مسلمان ہو گئے اور اس نے اپنے حسد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کر دیا چنانچہ ہم نے اسے کہا افسوس! کیا تو نے ہمیں اس روز بتایا نہ تھا' تو اس نے کہا کیوں نہیں' ضرور بتایا تھا مگر یہ نبی وہ نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت از یعقوب از ابیہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کی ہے اور حافظ بیہقی نے حاکم سے بہ سند یونس بن بکیر۔

یوشع یہودی......دلائل میں ابونعیم' محمد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ محلہ بنی عبدالاشہل میں صرف ایک یوشع یہودی رہتا تھا' میں نے اس سے سنا' میں اس وقت کم عمر بچہ تھا کہ بیت اللہ کی جانب سے ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے (پھر اس نے مکہ کی طرف اشارہ کیا) جو شخص اس کا مبارک زمانہ پائے وہ اس پر ایمان لائے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا' ہم ایمان لائے۔ اور وہ یہودی ہمارے ہاں آباد ہے' لیکن اپنے حسد اور عناد کی وجہ سے اپنے کفر پر قائم ہے۔ اس سے پہلے ہم حدیث ابی سعید از ابیہ میں اس یوشع کا بیان نقل کر چکے ہیں اور زبیر بن باطا کی روایت بھی مولد رسول میں ذکر کر چکے ہیں جو حاکم نے بیان کی' بیہقی' یونس بن بکیر سے۔

ابن ہیان یہودی......ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بنی قریظہ کے کسی شیخ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کیا مجھے ثعلبہ بن سعید' اسید بن سعید اور اسد بن عبید از بنی ہدل برادران بنی قریظہ کے اسلام کے بارے کچھ معلوم ہے؟ اسلام سے پہلے ہمارے ساتھ تھے اور اب مسلمانوں میں ان کا سادات میں شمار ہوتا ہے' میں نے کہا جی نہیں' تو اس نے کہا کہ علاقہ شام سے ایک یہودی' ابن ہیان ہمارے پاس اسلام کے ظہور سے چند سال قبل آیا ہمارے ہاں مقیم ہوا' واللہ! وہ یہود میں بہت بڑا عابد اور زاہد تھا۔ قحط سالی میں ہم اس سے عرض کرتے جناب تشریف لائیے' بارش کی دعا کیجیے' تو وہ کہتا' میدان میں دعا کے لئے جانے سے پہلے صدقہ و خیرات کرو' ہم پوچھتے کتنا؟ تو وہ کہتا کھجور کا ایک صاع یا جو کے مد' چنانچہ وہ صدقہ کر دیتے تو میدان میں آ کر بارش کی دعا کرتا' واللہ! فوراً بارش ہو جاتی' ایسا واقعہ بارہا ہوا' جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے کہا اے یہود! تم جانتے ہو کہ شراب و کباب اور عیش و عشرت کے علاقہ میں سے نکال کر مجھے خستہ حال اور فقر و فاقہ کے علاقہ میں کون سی چیز کھینچ لائی ہے؟ ہم نے کہا آپ کو ہی معلوم ہوگا؟ تو اس نے کہا میں اس شہر میں اس لئے آیا ہوں کہ میں ایک نبی کے ظہور کا منتظر ہوں' اس کی بعثت کا زمانہ بہت نزدیک آ چکا ہے۔ یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔ میں اس کی بعثت کا امیدوار تھا کہ اس کی اتباع کروں' اس کے ظہور کا وقت بالکل قریب آ چکا ہے اے یہود کے گروہ! کوئی تم سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے' وہ مخالفین کی خون ریزی اور بچوں کی اسیری کے حکم کے ساتھ مبعوث ہوگا' کہیں یہ بات تم کو ان پر ایمان لانے سے مانع نہ ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا تو ان نوجوانوں نے کہا یا بنی قریظہ! یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں ابن ہیان نے تم کو بتایا تھا انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ نہیں ہیں' تو ان کو بتایا' کیوں نہیں؟ واللہ یہ وہی ہے چنانچہ وہ قلعہ سے اتر کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جان و مال اور اہل و عیال کا تحفظ کر لیا' ابن اسحاق کے بقول یہ قصہ یہودی عالموں سے ہمیں معلوم ہوا ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو کریب تبان اسعد' تبع یمنی کا مدینہ کا محاصرہ کرنے کا واقعہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کو دو یہودی

علماء نے بتایا تھا کہ تم اس کو فتح نہیں کر سکتے' کیونکہ یہ نبی آخرالزماں کی ہجرت گاہ ہے' چنانچہ اس پیش گوئی سے اس کا ارادہ بدل گیا۔

زید بن سعید کا اسلام قبول کرنا...... دلائل میں ابونعیم' یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے بتایا کہ قدرت کو جب زید بن سعید کا اسلام قبول کرنا منظور ہوا تو اس نے کہا کہ محمد ﷺ کی ذات میں' میں بجز دو علامات کے سب علامات وصفات سے آگاہ ہو چکا ہوں' اس کی برد باری اور عقل' جہالت پر بڑی غالب ہے' بدسلوکی اور کرختگی ان کے حلم وعقل میں اضافہ کرتی ہے۔ چنانچہ میں آپ ﷺ سے حسن سلوک اور نرمی سے پیش آتا کہ آپ ﷺ کے ساتھ میل ملاپ سے آپ ﷺ کے حلم وجہل کو پرکھ سکوں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک 'مقررہ وقت تک قرضہ دیا' جب قرضہ لوٹا نے کا وقت آ گیا تو میں نے آپ ﷺ کی چادر اور قمیص کے گریبان کو پکڑ کر نہایت سخت چہرے سے آپ ﷺ کو دیکھا (آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک جنازے میں تھے) اور کہا' اے محمد ﷺ! آپ ﷺ میرا قرضہ کیوں نہیں دیتے؟ واللہ اے اولاد عبدالمطلب! تم تو ٹال مٹول کرتے ہو' قرض کی ادائیگی مین خواہ مخواہ دیر لگاتے ہو' میری طرف عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اس کی آنکھیں غصہ کے مارے گھوم رہی تھیں' اس نے کہا' اے اللہ کے دشمن! کیا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی نازیبا حرکت کر رہا ہے۔ واللہ! اگر مجھے ان کی ملامت کا خوف نہ ہوتا تو میں تیرا سر تن سے جدا کر دیتا' رسول اللہ ﷺ نہایت سکون واطمینان سے مسکرا رہے تھے' پھر آپ ﷺ نے فرمایا' اے عمر رضی اللہ عنہ! میں اور وہ کسی اور سلوک کے مستحق تھے' تو مجھے ادائیگی کا مشورہ دیتا اور اس کو حسن طلب اور اچھا طریقہ سے قرض وصول کرنے کا مشورہ دیتا۔ جاؤ اس کا قرض ادا کر دو' اور بیس صاع کھجور مزید دے دو' چنانچہ زید بن سعید مسلمان ہو گیا اور ۹ھ میں غزوہ تبوک والے سال میں فوت ہوا' رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ...... ابن اسحاق' (عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری' محمود بن لبید) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے خود سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ فارس کے علاقہ اصبہان کے نواحی بستی ''جی'' کا باشندہ تھا' میرے والد بستی کے رئیس اور سردار تھے اور میں اسے سب سے پیارا تھا اور بے پناہ محبت کی وجہ سے وہ لڑکیوں کی طرح مجھے گھر میں بند رکھتا تھا اور باہر بھی نہیں جانے دیتا تھا' میں آتش پرستی میں اسی قدر منہمک تھا کہ آتش کدے کا خادم ہو کر رہ گیا۔ کسی وقت بھی آگ بجھنے نہیں دیتا۔ میرے والد کی جاگیر تھی' ایک روز والد صاحب مکان کی تعمیر میں مصروف تھے' مجھے کہا بیٹا! مین آج اس کام میں مصروف ہوں تم جاؤ دیکھ بھال کرو اور فلاں فلاں کام کرنا اور تاکید کی کہ کہیں رکنا نہیں' اگر تم نے دیر کی تو مجھے تشویش لاحق ہو گی کیونکہ تو مجھے جاگیر سے زیادہ عزیز اور پیارا ہے۔ تیرا بروقت نہ آنا مجھے ہر کام سے بیزار اور مشغول کر دے گا۔ چنانچہ میں جاگیر کی طرف روانہ ہو گیا' راستہ میں عیسائیوں کا گرجا تھا' میں نے ان کی آواز سنی' وہ نماز پڑھ رہے تھے' مجھے گھر پر پابند رہنے کی وجہ سے ان کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ میں آواز سن کر اندر چلا گیا کہ دیکھوں تو یہ لوگ کیا کر رہے ہیں' جب میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے ان کی نماز پسند آئی اور مجھے ان کے دین سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور میں نے کہا واللہ! یہ ہمارے دین سے بہتر ہے اور میں غروب آفتاب تک وہیں رہا اور جاگیر پر نہ جا سکا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا تمہارے اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا' شام میں' چنانچہ میں والد کے پاس چلا آیا اور معلوم ہوا کہ اس نے میری تلاش میں کسی کو بھیجا ہے اور میری دیر کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا' بیٹا! اتنی دیر کہاں لگا دی تھی؟ کیا میں نے تجھے تاکید نہیں کی تھی۔ میں نے کہا اباجی! چند لوگ گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے' مجھے ان کی نماز پسند آئی میں مغرب تک وہیں رکا رہا۔

پاؤں میں بیڑیاں...... تو والد نے کہا بیٹا! اس دین میں کوئی خوبی اور کمال نہیں' تیرے آباء واجداد کا دین اس سے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا واللہ! وہ ہمارے دین سے بہتر ہے' چنانچہ جب والد صاحب کو خطرہ پیدا ہو گیا تو اس نے پاؤں میں زنجیر ڈال کر گھر میں بالکل پابند کر دیا اور میں نے عیسائیوں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ جب شام سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے خبر کر دینا چنانچہ جب شام سے قافلہ آیا تو انہوں نے مجھے اطلاع دی' میں نے کہلا بھیجا کہ جب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو جائیں اور واپس جانے لگیں تو مجھے اطلاع کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اطلاع بہم پہنچائی تو میں پاؤں سے زنجیر نکال کر ان کے ساتھ بھاگ کر شام چلا آیا۔

ایک بددیانت عالم کی صحبت ...... میں نے وہاں پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ معلوم ہوا کہ اس گرجہ میں ایک پادری ہے چنانچہ میں اس کے پاس چلا آیا اور اس کو آمد کی وجہ بتائی کہ مجھے آپ کے دین سے دلچسپی ہے میں آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں' میں آپ کی خدمت کروں گا اور تعلیم حاصل کر کے آپ کے ہمراہ نماز پڑھوں گا۔ جب اس نے اجازت دی تو میں اس کے پاس رہنے لگا وہ بدترین قسم کا عالم تھا لوگوں کو صدقات وخیرات کا حکم کرتا وہ صدقہ لاتے تو مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود جمع کر لیتا یہاں تک کہ اس کے پاس سونے چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے' مجھے اس کی بدکرداری کی وجہ سے سخت نفرت سی ہو گئی' پھر وہ فوت ہو گیا تو عیسائی اس کے کفن دفن کے لئے اکٹھے ہوئے تو میں نے ان کو بتایا' یہ بدترین عالم تھا تم کو صدقہ وخیرات کا حکم دیتا اور خود جمع کر لیتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا! تجھے کیسے معلوم ہے؟ میں نے کہا میں اس کا خزانہ بتا سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا' بتاؤ! میں نے جب ان کو دکھایا تو وہ سونے چاندی کے سات مٹکوں پر مشتمل تھا۔ یہ کرتوت دیکھ کر وہ کہنے لگے ہم اس کو دفن نہیں کریں گے چنانچہ اس کی لاش کو سولی پر چڑھایا اور پتھروں سے رجم کر دیا۔

ایک دوسرے عالم کی صحبت ...... پھر ان لوگوں نے ایک نئے عالم کا انتخاب کیا اور یہ گرجا اس کے سپرد کر دیا' سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان سے بہتر کوئی عالم نہیں دیکھا' وہ بڑا عابد اور زاہد تھا' آخرت کی خوب رغبت رکھتا تھا' شب و روز عبادت میں مشغول رہتا تھا' مجھے اس سے بے پناہ محبت ہو گئی ایسی محبت میں نے کسی سے نہ کی تھی' میں عرصہ دراز تک اس کے ساتھ رہا اور جب اس کی وفات کا وقت آ گیا تو میں نے عرض کیا میں آپ کی خدمت میں رہا ہوں مجھے آپ سے شدید محبت اور عقیدت ہے۔ ایسی محبت والفت شاید ہی کسی سے ہو۔ اب آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے' آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کس بات کا حکم فرماتے ہیں؟ اس نے کہا' بیٹا! واللہ! مجھے معلوم نہیں کہ آج کوئی میرے عقیدے کا پابند ہو' اچھے لوگ تو چلے گئے اور اب لوگوں نے دین میں تبدیلی پیدا کر لی ہے اور اصل عقائد کو ترک کر دیا ہے۔ ہاں ایک شخص موصل میں میرے عقائد کا حامل ہے' تم اس کے پاس چلے جاؤ' چنانچہ جب وہ فوت ہوا تو میں اس کے کفن دفن سے فارغ ہو کر موصل کے عالم کے پاس چلا گیا۔

موصل میں قیام ...... میں نے موصل پہنچ کر اس عالم کو فوت ہونے والے عالم کی وصیت بتائی کہ اس نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیت کی تھی اور بتایا کہ آپ ان کے عقائد کے حامل ہیں اس نے مجھے اپنے پاس قیام کی اجازت دے دی' میں نے ان کے پاس رہائش اختیار کر لی' واقعی وہ بہت اچھا انسان تھا اور مرحوم کے عقائد کا حامل تھا۔ مجھے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ان کے وصال کا وقت بھی قریب آ گیا' میں نے عرض کیا' حضور! مرحوم نے مجھے آپ کی خدمت میں حاضری کا حکم فرمایا تھا اب آپ بھی بستر مرگ پر ہیں آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا ارشاد فرماتے ہیں' اس نے کہا بیٹا! واللہ! ہمارے عقائد کے حامل لوگ اب نہیں رہے' ہاں فلاں عالم نصیبین میں ہے آپ اس کے پاس چلے جاتا تو میں ان کے کفن دفن کے بعد نصیبین چلا آیا۔

نصیبین میں قیام ...... نصیبین پہنچ کر میں نے نصیبین کے عالم کو اپنا قصہ سنایا اور سابقہ دونوں مرحومین کا ارشاد سنایا تو اس نے مجھے اپنے پاس قیام کی اجازت دے دی' میں اس کے پاس رہنے لگا' وہ عالم بھی دونوں فوت شدہ علماء کی مانند تھا' میں اس کے پاس عرصہ تک رہا' وہ بہترین عالم تھا' اس کا بھی موت کا وقت قریب آ گیا تو میں نے التجا کی' جناب! میں حسب وصیت آپ کی خدمت میں حاضر تھا' اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ تو اس نے کہا بیٹا! واللہ! میرے علم میں اب کوئی ہمارے عقائد کا حامل نہیں رہا جس کے پاس میں تمہیں بھیجوں البتہ ایک عالم روم کے علاقے عموریہ میں ہے وہ ہمارے عقائد کا پابند ہے۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کو سپرد خاک کرنے کے بعد میں نے عموریہ کی طرف رخت سفر باندھا۔

عموریہ میں رہائش ...... عموریہ پہنچ کر میں نے یہاں کے عالم کو اپنی سرگزشت سنائی تو مجھے قیام کی اجازت عنایت فرما دی میں وہاں مقیم ہو گیا' وہ بہترین عالم تھا' اپنے پیشرو علماء کی طرح عابد اور زاہد تھا' میں نے وہاں کاروبار کر کے کچھ گائیں اور بکریاں حاصل کر لیں۔ ان کی بھی موت قریب آ

گئی تو میں نے عرض کیا میں چند علماء کی خدمت میں رہا ہوں انہوں نے مجھے وصیت کی' میں ان کی وصیت پر عمل کرتا رہا' اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اس نے کہا بیٹا! واللہ میرے علم میں آج کوئی ہمارے عقائد پر قائم نہیں ہے' جس کے پاس میں آپ کو بھیجوں' ہاں البتہ ایک بات تمہیں بتاتا ہوں کہ نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آچکا ہے' وہ ابراہیم کے دین کے ساتھ مبعوث ہوگا' عرب میں ظہور پذیر ہوگا۔ اس کا مقام ہجرت دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے' وہاں کھجور کے باغات ہیں' اس کی علامات مخفی اور پنہاں نہیں وہ تحفہ اور ہدیہ کھالیتا ہے' اور صدقہ کے مال سے اجتناب کرتا ہے' اس کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت ثبت ہے اگر وہاں جاسکو تو چلے جانا۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر وہ بھی آغوش میں چلا گیا اور اسے دفن کر دیا گیا تو میں نے عموریہ کچھ عرصہ قیام کیا۔

کلب کی غداری ...... وہاں عموریہ میں کلب قبیلہ کا ایک تجارتی قافلہ آیا' میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ ''عرب'' میں لے چلو' میں آپ کو یہ گائیں اور بکریاں اجرت میں دے دوں گا۔ انہوں نے یہ بات منظور کر لی میں نے ان کو یہ مال دے دیا اور وہ اپنے ہمراہ مجھے لے آئے جب ''وادی القریٰ'' میں پہنچے تو انہوں نے مجھ پر بڑا ظلم ڈھایا اور ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا' میں اس کے پاس رہنے لگا اور وہاں کھجور کے باغات کو دیکھ کر امید ہوئی کہ یہ وہی شہر ہے جس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے' لیکن پختہ یقین پھر بھی نہ ہوا۔

وادی القریٰ ...... میں وادی القریٰ میں اس یہودی کے پاس مقیم تھا' کہ اس کا بھتیجا اور چچازاد بھائی' یکے از بنی قریظہ مدینہ سے آیا اس نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آیا' واللہ! میں اس شہر کو دیکھ کر ہی پہچان گیا کہ واقعی یہ وہی شہر ہے۔

مدینہ طیبہ میں قیام ...... میں وہاں مدینہ میں مقیم تھا' رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور مکہ مکرمہ میں مقیم رہے' میں غلامی کی مصروفیات کی وجہ سے آپ ﷺ کے متعلق کچھ نہ جان سکا' پھر آپ مدینہ کی طرف عازم ہجرت ہوئے آپ وہاں پہنچے تو میں اپنے آقا کے کھجور کے درخت کی چوٹی پر کام کر رہا تھا' میرا آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے بھتیجے نے آکر بتایا جناب! اللہ بنی قیلہ' اوس اور خزرج کو غارت کرے! وہ اب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہو رہے ہیں' جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ سنتے ہی میرے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا' مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اپنے آقا پر گر پڑوں گا' چنانچہ میں فوراً نیچے اتر آیا' میں آقا کے بھتیجے سے پوچھنے لگا' آپ کیا کہہ رہے تھے؟ کیا بتا رہے تھے؟ یہ سن کر آقا غصہ ہوگیا اور اس نے ایک زور سے طمانچہ مار کر کہا' تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ تو اپنا کام کر' میں نے کہا کچھ نہیں' میں تو محض اس کی بات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

علامات کے ذریعے امتحان ...... سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کچھ کھجوریں جمع کر رکھی تھیں' شام ہوئی یہ تو ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قبا پہنچا' میں حاضر خدمت ہوا تو عرض کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں آپ کے ہمراہ ضرورت مند لوگ ہیں میرے پاس یہ صدقہ ہے' میں آپ کو اس کا حق دار سمجھتا ہوں' میں نے یہ صدقہ آپ کے قریب کیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کھاؤ اور خود نہیں کھایا' میں نے دل میں سوچا یہ ایک علامت تو درست ہے۔ پھر میں چلا آیا اور کچھ کھجوریں جمع کیں' اس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تھے' میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ صدقہ نہیں کھاتے یہ آپ کے لئے تحفہ ہے' چنانچہ آپ نے اس سے تناول فرمالیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بھی کھانے کی دعوت دی' چنانچہ سب نے آپ کے ساتھ وہ تناول فرمایا میں نے دل میں کہا یہ علامات تو بالکل درست ہیں۔

سب سے پہلے مدینہ میں فوت ہونے والا صحابی ...... اس کے بعد میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بقیع الغرقد میں ایک صحابی کے جنازہ میں شریک تھے۔ آپ دو چادریں زیب تن کئے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تشریف فرما تھے' میں نے سلام عرض کیا' اور آپ ﷺ کے پیچھے ہو کر پشت دیکھنے لگا کہ کیا مہر نبوت پشت پر ہے جو مجھے اصحاب عموریہ نے بتائی' جب مجھے رسول ﷺ نے اپنے پیچھے دیکھا تو سمجھ گئے کہ میں کسی بات کی تحقیق و تثبت کر رہا ہوں' آپ ﷺ نے پشت سے چادر سرکا دی' میں مہر نبوت کو دیکھ کر پہچان گیا میں اس کے اوپر جھک کر بوسہ لینے

لگا اور فرط محبت سے رونے لگا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تحول" (سامنے آؤ) میں نے سامنے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کو ساری سرگزشت سنائی جیسے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو سنائی' یہ آپ بیتی صحابہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کرنے سے رسول اللہ ﷺ بہت محظوظ وخوش ہوئے۔

معجزات کا ظہور اور غلامی سے آزادی...... پھر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غلامی کی مصروفیات میں مشغول رہے' بدر اور احد میں شریک نہیں ہو سکے' پھر رسول ﷺ نے فرمایا کاتب یا سلمان (سلمان اپنے آقا کو اپنی قیمت دے کر آزاد ہو جاؤ) میں نے اپنے آقا سے تین سو کھجور کے پودے لگانے اور چالیس اوقیہ سونے پر قیمت چکائی اور مکاتبت کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنے اسلامی بھائی کی اعانت کرو' چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے میرا تعاون کیا' ہر ایک نے اپنی وسعت کے مطابق مجھے کھجور کے پودے دیئے یہاں تک کہ تین سو کھجور کے پودے اکٹھے ہو گئے تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سلمان جاؤ ان کے گڑھے کھودو' اور جب کھود کر فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس چلے آؤ میں خود اپنے ہاتھ سے گڑھے میں پودا لگاؤں گا' سلمان کہتے ہیں میں گڑھے کھود کر واپس آیا اور میرے احباب نے بھی تعاون فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا تو رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ تشریف لائے ہم پودا آپ ﷺ کے قریب کر دیتے تھے اور خود رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے اس گڑھے میں گاڑ دیتے تھے' ہم نے تین سو پودے گاڑ دیئے' واللہ ایک پودا بھی ناکام نہ ہوا' چنانچہ میں کھجور کے پودوں سے فارغ ہو گیا اور سونا باقی رہ گیا' رسول اللہ ﷺ کے پاس "سونے کی کسی کان" سے مرغی کے انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' فارس مکاتبت کرنے والے کا کیا ہوا؟" چنانچہ میں بلایا گیا میں حاضر ہوا تو فرمایا' یہ سونا لے لو اور اپنی مکاتبت ادا کر دو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ میرے قرض سے کم ہے۔ آپ نے فرمایا پکڑ لو اللہ تعالیٰ اس سے تیرا پورا قرضہ ادا کر دے گا' میں نے پکڑ لیا اور واللہ میں پورا قرضہ ادا کر کے آزاد ہو گیا' پھر میں آزاد ہو کر رسول ﷺ کے ہمراہ غزوہ خندق میں شریک ہوا پھر میں ہر جنگ میں شریک ہوتا رہا۔

یہ ایک معجزہ تھا...... ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن حبیب نے کسی قیسی کی معرفت سلمان رضی اللہ عنہ سے بتایا کہ میں نے جب کہا یا رسول اللہ ﷺ اس سے میرے واجبات کیسے ادا ہو سکیں گے؟ تو آپ ﷺ نے سونے کی ڈلی کو زبان مبارک پر پھیر کر فرمایا' لے لو اور اس سے ان کے واجبات ادا کر دو۔ میں نے وہ لے کر ان کے پورے چالیس اوقیہ ادا کر دیئے۔ محمد بن اسحاق' (عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری' معتبر راوی' عمر بن عبدالعزیز) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے جب رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ صاحب عموریہ نے کہا' شام کے فلاں علاقہ میں جاؤ وہاں ایک آدمی درختوں کے دو ذخیروں کے درمیان رہائش پذیر ہے (وہ ہر سال ایک ذخیرہ میں سے نکل کر دوسرے میں جاتا ہے راستہ میں بیمار اس کا انتظار کرتے ہیں' وہ اس کی دعا سے شفایاب ہو جاتے ہیں) اس سے اپنے مطلوبہ دین کی بابت دریافت کر' وہ بتا دے گا' سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اس مقام پر آیا مریض وہاں اس کے منتظر تھے' وہ رات کو ایک ذخیرہ میں سے نکل کر دوسرے میں جانے کے لئے باہر آیا تو مریضوں کے ہجوم کی وجہ سے میں اس تک پہنچ نہ سکا وہ ذخیرہ میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اس کا دامن پکڑ لیا اس نے پوچھا کون؟ اور میری طرف متوجہ ہوا تو میں نے کہا "یرحمک اللہ" مجھے دین ابراہیم کی بابت کچھ بتایئے؟ تو اس نے کہا تم نے ایسا مسئلہ پوچھا ہے کہ آج کل کوئی بھی یہ نہیں پوچھ رہا' سنو! ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ چکا ہے اس حرم سے وہ اس دین کے ساتھ مبعوث ہوگا' اس کے پاس چلے جاؤ وہ تمہاری رہنمائی کرے گا یہ بتا کر وہ اپنے ذخیرہ میں داخل ہو گیا۔

تمہاری ملاقات عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ہے...... تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سلمان! اگر تم نے صحیح اور سچ کہا ہے تو تمہاری ملاقات عیسیٰ سے ہوئی ہے۔

لئن کنت صدقتنی یا سلمان لقد لقیت عیسٰی بن مریم.

تبصرہ...... اس سند میں عاصم انصاری کا شیخ مبہم ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حسن بن عمارہ متوفی ۱۵۳ھ ہے۔ علاوہ ازیں یہ منقطع معضل

بلکہ (ناممکن) ہے کیونکہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز م ۱۰۱ھ اور سلمان کے درمیان ایک راوی ساقط ہے۔

"لئن کنت صدقتنی یاسلمان' لقد لقیت عیسی بن مریم"

جملہ نہایت عجیب و غریب ہے بلکہ منکر ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے درمیان فترت اور وقفے کا عرصہ کم از کم چار سو سال ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں چھ سو سال "شمسی" ہے اور سلمان رضی اللہ عنہ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۳۵۰ سال ہے۔ عباس بن یزید بحرانی نے اپنے مشائخ کا اجماع نقل کیا ہے کہ ان کی عمر ۲۵۰ سال ہے اس سے زائد میں ۳۵۰ تک اختلاف ہے واللہ اعلم۔ متبادر مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لقد لقیت وصی عیسیٰ بن مریم"

"آپ کی ملاقات عیسیٰ علیہ السلام کے وصی اور جانشین سے ہوئی ہے' یہ ممکن ہے درست ہو۔"

آسمان سے جب ایک بار نزول درست ہے تو...... امام بیہقی کہتے ہیں کہ مبہم راوی حسن بن عمارہ متوفی ۱۵۳ھ ہے وہ ضعیف ہے اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں نکارت اور نرالا پن نہیں ہے۔ کیونکہ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے جانے کے بعد' آسمان سے اترے' والدہ اور ایک عورت کو سولی والی جگہ پر روتے ہوئے دیکھ کر بتایا کہ وہ قتل نہیں ہوئے اور اس کے بعد حواریوں کو مختلف مقامات پر روانہ کیا۔ جب ان کا آسمان سے نزول ایک بار درست ہے تو بارہا بھی درست ہو سکتا ہے۔ پھر آئندہ آپ کا نزول ہوگا جب آپ صلیب توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور بنی جذام کی ایک عورت سے نکاح کریں گے فوت ہونے کے بعد روضہ رسول اللہ ﷺ میں مدفون ہوں گے۔

دلائل النبوۃ میں حافظ بیہقی نے قصہ سلمان رضی اللہ عنہ بہ سند یونس بن بکیر از محمد بن اسحاق بیان کیا ہے (کما تقدم) نیز حاکم (اصم' یحییٰ بن ابی طالب' علی بن عاصم' حاتم بن ابی صفرہ' سماک بن حرب' یزید بن صوحان) سے مروی ہے کہ اس نے سلمان رضی اللہ عنہ سے مسلمان ہونے کا ابتدائی قصہ سنا اور اس نے ایک طویل واقعہ بیان کیا کہ وہ "رام ہرمز" کا باشندہ تھا' اس کا بڑا بھائی سرمایہ دار تھا' بھائی کے زیر کفالت تھا' بستی کے کسان کا بیٹا اس کے اس کول کا ساتھی تھا وہ اس کے ہمراہ استاد کے پاس جایا کرتا تھا' کسان کا بیٹا ایک غار میں عیسائی راہبوں کے پاس جایا کرتا تھا' سلمان نے بھی اس سے خواہش کی کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلو' تو کسان کے بیٹے نے کہا تم کچے ذہن کے ہو ایسا نہ ہو کہ تم راز فاش کر دو اور میرا والدان کو قتل کر ڈالے' سلمان نے جب پختہ عہد کیا تو وہ سلمان کو لے کر ان کے پاس چلا گیا وہ چھ یا سات افراد تھے' کثرت عبادت کی وجہ سے وہ نہایت کمزور ہو چکے تھے' گویا مرنے کے قریب ہیں' دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے۔ درختوں کے پتے کھاتے یا جو کچھ میسر ہوتا وہ سابقہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان اکھتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے اور اس کی باندی کا بیٹا ہے' اللہ تعالیٰ نے معجزات کے ساتھ ان کی تائید کی۔ پھر ان راہبوں نے کہا' اے غلام! بے شک تیرا ایک رب ہے اور مرنے کے بعد جینا ہے اور تمہارے سامنے جنت اور جہنم ہوگی اور یہ آتش پرست کافر اور گمراہ ہیں' اللہ ان کے عمل کو پسند نہیں کرتا اور نہ یہ لوگ اس کے پسندیدہ دین پر قائم ہیں۔

سلمان رضی اللہ عنہ کسان کے بیٹے کے ہمراہ مسلسل جاتے رہے یہاں تک وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ کسان کے بیٹے کے والد کسان اور رئیس علاقہ نے اپنے بیٹے کو وہاں جانے سے روک لیا اور ان راہبوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ سلمان نے اپنے سرمایہ دار بھائی سے بھی اپنے ہمراہ چلنے کو کہا تو اس نے کہا کہ میں کاروبار میں مصروف ہوں (میں نہیں جا سکتا) سلمان ان کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور موصل کے گرجا میں پہنچ گئے وہاں کے لوگوں نے ان کی پذیرائی کی اور ان کو سلام تحیہ پیش کیا پھر ان چھ یا سات راہبوں نے مجھے ان کے پاس چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن میں نے ان کے ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو وہ مجھے بھی ساتھ لے کر پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں آئے اس علاقہ کے راہب ان سے ملنے کے لئے آئے اور ان سے اتنا عرصہ غائب رہنے کی وجہ پوچھتے رہے اور میرے متعلق بھی پوچھا' چنانچہ انہوں نے میری تعریف و ستائش کی۔ ایک عظیم راہب آیا اس نے ایک خطبہ دیا' حمد و ثناء کے بعد اس نے انبیاء و رسل کا ذکر کیا اور ان کے معجزات بتائے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ وہ راہب نیکی کی کرتا تھا برائی سے منع کرتا تھا۔ پھر ان راہبوں نے وہاں سے روانہ ہونے کا عزم کیا تو سلمان اس خطیب راہب کے پاس ٹھہر گئے' وہ راہب دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا' اتوار کو ان کے پاس آتا اور ان کو وعظ و نصیحت کرتا۔ اور

کافی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد اس نے بیت المقدس کی زیارت کا ارادہ کیا تو میں (سلمان) بھی اس کے ہمراہ تھا' دوران سفر وہ مجھے پند ونصائح کرتا اور بتاتا کہ میرا ایک رب ہے اور میرے سامنے'' موت کے بعد'' جنت اور جہنم ہے اور حساب سامنے ہے اور جس طرح ہر اتوار کو وہ تعلیم وتربیت کرتا تھا مجھے وہ ہر اتوار اسی طرح خطاب کرتا' دوران خطاب اس نے کہا' اے سلمان! بیشک اللہ تعالیٰ ایک رسول مبعوث کرے گا اس کا نام احمد ہوگا' وہ تہامہ سے مبعوث ہوگا' تحفہ کھائے گا صدقہ نہ کھائے گا' اس کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس کے ظہور کا زمانہ قریب آ چکا ہے' میں تو عمر رسیدہ بوڑھا ہو چکا ہوں' امید نہیں کہ میں اس کا مبارک زمانہ پا سکوں اگر تم اس کا زمانہ مبارک پاؤ تو اس کی تصدیق کر کے مسلمان ہو جانا' میں نے عرض کیا خواہ وہ مجھے عیسائیت کے ترک کرنے کا حکم دے تو اس نے کہا' خواہ وہ تجھے اس کے ترک کرنے کا حکم دے کیونکہ حق وصداقت اس کی تعلیمات میں ہے اور اس کے فرمان میں رحمان کی رضا ہے۔

پھر سلمان نے بیت المقدس میں آمد کا ذکر کیا اور راہب نے بیت المقدس میں نماز پڑھی اور پڑھ کر سو گئے اور سلمان کو کہا یہ سایہ جب یہاں تک پہنچ جائے تو مجھے جگا دینا' سلمان نے ان کے آرام وراحت کی خاطر بروقت نہ جگایا پھر وہ بیدار ہوا اور ذکر واذکار میں مشغول ہو گیا اور سلمان کو نہ جگانے کی تقصیر پر طعن وتشنیع کی' بیت المقدس سے باہر نکل رہے تھے تو ایک اپاہج نے سوال کیا' اے عبداللہ جب آپ آئے تھے تو میں نے سوال کیا تھا تو آپ نے کچھ نہیں عطا کیا اب میں دوبارہ سوال کر رہا ہوں تو راہب نے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا تو اس نے اپاہج کا ہاتھ پکڑ کر کہا'' قم بسم اللہ'' چنانچہ وہ اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسے کوئی مرض لاحق ہی نہ تھا' سلمان کہتے ہیں اس اپاہج نے مجھے کہا کہ یہ سامان مجھ پر رکھ دو میں اپنے گھر والوں کو بشارت سناؤں گا کہ میں تندرست ہو چکا ہوں' میں اس کی پشت پر سامان رکھنے میں مصروف ہو گیا' اس کے بعد میں اس عظیم راہب کے پیچھے ہو لیا لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ کسی راہ گیر سے پوچھتا تو وہ کہتا یہ تیرے آگے جا رہا ہے' میں اسی طرح چلتا رہا کہ بنی کلب کا ایک قافلہ مجھے ملا میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے میری عجمی زبان سن کر ایک سوار کے پیچھے بٹھا لیا اور اپنے علاقہ میں لا کر ایک انصاری خاتون کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس نے مجھے اپنے باغ میں کام پر لگا دیا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کا ہجرت کرنا بیان کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور آزمائش آنا بیان کیا پھر مہر نبوت کے دیکھنے کا بھی ذکر کیا پھر دیکھ کر فوراً مسلمان ہونا بیان کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اپنی ساری سرگزشت بیان کرنے کا ذکر کیا' اور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے خریدنے کا حکم فرمایا۔

سلمان کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک روز عیسائیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ان میں کوئی خوبی نہیں یہ سن کر میرے دل میں ان راہبوں اور عظیم خطیب اور راہب کے بارے کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوا' جس کے ساتھ میں نے کافی عرصہ بسر کیا تھا (۵/۸۲) آیت نازل ہوئی' رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں ڈرتا ڈرتا آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا لایستکبرون ''اس کی وجہ یہ کہ ان میں مولوی اور مشائخ ہیں۔ یعنی ان میں عالم بھی ہیں اور درویش بھی' اور وہ غرور نہیں کرتے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا سلمان! جن علماء اور مشائخ کے ہمراہ تو رہا ہے وہ ''مشرک'' نصرانی نہ تھے وہ مسلمان تھے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ واللہ اس نے مجھے آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا تھا' میں نے اس سے پوچھا تھا خواہ وہ عیسائیت اور تیرے مسلک کے ترک کا حکم کر دے تو اس نے کہا چھوڑ دینا کیونکہ حق اور اللہ تعالیٰ کی رضا اسی کے فرمان میں ہے۔

تبصرہ...... اس روایت میں نہایت غرابت اور عجوبہ پن ہے اور اس میں کسی قدر ابن اسحاق کی روایت کی مخالفت بھی موجود ہے اور ابن اسحاق کی روایت کی سند زیادہ قوی اور واقعہ کے ربط کے لحاظ سے بھی زیادہ عمدہ ہے اور صحیح بخاری کی روایت (معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی از سلیمان تیمی از ابوعثمان نہدی از سلمان فارسی) سے بھی زیادہ قریب ہے کہ وہ اس سے کچھ اوپر استاذوں کے ہاں' ایک استاذ سے دوسرے استاذ کی طرف منتقل رہے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ یکے بعد دیگرے تیس آقاؤں میں ایک سے دوسرے استاذ کی طرف منتقل ہوتے رہے' واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے عجیب واقعات کا بیان

پیشن گوئی اور رفادہ ...... دلائل میں ابونعیم' سعیر بن سوادہ العامری سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ کی ایک دوشیزہ سے میرا معاشقہ چل رہا تھا میں اس کی خاطر سردی وگرمی ہر موسم میں اس کے لئے سفر کے مصائب اور تکالیف جھیلتار ہتا تھا۔ تجارت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے موسم حج اور عرب کے اجتماع کی خاطر شام سے غلہ اور دیگر سامان تجارت خریدا۔ چنانچہ میں ایک تاریک رات میں مکہ آیا وہیں لیٹ گیا' یہاں تک کہ رات کی تاریکی ختم ہوگئی اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو فلک بوس خیمے نصب ہیں ان میں طائف کے قالین بچھے ہیں۔ اونٹ ذبح ہو رہے ہیں اور کچھ ذبح کرنے کی خاطر لائے جا رہے ہیں' کھانے والے اور باورچیوں کا جائزہ لینے والے کہہ رہے تھے' جلدی کرو' ایک آدمی ٹیلے پر کھڑا با نگ دہل کہہ رہا ہے اے اللہ کے مہمانو! کھانے کی طرف چلے آؤ اور ایک پست قامت آدمی راستے میں کھڑا اعلان کر رہا ہے اے اللہ کے مہمانو! جو کھا چکا ہے وہ پچھلے پہر کے کھانے کے لئے آئے' اس منظر نے مجھے عجیب مخمصے میں ڈال دیا میں صورت حال معلوم کرنے کے لئے رئیس قوم سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ میرے ساتھ والے آدمی نے میری یہ کیفیت بھانپ کر کہا رئیس قوم تیرے سامنے ہے' وہاں ایک رئیس ہے' اس کے رخسار سرخ ہیں اور جبین ستارہ کی طرح چمکدار ہے' سیاہ عمامہ سر پر آراستہ ہے' اس سے سیاہ اور چمکدار بال نمودار ہو رہے ہیں گویا وہ سیاہ آبنوس ہے۔ (ایک روایت میں ہے) کہ وہ سیاہ فام کرسی پر براجمان ہے اور اس کے سامنے قالین بچھا ہوا ہے' اس کے ہاتھ میں چھڑی ہے' اس سے پہلو کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔ گرد و نواح میں مشائخ واکابر چپ چاپ تشریف فرما ہیں۔ مجھے شام کے ملک سے معلوم ہوا تھا کہ نبی امی کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے' جب میں نے اس حسین وجمیل رئیس کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ وہی نبی ہے چنانچہ میں نے کہا' اسلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ)! تو اس نے کہا نہ قطعاً نہیں' اس کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے' کاش میں وہ ہوں' میں نے کسی سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ابو نضلہ ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ میں واپس چلا آیا اور میں بے ساختہ کہہ رہا تھا واللہ! یہ ہے بزرگی و شرف۔ آل جفنہ یعنی غسان کا جاہ وجلال اس کے سامنے ہیچ ہے' ہاشم کے کھانے کا یہ اہتمام تھا' جو اس کا منصب تھا' ایام حج میں۔

عبدالمطلب کا خواب اور اس کی تعبیر ...... ابونعیم' ابوجہم سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوطالب سے سنا وہ عبدالمطلب کا خواب بیان کر رہے تھے کہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا' مجھے ایک خوفناک خواب آیا' جس سے میں بے حد پریشان ہوا چنانچہ میں قریش کی ایک کاہنہ کے پاس آیا میں ریشمی چادر میں ملبوس تھا' بال کندھوں پر لٹک رہے تھے میں اس وقت اپنی قوم کا سردار تھا' جب کاہنہ نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے تو اس نے کہا' ہمارے سردار کا کیا حال ہے؟ پراگندہ حال کیوں ہو؟ کیا حوادثات زمانہ سے پریشان ہو؟ میں نے کہا' کیوں نہیں۔ کاہنہ سے بات کرنے کا دستور تھا کہ بات کرنے والا اس کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیتا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو کر اپنی بپتا سناتا ...... میں یہ آداب گفتگو بجا نہ لایا کہ میں رئیس قوم تھا' چنانچہ میں نے بیٹھ کر اپنا خواب سنایا کہ میں حطیم میں سو رہا تھا' گویا ایک فلک بوس درخت ہے اور اس کی شاخیں دور دور مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی ہیں' اور ایک روشنی دیکھی جو سورج سے ستر گنا زیادہ روشن ہے' عرب وعجم اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور روشنی لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی ہے اور اوپر کو بلند ہو رہی ہے۔ کبھی مانند پڑ جاتی ہے اور کبھی زیادہ تیز ہو جاتی ہے اور میں نے دیکھا قریش درخت کی شاخوں سے لپٹ رہے ہیں اور چند قریشی اسے کاٹنے کے درپے ہیں۔ جب کاٹنے کے لئے آگے بڑھتے ہیں تو ایک نہایت حسین وجمیل اور معطر بے مثال نوجوان ان کو پیچھے ہٹا رہا ہے' ان کی کمریں توڑ رہا ہے اور آنکھیں پھوڑ رہا ہے' میں نے درخت کی شاخ پکڑنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو اس نوجوان نے مجھے منع کر دیا۔ میں نے پوچھا یہ کس کے نصیب میں ہے؟ تو اس نے کہا یہ لوگ جو پہلے سے چمٹ رہے ہیں ان کا مقدر اور نصیب ہے۔ پھر میں پریشان اور خوفزدہ بیدار ہوا۔

خواب سنانے کے بعد میں نے دیکھا کہ کاہنہ کا چہرہ فق ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا تیرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تیری نسل سے ایک آدمی پیدا ہوگا جو مشرق ومغرب کا مالک ہوگا اور لوگ اس کے تابع ہوں گے۔ پھر عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا ممکن ہے کہ تو ہی یہ موعود مولود ہو' ابوطالب یہ

خواب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد بیان کیا کرتے تھے۔ واللہ! یہ پرنور درخت ابوالقاسم محمد ﷺ امین ہیں۔ ابو طالب سے کوئی کہتا کہ تم کیوں مسلمان نہیں ہوتے تو وہ جواب دیتے' مجھے صرف عار اور طعن وملامت مانع ہے۔

ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ...... ابونعیم' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم یمن کی طرف ایک تجارتی قافلہ میں روانہ ہوئے' اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا' چنانچہ ہم یمن پہنچ گئے' ایک روز کھانے کا اہتمام میں کرتا تھا اور ابوسفیان سب کو کھلاتا تھا اسی طرح ابوسفیان بھی کرتا' ایک دن ابوسفیان نے مجھے کہا ابوالفضل! آج میرے پاس تشریف لائیں اور کھانا بھی وہیں لیتے آئیں' چنانچہ ہم سب نے ان کے ڈیرے پر کھانا کھایا' لوگ کھانا کھا چکے تو مجھے ابوسفیان نے اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا بھتیجا کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے؟ میں نے کہا' میرا کون سا بھتیجا؟ تو ابوسفیان نے کہا مجھ سے چھپاتے ہو! تیرا صرف ایک بھتیجا ہی اس منصب کا اہل ہے۔ میں نے پھر پوچھا پھر بھی بتاؤ تو سہی کونسا؟ تو اس نے کہا وہ محمد ﷺ بن عبداللہ ہیں' میں نے پھر کہا' کیا اس نے ایسا کہا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا ہاں اس نے ایسا کہا ہے اور اس نے اپنے لڑکے حنظلہ بن ابوسفیان کا ایک مکتوب نکالا' اس میں درج تھا کہ محمد ﷺ نے ابطح وادی میں کھڑے ہو کر کہا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں' یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جناب ابوحنظلہ میں اسے صادق سمجھتا ہوں تو ابوسفیان نے کہا ذرا غور کرو جناب! مجھے اس کا یہ کہنا پسند نہیں۔ اے بنی عبدالمطلب! مجھے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہو' واللہ! قریش تمہارے بارے میں شرارت اور فساد رکھتے ہیں' جناب میں یہ بات خدا کا واسطہ دے کر کہہ رہا ہوں کیا آپ نے ساعت فرمالیا' عباس کہتے ہیں' میں نے کہا جی ہاں! میں نے یہ سن لیا تو ابوسفیان نے کہا واللہ! یہ تمہارے لئے نحوست ہے۔ میں نے جواب دیا ممکن ہے مبارک ہو۔

چند روز بعد عبداللہ بن حذافہ مشرّف بہ اسلام ہو کر یمن تشریف لائے اور یہ بات یمن کی ہر مجلس میں پھیل گئی۔ ابوسفیان وہاں ایک مجلس میں بیٹھے تھے' اس میں ایک یہودی عالم بھی آتا تھا' ابوسفیان سے اس نے پوچھا' یہ افواہ کیا ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں میں اس مدعی نبوت کا چچا ہے۔ ابوسفیان نے کہا' ہاں' میں اس کا چچا ہوں' یہودی نے پوچھا حقیقی چچا؟ تو ابوسفیان نے کہا جی ہاں! تو اس نے کہا مجھے اس کے کچھ حالات بتاؤ تو ابوسفیان نے کہا' مجھے گوارا نہیں کہ وہ اُس بات کا مدعی ہو' میں اس پر نکتہ چینی نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی کو اس پر ترجیح دینا چاہتا ہوں۔ (یہودی سمجھ گیا کہ وہ اس بات میں دخل دینا پسند نہیں کرتا اور نہ وہ نکتہ چینی کرنا چاہتا ہے) تو یہودی نے کہا تورات موسیٰ کی قسم! یہود کو اس سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر مجھے یہودی عالم نے بلا بھیجا' میں دوسرے روز اس مجلس میں گیا۔ وہاں ابوسفیان اور وہ عالم بھی موجود تھے' میں نے یہودی عالم سے پوچھا معلوم ہوا کہ تم نے میرے بھتیجے کے بارے کسی سے دریافت کیا ہے کہ وہ نبوت کا دعویدار ہے اور اس نے کہا ہے وہ اس کا چچا ہے حالانکہ وہ اس کا حقیقی چچا نہیں البتہ وہ میرا بھتیجا ہے۔ میں اس کا چچا اور اس کے والد کا بھائی ہوں۔ یہودی عالم نے حیرانی سے پوچھا (اخوابیہ) اس کے والد کا بھائی؟ میں نے کہا بالکل' تو اس نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ بات درست ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا "ہاں" پھر میں نے یہودی سے کہا پوچھو' اگر میں غلط کہوں تو یہ تردید کردے گا' چنانچہ اس نے مجھ سے پوچھا' خدارا بتاؤ کیا تمہارے بھتیجے نے کبھی لادینی اور نادانی کا مظاہرہ کیا؟ میں نے کہا عبدالمطلب کے خدا کی قسم! اس نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ خیانت کی ہے۔ قریش میں "امین" کے نام سے معروف ہیں۔ اس نے پوچھا کیا وہ لکھنا جانتے ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' میرے خیال میں تھا لکھنا ایک خوبی ہے' چنانچہ میرا خیال ہوا کہ میں کہہ دوں کہ وہ نوشت وخواند سے واقف ہیں' لیکن ابوسفیان کی تردید کے خطرے سے میں نے کہا "وہ لکھنا نہیں جانتا" یہ سن کر وہ عالم بے ساختہ اچھل پڑا اور اس کی چادر گر گئی اور اس نے برملا کہا' یہودی تباہ ہو گئے' یہودی نیست ونابود ہو گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم اس مجلس سے اپنے ڈیرے پر آئے تو ابوسفیان نے کہا جناب! آپ کے بھتیجے سے تو یہودی خائف ہیں' میں نے کہا' تم نے ماجرا دیکھ ہی لیا ہے۔ جناب اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہوئے تو تمہارا شمار اولین مسلمانوں میں ہوگا۔ بصورت دیگر آپ کے ہمراہ اور لوگ بھی ہیں' یہ سن کر ابوسفیان نے کہا جب تک میں "کداء" میں حملہ آور فوج نہ دیکھ لوں' مسلمان نہ ہوں گا' عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تو اس نے کہا بے ساختہ یہ فقرہ میری زبان پر آ گیا ہے' مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کداء پر حملہ آور فوج کو تباہ کر دے گا' عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب رسول ﷺ نے مکہ فتح کیا اور ہم نے

" کداء " سے فوج کو حملہ آور دیکھا تو میں نے ابوسفیان سے پوچھا' وہ بات یاد ہے؟ تو اس نے کہا واللہ! بالکل یاد ہے' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کی۔

یہ حدیث حسن ہے۔ اس سے نور و ضیا اور عمدگی ظاہر ہے اور اس پر صداقت کی جھلک ہے' گو اس کی سند میں مجروح راوی بھی۔ واللہ اعلم۔ ایسا ہی ایک واقعہ ابوسفیان کا امیہ بن ابی صلت کے ساتھ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور ہرقل کے ہمراہ بھی ابوسفیان کا ایک قصہ آئندہ بیان ہوگا' جس میں اس نے حضور ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کا بے پناہ اظہار کیا ہے کہ کاش میں اس وقت ہوتا تو ان کے قدم مبارک دھو کر پیتا۔ حافظ ابونعیم نے دلائل میں احبار و رہبان اور مشائخ عرب سے بے شمار ایسے واقعات بیان کئے ہیں جو نہایت عمدہ اور ہیں۔

عمرو بن مرہ جہنی کا واقعہ..... طبرانی حضرت یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عمرو بن مرہ جہنی نے بتایا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے میں قوم کے چند افراد کے ہمراہ حج کرنے کے لئے مکہ آیا' میں نے مکہ میں خواب دیکھا کہ کعبہ سے ایک نور بلند ہو رہا ہے اور اس کی روشنی کوہ یثرب اور جھینہ کے کوہ اشعر تک پہنچ گئی اور اس نور میں سے میں نے ایک آواز سنی۔ (ظلمت اور تاریکی چھٹ گئی' روشنی بلند ہو کر پھیل گئی' خاتم انبیاء مبعوث ہو گئے) پھر دوبارہ روشنی نمودار ہوئی میں نے اس سے جدہ کے محلات دیکھے اور مدائن کے سفید محل بھی' اور میں نے نور میں سے یہ آواز سنی' اسلام ظاہر ہو چکا ہے۔ بت ٹوٹ گئے۔ صلہ رحمی کا دور شروع ہو چکا ہے' میں پریشان ہو کر جاگ اٹھا اور اپنے رفقاء سے کہا' واللہ! قریش میں کوئی نیا حادثہ رونما ہونے والا ہے اور میں نے ان کو اپنا خواب سنایا جب ہم وطن واپس چلے آئے تو مجھے کسی سے معلوم ہوا کہ احمد علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں۔

میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نبی ہوں اور سب اولاد آدم علیہ السلام کی طرف مبعوث رسول ہوں۔ میں ان کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں' میں ان کو قتل و غارت سے محفوظ رہنے اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بتوں کے ترک کرنے کی تلقین کرتا ہوں' حج کرنے اور بارہ ماہ میں سے ماہ رمضان کے روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہوں' جو شخص ان احکام کی تعمیل کرے وہ جنت کا مستحق ہے اور جو شخص انکار کرے وہ دوزخی ہے۔ اے عمرو! مسلمان ہو جا' اللہ تجھے دوزخ کی ہولنا کی سے محفوظ رکھے گا' چنانچہ میں نے "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" کہا اور مسلمان ہو گیا اور آپ کے بیان کردہ حلال اور حرام پر ایمان لایا' اگرچہ اقوام عالم کو نا گوار گزرے' پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنے چند اشعار سنائے۔

ہمارے ایک بت کا۔ میرا والد مجاور اور خادم تھا میں نے اس کو توڑ ڈالا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

شهدت بأن الله حق وانني
لآلهة الأحجار أول تارك
وشمرت عن ساق الا زار مهاجرا
اليك أجوب القفر بعد الدكادك
لاصحب خير الناس نفسا ووالدا
رسول مليك الناس فوق الحبائك

" میں شاہد ہوں کہ اللہ برحق ہے اور میں سب سے پہلے پتھر کے خداؤں کو ترک کرتا ہوں۔ میں نہایت کوشش و کاوش سے آپ کی طرف ہموار زمین کے بعد بیاباں کو عبور کرتا آیا ہوں۔ تاکہ میں سب سے بہتر انسان اور والد کا مصاحب اور رفیق ہو جاؤں' وہ اس اللہ کا رسول ہے جو آسمان پر لوگوں کا مالک ہے"۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن مرہ کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے قوم جہینہ طرف مبعوث فرما دیں شاید اللہ تعالیٰ ان پر بھی مہربان ہو جائے جیسے مجھ پر مہربان ہوا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے فرما کر نصحت فرمائی' نرمی اختیار کر' سیدھی بات کہہ' سخت مزاج اور تند خو نہ' تکبر نہ کر اور حسد نہ کر۔

مکتوب نبوی ﷺ...... چنانچہ وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو اسلامی تعلیمات کی دعوت دی' سوائے ایک آدمی کے پوری قوم دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی اور میں ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ ﷺ نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کو ایک مکتوب تحریر کر دیا جس کا مضمون ہے' بسم اللہ الرحمن الرحیم' یہ مکتوب ہے اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے' صحیح تحریر' صداقت کی حامل' بدست عمرو بن مرہ جھنی بنام جھینہ بن زید' بے شک تمہارے لئے زمین کے اندر کی معدنیات اور ہموار و سہل زمین ہے اور وادیوں کا نشیب و فراز ہے' تم وہاں کاشت کرو اور اس کا صاف پانی نوش کرو بشرطیکہ تم خمس ادا کرو اور پانچ نمازیں ادا کرو' بکریوں اور اونٹوں کے کم سے کم نصاب میں اگر وہ ایک جگہ ہوں تو دو بکریاں زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ علیحدہ علیحدہ ہوں تو ایک ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے۔

تجارتی سامان اٹھانے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ میں عمدہ مال نہ لیا جاوے' تمام حاضر مسلمان نبی علیہ السلام کی تحریر پر شاہد ہیں جو قیس بن شماس کی تحریر ہے' مسند کبیر میں یہ مفصل مذکور ہے' بمع اشعار و باللہ الثقۃ و علیہ التکلان۔

اس آدمی نے کہا' عمرو! اللہ تیری زندگی تلخ کرے! تو ہمیں بت پرستی سے روکتا ہے اور آبائی دین کی مخالفت کر کے تفرقہ میں ڈالتا ہے اور تہامی نبی کی طرف بلاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا اور ہم ان خیالات کو قبول کرتے ہیں اور نہ اہمیت دیتے ہیں پھر اس نے کہا:

ان ابن مرۃ قد اتی بمقالۃ
لیست مقالۃ من یرید صلاحا
انی لاحسب قولہ و فعالہ
یوماً وان طال الزمان رباحا

"بے شک ابن مرہ ایک جدید مذہب لایا ہے' جس کا مقصد اصلاح احوال نہیں' میں اس کے قول و فعل کو عبث اور بے وقعت سمجھتا ہوں' کیا تو آباء کو احمق اور بے وقوف قرار دیتا ہے جو یہ مقصد لے کر آئے وہ ناکام و نامراد رہتا ہے"۔

ایک خصوصی عہد...... سورہ احزاب (۷/۳۳) میں ہے' "اے پیغمبر وہ وقت یاد کر جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور خاص تجھ سے بھی نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے پکا اقرار لیا"۔

بقول اکثر اسلاف' جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم ﷺ سے الست بربکم کے وقت عہد و اقرار لیا تو انبیاء سے خاص عہد لیا اور ان کے ہمراہ بڑی شریعتوں کے حامل پانچ اولوالعزم انبیاء علیہم والسلام سے مزید اہتمام کے ساتھ خصوصی عہد ذکر کیا۔ جن میں سے اول حضرت نوح علیہ السلام اور آخری حضرت محمد ﷺ ہیں۔

آپ ﷺ کو نبوت کب عطا ہوئی...... دلائل میں ابونعیم (ولید بن مسلم' اوزاعی' یحییٰ بن ابی کثیر' ابی سلمہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ سے دریافت ہوا آپ علیہ السلام نبوت سے کب سرفراز ہوئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا' تخلیق آدم اور اس میں روح پھونکنے کے درمیانی عرصہ میں' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب اور صرف اسی سند سے مروی ہے۔ ابونعیم (سلیمان بن احمد' یعقوب بن اسحاق بن زبیر حلبی' ابوجعفر نفیلی' عمرو بن واقد' عروہ بن رویم' صنابحی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے دریافت کیا' یارسول اللہ ﷺ "متی جعلت نبیا؟ قال و آدم منجدل فی الطین" آپ نبوت سے کب سرفراز ہوئے تو آپ نے فرمایا اس وقت آدم ابھی آب و گل میں تھا۔ ابونعیم (نصر بن مزاحم' قیس بن ربیع' جابر جعفی' شعبی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت ہوا متی کنت نبیا؟ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی؟ فرمایا (و آدم بین الروح و الجسد) اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

پیشانیوں پر نور...... اللہ تعالیٰ نے پشت آدم سے ان کی اولاد کو پیدا کیا اور انبیاء علیہم السلام کی پیشانیوں پر نور کا جلوہ کیا اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مرتبہ کے اعتبار سے تھا' بنابریں محمد ﷺ کا نور سب سے زیادہ روشن اور جلی ہے اور سب سے زیادہ عظیم اور اعلیٰ ہے۔ یہ بات آپ کے عالی

مقام اور بلند رتبہ ہونے کی بڑی حجت اور علامت ہے۔اسی مفہوم کی حامل یہ روایت ہے جو امام احمدؒ عبدالرحمان بن مہدیؒ معاویہ بن صالحؒ سعید بن سوید کلبیؒ عبداللہ اعلیٰ بن ہلال سلمیؒ عرباض بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم انبیاء ہوں' آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں پڑے تھے' آپ کو اپنے اس امر کے آغاز کی بابت بتاتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔اسی طرح نیک لوگوں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں۔ یہ روایت عبدالرحمان مہدی سے لیث اور ابن وہب بھی بیان کرتے ہیں۔ نیز عبداللہ بن صالح بھی معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں اس میں اضافہ ہے کہ والدہ نے وضع حمل کے وقت ایک ایسا نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

امام احمدؒ (عبدالرحمانؒ منصور بن سعیدؒ بدیلؒ عبداللہ بن شقیق) ''میسرہ فجر'' سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا متی کنت نبیا؟ قال و آدم بین الروح والجسد' یہ سند جید ہے' اسی طرح ابراہیم بن طہمانؒ حماد بن زید اور خالد حذاءؒ بدیل بن میسرہ سے بھی نقل کرتے ہیں۔ابونعیمؒ (محمد بن عمر بن اسلمؒ محمد بن بکر بن عمرو باہلیؒ شیبانؒ حسن بن دینارؒ عبداللہ بن سفیان) میسرہ فجر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ متی کبت نبیا؟ قال و آدم بین الروح والجسد دلائل النبوۃ میں ابونعیم (ابوعمرو بن حمدانؒ حسن بن سفیانؒ ہشام بن عمارؒ ولید بن مسلمؒ خلید بن دعلج اور سعیدؒ قتادہؒ حسن) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے واذا اخذنا من النبیین میثاقھم (۳۳/۷) کی تفسیر کے تحت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میں تخلیق میں سب انبیاء سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر میں ہوں۔'' ابونعیمؒ (ہشام بن عمارؒ بقیہؒ سعید بن بشیرؒ قتادہؒ حسن) ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت' سابقہ روایت کے موافق بیان کرتے ہیں۔ابونعیم سے یہ روایت بہ سند سعید بن ابی عروبہ اور شیبانؒ قتادہؒ حسن بصری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اس روایت کا مفہوم بھی پہلی کی طرح ہے) اس روایت کا موقوف ہونا بہ نسبت مرفوع ہونے کے صحیح تر اور اثبت ہے' واللہ اعلم۔

یہ روایات ملاء اعلیٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر اور تعریف وستائش کی آئینہ دار ہیں اور آپ ﷺ ملاء اعلیٰ میں'' خاتم انبیاء'' کے نام سے معروف ہیں جبکہ آدم ﷺ معرض وجود میں بھی نہ آئے تھے کیونکہ زمین وزمان کی تخلیق سے پہلے یہ بات لامحالہ علم الٰہی میں تھی بنا بریں اس سے متبادر ہے کہ ملاء اعلیٰ میں آپ ﷺ کا تذکرہ تھا' واللہ اعلم۔ابونعیمؒ (عبدالرزاقؒ معمرؒ ہمام) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم آخری امت ہیں۔ بروز قیامت سب سے اسبق ہوں گے' پوری کائنات سے پہلے ہمارا فیصلہ ہوگا۔ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب عطا ہوئی اور ہمیں ان کے بعد۔ابونعیم نے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت میں آخری نبی تھے اور آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی اور آپ ہی قیامت کے روز سابق ہوں گے' کیونکہ نبوت اور اخذ عہد میں آپ علیہ السلام سب سے مقدم تھے۔یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی مظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تخلیق سے پہلے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا تھا اور یہ بھی امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے'' نبی ہونے کا علم اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پہلے عطا کر دیا ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں' واللہ اعلم۔

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا

مستدرک میں حاکم نے (عبدالرحمان بن زید بن اسلمؒ (مجروح راوی)' ابوہؒ جدہ) عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام نے غلطی کا ارتکاب کیا تو انہوں نے کہا اے پروردگار! میں ''حق محمد'' کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرما دے' اللہ نے پوچھا اے آدم! ابھی تک میں نے محمد ﷺ کو پیدا نہیں کیا' تجھے کیسے معلوم ہوا؟ آدم عرض کرنے لگے' یارب تو نے میرا پتلا بنا کر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پائے پر کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر شدہ دیکھا' مجھے معلوم ہوا کہ تو نے اپنے مبارک نام کی نسبت واضافت اپنی محبوب تر مخلوق کی طرف کی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے درست کہا ہے' واقعی وہ مجھے سب کائنات سے محبوب ہے اور جبکہ تو نے اس کے حق کا واسطہ دے کر

سوال کیا ہے تو میں نے بخش دیا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ بقول امام بیہقی اس روایت میں عبدالرحمان راوی ضعیف ہے واللہ اعلم۔

ایک آیت کی تفسیر...... واذاخذ الله ميثاق النبيين لما اتيتكم من كتاب و حكمة (۳/۸۱) کی تفسیر کے ذیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر نبی سے اللہ تعالیٰ نے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ ان کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لا کر ان کے مددگار رہوں اور اس طرح ہر نبی کا اپنی امت سے بھی یہ عہد لینے کا ارشاد ہوا سب گذشتہ ادیان میں انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک سے آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور عظمت وشوکت کا اظہار ہوا اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا برملا اقرار رہا۔

ابراہیم علیہ السلام کی ایک بہترین دعا...... ربنا وابعث فيهم رسولا منهم الى آخر الاية (۲/۱۲۹) بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد معمار حرم ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرما کر آپ ﷺ کی آمد نبوت ورسالت اور آپ کے مولد منشا کی صراحت کی اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کو وضاحت سے بیان کیا' چنانچہ اس قدر جلی اور واضح بیان روئے زمین پر سب سے پہلے ابراہیم نے فرمایا' بنابریں یہ روایت ہے کہ امام احمد' (ابوالنضر' فرج بن فضالہ' لقمان بن عامر) ابوامامہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کا آغاز کس طرح ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: باپ ابراہیم کی دعا سے' عیسیٰ کی بشارت سے اور والدہ کے خواب سے کہ ان کے جسم اطہر سے ایک نور نمودار ہوا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے (تفرد بہ احمد' یہ صحاح ستہ میں نہیں ہے) کتاب المولد میں ابوبکر بن ابی عاصم (بقیہ' صفوان ابن عمرو' حجر بن حجر) ابومریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی اور اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا پختہ عہد لیا جیسے دیگر انبیائے کرام سے لیا اور والدہ نے خواب دیکھا کہ ان کے جسم مبارک سے ایک نور کا ظہور ہوا جس سے شام کے محلات منور ہو گئے۔

معجزہ اور اس کی تفصیل...... امام محمد ابن اسحاق بن یسار' (ثور بن یزید' خالد بن معدان) صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا' یارسول اللہ ﷺ اپنی ذات مبارک کے بارے میں وضاحت فرمائیے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا' ابراہیم علیہ السلام کی دعا' عیسیٰ کی بشارت' اور والدہ کا خواب ہوں' بوقت حمل ان کے جسم اطہر سے ایک نور خارج ہوا' جس سے شام کا شہر بصریٰ منور ہو گیا۔ (اسنادہ جیدۃ) ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ہمارے شہر بصریٰ کے باشندوں کے لئے عظیم بشارت ہے اور یہ ملک شام میں سے پہلا خطہ ہے جو نور نبوت کا مظہر ہے واللہ اعلم۔ بنابریں یہ علاقہ ملک شام میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صلح سے فتح ہوا (جیسا کہ آگے مفصل بیان ہوگا۔) اور اس مقام میں رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ۱۲ سال کی عمر میں ایک دفعہ تشریف لائے تھے اور بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی اور دوسری دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارتی قافلہ میں تشریف لائے اور وہاں "مبرک ناقہ" ہے جس کے بارے مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ناقہ یہاں بیٹھی تھی اور یہاں اس کے آثار ونشانات تھے اور آج کل یہاں مسجد تعمیر ہو چکی ہے اور یہ وہی شہر ہے جس میں اس آگ کی روشنی سے اونٹوں کی گردنیں نظر آ رہی تھی جو ارض حجاز سے رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی" کے مطابق ظاہر ہوئی تھی کہ ارض حجاز سے ایک آگ نمودار ہو گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی) سورہ اعراف (۷/۱۵۷) میں ہے یہ لوگ وہ ہیں جو اس ان پڑھ پیغمبر نبی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

بستر مرگ پر ایک یہودی بچے کا مسلمان ہونا...... امام احمد (اسماعیل' جریری' ابوصخر عقیلی' یکے از اعراب) روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ منورہ میں سامان تجارت فروخت کر کے فارغ ہوا تو میرے دل میں آیا کہ میں اس آدمی (نبی علیہ السلام) سے ضرور ملاقات کروں گا چنانچہ آپ ﷺ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان چلتے ہوئے پایا میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا آپ ﷺ ایک یہودی کے پاس آئے وہ تورات پڑھ کر اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا کہ اس کا حسین وجمیل لخت جگر موت کی کشمکش میں تھا یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات نازل فرمائی ہے' کیا تو اس کتاب میں میری صفات اور میری ہجرت گاہ کا ذکر پاتا

ہے؟ تو اس نے سر کی جنبش سے انکار کیا تو بستر مرگ پر دراز بیٹے نے کہا واللہ! ہم کتاب میں آپ ﷺ کی صفات اور ہجرت گاہ کا ذکر پاتے ہیں اور میں شاہد ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس یہودی کو اپنے بیمار بھائی سے الگ کر دو' پھر آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا' یہ سند عمدہ ہے اور صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت اس کی شاہد ہے۔

ایک یہودی اور آپ ﷺ ...... ابوالقاسم نے ابو بحر عبدالواحد بن غیاث' عبدالعزیز بن مسلم' عاصم بن کلیب' ابوہ' سلطان بن قاسم روایت سے کیا ہے کہ اس کے ماموں نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا کہ آپ کی نگاہ ایک یہودی جو قمیص شلوار اور جوتا پہنے تھا' پر پڑی آپ اس سے بات چیت کرنے لگے وہ آپ ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر جواب دے رہا تھا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو میری رسالت کی گواہی دیتا ہے' اس نے انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تو "تورات پڑھتا ہے؟ اس نے کہا "جی ہاں" پھر پوچھا انجیل پڑھتا ہے تو بھی اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ نے پوچھا قرآن پڑھا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دے کر کہا اگر آپ چاہیں تو پڑھ سکتا ہوں' تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو اپنے تورات اور انجیل کے پڑھنے کے بارے میں بتا کہ تو میری نبوت کا ذکر ان میں پاتا ہے تو اس نے کہا ہم آپ کی صفات اور ہجرت گاہ کا ذکر اس میں پاتے ہیں' جب آپ کا ظہور ہوا تو ہم امیدوار تھے کہ آپ ہماری نسل سے ہوں گے' پھر جب ہم نے آپ کو بغور دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ وہ نہیں ہیں' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے یہودی! یہ کیونکر؟ تو اس نے کہا ہم یہ تحریر پاتے ہیں کہ اس کی امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے' آپ کے ہمراہ تو نہایت قلیل لوگ ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت تو کئی ستر ہزار سے متجاوز ہے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور صحاح ستہ میں مذکور نہیں۔

یہود کے عالم کا اقرار کرنا آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کا

علم باردوش ...... محمد بن اسحاق' (سالم مولی عبداللہ بن مطیع) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لائے اور ان سے کہا اپنے بڑے عالم کو لاؤ انہوں نے کہا عبداللہ بن سوریا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تنہائی میں پوچھا اور اسے دین اسرائیل پر انعامات اور من وسلویٰ کے احسانات یاد دلا کر دریافت کیا' کیا تو جانتا ہے کہ میں "رسول اللہ" ہوں؟ تو اس نے کہا "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا مسلمان ہونے سے کیا مانع ہے؟ تو اس نے کہا مجھے اپنی قوم کی مخالفت پسند نہیں' وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

مکتوب نبوی ...... سلمہ بن فضل (محمد بن اسحاق' محمد بن ابی محمد' عکرمہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر کو مکتوب تحریر فرمایا' بسم اللہ الرحمن الرحیم' محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جو موسیٰ' اور ہارون کا رفیق ہے اور موسیٰ کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے' سنو! اے گروہ یہود! کیا تم یہ صفات اپنی کتاب میں موجود پاتے ہو؟ (۴۸/۲۹) کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں' آپس میں رحمدل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں' اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں' ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے' یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی لوئی نکالی پھر اسے قوی کر دیا پھر موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی' کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمان داروں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (۴۸/۲۹)

میں اس اللہ کی قسم دے کر تم سے کہتا ہوں جس نے تم پر تورات اتاری اور تمہارے اسلاف پر من وسلویٰ اتارا اور تمہارے آباء و اجداد کے لئے سمندر خشک کیا حتیٰ کہ فرعون سے نجات بخشی۔ تم بتاؤ؟ کیا تم تورات میں موجود نہیں پاتے۔ میری صفات تم پر کوئی جبر و اکراہ نہیں' بے شک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے' میں تم کو اللہ اور اس کے نبی کی طرف بلاتا ہوں۔

بخت نصر کا خواب اور دانیال کی تفسیر ...... کتاب المبتدا میں محمد بن اسحاق بن یسار کعب احبار سے نقل کرتے ہیں کہ بخت نصر کو بیت المقدس کے تباہ و برباد اور بنی اسرائیل کے ذلیل و خوار کرنے کے سات سال بعد ایک خوفناک خواب آیا اس نے کاہنوں اور تعبیر لگانے والوں کو اکٹھا کر کے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا خواب بتایئے' بخت نصر نے کہا خواب تو میں بھول گیا' سنو اگر تین روز تک مجھے خواب کی تعبیر معلوم نہ ہوئی تو سب کو تہ تیغ کر دوں گا۔ وہ اس خوفناک وعید اور دھمکی کو سن کر چلے آئے' یہ بات دانیال علیہ السلام نبی کو بھی معلوم ہوگئی جو بخت نصر کی جیل میں محبوس تھے تو دانیال علیہ السلام نے جیل کے داروغہ کو کہا' بخت نصر کو بتاؤ کہ جیل میں ایک آدمی ہے جو تیرے خواب اور اس کی تعبیر کو جانتا ہے' چنانچہ بخت نصر نے اس کو طلب کیا اور دانیال علیہ السلام اس کے پاس آیا اور حسب دستور اس کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوئے تو اس نے پوچھا مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس کو بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے اور مجھے غیر کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے' بخت نصر نے کہا میں ان لوگوں کو پسند کرتا ہوں جو اپنے رب کے عہد و پیمان کے پابند ہیں' آپ میرے خواب کی تعبیر بتائیں تو دانیال علیہ السلام نے کہا' تم نے ایک عظیم بت دیکھا ہے' جس کے پاؤں زمین پر ہیں اور اس کا سر فلک بوس' اس کا سر سونے کا ہے' دھڑ چاندی کا اور نچلا حصہ تانبے کا' پنڈلیاں لوہے کی اور پاؤں پختہ مٹی کے' تو اس حسین اور دل آویز ساخت پر فریفتہ ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس پر پتھر پھینکا اور وہ اس کے سر پر پڑا تو وہ چکنا چور ہو گیا اس کی سب معدنیات اس قدر باہم مخلوط ہو گئیں کہ سب جنات اور نوع انسان بھی مل کر ان کو جدا جدا نہیں کر سکتے اور وہ پتھر جو اس کے سر پر پڑا ہے وہ لحہ بہ لحہ بڑھ رہا ہے یہاں تک کہ تجھے ماسوائے پتھر اور آسمان کے کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ سن کر بخت نصر نے خواب کی تصدیق کی اور تعبیر پوچھی۔ تو دانیال علیہ السلام نے کہا مختلف معدنیات سے تیار کردہ بت' اقوام عالم ہیں اور وہ پتھر جو بت کے سر پر گرا ہے وہ اللہ کا دین ہے' اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کو اقوام عالم پر پھینکے گا اور اس دین کو غالب اور فتح یاب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ عرب میں سے ایک ناخواندہ نبی مبعوث کرے گا اور جملہ اقوام و ادیان کو پاش پاش کر دے گا جیسا کہ تم نے دیکھا ہے کہ پتھر نے بت کو ریزہ ریزہ کر دیا اور وہ ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ جیسا کہ تم نے دیکھا کہ پتھر ساری دنیا پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نبی کی ہدایت حق کو غالب کرے گا اور باطل کو ختم کرے گا گمراہوں کو ہدایت نصیب کرے گا' ان پڑھوں کو تعلیم یافتہ بنائے گا' کمزوروں کو طاقتور بنائے گا' ذلیل و رسوا لوگوں کو عزت بخشے گا اور کمزوروں کی نصرت حمایت کرے گا پھر مزید قصہ بیان کیا ہے۔ جس میں دانیال کی بدولت اسرائیل کی بخت نصر سے رہائی مذکور ہے۔

واقدی نے متعدد اسناد سے مغیرہ بن شعبہ مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس جانا اور اس کا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے دریافت کرنا بیان کیا ہے (قریباً ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ہرقل کے سوالات کے مطابق) یہ ایک طویل قصہ ہے جو حافظ ابونعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے "مدارس" میں ان سے کہا اے معشر یہود! تم دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ' واللہ تم میری ذات و صفات کا ذکر اپنی کتابوں میں پاتے ہو' الحدیث"۔

تورات اور قرآن میں آپ کی صفات ...... امام احمد (موسیٰ بن داؤد' سلیمان' ہلال بن علی) عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے تورات میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے دریافت کیا تو اس نے کہا' واللہ! قرآن کی بیان کردہ صفات کے مطابق تورات میں بھی آپ کی صفات مذکور ہیں۔ اے نبی! ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ان پڑھوں کا حرز جان' تو میرا بندہ ہے اور رسول۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے' آپ نہ تندخو ہیں نہ سنگدل نہ بازاروں میں شور و غل مچانے والے' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں جب تک دین کی کجی درست نہ ہو گی اور لوگ کلمہ توحید کے قائل نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کو فوت نہیں کرے گا' اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اندھوں کو بصیرت عطا کرے گا اور بہروں کو قوت سماعت سے نوازے گا اور متور دلوں کو ہدایت نصیب کرے گا۔

یہ روایت امام بخاری نے بذریعہ محمد بن سنان عوفی' فلیح سے بیان کی ہے۔ نیز عبداللہ بن رجاء یا عبداللہ بن صالح سے عبدالعزیز بن ابی سلمہ کی معرفت ہلال سے بیان کی ہے اور ابن جریر نے فلیح از ہلال از عطا بیان کی ہے اور اس میں اضافہ ہے کہ پھر میں نے کعب سے دریافت کیا تو اس نے بھی بلا کم و کاست یہی بیان کیا اور "بیوع" میں ہے' سعید از ہلال از عطا از عبداللہ بن سلام۔ حافظ بیہقی (ابوالحسین بن مفضل قطان' عبداللہ بن جعفر

یعقوب بن سفیان ابوصالح لیث خالد بن یزید سعید بن ابی ہلال بن اسامہ عطا بن یسار) ابن سلام سے بیان کرتے ہیں:

انا لنجد صفة رسول الله صلى الله عليه و سلم انا ارسلناک شاهدا و مبشرا ونذيرا وحرز للأميين انت عبدی ورسولی ' سميته المتوكل ليس بفظ ولا غليظ ولاضحاک فی الاسواق ولايجزی السيئة بمثلها ولكن يعفو ويتجاوز ولن يقبضه حتى يقيم به الملة العوجاء بان يشهدوا ان لااله الاالله ' يفتح بها اعينا عميا وآذانا صما وقلوبا غلفا. وقال عطا بن يسار و اخبرنی الليثی انه سمع كعب الاحبار يقول مثل ما قال ابن سلام

(اس کا ترجمہ مذکور بالا روایت عبداللہ بن عمرو کی طرح ہے)۔

تورات......امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس روایت کا عبداللہ بن سلام سے بیان ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ لیکن اکثر عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے علاوہ ازیں جنگ یرموک میں ان کو اہل کتاب کی کتابوں کے دو بنڈل ملے تھے وہ ان سے بیان کیا کرتے تھے۔ اکثر اسلاف اہل کتاب کی تمام کتب پر "تورات" کا نام اطلاق کرتے ہیں' یہ نام ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے۔

آپ کی صفات......یونس (ابن اسحاق' محمد بن ثابت بن شرحبیل' ابن ابی اوفی) ام درداء رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات کیا ہیں؟ تو اس نے بتایا محمد اللہ کے رسول' متوکل' نہ تندخو نہ سنگدل' نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے آپ کو اور چابیاں عطا ہوئی ہیں' اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اندھوں کو بینائی عطا کرتا ہے اور بہروں کو قوت سماعت دیتا ہے اور کج زبانوں کو راہ راست پر لاتا ہے تاکہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی توحید کے قائل ہوں ان کے ذریعہ اللہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے (اس سند کے علاوہ بھی کعب سے مذکور ہے)۔

بیہقی (حاکم' ابوالولید فقیہ' حسن بن سفیان' عتبہ بن مکرم' ابوقطن عمرو بن ھیثم حمزہ بن زیات' سلیمان اعمش' علی بن مدرک' ابوزرعہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں (و ما كنت بجانب الطور اذنا دينا) (۲۸/۴۶) پکارے اور آواز دیئے گئے' اے امت محمد! دعا مانگنے سے قبل میں نے تمہاری دعا قبول کرلی اور قبل از سوال تمہیں عطا کر دیا۔

زبور میں خیر الامم کا ذکر......وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زبور میں وحی فرمائی کہ تیرے بعد ایک نبی آئے گا ان کا نام احمد اور محمد ہوگا' راست باز' سید' میں اس پر کبھی ناراض نہ ہوں گا اور نہ وہ مجھے ناراض کرے گا اور میں نے اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں' ان کی امت مرحومہ اور رحمت یافتہ ہے' میں نے امت مرحومہ کو گذشتہ انبیاء کرام کے ایسے انعامات سے نوازا ہے' میں نے اس پر وہ فرائض عائد کئے ہیں جو سابقہ انبیاء و رسل پر عائد تھے وہ امت میرے پاس قیامت کے روز آئے گی' ان کا نور سابقہ انبیاء کے نور کی مثل ہوگا' پھر بیان کیا اے داؤد! میں نے امت محمد ﷺ کو خیر الامم اور سب امتوں سے افضل قرار دیا ہے۔

گذشتہ کتابوں میں آپ کے ذکر خیر کی تصدیق قرآن مجید سے

اہل کتاب کی کتابوں میں آپ کے متعلق جو معلومات موجود ہیں وہ ضروریات دین کا جز ہیں۔ متعدد آیات اس بات کی شاہد ہیں من جملہ ان آیات کے (القصص ۵۲۔۵۳ ۲۸/۵۳) جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے' ہمارے رب کی طرف سے یہ حق ہے' ہم تو اس کو پہلے ہی مانتے تھے۔ (۲/۱۴۶) میں ہے وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی

تھی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، بے شک کچھ لوگ ان میں سے حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔(البقرہ ۱۴۷/۲) میں ہے بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں پر سجدہ میں گرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا یعنی محمد ﷺ کے وجود مسعود اوران کی رسالت کا وعدہ لامحالہ پورا ہو کر رہے گا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کو کوئی مانع نہیں۔(الاسراء)

(المائدہ ۸۳/۵) میں ہے اور جب اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر اتری تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے بہتی ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا' کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لائے ہیں تو ہمیں ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے۔

شاہ حبش نجاشی' سلمان فارسی اور عبداللہ بن سلام وغیرہ کے قصص و واقعات میں اس مفہوم و معنی کے شواہد موجود ہیں و للہ الحمد و المنة.

فارقلیط ...... قبل ازیں ہم سیرت انبیاء علیہم السلام کے ضمن میں ان سے رسول اللہ ﷺ کی صفات و نبوت' ان کے مولد و منشا' ہجرت گاہ اور امت محمدیہ کے صفات و فضائل موسیٰ' شعیا' ارمیا اور دانیال وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے قصص میں بیان کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آگاہ فرمایا ہے کہ انہوں نے دوران خطاب فرمایا۔(۶۱/۶)''بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں' تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔'' انجیل میں فارقلیط کی بشارت مذکور ہے اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

انجیل میں ...... بیہقی' عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' انجیل میں موجود ہے وہ نہ تندخو ہیں نہ سنگ دل نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے ہیں اور درگزر فرماتے ہیں۔

حلیہ مبارک ...... یعقوب بن دفیان' فیض بجلی' سلام بن مسکین' مقاتل بن حبان سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے احکام کی تبلیغ میں کوشش کر اے پاکباز بتول کے لخت جگر! میں نے تجھے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور دنیا کے لئے معجزہ بنایا ہے محض میری عبادت کر' سوران کے باشندگان کے لئے سریانی زبان میں بیان کر اور سب کو بتا دے کہ میں حق ہوں' زندہ جاوید ہوں' نا خواندہ نبی عربی کی تصدیق کرو جو شتر سوار ہے' زرہ پوش ہے' صاحب تاج ہے' صاحب نعلین اور صاحب عصا ہے' گھونگریالے بال والے' کشادہ پیشانی' ابرو پیوستہ موٹی اور بڑی آنکھوں والے' پلکیں بڑی' آنکھیں سیاہ اور سرمگیں' بلیں درازی مائل' رخسار نکھرے ہوئے' ریش مبارک گھنی' چہرہ انور پر پسینہ موتی کی طرح' کستوری کی مہک' گردن پر گویا نقرئی چمک ہے' پسلیوں میں گویا سونا متحرک ہے' سینہ سے ناف تک باریک چھڑی کی طرح بالوں کی ہلکی لکیر' علاوہ ازیں پیٹ پر بال نہ ہیں' ہتھیلی اور قدم پر گوشت' جب لوگوں کے ہمراہ آئے تو ان کو ڈھانپ لئے چلے تو گویا ڈھلوان سے اترتے ہیں' نرینہ اولاد سے محروم۔ بیہقی نے یہ روایت دلائل میں یعقوب بن سفیان سے بیان کی ہے۔

عجیب نادر تحریر ...... حافظ بیہقی' عثمان بن حکم بن رافع بن سنان سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے خاندان کے بعض بزرگوں نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت سے ان کے ہاں ایک تحریر شدہ ''ورق'' پشت ہا پشت سے چلا آ رہا تھا' تا آنکہ اسلام کا دور آیا اور وہ ان کے پاس محفوظ تھا' جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہ یہ ورق آپ کی خدمت میں لائے' اس میں تحریر تھا:

''بسم الله' قوله الحق وقول الظالمين في تباب ' هذا الذكر لامة تاتي في آخر الزمان ليبلون اطرافهم ويوترون على اوساطهم ويخوضون البحور الى اعدائهم فيهم صلاة لو كانت في قوم نوح ما اهلكوا بالطوفان وفي عاد ما اهلكوا بالريح وفي ثمود ما اهلكوا بالصيحة بسم الله وقوله الحق وقول الظالمين في تباب''.

''بسم اللہ' اس کا فرمان برحق ہے اور ظالموں کی بات برباد ہے' یہ ذکر اس امت کا ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگی' ان کے اعضاء

واطراف میں آزمائش ہوگی اوران کے محبوب اور پیارے آفت ومصیبت میں مبتلا ہوں گے دشمنوں پر سمندر عبور کر کے حملہ آور ہوں گے ان میں مخصوص طریقہ عبادت نماز ہے۔ اگر وہ قوم نوح میں ہوتی تو وہ طوفان میں غرقاب نہ ہوتی 'عاد میں ہوتی تو وہ باد صرصر سے تباہ نہ ہوتی 'ثمود میں ہوتی تو وہ چنگھاڑ سے ہلاک نہ ہوتی 'بسم اللہ اس کا فرمان سچ ہے اور ظالموں کا بول تباہ ہے' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تعجب کا اظہار کیا۔"

انبیاء علیہم السلام کی تصاویر......الذی یجدونہ مکتو باعندھم فی التوراۃ والانجیل (۷/۱۵۷) کے ذیل میں ہشام بن عاص اموی کا قصہ تفسیر میں بیان کیا ہے جب ابوبکر صدیق نے ان کو ہرقل کے پاس ایک قافلہ میں بھیجا تھا تو ہرقل نے انبیاء علیہم السلام کی تصاویر ان کو دکھائیں 'ایک کپڑے میں تھیں 'از آدم تا محمد صلی اللہ علیہم اجمعین 'جب رسول اللہ ﷺ کی تصویر نکال کر دکھائی تو وہ تعظیماً کھڑا ہوگیا پھر وہ بیٹھ کر غور سے دیکھتا رہا۔ ہم نے اس سے پوچھا یہ تصاویر آپ کو کہاں سے میسر ہوئی ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ جملہ انبیاء کرام کی تصاویر دکھائے 'چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں یہ غروب آفتاب کے مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں محفوظ تھیں 'ذوالقرنین نے یہ نکال کر دانیال علیہ السلام کے سپرد کر دیں۔ پھر ہرقل نے کہا 'واللہ! میری خواہش ہے کہ ملک کو خیر باد کہہ دوں اور غلامانہ زندگی بسر کروں 'بعدازاں اس نے ہمیں قیمتی تحائف دیئے۔ جب ہم واپس ہوئے تو ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پورا قصہ بیان کیا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ مسکین ہے وہ۔ اگر قدرت کو اس کی بھلائی مقدر ہوتی تو وہ اپنے ارادوں پر عمل کر لیتا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کے پاس محمد ﷺ کی صفات وعلامات موجود تھیں 'یہ روایت حاکم نے مفصل بیان کی ہے اور حافظ بیہقی نے دلائل میں ذکر کی ہے۔

اموی '(عبداللہ بن زیاد 'ابن اسحاق 'یعقوب بن عبداللہ بن جعفر بن عمرو بن امیہ 'ابوعبداللہ) جدہ عمرو بن امیہ سے بیان کرتے ہیں مجھے نجاشی نے غلام عطا کئے میں ان کو لے کر آیا تو وہ کہنے لگے جناب عمرو! اگر ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیں تو بغیر کسی کے بتانے کے ہم ان کو پہچان جائیں 'چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرے تو میں نے کہا کیا یہ رسول اللہ ﷺ ہیں؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا پھر عمر گزرے تو کہا کیا یہ وہ ہیں؟ تو پھر بھی انہوں نے نفی میں جواب دیا پھر ہم گھر میں چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو وہ بلند آواز سے کہنے لگے 'دیکھو! عمرو! یہ ہیں رسول اللہ ﷺ 'میں نے "مڑکر" دیکھا تو واقعی آپ تھے 'بغیر بتائے انہوں نے پہچان لیا کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک ان کے پاس تحریر تھا۔ (رسول اللہ ﷺ کے وجود مبارک کا قصہ سباء سے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں 'اسی طرح تبع یمنی کا مدینہ کے محاصرہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں)۔

سیف بن ذی یزن کا قصہ اور اس کی رسول ﷺ کے متعلق بشارت

"ھواتف جان" میں ابوبکر خرائطی 'عبداللہ بن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دوسال بعد 'سیف بن ذی یزن (بقول نعمان بن منذر 'اس کا نام ہے نعمان بن قیس) جب حبشہ کو شکست دے کر کامیاب ہو گیا تو عرب کے متعدد وفد اور شعراء اس کی خدمت میں مبارکباد اور تہنیت کے لئے حاضر ہوئے 'قریش کے وفد میں عبدالمطلب بن ہاشم 'امیہ بن عبد شمس ابی عبداللہ بن جدعان 'خویلد بن اسد 'وغیرہ متعدد قریش کے سربرآوردہ لوگ تھے 'لوگ "صنعا" میں آئے تو معلوم ہوا کہ وہ "راس غمدان" میں ہے۔ جس کا ذکر امیہ بن ابی الصلت نے کیا ہے۔

واشرب ھنیئا علیک التاج مرتفعا فی راس غمدان دارا منک محلالا

چنانچہ "راس غمدان" میں اس کے پاس اجازت طلب کرنے والا حاضر ہوا اور اس نے وفد کی حیثیت اور قدر و منزلت سے سیف بن ذی یزن کو آگاہ کیا تو اس نے ملاقات کی اجازت دے دی، عبدالمطلب نے دربار میں داخل ہو کر بات کرنے کی اجازت طلب کی تو اس نے کہا اگر آپ میرے سامنے بات کر سکتے ہیں تو اجازت ہے، چنانچہ عبدالمطلب نے کہا، بادشاہ سلامت! قدرت نے آپ کو بلند مرتبہ عطا کیا ہے، عالی مقام مرحمت کیا، اعلیٰ منزلت سے نوازا ہے اشرف خاندان میں پیدا کیا، اعلیٰ خانوادے میں نمودار کیا۔ ہے اس کے مجد وشرف کی اساس زمین پر ہے اور شاخ فلک

بوس اکرم مقام اور عمدہ مکان میں ابیت اللعلن آپ عرب کے بادشاہ ہیں، ان کے لئے باراں رحمت ہیں، عرب کے امیر ہیں جن کے سامنے سارا عرب جبہ سا ہے اور ان کے قابل اعتماد ستون ہیں اور غریبوں کے ملجأ وماویٰ ہیں آپ کے اسلاف بہترین اشخاص تھے اور آپ ان کے بہترین جانشین ہیں۔ اے بادشاہ ذی کرم! ہم حرم کے باشندے ہیں اور بیت اللہ کے محافظ ومجاور ہیں، آپ کے ہاں ہماری آمد کا باعث ہے ان مصائب کے رفع کا جو ہمارے لئے پریشان کن تھے، ہم تہنیت وتبریک کا وفد ہیں۔ تعزیت واذیت کا نہیں۔ شاہ نے پوچھا، اے بدیہ تبرک پیش کرنے والے، تمہارا تعارف! تو بتایا میں ہوں عبدالمطلب بن ہاشم! تو شاہ نے کہا، ہمارا بھانجا! تو عبدالمطلب نے کہا، جی ہاں! پھر ان کو قریب بلا کر خوش آمدید کہا کہ آپ اپنے اہل خانہ کے پاس آئے ہو، نرم وگداز مقام پر آئے ہو، عطیات اور تحائف سے نوازے جاؤ گے، بادشاہ سلامت نے تمہاری بات سن لی ہے اور رشتہ وناطہ معلوم کرلیا ہے۔ یہاں شب وروز تمہارے ہیں جب تک قیام رہے، کوچ کرو تو ہدایا اور تحائف۔ بعدازاں یہ وفد شاہی محل میں چلا آیا، پورا ایک ماہ قیام رہا، بادشاہ واپسی کی اجازت نہ دے رہے تھے۔

یکا یک شاہ کو خیال آیا اس نے عبدالمطلب کو بلایا، تنہائی میں اپنے قریب بٹھایا اور رازداری کے لہجہ میں بتایا، جناب عبدالمطلب! میں آپ کو اپنا محرم راز بناتا ہوں آپ کے علاوہ کسی کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، میں آپ کو راز سے آگاہ کرتا ہوں وہ آپ کے پاس راز رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کو آشکارا کرے، اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے۔ میں اپنی خصوصی کتاب اور ذاتی علم میں جو ہم نے اپنے لئے محفوظ رکھا ہے ایک عظیم خبر اور دل آویز واقعہ پاتا ہوں جو انسانیت کے لئے دو عالم میں مفید ہے، خصوصاً آپ کے خاندان کے لئے تو عبدالمطلب نے کہا، بادشاہ سلامت! آپ جیسے بادشاہوں کی ہر بات راز اور عمدہ ہوتی ہے۔ فرمائیے وہ کیا ہے؟ آپ پر سب خیمہ نشین صدقے اور قربان! اس نے کہا، حجاز میں ایک بچہ پیدا ہوگا، اس کی ایک علامت ہوگی کہ اس کے کندھوں کے درمیان تل ہوگا وہ دنیا کا مقتدیٰ اور پیشوا ہوگا اور اس کی بدولت تا قیامت آپ کے ہاتھ میں زعامت وقیادت ہوگی۔

عبدالمطلب نے کہا بادشاہ سلامت! میں ہر شریک قافلہ سے بانصیب ہوں، اگر شاہ کی ہیبت اور عظمت وشوکت مانع نہ ہو تو دریافت کروں کہ خصوصاً مجھے یہ بشارت کیوں سنائی ہے؟ تو ابن ذی یزن نے کہا، یہ اس کی ولادت کا وقت ہے یا وہ پیدا ہو چکا ہے اس کا نام محمد ہے اور وہ یتیم ہے، اس کا دادا اور چچا کفیل ہے پشت ہا پشت وہ ہم میں منتقل ہوتا رہا ہے، اللہ اس کو ظاہر کرنے والا ہے ہم سے اللہ تعالیٰ اس کے انصار ومددگار پیدا کرے گا۔ اس کے دوستوں کو ان کی بدولت عزت بخشے گا اور دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرے گا اور عوام کو ان کی آماج گاہ بنائے اور ان کے تعاون سے زرخیز علاقے کو فتح کرے گا۔ وہ بتوں کو توڑے گا، آتش کدے کو بجھادے گا، اللہ کی پرستش کرے گا، شیطان کو دھتکار دے گا۔ اس کا فرمان دوٹوک ہے۔ اس کا حکم عدل وانصاف ہے۔ نیکی کا حکم دیتا ہے اور نیکی کرتا ہے برائی سے منع کرتا ہے۔

عبدالمطلب نے کہا، بادشاہ سلامت! آپ کا مقدر غالب ہو، وقار بلند ہو، عمر دراز ہو، اس راز کی مزید وضاحت فرمائیے تو سیف بن ذی یزن نے کہا، غلاف والے بیت اللہ کی قسم اور گھاٹیوں کے علامات کی قسم! اے عبدالمطلب! آپ ان کے دادا ہیں، یہ بشارت سن کر عبدالمطلب سجدہ ریز ہو گئے تو ابن ذی یزن نے کہا سر اٹھائیے، آپ کا دل ٹھنڈا ہو، اور نصیب بلند ہو، میرے بیان سے آپ کو کچھ خیال آیا۔ تو عبدالمطلب نے کہا، بادشاہ سلامت! میرا ایک بیٹا تھا، وہ مجھے بہت پیارا تھا، میں نے برادری کی معزز خاتون، آمنہ بنت وہب سے اس کی شادی کی، اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا، میں نے اس کا نام رکھا "محمد" وہ یتیم ہو گیا تو میں نے اور اس کے چچا نے کفالت کی۔

ابن ذی یزن نے کہا، جو بات میں نے آپ کو بتائی ہے وہ اسی طرح ہی حق ہے، اپنے بیٹے کو یہود سے بچانا وہ اس کے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر ان کی دسترس نہیں کرے گا، یہ راز اپنے رفقائے سفر کے پاس افشا نہ کرنا، مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہاری سیادت وقیادت پر حسد کریں گے اور اس کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے "یہ خود کریں گے یا ان کی اولاد" اس کی بعثت کے قبل مجھے موت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں خود یثرب میں چلا آتا۔ مجھے ناطق اور علم سابق سے معلوم ہے کہ یثرب میں اس کی حکومت مستحکم ہوگی، اور اس کے باشندے اس کے مددگار ہوں گے اور وہاں اس کا مقبرہ ہوگا۔ اگر مجھے اس کو آفات وخطرات سے محفوظ رکھنے کا خیال نہ ہوتا تو اوائل عمر میں اس کا اعلان کر دیتا اور اشراف عرب کو اس کا تابع کر دیتا، لیکن میں تمہارے رفقاء کے حقوق کو نظرانداز کیے بغیر یہ ذمہ داری صرف آپ کے سپرد کرتا ہوں۔

روانگی کے وقت ابن ذی یزن نے وفد کے ہر فرد کو دس غلام، دس کنیزیں، دو سوٹ پانچ رطل سونا، دس رطل چاندی، پورا ایک کرش عنبر خوشبو عطا کیا اور عبدالمطلب کو اس سے دس گنا عطیہ دیا اور عبدالمطلب کو کہا سال بعد ضرور تشریف لاتا مگر سیف بن یزن سال گزرنے سے قبل ہی فوت ہو گیا۔ عبدالمطلب بکثرت کہا کرتے تھے، میں شاہ کے عطیہ جات کا خواہشمند نہیں کیونکہ وہ تو زوال پذیر ہیں، لیکن میں اس امر کا آرزومند ہوں جس کا شرف وافتخار اور تذکار میری نسل میں تا ابد باقی رہے گا جب اس سے دریافت ہوتا کہ یہ کب ہوگا تو کہتے وہ ظہور پذیر ہوگا، خواہ دیر بعد، اس سفر کے بارے امیہ بن عبدشمس نے کہا:

جلبنا النصح تحقبه المطایا
علی اکوار اجمال ونوق
مقسلفة مراتعها تعالی
الی صنعاء من فج عمیق
تؤم بنا ابن ذی یزن وتفری
بذات بطونها ذم الطریق
وترعی من مخائله بروقا
مواصلة الومیض الی بروق
فلما واصلت صنعاء حلت
بدار الملک والحسب العریق

"ہم سواریوں کے پالانوں پر سوار تہنیت کا سندیسہ لئے جا رہے ہیں صنعا کی طرف کشادہ راستوں پر جن کی چراگاہیں آب ودانہ سے پر ہیں۔ ان حاملہ ساریوں کا پر امن راہوں میں قصد ہے ابن ذی یزن۔ وہ اس کے بادلوں سے مسلسل بجلیاں چمکتی دیکھ رہی ہیں۔ جب وہ صنعا پہنچ گئیں تو وہ شاہی مہمان خانہ میں داخل ہو گئے"۔

دلائل میں اسی طرح حافظ ابونعیم نے عمرو بن بکیر قعنبی کی سند سے بیان کیا ہے۔

محمد نام کیوں رکھا......ابوبکر خرائطی (ابو یوسف یعقوب بن اسحاق قلوسی، علاء بن فضل بن ابی سویہ، ابوہ فضل بن ابی سویہ ابوہ عبدالملک بن ابی سویہ جدہ ابی سویہ) ابوہ خلیفہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن عثمان بن ربیعہ بن سواۃ بن خشم بن سعد تمیمی سے پوچھا کہ تیرے والد نے محمد نام کیوں رکھا؟ تو اس نے بتایا میں نے بھی یہ اپنے والد سے پوچھا تھا تو اس نے مجھے بتایا کہ میں بنی تمیم کے تین افراد......سفیان بن مجاشع بن دارم اور اسامہ بن مالک بن جندب اور یزید بن ربیعہ بن کنانہ بن حربوص کے ہمراہ شاہ غسان، ابن جفنہ کے دربار میں حاضر ہوا ہم شام کی سرحد پر ایک تالاب جس پر درخت تھے فروکش ہوئے، ایک راہب نے ہماری گفتگو سن کر پوچھا کون ہو، یہ اس علاقہ کی زبان نہیں ہے تو ہم نے بتایا ہاں ہم مضری ہیں۔ اس نے پھر پوچھا کون سے مضر؟ ہم نے کہا خندف خاندان سے، تو اس نے بتایا عنقریب خاتم انبیاء مبعوث ہوگا، تم اپنے علاقہ میں جاؤ اور اپنے مقسوم حاصل کرو، راہ راست پر رہو گے، ہم نے اس سے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ تو اس نے بتایا محمد نام ہے چنانچہ ہم وہاں سے واپس ہوئے تو ہر ایک کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، سب نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا کہ یہی موعود نبی ہو جس کی بشارت ہوئی ہے۔

اوس کی پیش گوئی......حافظ خرائطی جابر بن جدان بن سموال سے بیان کرتے ہیں کہ اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی وفات کے وقت اس کی قوم غسان کے لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا آپ بزرگ ہیں آپ کے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے ہیں، ہم آپ کو شادی کی ترغیب دلاتے ہیں۔ آپ کا صرف ایک ہی بیٹا مالک ہے۔ یہ سن کر اوس نے کہا جس کا مالک جیسا ایک بیٹا ہو وہ کبھی بے نام ونشان نہیں رہتا وہ اللہ جو پتھر سے آگ پیدا کرتا ہے، وہ قادر ہے کہ مالک کی نسل سے بہادر نوجوان پیدا کرے۔ پھر وہ اپنے بیٹے مالک سے مخاطب ہوا۔ ذلت سے موت اچھی، عتاب

کی ملامت سے عقاب بہتر ہے۔صبر بے جا مخاصمت سے اچھا ہے،قبر فقر سے بہتر محتاج اور نادار ذلیل ہوتا ہے پسپا ہونے والا فرار ہوتا ہے اچھے آدمی کی خوبی اپنی خواتین کا دفاع ہے زمانہ دو قسم کا ہے موافق ہو تو اترا و نہ مخالف ہو تو صبر کرو، دونوں حال زوال پذیر ہیں نہ تاج وتخت کا مالک رہے گا نہ کمینہ اور ناتواں ونادار اپنے سے مصالحت ومساحت کر، اللہ تجھے زندہ جاوید کرے پھر اس نے کہا:

شهدت السبايا يوم آل محرق
وادرك أمري صيحة الله في الحجر
فلم أر ذا ملك من الناس واحدا
ولا سوقة الا الى الموت والقبر
فعل الذي أردى ثمودا وجرهما
سيعقب لي نسلا على آخر الدهر
تقربهم من آل عمرو بن عامر
عيون لدى الداعي الى طلب الوتر
فان لم تك الايام أبلين جدتي
وشيبن رأسي والمشيب مع العمر

''میں آل محرق کی جنگ میں اسیروں کی گرفتاری کے وقت موجود تھا اور اللہ کے عذاب نے اہل حجر کو نیست ونابود کر دیا۔ ہر حاکم اور محکوم راعی اور رعیت کا انجام موت اور قبر ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے ثمود اور جرہم کو ہلاک کر دیا۔وہ میری نسل کو ابد الا باد تک باقی رکھے گا۔ بدلہ لینے والے کی پکار کے وقت ان سے آل عمرو بن عامر کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اگر وہ زمانہ نہیں رہا جس نے مجھے بڑھاپے سے دوچار کر دیا ہے (بڑھاپا عمر کے ساتھ ہے) (کوئی عجوبہ نہیں''۔

فان لنا ربا على فوق عرشه
عليما بما يأتي من الخير والشر
ألم يأت قومي أن لله دعوة
يفوز بها أهل السعادة والبر
اذا بعث المبعوث من آل
غالب بمكة فيما بين مكة والحجر
هنالك فابغوا نصره ببلادكم
بني عامر ان السعادة في النصر

''عرش پر ہمارا رب ہے جو ہر خیر وشر کو خوب جانتا ہے۔کیا میری قوم کو معلوم نہیں کہ اللہ کا ایک پیغام ہے جس سے سعید اور نیک لوگ بہرہ ور ہوں گے۔ جب آل غالب سے ایک نبی مبعوث ہوگا، مکہ میں جو حجر اور مکہ کے درمیان میں واقع ہے۔اس وقت تم اپنے علاقہ میں اس کی مدد کرو، اے بنی عامر! بے شک سعادت اس کی مدد میں مضمر ہے''۔

غیبی آوازوں سے آپ ﷺ کی بعثت کا اقرار..... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ

حضرت عمر کا ظن و گمان عموماً صحیح ہوتا تھا۔ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ ایک حسین و جمیل آدمی آپ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر میرا ظن و تخمینہ غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلی دین پر قائم ہے یا جاہلیت میں کاہن تھا اور حکم فرمایا کہ اس کو بلا وہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مذکورہ بالا بات کہی اس نے کہا کہ مجھ سے آج تک ایسی بات کسی نے نہیں کی بالآخر اس نے یہ اعتراف کیا کہ میں واقعی جاہلیت میں کاہن تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، آپ کے جن کا عجیب تر واقعہ کون سا ہے؟ اس نے کہا میں ایک روز بازار میں تھا تو وہ جن میرے پاس نہایت پریشان حال میں آیا اور کہا:

الــــم تــــر الــــجــــن وابــــلا سهــــا
ويــــا سهــــا مــــن بــــعــــد انــــكــــا سهــــا؟
ولــــحــــوقهــــا بــــالــــقــــلاص
واحــــلا سهــــا

''کیا تو نے جنات کو اور ان کی ناامیدی اور مایوسی کو پلٹنے کے بعد اور ان کا اپنی سواریوں اور پشت پوش کے ساتھ چمٹ جانے کو نہیں دیکھا؟''

حضرت عمر نے کہا اس نے صحیح کہا ہے میں بھی ایک دفعہ بتوں کے پاس سو رہا تھا کہ ایک آدمی گائے کا بچھڑا لے کر آیا پھر اس کو ذبح کیا اس کے اندر سے ایسی بلند آواز آئی جو میں نے کبھی نہ سنی تھی، وہ آواز یہ تھی: (یا جلیح أمر نجیح رجل فصیح یقول لاالٰہ الااللّٰہ) اے جلیح! ایک عمدہ کام ہے کہ ایک فصیح انسان لا الہ الا اللہ کہتا ہے میں وہاں سے اٹھ کر چل دیا کچھ عرصہ بعد مشہور ہو گیا کہ وہ فصیح انسان نبی علیہ السلام ہیں۔(تفرد به البخاری).

سواد بن قارب...... ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ کاہن سواد بن قارب ازدی یا سدوسی ''سراۃ'' کے کوہ بلقاء کا باشندہ تھا اور ابن مندہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابو جعفر محمد بن علی اس سے روایت بھی بیان کرتے ہیں اور بقول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں حافظ احمد بن روح برذعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے عثمان وقاصی نے محمد بن کعب قرظی سے کیا ہے کہ ان کا شمار ''اشراف یمن'' میں تھا یہ ابو نعیم نے ''دلائل'' میں ذکر کیا ہے اور یہ بیان متعدد اسناد سے منقول اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے طویل ہے محمد بن اسحاق، عبداللہ بن کعب مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں لوگوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عربی آپ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے مسجد میں آیا آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ شخص یا تو مشرک ہے یا قبل از اسلام کاہن تھا وہ شخص سلام کہہ کر بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: مسلمان ہو؟ تو اس نے کہا جی ہاں، اے امیر کیا تم المومنین۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم جاہلیت میں کاہن تھے اس نے کہا سبحان اللہ! آپ میرے متعلق بدگمان ہیں اور آپ نے مجھ سے ایسا طرز کلام اختیار کیا ہے جو شاید آپ نے کسی سے بھی اختیار نہ کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی پناہ، ہم تو قبل از اسلام اس سے بھی بدترین حال میں تھے کہ بتوں کے پرستار اور ان کے دلدار تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے نواز دیا تو اس شخص نے، کہا جی ہاں! میں جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے جن کی کوئی بات سناؤ تو اس نے کہا کہ اسلام کے ظہور سے قریباً ایک ماہ قبل جن نے مجھ سے کہا: الم تر الی الجن و ابلاسما و ایاسها من دینها و لحوقها بالقلاص واحلا سها (اس کا ترجمہ گزر رہا ہے) ابن اسحاق کہتے ہیں یہ کلام مسجع اور موزوں ہے اشعار نہیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جاہلی دور میں قریش کے چند افراد کے ہمراہ ایک بت کے پاس موجود تھا کسی نے بچھڑا ذبح کیا، ہم اس کے گوشت کی تقسیم کے منتظر تھے کہ یکایک میں نے اس کے پیٹ سے مہیب آواز سنی کہ کبھی نہ سنی تھی، یہ اسلام کے ظہور سے تقریباً ایک ماہ کا واقعہ ہے وہ آواز یہ تھی: یا ذریح امر نجیح رجل یصیح یقول: لا الہ الا اللہ اور بقول ابن ہشام وہ الفاظ یہ ہیں: رجل یصیح بلسان فصیح یقول لاالٰہ الااللّٰہ (اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے) بعض نے یہ اشعار پڑھے۔

عجبت للجن و ابلا سها
وشدها العيس باحلا سها
تهوى الى مكة تبغى الهدى
ما مؤمنو الجن كانجا سها

''میں نے جنات اوران کی ناامیدی اوران کے عزم سفر پر تعجب کیا۔ جو مکہ کی جانب ہدایت کی طلب میں روانہ ہوئے! مسلمان جن غیر مسلم جنات کے مساوی نہیں''۔

سواد بن قارب کا قبول سلام...... حافظ ابویعلیٰ یحییٰ بن حجر بن نعمان شامی، علی بن منصور انباری، محمد بن عبدالرحمان وقاص محمد بن کعب قرظی سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی گزرا، کسی نے کہا یا امیر المومنین! آپ اس کو جانتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ کون ہے اور اس کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم سواد بن قارب ہو؟ اس نے ''جی ہاں'' کہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم کہانت کے پیشہ سے وابستہ ہو؟ وہ یہ سن کر طیش میں آ گیا اور بولا کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، مجھ سے ایسی کرخت بات کسی نے نہیں کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم تو تیری کہانت سے بھی بڑھ کر عظیم گناہ ''شرک'' میں مبتلا تھے، اچھا یہ بتا رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر آپ کے جن نے کیسے بتائی تھی؟ تو اس نے کہا اے امیر المومنین! میں رات کو اونگھ رہا تھا کہ جن نے مجھے پیر کی ٹھوکر مار کر کہا قم یا سواد اے سواد کھڑا ہو جا اور میری بات سن، اگر تجھ میں شعور ہے تو غور کر کہ لوئی بن غالب سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے وہ اللہ اور اس کی پرستش کی دعوت دیتا ہے۔ پھر کہنے لگا:

عجبت للجن وتطلابها
وشدها العيس بأقتابها
تهوى الى مكة تبغى الهدى
ما صادق الجن ككذابها
فارحل الى الصفوة من هاشم
ليس قدامها كأذنابها

''میں نے جنات اوران کی جستجو اوران کے عزم سفر پر تعجب کیا ہے کہ وہ ہدایت کی تلاش میں مکہ کی طرف رواں دواں ہیں، سچا جن جھوٹے جن کی طرح نہیں ہے۔ تو بھی آل ہاشم کے ممتاز انسان کی طرف روانہ ہو جا اور روانہ ہونے میں جلدی کر سابق اور لاحق یکساں نہیں ہوتے''۔

میں نے جن سے کہا چھوڑ مجھے نیند کرنے دے دوسری رات پھر آیا اور اس نے پیر مار کر کہا، سواد کھڑا ہو جا اور میری بات سن، شعور ہو تو سمجھ، لوئی بن غالب کے خاندان سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے جو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پھر اس نے یہ کہا۔

عجبت للجن وتحيارها
وشدها العيس بأكوارها
تهوى الى مكة تبغى الهدى
ما مؤمنو الجن ككفارها
فارحل الى الصفوة من هاشم
بين روابيها وأحجارها

''میں نے جنوں اوران کی حیرانی و پریشانی اوران کے عزم سفر پر حیرت کا اظہار کیا جو ہدایت کی جستجو میں مکہ کی طرف روانہ ہیں کافر اور مومن جن یکساں نہیں آل ہاشم کے برگزیدہ انسان کی طرف روانہ ہو جو بلند مقامات اور پہاڑوں کے درمیان ہے''۔

میں نے کہا چھوڑ، مجھے سونے دو تیسری رات پھر آیا اور اس نے پیر مار کر کہا سواد! کھڑا ہو جا میری بات پر غور کر اور سمجھ اگر عقل و تمیز ہو، لوئی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہے، پھر اس نے کہا۔

عجبت للجن وتحساسها
وشدها العيس باحلاسها
تهوى الى مكة تبغى الهدى
ما خير الجن كانجاسها
فارحل الى الصفوة من هاشم
واسم بعينيك الى راسها

''میں نے جنات اور ان کے ادراک و علم اور ان کے قصدِ سفر پر حیرت کا اظہار کیا جو مکہ کی طرف رشد و ہدایت کے لئے کمر بستہ ہیں، ان کا بہتر اور پاک پلید کی طرح نہیں، آل ہاشم کے ممتاز شخص کی طرف چلو اور اپنی آنکھوں سے ان کا سر اور چہرہ دیکھو''۔

یہ سن کر میں اٹھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا دل کھول دیا ہے چنانچہ میں سوار ہو کر مکہ آیا، رسول اللہ ﷺ مکہ میں صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا کلام سماعت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو چنانچہ میں نے کہا۔

اتانى نجيى بعد هدء ورقدة
ولم يك فيما قد تلوت بكاذب
ثلاث ليال قوله كل ليلة
اتاك رسول من لوى بن غالب
فشمرت عن ذيلى الازار ووسطت
بى الدعلب الوجناء غير السباسب
فاشهد أن الله لا شيء غيره
وأنك مامون على كل غالب

''میرا ہم راز (یعنی جن) رات بھیگ جانے اور سو جانے کے بعد آیا اور جو میں بتا رہا ہوں اس میں وہ جھوٹا نہیں۔ متواتر تین رات اس کا یہ کہنا تھا کہ تیرے پاس لوی ابن غالب کی طرف سے ایک رسول آیا ہے۔ میں گواہ ہوں کہ اللہ کے سواء ہر چیز زوال پذیر ہے اور تو ہر غالب آنے والے سے محفوظ و مامون ہے''۔

وأنك ادنى المرسلين وسيلة
الى الله يا ابن الاكرمين الأطايب
فمرنا بما ياتيك يا خير من مشى
وان كان فيما جاء شيب الذوائب
وكن لى شفيعا يوم لا ذو شفاعة
سواك بمغن عن سواد بن قارب

''بیشک آپ تمام انبیاء کی بنسبت اللہ کی طرف قریب ہیں، اے اکرم اور اطیب آباء و اجداد کے لختِ جگر! اے ہر چلنے والے سے بہتر! آپ نازل ہونے والے احکام کی اطاعت کا حکم فرمائیں اگرچہ وہ کتنے ہی دشوار ہوں۔ اُس روز آپ میرے شفیع ہوں جب آپ کے بغیر سواد کو کسی سفارش کی سفارش سودمند نہ ہو''۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ یہ اشعار سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرط مسرت سے ان کے چہرے چمک اٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بغل گیر ہو گئے اور کہا کہ میری دیرینہ آرزو تھی کہ یہ روایت آپ سے بالمشافہ سنوں، کیا اب بھی وہ جن آپ کے پاس آتا ہے؟ تو اس نے کہا جب سے میں نے قرآن کی تلاوت شروع کی ہے وہ نہیں آیا اور بیشک جنات کی صدائے غیبی سے قرآن بہتر ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایک روز آل ذریح کے محلہ میں تھے کہ ایک صاحب نے بچھڑا ذبح کیا، قصاب گوشت بنا رہا تھا کہ بچھڑے کے اندر سے آواز آئی (آواز والا نظر نہیں آ رہا تھا) ''اے آل ذریح! کامیاب امر ہے، زبان فصیح سے کوئی گواہی دے رہا ہے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں'' (یہ سند منقطع ہے اور بخاری کی روایت اس کی شاہد ہے اور یہ بات مصدقہ ہے کہ بچھڑے کی آواز سننے والے عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم)۔

مکہ کا ارادہ..... ''ہواتف جان'' میں ابوبکر خرائطی، ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ سواد بن قارب سدوسی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے کہا سواد! تمہیں خدا کی قسم ہے یہ بات بتاؤ کہ کیا تم آج بھی کہانت کا کام کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! یہ بات نہایت تعجب خیز ہے، آپ کے کسی ہم نشین سے ایسی سخت بات نہیں کی جیسے مجھ سے کی ہے۔ تو امیر المؤمنین نے کہا ارے سواد! شرک کے ارتکاب کا ہمارا گناہ آپ کی کہانت سے بڑا ہے، واللہ سواد! آپ کی ایک عجیب بات معلوم ہوئی ہے، تو اس نے کہا: ہاں واللہ وہ عجائبات میں سے ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بتائیے؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کاہن تھا، میں ایک رات سو رہا تھا کہ میرا جن آیا اس نے پیر مار کر کہا سواد! سنو جو میں کہتا ہوں۔ میں نے کہا: کہو کیا بات ہے؟ تو اس نے یوں کہا:

عجبت للجن و انجاسها
و رحلها العیس باحلاسها
تهوی الی مکة تبغی الهدی
ما مومنوها مثل ارجاسها
فارحل الی الصفوة من هاشم
واسم بعینیک الی راسها

میں یہ سن کر سو گیا اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی، دوسری رات پھر وہ آیا اور پیر مار کر کہا، سواد! سنو، میں نے کہا: سنائیے تو اس نے کہا:

عجبت للجن و تطلابها
وشدها العیس باقتابها
تهوی الی مکة تبغی الهدیٰ
ما صادق الجن ککذابها
فارحل الی الصفوة من هاشم
لیس المقادیم کاذنابها

''یہ سن کر مجھے کچھ تعجب ہوا اور میں سو گیا تیسری رات بھی اس نے حسب معمول جگا کر کہا، سواد! سمجھتا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا: کیا؟ تو اس نے کہا کہ مکہ میں نبی ظاہر ہو چکا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، ان سے جا کر ملو اور مزید سنو جو میں کہتا ہوں!''

تو میں نے کہا سناؤ، تو اس نے کہا:

عجبت للجن و تنفارها
ورحلها العیس باکوارها

تهوي الى مكة تبغي الهدى
ما مؤمنو الجن ككفارها
فارحل الى الصفوة من هاشم
بين روابيها وأحجارها

میں سمجھ گیا کہ قدرت نے میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ چنانچہ میں لباس پہن کر اونٹنی پر سوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے مجھے مسلمان ہونے کو کہا، میں مسلمان ہو گیا اور پورا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب مسلمان جمع ہوں تو دوبارہ بتانا۔"

جب مسلمان جمع ہو گئے تو میں نے کہا:

أتاني نجيي بعد هدء ورقدة
ولم يك فيما قد بلوت بكاذب
ثلاث ليال قوله كل ليلة
أتاك رسول من لؤي بن غالب
فشمرت عن ذيلي الازار ووسطت
بي الدعلب الوجناء غير السباسب

یہ سن کر مسلمان نہایت خوش ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آج بھی وہ آپ کے پاس آتا ہے؟ تو میں نے کہا جب سے مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا کیا ہے وہ نہیں آتا۔ (یہ اشعار مع ترجمہ گذر چکے ہیں)۔

جن کا واقعہ ..... محمد بن سائب کلبی، ابوہ۔ عمر بن حفص سے بیان کرتے ہیں کہ سواد بن قارب جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے کہا اے سواد، کیا اب بھی کہانت کا پیشہ کرتے ہو؟ وہ یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور کہا اے امیر المؤمنین! آپ نے کبھی ایسی سخت اور ناروا بات شاید کسی سے نہ کہی ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر کہا، اے سواد! اسلام سے قبل ہم جس شرک کے مرتکب تھے وہ تو اس سے بھی بڑا گناہ تھا، پھر سواد سے کہا، آپ جن کا واقعہ سنائیں، میں آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا، تو سواد نے کہا: میں "سرۃ" میں شب کو اونٹوں کے باڑے میں تھا اور سویا ہوا تھا، میرا ہمراز جن میرے پاس آیا اور اس نے پیر مار کر مجھے کہا سواد! اٹھ "تہامہ" میں نبی ظاہر ہو چکا ہے، وہ حق اور صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہے۔ (پھر حسب سابق اس نے بیان کیا) اور اس کے آخر میں یہ شعر زائد ہے:

وكن لي شفيعا يوم لا ذو قرابة　　　سواك بمغن عن سواد بن قارب

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کہا، اپنی قوم میں جاؤ اور یہ اشعار ان کو سناؤ۔

جبل سراۃ ..... حافظ ابن عساکر سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے سواد بن قارب ازدی نے بتایا کہ میں "کوہ سراۃ" پر سویا ہوا تھا کہ جن نے مجھے ٹھوکر ماری ..... باقی قصہ سابق کی طرح ہے۔

ہند ..... حافظ ابن عساکر (محمد بن براء، ابوبکر بن عیاش، ابو اسحاق) براء سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے سواد بن قارب نے بتایا کہ میں ہند میں فروکش تھا کہ ایک رات میرے پاس میرا تابع جن آیا (حسب سابق کامل قصہ بیان کرنے کے بعد کہا) کہ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر آ گئیں اور فرمایا سواد پھر تو فلاح یافتہ ہے۔

مازن عمانی ..... دلائل میں ابونعیم، عبداللہ عمانی سے بیان کرتے ہیں کہ شہر عمان کی نواحی بستی "سمایا" میں صنم خانہ تھا، اس کا مجاور مازن بن

عضوب تھا، اس کی والدہ زینب بنت عبداللہ بن ربیعہ بن خویص (یکے از بنی نمران) تھیں اس کے ماموں بنی صامت، بنی حطامہ اور بنی مہرۃ تھے، یہ بت کی نہایت تعظیم وتکریم کرتے تھے، مازن سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے بت کے پاس ایک جانور ذبح کیا، بت سے آواز آئی: اے مازن سنو! مسرت ہوگی، کیونکہ خیر ظاہر اور شرمخفی ہوگیا ہے۔ ''مضر'' سے ایک نبی اللہ کے عظیم دین کے ساتھ مبعوث ہو چکا ہے، یہ پتھر سے تراشا ہوا بت ترک کر دے، دوزخ کی حرارت سے محفوظ رہے گا، مجھے یہ سن کر بڑی پریشانی اور حیرانی ہوئی چند دن بعد پھر ایک جانور ذبح کیا تو پھر صنم سے آواز آئی: میری طرف متوجہ ہو ایک بھلی بات سن یہ نبی مبعوث، اللہ کی طرف سے حق لایا ہے، اس پر ایمان لاؤ، آگ کی حرارت سے محفوظ رہو گے، ایسی آگ کہ ایندھن پتھر ہے۔

بقول مازن یہ ایک عجیب وغریب واقعہ تھا اور میرے نیک مقدر کا مظہر تھا۔ ایک حجازی آیا ہم نے پوچھا کوئی نئی خبر لائے ہو؟ اس نے کہا احمد ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ ہر ایک سے کہتا ہے اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مانو، میں نے کہا یہی بات میں نے بت سے سنی تھی۔ چنانچہ میں نے بت کو ریزہ ریزہ کر دیا اور سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا اور میں نے مسلمان ہو کر کہا:

کسرت باجرا جذاذا وکان لنا
ربا نطیف به ضلا بتضلال
فالهاشمی هدانا من ضلالتنا
ولم یکن دینه منی علی بال
یاراکبا بلغن عمرا واخوتها
انی لمن قال ربی باجر قالی

''میں نے ''باجر'' بت کو پاش پاش کر دیا، ہمارا ایک رب تھا ہم گمراہی کی وجہ سے اس کا طواف کرتے تھے، ہاشمی نبی نے ہمیں گمراہی سے بچایا، ان کا دین میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ اے جانے والے! عمرو اور اس کے بھائیوں (بنی صامت، بنی حطامہ) کو بتا دے کہ جو شخص ''باجر'' کو خدا کہتا ہے میں اس کا دشمن ہوں''۔

پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میں رقص وسرور کا شوقین ہوں، عورتوں کا دلدادہ ہوں، شراب کا رسیا ہوں، ہم قحط سالی کا شکار ہو گئے، مال مویشی اور کنیزیں بھی ختم ہوگئیں، میں لاولد ہوں، دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے ان سے بے نیاز کر دے، شرم وحیا عطا کر دے اور مجھے نرینہ اولاد سے نواز دے، تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: یا اللہ! اس کو نغمہ وسرور کے بجائے قرآن کی تلاوت کی توفیق دے، حرام کے بجائے حلال کی خواہش پیدا کر، بدکاری کے بجائے عفت وپاک دامنی سے ہمکنار کر اور نرینہ اولاد عطا کر، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا قبول کی، میں بدکاری اور بدکرداری سے باز آگیا، عمان خوش حال ہوگیا، میں نے چار شادیاں کیں، نصف قرآن حفظ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا حیان بن مازن عطا کیا، اور میں نے کہا:

الیک رسول الله خبت مطیتی
تجوب الفیافی من عمان الی العرج
لتشفع لی یا خیر من وطیء الحصی
فیغفرلی ربی فارجع بالفلج
الی معشر خالفت فی الله دینهم
فلا رایهم رایی ولا شرجهم شرجی

''یارسول اللہ! آپ کی طرف میری سواری میدانوں کو طے کرتی آئی ہے عمان سے عرج تک۔ تا کہ آپ میری شفاعت کریں کہ میرا رب مجھے بخشے اور میں کامیاب لوٹوں۔ ایسے گروہ کی طرف جن کے دین کی میں نے اللہ کی خاطر مخالفت کی ہے، ان کی رائے میری رائے نہیں اور نہ ان کا طریقہ میرا طریقہ ہے''۔

وکنت امرءاً بالخمر و العهر مولعاً
شبابی حتی آذن الجسم بالنهج
فبدلنی بالخمر خوفاً وخشية
و بالعهر احصاناً فحصن لی فرجی
فاصبحت همی فی الجهاد ونیتی
فلله ما صومی و لله ما حجی

''میں عہد شباب میں شراب اور زنا کا رسیا تھا یہاں تک کہ میں نے جسم کو ست اور خراب کر دیا۔ اس نے مجھے شراب کے خمار کے بدلے خوف اور خشیت عطاء کی اور زنا کے بدلے پاکبازی اور میری شرم گاہ کو پاک کر دیا۔ میرا قصد وارادہ جہاد کے لئے وقف ہے، اللہ ہی کے لئے میرا روزہ اور حج ہے''۔

جب میں اپنی قوم کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے طعن وملامت کی اور برا بھلا کہا اور ایک شاعر سے میری ہجو کروائی۔ میں نے سوچا کہ ان کی ہجو کروں تو اپنی ہی ہجو کروں گا، چنانچہ میں ان سے الگ ہو گیا مجھے ان کی اندوہناک خبر پہنچی چونکہ میں ان کے قومی امور کا نگران تھا اس لئے انہوں نے مجھ سے التجا کی کہ اے ابن عم! ہم نے آپ کی صرف حرف گیری کی اور آپ کے اقدار کو ناگوار سمجھا اگر تم اپنے دین پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں واپس چلے آؤ، قوم کے امور سرانجام دو اور اپنے دین پر قائم رہو چنانچہ میں ان کے ہمراہ واپس قوم میں چلا آیا اور یہ کہا:

لبغضكم عندنا مر مذاقته
وبغضنا عندكم يا قومنا لبن
لا يفطن الدهر ان بثت معائبكم
وكلكم حين يثنى عيبنا فطن
شاعرنا مفحم عنكم وشاعركم
فی حدبنا مبلغ فی شتمنا لسن
ما فی القلوب عليكم فاعلموا وغر
وفی قلوبكم البغضاء و الاحن

''اے میری قوم! ہمارا تم سے بغض رکھنا تلخ اور ناگوار ہے، اور تمہارا ہم سے بغض وعناد رکھنا شیریں اور خوشگوار دودھ کی طرح ہے تمہارے عیبوں کو لوگ اہمیت نہیں دیتے جبکہ ہماری کوتاہیوں کو ہر کوئی اہمیت دیتا ہے ہمارا شاعر تم سے درگزر کرتا ہے اور تمہارا شاعر ہمارے بارے میں زبان دراز اور چرب لسان ہے خوب جان لو کہ ہمارے دلوں میں تمہارے متعلق کوئی غصہ اور کینہ نہیں اور تمہارے دلوں میں ہمارے خلاف کینہ اور بغض گھسا ہوا ہے''۔

حضرت مازن کہتے ہیں کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

حافظ ابونعیم، جابر ابن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر ایک عورت کو جن کے ذریعے معلوم ہوئی وہ سفید پرندے کی شکل میں آکر ان کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ اس عورت نے کہا ہمارے قریب کیوں نہیں آتا تا کہ ہم آپس میں کچھ حال دل کہیں تو اس نے کہا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اور ہمارا سکون چھین لیا۔ واقدی، علی بن الحسین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی خبر سب سے پہلے مدینہ میں ایک عورت ''فاطمہ'' کے جن نے پہنچائی وہ جن ایک روز آیا اور دیوار پر کھڑا ہو گیا، اس نے کہا: نیچے کیوں نہیں اترتا؟ اس نے جواب دیا بالکل نہیں اتروں گا کیونکہ ایک رسول مبعوث ہوا ہے جس نے زنا کو حرام قرار دے دیا ہے۔ بعض دوسرے تابعین نے بھی اس کو مرسل بیان کیا ہے اور اس جن کا نام ''ابن لوذان'' بتایا ہے اور اس میں مزید یہ ہے کہ وہ ایک مدت تک اس سے غائب

رہا عرصہ دراز کے بعد آیا تو اس عورت نے اسے ڈانٹا جن نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آیا ہوں میں نے ان سے سنا ہے کہ زنا حرام ہے۔
فعليك السلام.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر......علامہ واقدی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہم شام کی طرف ایک تجارتی قافلہ میں روانہ ہوئے جب ہم حدود شام میں داخل ہوئے تو ایک کاہنہ نے ہمیں بتایا کہ ایک دفعہ میرا جن میرے پاس آیا اور وہ دروازے پر رک گیا میں نے کہا کہ اندر کیوں نہیں آتا؟ تو اس نے کہا: میں اندر نہیں آسکتا، کیونکہ احمد نامی نبی آیا ہے اور ایک ناگزیر حکم آیا ہے جس کی خلاف ورزی کی طاقت نہیں، پھر وہ چلا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مکہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں مبعوث ہو چکے ہیں اور اللہ کی توحید کی دعوت دیتے ہیں۔

سعیرہ کاہنہ......علامہ واقدی نے محمد بن عبداللہ زہری سے نقل کیا ہے کہ ابتداء جن آسمانی خبریں سن لیتے تھے جب اسلام کا ظہور ہوا تو سننے سے روک دیئے گئے۔ سعیرہ اسدی کا ایک جن تھا جب اسے معلوم ہوا کہ وحی کی ساعت پر پابندی عائد ہوگئی ہے تو وہ سعیرہ کے سینے میں داخل ہو گیا اور چیخنے چلانے لگا۔ چنانچہ وہ عورت دیوانی ہوگئی۔ وہ جن اس کے سینے سے یہ پکارتا تھا:

"وضع العناق ومنع الوفاق وجاء امر لايطاق وأحمد حرم الزنا".

"بدکاروں کے اوپر حضرت محمد ﷺ کی طرف سے محرومیاں اور سختیاں نافذ ہوگئی ہیں۔ اب اس حکم کی خلاف ورزی کی طاقت نہیں ہے۔"

جن کا "خلصہ" نامی لڑکی سے جماع کرنا اور اس سے بچہ پیدا ہونا......حافظ ابوبکر خرائطی (عبداللہ بن محمد بلوی در مصر، عمارہ بن یزید، عیسی بن یزید، صالح بن کیسان،) مرداس بن قیس سدوسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کہانت اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کی وجہ سے تبدیلی کا ایک تذکرہ ہوا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) ہمارے ہاں بھی ایک ایسا واقعہ رونما ہوا تھا کہ ایک نیک سیرت "خلصہ" نامی لڑکی تھی ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک وہ لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے کہا، اے معشر دوس! میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔ مجھے تم پاک دامن سمجھتے ہو؟ ہم نے پوچھا آخر ہوا کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھی کہ یکا یک مجھے ایک تاریکی نے ڈھانپ لیا اور میں نے مرد وزن کے ملاپ کی سی حرکت محسوس کی، مجھے اپنے حاملہ ہونے کا اندیشہ ہوا، یہاں تک کہ وضع حمل کا وقت آگیا اور ایک لٹکے ہوئے کتے جیسے کانوں والا بچہ پیدا ہوا وہ بچوں کے ہمراہ کھیلنے لگا پھر اچانک کودا اور برہنہ ہو کر بلند آواز سے چیخنے لگا، ہائے خرابی، ہائے خرابی، ہائے جور وجفا، ہائے "غنم" کی تباہی، ہائے فہم کی بربادی آگ کے شعلہ سے، واللہ گھاٹی کے پیچھے ایک لشکر ہے اور اس میں خوبرو اور حسین نوجوان ہیں۔ لڑکی کی یہ بات سن کر ہم مسلح ہو کر سوار ہوئے اور جائے وقوع پر اس کاہن بچے سے ملاقات کی، تو اس نے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی دوشیزہ ہے؟ تو ایک عمر رسیدہ آدمی نے کہا: ہاں میرے پاس ایک ایسی دوشیزہ ہے جس کی ماں بھی پاک دامن ہے۔ اس نے کہا اسے جلدی سے یہاں لے آ۔

چنانچہ وہ لڑکی کو لے آیا اور اس کاہن بچے نے پہاڑ پر چڑھ کر دوشیزہ کو کہا: لباس اتار دے اور برہنہ ہو کر لوگوں کے سامنے آ۔ اور لشکر کو کہا: اس دوشیزہ کے پیچھے جاؤ اور احمد بن حابس دوسی کو کہا: تم پہلے سوار پر حملہ کرو، چنانچہ اس نے دشمن کے پہلے سوار پر حملہ کیا اور اس کو تہ تیغ کر دیا اس کا سر نا تھا کہ وہ سب شکست کھا گئے ہم نے مال غنیمت اکٹھا کیا اور وہاں ایک یادگار تعمیر کر کے اس کا نام "ذوالخلصہ" رکھ دیا، وہ کاہن بچہ جو بھی پیشن گوئی کرتا وہی ظہور پذیر ہو جاتی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو اس نے ہمیں ایک روز کہا: یا معشر دوس! بنی حارث بن کعب نے پڑاؤ ڈال لیا ہے چنانچہ تم لوگ مسلح ہو کر سوار ہو جاؤ اور لشکر کو پیچھے دھکیل دو اور لوگوں کو قبر میں دفن کر دو، صبح ہی ان کو بھگا دو اور شام کو خوب شراب نوشی کرو، اس پیش گوئی کے مطابق ہم ان سے برسرپیکار ہوئے تو انہوں نے ہمیں شکست سے دوچار کر دیا پس ہم نے اس کاہن کے پاس آکر کہا تیرا ناس ہو تو نے تو ہمیں عظیم مصیبت سے دوچار کر دیا ہم نے اس کو دیکھا تو اس کی آنکھیں ندامت سے جھکی ہوئی تھیں لہٰذا ہم نے اس کی غلط پیشن گوئی کو معاف کر دیا، کچھ دیر بعد

اس نے بلا کر کہا: کیا تم جنگ کے خواہش مند ہو؟ جو تمہاری عزت کا باعث ہو اور تمہارے لئے حرز جان اور محافظ ہو اور مال و دولت کا موجب ہو۔ ہم نے کہا ہم ایسی جنگ کے ضرور خواہش مند ہیں تو اس نے کہا: سوار ہو جاؤ، ہم نے سوار ہو کر اس سے پوچھا، کیا حکم ہے؟ تو اس نے کہا بنی حارث بن مسلمہ کی طرف جاؤ پھر اس نے کہا: ذرا ٹھہرو، تو ہم تھوڑی دیر ٹھہرے تو اس نے کہا: "فہم قبیلہ" پر حملہ کردو پھر اس نے فوراً کہا: تمہارے لئے ان میں کوئی کشت وخون نہیں پھر اس نے کہا "معنز" پر حملہ کرو جو گھوڑوں اور مال مویشی والے ہیں، پھر اس نے کہا: نہیں نہیں بلکہ تم درید بن صمہ پر لشکر کشی کرو جو تعداد میں قلیل اور وفادار ہیں پھر اس نے نفی کر کے کہا تم کعب بن ربیعہ پر حملہ کرو اور عامر بن صعصعہ کے علاقہ میں قید کردو ہم نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ہمیں شکست در یخت سے دوچار کردیا۔ ہم نے پھر واپس آ کر اس سے کہا: ہائے افسوس! تو ہمارے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ کاہن نے کہا: مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے سچ بتانے والا جھوٹ بتا رہا ہے تم مجھے ایک گھر میں تین روز کے لئے بند کردو پھر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا پھر تین روز کے بعد اس کا کمرہ کھولا تو آگ کا شعلہ تھا، اس نے کہا: یا معشر دوس! آسمان کے دریچے محفوظ ہو چکے ہیں اور افضل الرسل مبعوث ہو چکے ہیں، ہم نے پوچھا: کہاں؟ تو اس نے کہا: مکہ میں۔

اور سنو! میں مر رہا ہوں مجھے پہاڑ کی چوٹی پر دفن کرنا میں عنقریب آگ میں جل جاؤں گا اگر تم نے مجھے زمین پر چھوڑ دیا تو میرا وجود تمہارے لئے موجب عار ہوگا، جب مجھ سے شعلہ نمودار ہو تو تین پتھر "باسمک اللھم" پڑھ کر پھینکو جس سے میں بھسم ہو جاؤں گا، پس وہ مر گیا اور ایک آگ کا شعلہ نمودار ہوا اور ہم نے حسب وصیت اس پر تین پتھر پھینکے اور ہر پتھر کو "باسمک اللھم" پڑھ کر پھینکا پس وہ بھسم ہو گیا۔ (غریب جداً)

معلق سوار...... علامہ واقدی سفیان ہذلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک تجارتی قافلہ میں شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم رات کو زرقا اور معان کے مقام پر فروکش ہوئے تو فضا میں معلق، ایک شاہ سوار کہہ رہا تھا: اے سونے والو! جاگو! یہ سونے کا وقت نہیں احمد ﷺ نبی کا ظہور ہو چکا ہے اور جنات کو ہر مقام سے دھتکار دیا گیا ہے۔ قافلہ میں نوجوان تھے وہ یہ آواز سن کر گھبرا گئے چنانچہ جب ہم واپس گھر پہنچے تو وہاں مکہ میں قریش کے درمیان اختلاف ہو رہا تھا کہ ایک نبی جو بنی عبدالمطلب میں مبعوث ہوا ہے اس کا نام احمد ہے۔ (ذکرہ ابونعیم)

ابن مرداس کا اسلام قبول کرنا...... خرائطی عباس بن مرداس سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ دو پہر کے وقت دودھیل اونٹیوں کے پاس ایک "بعر" اور "بزغالہ" بندھا تھا (بعر: بکری کا وہ بچہ جو ایک گڑھے کے پاس باندھ دیا جاتا ہے شیر اس کی آواز سنتا ہے اور آ کر گڑھے میں گر پڑتا ہے) اچانک سفید شتر مرغ نمودار ہوا، اس پر ایک سفید پوش سوار تھا، اس نے کہا اے ابن عباس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمان کی حفاظت کا انتظام ہو چکا ہے، لڑائی دم توڑ رہی ہے اور لشکر آرام کر رہے ہیں۔ بے شک وہ نبی جو نیکی اور تقویٰ کے ساتھ پیر کے روز مبعوث ہوا ہے وہ "قصویٰ اونٹنی" والا ہے۔ ابن مرداس کہتا ہے: میں خوف زدہ ہو گیا اور اس منظر نے مجھے حیران و پریشان کر دیا یہاں تک کہ میں اپنے "ضماد" بت کے پاس آیا جس کی پرستش کیا کرتے تھے، میں نے اس کا گرد و نواح صاف کیا اور اس کا بوسہ لیا، یکا یک اس کے اندر سے آواز آئی:

قل للقبائل من سليم كلها
هلك الضماد وفاز أهل المسجد
هلك الضماد وكان يعبد مرة
قبل الصلاة مع النبي محمد
ان الذي ورث النبوة والهدى
بعد ابن مريم من قريش مهتد

"سلیم کے سب قبیلوں کو کہہ دو کہ ضماد کا دور ختم ہو گیا ہے اور توحید پرست کامیاب ہیں، "ضماد" برباد ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے قبل اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ ابن مریم (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے بعد نبوت و ہدایت کا وارث ہدایت یافتہ ہے"۔

یہ اشعار سن کر میں ڈر گیا اور لوگوں کے پاس آ کر یہ سارا قصہ ان کے گوش گزار کر دیا اور تین سو کا قافلہ لے کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے عباس! اسلام قبول کرنے کا واقعہ کیسے پیش آیا؟ میں نے پورا قصہ عرض کیا۔ آپ ﷺ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور میں نے اپنی قوم کے ہمراہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

یہ واقعہ حافظ ابونعیم نے ''دلائل'' میں ابوبکر بن ابی عاصم از عمر بن عثمان بیان کیا ہے۔ حافظ ابونعیم (اصمعی، رصافی، منصور بن معتمر، قبیصہ بن عمر بن اسحاق خزاعی) عباس بن مرداس سلمی سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میرے اسلام قبول کرنے کا آغاز اس طرح ہوا کہ میرے والد نے مجھے ''ضماد'' بت کی پرستش کی وصیت کی چنانچہ میں نے اسے ایک مکان پر نصب کر دیا اور روزانہ ایک بار اس کے پاس آتا تھا۔ جب نبی علیہ السلام کا ظہور ہوا تو میں نے رات کو ایک خوفناک سی آواز سنی اور بطور فریاد ''ضماد'' بت کے پاس آیا اچانک اس کے اندر سے آواز آئی:

قل للقبيلة من سليم كلها
هلك الانيس و عاش أهل المسجد
أودى ضماد وكان يعبد مرة
قبل الكتاب الى النبي محمد
ان الذي ورث النبوة و الهدى
بعد ابن مريم من قريش مهتد

وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ لوگوں کو نہیں بتایا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو میں ''ذات عرق'' کے علاقے ''عقیق'' میں اونٹوں کے باڑے میں سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک آواز آئی اور ایک شتر مرغ سوار کہہ رہا تھا:

بشر الجن و ابلاسها
ان وضعت المطي أحلاسها
و كلأت السماء أحراسها

''جنات کو ان کی ناامیدی کی بشارت سنا کہ سواریوں نے اپنے پالان اتار لئے ہیں اور اہل آسمان نے اس کی نگہبانی کی ہے''۔

یہ سن کر میں خوف زدہ ہو گیا اور سمجھ گیا کہ محمد ﷺ رسالت سے سرفراز ہو چکے ہیں، چنانچہ میں فوراً نہایت تیز رفتاری سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا پھر واپس آ کر ''ضماد'' کو بھسم کر ڈالا پھر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اشعار کہے:

لعمرك اني يوم اجعل جاهلا
ضماداً لرب العالمين مشاركاً
وتركي رسول الله و الأوس حوله
أولئك انصار له ما أولئكا
كتارك سهل الأرض و الحزن يبتغي
ليسلك في وعث الأمور المسالكا
فآمنت بالله الذي أنا عبده
وخالفت من أمسى يريد المهالكا

''تیری عمر کی قسم! بے شک جب میں نے ضماد کو اللہ کا شریک بنایا تھا تو میں جاہل تھا۔ اور میرا رسول اللہ ﷺ اور اوس جو آپ ﷺ کے انصار و مددگار تھے، کو ترک کرنا نرم گداز راستوں کو ترک کرنے والے کی مانند ہے جو مشکل امور میں راستوں کی جستجو میں ہو۔ میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کا بندہ ہوں اور میں نے مہلک راستوں کے اختیار کرنے والے کی مخالفت کی''۔

ووجهت وجهي نحو مكة قاصداً
أبايع نبي الأكرمين المباركا
نبي أتانا بعد عيسى بناطق
من الحق فيه الفصل فيه كذلكا
أمين على القران اول شافع
وأول مبعوث يجيب الملائكا
تلافى عرى الاسلام بعد انتقاضها
فاحكمها حتى أقام المناسكا

''اور میں نے مکہ کا عزم سفر کیا ہے کہ اکرم لوگوں کی مبارک نبی کی بیعت کروں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی واضح حق لے کر آیا ہے، اس میں دوٹوک فیصلے ہیں، وہ قرآن کا امانت دار ہے، پہلا شفاعت کرنے والا ہے اور پہلا نبی ہے جو عرب میں فرشتوں سے بات چیت کرتا ہے۔ اسلامی احکام کے شکستہ ہونے کے بعد ان کو مستحکم کیا یہاں تک کہ احکام حج کو بھی درست کیا''۔

عنيتك يا خير البرية كلها
توسطت في الفرعين والمجد مالكا
وأنت المصطفىٰ من قريش اذا سمت
على ضمرها تبقى القرون المباركا
إذا انتسب الحيان كعب ومالك
وجدناك محضا والنساء العواركا

''اے افضل کائنات! میں نے تیرا قصد کیا ہے۔ آپ والد و والدہ کے لحاظ سے اور مجد شرف کے لحاظ سے بہترین ہیں۔ جب قریش اپنے سدھائے گھوڑوں پر سوار ہوں تو آپ سب سے ممتاز ہیں اور مبارک زمانے میں آپ کا نام رہے گا''۔

خثعمی لوگوں کے مسلمان ہونے کا واقعہ...... خرائطی، عبداللہ بن محمود از ال محمد بن مسلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمارے اسلام قبول کرنے کا باعث یہ ہوا کہ ہم بت پرست تھے چنانچہ ایک روز بت کے پاس موجود تھے کہ چند لوگ کسی معاملہ کو سلجھانے کے لئے بت کے پاس آئے تو ہمیں ایک اچانک غیب سے صدا آئی۔

يا أيها الناس ذوو الاجسام
من بين اشياخ الى غلام
ما أنتم وطائش الاحلام
ومسند الحكم الى الاصنام
أكلكم في حيرة نيام
أم لا ترون ما الذي أمامي
من ساطع يجلو دجى الظلام
قد لاح للناظر من تهام

ذاک نبی سید الانام

قد جاء بعد الکفر بالاسلام

"اے بوڑھے اور جوان، تنومند لوگو! تم کم عقل لوگ تو نہیں ہو کہ بتوں کی طرف حکم کو سونپنے والے ہو۔ تمہیں کیا ہوگیا؟ کہ حیرت زدہ ہوئے ہو یا تم نہیں دیکھ رہے تہامہ سے ظاہر ہونے والی روشنی کو جو تاریکیوں کو منور کر رہی ہے اور تہامہ میں دیکھنے والے کے لئے واضح ہے۔ یہ نبی سید عالم ہے جو کفر کے بعد اسلام کا پیغام لایا ہے"۔

اکرمہ الرحمن من امام

ومن رسول صادق الکلام

اعدل ذی حکم من الاحکام

یامر بالصلوٰۃ والصیام

والبر والصلات للارحام

ویزجر الناس عن الآثام

والرجس والاوثان والحرام

من هاشم فی ذروۃ السنام

مستعلنا فی البلد الحرام

"اللہ نے اس امام اور راست گو رسول کی تعظیم وتکریم کی ہے۔ سب احکام میں وہ انصاف پرور ہے، نماز روزے، نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور لوگوں کو گناہوں سے منع کرتا ہے۔ شرک، بتوں اور حرام سے بھی منع کرتا ہے وہ آل ہاشم میں عالی رتبہ ہے مکہ میں اعلانیہ دعوت توحید دیتا ہے)۔

یہ اشعار سن کر وہ وہاں سے چلے آئے نبی علیہ السلام کی طرف عزم سفر کیا اور مسلمان ہوگئے۔

رافع بن عمیر تمیمی کا عجیب واقعہ..... خرائطی، سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں کہ رافع بن عمیر تمیمی راستوں کا خوب ماہر تھا، رات کو سفر کرنے کا عادی تھا، ہولناک امور میں گھس جاتا تھا، راستوں کی واقفیت اور دشوار گزار راہوں پر سفر کی جرأت وجسارت کی وجہ سے عرب میں "دعموص العرب" (بادشاہوں کا تقرب حاصل کرنے والا) کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے اپنے آغاز اسلام کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک رات میں عالج کے ریتلے میدان میں سفر کر رہا تھا کہ مجھے نیند نے ستایا اور میں سواری سے اتر کر سواری کے گھٹنے کا تکیہ بنا کر سو گیا اور سونے سے قبل میں نے کہا:

"أعوذ بعظیم هذاالوادی من الجن من ان أوذی أو أهاج"

اس وادی کے بڑے جن کے ساتھ میں پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے اذیت سے یا بازی کے طیش سے دوچار کیا جائے۔ میں سو گیا اور خواب آیا کہ ایک نوجوان میری اونٹنی کی تاک میں ہے اور ہاتھ میں نیزہ لئے اس کے سینہ میں گھونپنا چاہتا ہے میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، دائیں بائیں دیکھا کچھ نظر نہ آیا، سو چا یہ محض خواب ہے، اور سو گیا پھر پہلے کی طرح خواب آیا اور میں جاگ گیا اونٹنی کے گرد ونواح گھوما لیکن کچھ نہ دکھائی دیا جبکہ اونٹنی پر کپکپی طاری تھی میں دوبارہ سو گیا اور پھر پہلے جیسے خواب آیا اور دیکھا کہ اونٹنی تھر تھرا رہی ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک نوجوان (جیسا مجھے خواب میں نظر آیا تھا) کہ اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے، اور ایک بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑے اس کو منع کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے:

یامالک بن مهلهل بن دثار

مهلا فدی لک مئزری وازاری

عن ناقة الأنسي لاتعرض لها
واختر بها ماشئت من ألواري
ولقد بدالي منك مالم احتسب
ألا رعيت قرابتي وذماري
تسمو إليه بحربة مسمومة
تبالفعلك ياأبا الغفار

"اے مالک! رک جا، میرا تن من تجھ پر صدقے، رک جا۔ اس آدمی کی اونٹنی سے اس کو نقصان نہ پہنچا، اس کے بجائے میری نیل گائیوں میں سے پسند کر لے۔ تیرا یہ کام میرے گمان میں بھی نہ تھا، سب کچھ کر مگر قرابت اور ذمہ داری کا احساس کر۔ تو اس کی طرف زہریلا نیزہ لے کر بڑھ رہا ہے، اے ابوالغفار! تیرا یہ کام ناکام ہو"۔

یہ سن کر حملہ آور جوان نے کہا:

أأدرت أن تعلو وتخفض ذكرنا
فيغير مزرية أبا العيزار
ماكان فيهم سيد فيما مضى
ان الخيار همو بنو الاخيار
فاقصد لقصدك يامعكبر انما
كان المجير مهلهل بن دثار

"اے ابوالعیزار! کیا تو بلند رتبہ چاہتا ہے اور بلاوجہ ہماری شہرت کو داغدار کرتا ہے۔ ماضی میں، ان کا کوئی رئیس وعظیم نہ تھا، بے شک بہتر لوگوں کی اولاد ہی بہتر اولاد ہے۔ اے معکبر تو اپنی راہ لے، پناہ دہندہ تو میرا باپ مہلہل تھا"۔

وہ آپس میں جھگڑ ہی رہے تھے کہ تین وحشی گائے نمودار ہوئیں، شیخ نے نوجوان کو کہا اے بھانجے! اس مردِ پناہ گیر کی اونٹنی کے بجائے جو چاہو پکڑ لو۔ اس نوجوان نے ایک گائے پکڑی اور لے گیا۔ پھر مجھے شیخ نے کہا: جناب! جب کسی میدان میں پڑاؤ کرو اور خطرہ محسوس کرو تو یوں پڑھو: (اعوذبالله رب محمد من هول هذا الوادی) "اس وادی کی ہولناکی سے میں اللہ سے جو رب محمد ﷺ ہے پناہ مانگتا ہوں" کسی جن کی پناہ مت لو، ان کا تسلط ختم ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا یہ محمد کون ہے؟ تو اس نے کہا عربی نبی ہے، شرقی اور غربی نہیں بلکہ عالم گیر نبی ہے سوموار کے روز یہ مبعوث ہوا ہے۔ میں نے پوچھا اس کا جائے سکونت کہاں ہے؟ تو اس نے کہا "نخلستان یثرب"۔ جب فجر ہوئی تو میں نے سفر کا عزم کیا اور مدینہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی میرے بتانے سے قبل میرا سارا ماجرا کہہ سنایا اور مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ "وانه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن... الآية" اسی کے بارے میں نازل ہوئی۔

غیر اللہ سے پناہ...... خرائطی (اس کے برعکس بیان کرتے ہیں) (ابراہیم بن اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ داؤد بن حسین، عکرمہ، ابن عباس) علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی وادی میں درندے کا خطرہ محسوس ہو تو پڑھو اعوذ بدانیال والجب من شر الاسد (یہ روایت موقوف ہے اور غلط ہے۔ ندوی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنات سے جنگ کا بے بنیاد قصہ...... بلوی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنات کے ساتھ جنگ وجدال کا قصہ بیان کرتے ہیں جو "جحفہ" کے ایک کنوئیں پر پیش آیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو پانی لانے کے لئے بھیجا تھا تو جنات نے روکنا چاہا اور ڈولی کی رسی توڑ دی تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے الخ۔ یہ قصہ نہایت طویل اور بے بنیاد اور نہایت منکر ہے، واللہ اعلم۔

حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ اور بسم اللہ کی فضیلت...... خرائطی (شعبی یکے از حاضرین مجلس عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں قرآن کے فضائل اور افضل القرآن پر مباحثہ اور مذاکرہ ہو رہا تھا کسی نے کہا، سورۃ النحل کی آخری آیات افضل ہیں۔ بعض نے کہا سورۃ یٰسین، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آیت الکرسی سب سے افضل ہے۔ اس میں ستر کلمات ہیں، ہر کلمہ خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ مجلس میں عمرو بن معدی کرب بھی خاموش بیٹھے تھے، یہ ساری کاروائی سن کر کہا، ''بسم الرحمٰن الرحیم'' کی فضیلت کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا بتاؤ جناب ابوثور۔ یہ فضیلت کیونکر ہے؟ تو اس نے کہا جاہلی دور کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مجھے بھوک نے خوب ستایا تو میں نے بیابان میں غذا کی تلاش میں خوب گھوڑا دوڑایا لیکن صرف شتر مرغ کا انڈا ہاتھ آیا، ابھی اسی اثنا میں چل رہا تھا کہ ایک عربی شیخ خیمہ میں نظر آیا، جس کے پہلو میں ایک ماہ پارہ لڑکی تھی، اور کچھ بکریاں بھی تھیں، میں نے اس شیخ سے کہا کہ میں تجھے اسیر بنانا چاہتا ہوں (تیری ماں تجھے گم پائے) تو بوڑھے نے میری طرف سر اٹھا کر کہا، جوان! مہمانی چاہو تو حاضر ہے، تعاون چاہو تو بھی اعانت کر سکتے ہیں، میں نے کہا میں تو تجھے قید کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا:

عرضنا عليك النزل منا تكرما
فلم ترعوى جهلا كفعل الاشائم
وجئت ببهتان وزور ودون ما
لمنيته بالبيض حز الغلاصم

''ہم نے اپنے کرم و سخاوت کی وجہ سے مہمانی کی پیشکش کی ہے اور منحوسوں کی طرح تو اپنی جہالت سے باز نہ آیا۔ تو ناحق اور غلط ارادہ لے کر آیا ہے اور تیری آرزو کی تکمیل سے پہلے تلوار کے ذریعے سر تن سے جدا ہوگا''۔

پھر وہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر یکبارگی حملہ آور ہوا اور مجھے اپنے نیچے رکھ لیا پھر پوچھا قتل کر دوں یا احسان کر کے چھوڑ دوں، میں نے عرض کیا چھوڑ دیجئے، اس نے مجھے چھوڑ دیا تو میرے دل میں دوبارہ خیال آیا اور میں نے کہا (ثكلتك امك) میں تجھے گرفتار کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا:

بسم الله والرحمن فزنا
هنالك والرحيم به قهرنا
وما تغني جلالة ذي حفاظ
اذا يوم لمعركة برزنا

''اللہ اور رحمان کے نام کی برکت سے ہم کامیاب ہوتے ہیں اور اسم رحیم کی وجہ سے ہم غالب آتے ہیں۔ کسی جنگ جو کی توانائی کام نہیں آتی جب ہم کسی معرکہ میں کود پڑیں''۔

پھر اس نے کود کر مجھے نیچے رکھ لیا اور کہا ''اقتلك ام اخلي عنك'' میں نے کہا چھوڑ دیجئے، اس نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تھوڑی ہی دور گیا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بوڑھا پھونس مجھ پر غالب آ سکتا ہے؟ واللہ! اس بزدلی کی زندگی سے تو موت بہتر ہے، چنانچہ میں پھر اس کے پاس چلا آیا اور کہا استاسر ک، ثكلتك امك تو اس نے پھر ''بسم اللہ الرحمان الرحیم'' پڑھ کر حملہ کیا، اور مجھے نیچے رکھ لیا اور کہا، اقتلك ام اخلي عنك، میں نے کہا چھوڑ دیجئے اس نے کہا اب نہیں۔ اس نے ''جاریہ'' سے چھری منگوائی اور پیشانی کے بال کاٹ دیئے، عرب کا دستور تھا کہ جب کسی پر غالب آ جاتے تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر غلام بنا لیتے چنانچہ میں ایک عرصہ تک اس کی خدمت کرتا رہا

پھر اس نے کہا، عمرو! میں تجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ میرا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر محکم یقین ہے، بعد ازاں ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک مہیب اور خطرناک گنجان نخلستان میں پہنچ گئے، اس نے بلند آواز سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھی تو گھونسلوں سے تمام پرندے اڑ کر غائب ہو گئے۔ پھر زور سے دوبارہ پڑھی تو تمام وحشی جانور جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر اس نے تیسری بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی

تو ایک لمبا تڑنگا حبشی وادی سے نکل آیا تو شیخ نے مجھے تاکید کی کہ جب ہم نبرد آزما ہوں تو پڑھنا غلبه صاحبی بسم الله الرحمن الرحیم، بسم اللہ کی برکت سے میرا ساتھی غالب آ گیا۔ میں نے کہا جی ہاں، چنانچہ وہ نبرد آزما ہوئے تو میں نے کہا ”لات اور عزیٰ کی برکت سے میرا ساتھی غالب آیا“ لڑائی ہوئی تو شیخ مد مقابل کو زیر نہ کر سکا۔ میرے پاس واپس آیا اور اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری بات کی مخالفت کی ہے۔ میں نے اعتراف کیا اور آئندہ مخالفت نہ کرنے کا وعدہ کیا پھر اس نے کہا جب ہم برسر پیکار ہوں تو کہنا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکت سے میرا ساتھی غالب آ گیا میں نے کہا جی ہاں، جب میں نے ان کو دیکھا کہ وہ آپس میں لڑ رہے ہیں تو میں نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکت سے میرا ساتھی غالب آیا، چنانچہ شیخ نے حبشی کو تلوار سے قتل کر دیا اور اس کے پیٹ سے سیاہ قندیل کی طرح ایک لوتھڑا نکال کر کہا عمرو! یہ اس کا دھوکہ اور کینہ ہے۔ پھر شیخ نے کہا جانتے ہو، یہ لڑکی کون ہے؟ میں نے کہا جی نہیں، تو اس نے بتایا یہ فارعہ بنت سلیل جرہمی ہے۔ جنات کے اعلیٰ خاندان سے ہے اور یہ مقتول حبشی اس کے چچازاد بھائیوں میں سے ہے، ہر سال مجھ سے ایک چچازاد لڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکت سے نصرت و فتح عطا فرماتے ہیں۔ دیکھ میں نے حبشی کا کیسے کام تمام کر دیا۔ شیخ نے کہا اچھا اب مجھے بھوک ستا رہی ہے، کچھ کھانے کو لاؤ۔ چنانچہ میں نے گھوڑا دوڑایا اور بمشکل تمام شتر مرغ کے انڈے لایا تو وہ سو چکا تھا اس کے سرہانے لکڑی جیسا ہتھیار تھا میں نے سرکایا تو وہ ایک بالشت چوڑی سات بالشت لمبی تلوار تھی میں نے اس کی پنڈلیوں پر ایک وار کیا اور ان کو تن سے جدا کر دیا اور اس نے پشت زمین پر سے سر اٹھا کر کہا، غدار، بے وفا، اللہ تجھے ہلاک کرے تو کس قدر بے وفا انسان ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اس کا عضو، عضو کاٹ دیا اور اس نے کہا:

یا لغدر نسلت أخا الاسلام عن کثب
ما ان سمعت کذا فی سالف العرب
والعجم تألف مما جئته کرما
تبا لما جئته فی السید الارب
انی لأعجب أنی نلت قتلته
أم کیف جازاک عند الذنب لم تنب
قرم عفا عنک مرات وقد علقت
بالجسم منک یداه موضع العطب

”تو ابھی غدر و بے وفائی سے ایک مسلمان کے قتل کے درپے ہوا، میں نے عرب میں ایسا کوئی واقعہ نہ سنا تھا۔ ایسی بے وفائی کو تو عجم بھی باعث عار سمجھتے ہیں ایک مدبر رئیس کے ساتھ تیری بدیانتی تباہ کن ہے میں اگر چاہتا تو اس کو قتل کر سکتا تھا اس نے ناکردہ گناہ کا کیونکر بدلہ دیا؟ ایک قوم نے تجھے کئی بار معاف کیا اور اس کے ہاتھ تیری ہلاکت پر پہنچ چکے تھے“۔

لو کنت آخذ فی الاسلام ما فعلوا
فی الجاهلیة أهل الشرک والصلب
اذا لنالک من عدلی مشطبة
تدعو لذائقها بالویل والحرب

”اگر میں اسلامی دور میں مشرکین کے جاہلی دور کی غداری کا بدلہ لوں، تو میرے عدل کی وجہ سے سر پر تلوار پڑے جو اس لڑائی کا مزہ چکھا دے“۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اس لڑکی کا کیا بنا؟ میں نے بتایا کہ میں لڑکی کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا: شیخ کو کیا ہوا؟ میں نے کہا اس کو حبشی نے قتل کر دیا ہے۔ اس نے کہا: تو جھوٹ بکتا ہے تو نے غداری سے اس کو خود قتل کر دیا ہے، پھر اس نے کہا:

یا عین جودی للفارس المغوار
ثم جودی بواکفات غزار
لا تملی البکاء اذ خانک الدھر
بواف حقیقة صبار
وتقی وذی وقار وحلم
وعدیل الفخار یوم الفخار
لھف نفسی علی بقائک عمرو
اسلمتک الأعمار لأقدار
ولعمری لو لم ترمہ بغدر
رمت لشا کصارم بتار

''اے آنکھ تو غارت گر شاہسوار پر ڈھیروں آنسو بہا، تو رونے سے نہ اکتا، جب اہل زمانہ نے خیانت کر کے تجھ سے چھین لیا ایک وفادار، فکر مند نیک باوقار اور متحمل مزاج۔ اور وہ باہم افتخار کے روز فخر ومباہات میں دوسروں سے ہم سر اور ہم پلہ تھا۔ اے عمرو! تیرے زندہ رہنے پر مجھے افسوس ہے، تیری عمر اور بقا نے تقدیر کے سپرد کر دیا ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم! اگر تو اس سے غداری نہ کرتا تو تیرا مقابلہ ایسے شیر سے ہوتا جو قاطع تلوار کی مانند تھا''۔

مجھے اس کے اشعار سے رنج، غصہ آیا، میں تلوار سونت کر اس کو قتل کرنے کے لیے خیمہ کے اندر داخل ہوا تو وہاں کچھ نہ تھا، پھر میں بکریاں ہانک کر گھر لے آیا۔ یہ اثر اور خبر نہایت عجیب وغریب ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن شیخ مسلمان اور اس نے قرآن پڑھا تھا، اور وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پناہ لیتا تھا۔

نجاشی، زید اور ورقہ کا مذاکرہ..... خرائطی اسماء بنت ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمر رضی اللہ عنہ اور ورقہ ابن نوفل نے بیان کیا ہے کہ وہ واقعہ فیل کے بعد نجاشی کے دربار میں گئے اس نے کہا: اے قریشیو! صحیح صحیح بتانا کہ تمہارے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے باپ نے اس کو ذبح کرنا چاہا، پھر بصد مجبوری سو اونٹ اس کا فدیہ دیا۔ انہوں نے کہا: جی ہاں پھر پوچھا اس کے حالات کا تمہیں کچھ علم ہے؟ عرض کیا اس نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی ہے اور وہ حاملہ ہے۔ پھر پوچھا کیا تمہیں اس کی ولادت کا کچھ کا علم ہے؟ تو ورقہ نے کہا بادشاہ سلامت! میں ایک رات لات بت کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے اس کے شکم سے صدائے غیبی سنی:

ولد النبی فذلت الاملاک ونائی الضلال وادبر الاشراک

''نبی پیدا ہو چکا ہے اور بادشاہ رسوا ہو گئے ضلالت دور ہو چکی ہے اور شرک پشت پھیر گیا ہے''۔

پھر وہ بت منہ کے بل اوندھا گر پڑا۔ حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بادشاہ سلامت ایسا ایک واقعہ مجھے بھی یاد ہے۔ شاہ نے کہا سناؤ تو انہوں نے کہا، تقریباً اسی رات میں اپنے گھر سے باہر آیا اہل خانہ آمنہ کے حمل کا تذکرہ کر رہے تھے، میں جبل ابی قیس میں تنہائی کا طلب گار تھا، میں وہاں آیا تو ایک انسان نما شکل دیکھی جس کے دو سبز بازو تھے، اس نے مکہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: شیطان ذلیل ہو گیا، بت رسوا ہو گئے اور امین پیدا ہو گیا۔ پھر اس نے مشرق ومغرب، ہر سمت ایسا کپڑا پھیلا جس نے زیر آسمان ہر چیز کو ڈھانپ لیا اور اس سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس نے میری آنکھوں کو خیرہ اور خوف زدہ کر دیا۔ پھر وہ اپنے بازوؤں اور پروں کو حرکت دے کر کعبہ پر جا بیٹھا۔ اس سے ایسا نور چمکا جس سے سارا تہامہ منور ہو گیا اور اس نے کہا: زمین پاک ہو گئی اور اس میں موسم بہار آ گیا: پھر اس نے کعبہ پر نصب بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ گر پڑے۔

نجاشی نے کہا: میں بھی تمہیں اپنی سرگزشت سناتا ہوں۔ جس رات کا تم نے ذکر کیا ہے، اُسی رات میں اپنے مخصوص کمرے میں تنہا تھا کہ زمین سے ایک سر نمودار ہوا اور اس نے کہا: اصحاب فیل تباہ ہو گئے، ان پر پرندوں کے جھنڈ نے کنکر پھینکے ''اشرم'' سرکش تباہ ہو گیا، اُس

نبی پیدا ہوگیا جو مکہ اور حرم کا باشندہ ہے، جس نے بھی اس کی اتباع کی، وہ سعید وخوش نصیب ہے اور جس نے اتباع نہ کی وہ شقی اور بد نصیب ہے۔ پھر وہ سرزمین میں غائب ہوگیا۔ میں نے بولنے کی کوشش کی مگر بول نہ سکا حتیٰ کہ بستر سے اٹھنے کی بھی سکت نہ رہی، میں نے دستک دی جس کو اہل خانہ سن کر آئے تو میں نے ان کو کہا کہ کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دو، کچھ دیر بعد زبان، ہاتھ اور پاؤں چلنے کے قابل ہوگئے، (ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کے گرنے، آتش کدہ کے بجھ جانے اور سطیح کی تعبیر اور عبدالمسیح کے خواب بیان کرنے کے تفصیل ولادت نبی ﷺ کے قصہ میں ملاحظہ کریں)۔

حضرت زمل رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا...... تاریخ میں ابن عساکر نے زمل بن عمرو العذری سے روایت کیا ہے کہ بنی عذرہ کی شاخ بنی ہند بن حرام کا ایک حمام نامی بت جس کا دربان طارق تھا، وہ لوگ اس کی تعظیم وتکریم کرتے اور اس کے پاس قربانی کے جانور ذبح کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو طارق کہتا ہے کہ ہم نے یہ آواز سنی "اے بنی ہند بنی حرام! حق ظاہر ہوگیا ہے "حمام" ہلاک ہوگیا ہے اور اسلام نے شرک کو دھکیل دیا ہے۔" یہ سن کر ہم حیران وپریشان ہوئے، کئی روز کے بعد بت سے یہ آواز آئی اے طارق! اے طارق! نبی صادق کے وحی ناطق کے ساتھ، مبعوث ہو چکا ہے۔ ارض تہامہ میں واشگاف بیان کرنے والے نے بیان کیا ہے کہ اس کے معاون ومددگار کے لئے سلامتی اور عافیت ہے اور اس کے مخالف مقابل کے لئے ندامت وپشیمانی اور اب تاقیامت میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔

حضرت بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ بت اوندھا منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے سواری کا انتظام کیا اور قوم کے چند افراد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

إليك رسول الله أعملت نصها
وكلفتها حزناً وغوراً من الرمل
لأنصر خير الناس نصراً مؤزراً
وأعقد حبلاً من حبالك في حبلي
وأشهد أن لا شيء غيره
أدين به ما أثقلت قدمي نعلي

"یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی طرف سواری کو تیز دوڑایا ہے اور اُسے سنگلاخ اور پست ریتیلے میدان طے کرنے کی تکلیف دی ہے، تاکہ میں سید عالم کی خوب مدد کروں اور آپ کے ساتھ تعلق استوار کروں۔ اور میں گواہ ہوں کہ اللہ کے بغیر کسی کی بقا نہیں، تازندگی میں اس کی عبادت کروں گا"۔

پھر میں نے اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی بیعت کی اور بت سے جو آواز سنی تھی، وہ سب بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ذاك من كلام الجن، یہ جنات کا کلام ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عرب کے لوگو! میں تمہارا اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں میں اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں بے شک میں اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہوں اور میں تلقین کرتا ہوں کہ تم حج کرو، رمضان کے روزے رکھو بس جس شخص نے میری بات قبول کی اس کے لئے جنت ہے اور جس نے انکار کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

مکتوب نبوی...... پھر آپ نے ہمیں ایک علم دیا اور یہ نوشت عطا فرمائی:

"بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله لزل بن عمر وومن اسلم معه خاصة انى بعثته الى قومه عامد افمن اسلم ففى حرب الله ورسوله ومن ابى فله امان شهر ين شهدعلى بن ابى طاب و محمد بن مسلمة الانصارى"

(بقول ابن عساکر یہ نہایت غریب ہے)

گستاخ رسول جن کا قتل...... مغازی میں سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے اپنے چچا محمد بن سعید اموی، محمد بن منکدر، ابن عباس سے کیا ہے کہ جبل ابی قبیس پر جن کی صدائے غیبی آئی:

قبح الله رأيكم آل فهر
ما أدق العقول والأفهام
حين تعصي لمن يعيب عليها
دين آبائها الحماة الكرام
حالف الجن جن بصرى عليكم
ورجال النخيل والآطام
نوشك الخيل أن تردها تهادى
تقتل القوم في حرام بهام

''اے آل فہر! اللہ تمہاری رائے کو خراب اور نا کام کرے، تمہاری فکر وفہم کس قدر ہلکی اور اونیٰ ہے۔ غیرت منداور معزز آباء کے دین پر نکتہ چینی اور حرف گیر کے بارے میں جب تمہاری خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اس نے تمہارے خلاف بصریٰ کے جنات نخلستان اور عالی شان محلات والے لوگوں سے عہد و پیمان کر لیا ہے۔ قریب ہے کہ اس کا لشکر یہاں آئے اور قوم کا حرم میں سرتن سے جدا کر دے''۔

هل كريم منكم له نفس حر
ماجد الوالدين والأعمام
ضارب ضربة تكون نكالا
ورواحا من كربة واغتمام

''کیا تم میں کوئی نجیب الطرفین خاندانی، آزاد منش اور بہادر مرد ہے، جو ایسی ضرب لگائے کہ جو عبرت آموز ہو اور ہر قسم کے رنج وغم سے خلاصی موجب ہو''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ اشعار اہل مکہ کے زبان زد تھے، وہ باہمی ایک دوسرے کو سناتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے، اس کا نام مسعر ہے جو لوگوں سے بتوں کے بارے میں کلام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے گا چنانچہ تین روز کے بعد جبل ابی قبیس پر کسی ہاتف نے کہا:

نحن قتلنا في ثلاث مسعرا
إذ سفه الجن وسن المنكرا
قنعته سيفا حساما مشهرا
بشتمه نبينا المطهرا

''ہم نے مسلسل تین رات کی جستجو کے بعد ''مسعر'' کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے جنات کو احمق قرار دیا تھا اور برے راستے کی داغ بیل ڈالی تھی۔ میں نے اس کے جسم میں ننگی کاٹنے والی تلوار گھونپ دی ہے۔ کیونکہ اس نے ہمارے پاکباز نبی کی شان میں گستاخی کی تھی''۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جنات میں سے ایک دیو ہے، اس کا نام ''سمج'' ہے وہ مسلمان ہو گیا ہے میں نے اس کا نام ''عبداللہ'' رکھ دیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ تین روز مسعر کو تلاش کرتا رہا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ اسے جزائے خیر دے۔ آمین۔ سعد

بن عبادہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے قبل از ہجرت "حضرموت" کسی ضرورت کے لئے بھیجا تو میں تعمیل حکم میں روانہ ہو گیا، میں نے رات کو راستہ میں چلتے ہوئے کسی ہاتف سے سنا، کہتے ہیں۔

أبا عمرو تأوبني السهود
وراح النوم وامتنع الهجود
لذكر عصابة سلفوا وبادوا
وكل الخلق قصرهم يبيد
تولوا واردين الى المنايا
حياضاً ليس منهلها الورود
مضوا لسبيلهم وبقيت خلفاً
وحيداً ليس يسعفني وحيد

"اے ابوعمرو! مجھے بیداری لاحق ہے نیند اچاٹ ہو گئی ہے اور سونا یاد رفتگان کی وجہ سے محال ہو گیا ہے اور کائنات کی مخلوق کا محل زوال پزیر ہے۔ وہ موت کے گھاٹ پر چلے گئے، اس گھاٹ پر جانے والے کے لئے کوئی طلب باقی نہیں رہی وہ اپنے راستہ پر چلے گئے اور میں باقی تنہا رہ گیا ہوں، کوئی بھی میری حاجت برآوری نہیں کرتا"۔

سدى لا استطيع علاج امر
إذا ما عالج الطفل الوليد
فلأيا ما بقيت الى أناس
وقد باتت بمهلكها ثمود
وعاد والقرون بذي شعوب
سواء كلهم إرم حصيد

"بے کار ہوں کوئی کام انجام نہیں دے سکتا حالانکہ ایک بچہ بھی کام کر سکتا ہے۔ دیر تک میں نے لوگوں کے ہمراہ زندگی بسر کی ہے اور قوم ثمود بھی ہلاک ہو چکی ہے عاد اور وادیوں میں آباد مختلف اہل خانہ، سب کے سب ارم سمیت فنا کی نذر ہو گئے ہیں"۔

سعد کہتے ہیں ابھی میں یہ سن رہا تھا کہ ایک دوسری آواز آئی اے خرعب! تو پریشانی کا شکار ہے حالانکہ زہرہ اور یثرب کے درمیان ایک تعجب خیز امر رونما ہوا ہے۔ اس نے پوچھا اے شاحب! وہ کیا ہے؟ تو اس نے بتایا وہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ نبی مرسل بہترین کلام کے ساتھ نوع انسان کی طرف مبعوث ہوا ہے اور وہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آیا ہے، پھر اس نے پوچھا وہ نبی مرسل کون ہے؟ اور کتاب منزل کیا ہے؟ اور ناخواندہ رسول کون ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ دونوں کی اولاد سے ہے۔ اس نے کہا یہ تو بعید از قیاس ہے کیونکہ لوئی تو ختم ہو چکا ہے اور اس کا زمانہ بیت گیا ہے۔ میں اور نضر بن کنانہ دونوں نشانہ بازی کرتے اور ٹھنڈا دودھ پیا کرتے تھے میں نے اسے موسم سرما کی صبح ایک درخت کے نیچے سے اٹھا لیا، وہ میرے ہمراہ ایک روز رہا اس کا یہ حال تھا کہ کچھ دیکھتا اور سنتا تھا، خوب سمجھتا تھا۔

واللہ! اگر وہ نبی مرسل اس کی نسل سے ہے تو تلوار میان سے نکل آئی، خوف وخطرہ کافور ہو گیا، زنا اور سود ختم ہو گیا، پھر خرعب نے پوچھا: بتاؤ پھر کیا ہو گا؟ تو شاحب نے کہا: دکھ درد، بھوک و پیاس، صعوبت اور بے جا شجاعت کا دور ختم ہو گیا، سوائے بنی خزاعہ کے چند لوگوں کے۔ بدحالی اور تنگ دستی ختم ہو گئی اور سوائے اوس اور خزرج کے سب لوگ تباہ ہو گئے کبر وغرور، افتخار ومباہات چغلی اور بے وفائی ختم ہو گئی، سوائے بنی ہوازن کے۔ پشیمان کن کردار اور غلط کاری ختم ہو گئی سوائے خثعم کے۔ خرعب نے کہا: ذرا مزید وضاحت کریں۔ تو شاحب نے کہا: جب تنگی غالب آ گئی اور سنگلاخ وادی ختم ہو گئی تو وہ اپنی ہجرت گاہ سے نکال دیا جائے گا اور جب سلام محدود ہو جائے گا اور قطع رحمی شروع ہو جائے گی تو وہ مکہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔ خرعب

نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ تو شاحب نے کہا: اگر کوئی کان سنتا نہ ہوا اور آنکھ دیکھتی نہ ہو تو میں تجھے ہولناک بات بتا دوں، پھر اس نے کہا:

لا منام هدأ ته بنعيم　　　يا ابن غوط ولا صباح أتانا

''اے ابن غوط! تو سکون سے سوئے اور نہ صبح نمودار ہو''۔

سعد کہتے ہیں وہ حاملہ اونٹنی کی طرح خوب زور سے چلا آیا جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں گرگٹ اور سانپ مردہ پڑے ہیں اور مجھے خرعب اور شاحب کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ رسول اللہﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں۔ ابونعیم، حضرت سعد بن سے عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم نے مکہ مکرمہ میں رسول اللہﷺ کی ''لیلۃ عقبہ'' میں بیعت کی تو میں کسی ضرورت کے لئے ''حضرت موت'' روانہ ہو گیا، وہاں سے واپس کے دوران میں راستہ میں کسی جگہ سویا ہوا تھا کہ رات کو یہ آواز سن کر سہم گیا:

ابا عمرو تأوبني السهود　　　وراح النوم وانقطع الهجود

پھر ابونعیم نے مثل سابق طویل قصہ بیان کیا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ..... حضرت ابونعیم، تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کی بعثت کے وقت میں ''شام'' میں تھا میں نے کسی ضرورت کے لیے سفر کیا جب رات ہوئی تو میں نے کہا: (انا في جوار عظيم هذا الوادي الليلة) میں اس شب اس وادی کے عظیم جن کی پناہ میں ہوں، جب میں لیٹ گیا تو میں نے یہ صدائے غیبی سنی (عذ بالله فان الجن لا تجير احدا على الله) اللہ سے پناہ مانگ، کیونکہ جنات اللہ پر کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ میں نے یہ سن کر کہا: واللہ! یہ تو کیا کہتا ہے؟ تو اس نے بتایا اُمی قوم کا رسول اللہﷺ مبعوث ہو چکا ہے، ہم نے ''حجون'' میں اس کے پیچھے نماز ادا کی ہے، ہم اسلام قبول کر کے اس کے تابع ہو چکے ہیں، جنات کے مکر وفریب کی باتیں ختم ہو چکی ہیں اور ان پر آسمان سے انگار برستے ہیں تو بھی محمد رسول اللہﷺ کے پاس جا اور مسلمان ہو جا۔ تمیم داری کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میں نے ''دیر ایوب'' میں آ کر راہب کو تلاش کیا اور اس سے ملاقات کر کے سارا قصہ سنایا تو راہب نے کہا، یہ بات سچ اور حقیقت پر مبنی ہے بے شک وہ نبی حرم مکہ میں مبعوث ہوگا، اس کی ہجرت گاہ حرم مدینہ ہوگی اور بلاشبہ وہ سب انبیاء سے افضل ہے، اس کے پاس فوراً چلا جا۔ داری کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

''سواع'' بت..... حاتم بن اسماعیل، ساعدہ ہذلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ''سواع'' بت کے دربار پر خارش زدہ دو سو بکریاں لے کر حاضر ہوئے، ہم نے بکریوں کا یہ ریوڑ شفایابی کے لئے دربار کے قریب کیا تو اُس بت کے پیٹ سے ایک آواز بلند ہوئی کہ جنات کے ہتھکنڈے ختم ہو گئے ہیں اور ان پر ستاروں کے شعلے برستے ہیں، نبی کی وجہ سے جس کا نام ''احمد'' ہے (ابونعیم نے یہ قصہ معلق بیان کیا ہے)۔

حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ:..... ابونعیم راشد بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''معلاۃ'' میں ''سواع'' نامی بت تھا، ہذیل اور بنی ظفر اس کی پرستش کرتے تھے، ایک دن بنی ظفر نے ''راشد'' کو نیاز دے کر ''سواع'' کے دربار پر بھیجا، راشد کا بیان ہے کہ میں صبح سویرے ''سواع بت'' سے قبل ایک اور بت کے پاس سے گزرا تو اس کے اندر سے یہ آواز آئی: یہ نہایت تعجب خیز واقعہ ہے کہ اولاد عبدالمطلب میں سے ایک نبی کا ظہور ہوا ہے، جو زنا، ربا اور بتوں پر چڑھاوا دینے سے منع کرتا ہے، آسمان پر سامان سخت کر دیا گیا ہے اور جنات پر ستارے برسائے جاتے ہیں۔ پھر راستے میں ایک اور بت کے اندر سے ہاتف کی آواز آئی ''ضماد'' کی پرستش ختم ہو گئی ہے، احمدﷺ نبی کا ظہور ہو چکا ہے، جو نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ، روزے، نیکی اور صلہ رحمی کی تلقین کرتا ہے۔ پھر ایک اور بت کے اندر سے آواز آئی:

ان الذي ورث النبوة والهدى
بعد ابن مريم من قريش مهتد
نبي أتى يخبر بما سبق
وبما يكون اليوم حقا أوغد

''ابن مریم کے بعد قریش میں سے ایک ہدایت یافتہ شخص نبوت وہدایت سے سرفراز ہوا ہے، جو ماضی، اور مستقبل کی صحیح خبریں دیتا ہے''۔
راشد کہتے ہیں کہ میں ''سواع'' کے پاس صبح سویرے پہنچا تو دو لومڑ اس کو چاٹ رہے تھے اور نذر و نیاز کھا کر اس پر پیشاب کر رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر راشد نے کہا:

أر بّ يبول الثعلبان برأسه لقد ذلّ من بالت عليه الثعالب

''جس کے سر پر لومڑ پیشاب کرے، کیا وہ ربّ ہو سکتا ہے اور تحقیق جس پر لومڑ پیشاب کریں وہ ذلیل و رسوا ہے''۔

یہ واقعہ راشد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد پیش آیا چنانچہ وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ہمراہ کتا بھی تھا (اس زمانہ میں راشد کا نام ''ظالم'' اور اس کے کتے کا نام ''راشد'' تھا) رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کیا نام ہے؟ اس نے کہا ''ظالم'' پھر پوچھا تمہارے کتے کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ''راشد'' تو رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا تیرا نام ''راشد ہے اور کتے کا ''ظالم''۔ پھر وہ مسلمان ہو کر مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مقیم رہا اور رسول اللہ ﷺ سے ''وہاط'' میں کچھ زمین طلب کی آپ ﷺ نے اس کو گھوڑے کی ایک دوڑ تک کی اور تین دفعہ پتھر پھینکنے تک کی مسافت کے بعد علاقہ دیا یہ پتھر پھینکنے کی مسافت جہاں تک ہے اس مقام کو رکب الحجر کہتے ہیں۔ نیز اس کو پانی سے لبریز لوٹے میں لعاب دہن ڈال کر فرمایا کہ اسے زمین کے قطعہ پر چھڑک دینا اور لوگوں کو زائد از ضرورت پانی سے منع نہ کرنا۔ چنانچہ اس نے حسب فرمان پانی چھڑکا تو وہ ایک مستقل چشمہ کی شکل اختیار کر گیا جو آج تک جاری ہے اور اس پر کھجور کا باغ لگا دیا۔
مشہور ہے کہ ''وہاط'' کے سارے باشندے اس سے پانی پیتے اور نہاتے ہیں اور اس چشمے کو ''ماء الرسول'' کہتے ہیں وہاں پہنچ کر راشد نے ''سواع'' کو توڑ پھینکا۔

''مغازی'' میں ابو عثمان سعید بن یحییٰ اُموی، یکے از شیوخ جہینہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارا ایک آدمی موت وحیات کی کشمکش میں تھا جب ہم نے اس کے کفن دفن کی تیاری کر لی تو اس نے آنکھیں کھولیں اور ہوش میں آکر پوچھا: کیا قبر کا انتظام ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں! پھر اس نے اپنے چچازاد بھائی ''فصل'' کے بارے میں دریافت کیا، ہم نے کہا کہ وہ تندرست ہے، وہ ابھی تمہاری خیر و عافیت کی بابت پوچھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا، وہ میری جگہ قبر میں دفن ہوگا، مدہوشی کے عالم میں مجھے کسی نے کہا کیا بے ہوشی لاحق ہے؟ دیکھتا نہیں کہ تیری قبر کی کھدائی ہو چکی ہے۔ تیری ماں عنقریب بچے سے محروم ہونے والی ہے یہ بتاؤ کہ اگر ہم اس قبر کو تجھ سے محفوظ رکھیں اور اس میں ''فصل'' کو دفن کر دیں جو بھی گیا اور اس کا گمان ہے کہ اسے موت ابھی نہ آئے گی تو پروردگار کا شکر یہ ادا کرے گا؟ اور تو مشرکین کا دین ترک کر کے نمازی بن جائے گا؟ میں نے یہ سن کر اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا، بستر مرگ سے اٹھ! کیونکہ تو تندرست ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کو افاقہ ہو گیا اور ''فصل'' فوت ہو گیا اور اسی لحد میں دفن کر دیا گیا، جہینی شیخ کا بیان ہے کہ میں نے بعد ازاں اسے دیکھا وہ نماز پڑھتا تھا اور بتوں کو برا بھلا کہتا تھا۔

حضرت خریم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ...... مؤرخ اموی، عبداللہ سے نقل کرتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جنات کا تذکرہ ہو رہا تھا تو خریم بن فاتک اسدی نے کہا: کیا میں آپ کو اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ نہ بتاؤں؟ تو حاضرین نے کہا کیوں نہیں؟ ضرور بتایئے اس نے کہا: میں ایک روز گم شدہ اونٹوں کی تلاش میں تھا ان کے نقش پا نشیب و فراز میں تھے، میں چلتا چلتا ''ابرق عراق'' مقام پر پہنچ گیا وہاں میں نے سواری بٹھا کر کہا ''میں اس علاقہ کے عظیم سے پناہ کا طلبگار ہوں میں اس وادی کے رئیس سے پناہ کا جویاں ہوں'' اچانک ندائے غیبی آئی:

ويحك، عذ بالله ذي الجلال
والمجد والعلياء والافضال
ثم اتل آيات من الانفال
ووحد الله ولا تبالي
يا أيها الهاتف ما تقول
أارشد عندك أم تضليل
بين هداك الله ما الحويل

''تیرا ناس ہو! تو اللہ صاحبِ جلال وافضال اور شرف سے پناہ مانگ، اور سورۃ انفال کی آیات پڑھ، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر اور کسی بات کی فکر نہ کر۔ میں یہ سن کر نہایت خوف زدہ ہوا اور بعد ازاں ذرا سنبھل کر کہا،

یا ایہا الہاتف ما تقول

ارشد عندک ام تضلیل

بین ہداک اللہ ما الحویل

اے ہاتف تو کیا کہتا ہے؟ کیا تیرے ہاں رشد وہدایت ہے یا ضلالت وگمراہی، اللہ تجھے ہدایت سے نوازے، مزید وضاحت کرو، کیا تبدیلی رونما ہوئی ہے؟

تو اس نے کہا:

هذا رسول الله ذو الخيرات بيثرب يدعو الى النجاة

يأمر بالبر وبالصلاة ويزع الناس عن الهنات

''یہ رسول اللہ ﷺ صاحب خیر وبرکت ہیں، یثرب میں راہ نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ اور تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو رذیل کاموں سے روکتے ہیں''۔

میں نے یہ سن کر کہا، واللہ! میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور مسلمان ہو جاؤں، پھر میں نے سواری کے رکاب میں پاؤں رکھ کر کہا:

أرشدني أرشدني هديتا

لا جعت ما عشت ولا عريتا

ولا برحت سيدا مقيتا

لا تؤثر الخير الذي أتيتا

على جميع الجن ما بقيتا

''میری رہنمائی کر، تجھے ہدایت نصیب ہو تو جب تک زندہ رہے، بھوکا اور برہنہ نہ ہو، تو اپنی قوم میں طاقتور رئیس بن کر رہ! تو جب تک زندہ رہے اپنے علم وفضل سے جنات کو محروم نہ رکھ''۔

صاحبک اللہ وادی رحلکا

وعظم الأجر وعافا نفسكا

آمن به أفلج ربي حقكا

وانصره نصرا عزيزا نصركا

''اللہ تیرا رفیق سفر ہو اور تیری سواری کو منزل مقصود پر پہنچا دے، تجھے زیادہ اجر وثواب دے اور تندرستی سے نوازے۔ اس پر ایمان لا، میرا رب تجھے حق سے سرفراز کرے، تو اس کے دین کی مدد کر وہ تیری مدد کرے گا''۔

یہ سن کر میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ تاکہ میں نبی علیہ السلام کو تمہاری بابت بتا سکوں، تو اس نے کہا میں ملک بن ملک ہوں اور میں نصیبین کے جنات کا نقیب اور نمائندہ ہوں، تم اپنے اونٹوں کی فکر مت کرو، میں انشاء اللہ انہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔ چنانچہ میں بروز جمعہ، مدینہ منورہ پہنچا تو لوگ جوق در جوق مسجد کی طرف آ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے (گویا کہ حسن وجمال میں چاند کے ہم پلہ ہیں) اور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ مسجد کے دروازے پر سواری باندھ دوں اور رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا اور سارا قصہ گوش گزار کر دوں گا جب میں نے سواری بٹھائی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید اور اھلاً وسہلاً کہہ کر میرا استقبال کیا اور بتایا کہ تمہارے اسلام قبول کرنے کی اطلاع پہنچ چکی ہے۔ آپ آیئے اور نماز ادا کیجئے، چنانچہ میں نماز پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کی پیشگی اطلاع دی، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس جن نے وفاداری کی ہے اور یہ اس بات کا اہل تھا، اور تمام اونٹ تیرے گھر پہنچا دیئے ہیں۔

''معجم کبیر'' میں طبرانی نے خریم فاتک کے ترجمہ وتعارف میں (حسین بن اسحاق بیسری، محمد بن ابراہیم شامی عبداللہ بن موسیٰ اسکندری، سعید مقبری) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ خریم بن فاتک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میں آپ کو اپنے آغاز اسلام کے قصہ سے آگاہ نہ کروں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں تو میں نے سارا قصہ سنایا (لیکن اس میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو استقبال کرنے والا بتایا ہے) میں نے عرض کیا میں وضو کے آداب سے واقف نہیں تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے وضو کا طریقہ بتایا میں وضو کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ جو چاند کی طرح حسین وجمیل تھے وہ فرما رہے تھے جس مسلمان نے بالاستیعاب وضو کیا پھر خشوع وخضوع سے نماز ادا کی وہ جنتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس حدیث پر کوئی گواہ پیش کر، ورنہ میں عبرت ناک سزا دوں گا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شہادت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی شہادت کو درست قرار دیا۔

ابو نعیم (محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن تیم محمد بن خلیفہ، محمد بن حسن) حسن سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خریم بن فاتک کو کہا کوئی تعجب خیز حدیث سناؤ؟ تو خریم نے گذشتہ واقعہ کی طرح قصہ سنایا۔

سطیح کی مکہ میں آمد اور پیشن گوئی ...... ابو نعیم، عبداللہ بن دیلمی سے بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ سطیح کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جو نوع انسانی کے مشابہ نہ تھا؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے سطیح غسانی کو ایسے پیدا کیا ''جیسے گوشت کا ٹکڑا'' ہڈی پر ہوتا ہے، اس میں ہڈی اور پٹھے (''عصب'') کا نام ونشان تک نہ تھا سوائے سر کی کھوپڑی کے اور وہ کپڑے کی طرح پاؤں سے ہنسلی تک لپٹ جاتا تھا اور اس کے اعضا میں سے صرف زبان متحرک تھی، جب اس نے مکہ آنے کا عزم کیا تو اسے سواری پر لاد کر لایا گیا۔ اس کے پاس چار قریشی آئے (۱) عبد شمس اور (۲) ہاشم پسران عبد مناف بن قصی، (۳) احوص بن فہر اور (۴) عقیل بن ابی وقاص اور انہوں نے ''امتحاناً'' کہا: ہم ''جمحی'' ہیں اور آپ کا استقبال کرنا آداب میزبانی کے لحاظ سے ایک ضروری امر ہے۔ عقیل بن ابی وقاص نے ہندی تلوار اور ردینی نیزہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا اور یہ بیت اللہ کے دروازے پر رکھ دیا کہ سطیح کو یہ معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر سطیح نے کہا: جناب عقیل! اپنا ہاتھ دکھایئے۔ سطیح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے عقیل! قسم ہے مخفی چیزوں کے جاننے والی کی، خطاؤں کے بخشنے والے کی، عہد پورا کرنے والی کی اور کعبہ کی عمارت کی، تو ایک تحفہ لایا ہے وہ ہندی تلوار اور ردینی نیزہ ہے اس نے کہا اے سطیح! آپ نے بالکل درست کہا۔ پھر اس نے کہا: قسم ہے مسرت و فرحت لانے والے کی، توس قزح اور برساتی کمان کی، خوشحال اور آسودگی لانے والے کی، یتیم اوندھے پڑے ہوئے کی، کھجور کے درخت اور اس کے پھل کی بے شک ایک کوا دائیں جانب سے گزرا ہے اس نے بتایا ہے کہ یہ لوگ ''بنی جمح'' سے نہیں بلکہ قریش ہیں۔ تو سب نے کہا، اے سطیح! آپ کے علم وفضل کی وجہ سے آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، آپ ہمیں مستقبل کے واقعات سے آگاہ فرما دیں، ممکن ہے کہ آپ کو اس کا علم ہو۔ اس نے کہا اب تم نے مطلب کی بات کہی ہے۔ پس سنو! اور اللہ کا مجھ پر فضل ہے، اے گروہ عرب! تم پسماندہ ہو اور عقل وبصیرت میں تم اور عجم یکساں ہو، فہم وفراست سے تم محروم ہو، تمہاری نسل سے عقلمند اور دانشور پیدا ہوں گے جو ہر قسم کے علم کے طلب گار ہوں گے، بتوں کو پاش پاش کریں گے، سد سکندری تک پہنچ جائیں گے، عجم کو تہ تیغ کریں گے اور مال غنیمت جمع کریں گے۔ اور جب مزید دریافت کیا کہ اے سطیح! یہ کون لوگ ہیں؟ تو سطیح کہا، قسم ہے بیت اللہ گوشہ والے کی، امن اور اس کے مکینوں کی، تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بتوں کو توڑیں گے، شیطان کی بندگی سے منہ موڑیں گے، توحید پرست ہوں گے، اللہ کے دین کی اشاعت کریں گے، عالی شان عمارت تعمیر کریں گے، جوانوں سے مسائل پوچھیں گے۔

انہوں نے مزید وضاحت طلب کی کہ اے سطیح! یہ کس کی نسل سے پیدا ہوں گے؟ تو سطیح نے کہا، اشراف میں سے، اشرف اشراف کی قسم، مجد وشرف تک پہنچانے والے کی قسم، ریتیلے میدان کو تہ وبالا کرنے والے کی قسم، بے حساب اضافہ کرنے والے کی قسم کہ عبد شمس اور عبد مناف کی اولاد سے لاتعداد لوگ پیدا ہوں گے اور ان کے درمیان انتشار اور اختلاف ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے کہا جناب سطیح! پیشن گوئی تو ان کے متعلق بڑی اندوہ ناک ہے اچھا یہ بتایئے کہ وہ کس علاقہ میں پیدا ہوں گے؟ تو سطیح نے کہا قسم ہے، زندہ جاوید کی غایت وانتہا تک پہنچانے والے کی، اسی شہر مکہ سے ایک نوجوان ظہور پذیر ہوگا جو رشد و

بھلائی کی طرف راہنمائی کرے گا۔ لغوث اور بے ہودہ باتوں کے ترک کی تلقین کرے گا، متعدد خداؤں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کرے گا، صرف ایک خدا کی عبادت کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس ستودہ صفات کی روح قبض کرے گا، وہ روئے زمین پر معدوم مفقود ہوگا اور آسمان میں موجود و مشہور ہوگا۔

پھر اس کا جانشین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوگا جو صحیح فیصلہ کرے گا، حقوق وواجبات کے دلانے میں کوتاہ اندیش اور کمزور نہ ہوگا۔ بعدازاں اس کا خلیفہ پختہ ذہن انسان ہوگا، تجربہ کار رئیس ہوگا۔ درشت اور سخت کلام کو چھوڑ دے گا، بے سہارا اور کمزور کی ضیافت کرے گا، اسلام کو مستحکم کرے گا۔ پھر اس کا خلیفہ تجربہ کار ہوگا اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا، اجتماعی طور پر لوگ اس کے تابع ہو جائیں گے، پھر جوش انتقام سے اس کو تہ تیغ کر دیں گے اور بے دردی سے اس کو قتل کر دیں گے اور بڑا خطرناک کام کر گزریں گے بعدازاں اس کا خلیفہ ہوگا، دین کا حامی و ناصر، جنگجو کی رائے اور تدبیر کے تابع، اپنی قلمرو میں لشکر کو منظم کرے گا۔ بعدازاں اس کا بیٹا جانشین ہوگا، وہ اپنے لشکر کا اہتمام کرے گا، اس کی تعریف و ستائش برائے نام ہوگی مال کو اکٹھا کرے گا اور تنہا کھا جائے اس کے بعد اس کی اولاد میں مال کی ریل پیل ہوگی۔

بعدازاں چند بادشاہ ہوں گے ان میں خون ریزی ہوگی۔ بعدازیں خلیفہ ہوگا مفلس و نادار، اور ان کو چادر کی طرح لپیٹ کر رکھ دے گا۔ اس کا جانشین تند خو اور حق سے گریزاں ہوگا ناپسندیدہ اور ناگوار طرز پر فتوحات کرے گا۔ پھر اس کا جانشین ایک پست قد شخص ہوگا، اس کی پشت پر داغ ہوگا وہ فوت ہو جائے گا اور حکومت صحیح سالم قائم ہوگی۔

پھر معمولی عرصہ کے بعد ناکتخدا اور کنوارہ جانشین ہوگا، ملک تباہی سے ہمکنار ہوگا۔ پھر اس کا بھائی جانشین ہوگا وہ اصل طرز پر حکمرانی کرے گا، آمدنی اور ابلاغ کے ذرائع پر قابض ہوگا۔ اس کے بعد احمق اور بے وقوف دنیادار عیش پرست خلیفہ ہوگا۔ اس کے عزیز و اقارب باہمی مشاورت کے بعد معزول کر کے اس کو قتل کر دیں گے۔ پھر اس کے بعد ساتواں خلیفہ ہوگا، ملک تباہی کے دہانے پر ہوگا، اس وقت ہر طالع آزما ملک پر حریص ہوگا پھر اس کا جانشین مظلوم خلیفہ ہوگا، قحطان کا لشکر نزار کو راضی کرے گا۔ جب لبنان اور بنیان کے درمیان علاقہ دمشق میں دو لشکر مزاحم ہوں گے۔ اس وقت یمن دو حصوں میں منقسم ہو جائے گا، ایک مشیر و دخیل دوسرا طرید و ذلیل۔ دوست و احباب عیش و عشرت میں مخالف قید و بند میں ہونگے۔ پیدل اور سوار لشکر کے درمیان۔ اس زمانہ میں مکانات برباد ہو جائیں گے بیوہ عورتوں سے مال و دولت چھین لیا جائے گا، حاملہ عورتوں کے حمل ضائع ہو جائیں گے زلزلہ بکثرت آئے گا، وائل قبیلہ خلافت کا طلبگار ہوگا، نزار قبیلہ رنج و غم میں ہوگا، غلام اور شریر، فسادی حکومت کے ہمنوا ہوں گے۔ نیک اور شریف لوگ، حکومت کے معتوب ہوں گے، صفر میں مہنگائی حد سے تجاوز کر جائے گی، ہر ایک دوسرے کو مولی گاجر کی طرح کاٹے گا پھر وہ اُن خندقوں سے چلے جائیں گے، جن پر خیمے نصب ہیں۔ اشراف و اخیار کامیاب و کامران ہو جائیں گے، وہ مضطرب و پریشان ہوں گے، نیند مفید ہوگی نہ سکون و اطمینان، وہ کسی شہر میں داخل ہوں گے اور قضا و قدر کی نذر ہو جائیں گے۔

پھر تیر انداز آئیں گے جو پیادہ لوگوں کو لپیٹ لیں گے، مسلح لوگوں کے قتل کے لئے مدافعت کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے لوگ گمراہ ہو جائیں گے، یہ پانی کی اعلیٰ سطح پر رونما ہوگا، پھر دین مٹ جائے گا، انقلاب برپا ہو جائے گا، آسمانی کتابوں کا انکار ہوگا، نہروں پر ذرائع آمد و رفت اور پل تباہ ہو جائیں گے، صرف جزیروں میں آباد لوگ محفوظ رہیں گے، کھیتی باڑی تباہ ہو جائے گی، گنوار اور غیر مہذب غالب آ جائیں گے، ایسے پر تشدد زمانہ میں فاسق و فاجر لوگوں پر نکتہ چینی اور حرف گیری نہ ہوگی۔ کاش قوم کے لئے کوئی زندہ دل انسان ہو محض آرزوؤں اور تمناؤں سے کام نہیں چلتا۔ سامعین نے پوچھا اے سطیح: پھر کیا ہوگا؟ تو اس نے کہا: پھر ایک شخص ظاہر ہوگا اور فتنہ و فساد دب جائے گا۔

یہ قصہ نہایت عجیب و غریب ہے، ہم نے محض اس میں مذکور فتنہ و فساد کے واقعات اور عجوبہ پن کی وجہ سے نقل کیا ہے۔ شاہ یمن ربیعہ بن نصر کے ساتھ شق اور سطیح کا قصہ اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا تذکرہ البدایہ میں بیان ہو چکا ہے۔ جب ساسانی بادشاہ نے ایوان کے کنگرے گرنے، آتش کدہ ٹھنڈا ہو جانے اور موبذان کے خواب کے وقت، عبدالمسیح کو سطیح کے پاس بھیجا تھا، یہ واقعات اس رات معرض وجود میں آئے، جب تاج ادیان روئے زمین پر تشریف لائے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ختم شد حصہ دوم ...... تاریخ ابن کثیر